جدید کمپیوٹر ایڈیشن

تفسیر کمالین

شرح اردو

تفسیر جلالین

تفسیر

علامہ جلال الدین محلیؒ و علامہ جلال الدین سیوطیؒ

شرح

حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحب

استاذ تفسیر دار العلوم دیوبند

دار الاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 021-32213768

تفسیر کمالین

شرح اردو

تفسیر جلالین

جلد اوّل

پارہ ۱ تا پارہ ۵

سورۃ البقرۃ، آل عمران، النسآء

تفسیر

علامہ جلال الدین محلیؒ و علامہ جلال الدین سیوطیؒ

شرح

حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحب مدظلہم

استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

مکتبہ

دارالاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : ایڈیشن جنوری ۲۰۰۸ء

ضخامت : ۶ جلد صفحات ۳۲۲۴

تصدیق نامہ

میں نے "تفسیر کمالین شرح اردو تفسیر جلالین" کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا جو کمی نظر آئی اصلاح کر دی گئی۔ اب الحمدللہ اس میں کوئی غلطی نہیں انشاء اللہ۔

محمد شفیق (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)
نمبر مجاریہ R.ROAUQ 2002/338
رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف سندھ

23/08/06

اجمالی فہرست

جلد اول پارہ نمبر اول تا پنجم

پارہ نمبر ﴿۱﴾

قال ربنا العلی العلیم ان الابرار لفی نعیم

حرف آغاز

تبارك الذی نزّل الفرقان علیٰ عبده لیکون للعالمین نذیرا.

میرے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ تین سالہ تھکا دینے والی مسلسل علالت کے زمانہ میں ایک تن مردہ میں اس طرح جان ڈالنے کی کوشش کی جائے گی کہ ایک طرف تو اس تفسیری شرح کے مسودات لکھے جا رہے ہوں گے، اور دوسری جانب نظر ثانی کئے بغیر حوالۂ پریس ہو رہے ہوں گے۔

ناچیز کی طرح علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے لئے بھی میدانِ صحافت میں یہ پہلا ہی قدم تھا لیکن وہ ایک جلیل القدر امام فن تھے اور ناچیز ان کا دریوزہ گرد کاسہ لیس ہے۔ انہوں نے پچیسویں سن میں یہ شہرہ آفاق علمی شاہکار پیش کر کے دنیائے علم کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اور یہاں عمر عزیز کی ۴۵ بہاریں لٹ چکی ہیں مگر کاروانِ علم وعمل پھر بھی جادہ پیا نہیں ہوا۔ انہوں نے "مدت کلیم" یعنی صرف ایک چلہ میں نصف قرآن کی تفسیر جلیل مکمل کر دی تھی۔ اور یہاں اس مدت میں ان ہی کے نصف پارہ کی لیپ پوت بھی مشکل ہے۔

البتہ بلبل کے لئے اگر ہم قافیہ گل ہونا بس کرتا ہے تو اس "بے کمال" کے لئے ہم ردیف "جلال" ہونا یقیناً نجات کے لئے کافی ہے ناچیز اس سلسلہ میں حوالوں کے انبار سے ناظرین کو مرعوب وزیر بار کرنے کی کوشش نہیں کرے گا تاہم جو کچھ اور جیسا کچھ بھی ہے وہ احتیاط کی چھلنی میں چھان کر حاضر خدمت ہے۔ "انظر الی ماقال ولا تنظر الی من قال" پر نظر رکھیئے۔

اس تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں کا امکان ہی نہیں بلکہ وقوع اغلب ہے اس لئے عفو وتسامح اور اصلاح کی بھیک مانگتا ہوں اور خدا سے قبولِ عام کے ساتھ اس کے حسنِ اتمام کی دعا: ربنا اتمم لنا نورنا

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه بجاه النبی المصطفیٰ واٰله المجتبیٰ

ابوعبداللہ محمد نعیم ابن حکیم محمد منعم

خادم دار العلوم دیوبند

۶؍ ذیقعدہ ۸۱ھ یوم الاربعاء، ۱۱؍ اپریل ۶۲ء

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ حَمْدًا مُّوَافِيًالِنِعَمِهٖ مُكَافِيًا لِمَزِيْدِهٖ وَالصَّلٰوةُ والسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَجُنُوْدِهٖ

ترجمہ:...... ہر طرح کی ساری خوبی اور تعریف اللہ کے لئے ہے جو اس کی نعمتوں کے برابر اور اس کے مزید احسان کی مکافات کرنے والی ہو اور صلوٰۃ وسلام نازل ہو ہمارے آقا (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے آل واصحاب اور (مجاہدین) کے لشکر پر۔

﴿تشریح﴾ حمد کی مکمل تحقیق:...... قرآن کریم کا افتتاح جس طرح بسم اللہ اور الحمد للہ سے کیا گیا ہے اور عملاً آنحضرت ﷺ نے اپنے تمام تبلیغی مکتوبات کی ابتداء جو مختلف بادشاہوں اور حکام کے نام ارسال فرمائے ہیں، بسم اللہ سے فرمائی ہے۔ اور قولاً بھی ارشاد گرامی ہے کل امر ذی بالٍ لم يبدأ باسم الله وفي رواية بحمد الله فهوا قطع واجزم. یعنی ہر وہ بڑا اور مہتم بالشان کام جس کی ابتداء بسم اللہ اور الحمد للہ کے بغیر ہوگی وہ ناتمام اور بے انجام رہے گا، اس لئے عام مؤلفین ومصنفین نے عملاً اس کا اہتمام والتزام رکھا ہے کہ وہ اپنی کتابوں اور تحریروں کا آغاز بسم اللہ اور الحمد للہ سے کرتے رہے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی الشافعیؒ بھی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر کا افتتاح قرآن وحدیث اور تعامل سلف کا اتباع کرتے ہوئے بسم اللہ اور الحمد للہ سے کر رہے ہیں۔ پھر سلسلہ حمد میں بھی انہوں نے وہ صیغہ اختیار کیا جو سب سے اعلیٰ وافضل ہے یعنی "الحمد للہ" چنانچہ علماء نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص نذر مانے کہ میرا اگر فلاں کام ہو جائے گا تو میں اللہ کی سب سے افضل حمد کروں گا۔ یا اللہ کے تمام محامد بیان کروں گا تو اس کو "الحمد للہ" کہہ لینا چاہئے، اس طرح اس کی نذر پوری ہو جائے گی، یہ بات دوسرے صیغوں میں نہیں ہے۔ باقی الفاظ حمد، مدح، شکر کا استعمالی فرق؟ سو طلباء کو معلوم ہے کہ حمد کہتے ہیں محمود کے اوصاف جمیلہ اختیاریہ بیان کرنا، جیسے حمدت زیدا علی علمه اور مدح کہتے ہیں ممدوح کے اوصاف غیر اختیاریہ بیان کرنے کو جیسے مدحت زید اعلی حسنه نعمت کے بدلہ میں ہو یا بلا نعمت کے مگر صرف زبانی اظہار ہونا چاہئے۔ البتہ شکر صرف اظہار نعمت پر ہوتا ہے زبان سے یا دل اور جوارح سے۔ اس لئے زبانی اظہار کے لحاظ سے حمد ومدح خاص ہیں۔ اور صرف نعمت کے اعتبار سے شکر خاص ہے گویا ان میں عموم خصوص کی نسبت حاصل ہوئی۔

اسلام اور حمد میں چولی دامن کا ساتھ:............ اسلام چونکہ اچھائی پسند مذہب ہے اس کی بنیاد مذمت، نفرت، تبرا بازی پر نہیں ہے اس لئے کلام الٰہی کی ابتداء لفظ حمد سے کی گئی ہے۔ پیغمبر اسلام کا نام نامی محمد اور احمد تجویز ہوا، قیامت میں آپ ﷺ کو جو خاص مقام شفاعت عطا فرمایا جائے گا اس کا نام مقام محمود ہوگا وہ جھنڈا جس کے نیچے امت محمدیہ امتیازی شان کے ساتھ کھڑی ہوگی۔ "لواء الحمد"

کہلائے گا۔ اور اس کے نیچے کھڑے ہونے والے امتی "حمادون" کہلائیں گے۔ اس وقت جو عجیب وغریب ترانۂ حمد آپ ﷺ کی زبانِ نبوت سے ادا ہوگا کہ اولین وآخرین میں سے کسی کے تصور میں بھی نہیں آیا ہوگا۔ **فسبحان من یستحق لجمیع محامدہ۔**

مفسر محقق کی یہ عبارت اقتباس ہے۔ حدیث نبوی **الحمد للہ حمدایوا فی نعمہ ویکافی مزیدہ** کا۔

حمد وثناء صلوٰۃ وسلام کی عقلی وجہ:........ منعم حقیقی جل مجدہٗ کی تعریف وتوصیف کے بعد واسطۂ احسان کو بھی محسن شمار کرتے ہوئے علیٰ قدرمراتب مجازی **منعمین** و **محسنین** کو کلمات تحسین اور دعائے خیر میں یاد رکھنا تقاضائے احسان شناسی ہے۔ حدیث **لولاک لما خلقت الافلاک** روایتی لحاظ سے پائیدار نہ سہی لیکن مضمون ومفہوم کے اعتبار سے اس کی صحت تکویناً وتشریعاً رسول اللہ ﷺ کے واسطۂ احسان کو چاہتی ہے۔ علیٰ ہذا آپ ﷺ کے آلؑ واصحابؓ جس طرح اس واسطۂ احسان ہونے میں آپ ﷺ کے اتباع ہیں۔ اس ہدیۂ تشکر وامتنان میں بھی وہ آپ ﷺ کے تابع رہیں گے۔ درود وسلام کا ہدیہ درحقیقت امتثال ہے۔ حکم خداوندی **یآ ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیمًا** کا اس آیت کریمہ سے علماء نے صلوٰۃ وسلام میں سے کسی ایک کے جواز کا استنباط فرمایا، تاہم بہتر یہی ہے کہ اطلاقاً دونوں صیغوں کو جمع کیا جائے جیسا کہ جلال محققؒ نے کیا ہے۔

حکام دنیا اور پیشوایان مذہب:........ دنیا میں جس طرح بادشاہوں اور حکام کے لئے مخصوص القاب وآداب اور خطابات ہوتے ہیں اور ان کو بے محل یا بے موقعہ استعمال کرنا بے ادبی اور گستاخی سمجھا جاتا ہے، اسی طرح مذہبی مقتداؤں اور پیشواؤں کے لئے حسب مراتب مختلف القاب وآداب ہیں۔ نبی ﷺ کا نام نامی آئے تو ادب یہ ہے کہ "صلوٰۃ وسلام" کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ دیگر انبیائے کرامؑ کا ذکر خیر آئے تو ان پر سلام بھیجا جائے۔ آپ ﷺ کے اصحابؓ کا تذکرہ آئے تو مبارک ناموں کے ساتھ "رضی اللہ" کہنا چاہئے۔ وفات پائے ہوئے علماء، صلحاء کا نام لیا جائے تو "رحمہ اللہ" اور "قدس سرہ" کے الفاظ سے یاد کرنا چاہئے۔ عامۂ مومنین کا نام آجائے تو "مرحوم" کا لفظ استعمال کر لینا چاہئے۔ اس کے خلاف نہیں کرنا چاہئے چنانچہ علماء نے تصریح کی ہے کہ مستقلاً صلوٰۃ وسلام کا استعمال انبیاء کرامؑ کے علاوہ دوسروں کے لئے مناسب نہیں ہے بلکہ جس طرح اصل دین میں وہ تابع ہیں اس میں بھی وہ تابع ہی رہیں گے۔ اصحاب سے مراد خاص آپ ﷺ کے صحابہ ہیں جنہوں نے بحالتِ ایمان شرف زیارت حاصل کیا ہو خواہ حقیقۃً یا حکماً اور ایمان ہی پر ان کی وفات ہوئی ہو۔

علماء امت آل نبی ﷺ ہیں:........ لیکن آل سے مراد اگر صرف اہل بیت کی بجائے تمام اتباع الیٰ یوم القیامۃ ہوں۔ اور جنود سے مراد تمام مجاہدین دین ہوں، خواہ ان کا جہاد، قتال فی سبیل اللہ ہو یا قلمی اور زبانی جہاد بصورتِ خدمات علمی ہو تو سب خدامِ دین اور علمائے ربانیین بھی اس میں داخل ہوجائیں گے۔ باقی لفظ صلوٰۃ آل صحابی کی تحقیق سے طلبہ بے نیاز ہیں۔

اَمَّـا بَعۡدُ! فَھٰذَا مَا اشۡتَدَّتۡ اِلَیۡهِ حَاجَةُ الرَّاغِبِیۡنَ فِیۡ تَكۡمِلَةِ تَفۡسِیۡرِ الۡقُرۡاٰنِ الۡكَرِیۡمِ الَّذِیۡ اَلَّفَهُ الۡاِمَامُ الۡعَلَّامَةُ الۡمُحَقِّقُ الۡمُدَقِّقُ جَلَالُ الدِّیۡنِ مُحَمَّدُ بۡنُ اَحۡمَدَ الۡمَحَلِّیُّ الشَّافِعِی وَتَتۡمِیۡمِ مَافَاتَهٗ وَھُوَ مِنۡ اَوَّلِ سُوۡرَةِ الۡبَقَرَةِ اِلٰی اٰخِرِ سُوۡرَةِ الۡاِسۡرَاءِ بِتَتِمَّةٍ عَلٰی نَمَطِهٖ مِنۡ ذِكۡرِمَا یُفۡھَمُ بِهٖ كَلَامُ اللّٰهِ وَالۡاِعۡتِمَادِ عَلٰی اَرۡجَحِ الۡاَقۡوَالِ وَاِعۡرَابِ مَایُحۡتَاجُ اِلَیۡهِ وَالتَّنۡبِیۡهِ عَلَی الۡقِرَاءَاتِ الۡمُخۡتَلِفَةِ الۡمَشۡھُوۡرَةِ عَلٰی وَجۡهٍ

لَطِيفٍ وَتَعْبِيرٍ وَجِيزٍ وَتَرْكِ التَّطْوِيلِ بِذِكْرِ اَقْوَالٍ غَيْرِ مَرْضِيَّةٍ وَّاَعَارِيبَ مَحَلُّهَا كُتُبُ الْعَرَبِيَّةِ وَاللّٰهَ اَسْأَلُ النَّفْعَ بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَاَحْسَنَ الْجَزَاءِ عَلَيْهِ فِي الْعُقْبٰى بِمَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ

ترجمہ:...... حمد وصلوٰۃ وسلام کے بعد یہ ایک کتاب ہے کہ امام، علامہ، محقق، مدقق جلال الدین محمد بن احمد محلی الشافعیؒ کی کتاب تفسیر القرآن کا تکملہ ہے اور جو تفسیر ان سے چھوٹ گئی تھی اس کی تتمیم ہے جس کی شدید ضرورت ہے۔ جو اول سورۂ بقرہ سے شروع ہو کر آخر سورۂ اسراء تک ہے اور علامہ محلیؒ کے طرز پر مندرجہ ذیل خصوصیات کی حامل ہے۔

جلالین کی خصوصیات:............ (۱) اس میں ایسی چیزوں کا ذکر ہے جن سے کلام الٰہی سمجھنے میں مدد ملے۔ (۲) تمام اقوال میں سب سے زیادہ راجح قول پر اعتماد کیا گیا ہے۔ (۳) ضروری اعراب اور مختلف ومشہور قراءات پر لطیف طریقہ اور مختصر عبارت کے ساتھ تنبیہ کی گئی ہے۔ (۴) ناپسندیدہ اقوال اور (غیر ضروری) اعراب کو ذکر کر کے جن کا اصلی محل علوم عربیہ کی کتابیں ہیں تطویل نہیں کی گئی ہے۔ اللہ کے فضل وکرم سے میری درخواست یہ ہے کہ دنیا میں اس کتاب سے نفع پہنچائے اور آخرت میں بہترین بدلہ مرحمت فرمائے۔

﴿تشریح﴾:...... صاحب جلالین کے تراجم:............ جلال الدین نام کے چار حضرات آسمانِ شہرت کے نجوم و کواکب ہوئے ہیں: (۱) جلال الدین رومیؒ صوفیا میں۔ (۲) جلال الدینؒ دوانی مناطقہ میں (۳) جلال الدین محلی شافعی مصریؒ المتولد ۷۹۱ھ والمتوفی ۸۶۴ھ اور (۴) جلال الدین سیوطیؒ الشافعی المتوفی ۹۱۰ھ مفسرین ہیں۔ علامہ محلی کے چھ سال بعد بیس بائیس سال کی عمر میں سیوطیؒ نے سب سے پہلی تصنیف کا یہ تفسیری شاہکار پیش کیا ہے اور صرف ایک چلہ میں۔ اس کے علاوہ ان کی تفسیر اتقان فی علوم القرآن، شہرۂ آفاق تالیف ہے جس میں اسی (۸۰) ابواب ہیں اور تین سو (۳۰۰) سے زائد علوم پر بحث کی گئی ہے اگر اس میں موضوع وضعیف روایات نہ ہوتیں تو کتب خانۂ اسلام کی یہ بے نظیر کتاب سمجھی جاتی۔ ان کی...... ایک مبسوط تفسیر **الدر المنثور فی التفسیر الماثور** کے نام سے بھی ہے۔

جلالین کا مرتبہ:............ تفسیری کتابیں تین طرح کی ہوتی ہیں۔ اول نہایت مختصر اور وجیز جیسے جلالین کہ متن وتفسیر کے الفاظ تقریباً برابر ہیں یا زاد المسیر علامہ ابن جوزیؒ کی اور وجیز واحدیؒ کی یا تفسیر واضح رازی کی اور شہیر ابی حیانؒ کی دوسرے اوسط درجہ کی جیسے تفسیر بیضاوی، مدارک، کشاف، تفسیر قرطبی وغیرہ۔ تیسرے مبسوط ومفصل جیسے امام رازیؒ کی تفسیر کبیر اور تفسیر العلامی کی چالیس مجلدات، تفسیر امام راغبؒ اصفہانی وغیرہ۔

نیز کتب تفسیر کی ایک اور تقسیم بھی ہے (۱) صرف روایات ونقلیات پر مشتمل ہو (۲) صرف درایات وعقلیات پر حاوی ہو۔ (۳) تیسری قسم جو سب سے اعلیٰ ہے یعنی روایت ودرایت دونوں کی جامع ہو۔ جلالین اسی قسم ثالث میں شمار ہے۔

سورۃ فاتحہ کی تفسیر چونکہ علامہ محلیؒ نے کی ہے اس لئے ان کی تفسیر یکجا کرنیکے لئے نصف آخر کے ساتھ اس کو ملحق کر دیا تھا کہ نصفِ اول علامہ سیوطیؒ کی تفسیر، نصفِ ثانی علامہ محلیؒ کی تفسیر سے علیحدہ ہو جائے۔

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ مِائَتَانِ وَسِتٌّ اَوْسَبْعٌ وَثَمَانُوْنَ اٰيَةً

ترجمہ:......سورۂ بقرہ مدنی ہے جس میں ۲۸۶ یا ۲۸۷ آیات ہیں۔

ترکیب:......سورۃ البقرۃ مبتداء مدنیۃ خبراول اور مائتان خبر ثانی ہے۔

﴿تشریح﴾ مسلمانوں کا بے مثل کارنامہ:.........مسلمانوں کے حریف اگر ان کے تمام ابواب فضائل وکمالات کا انکار بھی کردیں تب بھی قرآن کریم سے ان کی بے پناہ محبت وعقیدہ، خدمت وعزت اور اس سلسلہ میں ان کی شدید جدوجہد اور سعی ومحنت کا باب ایسا ہے جو یقیناً ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ بلاشبہ بحیثیت ترجمہ کوئی قوم عیسائی قوم کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ لیکن مسلمانوں نے جو جو خدمتیں اور علمی موشگافیاں کرکے نئے نئے ابوابِ علم کھولے ہیں اور قرآن کریم سے اپنی بے پناہ شفقت ومحبت کا علمی ثبوت پیش کیا ہے۔ کیا دنیا کے پاس اس کا بھی کوئی جواب ہے یا کوئی قوم اس کا ایک حصہ بھی پیش کرسکتی ہے مسلمانوں نے قرآن کریم کا ایک ایک نقطہ، ایک ایک شوشہ گن گن کر رکھ دیا ہے، کتنی سورتیں ہیں، کتنی آیات اور رکوع ہیں، کس قدر زبر، زیر، پیش ہیں وغیرہ وغیرہ سب کھول کر رکھ دیا ہے، مثلاً کل منزلیں ۷، کل اجزاء ۳۰، کل سورتیں ۱۱۴، کل آیات ۶۶۶۶، کل الفاظ ۸۶۴۳۰، کل حروف ۳۲۲۶۷۱، کل زبر ۵۳۲۴۳، کل زیر ۳۹۵۸۲، پیش ۸۸۰۴ اور نقطے ۱۰۵۶۸۲، اور مدات ۱۷۷۱، تشدیدات ۱۲۵۳، کسی چیز کے ناموں کی کثرت اس کی عظمت پر دلالت کیا کرتی ہے اسی لئے اللہ کے صفاتی نام ننانوے (۹۹) ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے صفاتی نام بھی بکثرت ہیں قرآن کریم کے صفاتی نام ۵۵ ہیں، اور اکثر سورتوں کے نام ایک ایک ہیں اور بعض کے ایک سے زائد چنانچہ سورۃ فاتحہ کے نام چوبیس ہیں۔

سورۃ اور آیت کی تحقیق:.........لفظ سورۃ سور البلد یا سور الاسد سے ماخوذ ہے، اس میں واؤ اصلی ہے تو بمعنی قوت وبلندی اور اگر مہموز الاصل ہو اور قلب کرلیا ہو تو بقیۃ الشئ کے معنی ہوں گے قطعة من القران یعنی قرآن کریم کے ایک مخصوص حصہ کو جس کی ابتداء اور انتہا ہو اور اس میں کم ازکم تین آیات ہوں سورت کہتے ہیں۔ اسی طرح لفظ آیۃ اگر بروزن قائلۃ ہو تو ہمزہ حذف کردی جائے گی اور آیۃ بروزن تمرۃ ہو تو خلاف قیاس قلب کرلیا جائے گا۔ چند کلمات کے مجموعہ کو آیتِ قرآنی کہا جائے گا تاہم فواتح سور جیسے والفجر، والعصر، والضحٰی، الم، طٰہٰ وغیرہ اور لفظ مدھامتان باوجود ایک کلمہ ہونے کے بھی آیات کہلائیں گی۔ سورتوں کے نام اور ان کی آیات کی باہمی ترتیب علی الاصح توقیفی ہے یعنی خود آنحضرت ﷺ سے باشارہ جبریل علیہ السلام ثابت ہے۔

قرآن پر ایک سرسری نظر:.........قرآن کریم کی تمام سورتیں ناسخ ومنسوخ کے لحاظ سے چار قسم پر ہیں۔ قسم اول جن سورتوں میں صرف ناسخ آیات ہوں کل چھ سورتیں ہیں۔ سورۂ فتح، حشر، منافقون، تغابن، طلاق، اعلیٰ۔

دوسری قسم ان سورتوں کی جن میں ناسخ ومنسوخ دونوں طرح کی آیات ہوں کل پچیس (۲۵) سورتیں ہیں سورۂ بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انفال، توبہ، ابراہیم، مریم، انبیاء، حج، نور، فرقان، شعراء، احزاب، سبا، مومن، ذاریات، طور، مجادلہ، واقعہ، ن، مزمل، مدثر، تکویر، عصر۔

تیسری قسم ان سورتوں کی ہے جن میں صرف منسوخ آیات ہوں وہ کل چالیس (۴۰) سورتیں ہیں۔ انعام، اعراف، یونس، ہود، رعد، حجر، نحل، اسراء، کہف، طٰہٰ، مومنون، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، الم سجدہ، فاطر، صافات، ص، زمر، حم سجدہ، شوریٰ، زخرف،

دخان، جاثیہ، احقاف، محمد، ق، نجم، قمر، امتحان، معارج، قیامۃ، انسان، عبس، طارق، غاشیہ، کافرون۔

چوتھی قسم ان سورتوں کی ہے جن میں نہ منسوخ آیات ہوں اور نہ ناسخ، ایسی سورتوں کی تعداد سب سے زیادہ یعنی (۴۳) ہے۔ سورۂ فاتحہ، یوسف، یٰسٓ، حجرات، رحمٰن، صف، جمعہ، تحریم، ملک، حاقہ، نوح، جن، مرسلات، نباء، نازعات، انفطار، مطففین، انشقاق، بروج، فجر، بلد، شمس، لیل، ضحیٰ، الم نشرح، قلم، قدر، بینہ، زلزال، عادیات، قارعہ، تکاثر، ہمزہ، فیل، قریش، ماعون، کوثر، نصر، تبت، اخلاص، فلق، ناس۔ کل ۱۱۴ سورتیں ہوگئیں۔

سورتوں کی تفصیل:........... پھر ان سورتوں کو زمان و مکان کے لحاظ سے تقسیم کیا گیا ہے کہ کون سی سورت یا آیت موسم سرما میں نازل ہوئی اور کون سی موسم گرما میں، کون سی سفری ہے اور کون سی حضری، کون سی مکی ہے اور کون سی مدنی۔ مکی یا مدنی ہونے کی تشریحات پھر مختلف ہیں مثلاً یہ کہ جن میں اہل مکہ کو خطاب ہو وہ مکی اور جن میں اہل مدینہ کو مخاطب بنایا گیا ہو وہ مدنی۔ یا یہ کہ جو مکہ اور حوالی مکہ میں نازل ہوئی ہوں مثلاً منیٰ وغیرہ میں وہ مکی اور جو مدینہ یا اس کے قرب وجوار میں نازل ہوئی ہوں وہ مدنی ہیں اور تیسری تشریح جو سب سے اصح ہے یہ ہے کہ جو ہجرت مدینہ سے پہلے نازل ہوئی ہوں وہ مکی، اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں خواہ مکہ ہی میں وہ مدنی ہیں۔

جلالین کی رائے:........... جلالین کے بیان کے مطابق کل ۲۰ سورتیں قطعی طور پر مدنی اور ۷۷ سورتیں قطعی طور پر مکی ہیں اور ۱۷ سورتیں مختلف فیہا ہیں۔

سورتوں کے نام:........... جس طرح آسانی کے لئے کسی کتاب کو ابواب اور فصل وار تقسیم کر دیا جاتا ہے اور پھر ایک ایک بات کو الگ الگ فقروں میں کر دیا جاتا ہے کہ بے ربط و بے جوڑ باتیں گڈمڈ نہ ہونے پائیں اور باہم متناسب باتیں یکجا رہیں۔ یہی حال قرآن کریم کی سورتوں اور آیات کا ہے پھر ان سورتوں کا باہمی امتیاز قائم رکھنے کے لئے ان کے نام الگ الگ مخصوص کر دیئے گئے ہیں اور ان ناموں میں مختلف باتوں کا لحاظ کیا گیا ہے، کہیں پہلے لفظ کے لحاظ سے سورۃ کا نام رکھ دیا گیا ہے جیسے سورۂ یٰسٓ، صٓ، قٓ، جس کو تسمیۃ الکل باسم اول الجزء کہنا چاہئے۔ اور کہیں سورۃ میں...... کسی مذکور لفظ کے اعتبار سے نام مقرر کر دیا گیا ہے جس کو تسمیۃ الکل باسم اشہر الجزء کہنا چاہئے۔ جیسے سورۂ محمد، سورۂ ابراہیم وغیرہ۔ اور کہیں واقعہ مذکورہ فی السورۃ کی وجہ سے سورت کا نام تجویز کیا گیا ہے۔ جیسے سورۂ بقرہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی میں اس سورت کا یہ نام مشہور ہو گیا تھا اس لئے یہ شبہ کرنا کہ بقرہ نام رکھنے میں سورت کی تحقیر اور اہانت ہے اور یہ تاویل کرنا کہ السورۃ التی تذکر فیہا البقرۃ بے بنیاد اور بے ضرورت ہے۔ لفظ بقرہ میں تا تانیث کی نہیں ہے بلکہ تا جنسیت کی ہے جیسے تمرٌ اور تمرۃٌ میں۔

قرآن کی ترتیب:........... قرآن کی آیات اور سورتوں کی ترتیب دو طرح کی ہے، ایک ترتیب تدوینی کہ سورۃ فاتحہ سے سورۂ ناس تک مابین الدفتین مرتب طور پر جو قرآن ہمارے سامنے ہے یہ ترتیب بھی علی الاصح جبریل امین اور رسول کریم ﷺ کے حکم سے توقیفی ہے ایک مصنف کے زیر نظر جس طرح کتاب کے مختلف ابواب ہوتے ہیں اور وہ موقع محل کے مناسب ہر باب میں اضافات اور تالیفات کرتا چلا جاتا ہے اور سلسلۂ تصنیف بیک وقت مختلف ابواب کا جاری رہتا ہے۔ یہی حال آنحضرت ﷺ کا تھا کہ جوں جوں آیات نازل ہوتی تھیں بامر الٰہی آپ ﷺ ان کو موقع و محل کے مناسب سورتوں میں جگہ دیتے جاتے تھے اور دوسری ترتیب نزول ہے یعنی جس ترتیب سے واقعی آیات اور سورتوں کا نزول ہوا ہو وہ اس طرح پر ہے۔ سورۂ علق، قلم، مزمل، مدثر، تبت، کورت، اعلیٰ، واللیل، والفجر،

والضحیٰ ، الم نشرح، والعصر، والعٰدیٰت ، کوثر، تکاثر، ماعون، کافرون، فیل، اخلاص، نجم، عبس ، قدر، بروج، تین، قریش، قارعہ، ہمزہ، مرسلات ، ق، قیٰمہ ، بلد، طارق، قمر، ص، اعراف، جن، یٰسٓ ، فرقان، فاطر، مریم، طٰہٰ، واقعہ، شعراء، نمل، قصص، بنی اسرائیل، یونس، ہود، یوسف، حجر، انعام، والصافات، لقمٰن، سبا، زمر، مومن، حم سجدہ، حمعسق، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، ذاریات، غاشیہ، کہف، نحل، نوح، ابراہیم، انبیاء، مومنون، تنزیل السجدہ، طور، ملک، حاقہ، معارج، عم، نازعات، انفطار، انشقاق، روم، مطففین، عنکبوت یہ ۸۳ سورتیں مکی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سورۂ عنکبوت کو آخری مکی سورت کہتے ہیں اور ضحاکؒ وعطاءؒ، مومنون کو، علیٰ ہذا ۳۱ مدنی سورتوں کی ترتیب اس طرح ہے۔ سورۂ بقرہ، انفال، آل عمران، احزاب، ممتحنہ، نساء، زلزال، حدید، محمد، رعد، رحمٰن، دہر، طلاق، لم یکن، حشر، فلق، ناس، نصر، نور، حج، منافقون، مجادلہ، حجرات، تحریم، صف، جمعہ، تغابن، فتح، توبہ، مائدہ، اور بعض نے مائدہ کو توبہ پر مقدم کیا ہے۔ سورۂ فاتحہ کا نزول مکہ اور مدینہ دونوں جگہ ہوا ہے اس لئے اس کو مکی بھی کہہ سکتے ہیں اور مدنی بھی اور بعض سورتیں مختلف فیہ ہیں۔ اہل علم کے پیش نظر اگر یہ نزولی ترتیب بھی رہے تو قرآن کریم کا پس منظر اور ارتقائی تدریجی طرز تخاطب اور طریق اصلاح سمجھنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے اور مختلف علوم کے دروازے کھل سکتے ہیں، غرضیکہ واقعاتی زندگی اور بیتی ہوئی تاریخ کے ساتھ قرآن کی ترتیب نزولی بھی بے حد وجد آفریں اور بہت سے علوم واکتشافات کا باب کھولنے والی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ترجمہ: ...... اللہ کے نام سے جو نہایت رحمت والے اور بے انتہا مہربان ہیں، شروع کرتا ہوں۔

تعوذ وتسمیہ: .... ارشاد ربانی اذا قرأت القراٰن فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کی وجہ سے ابتداء قرأت تعوذ سے ہونا چاہئے کسی سورۃ سے شروع ہو یا نہ ہو جس کے الفاظ امام ابوحنیفہؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ہیں۔ اور امام احمدؒ کے نزدیک آیتِ مذکورہ اور دوسری آیت فاستعذ باللہ انہ ھو السمیع العلیم کی بناء پر ان الفاظ سے اولیٰ ہے یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. اور امام اوزاعیؒ اور ثوریؒ کے نزدیک افضل اس طرح ہے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَا لسَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. جمہور کے نزدیک نماز میں تعوذ پڑھنا مسنون ہے اگر اس کا ترک عمداً یا سہواً ہو جائے تو مفسد نماز نہیں۔ اور خارج نماز تعوذ مستحب ہے۔ البتہ عطاءؒ کے نزدیک نماز میں ہو یا خارج نماز میں تعوذ پڑھنا مسنون ہے۔ اور ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ عمر بھر میں اگر ایک دفعہ بھی پڑھ لیا جائے تو ادائے واجب کے لئے کافی ہے۔ نیز جمہور اس کا وقت ابتداء قرأت کہتے ہیں اور نخعیؒ وداؤدؒ کی رائے ہے کہ قرأت کے بعد تعوذ ہونا چاہئے۔ اگر ابتداء قرأت وسورۃ دونوں ہو تو تعوذ وتسمیہ دونوں کو جمع کرنا چاہئے ورنہ ایک پر باستثناء سورۃ توبہ کے اکتفاء کیا جائے گا۔ یعنی سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہیں پڑھنی چاہئے۔

ترکیب: .... بسم اللہ کا متعلق محذوف ہے، فعل عام ہو یا خاص مقدم ہو یا مؤخر چاروں صورتیں متعلق کی صحیح ہیں پھر جملہ فعلیہ ہو یا اسمیہ کل آٹھ صورتیں نکلتی ہیں۔ لیکن سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ فعل عام ہو اور بعد میں مقدر مانا جائے تا کہ اللہ کی تقدیم میں اس کی عظمت بھی برقرار رہے اور ہر کام کے ساتھ اس کو لگایا جاسکے۔

فضائل بسم اللہ: .... (۱) مسلمؒ کی روایت ہے کہ جس کھانے پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی اس میں شیطان کا حصہ ہوتا ہے۔

(۲) ابوداؤدؒ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ کی مجلسِ طعام میں کسی صحابیؓ نے بغیر بسم اللہ کھانا شروع کر دیا۔ آخر میں جب یاد آیا تو بسم اللہ من اولہ و آخرہ کہا تو آنحضرت ﷺ کو یہ دیکھ کر ہنسی آ گئی۔ اور فرمایا کہ شیطان نے جو کچھ کھایا تھا ان کے بسم اللہ پڑھتے ہی کھڑے

ہوکرسب تے کر دیا۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں اپنا واقعہ تحریر فرمایا ہے کہ ایک دوست کھانا کھانے لگے تو ان کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا چھوٹ کر خلاف عادت دور تک لڑکتا چلا گیا جس سے حضار مجلس کو تعجب ہوا، اگلے روز محلہ میں کسی کے سر وہ خبیث آ کر بولا کہ کل ہم نے فلاں شخص سے ایک ٹکڑا چھینا تھا مگر آخر کار اس نے ہم سے لے ہی لیا۔ (۳) ترمذی کی روایت حضرت علیؓ سے ہے کہ بیت الخلاء میں جانے کے وقت بسم اللہ پڑھنے سے جنات وشیاطین کی نظر اس کے ستر تک نہیں جاتی ہے۔ (۴) امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید کے مقابل دشمن میدان جنگ میں پڑ جمائے کھڑے ہیں اور زہر ہلاہل کی ایک شیشی پیش کر کے حضرت خالدؓ کے دین کی صداقت کا امتحان لینا چاہتے ہیں آپ نے پوری شیشی بسم اللہ پڑھ کر پی لی۔ لیکن اس کی برکت سے آپ پر زہر کا معمولی اثر بھی نہیں ہوا۔

لیکن آپ کہیں گے کہ اس قسم کی تاثیرات کا مشاہدہ چونکہ ہم کو نہیں ہوتا اس لئے یہ حکایات وواقعات غلط، بے بنیاد، بلکہ خوش فہمی پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ سو بات یہ ہے کہ کسی چیز کی تاثیر کیلئے اسباب وشرائط کا مہیا ہونا اور موانع اور رُکاوٹوں کا دور ہونا دونوں باتیں ضروری ہوتی ہیں۔ ازالۂ مرض اور حصول صحت کے لئے صرف دوا کارآمد نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ مضر چیزوں اور بد پرہیزیوں سے بالکلیہ نہ بچا جائے۔ یہاں بھی خلوص نیت، صدق اعتقاد، تعلق مع اللہ، یقین محکم، ایمان کامل اگر شرائط تاثیر ہیں تو ریا کاری، بدفہمی، توہمات وخیالات بداعتقادی وغیرہ موانع بھی ہیں دونوں ہی ملکر مجموعی طور پر اگر مؤثر ہوتے ہوں تو پھر کیا اشکال رہ جاتا ہے۔ (حقانی)

(۵) ابن مردویہ احمد بن موسیٰ بن مردویہ اپنی تفسیر میں جابرؓ بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بسم اللہ جب نازل ہوئی تو بادل مشرقی سمت دوڑنے لگے، ہوا رک گئی، سمندروں میں جوش ہوا، جانور کان کھڑے کر کے سننے لگے، شیطان ہنکا دیئے گئے، اور اللہ نے اپنی عزت وجلال کی قسم کھائی کہ بسم اللہ جس چیز پر پڑھی جائے گی، میں اس میں ضرور برکت دوں گا۔

تحریری مواقع پر اگر کہیں بسم اللہ لکھنے میں بے ادبی کا احتمال ہو تو علمائے سلف کے تعامل کی وجہ سے اس کے اعداد ۷۸۶ پر اکتفاء کرنا بھی باعث برکت ہے۔

شانِ نزولِ بسم اللہ:......... ایک موحد کے ہر کام کی ابتداء خدا کے نام سے ہونی چاہئے، مشرکین عرب اپنے اختراعی معبودوں کے نام سے باسم اللات والعزی کہہ کر ابتداء کیا کرتے تھے۔

کیا بسم اللہ کے باب میں آپ ﷺ نے دوسرے مذاہب کی تقلید کی ہے؟:......... پارسیوں اور مجوسیوں کے دساتیر میں ہر نامہ کی ابتداء بھی کچھ اسی قسم کے الفاظ سے ہوتی ہے، مثلاً بنام ایزد بخشائندہ بخشائشگر، مہربان دادگر اور موجودہ انجیل کے بعض نسخوں کے افتتاحی الفاظ بھی کچھ اسی طرح کے ہیں جس سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انجیل یا دساتیر سے استفادہ کیا ہوگا اور بسم اللہ سے قرآن کریم کی ابتداء کرنے میں ان کی تقلید کی ہوگی، لیکن اول تو انجیل کے قدیم ترین اور صحیح نسخوں میں ایسا نہیں جس سے برعکس یہ ثابت ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی قرآن کی تقلید کی ہے۔ البتہ پارسیوں کی دساتیر کا جہاں تک تعلق ہے تو نہ کبھی آپ ﷺ ایران تشریف لے گئے اور نہ ہی عرب میں کسی مجوسی عالم یا کتب خانہ اور مدرسہ کا نام ونشان تھا۔ اس زمانے میں تو مجوس کی مذہبی کتابوں کا خود ان کی اپنی قوم اور ملک میں پوری طرح اشاعت اور رواج بھی نہ تھا۔ خاص خاص لوگ بطور تبرک دوسروں کی نظروں سے اپنی مذہبی کتابوں کو چھپا کر رکھتے تھے تاکہ دوسرے لوگ نہ دیکھ لیں۔ ملک عرب تک اس کی نوبت کہاں پہنچتی اور پھر خود اپنی زبان کے لکھنے پڑھنے تک سے واقف نہ تھے کہ نوبت یہاں تک پہنچتی۔ رہا حضرت سلمان فارسیؓ کا معاملہ، سو وہ ایک غلام ہیں کوئی مذہبی عالم نہ تھے، اگر آپ ان سے استفادہ کرتے تو الٹے وہ خود آپ ﷺ کے معتقد کیسے ہو جاتے، اور اپنے مالک کی ہر طرح کی ناقابل

برداشت تکالیف سہہ کر آپ ﷺ کی خدمت میں رہنے کو باعث فخر کیوں سمجھتے، علاوہ اس کے دوسری بات یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ نے دوسروں کی تقلید میں ایسا بھی کیا ہے تو اس سے آپ ﷺ کے محاسن میں اضافہ ہوجاتا ہے اور اس سے آپ ﷺ کی انصاف پسندی، وسعتِ قلبی، بلندی فکر کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ میں دوسروں کی اچھائیں اور بھلائیاں سے کنارہ کشی کی بجائے ان کو اپنانے کا جذبہ موجود تھا۔ اور کھلے دل ودماغ سے ان کو قبول کرنے کا دوسروں کو بھی مشورہ دیتے تھے۔ الحکمة ضالة المومن الخ ایک ضدی، متعصب، معاند شخص سے کبھی اس قسم کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے نیز اسلام نے کبھی اپنے اچھوتے اور نئے ہونے کا اعلان نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اپنے پرانے اور قدیم ہونے پر فخر کیا ہے یعنی یہ کہ اس کے تمام اصول قدیم اور پرانے ہیں جن کی تبلیغ ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کرتے چلے آئے ہیں اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے بجز اس کے نادانوں نے غلط رسم ورواج کی تہوں اور پردوں میں چھپا کر اصل حقیقت کو گم کردیا تھا اس نے پھر پردے ہٹادیئے اور اصل حقیقت ، چمکا دیا۔ پس اس طرح اگر خدا کے نام سے افتتاح قدیم زمانہ اور قدیم مذاہب سے چلا آرہا ہو اور اسلام نے بھی اس کی تقلید کرلی تو قابلِ اعتراض بات کیا رہ جاتی ہے۔

﴿تشریح﴾ .... تمام مخلوق اور انسان کی تین حالتیں ہیں اول وجود سے پہلے عدم کی حالت، دوسرے دنیاوی زندگی کی وجودی حالت، تیسرے عالم آخرت کی ابدی حالت بسم اللہ کے ان تین لفظوں میں ان ہی تین حالتوں کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ لفظ اللہ میں پہلی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے ہی تمام موجودات کو اپنے وجود اصلی کے پرتو سے وجود بخشا ہے ورنہ ان میں عدم اصلی تھا۔ لفظ رحمٰن رحیم بروزن فعلان وفعیل دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں لیکن اول میں الفاظ ومعنی دونوں زیادہ ہیں۔ چنانچہ رحمت کے مصداقات دنیا میں مسلم وکافر مطیع وعاصی سب ہیں۔ آخرت میں نعمتیں اگرچہ زیادہ اور بڑی ہوں گی مگر محل رحمت یعنی افراد زیادہ نہیں ہوں گے۔ بلکہ صرف مؤمنین ہوں گے گویا دنیا میں مرحومین زیادہ ہیں اور آخرت میں محرومین زیادہ ہوں گے اسی لئے یا رحمن الدنیا ورحیم الاخرۃ کہا جاتا ہے۔

احکامِ بسم اللہ: .... امام ابوحنیفہؒ اور فقہائے مدینہ وبصرہ وشام کی رائے ہے کہ بسم اللہ کسی سورت کا جزو نہیں ہے محض تبرکاً اور دوسورتوں میں فصل کرنے کے لئے نازل کی گئی ہے۔ بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور ابوبکرؓ وعمرؓ الحمدللہ سے نماز شروع فرماتے تھے۔ طبرانی ابن خزیمہ اور ابوداؤد کی روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز میں بسم اللہ پڑھتے تھے۔ اور الحمدللہ جہر سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ یا کسی دوسری سورت کا جزو نہیں ہے ورنہ بعض حصہ کو آپ ﷺ آہستہ اور بعض کو بلند آواز سے کیوں پڑھتے جس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ اس لئے یہ مذہب زیادہ قوی ہے، امام شافعیؒ، عبداللہؒ بن المبارک اور قراء مکہ وکوفہ بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کا جزو سمجھتے ہیں اور اسی لئے نماز میں پکار کر پڑھتے ہیں دلائل ان حضرات کے پاس بھی ہیں لیکن آنحضرت ﷺ اور خلفائے اربعہ نے اس بارے میں کوئی تصریح نہیں فرمائی۔ بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کا جزو ماننے والے حضرات میں سے بعض کی رائے اس کو پوری آیت ہونے کی ہے اور بعض کہتے ہیں، بسم اللہ الحمدللہ رب العلمین مل کر پوری آیت ہے۔ سورۂ نمل کی آیت وانه بسم الله الرحمن الرحیم اس گفتگو سے خارج ہے۔ وہ بالاتفاق سورۂ نمل کا جزو ہے۔

دوسورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے میں چار صورتیں ہوسکتی ہیں، (۱) وصل کل (۲) فصل کل (۳) فصل اول وصل ثانی یہ تینوں صورتیں جائز ہیں اور چوتھی (۴) یعنی وصل اول فصل ثانی مناسب نہیں ہے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذَالِکَ

ترجمہ:...... الٓمّٓ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اس کی ان حرفوں سے کیا مراد ہے۔

فضائلِ سورۃ بقرہ:............ (۱) مسند امام احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ بمنزلہ کوہان قرآن ہے۔ (۲) بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ اُسیدؓ بن حضیر رات کو سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے کہ اچانک قریب بندھا گھوڑا بدکا، انہوں نے پڑھنا موقوف کیا تو گھوڑا بھی رک گیا۔ پھر جب پڑھنا شروع کیا تو بدکنے لگا، قریب ہی ان کا یحییٰ نامی صاحبزادہ سورہا تھا ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں بچہ کو نقصان نہ پہنچ جائے اس لئے پڑھنا موقوف کر کے نظر اٹھائی اوپر دیکھا تو ایک نورانی سائبان نظر آیا جس میں مشعلیں روشن تھیں یہ اس کو دیکھنے باہر نکلے تو وہ منظر غائب ہوگیا۔ صبح کو یہ ماجرا بارگاہِ رسالت میں عرض کیا تو فرمایا کہ ملائکہ تمہاری آواز سن کر آئے تھے۔ اگر پڑھتے رہتے تو صبح تک ملائکہ موجود رہتے اور لوگ عیاناً دیکھ لیتے۔ تم سورۂ بقرہ پڑھا کرو۔ (۳) مسلم میں ابوامامہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ زہراوین (سورۂ بقرہ و آل عمران) قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے لئے سائبان کا کام دیں گی۔ سورۂ بقرہ پڑھا کرو، اس کے پڑھنے میں برکت اور چھوڑنے میں حسرت ہے۔ اس کی برکت سے مکار کا فریب نہیں چل سکتا۔ (۴) حضرت انسؓ کی روایت مسلم میں ہے کہ صحابہؓ میں سورۂ بقرہ و آل عمران جاننے والوں کی بڑی عظمت و عزت ہوتی تھی۔ چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ نے ڈھائی سال میں سورۂ بقرہ کی تکمیل کی اور ختم پر ولیمہ کیا جس میں ایک اونٹ ذبح فرمایا۔

(۵) امام مسلم نے ابوہریرہؓ کی روایت کے الفاظ نقل کئے ہیں **لا تجعلوا بیوتکم مقابر ان الشیطان یفر من البیت الذی تقرأ فیہ سورۃ البقرہ** (۶) ابن عربی فرماتے ہیں کہ سورۂ بقرہ میں ایک ہزار اوامر اور ایک ہزار نواہی ہیں۔ ایک ہزار اخبار اور ایک ہزار احکام ہیں اس سورۃ کی خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح سب سے بڑی ہے اسی طرح کثیر الاحکام بھی ہے اور اس کی آیت مداینہ تقریباً ایک بڑے رکوع پر مشتمل سب سے بڑی آیت ہے اس کے نصف اول میں نعمائے الٰہیہ کا بیان زیادہ اور بیان احکام کم اور نصف ثانی میں احکام زیادہ اور بیانِ نعمت کم۔ اس میں آیت الکرسی تمام آیات قرآن کی سرتاج ہے۔

ربط:...... سورت فاتحہ سے اس کا خاص ربط ہے کہ سورۂ فاتحہ میں جس ہدایت کی درخواست کی گئی تھی اس میں اس کی منظوری دیدی گئی ہے یا یوں کہا جائے کہ اس سورت کے تیسرے رکوع سے جو نعمائے الٰہیہ ظاہرہ باطنہ عامہ و خاصہ کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے وہ درحقیقت سب **الحمد للہ رب العلمین** سے مربوط ہیں اسی طرح بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور سزا و توبہ کا بیان، عبادت و بندگی اور شرعی احکام یہ سب **ملک یوم الدین ایاک نعبدو ایاک نستعین** کی تفصیلات ہیں۔ اچھے اور برے لوگوں کی جو تاریخ یا انجام ذکر کیا گیا ہے وہ گویا **اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولاالضالین** کے واضح روشن اور جلی عنوانات ہیں۔

شانِ نزول:............ مکی زندگی میں آپ کو صرف دو طرح کے لوگوں سے واسطہ رہا، پورے موافق یا پورے مخالف یعنی ظاہراً یا باطناً یا اطاعت کرنے والے اور پھر کھلے بندوں مخالف اور دشمن۔ لیکن مدینہ طیبہ میں جب آپ ﷺ رونق افروز ہوئے تو ایک نئی اور بدترین تیسری جماعت سے بھی سابقہ پڑا یعنی منافقین جن کا اکثر حصہ یہود پر مشتمل تھا اور سرگروہ عبداللہ بن ابی تھا جو پہلے سے اپنے اقتدار اور سرداری کے خواب دیکھ رہا تھا۔ لیکن آپ ﷺ کے تشریف لانے سے جب اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور خاک پڑ گئی تو

نہایت برہم ہوا۔ بالآخر طاقتِ مقابلہ نہ پا کر در پردہ جوشِ مخالفت میں اندھا ہو گیا اس سورت میں جہاں مؤمنین وکافرین کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اس تیسرے بد باطن دشمنِ اسلام فرقہ کی سازشوں کا پردہ بھی خوب طرح چاک کیا گیا ہے یعنی اول رکوع میں دونوں جماعتوں کا بالاجمال تذکرہ ہے اور دوسرے رکوع کی ۱۳ آیات منافقین کے ذکر سے لبریز ہیں۔

﴿تشریح﴾:...... **مقطعاتِ قرآنیہ کی تحقیق:** الٓمّٓ اور اس قسم کے جس قدر الفاظ سورتوں کے شروع میں ہیں باتفاقِ محققین ان حروف تہجی کے اسماء ہیں جن سے کلام مرکب ہوا کرتا ہے ابتداء میں ان کے لانے سے مقصد تحدی اور چیلنج کرنا ہے کہ تمہارے کلام کا مادۂ ترکیبی اور ہیولیٰ اگرچہ ایک ہی قسم کا ہے یعنی ۲۸ یا ۲۹ حروف لیکن یہ ہماری حسن ترکیب اور صورت گری ہے کہ تم باوجود ماہر اہل زبان ہونے کے اس طرح کی ایک آیت کا ٹکڑا یا کلمہ بنانے سے بھی عاجزِ محض ہو۔ حروف مقطعات دراصل ان کو لکھا تو جاتا ہے ملا کر مگر پڑھا جاتا ہے الگ الگ کر کے، اسی پڑھنے کے لحاظ سے ان کو مقطعاتِ قرآنیہ کہا جاتا ہے۔ جہاں تک معنی اور مفہوم کا تعلق ہے ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ متشابہاتِ قرآن میں داخل ہیں اور متشابہ بھی درجہ اول کے، جن کے نہ لغوی معنی اور مفہوم معلوم ہوا اور نہ مرادِ متکلم کا پتہ، اور کوئی صورت اس دنیا میں معلوم کی نہیں ہے، عالم آخرت میں جب اور حقائق کھلیں گے ان کے حقائق بھی سامنے آجائیں گے۔ البتہ دوسرے درجہ کے متشابہ الفاظ قرآنیہ وہ ہیں جن کے لغوی معنی تو معلوم ہیں مگر نہیں کہا جا سکتا کہ ان سے مرادِ متکلم کیا ہے جیسے الفاظ ید، ساق، استوی کے اطلاقات۔

ہر محکمہ کے مخصوص اسرار اور خاص اصطلاحات ہوتی ہیں:...... چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کا ارشاد ہے کہ ہر کتاب میں کچھ اسرار ہوتے ہیں۔ قرآن کریم کے اسرار مقطعاتِ قرآنیہ ہیں۔ یا حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ ہر کتاب میں کوئی نہ کوئی خاص بات ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں خاص بات یہ مقطعات ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اللہ یا اللہ ورسولؐ کے سوا ان کے معانی کسی کو معلوم نہیں ہیں ورنہ خطاب بے مقصد و بے فائدہ ہو جائے گا۔ البتہ علماء کو امتحاناً ان اسرار کے درپے ہونے سے روک دیا گیا ہے تاکہ بے سمجھے ان کے ایمان لانے سے ان کی طاعت وفرمانبرداری کی آزمائش ہو جائے اور بعض کے نزدیک علمائے راسخین بھی اس جاننے میں داخل ہیں۔ **وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون امنا بہ** کی تفسیر میں یہ دونوں رائیں اصولی کتابوں میں مذکور ہیں۔

پھر علمائے راسخین کے واقف اور باخبر ہونے میں بھی مختلف رائیں ہیں (۱) بعض اہلِ علم ان مقطعات کو ان ہی سورتوں کے نام مانتے ہیں جن کے شروع میں یہ الفاظ آئے ہیں اور اس طرح اختصاراً نام رکھنے کا قدیم دستور اہل عرب میں بکثرت رہا ہے جیسے عین سے مراد سونا چاندی، عین سے مراد بادل، نون سے مراد مچھلی، قاف سے مراد ایک مخصوص پہاڑ یہی حال ان سورتوں کے نام رکھنے کا سمجھئے۔

(۲) بعض علماء ان کو اسمائے الٰہیہ کہتے ہیں جن کو تبرکاً شروع میں لایا گیا ہے چنانچہ دعاء کے شروع میں حضرت علیؓ سے یا کٓھٰیٰعٓصٓ، حٰمٓ عٓسٓقٓ منقول ہے (۳) بعض اہل علم کے نزدیک یہ اسمائے الٰہیہ کے اجزاء ہیں۔ چنانچہ سعیدؓ بن جبیر فرماتے ہیں کہ الٓرٰ، حٰمٓ ان کا مجموعہ الرحمٰن ہے۔

(۴) کچھ علماء کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے اسماء ہیں، کلبیؒ، سدیؒ، قتادہؒ اس رائے میں شریک ہیں۔ (۵) کچھ علماء کا خیال ہے کہ جس طرح اختصار کے خیال سے، جس کو آجکل شارٹ ہینڈ اور مختصر نویسی کا فن کہتے ہیں۔ قدیم اہل عرب میں یہ طریقہ رائج تھا جیسے **قلت لھا قفی فقالت لی قاف** میں اشارہ **وقفت** کی طرف ہے اسی طرح ان مفرد حروف سے مرکبات اور جملوں کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

چنانچہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ الف سے مراد الآء اللہ یعنی خدا کی نعمتیں ہیں اور لام سے مراد جبریلؑ اور میم سے مراد محمدؐ ہوں یعنی کلام اللہ بواسطہ جبریلؑ امین آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا۔

(۶) قطرب کی رائے ہے کہ ایک بات ختم کر کے دوسری بات شروع کرنے کیلئے بطور تنبیہ خطبات اور کلام عرب میں یہ حروف لائے جاتے ہیں۔ (۷) ابوالعالیہؒ کہتے ہیں کہ بحساب ابجد ان حروف میں اقوام وملل کی تاریخ انکے عروج وزوال کی داستانیں مضمر ہیں چنانچہ بعض یہود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جب حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کے سامنے الٓمّٓ پڑھا تو کہنے لگے کہ جس دین کی کل مدت اکہتر (۷۱) سال ہو اس میں ہم کیسے داخل ہوں؟ یہ سن کر آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور جب آپ ﷺ سے مزید خواہش کی گئی تو آپ ﷺ الٓمّٓصٓ اور الٓمّٓرٰ پڑھ کر سنایا کہنے لگے کہ ان حروف کے اعداد ۱۶۱ ۱۷۱ پہلے سے بڑھے ہوئے ہیں اس لئے اب معاملہ ہم پر مشتبہ ہو گیا ہم اب کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

غرضیکہ مدعیان فصاحت وبلاغت اور زبانی زور آوروں کو للکارا گیا ہے کہ دیکھو کل حروف تہجی ۲۸ میں سے آدھے ۱۴ حروف ہم لے لیتے ہیں اور ان کو ۲۹ سورتوں کے شروع میں اس کمال کے ساتھ استعمال کرتے ہیں کہ حروف کی بلحاظ صفات جس قدر اقسام ہیں مہموسہ، مجہورہ، شدیدہ، رخوہ وغیرہ سب میں سے آدھے حروف لے کر ہم اپنا کلام معجز بناتے ہیں اور نصف حروف تمہاری طبع آزمائی اور جولانی دکھانے کیلئے چھوڑ دیتے ہیں۔ مثلاً کل دس (۱۰) حروف مہموسہ میں سے پانچ اور کل اٹھارہ حروف مجہورہ میں سے نو (۹) اور آٹھ حروف شدیدہ میں سے چار (۴) اور کل بیس (۲۰) حروف رخوہ میں سے دس (۱۰) ہم لے رہے ہیں اور باقی تمہارے لئے چھوڑے دے رہے ہیں۔ (بیضاوی)

حاصل اس ساری تفصیل کا یہ نکلا کہ ان حروف کے بارے میں اب تک دو قسم کی آراء سامنے آئیں بعض نے ان کے معانی سے لاعلمی ظاہر کی اور بعض نے معلوم ہونے کا دعویٰ کیا۔ لیکن اس کو نزاع حقیقی نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ یہ نزاع لفظی ہے یعنی جن حضرات نے انکار کیا ہے ان کی مراد قطعیت سے انکار ہے۔ اور جن حضرات نے بیان مراد کی کوشش کی ہے اس سے مراد ظنی ہے۔ سو جس چیز کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں کی اور جس بات کی نفی کی ہے اس کا کسی نے اثبات نہیں کیا ہے۔ جلال محقق نے واللہ اعلم کہہ کر اشارہ کر دیا کہ ان حروف کے معانی لوگوں کو نہیں بتائے گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوں، اور آپ ﷺ نے یہ سمجھتے ہوئے کہ نہ بتلانے سے ضروریات دین میں کوئی حرج نہیں ہوتا اس لئے آپ ﷺ نے کچھ صراحت نہیں فرمائی۔ پس نہ آپ ﷺ پر شبہ رہتا ہے اور نہ انکی تفتیش میں پڑھنا چاہئے۔ واللہ اعلم بحقیقتہ وعلمہ اتم واکمل۔

ذٰلِكَ اَیْ هٰذَا **الْكِتٰبُ** الَّذِیْ یَقْرَؤُهٗ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **لَا رَیْبَ** شَكَّ **فِیْهِ** ج اَنَّهٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ جُمْلَةُ النَّفْیِ خَبَرٌ مُبْتَدَاهُ ذٰلِكَ وَالْاِشَارَةُ بِهٖ لِلتَّعْظِیْمِ

ترجمہ:...... وہ (یعنی یہ) کتاب کہ (جس کو آنحضرت ﷺ تلاوت فرما رہے ہیں) ایسی ہے جو بلاشبہ (اللہ کی طرف سے ہے) اور جملہ نفی "لاریب فیہ" ترکیب کے لحاظ سے لفظ ذلک مبتداء کی خبر ہے اور اسم اشارہ (بعید) تعظیم کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

تشریح: ...... **کتاب ہدایت:** .... سورۂ بقرہ مدنی ہے۔ یہاں چونکہ زیادہ تر یہود رہتے تھے جن کی مذہبی کتاب تورات میں قرآن کریم کے نزول کی خبر دی گئی تھی جس کو زمانہ بعید گزر چکا تھا۔ اسی موعود کتاب کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اسم اشارہ بعید "ذلک" لائے ورنہ لفظ هٰـذا لانا چاہئے تھا۔ جس کی طرف مفسر علام نے اشارہ فرمایا ہے، یا قرآن کریم کے بلند تر رتبہ اور عالی مقام

ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے "ذلک" لائے تنزیلا لبعد الرتبة منزلة بعد المکان و المعقول بمنزلة المحسوس یا یہ کہا جائے کہ جن سورتوں کو سورۂ بقرہ سے پہلے نازل کیا جاچکا تھا اور جن کی تکذیب لوگوں نے کی تھی ان کے لئے کہا جا رہا ہے کہ وہ بلاشبہ ہیں نیز "ذٰلِكَ" سے اشارہ خود سورۂ الٓمٓ کی طرف بھی ہوسکتا ہے اور اسم اشارہ کو مذکر لانا باعتبار لفظ کتاب کے ہوگا۔

قرآن شبہات سے پاک ہے:.......... رہی یہ بات کہ اس کو بے شبہ کیسے کہا جا رہا ہے جبکہ ہر زمانہ میں لوگوں کو اس میں شبہات پیش آتے رہے ہیں۔ اگر شبہات نہ ہوتے تو سب لوگوں کو مسلمان ہونا چاہئے تھا۔ جلال محققؒ نے اسی شبہ کے ازالہ کیلئے نفی ریب کا متعلق خاص انہ من عند اللہ نکال کر بتلانا چاہا ہے کہ شبہات کی نفی کا دعویٰ کرنا نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ کلام الٰہی ہونا اس کا بلاشبہ ہے۔ اس پر قرآن کا لفظاً و معناً معجز ہونا شاہد عادل ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عمومی شبہات ہی کی نفی کرنا مقصود ہے کہ فی نفسہ قرآن کریم کی باتیں سچی سیدھی بلاشبہ و بے غبار ہیں لوگوں کو شبہات اگر پیش آتے ہیں تو یہ ان کا اپنا قصور فہم اور کج طبعی ہے۔ قرآن محل شبہ نہیں ہے۔

گرنہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

هُدًى خبرٌثان هَادٍ **لِّلْمُتَّقِيْنَ**(۲) اَلصَّائِرِيْنَ اِلَى التَّقْوٰى بِامْتِثَالِ الْاَوَامِرِ وَاجْتِنَابِ النَّوَاهِيْ لِاِتِّقَائِهِمْ بِذٰلِكَ النَّارَ

ترجمہ:......(ھدی بمعنی ہادی خبر ثانی ہے، ذلک مبتدا کی) یہ کتاب ایسے متقیوں کے لئے ہدایت کرنے والی ہے (جو اس کے اوامر کی اطاعت اور نواہی سے پرہیز کی طرف میلان رکھنے والے ہوں۔ اس طرح وہ نارِ جہنم سے بچنے کی وجہ سے متقی کہلانے کے مستحق ہوجاتے ہیں۔

ترکیب:......الم مبتداء ذالک خبر موصوف الکتاب اس کی صفت یا الٓمٓ مبتداء محذوف (المولف من هذه الحروف) کی خبر اول اور ذلک خبر ثانی یا بدل اور کتاب صفت ہے۔ لا نفی جنس ریب اس کا اسم اور فیه خبر یا ریب موصوف اور فیه صفت دونوں ملکر اسم اور للمتقین خبر اور ھدی حال ہے یا ریب موصوف فیه صفت اور خبر محذوف ہو تو اس صورت میں فیه خبر مقدم ہوجائے گی ھدی کی یا کہا جائے کہ ذلك الکتاب مبتدا لاریب فیه جملہ خبر اول اور ھدی للمتقین جملہ دوسری خبر اس کے علاوہ اور بھی احتمالات ہوسکتے ہیں لیکن سب سے اچھی ترکیب یہ ہے کہ ان چاروں جملوں کو الگ الگ کرلیا جائے اور ہر بعد والے جملہ کو پہلے جملہ کی دلیل کہا جائے۔ یعنی الم پہلا جملہ اول دعویٰ ہے کہ یہ بے نظیر و بے مثل کلام ہے۔ ذالك الکتاب جملہ ثانی اس کے اعجاز کی دلیل ہے اور فی نفسہ دعویٰ بھی ہے "لاریب فیه" تیسرا جملہ اس دلیل کی دلیل ہے یعنی دعویٰ کمال کتاب کی دلیل ہے بشرطیکہ طبیعت انصاف پسند اور ذوقِ سلیم ہو، تعنت اور تعصب و عناد کی بات دوسری ہے ھدی للمتقین چوتھا جملہ پھر اس نفی شک کی دلیل ہے۔ ھدی یعنی ھاد کہنا مبالغہ کے لئے ایسا ہے جیسے زید عادل بمعنی عادل کہہ دیا جائے یعنی وصفِ ہدایت میں یہ کتاب ایسی ممتاز اور سرتاپا ہدایت ہے کہ اس کو مجسم ہدایت مانا جائے تو بجائے "ھــدی" یعنی ہادی کہہ کر مفسرؒ علام نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے ورنہ مصدر کا حمل مبتداء کی ذات پر لازم آئے گا جو ناجائز ہے باقی مصدر کا بمعنی اسم فاعل یا اسم مفعول آنا کلامِ عرب میں بکثرت شائع ذائع ہے۔

﴿تشریح﴾:......قرآنی تقویٰ:.......... تشریح ان آیات کی کلام بالا سے ظاہر ہے البتہ یہ شبہ بھی باقی رہ جاتا ہے کہ متقی تو خود ہدایت یافتہ کو کہتے ہیں اس کیلئے قرآن کو ہادی کہنا بے معنی تحصیلِ حاصل ہے۔ ایک گم کردہ راہ کیلئے کتاب سبب ہدایت ہوسکتی

ہے لیکن منزلِ تقوی پر پہنچنے کے بعد ہدایت کے کیا معنی، جلال محققؒ اسی وہم کے ازالہ کے لئے الصائرین الی التقویٰ سے تفسیر کررہے ہیں یعنی یہاں متقین سے مراد بالفعل متقی نہیں ہیں کہ شبہ وارد ہو بلکہ بالقوۃ مراد ہیں جن میں استعداد تقویٰ اور میلان تقویٰ پایا جاتا ہو۔ قرآن ان کی استعداد کو فضیلت میں لے آئے گا اور وہ بالفعل متقی ہو جائیں گے اس طرح گویا مجازاً بلکہ تفاؤلاً ان کو پہلے ہی سے متقی کہہ دیا گیا ہے۔

درجاتِ تقویٰ:............ نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہدایت اور تقویٰ دونوں کے درجات مختلف ہیں۔ ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ، پس قرآن کی وجہ سے ہر نچلے درجہ سے جب اوپر کے درجہ پہنچے گا تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ قرآن متقی کے لئے ہادی بنا یعنی نچلے درجے کے لحاظ سے وہ متقی کہلایا اور اوپر کے درجے کے اعتبار سے اس کو ہدایت ملی مثلاً تقویٰ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کفر وشرک سے بچے اور اوسط درجہ یہ کہ ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مشتبہات بلکہ مباحات اور کُل ماسوی اللہ سے پرہیز کرے۔ اول عوام کا تقویٰ دوسرے خواص کا تقویٰ، تیسرے اخص الخواص کا تقویٰ غرضیکہ ہدایت اور تقویٰ دونوں کلی مشکک ہیں جن کے درجات مختلف و متفاوت ہوں اور ہر ماتحت درجہ کی ہدایت اوپر والے درجہ کے لئے ممد ومعاون ہو۔ تیسری سادہ توجیہ یہ ہے کہ تقویٰ سے مراد یہاں اصطلاحی اور متعارف معنی نہ لئے جائیں بلکہ لغوی معنی خدا سے ڈرنے کے ہیں جن کا حاصل یہ ہوگا کہ قرآن کریم ان لوگوں کے لئے سبب ہدایت ہے جو خوف خدا رکھتے ہوں۔ لیکن جو شخص بادشاہ سے نہیں ڈرتا وہ قانون کا کیا احترام کرے اور قانون اس کے لئے کیا مفید ہوسکتا ہے پس حصولِ ہدایت کے لئے خشیت خداوندی ایسے ہی شرط ہے جیسے ہضم غذا کے لئے صحتِ معدہ۔ اگر معدہ خراب ہے تو ہزار غذائیں قوی سے قوی تر کھائیے ضعفِ معدہ اور بڑھے گا نہ کہ قوتِ معدہ لاتقانھم سے مفسرؒ علام متقی کے وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ کررہے ہیں یعنی احکام کی پابندی اور ممنوعات سے پرہیز کی وجہ سے چونکہ وہ نار جہنم سے نجات پالے گا اس لئے اس کو متقی کہنا صحیح ہے۔ اور باعتبار نفع کے متقیوں کی تخصیص کی ہے یعنی اپنے خطاب عامہ کے لحاظ سے یہ کتاب سب کے لئے ہادی ہے لیکن نفع اس سے صرف متقی اٹھاتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ يُصَدِّقُوْنَ **بِالْغَيْبِ** بِمَاغَابَ عَنْهُمْ مِنَ الْبَعْثِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ **وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ** اَیْ يَاْتُوْنَ بِهَا بِحُقُوْقِهَا **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ** اَعْطَيْنَاهُمْ **يُنْفِقُوْنَ﴿۳﴾** فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ

ترجمہ:...... جو ایمان لاتے ہیں (یعنی سچا سمجھتے ہیں) غیب کی ان باتوں کو (جو قیامت، جنت، جہنم وغیرہ کی ان سے پوشیدہ ہیں) اور نماز کو قائم رکھتے ہیں (یعنی پورے حقوق کے ساتھ اس کو ادا کرتے ہیں) اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے (جو ہم نے ان کو دیا) خرچ کرتے ہیں (ہمارے راستے میں)

ترکیب وتحقیق:............ الذین موصول۔ یومنون بالغیب جملہ معطوف علیہ۔ یقیمون الصلوۃ جملہ معطوف۔ اور ینفقون فعل ضمیر فاعل بمما رزقنھم مفعول مقدم یہ جملہ بھی معطوف۔ تینوں جملے مل کر صلہ ہوئے موصول اپنے صلہ سے مل کر متقین کی صفت بن گئی۔

ربط وشانِ نزول:............ مومنین دو طرح کے ہیں ایک جیسے ابوبکر وعمر، عثمان وعلی رضوان اللہ علیہم اجمعین، اور دوسرے مومنین اہل کتاب جیسے عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ اس آیت میں قسم اول کے مومنین کا بیان ہے۔

﴿تشریح﴾..........مومنین کی قسمیں:..........تقویٰ کے دو جزو ہوتے ہیں۔ ایک اچھی باتوں کو کرنا، دوسرے بری باتوں سے بچنا۔ نیز بعض باتوں کا تعلق سلطان الاعضاء قلب سے ہے اور بعض کا اعضاء و جوارح سے۔ قسم اول کو ایمان کہتے ہیں۔ اعتقادیات، نظریات، ایمانیات کا تعلق قلب سے ہوتا ہے ان فی الجسد الخ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ دوسری قسم کو اعمال کہتے ہیں خواہ وہ بدنی عبادات کے ساتھ ہوں یا مالی عبادت کے ساتھ یقیمون الصلوٰۃ بدنی عبادات اور مما رزقنھم ینفقون سے مالی عبادات مراد ہیں۔ اس طرح یہ متقین گویا قوتِ نظریہ اور قوتِ عملیہ دونوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ عقائد کی تصحیح کا نام علم کلام اور تصحیح اعمال کا باب فقہ کہلاتا ہے۔ تزکیۂ نفس وتصفیۂ باطن میں علم الاخلاق جس کو تصوف واحسان کہتے ہیں اعلیٰ درجہ کا متقی ان تینوں کا جامع ہوگا۔

ایمان بالغیب:......ایمان دو طرح کا ہوتا ہے ایک ایمان اجمالی جیسا کہ آیت ذیل میں مراد ہے یعنی جمیع ماجاء به النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر دینا اور دوسرے ایمان تفصیلی کہ تمام جزئیات کی الگ الگ تفصیلی تصدیق کرنا۔ بہر حال ایمان صرف سچا جاننے کو نہیں بلکہ سچا ماننے اور سمجھنے کو کہتے ہیں ایمان ایک علیحدہ چیز ہے اور عمل کرنا ایک دوسری بات ہے اور ایمان بالغیب یہ ہے کہ عقل وحواس سے پوشیدہ اور مخفی باتوں کو محض اللہ اور رسول ﷺ کے فرمانے کی وجہ سے صحیح مان لینا۔ غیب کے معنی دل کے بھی آتے ہیں کیونکہ وہ بھی غائب ہوتا ہے۔ غیب کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ہماری نگاہوں کے سامنے نہ ہو آنکھوں سے غائب ہو جیسے عالم ارواح، عہد الست، خطاب حق، ملائکہ۔ دوسرے یہ کہ وہ خود تو حاضر ہوگا مگر ہم غائب ہوں جیسے غیب الغیب یعنی حضرت حق جل مجدہ، یا یوں کہا جائے کہ ایک غائب وہ ہے کہ جس پر دلائل موجود ہوں جیسے اللہ کی ذات وصفات نبوت وشرائع۔ دوسرے وہ غیب کہ اس پر کوئی دلیل نہ ہو جیسے آیت کریمہ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو میں یہی دوسری قسم مراد ہے۔

ایمان بالغیب کی فضیلت:..........بہر حال کسی بات کو دیکھ کر یا سمجھ کر ماننا اتنا زیادہ قابلِ تعریف کام نہیں جتنا کہ محض کسی کے فرمانے سے ماننا عمدہ ہے کیونکہ اول صورت میں تو ایک درجہ میں اپنی آنکھ یا سمجھ پر بھروسہ کرنا ہوا، خالص رسول ﷺ پر ایمان لانا تو یہ ہے کہ صرف اس کے کہنے سے مان لے کسی اور چیز کا انتظار نہ کرے۔

(۱) چنانچہ طبرانیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک بار سفر میں قافلہ کے لئے پینے کا پانی تک ختم ہوگیا تھا تلاش کیا تو صرف ایک برتن میں قدرے پانی نکلا۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنی انگلیاں ڈال دیں جن کی برکت سے وہ پانی فوارہ کی طرح جوش مارنے لگا اور تمام مجمع کی جملہ ضروریات کے لئے کافی ہوگیا جن کی تعداد سینکڑوں تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا کہ سب سے زیادہ ایمان کن لوگوں کا عجیب تر ہے؟ عرض کیا فرشتوں کا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے اللہ کی بارگاہ میں حاضر رہتے ہیں ان کے احکام کی تعمیل میں لگتے رہتے ہیں وہ کیسے ایمان نہیں لائیں گے۔ عرض کیا پھر آپؐ کے اصحاب کا ایمان عجیب تر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اصحاب بھی سینکڑوں معجزات خوارق دیکھتے رہتے ہیں ان کے ایمان میں کیا تعجب ہے؟ پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ قابل تعجب ان لوگوں کا ایمان ہوگا جنہوں نے مجھ کو نہیں دیکھا۔ وہ میرے بعد آئیں گے لیکن میرا نام سن کر صدق دل سے مجھ پر ایمان لائیں گے، وہ میرے بھائی ہیں اور تم میرے اصحابؓ۔

(۲) حارث بن قیسؒ ایک تابعی نے ایک صحابیؓ سے عرض کیا کہ افسوس ہم رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے محروم رہ گئے۔ عبداللہ ابن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ یہ صحیح ہے کہ تم اس خاص شرف سے محروم ہوگئے مگر ایک بڑی نعمت تم کو یہ حاصل ہوگئی کہ تم بغیر دیکھے رسول

اللہ ﷺ پر ایمان لا رہے ہو۔ جس نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا اس پر ہزار دلائل سے آپ ﷺ کی نبوت روشن ہوگئی۔ پھر بھی وہ ایمان نہیں لائے گا تو کیا کرے گا؟ ایمان تمہارا ہے کہ بلا دیکھے ایمان لائے ہو۔

(۳) ابوداؤدؒ کی روایت ہے کہ ایک شخص عبداللہ ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟ اور اپنی زبان سے آپ ﷺ کے ساتھ بات کی ہے؟ اور اپنے ہاتھوں سے آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے؟ انہوں نے سب باتوں کے جواب میں فرمایا: ہاں۔ یہ سن کر وہ زارزار رونے لگا اور اس پر ایک حالت وجد طاری ہوگئی۔ عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا میں تم کو ایک خوشخبری سناتا ہوں جو آنحضرت ﷺ سے میں نے سنی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھ کو دیکھ کر ایمان قبول کیا اس کے لئے خوشحالی ہے اور جو بلا دیکھے مجھ پر ایمان لایا اس کے لئے بہت زیادہ خوشحالی ہے۔ ان آثار وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان بالغیب کی بڑی قدر وقیمت ہے۔

حقیقی نماز:......... اعمال کے سلسلے میں "یؤدون الصلوٰۃ" کی بجائے "یقیمون الصلوٰۃ" ارشاد ہے۔ جلال محقق اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ محض اداء نماز مراد نہیں ہے بلکہ تمام شرائط ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ بجالانا مراد ہے جس میں نظیر کامل سنن مستحبات کی تکمیل، باطنی آداب، خشوع وخضوع، حضور واخلاص سب موجود ہوں۔ جو نماز ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشآء والمنکر اور الصلوٰۃ معراج المؤمنین کا مصداق ہو بے حقیقت وبے روح جس کو صورت نماز کہنا چاہئے مراد نہیں ہے اس پر فویل للمصلین الخ کی وعید موجود ہے۔

زکوٰۃ کی حقیقت:......... انسان چونکہ بالطبع بخیل ہوتا ہے۔ اپنے گاڑھے خون پسینہ کی کمائی کا ایک پیسہ بھی کسی کو دینا گوارا نہیں کرتا۔ چمڑی چلی جائے، پر دمڑی پر آنچ نہ آئے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے انفاق مالی کا عنوان ایسا دلنشین رکھا جس سے یہ قربانی آسان ہوجائے یعنی یہ کہ ہمارا ہی دیا ہوا مال جس کے انفاق کا حکم دیا جارہا ہے، ماں کے پیٹ سے انسان ننگ دھڑنگ ہاتھ خالی آتا ہے، لیکن اگر کسب پر گھمنڈ ہے تو قوائے کسب بھی تو ہمارے ہی دیئے ہوئے ہیں، پھر یہ زعم کیسا؟ سارا مال بھی ہم طلب کر لیتے تو بجا تھا۔

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

ٹیکس مشکل ہے یا زکوٰۃ:......... لیکن ایک خاص قسم کے تجارتی مال میں سے اور وہ بھی جبکہ تمام ضروریات سے سال بھر بچا رہے ایک خاص مقدار کے بعد ڈھائی روپے فی سینکڑہ لیتے ہیں جو حکومتوں کے آئے دن ٹیکسوں کے مقابلہ میں نہایت معمولی مقدار ہے۔ غرضیکہ اس عنوان میں سہولت بھی پیش نظر ہے اور اعتدال انفاق کی تعلیم دینا بھی ہے کہ نیک کام میں خرچ کرو، فضولیات اور نام ونمود کے مواقع پر خرچ نہ کرو اور اتنا خرچ نہ کرڈالو کہ کل کو خود محتاج ہو کر مانگنے بیٹھ جاؤ۔ یہ دونوں نکتے من تبعیضیہ سے سمجھ میں آگئے۔ عوام مؤمنین چالیس روپے میں سے صرف ایک روپیہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور خواص چالیس میں سے ایک خود رکھتے ہیں اور باقی انتالیس صدقہ کردیتے ہیں مگر خواص الخواص جان ومال سب فی سبیل اللہ وقف کردیتے ہیں ان کے نزدیک من تبعیضیہ نہیں بلکہ بیانیہ ہے۔

زکوٰۃ علمی:......... اسی طرح مما رزقنٰھم کے عموم میں علم ظاہر وباطن کے افاضہ اور فیض رسانی کو بھی داخل کیا ہے یعنی ایک عالم اور شیخ کو بھی دولت علم وباطن کی خیرات طالبین پر تقسیم کرنی چاہئے۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ اَیِ الْقُرْاٰنِ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اَیِ التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَغَیْرِهِمَا وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ یَعْلَمُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾ اَلْفَائِزُوْنَ بِالْجَنَّةِ النَّاجُوْنَ مِنَ النَّارِ

ترجمہ:.......... اور جو لوگ ایمان و یقین رکھتے ہیں آپ ﷺ پر نازل کردہ (قرآن) اور آپ ﷺ سے پہلے (توراۃ وانجیل وغیرہ) نازل شدہ کتابوں پر اور یہی لوگ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں (یعنی ان کو اس کا علم الیقین ہے) یہ لوگ (جن کا ذکر ہوا) اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ پوری طرح کامیاب ہیں (یعنی جنت بکنار اور بری عن النار)

ترکیب و تحقیق:...... الذین موصول ثانی۔ ما انزل الیك معطوف علیہ۔ ما انزل من قبلك معطوف۔ دونوں مل کر یومنون کا مفعول ہوئے۔ یہ پورا جملہ ہو کر صلہ ہوا اور پہلے الذین پر عطف ہو گیا۔ اولئك مبتداء اور علی ھدی من ربھم ظرف لغو خبر ہے۔ اسی طرح اولئك ثانی مبتداء ثانی۔ ھم المفلحون اس کی خبر۔ دونوں جملے معطوف ہو گئے۔

ربط:.......... یہاں سے مؤمنین اہل کتاب جیسے عبداللہؓ بن سلام کا ذکر ہو رہا ہے جو پہلی کتابوں اور نبی پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی دعوتِ حق کو بھی قبول کیا۔

﴿تشریح﴾:...... انبیاءؑ کی تصدیق:.......... آپ ﷺ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے وہ وحی متلو (قرآن) ہو یا وحی غیر متلو (حدیث) ہو یا اُن سے استنباط کئے ہوئے احکام فقہیہ وشرعیہ ایک مسلمان کیلئے جس طرح ان سب کا ماننا ضروری ہے اسی طرح یہ یقین رکھنا کہ اپنے اپنے وقت میں جس قدر انبیاءؑ ہدایات وتعلیمات لیکر دنیا میں آئے وہ سب اپنی جگہ سچ اور صحیح تھے بعد میں جو کچھ لوگوں نے اس میں آمیزش کر دی وہ یقیناً غلط اور نادرست ہے۔ تا آنکہ اللہ نے ان وقتی، ہنگامی اور محدود احکام کو ختم کر کے ایک پائیدار، دوامی بلکہ بین الاقوامی قانون (قرآن) دے کر آنحضرت ﷺ کو دنیا میں بھیجا ہے اور ہم کو صرف آپ ﷺ کی اتباع، اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم دیا ہے۔ یہ اسلامی تعلیم کا نچوڑ ہے بہرحال اسلام میں داخل ہونے کے لئے جس طرح آنحضرت ﷺ کی تصدیق ضروری ہے اسی طرح پچھلے تمام ادیان وانبیاء کی تصدیق لازمی اور ضروری ہے کیونکہ تمام انبیاءؑ کا مشن ایک ہی ہوتا ہے اس لئے ایک نبیؑ کی تکذیب دوسرے انبیاءؑ کی تکذیب کے مرادف ہوگی جو خلاف حق ہے۔ مذہب اسلام کی یہ امتیازی خوبی ہے کہ اس کی بنیاد سب کو ماننے پر ہے کسی کی تکذیب وتردید پر نہیں لا نفرق بین احد من رسله برخلاف یہود ونصاریٰ کے، کہ وہ ایک دوسرے کی باہمی تکذیب، تردید بلکہ تکفیر کر کے یہودی یا نصرانی بنتے ہیں۔ وقالت الیهود لیست النصاری علیٰ شیٔ الخ

دو (۲) نکتے:.......... لیکن یہاں دو نکتے پیش نظر رکھنے چاہئیں...... یہ کہ کتب سابقہ کی تصدیق سے مراد اصلی اور غیر محرف کتابیں ہیں۔ رد وبدل اور تحریف ہونیکے بعد تو وہ دراصل کلام الٰہی ہی نہیں رہیں۔ دوسرے صرف اعتقاد حقیقت کی حد تک یقین رکھنا مقصود ہے۔ عمل درآمد یا اتباع کرانا منظور نہیں ہے کہ وہ صرف مخصوص ہے آنحضرت ﷺ کے ساتھ۔ علیٰ ہذا فقہیات اور سلسلۂ تصوف میں دوسرے سلاسلِ مشائخ اور ائمہ ہدیٰ کو بھی برحق اور ہدایت وصواب پر سمجھنا چاہئے بشرطیکہ وہ اصل طریق سنت واحسان پر ہوں۔ البتہ اتباع واطاعت صرف اپنے امام اور شیخ کی ہونی چاہئے۔ ہاں اگر مشائخ وعلماء ہوائے نفس، رسوم وبدعات میں مبتلا ہوں تو ان کی تصدیق و

اعتقادِ حقیقت لازم ہے اور نہ اتباع، دلیل اس تمام تقریر کی صحت کی فاروقِ اعظمؓ کی قرأت توراۃ پر آنحضرت ﷺ کا اظہار ناخوشی ہے۔

متقین کی کھلی پہچان:......... تقویٰ کی خاطر نظری، علمی، جامع مانع تعریف کرنے کے بجائے آسان اور سادہ طریق یہ اختیار کیا کہ اس کے مصداقات بتلائے اور اس کو محسوس کر کے دکھلایا کہ جن میں یہ اوصاف پائے جاتے ہوں وہ متقی ہیں۔ نیز لفظ علیٰ سے ان کے ہدایت پر قابو یافتہ ہونے کو اور مستقیم رہنے کو بتلا دیا کہ جس طرح سوار سواری پر قابو یافتہ ہو جاتا ہے اسی طرح انہوں نے ہدایت کو بمنزلہ اپنی سواری کے کر لیا ہو اس میں ان کے استقلال واستقامت وتمکین کی طرف اشارہ ہے یعنی ہدایت کا اتباع کرتے کرتے وہ اب مدارِ حق اور معیارِ ہدایت ہو گئے۔ ہدایت کی باگ دوڑ جدھر وہ پھیر دیتے ہیں حق اس طرف دائر ہو جاتا ہے۔

معتزلہ کا رد:......... بالاخرة هم یوقنون اور هم المفلحون میں ضمیر فصل سے انحصار کمالِ ہدایت وفلاح کا بتلانا ہے نہ کہ مطلق ہدایت وفلاح کا یعنی یہ کامل الفلاح والیقین ہیں اس لئے ان الفاظ سے معتزلہ کا اپنے مسلک پر استدلال کرنا بجا ہے کہ فلاح و ہدایت صرف ان حضرات کے لئے مخصوص ہے۔ مومن عاصی یا مرتکب گناہ اس سے خارج اور مستحقِ جہنم ہے بات یہ ہے کہ یہاں مطلق فلاح کا انحصار بیان کرنا نہیں ہے جس کے دو (۲) فرد ہوتے ہیں (۱) کامل (مؤمن غیر عاصی) اور (۲) ناقص (مؤمن عاصی) بلکہ فلاح مطلق یعنی کمال فلاح کا انحصار کرنا ہے۔ پس مؤمن عاصی کمالِ فلاح سے البتہ خارج اور محروم رہے گا۔ مگر مطلق فلاح کا فرد ناقص پھر بھی رہے گا اور یہی مسلک اہل سنت ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کَاَبِیْ جَهْلٍ وَاَبِیْ لَهَبٍ وَنَحْوِهِمَا **سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ** بِتَحْقِیْقِ الْهَمْزَتَیْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِیَةِ اَلِفًا وَتَسْهِیْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَیْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰی وَتَرْکِهٖ **اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾** لِعِلْمِ اللّٰهِ مِنْهُمْ ذٰلِكَ فَلَاتَطْمَعْ فِیْ اِیْمَانِهِمْ وَالْاِنْذَارُ اِعْلَامٌ مَعَ تَخْوِیْفٍ

ترجمہ:......... بلاشبہ جو لوگ کافر ہو چکے ہیں (جیسے ابو جہل وابولہب وغیرہ) ان کے حق میں یہ بات برابر ہے کہ آپ ﷺ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں (لفظ انذرتھم میں پانچ قرأتیں اس طرح پر ہیں (۱) تحقیق ہمزتین بلا توسط الف کے (۲) تحقیق ہمزتین مع توسط الف (۳) تسہیل بلا توسط الف (۴) تسہیل مع توسط الف (۵) ہمزۂ ثانیہ کو الف کے ساتھ بدل دینا) وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (کیونکہ اللہ کو ان کی اس حالت کا علم ہے اس لئے آپ ﷺ ان کے ایمان کی طمع اور امید نہ رکھئے۔ انذار کے معنی ڈرانے اور خوفناک اطلاع کے ہیں)۔

ترکیب وتحقیق:......... ان حروف مشبہ بالفعل۔ الذین موصول، کفروا صلہ، دونوں ملکر اسم، سواء بمعنی استواء مصدر مابعد مرفوع فاعل بنیہ سبب مل کر ان کی خبر مقدر یہ کلام اس طرح ہوگی ان الذین کفروا مستوی علیهم انذارک وعدمه اور لا یومنون بیان ہے اور وادخال میں واؤ بمعنی مع ہے یعنی تسہیل ہمزۂ ثانیہ کی مع......توسط الف کے وترکہ کی ضمیر تسہیل کی طرف راجع ہے یعنی ترکِ تسہیل کرنا۔

ربط:......... اب تک ان دو قسم کے حضرات کا بیان تھا جو زبان ودل سے قرآن اور دین کو مانتے ہیں۔ اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب اب آگے ان مخالفین کا بیان ہے جو زبان ودل دونوں سے اعلانیہ انکار کرتے ہیں جن کو کافر مجاہر کہا جاتا ہے وبضدھا تتبین الاشیاء

﴿تشریح﴾ ...... **ایک اشکال اور اس کا جواب**: .... جلال محقق کابی جھل ..... الخ کہہ کر ایک شبہ کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ شبہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تبلیغ دین کے بعد بہت سے کافر ایمان لے آتے ہیں، بلکہ تمام تر صحابہؓ آپ ﷺ کی تبلیغ کے بعد ہی ایمان لائے ہیں پھر یہ فرمانا کیسے صحیح ہے کہ آپ ﷺ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان نہیں لائیں گے؟ حاصل جواب یہ ہے کہ اس سے مراد کافر نہیں ہیں بلکہ مخصوص اور معہود وہ کافر مراد ہیں جن کے لئے علم الٰہی میں طے ہے کہ یہ آخر تک ایمان نہیں لائیں گے۔ بلکہ کفر ہی پر جمے رہیں گے جیسے ابولہب وابوجہل وغیرہ۔ نیز سواء علیھم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اب ان کو احکام سنانے اور تبلیغ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ تو آپ ﷺ کا فرض منصبی ہے چنانچہ اس کے بعد بھی آپ ﷺ نے تبلیغ موقوف نہیں فرمائی مفسر علامؒ اسی کے ازالہ کی طرف فلا تطمع سے اشارہ کر رہے ہیں۔ یعنی ترک تبلیغ مقصود نہیں بلکہ ان سے توقع اور امید نہ رکھنے کو کہا جا رہا ہے کیونکہ رنج وغم کا حاصل خلاف امید چیز کا پیش آنا ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے قلوب چونکہ شفقت ورحمت سے لبریز ہوتے ہیں وہ اگر غایت محبت و شفقت میں کسی سے ایمان کی امید قائم کرلیں تو پھر اس کا خلاف ہونے سے کس قدر عظیم اور ناقابل برداشت صدمہ ان کو ہوتا ہوگا اس لئے یہاں اعتدال فی التبلیغ کی تعلیم دینا ہے۔

تبلیغ کا فائدہ: .... مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب ان کو تبلیغ بھی نہ کیجئے اور آپ ﷺ کے لئے تبلیغ کرنا بے فائدہ، بے کار اور عبث فعل ہے کیونکہ فعلِ عبث اس وقت کہا جائے گا جبکہ اس میں کسی قسم کا فائدہ نہ ہو۔ حالانکہ آپ ﷺ کے لئے اجر وثواب کا فائدہ برابر اور ہمیشہ کے لئے ہے اسی لئے سواء علیھم فرمایا گیا ہے۔ سواءٌ علیک نہیں فرمایا گیا حاصل یہ ہے کہ تبلیغ آپ ﷺ کے حق میں مفید ہے مگر ان کے لئے بیکار ہے۔

بے ایمانی کا الزام خدا پر نہیں بندوں پر ہے: .... لایؤمنون پر یہ شبہ نہیں کرنا چاہئے کہ جب اللہ ہی نے ان کے ایمان نہ لانے کا فرمادیا ہے تو اس کی خبر کے خلاف ہونا چونکہ ناممکن ہے۔ اس لئے ایمان نہ لانے میں اب ان کو معذور سمجھنا چاہئے اور ان پر کچھ الزام نہیں ہے سو حقیقت یہ ہے کہ یہ فرمانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی ڈاکٹر کسی خطرناک مریض کو دیکھ کر اس کے مرنے کی پیشن گوئی کردے اور وہ مریض اس کے کہنے کے مطابق مرجائے تو اس سے ڈاکٹر پر کوئی الزام نہیں آئے گا، یہ نہیں کہا جائے گا کہ ڈاکٹر کے کہنے سے وہ مرگیا، اگر نہ کہتا تو نہ مرتا بلکہ کہا یہی جائے گا کہ خود ڈاکٹر کا یہ کہنا مریض کی حالت کے پیش نظر تھا جو صحیح نکلا۔ اسی طرح یہاں اللہ کے علم وخبر کو ان کی بے ایمانی اور بدحالی کا سبب نہیں کہا جائے گا بلکہ خود ان کی حرکات ناشائستہ اور بدعملی و بے ایمانی کو اللہ کی خبر کا سبب قرار دیا جائے گا یعنی ان کی بدحالی کا اندازہ کر کے اللہ نے یہ خبر دی تھی جو صحیح نکلی۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ طَبَعَ عَلَيْهَا وَاسْتَوْثَقَ فَلَا يَدْخُلُهَا خَيْرٌ **وَعَلٰی سَمْعِهِمْ** اَیْ مَوَاضِعِهٖ فَلَا يَنْتَفِعُوْنَ بِمَا يَسْمَعُوْنَهٗ مِنَ الْحَقِّ **وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ** غِطَاءٌ فَلَا يُبْصِرُوْنَ الْحَقَّ **وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** ﴿۷﴾ قَوِیٌّ دَائِمٌ

ترجمہ: .... بند لگادیا ہے خدا نے ان کے دلوں پر (یعنی مہر لگا کر مضبوط کردیا کہ اب اس میں کوئی خیر داخل نہیں ہوسکتی) اور ان کے کانوں پر (کہ حق بات سن کر اس سے نفع نہیں اٹھا سکتے ہیں) اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے (کہ حق کو نہیں دیکھ سکتے ہیں) اور ان کے لئے ایسا دردناک عذاب ہوگا (جو قوی بھی ہوگا اور ہمیشہ رہے گا)۔

ترکیب وتحقیق: .... ختم۔ فعل۔ اللہ فاعل، علی قلوبھم معطوف علیہ علی سمعھم معطوف، دونوں ملکر مجرور، جار مجرور ملکر ختم کے متعلق پورا جملہ فعلیہ ہوا۔ غشاوۃ مبتداء، موخر۔ علی ابصار ھم ظرف خبر جملہ اسمیہ معطوفہ ہوگیا۔ عذاب موصوف عظیم صفت دونوں ملکر مبتداء موخر لھم خبر مقدم ملکر جملہ اسمیہ ہوا۔

ختم بمعنی کتم، کہیں تو طبع اللہ علیھا فرمایا اور کہیں کلا بل ران فرمایا اس کی اسناد اللہ کی طرف حقیقی ہے لیکن اس کے معنی مجازی مراد ہیں۔ واقعی طور پر ان کے قلوب اور کانوں پر مہر اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا نہیں ہے، جیسا کہ اہل ظاہر کا خیال ہے بلکہ مجازاً خیر کا نہ داخل ہونا اور اس کی بندش مراد ہے۔ قلوب قلب کی جمع ہے بمعنی لوٹ پوٹ ہونا۔ دل بھی چونکہ الٹا لٹکا ہوتا ہے اور متحرک رہتا ہے اس لئے دل کے معنی ہوگئے لیکن اس سے مراد یہاں مضغہ گوشت اور جسم صنوبری نہیں ہے کہ وہ تمام جانوروں میں بھی ہوتا ہے بلکہ قوت عاقلہ لطیفہ ربانی مراد ہے۔ جو گوشت کے ٹکڑہ سے اس طرح وابستہ ہوتا ہے جیسے آگ کوئلہ کے ساتھ، قلوب کفار کو شئے مختوم کے ساتھ تشبیہ دینے سے استعارہ بالکنایہ ہوگیا علی سمعھم کے معنی مفسر علامؒ نے ای مواضعہ نکال کر اشارہ کیا کہ ختم کی اسناد سمع کی طرف بتقدیر المضاف ہے یعنی موضع سمع کی طرف ہے اگرچہ سمع کے معنی سننے اور کان دونوں کے آتے ہیں البتہ قلوب اور ابصار کو جمع اور سمع کو مفرد لانا اس کی کئی توجیہات ہوسکتی ہیں ایک توجیہ وہ ہے جس کی طرف مفسر علامؒ لفظ مواضعہ سے اشارہ کررہے ہیں یعنی یہ مصدر ہے لایثنی و لا یجمع اور بتقدیر المضاف ہے ای مواضع السمع ،غشاوۃ میں بھی مجاز اور استعارہ اختیار کیا گیا ہے۔ عذاب کہتے ہیں کسی جاندار کو تذلیل وتحقیر کے لئے تکلیف پہنچانا اس لئے معصوم بچوں اور جانوروں کے مبتلائے آلام ہونے کو عذاب نہیں کہا جائے گا۔ عظیم کیفیت کی شدت کے لئے آتا ہے۔ اس کی ضد حقیر ہے اور کمیت کی زیادتی کے لئے کبیر اور صغیر متقابل آتے ہیں۔ لیکن عظیم میں کبیر سے زیادہ مبالغہ ہے جیسا کہ حقیر میں بمقابلہ صغیر زیادہ مبالغہ ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... خدائی مُہر: .... یہ آیت بھی پہلے جملہ لایؤمنون کی تاکید ہے یعنی ایمان لانے کی ان سے بالکل امید نہ رکھیئے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر اور آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور یہی تین ذرائع علم ہیں۔ قلب تو اصل محل علم و ادراک ہے کان نقلی علوم کا ذریعہ ہیں اور آنکھ سے انسان مشاہدات کرتا ہے لیکن جب کسی کے یہ تینوں ذرائع ماؤف ہوجائیں تو اس کی ہدایت کی کیا امید ہوسکتی ہے یہاں بھی ان اعضاء کو ماؤف کرنے کی نسبت خدا نے اپنی طرف کی ہے جو حقیقی ہے یعنی ان ذرائع واسباب گمراہی کی پیدائش خدا کی طرف سے ہے۔ کسب کے اعتبار سے ذمہ دار اگرچہ بندہ ہے اس لئے جبریہ اور معتزلہ کے لئے اب اس شبہ کی گنجائش نہیں کہ جب اللہ نے ان اعضاء کو ماؤف کردیا تو بندہ کو معذور سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ مقصد یہ ہے کہ باعتبار خود انہوں نے شرارت عناد وفساد کرکے اپنی تمام صلاحیت واستعداد بالکلیہ برباد کرلی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر مثل نقطہ ایک سیاہ نشان پڑجاتا ہے اگر اس نے توبہ نہیں کی یا برابر گناہ کرتا رہا تو وہ نشان بڑھتا اور پھیلتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ گناہوں کے اثر سے قلب بالکل زنگ آلود ہوجاتا ہے اور اس میں اچھے اور برے کی تمیز اور احساس نہیں رہتا اور جب احساس زیاں ہی نہ رہا تو ندامت وتوبہ کیسی؟

نیکی اور بدی کا فلسفہ: .... اس سے معلوم ہوا کہ ادویہ اور غذاؤں کی طرح نیکی اور بدی کے اثرات ہوتے ہیں جو ارباب باطن کو باطنی آنکھوں سے مشاہد ومحسوس ہوتے ہیں چونکہ سب چیزوں کا پیدا کرنے والا اللہ ہے اس لئے ختم کی نسبت بھی اپنی طرف کردی لیکن اس سے کسی طرح بندہ ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ اللہ نے تو ہدایت وگمراہی اور اس کے اسباب پیدا کردیئے ہیں اور

بندہ کو اختیار تمیزی دے دیا ہے وہ اپنا اختیار وارادہ سے جس راہ کو اختیار کرے گا اسی کا ذمہ دار ہوگا۔ جانوروں میں یا چھوٹے بچوں اور بے عقل لوگوں میں چونکہ اتنا شعور نہیں ہوسکتا کہ ان کو مکلف بنایا جائے اس لئے وہ اس ذمہ داری سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ رہا یہ کہنا کہ جس طرح کسی برائی کو کرنا برا ہے اسی طرح برائی کو پیدا کرنا بھی برا ہونا چاہئے صحیح نہیں ہے کیونکہ برائیوں کے کرنے میں کوئی معتد بہ مصلحت واقعیہ نہیں ہے بخلاف برائی کی پیدائش کے کہ اس میں ہزارہا مصالح ہیں جو اگرچہ ہم کو معلوم نہ ہوں لیکن جب اس کے خالق کو ہم حکیم مطلق مانتے ہیں اور **فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة** مسلمہ اصول ہے تو ایک ہی چیز کی پیدائش اچھی اور اس کا استعمال البتہ برا سمجھا جائے گا جس طرح شہد وتریاق کو پیدا کرنا ضروری ہے اسی طرح سانپ، بچھو، زہر ہلاہل کی پیدائش مجموعۂ عالم کے لئے ضروری ہے لیکن سانپ بچھو زہر کے بے موقعہ استعمال سے جو ہلاکت واقع ہوگی اس کو کوئی سمجھدار عاقل اچھا نہیں کہے گا۔

شبہات کا ازالہ:............ اسی طرح ایک شبہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بندہ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ اس کام کو پیدا کردیتا ہے اس سے واقعی اللہ پر تو کوئی الزام نہیں لیکن اس کام کے ساتھ جو ارادۂ خداوندی کا تعلق ہو وہ بندہ کے ارادہ پر موقوف نہیں بلکہ خود بندہ کا ارادہ اللہ کے ارادہ کے تابع ہے اس لئے پھر ذمہ داری بندہ سے نکل کر خدا پر آجاتی ہے۔ اس کا جواب وہی ہے کہ اللہ کا ارادہ چونکہ ہزاروں مصالح اور حکمتوں پر مشتمل ہے اس لئے مستحسن ہے اور بندہ کا ارادہ کسی مصلحت واقعیہ پر مبنی نہیں اس لئے قابل ملامت ہے، اس پر یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ اس سے ارادۂ خداوندی کا قابل تعریف ہونا تو معلوم ہوگیا مگر ساتھ ہی بندہ کا مجبور بارادۂ خداوندی ہونا بھی ثابت ہوگیا جو جبریہ کا مذہب ہے نہ کہ اہل سنت کا سو کہا جائے گا کہ ارادۂ خداوندی علی الاطلاق بندہ کے ارادے سے وابستہ نہیں ہے کہ بندہ کا مجبور ہونا لازم آجائے بلکہ اس تقدیر پر ارادۂ خداوندی ہوتا ہے کہ بندہ اس کام کو باختیار خود کرے گا۔ اس سے تو بندہ کے اختیار وارادہ اور زیادہ تحقق وتاکد ہوگیا نہ کہ نفی۔ بالکل اسی طرح اللہ کا ارادہ اپنے ارادہ سے وابستہ ہوتا ہے تو اس سے اللہ کے ارادہ کی نفی یا اس کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اور زیادہ صاحب اختیار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ تحقیق کی اس مقام پر گنجائش نہیں ہے بہتر اور اسلم راستہ اس جبر وقدر، خلق وکسب کی خار دار وادی کے قطع کرنے کا یہ ہے کہ اللہ کو مالک مطلق سمجھے اور مالک کو اپنے مملوک میں ہر طرح تصرف کا حق ہوتا ہے کہ کسی کو مجالِ انکار یا اعتراض نہیں ہوسکتی **لا یسئل عما یفعل وهم یسئلون**۔

وَنَزَلَ فِي الْمُنَافِقِيْنَ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** اَيْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لِاَنَّهٗ اٰخِرُ الْاَيَّامِ **وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴿۸﴾** رُوْعِيَ فِيْهِ مَعْنٰى مَنْ وَفِيْ ضَمِيْرِ يَقُوْلُ لَفْظُهَا **يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** بِاِظْهَارِ خِلَافِ مَا اَبْطَنُوْهُ مِنَ الْكُفْرِ لِيَدْفَعُوْا عَنْهُمْ اَحْكَامَهُ الدُّنْيَوِيَّةَ **وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ** لِاَنَّ وَبَالَ خِدَاعِهِمْ رَاجِعٌ اِلَيْهِمْ فَيَفْتَضِحُوْنَ فِي الدُّنْيَا بِاِطِّلَاعِ اللّٰهِ نَبِيَّهٗ عَلٰى مَا اَبْطَنُوْهُ وَيُعَاقَبُوْنَ فِي الْاٰخِرَةِ **وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴿۹﴾** يَعْلَمُوْنَ اَنَّ خِدَاعَهُمْ لِاَنْفُسِهِمْ وَالْمُخَادَعَةُ هُنَا مِنْ وَاحِدٍ كَعَاقَبْتُ اللِّصَّ وَذِكْرُ اللّٰهِ فِيْهَا تَحْسِيْنٌ وَفِيْ قِرَاءَةٍ وَمَا يَخْدَعُوْنَ

ترجمہ:......... (اور یہ آیات منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں) اور بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن (یعنی قیامت پر کہ وہ دنوں میں آخری دن ہے) حالانکہ وہ بالکل ایمان نہیں لائے ہیں (صیغہ مومنین کے جمع لانے میں لفظ مَنْ کے معنی کی رعایت کی ہے اور یقول کی ضمیر مفرد لانے میں مَن کی لفظی حیثیت کی رعایت کی گئی ہے) یہ لوگ اللہ اور مسلمانوں سے

چال بازی کرتے ہیں (اپنے باطنی کفر کے خلاف ظاہر کر کے تا کہ کفر کی دنیاوی پاداش سے محفوظ رہ سکیں) اور واقع میں کسی کے ساتھ بھی چال بازی نہیں کرتے بجز اپنے نفسوں کے (اس لئے کہ اس چالاکی کا وبال بالآخر ان ہی کی طرف لوٹے گا چنانچہ دنیا میں تو اس طرح ذلیل ہوں گے کہ اللہ کے نبی ﷺ ان کی باطنی خباثتوں سے آگاہ کر دیں گے اور آخرت میں سزایاب ہوں گے) اور اس کا شعور اور علم نہیں رکھتے (کہ ان کی چالاکی ان ہی پر اثر انداز ہو رہی ہے اور لفظ مخادعت (باب مفاعلت) اس مقام پر ایک جانب سے مراد ہے جیسے بولتے ہیں عاقبت اللص (میں نے چور کو سزا دی) اور لفظ اللہ کا تذکرہ اس مقام پر صرف تحسین کلام کے لئے ہے۔ دوسری قرأت میں لفظ وما یخادعون ہے۔

ترکیب و تحقیق:............من موصوف۔ یقول آمنا باللہ جملہ ہو کر صفت و من الناس متعلق ہو کر رافع ہے من کا تقدیر کلام اس طرح ہے ومن الناس ناسٌ۔ پورا جملہ ہو کر پہلے جملہ الذین پر عطف ہوا یا ان الذین کفروا پر عطف ہوا اور من موصول بھی ہوسکتا ہے، ما کا اسم اور بمؤمنین خبر ہے من لفظاً مفرد ہے لیکن معناً مفرد، تثنیہ، جمع سب پر اطلاق ہوسکتا ہے۔ مفسر علامؒ نے مومنین کے صیغہ جمع اور یقول کے مفرد لانے کو یہی کہہ کر حل کیا ہے کہ من میں دونوں باتوں کی گنجائش ہے اس کی لفظی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے یقول مفرد لایا گیا اور معنوی جمع کا لحاظ کرتے ہوئے مومنین، ھم، آمنا، جموع استعمال کی گئیں۔ بعض کے نزدیک من یقول آمنا مبتدا ہے اور من الناس اس کی خبر ہے یخادعون اللہ یہ بدل الاشتمال ہے، شعور، ادراک اور علم قریب المعنی الفاظ ہیں اس لئے یشعرون کا ترجمہ مفسر علامؒ نے یعلمون کے ساتھ کر دیا ہے۔ مشاعر حواس، شعر بال، شعار جو لباس بدن سے متصل ہو، نفس کے کئی معنی آتے ہیں ذات کو بھی کہتے ہیں۔ چاہے ذات باری ہو یا جوہر وعرض۔ نفس بمعنی روح و قلب، خون، پانی، رائے۔ مخادعۃ باب مفاعلت ہے جس کی خاصیت شرکت من الجانبین ہے فاعلیت اور مفعولیت کے معنی میں اس لحاظ سے اس پر اشکال ہوگا کہ دھوکہ بازی کی نسبت خدا کی طرف کس طرح صحیح ہوگی۔ کیونکہ مکر و چالاکی اخلاق رذیلہ ہونے کی وجہ سے اوصاف سلبیہ میں ہونے چاہئیں نہ کہ صفات ثبوتیہ میں اس کی توجیہ کی طرف جلال محقق المخادۃ ھھنا سے اشارہ کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ باب مفاعلت سے ہے مگر یہاں شرکت من الجانبین نہیں ہے بلکہ صرف منافقین کی طرف سے چالاکی بیان کرنا۔ ❖ م عرب میں اس کی نظیر موجود ہے کہتے ہیں عاقبت اللص اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ میں نے چور کو سزا دی اور چور نے مجھ کو سزا دی بلکہ صرف ایک جانب سے عقاب مقصود ہوتا ہے یا ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہاں استعارہ تمثیلیہ سے کام لیا گیا ہے کہ ان کی حالت کو مخادع سے تشبیہ دی گئی ہے نیز یہ توجیہ بھی ہوسکتی ہے کہ مجاز عقلی پر محمول کیا جائے کہ اسناد مجازی ہو رہی ہو اصل میں یخادعون رسول اللہ عبارت تھی یا اس کو باب توریہ سے قرار دیا جائے یعنی منافقین کے معاملات کو خداع سے تعبیر کیا ہے۔ قابل نفرت ہونے کی وجہ سے وذکر اللہ الخ یہ بھی ایک شبہ کے ازالہ کی طرف اشارہ ہے تقریر شبہ کی یہ ہے کہ اللہ کو تو سب حقیقت حال کا پتہ ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہوسکتی پھر اللہ کے ساتھ ان کی دھوکہ بازی کیسے ہوسکتی ہے؟ جواب کی تقریر یہ ہے کہ اللہ کا نام لینا صرف تحسین کلام کے لئے ہے کہ جمع بین المتعادین ہے مقصود اصلی ہے مسلمانوں کے ساتھ مخادعت ذکر کرنا ہے لیکن اللہ کو شروع میں ویسے ہی ذکر کر دیا ہے جیسے دوسری آیت فان للہ خمسہ وللرسول الخ میں ذکر کیا گیا ہے نیز اس پر بھی تنبیہ کرنا ہے کہ اللہ اور مسلمانوں کا معاملہ ایک ہے ایک کے ساتھ مکر و فریب دوسرے کے مترادف سمجھا جائے چنانچہ اہل اللہ کے ساتھ عداوت کرنا......... اللہ کی عداوت کو مستلزم ہے من عادی لی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب (الحدیث) خداع کے معنی ظاہر کو خلاف باطن کرنے کے ہیں کہتے ہیں ضب خادع جب کہ گوہ ایک سوراخ سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل جائے مخدعان گردن کی پوشیدہ مخصوص رگوں کو کہتے ہیں "مخدع البیت" کوٹھڑی۔

ربط:.......... یہاں سے تیسری قسم کے لوگوں کا بیان ہے جن کا ظاہر کچھ تھا اور باطن کچھ، جیسے عبداللہ بن ابی اور معتب بن قشیر......وغیرہ جن کو منافقین کہا جاتا ہے۔

﴿تشریح﴾:...... **نفاق کی قسمیں**:.......... نفاق دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک نفاق فی العمل جس کا وقوع فی زمانا بہت ہے، دوسرے نفاق فی الاعتقاد۔ نفاق فی الاعتقاد کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ دل میں قطعاً آپ ﷺ کے سچے ہونے کا اعتقاد نہیں تھا۔ بلکہ دل قطعاً منکر تھا البتہ بعض دنیاوی مصالح کے پیش نظر اس جذبۂ درون کے برخلاف ظاہر کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ دل میں تردد ہو کہ مسلمانوں کی اچھی حالت دیکھ کر کبھی دل ان کی طرف مائل ہو جاتا ہو لیکن ناگوار حالات پیش آنے پر پھر مسلمانوں کے طرف سے بد عقیدہ ہو جاتا ہو، تیسری صورت یہ کہ دل میں سچائی کی تھوڑی سی کرن تو آئی مگر دنیاوی اغراض نے پھر غلبہ پالیا اور اس کو مخالفتِ اسلام پر آمادہ کر دیا۔

اسلام کے بدترین دشمن:.......... یہ تینوں قسمیں آنحضرت ﷺ کے دورِ میمون میں موجود تھیں اور یہ لوگ بدترین دشمنِ اسلام اور مارِ آستین ثابت ہوئے تھے ان در پردہ دشمنوں سے اسلام و مسلمانوں کو جس قدر نقصان پہنچا کھلم کھلا دشمنوں سے اتنا نہیں پہنچا۔ اس لئے سورۂ منافقون، سورۂ توبہ اور سورۂ بقرہ کا پورا رکوع اور دوسری بہت سی آیات میں ان کی قلعی کھولی گئی اور ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار اور یا ایها النبی جاهد الکفار و المنافقین سخت ترین حکم نازل ہوا، جانثار صحابہؓ اور مخلصین یہ حکم سن کر اس قدر خائف ہوئے کہ ظاہر و باطن کے ذرا سے تخالف پر ان کو اپنے اندر نفاق کا شبہ ہونے لگا۔ چنانچہ حضرت حظلہؓ نے ایک روز اس حالت سے متاثر ہو کر نافق حنظلة چیخنا شروع کر دیا حضرت ابوبکرؓ نے اپنی حالت پر غور کیا تو انہیں اپنے بارے میں بھی یہی شبہ ہوا۔ بالآخر یہ گتھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کی پوری تسلی فرمائی اور کہا کہ اگر ہر وقت تمہاری یہی حالت رہی جو میری مجلس میں کیفیت ہوتی ہے تو ملائکہ تمہارے بستروں پر مصافحے کرنے لگیں لیکن گا ہے چنیں گا ہے چناں۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ شَكٌّ وَنِفَاقٌ فَهُوَ يُمَرِّضُ قُلُوْبَهُمْ اَیْ يُضْعِفُهَا **فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا** ۚ بِمَا اَنْزَلَهُ مِنَ الْقُرْاٰنِ لِكُفْرِهِمْ بِهٖ **وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ۙ مُؤْلِمٌ **بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ**﴿۱۰﴾ بِالتَّشْدِيْدِ اَیْ نَبِیَّ اللّٰهِ وَبِالتَّخْفِيْفِ اَیْ فِیْ قَوْلِهِمْ اٰمَنَّا

ترجمہ:.......... ان کے دلوں میں (شک و نفاق کا بڑا بھاری) مرض ہے (کہ وہ ان کے دلوں کو روگی اور کمزور بنائے ہوئے ہے) سو اللہ نے ان کا مرض اور بھی بڑھا دیا ہے (نازل شدہ قرآن سے کفر کرنے کی وجہ سے) اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا (تکلیف دہ) ان کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے (یکذبون کی قرأت مشدد بھی ہے یعنی اللہ کے نبی ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں اور دوسری قرأت بالتخفیف ہے یعنی اپنے قول آمنا میں جھوٹے ہیں)۔

ترکیب و تحقیق:.......... فی قلوبهم خبر مقدم۔ مرض مبتدا مؤخر۔ جملہ اسمیہ زادهم الله مرضا۔ جملہ فعلیہ عذاب موصوف۔ الیم صفت بما کانوا یکذبون جملہ بتاویل مصدر ہو کر صفت موصوف صفات سے مل کر مبتدا۔ لهم خبر۔ مرض، بدن کی غیر طبعی اور غیر اعتدالی حالت مجازاً روحانی خصائل رذیلہ کو بھی کہتے ہیں، یہاں یہی مراد ہے۔ زاد کی اسناد ختم کی طرح اللہ نے اپنی

طرف کی ہے۔اس لئے معتزلہ کے لئے مساغ استدلال نہیں ہے۔ الیم فعیل کاوزن ہے۔ جلال محقق نے اسکے بعد مولم نکال کر اشارہ کردیا کہ اس کو اسم فاعل کے معنی میں بھی لے سکتے ہیں۔ عذاب تکلیف دینے والا ہوتا ہی ہے اور بمعنی اسم مفعول بھی لے سکتے ہیں جس سے مقصود مبالغہ ہوگا اس قدر سخت ترین عذاب ہوگا کہ عذاب خود تکلیف میں ہوگا کالنار اذا شدت یا کل بعضہ بعضا کذب خلاف واقع بات کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک خلاف اعتقاد اور بعض کے نزدیک خلاف اعتقاد اور خلاف واقعہ دونوں کذب کے لئے شرط ہے علی ہذا اس کی ضد صدق میں بھی یہی تین قول ہوں گے۔ قاضی بیضاویؒ اور علامہ زمخشریؒ نے تصریح کی ہے کہ اس سے کذب کا مطلقاً حرام ہونا معلوم ہوا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کذب کی مختلف صورتیں ہیں بعض حرام، بعض مکروہ، بعض مباح، بعض واجب محل استعمال اور موقع کے لحاظ سے فرق رہے گا۔ کمابین فی کتب الفقہ۔

ربط وتشریح:...... **دل کے روگی** .... مرض کی تفسیر میں ان کی بداعتقادی، بدگمانی، بدزبانی، حسد و اندیشہ سب داخل ہے اور حسد کے باعث روز بروز اسلامی ترقیات ان کے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہیں اس لئے دل کے روگوں میں ترقی و اضافہ ہوتا جاتا ہے اس مقام کی فی الجملہ تحقیق گزر چکی ہے۔ معاصی پر امراضِ قلب کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ نیکی اور بدی کا ایک مزاج اور تاثیرات ہوتی ہیں جس سے روح متاثر ہوتی ہے۔

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اَیْ لِهٰٓؤُلَاۤءِ **لَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِۙ** بِالۡكُفۡرِ وَالتَّعۡوِيۡقِ عَنِ الۡاِيۡمَانِ **قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾** وَلَيۡسَ مَا نَحۡنُ عَلَيۡهِ بِفَسَادٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى رَدًّا عَلَيۡهِمۡ **اَلَآ** لِلتَّنۡبِيۡهِ **اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰـكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾** بِذٰلِكَ **وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ** اَصۡحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ **قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ** الۡجُهَّلُ اَیْ لَا نَفۡعَلُ كَفِعۡلِهِمۡ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى رَدًّا عَلَيۡهِمۡ **اَلَآ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰـكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳﴾** ذٰلِكَ۔

ترجمہ:........ اور جب ان (لوگوں) سے کہا جائے کہ تم زمین میں فساد نہ کرو (بوجہ کفر کے اور لوگوں کو ایمان سے روک کر) تو کہنے لگتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں (ہمارا کام فساد کرنا نہیں ہے۔ حق تعالیٰ انکے رد و جواب میں فرماتے ہیں کہ) بلاشبہ یہی لوگ فسادی ہیں مگر (اس کا) شعور نہیں رکھتے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسے یہ (اصحاب النبی ﷺ) ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں (خاکم بدہن) کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا یہ بے وقوف جاہل ایمان لے آئے ہیں (یعنی ہم ان جیسا کام نہیں کر سکتے۔ حق تعالیٰ اس پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ) خبردار! بلاشبہ یہی لوگ احمق ہیں لیکن (اس جہالت وحماقت کا) علم نہیں رکھتے۔

"لیکن اس قسم کی بے باکانہ گفتگو غالباً غریب مسلمانوں کے روبرو کرتے ہوں گے باوجاہت مسلمانوں کے آگے تو چاپلوسی ہی کرتے تھے اب یہ شبہ بھی نہیں رہا کہ جب منافقین اپنے کفر کو چھپاتے رہتے تو ایسی عریاں گفتگو کیسے کرتے ہوں گے۔"

ترکیب وتحقیق:........ اذا شرطیہ۔ قیل کا نائب فاعل لا تفسدوا فی الارض. لھم متعلق قالوا کا فاعل خبر انما نحن مصلحون مفعول جملہ ہوکر خبر۔ جملہ شرطیہ........ الا حرف تنبیہ صدر کلام میں لایا جاتا ہے۔ ان کا اسم ضمیر۔ ھم المفسدون جملہ ان کی خبر لکن استدراکیہ۔ فساد، حد اعتدال سے نکل جانا اس کی ضد اصلاح ہے قیل کے فاعل یا مؤمنین یا رسول اللہ ﷺ یا اللہ تعالیٰ

ہیں۔ بقول ابن عباسؓ وحسنؒ وقتادہؒ فساد سے مراد یہاں گناہ اور معاصی ہیں جن کی وجہ سے ظاہری اور باطنی فساد پیدا ہوتا ہے۔ ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس۔

ربط و ﴿تشریح﴾:............ فسادی کون ہے؟ دوغلے شخص سے ہمیشہ فساد ہی متوقع ہوسکتا ہے لیکن اگر کوئی خیر خواہی کے جذبہ سے مجبور ہوکران کی خیراندیشی فہمائش بھی کرتا ہے کہ زمین میں تمہارے اس طرز عمل سے بے چینی اور فساد پھیلتا ہے اس لئے باز آجاؤ، تو غایت بلادت وحماقت سے اپنے عیوب کو ہنر ظاہر کرتے ہوئے بڑے شدومد سے جواب دیتے ہیں کہ ہمارا کام تو صرف اصلاح کرنا ہے نہ کہ (فساد) اس جہل مرکب اور کسادنظری کا کیا علاج کہ جہل کو علم، فساد کو اصلاح، کڑوے کو میٹھا، سیاہ کو سفید، سمجھنے لگے۔

ہر کس نداند و بداند کہ بداند ۔ در جہل مرکب ابدالدہر بماند

اس لاعلاج مرض سے بچنے اور نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

وَاِذَا لَقُوا اَصۡلُهٗ لَقِيُوۡا حُذِفَتِ الضَّمَّةُ لِلۡاِسۡتِثۡقَالِ ثُمَّ الۡيَاءُ لِاِلۡتِقَائِهَا سَاكِنَةً مَعَ الۡوَاوِ **الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰى شَيٰطِيۡنِهِمۡ** ۙ رُؤَسَائِهِمۡ **قَالُوۡٓا اِنَّا مَعَكُمۡ** ۙ فِي الدِّيۡنِ **اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۱۴﴾** بِهِمۡ بِاِظۡهَارِ الۡاِيۡمَانِ **اَللّٰهُ يَسۡتَهۡزِئُ بِهِمۡ** يُجَازِيۡهِمۡ بِاسۡتِهۡزَائِهِمۡ **وَيَمُدُّهُمۡ** يُمۡهِلُهُمۡ **فِيۡ طُغۡيَانِهِمۡ** تَجَاوُزِهِمُ الۡحَدَّ بِالۡكُفۡرِ **يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۵﴾** يَتَرَدَّدُوۡنَ تَحَيُّرًا حَالٌ **اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالۡهُدٰى** ص اِسۡتَبۡدَلُوۡهَا بِهٖ **فَمَا رَبِحَتۡ تِّجَارَتُهُمۡ** اَيۡ مَا رَبِحُوۡا فِيۡهَا بَلۡ خَسِرُوۡا لِمَصِيۡرِهِمۡ اِلَى النَّارِ الۡمُؤَبَّدَةِ عَلَيۡهِمۡ **وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۶﴾** فِيۡمَا فَعَلُوۡا

ترجمہ:............ یہ لوگ جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو (لقوا کی اصل لَقِيُوْا تھی کسرہ کے بعد یا پر ضمہ دشوار تھا اس لئے حذف کردیا۔ پھر یا اور واو میں اجتماع ساکنین ہوا اس لئے یا بھی گرگئی لقوا ہوگیا) تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہائیوں میں جاتے ہیں اور اپنے شیاطین (یعنی شریر سرداروں) کے پاس (واپس) پہنچتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ بلاشبہ ہم تمہارے ساتھ (ہم مذہب) ہیں۔ ان مسلمانوں سے (اظہار ایمان کرکے) ہم تو صرف دل لگی کررہے تھے اللہ ہی ان کی ساتھ استہزاء کا معاملہ کررہے ہیں (یعنی ان کی استہزاء کی سزادیں گے) اور ان کو ڈھیل دیئے چلے جارہے ہیں (یعنی ان کو مہلت دے رہے ہیں) ان کی سرکشی (اور حد کفر کی طرف تجاوز کرنے) میں کہ وہ حیران وسرگرداں پھر رہے ہیں۔ (ترکیب میں یہی حال ہے یمدھم سے) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلہ خریدا ہے (یعنی تبدیل کرلیا ہے) لیکن ان کی اس تجارت نے ان کو کوئی نفع نہیں دیا (یعنی یہ اس تجارت میں کامیاب نہیں ہوئے بلکہ خسارہ میں رہے کہ ابدی جہنم ان کا ٹھکانا بنا) اور اس (کاروبار) میں ٹھیک طریقہ پر نہیں چلے۔

ترکیب وتحقیق:............ **اذا قیل لھم** شرط۔ **آمنوا** تفسیر۔ **کما آمن الناس** بتاویل **آمنوا ایمانا مثل یمان الناس** مصدر محذوف کی صفت **قالوا** فعل بافاعل **انؤمن** مفعول۔ پورا جملہ جواب شرط۔ **الا انھم ھم السفھاء** جملہ مستانفہ۔ **ولکن لایعلمون** جملہ استدراکیہ۔ **سفہ** ہلکاپن، **سفھت الریح** کہتے ہیں یعنی ہوا نے اڑادیا۔ بیوقوفی پر بھی اطلاق ہونے لگا۔ **سفیہ** بروزن **فعیل** ۔**سفھاء** جمع ہے اس کا مقابل لفظ دانائی اور علم آتا ہے بمعنی سوچنا۔ فساد چونکہ ظاہر اور محسوسات میں سے ہوتا ہے اس

لئے اس کے ساتھ لایشعرون لائے اور ایمان قلبی اور غیر محسوس ہوتا ہے اس لئے یہاں لایعلمون لائے۔ پھر سفاہت اور علم دونوں کو جمع کرنا ہے جو کمال بلاغت ہے۔ اور یشعرون اور لایعلمون کے مفعول کو حذف کرنا تعمیم کے لئے ہے لقوا میں تعلیل ہوئی ہے دراصل لَقِیُوْا تھا یای مضموم ماقبل مکسور ثقل کی وجہ سے ضمہ حذف کر دیا۔ اب یا اور واو دونوں ساکن ہوئے۔ یا کو حذف کر دیا لَقُوْا ہو گیا۔ جملہ شرط الذین آمنوا، لقوا کا مفعول ہے۔ قالوٓا آمنا جزاء اذا خلوا الیٰ شیاطینهم جملہ شرط قالوا انا معکم موکد یا مبدل منہ انما نحن مستهزؤن بدل یا تاکید دونوں ملکر جواب شرط۔ الله مبتداء، یستهزئ بهم خبر معطوف علیہ واو عاطفہ۔ یمدهم جملہ خبر معطوف فی طغیانهم اس کے متعلق یعمهون حال ہے۔ استہزاء پر بھی خداع کی طرح اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس کی نسبت خدا کی طرف صحیح ہے مفسر علامؒ اس کا ازالہ یجازیهم کہہ کر کر رہے ہیں یعنی جزاء سیئة سیئة مثلها کے طرز پر مشاکلت صوری کی وجہ سے اللہ کی سزاء کو استہزاء کے لفظ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ طغیان بالضم والکسر۔ حد سے تجاوز کرنا۔ شیطٰن اہل لغت کے اس میں دو قول ہیں شیطان بروزن فیعال بمعنی بَعُدَ یعنی نون اصلی ہے دوسری صورت یہ ہے کہ نون زائد ہو شاط بمعنی باطل، وجہ تسمیہ ظاہر ہے اہل سنت کے نزدیک یہ ابو الجن ہے۔ یمدهم میں اسناد حقیقی ہے۔ خلافاً المعتزلہ عمه اور عمیٰ میں ایسا ہی فرق ہے جیسی بصیرت و بصارت میں ایک ظاہری دوسرے باطنی، بیع واشتریٰ دونوں خرید وفروخت، اضداد میں استعمال ہوتے ہیں یہاں مجازاً مطلق استبدال کے معنی میں ہے۔ ہدایت سے مراد یہاں فطری ہدایت ہے کل مولود یولد علی الفطرة الخ اور فطرت الله التی فطر الناس علیها کے لحاظ سے فما ربحت تجارتهم میں استعارۃ ترشیحیہ ہے کہ تجارت مشبہ بہ کے مناسبات استبدال مشبہ کیلئے ثابت کئے گئے ہیں۔ جلال محققؒ نے ای فما ربحوا کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ اسناد مجازی ہو رہی ہے یعنی ربح کی اسناد تجارت کی بجائے تاجروں کی طرف ہونی چاہئے۔

ربط وشانِ نزول: .... ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ، عمر فاروقؓ، علی مرتضیٰؓ عبداللہ ابن ابی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم اور تمہارے فقہاء کو ہمارے ساتھ مخلصانہ رہنا چاہئے۔ جواب میں اس نے کہا کہ مرحبا ہو شیخ صدیقؓ، عمر فاروقؓ، علی ابن عم رسولؐ کے لئے۔ س پر حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ خدا سے ڈر اور نفاق چھوڑ دے۔ اس نے پھر کہا میں یہ بات اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ میں بھی تمہاری طرح مؤمن ہوں۔ اس کے بعد اپنے احباب سے کہنے لگا کہ تم بھی یہی روش اختیار کرو جو میں نے اختیار کی تھی۔ اس پر خوشامدیوں نے تعریف کرتے ہوئے کہا کہ کیوں نہیں آپ جب تک زندہ ہیں ہم پر آنچ نہیں آ سکتی۔ اس سلسلہ میں ان آیات کا نزول ہوا چونکہ یہ لوگ کثر کاروباری تھے اس لئے ان کو تجارت کی تمثیل سے سمجھایا گیا ہے۔

﴿تشریح﴾:...... منافقین کی بہادری: .... باوجاہت مسلمانوں کے سامنے آتے تو ان کا یہ رنگ ہوتا اور لیپا پوتی اور للو پتو کرتے رہتے اور جب غریب مسلمانوں کے سامنے آتے تو ان کی صورت دیکھنے کے لئے پچھلی آیت آئینہ ہے۔ منافقین کا یہ قول آمنا پہلے تو بیان اعتقاد کے سلسلہ میں نقل کیا گیا تھا اور اب مسلمانوں کے ساتھ بطور ان کے برتاؤ اور معاملہ کے نقل ہوا اس لئے تکرار کا شبہ نہیں کرنا چاہئے جبکہ غرض الگ الگ ہوگئی آگے ان کے استہزاء کا جواب دیا گیا ہے۔

مَثَلُهُمْ صِفَتُهُمْ فِي نِفَاقِهِمْ **كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ** أَوْقَدَ **نَارًا** فِي ظُلْمَةٍ **فَلَمَّا أَضَاءَتْ** أَنَارَتْ **مَا حَوْلَهُ** فَأَبْصَرَ وَاسْتَدْفَأَ وَأَمِنَ مِمَّا يَخَافُهُ **ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُورِهِمْ** أَطْفَأَهُ وَجَمْعُ الضَّمِيرِ مُرَاعَاةً لِمَعْنَى الَّذِي **وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ** ﴿۱۷﴾ مَا حَوْلَهُمْ مُتَحَيِّرِيْنَ عَنِ الطَّرِيْقِ خَائِفِيْنَ فَكَذٰلِكَ هٰؤُلَاءِ آمَنُوْا بِإِظْهَارِ كَلِمَةِ الْإِيْمَانِ فَإِذَا مَاتُوْا جَاءَهُمُ الْخَوْفُ وَالْعَذَابُ هُمْ **صُمٌّ** عَنِ الْحَقِّ فَلَا يَسْمَعُوْنَهُ سِمَاعَ قَبُوْلٍ **بُكْمٌ** خُرْسٌ عَنِ الْخَيْرِ فَلَا يَقُوْلُوْنَهُ **عُمْيٌ** عَنْ طَرِيْقِ الْهُدٰى فَلَا يَرَوْنَهُ **فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ** ﴿۱۸﴾ عَنِ الضَّلَالَةِ ۔

ترجمہ:.........ان کی حالت (نفاق) اس شخص کی حالت جیسی ہے جس نے (اندھیرے میں) آگ روشن کی اور آگ نے جب اس کے اردگرد سب چیزوں کو روشن کر دیا (اور وہ دیکھنے لگا اور خوفناک چیزوں سے اس نے اپنے کو مامون کر لیا) تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کر لی (نور ھم میں ضمیر جمع لانا الذی کے معنوی رعایت کی وجہ سے ہوا) اور ان کو اندھیرے میں چھوڑ دیا کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہیں (اپنے ماحول کو) راستہ کے بارے میں متحیر اور خائف رہتے ہیں بالکل یہی حال ان منافقین کا ہے کہ زبان سے تو کلمۂ ایمان ظاہر کر رہے ہیں مگر مرنے پر عذاب وخوف سامنے آئے گا، یہ لوگ حق سے) بہرے ہیں (کہ اس کو قبولیت کے کان سے نہیں سنتے) اور (ہر بھلی بات سے) گونگے ہیں (کہ اس کو کہہ نہیں سکتے) اور (راہِ ہدایت سے) اندھے ہیں (کہ اس کو دیکھتے نہیں ہیں) سواب یہ (اس گمراہی سے) واپس نہیں ہو سکتے۔

ترکیب وتحقیق:.........مَثَل، مِثل، مثیل، شَبہ، شِبہ، شبیہ کی طرح تینوں طریقہ سے آتا ہے تشبیہ کے معنی میں پھر کہاوت اور کسی عجیب وغریب مشہور بات سے تشبیہ دینے کے لئے استعمال ہونے لگا۔ علمائے بلاغت کے نزدیک مثل صرف کلام مرکب میں اور تشبیہ مفرد ومرکب دونوں کے لئے آتا ہے۔ اس سے ایک خیالی اور غیر محسوس چیز بھی محسوس ہو کر سامنے آجاتی ہے اس لئے تمام بلغاء کے کلام میں اور کتب سابقہ میں بھی قرآن کے اس طرز کی بکثرت امثال ملتی ہیں۔ مفسرؒ نے مثل کے بعد صفت لا کر اس کے ترجمہ کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور "استوقد" کے بعد "اوقد" نکال کر بتلا دیا کہ اس میں سین طلب کا نہیں ہے۔ نار سے نور مشتق ہے اضاءت کے بعد انارت کہہ کر مفسرؒ نے اشارہ کیا کہ اضاء فعل متعدی ہے ضمیر فاعل۔ ماحولہ میں، ما موصولہ بمعنی مکان مفعول ہے۔ لفظ صم سے پہلے ھم نکال کر اشارہ کیا کہ یہ مبتداء محذوف ہے عن الضلالۃ نکال کر اشارہ کیا کہ لا یرجعون فعل لازم ہے اور بعض متعدی کہتے ہیں کہ مفعول محذوف ہے۔ ای لا یرجعون قولا ذھب کی اسناد یہاں بھی خدا کی طرف حقیقی ہے اس لئے معتزلہ پر رد ہو گیا مثلھم مبتداء مابعد خبر۔ اضاءت فعل متعدی ہے تو ضمیر فاعل اور ماحولہ مفعول ورنہ ماحول فاعل ہے اور تانیث اضاء بلحاظ معنی ہے مراد اشیاء وامکنہ، ما موصولہ بھی ہو سکتا ہے، اور موصوفہ یا زائدہ بھی یہ سب مل کر شرط ذھب اللّٰہ سے دونوں جملے معطوف علیہ ہو کر جواب لما۔ صم مبتداء محذوف ھم کی خبر ہے اور فھم لا یرجعون جملہ مستانفہ ہے۔

ربط و﴿تشریح﴾:......... یہ تمثیل قسم اول کے ان منافقین کی ہے جو خوب دل کھول کر منافقانہ اور کافرانہ روائیاں کرتے تھے نہ ان کی زبان حق کے لئے طاقت گویائی رکھتی تھی اور نہ کان قوتِ شنوائی اور نہ آنکھیں یارائے بینائی۔ بالکلیہ ان کا فطری نورِ ہدایت اس ظلمت کسب سے تبدیل ہو گیا ہے اب ان کی واپسی کی کوئی امید نہیں۔

اَوْ كَصَيِّبٍ اَیْ كَاَصْحَابِ مَطَرٍ وَاَصْلُهٗ صَيْوِبٌ مِنْ صَابَ يَصُوْبُ اَیْ يَنْزِلُ مِّنَ السَّمَآءِ اَیِ السَّحَابِ فِيْهِ اَیِ السَّحَابِ ظُلُمٰتٌ مُتَكَاثِفَةٌ وَّرَعْدٌ هُوَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهٖ وَقِيْلَ صَوْتُهٗ وَّبَرْقٌ لَمَعَانُ سَوْطِهِ الَّذِیْ يَزْجُرُهٗ بِهٖ يَجْعَلُوْنَ اَیْ اَصْحَابُ الصَّيِّبِ اَصَابِعَهُمْ اَیْ اَنَامِلَهَا فِیْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ اَجْلِ الصَّوَاعِقِ شِدَّةِ صَوْتِ الرَّعْدِ لِئَلَّا يَسْمَعُوْهَا حَذَرَ خَوْفَ الْمَوْتِ مِنْ سِمَاعِهَا كَذٰلِكَ هٰؤُلَاءِ اِذَا نَزَلَ الْقُرْاٰنُ وَفِيْهِ ذِكْرُ الْكُفْرِ الْمُشَبَّهِ بِالظُّلُمَاتِ وَالْوَعِيْدُ عَلَيْهِ الْمُشَبَّهُ بِالرَّعْدِ وَالْحُجَجُ الْبَيِّنَةُ الْمُشَبَّهَةُ بِالْبَرْقِ يَسُدُّوْنَ اٰذَانَهُمْ لِئَلَّا يَسْمَعُوْهُ فَيَمِيْلُوْا اِلَى الْاِيْمَانِ وَتَرْكِ دِيْنِهِمْ وَهُوَ عِنْدَهُمْ مَوْتٌ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ عِلْمًا وَقُدْرَةً فَلَا يَفُوْتُوْنَهٗ يَكَادُ يَقْرُبُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ يَاْخُذُهَا بِسُرْعَةٍ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ اَیْ فِیْ ضَوْئِهٖ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا وَقَفُوْا تَمْثِيْلٌ لِاِزْعَاجِ مَا فِی الْقُرْاٰنِ مِنَ الْحُجَجِ قُلُوْبَهُمْ وَتَصْدِيْقِهِمْ بِمَا سَمِعُوْا فِيْهِ مِمَّا يُحِبُّوْنَ وَوُقُوْفِهِمْ عَمَّا يَكْرَهُوْنَ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ بِمَعْنٰی اَسْمَاعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ الظَّاهِرَةِ كَمَا ذَهَبَ بِالْبَاطِنَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَاءَهٗ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ وَمِنْهُ اِذْهَابُ مَا ذُكِرَ۔

ترجمہ: ....یا ان منافقین کی (مثال) ان لوگوں جیسی ہے جن پر آسمان (یعنی بادل سے) بارش ہو رہی ہو (صیب دراصل صیوب تھا صاب یصوب بمعنی نازل ہونے سے بنایا گیا ہے) اور اس (بادل) میں ظلمتیں ہوں (تہ بہ تہ) اور رعد (فرشتہ ہے جو بادل پر مقرر ہوتا ہے اور بعض کی رائے میں فرشتہ کی آواز کو رعد کہتے ہیں) اور برق جو (اس فرشتہ کا کوڑا ہوتا ہے جس سے وہ بادلوں کو ہنکاتا ہے) یہ اہل بارش اپنی انگلیوں (یعنی ان کی سروں اور پوروں) کو اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہوں۔ کڑک (کی وجہ سے) جو (رعد کی شدت آواز سے ہوتی ہے تاکہ وہ اس کو سن نہ پائیں) موت کے اندیشہ سے (جو اس کو سن کر پیدا ہوتا ہے یہی حال ان منافقین کا ہے کہ قرآن جب نازل ہوتا ہے اور اس میں کفر جس کو ظلمات سے تشبیہ دی گئی ہے اور وعید کفر جس کو رعد سے تشبیہ دی گئی ہے اور دلائل واضحہ جن کو برق سے تشبیہ دی گئی ہے یہ چیزیں ہوتی ہیں تو یہ اپنے کان اس لئے بند کر لیتے ہیں کہ اس کو سن نہ سکیں اور کہیں ایمان کی طرف اور ترک مذہب کی طرف مائل نہ ہو جائیں جو ان کے نزدیک موت ہے) اور اللہ تعالیٰ نے (اپنے علم وقدرت کے لحاظ سے) کافروں کو گھیرے میں لے رکھا ہے (وہ ان کو چھوڑے گا نہیں) قریب ہے کہ (بجلی) ان کی بینائیوں کو اُچک لے جہاں ان کے لئے بجلی چمکی (اس کی روشنی میں) وہ چلنے لگے اور جب ان پر تاریکی ہوئی پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے (یہ تمثیل اس لئے ہے کہ دلائل قرآنیہ سے ان کے دل کانپ جاتے ہیں یا اپنے مناسب خواہش چیزوں کو سن کر تصدیق کرتے ہیں اور ناموافق چیزوں کو سن کر توقف کرتے ہیں اس کی تصویر کھنچ جائے) اگر اللہ چاہتے تو ان کے (ظاہری) کان اور آنکھیں بھی سلب کر لیتے (جیسا کہ باطنی سلب کر لئے ہیں) بلاشبہ حق تعالیٰ ان چیزوں پر (جو ان کی مشیت کے ماتحت ہوں) قادر ہیں (منجملہ ان کے ان چیزوں کا سلب بھی ہے)۔

ترکیب وتحقیق: ....او میں پانچ اقوال ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ او شک کے لئے نہیں بلکہ مطلقاً تسویہ بین الشیئین کے لئے

ہے جیسے جالس الحسنؒ او ابن سیرینؒ، صیب بروزن فیعل صوب بمعنی نزول سے مشتق ہے۔ بارش بادل کو کہتے ہیں۔ مفسر علامؒ نے کاصحاب مطر نکال کراس طرف اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے اور صیب کے معنی بادل کے نہیں ہیں بارش کے ہیں۔ اصل میں صیوب تھا واؤ یا ایک کلمہ میں جمع ہیں اور واؤ مکسور ہے اس لئے یا سے تبدیل کر کے ادغام کیا گیا۔ السماء کے معنی ہیں، افق، بادل، آسمان ہر وہ چیز جو اوپر ہو۔ یہاں مؤخر الذکر تینوں معانی حکمۃ ہیں۔ مفسر علامؒ نے بادل کے معنی لئے ہیں۔ رعد بادل کی گرج جو ہوا چلنے اور باہمی رگڑ سے پیدا ہوتی ہو۔ برق بادل کی رگڑ سے جو چمک پیدا ہو (بجلی) فیہ ضمیر کا مرجع مفسر نے خلاف ظاہر سحاب کو بتایا ہے لیکن دوسرے مفسرینؒ نے صیب کو بتایا ہے اور فی بمعنی مع ہے اور لفظ السماء مذکر بھی استعمال ہوتا ہے جیسے السماء مفطر بہ اور مؤنث بھی جیسے اذا السماء انفطرت۔ رعد کے بعد مفسر علامؒ نے الملک الموکل ظاہر کیا ہے چنانچہ امام ترمذیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت بھی نقل فرمائی ہے اسی طرح برق کی جو تفسیر کی ہے وہ ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے۔ اصابعھم کی تفسیر الانامل کے ساتھ اس لئے کی ہے تا کہ بطور مجاز نقلی مبالغہ کے لئے کل کا جز و پر اطلاق سمجھ میں آ جائے۔

کذٰلک ھٰؤلآء سے مفسر علامؒ مشبہ کا حال بیان کر رہے ہیں۔ تا کہ تشبیہ مفرد بالمفرد معلوم ہو جائے اور قاضی بیضاویؒ نے اس تشبیہ کو تشبیہ مفرد و مرکب دونوں پر محمول کرنے کی اجازت دی ہے۔ محیط یہ دراصل محوط تھا حاط یحوط سے۔ کسرۂ واؤ نقل کر کے حا کو دیدیا۔ اور واؤ کو یا سے تبدیل کر دیا محیط ہو گیا۔ فلا یفوتونہ نکال کر یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس آیت میں استعارہ تمثیلیہ ہو رہا ہے شاء کا مفعول محذوف ہے جس پر جواب لو دلالت کر رہا ہے ای لو شاء اللہ ان یذھب بسمعھم و ابصارھم لذھب شیٔ کے بعد شاءہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ لفظ شیٔ جو اسم ہے وہ اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ نیز اس سے تمام اشیاء اس طرح مراد نہیں کہ ذات حق بھی اس میں داخل ہو جائے بلکہ ذات خداوندی کو مستثنیٰ کر کے دوسری تمام اشیاء مراد ہوں گی۔ یعنی اللہ اپنی ذات کے علاوہ تمام چیزوں پر قدرت رکھتے ہیں۔ تغیر فی الذات والصفات چونکہ عیب کو مستلزم ہے، اس لئے وہ قدرت سے خارج رہے گا۔ مثلھم مبتداء محذوف۔ کصیب اس کی خبر ہے تقدیر کلام اس طرح ہو گی او مثلھم کمثل اصحاب صیب کاف موضع رفع میں ہے من السماء کائن مقدر سے متعلق ہو کر صیب کی صفت ہے ظلمات ورعد و برق مبتداء مؤخر فیہ خبر مقدم جملہ مل کر صیب کی صفت ہے۔ یجعلون فعل بافاعل اصابعھم مفعول فی آذانھم من الصواعق یجعلون کے متعلق اور حذر الموت اس کا مفعول لہ ہے یہ جملہ مستانفہ ہوا اور ضمیر فیہ سے حال بھی ہو سکتا ہے۔ واللہ محیط بالکفرین جملہ معترضہ ہے۔

ربط و تشریح:...... قرآنی مثالیں:............ یہ تمثیل دوسرے قسم کے منافقین کے متعلق ہے جو مذہب اسلام کو بظاہر تو قبول کر چکے ہیں لیکن دل میں متردد ہیں جب کبھی اسلام اور مسلمانوں کی خوبیاں اور فتوحات دیکھتے ہیں تو کچھ کچھ دلی میلان اسلام کی طرف ہونے لگتا ہے، پھر اغراض نفسانی کا غلبہ یا تکالیف و مصائب کا سامنا جب ہوتا ہے وہ میلان انکار سے بدل جاتا ہے۔ سو جس طرح کوئی طوفان و باد باراں میں گھر جاتا ہے، کبھی موقع پا کر بجلی چمکنے سے آگے بڑھنے لگتا ہے اور کبھی اندھیری گھور گرج سے خائف ہو کر چلنے سے رک جاتا ہے یہی حال ان منافقین کا ہے کہ نور اسلام کی جھلک جب کبھی دیکھ لیتے ہیں تو حق کی طرف بڑھنے لگتے ہیں مگر خود غرضی، ہوائے نفس کی ظلمت میں پڑ کر پھر حق سے رک جاتے ہیں واللہ محیط بالکفرین اور لو شاء اللہ لذھب الخ دھمکی ہے اگر باز نہ آئے تو یاد رکھو ہمارے قبضہ سے باہر نہیں جاسکتے۔

تکوینی اور تشریعی اسباب:............ اس مقام پر ایک اشکال ہے کہ حکماء اور فلاسفہ کے بیان کے مطابق آفتاب کی گرمی جب

پانی اور زمین پر پڑتی ہے تو بخارات آسمان کی طرف اٹھ جاتے ہیں۔ یہ پانی بخارات اگر لطیف ہو کر طبقہ زمہریرہ میں بہت اونچے چلے جائیں تو وہاں کی سردی سے منجمد ہو کر بادل ہو جاتے ہیں ان میں سے جو قطرات ٹپکتے ہیں ان کو بارش کہنا چاہئے یہ قطرات اگر سردی سے جم جائیں تو اولے اور برف کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر یہ بخارات مائیہ طبقۂ زمہریریہ سے نیچے رہ جائیں تو ان سے شبنم بنتی ہے اسی طرح ان بخارات کے ساتھ اگر اجزاء دُخانیہ بھی شامل ہو جائیں تو وہ بادل کو توڑ پھوڑ کر اوپر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے رعد، برق، صاعقہ پیدا ہوتے ہیں حاصل یہ کہ قرآن کا یہ بیان کہ بارش آسمان سے آتی ہے بداہت، مشاہدہ، حکما کے بیان کے خلاف ہے یعنی بارش بادل سے نکلتی ہے اور بادل زمین اور پانی کے اجزاء سے بنتا ہے نہ کہ آسمان سے بارش آتی ہے۔ اسی طرح رعد، برق، صاعقہ، مذکورہ بالا اسباب سے بنتے ہیں نہ کہ فرشتہ یا اس کی آواز اور اس کے کوڑے کو کہتے ہیں اس کے کئی جواب ہیں (۱) ایک تو تطبیق بین القولین کہ دونوں باتیں ہیں یعنی ہمارے سامنے بارش بادل سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے لیکن فی الحقیقت خود بادلوں میں آسمان سے اترتی ہے فلسفہ اسباب قریبہ ظاہرہ کو بیان کرتا ہے اور قرآن وشریعت اسباب بعیدہ حقیقیہ کو۔ (۲) دوسری توجیہ یہ ہے کہ بارش کبھی بادل سے آتی ہو اور کبھی آسمان سے ایک قسم کو یعنی مادی اسباب کو فلسفہ بیان کرتا ہے اور دوسری قسم کے معنوی اسباب کو شریعت بتلاتی ہے اور اسباب میں مزاحمت ہوا نہیں کرتی، ایک چیز کے مختلف ومتعدد اسباب ہو سکتے ہیں۔ بارش کے اسباب بھی متعدد ہیں ایک کو شریعت نے بیان کر دیا، دوسرے کو سائنس نے پہلی توجیہ پر سبب اور سبب السبب کا قول کہا جائے گا۔ اور دوسری توجیہ پر دو برابر کے سبب مانے جاویں گے یا یوں کہا جائے کہ ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک ظاہری دوسرے باطنی، بارش کے ظاہری اور صوری سبب کو فلسفہ بیان کر رہا ہے اور قرآن سبب اصلی وحقیقی کو۔ تیسری توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ بارش صرف بادل سے آتی ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے اور آسمان کے معنی بادل کے لئے جائیں اور لغۃً اس کی گنجائش ہے کیونکہ آسمان ہر اوپر والی چیز کو کہتے ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:............ رہا یہ شبہ کہ سائنس جدیدہ تو نفس آسمان کے وجود کا انکار کرتی ہے۔ اور قرآن سے آسمان بلکہ آسمانوں کا وجود اور تعدد معلوم ہوتا ہے سو جواب میں صرف اس قدر کہنا کافی ہے **ھا تو ابرھانکم ان کنتم صادقین**

لطیفہ:........ **کلما اضاء لھم** ناقص طالب اور سالک کے لئے بھی یہ تمثیل ہو سکتی ہے کہ حالت بسط میں تو طاعت وعبادت خوب بجالاتا ہے اور حالت قبض میں ان کو چھوڑ بیٹھتا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَیْ اَھْلَ مَکَّۃَ **اعْبُدُوْا** وَحِّدُوْا **رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ** اَنْشَاَکُمْ وَلَمْ تَکُوْنُوْا شَیْئًا **وَ**خَلَقَ **الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾** بِعِبَادَتِهٖ عِقَابَهٗ وَلَعَلَّ فِی الْاَصْلِ لِلتَّرَجِّیْ وَفِیْ کَلَامِهٖ تَعَالٰی لِلتَّحْقِیْقِ **الَّذِیْ جَعَلَ** خَلَقَ **لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا** حَالٌ بِسَاطًا یُفْتَرَشُ لَاغَایَۃَ لَھَا فِی الصَّلَابَۃِ اَوِ اللُّیُوْنَۃِ فَلَایُمْکِنُ الْاِسْتِقْرَارُ عَلَیْھَا **وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً** سَقْفًا **وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ** مِنْ اَنْوَاعِ **الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ** تَاْکُلُوْنَهٗ وَتَعْلِفُوْنَهٗ بِهٖ دَوَابَّکُمْ **فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا** شُرَکَاءَ فِی الْعِبَادَۃِ **وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾** اَنَّهُ الْخَالِقُ وَلَایَخْلُقُوْنَ وَلَایَکُوْنُ اِلٰھًا اِلَّا مَنْ یَّخْلُقُ

ترجمہ:........ اے لوگو (یعنی مکہ والو) عبادت کرو (یعنی توحید بجالاؤ) اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا (حالانکہ تم پہلے

کچھ نہیں تھے) اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ عجب نہیں کہ تم (اس عبادت کی وجہ سے اس کے عذاب سے) بچ جاؤ (لعل دراصل امید کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن کلام الٰہی میں تحقیق کے لئے ہے) وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے بنایا (پیدا کیا) تمہارے لئے زمین کو فرش (فراش حال ہے یعنی ایسا بستر جس پر باآسانی لیٹا جاسکے نہ اس میں حد سے زیادہ سختی ہو اور نہ اتنی نرمی کہ اس پر استقرار ممکن نہ ہو سکے) اور آسمان کو بنایا (چھت) اور آسمان سے بارش برسائی کہ جس سے (طرح طرح کے......) پھل...... تمہاری غذا کے لئے (کہ خود بھی کھاتے ہو اور اپنے جانوروں کے لئے چارہ بھی کرتے ہو) اس لئے خدا کے لئے کسی کو ساجھی (یعنی شریک فی العبادت) مت ٹھہراؤ درآنحالیکہ تم خوب جانتے بوجھتے ہو (کہ صرف وہی خالق ہے دوسرا کوئی خالق نہیں ہے اور الٰہ وہی ہوسکتا ہے جو خالق ہو)۔

ترکیب وتحقیق:.........یا حرف ندا۔ ایها الناس منادی۔ اعبدوا ربکم جملہ موصوف، الذی موصول خلقکم صلہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ الذین من قبلکم ای الذین من خلقهم من قبل خلقهم یہ جملہ معطوف دونوں جملے صفت ہوئے ربکم کی۔ لعل حرف مشبہ بالفعل کم. اسم۔ تتقون خبر۔ الذین سے اخیر تک موصول صلہ مل کر دوسری صفت ہوئی رب کی۔ لعل شک و شبہ، تردد و امید کے مواقع پر آتا ہے۔ انداد جمع ند کی جس کے معنی برابر کا مخالف۔ بناء مصدر میمی ہے مکان قبہ، خیمہ، الذی محل نصب میں ہے بنا پر صفت ہے اور محل رفع بھی ہوسکتا ہے۔ بتقدیر المبتداء پہلے تینوں جماعتوں کا الگ الگ حال بیان کر کے اب ان کو اجتماعی خطاب کے ساتھ اسلام کے دو بنیادی اصول یعنی توحید و رسالت کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔

﴿تشریح﴾: عبادت اور احسانات الٰہی:............اول توحید کا مضمون ہے جو ایک فطری اور سادہ مؤثر پیرایہ میں بیان کیا جارہا ہے کہ شریف انسان فطرۃً اور طبعاً اپنے محسن کی طرف جھکتا ہے اور محسن بھی وہ کہ جس نے وجود جیسی بڑی دولت بخشی ہے کہ ساری نعمتیں اس کے بغیر ہیچ ہیں اور پھر بقاء وجود کے سارے سامان بخشے ہیں خواہ وہ ظاہری اور جسمانی انعامات ہوں جیسے کھانے پینے کی چیزیں یا روحانی اور باطنی غذائیں ہوں یعنی احکام شریعت جن کا مدار رسالت و نبوت پر ہے۔ یعنی جب یہ مسلم ہے کہ خالق صرف اللہ ہے تو معبود بھی صرف اللہ ہی ہونا چاہئے۔ معبود ہونا صرف خالق کے لئے اور عابد ہونا مخلوق کے شایانِ شان ہے۔

الناس کی تفسیر اہل مکہ سے کرنا سورۂ بقرہ کے منافی نہیں ہے۔ حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی جو روایت پیش کی ہے کہ الناس سے خطاب اہل مکہ کو اور الذین آمنوا سے خطاب اہل مدینہ کو ہوتا ہے اس سے مقصود بھی قاعدہ کلیہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ضابطہ اکثریہ مراد ہوتا ہے اس لئے یہ روایت بھی اس تفسیر کے خلاف نہیں۔

توحید ہی بنیادِ عبادت ہے:............اعبدوا کی تفسیر وَحِّدُوْا کے ساتھ اس لئے کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں عبادت کا لفظ آیا ہے اس سے مراد توحید ہے کیونکہ عبادت بغیر توحید کے ممکن نہیں۔ توحید ہی سبب عبادت ہے، اس لئے توحید کو لفظِ عبادت سے ادا کرنا مجاز ہوا۔ یا یہ معنی لئے جائیں کہ صرف ایک کی عبادت کرو، دوسرے کو اس کا شریک نہ کرو، اور عبادت کے معنی پوجا پاٹ کے نہیں ہیں بلکہ تابعداری اور اطاعت کے معنی ہیں جس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ بھی آگئے اور نکاح، طلاق، معاملات، خرید و فروخت وغیرہ سب احکام آگئے۔

شاہی محاورے:............لعل چونکہ شک اور تردد کے لئے موضوع ہے اس لئے کلام الٰہی میں اس کا استعمال باعثِ اشکال ہے اس کا ازالہ مفسر علامؒ نے للتحقیق کی توجیہ سے کر دیا یعنی قرآن کریم میں اس کو انّ تحقیقیہ کے مترادف سمجھا جائے گا یعنی شک کے

لئے نہیں بلکہ یقین کیلئے ہے۔ لیکن مفسر کا یہ بیان کرنا اکثری لحاظ سے تو صحیح ہے مگر مفید قطعیت نہیں ہے اس لئے بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ لعل قرآن کریم میں بمعنی کی تعلیلیہ ہے اور بعض نے لعل کو اصل ترجی اور امید کے لئے ہی مانا ہے مگر مخاطبین کے اعتبار سے یعنی کلام الٰہی چونکہ علی عادت الناس ہے جس طرح خبر، انشاء، ماضی، حال، مستقبل وغیرہ احکام کلام انسانی طریقہ سے جاری ہیں اسی طرح لعل کاد وغیرہ کلمات بھی ان ہی خصوصیات کے ساتھ کلام باری میں پائے جاتے ہیں اور بعض نے تو یہ توجیہ کی ہے کہ یہ لعل تعرض شئے کے لئے ہے یعنی عبارت کی تقدیر اس طرح تھی اعبدوا ربکم متعرضین لان تتقوا مگر سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ اس کو شاہی محاورہ پر محمول کرلیا جائے جیسے کہا جائے کہ مابدولت یہ امید رکھتے ہیں کہ تم ہمارے احکام کی خلاف ورزی سے بچو گے اسی طرح ''عجب نہیں'' یہ بھی شاہی محاورہ ہے۔ بڑوں کی ذرا سی امید کی جھلک اور کرن کو دکھلا دینا بھی دوسروں کو ہزار یقین دہانیوں سے بڑھ چڑھ کر ہوتا ہے۔ کلام الملوک ملوک الکلام۔

ہر چیز میں حلت اصل ہے:............ لکم الارض فراشاً میں علماء نے دو نکتے بیان کئے ہیں اول یہ کہ لام نفع سے اشارہ اس طرف ہے کہ شرعاً تمام چیزوں میں اصل حلت ہے۔ حرمت عارضی اور محتاج دلیل ہوتی ہے علامہ زمخشری اور صاحب مدارکؒ نے اس کو ابو بکرؒ رازی اور معتزلہ کا استدلال قرار دیا ہے۔ امام فخرؒ الاسلام نے معارضہ کی بحث میں کہا ہے کہ اباحت اور حرمت کا جب تعارض ہو جائے تو حرمت کو مؤخر اور ناسخ سمجھ کر ترجیح دی جائیگی اور حلت اصل ہونے کی وجہ سے سابق اور مرجوح ہوگی ورنہ حرمت کو اصل ماننے سے دو دفعہ نسخ ماننا پڑے گا۔ مفصل کلام کیلئے مبسوطات کا مطالعہ کیا جائے۔

زمین گول ہے یا چپٹی ؟:............ اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ لفظ فراش سے زمین کا کروی الشکل ہونا یا مسطح ہونا لازم نہیں آتا اور نہ یہ فراش ہونا ان میں کسی ایک کے منافی ہے، زمین کا فراش کی صورت میں ہونا اور اس پر اٹھنا بیٹھنا لیٹنا یہ دونوں صورتوں میں حاصل ہو سکتا ہے۔ جس کرہ کا حجم بہت چھوٹا ہو اس پر فراش باعث دشواری ہو سکتا ہے مگر جبکہ عظیم الجسم کرہ ہو تو اس پر بے شمار مخلوق گنجائش کے مطابق رہ سکتی ہے۔ چنانچہ سطح سمندر سے بلند زمین کا ایک بہت بڑا حصہ خط استواء سے شمالی جانب اور تھوڑا سا حصہ جنوبی سمت واقع ہے جس میں تمام مخلوق آباد ہے۔ یہ زمین اپنی اصل سے کروی بنائی گئی تھی لیکن باد و باراں اور طوفانی حوادث سے اس میں بلندی اور پستی پیدا ہوگئی اور حقیقی کرویت باقی نہیں رہی۔

قرآن کا موضوع:............ لیکن ان سب تحقیقات کا میدان فلسفہ اور جغرافیہ ہو سکتا ہے؟ زمین گول ہے یا مسطح، زمین متحرک ہے یا ساکن آسمانوں کا وجود ہے یا نہیں، شمس وقمر اور کواکب ونجوم کی رفتار اور پیائش کے مسائل، غرض یہ کہ جو باتیں قرآن کے موضوع سے خارج ہیں قرآن کو ان کے لئے اکھاڑہ بنانا کہاں کا انصاف ہے۔ یہ تحقیقات تو روزانہ بدلتی رہتی ہیں صحیح بات غلط اور غلط بات صحیح بن جاتی ہے تو کیا کلام الٰہی بھی اسی طرح کی ربڑ ہے کہ جب چاہا اور جتنا چاہا کھینچ لیا اور جب چاہا سکوڑ لیا۔

من انواع الثمرات سے جلال محققؒ نے من کے بیانیہ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا کہ عام چیزیں مراد ہیں چاہے انسانی خوراک کی ہوں یا جانوروں کا چارہ اور بعض کے نزدیک من تبعیضیہ ہے۔ ای بعض الثمرات ۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ شَكٍّ مِّمَّانَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا مُحَمَّدٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَنَّهٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ص اَىِ الْمُنَزَّلِ وَمِنْ لِلْبَيَانِ اَىْ هِىَ مِثْلُهٗ فِى الْبَلَاغَةِ وَحُسْنِ النَّظْمِ وَالْاِخْبَارِ عَنِ الْغَيْبِ وَالسُّوْرَةُ قِطْعَةٌ لَهَا اَوَّلٌ وَاٰخِرٌ وَاَقَلُّهَا ثَلَاثُ اٰيَاتٍ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ اٰلِهَتَكُمُ الَّتِىْ تَعْبُدُوْنَهَا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَىْ غَيْرِهٖ لِتُعِيْنَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فِىْ اَنَّ مُحَمَّدًا قَالَهٗ مِنْ عِنْدِ نَفْسِهٖ فَافْعَلُوْا ذٰلِكَ فَاِنَّكُمْ عَرَبِيُّوْنَ فُصَحَاءُ مِثْلُهٗ وَلَمَّا عَجَزُوْا عَنْ ذٰلِكَ قَالَ تَعَالٰى فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا مَا ذُكِرَ بعجزكم وَلَنْ تَفْعَلُوْا ذٰلِكَ اَبَدًا لِظُهُوْرِ اعجازه اِعْتِرَاضٌ فَاتَّقُوْا بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَاَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ كَلَامِ الْبَشَرِ النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ الْكُفَّارُ وَالْحِجَارَةُ ج كَاَصْنَامِهِمْ مِنْهَا يعنى انها مُفرطةُ الحرارة تتقدُ بما ذكر لاكنار الدنيا تتقدُ بالحطبِ وَنَحْوِهٖ اُعِدَّتْ هُيِّئَتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ يُعَذَّبُوْنَ بِهَا جُمْلَةٌ مُسْتَانَفَةٌ اَوْحَالٌ لَازِمَةٌ

ترجمہ: .... اور اگر تم لوگ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے اتاری ہے اپنے خاص بندہ (حضرت محمد ﷺ) پر (اور خلجان قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کے متعلق ہو) تو اچھا پھر بنا لاؤ اس کی مانند ایک سورۃ (یعنی قرآن کے مثل اور من بیانیہ ہے یعنی وہ سورۃ، بلاغت، بہترین نظم اور غیبی اطلاعات میں قرآن کی مثل ہو۔ سورۃ ایک چھوٹے سے ٹکڑے کو کہتے ہیں جس کا اول و آخر ہو اور کم از کم اس میں تین آیات ہوں) اور بلالو اپنے حمایتیوں (اور ان معبودوں کو جن کی تم بندگی کرتے ہو) اور خدا سے الگ تم نے ان کو تجویز کر رکھا ہے (اپنی اعانت وحمایت کے لئے) اگر تم اس بیان میں سچے ہو (کہ محمد ﷺ نے خود طبع زاد یہ مضمون بنا رکھے ہیں تو تم بھی طبع آزمائی کر کے دیکھ لو۔ آخر تم بھی محمد ﷺ کی طرح فصیح عرب ہو جب ان سے یہ نہ بن پڑا تو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) پھر اگر تم (مذکورہ) کام نہ کر سکو (اپنے عجز کی وجہ سے) اور ہرگز تم اس کام کو نہیں کر سکو گے (تا قیامت قرآن کے معجز ہونے کی وجہ سے اور یہ جملہ معترضہ ہوا۔ ایمان باللہ کی وجہ سے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے) پھر تو جہنم کی آگ سے بچتے رہنا کہ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے (مثلاً پتھر کے بت یعنی جہنم کی آگ مذکورہ چیزوں سے روشن کرنے کی وجہ سے بے حد شدید ہوگی۔ وہ دنیاوی آگ کی طرح نہ ہوگی جو ایندھن وغیرہ سے جلائی جاتی ہے) اور وہ جہنم کافروں کے لئے تیار کی جاتی ہے۔ (جس میں ان کو عذاب دیا جائے گا یہ جملہ مستانفہ یا حال لازمہ ہے)۔

ترکیب وتحقیق: .... فی ریب میں فی ظرفیہ مبالغہ کے لئے ہے یعنی شک نے ان کا احاطہ ظرفی کر رکھا ہے۔ من مثلہ کی ضمیر اگر مانزلنا کی طرف راجع ہے جس سے مراد قرآن ہے تو من میں تین احتمال ہیں۔ بیانیہ یا تبعیضیہ یا زائدہ علی رای الاخفش دوسری صورت یہ ہے کہ ضمیر لفظ عبد کی طرف راجع ہو جس سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے اس صورت میں من ابتدائیہ ہوگا یا فاتوا کا صلہ ہوگا۔ دوسری صورت میں چونکہ غیر امی سے قرآن کے صدور کا احتمال وامکان باقی رہتا ہے اس لئے پہلی صورت زیادہ بہتر ہے۔

نزول وتنزیل کا فرق: .... نزلنا، انزال کہتے ہیں ایک دم مجموعی طور پر نازل کرنے کو اور تنزیل کہتے ہیں تھوڑا تھوڑا، آہستہ آہستہ وقت ضرورت اتارنے کو۔ قرآن کی یہ دونوں صفتیں ہیں۔ اس کا نزول اول من اللوح الی سماء الدنیا جملۃ اور تمامہا ہوا ہے اس لئے بعض جگہ اس کو انزال سے تعبیر کیا گیا ہے اور پوری مدت تبلیغ ونبوت میں یعنی ۲۳ سال میں تھوڑا تھوڑا اترتا رہا۔ ....

اس لئے اس کو تنزیل سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ بنیادِ اشتباہ اور منشائے شبہ ان کے لئے یہی ہوا کہ جس طرح شعراء اپنے دیوان، غزل، قصائد کو تھوڑا تھوڑا کر کے پورا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ بھی چونکہ ایسا ہی کرتے ہیں اس لئے کافر سمجھتے ہیں کہ یہ کلام محمد ﷺ ہے۔ کلامِ الٰہی اگر ہوتا تو اس کو پورا اتارنے پر قدرت بھی ہے اور اس کی عادت بھی یہی ہے جیسا کہ توراۃ ایک دفعہ لکھ کر دیدی گئی تھی چنانچہ وہ کہتے تھے **لولا انزل علیه القران جملة واحدة** تحدی میں اسی شبہ کا ازالہ کرنا ہے اس لئے انزلنا کی بجائے نزلنا کہا گیا ہے **عبدنا** میں آپ ﷺ کی ذات کو عبد سے تعبیر کر کے اور اس کو ضمیر متکلم کی طرف مضاف کر کے آپ ﷺ کی تشریف وتوقیر اور اعتدال تعظیم کی طرف اشارہ کر دیا۔ یعنی آپ ﷺ مقام الوہیت میں نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ مقام عبودیت میں ہیں جو سب مقامات میں عالی تر ہے اور ہمارے مخصوص بندے ہیں وہ جس کو اپنا کہہ دیں اس کی بندگی کا پھر کیا پوچھنا ہے **من دون الله** یہ **ادعوا** یا **شهداء** سے متعلق ہے مقصود اس امر سے تعجیز ہے۔ **فافعلوا ذلك** مفسر علامؒ اشارہ کر رہے ہیں کہ یہ **ان كنتم صدقين** شرط کی جزاءِ محذوف ہے۔ **وقود** جمہور کے نزدیک بفتح الواؤ قرأت ہے، یعنی ایندھن اور ایک قرأت میں بضم الواؤ بھی ہے آگ جلانا جیسے لفظ وَضُوْ، اور وُضُوْ میں بعینہٖ یہی فرق ہے **فان لم تفعلوا** میں اِنْ کے ساتھ ذکر کرنا تہکمًا یا علی عادۃ الناس ہے کیونکہ تامل سے پہلے ان کا عجز محقق نہیں ہوا تھا۔ ورنہ حقیقۃً کلام باری میں اس قسم کے الفاظ شک کا آنا باعثِ اشکال ہوگا۔ **النار** سورہ بقرہ چونکہ مدنیہ ہے اس لئے یہاں معرفہ لانا صحیح ہے۔

اور سورۃ تحریم مکی ہے وہاں اول مرتبہ نار کا ذکر آیا اس لئے نکرہ کے ساتھ ذکر کیا معرف باللام لانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ **فاتقوا** کے بعد جلال محققؒ نے جو عبارت نکالی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تقویٰ کا ذریعہ جس ایمان کو قرار دیا گیا ہے اس کے مؤمن بہ یہ دو ہیں ایک اللہ پر ایمان لانا دوسرے قرآن کا کلام الٰہی ہونا اور انسانی یعنی کلام محمدؐ نہ ہونا۔ **اوحال لازمة** اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ **وقودها** کی ضمیر سے اس کو حال نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ ضمیر مضاف الیہ ہے اور مضاف اسم جامد ہونے کی وجہ سے عامل نہیں ہوسکتا۔ "ان کنتم" شرط "فاتوا بسورة" جزاء۔ **مما نزلنا** بحذف الضمیر موضع جر میں صفت ہے ریب کی ما موصولہ **من مثله** صفت ای **بسورة كائنة مثله وادعوا شهدآء كم** جملہ انشائیہ معطوف ہے فاتوا پر **من دون الله شهداء** سے موضع حال میں ہے۔ ای **شهداء كم متفردين عن الله ان كنتم** شرط کا جواب محذوف ہے، "فان لم تفعلوا" شرط اور **فاتقوا** جزاء، **لن تفعلوا** جملہ معترضہ ہے۔ **اعدت للكافرين** موقع حال میں ہے **النار** سے۔ اور عامل **فاتقوا** ہے۔

ربط وشانِ نزول:............توحید کے بعد یہاں سے نبوت اور رسالت کا بنیادی مسئلہ شروع ہوتا ہے۔ نبوت کی روشن دلیل چونکہ معجزہ ہوتا ہے دیگر انبیاءؑ کو اپنے اپنے زمانہ کے مناسب جس طرح ہزاروں معجزات دیئے گئے ہیں جو ان کے لئے دلیل نبوت بنے اسی طرح آنحضرت ﷺ کو بے شمار معجزات عطا ہوئے ان میں سے سب سے بڑا علمی معجزہ قرآن پاک ہے جو آپ ﷺ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے اس کے دلیل ہونے میں مخالفین کو چونکہ یہ شبہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے عام مصنفین کی طرح اس کو خود ہی تھوڑا تھوڑا تصنیف کر لیا ہے جس سے اس کا کلام الٰہی اور معجز ہونا مشتبہ اور محل کلام بن گیا اس لئے دلیل نبوت ہی گویا مشتبہ ہوگئی اس آیت میں اشتباہ کو دلیل سے رفع فرماتے ہیں تاکہ دلیلِ نبوت بے غبار اور صاف ہو جائے۔

﴿تشریح﴾:......خدائی چیلنج اور دشمنوں کا اعترافِ شکست:............ یہ تحدی متعدد مواقع پر بار بار کی گئی ہے جس کی ترتیب علیٰ سبیل التنزیل اس طرح ہے کہ اول آیت میں **قل لئن اجتمعت الانس و الجن علىٰ ان ياتوا بمثل هٰذا القران لاياتون بمثله ولو كان بعضهم لبعضٍ ظهيراً** سے پورے قرآن کے مثل کا چیلنج دیا گیا لیکن کوئی حرکت نہ ہوئی تو

مطالبہ میں تخفیف کرتے ہوئے کہا گیا فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریت وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صدقین اس پر بھی جب کوئی نہ سہا تو یہ آیت فاتوا بسورۃ من مثلہ کہہ کر جھنجھوڑا گیا لیکن پھر بھی کچھ سانس آواز نہ نکلی تو فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صدقین فرما کر انتہا کر دی۔ تاہم آپ ﷺ نے قرآن کی سب سے چھوٹی آیتوں والی سورۂ کوثر لکھوا کر عرب کے دستور کے مطابق باب کعبہ پر آویزاں کرادی گئی روز برابر لٹکی رہی مگر سب کو گویا سانپ سونگھ گیا بالآخر کسی افصح الشعراء نے اس کے آخر میں ایک جملہ "لیس هذا من طاقۃ البشر" اضافہ کر کے اپنے عجز کا کھلا اعتراف کرلیا۔ ولن تفعلوا میں چونکہ اخبار بالغیب اور پیشن گوئی ہے اس لئے یہ ایک مستقل دوسرا معجزہ ہوگا کہ مخالفین کے بھرے مجمع میں پہلے ہی قدم پر ان کو ناکامی کی خبر دیدی گئی پھر ہر چند جھنجوڑا گیا، اکسایا گیا، غیرتیں دلائی گئیں، شرمندہ کیا گیا اور یہ سن کر کیا کچھ جوش وخروش نہ ہوا ہوگا، پیچ وتاب نہ آیا ہوگا، جان ومال کی بے انتہا قربانیاں دینے والی پوری قوم جس نے جوان اولاد، مایۂ ناز بہادر اور قیمتی اثاثہ سب کچھ محمد ﷺ کے مقابلہ میں جھونک دیا ہو اور وہ اس قسم کے سنہرے اور بہترین موقعہ کو یوں ہی گنوا سکتی تھی کیا خون کی ہولی کھیلنے والوں نے کوئی دقیقہ اٹھا رکھا ہوگا جبکہ بات محض بات کے ضلع میں آ کر رک گئی۔

معجزاتِ انبیاءؑ:............ چنانچہ ہر زمانے میں پیغمبروںؑ نے ان ہی چیزوں میں لوگوں کو شکستِ فاش دی ہے جس میں لوگوں کو کمال شہرت اور نام حاصل تھا۔ داؤد علیہ السلام کے لوہے کی صنعت معراجِ کمال پر تھی لیکن النا لہ الحدید سے ان کا تفوق ظاہر کیا گیا اس وقت کی ساری دنیا نے گویا ان کا لوہا مان لیا۔ موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ سحر اور ساحروں اور ان کے کرشموں اور کرتبوں سے لبریز تھا، لیکن عصاء موسوی اور ید بیضا کے آگے والقی السحرۃ ساجدین کا مظاہرہ دنیا نے دیکھ لیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کا دور ڈاکٹری اور علاج وتدبیر کے عروج کا دور تھا۔ مگر لاعلاج مریضوں کو بغیر کسی دوا اور علاج بلکہ مردوں تک کو زندہ کر کے تمام ظاہری تدابیر کا ریکارڈ توڑ دیا گیا۔ مگر یہ سب عملی کارنامے تھے جو ایک مخصوص وقت تک رہے مخصوص لوگوں نے دیکھے، بعد میں وہ محض ایک تاریخ ہو کر رہ گئے۔

خدا کے دشمنوں میں کھلبلی:............ مگر آنحضرت ﷺ کا دورِ میمون آیا آپ ﷺ جس ملک اور قوم میں پیدا ہوئے زورِ کلام اور زبان آوری میں ان کا حال تھا کہ اپنے سامنے وہ ساری دنیا کو گونگی سمجھتے اور کہتے تھے ان کے جوان اور بڑے مرد تو رہے ایک طرف ان کی عورتیں تک آگ لگا دینے والی خطیبہ اور شاعرہ تھیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا حال یہ کہ تعلیم وتربیت تو رہی ایک طرف اس کے ظاہری اسباب تک سے آپ ﷺ محروم کر دیئے گئے تھے۔ نہ ماں، نہ باپ، نہ بہن، نہ بھائی، دادا، اور چچا بھی ساتھ نہ دے سکے وہ بھی مخالف ہی رہے اندریں حالات آپ ﷺ کا علمی اور کلامی بے مثل وبے نظیر معجزہ پیش کرنا یقیناً اتمام حجت اور برہانِ قوی ہوگا کہ سب عاجز ہو کر اپنا سا منہ لیکر بیٹھ رہے، یہ قطعی دلیل ہے قرآن کے معجزہ ہونے کی اور یہ بات عادتاً محال ہے کہ کسی نے کچھ لکھا ہو اور وہ ضائع ہو کر رہ گیا ہو۔ کیونکہ آج کی طرح ہر زمانہ میں قرآن کے حامی کم اور مخالف زیادہ رہے ہیں تو قرآن جس کے حامی کم رہے ہوں جب وہ محفوظ چلا آ رہا ہے تو جس مخالف تحریر کے حامی زیادہ رہے ہوں گے وہ کیسے ضائع ہوگئی۔ اس لئے یہ احتمال محض لغو ہے۔ اور جس کا جی چاہے آج بھی طبع آزمائی بلکہ قسمت آزمائی کر کے دیکھ لے، اور جنہوں نے کی ان کو منہ کی کھانی پڑی ہے۔

کوّا چلا ہنس کی چال:............ چنانچہ یمامہ کے ایک شخص مسیلمہ کذاب نے قرآن کے طرز پر چند آیات پیش کرنے کی نامسعود کوشش کی مثلاً (۱) والنساء ذات الفروج (۲) الفیل و ماادراك ما الفیل ذنبہ قلیل و خرطوم طویل وانہ من خلقۃ ربك لقلیل تو اس پر اس کے ہم قوم لوگوں نے ہی مذاق اڑایا۔ کہاں کلام نبی ﷺ اور کہاں کلام متنبی؟ اسی طرح بعض علمائے شیعہ نے سورۂ

فاطمہ اور سورۂ حنین بنا کر قرآن میں ملانے کی نامبارک سعی کی، مگر دنیائے علم وادب سے ان کو منہ چڑایا گیا، اور بعض حماقت مآب لوگوں نے مقامات حریری جیسی ادیبانہ کتابوں کو قرآن کے برابر میں لا کر رکھنے کا مشورہ دیا جس کی قیمت مدعی ست گواہ چست سے زیادہ نہیں نکلی واقعہ یہ ہے کہ خدا کے کام جس طرح بے مثل ہیں اسی طرح اس کا کلام بھی بے نظیر ہے۔ ہم گلاب بنا سکتے ہیں اور بہت خوبصورت بنا سکتے ہیں لیکن پانی کا ایک قطرہ جس سے خدائی قدرتی گلاب کی رونق اور شباب دوبالا ہو جاتا ہے ہمارے کاغذی گلاب کا حباب توڑنے کے لئے کافی ہوسکتا ہے۔ یہ کاغذی گلاب ایک قطرۂ شبنم پڑنے سے کملا جاتا ہے اور قدرتی گلاب اور دمک جاتا ہے اور مہک اٹھتا ہے اس سے اصل اور نقل کا فرق کھل کر سامنے آ جاتا ہے یہی حال کلام کا بھی ہے۔ کلام الملوك ملوك الكلام۔

قرآن کی بہارِ تازہ:.......... نیز قرآن کا یہ معجزہ دوسرے وقتی اور عملی معجزوں کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ ایک عملی اور غیر فانی معجزہ ہے اس کی بہار حسن جو روز اول تھی وہی آج تک باقی ہے، اعدت ماضی کا صیغہ اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے دلالت کر رہا ہے کہ جنت وجہنم دونوں پیدا ہو چکی ہیں پس معتزلہ کا یہ کہنا کہ جزاء وسزاء کے وقت سے پہلے ان کو پیدا کرنا عبث اور بے فائدہ ہے۔ اور بے فائدہ کام کرنے سے اللہ بری ہے یہ استدلال باطل ہے نیز پہلے سے پیدا کرنا لغو بھی نہیں ہے یہ کیا کم فائدہ ہے کہ لوگوں کے لئے ترغیب و ترہیب کا کام لیا جائے جیسے بادشاہ اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے پہلے ہی سے جیل خانے بنوا دیتا ہے۔ اس وقت کوئی شبہ نہیں کرتا کہ جب کوئی چوری کرے گا تب جیل خانہ بنوائے، کوئی بغاوت کرے تب پھانسی کا تختہ لٹکانا چاہئے۔

وَبَشِّرِ اَخْبِرْ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** صَدَّقُوْا بِاللّٰهِ **وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** مِنَ الْفُرُوْضِ وَالنَّوَافِلِ **اَنَّ** اَیْ بِاَنَّ **لَهُمْ جَنّٰتٍ** حَدَائِقَ ذَاتَ شَجَرٍ وَمَسَاكِنَ **تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا** اَیْ تَحْتَ اَشْجَارِهَا وَقُصُوْرِهَا **الْاَنْهٰرُ** اَیِ الْمِیَاهُ فِیْهَا وَالنَّهْرُ الْمَوْضِعُ الَّذِیْ یَجْرِیْ فِیْهِ الْمَاءُ لِاَنَّ الْمَاءَ یَنْهَرُهٗ اَیْ یَحْفِرُهٗ وَاِسْنَادُ الْجَرْیِ اِلَیْهِ مَجَازٌ **كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا** اُطْعِمُوْا مِنْ تِلْكَ الْجَنَّاتِ **مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ** اَیْ مِثْلُ مَا **رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ** اَیْ قَبْلَهٗ فِی الْجَنَّةِ لِتَشَابُهِ ثِمَارِهَا بِقَرِیْنَةِ **وَاُتُوْا بِهٖ** جِیْئُوْا بِالرِّزْقِ **مُتَشَابِهًا ؕ** یُشْبِهُ بَعْضُهٗ بَعْضًا لَوْنًا وَیَخْتَلِفُ طَعْمًا **وَلَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ** مِنَ الْحُوْرِ وَغَیْرِهَا **مُّطَهَّرَةٌ ۙ** مِنَ الْحَیْضِ وَكُلِّ قَذَرٍ **وَّهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾** مَاكِثُوْنَ اَبَدًا لَایَفْنُوْنَ وَلَایَخْرُجُوْنَ

ترجمہ:.......... اور خوشخبری (یعنی خبر) سنا دیجئے اہل ایمان کو (جن لوگوں نے اللہ کی تصدیق کی) اور اعمال صالحہ کئے (یعنی فرائض ونوافل ادا کئے) اس بات کی کہ ان کے لئے جنتیں ہیں (یعنی باغات کہ جن میں درخت اور کوٹھی بنگلے بھی) ان کے پائیں میں (یعنی ان درختوں اور محلات کے نیچے) نہریں چل رہی ہوں گی (یعنی جو پانی ان نہروں میں ہوگا وہ جاری ہوگا۔ اور نہر پانی جاری ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں کیونکہ پانی اس جگہ کو کھود کر گڑھا کر دیتا ہے اور جاری ہونے کی نسبت نہر کی طرف کرنا مجازاً ہے) جب کبھی ان باغات سے ان کو رزق دیا جائے گا (یعنی کھلائے جائیں گے ان باغات کے پھل بطور غذا تو کہیں گے یہ تو بعینہ وہی ہے (یعنی مثل اس کے ہے) جو ہم اس سے پہلے کھا چکے ہیں (یعنی جنت ہی میں اس سے پہلے یہ کہنا پھلوں کے یکساں ہونے کی وجہ سے ہوگا اور قرینہ اُتُوابِہٖ ہے) دیا جائے گا (ان کو رزق) ملتا جلتا (کہ رنگت میں تو ایک دوسرے کے مشابہ ہوگا مگر ذائقہ میں بالکل مختلف) اور ان کے لئے جنت میں بیبیاں ہوں گی (یعنی حوریں وغیرہ) پاک صاف (حیض اور ہر قسم کی گندگی سے) اور وہ لوگ ہمیشہ کے لئے جنت میں بسنے والے ہوں

گے (یعنی ابدی رہنا نصیب ہوگا نہ مریں گے اور نہ نکلیں گے)۔

ترکیب وتحقیق: .... بشر کے بعد اخبر کہہ کر اشکال کے دفعیہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بشارت خبر ومسرت کو کہتے ہیں۔ یہاں تو اس کا محل صحیح اور حقیقی ہے مگر فبشرھم بعذاب الیم جیسے مواقع پر مجازاً بمعنی اخبر لینا پڑے گا یا تہکم اور استہزاء مقصود ہوگا۔ اِنّ کی تفسیر میں بِاَنّ کہنا اس طرف مشیر ہے کہ "بشر" کا معمول بتقدیر حرف الجر ہے جب حذف ہوگیا تو فعل کا عمل بلاواسطہ ہوگیا۔ جنت اس کا مادہ ج ن جہاں بھی ہوگا اس میں پوشیدگی کے معنی ضرور ہوں گے چنانچہ جنت بھی نگاہوں سے مستور ہے۔ باغ درختوں سے گھنا رہتا ہے جن کو بھی بہ نسبت بشر کے مستور سمجھا جاتا ہے جُنة ڈھال بھی ساتر ہوتی ہے جنان قلب جناح بازو مناسبت ظاہر ہے تحتھا کے بعد اشجارھا وقصورھا نکال کر جلال محققؒ ایک شبہ کا دفعیہ کرنا چاہتے ہیں کہ باغ سے نیچے نہر کا جاری ہونا اتنا خوبصورت اور نشاط انگیز نہیں ہوتا جس قدر روح پرور باغ کے اندر نہر کا جاری ہونا ہوتا ہے وجہ دفع ظاہر ہے کہ عبارت بتقدیر المضاف ہے۔ یعنی باغ کے اندر درختوں اور محلات کے نیچے جاری ہونا مراد ہے۔ الانھٰر کے بعد المیاہ کی عبارت سے اس طرف اشارہ ہے کہ نہر جاری میں مجاز عقل اسناد مجازی ہے یعنی مراد ماء النہر جاری ہے آگے نہر کا وجہ تسمیہ بتاتے ہیں چونکہ نہر کے معنی کھودنے کے ہیں پانی کے مسلسل چلنے اور اتار چڑھاؤ سے کچی زمین میں نشیب ہو ہی جاتا ہے اس لئے نہر کہا جانے لگا من تلک الجنات اس لئے کہا تا کہ منھا میں من ابتدائیہ ہونا معلوم ہو جائے ھذا کے بعد ای مثل سے تفسیر کی اس لئے ضرورت پیش آئی کہ لفظ ھذا سے دونوں کھانوں کا بعینہ ایک ہونا لازم آتا ہے جو خلاف واقع ہے لیکن مراد مماثلت ہے ای قبلہ فی الجنة کہہ کر جلال محققؒ نے کہنا چاہا ہے کہ قبلیت سے مراد قبلیت فی الجنة ہے قبلیت دنیاوی مراد نہیں جیسا کہ بعض دوسرے حضرات کی رائے عام رکھنے کی ہے کہ چاہے جنت سے پہلے دنیا میں ہونا مراد ہو یا خود جنت میں عجیب بات یہ ہے کہ آگے مفسر علامؒ اپنی دلیل میں جو قرینہ لفظ اتوا پیش کر رہے ہیں یہی عام کہنے والوں کا مستدل بھی ہو سکتا ہے۔ متشابھاً کی ایک صورت تو یہ ہے کہ صورت اور ذائقہ دونوں یکساں ہوں یہ اتنا عجیب نہیں جتنا کہ رنگت میں یکسانیت اور ذائقہ میں اختلاف حیرت انگیز اور تعجب خیز ہوتا ہے............ مطھرۃ بہتر یہ ہے کہ عام رکھا جائے کہ ہر قسم کی نجاسات اور احداث سے ظاہری طہارت ہو یا اخلاقِ رذیلہ سے پاک صاف ہوں۔ کیونکہ دونوں باتیں عیب کی ہیں بالخصوص عورتوں میں اخلاق کی دنائت موجب اذیت ہوتی ہے۔ بشرؔ فعل بافاعل۔ الذین آمنوا جملہ اس کا مفعول جنت موصوف تجری من تحتھا الانھٰر جملہ اس کی صفت اول لِ کراِنَّ کا اسم اور لھم خبر مقدم۔ جملہ بتقدیر بان متعلق بشر ہوگیا۔ کلما رزقوا الخ جملہ شرطیہ۔ دوسری صفت یا مبتدائے محذوف کی خبر یا جملہ مستانفہ ہے واتوا بہ متشابھًا جملہ معترضہ ہے ازواج موصوف۔ مطھرۃ صفت ملکر مبتدا لھم خبر مقدم جملہ مستانفہ ہوا۔ ھم مبتدا خالدون خبر۔ فیھا اس کے متعلق جملہ مستانفہ یا حال ہے لھم سے۔

ربط وشانِ نزول: .... پہلی آیت میں منکرین کے لئے جہنم کی وعید بیان کی تھی۔ اس آیت میں تسلیم کرنے والوں کے لئے جنت کی بشارت دی جاتی ہے تا کہ وبضدھا تتبین الاشیاء کے قاعدہ سے بات کے دونوں رخ پورے ہو جائیں۔ نیز جلالِ خداوندی سے کہیں فرمانبردار بھی مغموم وملول نہ ہو جائیں اس لئے قرآن کریم کی عام عادت ہے کہ وہ ترغیب وترہیب دونوں کو ہم پلہ رکھتا ہے تا کہ اللہ کی دونوں شانیں جلالی اور جمالی ظاہر ہوتی رہیں۔

﴿تشریح﴾: ...... عالم میں خیر وشر: .... اور اس عالم میں جس قدر خیر وشر یا نعمت ومصیبت کے افراد ہیں ان سب کو ایک دوسرے کے اثرات ملے ہوئے ہیں ایک چیز ایک لحاظ سے خیر ہے تو دوسرے اعتبار سے وہی چیز شر بھی نے یا جو چیز ایک وجہ

سے شر اور مصیبت ہے وہی چیز دوسرے لحاظ سے نعمت اور خیر بھی ہے اپنی ذات سے کوئی چیز نہ خیر محض ہے اور نہ شر خالص اس لئے ضروری ہے کہ ان کے لئے ایسے منبع ہوں کہ جہاں خیر ہو اور شر کا وہاں نام ونشان تک نہ ہو۔ اسی طرح شر ہی شر ہو خیر کا وہاں گزر نہ ہو۔ ان ہی دونوں مرکزوں کو لسانِ شرع میں جنت یا جہنم کہا جاتا ہے۔ یہ جنت وجہنم فلاسفہ اور عیسائیوں کی بنائی ہوئی محض خیالی یا روحانی نہیں ہے بلکہ مادی بھی ہے اس عالم کے مادہ اور صورت کو قرار نہ ہو اور وہ حادث ہونے کی وجہ سے بدلتے اور فنا ہوتے رہتے ہوں۔ مگر اس عالمِ ابد کی ہر چیز غیر فانی ہے اس عالم کو اس عالم پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

جنت وجہنم کی حقیقت:......... جنت میں تمام لذائذ، راحت ونعمت کی انتہا ہوگی۔ اور جہنم میں شدائد ومصائب کی۔ حدیث مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا علی قلب بشر خطرت او کمال قال اور آیت کریمہ **وفیھا ماتشتھیہ الانفس** سامان عیش کی خبر دے رہے ہیں اس آیت میں بھی کھانے پینے کے لذائذ باغ وبہار اور حسین وخوبصورت بیویوں کے جھرمٹ کی بشارت سنائی جارہی ہے طرح طرح کے میوے جو رنگت میں یکساں ہوں جن کو دیکھ کر یہ شبہ ہو کر اس سے پہلے ابھی یا دنیا میں ہم کھا چکے ہیں۔ ان کو کھانے میں صرف قند مکرر کا لطف ہوگا مگر جب کھا کر نئی دنیا سامنے آئے گی تو لذت دوبالا ہو جائے گی لطف وسرور کی ایک نئی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

نیچری یا جاہل صوفی:......... لوگوں کا نیچریت زدہ ہونے کی وجہ سے یا جاہلانہ تصوف زدہ ہونے کی بنیاد پر جنت یا لذائذ جنت سے ناک اور بھنویں چڑھانا کوئی صحیح بنیاد نہیں رکھتا۔ البتہ جن خوش قسمت لوگوں کو احسانی تصوف کی ہوا لگ جاتی ہے وہ اس دنیا میں بھی اپنے معارف وکمالات سے ایوانِ جنت کی طرح لذت اندوز ہوتے رہتے ہیں بعض روایات سے جو معلوم ہوتا ہے کہ جنت ایک صاف میدان ہے اعمالِ دنیا نعمائے جنت کی شکلیں اختیار کرلیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنت بالفعل خالی ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ عامل کے حق میں تاوقتیکہ وہ اعمال نہیں کرے گا خالی ہے وہ اپنے لئے عمل کر کے بھی جنت سجا سکتا ہے۔

شروع سورت میں بھی ایمان کا ذکر آیا تھا مگر ضمناً اور اجمالاً آیا تھا مقصود اصلی کتاب اللہ کی فضیلت وبزرگی اور کمالِ ہدایت بیان کرنا تھا لیکن اس مقام پر ایمان کے فضائل وثمرات کا بیان بالقصد مدنظر ہے۔ اس لئے حقیقۃً تکرار نہیں رہا۔ باقی ایمان صرف تصدیق قلبی، یقین واذعان کا نام ہے، زبان سے اقرار حقیقی اور عنداللہ ایمان کے لئے شرط نہیں ہے۔ البتہ ایمان ظاہری کے لئے شرط ہے۔ باقی اعمالِ صالحہ ایک علیحدہ چیز ہے ان کو متمم ایمان کہا جاسکتا ہے لیکن ان کو شرط یا شطر ایمان نہیں کہا جائے گا ایمان واسلام کا فرق اور ایمان کا قابلِ زیادت ونقصان ہونا۔ یہ بحث کسی دوسرے مقام پر ان شاء اللہ آئے گی۔

وَنَزَلَ رَدًّا لِقَوْلِ الْيَهُوْدِ لَمَّا ضَرَبَ اللّٰهُ الْمَثَلَ بِالذُّبَابِ فِي قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا وَالْعَنْكَبُوْتِ مَا اَرَادَ اللّٰهُ بِذِكْرِ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ الْخَسِيْسَةِ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ** يَجْعَلَ **مَثَلًا** مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ **مَّا** نَكِرَةٌ مَوْصُوْفَةٌ بِمَا بَعْدَهَا مَفْعُوْلٌ ثَانٍ اَيْ اَيَّ مَثَلٍ كَانَ اَوْ زَائِدَةٌ لِتَاكِيْدِ الْخِسَّةِ فَمَا بَعْدَهَا الْمَفْعُوْلُ الثَّانِيْ **بَعُوْضَةً** مُفْرَدٌ لِبَعُوْضٍ وَهُوَ صِغَارُ الْبَقِّ **فَمَا فَوْقَهَا** اَيْ اَكْبَرَ مِنْهَا اَيْ لَا يَتْرُكُ بَيَانَهٗ لِمَا فِيْهِ مِنَ الْحِكَمِ **فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ** اَيِ الْمَثَلُ **الْحَقُّ** الثَّابِتُ الْوَاقِعُ مَوْقِعَهٗ **مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا** تَمْيِيْزٌ اَيْ بِهٰذَا الْمَثَلِ وَمَا اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ مُبْتَدَاٌ وَذَا بِمَعْنَى الَّذِيْ بِصِلَتِهٖ

خَبَرُهٗ اَیْ اَیُّ فَائِدَةٍ فِیْهِ قَالَ تَعَالٰی فِیْ جَوَابِهِمْ **يُضِلُّ بِهٖ** اَیْ بِهٰذَا الْمَثَلِ **كَثِيْرًا** عَنِ الْحَقِّ لِكُفْرِهِمْ بِهٖ **وَّيَهْدِیْ بِهٖ كَثِيْرًا** مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لِتَصْدِيْقِهِمْ بِهٖ **وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ**﴿۲۶﴾ اَلْخَارِجِيْنَ عَنْ طَاعَتِهٖ **الَّذِيْنَ** نَعْتٌ **يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ** مَا عَهِدَهٗ اِلَيْهِمْ فِی الْكُتُبِ مِنَ الْاِيْمَانِ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ** تَوْكِيْدِهٖ عَلَيْهِمْ **وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ** مِنَ الْاِيْمَانِ بِالنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالرَّحِمِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَاَنْ بَدَلٌ مِنْ ضَمِيْرِ بِهٖ **وَيُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ** بِالْمَعَاصِیْ وَالتَّعْوِيْقِ عَنِ الْاِيْمَانِ **اُولٰٓئِكَ** الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ **هُمُ الْخٰسِرُوْنَ**﴿۲۷﴾ لِمَصِيْرِهِمْ اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ

ترجمہ:.........(یہ آیت یہود کے اس اعتراض کے جواب میں نازل ہوئی کہ جب آیت وان یسلبھم الذباب شیئاً میں حق تعالیٰ نے مکھی کی مثال بیان کی اور دوسری آیت کریمہ کمثل العنکبوت میں مکڑی کی مثال بیان کی تو کہنے لگے کہ اس قسم کی قابل نفرت اور خسیس چیزوں کا ذکر (قرآن میں) کرنے سے اللہ کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟) ہاں واقعی اللہ میاں تو نہیں شرماتے کہ بیان کر دیں کوئی مثال (یہ مفعول اول ہے (ما نکرہ موصوفہ مابعد اس کی صفت یہ ملکر مفعول ثانی ہوا ای مثل کان دوسری صورت یہ ہے کہ ما کو زائدہ مانا جائے تاکید خست کیلئے اور اس کا مابعد مفعول ثانی ہو) مچھر کی (بعوضۃ مفرد ہے بعوض کا چھوٹا مچھر، یا اس سے زیادہ بڑھی ہوئی ہو (مافوق سے مراد اکبر ہے اور لا یستحی کے معنی یہ ہیں کہ ان مثالوں میں چونکہ حکمت کی باتیں ہیں اس لئے ان کا بیان چھوڑا نہیں جائے گا) سو جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ تو چاہے کچھ ہو یقین رکھتے ہیں کہ یہ (مثالیں) واقعی بہت موقعہ کی ہیں (یعنی برمحل اور مناسب حال ہیں) ان کے پروردگار کی جانب سے۔ رہ گئے وہ لوگ جو کافر بن گئے وہ تو یوں ہی کہتے رہیں گے (خواہ کچھ بھی ہو جائے) کہ آخر اس مثال کے بیان کرنے سے اللہ کا کیا مقصد ہو سکتا ہے (مثلاً تمیز ہے ای بھذا المثل اور ما استفہام انکاری مبتدا ہے اور ذا بمعنی الذی موصول مع اپنے صلہ کے اس کی خبر ہے۔ ای ای فائدۃ فیہ تقدیر عبارت ہے حق تعالیٰ اس استفہام کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس مثال کی وجہ سے گمراہ کر دیتے ہیں بہت سے لوگوں کو (حق سے کفر کرنے کی وجہ سے) اور بہت سوں کو ہدایت دیدیتے ہیں (یعنی مؤمنین کو انکی تصدیق کی وجہ سے) اور اللہ کسی کو گمراہ نہیں کرتے مگر صرف نافرمانوں کو (جو اللہ کی اطاعت سے باہر ہو جاتے ہیں) جو اللہ کے اس عہد کو توڑ دیتے ہیں (جو اللہ نے اپنی کتابوں میں آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کا ان سے عہد لیا تھا) عہد کے پختہ ہونے کے بعد (یعنی تاکید و توثیق کے باوجود) اور توڑتے رہتے ہیں ان قطعات کو جن کے جوڑنے کا خدا نے حکم فرمایا تھا (یعنی نبی ﷺ پر ایمان لانا اور صلہ رحمی کرنا وغیرہ "ان یوصل" بدل واقع ہو رہا ہے بہ کی ضمیر سے) اور زمین میں فساد مچاتے رہتے ہیں (گناہوں کے ذریعہ اور ایمان میں رکاوٹیں پیدا کر کے) یہ لوگ (جن کے احوال پہلے معلوم ہوئے) تو بڑے خسارہ میں پڑنے والے ہیں (کیونکہ ابدی جہنم ان کا ٹھکانا ہے)

ترکیب و تحقیق:.........ضرب المثل، ضرب اللبین، ضرب الخاتم بولتے ہیں اصل میں ایک چیز کو دوسرے پر واقع کرنا حیا انسان کے اس اعتدالی خلق کو کہتے ہیں جس میں بدنامی اور برائی کے خوف سے نفس میں تغیر واقع ہو۔ خجالت اس سے نچلا درجہ ہے اور وقاحت اس سے اوپر کا وصف کہ انسان برائیوں پر جری اور بے شرم ہو جائے حق تعالیٰ پر اس کا اطلاق حقیقۃً جائز نہیں ہے۔ اسی لئے مفسرؒ نے لا یترک بیانہ سے اس کا ترجمہ کیا ہے گویا ملزوم مراد لیا گیا ہے۔ بعوضۃ مشتق بعض سے ہے جس کے معنی قطع کے

ہیں۔ یہ اصل میں مفعول کے وزن پر صفت کے معنی میں تھا۔ یعنی قطوع بعد میں اسمیت غالب آ گئی۔ تـــبـا اس میں وحدۃ کی ہے ان یضرب بتقدیر من مجرور ہے۔ عند الخلیل اور سیبویہؒ کے نزدیک منصوب ہے، ما ابہامیہ ہے یا زائدہ ہے۔ بعوض مثلاً کا عطف بیان ہے ماذا اراد اللہ میں ما استفہامیہ مبتدا۔ اور ذا بمعنی الذی مع صلہ کے خبر مثلاً منصوب ہے بنا بر تمیز کے فاسقین فسق نکلنے کو کہتے ہیں فسقت الرطبة عن قشرھا. چھوارا اپنے پوست سے باہر ہو گیا۔ فاسق چونکہ اطاعت خداوندی سے باہر ہو جاتا ہے۔ مفسر علامؒ نے الخارجین کہہ کر وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ کر دیا ہے اس کے تین درجے ہوتے ہیں (۱) تغابی برا سمجھنے کے باوجود گناہ کا ارتکاب کر لینا ہے۔ (۲) انہماک یعنی گناہ کرنے کی عادت پڑ جائے اور کوئی پرواہ نہ کرے۔ (۳) حجود گناہ کی برائی دل سے ہٹ جائے اور اس کا استحسان قائم ہو جائے۔ یہ تیسرا درجہ کفر سے ملا ہوا ہے۔ اما الذین یہ متضمن نفی شرط کو ہے اس لئے خبر پر فاء جزائیہ لانا ضروری ہے یضل اور یھدی میں اسناد حق تعالیٰ کی طرف حقیقی ہے مجازی نہیں ہے اس لئے معتزلہ پر رد ہو سکتا ہے۔ عھد قابل حفاظت در عایت چیز اسی لئے عرب، مکان، قسم، وصیت، تاریخ سب معانی میں استعمال کرتے ہیں۔ نـقـض رسی کے بٹ کھولنے کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں استعارہ تخییلیہ ہے۔

ربط وشانِ نزول: .... پچھلی آیت میں قرآن کریم کا کلام الٰہی ہونا بالدلیل ثابت ہو گیا ہے۔ مدعی کے ذمہ اثبات مدعا کے لئے جس طرح دلیل پیش کرنا ضروری ہوا کرتا ہے۔ مخالفین کے شبہات کا جواب دینا بھی ضروری ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ بعض مخالفین شبہات پیش کرتے تھے کہ اگر یہ کلام الٰہی ہے تو اس کا تقدس اور لطافت و نظافت اس کی متقاضی ہیں کہ اس میں دنی اور خسیس چیزوں کا ذکر بالکل نہیں ہونا چاہئے۔ کیا اللہ کو ان باتوں کے بیان کرنے سے حیاء نہیں آتی؟ سو مقتضائے مقام یہ ہے کہ اپنی دلیل قائم کر کے مخالفین کی اس معترضانہ دلیل کا جواب دیا جائے چنانچہ اس کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

﴿تشریح﴾: ......مثال کی حقیقت اور اس کا فائدہ: .... ظاہر ہے کہ مثال سے مطلب و مدعا کی وضاحت کرنی ہوتی ہے اس لئے مثال میں اس چیز کے ساتھ مناسبت تلاش کرنی چاہئے جس کی وہ مثال ہے نہ کہ مثال دینے والے کے ساتھ مثال کا مناسب ہونا ضروری ہوتا ہے مثلاً جب کسی کی کمزوری بتلانی ہو تو عرش و کرسی، آسمان و زمین شیر اور ہاتھی مثال میں نہیں لائے جائیں گے بلکہ چیونٹی اور مچھر کو ذکر کرنا فصاحت و بلاغت ہوگا۔ پس قرآن کریم میں بھی بتوں کے درماندہ ہونے اور بت پرستی کے لچر ہونے کو نمایاں کرنے کے لئے مکڑی اور اس کے تنے ہوئے جالے کو بیان کرنا ہوگا۔ تمام حکماء، انبیاءؑ اور بلغاء کا کلام اس قسم کی مثالوں سے بھرا پڑا ہے اور یہی معنی انه الحق کے جن کی طرف جلال محقق نے اشارہ کیا ہے جس طرح اما الذین آمنو کے بعد فیعلمون کہا گیا ہے اما الذین کفروا کے بعد فلا یعلمون کہنا چاہئے تھا کہ مقابلہ صحیح ہو جاتا لیکن اس کی بجائے حق تعالیٰ نے فیقولون کہا تا کہ اس سے ان کی حماقت و جہالت معلوم ہو جائے۔

عہدِ خداوندی: .... عہد سے مراد عام لیا جائے گا جس میں اللہ اور بندوں کے درمیان جو عہد الست ہوا وہ بھی آ جائے اور انبیائے سابقین سے جو عہد آنحضرت ﷺ کی توثیق و نصرت لیا گیا ہے وہ بھی داخل ہو جائے، یا آپس میں بندوں کے مابین خواہ شرعی ہو جیسے صلہ رحمی وغیرہ یا از خود کیا ہوا جیسے بیع و شراء، اجارہ، عاریت وغیرہ معاملات میں، مخاطب اگر انصاف پسند اور طالب حق ہو تو جواب حکیمانہ ہونا مقتضائے حال ہوتا ہے لیکن جب مخاطب، ضدی، معاند، شریر ہو تو اس کے لئے حکیمانہ جواب کافی اور مفید نہیں ہوگا۔ یہاں بھی واسطہ اور سابقہ ایسے ہی لوگوں سے پڑا ہے اس لئے جواب کا طرز بدل کر طنزیہ لب ولہجہ اختیار کیا گیا ہے کہ تم دانستہ یہ دریافت کرتے

ہو کہ اس مثال کے بیان کرنے سے اللہ کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ سو سنو! ہمارا مطلب اس سے یہ ہے کہ جواب کی تلخی بتلانے کے لئے ضرر کے پہلو کو نفع کے پہلو پر مقدم کر دیا گیا ہے۔ تاکہ مقام ناگواری کھل جائے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کوڑ مغز کو بار بار سمجھا کر یہ بتلا دیا جائے کہ یہ چیز ہم نے فلاں فلاں مصالح کے لئے بنائی ہے لیکن پھر بھی ہٹ دھرمی سے وہ باز نہ آئے، تو یہی کہا جائے گا کہ تیرے سر مارنے اور جھک مارنے کے لئے ہم نے چیز بنائی ہے۔ یہ آیت اصل ہے مشائخ صوفیاء کی اس عادت کی کہ وہ مثال بیان کرنے میں حیاء عرفی کی پرواہ نہیں کرتے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ يَا اَهْلَ مَكَّةَ **بِاللّٰهِ وَقَدْ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا** نُطَفًا فِي الْاَصْلَابِ **فَاَحْيَاكُمْ** فِي الْاَرْحَامِ وَالدُّنْيَا بِنَفْخِ الرُّوْحِ فِيْكُمْ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّعَجُّبِ مِنْ كُفْرِهِمْ مَعَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ وَالتَّوْبِيْخِ **ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ** عِنْدَ اِنْتِهَاءِ اٰجَالِكُمْ **ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ** بِالْبَعْثِ **ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾** تُرَدُّوْنَ بَعْدَ الْبَعْثِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ وَقَالَ تَعَالٰى دَلِيْلًا عَلَى الْبَعْثِ لَمَّا اَنْكَرُوْهُ **هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ** اَيِ الْاَرْضَ وَمَا فِيْهَا **جَمِيْعًا** لِتَنْتَفِعُوْا بِهٖ وَتَعْتَبِرُوْا **ثُمَّ اسْتَوٰى** بَعْدَ خَلْقِ الْاَرْضِ اَيْ قَصَدَ **اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ** الضَّمِيْرُ يَرْجِعُ اِلَى السَّمَآءِ لِاَنَّهَا فِيْ مَعْنَى الْجَمْعِ الْاٰئِلَةِ اِلَيْهِ اَيْ صَيَّرَهَا كَمَا فِيْ اٰيَةٍ اُخْرٰى فَقَضٰهُنَّ **سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ط وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾** مُجْمَلًا وَمُفَصَّلًا اَفَلَا تَعْتَبِرُوْنَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى خَلْقِ ذٰلِكَ اِبْتِدَاءً وَهُوَ اَعْظَمُ مِنْكُمْ قَادِرٌ عَلٰى اِعَادَتِكُمْ۔

ترجمہ: .... تم اللہ کا انکار کیونکر کر سکتے ہو (اے اہل مکہ حالانکہ) تم بے جان تھے (یعنی باپ کی صلب میں بشکل نطفہ تھے) سو تم کو جاندار بنایا (ماں کے رحم میں روح پھونک کر اور دنیا میں یہاں استفہام کا مقصد ان کے کفر پر اظہار تعجب ہے۔ دلائل قائم ہونے کے باوجود اور زجر و توبیخ کرنا ہے) پھر تم کو موت دیں گے (عمر کے ختم ہونے پر) پھر تم کو جلائیں گے (یعنی قیامت میں زندہ کریں گے) پھر تم خدا ہی کے پاس لے جائے جاؤ گے (یعنی قبروں سے اٹھا کر پیش کئے جاؤ گے تاکہ تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جا سکے۔ آگے حق تعالیٰ منکرین بعث کو دلیل سے سمجھاتے ہیں) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے زمین کی چیزیں (یعنی زمین اور جو کچھ زمین میں ہے) تمام کی تمام تمہارے لئے پیدا کی ہیں (تاکہ تم ان سے نفع اور عبرت حاصل کرو) پھر متوجہ ہوئے (زمین کی پیدائش کے بعد یعنی قصد فرمایا) آسمان کی طرف۔ سو درست کر کے بنا دیا ان کو (ضمیر جمع ھن کی آسمان کی طرف راجع ہے کیونکہ آسمان باعتبار ما یؤل الیہ کے معناً جمع ہے یعنی ان آسمانوں کو ٹھیک کر دیا چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے فقضٰهن سبع سمٰوٰت) اور اللہ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں (اجمالاً اور تفصیلاً بھی۔ کیا تم اس بات سے سبق حاصل نہیں کرتے کہ جو تم سے زیادہ اتنی بڑی بڑی چیزوں کو ابتداءً پیدا کر سکتا ہے وہ کیا تمہارے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے)۔

ترکیب وتحقیق: .... **وكنتم** میں جلال مفسرؒ نے لفظ **قد** مقدر نکال کر اشارہ فرمایا کہ حال اور اس کے تمدہ کی طرف کہ ماضی جب حال ہو تو لفظ **قد** لانا ضروری ہے۔ ظاہر ہو یا مقدر نفخ الروح کا تعلق صرف الارحام کے ساتھ ہے **والدنیا** کے ساتھ نہیں ہے۔ استوی بمعنی اعتدال واستقامت **استوى العود** بولتے ہیں **استوى اليه كالسهم المرسل** یعنی کجی وغیرہ نکال کر سیدھا

کردیا جائے۔ فسوٰھن کے معنی بھی یہی ہیں کہ کجی یا ٹوٹ پھوٹ نکال کر درست کردیا۔ چونکہ ضمیر جمع ہے اور مرجع السماء مفرد ہے۔ مفسر علامؒ اس کی توجیہ کررہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ کی حیثیت سے اگرچہ مفرد ہے مگر یہاں مراد مجموعی مصداق کے لحاظ سے جو معناً جمع ہے یعنی سات آسمان۔ چنانچہ دوسری آیت کو استشہاد میں پیش کیا۔ **کیف** ہمزہ کے معنی میں ہے **کیف تکفرون ای اتکفرون باللہ ومعکم مایصرف عن الکفر** یہ ایسا ہی ہے جیسے **اتطیر بغیر جناح** و **کیف تطیر بغیر جناح فاحیاکم**۔ صرف ایک جگہ فا اور تین جگہ **ثم** سے تعبیر کیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ اول وجود اور عدم میں اتصال ہے اور دوسری حالتوں میں کچھ نہ کچھ انفصال اور وقفہ ہوگا۔ **کیف تکفرون** جملہ استفہامیہ ضمیر انتم ذوالحال اور مابعد کے جملے حال ہیں۔

ربط:............ ابتداء رکوع **یٰاَیُّھَا النَّاسُ** میں توحید وعبادت کا بنیادی مضمون مذکور تھا۔ اس کے بعد رسالت اور معجزہ قرآنی کا تذکرہ ہوا۔ شبہات کا ازالہ کیا گیا۔ اب پھر اسی مضمونِ توحید کا اعادہ کیا جاتا ہے اور ایک دوسری طرز کی فطری اور مؤثر دلیل سے اس کو پیش کیا جارہا ہے تاکہ ابتداء کلام کی یکسانی ہوجائے۔

﴿تشریح﴾:............ ابتداء رکوع میں جس طرح نعمائے عامہ مادی وظاہری انعامات کا تذکرہ تھا اس آیت میں بھی عمومی نعمتوں کا استحضار کرایا جارہا ہے کہ جب اللہ کا خالق، رازق، مربی اور محسنِ اعظم ہونا اور یکتا و یگانہ ہونا دلائل کی روشنی میں ثابت ہوچکا پھر اس کے ان سارے احسانات کو بھلا کر غیروں کا کلمہ کیوں پڑھ رہے ہو۔

عالم کی چار حالتیں:............ مثلاً ایک دلیل یہ ہے کہ انسان کی چار حالتیں ہیں دو عدمی اور دو وجودی۔ یہ دنیاوی وجود دو عدموں کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ اس کے بعد عالمِ آخرت کا وجود ابدی ہوگا اس پر عدم کی چادر نہیں آسکے گی۔ ان مختلف حالات پر انسان کو نظر ڈالنی چاہئے کہ کون یہ ردوبدل کررہا ہے اس مالک اور خالق کو پہچانو۔ اور خیر اگر ان دلائل میں غور نہیں کرسکتے کہ ان میں قوتِ عقلیہ کے صرف کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور اتنی محنت کا کام کون کرے۔ تو خیر محسن کا حق ماننا تو طبعی امر ہے۔ یہی سمجھ کر اللہ کی طرف رجوع ہوجاؤ۔ آگے عام اور خاص نعمتوں کا بیان شروع ہوتا ہے۔ کائناتِ عالم کی تمام چیزیں کسی نہ کسی فائدہ کے لئے بنائی گئی ہیں۔ جن میں اکثر کا فائدہ کسی نہ کسی صورت میں کسی نہ کسی انسان کو معلوم ہے اور بالفرض کسی چیز کا فائدہ معلوم نہ بھی ہو تو اس سے اس چیز کا معدوم النفع ہونا لازم نہیں آتا بغیر علم کے ہی اس سے فائدہ پہنچ رہا ہے ہاں اللہ کو سب کا فائدہ معلوم ہے "**خلق لکم**" میں لام نفع کے لئے ہے اس سے علماء نے یہ سمجھا ہے کہ ہر چیز میں اباحت اصلی ہے اور حرمت غیر اصلی یعنی شریعت جس چیز کو مضر سمجھے گی اس کو منع کردے گی۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:............ اس پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب سب چیزیں نفع کی ہیں تو سب ہی حلال ہونی چاہئیں بات یہ ہے کہ کسی چیز کے صرف فائدہ مند ہونے سے اس کا قابلِ استعمال ہونا ضروری نہیں ہے آخر زہر وغیرہ میں کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کے ضرر غالب کے پیش نظر استعمال سے روکتے ہیں یہی حال محرمات شرعیہ کا ہے کہ ان میں کچھ نہ کچھ نفع بھی ہوتا ہے مگر غالب نقصان کے ہوتے ہوئے ان کو ممنوع قرار دیدیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں جس طرح صرف طبیب یا ڈاکٹر کا جاننا کافی ہوتا ہے اسی طرح صرف شارع کا جاننا کافی ہے عوام کا واقف ہونا ضروری نہیں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور عالم کی پیدائش:...... اکثر آیات سے آسمان و زمین اور عالم کی پیدائش چھ (۶) روز میں معلوم ہوتی ہے اور مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں روز جمعہ کو ما بین العصر والمغرب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا گیا ہے۔ جس سے پیدائش عالم کا سات روز میں مکمل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس اشکال کا حال صرف قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں اس طرح کیا ہے کہ جمعہ جس میں حضرت آدمؑ کی پیدائش عمل میں آئی ضروری نہیں کہ ان چھ روز کے متصل ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ بہت زمانہ بعد کسی جمعہ کو حضرت آدمؑ کی پیدائش ہوئی ہو۔ پس عالم کی خلقت کے لئے چھ روز رہیں گے۔ اس تحقیق سے ایک اور شبہ کا ازالہ بھی ہو گیا کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش سے پہلے اور زمین و آسمان کی پیدائش کے بعد قوم جنات کا زمانہ دراز تک زمین پر رہنا باعث اشکال تھا۔ لیکن اب کہا جائے گا کہ زمین و آسمان کی پیدائش کے بعد قوم جنات پیدا ہوئی اور وہ ہزاروں سال دنیا میں رہی تب کہیں کسی ایک جمعہ کو حضرت آدمؑ کو پیدا کیا گیا۔

آسمان و زمین کی پیدائس کی ترتیب کا بیان قرآن کریم میں تین جگہ آیا ہے۔ ایک اس آیت میں دوسرے حٰمٓ السجدۃ میں تیسرے والنزعات میں۔ ان آیات پر نظر ڈالنے سے کچھ مفہوم کا تخالف بھی معلوم ہوتا ہے بعض علماء نے اس کی بہترین توجیہ یہ کی ہے کہ سب سے پہلے زمین کا مادہ تیار کیا گیا اس کے بعد آسمان کا مادہ جو بشکل دخان تھا بنایا گیا اس کے بعد زمین کے مادہ سے اس کو موجودہ ہیئت پر پھیلا دیا گیا اور اس پر پہاڑ، درخت وغیرہ پیدا کئے گئے۔ ازاں بعد اس مادہ سیالہ سے سات آسمان پیدا فرمائے باقی ابتدائے آفرینش کی تفصیل وتشریح شریعت نے اس لئے نہیں بیان کی کہ وہ غیر ضروری تھی۔

وَاذْكُرْ يَا مُحَمَّدُ **اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً** ط يَخْلُفُنِي فِي تَنْفِيذِ أَحْكَامِي فِيهَا وَهُوَ آدَمُ **قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا** بِالْمَعَاصِي **وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ** يُرِيقُهَا بِالْقَتْلِ كَمَا فَعَلَ بَنُو الْجَانِّ وَكَانُوا فِيهَا فَلَمَّا أَفْسَدُوا أَرْسَلَ اللّٰهُ إِلَيْهِمُ الْمَلٰئِكَةَ فَطَرَدُوهُمْ إِلَى الْجَزَائِرِ وَالْجِبَالِ **وَنَحْنُ نُسَبِّحُ** مُتَلَبِّسِينَ **بِحَمْدِكَ** أَيْ نَقُولُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ **وَنُقَدِّسُ لَكَ** ط نُنَزِّهُكَ عَمَّا لَا يَلِيقُ بِكَ فَاللَّامُ زَائِدَةٌ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ أَيْ فَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْاِسْتِخْلَافِ **قَالَ** تَعَالَى **اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾** مِنَ الْمَصْلَحَةِ فِي اِسْتِخْلَافِ آدَمَ وَأَنَّ ذُرِّيَّتَهُ فِيهِمُ الْمُطِيعُ وَالْعَاصِي فَيَظْهَرُ الْعَدْلُ بَيْنَهُمْ فَقَالُوا لَنْ يَخْلُقَ رَبُّنَا خَلْقًا أَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَّا وَلَا أَعْلَمَ لِسَبْقِنَا لَهُ وَرُؤْيَتِنَا مَا لَمْ يَرَهُ فَخَلَقَ تَعَالَى آدَمَ مِنْ أَدِيمِ الْأَرْضِ أَيْ وَجْهِهَا بِأَنْ قَبَضَ مِنْهَا قَبْضَةً مِنْ جَمِيعِ أَلْوَانِهَا وَعُجِنَتْ بِالْمِيَاهِ الْمُخْتَلِفَةِ وَسَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ الرُّوحَ فَصَارَ حَيَوَانًا حَسَّاسًا بَعْدَ أَنْ كَانَ جَمَادًا۔

ترجمہ:............اور (اس وقت کو یاد کیجئے اے محمد (ﷺ)) جب ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں زمین میں ایک نائب خلیفہ ضرور بنانا چاہتا ہوں (کہ جو میری نیابت میں زمین میں میرے احکام کو چلا سکے یعنی آدمؑ) فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ زمین میں ایسے لوگوں کو پیدا کرنا چاہتے ہیں جو (نافرمانیاں کر کے) زمین میں فساد پھیلائیں گے اور خون ریزی کرتے پھریں گے (قتل وغارت کریں گے جیسا کہ قوم جنات نے یہی کچھ کیا جبکہ زمین پر آباد تھے ان کے فساد مچانے پر اللہ نے بذریعہ فرشتوں کے ان کو جزائر

اور پہاڑوں کی طرف پنکایا) حالانکہ ہم بحمد اللہ برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں (یعنی سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھتے رہتے ہیں) اور آپ کی پاکیزگی بیان کرتے رہتے ہیں (یعنی جو باتیں آپ کی شایانِ شان نہیں ان سے آپ کی تنزیہ کرتے رہتے ہیں۔ لک میں لام زائد ہے اور جملہ حال ہے یعنی ہم مستحق نیابت ہیں) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس بات کو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں (یعنی نیابت آدمؑ اور ان کی اولاد میں بعض کا فرمانبردار ہونا اور بعض کا نافرمان ہونا اس سے ان میں عدل ظاہر ہوگا۔ فرشتے کہنے لگے کہ پروردگار ہم سے زیادہ کسی کو مکرم اور عالم نہیں بنائیں گے کیونکہ ہم پہل کا حق رکھتے ہیں اور ہم نے ایسے عجائبات قدرت دیکھے ہیں جو اور کسی نے نہیں دیکھے۔ چنانچہ اس کے بعد حق تعالیٰ نے آدمؑ کو زمین کی مٹی سے پیدا کر دیا یعنی تھوڑا تھوڑا ہر رنگ کی مٹی ملا کر مختلف قسم کے پانیوں سے ملا کر گوندھ دیا اور اس کا پتلہ تیار کر کے اس میں روح پھونک دی چنانچہ ایک بے جان سی چیز جاندار ہو کر حساس بن گئی۔

ترکیب و تحقیق: .... لفظ اذ سے پہلے اذکر مقدر ماننا اس لئے ہے کہ اذ محل نصب میں ہے اور اذکر اس کا فاعل ہے اور بعض نے اس کو مبتدائے محذوف کی خبر کہا ہے ای ابتداء خلقی اذ قال الخ اور بعض کے نزدیک زائد ہے۔ نیز قالوا کی وجہ سے بھی یہ منصوب ہو سکتا ہے۔ ملائکۃ جمع ملائک کی جیسے شمائل جمع ہے شمال کی اور تاء تانیث جمع کے لئے ہے اگر اس کو ملک بمعنی شدت سے مشتق مانا جائے تو ہمزہ زائد ہوگا اور اگر الوکۃ بمعنی رسالۃ سے مشتق کیا جائے تو مالک تھا بعد میں اس کا قلب کر لیا گیا ہے۔ آدمؑ یہ ابوالبشر اور شخص واحد ہیں نیچریوں کی طرح ان کو نوع انسانی کا نام کہنا صحیح نہیں۔ ان کی عمر ۹۶۰ سال ہوئی اور اپنی ایک لاکھ اولاد کو دیکھ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ قال فعل ربک فاعل انی جاعل فی الارض خلیفۃ جملہ مقولہ ہے یعنی مفعول ہے۔ جاعل بمعنی خالق ہو تو ایک مفعول چاہے گا جو خلیفۃ ہے اور بمعنی مصیر بھی ہو سکتا ہے فی الارض مفعول ثانی ہوگا قالوا کا مقولہ اتجعل فیھا الخ ہے۔ تسبیح اور تقدیس میں لطیف فرق یہ ہے کہ تسبیح مرتبہ طاعت و اعمال میں ہوتی ہے اور تقدیس مرتبہ اعتقاد میں، حاصل مجموعہ کا حق تعالیٰ کی تنزیہ لساناً و جناناً وارکاناً ہے۔

ربط: .... پہلی آیت میں مادی اور عام نعمتوں کا بیان تھا۔ یہاں سے معنوی عام نعمتوں کا بیان ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو شرافتِ علم بخشی، انکو مسجود ملائکہ بنا کر عزت افزائی فرمائی اور تم کو ان کی اولاد ہونے کا فخر عطا فرمایا۔

﴿تشریح﴾: .... خلافتِ الٰہی: .... مقصود "انی جاعل فی الارض خلیفۃ" کی خبر دینے سے حق تعالیٰ کا فرشتوں سے مشورہ کرنا نہیں تھا اور نہ اس کی ضرورت تھی بلکہ اس بارہ میں فرشتوں کی رائے معلوم کرنا تھا۔ اور نیابت الٰہیہ کا منشا یہ تھا کہ اللہ کے احکام شرعیہ کا اجراء و نفاذ دنیا میں کیا جا سکے۔ فرشتوں کے جواب کا حاصل آدم علیہ السلام پر اعتراض یا ان کی غیبت کرنا اور اپنا استحقاق جتلانا نہیں تھا جو ان کی شانِ تقدیس کے خلاف ہے بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی ترکیبی مادہ پر نظر کر کے یا قوم جنات کے پیش آمدہ تجربہ کی بنیاد پر قیاس کر کے یہ عرض کرنا چاہا کہ اولادِ آدم میں اچھے اور برے سب طرح کے ہوں گے۔ ممکن ہے ان سے غرض پوری طرح پوری نہ ہو اور ہم پرانے نمک خوار خدام اور مخلص وفادار، فرمانبردار، آقا کے مزاج داں، حضور پر جان قربان کرنے والے موجود ہیں آخر ہم کس مرض کی دوا ہیں اور کس موقع پر کام آئیں گے ہمیں حکم دیجئے حضور کے اقبال سے سب لوگ لپٹ کر اس خدمت کو سرانجام دے لیں گے، غرضیکہ اظہار نیازمندی مقصد تھا۔

تخلیق انسان کی حکمت: .... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جواب الجواب ارشاد فرمایا کہ جو بات تمہارے نزدیک ایجاد آدمؑ نہ

کرنے کی ہے وہی وجہ میرے نزدیک ایجادِ آدمؑ کی ہے۔ تمہاری نظر کی رسائی وہاں تک نہیں ہے جو منشاء خداوندی ہے یہ جواب حاکمانہ ہے کہ تم ان شاہی مصالح کو نہیں جانتے اس لئے خاموش ہو جاؤ اور واقعہ ہے بھی کچھ ایسا ہی کہ فرشتے چونکہ منبع خیر اور خیر محض ہیں جن میں شر کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی نہیں ہے۔ ان میں جب کوئی حد اعتدال سے تجاوز کرنے والا موجود ہی نہیں تو اجرائے احکام و انتظام کی کیا ضرورت۔ اس طرح کا مقصد محض فرمانبرداروں کے جمع ہونے سے نہیں پورا ہو سکتا ہے اسی طرح قومِ جنات بھی اس مقصد کے لئے کافی نہیں کیونکہ ان میں فرشتوں کے بالمقابل جذباتِ شر غالب ہیں وہاں خیر کا نام و نشان نہیں اور قابلیت ہدایت واصلاح کا بالکلیہ فقدان ہے تو فرشتوں میں خیر کی وجہ سے انتظام کی ضرورت نہیں اور جنات میں فساد کی وجہ سے صلاح کی قابلیت نہیں اور جو ہے بھی وہ نہایت ضعیف و بعید ہے برخلاف انسان کے کہ خیر وشر دونوں سے اس کا خمیر گوندھ کر تیار کیا گیا ہے اس میں قابلیت اور ضرورت دونوں جوہر ہیں۔ جس طرح آگ اور پانی جب اپنی اپنی جگہ ہوں تو ان کے کمالات نمایاں نہیں ہوتے لیکن دنوں کو ایک دوسرے سے قریب کر دیا جائے تو ایک تیسری عظیم طاقت پیدا ہو جائے گی جس کو اسٹیم، بھاپ، برق کہتے ہیں جس سے بڑی بڑی مشینیں حرکت میں آجاتی ہیں اور بڑی طاقت نمایاں ہوتی ہے۔

شبہات اوران کا حل:............ البتہ یہ سوال کہ ایسی اصلاح ہی کی کیا ضرورت ہے جس میں پہلے فساد ماننا پڑے سو یہ حکمتِ تکوین کا سوال ہے جس کے ہم مکلف نہیں ہیں۔ بہرحال خدا نے انسان میں یہ جوہر کمال رکھا ہے جس سے وہ فرشتوں پر بازی لے جا سکتا ہے لیکن اگر کوئی بے قدری کر کے اس قوت کو ضائع کر کے شیطانی افعال کرنے لگے تو اس سے قدرت پر الزام نہیں آتا اس نے تو کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے اب آگے انسان کی خوش بختی یا بدبختی۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ اَیْ اَسْمَاءَ **كُلَّهَا** حَتَّى الْقَصْعَةَ وَالْقُصَيْعَةَ وَالْفَسْوَةَ وَالْفُسَيَّةَ وَالْمِغْرَفَةَ بِاَنْ اَلْقٰى فِي قَلْبِهِ عِلْمَهَا **ثُمَّ عَرَضَهُمْ** اَيِ الْمُسَمَّيَاتِ وَفِيْهِ تَغْلِيْبُ الْعُقَلَاءِ **عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ** لَهُمْ تَبْكِيْتًا **اَنْۢبِـُٔوْنِيْ** اَخْبِرُوْنِيْ **بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ** الْمُسَمَّيَاتِ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ**﴿۳۱﴾ فِيْ اَنِّيْ لَا اَخْلُقُ اَعْلَمَ مِنْكُمْ اَوْ اَنَّكُمْ اَحَقُّ بِالْخِلَافَةِ وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ مَاقَبْلَهُ **قَالُوْا سُبْحٰنَكَ** تَنْزِيْهًا لَكَ عَنِ الْاِعْتِرَاضِ عَلَيْكَ **لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا** ؕ اِيَّاهُ **اِنَّكَ اَنْتَ** تَاكِيْدٌ لِلْكَافِ **الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ**﴿۳۲﴾ الَّذِيْ لَايَخْرُجُ شَيْءٌ عَنْ عِلْمِهٖ وَحِكْمَتِهٖ **قَالَ** تَعَالٰى **يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ** اَيِ الْمَلٰئِكَةَ **بِاَسْمَآئِهِمْ** ۚ اَيِ الْمُسَمَّيَاتِ فَسَمّٰى كُلَّ شَيْءٍ بِاسْمِهٖ وَذَكَرَ حِكْمَتَهُ الَّتِيْ خُلِقَ لَهَا **فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ** تَعَالٰى لَهُمْ مُوَبِّخًا **اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ۙ مَاغَابَ فِيْهِمَا **وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ** تُظْهِرُوْنَ مِنْ قَوْلِكُمْ اَتَجْعَلُ فِيْهَا ......الخ **وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ**﴿۳۳﴾ تُسِرُّوْنَ مِنْ قَوْلِكُمْ لَنْ يَّخْلُقَ رَبُّنَا خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَّا وَلَا اَعْلَمَ وَ اذْكُرْ **اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ** سُجُوْدَ تَحِيَّةٍ بِالْاِنْحِنَاءِ **فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ** ؕ هُوَ اَبُو الْجِنِّ كَانَ بَيْنَ الْمَلٰئِكَةِ **اَبٰى** اِمْتَنَعَ مِنَ السُّجُوْدِ **وَاسْتَكْبَرَ** تَكَبَّرَ عَنْهُ وَقَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ **وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ**﴿۳۴﴾ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى

ترجمہ:......... اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو علم دیدیا سب ناموں کا (یعنی تمام چیزوں کے نام بتلائے حتیٰ کہ پیالہ پیالی، ریح، پھسکی، یا چمچہ سب کے نام آپؑ کے قلب میں ڈال دیئے) پھر ان ناموں کو (یعنی ان چیزوں کو اس ضمیر میں عقلاء کی غیر عقلاء پر تغلیب کر لی گئی ہے) فرشتوں کے روبرو کر دیا پھر فرمایا (از روئے عتاب کے) کہ بتلاؤ (خبر دو) مجھ کو (ان چیزوں) کے نام اگر تم سچے ہو (اس مضمون سابق میں کہ میں اس سے بہتر نہیں پیدا کر سکتا یا تم ہی مستحق خلافت ہو۔ جواب شرط محذوف ہے ماقبل کے دلالت کی وجہ سے) فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ تو پاک ہیں (آپ تو اعتراض سے بری ہیں) ہمیں علم ہی نہیں مگر آپ نے جو کچھ ہم کو علم دیدیا بے شک آپ (لفظ انت کاف خطاب کی تاکید کر رہا ہے) بڑے علم وحکمت والے ہیں (کہ جس کے علم وحکمۃ سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہے) ارشاد فرمایا (حق تعالیٰ نے) کہ اے آدم تم بتلاؤ ان کو (یعنی فرشتوں کو) ان کے نام (یعنی ان چیزوں کے نام چنانچہ ہر چیز کا نام مع اس کی حکمت کے بتلا دیا) سو جب بتلا دیئے آدم علیہ السلام نے ان کو ان کے نام۔ ارشاد فرمایا (حق تعالیٰ نے از روئے ناگواری) کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان وزمین کی تمام پوشیدہ باتوں کو (جو ان میں غائب ہیں) جانتا ہوں اور جن باتوں کو تم ظاہر کر رہے ہو ان کو بھی جانتا ہوں (یعنی تمہارا یہ قول اتجعل الخ) اور جن باتوں کو تم چھپا رہے ہو (یعنی تمہارا یہ کہنا ہے کہ ہمارا پروردگار ہم سے زیادہ مکرم واعلم مخلوق نہیں بنائے گا) اور (اس وقت کو بھی یاد فرمایئے) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو (مراد سجدہ تحیہ ہے یعنی جھکنا) سو سب سجدہ میں گر پڑے بجز ابلیس کے (یہ ابوالجن تھا جو فرشتوں کے درمیان رہا کرتا تھا) اس نے کہنا نہ مانا (یعنی سجدہ نہیں کیا) اور غرور میں آ گیا (یعنی اس سے تکبر کیا اور کہنے لگا انا خیر منہ الخ) اور کافروں میں ہو گیا تھا (علم الٰہی میں)۔

ترکیب وتحقیق:......... **علّم** تعلیم سے ہے جس میں علۃ فاعلیہ یعنی افاضۂ معلم بھی شرط ہے اور صلاحیت وقابلیت متعلم بھی چنانچہ آدمؑ میں قوۃ قابلیہ تھی اور ملائکہ اس سے محروم تھے۔ **اسم** بالکسر والضم وسمہ وسماہ بمعنی علامۃ مفسر علامؒ نے **اسماء المسمیات** نکال کر اشارہ کیا کہ الف لام مضاف الیہ کے بدلہ میں ہے اور مراد مسمیات سے مدلولات ہیں خواہ جوہر ہوں یا عروض ومعانی اللہ نے آدم علیہ السلام کو اسماء اور مسمیات دونوں بتلا دیئے اور ملائکہ کو صرف مسمیات بتلائے جس سے آدمؑ کی تفضیل ثابت ہوئی **فیہ تغلیب** میں اس شبہ کا جواب دیا ہے کہ ضمیر جمع مذکر کیوں لائی گئی ہے اور وہ بھی مذکر عاقل حالانکہ بہت سی چیزیں مؤنث اور غیر عاقل بھی تھیں۔ جواب یہ ہے کہ اس میں تغلیب عقلاء کی کر لی گئی ہے یعنی سب کو مذکر عاقل فرض کر لیا گیا ہے' **وجواب الشرط** ماقبل سے مراد انبؤنی ہے یہی دال بر جواب ہے یہ مذہب سیبویہ کا ہے' **سبحانک** بروزن فعلان بغیر اضافۃ اس میں تینوں احتمال ہیں۔ (۱) مصدر جیسے غفران (۲) یا اسم مصدر جیسے کفران (۳) یا علم مصدر جیسے عثمان۔ لیکن اضافت کی حالت میں اسم مصدر ہونا ظاہر ہے **تاکید للکاف** یعنی مسند الیہ کی تقریر کے لئے ہے اور بعض نے اس کو ضمیر فصل تاکید حکم اور قصر کے لئے مانا ہے۔

سجدۂ آدمؑ کی حقیقت:......... **بالانحناء** ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں کہ فرشتوں کو غیر اللہ (آدمؑ) کے سامنے سجدہ کا حکم کیسے دیا گیا؟ حاصل جواب یہ ہے کہ سجدۂ عبادت نہیں تھا جو مخصوص ہے حق تعالیٰ کے ساتھ بلکہ سجدۂ تعظیمی مراد ہے جو لغۃ جھکنے پر آداب بجالانے پر بھی بولا جاتا ہے اور اس قسم کی تعظیم پہلے جائز تھی۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا وہ بھی شاہی آداب تھے جن کے تھوڑے بہت اثرات اب بھی دیسی ریاستوں میں کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔ ہماری شریعت میں اس کے بجائے السلام علیکم نے جگہ لے لی ہے اور بعض مفسرینؒ نے یہ توجیہ فرمائی ہے کہ حضرت آدمؑ مسجود نہیں تھے مسجود تو اللہ تعالیٰ ہی تھے البتہ کعبہ کی طرح جہۃ سجدہ حضرت آدمؑ کو بنایا گیا تھا اس صورت میں لآدم کا لام بمعنی الیٰ ہوگا۔ الی آدم

شیطان کون ہے؟:............ابوالجن جس طرح ابوالبشر آدمؑ ہیں اسی طرح ان کا ازلی دشمن ابلیس ابوالجن ہے اس میں دوقول ہیں ایک تو یہی جو علامہ سیوطیؒ اور علامہ محلیؒ وغیرہ کا ہے یعنی اصل اور خلقت کے لحاظ سے جن تھا فرشتوں میں اپنی طاعت وعبادت کی وجہ سے رہنے سہنے لگا تھا۔ چنانچہ دوسری جگہ کان من الجن فرمایا گیا ہے اس صورت میں الا بمعنی لکن استثناء منقطع کے لئے ہوگا جو خلاف اصل ہے اور دوسری رائے بغویؒ، قاضیؒ، واحدی اکثر مفسرینؒ کی ہے یہ نوعاً فرشتوں میں تھا تاکہ الا استثناء متصل کے لئے ہو جائے جو اصل ہے۔ اور افعال کے لحاظ سے جنات میں سے تھا تاکہ کان من الجن ہونا بھی درست ہو جائے۔ نیز مخفی ہونے کی وجہ سے ملائکہ کو بھی جن کہا جا سکتا ہے۔ امتنع فرشتے سجدہ میں گئے بلکہ ایک سو یا پانچ سو سال سجدہ میں رہے اور یہ پیٹھ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔ آدمؑ کی وفات کے بعد بھی اس کو سجدہ کا حکم ہوا ان کی قبر کی طرف ہی سجدہ کر لے کہنے لگا جب میں نے صاحب قبر کو سجدہ نہیں کیا تو قبر کو کیا کروں گا۔

تکبّر مفسر نے اشارہ کر دیا کہ "ست" اس میں طلب کے لئے نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے فی علم اللہ ایک شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے کہ پہلے تو شیطان مقرب اور عابد تھا پھر یہ انقلاب کیسے ہو گیا؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ علم خداوندی میں پہلے ہی سے کافر ہونا تھا یا کان بمعنی صار کیا جائے۔

ربط:............فرشتوں کی طرف سے اس احتمال کی گنجائش نکل سکتی تھی کہ خیر انسان کو پیدا تو کر دیا جائے لیکن اس کی اصلاح اور اتالیقی کی خدمت ہم کو سپرد کر دی جائے آگے اسی کو صاف کرنا ہے کہ انسان جس خاص اسلوب پر پیدا کیا گیا ہے اس کی اصلاح بھی انسان ہی کر سکتا ہے۔ مصلح کے لئے جن مخصوص علوم کی ضرورت ہے وہ فرشتوں کے بس سے باہر ہیں۔

﴿تشریح﴾:......انتظامی قابلیت کا معیار:......حاصل یہ ہے کہ منتظم کے لئے اس کام کی حقیقت اور اس کے نشیب و فراز سے آگاہی ضروری چیز ہے اس کے بغیر کماحقہ انتظام واصلاح ممکن نہیں۔ حضرت انسان کے سپرد جب نیابت الٰہی ہوئی تو طبائع کی کیفیات وخصوصیات سے واقفیت۔ اسی طرح انتظام شریعت کے لئے حلال وحرام چیزوں کے مضار ومنافع خواص وآثار کا مطالعہ مختلف لغات اور زبانوں سے واقفیت۔ ان سب باتوں سے انسان جس قدر واقف ہو سکتا ہے جن یا فرشتے اس سے آگاہی نہیں رکھ سکتے۔ فرشتوں میں تو وہ تغیرات ہی نہیں جن سے حالات مختلفہ پیش آتے ہیں۔ فرشتوں کو جب نہ بھوک لگتی ہے اور نہ شہوت ہوتی ہے تو وہ ان کیفیات سے بالکل ناآشنا ہیں جنات میں بے شک یہ تغیرات ہیں، لیکن ان کی طبائع اس قدر شر پسند ہیں کہ انسان کی طرح بھلائی کی کشمکش وکشش سے کوسوں دور ہیں۔

نیابتِ الٰہی کا اہل انسان ہے نہ کہ فرشتے:..........اس لئے نیابتِ الٰہی کے منصب عظمٰی کے لائق یہ ظلوم وجہول انسان ہی ٹھہرتا ہے۔ اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ فرشتوں میں جب اس قسم کی صلاحیت ہی نہیں تو وحی کا لانا جو اصلاح کی بنیاد ہے ان کے سپرد کیونکر ہوا؟ جواب یہ ہے کہ ملائکہ کی حیثیت اس میں صرف سفارت کی ہے جس میں مہارت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ انبیاء کرام جن کے سپرد اصلاح ودعوت کا کام ہوتا ہے ان کے لئے مہارت اور متعلقہ کام سے پوری آگاہی ضروری ہے اور وہ ان میں بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہے اسی طرح یہ شبہ بھی نہ کیا جائے کہ جس طرح جنات انسان کی اصلاح نہیں کر سکتے اختلاف مذاق کی بناء پر انسان بھی جنات کی اصلاح کے لئے کافی اور کارآمد نہیں ہو سکتا؟ جواب یہ ہے کہ انسان اور جن میں اس کے باوجود یہ فرق ہے کہ انسان میں جو جامعیت پائی جاتی ہے وہ جن میں موجود نہیں ہے اس لئے اول دوسرے کی اصلاح کر سکتا ہے۔ دوسرا اول کی اصلاح نہیں کر سکتا۔ چنانچہ قوت شر تو

دونوں میں مشترک وصف ہے البتہ وصفِ خیر میں انسان غالب آ گیا جنات پر۔ پس انسان جنات کی شرارتوں سے واقف ہے اس لئے اس کی اصلاح وتربیت کر سکتا ہے ہاں اگر کسی کو یہ خلجان ہو کہ جس طرح آدمؑ کو اللہ نے علوم بتلا دیئے اور ان کو خلافت حاصل ہو گئی اسی طرح فرشتوں کو بھی اگر تعلیم دیدی جاتی تو وہ بھی بمقابلہ آدمؑ کامیاب ہو سکتے تھے اور بارِ خلافت اٹھا سکتے تھے؟ سو جواب یہ ہے کہ اس علم کے لئے جس خاص استعداد کی ضرورت ہے وہ انسان میں تو پیدا کی گئی، لیکن فرشتوں کو نصیب نہیں ہو سکی۔ اس لئے عادۃ اللہ کے مطابق قابلیتِ کمال کو بھی دیکھا جائے گا جو شرطِ اعظم ہے اس لئے اللہ پر الزام نہیں اور تفضیلِ آدمؑ بھی ثابت ہو گئی۔

ازالۂ شبہات:............اس پر یہ شبہ کرنا کہ پھر وہ خاص قابلیت واستعداد جو نیابتِ الٰہی کا ذریعہ بنی فرشتوں میں کیوں نہ پیدا کردی گئی سو کہا جائے گا کہ وہ استعداد بھی خاصۂ بشر ہے جیسے حسِ وحرکت کہ خاصۂ حیوان ہے اگر فرشتوں میں اس کو پیدا کر دیا جاتا تو فرشتے نہ رہتے بلکہ انسان ہو جاتے جیسے جمادات میں حسِ وحرکت پیدا کر دینے سے وہ جمادات کی بجائے حیوان بن جاتے۔ سو دراصل اس سوال کا حاصل دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ اللہ نے ان فرشتوں کو انسان کیوں نہ بنایا؟ اور یہ بے معنی سوال ہے کیونکہ ملائکہ کی تخلیق میں جو حکمت ومصلحت ہوگی وہ اس صورت میں معطل ہو جاتی ہے اسی بے استعدادی اور عدمِ قابلیت کی وجہ سے آدمؑ کی طرح فرشتوں پر ان اسماء کو پیش کرنے کے باوجود بھی وہ امتحان میں ناکام رہے۔ اور انہوں نے صفائی سے اعتراف کر لیا کہ آپ پر کوئی الزام نہیں بلکہ جس قدر ہم میں پیدائشی لیاقت ہے اس کے موافق علوم عنایت فرمائے آپ پر سب طرح کے علوم منکشف ہیں اور آپ حکیم ہیں کہ جو جس کام کے قابل نظر آیا اس کو وہی بخشا۔ انبئهم باسمائهم پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ فرشتوں میں جب اس علمِ خاص کی استعداد وقابلیت ہی نہیں پھر ان کو بتلانے سے کیا فائدہ؟ اور اگر فائدہ ہے تو دعویٰ عدم مناسب غلط ہے۔ بات یہ ہے کہ بعض دفعہ انسان ایک بات کو خود تو نہیں سمجھتا لیکن قرائن وقیافہ سے دوسرے کے متعلق یقین سے یہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ اس میں ماہر ہے اور یہ خوب سمجھ گیا ہے پس یہاں بتلا دو کہ یہ معنی کہ اے آدمؑ فرشتوں کو سمجھا دو یا سکھلا دو، بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان کے روبرو اس کا اظہار کرو تا کہ تمہاری مہارت خوب طرح ان پر عیاں ہو جائے اور کم از کم یہ اس قدر سمجھ جائیں کہ آدمؑ اس علم میں ماہر ہیں اور ہم عاجز ہیں انی اعلم الخ یعنی آفاقی اور انفسی تمام حالات کی مجھ کو اطلاع ہے۔ یہ اسی حاکمانہ جواب کی تفصیل ہے۔

دنیا کا سب سے پہلا مدرسہ اور معلم ومتعلم:............حق تعالیٰ کا معلم اول ہونا اور حضرت آدم علیہ السلام کا متعلم اول ہونا اور علم اللغات کا اول علم ہونا معلوم ہو گیا اسی طرح علمی امتحان میں آدم علیہ السلام کا کامیاب اور فرشتوں کا ناکام ہونا معلوم ہوا۔ یہ دلیل ہے اس کی کہ مدارِ خلافت علم وفہم ہے بشرطیکہ بدعملی شامل نہ ہو۔ مجاہداتِ عملی مدارِ خلافت نہیں ہیں۔ مشائخ طریقت خلیفہ بنانے میں اسی کی رعایت زیادہ رکھتے ہیں۔

جلسۂ انعامی یا جشنِ تاجپوشی:............اس کامیابی کا سہرہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے سر بندھ گیا تو انعامی جلسہ ہونا چاہئے جس میں حضرت آدمؑ کے عملی تفوق کا اظہار ہو چنانچہ تختِ خلافت پر بیٹھنے سے پہلے ایک جشنِ تاجپوشی منعقد کیا گیا جس میں فرشتوں کو براہ راست اور بعض روایات کے مطابق جنوں کو بھی بالواسطہ خاص خاص آدابِ شاہی بجالانے کا حکم دیا گیا بجز ابلیس لعین کے سب نے عملی طور پر آدمؑ کی قیادت وسیادت تسلیم کی۔ عام جنات کا ذکر شاید اس لئے قرآن مجید میں نہیں کیا گیا کہ عقلاء خود ہی سمجھ جائیں گے کہ فرشتوں کی افضل جماعت کو یہ حکم دیا گیا تو جنات جو مفضول ہیں بدرجۂ اولیٰ اس حکم میں داخل ہوں گے۔ تصریح کی

حاجت نہیں ہے شیطان نے حکم عدولی کی اس لئے بالتخصیص اس کا نام لیا گیا ہے بلکہ یہ قرینہ ہے جنات کے شریک حکم ہونے کا۔اس صورت میں استثناء متصل رہے گا۔شیطان نے چونکہ حکم الٰہی کا مقابلہ تکبر سے کیا اس لئے وہ مردود ازلی ہوا اور اس سے تکبر کی شناعت اور اکبر کبار ہونا بلکہ سارے گناہوں کی جڑ ہونا معلوم ہوا۔اب بھی اگر کوئی شریعت کے حکم کے ساتھ اسی طرح رد و انکار سے پیش آئے گا اس کی تکفیر بھی کی جائے گی۔

قیاس شیطانی اور قیاس فقہی کا فرق:............ تفصیل اس کے تکبر کی دوسری آیات میں بتلائی گئی ہے جس سے اس حکم خداوندی کا خلاف حکمت و مصلحت ہونا منشرح ہوتا ہے جس کا حاصل چند مقدمات سے مرکب قیاس ہے (۱) پہلا مقدمہ یہ ہے کہ خلقتنی من نار و خلقته من طین یعنی مجھ کو آگ سے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔(۲) دوسرا مقدمہ یہ کہ آگ مٹی سے افضل ہوتی ہے۔(۳) افضل کی فرع افضل اور مفضول کی فرع مفضول ہوتی ہے۔(۴) افضل سے مفضول کی تعظیم کرانا خلاف عقل و حکمت ہے نتیجہ یہ کہ مجھ کو آدمؑ کے سامنے سجدہ کا حکم دینا خلاف حکمت ہے۔تقاضائے حکمت یہ ہے کہ اس کا برعکس حکم ہوتا یعنی آدمؑ کو میری تعظیم کا حکم دینا چاہئے تھا حالانکہ اس کے تمام مقدمات بجز پہلے مقدمہ کے باطل ہیں اس لئے قیاس فاسد ہے پھر نتیجہ کیسے صحیح نکل سکتا ہے۔اس شیطانی قیاس فاسد سے صحیح اور فقہی قیاس کے بطلان پر استدلال کرنا غلط ہے۔

موحد اعظم کون تھا؟:............ بعض شیطان پرست شیطان کے انکار سجدہ کو غایت محبت اور غیرت توحید پر محمول کر کے حق نیابت ادا کرتے ہیں، حالانکہ غایت اطاعت کا تقاضا یہ تھا کہ مالک اور آقا کے حکم کی کامل فرمانبرداری کی جاتی بالخصوص جبکہ سجدہ حقیقۃً حق تعالیٰ ہی کو کیا جارہا تھا۔آدم علیہ السلام تو صرف جہت سجدہ بنے ہوئے تھے جیسے بیت اللہ پس موحد ملائکہ اور آدم ہوئے نہ کہ شیطان اور اس کی ذریت۔

وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ تَاكِيدٌ لِلضَّمِيرِ الْمُسْتَتِرِ لِيُعْطَفَ عَلَيْهِ **وَزَوْجُكَ** حَوَّاءُ بِالْمَدِّ وَكَانَ خَلَقَهَا مِنْ ضِلْعِهِ الْاَيْسَرِ **الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا** اَكْلًا **رَغَدًا** وَاسِعًا لَا حَجْرَ فِيهِ **حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ** بِالْاَكْلِ مِنْهَا وَهِيَ الْحِنْطَةُ اَوِ الْكَرْمُ اَوْ غَيْرُهُمَا **فَتَكُونَا** فَتَصِيرَا **مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾** الْعَاصِينَ **فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ** اِبْلِيسُ اَذْهَبَهُمَا وَفِي قِرَاءَةٍ فَاَزَالَهُمَا نَحَّاهُمَا **عَنْهَا** اَيِ الْجَنَّةِ بِاَنْ قَالَ لَهُمَا هَلْ اَدُلُّكُمَا عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَقَاسَمَهُمَا بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَهُمَا لَمِنَ النّٰصِحِينَ فَاَكَلَا مِنْهَا **فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ** مِنَ النَّعِيمِ **وَقُلْنَا اهْبِطُوْا** اِلَى الْاَرْضِ اَيْ اَنْتُمَا بِمَا اشْتَمَلْتُمَا عَلَيْهِ مِنْ ذُرِّيَّتِكُمَا **بَعْضُكُمْ** بَعْضُ الذُّرِّيَّةِ **لِبَعْضٍ عَدُوٌّ** مِنْ ظُلْمِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا **وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ** مَوْضِعُ قَرَارٍ **وَّمَتَاعٌ** مَا تَتَمَتَّعُونَ بِهِ مِنْ نَبَاتِهَا **اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾** وَقْتَ اِنْقِضَاءِ اٰجَالِكُمْ **فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ** اَلْهَمَهُ اِيَّاهَا وَفِي قِرَاءَةٍ بِنَصْبِ اٰدَمَ وَرَفْعِ كَلِمَاتٍ اَيْ جَاءَتْهُ وَهِيَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الْاٰيَةَ فَدَعَا بِهَا **فَتَابَ عَلَيْهِ** قَبِلَ تَوْبَتَهُ **اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ** عَلٰى عِبَادِهِ **الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾** بِهِمْ **قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا** مِنَ الْجَنَّةِ **جَمِيْعًا** كَرَّرَهُ لِيُعْطَفَ عَلَيْهِ **فَاِمَّا** فِيهِ اِدْغَامُ نُونِ اِنِ

الشَّرطِیَۃ فِی ماالمَزِیدۃ **یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی** کِتَابٌ وَّرَسُوْلٌ **فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ** فَـاٰمَنَ بِیْ وَعَمِلَ بِطَاعَتِیْ **فَـلَاخَـوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ﴿۳۸﴾** فِی الْاٰخِرَۃِ بِاَنْ یَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ **وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ** کُتُبِنَا **اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ﴿۳۹﴾** مَاکِثُوْنَ اَبَدًا لَایَفْنُوْنَ وَلَایَخْرُجُوْنَ

ترجمہ:.........اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم رہا کرو تم (ضمیر بارز انـــــت ضمیر مستتر کی تاکید کے لئے ہے تاکہ اس پر عطف درست ہوسکے) اور تمہاری بیوی (حضرت حوا مراد ہیں جس کا تلفظ بالمد ہے حق تعالیٰ نے ان کو حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا تھا) اور تم دونوں اس میں سے بافراغت (بلا کسی روک ٹوک کے) جس جگہ سے چاہو کھاؤ پیو لیکن نزدیک نہ جانا اس درخت کے (کھانے کی نیت سے مراد اس درخت سے گیہوں، انگور وغیرہ کا پودا ہوگا) ورنہ تم بھی (ہو جاؤ گے) نقصان اٹھانے والوں (نافرمانوں) میں سے۔ پس شیطان (یعنی ابلیس نے) ان کو پھسلا دیا (یعنی شیطان نے ان دونوں آدمؑ و حواؑ کو جنت سے نکال کر چھوڑا۔ اور ایک قرأت میں ازالھما ہے یعنی ان دونوں کو جنت سے دور کر دیا) جنت سے (ان دونوں سے کہنے لگا ھل ادلکما علی شجرۃ الخلد اور وقاسمھما انی لکما لمن الناصحین۔ چنانچہ دونوں نے درخت سے کچھ کھالیا) سو برطرف کر کے رہا ان کو اس عیش سے جس میں وہ دونوں تھے (یعنی نعمتوں سے) اور ہم نے حکم دیا کہ نیچے اترو (زمین کی طرف یعنی تم اور تمہاری آئندہ کی ذریت جو تمہارے ساتھ ہے) تم میں سے بعض (ذریت) بعض کی دشمن ہوگی (یعنی بعض بعض پر ظلم کرے گا) اور تمہارے لئے زمین پر چندے ٹھہرنے کی جگہ ہے اور سامان ہے (یعنی اس کی گھانس پھونس جس سے نفع حاصل کرتا ہے) ایک مقررہ وقت تک (یعنی تمہاری مدت موت تک) بعد ازاں حاصل کر لئے آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے چند کلمات (توبہ، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کلمات کا ان کو الہام فرمایا تھا اور ایک قرأت میں آدمؑ کے نصب کے ساتھ اور کلمات کے رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی وہ کلمات آدمؑ کو حاصل ہوئے یعنی ربنا ظلمنا انفسنا الخ ان کے ذریعے آدمؑ نے دعا مانگی) تو اللہ نے رحمت کے ساتھ ان پر توجہ فرمائی (یعنی ان کی توبہ قبول کر لی) بیشک وہی ہیں بڑے توبہ قبول کرنے والے، بڑے مہربان (اپنے بندوں پر) ہم نے حکم دیا کہ بہشت سے سب نکلو (اس جملہ کو مکرر لائے تاکہ اگلے جملہ کا اس پر عطف صحیح ہوسکے) پھر اگر (اما اصل میں ان ما تھا تو نون ان شرطیہ کو میم بنایا اور میم کو ما زائدہ کے میم میں ادغام کر دیا اما ہو گیا) تمہارے پاس میری جانب سے پیغام ہدایت آئے (یعنی کتاب اور رسولؐ) سو جو شخص میری ہدایت پیروی کرے گا (یعنی مجھ پر ایمان لائے گا اور میری عملی اطاعت کرے گا تو اس پر نہ کچھ اندیشہ ہونا چاہئے اور نہ ایسے لوگوں کو غمگین ہونا چاہئے (یعنی آخرت میں کیونکہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے) اور جو اشخاص کفر کریں گے اور ہماری آیات (کتابوں) کی تکذیب کریں گے یہ لوگ جہنمی ہیں اور اسمیں ہمیشہ رہیں گے (ہمیشہ اس حال میں رہیں گے نہ کبھی فنا ہوں گے اور نہ کبھی وہاں سے نکلنا نصیب ہوگا)۔

ترکیب وتحقیق:.........قلنا فعل بافاعل یآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ جملہ معطوف علیہ و کلا جملہ معطوف رغدا مصدر محذوف کی صفت ہونے کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ حیث ظرف کلا عامل ہے اور ممکن ہے جنت سے بدل کر مفعول بہ ہو ولا تقربا جملہ ہذہ موصوف الشجرۃ دونوں مل کر مفعول بہ فتکونا جواب نہیں ہے۔ یہ نون جزم کی وجہ سے گر گیا۔ ازل زلت بمعنی لغزش بعض نے زوال سے مانا ہے۔ ھما مفعول بہ۔ الشیطن فاعل۔ عنھا ضمیر شجرۃ کی طرف راجع ہے۔ ای مسبب الشجرۃ اور مفسرؒ جنت کی طرف راجع کر رہے ہیں فاخرجھما جملہ معطوفہ مما بمعنی الذی ای من نعم۔ اھبطو ھبوط بمعنی نزول۔ اگر شیطان کا اخراج ابھی جنت سے نہیں ہوا تھا تو ضمیر جمع سے آدم وحوا و شیطان مراد ہیں، ورنہ آدم وحوا اور ان کی ذریت مراد

ہوگی بعضکم لبعض عدو جملہ موضع حال میں ہے۔ اھبطوا سے ای اھبطوا متعادین یہ جملہ مبتداء خبر بھی ہوسکتا ہے اور عدوا کو مفرد لانا یا لفظ بعض کی وجہ سے ہے اور یا مصادر کے ہم وزن ہونے کی وجہ سے جیسے ''قبول'' اور مصادر تثنیہ یا جمع نہیں آتے۔ مستقر مصدر میمی اور ظرف دونوں طرح ہوسکتا ہے حین بمعنی وقت موت فتلقی فعل آدم فاعل کلمات مفعول موصوف من ربہ صفت ہے لیکن مقدم ہونے کی وجہ سے حال اور منصوب المحل ہے فتاب علیه۔ جملہ انه ھو بین۔ ضمیر فصل تاکید متصل اسم التواب الرحیم موصوف صفت خبر۔ قلنا کا مقولہ اھبطوا ہے۔ کررہ سے جلال محققؒ اس جملہ کی تکرار کی وجہ۔ فاما یاتینکم۔ جملہ کا عطف صحیح ہونا بتلا رہے ہیں۔ نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلا حکم تھا اور اس پر عملدرآمد نفاذ کرایا جارہا ہے کیونکہ کریم آقا جب کسی کے اخراج کا حکم دیتے ہیں تو فوراً ہی بوریا بستر باہر نہیں پھنکوا دیا کرتے یا صرف تاکید حکم کے لئے مکرر لائے یا ہبوط اول سے مراد جنت سے آسمان دنیا پر اور ثانی ہبوط سے مراد آسمان سے زمین پر آنا ہے فاما یاتینکم ان شرط کی تاکید کیلئے ما آیا ہے اس میں ادغام ہوگیا۔ فعل ومفعول ومتعلق جملہ شرطیہ فمن تبع مبتدا متضمن شرط وجزاء فلا خوف علیهم اسکا جواب یہ مل کر جواب ہوا ما کا۔ والذین جملہ فمن تبع پر عطف ہے۔

ربط وتشریح:...... جنت کے شاہی محلات:............ اس اکرام و انعام کے ساتھ آدم علیہ السلام کو مزید اعزاز یہ دیا گیا کہ شاہی محلات (جنت) میں قیام کا حکم دیا گیا اور ان کی دلجمعی کی خاطر ان کی بائیں پسلی سے کچھ مادہ لے کر حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے حواء کی شکل وصورت میں ان کو تحفہ پیش کیا اور جنت کی ساری نعمتیں بے دریغ حاصل کرنے کی اجازت دیدی باستثناء ایک درخت کے کہ کسی مصلحت سے حق تعالیٰ نے اس کے استعمال کی بلکہ اس کے نزدیک جانے کی بھی ممانعت فرمادی اور مالک کو پورا حق اور اختیار ہے کہ وہ غلام کو اپنے گھر کی جس چیز کی چاہے اجازت دیدے اور جس چیز کی چاہے ممانعت کردے۔

شیطان کا تانا بانا:............ لیکن شیطان جو انکار سجدہ کے جرم میں مردود وملعون ہو چکا تھا اور یہ سب کچھ آدم علیہ السلام ہی کی وجہ سے ہوا تھا اس لئے ان دونوں کی طرف سے خار کھائے ہوئے تھا اور دونوں کے نکلوانے کی فکر میں۔ آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اگرچہ اس کی دشمنی سے پہلے ہی آگاہ فرما دیا تھا لیکن کچھ تو اس نے اپنی ہمدردی کا یقین دلایا اور کچھ درخت کی خاصیت بیان کرنے میں تلبیس سے کام لیا کہ اس کے کھانے سے حیات ابدی حاصل ہوجاتی ہے، اور چونکہ ممانعت کے وقت جو علتِ ممانعت تھی وہ اب تم میں نہیں پائی جاتی اب ماشاء اللہ تمہاری استعداد حدِ کمال کو پہنچ گئی ہے اس لئے ممانعت بھی اب نہیں ہے بلا تکلف اب تم کھاؤ پیو پھر اس پر قسمیں بھی کھا بیٹھا اور وہ بھی خدا کا نام لے کر جس پر اہل محبت تو کھل ہی جاتے ہیں۔

حضرت آدمؑ وحواءؑ کی سادہ لوحی:............ اور مزید ستم ظریفی یہ کہ اول بیگم صاحبہ کو بھی کسی طرح اپنے فیور میں لے لیا انہوں نے بھی اپنی سادہ لوحی سے اس کی ہاں میں ہاں ملادی ہوگی اور شریف سادہ دلوں پر یہ جادو چل جاتا ہے۔ غرضیکہ اس دشمن لعین نے چاروں طرف سے یہ میگزین ایسا تیار کیا کہ آدم علیہ السلام کو یہ خدشہ بھی نہ ہوا کہ یہ وسوسہ کسی بدخواہ دشمن کی طرف سے چلایا ہوا ہے۔ یا انظر الی ماقال ولا تنظر الی من قال پر عمل پیرا ہوگئے ہوں اور نمکین تاویل سے متاثر ہوگئے ہوں کچھ بھی ہو اس درخت کو حد ممانعت سے خارج سمجھ کر کھا گئے۔ درخت کا کھانا تھا اور سب عیش وآرام کا رخصت ہوجانا۔ اسی کو قرآن کریم نے کہیں لغزش اور خطائے اجتہادی سے تعبیر کیا ہے جیسے فازلهما الشیطن اور کہیں نسیان اور سہو سے تعبیر کیا ہے۔ فنسی ادم ولم نجد له عزما۔ اس لئے خفیف سی یہ غلطی جو اپنے نتائج وثمرات کے لحاظ سے اگرچہ دور رس ہوگئی مگر اپنی حقیقت کے اعتبار سے بہت معمولی تھی۔ اس سے حضرت آدم علیہ السلام

کی جلیل القدر پیشانی پر یا مسئلہ عصمت انبیاء پر ہلکی سی شکن بھی نہیں پڑتی۔ البتہ قرآن کریم نے کہیں کہیں اس بارے میں ہولناک لب و لہجہ بھی اختیار کیا ہے وعصی ادم ربه فغوی سو یہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کے مقام عالی اور تعظیم المرتبہ ہونے کی طرف مشیر ہے "یعنی مقربان را بیش بود حیرانی" جس کا حاصل یہ ہے کہ آدمؑ نے کمال فہم اور خصوصیت کے ہوتے ہوئے زیادہ غور سے کیوں کام نہیں لیا یہ بات ان کی شایانِ شان نہیں تھی۔

شیطانی تأثرات:......... رہی یہ بات کی شیطان جب خارج الجنۃ اور مردود ہو چکا تھا تو اس سے ملاقات کیسے اور کہاں ہوئی کہ اس کو جال پھیلانے کی نوبت آئی تو یا لباس وشکل تبدیل کر کے آگیا ہوگا جس سے شناخت نہیں ہو سکی یا باب جنت پر ملاقات ہوئی کہ یہ دونوں اندر رہے اور وہ باہر اور یا مسمر یزم کی طرح باہر رہتے ہوئے بھی وسوسہ انداز اور اثر رساں ہو سکا حدیث ان الشیطن یجری بمجری الدم اس کی مؤید ہے بہر حال اس غلطی پر ایک سزا تو ظاہری یہ ملی کہ جنت کی عیش وعشرت سے نکال کر دنیا کے غمکدہ میں ڈال دیئے گئے، دوسری باطنی سزا یہ ہوئی کہ اولاد کی باہمی عداوت، نا اتفاقی چپقلش کی اطلاع دی گئی جس سے لطفِ زندگی بہت کچھ کم ہو جاتا ہے اور اولاد کی نا اتفاقی سے والدین کو صدمہ ہوتا ہی ہے۔

اور پھر یہ کہنا کہ دنیا میں جا کر بھی دوام نہ ملے گا بلکہ بعد چندے وہ گھر بھی چھوڑنا پڑے گا۔ آدم علیہ السلام نے یہ خطاب وعتاب کہاں سنے تھے، نہ ایسے سنگدل تھے کہ سہار کر جاتے۔ سن کر بے چین ہی تو ہو گئے اور لگے گڑگڑانے اور بلبلانے حق تعالیٰ نے جوش کرم میں خود ہی ان کو کلمات توبہ تلقین فرمائے اور پھر معاف کر دیا۔ دیکھئے یہ ایک طرف تو ابلیس کا باغیانہ جرم تھا کہ ابدی طوقِ لعنت گلے میں پڑا اور ایک طرف آدمؑ ہیں کہ خطاء پر نادم ہیں اس لئے خلعتِ معافی سے سرفراز ہو رہے ہیں مگر چونکہ دنیا میں بھیجے جانے کی اور بھی ہزاروں مصالح اور حکمتیں علم خداوندی میں تھیں اس لئے وہ حکم ہوٹی تو منسوخ نہیں فرمایا۔ البتہ اس کا طرز کچھ بدل دیا یعنی پہلا حکم حاکمانہ طرز پر تھا اور اب دوسرا حکم حکیمانہ طرز پر دیا جا رہا ہے۔ خوف اور حزن کی نفی سے مراد دنیا کے خوف وحزن نہیں ہیں کہ یہ اشکال کیا جائے کہ ایسے لوگوں کو دنیا میں پریشان، خائف وغمگین دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح آخرت میں بھی طبعی خوف وحزن کی نفی مقصود نہیں بلکہ قانوناً ان کو پیغام امن وامان دیا جا رہا ہے اس لئے عقلی طور پر ان کو خوف وحزن نہیں ہونا چاہئے۔ یہ تو لائق اولاد کا ذکر تھا۔ دوسری آیت میں نالائق اولاد کا حال بیان کیا گیا ہے۔

بیوقوفوں کی جنت:......... معتزلہ اور نیچری جنت کا انکار کرتے ہیں ان کے خیال میں تو عدن یا شام ومصر کا کوئی باغ مراد ہے۔ جہاں کی بہار سے ان دونوں کو باہر کیا گیا ہے اسی طرح جو حضرات جنت سے انکا ہبوط مانتے ہیں اس بارے میں پھر وہ مختلف ہیں کہ اول کہاں نزول ہوا۔ بعض ایران کہتے ہیں اور بعض مصر اور اکثر مؤرخین سرزمین ہند میں مقام سرندیپ کو کہتے ہیں تاہم عرفات میں آدمؑ وحواء کی ملاقات ہوئی اسی لئے اس کو عرفات کہتے ہیں اور وہیں کہیں حضرت حواء کی وفات ہوئی جدہ میں ان کی قبر کا نشان بتلایا جاتا ہے اس شہر کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے۔ یہ قرینہ ہے اس بات کا حضرت آدمؑ بھی حجاز ہی میں کہیں مقیم ہوئے ہوں گے اور وفات پائی ہوگی۔

حفاظتِ حدود:......... آیت ولا تقربا الخ سے مشائخ ومحققین کی اس عادت کی اصل نکلتی ہے کہ بعض دفعہ وہ مباحات سے بھی روک دیتے ہیں تا کہ غیر مباح کی طرف منجر نہ ہو جائے چنانچہ درخت مذکور کے قریب جانا فی نفسہ برا نہیں تھا بلکہ مباح تھا لیکن کھانے سے بچانے کے لئے اس کو بھی منع کر دیا آیت فازلهما الشیطن الخ میں دلیل ہے اس بات کی کہ منتہی کو بھی شیطانی مکر سے خود کو مامون نہیں سمجھنا چاہئے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَوْلَادَ يَعْقُوْبَ **اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ** اَيْ عَلٰى اٰبَائِكُمْ مِّنَ الْاِنْجَاءِ مِنْ فِرْعَوْنَ وَفَلْقِ الْبَحْرِ وَتَظْلِيْلِ الْغَمَامِ وَغَيْرَ ذٰلِكَ بِاَنْ تَشْكُرُوْهَا بِطَاعَتِيْ **وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ** الَّذِيْ عَهِدْتُّهٗ اِلَيْكُمْ مِنَ الْاِيْمَانِ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ** ج الَّذِيْ عَهِدْتُّهٗ اِلَيْكُمْ مِّنَ الثَّوَابِ عَلَيْهِ بِدُخُوْلِ الْجَنَّةِ **وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ** ﴿۴۰﴾ خَافُوْنِ فِيْ تَرْكِ الْوَفَاءِ بِهٖ دُوْنَ غَيْرِيْ **وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ** مِنَ الْقُرْاٰنِ **مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ** مِنَ التَّوْرٰةِ بِمُوَافَقَتِهٖ لَهٗ فِي التَّوْحِيْدِ وَالنُّبُوَّةِ **وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ** م **بِهٖ** مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لِاَنَّ خَلْفَكُمْ تَبَعٌ لَّكُمْ فَاِثْمُهُمْ عَلَيْكُمْ **وَلَا تَشْتَرُوْا** تَسْتَبْدِلُوْا **بِاٰيٰتِيْ** الَّتِيْ فِيْ كِتَابِكُمْ مِنْ نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **ثَمَنًا قَلِيْلًا** عِوَضًا يَسِيْرًا مِنَ الدُّنْيَا اَيْ لَا تَكْتُمُوْهَا خَوْفَ فَوَاتِ مَا تَاْخُذُوْنَهٗ مِنْ سَفَلَتِكُمْ **وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ** ﴿۴۱﴾ خَافُوْنِ فِيْ ذٰلِكَ دُوْنَ غَيْرِيْ **وَلَا تَلْبِسُوا** تَخْلِطُوا **الْحَقَّ** الَّذِيْ اَنْزَلْتُ عَلَيْكُمْ **بِالْبَاطِلِ** الَّذِيْ تَفْتَرُوْنَهٗ **وَلَا تَكْتُمُوا الْحَقَّ** نَعْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم **وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ﴿۴۲﴾ اَنَّهٗ حَقٌّ

ترجمہ:............ اے بنی اسرائیل (اولاد یعقوب) یاد کرو میری ان نعمتوں کو جو میں نے تم پر کیں (یعنی تمہارے آباؤ اجداد پر مثلاً فرعون سے نجات، سمندر کا پھٹنا، بالوں کا سایہ فگن ہونا وغیرہ۔ ان احسانات کا شکریہ میری اطاعت کر کے کرو) اور میرے عہد کو پورا کرو (جو میں نے تم سے آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کا کیا تھا) میں تمہارا عہد پورا کروں گا (جو میں نے تم سے ثواب اور دخولِ جنت کا کیا ہے) اور صرف مجھ سے ڈرو (بدعہدی میں مجھ سے ڈرو میرے علاوہ کسی اور سے نہ ڈرو) اور ایمان لاؤ جو (قرآن) میں نے نازل کیا ہے اس پر درآنحالیکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے (یعنی توراۃ کی اصل توحید ورسالت کی تصدیق میں) اور تم سب سے اول اس کے انکار کرنے والے نہ بنو (بہ نسبت اور اہل کتاب کے کیونکہ تمہارے بعد آنے والے تمہارے تابع ہوں گے اور ان کا گناہ بھی تم پر ہوگا) اور نہ خریدو (تبدیل نہ کرو) میری ان آیات کو (جو تمہاری کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے حلیہ مبارک کے سلسلہ کی ہیں) حقیر معاوضہ کے بدلہ (دنیا کی حقیر پونجی یعنی ان آیات کو ان منافع کے فوت ہونے کے اندیشہ سے مت چھپاؤ جو تم اپنے عوام سے حاصل کرتے ہو) اور خاص مجھ سے پورے طور پر ڈرتے رہو (تمہارا ڈرنا میرے علاوہ کسی سے نہیں ہونا چاہئے) اور مت ملاؤ اس حق کو (جو میں نے تم پر نازل کیا ہے) اس ناحق کے ساتھ (جو تمہارا من گھڑت ہے) اور اس حق کو بھی (نہ چھپاؤ) جو آنحضرت ﷺ کی توصیف کے سلسلہ میں ہے) درآنحالیکہ تم (اس حق کو) جانتے بھی ہو۔

ترکیب وتحقیق:............ اسرائیل جیسا کہ مفسرؒ نے اشارہ کیا یہ لقب ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کا۔ اسراء کے معنی عبد اور بندے کے ہیں اور ایل بمعنی اللہ یعنی عبداللہ عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے ان کے بارہ میں صاحبزادے ہوئے جن سے نسل چلی اور بڑھی جو بنی اسرائیل کہلائے۔ بان تشکروھا سے مفسرؒ علام یہ کہنا چاہتے ہیں یہ نعمتیں یاد تو ان کو بھی تھیں مگر زبانی جمع خرچ سے کیا ہوتا ہے عملی شکریہ یعنی اطاعت مطلوب ہے۔ جوذکر حقیقی ہے۔ بنی اسرائیل ترکیب اضافی منادی **اذکروا نعمتی التی** جملہ معطوف علیہ **اوفوا بعھدی اوف بعھدکم** جملہ شرطیہ معطوف۔ **اوف** میں مجزوم ہونے کی وجہ سے یا گرگئی۔ **ایای** منصوب ہے **فارھبونی** محذوف سے **ارھبوا** ۔ امر جمع حاضر کا صیغہ ہے۔ ن وقایہ یائے متکلم مفعول تھی۔ وقف کی وجہ سے یا گرگئی۔ نون پر کسرہ بطور علامت

یا باقی رہا ہیں تعلیل شاتقون میں ہوگی اوردونوں جگہ تقدیم ماحقه التاخیر یفید التخصیص کے قاعدہ سے حصر ہوگا۔ امنوا معطوف ہے ارفوا پر ماانزلت ای ماانزلته موصول صلہ مل کر مقول۔ مصدقا حال موکدمعکم منصوب علی الظرف۔ اس میں فاعل استقرار ہے۔ لا تکونوا بھی امنوا پر معطوف ہے اول سیبویہ کے نزدیک عین کلمہ میں واؤ ہے اس سے کوئی فعل نہیں بنا اس کا مؤنث اولی ہے کافر لفظاً مفرد اور معناً جمع ہے۔ لاتلبسوا فعل بافاعل۔ الحق مفعول جملہ ماقبل پر عطف ہے۔ تکتموا یہ مجزوم اور معطوف ہے تلبسوا پر اسی لئے جلال محقق نے لا نہی پہلے مقدر لیا ہے حق کہتے ہیں واقعہ اور محکی عنہ کا حکایت کے موافق ہونا، باطل اس کی ضد ہے اور صدق کہتے ہیں حکایت کا محکی عنہ کے مطابق ہونا، کذب اس کی ضد ہے غرضیکہ حق وصدق، باطل وکذب میں اعتباری فرق ہے۔ وانتم تعلمون جملہ حال ہے۔

ربط:............ اس سے پہلی آیت میں عمومی اور معنوی نعمت کا بیان تھا۔ یہاں سے خصوصی معنوی نعمتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اہل مدینہ میں بیشتر آبادی چونکہ اہل کتاب کی تھی جن پر پشت ہا پشت سے احسانات اور انعامات کا سلسلہ جاری تھا اور حسب ونسب ریاست وپیرزادگی وصاحبزادگی سے ان کا دماغی توازن حد اعتدال سے باہر ہوگیا تھا اور ان میں طرح طرح کی قابل نفرت برائیاں پیدا ہوگئیں تھیں اسی لئے تفصیلاً اور مکرر سہ کرر اس پر گفتگو مناسب سمجھی گئی۔

﴿تشریح﴾:...... بنی اسرائیل پر انعامات کی بارش:........... چنانچہ اس سورۃ میں دس احسانات اور دس قبائح اور دس انتقامات کی فہرست پیش کی گئی ہے اور اس طرح کہ اول اجمالاً ان نعمتوں کو یاد دلایا گیا ہے پھر دوسرے رکوع سے آخر پارہ کے قریب تک ان کی تفصیلات آئیں گی اس کے بعد ختم پر پھر بالا جمال ان کو دوہرایا جائے گا تا کہ پورے طور پر اس کا اہتمام اور عظیم الشان ہونا واضح ہوجائے۔ قرآن کو مصدق توراۃ وانجیل کہنا اس وجہ سے ہے کہ جگہ جگہ ان کتابوں کی بشرطیکہ محرف نہ ہوں تصدیق کی گئی ہے اور جو حصہ تحریف کا ہے وہ توراۃ وانجیل ہونے ہی سے خارج ہے۔

اول کافر نہ بنو:............ اول کافر ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ قید احترازی ہے یعنی کافر ہونا جائز ہے بلکہ وہی مقصد ہے جس کی طرف مفسر علامؒ اشارہ کررہے ہیں یعنی یہ قید واقعی ہے کہ چونکہ تم لوگ اپنی قوم میں پیشوایانہ حیثیت رکھتے ہو اور بعد میں آنے والوں کے لئے تو یقیناً پیشوا ہو اس لئے من سن سنة سیئة فعلیه وزرها ووزر من عمل علیها کے قاعدہ سے تم اول کافر کہلاؤ گے تمہاری دیکھا دیکھی جتنے لوگ انکار کریں گے قیامت تک ان کے انکار کا وبال بھی تمہارے سر رہے گا اور یہ کہا جائے گا کہ مقصود بالنفی قید اولیت نہیں ہے بلکہ اور زیادہ برائی بڑھانے کے لئے یہ قید لگادی ہے یعنی ایک تو کفر برا دوسرا اس میں بھی اولیت یہ تو برائی در برائی ہوگی باقی اولیت حقیقۃً تو ان یہود کو پھر بھی حاصل نہیں ہے کیونکہ ان سے پہلے مشرکین عرب کفر میں مقدم ہوچکے ہیں۔ علیٰ ہذا۔

قرآن فروشی:............ لاتشتروا بایاتی ثمناً قلیلا کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ ثمن کثیر کے بدلہ میں اشتراء آیات اللہ جائز ہے جب کہ پوری دنیا کو بھی متاع الدنیا قلیل کہہ دیا گیا ہے بلکہ منشاء یہ ہے کہ ایک تو مذہب کی یہ تجارت نہایت ذلیل حرکت ہے اور پھر وہ چند ٹھیکروں کے پیچھے یعنی برائی در برائی، کریلا اور پھر نیم چڑھا۔

تعلیم اور اذان وامامت پر اُجرت:............ قرآن یا قرآنی علوم کی تعلیم یا اذان وامامت پر اجرت لینے کی ممانعت اس آیت سے سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ علمائے متاخرین نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اس طرح کہیں باب تعلیم ہی بند نہ ہوجائے جس سے دین ہی محفوظ

نہ سکے تعلیم پر اجرت لینے کی اجازت دیدی ہے اسی طرح قرآن کے نسخوں کی تجارت بھی ممنوع نہیں ہے کیونکہ وہ اجرت کاغذ، کتابت، طباعت کے مقابلہ میں ہوتی ہے نہ آیاتِ الٰہی کے مقابلہ میں۔

دین فروشی اور فتویٰ نویسی:............ بلکہ اس سے مراد رشوت لیکر غلط فتاویٰ دینا اور مسائل غلط بتلانا ہے۔ احکام شرعیہ کی تبدیلی دو (۲) طرح کی ہوتی ہے اگر بس چل گیا تو ظاہر ہی نہ ہونے دیا جس کو کتمان کہا گیا ہے اور اگر بن نہ پڑا اور کچھ ظاہر ہی ہو گیا تو پھر خلط ملط کرنے کی کوشش کی کبھی سہو کاتب کا بہانہ لے دیا۔ کبھی حقیقت ومجاز محذوف ومقدر ہونے کا افسانہ گھڑ دیا جس کو تلبیس کہا گیا ہے یہ سب باتیں جو علماء یہود کی برائیاں تھیں اگر ہمارے علماء سوء میں بھی پائی جائیں گی تو وہ بھی اسی طرح مستحق شکایت وعتاب ہوں گے۔

ایفاء عہد:............ ایفاء عہد کے مختلف مراتب میں بندوں کی طرف سے ادنیٰ درجہ کلمۂ شہادت کا اقرار اور خدا کی طرف سے جان مال کی حفاظت ہے۔ آخری درجہ بندوں کی جانب سے فناء الفناء ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے صفات واسماء کے انوار سے آراستہ کردینا ہے۔ اور باقی درجات درمیانی ہیں یا یوں کہا جائے کہ بندوں کی طرف سے اول مرتبہ توحید افعال اور اوسط درجہ توحید صفات اور آخری درجہ توحید ذات ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے وہ معارف واخلاق ہیں جو ہر مرتبہ کے مناسب اس مرتبہ کے سالک پر فائض کئے جاتے ہیں۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ﴿۴۳﴾ صَلُّوْا مَعَ الْمُصَلِّیْنَ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَزَلَ فِیْ عُلَمَائِھِمْ وَقَدْ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاَقْرِبَائِھِمُ الْمُسْلِمِیْنَ اُثْبُتُوْا عَلٰی دِیْنِ مُحَمَّدٍ فَاِنَّہٗ حَقٌّ **اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ** بِالْاِیْمَانِ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ **وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ** تَتْرُکُوْنَھَا فَلَاتَاْمُرُوْنَھَا بِہٖ **وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ** ط التَّوْرٰۃَ وَفِیْھَا الْوَعِیْدُ عَلٰی مُخَالَفَۃِ الْقَوْلِ الْعَمَلَ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾** سُوْءَ فِعْلِکُمْ فَتَرْجِعُوْنَ فَجُمْلَۃُ النِّسْیَانِ مَحَلُّ الْاِسْتِفْھَامِ الْاِنْکَارِیْ **وَاسْتَعِیْنُوْا** اُطْلُبُوا الْمَعُوْنَۃَ عَلٰی اُمُوْرِکُمْ **بِالصَّبْرِ** اَلْحَبْسِ لِلنَّفْسِ عَلٰی مَاتَکْرَہُ **وَالصَّلٰوۃِ** ط اَفْرَدَھَا بِالذِّکْرِ تَعْظِیْمًا لِشَانِھَا وَفِی الْحَدِیْثِ کَانَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا حَزَنَہٗ اَمْرٌ بَادَرَ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَقِیْلَ الْخِطَابُ لِلْیَھُوْدِ لَمَّا عَاقَھُمْ عَنِ الْاِیْمَانِ الشَّرَہُ وَحُبُّ الرِّیَاسَۃِ فَاُمِرُوْا بِالصَّبْرِ وَھُوَ الصَّوْمُ لِاَنَّہٗ یَکْسِرُ الشَّھْوَۃَ وَالصَّلٰوۃِ لِاَنَّھَا تُوْرِثُ الْخُشُوْعَ وَتُنْفِی الْکِبْرَ **وَاِنَّھَا** اَیِ الصَّلٰوۃُ **لَکَبِیْرَۃٌ** ثَقِیْلَۃٌ **اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ ﴿۴۵﴾** السَّاکِنِیْنَ اِلَی الطَّاعَۃِ **الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ** یُوْقِنُوْنَ **اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ** بِالْبَعْثِ **وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾** فِی الْاٰخِرَۃِ فَیُجَازِیْھِمْ

ترجمہ:............ اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور عاجزی کرنے والوں کے ساتھ (یعنی نماز پڑھو آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے ساتھ آئندہ آیت ان علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنے مسلمان قرابت داروں سے کہا کرتے کہ تم محمدؐ کے دین پر قائم رہو کیونکہ وہ دین حق ہے) کیا غفلت ہے کہ اور لوگوں کو نیک کام کا مشورہ دیتے ہیں (یعنی آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کا) اور خود اپنی خبر نہیں لیتے ہو (اپنے نفس کو بھلا رکھا ہے کہ اس کو اس نیک کام کا حکم نہیں دیتے) حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے رہتے ہو (یعنی

توارات کی جس میں قول بلا عمل پر وعید موجود ہے) کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے (یعنی اپنی بدعملی کو نہیں سمجھتے کہ اس سے باز آجاؤ۔ استفہام انکاری کا دراصل محل جملہ "تنسون" ہے)اور مدد لو (یعنی اپنے کاموں میں مدد حاصل کرو) صبر (نفس کو خلاف خواہش پر مجبور کرنا) اور نماز سے (خاص طور پر نماز کا ذکر تعظیم شان کے لئے ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو نماز کی طرف سبقت فرماتے اور بعض کے نزدیک اس میں یہود کو خطاب ہے جن کو حرص اور ریاست کی محبت نے ایمان سے روکے رکھا ان کو صبر یعنی روزہ کی تلقین کی گئی ہے کیونکہ روزہ شہوت کو توڑتا ہے اور نماز کا حکم دیا گیا کیونکہ اس سے تواضع پیدا ہوتی ہے اور کبر دور ہوتا ہے)اور یہ نماز بلاشبہ دشوار ضرور ہے لیکن جن کے دلوں میں خشوع ہو (یعنی اطاعت سے جن کو سکون ملتا ہے)اور جو خیال رکھتے ہوں اس بات کا کہ وہ اپنے پروردگار سے (قیامت میں) ملاقات کرنے والے ہیں اور وہ اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں (آخرت میں کہ وہ ان کو بدلہ دے)۔

ترکیب و تحقیق: ....اقیموا الصلوٰۃ جملہ انشائیہ معطوف علیہ۔ اقامۃ لفظ مکمل درستگی کے لئے بولا گیا ہے کہ ظاہر و باطن آداب وشرائط سنن وواجبات، فرائض سب کی رعایت اور وقت کی پابندی اور مواظبت کے ساتھ نماز کی ادائیگی مطلوب ہے اتوا الزکوٰۃ جملہ انشائیہ معطوف علیہ......ارکعوا مع الراکعین جملہ انشائیہ ہے رکوع کے معنی جھکنے کے ہیں مفسر علام نے صلوا کے ساتھ ترجمہ کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ تسمیۃ الکل باسم الجزء ہے اور چونکہ یہود کی نماز بلا رکوع وسجود کی تھی) اس لئے کہا کہ مسلمانوں جیسی نماز پڑھو نیز صلوٰۃ الجنازہ میں رکوع وسجود نہیں ہوتا وہ فرض علی الکفایہ ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کے معنی زیادہ ہونے اور بڑھنے کے ہیں جیسے بولتے ہیں زکونۃ الزرع کھیتی بڑھ گئی اور بعض کے نزدیک زکاء بمعنی طہارت سے مشتق ہے۔ زکوٰۃ میں برکت اور تطہیر دونوں وصف پائے جاتے ہیں تامرون الناس بالبر جملہ معطوف علیہ وتنسون میں جو ہمزہ کا مدخول ہے معطوف ہے انتم تتلون الکتب جملہ حال ہے فلا تعقلون جملہ معترضہ استعینوا معطوف علیہ اذکروا پر وانھا لکبیرۃ جملہ مستثنیٰ منہ الاحرف استثناء علی الخاشعین موصوف للذین موصول صلہ ملکر اس کی صفت یہ سب ملکر مستثنیٰ تنسون کا ترجمہ مفسر تترکو نھا سے کررہے ہیں ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرتے ہوئے خاشعین کے معنی ساکنین کے ہیں اصل الخشوع السکون. وخشعت الاصوات ای سکتت اسی لئے خشوع جوارح کی صفت لائی جاتی ہے اور خضوع قلب کی یوقنون کے ساتھ یظنون کی تفسیر کر کے اشارہ کرتا ہے کہ ظن یہاں بمعنی یقین ہے اور یہ اس معنی میں کثیر الاستعمال ہے دوسری قرأت جو لا یعلمون ہے یہ معنی اس کے بھی موافق ہیں۔ اس لفظ سے تعبیر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ آخرت کا ظنی علم بھی جب ان میں خشوع پیدا کر سکتا ہے تو علم الیقین اور جزم تو بدرجہ اولیٰ خفت صلوٰۃ کا باعث ہوگا۔

ربط: ....یہاں تک اصول ایمان کی دعوت اور کفر سے پرہیز کی تلقین تھی جو ایک درجہ میں اصول ہی ہے اب بعض مہتم بالشان فروعات کا حکم دیا جاتا ہے تاکہ مجموعہ کا مکمل ایمان ہونا معلوم ہو جائے۔

﴿تشریح﴾: ......**عبادات اور محبت صالحین کی اہمیت:** ....احکام فرعیہ دو طرح کے ہوتے ہیں بعض اعمال ظاہری اور بعض باطنی پھر اعمال ظاہری بھی دو طرح کے ہیں بدنی عبادت یا مالی عبادت ان تینوں کلیوں کی ایک ایک جزئی یہاں ذکر فرمادی۔ نماز بدنی عبادت زکوٰۃ مالی عبادت، خشوع وخضوع باطنی اور قلبی چونکہ اہل باطن ہی کی معیت اس میں مؤثر اور کبریت احمر کا درجہ رکھتی ہے اس لئے اس کو بھی حکم میں شامل کر لیا۔

حب جاہ اور حب مال کا بے نظیر علاج:.......... نماز سے حب جاہ اور زکوٰۃ سے حب مال، تواضع سے کبر وحسد جوام الخبائث ہیں کم ہوں گے اس لئے یہ احکام بہت ہی مناسب اور موزوں ہوئے کیونکہ حاصل ان کی بیماریوں کا یہی دو مرض اصل تھے یعنی حب جاہ اور حب مال۔ ان ہی سے حسد و کبر پیدا ہوگیا کہ جب ہم آپ کی اتباع اور غلامی کریں گے تو یہ سب نذرانے شکرانے بند ہوجائیں گے اس لئے صبر و نماز سے ان دونوں کا علاج فرمایا گیا صبر سے مال کی اور نماز سے جاہ کی محبت کم ہوگی۔ اور جب اس کی عادت ہوجائے گی تو حب جاہ جو تمام فتنہ فساد کی جڑ ہے کٹ جائے گی صبر میں چونکہ خواہشات کا ترک ہوتا ہے اور نماز میں اس ترک کے ساتھ بہت سے کاموں کا کرنا بھی ہوتا ہے اور قاعدہ عقلی ہے کہ فعل کی نسبت ترک فعل آسان ہوتا ہے اس لئے نماز کو دشوار تر سمجھا گیا اور اس کی دشواری کو ہلکا کرنے کی تدبیر کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔

نماز دشوار کیوں ہے؟:.......... چونکہ نماز کی دشواری محض اس لئے ہے کہ انسان کا دل آزادی پسند ہے اور نماز میں ہوتی ہے ہر قسم کی پابندی۔ نہ ہنسو، نہ بولو، نہ کھاؤ، نہ پیو، نہ چلو، نہ پھرو سب آزادی سلب، ہاتھ پیر سب مقید اور اس قید کا اثر قلب پر یہ ہوا کہ وہ تنگ ہوتا ہے اور سبب تنگی قلب کا اس کی حرکتِ فکریہ ہے اس لئے اس کا علاج بالضد سکون سے ہونا چاہئے چنانچہ خشوع وخضوع جس کی حقیقت سکونِ قلب ہے۔ علاج میں مفید اور کارگر ہوسکتا ہے جس کی آسان اور مجرب تدبیر یہ ہے کہ قلب کو کسی مشغلہ میں منہمک کر کے افکار اور خیالات کی ادھیڑ بن سے فارغ کردیا جائے اور وہ مشغلہ نماز ہے تو حاصل یہ ہے کہ اللہ کی ملاقات اور اس کی بارگاہ کی حاضری کا تخیل مثمرِ خشوع ہے اور خشوع مسہل نماز اور نماز مزیل حب جاہ۔ اور زوال حب جاہ سے سارے امراض کی جڑ ہی قطع ہوجائے گی کیا ہی مرتب اور باقاعدہ علاج تجویز فرمایا گیا ہے۔ (ملخصاً من البیان)

لطائف آیات:.......... نماز وزکوٰۃ کی فرضیت اس قسم کی بکثرت آیات سے ثابت ہے۔ اسی طرح پانچ نمازوں اور ان کے اوقات وشرائط، زکوٰۃ کی مقدار وشرائط کا بیان متعدد آیات میں آیا ہے۔ البتہ **ارکعوا مع الراکعین** سے قاضی بیضاویؒ نے جماعت کی فرضیت پر استدلال کیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جماعت سنتِ مؤکدہ ہی ہے اس لئے اشکال ہوگا تو کہا جائے گا کہ سنت مؤکدہ.......... بھی قریب بواجب ہے یا آیت سے تو وجوب ہی مانا جائے لیکن چونکہ اس میں قدرت علی الغیر ماننی پڑتی ہے یعنی جماعت چونکہ امام و مقتدی کی محتاج ہوتی ہے اس لئے ظاہر کتاب کے وجوب کو چھوڑنا پڑے گا۔ نماز جمعہ میں بھی اگرچہ توقف علی الغیر ہوتا ہے لیکن انعقاد جمعہ کی شرائط میں سے جماعت کا پایا جانا ہے اس لئے اس کو فرض وواجب کہا جائے گا۔ علیٰ ہذا قاضی بیضاویؒ نے اپنے مذہب شافعی کے موافق اس آیت سے کفار کے مکلف بالاحکام والفروع ہونے پر استدلال کیا ہے چنانچہ نماز وزکوٰۃ وغیرہ عبادات کا حکم اہل کتاب کو دیا جارہا ہے جو کافر ہیں۔ لیکن حنفیہ کی طرف سے صاحب مدارک نے کہا کہ اس سے پہلی آیت **وامنوا بما انزلت** میں ایمان کی دعوت مذکور ہوچکی ہے اس لئے تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ **اسلموا واعملوا عمل اهل الاسلام** یعنی کفار مواخذہ اخروی کے لحاظ سے تو اصول وفروع دونوں کے مکلف ہیں۔ البتہ دنیا میں صرف معاملات وعقوبات واصول کا ان سے مطالبہ ہے عبادات کے وہ مکلف نہیں تاوقتیکہ وہ ایمان قبول نہ کرلیں۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ بِالشُّکْرِ عَلَیْھَا بِطَاعَتِیْ **وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ** اَیْ اٰبَاءَ کُمْ **عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾** عَالَمِیْ زَمَانِھِمْ **وَاتَّقُوْا** خَافُوْا **یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ** فِیْہِ **نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا** ھُوَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ **وَّلَا یُقْبَلُ** بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ **مِنْھَا شَفَاعَۃٌ** اَیْ لَیْسَ لَھَا شَفَاعَۃٌ فَتُقْبَلُ فَمَالَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ **وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْھَا عَدْلٌ** فِدَاءٌ **وَّلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾** یُمْنَعُوْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ ۔

ترجمہ:.........اے اولاد یعقوبؑ تم میری اس نعمت کو یاد کرو جس کا میں نے تم پر انعام کیا تھا (یعنی میری اطاعت کر کے اس کی شکر گزاری کرو) اور میں نے تم کو (تمہارے آباء واجداد کو) دنیا والوں پر (تمہارے ابناء زمان پر) فوقیت دی تھی اور ڈرو (خوف کرو) ایسے دن سے کہ نہ تو کوئی شخص کسی کی طرف سے مطالبہ ادا کر سکے گا (روز قیامت میں) اور نہ قبول ہو سکے گی (یقبل میں دو قرأتیں ہیں (۱) یا اور (۲) تا کے ساتھ) کسی کی طرف کوئی سفارش (شفاعت کا وجود ہی کافر کے لئے نہ ہوگا کہ قبولیت کی نوبت آئے۔ دوسری جگہ فمالنا من شافعین اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ (فدیہ) لیا جا سکے گا اور نہ ان لوگوں کی طرف داری چل سکے گی (کہ اللہ کے عذاب سے ان کو بچا لیا جائے)

ترکیب وتحقیق:.........عالم ماسوی اللہ کو کہتے ہیں اور عالمین جمع میں اور بھی زیادہ تعمیم اور مبالغہ ہوتا ہے لاتجزی بمعنی لاتقضی و لاتغنی اس صورت میں منصوب ہوگا مصدریت کی وجہ سے لاتجزی اگر ہے تو اجزاء عناصر سے ہوگا اسوقت بھی مصدر ہوگا اور جملہ صفت ہے یوم کی اور عائد محذوف ہے جس کی طرف مفسر علامؒ نے اشارہ فرمایا یعنی فیہ نفس اولی سے مراد مؤمن اور نفس ثانی سے مراد کافر ہے۔ ای لا تتمنی نفس مومن عن نفس کافرۃ شیئاً۔ عدل مثل کہا جاتا ہے ما اعدل لفلان احد یعنی وہ بے نظیر ہے۔ ھم ضمیر جمع کی نفس منکرہ میں گنجائش ہے شفع ملانا۔ سفارش کنندہ مشفوع لہ کو اپنے ساتھ ملا لیتا ہے بنی اسرائیل مضاف مضاف الیہ ملکر منادی اذکروا فعل بافاعل نعمتی التی انعمت علیکم صفت موصوف ملکر معطوف علیہ۔ وانی الخ جملہ معطوف ملکر نداء اتقوا یوماً جملہ آگے چاروں جملے مل کر یوماً کی صفت اور سب میں عائد محذوف ہے۔

ربط:.........بنی اسرائیل کہ جن میں تقریباً ستر ہزار انبیاء حضرت موسیٰ وعیسیٰ علےٰ نبینا وعلیہم السلام کے مابین بھیجے گئے اور بے شمار بادشاہ اسی ایک خاندان میں پیدا کئے گئے تھے۔ پچھلے رکوع میں اس خاندان پر بالا جمال انعامات کا تذکرہ کیا تھا۔ یہاں سے ان ہی انعامات کی تفصیلی فہرست شروع کی جا رہی ہے۔ تیسری یا بنی تک تقریباً چالیس واقعات ذکر کئے جائیں گے جن میں ایک طرف خدا کے انعام کا پہلو ہوگا اور دوسری طرف ان کی نالائقیوں کا۔

﴿تشریح﴾:.........بنی اسرائیل پر انعامات کی بارش:.........دنیا میں ایسا بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ دین و دنیا کی سیادتیں دونوں کسی ایک جگہ جمع ہو جائیں تو یہ بالکل ہی شاذ و نادر بات ہے کہ ان میں ایسا تسلسل ہو کہ کئی پشتوں اور کئی نسلوں تک چلا جائے۔ لیکن بنی اسرائیل کی صدہا سالہ تاریخ بتلاتی ہے کہ خدا نے اس قوم کی جس قدر ناز برداریاں کی ہیں اتنے طویل زمانہ تک شاید وہ دنیا کی کسی دوسری قوم کو نصیب نہ ہو سکی ہوں۔ اور یہ بھی شاید ان ہی کی تاریخی خصوصیت ہے کہ جتنے بڑے مجرم اور نافرمان یہ لوگ ہوئے ہیں تاریخ اقوام اس کی نظیر پیش کرنے سے بھی عاجز ہے۔ تکوینی طور پر اتنی ناز برداری ہی شاید اس قوم کی تباہی اور بربادی کا باعث ہو تو کیا

تعجب ہے۔اس حقیقت کو قرآن کریم شکایتی لب ولہجہ میں ادا کرتا ہے انی فضلتکم علی العالمین ۔

ایک اشکال اور اس کی سادہ توجیہہ:............لفظ عالمین میں لوگوں نے بہت زیادہ تکلفات کئے ہیں کہ اس سے مراد سارا عالم ہے جس میں انسان، ملائکہ، جنات چرند پرند سب ہوں پھر اشکال ہوا کہ ملائکہ اور انبیاء کرام بالخصوص حضور ﷺ پر ان کی فوقیت کیسے ثابت ہوگئی۔اسی طرح تمام بنی اسرائیل کی فضیلت کیسے صحیح ہوسکتی ہے جبکہ ان میں بہت سے یقیناً شریر بدمعاش بھی ہوں گے اس لئے جواب میں تخصیصات کی ضرورت پیش آئی۔لیکن اگر بلاتکلف کہہ دیا جائے کہ محاورہ میں ''دنیا'' بول کر اکثر معاصرین اور ہم زمانہ لوگ مراد لئے جاتے ہیں تو بات بالکل سہل ہو جائے۔جلال محققؒ عالمی زمانهم سے یہی توجیہ کررہے ہیں۔بلقیس کی نسبت فرمایا گیا ہے اوتیت من کل شیء حالانکہ بہت سی چیزیں بے چاری کے پاس نہیں ہوں گی مگر محاورہ کے لحاظ سے کہنا بالکل صحیح ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جو یہود موجود تھے اگرچہ ان کے ساتھ یہ واقعات پیش نہیں آئے لیکن ان کے آباؤ اجداد کی تکریم ان کے لئے باعث فخر ہے اس لئے ان سے خطاب فرمایا۔

مصیبت سے بچنے کے چار راستے:............پہلی آیت میں ترغیبی مضمون ہے اور دوسری آیت میں ترہیب فرماتے ہیں کہ دنیا میں کسی مصیبت سے بچ نکلنے کی چار ہی راستے ہوسکتے ہیں (۱) مطالبہ (۲) معاوضہ (۳) شفاعت (۴) نصرت لیکن آخرت میں بغیر ایمان کے تمہارے لئے یہ سب راستے بند ہوں گے۔اس لئے ابھی اس کی فکر کرلو گویا مقصود بحالت موجودہ ان کو مایوس اور ناامید کرنا ہے۔

انکارِ شفاعت اور اس کا جواب:............اس تقریر پر معتزلہ کے لئے اب اس آیت سے اور آیت من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ سے نفی شفاعت پر استدلال کی گنجائش نہیں رہتی ہے جیسا کہ مفسرؒ بھی اس طرف اشارہ کررہے ہیں کیونکہ اس آیت میں تو ظاہر ہے کہ عام شفاعت کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ خاص طور پر کفار کے لئے شفاعت کا نہ ہونا یا قبول نہ ہونا بیان کیا گیا ہے اور دوسری آیت الحقنا بھم ذریتھم میں مومنین عصاۃ کے لئے شفاعت کا اثبات ہورہا ہے۔اسی طرح حدیث شفاعتی لاھل الکبائر من امتی بھی مثبت مدعا ہے اور جہاں تک آیت الکرسی کا تعلق ہے اس میں بلا اذن شفاعت کی نفی کی جارہی ہے نہ کہ مطلق شفاعت یا شفاعت مع الاذن کی نفی کی گئی ہے۔رہا معتزلہ کا شفاعت کو عقلی طور پر خلاف انصاف کہنا یا سمجھنا یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ حقوق اللہ تو خود حق تعالیٰ از روئے جود وکرم معاف فرمادیں گے اور اپنا حق معاف کرنا ظلم نہیں کہلاتا بلکہ سخاوت وکرم اور ابراء کہلائے گا۔البتہ حقوق العباد تو حق تعالیٰ خود معاف نہیں کریں گے بلکہ صاحب حق کو اس درجہ خوش کردیں گے کہ وہ خود راضی ہوکر خوش دلی سے معاف کردے گا۔اس میں معتزلہ کا کیا بگڑتا ہے۔

اصل بگاڑ کی جڑ اور بنیاد:............بہرحال چونکہ یہود کے دماغ میں صاحبزادگی کی بُو تھی اس لئے باطل امیدوں کی جڑ کاٹ دی گئی ہے کہ بغیر ایمان کے کوئی سہارا کام نہیں دے گا۔البتہ ایمان اور اعمال صالح ہو تو تھوڑی بہت کمی پوری ہوسکتی ہے بغیر ایمان و عمل کے محض نسبت پر گھمنڈ رکھنے والے پیرزادوں کو اس آیت سے سبق لینا چاہئے۔اسی لئے شفاعۃ کو یہاں مقدم لایا گیا ہے اور آخری بنی اسرائیل میں اس کو مؤخر لایا گیا ہے تاکہ اس گھمنڈ کا بالکلیہ استحصال ہو جائے۔

وَ اذْكُرُوْا اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ اَیْ اٰبَاءَكُمْ وَالْخِطَابُ بِهٖ وَبِمَا بَعْدَهٗ الْمَوْجُوْدِيْنَ فِیْ زَمَنِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُخْبِرُوْا بِمَا اَنْعَمَ عَلٰی اٰبَائِهِمْ تَذْكِيْرًا لَهُمْ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ لِيُؤْمِنُوْا مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ يُذِيْقُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اَشَدَّهٗ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِّنْ ضَمِيْرِ نَجَّيْنٰكُمْ يُذَبِّحُوْنَ بَيَانٌ لِّمَا قَبْلَهٗ اَبْنَآءَكُمْ الْمَوْلُوْدِيْنَ وَيَسْتَحْيُوْنَ يَسْتَبْقُوْنَ نِسَآءَكُمْ لِقَوْلِ بَعْضِ الْكَهَنَةِ لَهٗ اَنَّ مَوْلُوْدًا يُوْلَدُ فِیْ بَنِیْ اِسْرَآئِيْلَ يَكُوْنُ سَبَبًا لِذَهَابِ مُلْكِكَ وَفِیْ ذٰلِكُمْ الْعَذَابِ اَوِ الْاِنْجَاءِ بَلَآءٌ اِبْتِلَاءٌ وَاِنْعَامٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاذْكُرُوْا اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ بِسَبَبِكُمُ الْبَحْرَ حَتّٰی دَخَلْتُمُوْهُ هَارِبِيْنَ مِنْ عَدُوِّكُمْ فَاَنْجَيْنٰكُمْ مِّنَ الْغَرَقِ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ قَوْمَهٗ مَعَهٗ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِلٰی انْطِبَاقِ الْبَحْرِ عَلَيْهِمْ وَاِذْ وٰعَدْنَا بِالْاَلِفِ وَدُوْنِهَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً نُعْطِيْهِ عِنْدَ انْقِضَائِهَا التَّوْرٰةَ لِتَعْمَلُوْا بِهَا ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ الَّذِیْ صَاغَهٗ لَكُمُ السَّامِرِیُّ اِلٰهًا مِنْ بَعْدِهٖ اَیْ بَعْدَ ذِهَابِهٖ اِلٰی مِيْعَادِنَا وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ بِاتِّخَاذِهٖ لِوَضْعِكُمُ الْعِبَادَةَ فِیْ غَيْرِ مَحَلِّهَا ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مَحَوْنَا ذُنُوْبَكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ الْاِتِّخَاذِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ نِعْمَتَنَا عَلَيْكُمْ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ وَالْفُرْقَانَ عَطْفُ تَفْسِيْرٍ اَیِ الْفَارِقِ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ بِهٖ مِنَ الضَّلَالِ۔

ترجمہ:......... اور (اس وقت کو یاد کرو) جبکہ رہائی دی تھی ہم نے تم کو (تمہارے آباؤ اجداد کو اس آیت میں اور اسی طرح مابعد کی آیات میں ان یہود کو خطاب کر کے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے ان کے آباؤ اجداد پر کی ہوئی نعمتیں یاد دلائی گئیں ہیں تاکہ ان کا خیال کر کے اللہ پر ایمان لے آئیں) فرعونیوں سے جو تم کو ستا رہے تھے (چکھا رہے تھے) بدترین (شدید ترین) عذاب (یہ جملہ ضمیر نجینکم سے حال واقع ہو رہا ہے) ذبح کر رہے تھے (یہ ماقبل کا بیان ہے) تمہاری نرینہ اولاد (پیدا شدہ) کو اور زندہ رہنے دیتے تھے (چھوڑ دیتے تھے) تمہاری عورتوں کو (بعض کاہنوں کے کہنے سے ایک بچہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والا ہے جو اے فرعون تیری سلطنت کے زوال کا باعث بنے گا) حالانکہ اس میں (واقعہ عذاب ونجات دونوں میں) امتحان (ابتلاء اور انعام) تھا تمہارے پروردگار کی جانب سے بڑا بھاری۔ نیز (یاد کرو) اس کو جب شق کر دیا (پھاڑ دیا) تمہارے لئے (تمہاری وجہ سے) دریائے شور تا آنکہ تم اس میں دشمن سے بھاگ کر داخل ہو گئے) پھر ہم نے تم کو بچالیا (ڈوبنے سے) اور ہم نے ڈبو دیا فرعونیوں (فرعون اور اس کے ساتھ قوم) کو درآنحالیکہ یہ منظر تم دیکھ رہے تھے (دریا کا ان پر مل جانا) اور اس وقت کو (یاد کرو) جب کہ ہم نے وعدہ کیا تھا (لفظ وعدنا الف کے ساتھ بھی ہے یعنی واعدنا اور بغیر الف بھی ہے) موسیٰ علیہ السلام سے چالیس رات کا (کہ اس مدت کے بعد ہم تم کو توراۃ عطاء کریں گے۔ تمہارے عمل کے لئے) مگر پھر تم نے بنا لیا اس گوسالہ کو (جس کو تمہارے لئے موسیٰ سامری نے ڈھالا تھا، معبود) ان کے چلے جانے کے بعد (وعدہ کے مطابق ہمارے پاس چلے آنے کے) درآنحالیکہ تم ظلم کر رہے تھے (گوسالہ کو معبود بنا کر عبادت کو بے محل صرف کر کے) پھر بھی ہم نے تم سے درگذر کیا (تمہارے گناہ مٹا کر) اس (گوسالہ پرستی) کے بعد اس امید پر کہ تم شکر گزاری کرو گے (ہماری نعمتوں کی) اور اس وقت کو (یاد کرو) جب کہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (تورات) اور فیصلہ کن چیز دی (یہ فرقان کتاب کا عطف تفسیری

ہے بمعنی فارق ہے۔حق وباطل، حلال وحرام کے درمیان) اس توقع پر کہ تم (گمراہی سے) بچتے رہوگے۔

ترکیب وتحقیق:............ ال اصل میں اہل تھا بدلیل تصغیر اُھیل ہا کو ہمزہ یا واؤ سے بدل کر الف سے تبدیل کرلیا گیا یعنی خلاف قیاس ہا کو الف سے بدل لیا گیا ہے۔ ذوی العقول اور ذوی الشرف پر اس کا استعمال ہوتا ہے بخلاف لفظ اہل کے اس کا استعمال دونوں اعتبار سے عام ہے۔ اہل کتاب اور اہل صائغ بولیں گے آل کتاب اور آل صائغ نہیں کہا جائے گا نیز آل سے مراد خود نفس فرعون بھی ہوسکتا ہے اور قبیلۂ فرعون بھی۔ سوٓ کے معنی برائی کے ہیں مراد شدیت ذبح ابناء کا استحیاء نساء پر مقدم کیا ہے کیونکہ عامۃً اول زیادہ سخت عذاب ہے، بہ نسبت دوسرے کے اگرچہ غیرت مند لوگوں کے نزدیک دوسرا عذاب شدید ترین ہے۔ سوء العذاب کا بیان یذبحون واقع ہورہا ہے اس کے علاوہ دوسری بیگار بھی ان سے لی جاتی ہے مثلاً پتھر پھوڑنے ،لوہا کاٹنے ،تعمیر کرنے کی خدمت جوان مردوں سے اور کپڑا بننے اور دوسری خانگی خدمات عورتوں سے اور کمزوروں پر ٹیکس مالی مقرر کیا جاتا تھا۔ استحیاء کے معنی باندی بنانے کے بھی لئے گئے ہیں یا پردۂ حیاء اٹھانا، حیا بالکسر بمعنی فرج۔ بلاء اصل میں اختیار کے معنی ہیں آزمائش کبھی نعمت میں ہوتی ہے اور کبھی مصیبت میں۔ واعدنا باب مفاعلت سے اگر ہے تو دونوں طرف سے وعدہ ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے حاضری کا وعدہ کیا اور حق تعالیٰ نے کتاب عطا فرمانے کا اور وعدنا مجرد ہے تو صرف ایک طرف سے مراد ہے۔ موسیٰ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے مو بمعنی پانی سیٰ بمعنی درخت۔ حضرت موسیٰ عمران کے بیٹے اور قہات کے پوتے ہیں۔ جو حضرت یعقوب کا پوتا تھا منوچہر بادشاہ ایران کے زمانہ میں ۱۷۱۵ قبل از مسیح پیدا ہوئے تھے۔

نجینکم جملہ من آل فرعون متعلق ہے۔ یسومونکم سوء العذاب جملہ ہو کر حال ہے آل فرعون یا ضمیر نجینکم سے۔ دونوں سے یذبحون اور یستحیون دونوں جملے بیان ہیں یسومونکم کے اسی لئے واؤ عاطفہ نہیں لائے۔ فی ذلکم خبر مقدم۔ بلاء من ربکم عظیم، مبتداء مؤخر۔ فرقنا فعل با فاعل بکم مفعول ثانی البحر مفعول اول۔ فانجینکم معطوف علیہ واغرقنا معطوف۔ وانتم تنظرون حال ہے اغرقنا سے موسیٰ مفعول اول ہے وعدنا کا۔ اربعین لیلۃ مفعول ثانی۔ مفعول اول ہے اتخذتم کا۔ الٰہاً مفعول ثانی محذوف انتم ظالمون جملہ حال فاعل ہے من بعد ذلک عفونا سے متعلق ہے۔ موسیٰ مفعول اول اٰتینا اور الکتب والفرقان معطوف معطوف علیہ مل کر مفعول ثانی ہے۔

ربط:........ یہاں سے دوسرے، تیسرے اور چوتھے انعام کی تفصیل کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔

﴿تشریح﴾ قرآن میں مکرر اور غیر مکرر واقعات کا فلسفہ:......... قرآن میں تاریخی واقعات دو طرح سے بیان فرمائے گئے ہیں بعض تو ایسے ہیں کہ پورے قرآن میں صرف ایک دو جگہ بیان کئے گئے جیسے اصحاب کہف یا ذوالقرنین یا لقمان علیہ السلام کے واقعات اور داستانِ یوسف علیہ السلام اور بعض واقعات ایسے ہیں جن کو بار بار دہرایا گیا ہے جیسے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے واقعات اجمال وتفصیل کے ساتھ ان بیس سورتوں میں دہرائے گئے ہیں۔ سورۂ بقرہ، نساء، مائدہ، انعام، اعراف، یونس، ہود، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، مومنین، شعراء، نمل، قصص، صافات، مؤمن، زخرف، دخان، نازعات۔

قرآن کریم اور دوسری آسمانی کتابوں میں اختلافِ بیان:......... پھر ان واقعات کے بعض ٹکڑے صرف قرآن کریم میں ملتے ہیں اور بعض جسے صرف توراۃ میں ملتے ہیں۔ کیونکہ اول تو قرآن کریم کی غرض تاریخ نویسی اور داستان سرائی نہیں

ہے اسی لئے وہ بالاستیعاب کسی قصہ کو بجز داستان یوسف کے بیان نہیں کرتا بلکہ اس کا اصل منشاء موعظت وعبرت ہوتا ہے اسی لئے جس موقعہ پر جس قدر ٹکڑا مقصود ہوتا ہے اتنا ہی اٹھالیا جاتا ہے۔ اور واقعات کی ترتیب بھی بسا اوقات بدل دی جاتی ہے تاکہ واقعہ کی نوعیت صرف استدلالی رہے اور محض واقعہ کی حیثیت ملحوظ نہ رہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ایک ہی واقعہ کو دو مورخ بیان کرتے ہیں۔ ایک سے کچھ اجزاء ترک ہوجاتے ہیں اور دوسرے سے کچھ اجزاء چھوٹ جاتے ہیں لیکن بعد کے آنے والے ان کڑیوں کو ملالیتے ہیں اس لئے قرآن کریم کے بیان کردہ تاریخی اجزاء مشکوک نہیں ہونے چاہئیں۔

بنی اسرائیل کا دورِ غلامی:............ ان تین آیات میں تین واقعات کی طرف بالاجمال اشارہ کیا جارہا ہے۔ پہلا واقعہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے سخت آزمائش کا تھا جس میں ساری قوم مبتلا تھی۔ بنی اسرائیل کی قوم غلامی کی زنجیر میں تو پہلے ہی جکڑی ہوئی تھی۔ رہی سہی کمی اس سخت انتقامی کاروائی نے پوری کردی۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے خطرہ کی پیش بندی کے سلسلہ میں فرعونیوں کی طرف سے ان پر برپا کی گئی تھی۔ ہزاروں معصوم اور بے گناہ بچوں کو صرف موسیٰ علیہ السلام کے شبہ میں قتل کردیا گیا تھا۔ اکبر ظرافت کے لہجہ میں کہتا ہے۔

یوں قتل سے بچوں کہ وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

صرف یہی نہیں بلکہ غلامی کی زنجیروں کو اور زیادہ کسنے کے لئے لڑکیوں کو اپنی ہوسناکیوں کا شکار بنانے کے لئے زندہ چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ممکن ہے اس کا مقصد سیاسی شکنجوں کو مضبوط تر کرنا ہوتا ہم جن غیور لوگوں کی رگوں میں گرم لہو ہوگا ان کی کمر توڑنے کے لئے کافی سامان کردیا گیا تھا۔

غلامی سے نجات:............ بہرحال خدا نے اس بدترین مصیبت سے قوم کو نجات بخشی، اس کے بعد دوسری آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر ان کے آبائی وطن ملک شام میں کنعان کی طرف جو مصر سے چالیس روز کی راہ پر شمالی جانب تھا سفر کررہے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش مبارک کا تابوت بھی ہمراہ تھا کہ دریائے قلزم سامنے آگیا اور فرعون کا عظیم لشکر پیچھے سے تعاقب میں چلا آرہا تھا۔ سخت پریشانی اور انتشار ہوا لیکن موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے اور عصائے موسوی کی کرامت سے بحر قلزم میں بارہ خاندانوں کے بارہ راستے خشکی کے رونما کردیئے گئے جن سے بنی اسرائیل تو سلامتی سے پار ہوگئے مگر فرعونیوں کا لشکر عظیم غرقاب ہوکر رہ گیا "خس کم شد جہاں پاک شد" ظالم دشمن کی تباہی کا اس طرح اپنی آنکھوں سے نظارہ کرنا دوہری نعمت ہے۔

قوم کے دو موسیٰ جن کا نام ایک اور کام مختلف:............ اگلی آیت میں ایک تیسرے واقعہ کا تذکرہ ہے کہ بحر قلزم سے نجات اور دشمن کی تباہی کے بعد قوم نے حضرت موسیٰ سے ایک آسمانی کتاب کی درخواست کی چنانچہ درخواست منظور ہوئی اور حضرت موسیٰ چالیس روز کوہ طور پر شرف ہمکلامی سے مشرف ہوتے رہے اور الواح توراۃ لے کر واپس ہوئے تو موسیٰ سامری نے جوان کا ہم نام تھا اور زرگر تھا۔ قوم کو ایک نئے فتنہ میں مبتلا کردیا یعنی سونے چاندی کا ایک بچھڑا تیار کرکے اس کی پرستش میں لگادیا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قائم کردہ بنیادِ توحید متزلزل ہوگئی چنانچہ واپسی پر موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ منظر دیکھا تو نہایت برہم ہوئے اور غصہ سے بے قابو ہوگئے۔ فہمائش کے بعد قوم تائب ہوئی۔

دیکھئے قوم میں ایک ہی نام کے دو موسیٰ ہوئے لیکن دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ایک خدا کے برگزیدہ اولوالعزم نبی دوسرا حرامی اور ولدالزناء ایک کو ان کے دشمن فرعون کے ہاتھوں پلوایا اور دشمن کی نگرانی میں محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اپنی قدرت اور فرعون کا عجز ظاہر کرنے کے لئے لیکن موسیٰ سامری کی پرورش جبریل امین جیسا مقدس فرشتہ کرتا ہے پھر وہ محروم القسمت رہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ تربیت بھی اسی وقت کارگر ہوتی ہے جبکہ جوہر قابلیت فطرت میں ودیعت ہو الشقی من شقی فی بطن امہٖ تہید ستانِ قسمت راچہ سود از رہبر کامل"

اذا لمرء لم یخلق سعیداً من الازل ۔ فقد خاب من ربی و خاب المومل

فموسیٰ الذی رباہ جبریل کافر ۔ وموسیٰ الذی رباہ فرعون مرسل

فلق البحر، ایک خرق عادت معجزہ ہے جو قرآن کریم کی نص قطعی سے ثابت ہے اس کے عدم امکان یا امتناع پر کوئی منکر دلیل قائم نہیں کر سکا۔ واذ وعدنا موسیٰ اربعین اس میں مشائخ کے چلہ کی اصل نکلتی ہے اور حدیث بھی اس بارے میں وارد ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ الَّذِيْنَ عَبَدُوا الْعِجْل **يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ** اِلٰهًا **فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ** خَالِقِكُمْ مِنْ عِبَادَتِهٖ **فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ** اَیْ لِيَقْتُلِ الْبَرِیُٔ مِنْكُمُ الْمُجْرِمَ **ذٰلِكُمْ** الْقَتْلُ **خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ** فَوَفَّقَكُمْ لِفِعْلِ ذٰلِكَ وَاَرْسَلَ عَلَيْكُمْ سَحَابَةً سَوْدَاءَ لِئَلَّا يُبْصِرَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَيَرْحَمَهٗ حَتّٰى قُتِلَ مِنْكُمْ نَحْوَ سَبْعِيْنَ اَلْفًا **فَتَابَ عَلَيْكُمْ** قَبِلَ تَوْبَتَكُمْ **اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ** وَقَدْ خَرَجْتُمْ مَعَ مُوْسٰی لِتَعْتَذِرُوْا اِلَى اللّٰهِ مِنْ عِبَادَةِ الْعِجْلِ وَ سَمِعْتُمْ كَلَامَهٗ **يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً** عِيَانًا **فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ** الصَّيْحَةُ فَمُتُّمْ **وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾** مَاحَلَّ بِكُمْ **ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ** اَحْيَيْنَاكُمْ **مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾** نِعْمَتَنَا بِذٰلِكَ **وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ** سَتَرْنَاكُمْ بِالسَّحَابِ الرَّقِيْقِ مِنْ حَرِّ الشَّمْسِ فِی التِّيْهِ **وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ** فِيْهِ **الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى** هُمَا التُّرَنْجَبِيْنُ وَالطَّيْرُ السُّمَانٰی بِتَخْفِيْفِ الْمِيْمِ وَالْقَصْرِ وَقُلْنَا **كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ** وَلَا تَدَّخِرُوْا فَكَفَرُوا النِّعْمَةَ وَادَّخَرُوْا فَقُطِعَ مِنْهُمْ **وَمَا ظَلَمُوْنَا** بِذٰلِكَ **وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾** لِاَنَّ وَبَالَهٗ عَلَيْهِمْ۔

ترجمہ: ......اور جبکہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے (ان افراد سے جنہوں نے گوسالہ پرستی کی تھی) فرمایا اے میری قوم بلاشبہ تم نے گوسالہ پرستی کر کے اپنا بڑا نقصان کیا ہے اس لئے اپنے خالق (کی عبادت کر کے) توبہ کرو پھر تم میں سے بعض بعض کو قتل کرے (یعنی بری مجرم کو قتل کرے) یہ (قتل) تمہارے لئے تمہارے پروردگار کے نزدیک بہتر ہوگا (چنانچہ اللہ نے اس پر عملدرآمد کی تم کو توفیق بخشی اور تم پر ایک ابر سیاہ محیط ہو گیا تا کہ تم ایک دوسرے کو دیکھ کر رحم نہ کھا سکو حتیٰ کہ ستر ہزار تم میں سے قتل کر دیئے گئے) اللہ تم پر متوجہ ہوئے (تمہاری توبہ قبول کی) بلاشبہ وہ توبہ قبول فرمالیا کرتے ہیں اور عنایت فرماتے ہیں۔ اور وہ وقت بھی یاد کرو جب کہ تم کہنے لگے (درآنحالیکہ تم حضرت موسیٰ کی ہمرکابی میں ہو کر اپنی گوسالہ پرستی کی معذرت کرنے حاضر ہوئے تھے اور تم نے کلام الٰہی سنا تھا) اے موسیٰ ہم ہرگز آپ کے کہنے سے نہ مانیں گے تاوقتیکہ ہم خود علانیہ اللہ کو نہ دیکھ لیں۔ چنانچہ آ پڑی تم پر بجلی (کڑک کہ تم مرگئے) درآنحالیکہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے (جو بجلی تم پر گری تھی) پھر تم کو اٹھایا (زندہ کیا) تمہارے مرجانے کے بعد اس توقع پر کہ تم شکر گزاری کرو گے...... ہماری

اس نعمت کی) اور سایہ فگن کیا تم پر بادل (پتلے بادل کا سائبان لگا دیا تا کہ میدان تیہ میں دھوپ کی گرمی سے بچے رہو) اور ہم نے نازل کیا تم پر (اس میدان میں) من وسلوٰی (ترنجبین، بٹیریں، سمانی میم مخفف اور الف مقصورہ کے ساتھ ہے اور ہم نے کہا) کھاؤ نفیس رزق (ذخیرہ نہ کرنا لیکن انہوں نے کفران نعمت کرتے ہوئے ذخیرہ کرنا شروع کر دیا جس سے نعمتوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا) انہوں نے (اس سے) ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا............ لیکن اپنا ہی نقصان کرتے رہے (کہ اس کا وبال خود ان پر پڑا)۔

ترکیب وتحقیق:............ بری المریض من مرضه والمدیون من دینه یعنی نجات پائی اور ابتداء فعل کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ بری اللہ الآدم من طینه یعنی اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ باری وہ جس کی پیدا کردہ مخلوق تفاوت سے بری ہو۔ یہ خالق سے اخص ہے ظاہر ہے کہ توبہ صرف خالق سے ہوتی ہے لیکن مقصود اس کہنے سے اخلاص ہے اور یہ بتلانا ہے کہ معبود ایسا حکیم ہونا چاہئے جس کے کام میں ذرا فرق نہ ہو۔ نہ کہ بیل جس کی حماقت بھی ضرب المثل ہے ذلکم کا مشار الیہ قتل ہے جو فاقتلوا سے مفہوم ہو رہا ہے۔ فتوبوا میں فا سببیہ ہے اور فاقتلوا میں فا تعقیبیہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ قتل متمم توبہ ہو اور فتاب میں فا محذوف سے متعلق ہے ای ففعلتم فتاب علیکم لک لام تعلیلیہ ہے تعدیہ کا نہیں ہے اس لئے شبہ نہ کیا جائے کہ ایمان متعدی بنفسہ ہوتا ہے یا بواسطہ با کے۔ لام کے ذریعہ متعدی نہیں ہوتا۔ صیحہ یعنی جبریلی کڑک اور بعض نے آسمانی کڑک مراد لی ہے۔ تیہ شام ومصر کے درمیان ایک نو میل کا میدان عظیم ہے جس میں گھاس، دانہ، پانی کا نام ونشان نہیں تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کنعان جاتے ہوئے راہ میں پڑتا تھا۔ ترنجبین ایک خاص قسم کا ہلکا میٹھا گوند ہوتا ہے۔ سلوٰی کبوتر سے چھوٹا چڑیا سے بڑا جانور جس کو بٹیر کہتے ہیں جو تیتر کی قسم ہوتا ہے۔ یہ جانور بلا تکلف پکڑ کر خود کھا لیا کرتے تھے اور یا پکے پکائے مل جایا کرتے تھے۔ کتاب الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ اگر کھانا سڑ کر خراب ہو جائے تو نجس اور حرام ہو جاتا ہے۔ لیکن دودھ گھی اگر بدبودار ہو جائیں تو ان کا استعمال ناجائز نہیں ہے۔ موسیٰ قال کا فاعل لقومه متعلق یا قوم اے یا قومی یا تخفیفاً منادی کے موقع پر حذف ہو گئی یہ مقولہ ہے آخر تک باقی ترکیب صاف ہے۔ قلتم فعل با فاعل یٰموسیٰ الخ مقولہ لک ای لاجلک جهرة مفعول مطلق بھی ہو سکتا ہے اور فاعل یا مفعول سے حال بھی ہو سکتا ہے ظللنا فعل با فاعل الغمام غمام جنس ہے واحد کے لئے غمامة کلوا کا مفعول شیئاً محذوف ہے اس کا بیان من طیبات الخ طیبات مضاف۔ ما رزقنکم مضاف الیہ۔ انفسهم مفعول ہے یظلمون کا۔

ربط:............ ان آیات میں پانچویں، چھٹے، ساتویں، آٹھویں، نویں انعامات کی طرف اشارے ہیں۔

﴿تشریح﴾:...... لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے:............ پانچویں انعام کا حاصل یہ ہے کہ گوسالہ پرستی کی سزا میں سب کو قتل ہونا چاہئے تھا لیکن ہم نے چھ لاکھ میں سے صرف ستر ہزار کے قتل پر بس کیا اور مقتول غیر مقتول سب کو معاف کر دیا اس آیت سے عقیدہ حلول کا بھی بطلان معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ گائے، بیل، بلی، پوجنے والے مصریوں کا یہی عقیدہ رہا ہو۔

بنی اسرائیل چونکہ متشدد قوم تھی اور لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے اس لئے سخت سزائیں تجویز ہوئیں اور طریق توبہ قتل مقرر کیا گیا۔ جیسا کہ خود ہماری شریعت میں بعض جرموں کی سزا باوجود توبہ کے قتل مقرر کی گئی ہے مثلاً قتل عمد کی سزا قصاص اور بعض صورتوں میں زنا کی سزا سنگساری اور راز اس میں یہ تھا کہ شرک کر کے تم نے ابدی حیات کھوئی ہے۔ اس لئے اس کی سزا میں اپنی دنیاوی زندگی مٹاؤ لطائف میں امام قشیری فرماتے ہیں کہ اولیاء امت اب بھی نفس کشی اور قتل نفس امارہ کرتے رہتے ہیں۔ چھٹے انعام کے سلسلہ

میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ محمد بن اسحاقؒ جوفن سیرت ومغازی کے امام ہیں ان کی رائے ہے کہ قتل توبہ کا حکم نافذ ہونے سے پہلے بطورِ معذرت حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر (۷۰) منتخب اولیائے امت لیکر کوہ طور پر حاضر ہوئے، مگر سدیؒ کہتے ہیں کہ قتل توبہ کی تعمیل حکم کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جماعت عباد کو لےلیکر باریاب ہوئے اور سب نے ملکر کلام الٰہی سنا کہ انی انا اللہ لا الٰہ الا انا اخرجتکم من ارض مصر بید شدیدۃ فاعبدونی و لا تعبدوا غیری اس پر بالاتفاق ان لوگوں نے عرض کیالن نومن لک حتیٰ نری اللہ جھرۃ

اللہ کا دیدار اور معتزلہ ونیچری:............ معتزلہ نے فاخذتھم الصاعقۃ سے اللہ کی رؤیت کے محال ہونے پر استدلال کیا ہے یعنی چونکہ محال کی درخواست کی اس لئے ان پر یہ بجلی گری۔ لیکن بات یہ نہیں ہے بلکہ دنیا میں اللہ کی رؤیت عقلاً ممکن ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال رَبِّ اَرِنِی اس پر دلالت کرتا ہے البتہ دنیا میں خدا کو دیکھنے کی انسان میں طاقت نہیں ہے۔ اس گستاخی پر کہ اپنی استعداد سے زیادہ انہوں نے بیباکانہ سوال کردیا ہے اس لئے ان کو یہ سزا ملی ہے۔ باقی نیچریوں کی یہ تاویل کرنا کہ ان کو موت واقع نہیں ہوئی تھی بلکہ بجلی کے صدمہ سے محض بے ہوش ہوگئے تھے اور وہ پہاڑ کوہِ آتش فشاں تھا اس میں سے ہر وقت ایسے شرارے نکلتے ہی رہتے تھے۔ یہ اللہ کی تجلی نہیں تھی ناقابلِ التفات خیالات ہیں۔

توکل اور ذخیرہ اندوزی:............ ساتویں آٹھویں انعام کا حاصل یہ ہے کہ اس لق ودق میدان تیہ جہاں نہ کہیں درخت اور سایہ تھا اور نہ پانی کا نام ونشان تھا حق تعالیٰ نے ایک رقیق بادل کو ان پر سایہ فگن فرمادیا جس سے نہ دھوپ کی گرمی چھنتی تھی اور نہ تاریکی کی مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ اور کھانے پینے کا بے منت یہ انتظام کیا کہ ایک شیریں گوند اور پرندوں کا غول، لطیف ترین اور لذیذ ترین خوانِ نعمت کی صورت میں مہیا کردیا گیا۔ یہ دونوں چیزیں کما کیفاً چونکہ خلاف معمول تھیں اس لئے یہ معجزہ ہوا لیکن ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا گیا کہ ذخیرہ اندوزی کی جو خلاف شان توکل ہے۔ اس خزانہ غیب کی موجودگی میں ہرگز نہ کرنا۔ ورنہ کفرانِ نعمت ہوگا لیکن انہوں نے ناقدری کر کے حکم کی خلاف ورزی کی اس لئے خدا نے ان سے یہ نعمتیں سلب کرلیں۔

گناہوں کے ساتھ نعمتیں، خدا کی طرف سے ڈھیل ہے:............ آیت کریمہ اس پر دلیل ہے کہ باجود گناہوں کے نعمتوں کا جاری رہنا درحقیقت استدراج ہوتا ہے جو باعثِ خطر وفکر ہونا چاہئے، نہ کہ باعث مسرت وطمانیت، جو لوگ نافرمانی کے باوجود مال وجاہ کی کثرت باعثِ فخر سمجھتے ہیں وہ برے خر ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لَهُمْ بَعْدَ خُرُوْجِهِمْ مِنَ التِّيْهِ **ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ** بَيْتَ الْمَقْدِسِ اَوْ اَرِيْحَا **فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا** وَاسِعًا لَاحَجْرَ فِيْهِ **وَّادْخُلُوا الْبَابَ** اَیْ بَابَهَا **سُجَّدًا** مُنْحَنِيْنَ **وَّقُوْلُوْا** مَسْاَلَتُنَا **حِطَّةٌ** اَیْ اَنْ تَحُطَّ عَنَّا خَطَايَانَا **نَّغْفِرْ** وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُوْلِ فِيْهِمَا **لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۵۸﴾** بِالطَّاعَةِ ثَوَابًا **فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** مِنْهُمْ **قَوْلًا غَيْرَ الَّذِیْ قِيْلَ لَهُمْ** فَقَالُوْا حَبَّةٌ فِیْ شَعْرَةٍ وَدَخَلُوْا يَزْحَفُوْنَ عَلٰی اَسْتَاهِهِمْ **فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** فِيْهِ وَضْعَ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ مُبَالَغَةً فِیْ تَقْبِيْحِ شَانِهِمْ **رِجْزًا** عَذَابًا طَاعُوْنًا **مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴿۵۹﴾** بِسَبَبِ فِسْقِهِمْ اَیْ خُرُوْجِهِمْ عَنِ

الطَّاعَةِ فَهَلَكَ مِنْهُمْ فِي سَاعَةٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا اَوْ اَقَلُّ

ترجمہ.........اور جب کہ ہم نے کہا (ان سے میدان تیہ سے نکلنے کے بعد) کہ داخل ہو جاؤ اس آبادی (بیت المقدس یا اریحا) میں پھر کھاؤ اس کی چیزوں میں سے جہاں سے چاہو بلا تکلف (بے دریغ اور بے روک ٹوک) اور داخل ہونا اور دروازہ میں (اس کے) جھک کر (جھکتے ہوئے) اور کہتے رہنا (کہ ہماری درخواست) توبہ کی ہے (یعنی ہماری خطائیں معاف فرما دیجئے ہم معاف کر دیں گے (دوسری قرأت میں یُغْفَرْ اور تُغْفَرْ دونوں مجہول صیغے ہیں) تمہاری خطائیں اور مزید براں بھی دیں گے (نیکی پر ثواب) سو بدل ڈالا انہیں سے) ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہے ہوئے کلمہ کے برخلاف تھی (بجائے حِطَّة کے حبة في شعرة کہنے لگے اور سرین کے بل شہر میں داخل ہوئے) اس لئے ہم نے ظالموں پر اتاری (یہاں اسم ضمیر کی بجائے اسم ظاہر لانے سے ان کی تقبیح شان میں مبالغہ کرنا ہے۔ بلائے (طاعون) آسمانی ان کی نافرمانی کی وجہ سے (ان کے گناہوں یعنی اطاعت سے باہر ہو جانے کی وجہ سے چنانچہ ان میں سے ستر ہزار یا اس سے کچھ کم فوراً ہلاک ہو گئے۔)

ترکیب وتحقیق:.........تیه باب ضرب سے حیران ہونا، پریشان ہونا، چونکہ یہ خاص میدان نہایت وسیع اور لق ودق تھا جس سے دیکھنے والے کو حیرانی پریشانی ہوتی تھی اس لئے یہ نام پڑ گیا۔ سجداً کے بعد منحنین کہہ کر مفسرؒ حال ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ حطة بروزن فعلة مثل جلسة مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ ای مسئلتنا حطة نصب سے رفع کی طرف دوام وثبات کے لئے عدول کیا گیا ہے۔ یہ ان کا کلمہ استغفار تھا لیکن انہوں نے حبة فی شعرة سے بدل دیا۔ یعنی گیہوں کے دانے بالوں میں ہیں منهم سے معلوم ہوا کہ سب نے ایسا نہیں کیا۔ فقالوا سے مفسرؒ بتلا رہے ہیں کہ قولاً وفعلاً دونوں طرح مخالفت کی۔ فيه وضع الظاهر سے یہ کہنا ہے کہ علیهم مختصر ضمیر کی بجائے طویل عبارت الذین ظلموا اس لئے اختیار کی گئی ہے کہ ان کی برائی کھل کر سامنے آ جائے۔ رجزا کی طاعون کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ طاعون کے اسباب مختلف ہوتے ہیں فساد مزاج وبدن، فساد ریح شیطانی لمس کے اثرات اور بعض روایتوں میں آسمانی آگ کا ان پر نازل ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ادخلوا فعل بافاعل۔ هذه القرية موصوف صفت مل کر مفعول فیہ ادخلوا کا اور قلنا کا مقولہ رغداً مفعول مطلق ہے یا حال ہے۔ سجداً ساجد حال ہے فاعل ادخلوا سے ای متواضعین حطة خبر ہے مبتدا محذوف کی مجموعہ مقولہ ہے۔ قولوا کا نغفر لکم مجزوم جواب امر ہے۔ فبدل فعل۔ الذین ظلموا فاعل بالذی قیل لهم مفعول اول محذوف ہے قولاً موصوف۔ غیر الذی صفت۔ مجموعہ مفعول ثانی من السماء متعلق ہو کر صفت ہے رجزاً کی۔

ربط:.........یہ دسواں اور گیارہواں معاملہ ہے جس کی تفصیل کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

﴿تشریح﴾:.........**انعام خداوندی کی ناقدری کا نتیجہ**:.........بقول بعض مفسرین یہ واقعہ میدان تیہ کا ہے جب من وسلویٰ کھاتے کھاتے ان کا جی اکتانے لگا تو معمول کے مطابق کھانوں کی درخواست کرنے لگے حکم ہوا یہ شہری کھانے تو شہر ہی میں مل سکتے ہیں اس جنگل بیابان میں یہ چیزیں کہاں؟ اگر درکار ہوں تو سامنے شہر میں جاؤ۔ لیکن داخلہ کے وقت قولی اور فعلی ادب ملحوظ رکھنا، البتہ شہر کے اندر جا کر کھانوں میں توسع کر لینا۔ اور بعض مفسرین نے اس واقعہ کو شہر سے متعلق سمجھا ہے جس پر جہادی مہم سر کرنے کے حکم ہوا تھا۔ چنانچہ چالیس سال تک میدان تیہ میں حیران وسرگردان پھرتے رہے۔ تقریباً چھ لاکھ کا یہ عظیم لشکر سب یہیں مر کھپ گیا صرف بیس افراد بچے۔ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کی وفات بھی یہیں ہوئی ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین یوشع بن نون

کی سرکردگی میں یہ جہادی مہم سر کی گئی۔ اور اللہ نے ان کے ہاتھ پر فتح نصیب فرمائی گویا شہر میں داخلہ کا یہ حکم ان کی معرفت ہوا کہ متکبرانہ فاتحانہ ہرگز داخل نہ ہونا بلکہ متواضعانہ، منکسرانہ داخل ہونا ایسا کرنے سے پچھلی خطائیں ہم معاف کردیں گے۔ اور آئندہ اخلاص کے ساتھ اعمال صالحہ کرنے والوں کو مزید انعام دیں گے۔ لیکن نافرمانی کا انجام بشکل طاعون اور وباء آسمانی پھوٹ گیا۔

بیماریوں اور وباؤں کا حقیقی سبب:.......... وباؤں کے جہاں بہت سے اسباب طبی اور مادی ہوتے ہیں جیسا کہ سطور بالا میں گزرا۔ ہوسکتا ہے کہ خدا کی نافرمانی اور معاصی بھی اس کی حقیقی اور معنوی سبب ہوں چنانچہ **فبظلم من الذین هادوا حرمنا علیهم** الخ اور **ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس** وغیرہ نصوص صراحۃً اس پر دلالت کرتے ہیں اور ازروئے حدیث یہ وبائیں نیکوکاروں کے لئے رحمت اور نافرمانوں کے لئے زحمت ہوتی ہیں۔

وَاذْكُرْ **اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى** اَیْ طَلَبَ السُّقْيَا **لِقَوْمِهٖ** وَقَدْ عَطِشُوْا فِی التِّيْهِ **فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ** وَهُوَ الَّذِیْ فَرَّ بِثَوْبِهٖ خَفِيْفٌ مُّرَبَّعٌ كَرَأْسِ رَجُلٍ رخام او كذان فَضَرَبَهٗ **فَانْفَجَرَتْ** اِنْشَقَّتْ وَسَالَتْ **مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ** بِعَدَدِ الْاَسْبَاطِ **قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ** سِبْطٌ مِنْهُمْ **مَّشْرَبَهُمْ ؕ** مَوْضِعَ شُرْبِهِمْ فَلَا يُشْرِكُهُمْ فِيْهِ غَيْرُهُمْ وَقُلْنَا لَهُمْ **كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾** حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ لِعَامِلِهَا مِنْ عَثِیَ بِكَسْرِ الْمُثَلَّثَةِ اَفْسَدَ **وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ** اَیْ نَوْعٍ مِنْهُ **وَّاحِدٍ** وَهُوَ الْمَنُّ وَالسَّلْوٰى **فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا** شَيْئًا **مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ** لِلْبَيَانِ **بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا** حِنْطَتِهَا **وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ** لَهُمْ مُّوْسٰى **اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى** اَخَسُّ **بِالَّذِیْ هُوَ خَيْرٌ ؕ** اَشْرَفُ اَیْ تَأْخُذُوْنَهٗ بَدَلَهٗ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ فَاَبَوْا اَنْ يَّرْجِعُوْا فَدَعَا اللّٰهَ فَقَالَ تَعَالٰى **اهْبِطُوْا** اِنْزِلُوْا **مِصْرًا** مِنَ الْاَمْصَارِ **فَاِنَّ لَكُمْ فِيْهِ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ** مِنَ النَّبَاتِ **وَضُرِبَتْ** جُعِلَتْ **عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ** الذُّلُّ وَالْهَوَانُ **وَالْمَسْكَنَةُ** اَیْ اَثَرُ الْفَقْرِ مِنَ السُّكُوْنِ وَالْخِزْیِ فَهِیَ لَازِمَةٌ لَهُمْ وَاِنْ كَانُوْا اَغْنِيَاءَ لُزُوْمَ الدِّرْهَمِ الْمَضْرُوْبِ لِسِكَّتِهٖ **وَبَآءُوْ** رَجَعُوْا **بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ** اَیِ الضَّرْبُ وَالْغَضَبُ **بِاَنَّهُمْ** اَیْ بِسَبَبِ اَنَّهُمْ **كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ** كَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى **بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ** اَیْ ظُلْمًا **ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾** يَتَجَاوَزُوْنَ الْحَدَّ فِی الْمَعَاصِیْ وَكَرَّرَهٗ لِلتَّاكِيْدِ۔

ترجمہ:.......... اور (یاد کیجئے) اس وقت کو جبکہ موسیٰ (علیہ السلام) نے پانی کی دعا مانگی (سیرابی طلب کی) اپنی قوم کے لئے (جو پیاسی تھی میدان تیہ میں) سو ہم نے حکم دیا کہ اپنا عصاء پتھر پر ماریئے، (یہ وہ پتھر تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے بھاگا تھا۔ ہلکا چوکور، آدمی کے سر کے برابر، سفید اور نرم تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے عصا اس پر مارا) پس جاری ہوگئے (پتھر پھٹا اور بہنے لگے) اس سے بارہ چشمے (خاندانوں کی تعداد کے مطابق) معلوم کرلیا ہر شخص (خاندان) نے اپنا گھاٹ (پانی پینے کی جگہ اس میں دوسرے کو شریک کرنا نہیں چاہتے تھے اور ہم نے ان سے کہہ دیا کہ) کھاؤ پیو اللہ کے رزق سے اور اعتدال سے نکل کر زمین میں فساد مت پھیلاتے پھرو (یہ

حال مؤکدہ ہے اپنے عامل عثی سے جو بکسر الثاء ہے بمعنی من وسلوی) پر۔ اس لئے اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دعا کردیجئے کہ وہ ہمارے لئے (کچھ) زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں اگائے (من بیانیہ ہے) ساگ، ککڑی، گیہوں، مسور، پیاز، فرمایا (موسیٰ نے ان سے) کیا تم بدلنا چاہتے ہو گھٹیا (کم درجہ) چیزوں کو بہترین چیزوں کے بدلہ میں (خیر بمعنی اشرف یعنی بہترین چیز کے بدلہ گھٹیا چیزیں لینا چاہتے ہو۔ ہمزہ اتستبدلون میں استفہام انکاری ہے۔ غرضیکہ ان لوگوں نے اس بات سے ہٹنے سے انکار کردیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا) جاؤ (شہروں میں سے) کسی شہر میں (اترو) البتہ (وہاں) تم کو وہ چیزیں مل سکیں گی جن کی تم خواہش کررہے ہو (یعنی سبزیاں، ترکاریاں) اور جم گئی ان پر ذلت (پھٹکار اور نیستی) جس طرح ٹکسالی سکہ کے لئے ٹھپہ لازم ہوتا ہے) اور مستحق ہوگئے (لوٹ گئے) غضب خداوندی کے اور یہ (پھٹکار وغضب) اس لئے (بسبب اس کے ہے) کہ یہ اللہ کے احکام کا انکار کرتے رہے اور قتل انبیاء (جیسے حضرت زکریا ویحییٰ علیہما السلام) کے ناحق (ظلماً) مرتکب رہے نیز یہ اس لئے بھی ہوا کہ ان لوگوں نے نافرمانی کی اور دائرہ اطاعت سے نکلتے رہے (معاصی میں حد سے بڑھ گئے اس جملہ کو تاکیداً مکرر کیا)

ترکیب وتحقیق: .... حجر سے مراد وہ خاص پتھر ہے جس کی طرف مفسرؒ علام نے اشارہ کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی حیاء طبعی اور شرعی کی وجہ سے غسل وغیرہ میں کسی کے سامنے برہنہ نہیں ہوتے تھے۔ لوگ یہ سمجھے کہ ان کو مرض فتق ہے (خصیوں کا بڑھ جانا) حق تعالیٰ نے اس کے ازالہ کا یہ سامان کیا کہ ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام غسل کے لئے چشمے میں گھسے اور کپڑے اتار کر کسی عام پتھر پر یا حضرت شعیب علیہ السلام سے تبرکات میں جو پتھر ان کو پہنچا تھا اس پر رکھدیئے۔ فراغت کے بعد باہر آئے وہ پتھر کپڑے لے کر اس طرف بھاگا جہاں آبادی کی چوپال میں لوگ حسب معمول جمع تھے۔ موسیٰ علیہ السلام طبعاً تیز مزاج تھے غضبناک ہوکر پتھر کے پیچھے کپڑوں کے لئے برہنہ دوڑے اور وہاں پہنچ گئے جہاں سب نے اپنے وہم کا ازالہ کرلیا۔ حکم ہوا کہ اس پتھر کو محفوظ رکھو کام آئے گا۔ یہ پتھر سفید اور نرم تھا ایک ہاتھ مربع یا اس سے کم ہوگا چوکور چاروں کونوں پر تین تین کنارے ابھرے ہوئے جن سے بارہ چشمے جاری ہوجاتے تھے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ عام پتھر اور یہ بھی اظہار قدرت کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

فانفجرت میں فاء فصیحیہ ہے اس لئے اس سے پہلے فضرب به مقدر مانا گیا ہے اس حذف میں نکتہ یہ ہے کہ اس میں ضرب کلیم کو دخل نہیں ہے بلکہ اصل دخل اور مؤثر ہمارا حکم ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد چونکہ بارہ تھی جن سے یہ نسل بڑھی یہاں تک پھیلاؤ ہوا کہ اس وقت چھ لاکھ نفر تھے جو بارہ میل کے ایریے میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے جو آج کل برہمن اور نان برہمن کا سوال کنوؤں اور مندروں پر پیش آرہا ہے شاید اسی تنگ اور محدود ماحول کی پرچھائیاں ہوں۔

طعام واحد پر چونکہ اشکال یہ ہے کہ کھانا ایک نہیں تھا بلکہ ترنجبین اور بٹیر دو قسم کا کھانا تھا۔ مفسرؒ علام نے اس کا ازالہ کیا ہے کہ مراد نوع واحد ہے یعنی طعام واحد بول کر اہل تلذذ اور اہل تنعم وثروت کا کھانا مراد ہوتا ہے۔ کیونکہ غریب آدمی کو تو جو میسر ہوجاتا ہے اسی پر قناعت کرلیتا ہے اس کے پاس یکسانیت لباس وطعام میں مشکل ہوتی ہے۔ برخلاف دولت کے کما قال البیضاویؒ اور عبدالرحمٰن ابن زید کی رائے یہ ہے کہ طعام واحد سے مراد یہ ہے کہ دونوں چیزوں کو ملا کر ایک کھانا بنالیا کرتے تھے۔ شیئاً کا لفظ نکال کر اشارہ کردیا من تبعیضیہ ہے۔ فوم کے معنی مفسرؒ نے گیہوں کے لئے ہیں اور بعض اہل لغت لہسن کے معنی لیتے ہیں۔ بعض روایات میں لفظ ثوم بھی آیا ہے اور توراۃ میں لہسن ہی مراد ہے۔ مصر سے مراد عام شہر ہے خاص ملک مراد نہیں ہے۔ اریحا ایک نشیبی اور شاداب علاقہ ہے جس میں پیداوار بکثرت ہوتی تھی۔ حضرت یوشع کے ہاتھ پر فتح ہوا تھا۔ اسی لئے اهبطوا استعمال کیا گیا ہے۔ ضربت اس میں استعارہ تبعیہ تصریحیہ یا استعارہ مکنیہ ہے۔ لزوم الدرہم یہ عبارت برعکس ہوگئی۔ اصل میں اس طرح تھی لزوم السکة للدرھم

المضروب بحذف المضاف ای لزوم اثر السکۃ اس کے بعد عبارت کا قلب کرلیا گیا ہے سکہ جس پر سرکاری ٹھپہ لگا ہوتا ہے جمع سِکک، جیسے سدرۃ کی جمع سدِر آتی ہے۔ واذا استسقی جملہ فا تعقیبیہ قلنا فعل با فاعل۔ اضرب الخ یہ مقولہ ہے انفجرت فعل، اثنتا عشرۃ فاعل ممیز عیناً تمیز۔ مفسدین حال مؤکدہ ہے لاتعثوا سے قلتم فعل با فاعل۔ یا موسیٰ الخ مقولہ مل کر پہلے جملہ پر عطف ربک فاعل یخرج شیئاً محذوف من بیانیہ ما موصولہ تنبت جملہ صلہ من بقلہا بیان منصوب المحل علی الحال تقدیر مما تنبت الارض کائنا من بقلہا یہ سب مل کر شیئا کا بیان ہوا۔ یخرج جوابِ امر ہے ادع کا اس لئے مجزوم ہے۔ اتستبدلون الخ پورا جملہ مقولہ ہے قال کا اھبطوا جملہ انشائیہ لکم خبر ہے ان کی۔ ماسئلتم اسم ان ضربت جملہ مستانفہ ہے۔ غضب موصوف من اللہ صفت۔ باء و ابغضب مبتداء بانہم الخ خبر۔ بغیر الحق. منصوب المحل علی الحال من ضمیر۔ یقتلون سے تقدیرہ یقتلونہم مبطلین. ذٰلک مبتداء۔ بما عصوا خبر ہے۔

ربط:............ ان آیات میں بارہویں اور تیرہویں انعامات کی طرف شارات ہیں۔

﴿تشریح﴾:............ **الگ تھلگ رہنے کی کافرانہ ذہنیت:**............ وادی تیہ میں جب سین کا میدان طے کرنے کے بعد رفیدیم میں پہنچے تو پیاس لگی۔ پانی کی تلاش ہوئی، پانی وہاں کہاں اس لئے حضرت موسیٰ نے اپنے معجزہ سے اس ضرورت کو بھی پوری ناز برداری کے ساتھ پورا فرمایا۔ یعنی ان کے بارہ قبیلوں کو انتظامی لحاظ سے الگ الگ رکھا جاتا تھا۔ ان کے لئے افیسران بھی الگ الگ مقرر کئے جاتے تھے اس لئے یہاں بھی ایسا ہی کیا۔ لیکن بد دماغ لوگ اس خوانِ نعمت کی قدر کیا کرتے انہوں نے ان ہی معمولی کھانوں کی فرمائش کردی، کھانے سے مراد من وسلویٰ پینے سے مراد پانی اور نافرمانی احکام کو فتنہ وفساد فرمایا ہے۔

نیچری تاویل:............ بعض نیچریوں کا یہ تاویل کرنا صحیح نہیں ہے کہ ضرب کے معنی چلنا اور حجر سے مراد پہاڑی علاقہ ہے یعنی لکڑی کے سہارے پہاڑ پر چڑھ کر پانی تلاش کرو۔ کیونکہ ضرب کے معنی اگر چلنے کے ہوں تو اس کے صلہ میں فی آتا ہے اور تورات کا حوالہ دینا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس میں مقام ایلیم کا ذکر ہے اور یہ واقعہ رفیدیم کا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر قاضی بیضاویؒ نے اچھی بات فرمائی کہ بعض مقناطیسی پتھر جبکہ لوہے کو جذب کرسکتے ہیں یا کہربا گھاس کھینچ سکتا ہے تو کیا ایسے پتھر پیدا کرنے پر اللہ کو قدرت نہیں جو پانی کو کھینچ کر اگل دیتے ہوں جیسے آجکل لوہے کے نلوں میں ہوا پانی کو زمین سے کھینچتی ہے اور پھینکتی ہے۔ فی الحقیقت ان منکرین خوارق کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے ہیں اور یہ محال کی حقیقت ہی ابتک نہیں سمجھ سکے خلاف عادت عامہ کو محال کہنے لگے۔

یہود کی ذلت:............ منجملہ یہود کی ذلت ومسکنت کے یہ بھی ہے کہ قیامت کے قریب تک ان سے سلطنت چھین لی گئی ہے، اگر کہیں محض لٹیروں کا سا بے ضابطہ شور وشغب کرکے کوئی حصہ گھیر لیں اور وہ بھی دوسری سلطنتوں کے سہارنے اور اکسانے پر سیاسی اغراض کے ماتحت۔ تو اس کو کوئی عاقل سلطنت نہیں کہہ سکتا۔ تاہم دنیا کی نظروں سے گرا دینا اور مقام عزت ووقار میں بار نہ پاسکنا جو حقیقت ہے ذلت کی وہ پھر بھی باقی رہے گی۔ چنانچہ اس پیشن گوئی کی تکذیب تاریخ اب تک نہیں کرسکی ہے۔

انبیاءؑ کا قتل ناحق:............ قتل انبیاءؑ کے ساتھ ناحق کی قید لگانا احترازی نہیں ہے کہ کوئی قتل حق بھی ہوتا ہے بلکہ یہ قید واقعی ہے یعنی تمام قتل انبیاءؑ کے ناحق ہی ہوتے ہیں یا قید لگانے کا یہ مقصد ہو کہ وہ خود بھی اس قتل کو ناحق ہی سمجھتے ہیں لیکن برا ہو ضد اور عناد کا کہ

وہ انسان کو اندھا بنا دیتا ہے۔ چنانچہ ایک ایک دن میں ستر (۷۰) انبیاءؑ کو بنی اسرائیل نے قتل کیا ہے۔ حاصل آیت یہاں بھی یہی ہے کہ معصیت سبب ہے قتلِ انبیاءؑ اور کفر کا۔ اور قتلِ انبیاءؑ اور کفر سبب بنے غضب الٰہی کو دعوت دینے کے اور غضب الٰہی سے آسمانی بلائیں اور وبائیں اتر پڑیں۔

عوام وخواص کا فرق:............ عارف کو اس واقعہ سے سبق لینا چاہئے کہ جو لوگ راضی بقضاء نہیں ہوتے اور جو نعمت پر شکر اور مصیبت پر صبر نہیں کرتے کس طرح ان پر ذلت وطغیان بسلط کر کے دنیا کی محبت ان کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے اور یہ کہ متوکلین کو کسب کرنا اور اصحاب کسب کو بلا ضرورت ترک کسب کرنا۔ حق تعالیٰ کے معاملہ کو تبدیل کرنا ہے اور اس کی ناخوشی کا باعث ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلُ **وَالَّذِیْنَ هَادُوْا** هُمُ الْیَهُوْدُ **وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ** طَائِفَةٌ مِّنَ الْیَهُوْدِ اَوِ النَّصَارٰی **مَنْ اٰمَنَ** مِنْهُمْ **بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ** فِیْ زَمَنِ نَبِیِّنَا **وَعَمِلَ صَالِحًا** بِشَرِیْعَتِهٖ **فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ** اَیْ ثَوَابُ اَعْمَالِهِمْ **عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾** رُوْعِیَ فِیْ ضَمِیْرِ اٰمَنَ وَعَمِلَ لَفْظُ مَنْ وَفِیْمَا بَعْدَهٗ مَعْنَاهَا **وَ** اذْکُرُوْا **اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ** عَهْدَکُمْ بِالْعَمَلِ بِمَا فِی التَّوْرَاةِ **وَ** قَدْ **رَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ** الْجَبَلَ اِقْتَلَعْنَاهُ مِنْ اَصْلِهٖ عَلَیْکُمْ لَمَّا اَبَیْتُمْ قُبُوْلَهَا وَقُلْنَا **خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّةٍ** بِجِدٍّ وَّاجْتِهَادٍ **وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْهِ** بِالْعَمَلِ بِهٖ **لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾** النَّارَ اَوِ الْمَعَاصِیَ **ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ** اَعْرَضْتُمْ **مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ** الْمِیْثَاقِ عَنِ الطَّاعَةِ **فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُهٗ** لَکُمْ بِالتَّوْبَةِ اَوْ تَاخِیْرِ الْعَذَابِ **لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۴﴾** الْهَالِکِیْنَ۔

ترجمہ:............ "یہ واقعی بات ہے کہ جو لوگ (پہلے انبیاءؑ پر) ایمان لا چکے ہیں اور جنہوں نے مذہب یہود اختیار کیا (یہودی ہوئے) اور نصرانی اور فرقہ صابی (یہود یا نصاریٰ کی کسی خاص جماعت کا نام ہے) ان میں سے جو لوگ اللہ پر اور قیامت پر ایمان لائیں گے (ہمارے حضور ﷺ کے زمانہ میں) اور اچھی کارگزاری کریں گے (آپ کی شریعت کے موافق) ان لوگوں کے لئے معاوضہ (ثواب اعمال) ہے ان کے پروردگار کے پاس اور ان کے لئے کسی طرح کا اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔ آمن اور عمل کی مفرد ضمیروں میں لفظ من کی رعایت کی گئی اور مابعد کی ضمائر جمع میں اس کے معنی کی رعایت پیش نظر ہے۔ نیز اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ ہم نے تم سے قول وقرار لیا (تورات پر عملدرآمد کا عہد لیا) اور کوہ طور کو تمہارے سروں پر لا کر معلق کر دیا (طور پہاڑ کو اکھاڑ کر تمہارے سروں پر تمہارے انکار قبولیت احکام کی وجہ سے لا کھڑا کیا اور حکم دیا کہ) لو تھامو! جو ہم نے تم کو کتاب دی ہے مضبوطی (پوری کوشش) کے ساتھ اور یاد رکھو ان احکام کو جو اس میں موجود ہیں (ان پر عملدرآمد کر کے) جس سے توقع قائم ہو سکتی ہے کہ تم متقی بن جاؤ (جہنم ومعاصی سے بچ کر) لیکن تم اس قول وقرار کے بعد بھی پھر گئے (اطاعت کی مضبوطی سے منہ موڑ لیا، سو اگر تم پر خدا کا فضل ورحم نہ ہوتا (جو توبہ اور تاخیر عذاب کی صورت میں ہوا) تو یقیناً تم تباہ (ہلاک) ہو چکے ہوتے۔"

ترکیب وتحقیق:............ یہود بنی اسرائیل کو کہتے ہیں وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے لیکن قوی تر یہ ہے کہ یہودا نامی حضرت یعقوب

کے بڑے صاحبزادے کی طرف یہ منسوب ہیں جو ان کے جد اعلیٰ ہیں۔ یاھاد بمعنی تاب ہے۔ نصاریٰ عیسائیوں کو کہتے ہیں (وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ناصرہ شام کا ایک گاؤں ہے جہاں حضرت عیسیٰ رہتے تھے اسی کی طرف نسبت ہے نیز ایک خاص فرقہ کلیسائے عرب کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ یا نصران کی جمع نصاریٰ ہے بولتے ہیں رجل نصران، امراء ۃ نصرانۃ اس میں تا مبالغہ کی ہے چونکہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کی نصرت وامداد کی اس لئے نصرانی کہلائے۔ صابی یہ ایک قدیم ترین فرقہ کا نام ہے۔ شہر بابل ونینوا میں یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں رہتے تھے ابتداء تو ان کی معلوم نہیں کب سے ہوئی ہے اور ان کی صحیح اور پوری کیفیت کسی کو معلوم نہیں اسی لئے مفسرین کے اقوال میں اضطراب ہے۔ تاہم ان کا اعتقاد تھا کہ خدا چونکہ مجرد محض ہے اور انسان خاص مادی، اس لئے خدا تک رسائی کی کوئی صورت نہیں ہے بجز اس کے کہ مظاہر قدرت، نیرات کی پرستش کی جائے چنانچہ بعض نے آفتاب، ماہتاب، ستاروں کی پرستش کو شعار بنالیا بعض نے اصنام کو نیرات کا مظہر سمجھ کر ان کی پرستش شروع کردی۔ یونان میں زہرہ وغیرہ ستاروں کے نام سے معبدگاہ بنے ہوئے ہیں۔ آگے چل کر ایران کے آتش پرست، ہندوستان کے وید پرست بھی اس گروہ کی شاخیں ہوگئیں غرضیکہ کسی نے ان کو یہود سمجھا، کسی نے نصرانی، کسی نے مجوسی۔ یہ لفظ صابی اگر عربی ہے تو صباء بمعنی خرج سے ہے یا صبا بمعنی مال سے چونکہ یہ تمام ادیان سے نکل کر اپنے مذہب کی طرف مائل ہوئے اس لئے صابی کہے جانے لگے۔ وقد رفعنا میں لفظ قد کی تقدیر سے اشارہ ہے کہ خذوا منصوب المحل علی الحالیت ہے۔ الذین امنوا موصول صلہ مل کر اسم ان، من شرطیہ مبتداء، امن باللہ خبر، فلھم جملہ جواب پھر یہ ملکر خبر ان۔ عائد محذوف ہے۔ ای من امن منھم لفظ ذو وجہین سے لفظاً مفرد معناً جمع اجر ھم مبتدا۔ فلھم خبر، اخفش کے نزدیک اجرھم جار کی وجہ سے مرفوع ہے اور عند ظرف۔ عامل اس میں استقرار ہے۔ اخذنا فعل با فاعل ومفعول۔ ورفعنا الخ جملہ حال خذوا ما اتینا کم مقولہ ہے قلنا محذوف کا بقوۃ حال ای خذوہ عازمین۔ فضل اللہ مبتدا محذوف الخبر ای حاضر۔ کوفیوں کے نزدیک لولا کا مابعد اس کا اسم ہوتا ہے۔

رَبط: .... ان شرارتوں کے ذکر کے بعد خیال ہوسکتا تھا کہ اب شاید کسی کی معذرت اور ایمان قبول نہ ہوسکے۔ اس لئے پہلی آیت میں ایک قانون کلی ارشاد فرما کر اس کا دفعیہ کردیا۔ اور یا قرآن کی عام عادت کے مطابق مجرمین کے تذکرہ کے ساتھ فرمانبرداروں کا ذکر کیا جارہا ہے تاکہ ان واقعات کو سن کر یہ لوگ زیادہ دلگیر نہ ہوجائیں، اس کے بعد اگلی آیت میں پھر سلسلہ سابقہ لحاظ سے چودھواں انعام ذکر کیا جاتا ہے۔

﴿تشریح﴾: .... ایک شبہ اور اس کے تین جواب: .... بظاہر یہاں قرآن کریم کے طرز کلام پر یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ پہلے ان الذین امنوا کہنے کے بعد پھر من آمن کہنے اور تخصیص بعد التعمیم کے کیا معنی؟ یہ تو تحصیل کے قبیل سے معلوم ہوتا ہے۔ جلال مفسرؒ نے اس کی توجیہ کی طرف فی زمن نبینا سے اشارہ کیا ہے اس کے حل کے سلسلہ میں تین توجیہیں ہوسکتیں ہیں (۱) پہلے الذین امنوا سے مراد عام انبیاء سابقین کے متبعین ہیں خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی یا اور کوئی پھر اس کے بعد یہود ونصاریٰ کا ذکر تخصیص بعد التعمیم کے طور پر ہے (۲) دوسری توجیہ یہ ہے کہ الذین امنوا سے مراد زمان فترۃ کے صحیح راستہ پر چلنے والے موحدین ہیں جیسے حبیب نجار، قیس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، بحیرہ راہب، سلمان فارسی، وفد النجاشی، وغیرہ طالبین حق اور سچائی کے متلاشی حضرات جن میں سے بعض کو حضور ﷺ کی اتباع نصیب ہوسکی ہے اور بعض پہلے ہی واصل بحق ہوگئے۔ اور (۳) تیسری توجیہ یہ ہے کہ الذین امنوا سے مراد وہ عام مسلمان ہوں جو محض کلمہ پڑھنے کی حد تک زبانی مسلمان ہوگئے اور جن کے دل میں اسلام نے ابھی گھر نہیں کیا ان سے اخلاص کا مطالبہ کرنا ہے۔ خلاصہ سب توجیہات کا ایک ہی ہے کہ دونوں جملوں میں فی الجملہ مغائرت ہے کہ تمام

لوگ خواہ پہلے سے حق پرست ہوں یا باطل پرست یا ظاہری طور پر اطاعت کا دم بھرنے والے بغیر سچے دل سے آپ ﷺ کی اطاعت کاملہ کے ان کی نجات ممکن نہیں ہے۔

قانونِ اسلام کی نظر میں سب برابر ہیں:............غرضکہ قانون کی تعمیم بیان کرنا مقصود ہے کہ ہمارا قانون عام ہے چاہے ہمارے موافق اور اطاعت کا دم بھرنے والے ہوں یا مخالفین سب کان کھول کر سن لیں کہ اب نجات منحصر ہے اطاعتِ محمدی میں۔ اس سے کلام کی وقعت اور بلاغت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے کہ ہمارے اس قانونِ علم میں ماوشما کا فرق نہیں ہے۔ کالے گورے کی تفریق نہیں ہے، جغرافیائی یا نسلی امتیاز کا کوئی سوال نہیں ہے، ہماری نظر میں سب برابر ہیں کسی سے نہ ذاتی خصوصیت ہے اور نہ ذاتی خصومت جیسے کوئی بادشاہ اعلان کرے کہ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں وزیر ہو یا فقیر، فرمانبردار غلام ہو یا مخالف دشمن، جو قانون کا احترام رکھے گا وہ موردِ عنایت ہوگا ورنہ موجب عتاب، اس تقریر کے بعد اگر الذین اٰمنوا سے مراد مخلص مؤمنین بھی ہوں تب بھی عبارت بے تکلف و بے غبار ہو جاتی ہے۔

علمائے سوء اور غلط کار مشائخ:............نزولِ تورات کے بعد بنی اسرائیل نے بطور تصدیق و اطمینان کے ستر منتخب اولیائے امت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں روانہ طور کیا تھا لیکن انہوں نے باوجود مختلف عجائبات قدرت ملاحظہ کرنے کے قوم کے سامنے آ کر یہ مغالطہ آمیز بیان دیدیا کہ حق تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اگر تم سے اس پر بسہولت عمل ہو سکے کر لو ورنہ خیر او نگھتے ہوئے کو ٹھیلنے کا بہانہ کافی ہوتا ہے۔ کچھ تو ان کی جبلی شرارت کچھ احکام سخت، اس لئے بھاگ نکلنے کا یہ موقعہ غنیمت سمجھا اور صاف انکار کر دیا کہ ہم سے اس پر عمل نہیں ہو سکتا، اس لئے پہاڑ کا ٹکڑا ملائکہ نے ان کے سروں پر معلق کر کے دھمکایا کہ فوراً قانون کو مضبوط پکڑ و اور اس پر عمل کرو۔

نیچری تاویل:............بعض کی رائے یہ ہے کہ حقیقۃً پہاڑ سروں پر نہیں اٹھایا گیا تھا بلکہ ان کو پہاڑ کے نیچے لا کر کھڑا کیا گیا تھا۔ جب زلزلہ سے پہاڑ لرزنے لگا تو وہ ڈر گئے، البتہ پہلی شق پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح جبر کرنے سے توصحیح تکلیف شرعی کی صورت باقی نہیں رہتی جس کا بندہ مکلف بنایا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسا جبر نہیں ہے کہ جس سے بندہ مسلوب الاختیار ہو کر مجبور محض ہو جائے جو مدار ہے شبہ کا بلکہ زیادہ سے زیادہ اکراہ کہہ سکتے ہیں جس سے خوشدلی سلب ہو جاتی ہے یعنی بادلِ ناخواستہ اور ناخوشی سے وہ تیار ہوئے اور طوعاً کی بجائے کرہاً اس کے لئے آمادہ ہوئے۔

جبریہ تبدیلی مذہب:............لیکن اس پر لا اکراہ فی الدین سے شبہ ہوگا اس کے کئی جواب ہیں (۱) یا تو پہلے مذہب میں یہ اکراہ جائز ہوگا (۲) یا خود آیتِ اکراہ کو حکم جہاد سے منسوخ مانا جائے یعنی شروع اسلام میں زبردستی منع تھی، اب اکراہ ممنوع نہیں ہے کہ اشکال ہو (۳) سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ ابتداءً مذہب قبول کرنے یا نہ کرنے میں آیت لا اکراہ فی الدین کی وجہ سے زبردستی نہیں کی جائے گی مگر جب خوشدلی سے مذہب کو قبول کر لیا جائے تو پھر احکام جزئیہ کی بجا آوری پر ضرور مجبور کیا جائے گا جیسے خاص جرموں پر حدود وقصاص کی سزائیں اور ہوتیں ہیں، اس کی نفی پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہے۔

دنیاوی حکومت کا طرزِ عمل:............چنانچہ سرکاری طور پر پولیس میں بھرتی ہونے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا لیکن از

خود اگر کوئی ملازمت قبول کرے تو ڈیوٹی کی بجا آوری میں ضرور مجبور کیا جائے گا۔ ورنہ مستوجب سزا و تعطل ہوگا اور یہ صورت عین انصاف کہلائے گی۔ رحمت عامہ سے دنیا میں مؤمنین کی طرح کفار بھی متمتع ہیں۔ لیکن رحمت خاصہ کے مستحق آخرت میں صرف مؤمنین ہوں گے اور فضل و رحمت کا مصداق آنحضرت ﷺ بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ کے وجود باوجود کے صدقہ میں عہد شکن یہود موجودین و دنیاوی عذاب سے بچے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ لَامُ قَسَمٍ **عَلِمْتُمُ** عَرَفْتُمُ **الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا** تَجَاوَزُوا الْحَدَّ **مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ** بِصَيْدِ السَّمَكِ وَقَدْ نَهَيْنَاكُمْ عَنْهُ وَهُمْ اَهْلُ اَيْلَةَ **فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾** مُبْعَدِيْنَ فَكَانُوْهَا وَهَلَكُوْا بَعْدَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ **فَجَعَلْنٰهَا** اَيْ تِلْكَ الْعُقُوْبَةَ **نَكَالًا** عِبْرَةً مَانِعَةً مِنْ اِرْتِكَابِ مِثْلِ مَاعَمِلُوْا **لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا** اَيْ لِلْاُمَمِ الَّتِيْ فِيْ زَمَانِهَا وَبَعْدَهَا **وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾** اللّٰهَ وَخُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا بِخِلَافِ غَيْرِهِمْ۔

ترجمہ: .... اور تم جانتے ہی ہو (لقد میں لام قسمیہ ہے) ان لوگوں کا حال جنہوں نے تم میں سے (حد سے) تجاوز کیا تھا ہفتہ کے متعلق (دوبارہ مچھلی کے شکار کے جس سے ان کو روکا تھا یہ لوگ ایلہ کے باشندے تھے) اس لئے ہم نے ان کو حکم دیدیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ (یعنی راندہ چنانچہ وہ مسخ ہوگئے اور تین روز بعد ہلاک ہوگئے) پھر ہم نے اس کو (اس سزا کو) موجب عبرت (اس جیسے کام سے روکنے کے لئے عبرت) بنادیا ان کے معاصرین کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے (ان کے ہم زمانہ لوگوں اور مابعد والوں کے لئے) اور (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لئے موجب نصیحت بنادیا (متقین کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ دراصل یہی نفع حاصل کرنے والے ہیں دوسرے نہیں۔)

ترکیب و تحقیق: .... نکال، بیڑی اور قید کو کہتے ہیں، یہاں مراد لازم یعنی منع کرنا علمتم بمعنی عرفتم فعل بافاعل۔ الذین اعتدوا الخ جملہ مفعول منکم حال ضمیر اعتدوا سے فی السبت اس کے متعلق ہے خاسئین، مشتق از خساء ذلیل ہونا۔ قردۃ کی صفت ہے یا خبر ثانی ہے یا کونوا سے حال ہے۔ نکالا مفعول ثانی ہے۔

ربط: .... اسی سلسلۂ انعامات کا سولہواں (۱۶) واقعہ ذکر فرمایا جاتا ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **مچھلی کا شکار:** .... حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سینکڑوں سال بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ملک شام سمندر کے کنارے ایلہ نام بستی کا یہ واقعہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار کھیلنے کی ممانعت کی اور مذہبی عبادت کے لئے اس روز کو فارغ رکھنے کی ہدایت کی تھی لیکن لوگوں نے یہ حیلہ شروع کر دیا کہ ہفتہ کے روز حوض اور چشموں میں آنے والی نالیوں کے منہ کھول دیئے جاتے اور جب سمندر کی مچھلیاں اس میں آجاتیں تو اتوار کے روز ان کا شکار کر لیا جاتا تھا کچھ روز بعد اس حیلہ کے بغیر ہی مچھلیاں پکڑی جانے لگیں چنانچہ کسی آفت سماوی طاعونی وباء میں مبتلا کر کے ان کی صورتیں مسخ کر دی گئیں، چہرے متورم ہوگئے اور تین روز بعد ہزاروں کی تعداد میں مر گئے۔ کتاب سموئیل کے ۲۴ باب میں اجمالاً اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ اطاعت شعاروں کے لئے اس قصہ کو موعظت اور نافرمانوں کے لئے نکال فرمایا ہے۔

ڈارون کا نظریۂ ارتقاء:............فلاسفۂ جدید کے نزدیک بندر کا ترقی کر کے انسان بننا اگر ممکن ہے تو اس کا عکس یعنی انسان کا تنزل کر کے بندر بننا کیوں ممکن نہیں ہے؟ آخر آگ، پانی، ہوا، ان عناصر میں ایک دوسرے کی طرف انقلاب ماہیت مشاہد اور فلاسفہ کے نزدیک مسلم ہے پھر اس کو محال کہنے کی کیا وجہ ہے۔ رہا دونوں انقلابوں میں آنی اور زمانی ہونے کا فرق، یہ کوئی قابلِ التفات چیز نہیں ہے۔

مسخ معنوی وروحانی:............اور مفسرینؒ میں مجاہدؒ کی رائے یہ ہے کہ مسخ صوری نہیں ہوا تھا بلکہ مسخ معنوی مراد ہے۔ احمق اور بے وقوف کو جس طرح بیل اور گدھا کہہ دیا جاتا ہے یہی یہاں مراد ہے۔ لیکن بلا ضرورت حقیقی معنی کا ترک مناسب نہیں ہے۔ ارباب معرفت کا خیال ہے کہ جو شخص اوضاع شرع کی پرواہ نہیں کرتا اس کا نور باطن زائل ہو کر روح مسخ ہو جاتی ہے اور جس جانور کے اوصاف اس میں راسخ ہوں گے اسی کی طبیعت اس میں پیدا ہو جاتی ہے یہ مسخ باطنی ہو جاتا ہے۔

وَاذْكُرْ **اِذْقَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ** وَقَدْ قُتِلَ لَهُمْ قَتِيْلٌ لَايُدْرٰى قَاتِلُهٗ وَسَاَلُوْهُ اَنْ يَدْعُوَاللّٰهَ اَنْ يُّبَيِّنَهٗ لَهُمْ فَدَعَاهُ **اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ** مَهْزُوًّا بِنَا حَيْثُ تُجِيْبُنَا بِمِثْلِ ذٰلِكَ **قَالَ اَعُوْذُ** اَمْتَنِعُ **بِاللّٰهِ مِنْ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾** اَلْمُسْتَهْزِئِيْنَ فَلَمَّا عَلِمُوْٓا اَنَّهٗ عَزْمٌ **قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَاهِيَ ۭ** اَیْ مَاسِنُّهَا **قَالَ** مُوْسٰى **اِنَّهٗ** اَیِ اللّٰهُ **يَـقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّافَارِضٌ** مُسِنَّةٌ **وَّلَابِكْرٌ ۭ** صَغِيْرَةٌ **عَوَانٌۢ** نصف **بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ** اَلْمَذْكُوْرِ مِنَ السِّنَّيْنِ **فَافْعَلُوْا مَاتُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾** بِهٖ مِنْ ذَبْحِهَا **قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَالَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا** شَدِيْدُ الصُّفْرَةِ **تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾** اِلَيْهَا بِحُسْنِهَا اَیْ تُعْجِبُهُمْ **قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَاهِيَ ۙ** اَسَائِمَةٌ اَمْ عَامِلَةٌ **اِنَّ الْبَقَرَ** اَیْ جِنْسَهُ الْمَنْعُوْتَ بِمَاذُكِرَ **تَشٰبَهَ عَلَيْنَا** لِكَثْرَتِهٖ فَلَمْ نَهْتَدِ اِلَى الْمَقْصُوْدَةِ **وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٧٠﴾** اِلَيْهَا فِي الْحَدِيْثِ لَوْلَمْ يَسْتَثْنُوْا لَمَا بُيِّنَتْ لَهُمْ اٰخِرَ الْاَبَدِ **قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّاذَلُوْلٌ** غَيْرُ مُذَلَّلَةٍ بِالْعَمَلِ **تُثِيْرُ الْاَرْضَ** تُقَلِّبُهَا لِلزِّرَاعَةِ وَالْجُمْلَةُ صِفَةُ ذَلُوْلٍ دَاخِلَةٌ فِي النَّفْيِ **وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ** اَلْاَرْضَ الْمُهَيَّئَةَ لِلزَّرْعِ **مُسَلَّمَةٌ** مِنَ الْعُيُوْبِ وَاٰثَارِ الْعَمَلِ **لَّاشِيَةَ** لَوْنَ **فِيْهَا ۭ** غَيْرَ لَوْنِهَا **قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ** نَطَقْتَ بِالْبَيَانِ التَّامِّ فَطَلَبُوْهَا فَوَجَدُوْهَا عِنْدَ الْفَتَى الْبَارِّ بِاُمِّهٖ فَاشْتَرَوْهَا بِمِلْأِ مَسْكِهَا ذَهَبًا **فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧١﴾** لِغَلَاءِ ثَمَنِهَا وَفِي الْحَدِيْثِ لَوْ ذَبَحُوْا اَیَّ بَقَرَةٍ كَانَتْ لَاَجْزَأَتْهُمْ وَلٰكِنْ شَدَّدُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ **وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْ تُمْ** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الدَّالِ اَیْ تَخَاصَمْتُمْ وَتَدَافَعْتُمْ **فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ** مُظْهِرٌ **مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٧٢﴾** مِنْ اَمْرِهَا وَهٰذَا اعْتِرَاضٌ وَهُوَ اَوَّلُ الْقِصَّةِ **فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ** اَیِ الْقَتِيْلَ **بِبَعْضِهَا ۭ** فَضُرِبَ بِلِسَانِهَا اَوْ عَجْبِ ذَنَبِهَا فَحَيِيَ وَقَالَ قَتَلَنِيْ فُلَانٌ

وَفُلَانٌ اِبْنَا عَمِّهٖ وَمَاتَ فَحُرِّمَا الْمِيْرَاثَ وَقُتِلَا قَالَ تَعَالٰى **كَذٰلِكَ** الْاِحْيَاءِ **يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ** دَلَائِلَ قُدْرَتِهٖ **لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ** ﴿۷۳﴾ تَتَدَبَّرُوْنَ فَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى اِحْيَاءِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ قَادِرٌ عَلٰى اِحْيَاءِ نُفُوْسٍ كَثِيْرَةٍ فَتُؤْمِنُوْنَ ۔

ترجمہ:............ اور وہ زمانہ (یاد کرو) جب کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا (درآنحالیکہ ان میں سے کسی کو قتل کر دیا گیا تھا اور قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ لوگوں نے حضرت موسیٰؑ سے اس کے ظاہر ہونے کے لئے درخواست کی آپ نے دعا فرمائی) حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم ایک بیل ذبح کرو۔ کہنے لگے کہ آپ کیا ہم سے مذاق کر رہے ہیں (مسخرہ بنا رہے ہیں کہ اس طرح کا بے جوڑ جواب دے رہے ہیں) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ نعوذ باللہ (پناہ بخدا) کہ میں جاہلوں میں سے ہوں (جو مذاق کیا کرتے ہیں! جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ پختگی کے ساتھ فرما رہے ہیں) کہنے لگے اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دعا کر دیجئے کہ وہ ہم کو بتلا دے کہ اس کے اوصاف (سن وسال) کیا ہیں (موسیٰؑ نے) فرمایا کہ (حق تعالیٰ) فرماتے ہیں کہ ایسا بیل ہونا چاہئے کہ نہ بالکل بوڑھا ہو (عمر رسیدہ) اور نہ بالکل پٹھا (نوعمر) ہو (ان مذکورہ دونوں سنوں کے) درمیان کا ہو۔ سو کر گزرو جو تم کو حکم دیا گیا ہے (اس کے ذبح کا) کہنے لگے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ ہمارے لئے اس کا رنگ بھی بتلا دے، حضرت موسیٰ نے کہا حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بچھڑا کھلے رنگ کا زرد ہونا چاہئے (تیز زرد رنگ کہ دیکھنے والوں کے لئے فرحت بخش ہو (اپنی خوبصورتی کی وجہ سے تعجب خیز ہو) کہنے لگے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ وہ بتلا دیں کہ اس کے اوصاف کیا کیا ہوں گے (جنگل کا چرنے والا ہو یا لادو ہو) کیونکہ اس بچھڑے میں قدرے اشتباہ ہے (اس کی جنس جو بتلائی گئی ہے کثیر الاشتباہ ہے اس لئے مقصد تک ابھی رسائی نہیں ہوئی) اور ہم ضرور ان شاء اللہ ٹھیک سمجھ جائیں گے (حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو قیامت تک ان پر پوری بات نہ کھلتی) موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ حق ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بچھڑا نہ تو ہل چلا ہو (کہ ہل یا تھے کے کام میں) زمین جوتی ہو (کاشت کیلئے زمین ہموار کی ہو۔ جملہ "تثیر الارض" ذلول کی صفت اور منفی ہے) اور نہ اس سے آب پاشی کی گئی ہو زراعت کے لئے (جو زمین کاشت کے لئے تیار کی گئی ہو) صحیح سالم ہو (تمام عیوب اور آثار محنت سے) کوئی داغ (دھبہ) نہ ہو (عام رنگ کے خلاف نشان) کہنے لگے اب آپ نے صاف بات بتلائی ہے (پورے طریقہ پر کھول کر چنانچہ اب تلاش شروع کی اور اس قسم کا بچھڑا ایک نوجوان کے پاس جو اپنی ماں کا فرمانبردار تھا مل گیا لوگوں نے اس کی کھال بھر سونے کی قیمت کے بدلہ میں بچھڑا اس جوان سے خرید لیا) پھر اس کو ذبح کر ڈالا حالانکہ پہلے وہ کرتے ہوئے معلوم نہیں ہو رہے تھے (اس کی گرانی کی وجہ سے اور حدیث میں آتا ہے کہ اول کوئی سا بچھڑا بھی اگر ذبح کر ڈالتے تو کافی ہو سکتا تھا لیکن خود انہوں نے تشدد پسندی کا ثبوت دیا تو اللہ نے بھی ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ فرمایا) اور جبکہ تم نے ایک آدمی کو قتل کیا۔ پھر اس کو ایک دوسرے پر ڈالنا چاہ رہے تھے (فَادّٰرَءْتُمْ میں اصل تفاعل تھی اس کو دال بنا کر دال میں ادغام کر دیا بمعنی ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا) اور اللہ کو اس بات کا ظاہر کرنا منظور تھا (ظاہر کرنا چاہتا تھا) جس کو تم چھپانا چاہتے تھے (معاملہ قتلی یہ جملہ معترضہ ہے اور واذ قتلتم الخ قصہ کا شروع حصہ ہے) سو ہم نے حکم دیدیا کہ (مقتول) کو اس بچھڑے کے کسی حصہ سے چھو دو (چنانچہ اس کی زبان یا دم سے چھو دیا اور وہ زندہ ہو گیا۔ اور بیان دیا کہ فلاں فلاں چچازاد بھائیوں نے مجھ کو قتل کیا ہے۔ اور یہ بیان دے کر پھر مر گیا۔ چنانچہ ان دونوں بھائیوں کو اس مقتول کی میراث سے محروم کر دیا گیا۔ اور پھر قصاصاً ان کو بھی قتل کر دیا گیا۔ آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اس (واقعہ جلانے کی طرح) حق تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائیں گے اور وہ اپنے نظائر (دلائلِ قدرت) تم کو دکھلاتے رہتے

ہیں اس امید پر کہ تم سمجھداری سے کام لیا کرو (غور وفکر کر کے یہ سمجھ جاؤ کہ جو ایک جان جلانے پر قادر ہے وہ سب کے زندہ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے اور اس پر ایمان لے آؤ۔)

ترکیب وتحقیق:............ہزوا مصدر بمعنی اسم مفعول یا بحذف المضاف ای ذوہزؤ یا مبالغۃً مصدر کا حمل ہے۔زید عدل کی طرح جائز ہے۔فضول کلام کو کہتے ہیں۔قرآن کی فصاحت وبلاغت کے چیلنج کے جواب میں کچھ لوگوں نے ڈھونڈھ کر صرف دو لفظ قابل اعتراض نکالے ایک لفظ ہزءً۔دوسرے لفظ کبار۔اتفاق سے ایک فصیح وبلیغ معمر شخص سامنے آتے دکھلائی دیئے لوگوں نے ان کو اس بارہ میں حکم بنانے کا فیصلہ کیا۔شیخ کی زبان سے نوجوانوں کی صورت دیکھتے ہی جو پہلا جملہ نکلا وہ یہ تھا کہ استھزؤا منا وانا شیخ کبار سب لوگ اس تائید غیبی اور فیصلہ پر دنگ رہ گئے۔بنی اسرائیل کا منشاء اس کہنے سے یہ تھا کہ سوال اور جواب میں کچھ جوڑ نہیں ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ احکام الٰہی کی تبلیغ کے درمیان دل لگی اور مذاق جہل وسفاہت ہوتی ہے۔ماھی یہاں بقرۃ کی حقیقت دریافت نہیں کی جارہی ہے وہ تو مشاہد ہے بلکہ اوصاف دریافت کرتے ہیں جس کے لئے کیف آتا ہے۔لیکن ما جو جنسیت کے لئے آتا ہے یہاں کیف کے معنی میں ہے فارض فرض بمعنی قطع آخر عمر میں گوشت ڈھل ڈھلا اور منقطع سا ہو جاتا ہے۔بین اس کی اضافت امر واحد کی طرف نہیں بلکہ متعدد امور کی طرف ہوتی ہے۔ماتؤمرون ما موصولہ ہے اور عائد محذوف ہے جو اس فعل میں بکثرت محذوف ہوتا ہے فاقع مختلف رنگوں کے لئے مختلف تاکیدی الفاظ لائے جاتے ہیں اصفر فاقع اسود حالك وحانك ابیض بقق ولھق احمر قانی ذوریحی اخضر ناظر ومدھام یہ تاکیدی الفاظ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے جد جدہ وجنونك مجنون ولیلك الیل اخر الابد۔

اس کے معنی قیامت کے ہیں لیکن زمانہ طویل مراد ہے۔شیۃ اس داغ دھبہ کو کہتے ہیں جو عام رنگ کے برخلاف ہو۔اس کی اصل وشیۃ تھی۔واؤ حذف ہوگیا۔ذھباً اول اس کی قیمت صرف تین دینار تھی۔ماکادوا اس فعل مقاربہ نے اس قصیہ کو کاذب ہونے سے نکال دیا۔یعنی پہلے تو ارادہ ذبح کا نہیں تھا بوجہ بدنامی یا قیمت کے زیادہ ہونے یا بار بار آنے جانے کی پریشانی کی وجہ سے لیکن آخرکار مجبوراً آمادہ ہونا پڑا۔کذٰلک محل نصب نہیں ہے۔ای یحی اللہ الموتی احیاء مثل ذٰلک الاحیاء ان اللہ یامرکم الخ مقولہ ہے قال کا ان تذبحوا محلاً منصوب ہے بنزع الخافض اتتخذنا۔یہ پورا جملہ مقولہ ہے انھا میں ضمیر اسم بقرۃ موصوف لافارض الخ تینوں ملکر صفت۔ماتؤمرون مفعول ہے فافعلوا کا۔صفراء صفت اول بقرۃ کی فتح الخ دوسری صفت تسر الناظرین تیسری صفت ان شاء اللہ ای ھدایتنا یہ شرط ہے جواب لمھتدون ہے۔اور مبرد کے نزدیک جواب محذوف ہے بقرۃ موصوف لاذلول صفت تثیر الارض ضمیر ذلول سے حال ہے یا بقرہ کی صفت۔تسقی الحرث بقرہ کی صفت اور مبتداء محذوف کی خبر بھی ہوسکتی ہے۔علیٰ ھذا مسلمۃ الآن میں الف لام زائد ہے اور زجاجؒ کے نزدیک مبنی ہے جس کے معنی اشارہ کے ہیں یعنی ھذا الوقت.

ربط:............یہاں سے سترہواں (۱۷)، اٹھارہواں (۱۸) انعام ذکر کیا جاتا ہے یعنی واقعہ ذبح بقرہ جس سے یہ صورت موسوم ہے جس کی تفصیل ابن عباسؓ کی روایت میں موجود ہے۔

﴿تشریح﴾:............**نیکی، توکل اور والدہ کی خدمت کی برکت:**............مقتول بنی اسرائیل میں کوئی مالدار شخص تھا جس کی اولاد نہیں تھی مال کے لالچ میں کسی عزیز نے اس کو قتل کر دیا۔بچھڑا جس شخص کے یہاں سے مذکورہ صفات کا دستیاب ہوا۔وہ ایک متوکل اور صالح شخص تھا جس نے اپنے یتیم بچہ اور بیوہ بیوی اور اس بچھڑے کو خدا کی تحویل میں دیا تھا جس کی ابتدائی قیمت صرف

تین دینار تھی اوراب توکل کی برکت سے ساری عمر گزارنے کا انتظام ہوگیا۔ چونکہ اہل مصر گوسالہ پرستی میں منہمک تھے ذبح بقرہ کرا کر فی الجملہ اس افراط تعظیم کی اصلاح بھی کرنی تھی۔

واقعہ کی ترتیب قرآنی:............ واقعہ کی ترتیب قرآن کریم میں برعکس ہے اور مقصد اس تقدیم تاخیر کا واقعہ کی دونوں جزؤں سے الگ الگ نتائج نکالنے ہیں۔ اگر واقعہ مرتب طور پر رہتا تو ان اہم نتائج اور ثمرات کی طرف ذہن منتقل نہ ہوتا، جزو اول جو بعد میں مذکور ہوا۔ اس میں اخفاء واردات کی اہمیت اور احکام خداوندی میں ٹال مٹول کی مذمت بیان کرنا ہے۔ دوسرے اور آخری جزء میں جو اول بیان ہوا۔ احیاء موتی کے مہتم بالشان عقیدہ کی بنیاد مضبوط کرنا ہے۔

حیات بعد الموت:............ زندگی اور روح کی حقیقت ایک بخار لطیف کا قلب کہ پلگ میں محفوظ رہتا ہے اور اگر فیوز ہوجائے تو انجینئر (اللہ) کنکشن پھر درست کرسکتا ہے۔ اس واقعہ میں بھی اس کا نمونہ پیش کیا گیا ہے اور یہی حقیقت ہے بعث بعد الموت کی۔ دلیل اس کے استحالہ کی کچھ نہیں ہے۔

دوشبہے اور ان کا جواب:............ یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اگر صرف مقتول کا بیان قاتل کے خلاف معتبر ہوسکتا ہے تو سب جگہ ایسا ہونا چاہئے جو خلاف قواعد ہے ورنہ یہاں بھی نہ ہونا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں وحی الٰہی بھی چونکہ اس بیان کے ساتھ تائید میں شامل ہے کہ یہ بیان صحیح اور واقعہ کے مطابق ہے اس لئے معتبر ہوگیا اور دوسری جگہ وحی نہیں ہوگی بلکہ صرف ایک بیان ہوگا وہ تنہا معتبر نہیں ہوگا۔ نیز یہ شبہ بھی نہ کیا جائے کہ قاتل کا پتہ چلانے کے لئے خدا کو اس خاص طریقہ کے اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ اس کے بغیر بھی ظاہر کراسکتا تھا لان فعل الحکیم المطلق لایخلوعن المصالح والحکم۔

سرمدی زندگی:............ اہل کشف صوفیاء نفس کو بقرہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں چنانچہ دونوں کا رنگ زرد ہو یعنی نفس کو بھری جوانی میں اللہ کی راہ میں قربان کرو تو اس سے حیات حقیقی اور سرمدی حاصل ہوگی۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ اَیُّهَا الْیَهُوْدُ صَلُبَتْ عَنْ قَبُوْلِ الْحَقِّ **مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ** الْمَذْکُوْرِ مِنْ اِحْیَاءِ الْقَتِیْلِ وَمَاقَبْلَهٗ مِنَ الْاٰیَاتِ **فَهِیَ کَالْحِجَارَةِ** فِی الْقَسْوَةِ **اَوْاَشَدُّ قَسْوَةً** مِنْهَا **وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ** فِیْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی الشِّیْنِ **فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَالَمَایَهْبِطُ** یَنْزِلُ مِنْ عُلُوٍّ اِلٰی سِفْلٍ **مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ** وَقُلُوْبُکُمْ لَاتَتَأَثَّرُ وَلَاتَلِیْنُ وَلَاتَخْشَعُ **وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾** وَاِنَّمَا یُؤَخِّرُکُمْ لِوَقْتِکُمْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالتَّحْتَانِیَّةِ وَفِیْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ۔

ترجمہ:............ پھر بھی تمہارے دل سخت ہی رہے (اے یہود قبول حق کے قابل نہیں رہے) ایسے ایسے واقعات (مذکورہ مقتول کو زندہ کرنا وغیرہ) پھر تو اس کی مثال پتھر جیسی ہے (قساوت میں) بلکہ (اس سے) بھی زیادہ سخت اور بعض پتھر تو ایسے ہیں کہ ان سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور ان پتھروں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو شق ہوجاتے ہیں (یشقق اصل میں یتشقق تھا تا تفعل کو شین سے تبدیل کر کے شین میں ادغام کردیا) پھر ان سے پانی نکل آتا ہے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جولڑھک جاتے ہیں (اوپر سے نیچے گر جاتے

ہیں) اللہ کے خوف سے (لیکن تمہارے دل نہ متاثر ہوتے ہیں نہ نرم ہوتے ہیں نہ ڈرتے ہیں) اور حق تعالیٰ تمہاری کرتوت سے بے خبر نہیں ہے (البتہ دنیا میں مہلت دے رکھی ہے اور ایک قرأت میں تعلمون یائے تحتانیہ کے ساتھ ہے یعنی یعلمون. اس صورت میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات کا نکتہ ہوگا۔)

ترکیب وتحقیق:.......... ثم یہاں بُعد زمان کے لئے نہیں ہے بلکہ بعد حال کے لئے ہے یعنی مجازاً استبعاد کے لئے ہے من بعد ذلک بھی اسی کی تاکید کے لئے ہے منہا یعنی قسوۃ منصوب ہے بناء پر تمیز کے اور مفضل علیہ محذوف ہے۔ اقسیٰ بھی اسم تفضیل ہے لیکن یہاں اشد قسوۃ میں زیادہ مبالغہ ہے مادہ اور ہیئت دونوں لحاظ سے لما میں ما موصولہ بمعنی الذی موضع نصب میں ان ہونے کی وجہ سے اور لام تاکید کا ہے۔ او جو شک کے لئے آتا ہے کلام الٰہی میں باعثِ شک ہے اس کے کئی جواب ہیں یا بمعنی واؤ ہے یا تقسیم کے لئے ہے یا بل کے معنی میں ہے۔

ثم استبعاد قساوت کے لئے قست فعل، قلوبکم فاعل من بعد ذلک متعلق، ہی مبتدا کالحجارۃ متعلق ہو کر خبر یا اس میں کاف تمثیلیہ ہے پھر متعلق کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اشد معطوف ہے کاف پر ای او ھی اشد قسوۃ، تمیز لام تاکید ما موصولہ اسم ان یتفجر جملہ صلہ من الحجارۃ ان کی خبر ہے من خشیۃ اللہ منصوب المحل ہے یھبط سے۔

ربط:.......... ان حیرت انگیز واقعات کے باوجود اثر پذیری اور قبولیت حق نہ ہونے پر شکایت فرماتے ہیں۔

﴿تشریح﴾:.......... **آدمی آنتر کوئی ہیرا کوئی پتھر**:.......... یہاں پتھروں کی تاثیر کی ترتیب نہایت لطیف اور افادۂ مقصود میں نہایت بلیغ ہے چنانچہ بعض لوگوں کے دل اجزاء نفع میں ایسے ہوتے ہیں جیسے پہاڑی پتھر جن سے پانی کی نہریں نکلتی ہیں۔ اور بعض دل ان سے کم نفع پتھروں جیسے ہوتے ہیں جن سے پانی کم رستا ہے اور بعض بالکل ہی ضعیف الاثار پتھر جیسے ہوتے ہیں جو خوف خداوندی سے صرف اپنی جگہ سے ہل جاتے ہیں۔ لیکن کفار کے دل ان تینوں سے خالی ہونے کی وجہ سے پتھر سے بھی زیادہ سخت معلوم ہوتے ہیں جن میں کسی طرح اثر پذیری کا نام ونشان نہیں۔

ایک اشکال اور اس کا حل:.......... پتھروں سے کم یا زیادہ پانی کا رسنا تو خیر مشاہد ہے اور اوپر سے نیچے لڑھک جانا بھی مشاہد ہے۔ لیکن گرنے کی علت خوف خداوندی بیان کرنا مخلِ کلام معلوم ہوتا ہے کیونکہ گرنے کا سبب فلسفہ تو ثقلِ طبعی بتلاتا ہے ادھر خشیت الٰہی کے لئے عقل وشعور اور حس کا ہونا ضروری ہے جو یہاں نہیں ہے؟ جواب یہ ہے کہ ڈرنے کے لئے عقل کا ہونا ضروری نہیں ہے چنانچہ بے عقل جانوروں میں بھی خوف کا مشاہدہ ہوتا ہے البتہ خوف کے لئے حِس کا ہونا ضروری ہے اور حِس حیات پر موقوف ہے پس ممکن ہے کہ پتھروں میں بھی نباتات وحیوانات کی طرح لطیف اور غیر محسوس حیات ہو اور اسی کی قدر حس بھی اور اسی کے موجب خشیتِ الٰہی ہوتی ہے۔ نیز ہم ہمیشہ گرنے کا سبب خوف خداوندی کو نہیں کہتے بلکہ بعض دفعہ قرآن کے بیان کے مطابق ہو اور بعض دفعہ فلسفی طبعی کے کہنے کے موافق یا فلسفہ کا دعویٰ سبب ظاہر کے بارہ میں ہو اور قرآنی دعویٰ حقیقی سب کے متعلق ہو۔ ولا مزاحمة فی الاسباب.

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَیُّھَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ **اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا** اَیِ الۡیَھُوۡدُ **لَکُمۡ وَقَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ** طَائِفَۃٌ **مِّنۡھُمۡ** اَحۡبَارُھُمۡ **یَسۡمَعُوۡنَ کَلَامَ اللّٰہِ** فِی التَّوۡرٰۃِ **ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَہٗ** یُغَیِّرُوۡنَہٗ **مِنۡۢ بَعۡدِ مَاعَقَلُوۡہُ** فَھِمُوۡہُ **وَھُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ**﴿۷۵﴾ اَنَّھُمۡ مُفۡتَرُوۡنَ وَالۡھَمۡزَۃُ لِلۡاِنۡکَارِ ای لَاتَطۡمَعُوۡا فَلَھُمۡ سَابِقَۃٌ فِی الۡکُفۡرِ **وَاِذَا لَقُوا** اَیۡ مُنَافِقُوا الۡیَھُوۡدِ **الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡٓا اٰمَنَّا** بِاَنَّ مُحَمَّدًا نَبِیٌّ وَھُوَ الۡمُبَشَّرُ بِہٖ فِیۡ کِتَابِنَا **وَاِذَا خَلَا** رَجَعَ **بَعۡضُھُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ قَالُوۡٓا** اَیۡ رُؤَسَاؤُھُمُ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُنَافِقُوۡا لِمَنۡ نَافَقَ **اَتُحَدِّثُوۡنَھُمۡ** اَیِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ **بِمَافَتَحَ اللّٰہُ عَلَیۡکُمۡ** اَیۡ عَرَّفَکُمۡ فِی التَّوۡرٰۃِ مِنۡ نَعۡتِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ **لِیُحَآجُّوۡکُمۡ** لِیُخَاصِمُوۡکُمۡ وَاللَّامُ لِلصَّیۡرُوۡرَۃِ **بِہٖ عِنۡدَ رَبِّکُمۡ** فِی الۡاٰخِرَۃِ وَیُقِیۡمُوۡا عَلَیۡکُمُ الۡحُجَّۃَ فِیۡ تَرۡکِ اِتِّبَاعِہٖ مَعَ عِلۡمِکُمۡ بِصِدۡقِہٖ **اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ**﴿۷۶﴾ اَنَّھُمۡ یُحَاجُّوۡنَکُمۡ اِذَا حَدَّثۡتُمُوۡھُمۡ فَتَنۡتَھُوۡا قَالَ تَعَالٰی **اَوَلَا یَعۡلَمُوۡنَ** الۡاِسۡتِفۡھَامُ لِلتَّقۡرِیۡرِ وَالۡوَاوُ الدَّاخِلَۃُ عَلَیۡھَا لِلۡعَطۡفِ **اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَایُسِرُّوۡنَ وَمَایُعۡلِنُوۡنَ**﴿۷۷﴾ مَایُخۡفُوۡنَ وَمَایُظۡھِرُوۡنَ مِنۡ ذٰلِکَ وَغَیۡرِہٖ فَیَرۡعُوۡا عَنۡ ذٰلِکَ

ترجمہ: .... کیا اب بھی تم امید رکھتے ہو (اے مسلمانو!) کہ یہ ایمان لے آئیں گے (یہودی) تمہارے کہنے سے حالانکہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں (ان کے علماء) کہ وہ اللہ کا کلام سنتے ہیں (تورات میں) پھر اس کو ردوبدل کر ڈالتے ہیں (تبدیل کر دیتے ہیں) سمجھنے (جاننے) کے بعد ایسا کرتے ہیں حالانکہ یہ جانتے بھی ہیں (کہ یہ افتراء پردازی کر رہے ہیں اور ''افتطمعون'' میں ہمزہ استفہام انکاری ہے یعنی ان کے ایمان کی امید نہ رکھو کیونکہ یہ کفر میں بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں) اور جب ملتے ہیں (منافق یہودی) مسلمانوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں (کہ محمد ﷺ نبی ہیں اور ہماری کتابوں میں ان ہی کے لئے بشارت دی گئی ہے) اور جب تنہائی میں ملتے ہیں (جاتے ہیں) ان میں سے بعض بعض کے پاس تو کہتے ہیں (وہ رؤساء جو علانیہ یہود ہیں منافق یہودیوں سے) کہ کیا تم بتلا دیتے ہو (مسلمانوں سے) وہ باتیں جو اللہ نے تم پر منکشف کر دی ہیں (یعنی تم کو تورات میں محمد ﷺ کے اوصاف بتلا دیئے ہیں) جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان تم کو حجت میں مغلوب کر دیں گے (جھگڑا کر کے تم پر غالب آ جائیں گے اس میں لام عاقبۃ کا ہے) تمہارے پروردگار کے سامنے (آخرت میں اور تمہارے برخلاف حجۃ قائم کر دیں گے کہ تم نے آپ کی صداقت سے واقف ہونے کے باوجود آپ کا اتباع نہیں کیا ہے) کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ہو (کہ مسلمان تمہارے خلاف دلیل قائم کر رہے ہیں جبکہ تم ان سے ایسی باتیں کہتے ہو اس لئے تمہیں باز آ جانا چاہئے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) کیا ان کو اس کا علم نہیں ہے (اس میں ہمزہ استفہام تقریر کے لئے ہے اور اس پر جملہ داخل ہونے والا واؤ عاطفہ ہے) کہ حق تعالیٰ کو سب خبر ہے ان چیزوں کو بھی جن کو یہ چھپا رہے ہیں اور جن کا اظہار کر رہے ہیں (اس وقت یا اس کے علاوہ جو کچھ مخفی رکھتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اس کوشش اخفاء سے ان کو باز آ جانا چاہئے۔)

ترکیب وتحقیق: .... ہمزہ استفہام تین حروف عاطفہ فا، واؤ، ثم پر داخل ہوتا ہے۔ البتہ اس کی ترتیب میں اختلاف۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ ہمزہ چونکہ صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لئے اس کو شروع میں مانا جائے گا اور کسی چیز کو محذوف نہیں مانا جا۔ گا۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی فاتطمعون ولا یعلمون وثم اذا ماوقع علامہ زمخشری کی رائے یہ ہے کہ ہمزہ کا بدل مدخوا

محذوف ہوتا ہے جس پر سیاقِ عبارت دلالت کیا کرتا ہے۔مثلاً یہاں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی اتسمعون اخبارهم فتطمعون اس کے بعد مفسرؒ علام نے ایھا المومنون نکال کر اشارہ کیا ہے کہ مخاطب آنحضرت ﷺ اور مؤمنین ہیں اور بعض کی رائے میں صرف حضور ﷺ مخاطب ہیں اور صیغہ جمع تعظیماً لایا گیا ہے۔ لکم لام زائد ہے یالام اجلیہ ہے لیحاجوکم لام صیرورت کا ہے یعنی لام عاقبت کا ہے جیسے لدو البلموت عند ربکم یہ متعلق ہے یحاجوا کے اور قاضی بیضاویؒ نے اس کو ضمیر بہ سے بدل قرار دیا ہے۔ تعقلون کے بعد مفسرؒ نے مفعول محذوف نکالا ہے۔او لا یعلمون ہمزہ اقرار واعتراف کے لئے ہے جس میں توبیخ مقصود ہوتی ہے۔ واؤ عاطفہ دراصل اس سے پہلے آنا چاہئے تھا مگر ہمزہ کی صدارت کلام کی وجہ سے اس کو مؤخر کر دیا جاتا ہے۔تقدیر عبارت میں اس طرح ہے الا یتاملون و لا یعلمون ان یؤمنوا بتقدیر حرف خبر ہے ای فی ان یؤمنون،وقد کان جملہ حالیہ ہے منهم موضع رفع میں ہے فریق کی صفت ہے اور یسمعون جملہ کان کی خبر ہے اور فریق اسم ہے اذا حرف شرط لقوا الخ شرط۔قالوا امنا جوابِ شرط اور اسی طرح اذا خلا بعضهم الخ شرط۔قالوا الخ جواب شرط بما فتح الله میں ما موصولہ یا موصوفہ یا مصدریہ ہے۔

ربط: .... یہود کی نالائقیاں ذکر کر کے مسلمانوں کو ان کے ایمان لانے سے ناامید اور مایوس ہو جانے کو بتلانا ہے تاکہ تبلیغی اور اصلاحی سلسلہ میں جو ان کو انتہائی فکر وکوشش سے کوفت وکلفت پیش آتی رہتی ہے اس میں اعتدال پیدا ہو جائے یہ انیسواں اور بیسواں معاملہ ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **یہود کی تین جماعتیں:** .... ان دونوں آیتوں میں یہود کی تین جماعتوں کا ذکر ہے۔

اول جماعت محرفین کی ہے۔جنہوں نے کلام الٰہی یعنی تورات کو انبیاء علیہم السلام سے سننے کے باوجود اس میں ردوبدل اور کانٹ چھانٹ کر دی ہے۔خواہ تحریف لفظی کی ہو یا معنوی یا دونوں۔اسی طرح کوہِ طور پر جو ستر آدمیوں نے کلام الٰہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں سن کر اس میں ترمیم کر دی تھی وہ بھی اس میں داخل ہیں اور جن کے اسلاف کا حال یہ ہو ان کے اخلاف کیونکر ان کے خلاف ہو سکتے ہیں۔اس لئے ان سب کی اصلاح وہدایت کی کوئی توقع نہ رکھئے۔دوسری آیت میں یہود منافقین کا جن کا سرکردہ عبداللہ ابن ابی ہے اور دوسری جماعت علانیہ کفار یہود کا مکالمہ نقل کیا جاتا ہے کہ اگر کبھی خوشامد میں پہلی جماعت کے کچھ لوگ مسلمانوں کے سامنے کبھی ایک دو بات حقیقت کی اگل بھی دیتے ہیں تو روٴسا یہود ان پر عتاب وملامت اور ان سے مواخذہ وباز پرس کئے بغیر نہیں چھوڑتے۔پس جن کا حال اس قدر پتلا ہو ان سے امید ہدایت فضول ہے۔ابتداء سورت میں منافقین کے یہ الفاظ مسلمانوں کے ساتھ معاملاتی حیثیت سے ذکر کئے گئے ہیں اور یہاں ناامیدی ایمان کے ذیل میں ان کو نقل کیا جارہا ہے چونکہ غرض بدل گئی اس لئے تکرار کا شبہ نہ کیا جائے۔

وَمِنْهُمْ اَیِ الْيَهُوْدِ **اُمِّيُّوْنَ** عَوَامٌ **لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ** التَّوْرٰةَ **اِلَّا** لٰكِنْ **اَمَانِيَّ** اَكَاذِيْبَ تَلَقَّوْهَا مِنْ رُؤَسَائِهِمْ فَاعْتَمَدُوْهَا **وَاِنْ مَا هُمْ** فِيْ جَحْدِ نُبُوَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهٖ مِمَّا يَخْتَلِقُوْنَهٗ **اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴿۷۸﴾** ظَنًّا وَلَا عِلْمَ لَهُمْ **فَوَيْلٌ** شِدَّةُ عَذَابٍ **لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ** اَیْ مُخْتَلَقًا مِنْ عِنْدِهِمْ **ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا** مِنَ الدُّنْيَا وَهُمُ الْيَهُوْدُ غَيَّرُوْا صِفَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّوْرٰةِ وَاٰيَةَ الرَّجْمِ وَغَيْرَهَا وَكَتَبُوْهَا عَلٰى خِلَافِ مَا اُنْزِلَ **فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ** مِنَ الْمُخْتَلَقِ **وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ﴿۷۹﴾** مِنَ الرُّشٰى

ترجمہ:......... اور بعض (ان یہود) میں سے ناخواندہ (عوام) ہیں جو کتاب (تورات) کا علم نہیں رکھتے۔ البتہ خوش کن باتیں ہیں (غلط بے بنیاد کہ ان کے بڑوں نے جتلا دی ہیں اور انہوں نے ان پر اعتماد کرلیا ہے) اور یہ لوگ کچھ نہیں ہیں (نبوت وغیرہ باتوں کے من گھڑت انکار میں) مگر خیالات پکا لیتے ہیں انکل کے تیر ہیں ان کے پاس صحیح علم نہیں ہے) بڑی خرابی (سخت ترین سزا) ان لوگوں پر ہوگی جو اپنے ہاتھوں سے کتاب (گھڑ گھڑ کر) لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ غرض یہ ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ کچھ تھوڑا سا نقد وصول کرلیں (قدرے دنیا، مراد یہود ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے اوصاف کو اور آیت رجم وغیرہ کو تورات میں تبدیل کر کے ان کی جگہ برعکس باتیں درج کردیں) ان کو اس کی بدولت جو ان کے ہاتھوں نے من گھڑت لکھا ہے اور بربادی ہوگی اس (رشوت) کی بدولت جس کو وہ وصول کرلیا کرتے تھے۔

ترکیب وتحقیق:......... الا بمعنی لکن یعنی استثناء منقطع ہے کیونکہ امانی اور امیدیں کتاب کی جنس سے نہیں ہیں۔ امانی جمع امنیۃ بروزن افعولۃ۔ انسان دل میں جو خیالات پکاتا ہے اسی لئے کذب اور مایقرء پر بھی اطلاق ہوتا ہے یہاں بھی آنحضرت ﷺ کے اوصاف اور حلیہ مذکورہ فی التورات کو تبدیل کرنا اور خود کو ابناء اللہ و احباءہ سمجھنا اور یہ کہ جہنم میں ہم داخل نہیں ہوں گے مگر عارضی۔ اور اللہ ہم سے خطاؤں پر مواخذہ نہیں کرے گا۔ یہ سب بے بنیاد باتیں ہیں۔ الظن اس کا اطلاق کبھی علم الیقین قطعی مع الدلیل کے خلاف پر بھی آتا ہے یعنی علم بلا دلیل یا غیر قطعی دلیل والے علم کو بھی ظن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ویل عربی زبان میں یہ لفظ اظہار ناراضگی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے تف وغیرہ کلمات۔ امام احمدؒ اور ترمذیؒ ابو یعلیؒ وغیرہ نے جس روایت سے اس کو جہنم کا کنواں کہا ہے یا ابن جریرؒ نے جہنم کا پہاڑ کہا ہے ان سب میں خدا کی ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لئے سب معانی درست ہیں۔ کتاب مراد توراۃ یا اس کی کتابت یا دونوں معنیٰ ہیں۔ امیون مبتدا موصوف۔ لایعلمون صفت منھم خبر مقدم الا امانی استثناء منقطع فویل للذین جملہ ہے الکتاب مفعول بہ یشتروا متعلق ہے۔ یقولون کے مما کتبت اور مما یکسبون مفعول بہ۔

ربط:......... گذشتہ آیات میں خواندہ لوگوں کا ذکر تھا۔ ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت میں ناخواندہ اور عوام کی حالت کا نقشہ کھینچا جاتا ہے۔ دوسری آیت میں پھر ان کے علماء کی بدحالی بیان کی جارہی ہے۔

﴿تشریح﴾: **خوابوں کی جنت:**......... پہلی آیت میں چوتھی جماعت یعنی عوام کا حال مذکور ہے کہ وہ بے اصل و بے سند خوابوں کی جنت میں آباد ہیں۔ اور یہ برائی بھی دراصل ان کے علماء ہی کی پیدا کردہ ہے کہ علم صحیح سے ان کو آشنا نہیں ہونے دیا بلکہ خیالی ڈھکوسلوں کے سبز باغ دکھلا دکھلا کر اور تخیلات کی شراب کہن پلا پلا کر ان کو اس قدر بدمست کردیا ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش کے بنے ہوئے سنہری جال سے نکلنے کے لئے کسی طرح بھی آمادہ نہیں ہیں جس کی نظیر آجکل کے پیرزادوں میں پائی جاتی ہے۔

علماء سو کا قصور:......... اور چونکہ یہ ساری توہم پرستی بدعقیدگی، جہالت ان کے علماء کی پیدا کردہ یا ان کی غفلت اور عوام کی حالت سے بے خبری کا نتیجہ ہے اس لئے تمام تر ذمہ داری ان کے علماء پر آتی ہے اس لئے ان پر لتاڑ ڈالی جاتی ہے کہ تمام خرابیوں کی جڑ تم ہو کہ عوام کی رضا جوئی اور اپنے اقتدار کی حفاظت کی خاطر کتاب اللہ تورات میں ہیرا پھیری کرتے رہے ہو۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا حلیہ مبارک تورات میں ان الفاظ کے ساتھ تھا حسن الوجہ، جعد الشعر، کحل العین، ربعۃ (خوبصورت، گھونگھریالے بال، سرگیں آنکھیں، متوسل قد) اس کو بدل کر طوال، ازرق، سبط الشعر (لانبے، نیلی آنکھیں، سیدھے بال) الفاظ کردیئے گئے اسی طرح زنا

کی سزا رجم یعنی سنگسار لکھی تھی اس کی بجائے جلدوا یعنی کوڑوں سے اور تحمیم یعنی منہ کالا کرنے سے اس کو تبدیل کر دیا۔

کتابتِ قرآن پر اُجرت:............ بعض لوگوں نے اس آیت سے قرآن کی کتابت پر اجرت لینے کو ناجائز کہا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے اسی طرح بعض لوگوں نے اس آیت سے احکام شرع میں ظن کے حجت نہ ہونے پر استدلال کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ آیت میں کفار کے جس ظن (گمان کو امانی میں داخل کیا گیا ہے وہ خاص تخمین ہے جو بلا دلیل ہو بلکہ جس کی بنیاد خلاف دلیل پر ہو لیکن اصول شرع میں جس ظن کا اعتبار ہے وہ کسی نہ کسی صحیح دلیل کی طرف مستند ہوتا ہے اس لئے دونوں میں بونِ بعید ہے۔

وَقَالُوْا لَمَّا وَعَدَهُمُ النَّبِيُّ النَّارَ **لَنْ تَمَسَّنَا** تُصِيْبَنَا **النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً** قَلِيْلَةً اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا مُدَّةَ عِبَادَةِ اٰبَائِهِمُ الْعِجْلَ ثُمَّ تَزُوْلُ **قُلْ** لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ **اَتَّخَذْتُمْ** حُذِفَ مِنْهُ هَمْزَةُ الْوَصْلِ اِسْتِغْنَاءً بِهَمْزَةِ الْاِسْتِفْهَامِ **عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا** مِيْثَاقًا مِنْهُ بِذٰلِكَ **فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ** بِهٖ لَا **اَمْ** بَلْ **تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى** تَمَسُّكُمْ وَتَخْلُدُوْنَ فِيْهَا **مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً** شِرْكًا **وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ** بِالْاِفْرَادِ وَالْجَمْعِ اَیْ اسْتَوْلَتْ عَلَيْهِ وَاَحْدَقَتْ بِهٖ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ بِاَنْ مَاتَ مُشْرِكًا **فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾** رُوْعِيَ فِيْهِ مَعْنٰى مَنْ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾** ع

ترجمہ:............ اور (یہود یہ بھی) کہتے ہیں (جبکہ حضور ﷺ ان کو نار جہنم سے ڈراتے ہیں) کہ ہرگز ہم کو نہیں چھو سکتی (نہیں پہنچ سکتی) آگ مگر چند روز گنتی کے (مختصر چالیس روز کی مدت جس میں ان کے آباد گوسالہ پرستی کرتے رہے اس کے بعد آگ ہٹالی جائے گی)۔ آپ (اے محمد ﷺ) ان سے فرما دیجئے کہ کیا تم نے لے لیا ہے (اتخذتم دراصل أ اتخذتم تھا ہمزہ استفہام کی موجودگی کی وجہ سے ہمزۂ وصل حذف کردی گئی ہے) اللہ سے عہد (اس پر کوئی پیمان) جس میں اللہ تعالیٰ اپنے معاہدہ کے خلاف نہ کریں گے (ایسا نہیں ہے) بلکہ تم لوگ اللہ کے ذمہ ایسی بات لگا رہے ہو جس کی کوئی علمی سند اپنے پاس نہیں رکھتے ہو (بلکہ نار جہنم تم کو چھوئے گی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے) جو شخص قصداً بری بات کرتا ہے (مراد شرک) اور اس کی خطائیں اس کا احاطہ کر لیں (لفظ خطیئۃ مراد اور جمع کے صیغہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی وہ قصور اس پر چھا جائیں اور اس کو اس طرح ہر طرف سے گھیر لیں) کہ وہ شرک کی حالت میں مر جائے) ایسے لوگ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (ضمیر جمع ھم میں معنیٰ من کی رعایت کی گئی ہے) اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک کام کریں گے ایسے لوگ بہشتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ترکیب و تحقیق:............ **فلن یخلف** یہ شرط مقدر کا جواب ہے ای ان کنتم اتخذتم عند اللہ عھداً لا ام بل یہاں ام منقطعہ بمعنی بل ہے اور استفہام انکار اتخاذ کے لئے ہے اور بل کے معنی اضراب وانتقال کے ہوں گے اسی لئے مفسر علام نے ہمزہ کا جواب لائے نافیہ سے مقدر کیا ہے مگر ہمزہ کے ماتحت کی نفی اور ام کے ماتحت کا اثبات ہے اور کلام خبری ہے۔ سیئۃ جلال محقق نے سیئۃ کی تفسیر شرک کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ ومجاہدؒ کے موافق کی ہے۔ قالوا فعل بافاعل، لن تمسنا الخ جملہ مفعول الایام، ایام منصوب علی الظرفیۃ، ایام دراصل ایوام تھا یوم کی جمع۔ واؤ کو یاء کر کے ادغام کر دیا گیا۔ بلیٰ کلمہ ایجاب من مبتدا، اصحاب النار خبر جملہ

جواب شرط،ام ہمزۂ استفہام کے معنی میں ہے ای الامرین کائن اس صورت میں ام متصلہ ہوگا اور یا منقطعہ بمعنی بل ہے۔

ربط:............پہلی آیت میں ان کے امانی کی تمثیل وتشریح بیان کی گئی ہے گویا یہ ان کی اکیسویں (۲۱) برائی ہے۔ دوسری آیت میں ان کے اس زعم کے ابطال میں ایک ضابطہ ارشاد فرمایا جاتا ہے جس سے ان کے اس پندار کی حقیقت اور قلعی کھل کر رہ گئی ہے۔

﴿تشریح﴾:............**خیال آفرینیاں**:............یہود نے یہ خیالی ڈھکوسلے اپنے دلوں میں جما رکھے تھے کہ (۱) نحن ابناء الله و احباء ہ ہم خدا کے محبوب ومقبول ہیں اسی لئے ہمارے سارے گناہ معاف ہیں (۲) آباؤ اجداد چونکہ انبیاء اور رسول ہیں اس لئے وہ ہم کو دوزخ سے بچالیں گے (۳) بالفرض اگر جہنم میں جانا ہی ہوا تو چندروز ہوگا۔ (۴) مستحق نبوت صرف ہمارا خاندان ہے۔ فی الحقیقت لن تمسنا الخ کے عقیدہ کی فاسد بنیاد ان کا یہ گمان تھا کہ وہ دین موسوی کو دائمی اور غیر منسوخ سمجھتے تھے اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لانے سے خوف کو کافر بھی نہیں سمجھتے تھے اگر کسی گناہ کی پاداش میں دوزخ میں گئے بھی تو بعد چندے نجات ہو جائے گی۔ حالانکہ یہ رائے ان کی بناء الفاسد علی الفاسد ہے اس لئے حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے انکار کی وجہ سے ان کو کافر ہی سمجھا جائے گا۔ نیز بعد چندے نجات کا وعدہ کسی آسمانی کتاب میں بھی ان کے لئے موجود نہیں ہے اس لئے ان کا یہ دعویٰ بلادلیل بلکہ خلاف دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

معیارِ کامیابی:............آگے جو ضابطہ ارشاد ہے اس کے لحاظ سے بھی یہ اول گروہ میں داخل ہونے کی وجہ سے نارِ جہنم کے مستحق ٹھہرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ گناہوں نے جس زندگی کو چاروں طرف سے ایسی طرح گھیر لیا ہو کہ نورِ ایمان بالکل بجھ گیا ہو تو اس کے اگر کچھ بھلے اور نیک کام بھی ہوں گے ان کو حبط وضبط کر کے اس کو داخلِ جہنم کر دیا جائے گا اس ضابطہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسے خبطی قابل ضبطی ہوں۔

معتزلہ پر رَدّ:............معتزلہ کا اس آیت سے گناہِ کبیرہ کرنے والے کے لئے ابدی جہنم کے استحقاق پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ بقرینۂ حال یہود، نیز الفاظ احاطت به خطیئته پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں صرف کافر کا خلودِ نار اور مومن کا خلودِ جنت بیان کیا گیا ہے اور بدعمل مسلمان کا ضابطہ اس آیت میں نہیں ہے۔ دوسری روایات وآیات سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مثلاً آیت ان الله لایغفر ان یشرک به ویغفر ما دون ذلک سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نجات کا وعدہ ہے اور من یعمل مثقال ذرۃٍ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ سے معلوم ہوا کہ نیکی اور بدی کا پھل بھی اس کو ملے گا اور عقل صحیح کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ مومن کامل جس نے ایمان و اعمال صالحہ دونوں تقاضے پورے کئے وہ ابدی جنت کا مستحق اور کافر جس نے ایمان وعمل صالح کے دونوں تقاضوں کو فوت کر دیا وہ ابدی جہنم کا مستحق اور بدعمل مومن جس نے ایک تقاضا پورا کیا اور ایک چھوڑ دیا سزاء وجزاء کا مجموعہ ہونا چاہئے۔

وَاذْكُرْ **اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** فِي التَّوْرٰةِ وَقُلْنَا **لَاتَعْبُدُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **اِلَّا اللّٰهَ** خَبَرٌ بِمَعْنَى النَّهْيِ وَقُرِئَ لَاتَعْبُدُوْا وَ اَحْسِنُوْا **بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا** بِرًّا **وَّذِي الْقُرْبٰى** الْقَرَابَةِ عَطْفٌ عَلَى الْوَالِدَيْنِ **وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ** قَوْلًا **حُسْنًا** مِنَ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالصِّدْقِ فِيْ شَاْنِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالرِّفْقِ بِهِمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْحَاءِ وَسُكُوْنِ السِّيْنِ مَصْدَرٌ وُصِفَ بِهِ

مُبَالَغَةً وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ فَقَبِلْتُمْ ذٰلِکَ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اَعْرَضْتُمْ عَنِ الْوَفَاءِ بِهٖ فِیْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَیْبَةِ وَالْمُرَادُ اٰبَاؤُهُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ عَنْهُ کَاٰبَائِکُمْ

ترجمہ:.........اور (وہ زمانہ یاد کیجئے) جب ہم نے بنی اسرائیل سے قول وقرار لیا (تورات میں اور ہم نے کہا) کہ کسی کی عبادت نہ کرنا (لفظ تعبدون کی قرأت تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے) بجز اللہ کے (یہ خبر بمعنی نہی ہے اور دوسری قرأت میں لاتعبدوا پڑھا بھی گیا ہے) اور (احسان کرو) ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک اور رشتہ داروں کے ساتھ (قربیٰ بمعنی قرابۃ اور ذی القربیٰ کا عطف والدین پر ہے) اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور عام لوگوں سے اچھی باتیں کہو (یعنی بھلائی کا حکم کرو اور برائی کی ممانعت کرو اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں راست بازی سے کام لو اور لوگوں سے نرمی کرو۔ ایک قرأت میں ضم حاء اور سکون سین کے ساتھ حُسْنًا مصدر پڑھا گیا ہے بطورِ مبالغہ کے حمل ہو جائے گا) اور نماز کی پابندی رکھنا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہنا (اور تم نے ان احکام کو قبول کر لیا تھا) پھر تم پھر گئے (اس قول وقرار کو پورا کرنے سے اعراض کر لیا۔ لفظ تولیتم میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات پایا گیا اس سے مراد ان کے آباؤ اجداد ہیں) بجز چند افراد کے اور (اس) اقرار سے بھی تم اپنے آباء کی طرح) پھر گئے۔

ترکیب وتحقیق:.......... لاتعبدون اس سے پہلے محققؒ نے قلنا مقدر مان کر اخذنا پر عطف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس میں دو قرأتیں ہیں مشہور قرأت لاتعبدون جملہ خبریہ معنی میں لاتعبدوا نہی کے ہے اور نہی کو بصورت خبر ادا کرنا صریح نہی سے زیادہ ابلغ سمجھا جاتا ہے گویا اس صورت میں اشارہ ہوتا ہے کہ نہی پر عملدرآمد کی اس درجہ رغبت ہے کہ گویا عملدرآمد کر کے خبر دیدی گئی ہے اور دوسری قرأت لاتعبدوا صیغہ نہی صریح کے ساتھ ہے لیکن یہ قرأت شاذ ہے جس کی طرف قرئ صیغہ تمریض سے مفسرؒ علام نے اشارہ کیا ہے اور مفسرؒ کی غالب عادت یہ ہے کہ قرأت متواترہ کو لفظ وفی قراءۃ سے تعبیر کرتے ہیں اور قرأۃ شاذہ کو وقرئ سے احسانا متعلق ہے۔ مضمر کی تقدیر عبارت اس طرح ہے تحسنون او احسنوا احسانا. مسکین بروزن مفعیل مشق سکون سے ہے گویا فقیر نے اس کو ساکن بنا دیا ہے حسنًا بضم الحاء وفتح الحاء دونوں صورتوں میں مصدر ہے مبالغہ کے طریقہ پر زید عدل کی طرح ہے۔ تولیتم سے پہلے قبلتم اس لئے مقدر مانا ہے تاکہ اس کا عطف صحیح ہو جائے۔ التفات کا مطلب یہ ہے کہ پہلے کلام ...... کی روش میں تبدیلی کر دی جائے جس سے نشاط اور التذاذ پیدا ہو جائے اور مخاطب کی اکتاہٹ دور ہو جائے۔ لاتعبدوا الخ جواب قسم ہے جو اخذنا سے مستفاد ہوئی ہے۔ ای احلفنا هم وقلنا لهم یا بحذف ان وتقدیر حرف الجر ہو ای علی ان لا تعبدوا جیسا کہ الا ایهذا الزاجر احضر الوغی میں ہے اور صیغہ نہی کی تقدیر پر لاتعبدو میثاق سے بدل ہو جائے گا۔ یا بحذف حرفِ جر اس کا معمول ہے۔ نافعؒ، ابن عامر، ابوعمرو عاصم کی قرأت میں لاتعبدون ہے اور باقی قراء نے لایعبدون پڑھا ہے۔

ربط:.......... یہاں سے یہود کا بائیسوں (۲۲) معاملہ مذکور ہے۔

﴿تشریح﴾:.......... اللہ کی بندگی کے بعد والدین کی اطاعت وخدمت:.......... ایک طرف خالق حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں اور دوسری طرف سبب پیدائش بظاہر والدین ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ والدین کا حق الخدمت بھی بتلا دیا۔ حق اللہ کی تقدیم کی طرف مشیر ہے کہ اگر دونوں حقوق میں کسی وقت مزاحمت ہو جائے تو مرجح اور مقدم اول ہی رہے گا۔ اسی طرح الا قرب فالاقرب کے قاعدہ سے دوسرے قرابتداروں کے حقوق کی نگہداشت کی بھی تلقین فرمائی گئی ہے حتیٰ کہ

عامۃ الناس بھی تمہاری ہمدردیوں اور خوش اخلاق سے محروم نہیں رہنے چاہئیں۔ لیکن عبداللہ بن سلامؓ جیسے اطاعت شعار اور وفادار لوگوں کے علاوہ عام طور پر دوسرے یہود نے اس عہد کی پاسداری ملحوظ نہیں رکھی اور وفاء عہد سے پھر گئے، یہ عہد اگر چہ یہود کے اسلاف سے لیا گیا تھا چونکہ موجودہ یہود ان کے کارناموں سے متفق ہیں اس لئے خطاب وعتاب میں ان کو بھی شریک سمجھا جائے گا۔

وَ اذْکُرْ **اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ** وَقُلْنَا **لَاتَسْفِکُوْنَ دِمَآءَ کُمْ** تُرِیْقُوْنَهَا بِقَتْلِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا **وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ** لَایُخْرِجُ بَعْضُکُمْ بَعْضًا مِنْ دَارِہٖ **ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ** قَبِلْتُمْ ذٰلِكَ الْمِیْثَاقَ **وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴿۸۴﴾** عَلٰی اَنْفُسِکُمْ **ثُمَّ اَنْتُمْ** یَا **هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَکُمْ** یقتل بَعْضُکُمْ بَعْضًا **وَتُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًامِّنْکُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ** فِیْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی الظَّاءِ وَفِیْ قِرَاءَ ۃٍ بِالتَّخْفِیْفِ عَلٰی حَذْفِهَا تَتَعَاوَنُوْنَ **عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ** اَلْمَعْصِیَۃِ **وَالْعُدْوَانِ** الظلم **وَاِنْ یَّاْتُوْکُمْ اُسٰرٰی** وَفِیْ قِرَاءَۃٍ اَسْرٰی **تُفْدُوْهُمْ** وَفِیْ قِرَاءَ ۃٍ تَفْدُوْهُم تُنْقِذُوْهُم مِنَ الْاَسْرِ بالمالِ اَوْغَیْرِہٖ وَهُوَ مِمَّاعُهِدَ اِلَیْهِمْ **وَهُوَ** ای الشَّانُ **مُحَرَّمٌ عَلَیْکُمْ اِخْرَاجُهُمْ** مُتَّصِلٌ بِقَوْلِہٖ وَتُخْرِجُوْنَ وَالْجُمْلَۃُ بَیْنَهُمَا اِعْتِرَاضٌ وَهُوَاَیْ کَمَا حَرَّمَ تَرْكَ الْفِدَاءِ وَکَانَتْ قُرَیْظَۃُ حَالَفُوْا الاَوْسَ وَالنَّضِیْرُ الْخَزْرَجَ فَکَانَ کُلُّ فَرِیْقٍ یُقَاتِلُ مَعَ حُلَفَائِہٖ وَیُخْرِبُ دِیَارَهُمْ وَیُخْرِجُهُمْ فَاِذَا اُسِرُوْا افدوهم وَکَانُوا اِذَا سُئِلُوْا لِمَ تُقَاتِلُوْنَهُمْ وَتَفْدُوْنَهُمْ قَالُوْا اُمِرْنَا بِالْفِدَاءِ فَیُقَالُ فَلِمَ تُقَاتِلُوْنَهُمْ فَیَقُوْلُوْنَ حَیَاءً اَنْ یَّسْتَذِلَّ حُلَفَاؤُنَا قَالَ تَعَالٰی **اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ** وَهُوَ الْفِدَاء **وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ** وَهُوَ تَرْكُ الْقَتْلِ وَالْاِخْرَاجِ وَالْمُظَاهَرَۃِ **فَمَاجَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ** هَوَانٌ وَذِلٌّ **فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا** وَقَدْخُزُوْا بِقَتْلِ قُرَیْظَۃَ ونَفْیِ النَّضِیْرِ اِلَی الشَّامِ وَضَرْبِ الْجِزْیَۃِ **وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۸۵﴾** بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ **اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَۃِ** بِاَنْ اٰثَرُوْهَا عَلَیْهَا **فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَاهُمْ یُنْصَرُوْنَ﴿۸۶﴾** یُمْنَعُوْنَ مِنْه۔

ترجمہ: ....اور (وہ زمانہ بھی یاد کرو) جب ہم نے تم سے یہ قول وقرار لیا (اور یہ کہا) کہ باہم خونریزی نہ کرنا (ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا) اور ایک دوسرے کو بے وطن نہ کرنا (ایک دوسرے کو وطن سے مت نکالنا) پھر تم نے اقرار بھی کرلیا (اس عہد کو قبول کرلیا) درال حالیکہ تم (اپنے نفسوں پر) شہادت دے رہے تھے پھر تم (اے لوگو!) ایک دوسرے کو باہم قتل وقتال بھی کر رہے ہو (آپس میں خون خرابہ کرتے ہو) اور ایک دوسرے کو جلاوطن بھی کر رہے ہوامداد کرتے ہوئے (تظاهرون دراصل تتظاهرون تھا تا کو ظا سے بدل کر ظا میں ادغام کردیا اور دوسری قرأت میں دو تاء میں سے ایک محذوف بھی ہے یعنی وہ تعاون کرتے ہیں) اپنوں کے مقابلہ میں گناہ (معصیت اور نا انصافی (ظلم) کے ساتھ اور اگر ان میں سے کوئی گرفتار ہو کر تمہارے پاس آتا ہے (دوسری قرأت میں لفظ اسری آیا ہے) تو ان کو کچھ خرچ کرکرا کر رہا کردیتے ہو (دوسری قرأت میں تفادوهم کی بجائے تفدوهم ہے مال وغیرہ کے بدلہ میں قید سے آزاد کرادینا بھی منجملہ ان سے لئے گئے عہدوں کے تھا) حالانکہ (بات یہ ہے کہ) جلاوطن کرنا بھی تم پر حرام کیا گیا تھا (اس کا تعلق جملہ تخرجون الخ سے ہے اور وان یاتو کم جملہ۔ ان دونوں جملوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے یعنی ترک فدیہ کی طرح جلاء وطن کرنا بھی ان پر حرام

تھا۔اس کا واقعہ اس طرح ہے بنو قریظہ قبیلہ اوس کے مخالف تھا اور بنو نضیر قبیلہ خزرج کے خلاف تھا۔اُن میں سے ہر جماعت اپنے حلیفوں سمیت حریفوں سے نبرد آزمارہتی تھی۔اور ایک دوسرے کے شہروں کو برباد کرتے اور جلاوطن کرتے رہتے تھے۔البتہ اگر یہ لوگ گرفتار ہو جاتے تو فدیہ دیکر چھڑالیا جاتا تھا۔ان سے اگر کوئی یہ دریافت کرتا کہ یہ فدیہ کیوں برداشت کرتے ہو تو کہنے لگتے ہیں کہ فدیہ کا ہم کو حکم دیا گیا ہے اور جب کہا جاتا ہے کہ پھر قتل وقتال کیوں کرتے ہو؟ تو جواب دیتے ہیں کہ ہمیں اپنے حلیفوں کی ذلت سے شرم آتی ہے (ارشاد ہوتا ہے) کیا کتاب کے بعض حکم پر ایمان لاتے ہو (فدیہ پر) اور بعض انکار کرتے ہو (یعنی خونریزی، جلاوطنی، پشت پناہی کو چھوڑنا) سو اور کیا سزا ہونی چاہئے تم میں سے ایسے شخص کی جو ایسی حرکت کرے بجز رسوائی (تحقیر وذلت) کے دنیا میں بھی چنانچہ بنو قریظہ قتل ہو کر بنو نضیر شام کی طرف جلاء وطن ہو کر اور جزیہ کے تسلط سے ذلیل ہوئے،اور قیامت کے روز سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے۔اور اللہ تمہاری حرکتوں سے بے خبر نہیں ہے۔(لفظ یعلمون کی قرأت یا اور تا کے ساتھ دونوں طرح ہے) یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے دنیاوی زندگی کو اُخروی زندگی کے عوض لے لیا ہے (دنیاوی زندگی کو پھر اُخروی زندگی پر ترجیح دیدی ہے) سو نہ تو ان کی سزا میں کچھ تخفیف ہوگی اور نہ کوئی ان کی طرفداری کرنے پائے گا (کہ اللہ کا عذاب ان سے روک دے)

ترکیب وتحقیق:......... دماء کم ایک دوسرے کے قتل کو مجازاً اپنا قتل کہا گیا ہے یا بطور قصاص کے اپنا قتل مراد ہے اطلاقاً للسبب علی المسبب، اقررتم کی تفسیر قبلتم سے اس لئے کی ہے کہ تشھدون اقرار کی محض تاکید نہ ہو بلکہ تاسیس ہو جائے۔اور قاضی بیضاویؒ نے اس کو تاکید پر محمول کیا ہے۔ثم استبعاد کے لئے ہے۔بقول بیضاویؒ انتم مبتداء، اور اس کی خبر میں تین اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ تقتلون خبر ہو،اس وقت لفظ ھؤلا بتقدیر اعنی موضع نصب میں ہوگا یا پھر منادی ہوگا ای یا ھؤلاء لیکن سیبویہ کے نزدیک ھؤلاء منادی مبہم ہو کر حرف نداء کا حذف جائز نہیں ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ تقتلون صلہ کے ساتھ خبر بن جائے یہ کوفیوں کے نزدیک صحیح ہے لیکن بصری ھؤلاء کو الذی کے معنی میں جائز نہیں سمجھتے۔تیسری صورت یہ ہے کہ بتقدیر المضاف لفظ ھؤلاء خبر ہو ای مثل ھؤلاء اس صورت میں تقتلون حال ہو جائے گا۔لا تسفکون کی تفسیر میں اشارہ ہے کہ ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے کیونکہ قتل کے لئے خون بہنا لازم ہے نیز قتل اخ کو قتل نفس کہنا مجازاً ہے یا تسبب مراد ہے۔تظاھرون ترکیب میں حال ہے تفادوھم نافع، عاصم، کسائی کی قرأت الف کے ساتھ ہے باقی کی قرأت بغیر الف کے ہے۔محرم خبر مقدم ہے۔اخراجھم مبتدا مؤخر کی جملہ ہو کر خبر ہوگی۔الا دس یہ دو مختلف عالموں کے معمولوں کا ایک دوسرے پر اختصاراً عطف ہو رہا ہے۔اوس وخزرج مدینہ کے دو قبیلے ہیں جو باہم دست وگریبان رہا کرتے تھے اسی طرح بنو قریظہ وبنو نضیر بیرون مدینہ کے دو مخالف قبیلے تھے لیکن ان دونوں بیرونی جماعتوں نے علی الترتیب اندرونی جماعت سے حلیفانہ معاملہ کر لیا تھا اور آپس میں ایک دوسرے کے حریف ومخالف رہتے تھے۔

ربط:......... اللہ نے یہود کے جس میثاق کا پہلی آیت میں تذکرہ فرمایا ہے اس آیت میں اسی عہد کا تتمہ ہے اور پھر ان کی عہد شکنی کا ذکر کیا ہے اور آخر میں ان کی سزا کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

﴿تشریح﴾:......... **معاہدہ کی بقیہ دفعات:**......... حاصل یہ ہے کہ اس معاہدہ کی تین دفعات مزید یہ تھیں کہ (۱) آپس میں کسی کو قتل نہ کرنا (۲) کسی کو جلاوطن نہ کرنا (۳) اگر کوئی گرفتار ہو جائے تو مالی فدیہ دے کر اس کو رہا کرا دینا۔چنانچہ ان تینوں دفعات میں سہل تر تیسری دفعہ تھی اس پر تو یہ کسی درجہ عامل رہے۔مگر پہلی دونوں دفعات جو نہایت اہم اور ضروری تھیں ان کو بالکل نظرانداز کر دیا اور درخوراعتناء نہیں سمجھا۔چنانچہ اوس وبنو قریظہ باہم دوست تھے اور خزرج وبنی نضیر باہم مددگار تھے۔اوس خزرج میں جب کبھی

جنگ ہوتی تو بنوقریظہ اوس کے اور بنونضیر خزرج کے معاون و مددگار ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ان جنگوں میں قتل وجلا وطنی دونوں مصیبتیں پیش آتیں جن سے سب کو دوچار ہونا پڑتا تھا۔ البتہ جنگی قیدیوں کو بڑے شوق سے مالی فدیہ دے کر رہائی دلاتے اور کہتے تھے کہ یہ خدائی حکم ہے۔ لیکن اگر کوئی قتل وغارت گری اور دیس نکالے کے بارے میں کوئی اعتراض کرتا تو اپنے حلیفوں اور دوستوں سے عار کی آڑ لینے کی کوشش کرتے۔ حق تعالیٰ اسی دوغلی پالیسی کی شکایت فرماتے ہیں کہ اس طرح جب تم ایک قبیلہ کی حمایت و ہمدردی کرتے تو دوسرے قبیلہ کی مخالفت وضرر رسانی بھی تو لازم آتی ہے اور اس میں حکم الٰہی کی پامالی بھی ہے اور بندوں کو آزار رسانی بھی اسی کو **افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض** سے تعبیر فرمایا گیا ہے یعنی مالی فدیہ کی پابندی اگر اللہ کا حکم ہونے کی وجہ سے کرتے ہو تو قتل وجلاوطنی نہ کرنا بھی تو خدائی احکام ہیں ان کی تعمیل کیوں نہیں کی جاتی، حکم کے ایک حصہ کو ماننا اور ایک حصہ کا انکار؟ آخر یہ کیا واہیات مذاق ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: .... کفر سے مراد کفر عملی ہے، کسی بدعملی کو قابل نفرت اور گھناؤنی صورت میں پیش کرنے کے لئے بدترین الفاظ استعمال کر دیئے جاتے ہیں۔ اس سے مقصود حقیقت نہیں ہوتی بلکہ مجازی معنی مراد ہوتے ہیں۔ **من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر** میں یہاں معنی مراد ہیں۔ یہاں فرقہ یہود میں اگرچہ اعتقادی کفر بھی پایا جاتا ہے لیکن اس وقت مقصود ان کی اس بدعملی کی برائی ظاہر کرنا ہے۔ پس معتزلہ کے لئے اس آیت سے مرتکب کبیرہ کے دائرہ ایمان سے خارج کرنے اور خوارج کے لئے داخلِ کفر کرنے کے لئے کوئی موقع استدلال نہیں ہے کیونکہ کفر کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔

دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ: .... علیٰ ھٰذا اشد العذاب پر امام رازیؒ نے جو یہ شبہ کیا ہے کہ یہود زیادہ سے زیادہ کافر تھے، ان کے عذاب کو جب اشد کہا گیا ہے تو دہریے جو ان سے زیادہ جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ سرے سے خدا ہی کے منکر ہوتے ہیں ان کا عذاب کیسے کم ہوگا۔ علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اشدیت سے مراد تفضیل نہیں ہے کہ مفضل اور مفضل علیہ کی ضرورت پیش آئے بلکہ اشدیت سے مراد خلود و دوام عذاب ہے جو کافر و مشرک و دہریہ سب کے لئے ہوگا۔ یا پھر کافر سے کم درجہ لوگوں کے لحاظ سے اضافی اشدیت مراد ہے۔

بہر حال دنیاوی عذاب وذلت ورسوائی کا وقوع یہود پر اس طرح ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مبارک ہی میں نقضِ عہد کی وجہ سے ۴ھ میں جب آنحضرت ﷺ کے دستِ حق پرست پر اوس وخزرج اسلام لائے تو حضرت سعد بن معاذؓ کے فیصلہ کے مطابق بنوقریظہ کے سات سو نوجوان قتل کئے گئے اور عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ بنونضیر ملک شام کی طرف جلاوطن کئے گئی (سورۂ احزاب) اور سورۂ حشر میں ان دونوں واقعات کی روئداد موجود ہے۔ اور آخرت کی وعید کا وقوع آخرت میں ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ **وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ** اَیْ اَتْبَعْنَاھُمْ رَسُوْلاً فِیْ اَثَرِ رَسُوْلٍ **وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ** اَلْمُعْجِزَاتِ كَاِحْيَاءِ الْمَوْتٰی وَاِبْرَاءِ الْاَكْمَهِ وَالْاَبْرَصِ **وَاَيَّدْنٰهُ** قَوَّيْنَاهُ **بِرُوْحِ الْقُدُسِ** مِنْ اِضَافَةِ الْمَوْصُوْفِ اِلَى الصِّفَةِ اَیِ الرُّوْحِ الْمُقَدَّسَةِ جِبْرَئِیْلَ لِطَهَارَتِهٖ يَسِيْرُ مَعَهٗ حَيْثُ سَارَ فَلَمْ تَسْتَقِيْمُوْا **اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى** تُحِبُّ **اَنْفُسُكُمُ** مِنَ الْحَقِّ **اسْتَكْبَرْتُمْ** عن اِتِّبَاعِهٖ جَوَابُ كُلَّمَا وَهُوَ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ وَالْمُرَادُ بِهِ التَّوْبِيْخُ **فَفَرِيْقًا** مِنْهُمْ **كَذَّبْتُمْ** كَعِيْسٰی **وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴿۸۷﴾** اَلْمُضَارِعُ لِحِكَايَةِ الْحَالِ الْمَاضِيَةِ اَیْ قَتَلْتُمْ كَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰی **وَقَالُوْا** لِلنَّبِيِّ اسْتِهْزَاءً **قُلُوْبُنَا**

غُلْفٌ جَمْعُ اَغْلَفَ اَیْ مُغَشَّاۃٌ بِاَغْطِیَۃٍ فَلَا نَعِیْ مَاتَقُوْلُ قَالَ تَعَالٰی **بَلْ** لِلْاِضْرَابِ **لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ** اَبْعَدَهُمْ عَنْ رَحْمَتِہٖ وَخَذَلَهُمْ عَنِ الْقُبُوْلِ **بِكُفْرِهِمْ** وَلَيْسَ عَدَمُ قُبُوْلِهِمْ لِخَلَلٍ فِیْ قُلُوْبِهِمْ **فَقَلِيْلًا مَّايُؤْمِنُوْنَ** ﴿۸۸﴾ مَا زَائِدَۃٌ لِتَاکِيْدِ الْقِلَّۃِ اَیْ اِيْمَانُهُمْ قَلِيْلٌ جِدًّا

ترجمہ:......... اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (تورات) عطاء کی اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو بھیجتے رہے (پیغمبر کے بعد پیغمبر برابر بھیجتے رہے) اور ہم نے عیسیٰؑ ابن مریم کو واضح دلائل عطا فرمائے (مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھی اور مبروص کو اچھا کردینا جیسے معجزات) اور ہم نے ان کی تائید (تقویت) جبرئیل کے ذریعہ (روح القدس میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے۔ یعنی روح القدس جبرئیل مراد ہیں اپنی پاکیزگی کی وجہ سے ہر جگہ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ رہتے لیکن پھر بھی ٹھیک نہ ہوسکے (جب بھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام (حق) لائے جن کو تمہارے دل نہیں چاہتے تھے (خواہش نہیں کرتے تھے) تم نے تکبر کرنا شروع کردیا (پیغمبروں کے اتباع سے روگردانی شروع کردی استکبرتم جواب لما ہے۔ دراصل افکلما میں جو ہمزہ استفہام ہے اس کا محل یہی ہے مراد اس استفہام سے دھمکانا ہے) سو بعضوں کو تم نے (ان میں سے جھٹلا دیا (جیسے حضرت عیسیٰؑ) اور بعضوں کو قتل کردیتے ہو (تقتلون صیغۂ مضارع حکایت حال ماضیہ کے طریقہ پر ہے بمعنی قتلتم جیسے حضرت زکریا و یحییٰ علیہم السلام کو قتل کیا گیا) اور یہودی (آنحضرت ﷺ سے استہزاء) کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محجوب ہیں (لفظ غلف جمع ہے اغلف کی یعنی جہل کے غلاف میں ہے آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) بلکہ (بل اضراب کے لئے) ان پر خدا کی مار ہے (کہ ان کو اپنی رحمت سے دور کردیا ہے اور ان کو قبولیت سے محروم کردیا ہے) ان کے کفر کی وجہ سے (ان کے دلی نقصان کی وجہ سے قبول کرنا نہیں ہے) سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں (قلیلا ما میں ما زائد ہے تاکید قلۃ کے لئے یعنی ان کا ایمان بہت ہی کم ہے)۔

ترکیب و تحقیق:......... قفینا بولتے ہیں قفاہ اذا اتبعہ و قفاہ بہ اتبعہ ایاہ اصل عبارت اس طرح تھی وقفینا موسیٰ بالرسل مفعول حذف کرکے من بعدہ قائم مقام کردیا۔ حضرت موسیٰؑ کے بعد یوشع، داؤد، سلیمان، زکریا، یحییٰ، الیاس انبیاء علیہم السلام آئے ہیں۔ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کے درمیان انبیاء کرام کثیر تعداد میں آئے ہیں چار ہزار یا ستر ہزار پیغمبر سب بنی اسرائیل تھے اور دین موسوی اور تورات کے مبلغ تھے۔ خواہ وہ انبیاء ایک ہی زمانہ میں متعدد رہے ہوں یا رسول یکے بعد دیگرے آتے رہے ہوں عیسیٰ ابن مریم، عیسیٰ سریانی زبان کا لفظ ہے بمعنی مبارک اور مریم بمعنے خادم۔ روح القدس حاتم الجود اور رجل صدق کی طرح اضافت ہے الروح المقدسۃ جبریل چونکہ پیغامِ حیات لے کر آتے ہیں تو روح جس طرح حیاتِ ابدان ہوتی ہے اسی طرح جبرئیل باعثِ حیات قلوب ہیں ظاہری اور باطنی آلودگیوں سے پاک صاف ہیں اس لئے مقدس کہا گیا۔ دوسری جگہ رسول کریم فرمایا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی خصوصی معیت یہ حضرت عیسیٰؑ کی فضیلت جزئی ہے جو آنحضرت ﷺ کی فضیلت کلی میں قادح نہیں ہے۔ فلم تستقیموا مفسرؒ علام نے ظاہر کیا ہے کہ جاء کم کا معطوف علیہ مقدر مانا ہے۔ ہمزہ کا مدخول اور اصل استکبرتم ہے۔ من الحق بیان ہے بما کے موصولہ کا۔ استکبرتم کے بعد تکبرتم اس طرف اشارہ ہے کہ سین زائد ہے مبالغہ کے لئے اصل عبارت اس طرح تھی استکبرتم کلما جاء کم فریقاً مفعول کی تقدیم اس آیت کی روایت سے ہے۔ کلام میں محذوف ہے ای فریقا منھم کذبتم جیسا کہ مفسرؒ نے ظاہر کیا ہے یہ استکبرتم پر معطوف ہوجائے گا۔ تقتلون حکایتِ حال ماضیہ کا مطلب یہ ہوتا ہے گویا زمانہ ماضی میں یہ مضارع کی عبارت تیار کرلی گئی تھی اس وقت تو حقیقی معنی کے لحاظ سے اس کا بولنا درست تھا لیکن اب جبکہ وہ

حال ماضی بن گیا ہے بطور حکایت کے اسی کو نقل کر دیا گیا ہے۔ قالوا جلال محقق نے اشارہ اس طرف کیا ہے کہ یہ مقولہ آنحضرت ﷺ کے معاصر یہود کا ہے چاہے تو تفاخراً ہو یا تحقیراً و استہزاءً۔ غلف دراصل غیر مختون کو کہتے ہیں اگر تفاخراً یہ جملہ کہا ہے تو مقصد یہ ہے کہ ہمارے قلوب محفوظ اور ظروف علم ہیں۔ اگر آپ کی بات کچھ وزنی یا علمی ہوتی تو ضرور ہمارے وجدان اس کو قبول کرتے۔ معلوم ہوا کہ آپ (ﷺ) کی باتیں جب اہل علم ہی کی سمجھ میں نہیں آتیں تو خود وہ اس قابل نہیں ہیں۔ اور اگر منشاء استہزاء کرنا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ کی باتیں تو ضرور صحیح ہوں گی لیکن ہماری سمجھ ہی ذرا موٹی ہے۔ جیسے کوئی صحیح السماعت شخص بطورِ تمسخر کہنے لگے کہ میں ذرا اونچا سنتا ہوں۔ ذرا زور سے بولئے؟ قلیلاً یہ منصوب ہے بنا بر مصدر محذوف کی نعت ہونے کے اور قلت باعتبار مومن بہ یعنی ایمان کے ہے یعنی ایماناً قلیلاً جلال مفسرؒ کی یہی رائے ہے دوسری صورت یہ ہے کہ قلت بلحاظ افراد ہو یعنی عبداللہ بن سلامؓ جیسے کم ہی افراد ایمان قبول کر سکے ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ صفت ہو زماناً محذوف کی ای فیؤمنون زماناً قلیلاً یعنی کبھی اگر ایمان لے آتے ہیں تو پھر فوراً ہی پھر جاتے ہیں امنوا وجه النهار واکفروا اخره.

ربط:............ یہاں سے ان کے تیسویں (۲۳) معاملہ کا ذکر کیا جا رہا ہے اور اس کے بعد آیت وقالوا قلوبنا غلف میں چوبیسویں (۲۴) معاملہ کا تذکرہ ہے۔

﴿ تشریح ﴾:...... بغیر توفیق الٰہی خوارق بھی کارآمد نہیں:............ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اور ہزاروں جلیل القدر و عظیم المرتبت انبیاء و رسل جس جماعت میں آچکے ہوں اور ہزار ہا دلائل و معجزات اور خدا کی نشانیاں دکھلا چکے ہوں اور پھر وہ لوگ راہ راست پر نہ آسکے ہوں تو ان کی اصلاح کی کیا امید کی جاسکتی ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید جبریلی مختلف اوقات میں ہوتی رہی ہے (۱) اول جب کہ نطفہ رحم مادر میں حمل قرار پایا (۲) بوقت ولادت شیطانی اثرات سے محفوظ رکھے گئے (۳) ساری عمر دشمن یہودیوں کے حملوں سے بچائے رکھا (۴) حتیٰ کہ آخر میں جب ان کو شہید کرنے کی کوشش کی گئی تو بحکم الٰہی زندہ سلامت ان کو آسمانوں پر پہنچا دیا گیا۔

ایک نکتہ:............ تقتلون صیغۂ حال کے ساتھ بیان کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ اب بھی یہ کوششِ قتل سے باز نہیں آتے۔ آنحضرت ﷺ کے قتل کے مساعی میں اب بھی سرگرم عمل ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ حفاظت الٰہی کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو پاتے۔ اور ایمان کی قلت سے یہ مراد ہے کہ صرف توحید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت، قیامت وغیرہ مشترک مسائل میں کچھ متفق نظر آتے ہیں یعنی معنی کی لحاظ سے اس کو ایمان کہہ دیا مطلق یقین کے معنی میں ہے۔ اصطلاحی معنی کے لحاظ سے ایمان مراد نہیں ہے کیونکہ قرآن پاک اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کے منکر تھے اس لئے شرعاً ایمان کہاں؟

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ مِنَ التَّوْرٰةِ هُوَ الْقُرْاٰنُ **وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ** قَبْلَ مَجِيْئِهٖ **يَسْتَفْتِحُوْنَ** يَسْتَنْصِرُوْنَ **عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** يَقُوْلُوْنَ اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلَيْهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ اٰخِرَ الزَّمَانِ **فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا** مِنَ الْحَقِّ وَهُوَ بِعْثَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **كَفَرُوْا بِهٖ** حَسَدًا اَوْ خَوْفًا عَلَى الرِّيَاسَةِ وَجَوَابُ لَمَّا الْاُوْلٰى دَلَّ عَلَيْهِ جَوَابُ الثَّانِيَةِ **فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۸۹﴾ **بِئْسَمَا اشْتَرَوْا** بَاعُوْا **بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ** اَيْ حَظَّهَا مِنَ الثَّوَابِ وَمَا نَكِرَةٌ بِمَعْنٰى شَيْئًا تَمْيِيْزٌ لِفَاعِلِ بِئْسَ وَالْمَخْصُوْصُ بِالذَّمِّ اَنْ

یَّکْفُرُوْا اَیْ کُفْرُهُمْ **بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ** مِنَ الْقُرْاٰنِ **بَغْیًا** مَفْعُوْلٌ لَه لِیَکْفُرُوْا اَیْ حَسَدًا عَلٰی **اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰهُ** بِالتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ **مِنْ فَضْلِهٖ** الْوَحْیَ **عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ** لِلرِّسَالَةِ **مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ** رَجَعُوْا **بِغَضَبٍ** مِنَ اللّٰهِ بِکُفْرِهِمْ بِمَا اَنْزَلَ وَالتَّنْکِیْرُ لِلتَّعْظِیْمِ **عَلٰی غَضَبٍ** اِسْتَحَقُّوْهُ مِنْ قَبْلُ بِتَضْیِیْعِ التَّوْرٰةِ وَالْکُفْرِ بِعِیْسٰی **وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۹۰﴾** ذُوْ اِهَانَةٍ **وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ** الْقُرْاٰنِ وَغَیْرِهٖ **قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا** اَیِ التَّوْرٰةِ قَالَ تَعَالٰی **وَیَکْفُرُوْنَ** الْوَاوُ لِلْحَالِ **بِمَا وَرَآءَهٗ** سِوَاهُ اَوْ بَعْدَهٗ مِنَ الْقُرْاٰنِ **وَهُوَ الْحَقُّ** حَالٌ **مُصَدِّقًا** حَالٌ ثَانِیَةٌ مُؤَکِّدَةٌ **لِّمَا مَعَهُمْ** **قُلْ** لَهُمْ **فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ** اَیْ قَتَلْتُمْ **اَنْبِیَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۹۱﴾** بِالتَّوْرٰةِ وَقَدْ نُهِیْتُمْ فِیْهَا عَنْ قَتْلِهِمْ وَالْخِطَابُ لِلْمَوْجُوْدِیْنَ فِیْ زَمَنِ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَا فَعَلَ اٰبَاؤُهُمْ لِرِضَائِهِمْ بِهٖ

ترجمہ:.........اور جب ان کے پاس کتاب من جانب اللہ پہنچی جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس (تورات) ہے (یعنی قرآن) حالانکہ پہلے (آپ کے تشریف لانے سے پہلے) امداد مانگتے تھے (نصرت طلب کرتے تھے) کفار کے مقابلہ میں (کہا کرتے تھے اے اللہ ہمارے دشمنوں کے مقابلہ میں نبی آخر الزمان کے صدقہ میں ہماری مدد فرما) پھر جب آ پہنچی ان کے پاس وہ (حق بات یعنی آنحضرت ﷺ کی بعثت) جس کو وہ پہچانتے ہیں تو اس کا انکار کر بیٹھے (بوجہ حسد اور زوال ریاست کے اندیشہ سے، دوسرے لما کا جواب پہلے لما کے جواب پر دلالت کر رہا ہے) سو اللہ کی پھٹکار کافروں پر۔ بہت بری ہے وہ حالت جس کو اختیار کر کے (فروخت کر کے) اپنی جانوں کو چھڑانا چاہتے ہیں (یعنی ثواب کے بدلہ میں بئسما میں ما نکرہ بمعنی شیٔ فاعل بئس کی تمیز ہے۔ آگے مخصوص بالمذمت ہے) کفر کرتے ہیں (یعنی ان ان کا انکار کرنا) ایسی چیز کا جو حق تعالیٰ نے نازل فرمائی (یعنی قرآن) محض اس ضد پر (بغیاً ترکیب میں مفعول لہ ہے لیکفروا کا یعنی حسد اعلیٰ ان ینزل) کہ اللہ نازل فرمائے (ینزل کی قرأت تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں طرح ہے) اپنے فضل (سے وحی) جس کو چاہے (رسالت کے لئے) اپنے بندوں میں سے سو مستحق ہو گئے (لوٹے) غضب (اللہ کے غصہ کا انکار وحی کی وجہ سے اور غضب میں تنوین تنکیر کی تعظیم کے لئے ہے) بالائے غضب کے (اضاعت تورات اور انکار عیسیٰ کی وجہ سے وہ پہلے ہی مستحق غضب ہو گئے) اور کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہوگا (جس سے ان کی توہین ہوگی) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لے آ ؤ اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں (قرآن وغیرہ) پر تو جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان لا چکے ہیں (اس کتاب پر جو ہم پر نازل کی گئی ہے یعنی تورات حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) حالانکہ کفر کرتے ہیں (واؤ حالیہ ہے) اس کے علاوہ (وراء بمعنی سوایا بمعنی بعدہ مراد اس سے قرآن ہے) حالانکہ وہ حق ہے (ترکیب میں یہ حال ہے) تصدیق کرنے والی ہے (یہ دوسرا حال مؤکدہ ہے) اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ پھر تم کیوں قتل کرتے ہو (یعنی کیوں قتل کیا ہے تقتلون بمعنی قتلتم ہے) اس سے پہلے اگر تم ایمان لانے والے ہو (تورات پر حالانکہ تم کو تورات میں قتل انبیاء سے روکا گیا تھا۔ اس میں خطاب آنحضرت ﷺ کے معاصر یہود کو ہے جو اپنے آباؤ اجداد کے کرتوت پر رضامند تھے)۔

ترکیب و تحقیق:.........من قبل کا مضاف الیہ محذوف ہے جس کی تقدیر مفسر علامؒ نے نکالی ہے اس لئے یہ مبنی علی الضم ہے

یستفتحون فتح بمعنی نصر بصلہ علی تضمین کر لی گئی ہے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں فتح علیہ اذا علمہ یعنی بیان کرتے تھے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے اتحدثونهم بما فتح الله علیکم اس صورت میں سین مبالغہ کے لئے زائد مانا جائے گا کانهم طلبوا بعد طلبہ من انفسهم فلما جاء هم دونوں لما کا مقتضی چونکہ واحد ہے اس لئے پہلے لما کا جواب حذف کردیا یعنی کفروا به اور دوسرے کے جواب کو اس کے قائم مقام کردیا۔ باعوا لفظ بیع وشری دونوں اضداد میں سے ہیں یعنی خرید وفروخت دونوں معنی میں دونوں لفظ استعمال کیئے جاتے ہیں قرینہ کے لحاظ سے ایک معنی لئے جائیں گے۔ بئسما میں بئس فعل مذمت ضمیر مستتر فاعل ما یعنی شیئاً اس کی تمیز موصوف اشتروا۔ اس کی صفت بئس الشئ شیئًا اشتروا الخ ان یکفروا مصدر تاویلی ہے۔ ان کے کفر سابق مضارع صیغہ سے حکایت حال ماضیہ کے طور پر ان کے کفر کی خباثت کو متحضر کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ بغیا یہ علت ہے لیکفروا کی نہ کہ اشتروا کی ان ینزل الله یہ بھی مفعول لہ ہے ای بغوا لان انزل الله اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح نکالی ہے بغیًا علی ان انزل الله ای حسدًا علی ما خص الله به نبیه من فضله ۔من ابتدائیہ ہے موصوف محذوف کی صفت ہے ای شیئًا کائنا من فضله ۔ترکیب میں یہ مفعول ان ینزل کا۔وراء دراصل مصدر ہے بمعنی ظرف، مضاف الی الفاعل ہوتا ہے تو معنی ماتیواری به یعنی خلف اور پیچھے کے آتے ہیں اور جب مضاف الی المفعول ہوتا ہے تو معنی مایواری به یعنی قدام اور آگے کے آتے ہیں۔ گویا یہ لفظ اضداد میں استعمال ہوتا ہے۔ مصدقا یہ حال ثانی ہے مضمون جملہ کی تقریر وتاکید کے لئے لایا گیا ہے اور کفر کو مستلزم ہے اس میں عامل معنی فعل ہیں جو الحق میں ہیں اور اس کی ضمیر مستتر ذوالحال ہوگی۔ تقتلون کی تفسیر قتلتم کے ساتھ اس لئے کی ہے کہ قتل کی برائی کا استحضار ہو جائے یا اب بھی آنحضرت ﷺ کے قتل کے مساعی کی طرف تعریض ہو جائے اور یا حکایت حال ماضیہ ہے۔

ربط:..........ان آیات میں ان کے پچیسویں (۲۵) معاملہ کا بیان ہے۔

﴿تشریح﴾:..........صحیح اور غلط عقیدت کا فرق:

..........آنحضرت ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے تو انکی عقیدت واحترام کا یہ حال تھا کہ ہولناک جنگوں میں آپ کی حرمت ونبوت کا واسطہ دے دے کر نصرت وفتح کی دعائیں مانگا کرتے یا مبشرات تورات کا ذکر خیر کیا کرتے تھے۔ لیکن جب مطلوب ومتمنی سامنے آیا تو بغاوت وحسد کی آگ میں جل گئے گویا اس امید میں تھے کہ نبی آخر الزمان ہمارا ہم قوم ہوگا لیکن بنی اسرائیل کی بجائے بنو اسماعیل میں یہ دولت پہنچی تو اندرونی حسد پھوٹ نکلا اور سابقہ عہد وپیمان سے ہٹ گئے، قرآن کو مصدق تورات اس لئے کہا گیا کہ تورات میں جو پیشن گوئیاں آنحضرت ﷺ اور قرآن پاک کے بارے میں وارد ہوئی تھیں قرآن کے نزول سے ان کی تصدیق ہوگئی اب تورات کو ماننے والا آنحضرت ﷺ یا قرآن کی تصدیق پر مجبور ہے ورنہ خود تورات کی تکذیب لازم آئے گی۔

ایک شبہ کا ازالہ:..........یہاں فلماجاء هم ماعرفوا پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب یہ لوگ حق مانتے تھے تو پھر کفروا سے ان کو کافر نہیں کہنا چاہئے بلکہ ان کو مومن قرار دینا چاہئے بات یہ ہے کہ اول تو حق کو باطل یا باطل کو حق جاننا جس طرح کفر ہے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ حق جاننے کے باوجود اس کا انکار بھی کفر ہے جو انہوں نے کیا ہے۔ دوسرے یہ حق جاننا غیر اختیاری کفر اور اضطراری تھا صرف اس جاننے سے انسان مؤمن نہیں ہو جاتا بلکہ ماننے سے مؤمن بنتا ہے جو ایمان اختیاری ہے اور شرعاً معتبر ہے حاصل یہ کہ معرفت کا جو حصہ معتبر ہوتا ہے وہ یہاں موجود نہیں تھا وہ معتبر نہیں اس لئے کفروا کہا گیا ہے۔

مؤمن کی تہذیب اور کافر کا تعذیب: .... عذاب میں مہین کی قید سے معلوم ہوا کہ مومن عاصی اور گنہگار مسلمان کا عذاب توہین کے لئے نہیں ہوگا بلکہ اس کی تطہیر مقصود ہوگی۔ جس طرح میلے کپڑے کو بھی پکاتے ہیں اور آگ میں تپاتے ہیں ڈنڈے لگاتے ہیں لیکن تعذیب کی نیت نہیں بلکہ تہذیب کی نیت سے یہی حال گنہگار مسلمان کا ہے۔

جھوٹ کے پیر نہیں ہوتے: .... یہود کے اس کہنے سے کہ ہم صرف تورات پر ایمان لائیں گے۔ دوسری کتابوں پر ایمان نہیں لائیں گے ان کا حسد وکفر خوب طرح سے واضح ہوگیا۔ حق تعالیٰ اس کی تردید تین طرح فرماتے ہیں۔ اول یہ کہ جب دوسری کتابیں بھی سچی واقعی اور صحیح ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ بلا دلیل ان کا انکار کردیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جب قرآن مصدق تورات ہے تو اس کا انکار فی الحقیقت انکار تورات کو مستلزم ہے جو بقول تمہارے باطل ہونا چاہئے۔ تیسرے اگر ایمان بالتورات میں تم پورے اترتے ہو تو ایک ایک روز میں ستر ہزار انبیاء کا قتل تمہارے ہاتھوں کیسے ہوا؟ حالانکہ یہ احکام تورات کے صریح منافی ہے تمہارے اس عمل نے خود تمہارے قول کی تردید کردی ہے۔ غرضیکہ ہر لحاظ سے تمہاری یہ بات بے بنیاد اور غلط محض ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ اَىِ الْمُعْجِزَاتِ كَالْعَصَا وَالْيَدِ وَفَلْقِ الْبَحْرِ **ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ** اِلٰهًا **مِنْۢ بَعْدِهٖ** اَىْ بَعْدَ ذَهَابِهٖ اِلَى الْمِيْقَاتِ **وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾** بِاتِّخَاذِهٖ **وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ** عَلَى الْعَمَلِ بِمَا فِى التَّوْرٰةِ **وَ** قَدْ **رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ** اَلْجَبَلَ حِيْنَ امْتَنَعْتُمْ مِنْ قُبُوْلِهَا لِيَسْقُطَ عَلَيْكُمْ وَقُلْنَا **خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ** بِجِدٍّ وَّاجْتِهَادٍ **وَّاسْمَعُوْا** مَا تُؤْمَرُوْنَ بِهٖ سِمَاعَ قُبُوْلٍ **قَالُوْا سَمِعْنَا** قَوْلَكَ **وَعَصَيْنَا** اَمْرَكَ **وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ** اَىْ خَالَطَ حُبُّهٗ قُلُوْبَهُمْ كَمَا يُخَالِطُ الشَّرَابُ **بِكُفْرِهِمْ قُلْ** لَهُمْ **بِئْسَمَا** شَيْئًا **يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ** بِالتَّوْرٰةِ عِبَادَةُ الْعِجْلِ **اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾** بِهَا كَمَا زَعَمْتُمْ اَلْمَعْنٰى لَسْتُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ لِاَنَّ الْاِيْمَانَ لَايَاْمُرُ بِعِبَادَةِ الْعِجْلِ وَالْمُرَادُ اٰبَاؤُهُمْ اَىْ فَكَذٰلِكَ اَنْتُمْ لَسْتُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ بِالتَّوْرٰةِ وَقَدْ كَذَّبْتُمْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاِيْمَانُ بِهَا لَايَاْمُرُ بِتَكْذِيْبِهٖ **قُلْ** لَهُمْ **اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ** اَىِ الْجَنَّةُ **عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً** خَاصَّةً **مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ** كَمَا زَعَمْتُمْ **فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾** تَعَلَّقَ بِتَمَنِّيْهِ الشَّرْطَانِ عَلٰى اَنَّ الْاَوَّلَ قَيْدٌ فِى الثَّانِىْ اَىْ اِنْ صَدَقْتُمْ فِىْ زَعْمِكُمْ اَنَّهَا لَكُمْ وَمَنْ كَانَتْ لَهٗ يُؤْثِرُهَا وَالْمُوْصِلُ اِلَيْهَا الْمَوْتُ فَتَمَنَّوْهُ **وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ** مِنْ كُفْرِهِمْ بِالنَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْتَلْزِمِ لِكِذْبِهِمْ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾** اَلْكَافِرِيْنَ فَيُجَازِيْهِمْ **وَلَتَجِدَنَّهُمْ** لَامُ قَسَمٍ **اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ وَ** اَحْرَصَ **مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا** اَلْمُنْكِرِيْنَ لِلْبَعْثِ عَلَيْهَا لِعِلْمِهِمْ بِاَنَّ مَصِيْرَهُمْ اِلَى النَّارِ دُوْنَ الْمُشْرِكِيْنَ لِاِنْكَارِهِمْ لَهٗ **يَوَدُّ** يَتَمَنّٰى **اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ** لَوْ مَصْدَرِيَّةٌ بِمَعْنٰى اَنْ وَهِىَ بِصِلَتِهَا فِىْ تَاْوِيْلِ مَصْدَرٍ مَفْعُوْلُ يَوَدُّ **وَمَا هُوَ** اَىْ اَحَدُهُمْ **بِمُزَحْزِحِهٖ**

مُبْعِدِہٖ مِنَ الْعَذَابِ النَّار اَنْ یُّعَمَّرَ فَاعِلُ مُزَحْزِحِہٖ اَیْ تَعْمِیْرُہٗ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ فَیُجَازِیْھِم

ترجمہ: ....اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) تم لوگوں کے پاس صاف صاف دلائل لے کر آئے (یعنی معجزات جیسے عصائے موسوی اور ید بیضا اور دریائے نیل کا پھٹنا) مگر اس پر بھی تم لوگوں نے گوسالہ کو (معبود) بنالیا۔ (بعد حضرت موسیٰؑ کے طور پر تشریف لے جانے کے) اور تم ستم ڈھار ہے تھے (اس گوسالہ پرستی میں) اور جبکہ ہم نے تم سے قول وقرار لیا (احکام تورات پر عملدرآمد کے لئے) حالانکہ لاکھڑا کیا تھا ہم نے تم پر طور (پہاڑ جس وقت کہ تم نے ان کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ تم پر گرانے کے ارادہ سے اور ہم نے حکم دیا کہ) لو تھامو! جو کچھ ہم تم کو دے رہے ہیں۔ ہمت (جدوجہد وکوشش) کے ساتھ اور سنو (احکام کو قبولیت کے کانوں سے) کہنے لگے ہم نے سن لیا (آپ کے حکم کی) نافرمانی اور ان کے دلوں میں گوسالہ پیوست ہو گیا تھا (یعنی اس کی محبت ان کے دلوں میں شراب کی طرح پیوست ہو گئی تھی) ان کے کفر کی وجہ سے۔ فرمادیجئے آپؐ (ان سے) بہت بڑے ہیں یہ افعال جن کی تعلیم تم کو تمہارا ایمان (بالتورات) کر رہا ہے (گوسالہ پرستی) اگر تم اہل ایمان ہو (جیسا کہ تمہارا گمان ہے حاصل یہ کہ تم مومن نہیں ہو کیونکہ ایمان گوسالہ پرستی کا حکم نہیں دیتا۔ ان لوگوں سے مراد اصل ان کے آباؤ اجداد ہیں یعنی اس لحاظ سے تم بھی مؤمن بالتورات نہیں ہو کہ تم نے آنحضرت ﷺ کی تکذیب کر دی ہے حالانکہ ایمان بالتورات آنحضرت ﷺ کی تکذیب کی اجازت نہیں دیتا) فرمادیجئے آپؐ (ان سے) اگر عالم آخرت (جنت) اللہ کے نزدیک محض تمہارے ہی لئے نافع ہے بلا شرکت غیرے (جیسا کہ تمہارا گمان ہے) تو تم موت کی تمنا کر کے دکھلا دو اگر تم سچے ہو (تمنائے موت کے ساتھ دو شرطیں اس طرح متعلق ہیں کہ اول شرط دوسری شرط کے لئے قید ہے یعنی اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ دار آخرت صرف تمہارے لئے مخصوص ہے اور جس کے لئے اس طرح مخصوص ہو گی وہ اس کو ضرور ترجیح دے گا اور چونکہ اس تک رسائی بذریعہ موت ہو سکتی ہے اس لئے تمنائے موت کر دکھلاؤ) اور وہ ہرگز کبھی موت کی تمنا نہ کریں گے۔ بوجہ اپنی کرتوت کے (یعنی آنحضرت ﷺ سے ان کے کفر کے باعث جو آپ کی تکذیب کو مستلزم ہے) اور حق تعالیٰ کو خوب طرح اطلاع ہے ان ظالم (کافروں کی وہ انکو ضرور سزا دیں گے) اور آپ یقیناً ان کو پائیں گے (اس میں لام موطۂ للقسم ہے) عام لوگوں سے زیادہ حریص دنیاوی زندگانی پر (اور زیادہ حریص) مشرکین سے بھی (جو قیامت کے منکر ہیں کیونکہ ان کے اپنے جہنم رسید ہونے کا یقین ہے۔ اور مشرکین تو قیامت کے ہی قائل نہیں ہیں کہ وہ اس اندیشہ کی وجہ سے طول حیات کے متمنی ہوں) ہوس رکھتا ہے (تمنا کرتا ہے) ان میں سے ایک ایک شخص کہ کاش اس کی عمر ہزار برس ہو جائے (لفظ لو مصدریہ ہے اَنْ کے معنی میں اور یہ مع اپنے صلہ کے بتاویل مصدر ہو کر یود کا مفعول ہوگا) اور وہ (ان میں سے وہ شخص) نہیں بچا سکتا (دور نہیں کر سکتا) عذاب (نار) سے معمر ہو جانا (لفظ اَنْ یُّعَمَّرَ مُزَحْزِحِہٖ کا فاعل ہے بتاویل ان مصدریہ ہے یعنی تعمیرہ) اور حق تعالیٰ کے پیش نظر ان کے یا تمہارے سب اعمال ہیں (لفظ یعلمون کی قرأت تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے اس لئے وہ ان کو ضرور بدلہ دیں گے۔

ترکیب وتحقیق:

..........مفسرؒ علام نے وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ کے بعد بِاتِّخَاذِہٖ نکال کر اس جملہ کی حالیت کی طرف اشارہ کیا ہے جملہ معترضہ بھی ہو سکتا ہے یعنی تمہاری قوم ظلم پیشہ ہے۔ حبّہ جلال محققؒ نے واشربوا کی حالیت بتقدیر المضاف قرار دی ہے۔ اس میں استعارہ بالکنایہ ہے گوسالہ پرستی کی محبت کو شراب لذیذ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ وجہ شبہ التذاذ ہے۔ مشبہ بہ کے لوازم شروب کا اثبات استعارہ تخیلیہ ہے۔ مضاف کو حذف کر کے العجل کو شراب کی نسبت کے لئے قائم مقام بطور مبالغہ کے کر دیا ہے یَاْمُرُکُمْ بِہٖ اِیْمَانُکُمْ ایمان

کی نسبت ان کی طرف اسی طرح امر کا انتساب ایمان کی طرف دونوں میں تہکم مقصود ہے المعنی سے جلال محققؒ قیاس حملی کی شکل اول بنا کر نتیجہ نکال رہے ہیں یعنی اِعْتِقَادُکُمْ بِاَمْرِکُمْ بِعِبَادَۃِ الْعِجْلِ صغریٰ ہے اور کُلُّ اعْتِقَادٍ کَذٰلِکَ فَھُوَ کُفْرٌ کبریٰ ہے حد اوسط حذف کر کے اعتقاد کم کفرٌ نتیجہ نکلتا ہے۔ خالصۃ جن نحویوں کے نزدیک کان کے اسم سے حال بنانا جائز ہے ان کے نزدیک یہ حال ہوگا کہ الدار الاٰخرۃ سے ورنہ خبر کی ضمیر مستتر سے حال ہو جائے گا۔ تعلق بتمنیہ حاصل اس قاعدہ کا یہ ہے کہ جہاں دو شرطیں جمع ہو جائیں اور ان کے درمیان جواب آ جائے تو شرط اول دوسری شرط کی قید ہو جائے گی اور جواب دوسری شرط کا ہو جائے گا۔ یہاں تقدیر اس طرح ہوگی اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ فِیْ زَعْمِکُمْ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَکُمْ خاصۃ ۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ دوسری ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس جواب کو پہلی شرط کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے اور دوسری شرط کا جواب محذوف ہوگا جس پر پہلی شرط کا جواب دلالت کرے گا۔ یہ قیاس استثنائی ہے جس کی نقیض تالی کا استثناء فلن یتمنوہ الخ سے کیا گیا ہے اور المستلزم لکذبھم سے مفسرؒ جلال نقیض مقدم کی طرف اشارہ کر رہے ہیں و احرص نکال کر الذین اشرکوا کے الناس پر معطوف ہونے کا اشارہ کیا ہے حالانکہ ثانی اول میں داخل ہے لیکن عام ملائکہ سے جبریل ومیکائیل کی تخصیص بعد التعمیم جس طرح مصحح عطف ہے ایسے ہی یہاں ہے یہ عطف خاص علی العام یہود کی تقبیح شان کے لئے بھی ہے اور اب یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ مشرکین ان سے زیادہ حریص ہونے چاہئیں یعلمھم سے مفسر جلالؒ بھی اس عطف کا نکتہ بتلانا چاہتے ہیں ماھو ضمیر کا مرجع یعمر کا مصدر ہے اور ان یعمر اس سے بدل ہے اور یا ضمیر کو مبہم اور ان یعمر کو اس کا بیان کہا جائے یود احدھم یہ ان کی زیادتی حرص کا بیان ہے بطور استیناف کے اور لو تمنائیہ ہے اور یعمر حکایت ہے یود کی اسی لئے یود احدھم کی موافقت میں غائب کے صیغہ سے استعمال ہے ورنہ لو اُعَمَّرَ ہونا چاہئے تھا ان یعمر موضع رفع میں ہے فاعل ہونے کی وجہ سے ای وما الرجل بمزحزحہ تعمیرہ ۔

ربط :............ پچھلی آیات میں یہود نے نومن بما انزل علینا کا دعویٰ کیا تھا اس کی تردید کئی وجوہ سے کی گئی ہے اگلی دو آیتوں میں اسی رد کا تتمہ مذکور ہے اور پھر ان کے بعد کی دو آیتوں میں ان کا چھبیسواں (۲۶) معاملہ مذکور ہے۔ یعنی بعض یہود کے اس دعویٰ کا جواب دینا ہے کہ آخرت کی نعمتیں خالص طور پر ہمارے ہی ساتھ مخصوص ہوں گی۔ بینات سے مراد عصائے موسوی، ید بیضا، فلق بحر وغیرہ معجزات ہیں جو تورات سے پہلے حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ پر ظاہر فرمائے تھے۔

﴿ تشریح ﴾ : .... **بدعملی کی انتہاء** : .... حاصل رد یہ ہے کہ گوسالہ پرستی جیسے صریح فعل شرک کے ہوتے ہوئے جس میں ایمان باللہ اور ایمان بموسیٰ دونوں کی تکذیب لازم آ رہی ہے۔ تمہارا دعویٰ ایمان کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ درآنحالیکہ نوبت حق تعالیٰ کی ناراضگی کی یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ تخویف کے لئے کوہ طور تم پر لا کھڑا کرنا پڑا جس سے تمہاری بدحال تاریخ کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

کلام الٰہی میں تکرار : .... گوسالہ پرستی اور "رفع طور" کا تذکرہ اگرچہ اس سے پہلے بھی آ چکا ہے لیکن وہاں ان کے معاملات قبیحہ کے ذیل میں بیان تھا اور یہاں ان کے دعویٰ ایمان کی تردید وتکذیب مقصود ہے اس لئے تاکید تکرار نہیں کہا جائے گا بلکہ تاسیسی فائدہ اور تجدد وتعدد اغراض پر محمول کیا جائے گا۔ رہا یہود موجودین پر رد۔ سو یا تو ان کے حامی اور طرفدار ہونے کی وجہ سے ہے اور یا اس لئے کہ جن کے اسلاف ایسے ہیں ان کے اخلاف خلف کیسے ہوں گے۔ خطاب اور عتاب میں شریک کیا گیا ہے۔

صحیح اور غلط عقیدہ کا فرق:......... یہود کے دعوؤں کا حاصل یہ تھا کہ (۱) ہم دین حق پر ہیں اس لئے ہماری نجات ضروری ہے (۲) ہم میں جو گنہگار ہیں ان کو چندے سزا ہوگی (۳) اور جو لوگ مرحوم یا تائب ہیں وہ ابتداء جنت میں چلے جائیں گے (۴) جو لوگ مطیع ہیں وہ مثل اولاد و احباب کے خدا کے محبوب و مقرب ہیں۔ دراصل یہ تمام دعوے کسی شخص کے دینِ حق پر قائم ہونے کی صورت میں اگر چہ فی نفسہ صحیح اور صادق ہیں لیکن چونکہ دین موسوی کے منسوخ ہونے کی وجہ سے یہود واقع میں دین حق پر نہ تھے اس لئے حق تعالیٰ نے جا بجا مختلف طریقوں سے ان کی تردید فرمائی ہے۔ منجملہ ان کے ایک طریقہ کی تقریر یہاں مذکور ہے۔

خدائی فیصلہ:......... خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تم لوگ اگر مناظرہ سے فیصلہ نہیں کر سکتے جس میں علم وفہم اور نظر وفکر کی کسی درجہ میں ضرورت پیش آتی ہے تو ہم تمہیں ایک سہل اور آسان راستہ بتلاتے ہیں جس میں صرف زبان ہلانے کی نوبت آئے گی اور اس سے زیادہ تمہیں اور کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔ اگر تم نے اپنی زبان سے موت کی تمنا کر کے دکھلا دی اور یہ کہہ دیا کہ چونکہ دارِ آخرت ہم کو محبوب اور اس کی نعمتیں مرغوب ہیں اور ان تک رسائی کا راستہ صرف موت ہے اس لئے ہم موت کی تمنا کرتے ہیں تو بطریق غیر معتاد اور خرق عادت اگر تم نے اتنا کلمہ کہہ دیا تو ہم ہارے اور تم جیتے۔ اور اگر پھر بھی نہ کہہ سکے تو اس چیلنج کے بعد ہمارا صادق اور تمہارا کاذب ہونا واضح ہو جائے گا۔ لیکن ہم پیشن گوئی کئے دیتے ہیں کہ تم لوگ اس نیت سے ہرگز زبان نہیں ہلا سکتے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ اضطراراً چونکہ یہود اپنا باطل اور کفر پر ہونا اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کا ایمان اور حق پر ہونا خوب طرح جانتے تھے اس لئے کچھ ایسی ہیبت چھائی کہ زبان ہی یارائی نہ کر سکی اور کچھ ایسے کھوئے گئے کہ دیوار بولے تو وہ بولیں۔ فی الحقیقت اثباتِ حقانیت اسلام کا یہ ایک بہت ہی بڑا معجزہ ہوا۔ ورنہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے جس درجہ عداوت اور مخالفت تھی اس کا تقاضا یہ تھا کہ اس پیشن گوئی پر ان کو بڑا جوش وخروش آنا چاہئے تھا اور ضرور آیا ہوگا لیکن کیا کرتے خود کو موت کے منہ میں دیکھ کر ہاتھ پیر مسل کر رہ گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گائے جس طرح قصائی کے سامنے جانے سے ڈرتی ہے یہی حال ان کا ہوا۔ کہ موت کے بعد کی ہولناکیوں اور اپنی کرتوت کی پاداش کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا تو موت سے بھاگنے لگے اور ڈرنے لگے پھر اس کے بعد خیر نہیں اس سے ان کے سفید جھوٹ کا پول کھل گیا ہے۔

شبہات اور ان کا جواب:......... یہ احتجاج ہر زمانہ کے یہود کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے یہود سے خطاب ہے اور لفظ ابداً انہی کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ نیز یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ممکن ہے کہ کسی یہودی نے ایسی تمنا کی ہو اور اس کی اطلاع نہ ہوئی ہو کیونکہ ہر زمانہ میں قرآن کے حامیین سے زیادہ مخالفین رہے ہیں اگر کسی نے تمنا کی ہوتی تو عادۃً قرآن کی نسبت اس کا محفوظ رہنا زیادہ قرین قیاس تھا۔ اس طرح یہ شبہ بھی نہ کیا جائے کہ موت سے تو کراہت طبعی ہوتی ہے یا خوف سزا ہوتا ہے اس لئے تمنا نہ کی ہوگی۔ نیز تمنائے موت شرعاً ممنوع ہے اس لئے ان سے پھر کیسے اس کی درخواست کی گئی ہے۔ جواب یہ ہے کہ بلا ضرورت تمنائے موت کی درخواست نہیں کی گئی ہے کہ یہ شبہات متوجہ ہوں بلکہ دلائل عقلیہ وسمعیہ ہونے کے باوجود فیصلہ نہ ہونے پر تمام تر دار و مدار چونکہ حق ناحق کے اظہار کا تمنائے موت ٹھہرتی ہے اس لئے اب شرعاً کراہت نہیں رہی...... اور طبعی کراہت قابلِ التفات نہیں ہوگی آگے **ولتجدنہم** میں مشرکین سے بڑھ کر حرصِ زندگانی پر تحیر کا اظہار کیا گیا ہے کہ مشرکین عرب چونکہ منکرِ آخرت کے قائل ہیں بلکہ اس کی تمام تر نعمتوں کے مستحق صرف اپنے کو سمجھتے ہیں اس کے باوجود دنیا میں ہمیشہ رہنے کی آرزو اور موت کی عدمِ تمنا یہ اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اختصاص کا دعویٰ محض زبانی ہے دل میں یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ آخرت میں کیا گت بنے گی۔ اس لئے جب تک جان بچے بچائے جائیں گے۔

علامت ولایت:............ اس سے معلوم ہوا کہ منجملہ علامات ولایت کے ایک علامت حب موت ہے خواہ طبعاً ہو یا عقلاً حسب مراتب واحوال۔

وَسَأَلَ ابْنُ صُورِيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ عُمَر رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَمَّنْ يَّاْتِيْ بِالْوَحْيِ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ فَقَالَ جِبْرَءِيْلُ فَقَالَ هُوَ عَدُوُّنَا يَاْتِيْ بِالْعَذَابِ وَلَوْ كَانَ مِيْكَائِيْلُ لَاٰمَنَّا لِاَنَّهٗ يَاْتِيْ بِالْخِصْبِ وَالسِّلْمِ فَنَزَلَ **قُلْ لَهُمْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ** فَلْيَمُتْ غَيْظًا **فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ** اَيِ الْقُرْاٰنَ **عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ** بِاَمْرِ **اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ** قَبْلَهٗ مِنَ الْكُتُبِ **وَهُدًى** مِنَ الضَّلَالَةِ **وَّبُشْرٰى** بِالْجَنَّةِ **لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ** بِكَسْرِ الْجِيْمِ وَفَتْحِهَا بِلَا هَمْزَةٍ وَبِهٖ بِيَاءٍ وَدُوْنِهَا **وَمِيْكٰلَ** عَطْفٌ عَلَى الْمَلٰئِكَةِ مِنْ عَطْفِ الْخَاصِّ عَلَى الْعَامِّ وَفِيْ قِرَاءَةٍ مِيْكَائِيْلَ بِهَمْزَةٍ وَّيَاءٍ وَفِيْ اُخْرٰى بِلَا يَاءٍ **فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾** اَوْقَعَهٗ مَوْقِعَ لَهُمْ بَيَانًا لِحَالِهِمْ. **وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ** وَاضِحَاتٍ حَالٌ رَدٌّ لِقَوْلِ ابْنِ صُوْرِيَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاجِئْتَنَا بِشَيْءٍ **وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾** كَفَرُوْا بِهَا **اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا** اللّٰهَ **عَهْدًا** عَلَى الْاِيْمَانِ بِالنَّبِيِّ اِنْ خَرَجَ اَوِ النَّبِيِّ اَنْ لَّا يَتَعَاوَنُوْا عَلَيْهِ الْمُشْرِكِيْنَ **نَّبَذَهٗ** طَرَحَهٗ **فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ** بِنَقْضِهٖ جَوَابُ كُلَّمَا وَهُوَ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِيِّ **بَلْ** لِلْاِنْتِقَالِ **اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ** مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ** اَيِ التَّوْرٰةَ **وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ** اَيْ لَمْ يَعْمَلُوْا بِمَا فِيْهَا مِنَ الْاِيْمَانِ بِالرَّسُوْلِ وَغَيْرِهٖ **كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾** مَا فِيْهَا مِنْ اَنَّهٗ نَبِيٌّ حَقٌّ اَوْ اَنَّهَا كِتَابُ اللّٰهِ

ترجمہ:............ ابن صوریا یہودی نے آنحضرت ﷺ سے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ استفسار کیا کہ فرشتوں میں سے وحی کون فرشتہ لاتا ہے؟ فرمایا کہ جبریلؑ! کہنے لگا کہ وہ فرشتہ تو ہمارا دشمن ہے جو عذاب لے کرآتا رہا ہے۔ اگر میکائیلؑ وحی لاتا تو ہم ایمان لے آتے کیونکہ وہ خوشحالی اور سلامتی لانے والا فرشتہ ہے۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ) فرمادیجئے آپ (ان سے) کہ جو شخص جبریلؑ سے دشمنی رکھتا ہے (اس کو غصہ سے مرجانا چاہئے) کیونکہ انہوں نے اتارا ہے (قرآن پاک کو) آپ کے قلب تک خدا کے حکم سے اس کی حالت یہ ہے کہ یہ تصدیق کررہا ہے اس چیز کو جو اس کے سامنے ہے (اپنے سے پہلی کتابوں کی) اور رہنمائی کررہا ہے (گمراہی سے) اور خوشخبری سنا رہا ہے (جنت کی) ایمان والوں کو جو شخص دشمن ہوگا اللہ کا اور اس کے فرشتوں اور پیغمبروں کا اور جبریلؑ کا (یہ لفظ جیم کے کسرہ اور فتح کی ساتھ بغیر ہمزہ کے اور مع الہمزہ اور یا اور بغیر یا کے ساتھ آتا ہے) اور میکائیلؑ کا (اس کا عطف ملائکہ پر بطریق عطف خاص علی العام ہے۔ اور دوسری قرأت میں میکائیل ہمزہ اور یا کے ساتھ ہے اور ایک قرأت میں بغیر یا کے ہے) سو اللہ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے (یہ جملہ اسم ظاہر بجائے لھم ضمیر کے استعمال کیا گیا ہے ان کا حال بیان کرنے کے لئے) اور ہم نے تو نازل کئے آپ پر (اے محمد ﷺ) بہت سے کھلے دلائل (واضح ترکیب میں یہ حال ہے اور جواب ہے ابن صوریا کے اس قول کا کہ "اے محمد! آپ

ہمارے پاس کچھ لے کر نہیں آئے'') اور کوئی انکار نہیں کیا کرتا ان دلائل کا بجز ان لوگوں کے جو عدول حکمی کے عادی ہیں (کیا انہوں نے کفر نہیں کیا) حالانکہ جب کبھی بھی ان لوگوں نے عہد کیا ہوگا (اللہ سے) وعدہ (نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کا اگر آپ مبعوث ہوئے یا خود آنحضرت ﷺ سے معاہدہ کیا ہو کہ ہم آپ کے دشمن مشرکین کی حمایت و مدد نہیں کریں گے) نظر انداز کر دیا ہوگا (پھینک دیا ہوگا) کسی نہ کسی فریق نے ان میں سے (عہد شکنی کر کے۔ یہ کلما کا جواب ہے اور یہی محل استفہام انکاری ہے) بلکہ (یہ لفظ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کے لئے ہے۔ ان میں سے زیادہ لوگ ایسے ہی نکلیں گے جو یقین ہی نہیں رکھتے اور جب ان کے پاس تشریف لائے پیغمبر اللہ کی جانب سے (محمد ﷺ) جو تصدیق کرنے والے ہیں اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے۔ پھینک دیا اہل کتاب میں سے ایک فریق نے کتاب اللہ (تورات) کو اس طرح پس پشت) یعنی تورات میں جو کچھ ایمان بالرسول وغیرہ احکام ہیں ان پر عمل نہیں کیا) کہ گویا اصلاً علم ہی نہیں رکھتے (جو کچھ اس میں آپ کے نبی برحق ہونے اور کتاب اللہ کے باب میں ہے۔)

تحقیق وترکیب: ....ابن صوریا یہ علمائے یہود فدک میں سے تھا۔ عبداللہ نام تھا۔ او عمر مفسرؒ علام نے شان نزول کی دونوں روایتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زمین چونکہ عوالی مدینہ میں تھی اس لئے جاتے ہوئے کبھی یہود کے مدارس پر آپ کا گزر ہوتا تو امتحاناً اور اسلام میں بصیرت و پختگی حاصل کرنے کے لئے تورات کا کچھ حصہ اور علمائے یہود کا کچھ مذاکرہ سن لیتے جس سے یہود آپ سے مانوس ہو گئے کہنے لگے **یا عمر لقد احبناک** لیکن اس اظہار محبت کے جواب میں حضرت عمرؓ نے حق گوئی سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ بخدا مجھے تم سے محبت نہیں میں تو صرف آنحضرت ﷺ کے بارے میں بصیرتِ قلبی حاصل کرنے کے لئے چلا آتا ہوں۔

ایک مرتبہ جبریلؑ و میکائیلؑ کے متعلق جب مندرجہ بالا گفتگو ہوئی تو سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے حضرت عمرؓ نے مزید دریافت فرمایا کہ اللہ کے نزدیک جبریلؑ و میکائیلؑ کا کیا درجہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جبریلؑ اللہ کی دہنی طرف اور میکائیلؑ بائیں جانب رہتے ہیں اور ان کے درمیان عداوت رہتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو اے احمقو! ہرگز ان کے مابین عداوت نہیں ہوسکتی بلکہ جو ان کا دشمن وہ خدا کا دشمن ہے! یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کو بذریعہ وحی اس واقعہ سے پہلے ہی مطلع کیا جا چکا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا **لقد وافقک ربک یا عمر** ۔ **جبریل** اس میں چار قرأتیں ہیں ایک کسرِ جیم کے ساتھ بلا ہمزہ بروزن قندیل۔ دوسری فتح جیم کے ساتھ بغیر ہمزہ بروزن شمویل۔ تیسرے ہمزہ اور یاء کے ساتھ بروزن سلسبیل اور چوتھے ہمزہ کے ساتھ بلا یاء کے بروزن جحمرش۔ غرضیکہ بلا ہمزہ کا تعلق کسرۂ جیم اور فتح جیم دونوں کے ساتھ ہے۔ اور **بہ** کا مرجع صرف فتح جیم ہے نہ کہ کسرۂ جیم۔ خلاصہ یہ کہ چاروں قرأتوں میں سے صرف ایک قرأت کسرۂ جیم کے ساتھ ہے۔ باقی تین قرأتیں فتح جیم کی ہیں۔ **من عطف الخاص** بلاغت کے لحاظ سے اس میں نکتہ فضل و کمال ہوتا ہے گویا تغایر فی الوصف کو بمنزلہ تغایر فی الذات قرار دے لیا جاتا ہے۔ **بیانا لحالھم** چونکہ جزاء کا ترتب شرط کے تمام اجزاء پر الگ الگ ہوتا ہے۔ مجموعہ شرط پر نہیں ہوتا اس لئے معنی یہ ہوئے کہ اللہ ان سے عداوت ان کے کفر کی وجہ سے رکھتا ہے اور ملائکہ کی عداوت کفر ہے۔ انبیاء کی عداوت کفر ہے جو ان کا دشمن وہ خدا کا دشمن۔

ولقد انزلنا یہ قصہ کا قصہ پر عطف ہے۔ **او کلما** سے پہلے مفسرؒ جلال نے **کفروا بھا** نکال کر اشارہ کر دیا کہ ہمزہ کا مدخول محذوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے اسی محذوف پر **عھدوا** کے بعد لفظ **اللہ** یا **النبی** اس لئے مقدر مانا ہے کہ **عھداً** منصوب بنا بر مفعول بہ کے اور **عاھدوا** متضمن ہے **اعطوا** کے اور مفعول اول محذوف ہے۔ یا لفظ اللہ یا لفظ نبی دونوں صورتوں میں معاہدہ کا مضمون بدل جائے گا۔ جس کی طرف جلال محقق نے اشارہ فرمایا ہے۔ **وھو محل الاستفھام** تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **ما کان ینبغی لھم نبذ**

العهد الخ وراء ظہور کے بعد **لم يعملو** اس لئے مقدر مانا گیا ہے کہ یہاں نبذ کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں کہ تورات کو پس پشت ڈال دیا کیونکہ آج تک یہود تورات کی تعظیم کرتے ہیں اور اس کو سر وسینہ سے لگاتے ہیں بلکہ ترک عمل مقصود ہے۔

ربط: .... یہاں سے ان کے ستائیسویں (۲۷) معاملہ کا بیان ہے جس کی تفصیل مفسر علامؒ نے بذیل شان نزول بیان کردی ہے اور **ولقد انزلنا** میں اٹھائیسویں (۲۸) معاملہ کا تذکرہ ہے۔

﴿تشریح﴾: .... اللہ والوں سے دشمنی کا انجام: .... حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم جبکہ آسمانی کتاب ہے، تو محض جبریلؑ کی عداوت کی وجہ سے اس کو نہ ماننا بڑی بے وقوفی اور حماقت ہے۔ رہا جبریل کی دشمنی سو چونکہ وہ سفیر محض ہیں۔ ان کی دشمنی بالواسطہ اللہ کی دشمنی کے مترادف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے ساتھ دشمنی کرنا اللہ کی دشمنی کا موجب ہے باقی سفارتی تعلق سو اس کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے اول سفیر مامور ہو، دوسرے امین ہو۔ یہود عناد کی وجہ سے بظاہر اگرچہ جبریلؑ کی امانت کے منکر ہوں لیکن فی الحقیقت ان کی امانت کے قائل تھے اس آیت میں اسی ظاہری انکار کی تقدیر پر کلام میں اثبات پر زور دیا گیا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے جو بواسطہ جبریلؑ کے آپ پر نازل کیا گیا ہے اس لئے مامور کی عداوت حاکم کی عداوت کو مستلزم ہے۔

قرآن کے الفاظ ومعانی دونوں کلام الٰہی ہیں: .... دوسری آیت میں **علی قلبک** کی تخصیص سے یہ شبہ نہیں کرنا چاہئے کہ معانی کا ورود چونکہ قلب پر ہوتا ہے اور الفاظ کا تعلق قلب سے نہیں ہوتا بلکہ کانوں سے ہوتا ہے اس لئے الفاظ من جانب اللہ نہیں ہیں صرف معانی منزل من اللہ ہوں؟ جواب یہ ہے کہ معانی کا ادراک جس طرح قلب سے ہوتا ہے الفاظ کا ادراک بھی دراصل قلب ہی کرتا ہے۔ آنکھ، کان، ناک تو محض آلات ہیں جن سے بغیر قلب کی امداد کے کام نہیں لیا جا سکتا۔ بالخصوص حالت وحی میں بظاہر ایک طرح کی بے خودی سی طاری ہوتی ہے اور ظاہری حواس فاعل نہیں رہتے اس وقت بلا واسطہ کان الفاظ بھی قلب ہی پر وارد ہوتے ہیں۔ دوسرے قرآن کریم میں جا بجا لسان عربی کے ساتھ نزول کا ذکر موجود ہے اس لئے اس شبہ کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔

معاند کے لئے ہزار دلائل بھی بیکار ہیں: .... آگے **ولقد انزلنا** میں بھی اسی ابن صوریا کے اس سوال کا جواب ہے کہ آپ پر کوئی ایسی واضح دلیل نازل نہیں ہوئی جس کو ہم پہچان لیتے۔ دراصل جواب یہ ہے کہ ہزاروں دلائل پیش کئے جن کو وہ بھی پہچانتے ہیں لیکن ان کا انکار نہ جاننے سے نہیں بلکہ نافرمانی کی عادت کی بنیاد پر ہے۔ جیسا کہ عہد شکنی ان میں سے بعض کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور وہ ہمیشہ اس جرم کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ البتہ بعض انصاف پسند اور اطاعت شعار جیسے عبداللہؓ بن سلام وغیرہ۔ وہ اس فریق سے خارج ہیں۔

وَاتَّبَعُوْا عطف علی نبذ **مَاتَتْلُوا** ای تلت **الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى عَهْدِ مُلْكِ سُلَيْمٰنَ** ۚ من السحر وكان دفنه تحت كرسيه لما نزع ملكه او كانت تسترق السمع وتضم اليه اكاذيب وتلقيه الى الكهنة فيدونونه وفشا ذلك وشاع ان الجن تعلم الغيب فجمع سليمٰن الكتب ودفنها فلما مات دلت الشياطين عليها الناس فاستخرجوها فوجدوا فيها السحر فقالوا انما ملككم بهذا فتعلموه ورفضوا كتب انبيائهم قال تعالى تبرئة لسليمٰن وردا على اليهود في قولهم انظروا الى محمد يذكر سليمٰن في الانبياء وما كان الا

سَاحِرًا **وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ** اَیْ لَمْ یَعْمَلِ السِّحْرَ لِاَنَّهٗ کُفْرٌ **وَلٰكِنَّ** بِالتَّشْدِیْدِ وَالتَّخْفِیْفِ **الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ** ۚ اَلْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ ضَمِیْرِ کَفَرُوْا وَ یُعَلِّمُوْنَهُمْ **مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ** اَیْ اُلْهِمَاهُ مِنَ السِّحْرِ قُرِیَٔ بِکَسْرِ اللَّامِ اَلْکَائِنَیْنِ **بِبَابِلَ** بَلَدٌ فِیْ سَوَادِ الْعِرَاقِ **هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ** ؕ بَدَلٌ اَوْ عَطْفُ بَیَانٍ لِلْمَلَکَیْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هُمَا سَاحِرَانِ کَانَا یُعَلِّمَانِ السِّحْرَ وَقِیْلَ مَلَکَانِ اُنْزِلَا لِتَعْلِیْمِهٖ اِبْتِلَاءً مِنَ اللّٰهِ لِلنَّاسِ **وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ** زَائِدَةٌ **اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ** لَهٗ نُصْحًا **اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ** بَلِیَّةٌ مِنَ اللّٰهِ لِلنَّاسِ لِیَمْتَحِنَهُمْ بِتَعْلِیْمِهٖ فَمَنْ تَعَلَّمَهٗ کَفَرَ وَمَنْ تَرَکَهٗ فَهُوَ مُؤْمِنٌ **فَلَا تَكْفُرْ** ؕ بِتَعَلُّمِهٖ فَاِنْ اَبٰی اِلَّا التَّعَلُّمَ عَلَّمَاهُ **فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ** ؕ بِاَنْ یُبْغِضَ کُلًّا منهما اِلَی الْاٰخَرِ **وَمَا هُمْ** اَیِ السَّحَرَةُ **بِضَآرِّيْنَ بِهٖ** بِالسِّحْرِ **مِنْ** زَائِدَةٌ **اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ** ؕ بِاِرَادَتِهٖ **وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ** فِی الْاٰخِرَةِ **وَلَا يَنْفَعُهُمْ** ؕ وَهُوَ السِّحْرُ **وَلَقَدْ** لَامُ قَسَمٍ **عَلِمُوْا** اَیِ الْیَهُوْدُ **لَمَنِ** لَامُ اِبْتِدَاءٍ مُعَلِّقَةٌ لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الْعَمَلِ وَمَنْ مَوْصُوْلَةٌ **اشْتَرٰىهُ** اِخْتَارَهٗ اَوِاسْتَبْدَلَهٗ بِکِتَابِ اللّٰهِ **مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ** ۫ ؕ نَصِیْبٌ فِی الْجَنَّةِ **وَلَبِئْسَ مَا** شَیْئًا **شَرَوْا** بَاعُوْا **بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ** ؕ اَیِ الشَّارِیْنَ اَیْ حَظَّهَا مِنَ الْاٰخِرَةِ اَنْ تَعَلَّمُوْهُ حَیْثُ اَوْجَبَ لَهُمُ النَّارَ **لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۰۲﴾ حَقِیْقَةَ مَا یَصِیْرُوْنَ اِلَیْهِ مِنَ الْعَذَابِ مَا تَعَلَّمُوْهُ **وَلَوْ اَنَّهُمْ** اَیِ الْیَهُوْدَ **اٰمَنُوْا** بِالنَّبِیِّ وَالْقُرْاٰنِ **وَاتَّقَوْا** عِقَابَ اللّٰهِ بِتَرْكِ مَعَاصِیْهِ کَالسِّحْرِ وَجَوَابُ لَوْ مَحْذُوْفٌ اَیْ لَاُثِیْبُوْا دَلَّ عَلَیْهِ **لَمَثُوْبَةٌ** ثَوَابٌ وَهُوَ مُبْتَدَاءٌ وَاللَّامُ فِیْهِ لِلْقَسَمِ **مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ** ؕ خَبَرُهٗ مِمَّا شَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ **لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۰۳﴾ ع اَنَّهٗ خَیْرٌ لَمَا اٰثَرُوْهُ عَلَیْهِ ۔

ع ۱۲

ترجمہ:.........اور یہود نے اتباع کیا (اتبعوا کا عطف نبذ پر ہے) ایسی چیز کا جس کا چرچا کیا کرتے تھے (تتلوا مضارع کا صیغہ بجائے قالت ماضی کے ہے) شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کے (عہد) سلطنت میں (مراد جادو ہے جس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے زوالِ سلطنت کے وقت اپنی کرسی کے نیچے دفن کر دیا تھا۔ یا شیاطین آسمانی باتیں چوری چھپے سن لیتے تھے اور خود ساختہ بہت سے جھوٹ اس میں ملا لیتے تھے اور کاہنوں کو سنا دیتے تھے اور کاہن اس کو باقاعدہ مدون و مرتب کر لیا کرتے تھے۔ اسی طریقہ سے یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ جنات غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سب کتابوں کو جمع کر کے دفن کر دیا تھا لیکن جب ان کی وفات ہوئی تو شیاطین نے لوگوں کی اس طرف رہنمائی کی دفن شدہ کتابوں کو نکالا گیا تو اس میں سحر نکلا۔ اس سے لوگوں میں چرچا ہونے لگا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اسی جادو کے زور سے تم پر حکومت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ عام لوگوں نے بھی سحر سیکھنا شروع کر دیا اور انبیاءؑ کی تعلیمات اور کتابوں کو چھوڑ بیٹھے۔ حضرت سلیمانؑ کی برأت ظاہر کرتے ہوئے اور یہود کے اس قول کی تردید کرنے کے لئے کہ محمد کو دیکھو سلیمانؑ کا ذکر انبیاءؑ کے سلسلے میں کر رہے ہیں حالانکہ سلیمانؑ محض ایک جادوگر تھے (حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) حضرت سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا (جادو کا عمل نہیں کیا کیونکہ وہ کفر ہے) لیکن (لفظ لٰکن تشدید و تخفیف کے ساتھ دونوں طرح

پڑھا گیا ہے) شیاطین کفر کیا کرتے تھے درانحالیکہ لوگوں کو سحر کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے (یہ جملہ حال ہے ضمیر کفروا سے) اور لوگوں کو سکھلایا کرتے تھے جوان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا (یعنی ان دونوں فرشتوں کو جو سحر بذریعہ الہام بتلایا گیا اور ایک قرأت میں مَلَكَيْنِ کی بجائے مَلِكين بکسر اللام پڑھا گیا ہے وہ فرشے رہنے والے تھے) بابل میں (جو اطراف عراق کا مشہور شہر ہے) ہاروت و ماروت نام کے (ترکیب میں یہ دونوں لفظ بدل ہیں یا عطف بیان مَلَكين کا۔ حضرت ابن عباسؓ کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں جادوگر تھے لوگوں کو سحر کی تعلیم دیا کرتے تھے اور بعض کا خیال ہے کہ دو فرشتے ہیں جو بطور امتحان منجانب اللہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دینے کیلئے اتارے گئے تھے) اور وہ دونوں کسی کو نہیں سکھلاتے تھے (من احد میں من زائد ہے) تاوقتیکہ (بطور نصیحت) نہ کہہ دیتے کہ ہمارا وجود بھی ایک طرح کی آزمائش ہے (اللہ کی طرف سے امتحان ہے کہ لوگوں کو اس کی تعلیم کے ذریعے آزمائے جو اس کو حاصل کرے کافر سمجھا جائے گا۔ اور جو چھوڑ دے مومن شمار کیا جائے گا) اس لئے کافر مت بن جانا (اس کو سیکھ کر۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی سیکھنے پر مصر ہوتا تو اس کو سکھلا دیتے) چنانچہ کچھ لوگ ان دونوں فرشتوں سے ایسا عمل سیکھ لیتے تھے جس سے مرد اور اس کی بیوی میں تفریق ہو جائے (ایک دوسرے میں دشمنی پیدا ہو جائے) حالانکہ یہ (جادوگر) کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اس (سحر سے) مگر خدا ہی کا حکم (ارادہ) سے اور سیکھتے تھے) ایسی چیزیں جوان کو نقصان دہ ہوں (آخرت میں) اور ان کے لئے نافع نہ ہوں (مراد سحر ہے) یقیناً (لقد میں لام موطۂ للقسم ہے) اتنا جانتے ہیں (یہود) کہ جو شخص (لمن میں لام ابتدائیہ ہے ماقبل عملوا کے عمل کو لفظاً روک دیا اور من موصولہ ہے) سحر کو اختیار کرتا ہے (سحر کو اختیار کرے یا کتاب اللہ کے تبادلہ میں لے) آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے (جنت میں حصہ نہیں ہے) اور بلاشبہ بری ہے وہ چیز جس میں وہ خرید رہے ہیں (فروخت کرر ہے ہیں اپنی جانوں کو (یعنی جان دینے والے اپنے آخرت کے حصہ کو۔ وہ اس بات کو جان جاتے کہ ان کے لئے نارِ جہنم ہے) کاش ان کو اتنی عقل ہوتی (کہ وہ اس عذاب کی حقیقت کو جان جاتے جس کا ان کو علم ہے) اور اگر وہ (یہود) ایمان لے آتے (آنحضرت ﷺ پر اور قرآن پر) اور ڈرتے (اللہ کے عذاب سے سحر وغیرہ گناہ چھوڑ کر۔ اور لو کا جواب محذوف ہے یعنی لاثیبوا۔ چنانچہ اس جواب پر لمثوبة دال ہے تو معاوضہ (ثواب) یہ مبتداء ہے اور لمثوبة میں لام مؤطۂ للقسم ہے) اللہ کے یہاں کا بہتر تھا (اس مبتدا کی خبر مما شروا به انفسهم ہے) کاش وہ جانتے (کہ یہ ان کے لئے بہتر ہے تو وہ اس کو ترجیح نہ دیتے)۔

ترکیب و تحقیق: .... تتلوا کے بعد قالت اشارہ ہے حکایت حال ماضیہ کی طرف یہ تلاوت بمعنی قرأت سے مشتق ہے یا تلوٌ بمعنی تابع سے مشتق ہے واتبعوا کا عطف نبذ پر ہے علی ملك میں علی بمعنی فی ہے اور ملک بمعنی عہد تحت کرسیه یہ اشارہ ہے کہ اس واقعہ کی طرف جس کی تفصیل ابن جریرؒ نے بیان کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حسب عادت اپنی بیوی "جرادہ" کو اپنی انگشتری اتار کر بیت الخلاء جانے کے وقت دی اور جب واپس آ کر طلب فرمائی تو ان کی صورت میں متشکل ہو کر ایک جن نے اس کو حاصل کرلیا تھا۔ اس لئے بیوی نے معذرت چاہی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ اللہ کی جانب سے ایک آزمائش ہوگی۔ لانه کفر جادو کو اگر حلال سمجھ کر کرتا ہے تو کفر اعتقادی ہے ورنہ عملی کفر کہا جائے گا السحر لطیف اور دقیق چیز کو کہتے ہیں یقال سحره سحرا۔ اذا ابدی له امر یدق علیه ویخفی۔ الجملة حال دوسری صورت اس کے مستانفہ ہونے کی بھی ہو سکتی ہے۔ وما انزل میں مفسر علام نے یعلمونهم اس لئے نکالا ہے کہ ما کا موصولہ اور محل نصب میں ہونا معلوم ہو جائے۔ سحر پر عطف ہو جائے کیونکہ دونوں کی مراد ایک ہے۔ ببابل میں با بمعنی فی ہے انزل کے متعلق ہے۔ وجہ تسمیہ اس شہر کی یہ ہے کہ تبلبل کے معنی تبدل کے ہیں۔ یہاں بہت سی زبانوں کا اختلاف تھا۔ ملكين حسنؒ اور ضحاکؒ نے بکسر اللام پڑھا ہے۔ ابن عباسؓ کے ان کو جادوگر ماننے کا قول بھی اسی تقدیر پر

ہے۔امیر زادے یا شاہی خاندان کے افراد ہوں گے ایسے مخصوص افراد انسان پر ملک کا اطلاق بھی جائز ہے۔دوسری مشہور قرأت بفتح اللام ہے حتی یقولا مزید اطمینان کے لئے سات سات مرتبہ لوگوں سے وعدہ لیا کرتے تھے۔فلا فکر یعنی علم وعمل اس طرح نہ حاصل کرو کہ نوبت بکفر پہنچ جائے۔مــن زائد یعنی مفعول بہ میں مــن زائد ہے جو تاکید استغراق کے لئے ہے۔لام ابتداء معلقہ یعنی اس لام نے علموا کالفظاً عمل باطل کر دیا۔منجملہ افعال قلوب کی خاصیات کے ایک خاصیت تعلیق بھی ہے۔من موصولہ ہے محل رفع میں ہے۔ابتداء کی وجہ سے اور اشتراہ اس کا صلہ ہے اور مالہ فی الآخرۃ جواب قسم ہے ای الشارین سے مفسرؒ نے انفسھم کا بیان کر دیا۔اور حظھا سے بدل شرٰی بیان کر دیا۔ان تعلموہ بتاویل ان مصدریہ یہ مخصوص بالذم ہے۔مماشروا بہ انفسھم سے مفسرؒ علام نے اشارہ کیا کہ خیر اسم تفضیل ہے۔مماشروا اس کا مفضل علیہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو اسم تفضیل کیلئے نہ مانا جائے بلکہ محض فضیلت کے لئے ہو جیسے اصحاب الجنۃ اور افمن یلقی فی النار خیر میں ہے اس صورت میں مفضل علیہ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔یہود کو اہل علم مان کر پھر ان سے علم کی تمنا کرنا اس پر مبنی ہے کہ جس علم کے خلاف عمل ہو وہ علم نہ ہونے کے درجہ میں ہے۔

ربط:............ پہلی آیت میں یہود کی عہد شکنی کا بیان تھا۔اور یہ کہ جن باتوں اور جن لوگوں کی اتباع کرنی چاہئے تھی ان کی اتباع نہیں کرتے۔ان آیات میں یہ بیان کرنا ہے کہ جن باتوں اور جن لوگوں کی اتباع نہیں کرنی چاہئے تھی ان کی پوری اتباع کرتے رہتے ہیں۔غرض کہ جس بات سے منع کیا جائے اس کے خلاف ضرور کرتے ہیں۔

﴿تشریح﴾:...... بابل کی جادوگری:............ ایک زمانہ میں بابل اور اس کے آس پاس شہروں میں جادوگری کا بہت رواج اور جادوگروں کا اس قدر چرچا ہو گیا تھا کہ لوگوں نے ان کے مقابلہ میں انبیاءؑ اور ان کی تعلیمات تک کو چھوڑ دیا تھا اور ہمہ تن انہی لایعنی مشاغل میں منہمک ہو گئے تھے حق تعالیٰ کو اس صورتِ حال کی اصلاح منظور ہوئی۔

ہاروت و ماروت کا طریقۂ تعلیم:............ تو بڑے اہتمام سے ہاروت و ماروت نامی دو فرشتوں کو باقاعدہ اس کام کے لئے مقرر کیا۔انہوں نے بابل کے مرکزی شہروں میں اپنا کام اس طرح شروع کیا کہ سحر کے اصول وفروع اچھی طرح ظاہر کر کے لوگوں کو اس سے بچنے اور جادوگروں سے پرہیز ونفرت کی تلقین کرنے لگے چنانچہ اس مقصد کے لئے لوگوں کی آمد ورفت شروع ہوئی اور بدعملی یا بداعتقادی سے بچنے کے لئے لوگ اس کے اصول وفروع سیکھنے کی درخواست کرتے تھے۔یہ دونوں فرشتے احتیاطاً لوگوں سے پہلے عہد لیا کرتے اور ان کو آگاہ کرتے کہ دیکھو ہم اور ہمارا آنا خدا کی طرف سے ایک آزمائش ہے کہ کون سحر کی تعلیم حاصل کر کے اس کی آفات وشرر سے بچتا ہے اور کون شیاطین اور غیر اللہ سے استمداد کر کے اپنا ایمان وعقبیٰ برباد کرتا ہے اس تنبیہ وتاکید کے ساتھ اپنا اطمینان کر کے تعلیم جاری کرتے۔اب اگر کوئی اس عہد وپیماں کو توڑ کر خلق کی ایذا رسانی میں مشغول ہو جاتا تو فاجر بنتا اس سے آگے بڑھ کر بعض کفری طریقوں کا اشتغال کرتا تو کافر ہو جاتا۔

اللہ، فرشتے، پیغمبر الزام سے بری ہیں:............ لیکن اس سے نہ ان فرشتوں پر کوئی الزام کیونکہ انہوں نے ارشاد اصلاحی کا حق ادا کر دیا۔اور نہ حق تعالیٰ پر اعتراض کہ انہوں نے ان اسباب کفر کو کیوں پیدا کیا۔کیونکہ یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی عمدہ تلوار کسی کو بنا کر دیدے اور اس کو طریقِ استعمال اور محلِ استعمال بھی بتلا دے لیکن وہ پھر بھی بے موقع اور بے جا استعمال کرے تو تمام تر برائی کی ذمہ داری اسی پر عائد ہوگی۔تلوار بنانے والے دینے والے پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا اسی طرح انبیاءؑ پر بھی کوئی اعتراض نہیں کہ خود

انہوں نے اس فریضہ اور ذمہ داری کو کیوں نہیں سرانجام دیا کیونکہ اول تو انبیاء کرام نے شرائع کے قواعد کلیہ سے جواز وعدم جواز کی حدود اور ضوابط کی تفصیل بیان کردی البتہ جزئیات کی تفصیل احتمال فتنہ کی وجہ سے انبیاءؑ کے ذریعہ نہیں بتلائی گئی کیونکہ انبیاءؑ منبع ہدایت ہوتے ہیں کسی درجہ میں بھی ان سے گمراہی یا سبب گمراہی بننے کا احتمال پسند نہیں کیا گیا۔ بخلاف ملائکہ کے بعض تکوینی مصالح کے پیش نظر ان سے اس قسم کے کام لئے جاتے ہیں۔

نقشِ سلیمانی:............ بہرحال حضرت سلیمان علیہ السلام چونکہ اولوالعزم نبی ہیں اور یہود ان کو ساحر سمجھتے تھے اس لئے حق تعالیٰ نے ان کی برأت اس طرح فرمائی کہ سحر کا مستلزم کفر ہونا بھی معلوم ہو جائے اور دعویٰ مبرہن بھی ہو جائے نبی کا کافر ہونا محال ہے اور ساحر ہونے سے یہ لازم آ رہا ہے اس لئے باطل ہے۔ پس دعویٰ عدم سحر صحیح رہا۔

قصہ زہرہ ومشتری:............ زہرہ کا مشہور قصہ معتبر روایت سے ثابت نہیں اسی لئے جن علماء نے اس کو خلاف قواعد سمجھا ہے قبول نہیں کیا اور بعض علماء نے کچھ تاویلیں کر کے اس کو رد نہیں کیا ہے تاہم آیات کی تفسیر اس پر موقوف نہیں ہے۔

تحقیق سحر:............ باقی سحر کے کفر وفسق ہونے کے متعلق شیخ ابو منصورؒ کی رائے یہ ہے کہ علی الاطلاق سحر کو کفر کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ موجباتِ ایمان کا اگر خلاف کرنا پڑے تو کفر ہے ورنہ نہیں۔ شرح فقہ اکبر میں ہے کہ سحر کی تعلیم وتعلم کفر نہیں بلکہ اس کو مؤثر سمجھنا کفر ہے اور صاحبِ روضہ کا قول ہے کہ عمل سحر بالا جماع حرام ہے۔ البتہ اس کی تعلیم وتعلم میں تین قول ہیں۔ اول حرام ہونے کا، دوسرا کراہت، تیسرا مباح ہونے کا۔

نادر تحقیق:............ لیکن سب سے اچھی تحقیق بعض اہل علم محققین نے کی ہے کہ سحر، عزیمت، تعویذ گنڈوں میں سب سے اول الفاظ اور کلمات کو دیکھا جائے گا۔ اگر کلماتِ کفریہ ہیں جن میں ارواح خبیثہ یا شیاطین وجنات سے امداد طلب کی گئی ہے تو علی الاطلاق حرام اور کفر ہے چاہے غرض محمود ہو یا مذموم۔ اور اگر کلمات مباحہ استعمال ہوتے ہوں تو پھر غرض پر بھی نظر کی جائے گی اگر کسی کو خلافِ شرع ضرر اور نقصان پہنچانا ہے تو ناجائز اور فسق ہے اور اگر غرض بھی ناجائز نہیں اور نقصان رسانی کا ارادہ بھی نہیں تو پھر جائز اور مباح ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ الفاظ نامعلوم المعنی اور غیر مفہوم ہوں تو چونکہ احتمال کفری معنی کا ہے اس لئے پھر بھی بچنا ضروری ہے غرضکہ الفاظ غیر مفہوم اور نامشروع نہ ہوں اور غرض بھی مذموم نہ ہو تو اتنی شرطوں کے ساتھ جائز اور ناجائز اور ہر ناجائز پر کفرِ عملی کا اطلاق صحیح ہے۔

سحر اور معتزلہ:............ معتزلہ سحر کی واقعیت تاثیر کا انکار کرتے ہیں حالانکہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم ساحرین کے واقعہ کو بار بار دہرایا گیا ہے اور ان آیات میں بھی سحر کی واقعیت کا انکار مشکل ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ پر لبید نامی یہودی کا سحر کرنا اور اس پر معوذتین کا نزول متعدد روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جن کا انکار مشکل ہے اسی طرح بعض لوگ ان آیات کی وجہ سے یہ سمجھ گئے کہ سحر کا اثر صرف تفریق بین الزوجین وغیرہ ہے۔ دوسری تاثیرات سحر میں نہیں ہوتی، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ تخصیص ذکری نفی ماسوٰی کو مستلزم نہیں ہوتی۔ اگر کسی خاص وجہ سے یہاں سحر کی ایک خاص تاثیر کا ذکر کیا گیا ہے تو اس سے یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ دوسری تاثیرات بالکل نہیں ہوتیں۔

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَقُوْلُوْا رَاعِنَا لِلنَّبِیِّ اَمْرٌ مِنَ الْمُرَاعَاۃِ وَ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ لَہٗ ذٰلِکَ وَھِیَ بِلُغَۃِ الْیَھُوْدِ سَبٌّ مِنَ الرَّعُوْنَۃِ فَسُرُّوْا بِذٰلِکَ وَخَاطَبُوْا بِھَا النَّبِیَّ فَنُھِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ عَنْھَا **وَقُوْلُوا** بَدَلَھَا **انْظُرْنَا** اَیْ اُنْظُرْ اِلَیْنَا **وَاسْمَعُوْا** ؕ مَاتُؤْمَرُوْنَ بِہٖ سِمَاعَ قَبُوْلٍ **وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ** ﴿۱۰۴﴾ مُؤْلِمٌ ھُوَ النَّارُ **مَایَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِکِیْنَ** مِنَ الْعَرَبِ عَطْفٌ عَلٰی اَھْلِ الْکِتٰبِ وَمِنْ لِلْبَیَانِ **اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ** زَائِدَۃٌ **خَیْرٍ** وَحْیٍ **مِّنْ رَّبِّکُمْ** ؕ حَسَدًا لَکُمْ **وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ** نُبُوَّتِہٖ **مَنْ یَّشَآءُ** ؕ **وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ** ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ: .... اے ایمان والو! مت کہا کرو لفظ راعنا (آنحضرت ﷺ کی شان میں راع امر کا صیغہ ہے۔ مراعاۃ سے مشتق ہے اور یہود آپ کی جناب میں یہ لفظ استعمال کیا کرتے تھے حالانکہ ان کی زبان میں حماقت کے معنی میں مستعمل ہوتا تھا۔ رعونت سے مشتق کر کے اور آنحضرت ﷺ کو اس سے مخاطب بنا کر خوش ہوتے۔ اس لئے مسلمانوں کو یہ اس کے استعمال سے روکا گیا ہے) اور کہا کرو (اس کلمہ کی بجائے) اُنظرنا (ہماری مصلحت پر نظر فرمایئے) اور سنو (جو حکم تم کو دیا جارہا ہے قبولیت کے کان سے) اور ان کافروں کو سزائے دردناک ہوگی (الیم بمعنی مولم، مراد نار جہنم ہے) ذرا بھی پسند نہیں کرتے ہیں اہل کتاب اور نہ مشرکین (عرب مشرکین کا عطف اہل کتاب پر ہے اور من بیانیہ ہے اس بات کو کہ تمہیں کسی قسم کی بہتری نصیب ہو (من خیر میں من زائد ہے) تمہارے پروردگار کی جانب سے (اس کے باعث ان کا تم سے حسد کرنا ہے) اور اللہ اپنی رحمت (نبوت) کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے مخصوص فرماتے ہیں اور اللہ بڑے فضل والے ہیں۔

ترکیب وتحقیق: .... راعنا یہ امر حاضر کا صیغہ ہے مراعاۃ سے ماخوذ ہے بمعنی راقبنا ضمیر متکلم مفعول بہ ہے مبالغہ فی الرعایت کے معنی ہیں مسلمان تو اسی نیت سے عرض کرتے تھے کہ اے پیغمبر ہماری رعایت سے کلام آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر فرمایئے جو بات ہماری سمجھ میں نہ آئے یا رہ جائے اس کو دوبارہ سمجھا دیجئے لیکن عبرانی زبان میں یہ لفظ فحش گالی سمجھی جاتی تھی۔ رعونت سے مشتق کر کے بمعنی احمق استعمال کرتے تھے۔ یا رائی ...... چرواہے کے معنی میں لیتے تھے گویا ایک لفظ دو زبانوں کے لحاظ سے دو مختلف اور متضاد معانی میں مستعمل تھا۔ مسلمان سادہ لوحی کی وجہ سے یہود کے اس تمسخر اور استہزاء کو نہیں سمجھ سکے تھے۔ راعنا محلاً منصوب ہے بناء بر مفعول کے ولا المشرکین موضع جر میں ہے اہل پر معطوف ہونے کی وجہ سے من خیر میں من زائد ہے اور من ربکم میں من ابتدائیہ ہے۔

ربط: .... پہلی آیت میں یہود کے تیسویں (۳۰) معاملہ کو اور دوسری آیت میں ان کے اکتیسویں (۳۱) معاملہ کو بیان کیا جارہا ہے جس کے شانِ نزول کا حاصل یہ ہے کہ:

﴿تشریح﴾: .... **لفظی شرارت:** .... یہود از راہ شرارت آنحضرت ﷺ کے لئے رائی کا لفظ استعمال کرتے تھے اور اپنے محاورہ عبرانی کے لحاظ سے احمق اور چرواہے کے معنی لیتے تھے۔ اور مسلمان اچھے معنی کے لحاظ سے بمعنی رعایت اس لفظ کو استعمال کرتے تھے چونکہ مسلمانوں کی سادہ لوحی سے یہود کو شرارت کا موقع مل رہا تھا اس لئے بندش اور اصلاح کرنی پڑی کہ تم اس لفظ کو بدل کر دوسرا لفظ استعمال کیا کرو۔

بعض وقت جائز کام بھی ناجائز بن جاتا ہے:............ اس سے ایک بڑی حکمت کی بات نکل آئی کہ اپنے کسی فعلِ مباح سے اگر کسی کو برائی اور گناہ کی گنجائش ملتی ہو تو وہ فعل خود اس کے حق میں بھی ناجائز ہو جاتا ہے۔ یہ تو آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہود کی گستاخی اور بے ادبی کا حال تھا۔ دوسری آیت میں خود مسلمانوں کے ساتھ ان کی بدنیتی کو بتلاتے ہیں کہ جہاں تک ان کے دعویٰ افضلیت کا تعلق ہے سو اول تو محض بلا دلیل دعویٰ سے کیا ہوتا ہے دوسرے دین اسلام کے ناسخ بن کر آنے سے تمام ادیان کا منسوخ ہونا معلوم ہو گیا اس لئے یہ دعویٰ فضول تھا کہ قابلِ جواب نہیں تھا البتہ جہاں تک یہود کے دعویٰ ہمدردی اور خیر خواہی کا تعلق ہے وہ اس لئے غلط ہے کہ تم ایک نظر بھی مسلمانوں کو دیکھنا گوارا نہیں کرتے اور اس بارہ میں تم اور مشرکین برابر ہو۔ دونوں میں سرمو فرق نہیں ہے پھر کیا منہ لیکر دعویٰ کرتے ہو۔

اساتذہ اور مشائخ کا ادب:............ اس آیت میں ادب فی الخطاب کی تعلیم ہے کہ جو خدامِ دین ہیں جیسے اساتذہ اور مشائخ وہ بھی اس خطاب میں تابع رہیں گے۔

وَلَمَّا طَعَنَ الْكُفَّارُ فِي النَّسْخِ وَقَالُوا اِنَّ مُحَمَّدًا يَامُرُ اَصْحَابَهُ الْيَوْمَ بِاَمْرٍ وَيَنْهٰى عَنْهُ غَدًا نَزَلَ **مَا** شَرْطِيَّةٌ **نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ** اَيْ نُزِلْ حُكْمَهَا اِمَّا مَعَ لَفْظِهَا اَوْلَا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ النُّوْنِ مِنْ اَنْسَخَ اَيْ نَامُرُكَ اَوْ جِبْرَءِيْلَ بِنَسْخِهَا **اَوْ نُنْسِهَا** نُؤَخِّرْهَا فَلَانُزِلُ حُكْمَهَا وَنَرْفَعُ تِلَاوَتَهَا او نُؤَخِّرُهَا فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِلَا هَمْزَةٍ مِنَ النِّسْيَانِ اَيْ نُنْسِهَا وَنَمْحُهَا مِنْ قَلْبِكَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ **نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ** اَنْفَعَ لِلْعِبَادِ فِي السُّهُوْلَةِ اَوْ كَثْرَةِ الْاَجْرِ **اَوْ مِثْلِهَا** ط فِي التَّكْلِيْفِ وَالثَّوَابِ **اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾** وَمِنْهُ النَّسْخُ وَالتَّبْدِيْلُ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ **اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ط يَفْعَلُ فِيْهِمَا مَايَشَاءُ **وَمَالَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَيْ غَيْرِهٖ **مِنْ** زَائِدَةٌ **وَّلِيٍّ** يَحْفَظُكُمْ **وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾** يَمْنَعُ عَذَابَهُ عَنْكُمْ اِنْ اَتَاكُمْ

ترجمہ:............ (کفار نے جب نسخ کے سلسلے میں آپ پر طعن و تشنیع کی اور کہنے لگے کہ محمدؐ اپنے رفقاء کو آج ایک کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور کل اسی سے منع کر دیتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی) اگر (ماشرطیہ ہے) ہم کسی آیت کا حکم موقوف کر دیتے ہیں (خواہ مع الفاظ کے حکم زائل کریں یا بلا الفاظ کے اور ایک قرأت میں ننسخ بضم النون ہے باب افعال انساخ سے مشتق یعنی ہم یا جبریلؑ اس کے نسخ کا حکم کرتے ہیں) یا اس آیت کو ذہنوں سے فراموش کر دیتے ہیں کہ اس کا حکم زائل نہ ہو بلکہ اس کی تلاوت کو منع کر دیں۔ یا لوح محفوظ ہی میں اس حکم کو مؤخر کر دیں اور ایک قرأت میں ننسی بلا ہمزہ کے نسیان سے مشتق یعنی ہم اس کو مٹا کر آپؐ کے قلب سے محو کر دیتے ہیں اور جواب شرط یہ ہے) تو ہم اس آیت سے بہتر لاتے ہیں (جو بندوں کے لئے سہولت یا کثرۃ اجر کے لحاظ سے زیادہ نافع ہو) یا اس آیت کی مانند (تکلیف و ثواب میں) کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ حق تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔ (منجملہ ہر چیز کے نسخ و تبدیل میں بھی ہے۔ اس میں استفہام تقریری ہے) کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہی کی حکومت ہے آسمان و زمین میں (جو چاہتے ہیں ان میں کرتے ہیں اور تمہارا حق تعالیٰ کے سوا (علاوہ) کوئی (من زائد ہے) دوست (کہ تمہاری حفاظت کرے) اور مددگار نہیں ہے (کہ اگر تم پر اس کا عذاب آئے تو روک دے۔)

ترکیب وتحقیق: .... ماشرطیہ ہے جس کی وجہ سے ننسخ مجزوم ہے۔ نسخ لغت میں کسی چیز کی صورت زائل کر کے دوسرے میں قائم کر دینا جیسے **نسخت الریح اٰثار القوم۔ نسخ الظل للشمس یا نسخ الکتاب الی کتاب اخر**۔ اس کی بعد محض نقل کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ اس کی دوصورتیں ہیں منسوخ التلاوت والحکم جیسے حضرت عائشہؓ کی روایت **"عشر رضعات یحرمن"** یا صرف مرفوع الحکم ہو جیسے **وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ** اور دوسری قرأت میں **بضم النون** ابن عامرؒ کی ہے **ننسها** ابن کثیرؒ وابوعمروؒ کے نزدیک بالالف نسی بمعنی تاخیر سے ہے یعنی **تاخیر الحکم عن النسخ** جس کا حاصل یہ ہے کہ حکم باقی ہو اور تلاوت منسوخ۔ یہ تیسری قسم کی طرف اشارہ ہوگا جیسے **الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما** اور دوسری قرأت میں **ننسی** بضم النون وکسر السین ہے نسیان کا باب افعال، خیر کا ترجمہ مفسرؒ نے انفع کے ساتھ اس لئے کیا کہ کلام اللہ تمام خیر ہی خیر ہے۔ آیات میں خیر وعدم خیر کا فرق نہیں ہے بلکہ انفع غیر انفع کے لحاظ سے فرق مقصود ہے۔ چنانچہ سہولت کے اعتبار سے انفع غیر انفع کا فرق جیسے اول حکم **ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین** بعد میں **الاٰن خفف اللہ** سے منسوخ کر کے **ان یکن منکم مائة صابرة یغلبوا مائتین** فرمایا گیا ظاہر ہے کہ ایک کو دس کے مقابلہ میں کرنے کی نسبت ایک کو دو کے مقابل کرنا آسان ہے اور کثرت اجر کے لحاظ سے انفع ہونے کی مثال جیسے اول اسلام میں روزہ اور فدیہ کا اختیار تھا لیکن بعد میں یہ اختیار منسوخ ہو کر صرف روزہ متعین ہو گیا۔ جس میں ثواب کی زیادتی ظاہر ہے اسی طرح تکلیف وثواب میں برابر ہونے کی مثال جیسے ابتداء نماز کے لئے استقبال بیت المقدس شرط تھا۔ بعد میں منسوخ ہو کر استقبال بیت اللہ سے تبدیل ہو گیا۔ دونوں کے حکم اس لحاظ سے برابر ہیں۔ **ولی ونصیر** دونوں میں عام وخاص من وجہ کی نسبت ہے قوی دوست اجتماعی مادہ ہے اور کمزور دوست اور قوی اجنبی مددگار یہ دونوں افتراقی مادے ہیں۔

ربط وشانِ نزول: .... ان آیات میں یہود کے بتیسویں (۳۲) معاملہ کا ذکر ہے۔ شانِ نزول کی طرف خود جلال محقق نے اشارہ کیا ہے کہ یہود کو تحویل قبلہ پر جس کا ذکر عنقریب آتا ہے اعتراض تھا اور مشرکین بھی احکام کی منسوخیت پر معترض تھے کہ اگر یہ خدائی کلام اور احکام ہیں تو یہ روز روز تبدیلی کے کیا معنی؟ اس سے تو حاکم اور متکلم کی سفاہت لازم آتی ہے اور ظاہر ہے کہ خدا بالاتفاق اس عیب سے منزہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کلام الٰہی نہیں اور احکامِ اسلام احکام خداوندی نہیں ہیں۔ ان شبہات کے دفعیہ کیلئے آیاتِ ذیل نازل ہوئیں۔

﴿ **تشریح** ﴾: .... **انکارِ نسخ:** .... ابو مسلمؒ بن بحر وغیرہ علماء نے تو نسخ کا بالکلیہ انکار کیا ہے کیونکہ اعتقادیات جو احکام کی بنیاد ہوتے ہیں۔ مثلاً خدا کی ذات وصفات کے مسائل یا فرشتوں اور پیغمبروں، عذاب وثواب برزخ، حشر ونشر جنت جہنم کے متعلق عقائد تو ظاہر ہے کہ یہ ابدی ہیں ان میں کسی نسخ یا تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔ رہ گئے احکام ان میں جو اصول شرائع ہیں تمام شریعتوں میں جو متفق علیہ رہے ہیں جیسے بت پرستی اور ظلم وغیرہ کی حرمت، عدل وانصاف، صدق ودیانت وامانت کا مستحسن ہونا ان کی تبدیلی کا بھی کوئی سوال نہیں ہے۔ اب رہ جاتا ہیں صرف احکام جزئیہ تو بقول ابو مسلمؒ ان میں بھی نسخ نہیں ہے کیونکہ نسخ میں اتحاد جہت شرط ہے حالانکہ ناسخ اور جہت سے ہوتا ہے اور منسوخ میں دوسری جہت ہوتی ہے۔ اور دونوں اپنی اپنی جہت سے صحیح ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کی رائے پر آیات میں بھی نسخ نہیں ہے یعنی کوئی آیت منسوخ التلاوۃ نہیں ہے کیونکہ آیت کیلئے متواتر ہونا شرط ہے جو آیات منسوخ ہو چکی ہیں ان میں تواتر نقل ہی نہیں پائی جاتی وہ اخبار آحاد ہوتی ہیں یا موضوع وضعیف یا ادراج راوی کے قبیل سے ہوتی ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو لیا ہی نہیں تو ان کو آیات کس طرح کہا جائے گا۔ آیاتِ قرآنی صرف وہ کہلائیں گی جن کو آپ نے محفوظ رکھا، دوسروں

حفظ کرایا، کاتبوں سے لکھایا، یعنی موجودہ قرآن جو بین الدفتین ہے بالکل محفوظ متواتر ہے اس میں تغیر کوراہ نہیں ہوتی ہے رہا اس آیت سے نسخ پر استدلال سو اس لئے صحیح نہیں ہے کہ وہ اس سے مراد احکام توراۃ وانجیل لیتے ہیں یعنی ان میں تبدیلی ہوئی ہے اور آیات کا لفظ قرآن کے ساتھ مخصوص نہیں ۔ ہے بلکہ احکام پر اس کا اطلاق شائع ذائع ہے۔

بعض مفسرین کی رائے: .... اور بعض مفسرینؒ اس آیت کی تفسیر احکام کی تبدیلی سے نہیں کرتے بلکہ قوموں کے اوصاف عروج وزوال کی تبدیلی مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ ماقبل کی آیت میں بھی اللہ کے فضل وکرم کا کسی قوم کے ساتھ مختص نہ ہونا بتلا کر مشرکین ویہود کے اس خیال کی تردید مخصوص تھی کہ نبوت ورسالت تو ہمارا مخصوص قوی طرہ اور شعار ہے۔ محمدؐ اس کے حقدار کس طرح بن گئے ۔ ان آیات میں بھی اسی مضمون کی تاکید مقصود ہے کہ اللہ کے فضل وکرم میں کسی کی اجارہ داری نہیں ہے بلکہ اس کی موارد ومواقع بدلتے رہتے ہیں ان اللہ لایغیر مابقوم حتّٰی یغیر وا ما بانفسھم اب قوم یہود ونصاریٰ کی بجائے گویا محمدیوں کا دور دورہ ہے۔

عام علماء کی رائے: .... عام علماء نسخ کے قائل ہیں لیکن چند شرائط کے ساتھ۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس مسئلہ سے دو جگہ تعرض کیا گیا ہے۔ ایک اس آیتِ بقرہ ما ننسخ الخ میں دوسرے سورۂ نحل کی آیت واذا بدلنا ایۃ کان ایۃ واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر بل اکثرھم لایعلمون ۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ آیت بقرہ میں لفظ نسخ وانساء استعمال کیا گیا ہے اور آیت نحل میں تبدیل کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ باقی دونوں آیات میں الم تعلم ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر اور واللہ اعلم بما ینزل اور بل اکثرھم لا یعلمون فرما کر یکساں طور پر اسرار نسخ پر متنبہ کیا گیا ہے۔

نسخ کے دو معنی: .... بہر حال سب سے پہلے قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ احکام میں تبدیلی دو طرح کی ہوتی ہے کبھی تو اس لئے کہ قانون اور حکم میں پہلے سے کوئی فروگزاشت اور کمی رہ گئی تھی۔ ترمیم کر کے پورا کر دیا گیا ہے، اس قسم کی تبدیلی احکام الٰہیہ میں محال ہے کیونکہ یہ مستلزم سفاہت وعیب مُقَنِّن ہے۔ معترضین نسخ کے یہی معنی لے کر اعتراض کرتے تھے اور کبھی احکام میں تبدیلی محکومین میں انقلاب حال کی بناء پر ہوتی ہے۔

نسخہ جات کی طرح احکام میں بھی تبدیلی ضروری ہے: .... یہ تبدیلی ایسے ہی صحیح، جائز بلکہ ضروری ہوتی ہے جیسے حکیم حاذق کے نسخوں میں تبدیلی مریض اور مرض کی تبدیلی کی بناء پر ہوتی ہے جو عقلاً ونقلاً واجب التسلیم ہے اسی لئے علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ نسخ ذوجہتین ہوتا ہے حق تعالیٰ کے لحاظ سے انتہاء مدت کا بیان ہوتا ہے اور بندوں کے اعتبار سے بیان تبدیل ہوتا ہے۔ یعنی واقعۃً حکم میں تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ ایک ہنگامی حکم تھا مدت پوری ہونے کے بعد خود بخود ختم ہو گیا۔ البتہ پہلے سے ہم کو یہ بات معلوم نہیں تھی۔ اس لئے بظاہر دیکھنے میں ہمارے لحاظ سے تبدیلی ہوئی ہے جیسے کسی کو اچانک تلوار سے قتل کر دیا جائے تو بظاہر دیکھنے میں اس کی موت قبل از وقت معلوم ہوگی اسی لئے قتل شدید ترین جرم شمار کیا جائے گا لیکن فی الحقیقت اور تقدیر خداوندی کے لحاظ سے مقررہ وقت پر موت مانی جائے گی۔

شرائطِ نسخ: .... اسی لئے فقہاء نے شرائط نسخ کے سلسلہ میں کہا ہے کہ وہ حکم جو محل نسخ بنے واجب لذاتہٖ نہیں ہونا چاہئے جیسے ایمان باللہ اور نہ ممتنع بالذات ہونا چاہئے جیسے کفر وشرک بلکہ فی نفسہٖ محتمل الوجود والعدم ہو۔ اسی طرح وہ حکم موقت یا مؤبد نہ ہو۔ تابید خواہ نصاً

ہو جیسے خالدین فیھا ابدًا کے ساتھ مقید ہونا اور یا تابید دلالۃ ہو جیسے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد شریعت کا ناقابل ردوبدل ہوجانا، یعنی احکام میں تغیر یا ردوبدل کا احتمال آپ کی حیات مبارکہ میں رہتا تھا لیکن آپ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد اب شریعت مؤبد ہوگئی، وحی کا سلسلہ ختم ہوگیا، ترمیم وتغیر کا امکان مسدود ہوگیا، البتہ زمان ومکان کے لحاظ سے جزوی طور پر جو فقہاء کے فتاویٰ میں جواز عدم جواز حلت یا حرمت کا اختلاف اور احکام میں تبدیلی سی معلوم ہوتی ہے اس سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ شریعت کے مؤبد ہونے پر اثر انداز نہیں ہے۔ بہر حال نسخ کا محل ایسا حکم نہیں بنے گا جو پہلے ہی سے وقتی یا ابدی ہو۔ کیونکہ وقتی تو خود بخود وقت پر ختم ہوجائے گا اس کے لئے نسخ بے معنی ہے اسی طرح اگر حکم ابدی ہے تو اس میں نسخ کا مطلب کذب بیانی ہوگی کہ پہلے ناقابل تغیر مان لیا تھا جو بعد تغیر غلط ہوگیا۔

معتزلہ کا اختلاف:............اسی طرح معتزلہ کے نزدیک ناسخ ومنسوخ کے درمیان اتنا وقت ملنا چاہئے کہ بندہ منسوخ حکم پر عملدرآمد کرلیتا اس کے بعد نسخ صحیح ہوگا لیکن اہلِ سنت کے نزدیک صرف منسوخ کے متعلق اعتقادِ حقیقت کا وقت ملنا کافی ہے عملدرآمد شرط نہیں ہے۔ اور اعتقاد بھی اصالۃً ہو یا نیابۃً جیسے واقعہ معراج میں پچاس نمازیں منسوخ ہوکر صرف پانچ نمازیں رہ گئیں پہلے حکم پر نہ عملدرآمد کا وقت اور نہ اعتقادِ حقیقت کا امۃ کو اصالۃً ملا۔ البتہ آنحضرت ﷺ نے اصالۃً اور نیابۃً اعتقاد حقیقت کو سرانجام دے لیا تھا اور وہی سب کے لئے کافی ہوگیا۔

نسخ کی حدود:.........آیت میں چونکہ نات بخیر کی قید ہے اس لئے کتاب اللہ کے لئے قیاس کو ناسخ نہیں مانا جائے گا اور نہ اجماع عندالاکثر ناسخ بن سکتا ہے۔ البتہ کتاب اللہ اور احادیث نبویہ حنفیہؒ کے نزدیک ایک دوسرے کے ناسخ بن سکتے ہیں۔ لیکن شوافع کو اس میں اس لئے تامل ہے کہ معاندین کو گنجائش اعتراض ملتی ہے کہ دیکھئے خدا کی بات کو سب سے پہلے اسی کے نبی نے یا نبی کی بات کو اول خدا نے جھٹلایا مگر حنفیہ اس احتمال کو اس لئے بے وزن سمجھتے ہیں کہ اول تو معاندین سے یہاں بھی چھٹکارا مشکل ہے بلکہ قرآن کی قرآن سے یا حدیث کی حدیث سے منسوخیت پر انہیں اور بھی زیادہ اعتراض کا موقعہ ہے کہ اپنی بات کی خود ہی تردید وتکذیب کردی دوسرے نسخ کے معنی جب بیان مدت کے ہیں پھر محل اعتراض کہاں رہا گویا اللہ نے رسول کے حکم کی اور رسول نے اللہ کے حکم کی مدت کی انتہاء بتلادی ہے۔ اور چونکہ ناسخ ومنسوخ میں مماثلت یا نسخ کا خیر ہونا بلحاظ سہولت وثواب ہے۔ لفظ کی بہتری یا برابری مراد نہیں ہے اس لئے قرآن وحدیث کا باوجود تفاوت الفاظ کے ایک دوسرے کے لئے ناسخ بننا باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔ اسی طرح ناسخ کا بغیر بدل ہونا یا منسوخ کے مقابلہ میں ناسخ کا اثقل ہونا بھی لائق اعتراض نہیں ہونا چاہئے کیونکہ نفع وثواب کے لحاظ سے خیریت کے منافی یہ چیزیں نہیں ہیں۔ ناسخ کا بہ نسبت منسوخ اسہل ہونا جیسے پچاس نمازوں کی بجائے صرف پانچ نمازیں، یا میراث بالہجرۃ کا میراث بالقرابۃ سے منسوخ ہونا، یا دن رات کے روزہ کا صرف دن کے روزہ سے منسوخ ہونا، یا جہاد میں ایک مسلمان کا دس کافروں کے مقابل ہونا منسوخ ہوکر ایک کا دو کے مقابلہ میں آنا وغیرہ اور ناسخ ومنسوخ دونوں کے مماثل ہونے کی مثال جیسے استقبال بیت المقدس کا استقبال بیت اللہ سے منسوخ ہونا۔ نسخ بلا بدل کی مثال جیسے فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ اور ناسخ اثقل کی مثال جیسے آیاتِ عفو کا آیتِ قتال سے منسوخ ہونا یا ابتداء اسلام میں روزہ اور فدیہ کے اختیار کی منسوخیت تعیین روزہ کے ساتھ۔

نسخ کے لئے تاریخ کا تقدم وتاخر:............اسی طرح تعیین نسخ کے لئے آیات کے نزول کی تاریخ جاننا بھی ضروری ہے تاکہ بعد والی آیت کو ناسخ اور پہلی آیت کو منسوخ کہا جاسکے اس کے لئے سورتوں کے مکی، مدنی، سفری، حضری ہونے کی واقفیت بھی

ضروری ہے تا کہ تقدیم تاخیر کا صحیح اندازہ کیا جاسکے۔ چنانچہ جن سورتوں میں صرف ناسخ آیات ہیں وہ کل چھ (۶) سورتیں ہیں اور جن سورتوں میں ناسخ ومنسوخ دونوں طرح کی آیات ہیں وہ پچیس (۲۵) ہیں اور جن سورتوں میں صرف منسوخ آیات ہیں ان کی تعداد چالیس (۴۰) ہے اور ایسی سورتیں جو ناسخ ومنسوخ سے خالی ہیں تینتالیس (۴۳) ہیں جن کی تفصیلات پہلے گذر چکی ہیں۔

متقدمین متاخرین کی اصلاحات کا فرق:............اس بارے میں متقدمین ومتاخرین علماء کی اصلاحات میں بھی کچھ فرق ہے۔ متقدمین کے یہاں نسخ میں اس درجہ توسع سے کام لیا گیا ہے کہ ہر ذرا سے تغیر پر انہوں نے نسخ کا اطلاق کر دیا اس لئے قدرۃً نسخ کی تعداد ان کے یہاں زیادہ ہوگی اور متاخرین کی اصلاح کا دائرہ نہایت تنگ تر ہے اس لئے ان کے یہاں نسخ کی تعداد بھی کمتر رہ گئی ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ کل پانچ آیت منسوخ مان رہے ہیں حکم ثانی ناسخ کے لئے عقلاً جن باتوں کا ہونا ضروری ہے حق تعالیٰ نے ان آیات میں ان کی طرف اشارہ فرمادیا ہے مثلاً (۱) اس کا مبنی بر مصلحت ہونا (۲) حاکم کا صاحب قدرت ہونا (۳) کسی دوسرے کا مزاحم نہ ہوسکنا (۴) حاکم کا محکومین کے لئے ہمدرد وبہی خواہ ہونا (۵) اگر کوئی ان سے مزاحمت کرے تو ان کی امداد کرنا۔ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو وارد، سالک کے اختیار کے بغیر زائل یا مغلوب ہو جائے حق تعالیٰ اس سے بہتر یا اس کے مثل عطا فرمادیتے ہیں بندہ کو زائل شدہ چیز پر حسرت نہیں کرنی چاہئے۔

وَنَزَلَ لَمَّا سَأَلَهُ أَهْلُ مَكَّةَ أَنْ يُوَسِّعَهَا وَيَجْعَلَ الصَّفَا ذَهَبًا **اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى** اَیْ سَأَلَهُ قَوْمُهُ **مِنْ قَبْلُ** مِنْ قَوْلِهِمْ أَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً وَغَيْرِ ذٰلِكَ **وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ** اَیْ يَأْخُذْهُ بَدَلَهُ بِتَرْكِ النَّظَرِ فِی الْاٰيَاتِ الْبَيِّنَاتِ وَاقْتِرَاحِ غَيْرِهَا **فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾** اَخْطَأَ طَرِيْقَ الْحَقِّ وَالسَّوَاءُ فِی الْاَصْلِ الْوَسَطُ **وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ** مَصْدَرِيَّةٌ **يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا** مَفْعُوْلٌ لَهُ كَائِنًا **مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ** اَیْ حَمَلَتْهُمْ عَلَيْهِ اَنْفُسُهُمُ الْخَبِيْثَةُ **مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ** فِی التَّوْرٰةِ **الْحَقُّ ۚ** فِیْ شَانِ النَّبِیِّ **فَاعْفُوْا** عَنْهُمْ اَیْ اُتْرُكُوْهُمْ **وَاصْفَحُوْا** اَعْرِضُوْا فَلَا تُجَازُوْهُمْ **حَتّٰى يَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ** فِيْهِمْ مِنَ الْقِتَالِ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ** طَاعَةٍ كَصَلٰوةٍ وَّصَدَقَةٍ **تَجِدُوْهُ** اَیْ ثَوَابَهُ **عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾** فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ

ترجمہ:............(اہل مکہ نے جب آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ آپ مکہ کو کشادہ کر دیجئے اور صفا پہاڑ کو سونے کا کر دیجئے تو یہ آیت نازل ہوئی) ہاں کیا (ام بمعنی یعنی منقطعہ ہے) تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے درخواستیں کرو جیسا کہ حضرت موسیٰ سے سوال کیا گیا (ان کی قوم نے ان سے سوال کیا تھا) اس سے پہلے (بنی اسرائیل کی ان سے ارنا اللہ جھرۃ وغیرہ درخواستیں کرنا) اور جو شخص ایمان کی بجائے کفر کرے (یعنی آیات بینات میں نظر ترک کر کے اور دوسری درخواستوں میں لگ کر ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کر لے) بلاشبہ وہ شخص راہ راست سے دور جا پڑا (سیدھی راہ گم کر بیٹھا سواء دراصل وسط کے معنی میں آتا ہے) ان اہل کتاب میں سے بہت سے دل سے چاہتے ہیں کہ (لو مصدریہ ہے) تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا ڈالیں محض حسد کی وجہ سے (حسدا مفعول لہ ہے)

جوخودان کے دلوں سے ابھرتا ہے (یعنی خودان کا نفس خبیثہ حسد پر آمادہ کرتا ہے) ان کے لئے (تورات میں) حق واضح ہونے کے بعد (دربارۂ آنحضرت ﷺ) خیر معاف کردیجئے (ان کو چھوڑ دیئے) اور درگزر کیجئے (چشم پوشی کیجئے ان کو کچھ نہ کہئے حتی کہ اللہ اپنا کوئی قانون (ان کے قتال کے بارے میں) بھیجیں بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور نمازیں پابندی سے پڑھے جایئے اور زکوٰۃ دیتے رہئے اور جو نیک کام بھی اپنی بھلائی کے جمع کرتے رہو گے (نماز وصدقہ جیسی طاعات) پالو گے اس کو (اس کے ثواب کو) اللہ کے پاس کیونکہ اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ بھال رہے ہیں (چنانچہ تم کو ان کا بدلہ بھی دیں گے ۔)

ترکیب و تحقیق: .... باوجود سورت کے مدنی ہونے کے اور ماقبل و مابعد میں یہود سے خطاب کے درمیان میں اہل مکہ کو خطاب کیا گیا ہے اور یہود کی طرف سے بھی یہ اعتراض مراد لیا جاسکتا ہے **لو** مصدریہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد فعل آئے گا جس سے تمنا کے معنی سمجھے جائیں گے ۔ **حسداً** یہ **ود** کا مفعول ہے **کانئا** سے جلال مفسرؒ نے **من عند انفسھم** کے ظرف مستقر ہونے کی طرف اشارہ کردیا ہے پھر یہ حسد کی صفت ہو جائے گا ۔ نیز اس کو **ود** سے متعلق کر کے ظرف لغو بھی قرار دیا جاسکتا ہے یعنی یہ ان کی تمنا خود اپنے نفس سے ابھرنے والی تھی ۔ دینداری کے جذبہ سے نہیں تھی **من بعد** یہ بھی **ود** سے متعلق ہے اور **ما** مصدریہ ہے ای **بعد تبین الحق لھم** اس میں ان کی زیادہ تقبیح شان ہے کہ حق کے ظاہر ہونے کے باوجود نہ صرف خود گمراہ ہوئے بلکہ دوسروں کو گمراہ کیا ۔ **عفو** کے معنی ترک سزا ۔ **اصفحوا** کے معنی ترک ملامت بولتے ہیں **صفحت عن فلان بالکلیه** اعراض کر لینا ، **تجدوہ** کے بعد **ثوابه** اس لئے نکالا گیا ہے کہ مقصود اصلی ان اعمال سے ثواب ہے اور اسی کا وجدان ہو گا نہ کہ عین اعمال کا **عند اللہ به** اس سے مراد عندیت معنوی ہے مراد اس سے محفوظ اور ذخیرہ ہونا ہے ۔

ربط و شانِ نزول: .... پہلی آیت میں تینتیسویں (۳۳) معاملہ کا بیان ہے اور دوسری آیت میں چونتیسویں (۳۴) معاملہ کا تذکرہ ہے ۔ اول آیت کے شانِ نزول کی طرف خود جلال محققؒ نے اشارہ فرمایا ہے کہ کچھ لوگوں نے محض برائے گفتن کچھ بے ہودہ فرمائشی معجزے طلب کئے اس آیت میں ان کا جواب ہے ۔ دوسری آیت **وَدَّ كَثِيرٌ** کا شانِ نزول یہ ہے کہ عمار بن یاسر اور حذیفہ بن ایمان رضی اللہ عنہم غزوۂ احد سے واپس ہو رہے تھے کہ یہود کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی ۔ جنہوں نے ازراہِ طعن یہ کہا تھا کہ یہودیت مذہب حق ہے ۔ محمد ﷺ اگر برحق نبی ہوتے اور اللہ ان کے ساتھ ہوتا تو وہ اپنے ساتھیوں کو اس طرح کیوں قتل کرا بیٹھتے ؟ اس پر عمارؓ نے جواب دیا کہ اچھا بتلاؤ بدعہدی کرنے والا تمہارے نزدیک کیسا ہے ؟ کہنے لگے کہ نہایت ذلیل ! حضرت عمارؓ نے فرمایا کہ ہم نے مرتے دم تک آنحضرت ﷺ سے اتباع کا عہد کیا ہے اس لئے کبھی اس کو نہیں توڑ سکتے ۔ یہود نے الزام لگایا کہ تم صابی ہو گئے ہو ، حذیفہؓ نے جواب دیا **رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و الکعبة قبلةً و القران اماماً و المومنین اخواناً** آنحضرت ﷺ کو جب اس واقعہ سے باخبر کیا تو فرمایا **اصبتما الخیر و افلحتما** اور یہ آیت نازل ہوئی ۔

اور ابن ابی حاتمؒ نے سعید یا عکرمہؓ کے طریق پر حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ حی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب دو شخص بدترین یہود تھے عرب دشمنی میں کہ آنحضرت ﷺ بنی اسماعیل میں کیوں مبعوث ہوئے اور ممکنہ حد تک لوگوں کو اسلام سے روکنے میں سرگرم اور مساعی رہتے ان کی تردید میں آیت **وَدَّ كَثِيرٌ** نازل ہوئی ۔

تشریح: .... **فرمائشی اور غیر فرمائشی معجزات کا فرق:** .... کفارِ مکہ اور مشرکین عرب میں کچھ ایسے منچلے جوان بھی تھے جن کا کام محض دفع الوقتی تھا وہ طرح طرح کے فرمائشی معجزات طلب کرتے رہتے جن کی تفصیل سورۂ انعام میں

آئے گی۔

ہر کام کی حکمت و مصلحت چونکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کسی دوسرے کو تعیین فعل کا حق نہیں ہے اس لئے اس قسم کی درخواستیں ہمیشہ ٹھکرا دی جاتی ہیں اور چونکہ فرمائش کرنے والوں کا منشاء اکثر صحیح نہیں ہوتا۔ ان کی روش معاندانہ ہوا کرتی ہے اس لئے عادت اللہ یہ رہی ہے کہ اس قسم کی فرمائشوں کو رد کر دیا جاتا ہے اور اگر پورا کیا جاتا ہے تو اس شرط کے ساتھ کہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو اتمام حجت کے بعد اللہ کا عذاب آنا یقینی ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ آخری امت ہے اس کو ہلاک اور تباہ کرنا منشاء الٰہی نہیں ہے ادھر معاندین کے حق میں ایمان مقدر نہیں ہے اس لئے فرمائشات کا پورا کرنا قرین مصلحت نہیں سمجھا گیا۔

جہاد اور عفو و درگذر:............ چونکہ مسلمانوں کی اس وقت کی حالت کا مقتضیٰ یہی تھا کہ پورے صبر و سکون اور عدم تشدد کے ساتھ وقت کو انگیز کیا جائے مخالفین کی شرارتوں کا علاج مناسب وقت پر قانون امن عامہ یعنی قتل و جزیہ کے ذریعہ کیا جانے والا تھا اس لئے حق تعالیٰ نے تسامح اور چشم پوشی کا مشورہ دیا۔ اور قوم کی حقیقی اور اندرونی قوت و طاقت فراہم کرنے کا اس سے بہتر طریقہ ممکن نہیں ہے کیونکہ سازگار ماحول اور خلاف مزاج حالات برداشت کرنے کی عادت ڈالنے سے اخلاقی اور روحانی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے اور بڑے بڑے کٹھن اور سنگین حالات خندہ پیشانی سے جھیلنے کی مشق ہو جاتی ہے۔ عین جنگ اور قتل و قتال کی حالت میں بھی ایسی صورتیں پیش آ جاتی ہیں جن میں عفو و درگذر اور تسامح کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے آیت کو وقتی حالات پر محمول کر کے منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ عفو و صفح سے مراد محض عدم قتال نہیں ہے بلکہ عام معنی میں جو جنگ اور عدم جنگ دونوں مصلحت سے روحانی اور اخلاقی طاقت کے سرچشمہ کی طرف رخ پھیرنے کے لئے نماز، روزہ، زکوٰۃ، وغیرہ عبادتی احکام کا پروگرام بتلا دیا کہ فی الحال بدنی اور مالی مشقتیں جھیلنے کا عادی بناؤ تا کہ جنگی احکام کے قابل اپنے کو بنا سکو ورنہ بلا تیاری کے ایک دم جنگی احکام بے سود ہو کر رہ جائیں گے۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا جَمْعُ هَائِدٍ **اَوْ نَصٰرٰى** قَالَ ذٰلِكَ يَهُوْدُ الْمَدِيْنَةِ وَنَصَارٰى نَجْرَانَ لَمَّا تَنَاظَرُوْا بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْ قَالَ الْيَهُوْدُ لَنْ يَّدْخُلَهَا اِلَّا الْيَهُوْدُ وَقَالَ النَّصَارٰى لَنْ يَّدْخُلَهَا اِلَّا النَّصٰرٰى **تِلْكَ** الْمَقُوْلَةُ **اَمَانِيُّهُمْ** شَهَوَاتُهُمُ الْبَاطِلَةُ **قُلْ** لَهُمْ **هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ** حُجَّتَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾** فِيْهِ **بَلٰى** يَدْخُلُ الْجَنَّةَ غَيْرُهُمْ **مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ** اَيْ اِنْقَادَ لِاَمْرِهٖ وَخَصَّ الْوَجْهَ لِاَنَّهٗ اَشْرَفُ الْاَعْضَاءِ فَغَيْرُهٗ اَوْلٰى **وَهُوَ مُحْسِنٌ** مُوَحِّدٌ **فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ** اَيْ ثَوَابُ عَمَلِهِ الْجَنَّةُ **وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾** فِي الْاٰخِرَةِ

ترجمہ:............ اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ جانے پائے گا بجز ان لوگوں کے جو یہودی ہوں (ہود جمع ہائد کی) یا ان لوگوں کے جو نصرانی ہوں (یہود و نصاریٰ بجز ان کے درمیان جب آنحضرت ﷺ کی مجلس میں مناظرہ ہوا تو یہ کہنے لگے، یعنی یہود نے کہا کہ جنت میں بجز یہود کے کوئی نہیں جائے گا اور نصاریٰ نے کہا کہ بجز نصاریٰ کے جنت میں کوئی نہیں جائے گا) یہ (باتیں) دل بہلانے کی ہیں (بے بنیاد خواہشات ہیں) آپ فرما دیجئے (ان سے) کہ اپنی دلیل لاؤ (اس دعویٰ پر اپنی حجت پیش کرو) اگر تم سچے ہو (اس دعویٰ میں) بلکہ (ان کے علاوہ دوسرے جنت میں جائیں گے) جو شخص بھی اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے (یعنی اس کا فرمانبردار ہو جائے اور لفظ وجہ کی تخصیص اس لئے کہ یہ تمام اعضاء میں اشرف ہے جب اس کو اللہ کے آگے جھکا دیا تو دوسرے اعضاء بدرجۂ اولیٰ

جھکا دیئے ہوں گے) درآنحالیکہ وہ مخلص (موحد) بھی ہو تو ایسے شخص کو بدلہ ملے گا پروردگار کے پاس پہنچ کر (اس کے عمل کا ثواب جنت کی صورت میں) اور ایسے لوگوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے (آخرت میں ۔)

ترکیب وتحقیق: .... ہود جمع ہائد جیسے عائذ کی جمع عوذ آتی ہے۔ **هاد يهود ۔اذا دخل فی اليهودية ۔ هائد** بمعنی تائب جیسے **انا هدنا اليك** یعنی **انا تبنا اليك** دراصل جو لوگ گوسالہ پرستی سے تائب ہوئے ان پر اس کا اطلاق کیا گیا تھا بعد میں وجہ تسمیہ میں توسع ہو گیا اور جماعت کا علم بن گیا چونکہ التباس کا کوئی خطرہ نہیں بلکہ سامع پر اعتماد تھا کہ ہر قول کو اس کے قائل کے ساتھ لگا لیا جائے گا اس لئے دونوں اقوال کو مجملاً ملفوف کر دیا۔

نجران یمن کے ایک شہر کا نام ہے جہاں سے نصاریٰ کا یہ وفد حاضر خدمت اقدس ہوا تھا۔ **رواه ابن جرير عن ابن عباس** **تلك** کا مشار الیہ مفرد مقولہ قرار دیا۔ اس کی خبر امانی جمع ہے کیونکہ فی الحقیقت وہ بہت سی امیدوں پر مشتمل تھی۔ یا بتاویل **مقولة كل قائل عليحدة** ہو اور تیسری توجیہ یہ ہے کہ بتقدیر المضاف عبارت ہو یعنی "**امثال تلك المقولة امانيهم**" **هاتوا** اصل میں **اتوا** تھا ہمزہ کو ہا سے تبدیل کر لیا یہ امر تعجبی کہلاتا ہے بمعنی **احضروا برهان برهة،** بمعنی **قطعة** سے ماخوذ ہے یعنی فریق مخالف کی بات اس سے قطع ہو جاتی ہے اور یا برہن سے مشتق ہے بمعنی بیان۔ اول صورت میں یہ لفظ غیر منصرف اور دوسری صورت میں منصرف ہو جائے گا **بلیٰ** چونکہ ایجاب نفی کے لئے آتا ہے اسی لئے مفسر علام نے **يدخل الجنة غيرهم** عبارت مقدر کی ہے اور اسی لئے **بلیٰ** پر وقف حسن ہے یعنی **مابعد من اسلم** سے کلام مستانف ہے **وجه** کو اشرف الاعضاء کہنا اس لئے ہے کہ یہ سجدہ گاہ ہے جو اساس اخلاص ہے اور معدن حواس اور فکر و تخیل ہے **فله** چونکہ مبتدا متضمن معنی شرط ہے اس لئے خبر پر فا جزائیہ کا لانا درست ہے خواہ **من** کو شرطیہ کہا جائے یا موصولہ، اور ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ **من اسلم** فعل محذوف کا فاعل ہو یعنی **بلیٰ يدخلها من اسلم** اصل عبارت ہو۔ اب **فله اجره** کلام معطوف ہو جائے گا **فی الاخرة** کی قید جلال محقق نے اس لئے لگا دی ہے کہ دنیا میں تو "**اشد بلاء الانبياء ثم الا مثل فالامثل**" کی رو سے مومنین خوف و حزن، رنج و ملال میں گھرے رہتے ہیں اگرچہ ان کا اثر قلب حقیقی تک نہ پہنچتا ہو۔

ربط وشانِ نزول و ﴿تشریح﴾: .... ان آیات میں ان کے پینتیسویں (۳۵) معاملہ کا حال مذکور ہے اور شان نزول جلال محقق نے خود بیان فرمایا ہے جس میں یہود کے ساتھ نصاریٰ کی شرکت بھی ہے خلاصہ استدلال یہ ہے کہ بالاتفاق تمام اہل ملل وادیان سماویہ پیش کردہ قانون مسلم ہے۔ اب اس کی روشنی میں صرف یہ دیکھنا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے اور مسلمانوں میں کون اس کا حقیقی مصداق ہے کہ وہی اس دعوے کا اصل مستحق ہوگا۔ سو ظاہر ہے کہ کسی قانون کے منسوخ ہو جانے کے بعد اس پر عمل کرنے والا فرمانبردار کہلانے کا مستحق نہیں ہے چنانچہ یہود و نصاریٰ بزعم خود ادیان منسوخہ پر عمل پیرا ہیں اس لئے بقاعدہ مذکور مستحق نجات نہیں ہیں۔ البتہ مسلمان چونکہ دینِ ناسخ کے تابعدار ہیں اس لئے اصل فرمانبردار بھی وہی ہیں اور جنت کے مستحق وہی ہوں گے۔ منافقین چونکہ شرعاً کافر اور مستحق نار ہیں اس لئے مخلص کی قید سے ان کو نکال دیا جائے گا۔

پیرزادوں کے لئے دعوتِ فکر: .... آجکل پیرزادے اور اکثر گدی نشین سجادے اور کسب کی بجائے صرف نسب پر گھمنڈ کرنے والے صاحب زادے یہود و نصاریٰ کی اس خیالی جنت سے سبق حاصل کریں اور آیت کریمہ میں غور و فکر کر کے عبرت پکڑیں کہ کسب ان کے لئے مفید ہوگا یا صرف نسب۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ صص مُعْتَدٍّ بِهٖ وَكَفَرَتْ بِعِيْسٰى وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ لا مُعْتَدٍّ بِهٖ وَكَفَرَتْ بِمُوْسٰى وَّهُمْ اَيِ الْفَرِيْقَانِ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط الْمُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ وَفِيْ كِتَابِ الْيَهُوْدِ تَصْدِيْقُ عِيْسٰى وَفِيْ كِتَابِ النَّصَارٰى تَصْدِيْقُ مُوْسٰى وَالْجُمْلَةُ حَالٌ كَذٰلِكَ كَمَا قَالَ هٰؤُلَاءِ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اَيِ الْمُشْرِكُوْنَ مِنَ الْعَرَبِ وَغَيْرِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ج بَيَانٌ لِمَعْنٰى ذٰلِكَ اَيْ قَالُوْا لِكُلِّ ذِيْ دِيْنٍ لَيْسُوْا عَلٰى شَيْءٍ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ فَيُدْخِلُ الْمُحِقَّ الْجَنَّةَ وَالْمُبْطِلَ النَّارَ۔

ترجمہ: ....اور یہود کہنے لگے کہ نصاریٰ کسی (معتدبہ) بنیاد پر نہیں ہیں (اور حضرت عیسیٰؑ کا انکار کر بیٹھے) اور نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود کسی (معتدبہ) بنیاد پر نہیں ہیں (اور حضرت موسیٰؑ کا انکار کرنے لگے) حالانکہ یہ (دونوں فریق) کتابیں پڑھتے ہیں جو ان پر نازل ہوئیں اور یہود کی کتاب میں (بطور پیشن گوئی) حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق موجود ہے۔ اسی طرح نصاریٰ کی کتاب میں حضرت موسیٰؑ کی تصدیق پائی جاتی ہے۔ یہ جملہ حالیہ تھا) اسی طرح (جیسا کہ ان لوگوں نے کہا) کہنے لگے وہ لوگ بھی جو بے علم ہیں (مشرکین عرب وغیرہ) ان جیسا قول (یہ ذلک کے معنی کا بیان ہے یعنی ہر فریق دوسرے مذہب کو غلط اور بے اصل بتلاتا ہے) سو اللہ ان سب کے درمیان قیامت کے روز فیصلہ کردیں گے ان تمام باتوں کا جن میں وہ باہم اختلاف کررہے ہیں (مذہبی باتوں کا چنانچہ اہل حق کو جنت میں اور باطل پرستوں کو جہنم میں داخل کردیا جائے گا۔)

ترکیب وتحقیق: ....مفسرؒ علام نے ھٰؤلاء سے اشارہ کردیا کہ کذٰلک مصدر محذوف کی صفت ہے۔ "ای قال المشرکون قولا مثل قولھم" مشرکین کے ساتھ اہل کتاب کے ملانے میں آنحضرت ﷺ کی دلداری مقصود ہوگی کہ قومی ہمدردی اور تعلق قرابت کے جوش سے اگر آپ کو تکلیف ہو تو یہ خیال کر لیجئے کہ جب لکھے پڑھے لوگ ڈوب رہے ہیں تو یہ تو پھر جاہل محض اور کندۂ ناتراش ہیں ان سے کیا امید ہوسکتی ہے۔ اہل کتاب کی دیکھا دیکھی مشرکین کو بھی جوش وخروش ہوا گویا باسی کڑھی کو ابال آیا یا مینڈکی کو زکام ہوا۔ مثل قولھم بیان ہے یعنی کذٰلک سے اس طرح بدلا ہے کہ لفظ مثل بیان ہے کاف کا۔ اور لفظ قولھم بیان ہے ذٰلک کا اور مقصود اس سے تاکید وتقریر ہے اس لئے تکرار بلا فائدہ نہیں ہے اور یا یہ کہا جائے کہ کذٰلک سے مراد قول معنی مصدری ہے اور مثل قولھم سے مراد ان کا مقولہ ہے دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔

ربط وشانِ نزول: ....ان آیات میں یہود کے چھتیسویں (۳۶) معاملہ کا ذکر ہے اور اس برائی میں نصاریٰ اور مشرکین عرب بھی شریک ہیں۔

ابن ابی حاتم نے بطریق سعید یا عکرمہ تخریج کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ کچھ یہود ونصاریٰ آپ کی مجلس مبارک میں جمع ہوئے اور مذہبی مباحثہ ومناظرہ کرنے لگے۔ رافع بن خزیمہ نے یہود کی طرف سے دین نصاریٰ کا رد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا اور انجیل کے آسمانی کتاب ہونے کا۔ اسی طرح نصاریٰ نے مذہب یہود کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور تورات کا کتاب اللہ ہونے کا ابطال کیا۔ حق تعالیٰ نے اس مذہبی تعصب کو نقل کرکے رد فرمایا ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... **بے جا گروہ بندی کی مذمت**: .... اللہ بچاوے ایسے مذہبی تعصب اور گروہ بندی سے کہ انسان کل حزب بما لدیھم فرحون کا شکار ہو کر رہ جائے اور اپنے سوا دوسروں کی واقعی اچھائیوں کا بھی انکار کردے۔ تعصب کی پٹی جب آنکھوں پر بندھ جاتی ہے تو آدمی اندھا ہو جاتا ہے اپنی برائیاں اچھائیاں بن کر اور دوسروں کی اچھائیاں برائیاں بن کر سامنے آتی ہیں۔ اس تحزیب اور گروہ بندہ کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ اذا تعارضا تساقطا یعنی خود ان ہی قول سے دونوں مذہب کا ابطال ہو گیا۔ اور منسوخ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے لحاظ سے ایک درجہ میں اگرچہ یہ بات صحیح بھی ہے کہ یہ دونوں مذاہب فی الحال معمول بہا نہیں ہیں لیکن خود ان کا مقصد اس کہنے سے یہ نہیں تھا بلکہ ان مذاہب کا بے اصل و بے بنیاد ہونا تھا جو تورات وانجیل کی تعلیمات کے اعتبار سے صحیح نہیں تھا۔ لیکن یہ علمی فیصلہ جب اہل علم ہونے کے باوجود ان کے لئے ناکافی ہے تو قیامت میں عملی فیصلہ کر کے دودھ اور پانی الگ الگ کر دیا جائے گا اور حق و باطل کی یہ معرکہ آرائی ختم کر دی جائے گی۔

مشائخ کے لئے نکتہ فکر: .... جو مشائخ اور علماء اپنے طریقوں پر اس درجہ مگن اور پھولے ہوئے ہیں کہ دوسرے اہل حق کی تنقیص وتحقیر سے بھی نہیں شرماتے وہ اس آئینہ میں اپنا عکس ملاحظہ فرمائیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ اَیْ لَا اَحَدَ اَظْلَمُ **مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ** بِالصَّلٰوۃِ وَالتَّسْبِیْحِ **وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا** بِالْهَدْمِ اَوِ التَّعْطِیْلِ نَزَلَتْ اِخْبَارًا عَنِ الرُّوْمِ الَّذِیْنَ خَرَّبُوْا بَیْتَ الْمَقْدِسِ اَوْ فِی الْمُشْرِکِیْنَ لَمَّا صَدُّوا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَیْبِیَّةِ عَنِ الْبَیْتِ **اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ** خبر بِمَعْنَی الْاَمْرِ اَیْ اَخِیْفُوْهُمْ بِالْجِهَادِ فَلَا یَدْخُلُهَا اَحَدٌ اٰمِنًا **لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ** هَوَانٌ بِالْقَتْلِ وَالسَّبْیِ وَالْجِزْیَةِ **وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ** ﴿۱۱۴﴾ هُوَ النَّارُ

ترجمہ: .... اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا (یعنی اس سے زیادہ کوئی ظالم نہیں ہے) جو اللہ کی مسجدوں میں ذکر اللہ (نماز وتسبیح کئے جانے) سے روکتا ہے اور ان کی ویرانی میں کوشاں رہتا ہے (ان کے توڑنے بیکار کرنے میں ساعی رہتا ہو۔ یہ اطلاع ان رومیوں کے بارے میں ہے جنہوں نے بیت المقدس کو برباد کیا تھا یا پھر ان مشرکین کے متعلق ہے جنہوں نے سال حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے روکا تھا) ان لوگوں کو تو بے باکی کے ساتھ مساجد میں قدم بھی نہیں رکھنا چاہئے تھا۔ (یہ خبر امر کے معنی میں ہے یعنی جہاد سے ان کو ڈراؤ کہ امن واطمینان کے ساتھ تم میں سے اب کوئی ان میں داخل نہیں ہو سکے گا۔) ان لوگوں کی دنیا میں بھی رسوائی ہوگی (قتل وقید جزیہ کے ذریعہ ذلیل ہوں گے اور ان کے لئے آخرت میں بھی سزائے عظیم (جہنم) ہوگی۔

ترکیب وتحقیق: .... من استفهامیہ ہے محل رفع میں بنا برابتداء کے اور اظلم اس کی خبر ہے۔ مفسرؒ نے استفہام انکاری ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس مقام پر ایک مشہور سوال ہے کہ اظلمیت کا اطلاق بصیغہ تفضیل قرآن کریم میں کئی مواقع میں کیا گیا ہے۔ مثلاً (۲) ومن اظلم ممن افتری علی اللہ الکذب (۳) ومن اظلم ممن ذکر بایٰت ربه (۴) فمن اظلم ممن کذب علی اللہ پس ہر ایک پر اظلمیت کا اطلاق اجتماع ضدین ہوگا اس کی دو توجیہیں کی گئی ہیں ایک توجیہ تو یہ ہے ہر ایک موقعہ کی اظلمیت اس مخصوص مقام اور صلہ کے لحاظ سے کی جائے۔ گویا اظلمیت حقیقیہ نہیں ہوگی بلکہ اضافی اظلمیت مقصود ہوگی۔ مثلاً اس آیت میں

یہ معنی ہوں کہ لا احد من المانعین اظلم ممن منع مساجد اللہ اور دوسری آیت میں تقدیر اس طرح ہو لا احد من المفترین اظلم ممن افتری علی اللہ اور تیسری میں اس طرح ہو لا احد من الکذابین اظلم ممن کذب علی اللہ وغیرہ۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ ان آیات میں مساوات فی الاظلمیت کی نفی مقصود نہیں ہے کیونکہ ان میں دوسری چیزوں سے اظلمیت کی نفی کی گئی ہے۔ لیکن اظلمیت کی نفی سے ظالمیت کی نفی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ مقید کی نفی سے مطلق کی نفی نہیں ہوتی۔ تو حاصل یہ ہے کہ دوسری چیزوں کے لحاظ سے تو اظلمیت کی نفی ہوئی لیکن خود ان میں وصف اظلمیت کا اشتراک رہا۔ یعنی اظلمیت میں شریک اور مساوی رہے۔ فلا اشکال.

مساجد باوجودیکہ شان نزول میں مسجد کی تخصیص کی گئی ہے لیکن آیت میں جمع کا لفظ حکم کے عام ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ مسجد کی وجہ تسمیہ میں نماز کے اشرف رکن سجدہ کا لحاظ کیا گیا ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اقرب مایکون العبد من ربہ وھو ساجد. اس میں مفتوح العین ہونا اگرچہ قیاسی ہے لیکن مکسور العین کی سماعت اور روایت ہے ما کان لھم یعنی مسجد کی ہیبت تو بے باکانہ قدم رکھنے سے بھی مانع ہونی چاہئے چہ جائیکہ اس کی بربادی کی یہ لوگ جرأت کریں خبر مفسرؒ علام اس سے ایک شبہ کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں کہ ظاہر آیت کی خبر کا تقاضا تو یہ ہے کہ بیت المقدس میں امن واطمینان سے داخل نہ ہوسکیں حالانکہ نہ صرف یہ کہ وہ مامون ہو کر داخل ہوئے بلکہ سالہا سال وہ مسجد ان کے قبضہ میں رہی حتیٰ کہ سلطان صلاح الدینؒ نے ان سے استخلاص کرایا۔ لیکن جب یہ خبر انشاء کے معنی میں ہے۔ اب شبہ باقی نہیں رہا لھم فی الدنیا یہ اور اس کا مابعد جملہ مستانفہ ہے۔ محلِ اعراب میں نہیں ہے اس لئے اس کو جملہ حالیہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کی دنیاوی رسوائی کسی حال کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

ربط وشانِ نزول:............ یہ بھی یہود کا مشترک سینتیسواں (۳۷) معاملہ ہے مفسرؒ علام نے آیت کے دو شانِ نزول بیان کئے ہیں۔ اول کا حاصل یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک زمانہ میں یحییٰ بن زکریاؑ کو جب قتل کردیا تو بخت نصر جو بابل کا مجوسی بادشاہ تھا۔ نصاریٰ کی حمایت میں بیت المقدس پر حملہ آور ہوا۔ اسی طرح طیطس نامی بادشاہ نے بھی مسجد کی تخریب کاری اور بربادی میں حصہ لیا۔ اور نصاریٰ یہود کی تذلیل دیکھ کر خوش ہوتے رہے اور باوجودیکہ بیت المقدس نصاریٰ کا قبلہ حج اور زیارت گاہ تھا لیکن حُب علیؓ کی بجائے بغض معاویہؓ پر عمل پیرا رہے اس لئے حق تعالیٰ نے خطاب اور عتاب میں ان کو بھی شریک رکھا۔ بہرحال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک یہ مسجد ویران رہی۔ فاروق اعظمؓ کے قدوم میمنت لزوم پہنچے تو آباد وشاداب ہوگئی۔ دوسرے واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ ۶ھ میں آنحضرت ﷺ چودہ سو صحابہؓ کی معیت میں عمرہ کی نیت سے مدینہ طیبہ سے داخل بیت اللہ ہونا چاہتے تھے لیکن حدیبیہ (ایک مقام) پر پہنچنے کے بعد جس کو آجکل شمسیہ کہتے ہیں کفار مکہ کی طرف سے روک دیئے گئے اور صلح حدیبیہ کا مشہور تاریخی واقعہ عمل میں آیا۔ اس پر اظہار افسوس کیا گیا ہے۔

﴿تشریح﴾: مساجد کی تخریب:............ جلال محققؒ نے آیت کے شانِ نزول میں جن دو واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے ان سے تو مسجد حرام اور مسجد بیت المقدس کی تخریب کا پہلو نکلتا ہے لیکن تحویلِ قبلہ کے سلسلہ میں یہود کی شرارتوں اور شبہات کو ملایا جائے اور وہ شبہات عام طور پر اگر دلوں میں جاگزیں ہوجاتے تو توحید ورسالت کے ساتھ نماز وروزہ کو بھی لوگ خیر باد کہہ دیتے جس سے مسجد نبوی اور تمام مساجد کی ویرانی ہوجاتی غرضکہ ان مختلف مسائی کا لازمی اثر ونتیجہ عام وخاص مساجد کی تخریب وویرانی ہوتی۔

تعمیر مسجد:............ حالانکہ اللہ والوں کی شان انما یعمر مساجد اللہ ہوتی ہے۔ پس کہاں ان کے اہل حق ہونے کے وہ بلند بانگ دعوے اور ڈینگیں اور کہاں ان کے یہ کرتوت، شرم نہیں آتی۔ غرضکہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین سب ہی کے پوست کندہ حالات

سامنے آ گئے اس لئے دنیا میں تو ان کی رسوائی یہ ہوئی کہ سب ہی سلام کے باجگذار اور مسلمانوں کی رعایا بنے اور آخرت کی بھری محفل میں علاوہ کفر کے ویرانی مساجد کے ذیل میں کچھ ذلت ہوگی وہ مزید برآں ہے۔

مساجد کی قفل بندی:............ مسجد کی تخریب وہدم اور نماز وغیرہ سے لوگوں کو روکنا اگر چہ مسجد مانع کی ملکیت ہو اس آیت کی رو سے ناجائز ہے۔ البتہ سامانِ مسجد کی حفاظت کے لئے قفل بندی ایک علیحدہ بات ہے۔ باقی تخریب وتعمیر مساجد کے مفصل احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ **ماکان لھم ان یدخلوھا** جملہ کی وجہ سے ائمہ میں اختلاف ہے کہ آیا کافر کے لئے مسجد میں داخلہ کی اجازت ہے یا نہیں تو امام مالکؒ کے نزدیک کسی مسجد میں بھی بلاضرورت کافر کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد بیت المقدس، میں علی الاطلاق ناجائز ہے اور ان مساجد ثلٰثہ کے علاوہ دوسری مساجد میں مسلمانوں کی اجازت سے داخل ہوسکتا ہے اور حنفیہؒ کے نزدیک ادب واحترام کے ساتھ تمام مساجد میں داخلہ کی اجازت ہے۔ یہ آیت حنفیہؒ کے لئے مؤید بلکہ مستدل ہے امام زاہدؒ نے **ان یذکر فیھا اسمہ** سے اللہ کے اسم و مسمّٰی کے اتحاد پر استدلال کیا ہے برخلاف معتزلہ کے وہ دونوں میں عدم اتحاد کے قائل ہیں۔

وَنَزَلَ لَمَّا طَعَنَ الْيَهُوْدُ فِي نَسْخِ الْقِبْلَةِ اَوْ فِي صَلٰوةِ النَّافِلَةِ عَلَى الرَّاحِلَةِ فِي سَفَرٍ حَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ **وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ** ق اَيِ الْاَرْضُ كُلُّهَا لِاَنَّهُمَا نَاحِيَتَاهَا **فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا** وُجُوْهَكُمْ فِي الصَّلٰوةِ بِاَمْرِهٖ **فَثَمَّ** هُنَاكَ **وَجْهُ اللّٰهِ** ط قِبْلَتُهُ الَّتِيْ رَضِيَهَا **اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ** يَسَعُ فَضْلُهُ كُلَّ شَيْءٍ **عَلِيْمٌ** ﴿۱۱۵﴾ بِتَدْبِيْرِ خَلْقِهٖ **وَقَالُوا** بِوَاوٍ وَدُوْنَهَا اَيِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ **اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا** لا قَالَ تَعَالٰى **سُبْحٰنَهٗ** ط تَنْزِيْهًا لَهٗ عَنْهُ **بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ط مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا وَالْمِلْكِيَّةُ تُنَافِي الْوِلَادَةَ وَعَبَّرَ بِمَا تَغْلِيْبًا لِمَا لَا يَعْقِلُ **كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ** ﴿۱۱۶﴾ مُطِيْعُوْنَ كُلٌّ بِمَا يُرَادُ مِنْهُ وَفِيْهِ تَغْلِيْبُ الْعَاقِلِ **بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ط مُوْجِدُهُمَا لَا عَلٰى مِثَالٍ سَبَقَ **وَاِذَا قَضٰٓى** اَرَادَ **اَمْرًا** اَيْ اِيْجَادَهٗ **فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ** ﴿۱۱۷﴾ اَيْ فَهُوَ يَكُوْنُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنَّصْبِ جَوَابًا لِلْاَمْرِ۔

ترجمہ:............ (تحویل قبلہ کے سلسلہ میں یا بحالت سفر نفلی نماز سواری پر بلاتعیین جہت پر یہود نے جب اعتراض کیا یہ آیت نازل ہوئی) اور اللہ ہی کی ملک ہے مشرق ومغرب (مراد پوری زمین ہے کیونکہ مشرق ومغرب اس کی دو سمتیں ہیں سو جس طرف بھی تم لوگ گھماؤ (اپنے چہروں کو نماز میں اس کے حکم کے مطابق) ادھر ہی (ثم بمعنی ہناک) اللہ کا رُخ ہے (اس کا مقرر کردہ قبلہ ہے) بلاشبہ حق تعالیٰ محیط ہیں (اس کا فضل تمام چیزوں کو محیط ہے) کامل العلم ہیں (تدبیر خلق سے واقف ہیں) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ (قالوا واو کے ساتھ اور بغیر واؤ کے دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ مراد اس سے وہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین ہیں جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے) کہ اللہ اولاد رکھتا ہے (حق تعالیٰ جواباً فرماتے ہیں) سبحان اللہ (اللہ کی ذات اس تہمت وعیب سے بری ہے) بلکہ خاص اللہ کی مِلک ہیں آسمان وزمین کی تمام چیزیں (سب اس کے مملوک ومخلوق وغلام ہیں اور ملکیت وولادت میں منافات ہے اور لفظ ما سے تعبیر کرنے میں غیر ذوی العقول کی ذوی العقول پر تغلیب ذکر کی ہے) سب چیزیں ان کی محکوم ہیں (جس چیز سے وہ جو ارادہ کرتے ہیں وہ اطاعت کرتی ہے۔ اس لفظ قانتون ذوی العقول کی تغلیب کر لی گئی ہے) زمین وآسمان کے ایجاد کرنے والے ہیں (بلانمونہ سابق ان کے موجد ہیں)

اور جب ارادہ کرتے ہیں (قضیٰ بمعنی اراد ہے) کسی کام کا (اس کی ایجاد کا) تو بس اس کی نسبت فرمادیتے ہیں کہ ہو جاپس وہ ہو جاتا ہے (تقدیر عبارت فھو یکون ہے اور ایک قرأت میں یکون منصوب ہے جواب امر ہونے کی بناء پر۔)

ترکیب وتحقیق: .... المشرق مفسرؒ اس طرف اشارہ کرنے چاہتے ہیں کہ دو جہت بول کر پوری زمین مراد لیتے ہیں۔ ان دونوں جہتوں کو کبھی مفرد لفظ سے ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی تثنیہ اور جمع کے ساتھ ان کو ذکر کیا جاتا ہے فاینما تولوا این اسم شرط بمعنی ان ما زائد ہے۔ تولوا مجزوم ہے فثم خبر مقدم اور وجہ اللہ مبتداء مؤخر ہے۔ یہ جملہ جواب شرط ہے اور آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ جس طرف تم رخ کرو گے وہیں اللہ کو پاؤ گے وجوھکم تولوا کا مفعول محذوف ہے۔ اینما اس کا ظرف ہے وجہ سے مراد جہت ہے۔ یا اللہ کی ذات۔ مفسرؒ علام نے اول کی طرف اشارہ کیا ہے یسع بیت اللہ کا قبلۂ اسلام مقرر کرنا اور جعلت لی الارض کلھا مسجدا وطھورا کی رو سے تمام روئے زمین کا مسلمانوں کے لئے مسجد وتیمم گاہ بنادینا بھی اسی قبیل سے ہے۔ قالوا سے تینوں جماعتوں کے شرکیہ عقائد کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ سبحان کالفظ اہل عرب تعجب کے موقع پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ لفظ مرکب ہے دو لفظوں سے لفظ سُب اہل عرب کے یہاں تعجب کے لئے آتا ہے اور حان عجم کے نزدیک دونوں کو جمع کر کے مبالغہ ہو گیا۔ کل اس میں تنوین بعوض مضاف الیہ ہے تقدیر عبارت اس طرح تھی کل مافی السمٰوٰت والارض قانتون جمع مذکر سالم جو واؤ نون کے ساتھ مذکر عاقل کے لئے آتی ہے یہاں تغلیباً ذوی العقول غیر ذوی العقول سب مراد ہیں جیسا کہ لفظ ما میں اس کے برعکس کیا گیا ہے۔ قضٰی اس کے کئی معانی آتے ہیں بمعنی خلق و امر و قدر و اراد۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں امر بتقدیر المضاف ہے۔ ای ایجاد امر۔ فیکون جمہور کے نزدیک رفع یا یقول پر عطف کی وجہ سے یا استیناف کی وجہ سے ہے۔ ای فھو یکون اور نصب بنا بر جواب امر کے ضعیف ہے۔ کیونکہ کن حقیقی امر نہیں ہے۔ امر کے لئے جس طرح آمر کی ضرورت ہے مخاطب مامور کی بھی ضرورت ہے اور یہاں مخاطب موجود نہیں تھا بلکہ کنایہ ہے سرعۃ تکون سے۔

ربط وشانِ نزول پانچ قول: .... آیت وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ الخ میں یہود کے اڑتیسویں (۳۸) معاملہ کا بیان ہے اور آیت وقالوا میں مشترک طور پر انتالیسویں (۳۹) معاملہ کا تذکرہ ہے۔

وقالوا میں اول آیت کے شانِ نزول کی طرف جلال محققؒ نے اشارہ کیا ہے جس کا حاصل دو قول ہیں۔ یا تحویل قبلہ جس کا بیان دوسرے پارہ کے شروع میں ہے۔ ابن عباسؓ کی رائے کے مطابق اول آپ مکہ معظمہ میں بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے پھر مدینہ طیبہ میں سولہ سترہ مہینے بحکم الٰہی یہود کی تالیف قلب کے لئے بیت المقدس کا استقبال کیا تو کفار نے طعن کیا اور یہود کی شورش سے یہ مسئلہ نہایت ہنگامہ خیز بن گیا تھا۔ اس کے جوابات کی یہ تمہید ہے اور یا پھر نفلی نماز بحالت سفر آپ توسع فرماتے تھے کہ شہر سے باہر جنگل میں سواری جس رخ پر بھی چلتی آپ اس پر سوار ہو کر نماز پڑھتے رہتے تھے اور کسی ایک جہت کی پابندی نہیں فرماتے تھے۔ اس پر یہود نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں، یہ آیت اسی کے جواب میں ہے یہ رائے ابن عمرؓ کی ہے۔

اور تیسری رائے بعض مفسرینؒ کی ہے کہ بعض لوگوں پر رات کو سمت قبلہ مشتبہ ہو گئی تھی۔ انہوں نے تحری کر کے مختلف سمتوں کو رخ کر کے نماز پڑھ لی اور صبح کو حاضر خدمت نبوی ہو کر معذرت پیش کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور چوتھی صورت بعض کے نزدیک یہ ہے کہ اس آیت میں دعاء اور ذکر کیلئے سمتوں کی تعمیم ہے۔ نماز کی سمت کا ذکر نہیں ہے۔

اور امام زاہد نے پانچویں وجہ یہ ذکر کی ہے کہ یہ آیت نجاشی کے سلسلہ میں نازل ہوئی جبکہ انہوں نے اسلام قبول کیا، اور مدینہ حاضر

ہوتے ہوئے اثناءِ راہ میں ان کا انتقال ہوگیا، آپ نے باشارۂ جبریلؑ صحابہؓ سے ان کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ نجاشی نے ہمارے قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھی، اس لئے ہم کیسے ان کی نماز جنازہ پڑھیں۔

اور دوسری آیت **وقالوا** کے شانِ نزول کا حاصل یہ ہے کہ یہود حضرت عزیرؑ کو ابن اللہ کہتے تھے اور عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ سمجھتے تھے اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں خیال کرتے تھے غرضکہ شرک کی نجاست سے کوئی بچا ہوا نہیں تھا۔ اس عقیدۂ ابنیت اور شرک کی تغلیط وتردید دلائل سے کی گئی ہے۔

﴿تشریح﴾:...... اللہ زمان ومکان نہیں ہے:............ پہلی بات کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سارے عالم اور اس کی تمام سمتوں کے مالک ہیں وہ کسی ایک سمت کو اگر یکسوئی پیدا کرنے اور ہیئت واجتماع کی وحدت باقی رکھنے کے لئے متعین کر دیں یا ایک سمت کو مصالح کی وجہ سے دوسری سمت سے تبدیل کردیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ اللہ کسی ایک مکان یا سمت کے ساتھ اس طرح خاص نہیں ہے کہ وہ اسی میں محدود یا محلول ہو کر رہ جائے گا بلکہ ہر ذرہ میں اس کا جلوہ نمایاں ہے بشرطیکہ دیکھنے والی آنکھ موجود ہو۔ اللہ کی ذات وصفات کا کما حقہ ادراک چونکہ ممکن نہیں ہے اس لئے ایسے مضامین میں زیادہ کھود کرید کی ضرورت نہیں ہے بس اجمالاً ان کو ہی صحیح تسلیم کر لینا چاہئے۔

کعبہ پرستی اور بت پرستی کا فرق:............ اسلامی عبادات میں اصل پرستش تو صرف اللہ کی ذات کی ہوتی ہے کسی مسجد، بیت اللہ یا بیت المقدس کی پرستش مسلمان نہیں کرتے بلکہ عبادت میں یکسوئی قلب ودماغ پیدا کرنے کے لئے جو مطلوبِ حقیقی تک رسائی اور کامرانی کا نہایت مہتم بالشان ذریعہ ہے اور تمام عالمِ اسلام میں اجتماعی ہیئت پیدا کرنے اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک مرکزی نقطہ پر جمع کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے ایک سمت قبلہ متعین فرمادی ہے۔ جو توحید کے مناسب اور مرکز دین کے شایانِ شان ہے۔ رہا سمت کی بالتخصیص تعیین کہ وہ خاص مکہ کی مسجد حرام ہو اس کی حکمت پر کلام آئندہ آرہا ہے۔ بہرحال اس تقریر مصلحت وحکمت سے غیر مسلموں کا یہ اعتراض کہ مسلمان کعبہ پرست ہیں ذرہ برابر اس شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ لیکن اگر کوئی بت پرست اس تقریر کو اپنانے لگے اور اپنی بت پرستی کے جواز میں یہی توجیہ کرنے لگے کہ ہم بھی اصل پرستش خدا کی کرتے ہیں اور بتوں کو روبرو اور پیش نظر رکھنا محض یکسوئی وغیرہ پیدا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

بت پرستی کا جواز اور اس کے تین جواب:............ تو اول تو اس دعویٰ برأت کے باوجود مسلمانوں پر سے اعتراض علی حالہ مندفع رہا جو مقصود مقام ہے، دوسرے عام مسلمانوں اور عام بت پرستوں کی حالت پر نظر کرنے اور ان کے حالات واحوال کی تفتیش کرنے سے دونوں میں ہر وقت نمایاں فرق ظاہر ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کا دعویٰ توحید اور غیر اللہ کی عدم پرستش میں سچے ہیں اور دوسرے لوگ ناراست گو معلوم ہوتے ہیں اور سب سے آخری درجہ میں تیسری بات یہ ہے کہ کسی حکم اور اس کی مصلحت کی تعیین کیلئے بھی کسی غیر منسوخ اور رائج شریعت کا قانون پیش کرنا ضروری ہے۔ از خود اپنی رائے سے دوسروں کی دیکھا دیکھی یا منسوخ دین کی رو سے کوئی فعل کرنا جائز نہیں سمجھا جائے گا۔ اس لحاظ سے بھی مسلمان ہی اپنا مذہبی قانون پیش کر سکتے ہیں دوسرے ادیان منسوخ ہو چکے ہیں، اس لئے ان کا قانون رائج اور معتبر نہیں ہے اور تعیین قبلہ کی مذکور مصلحت صرف امثالاً پیش کی ہے ورنہ اللہ کی لاتعداد مصالح کا احاطہ اور استقصاء کون کر سکتا ہے۔

آیت کی توجیہات:............ لفظ اینما کو اگر مفعول بہ قرار دیا جائے تو اس آیت کو فول وجهك شطر المسجد الحرام سے منسوخ ماننا پڑے گا جیسا کہ امام زاہدؒ کی رائے ہے کہ قرآن میں سب سے پہلے یہ آیت منسوخ ہوئی ہے۔ صاحب اتقانؒ اور قاضی بیضاویؒ بھی اسی طرف مائل ہوئے ہیں یا اس کی تاویل کر کے صلوٰۃ النفل علی الراحلہ پر یا اشتباہ قبلہ وغیرہ پر محمول کیا جائے گا۔ اور اگر لفظ اینما کو مفعول فیہ برقرار رکھا جائے علی اصلہ تو پھر آیت کو منسوخ یا مأول کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ باب قبلہ کے لئے موید ہوگی۔

دعویٰ ابنیت اور اس کا رد:............ آیت وقالوا میں ان کے عقیدہ ابنیت کا ابطال چار طریقوں سے کیا ہے اول له مافی السمٰوٰت سے دوسرے كل له قانتون سے تیسرے بديع السموت سے چوتھے واذا قضى امرا سے اور ان چاروں باتوں کو اللہ کے ساتھ خاص ہونا فریق مخالف کے نزدیک بھی مسلم ہے اس لئے اتمام حجۃ ہو کر دعویٰ ابنیت باطل ہو گیا۔ اللہ کے لئے اولاد کا ہونا عقلاً بھی باطل ہے کیونکہ وہ دو حال سے خالی نہیں، اولاد یا ہم جنس ہوگی یا ناجنس۔ ناجنس اولاد کا ہونا تو عیب ہے اور اللہ عیب سے پاک ہے اس لئے ناجنس اولاد سے منزہ ہے، لفظ سبحانہ میں اسی طرف اشارہ ہے اور اولاد کا ہم جنس ہونا اس لئے محال ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی ہم جنس نہیں ہے کیونکہ اللہ کی صفات کمال جو لازم الذات ہیں وہ حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں دوسروں میں نہیں پائی جاتیں جیسا کہ ابھی ذکر ہوا اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی کو چاہتی ہے یعنی کمالات کی نفی ذی کمال واجب کی نفی کی دلیل ہوگی اس لئے اللہ کے سوا کوئی واجب نہ ہوا کہ اس کا ہم جنس یا شریکِ حقیقت ہوتا اور جب اس کا کوئی مجانس نہیں تو اس کی اولاد بھی نہیں ہے۔

عقیدۂ ابنیت کی اصل:............ دراصل خدا اور بندہ کے تعلق کو سمجھانے کے لئے لوگوں نے ابتداً مختلف تشبیہات اور استعاروں سے کام لیا تھا کہیں باپ بیٹے کے تعلق سے سمجھانے کی کوشش کی گئی تھی، کہیں شوہر اور بیوی کے تعلق کو سامنے رکھ کر اظہار مدعا کیا گیا۔ فلسفی مزاج لوگوں نے علۃ اول اور سبب اول کہا۔ مقصود ان الفاظ سے حقیقی معانی نہیں تھے لیکن جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے بعد کے لوگوں نے ان الفاظ کو حقیقی معانی پہنا دیئے، اور اسی بنیاد پر نحن ابناء الله واحباءه دعاوی اختصاص شروع کر دیئے، اسلام نے ان تمام رخنوں کو بند کرنے کے لئے پوری قوت اور زور استدلال کے ساتھ اصل بنیاد اور جڑوں پر تیر چلایا اور اس عقیدۂ ابنیت کی دھجیاں اڑا دیں۔

مسائل حریت:............ فقہاء نے اس تنافی ملکیت واولاد سے بہت سے مسائل عتق وحریت کے مستنبط کئے ہیں۔ مشہور اس باب میں حدیث من ملک ذارحم محرم عتق علیه ہے۔ حنفیہؒ کے نزدیک علۃ آزادی کی ملک مع القرابۃ المحرمہ ہے، لیکن حدیث میں علۃ کا آخری جزو ہونے کی وجہ سے عتق کی اضافت ملک کی طرف کر دی گئی ہے۔ کیونکہ حکم کا مدار علۃ کے آخری جزو پر ہوا کرتا ہے، چنانچہ حنفیہؒ کے نزدیک محرم غیر قریب جیسے رضائی شریک اور اسی طرح قریب غیر محرم جیسے چچازاد بھائی اس علۃ عتق سے خارج ہو جائے گا اس کے مالک ہونے سے آزادی نہیں آئے گی۔ البتہ ولادت واخوت کی قرابت علی حالہ رہیں گی اور امام شافعیؒ کے نزدیک علۃ صرف جزئیت ہے چنانچہ بیٹا باپ پر آزاد ہو جائے گا اور باپ بیٹے پر۔ البتہ بھائی کا بھائی اگر مالک ہو جائے تو جزئیت نہ ہونے کی وجہ سے آزاد نہیں ہوگا۔

تحقیق نادر:............ کن کہنے سے مراد اگر مجازاً سرعت اور جلدی سے کسی کام کا ہونا ہے تب تو خیر کوئی شبہ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس سے مراد یہ ہو کہ حقیقۃً حق تعالیٰ کی یہی عادت ہو کہ کسی چیز کے بنانے سے پہلے یہ لفظ فرماتے ہوں تو اس پر دو شبہے ہو سکتے ہیں، پہلا شبہ

یہ کہ جب وہ چیز موجود ہی نہیں تھی تو لفظ کُن کس کو کہا گیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علم الٰہی میں موجود تھی اسی کو موجود فرض کر کے خطاب فرمایا گیا۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ دوسری چیزوں کی طرح خود لفظ کُن بھی تو حادث ہے تو اس قاعدہ سے کُن کے لئے بھی ایک اور کُن کی ضرورت ہوگی اور دوسرے کُن کے لئے تیسرے کُن کی۔ اس طرح تسلسل لازم آئے گا۔ یعنی ایک کن کے لئے غیر متناہی کن ماننے پڑیں گے ورنہ مکوّن کا قدیم ہونا لازم آ جائے گا اور یہ دونوں صورتیں محال کی ہیں، اس کا جواب دو طرح ہے ایک یہ کہ تمام چیزوں کو لفظ کُن کے ذریعے اور خود کُن کو بغیر دوسرے کُن کے پیدا کر دیا ہوگا اس لئے تسلسل لازم نہیں آئے گا۔ دوسرے یہ کہ اگر صرف لفظ کُن کو قدیم مان لیا جائے اور اس کا تعلق حادث ہونے کی وجہ سے یہ خود بھی حادث رہے تو قدم مکون لازم نہیں آئے گا۔ رہی اس تعلق کی کیفیت تو چونکہ یہ تعلق لاموجود اور معدوم ہے اس لئے اس تعلق حادث کے لئے کسی دوسرے تعلق حادث کی ضرورت نہیں ہوگی۔ لہٰذا نہ اس تعلق ایجاد کی ضرورت اور نہ اس کے علت ایجاد بننے میں کوئی اشکال رہے گا۔ البتہ اس تعلق کے لئے مرجح حق تعالیٰ کی ذات ہوگی۔ ان کا ارادہ جس کی شان اور صفت ترجیح و تخصیص اختیاری ہے وہ خود مرجح رہے گا اس لئے مزید کسی مرجح یا مخصص کا دریافت کرنا گویا مجعولیت ذاتیہ کو جائز کرنا ہوگا جو ذات اور ذاتی یا لازم و ملزوم کے درمیان جعل کا واسطہ ماننا ہے جو اہل معقول کے نزدیک باطل ہے۔ (مسہلا من البیان)

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَایَعْلَمُوْنَ اَیْ کُفَّارُ مَکَّۃَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ **لَوْلَا** ھَلَّا **یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ** اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ **اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَۃٌ** ط مِمَّا اقْتَرَحْنَاہُ عَلٰی صِدْقِکَ **کَذٰلِکَ** کَمَا قَالَ ھٰؤُلَاءِ **قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ** مِنْ کُفَّارِ الْاُمَمِ الْمَاضِیَۃِ لِاَنْبِیَائِھِمْ **مِثْلَ قَوْلِھِمْ** ط مِنَ التَّعَنُّتِ وَطَلَبِ الْاٰیَاتِ **تَشَابَھَتْ قُلُوْبُھُمْ** ط فِی الْکُفْرِ وَالْعِنَادِ فِیْہِ تَسْلِیَۃٌ لِلنَّبِیِّ **قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ** ﴿۱۱۸﴾ یَعْلَمُوْنَ اَنَّھَا اٰیٰتٌ فَیُؤْمِنُوْنَ بِھَا فَاقْتِرَاحُ اٰیَۃٍ مَعَھَا تَعَنُّتٌ **اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ** یَا مُحَمَّدُ **بِالْحَقِّ** بِالْھُدٰی **بَشِیْرًا** مَنْ اَجَابَ اِلَیْہِ بِالْجَنَّۃِ **وَّنَذِیْرًا** لا مَنْ لَمْ یُجِبْ اِلَیْہِ بِالنَّارِ **وَّ لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ** ﴿۱۱۹﴾ اَلنَّارِ اَیِ الْکُفَّارِ مَالَھُمْ لَمْ یُؤْمِنُوْا اِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَفِیْ قِرَاءَۃٍ بِجَزْمِ تَسْئَلْ نَھْیًا **وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ** ط دِیْنَھُمْ **قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ** اَلْاِسْلَامَ **ھُوَ الْھُدٰی** ط وَمَاعَدَاہُ ضَلَالٌ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَ ھُمْ** الَّتِیْ یَدْعُوْنَکَ اِلَیْھَا فَرْضًا **بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ** لا اَلْوَحْیِ مِنَ اللّٰہِ **مَالَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ** یَحْفَظُکَ **وَّلَا نَصِیْرٍ** ﴿۱۲۰﴾ یَمْنَعُکَ مِنْہُ **اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ** مُبْتَدَأٌ **یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ** ط اَیْ یَقْرَءُوْنَہٗ کَمَا اُنْزِلَ وَالْجُمْلَۃُ حَالٌ وَحَقَّ نُصِبَ عَلَی الْمَصْدَرِ وَالْخَبَرُ **اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ** ط نَزَلَتْ فِیْ جَمَاعَۃٍ قَدِمُوْا مِنَ الْحَبَشَۃِ وَاَسْلَمُوْا **وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ** اَیْ بِالْکِتَابِ الْمُؤْتٰی بِاَنْ یُّحَرِّفَہٗ **فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ** ﴿۱۲۱﴾ لِمَصِیْرِھِمْ اِلَی النَّارِ الْمُؤَبَّدَۃِ عَلَیْھِمْ۔ ع ۹/۱۴

ترجمہ: ...... اور کہتے ہیں جاہل (یعنی کفار مکہ آنحضرت ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں) ہم سے کیوں نہیں اللہ تعالیٰ کلام فرماتے (کہ آپ رسول اللہ ہیں) یا ہمارے پاس اور ہی کوئی دلیل آ جائے (جس کی فرمائش ہم بطور نشان صداقت کے کرتے ہیں) اسی طرح (جیسا کہ انہوں نے کہا) کہتے چلے آئے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں (پچھلے کفار امت اپنے انبیاءؑ سے) ان جیسی باتیں (سرکشی اور طلب معجزات کی) ان سب کے دل ملے جلے ہیں ان لوگوں کو جو یقین چاہتے ہیں (آیات الٰہی کا یقین رکھتے ہیں اور ان کو

مناتے ہیں اس کے باوجود ان کا معجزات کی فرمائش کرنا سرکشی ہے) بلاشبہ ہم نے آپ کو (اے محمد) ایک دین حق (ہدایت) دے کر بھیجا ہے کہ خوشخبری سناتے رہئے (ماننے والوں کو جنت کی اور ڈراتے رہئے (نہ ماننے والوں کو جہنم سے) اور آپ سے جہنمیوں کے بارہ میں باز پرس نہیں ہوگی یعنی کفار ایمان کیوں نہیں لائے؟ کیونکہ آپ کا فرض منصبی تو صرف تبلیغ ہے اور ایک قرأت میں لا تسئل بصیغہ نہی مجزوم ہے) اور کبھی خوش نہیں ہو سکتے آپ سے یہود ونصاریٰ حتیٰ کہ آپ ﷺ ان کی ملت (دین) کا اتباع نہ کرلیں۔ آپ فرمادیجئے کہ فی الحقیقت اللہ کی ہدایت کا راستہ (اسلام) ہی ہدایت ہے اس کے سوا گمراہی ہے) اور یقیناً اگر آپ نے پیروی شروع کردی ان کے غلط خیالات کی (بالفرض جن کی طرف وہ آپ کو بلا رہے ہیں) بعد اس کے علم (اللہ کی وحی) آپ کے پاس آچکا ہے تو آپ کو خدا سے بچانے والا یار (جو آپ کی حفاظت کرسکے) اور مددگار (جو اللہ سے آپ کو بچاسکے (نہیں مل سکے گا جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی تھی بشرطیکہ وہ اس کی تلاوۃ کا حق ادا کرتے رہتے (یعنی جس طرح وہ نازل ہوئی تھی ٹھیک اسی طرح پڑھتے اور یہ جملہ حال ہے اور لفظ حق مفعول مطلق ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور خبر آگے ہے) یہی لوگ آپ کے اس دین اور وحی پر ایمان لاتے ہیں (یہ آیت ان اہل حبشہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے تھے) اور جو شخص نہیں مانے گا (دی ہوئی کتاب کا انکار اس طرح کرے گا کہ اس میں ردوبدل کردے) ایسے لوگ خود ہی خسارہ میں پڑنے والے ہیں (کیونکہ ابدی جہنم ان کا ٹھکانا ہوگا۔)

تحقیق وترکیب: .... **کفار مکة**۔ یہ بھی یہود ونصاریٰ اور مشرکین کی مشترک برائی کا بیان ہے۔ البتہ سورت کے مدنی ہونے کی وجہ سے کفار کا معترض ہونا باعث تامل ہو سکتا ہے لیکن ممکن ہے کہ انہوں نے یہود مدینہ کی معرفت یہ اعتراض پیش کردیا ہو یا خود مدینہ حاضر ہو کر پیش کردیا ہو لولا کے بعد جلال مفسرؒ کا ھلا نکالنا اشارہ ہے کہ لولا مثل ھلا کے حرف تحضیض ہے چنانچہ خلیل نحوی سے منقول ہے کہ قرآن میں جہاں بھی لولا آیا بمعنی ھلا ہے۔ البتہ لولا ان راٰی برھان ربه اور فلولا کان من المسبحين اس سے مستثنیٰ ہیں یہاں تو لم یکن کے معنی ہیں۔ من التعنت یعنی مقصود کفار سابقین ولاحقین کا قولی اشتراک نہیں ہے بلکہ وجہ مماثلت وسرکشی ہے خواہ اقوال مختلف ہوں یوقنون ای یطلبون الیقین لاتسئل اگر نفی کی قرأت ہے جو جلال محقق نے اس کے معنی خود بیان کردیئے ہیں لیکن اگر دوسری قرأت نہی کی جو نافع کی ہے ہو تو پھر آپ کو خطاب ہو کر یہ معنی ہوں گے کہ آپ ﷺ غایۃ شفقت سے ان کے بارہ میں درخواست اور سفارش نہ کیجئے۔ یا ان کی برائیاں اور عذاب آخرت اس درجہ ناقابل بیان ہیں کہ پوچھئے مت فرضا یعنی یہ اور اس قسم کی تمام آیات جیسے **ولئن اشرکت لیحبطن عملك ولتكونن من الخاسرين** اور **ولو تقول علينا بعض الا قاويل الخ** ان سب میں حقیقی معنی مقصود نہیں ہیں بلکہ بالفرض آپ کو مخاطب فرض کر کے دوسروں کو سنانا ہوتا ہے۔ اس سے جہاں مبالغہ مقصود ہوتا ہے وہیں اسلام کی حقانیت وصداقت پر بھی تیز روشنی پڑتی ہے کہ انسان بالطبع اپنی اچھائی سننے کا عادی ہوتا ہے اور اپنی برائی سننا پسند نہیں کرتا چہ جائیکہ اس قسم کی باتیں دوسروں سے نقل کردینا بالخصوص جب کہ وہ رہتی دنیا تک زندہ جاوید بھی رہیں گی۔ آنحضرت ﷺ اگر وحی کے سلسلہ میں کچھ قطع وبرید کرتے تو اس قسم کے الفاظ کا وجود قرآن کریم میں نظر نہ آتا، اس سے نہ صرف آپ کی سچی دیانت وامانت کا سرچشمہ ابلتا نظر آرہا ہے بلکہ صداقت ونبوت کا دھارا بھی پھوٹ نکلا ہے۔ ایسی آیات دیکھ کر اضطراری طور پر ایمان کی تحریک ہوتی ہے۔

ملة اصل میں املت الكتاب بمعنی املیتہ سے ہے اس کے بعد اصول وشرائع دین پر اطلاق ہونے لگا کیونکہ انبیاءؑ ان کا بھی املاء کراتا ہے اس کے بعد توسعاً باطل پر بھی اطلاق کیا جانے لگا یہاں یہود ونصاریٰ دونوں کے دین پر ملت واحدہ کا اطلاق کرنا یا اختصاراً ہے وریا الكفر ملة واحدة کے قبیل سے ہے مالك من الله یہ جواب قسم ہے جو جواب شرط کے محذوف ہونے پر بھی دلالت کر رہا ہے۔

قاعدہ یہ ہے کہ جہاں شرط وقسم جمع ہو جائیں تو ان سے مؤخر کا جواب حذف کر دیا جاتا ہے۔

وحق یہ مصدر محذوف کی صفت بھی ہوسکتی ہے اور خود مصدر ہو کر تلاوت کی صفت بھی بن سکتی ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی یتلو نہ تلاوۃ حق مصدر کو حذف کر کے صفت کو اس کے قائم مقام کر دیا اور اس کو مضاف کر دیا۔ بعض نے یتلو نہ کو خبر کہا اور بعض نے اولئک کو اول صورت میں اولئک جملہ مستانفہ ہو جائے گا۔

ربط وشانِ نزول:............ پہلی آیت میں ان کے چالیسویں (۴۰) مشترک معاملہ کو بیان کیا جا رہا ہے۔ دوسری آیت میں آنحضرت ﷺ کو تسکین وتسلی دینا ہے۔ تیسری آیت میں ان مخالفین کے ایمان سے بالکلیہ مایوسی کا اعلان ہے چوتھی آیت میں انصاف پسند اہل کتاب کا مدحیہ تذکرہ ہے۔

اول آیت کے شانِ نزول میں ابن عباسؓ کی رائے یہ ہے کہ یہ مقولہ یہود کا ہے اور مجاہدؒ کی رائے میں نصاریٰ کا قول ہے اور قتادہؒ مشرکین کا قول کہتے ہیں اس لئے یہ بھی مشترک برائی ہوئی۔ آیت ولن ترضی کے شان نزول میں معالم کی روایت یہ ہے کہ لوگ آپ سے سوالات کرتے جن کا جواب آپ تو یہ سمجھ کر دیتے کہ کسی طرح انکو ہدایت اسلام ہو جائے حالانکہ ان کا منشاء خود آنحضرت ﷺ کو اپنی طرف مائل اور جھکانا ہوتا تھا۔ یا ابن عباس کی رائے یہ ہے کہ آپ جب بیت المقدس کا استقبال کرتے تھے تو یہود اور نصاریٰ نجران کو یہ امید ہوگئی تھی کہ بالآخر آپ ان کا دین قبول کر لیں گے۔ لیکن جب بیت اللہ کی طرف تحویل کا حکم ہوا تو یہ امید ناامیدی سے بدل گئی اور وہ مایوس ہو گئے اور روح المعانی میں یہ لکھا ہے کہ آپ ہر طبقہ کی ملاطفت اور تالیف قلب فرماتے تھے کہ شاید یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ اس پر آیت نازل ہوئی اور آیت الذین یتلو نہ کا شانِ نزول یہ ہے ایک وفد چالیس افراد پر مشتمل آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں بتیس (۳۲) حضرات حبشہ کے تھے اور آٹھ نفر ملک شام کے راہبوں کے آئے تھے۔ یہ وفد حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی سرکردگی میں آیا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور حضرت علیؓ کے حقیقی برادر تھے اور سب مشرف باسلام ہوئے۔

﴿تشریح﴾:...... معاندین کی کٹ حجتی:............ مقصد ان معاندین کا یہ تھا کہ حق تعالیٰ براہ راست ہم سے کلام کریں اور اس طرح احکام دین میں کسی دوسرے رسول کے واسطہ کی حاجت نہ رہے۔ یا پھر علی سبیل التنزل آپ کی نبوت ورسالت ہی کی تصدیق ہم سے کر دیں یا پھر کلام کے علاوہ دوسری کوئی نشانی ہم کو دکھلا دیں جس سے ہم کو اطمینان ہو جائے۔ حق تعالیٰ اس کا رد دو طرح فرماتے ہیں۔ اول یہ کہ محض یہ ایک جاہلانہ بات ہے جس کو ان جیسے اگلے پچھلے بے سوچے سمجھے ہانکے چلے آرہے ہیں۔ دوسرے یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں ان کے دل ایک دوسرے سے ملے جلے ہوئے ہیں، اب سب ایک طرح کی بات سوچتے ہیں جہاں تک اللہ سے ان کے ہم کلام ہونے کا تعلق ہے وہ تو اس قدر جاہلانہ بات ہے کہ محتاجِ جواب ہی نہیں، البتہ جہاں تک دلیل کا تعلق ہے سوایک دلیل کو لئے پھرتے ہیں۔ ہم نے بہت سی اطمینان بخش دلیلیں پیش کیں۔ لیکن جب کوئی راہِ حق طلب ہی نہ کرنا چاہے اور محض ضد اور ہٹ دھرمی پر اترائے تو اس کو طمانیت وسکون کہاں نصیب؟ اسی لئے باوجود اہل علم ہونے کے ان کو جاہل کہا کہ علم کا وجود عدم ان کے حق میں برابر ہے۔

الٹی گنگا:............ یہود وغیرہ کی یہ چالیس قباحتیں بتا کر آنحضرت ﷺ کو تسلی وتشفی دینی ہے کہ جو لوگ اس قدر کج طبع اور کم فہم ہوں کہ آپ ﷺ کی ہمدردی اور سوزش کی قدر کر کے آپؐ سے ہدایت تو کیا حاصل کرتے انکی بلند پروازی ملاحظہ ہو کہ الٹی اپنی راہ آپ کو چلانے کی فکر میں ہر وقت لگے رہتے ہیں۔ اور بعض امور مباحہ میں اسلام لانے کی امیدیں آپ کی ملاطفت وتالیف قلوب کو غلط نظر سے

دیکھ کر اپنی اہواء واغراض پورا ہونے کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں اور چونکہ آپ کا ان کی پیروی کرنا امر محال کو مستلزم ہے اس لئے یہ خود محال ہے کیونکہ ان کا موجودہ دین بوجہ منسوخ اور محرف ہونے کے محض ایک باطل کا مجموعہ ہو کر رہ گیا ہے۔ علم قطعی اور وحی آنے کے باوجود آپ کا اس کی پیروی کرنا گویا حق تعالیٰ کی ناخوشنودی کو دعوت دینا ہے اور نبی کے لئے یہ ایک امر محال ہے اس لئے آپ ﷺ کا ان کی اتباع کرنا بھی محال ہے اور بدون اتباع کے ان کا آپ سے راضی ہونا بھی محال ہے۔

اصلاح وہدایت کے لئے جوہر قابل کی ضرورت:............ نتیجہ یہ کہ آپ ﷺ کو ان کی طرف سے بالکل مایوس اور ناامید ہو جانا چاہئے ہاں البتہ آپ کا اصل کام تبلیغ اور کوشش کرنا ہے اس سے دست کش نہ ہو جایئے۔ جو ہر قابل اور لائق عنصر آپ کی آواز پر خود دوڑ کر لبیک کہے گا چنانچہ جو محروم ازلی ہے وہ آپ ﷺ کے قریب رہ کر بھی تہی دست رہتے ہیں اور جو خوش نصیب ہیں وہ دور ہونے پر بھی کھنچے چلے آتے ہیں۔ حافظ شیرازیؒ کہتے ہیں ؎

حسنؓ ز بصرہ بلالؓ از حبش صہیبؓ ز روم ‌ ‌ ‌ ز خاک مکہ ابوجہل این چہ بوالعجبی ست

جس کو خود فکر اصلاح نہ ہو اس کے درپے نہیں ہونا چاہئے:........ لاتسئل عن اصحٰب الجحیم سے مشائخ محققینؒ کی اس عادت کی اصل نکلتی ہی کہ جو شخص اپنی اصلاح کی فکر نہ کرے اس کے درپے نہیں ہوتے ہیں۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ﴿۱۲۲﴾ تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ **وَاتَّقُوْا** خَافُوْا **یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ** تُغْنِیْ **نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ** فِیْهِ **شَیْـًٔا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ** فِدَاءٌ **وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ﴿۱۲۳﴾** یُمْنَعُوْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ

ترجمہ:......... اے بنی اسرائیل یاد کرو میری ان نعمتوں کو جن کا میں نے تم پر انعام کیا ہے اور میں نے تم کو تمہارے ابناء زمانہ پر فوقیت دی تھی (اس قسم کے جملے پہلے بھی گزر چکے ہیں) اور تم ڈرو (خوف کرو) ایسے دن سے جس میں کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ کوئی مطالبہ ادا کرنے پائے گا (تجزی بمعنی تغنی ہے) اور نہ کسی کی جانب سے کوئی معاوضہ (فدیہ) قبول کیا جائے گا اور نہ کسی کیلئے کوئی سفارش مفید ہوگی اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی (کہ اللہ کے عذاب سے ان کو بچا لیا جائے۔)

تحقیق وترکیب:......... تمام الفاظ اس آیت میں تقریباً وہی ہیں جو اس سے پہلی یبنی میں گزر چکے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں شفاعۃ کا ذکر پہلی تھا اور یہاں آخر میں ہے جس کا نکتہ یہ ہے کہ یہود کو نبی زادہ اور پیغمبر زادہ ہونے کی وجہ سے شفاعت انبیاءؑ پر زیادہ بھروسہ تھا اور اس اعتماد کی وجہ سے تمام بھلائیوں اور ایمان سے بالکلیہ کنارہ کش اور محروم رہے تو ان دونوں آیات میں اول و آخر اہتمام کے ساتھ اس کی نفی پر زور دیا گیا ہے تاکہ ان کی خام خیالی دور ہو جائے۔

ربط وتشریح:...... قرآن کا طرز بلیغ اور تکرار:........ یہود کی قباحتوں اور شناعتوں کا پہلے بالاجمال بیان ہوا تھا اس کے بعد چالیس برائیاں تفصیل وار بیان ہوئیں۔ اس کے خاتمہ پر پھر بالاجمال اپنے انعامات اور ترغیب وترہیب کا مضمون مکرر لاتے ہیں تاکہ جامعیت اور اختصار کے ساتھ ان کلیات کا پوری طرح استحضار ہو جائے تاکہ ان کے نتائج وثمرات اور

جزئیات کا محفوظ رکھنا سہل وآسان ہو جائے اور یہ طرز بلیغ خطابیات میں نہایت اعلیٰ شمار کیا جاتا ہے کہ کسی اہم اور بنیادی اور مرکزی بات کو مجملاً ومفصلاً مکرر سہ کرر بیان کر کے اوقع فی النفس کر دیا جائے۔ مثلاً کہا جائے کہ بے جا غصہ کرنا نہایت بری چیز ہے اور پھر بتلایا جائے کہ اس میں فلاں فلاں خرابیاں اور نقصانات ہیں دس بیس برائیاں گنا کر پھر آخر میں کہہ دیا جائے کہ غرضکہ بے جا غصہ کرنا نہایت قبیح چیز ہے یہ تکرار نہایت کارآمد اور ضروری ہوگا یعنی پوری طرح اس چیز کا حسن وقبح دل میں گھر کر جائے گا۔

وَ اذْكُرْ **اِذِ ابْتَلٰٓى** اِخْتَبَرَ **اِبْرٰهٖمَ** وَفِي قِرَاءَةٍ اِبْرَاهَامَ **رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ** بِاَوَامِرَ وَنَوَاهٍ كَلَّفَهُ بِهَا قِيْلَ هِيَ مَنَاسِكُ الْحَجِّ وَقِيْلَ الْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ وَالسِّوَاكُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَفَرْقُ الرَّأْسِ وَقَلْمُ الْاَظْفَارِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَالْخِتَانُ وَالْاِسْتِنْجَاءُ **فَاَتَمَّهُنَّ** ط اَدَّاهُنَّ تَامَّاتٍ **قَالَ** تَعَالٰى لَهُ **اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا** ط قُدْوَةً فِي الدِّيْنِ **قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ** ط اَوْلَادِيْ اِجْعَلْ اَئِمَّةً **قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي** بِالْاِمَامَةِ **الظّٰلِمِيْنَ﴿۱۲۴﴾** الْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ دَلَّ عَلٰى اَنَّهُ يَنَالُهُ غَيْرُ الظَّالِمِ **وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ** الْكَعْبَةَ **مَثَابَةً لِّلنَّاسِ** مَرْجِعًا يَثُوْبُوْنَ اِلَيْهِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ **وَاَمْنًا** ط مَأْمَنًا لَهُمْ مِنَ الظُّلْمِ وَالْاِغَارَاتِ الْوَاقِعَةِ فِيْ غَيْرِهِ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقٰى قَاتِلَ اَبِيْهِ فِيْهِ فَلَا يُهَيِّجُهُ **وَاتَّخِذُوْا** اَيُّهَا النَّاسُ **مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ** هُوَ الْحَجَرُ الَّذِيْ قَامَ عَلَيْهِ عِنْدَ بِنَاءِ الْبَيْتِ **مُصَلًّى** ط مَكَانَ صَلٰوةٍ بِاَنْ تُصَلُّوْا خَلْفَهُ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْخَاءِ خَبَرٌ **وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ** اَمَرْنَاهُمَا **اَنْ** اَيْ بِاَنْ **طَهِّرَا بَيْتِيَ** مِنَ الْاَوْثَانِ **لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ** الْمُقِيْمِيْنَ فِيْهِ **وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴿۱۲۵﴾** جَمْعُ رَاكِعٍ وَسَاجِدٍ الْمُصَلِّيْنَ

ترجمہ:.......... اور (یاد کیجئے) جس وقت کہ آزمایا (جانچا) حضرت ابرہیم علیہ السلام کو (اور ایک قرأت میں ابراہام ہے) ان کے پروردگار نے چند باتوں میں (چند اوامر ونواہی کا ان کو مکلف بنایا۔ بعض کی رائے میں وہ احکام حج تھے اور بعض نے ان سے مراد کلی کرنا، غرارہ کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مسواک کرنا، مونچھیں کتروانا، سر کے بالوں میں مانگ نکالنا، ناخن تراشنا، بغل اور زیر ناف کے بال صاف کرنا، ختنہ اور استنجاء کرنا بیان کیا ہے، پس وہ ان کو پورے طور پر بجالائے (مکمل طور پر ادا کیا) فرمایا حق تعالیٰ نے، کہ میں تم لوگوں کا پیشوا (مقتدائے دین) بناؤں گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری اولاد میں سے بھی کسی (اولاد کو امام بنا دیجئے) ارشاد ہوا کہ یہ میرا عہدہ (امامت) نہیں ملے گا خلاف ورزی کرنے والوں کو (جو ان میں سے کافر ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ عہد غیر ظالم کو مل سکتا ہے اور جب کہ بنایا ہم نے بیت اللہ (کعبہ) کو لوگوں کا معبد (ایسا مرجع کہ ہر طرف سے لوگ اس کی طرف سمٹ آئیں گے) اور امن (جو ظلم و غارت گری دوسری جگہ ہوتا ہے اس سے لوگوں کے لئے امن گاہ ہے۔ چنانچہ اپنے باپ کے قاتل کو بھی اگر کوئی وہاں پالیتا ہے تو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا ہے) اور بنالیا کرو (اے لوگو!) مقام ابراہیم کو (وہ ایک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم تعمیر کعبہ کے وقت کھڑے ہوتے تھے، نماز پڑھنے کی جگہ (نماز گاہ کہ طواف کے بعد دوگانہ اس کے پیچھے کھڑے ہو کر ادا کر لیا کرو اور ایک قرأت میں واتخذوا بجائے امر کے فتح خاء کی ساتھ خبر کی صورت میں پڑھا گیا ہے) اور ہم نے حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام سے عہد لیا (ان کو حکم دیا) کہ میرے گھر کو خوب پاک وصاف رکھا کرنا (بت پرستی سے) بیرونی اور مقامی لوگوں کے لئے (جو وہاں قیام پذیر رہوں) اور رکوع وسجدہ کرنے والے (نمازیوں کے لئے رکع جمع راکع کی اور سجود جمع ساجد کی ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... ابراھیم ایک قرأت میں ابراہیم مرفوع اور ربہ منصوب ہے تو ابتلی کے معنی دعا کرنے کے ہوں گے اور اتمم کی ضمیر اللہ کی طرف ہوگی۔ مراد اس سے عطاء کرنا ہوگا۔ کلمات معانی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے بوجہ استقلال کے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ دس احکام جن میں سے اول پانچ چہرے اور سر کے قریب ہیں۔ اور آخری پانچ باقی بدن سے متعلق تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ سب احکام واجب تھے اور ہماری شریعت میں بعض واجب اور بعض سنت ہیں مفسرؒ علام نے کلمات کے مصداق جو دو قول ذکر کئے ہیں اول حضرت ابن عباسؓ کا بطریق تیمی، ابن منذر کا بیان کردہ ہے اور دوسرا قول بھی ابن عباسؓ کا جو بطریق طاؤسؒ حاکمؒ کی تخریج ہے۔ مرد کے لئے سر کے بال منڈوانا اور کٹانا دونوں مسنون ہیں۔ البتہ عورت کے لئے صرف حج میں کچھ بالوں کا کٹانا مسنون ہے۔

قص الشارب حدیث میں ارشاد ہے **جزوا الشوارب واعفوا اللحی** لبوں کو تراشنا اور برابر کرنا مسنون ہے۔ اور مونچھوں کو منڈوانا بعض کے نزدیک ڈاڑھی منڈانے کی طرح بدعت ہے اور بعض نے حلق کو سنت کہا ہے اور اس کی نسبت امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کی طرف کی ہے۔ بغل کے بالوں کا اکھاڑنا اور زیرِ ناف بال مونڈنا سنت ہے اور چالیس روز سے زیادہ دیر کرنا مکروہ ہے۔ اور ناخن میں ایک ہفتہ سے زیادہ دیر کرنا مکروہ ہے۔

ختان، ولادت کے ساتویں روز مسنون ہے دس سال کی عمر تک۔ اور حد بلوغ تک انتظار کرنا مکروہ ہے، کیونکہ ستر واجب ہے ایک سنت کی وجہ سے اس کا ترک مناسب نہیں۔ نومسلم خواہ کسی عمر کا ہو اس کی ختنہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ امام صاحبؒ نے وقت کے متعلق توقف فرمایا ہے، اور حسنؒ سے بڑی عمر والے نومسلم کے ترکِ ختان کے متعلق **لا باس بہ** منقول ہے اور ابن عبد البرؒ کا قول ہے **وعامة اهل العلم علی هذا** ہاں البتہ بالغ اگر خود اپنی ختنہ کرسکتا ہو تو اجازت ہے۔

ذریۃ فعلیۃ اور مفعولۃ کے وزن پر ہے تو تیسرے کلمہ کے واؤ کو یاء سے تبدیل کرلیا اور مفعولۃ یا فعلیۃ کے وزن پر اگر ہے تو ہمزہ یاء سے تبدیل کرلی گئی ہے۔ ذر سے مشتق ہے بمعنی **خلق من** تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ تمام افرادِ ذریت کا امام بننا ممکن نہیں ہے اور یہ عطف کا ف پر ایسا ہے جیسے کوئی سأمرک کہے اور آپ وزیدا کہہ دیں یعنی زید کو بھی اس حکم میں شریک کرلیجئے۔ جلال محققؒ نے اس کے متعلق اور مفعول کا محذوف ہونا ظاہر کردیا ہے۔ **البیت** میں الف لام عہد کا ہے جس سے مراد کعبہ ہے **مثابۃ** ثوب سے بمعنی رجوع۔ **اتخذوا** اکثر کی قرأت میں صیغہ امر ہے بتقدیر **قلنا** **جعلنا** پر معطوف ہوگا۔

مقام ابراھیم یہ جنتی پتھر تھا جس کی خاصیت یہ تھی کہ تعمیر کی بلندی کے مطابق بلند ہوتا اور پیڑ کا کام دیتا اور پھر اترنے کے وقت پست ہوجاتا۔ حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے نشان اس میں مرکوز ہوگئے۔ یہ پتھر باب کعبہ اور ملتزم سے متصل تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں سیلاب میں بہہ جانے کی وجہ سے دوبارہ اس کو مضبوطی کے ساتھ بیت اللہ سے ذرا فاصلہ پر قدیم باب الاسلام اور ممبر حرم وزمزم کے درمیان نصب کرادیا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ حضور ﷺ نے اس کو دوبارہ نصب فرمایا تھا۔ دوگانہ طواف حنفیہؒ اور مالکیہؒ کے نزدیک پڑھنا واجب ہے اور شوافعؒ وحنابلہؒ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔

ربط: .... یہود کی چالیس (۴۰) برائیوں کا بیان مفصل ہوچکا ہے۔ اس میں تحویل قبلہ کے سلسلہ میں ان کا شور وشغب اور ہنگامہ اس درجہ بڑھا کہ بعض سادہ لوگ مسلمان بھی ان کے پروپیگنڈہ کا شکار بن کر مرتد ہوگئے۔ اس لئے بھی اور نیز نماز جو اسلام کا رکن اعظم

ہے اور استقبال جو اس کی شرطِ اعظم ہے۔ ان دنوں مصلحتوں کا تقاضا یہ ہوا کہ اس باب میں ذرا مفصل کلام کیا جائے اس لئے یہاں سے چار رکوع تک پوری شرح وبسط کے ساتھ جس میں تمام پہلوؤں کی رعایت ہو اس مسئلہ پر اس طرح روشنی ڈالی جارہی ہے کہ اول بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت وفضیلت، پھر بنائے کعبہ کی عظمت وفضیلت اور کیفیت بناء مع مضامین مناسبہ کے ذکر کی گئی ہے۔ اس کی تاریخی حیثیت اور پھر اس سلسلہ کے دیگر انبیاءؑ کا اسلام اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں سے تعلق ومناسبت پھر تحویل قبلہ کی حاکمانہ اور حکیمانہ مصالح اور پھر امام القبلتین ﷺ کا اپنے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کی مقبول دعاء کا ثمرہ اور نتیجہ تھا جس سے واضح ہو جائے کہ جس بانی کی یہ مقدس بناء ہے اسی کے یہ ابن، وارث وجانشین ہیں اس لئے بھی زیادہ حق دار ہے۔

شانِ نزول:............ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے کہ **هٰذا مقام ابراهيم**۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا **افلا نتخذه مصلّا**نا چنانچہ شام نہیں ہونے پائی کہ یہ آیت نازل ہوگئی۔ جس سے حضرت عمرؓ کی اصابت رائے کی تائید ہوئی۔ اسی طرح جابرؓ بن عبداللہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مقام ابراہیمؑ پر دوگانہ ادا کر کے فرمایا **اتخذوا مقام ابراهيم مصلى** یہاں استحبابی حکم مراد ہے وجوبی حکم نہیں ہے یعنی دوگانہ طواف اگرچہ حنفیہؒ کے نزدیک واجب ہے، لیکن خاص مقام ابراہیمؑ پر ضروری نہیں ہے۔ مسجدِ حرام میں جہاں چاہے ادا کرے، البتہ مقام ابراہیمؑ زیادہ افضل ہے۔

﴿تشریح﴾:...... خدا کا امتحان:............ امتحان کا منشاء کبھی تو ممتحن کی استعداد وقابلیت سے واقفیت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہ تو حق تعالیٰ کی جناب میں ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ علیم وخبیر ہیں۔ البتہ ایک منشاء امتحان کا یہ بھی ہوتا ہے کہ دوسرے ناواقف منعم علیہ کے درجہ ورتبہ اور استحقاق وقابلیت سے باخبر ہو جائیں تا کہ اس کے ساتھ کئے گئے مخصص انعام کو لوگ بے جا اور بے محل نہ سمجھیں اور جس کا امتحان لیا جارہا ہے اگر وہ مجرم ہے تو خود وہ بھی اپنے دل میں انصاف کر لے اور دوسرے بھی اس کے ساتھ کئے گئے معاملہ کو ناانصافی پر محمول نہ کر لیں۔ چنانچہ یہاں قرآنِ کریم پر جہاں بھی حق تعالیٰ کسی کی آزمائش کرنا بیان کیا گیا ہے اس سے یہی مفہوم مراد ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش:............ اور وہ آزمائش یا تو مذکورہ احکام میں تھی کہ دیکھیں کہاں تک ان پر پورے اترتے ہیں یا امتحانِ محبت مراد ہے کہ زندگی میں بڑے سخت موڑ اور کٹھن منزلیں آئی ہیں، بچپن ہی میں توحید کی لگن پیدا ہوئی تو اہل خانہ اور اہل خاندان سے سخت الجھنیں پیش آئیں، پھر بڑے ہونے کے بعد نبوت سے سرفراز ہوئے تو قوم وملک سے آویزش ہوئی اور نمرود کی بے پناہ طاقت سے ٹکر لی۔ جس میں جان تک کی بازی لگا دی گئی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اپنی بیوی اور آبروں پر آنچ آنے لگی، پھر سب سے زیادہ مشکل منزل وہ آئی کہ بڑھاپے میں جان ومال سے زیادہ عزیز وپیاری اولاد اور وہ بھی اکلوتی اور ہونہار جس کو حاصلِ زندگی کہنا چاہئے قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانی پڑ گئی، لیکن زمانے کی آنکھ نے دیکھا کہ ایک ایک کر کے سب آزمائشوں میں اللہ کے خلیلؑ پورے اترے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شادی ان کی چچازاد بہن سارہ بنت ہارون سے اور ہاجرہ بنت رقیون شاہ مصر سے ہوئی بعمر ۹۲ سال ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور بعمر ۱۷۵ سال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات ہوئی اور حضرت سارہؓ کے قریب دفن ہوئے۔

امامۃ کبریٰ کے معنی:............ یہ آزمائش اگر نبوت سے پہلے ہوئی تھی تو امامۃ کبریٰ دیئے جانے کے معنی نبوت سے سرفراز کرنا

ہوں گے۔ گویا پہلے وحی تو آ گئی تھی لیکن اس کی تبلیغ اور کار نبوت کے سرانجام دینے کا حکم اب ہو گیا۔ اور اگر امتحان نبوت کے بعد ہوا تو امامۃ کبریٰ کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ کی نبوت کا دائرہ وسیع تر کر دیا جائے گا۔ آپ کی امت اجابت دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلے گی اور دوسرے مذاہب کے لوگ بھی عبدیت کی گردنیں آپ کے سامنے جھکا دیں گے۔

معتزلہ اور روافض کا عقیدہ اور استدلال:............معتزلہ جملہ لا ینال عھدی الظلمین سے فاسق کے نا قابل امامت ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ اور روافض وشیعہ صاحبان ائمہ اہل بیت کے معصوم ہونے پر اسی جملہ سے استدلال کرتے ہیں۔ روافض کے نزدیک عقیدہ امامت اللہ تعالیٰ کے صفات افعال میں سے ہے اس لئے عصمت کو لازم مانتے ہیں حالانکہ دونوں باتیں صحیح نہیں، کیونکہ ''امامۃ'' سے مراد اگر معنی متعارف ہیں تب تو ظالم سے مراد کافر ومشرک ہیں اور معنی یہ ہوں گے کہ کوئی کافر مسلمان کا امام و حاکم نہیں ہو سکتا اور امامۃ سے مراد اگر امامۃ کبریٰ یعنی عہدہ نبوت ورسالت لیا جائے تو ظالم اپنے عام معنی میں رہے گا اور اس سے عصمت انبیاءؑ ثابت ہوگی جو متفق علیہ ہے یعنی نبی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ظالم وفاسق ہو۔ یہ تو معتزلہ کے استدلال کا جواب ہے، اور عصمت ائمہ اہل بیت کا جواب یہ ہے کہ لفظ ''عہد'' سے مراد امامۃ کبریٰ ہے حق تعالیٰ نے اس کی اضافت اپنی طرف فرمائی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عہدۂ نبوت ہی ہو سکتا ہے جو خدا کی طرف سے وہبی طور پر تفویض کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد منصب امامت شورائی اگر لیا جائے تو وہ منجانب اللہ نہیں ہوتا بلکہ مجلس شوریٰ کا مقرر کردہ ہوتا ہے۔ غرضیکہ آیت سے مسئلہ عصمتِ انبیاءؑ پر تو روشنی پڑتی ہے لیکن امامت صغریٰ یا کبریٰ بمعنی حکومت وسلطنت کی عصمت اس سے ثابت نہیں ہوتی۔

عصمت انبیاءؑ:............انبیاءؑ کے لئے ہر قسم کے صغائر وکبائر سے عمداً ہوں خواہ نبوت سے پہلے ہوں یا بعد میں اہل سنت کی طرح معتزلہ بھی عصمت کے قائل ہیں۔ البتہ بعض صغائر کا جواز قبل النبوۃ بعض نے مانا ہے۔ یا زلات اور اجتہادی لغزشیں بعض محققین کے نزدیک ان پر برقرار نہیں رکھا جاتا بلکہ فوراً تنبیہ کے بعد ہٹا دیا جاتا ہے۔ لیکن حیرت وتعجب تو شیعوں کے عقیدہ پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک طرف انبیاءؑ کو تمام گناہوں سے معصوم مانتے ہیں اور دوسری طرف تقیۃً ان کو کفر تک کی اجازت دیتے ہیں۔

عصمت انبیاءؑ کے خلاف واقعات کی توجیہ:............تاہم جو باتیں بظاہر عصمت انبیاءؑ کے خلاف اور منافی ہوں گی ان میں تین طریقے توجیہ کے جاری کریں گے۔ (۱) اگر وہ اخبار آحاد ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی بیوی کو ایک خاص موقعہ پر بہن کہہ دینا تو عصمت انبیاءؑ کے قطعی عقیدہ کے مقابلہ میں ان کو رد کر دیا جائے گا۔ (۲) اور نقل متواتر کے ساتھ وہ واقعہ ثابت ہو تو اس منصوص عقیدہ کو برقرار رکھنے کے لئے اس کو ظاہری معنی سے پھیر لیا جائے گا۔ (۳) یا خلاف اولیٰ اور قبل نبوت پر محمول کر لیا جائے گا جیسے حضرت آدمؑ وحواؑ کا ''استعمال شجر ممنوعہ'' کہ وہ اس ممانعت کو شفقۃً ممانعت سمجھ گئے یا نہی تنزیہی پر محمول کر لیا ہو گا یا ان سے نسیاناً ایسا ہو گیا یا نبوت سے پہلے کا یہ واقعہ تھا اس قسم کی تمام ممکنہ توجیہات اس میں ہو سکیں گی۔

یا حضرت ابراہیم کا بل فعلہ کبیرھم اور انی سقیم بعض مواقع پر فرمانا مجازاً یا قبل النبوت پر محمول کر لیا جائے گا۔ یا حضرت موسیٰ کا قبطی کو مار دینا قبل النبوت یا بلا قصد پر محمول کر لیا جائے گا۔ یا حضرت داؤدؑ کا اوریا سے نکاح کرنا مخطوبۃ الغیر پر محمول کیا جائے گا جو فعل مشروع ہے۔ منکوحۃ الغیر سے نکاح مراد نہیں ہوگا۔ یا حضرت سلیمانؑ کی نماز عصر کا ترک نسیان پر محمول کیا جائے گا۔ حضرت یونسؑ کا اپنی قوم پر غضب ناک ہونا یا آنحضرت ﷺ کا حضرت زینب کی طرف سیلانِ قلبی درجۂ غیر اختیاری میں مراد لیا جائے گا جو معاف ہے یا

اس کی صحت کا انکار کیا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

خلافتِ ارشادی فاسق کو نہ دی جائے:.........لا ینال عھدی کے عموم میں یہ بھی داخل ہے کہ خلافتِ ارشادی بدعملی اور فسق کے ساتھ جمع نہیں ہونی چاہیے۔

اللہ کا حریم شاہی اور اس کے احکام:............''مقام ابراہیم'' ایک خاص پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر تعمیر فرمائی تھی اب وہ ممبر حرم اور زمزم کے درمیان ایک خاص جگہ پر قبہ میں محفوظ اور نصب ہے وہاں نوافل پڑھنا ثواب ہے اور دوگانہ طواف ادا کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، اس کو مقام امن دو وجہ سے فرمایا گیا ہے۔ ایک تو افعال حج ادا کرنے سے جن میں یہ مقام بھی داخل ہے عذاب آخرت سے امن ہوگا۔ دوسرے دنیاوی امن بھی مراد ہے حدودِ حرم میں کوئی بڑے سے بڑا مجرم اور خونی حتیٰ کہ بقول مفسرؒ اپنے باپ کا قاتل بھی اگر جا داخل ہوگا تو نہ صرف یہ کہ اس کو جان کا امان ملے گا بلکہ اللہ کے اس شاہی حریم اور پناہ گاہ میں جانوروں اور گھاس پھونس تک کو امن ہے۔ قاتل مجرم سے حرم کی حدود میں رہتے ہوئے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ ان کیلئے جان کی معافی ہے البتہ اس کی رسد بالکل بند کر دی جائے گی تاکہ وہ از خود باہر نکلنے پر مجبور ہو جائے اس وقت گرفتار کر کے قصاص لیا جائے گا دوسرے مجرموں کے اور احکام ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ تفصیل ہے۔ دوسرے حضرات کے کچھ اور اقوال ہیں جن کی تفصیل آیت وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا میں آئے گی اور مقصود آیت سے قانون امن بیان کرنا ہے۔ اب اگر کسی ظالم نے انصاف کا خون کر کے اور قانون شکنی کر کے کسی وقت امن برباد کیا ہو تو اس سے قانون پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مسجد حرام کے حدود و احکام پر قیاس کر کے بعض حرمِ مدینہ کے احکام و حدود بھی متعین کئے ہیں جن کی تفصیل کلام اور فقہ کی مراجعت سے معلوم ہو سکتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْمَكَانَ **بَلَدًا اٰمِنًا** ذَا اَمْنٍ وَقَدْ اَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَهٗ فَجَعَلَهٗ حَرَمًا لَايُسْفَكُ فِيْهِ دَمُ اِنْسَانٍ وَلَايُظْلَمُ فِيْهِ اَحَدٌ وَلَايُصَادُ صَيْدُهٗ وَلَايُخْتَلٰى خَلَاهُ **وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ** وَقَدْ فَعَلَ بِنَقْلِ الطَّائِفِ مِنَ الشَّامِ وَكَانَ اَقْفَرَ لَازَرْعَ بِهٖ وَلَا مَاءَ **مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** ؕ بَدَلٌ مِنْ اَهْلِهٖ وَخَصَّهُمْ بِالدُّعَاءِ لَهُمْ مُوَافَقَةً لِقَوْلِهٖ لَايَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ **قَالَ** تَعَالٰى وَ اَرْزُقُ **مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ فِي الدُّنْيَا بِالرِّزْقِ **قَلِيْلًا** مُدَّةَ حَيَاتِهٖ **ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ** اُلْجِئُهٗ فِي الْاٰخِرَةِ **اِلٰى عَذَابِ النَّارِ** ؕ فَلَا يَجِدُ عَنْهَا مَحِيْصًا **وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ** (۱۲۶) الْمَرْجِعُ هِيَ وَاذْكُرْ **اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ** الْاُسُسَ اَوِ الْجُدُرَ **مِنَ الْبَيْتِ** يَبْنِيْهِ مُتَعَلِّقٌ بِيَرْفَعُ **وَاِسْمٰعِيْلُ** ؕ عَطْفٌ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ يَقُوْلَانِ **رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا** بِنَاءَنَا **اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ** لِلْقَوْلِ **الْعَلِيْمُ** (۱۲۷) بِالْفِعْلِ **رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ** مُنْقَادَيْنِ **لَكَ وَ** اجْعَلْ **مِنْ ذُرِّيَّتِنَا** اَوْلَادِنَا **اُمَّةً** جَمَاعَةً **مُّسْلِمَةً لَّكَ** ۠ وَمِنْ لِلتَّبْعِيْضِ وَاَتٰى بِهٖ لِتَقَدُّمِ قَوْلِهٖ لَايَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ **وَاَرِنَا** عَلِّمْنَا **مَنَاسِكَنَا** شَرَائِعَ عِبَادَتِنَا اَوْ حَجِّنَا **وَتُبْ عَلَيْنَا** ۚ **اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ** (۱۲۸) سَاَلَاهُ التَّوْبَةَ مَعَ عِصْمَتِهِمَا تَوَاضُعًا وَتَعْلِيْمًا لِذُرِّيَّتِهِمَا **رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ** اَيْ اَهْلِ الْبَيْتِ **رَسُوْلًا مِّنْهُمْ** مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَقَدْ اَجَابَ

اللّٰہ دُعَاءَہٗ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِکَ الْقُرْاٰنَ وَیُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ الْقُرْاٰنَ وَالْحِکْمَۃَ مَافِیْہِ مِنَ الْاَحْکَامِ وَیُزَکِّیْہِمْ ط یُطَہِّرُھُمْ مِنَ الشِّرْکِ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْغَالِبُ الْحَکِیْمُ (۱۲۹) فِیْ صُنْعِہٖ۔ ع ۱۵ ۸ ۱۵

ترجمہ: .... اور جس وقت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اس کو ایک آباد شہر بنا دیجئے (یعنی باامن حق تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو قبول فرما کر حرم قرار دیدیا کہ اب اس میں نہ کسی کو قتل کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی پر ظلم کیا جا سکتا ہے۔ نہ کسی جانور کا شکار کھیلا جا سکتا ہے اور نہ گھاس اکھاڑی جا سکتی ہے) اور اس کے بسنے والوں کو پھل عنایت فرمائیے (چنانچہ طائف کے خطہ کو ملک شام سے یہاں منتقل کر کے اللہ نے اس دعا کو قبول فرمالیا، حالانکہ پہلے یہ جگہ بے آب وگیاہ، چٹیل میدان تھا) ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ان میں سے ایمان رکھتے ہوں (لفظ من بدل واقع ہو رہا ہے اھلہ سے اور دعاء میں مؤمنین کی تخصیص۔ ارشاد خداوندی لا ینال عھدی الظّٰلمین کی بنا پر کرنی پڑی) فرمایا (حق تعالیٰ نے) کہ (میں رزق دوں گا) اس شخص کو بھی جو کافر ہو اس کو خوب آرام برتاؤں گا (امتعہ کی قرأت تشدید وتخفیف کے ساتھ دونوں طرح ہے۔ مراد دنیاوی رزق ہے تھوڑے دن (اس کی زندگی بھر) پھر اس کو کشاں کشاں لے جاؤں گا (آخرت میں اس کو کھینچوں گا) جہنم کے عذاب کی طرف (کہ وہاں سے اس کو چھٹکارا نصیب نہیں ہوگا) اور وہ جگہ تو نہایت ہی برا (ٹھکانا) ہے اور (یاد کیجئے) جبکہ اٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) دیواریں (بنیاد ودیواریں) خانہ کعبہ کی (بناء کرتے ہوئے تو من البیت متعلق ہے یرفع کے) اور اسماعیل (علیہ السلام) بھی (اسماعیل کا عطف ابراہیم پر ہے درآنحالیکہ یہ دعا کرتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار قبول فرمالیجئے ہم سے (ہماری تعمیر کو بلاشبہ آپ خوب سننے والے (بات کے) اور جاننے والے ہیں (کام کے) اے پروردگار ہم کو اپنا فریضہ اور زیادہ فرمانبردار (مطیع) بنالیجئے اور (پیدا کردیجئے) ہماری ذریت (اولاد) میں ایک ایسی امت (جماعت) جو آپ کی فرمانبردار ہو (من ذریتنا میں من تبعیضیہ ہے۔ یہاں بھی لا ینال عھدی الظّٰلمین ارشاد خداوندی کی وجہ سے اس کا اضافہ کرنا پڑا ہے) اور سکھلا دیجئے (بتلا دیجئے) ہم کو اس احکام حج (عبادت یا حج کے احکام) اور ہمارے حال پر توجہ رکھیئے درحقیقت آپ ہی توجہ فرمانے اور مہربانی فرمانے والے ہیں (دونوں حضرات نے توبہ کی درخواست باوجود معصوم ہونے کے محض تواضعاً اور اولاد کی تعلیم دینے کے لئے کی ہے) اے پروردگار مقرر فرمائیے اہل خاندان میں ایک پیغمبر جوانہی میں سے ہو (افراد خاندان میں سے۔ اللہ نے یہ دعا آنحضرت ﷺ کی صورت میں قبول فرمائی) جو ان کو آپ کی آیات (قرآن) پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو کتاب (قرآن) کی اور احکام الٰہی (حکمۃ سے مراد احکام قرآن ہیں) کی تعلیم دیا کریں اور ان کو (شرک سے) پاک کردیں بلاشبہ آپ طاقتور (غالب) اور کامل (الانتظام) ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... ھذا بلدا یہاں اس جگہ کے بلد یا بلدآمن ہونے کی دعا کی اور سورۂ ابراہیم کے الفاظ یہ ہیں ھذا البلد امنا جس سے قبل از بلد ہونا معلوم ہوتا ہے ممکن ہے مقدر دونوں مراد ہو۔ امنا موضع امن مفسر علام نے ذی امن کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ یہ اھل کی صفت ہے نہ کہ بلد کی اس لئے حرم کی طرف اس کی اسناد مجازاً ہوگی لا یسفک اگر حرم میں رہتے ہوئے کسی نے قتل کیا یا زخمی کیا یا باہر سے زخمی کر کے آیا، تو بالاتفاق قصاص اور سزا دی جائے گی لیکن اگر باہر سے قتل کر کے حرم میں داخل ہوا تو امام ابوحنیفہؒ کا یہ مذہب ہے کہ اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ اس کو تنگ کر کے کسی طرح نکلنے پر مجبور کردیں گے اور حیلہ سے جب باہر نکل جائے گا تو قصاص لے لیں گے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ہر صورت قصاص اور حدود جاری کی جائے گی۔ لطائف مشہور یہ ہے کہ یہ بلاد شام واردن یا فلسطین

کے قریب کی آباد وشاداب بستی تھی حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے جبریلؑ کے ذریعہ اس کو منتقل فرمادیا اور اس بستی نے بیت اللہ کا سات دفعہ طواف کر کے مکہ معظمہ سے تین منزل کے فاصلہ پر قیام کیا اسی لئے اس کو طائف کہتے ہیں واللہ اعلم۔ ومن کفر کے درمیان جلال محققؒ نے "ارزق" مقدر مانا ہے اگر یہ واحد متکلم کا صیغہ ہے تو ارزق مقدر پر عطف ہوجائے گا تقدیر عبارت اس طرح تھی "ارزق من اٰمن وارزق من کفر" اور بصیغۂ امر ہو تو اٰمن پر عطف تقلیدی ہو جائے گا ای قل یا ابراھیم ارزق من کفر الخ

قلیلاً یہ ظرف ہے بتقدیر المضاف ای زمانا قلیلاً ومتاعا قلیلا. الجنة اس میں استعارہ کیا گیا ہے، کافر کو بے اختیار کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، یقولان جلال محققؒ نے ربنا الخ جملہ دعائیہ انشائیہ کی صحت حالیت کے لئے مقدر مانا ہے اور صیغہ مضارع حکایت حال ماضیہ کے لئے ہے۔ قاعدہ بمعنی اساس کیونکہ تعمیر پستی سے بلندی کی طرف اس کی وجہ سے اٹھ جاتی ہے اور یا ستون مراد ہے جس پر چھت رکھی جائے اور عمارت بلندی اختیار کرے۔ بناء نا یہ تقبل کے مفعول محذوف کی طرف اشارہ ہے۔ امة جماعت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے یہاں اور واحد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے "ان ابراھیم کان امةً" ارنا یہاں رویت قلبیہ مراد ہے۔ مناسک جمع منسک بالفتح والکسر بمعنی معبد مراد اس سے شرائع ہیں بحذف المضاف یا تسمیہ الحال باسم المحل، ذبح، حج عام عبادت کے معنی ہیں بمحمد کیونکہ حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ کی اولاد یعنی بنو اسماعیل میں بجز آپ کے کوئی اور نبی نہیں ہوا۔ حضرت اسحاقؑ کی اولاد یعنی بنی اسرائیل میں تو بکثرت انبیاءؑ ہوئے ہیں اس لئے اس کا مصداق صرف آپ کی ذات گرامی ہو سکتی ہے۔ یتلوا یہ موضع نصب میں ہے رسول کی صفت اور یا منھم کی ضمیر سے حال ہے۔ حکمة کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ قتادہؒ کی رائے یہ ہے کہ سنت مراد ہے۔ مجاہد فہم قرآن امام مالکؒ تفقہ فی الدین سے اور بعض محققینؒ اتقان علم وعمل سے تعبیر کرتے ہیں۔

ربط: .... آگے حدود حرم اور اس کے سکان کے لئے حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی دعاؤں کا ذکر ہے یہ بھی فضیلت کعبہ کی دلیل ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... دعاء ابراہیمی اور اس کا مصداق: .... ان دونوں بزرگ بانیوں کی چھ دعاؤں کا بناء بیت کے وقت تذکرہ کیا گیا ہے۔ جن میں ایک دعاء وادی غیر ذی زرع کے با امن اور آباد شہر ہونے کی بھی تھی جس میں مسلمان وکافر سب رہیں اور سب کو رزق ملے، چونکہ کافروں کا اطاعت سے خارج ہونا پہلے معلوم ہو چکا تھا اس لئے ادباً حضرت ابراہیمؑ نے دعائے رزق میں ان کو شامل نہیں فرمایا، اگلی دعاؤں میں بناء کعبہ اور بانی کے لئے اخلاص کی دعا اور سب سے آخر میں نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت کے لئے خصوصیت سے دعاء فرمائی جس سے کعبہ کے ساتھ آپ کا اختصاص واضح ہے بناء کعبہ میں تابع کی حیثیت سے حضرت اسماعیلؑ بھی شریک رہے خواہ کبھی تعمیر بھی کرتے ہوں یا صرف گارہ پتھر دیتے ہوں۔

ان دعاؤں کا مصداق ایسا ہی شخص ہوسکتا ہے جو دونوں کی اولاد ہونے کا شرف رکھتا ہو۔ بنی اسماعیل میں یہ شرف صرف رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے، اس لئے آپ ہی اس کا مصداق ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں اپنے والد ابراہیمؑ کی دعاؤں کا ظہور ہوں۔

سچا بیٹا، باپ کی دولت کا امین ہوتا ہے: .... اور "امة مسلمة" کے لئے اولاد کی تخصیص، اسی طرح پیغمبر کے

لئے اسی خاندان سے ہونے کی تخصیص کی مصلحت یہ ہے کہ بہ نسبت دوسرے خاندانی شخص کے اپنے خاندانی شخص کے حالات اور اوصاف جمیلہ وجلیلہ سے کما حقہ خاندانی لوگ واقف ہوں گے۔ ان کو اس کے اتباع میں کسی طرح اجنبیت اور استنکاف محسوس نہیں ہو پائے گا اور پھر ایسے لوگوں کی دیکھا دیکھی دوسروں کو بھی طمانیت واطمینان ہوگا اور وہ جلد اتباع وتصدیق کی طرف قدم بڑھا سکیں گے۔ اس طرح گویا اہل خاندان کو اپنے خاندانی شخص کی لاج رکھنے کا خیال بھی پیش نظر ہوگا اور وہ اس کی اتباع میں زیادہ ساعی اور دوسروں کی ہدایت کے لئے اصل ذریعہ ثابت ہوسکیں گے۔

الائمۃ من قریش:......... چنانچہ یہی ہوا کہ پوار جزیرۃ العرب، قریش اور آپ کے خاندان کے ایمان کا منتظر تھا جوں ہی انہوں نے ایمان قبول کیا اور مکہ معظمہ فتح ہوا لوگ جوق درجوق اور فوج درفوج اسلام میں داخل ہوگئے اور یہی مصلحت ہے قریش کے خلافت کے لئے خاص ہونے کی کہ ان کو جس قدر ہمدردی اور دل سوزی ہوگی دوسروں کو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوسکتا۔

حکمۃ سے مراد جلال محقق نے احکام قرآن لئے ہیں لیکن اس سے مراد خوش فہمی بھی ہوسکتی ہے۔ اور خوش فہمی کا سلیقہ یہ کہ تفقہ اور اجتہاد حاصل ہو کہ اصل سے فروع کا حکم نکال سکیں۔ اور بات میں سے بات نکالنا اور ایک نظیر کو دوسری نظیر پر اصول صحیحہ کی رعایت کے ساتھ منطبق کرنا آجائے۔ چنانچہ اس امت میں آنحضرت ﷺ کے اتباع کی بدولت بہت سے اکابر وعلماء کو یہ دولت نصیب ہوئی جن کی برکات سے عام مسلمان بلکہ عامۃ الناس منتفع ہورہے ہیں۔ پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے اس آیت میں چار اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔ کتاب اللہ کی تلاوت کرنا جو پہلا اور ابتدائی درجہ ہے۔ کتاب اللہ کے معانی کی تعلیم دینا جو اس کے بعد دوسرا درجہ ہے، تیسرے حکمۃ کی تعلیم دینا اور اس علم وعمل کے مجموعہ کے بعد آخری درجہ تکمیل یعنی روحانی اور اخلاقی تزکیہ کرنا۔ یہ آپ کی کتاب زندگی کے چار اہم ورق ہیں۔ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا

بقاء سلسلہ کی تمنا:......... ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک سے مشائخ کی اس تمنا کی اصل نکلتی ہے کہ جو اپنے سلسلہ کی بقاء کے لئے رکھتے ہیں۔

وَمَنْ اَیْ لَا **یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ** فَیَتْرُکُهَا **اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ** ؕ جَهِلَ اَنَّهَا مَخْلُوْقَةٌ لِّلّٰهِ یَجِبُ عَلَیْهَا عِبَادَتُهٗ اَوِاسْتَخَفَّ بِهَا وَامْتَهَنَهَا **وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ** اخْتَرْنَاهُ **فِی الدُّنْیَا** ۚ بِالرِّسَالَةِ وَالْخُلَّةِ **وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۳۰﴾** اَلَّذِیْنَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلٰی وَاذْکُرْ **اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ** ۙ اِنْقَدْ لِلّٰهِ وَاَخْلِصْ لَهٗ دِیْنَكَ **قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰی** وَفِیْ قِرَاءَةٍ اَوْصٰی **بِهَاۤ** بِالْمِلَّةِ **اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ** ؕ بَنِیْهِ **قَالَ** یٰبَنِیَّ **اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ** دِیْنَ الْاِسْلَامِ **فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾** نَهٰی عَنْ تَرْكِ الْاِسْلَامِ وَاَمَرَ بِالثَّبَاتِ عَلَیْهِ اِلٰی مُصَادَفَةِ الْمَوْتِ وَلَمَّا قَالَ الْیَهُوْدُ لِلنَّبِیِّ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنَّ یَعْقُوْبَ یَوْمَ مَاتَ اَوْصٰی بَنِیْهِ بِالْیَهُوْدِیَّةِ نَزَلَ **اَمْ کُنْتُمْ شُهَدَآءَ** حُضُوْرًا **اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ** ۙ **اِذْ** بَدَلٌ مِنْ اِذْ قَبْلَهٗ **قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ** ؕ بَعْدَ مَوْتِیْ **قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ**

اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ عَدُّ اِسْمٰعِيْلَ مِنَ الْاٰبَاءِ تَغْلِيْبٌ وَلِاَنَّ الْعَمَّ بِمَنْزِلَةِ الْاَبِ **اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ** بَدَلٌ مِنْ اِلٰهَكَ **وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾** وَاَمْ بِمَعْنٰى هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ اَىْ لَمْ تَحْضُرُوْهُ وَقْتَ مَوْتِهٖ فَكَيْفَ تَنْسِبُوْنَ اِلَيْهِ مَالَايَلِيْقُ بِهٖ **تِلْكَ** مُبْتَدَاٌ وَالْاِشَارَةُ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَيَعْقُوْبَ وَبَنِيْهِمَا وَاُنِّثَ لِتَانِيْثِ خَبَرِهٖ **اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ** سَلَفَتْ **لَهَا مَا كَسَبَتْ** مِنَ الْعَمَلِ اَىْ جَزَاؤُهٗ اِسْتِيْنَافٌ **وَلَكُمْ** الْخِطَابُ لِلْيَهُوْدِ **مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾** كَمَا لَا يُسْئَلُوْنَ عَنْ عَمَلِكُمْ وَالْجُمْلَةُ تَاكِيْدٌ لِمَا قَبْلَهَا

ترجمہ:.........اور کون ہے؟ (یعنی کوئی نہیں ہے) جو ملت ابراہیمی سے روگردانی کرے (کہ اس کو چھوڑ بیٹھے) مگر وہی جو اپنی ذات ہی سے احمق ہوگا (جو اس بات سے جاہل ہو کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے اور اس پر اللہ کی عبادت فرض ہے یا یہ مراد ہے کہ اس نے اپنے نفس کو ذلیل (حقیر کر رکھا ہے) حالانکہ ہم نے ان کو منتخب کر لیا ہے (چھانٹ لیا ہے) دنیا میں (رسالت اور خالص دوستی کے لئے) اور بلاشبہ وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کئے جائیں گے (جن کیلئے درجات عالیہ ہوں گے) اور (یاد کیجئے) جبکہ فرمایا ان سے ان کے پروردگار نے کہ تم فرمانبرداری اختیار کرو (اللہ کی اطاعت کرو، اور ان کیلئے دین کو خالص کر لو) عرض کیا میں تو رب العالمین کا فرمانبردار ہوں اور وصیت کر گئے (ایک قرأت میں اوصیٰ ہے) اسی (ملت کی) ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کو اور اسی طرح یعقوب علیہ السلام (اپنے بیٹوں کو فرمانے لگے کہ) اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے، اس دین (دین اسلام) کو اس لئے تم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا (اس میں ترک اسلام کی ممانعت اور اسلام پر مرتے دم تک ثابت رہنے کا حکم ہے۔ آنحضرت ﷺ سے یہود نے عرض کیا کہ کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے وفات کے وقت اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی؟ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی) کیا تم لوگ خود اس وقت موجود (حاضر) تھے۔ جب یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا جس وقت (یہ اذ پہلے اذ سے بدل ہے) انہوں نے اپنے بیٹوں سے دریافت کیا کہ تم لوگ میرے (مرنے کے) بعد کس چیز کی پرستش کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس ذات کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام پرستش فرماتے رہے ہیں (حضرت یعقوبؑ، حضرت اسماعیلؑ کو باپ کہنا یا تغلیباً ہوگا اور یا چچا کے بمنزلہ باپ ہونے کی بناء پر) یعنی وہی معبود جو وحدہ لاشریک ہے (یہ لفظ الٰهك سے بدل ہے) اور ہم اس کی فرمانبرداری پر قائم رہیں گے۔ ام کنتم میں لفظ ام بمعنی ہمزۂ انکار ہے یعنی تم ان کی وفات کے وقت یقیناً موجود نہیں تھے پھر کیسے ان کی طرف غیر شایانِ شان باتیں منسوب کرتے ہو) یہ (تلك مبتدا ہے اور اس سے حضرت ابراہیمؑ و یعقوبؑ اور ان کی اولاد کی طرف اشارہ ہے اور اس کو مؤنث لانا خبر کے مؤنث ہونے کی وجہ سے ہے) اور ایک جماعت تھی جو گزر چکی ہے (جا چکی ہے) ان کے کام ان کا کیا ہوا (عمل یعنی اس کی جزاء یہ جملہ مستانفہ ہے) آئے گا، اور تمہارے کام (یہود کو خطاب ہے) تمہارا کیا ہوا آئے گا اور تم سے تو ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی نہ ہوگی (جیسا کہ ان سے تمہارے کئے ہوئے کی پوچھ پرسش نہ ہوگی۔ یہ جملہ ماقبل کی تاکید ہے۔

تحقیق و ترکیب:.........من کے بعد لا سے اشارہ اس کے انکاری ہونے کی طرف اسی لئے اس کے بعد الا آیا ہے یہ موضع رفع مبتدا اور یرغب ہے جس میں عائد من کی طرف راجع ہے۔ سفه یہ جو جہل کے معنی اور اس کی طرح متعدی ہے اور یا سفه فی نفسه تھا۔ جار حذف کر کے فعل سے ملا دیا اور یا سفه کے اصل معنی خفت کے مراد لئے جائیں اصطفيناه برگزیدہ اور خالص چیز کا انتخاب کرنا۔

وصی دوسرے کے سامنے اصلاحی کام پیش کرنا اصل معنی اس کے وصل کے ہیں بولتے ہیں۔ وصاہ اذا وصلہ او فصاہ اذا فصلہ. گویا موصی اپنے فعل کو موصی کے فعل سے ملاتا ہے۔ عام اس سے کہ وصیت موت کے وقت ہو یا بغیر موت کے قولا ہو یا دلالۃً۔ اگرچہ مشہور یہی ہے کہ وصیت موت کے وقت قول کو کہتے ہیں۔

فلا تموتن بظاہر تو موت سے نہی ہے جو غیر اختیاری ہے مگر درحقیقت مراد جیسا کہ مفسرؒ علام نے کہا ترک اسلام سے نہی کرنا ہے جیسے کہا جائے لا تصل الا وانت خاشع اس میں ترک صلوٰۃ کا حکم نہیں بلکہ ترکِ خشوع سے منع کرنا ہے۔ گویا یہ اشارہ کرنا ہوتا ہے کہ اس حقیقت کے بغیر اس فعل کا وجود وعدم برابر ہوتا ہے۔

اور امام رازیؒ نے یہ توجیہ کی ہے کہ کسی آن بھی چونکہ موت سے اطمینان نہیں ہوتا ہر لحہ اس کا اندیشہ رہتا ہے اس لئے موت سے پہلے اسلام کی تاکید گویا ہر آن اس پر ثبات قدمی کی تلقین ہوگی۔

ام کنتم میں بیضاویؒ کی رائے یہ ہے کہ ام منقطعہ اور متصلہ دونوں طرح ہوسکتا ہے۔ جلال محققؒ نے اس کی تین وجہ میں سے ایک طرف اشارہ کیا ہے۔ (۱) یا صرف ہمزہ کے معنی ہوتا ہے (۲) یا صرف بل کے معنی میں (۳) اور یا دونوں کے معنی میں ہوتا ہے اور غالب تیسری صورت ہوتی ہے۔ والہ اباءک لفظ الہ کا اعادہ اس لئے کیا گیا ہے کہ ضمیر مجرور پر بلا اعادۂ جار عطف لازم نہ آجائے۔ الٰھا واحدا. اول لفظ الٰہ کے تکرار سے جو عدم توحید کا شبہ ہوسکتا تھا اس کے ازالہ کے لئے یہ بدل لائے ہیں۔

ونحن لہ مسلمون نعبد کے فاعل سے حال واقع ہے۔ یہ جملہ معطوف ہے نعبد پر یہ جملہ معترضہ مؤکدہ ہے۔ وانت جہاں ضمیر کے مرجع اور خبر میں اختلاف ہو تو خبر کی رعایت بہتر ہوتی ہے۔ لھا ما کسبت میں مفسرؒ علام نے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے استیناف دوسری صورت صفت ہونے کی بھی ہوسکتی ہے یا ضمیر خلت سے حال ہوسکتا ہے۔ ما موصولہ یا موصوفہ ہے اور عائد محذوف ہے "ای لھا ماکسبتہ"

ربط:............ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ محض حق کا اتباع اور اللہ کی اطاعت تھی۔ آگے ان کی نسل کے تمام اہل حق کا طریق بھی یہی رہا ہے جس کی جامع اور صحیح تعبیر اسلام کے ساتھ ہونی چاہئے۔ ان حضرات کے یہاں نسلی غرور، آبائی فخر، گروہ بندی کوئی چیز نہیں تھی۔ بلکہ سب کا مشرب سچائی کا اتباع تھا اب یہ اطاعت حق منحصر ہے آنحضرت ﷺ کے اتباع میں۔ لیکن قوم یہود جو خود کو اولادِ یعقوب علیہ السلام بتلاتی ہے اور دین ابراہیمؑ کا متبع اپنے آپ کو سمجھتی ہے بالکل اس راہ سے منحرف ہے بلکہ محض ضد بندی سے حضرت ابراہیمؑ وغیرہ انبیائے سابقین کو بھی یہودی ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے حالانکہ یہودیت ان کے بہت بعد شروع ہوئی تھی۔

شانِ نزول:............ لباب النقول میں ہے کہ عبداللہ بن سلام نے اپنے دو بھتیجوں سلمہ اور مہاجر کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم خوب جانتے ہو کہ اللہ نے تورات میں فرمایا ہے کہ بنی اسماعیل میں ایک نبی بھیجنے والا ہوں جن کا نام احمد ہوگا جو شخص آپ پر ایمان لائے گا وہ راہِ ہدایت پر ہوگا۔ اور جو ایمان نہیں لائے گا وہ ملعون ہوگا۔ یہ سن کر سلمہؓ نے تو اسلام قبول کرلیا مگر مہاجر نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿ تشریح ﴾:............ طاعتِ ابراہیمی:............ حضرت ابراہیمؑ کے جواب کا یہ منشاء نہیں ہے کہ میں پہلے فرمانبردار نہیں تھا اب اطاعت کے لئے حاضر ہوں کیونکہ نبی کے لئے کسی وقت بھی نافرمانی اور خلاف ورزی ممکن نہیں ہے۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ زمانہ کم سنی اور بے شعوری میں وہ شریعت اور اس کی تفصیلات سے خالی الذہن بلکہ ایک درجہ میں بے خبر رہے ہوں جیسا کہ "ووجدک

ضالا“ سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کو خلاف ورزی یا نافرمانی کہنا یا سمجھنا سراسر غلط ہے کیونکہ مخالف کہتے ہیں حق واضح نہ ہونے کے بعد اس پر عملدرآمد نہ کرنے کو جب تک حق واضح نہیں ہوا خلاف ورزی کا کیا سوال؟ تاہم خالی الذہن ہونے کی حالت میں جب حق ان کے سامنے آیا انہوں نے فوراً اس کو قبول کرلیا۔ اسی کو اطاعت اور اسلام سے تعبیر کیا گیا ہے یا بقاء علی الطاعت کا اظہار کرنا ہے کہ بندہ پہلے کی طرح اب بھی نیازمند ہے جو ارشاد ہو حاضر ہے۔ صیغۂ امر جس طرح احداثِ فعل کے لئے آتا ہے ابقاءِ فعل کے لئے بھی آتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے یا نصرانی یا مسلمان؟:............ رہا حضرت ابراہیمؑ ویعقوبؑ کا یہودی ہونا یا دوسروں کو یہودیت اختیار کرنے کی فہمائش کرنا اس کی صحت کے دو (۲) ہی طریقے ہوسکتے تھے۔ یا نقل صحیح اور یا مشاہدہ۔ یہاں دونوں منتفی ہیں بلکہ عقلی دلیل اس کے برخلاف یہ موجود ہے کہ یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور نصرانیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے اور حضرت ابراہیم ویعقوب علیہم السلام وغیرہ بہت زمانہ پہلے گزر چکے ہیں۔ پھر ان کا یہودی یا نصرانی بننا کس طرح ممکن ہے۔ یہی منشاء ہے آیت ماکان ابراھیم یھود یا ولانصر انیا اور لم تحاجون فی ابراھیم وما انزلت التورٰۃ والانجیل الا من بعدہٖ افلا تعقلون کا۔ مگر بُرا ہو تحزب اور گروہ بندی کا کہ زمان ومکان کی حدود وقیود کو توڑ کر بالکل ہی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی ہے، البتہ اس پر شبہ ہوسکتا ہے کہ بالمعنی المذکور جب ان کا یہودی یا نصرانی بننا ممکن نہیں ہے تو پھر اسلام کا پیرو ہونا جس کی ابتداء یہودیت ونصرانیت سے بھی بہت بعد میں آنحضرت ﷺ کے وقت سے ہوئی کس طرح صحیح اور درست ہوسکتا ہے۔ لیکن اسلام سے مراد یہاں مخصوص طریقہ اور مجموعہ شریعت محمدی نہیں ہے بلکہ صرف اطاعتِ حق مراد ہے جو تمام اہل حق اور پیشوایانِ مذہب کا ہر زمانہ میں شیوہ اور وطیرہ رہا ہے۔ اور یہی وہ مشترک مشربِ حق ہے جس کا سب نے اتباع کیا ہے۔ یہودیت یا نصرانیت کے معنی اسلام کی طرح تسلیم و انقیاد کے نہیں ہیں بلکہ وہ ایک مخصوص طریقہ اور مسلک کا نام ہے اس میں یہ توجیہ نہیں ہوسکتی تاہم پھر بھی اگر کوئی کھینچ تان کر تاویل کرنے لگے تو ہم کو مضر نہیں اور اس کو مفید نہیں ہے۔

غرور نسلی اور آبائی فخر کی برائی:............ اہل کتاب میں نسلی غرور اور آبائی فخر کی وجہ سے جو سرگرانی پیدا ہوگئی تھی اور وہ گھن کی طرح قوم کا برادہ چاٹ رہی تھی۔ اگلی آیت تلک امۃ میں اس آئینہ خود بینی اور شیشۂ غرور کو چکنا چور کردیا گیا ہے کہ یہ بات ”پدرم سلطان بود تراچہ“ کا مصداق ہے۔ یعنی قانون الٰہی یہ ہے کہ ہر فرد اور جماعت کو اس کا اپنا کمایا ہوا عمل کارآمد ہوتا ہے نہ تو ایک کی نیکی دوسرے کو بچا سکتی ہے اور نہ ایک کی بدعملی کے لئے دوسرا جواب دہ ہوسکتا ہے لیکن نادان انسان ہمیشہ ماضی کے افسانوں میں گم ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ ماضی سے حال اور مستقبل کے لئے کوئی لائحہ عمل اور درسِ عمل تیار نہیں کرتا۔

اچھوں سے انتساب اور رفع تعارض:............ اچھوں سے انتساب ان نیک عمل لوگوں کے لئے مفید ہوسکتا ہے جن کے پاس ایمان کی دولت اور نیکیوں کی پونجی ہو تھوڑی بہت کمی اس انتساب سے پوری کردی جایا کرتی ہے (۱) والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم (۲) ان اکرمکم عنداللہ اتقکم اور حدیث المرء مع من احب اور حدیث شفاعت کا یہی مفہوم ہے لیکن جو لوگ عقائد قطعیہ میں مخالف اور عمل میں پورے نافرمان ہوں ان کے لئے محض فخر نسبی کیا کام آسکتا ہے ”نہ اوڑھنے میں نہ بچھانے میں“ آیت لا انساب بینھم یومئذ ولا یتسآء لون اور حدیث یا فاطمۃ انقذی نفسک من النار لا اغنی عنک من اللہ شیئًا کا یہی مفہوم ہے اس طرح مختلف نصوص میں تطبیق بھی ہوگئی اور اہل کتاب کا رسالتِ محمدیؐ کے عقیدہ سے جس کے تمام انبیاءؑ مصداق تھے انحراف بھی لازم آگیا۔ پھر یہ انتساب ان کے لئے اب کس طرح کام کا اور اب محض لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ؟ ہاں دنیا میں نسب کے تفاوت

اور اختلاف کے فوائد و مصالح اپنی جگہ ہیں لیکن اس سے اپنے لئے بے جا فخر اور دوسروں کی تحقیر کا جواز کیسے نکل سکتا ہے۔

معرفت حق، موت اختیاری:........... آیت ومن یرغب سے مشائخ کے اس قول کی اصل نکلتی ہے کہ من عرف نفسه فقد عرف ربه اور آیت فلا تموتن الا وانتم مسلمون سے اشارہ ہے موت اختیاری کی طرف جس کے متعلق موتوا قبل ان تموتوا فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ حکم کا تعلق کسی فعل اختیاری ہی سے ہونا چاہئے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا اَوْ لِلتَّفْصِيْلِ وَقَائِلُ الْاَوَّلِ يَهُوْدُ الْمَدِيْنَةِ وَالثَّانِيْ نَصٰرٰى نَجْرَانَ **قُلْ** لَهُمْ **بَلْ** نَتَّبِعُ **مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا** حَالٌ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ مَائِلًا عَنِ الْاَدْيَانِ كُلِّهَا اِلَى الدِّيْنِ الْقَيِّمِ **وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ** ﴿۱۳۵﴾ **قُوْلُوْٓا** خِطَابٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ **اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا** مِنَ الْقُرْاٰنِ **وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ** مِنَ الصُّحُفِ الْعَشْرِ **وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ** اَوْلَادِهٖ **وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى** مِنَ التَّوْرٰةِ **وَعِيْسٰى** مِنَ الْاِنْجِيْلِ **وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ** مِنَ الْكُتُبِ وَالْاٰيَاتِ **لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ** فَنُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ كَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى **وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ** ﴿۱۳۶﴾ **فَاِنْ اٰمَنُوْا** اَيِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى **بِمِثْلِ** مِثْلُ زَائِدَةٌ **مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا** عَنِ الْاِيْمَانِ بِهٖ **فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ** خِلَافٍ مَعَكُمْ **فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ** يَا مُحَمَّدُ شِقَاقَهُمْ **وَهُوَ السَّمِيْعُ** لِاَقْوَالِهِمْ **الْعَلِيْمُ** ﴿۱۳۷﴾ بِاَحْوَالِهِمْ قَدْ كَفَاهُ اللّٰهُ اِيَّاهُمْ بِقَتْلِ قُرَيْظَةَ وَنَفْيِ النَّضِيْرِ وَضَرْبِ الْجِزْيَةِ عَلَيْهِمْ **صِبْغَةَ اللّٰهِ** مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِاٰمَنَّا وَنَصْبُهٗ بِفِعْلٍ مُقَدَّرٍ اَيْ صَبَغَنَا اللّٰهُ وَالْمُرَادُ بِهَا دِيْنُهُ الَّذِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهِ لِظُهُوْرِ اَثَرِهٖ عَلٰى صَاحِبِهٖ كَالصَّبْغِ فِي الثَّوْبِ **وَمَنْ** اَيْ لَا اَحَدَ **اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً** تَمْيِيْزٌ **وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ** ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ:........... اور کہتے ہیں یہ لوگ تم یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے (ھودا او نصری میں او تفصیل کے لئے ہے۔ اول جملہ کے قائل یہود مدینہ اور دوسرے کے قائل نصاریٰ نجران) آپ ان سے کہہ دیجئے بلکہ (ہم تو اتباع کرتے ہیں) ملت ابراہیمی کا جس میں کجی کا نام نہیں ہے (حنیفا حال ہے ابراہیمؑ سے یعنی تمام ادیان سے کٹ کر دین حق کی طرف مائل ہوئے ہیں) اور ابراہیم (علیہ السلام) مشرک نہیں تھے۔ کہہ دیجئے (مسلمانوں کو خطاب ہے) کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور (قرآن) پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا ہے اور (دس کتابوں) پر جو حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ ویعقوبؑ اور ان کی اولاد (اولاد یعقوبؑ) پر نازل کی گئی ہے اور وہ (تورات) جو حضرت موسیٰؑ کو دی گئی اور (انجیل) جو حضرت عیسیٰؑ کو دی گئی اور جو کچھ (کتابیں اور آیات) انبیاء علیہم السلام کو پروردگار کی طرف سے دی گئی ہیں۔ درآنحالیکہ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے (کہ بعض کو مانیں اور بعض کا انکار کریں، یہود و نصاریٰ کی طرح) اور ہم تو اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ سو اگر (یہود و نصاریٰ بھی) ایمان لے آئیں اسی طرح (لفظ مثل زائد ہے) جس طرح تم ایمان لائے ہو تب تو وہ بھی راہ حق پر لگ جائیں گے اور اگر وہ روگردانی کرنے لگیں (ایمان سے) تو وہ لوگ ہمیشہ سے برسر عداوت (تمہاری مخالفت پر) ہیں ہی۔ عنقریب آپ کی طرف سے اللہ نبٹ لیں گے (اے محمدؐ در بارۂ مخالفت) اور اللہ سنتے ہیں (ان کے اقوال) اور جانتے ہیں (ان کے احوال کو چنانچہ اللہ ان سے اس طرح نبٹے کہ بنی قریظہ کو قتل کیا گیا اور بنی نضیر کو جلاوطن کیا گیا اور ان پر جزیہ "ٹیکس"

مقرر کیا گیا) ہم ایمان لائے اس حال میں کہ اللہ نے ہم کو رنگ دیا ہے (یہ مصدر ہے آمنا کی تاکید کے لئے اور منصوب ہے فعل مقدر "صبغنا اللہ" سے مراد دین فطری ہے کہ جس پر لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے کیونکہ اس کا اثر دیندار پر اس طرح پڑھتا ہے کہ جیسے کپڑے پر رنگ) اور دوسرا کون ہے (کوئی نہیں ہے) جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ کے رنگ سے بہتر ہو (صبغۃ تمیز ہے) اور ہم اس کی بندگی اختیار کئے ہوئے ہیں۔

تحقیق وترکیب:............نتبع۔ یہ ملۃ کا عامل محذوف ہے اور جملہ مقولہ قول محل نصب میں ہے۔ حنیفا جہاں مضاف الیہ کے قائم مقام ہوسکے وہاں مضاف الیہ سے بھی حال بنایا جاسکتا ہے۔ جیسے حنیفاً ابراہیمؑ سے حال ہے اور ملۃ سے بھی حال ہوسکتا ہے یا مثلاً رایت وجہ ہند یستلزم رویتھا من الصحف العشر اگر یہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ہے تو دوسروں کی طرف ان کے تابع ہونے کی وجہ سے ان کی نسبت صحیح ہوگی جیسے نزول قرآن کی نسبت ہماری طرف ہے الاسباط جمع سبط جس درخت کی کثیر شاخیں ہوں مراد اولاد۔ صاحب کشافؒ نے اس کے معنی پوتے کے بیان کئے ہیں۔ مااوتی. ما انزل کی بجائے تجدید کے لئے اس طرح روش کلام میں تبدیل کردی گئی ہے مثل زائدۃ چونکہ مسلمان جس خدا اور قرآن پر ایمان لائے ہیں ان کا کوئی مثل نہیں ہے اس لئے لفظ مثل کو جلال مفسرؒ زائد فرمارہے ہیں۔ چنانچہ ابن مسعودؓ کی قرأت بما امنتم بہ اس کی مؤید ہے۔ ما موصولہ ہے یا مصدریہ اور باز ائد تاکید کے لئے ہے۔ شقاقا خلاف چونکہ ہر ایک ایک شق پر ہوتا ہے اس لئے وجہ مناسبت ظاہر ہے۔ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی تخصیص کی کیونکہ نزاع ان ہی میں ہورہا تھا۔

صبغۃ بروزن فعلۃ صبغ سے جیسے جبس سے جبسۃ بمعنی رنگت مراد دین اللہ ہے۔ نصاریٰ میں دین میں داخل ہونے کے لئے عمودیہ ایک رسم ادا کی جاتی تھی یعنی زرد رنگ میں اصطباغ کرتے تھے تفاولاً مسلمانوں کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اللہ کا رنگ زیادہ پختہ اور بہتر ہے۔ بعض نے اس کو منصوب علی الاغراء کہا ہے اور بعض کے نزدیک بدل ہے ضمیر قولوا سے یا اتبعوا سے صبغۃ اللہ میں استعارہ اصلیہ تصریحیہ ہے وجہ شبہ جامع تاثیر وظہور ہے جس کی طرف جلال محققؒ نے اشارہ کیا ہے۔

ربط:............اول آیت میں یہودیت ونصرانیت کی طرف بلانے والوں کا جواب ارشاد ہوتا ہے۔ دوسری آیت قولوا میں ملت ابراہیمی کا خلاصہ اور دین حق کا انحصار، اور تیسری آیت فان امنوا میں اس انحصار پر تفریع اور مخالفین کے قبول حق نہ کرنے پر آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے۔ چوتھی آیت صبغۃ اللہ میں اسلام کا مزید شرف ظاہر کرنے کے لئے دین ابراہیم سے بڑھ کر اللہ کی طرف اضافت فرمائی جارہی ہے جس سے توحید کا جو اصل دین ہے مزید اہتمام مقصود ہے کہ دین کی حقیقی اضافت اللہ کی طرف ہے البتہ نبی کی طرف اضافت بواسطہ تعلق تبلیغ کے ہے۔

شانِ نزول:............ابن ابی حاتم نے بطریق سعیدؓ یا عکرمہؓ حضرت ابن عباسؓ سے لباب النقول میں روایت تخریج کی ہے کہ ابن صوریا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا مَا الْھُدٰی اِلاَّ مَا نَحْنُ عَلَیْہِ فَاتَّبِعْنَا یَا مُحَمَّد تَھْتَدُوْا. نصاریٰ نے بھی اس قسم کے جملے کہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:......**ملتِ ابراہیمی کا متبع کون ہے؟:**............مشرکین عرب باوجود افعال شرکیہ کے محض ختنہ اور حج کی چند رسوم ادا کرلینے سے خود کو ملتِ ابراہیم کا متبع سمجھتے تھے۔ اسی طرح یہود ونصاریٰ باوجود قالت الیھود عزیز ابن اللہ وقالت النصٰری المسیح ابن اللہ عقائد شرکیہ کی آمیزش کے ملتِ ابراہیمی کا دعویدار قرار دیتے تھے اس لئے ایک ہی جملہ

"وما كان من المشركين" سے سب کا پردہ چاک کر دیا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہودیت ونصرانیت کی منسوخیت کے علاوہ تم لوگ شرک کی گندگی سے بھی آلودہ ہو اور ملتِ ابراہیمی ان تمام آلودگیوں سے مبرا اور منزہ ہے۔ وہ تو سب سے کٹ کر صرف حق سے جڑا ہوا ہے جس کو اسلام کے مرادف کہنا چاہئے۔ اسی لحاظ سے آنحضرت ﷺ کو ملت ابراہیمی کا متبع کہا گیا۔ بلکہ تمام انبیائے سابقین کے اتباع کا مشورہ "فبهدا هم اقتده" سے آپ کو دیا گیا ہے حالانکہ آپ مستقل نبی اور صاحبِ شریعت ہیں۔ حاصل یہ کہ تمام اہلِ حق کا مشن چونکہ ایک یعنی صرف اتباعِ حق رہا ہے اس لئے کہیں اس کو ملتِ ابراہیمی سے تعبیر کیا گیا ہے اور کہیں اسلام سے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:............ رہا یہ شبہ کہ ملت ابراہیمی اور اسلام جب ایک مشترک مذہب ہے تو اس کو موسوی یا عیسوی ملت بھی کہنا چاہئے۔ پھر اس لقب کی تخصیص کیوں کی گئی ہے؟ جواب یہ ہے کہ اول تو ابراہیم علیہ السلام چونکہ سب کے مسلمہ بزرگ تھے، ان خاص تعبیروں میں دوسروں کو ناگواری ہوتی، دوسرے شریعتِ اسلامیہ اور ملت ابراہیمی میں اصول وفروع جس درجہ مشترک متفق علیہ ہیں یہ اتحاد دوسری ملتوں میں نہیں پایا جاتا ہے بلکہ ان کی فروع میں تو کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ پس ایسا دین جس کی بنیاد سب کی تصدیق اور سب سے عقیدت ومحبت پر ہو اسی کو قبول کرنا چاہئے۔ یہودیت ونصرانیت علاوہ منسوخ ہونے کے ان کی بنیاد چونکہ تفریق وتکذیب پر ہے اس لئے وہ ناقابل قبول ہیں۔

قَالَ الْيَهُوْدُ لِلْمُسْلِمِيْنَ نَحْنُ اَهْلُ الْكِتَابِ الْاَوَّلِ وَقِبْلَتُنَا اَقْدَمُ وَلَمْ يَكُنِ الْاَنْبِيَاءُ مِنَ الْعَرَبِ وَلَوْ كَانَ مُحَمَّدٌ نَبِيًّا لَكَانَ مِنَّا فَنَزَلَ **قُلْ لَهُمْ اَتُحَاجُّوْنَنَا** تُخَاصِمُوْنَنَا **فِي اللّٰهِ** اَنِ اصْطَفٰى نَبِيًّا مِنَ الْعَرَبِ **وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ** فَلَهُ اَنْ يَّصْطَفِيَ مِنْ عِبَادِهٖ مَنْ يَّشَاءُ **وَلَنَآ اَعْمَالُنَا** نُجَازٰى بِهَا **وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ** تُجَازَوْنَ بِهَا فَلَايَبْعُدُ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ اَعْمَالِنَامَانَسْتَحِقُّ بِهِ الْاِكْرَام **وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾** الدِّيْنُ وَالْعَمَلُ دُوْنَكُمْ فَنَحْنُ اَوْلٰى بِالْاِصْطِفَاءِ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ وَالْجُمَلُ الثَّلٰثُ اَحْوَالٌ **اَمْ** بَلْ **تَقُوْلُوْنَ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ط قُلْ** لَهُمْ **ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ** اَيِ اللّٰهُ اَعْلَمُ وَقَدْ بَرَّاَ مِنْهُمَا اِبْرٰهِيْمَ بِقَوْلِهٖ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَانَصْرَانِيًّا وَالْمَذْكُوْرُوْنَ مَعَهٗ تَبَعٌ لَّهٗ **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ** اَخْفٰى مِنَ النَّاسِ **شَهَادَةً عِنْدَهٗ** كَائِنَةً **مِنَ اللّٰهِ ط** اَيْ لَااَحَدَاَظْلَمُ مِنْهُ هُمُ الْيَهُوْدُ كَتَمُوْا شَهَادَةَ اللّٰهِ فِى التَّوْرٰةِ لِاِبْرٰهِيْمَ بِالْحَنِيْفِيَّةِ **وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾** تَهْدِيْدٌ لَهُمْ **تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ج لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ج وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾** تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ ۔

ترجمہ:............ (یہود مسلمانوں سے کہنے لگے کہ ہم اول اہل کتاب ہیں، ہمارا قبلہ بھی قدیم ہے، ادھر عرب میں آج تک کوئی نبی نہیں آیا۔ محمد اگر نبی ہوتے تو ان کے بنی اسرائیل میں پیدا ہونا چاہئے تھا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں) فرما دیجئے آپ (ان سے) کہ کیا تم ہم سے حجت کئے جاتے ہو (مخاصمہ کرتے ہو) حق تعالیٰ کے معاملہ میں (کہ نبی عربی کا اس نے انتخاب کر دیا ہے) حالانکہ وہ ہمارا تمہارا پروردگار ہے (اس لئے اس کو حق ہے کہ جس کو چاہے انتخاب کر لے) ہم کو ہمارا کیا ہوا نفع دے گا (یعنی اس کا بدلہ ملے گا) اور تمہارے لئے تمہارا کیا ہوا کارآمد ہوگا (اس کا بدلہ تم کو ملے گا۔ اس لئے ہمارے بعض اعمال ممکن ہے ہمارے استحقاق اکرام کا

باعث ہوں) اور ہم نے صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنے کو خالص کر رکھا ہے (ہمارا دین و عمل اس کے لئے خالص ہے نہ کہ تمہارا اس لئے اس انتخاب کے ہم ہی مستحق ہیں۔ ہمزہ انکار کے لئے ہے اور تینوں جملے حالیہ ہیں) کیا (ام بمعنی بل) اب بھی کہے جاتے ہو (یقولون تا اور یا کے ساتھ ہے) کہ ابراہیمؑ واسماعیلؑ واسحاقؑ و یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ یہودی یا نصرانی تھے۔ فرما دیجئے آپؐ (ان سے) تم زیادہ واقف ہو یا اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ زیادہ باخبر ہیں درآنحالیکہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی یہودیت و نصرانیت سے یہ کہہ کر نفی فرمادی ہے ماکان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا اور مذکورہ دوسرے پیغمبر اس قول میں حضرت ابراہیمؑ کے تابع سمجھے جائیں گے) اور ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اخفاء کرے (لوگوں سے چھپائے) ایسی شہادت کو جو منجانب اللہ اس کے پاس (پہنچی) ہو (یعنی اس سے زیادہ ظالم کوئی نہیں ہے۔ اس کا مصداق یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے اللہ کی شہادت کو دربارۂ حنفیت ابراہیمؑ تورات میں چھپایا ہے) حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہاری کرتوت سے بےخبر نہیں ہیں (ان کے لئے یہ دھمکی ہے) یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی ان کا کیا ہوا ان کے کام آئے گا اور تمہارا کیا ہوا تمہارے کام آئے گا۔ اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی نہ ہوگی (پہلے بھی اس جیسی آیت گزر چکی ہے۔)

تحقیق وترکیب: ....فی اللہ ای فی دین اللہ ہمزہ اس میں انکار کے لئے ہے۔ دونکم یعنی آیت میں عبارت مضمر ہے ام یعنی ام متصلہ بمعنی ہمزہ بھی ہوسکتا ہے اور ام منقطعہ بمعنی بل بھی ہوسکتا ہے ہمزہ اضراب کے لئے ہوگا اور ایک توبیخ سے دوسری توبیخ کی طرف انتقال کے لئے ہے چنانچہ ابن عامرؒ حمزہؒ کسائیؒ حفصؒ کی قرأت یقولون اس کی مؤید ہے اس صورت میں صرف منقطعہ کے لئے ہوگا۔ اور بعض نے متصلہ کو بھی جائز کہا ہے جیسے اتقوم یا زید ام یقوم عمرو. میں متصلہ صحیح ہے۔ ام اللہ مبتداء محذوف الخبر ہے ای اعلم۔ یہاں ام متصلہ ہے اور استفہام انکاری ہے جس کا جواب مفسرؒ جلال نے ای اللہ اعلم سے نکالا ہے من اللہ اس میں براء ة من اللہ کی طرح من ابتدائیہ ہے۔ کتم بمعنی اخفی ہے یعنی متعدی ہے دو مفعول کی طرف اول محذوف ای اخفی الناس شھادۃ. شھادۃ اس کی صفت اول عندہ ہے اور صفت ثانیہ کی تقدیر کائنۃ سے مفسر محقق نے نکالی ہے۔ مجاہدؒ، حسنؒ، ربیعؒ کے نزدیک یہ کتمان شہادت دربارۂ حنفیت ابراہیمؑ تھی اور قتادہؒ وابن زیدؒ کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی نعت و نبوت کی شہادت کا اخفاء مراد ہے۔ تلک اس آیت کو اول آیت کی تاکید پر محمول کرلیا جائے یا اول آیت سے مراد انبیائے کرامؑ کی جماعت ہے اور اس آیت میں یہود و نصاریٰ کے دوسرے بزرگ اسلام مراد ہوں۔

ربط: ....اہل کتاب کے دعویٰ اختصاص حق کا ابطال پہلی آیت میں کیا جاچکا ہے تاہم پھر بھی وہ اپنے اس دعویٰ سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں ان آیات میں دوسرے طرز پر جواب کی تعلیم ہے۔

﴿تشریح﴾:...... بڑائی کا پندار اور خوابوں کی دنیا: ....اظہار اخلاص سے مقصود یہاں مسلمانوں کا دعویٰ کمال نہیں ہے بلکہ بسلسلۂ مناظرہ محض اپنے طریق حق کا اظہار کرنا ہے اسی طرح چونکہ اہل کتاب نسلی غرور اور پندار میں مبتلا تھے جو ساری خرابیوں کی جڑ تھی۔ اس لئے قرآن کریم نے اس پر ضرب کاری لگانی ضروری سمجھی۔ اور ابتدائی طور پر اول کلام میں بھی یہی جواب دیا گیا ہے اور اب پھر آخری جواب کی حیثیت سے اس کو تلک امۃ میں دہرایا جارہا ہے کہ پرانی لکیر تک پیٹتے رہو گے۔ وہ کاروانِ عمل جاچکا ہے، اب تم اپنی فکر کرو۔ تم ان کے اعمال کے ذمہ دار تو کیا ہوتے اس بارے میں تم سے انکا تذکرہ تک نہیں کیا جائے گا۔ تم کس خواب وخیال میں ہو، ذرا خوابوں کے محل سے نکل کر میدانِ عمل میں اترو۔

پارہ نمبر ﴿۲﴾
سَیَقُولُ

پارہ سَیَقُوْلُ

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ الْجُهَّالُ مِنَ النَّاسِ اَیِ الْیَهُوْدِ وَالْمُشْرِکِیْنَ مَاوَلّٰهُمْ اَیُّ شَیْءٍ صَرَفَ النَّبِیَّ وَالْمُؤْمِنِیْنَ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ کَانُوْا عَلَیْهَا ط عَلٰی اِسْتِقْبَالِهَا فِی الصَّلٰوۃِ وَهِیَ بَیْتُ الْمَقْدِسِ وَالْاِتْیَانُ بِالسِّیْنِ الدَّالَّةِ عَلَی الْاِسْتِقْبَالِ مِنَ الْاَخْبَارِ بِالْغَیْبِ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ط اَیِ الْجِهَاتُ کُلُّهَا فَیَاْمُرُ بِالتَّوَجُّهِ اِلٰی اَیِّ جِهَةٍ شَاءَ لَا اِعْتِرَاضَ عَلَیْهِ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ هِدَایَتَهٗ اِلٰی صِرَاطٍ طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۴۲﴾ دِیْنِ الْاِسْلَامِ اَیْ وَمِنْهُمْ اَنْتُمْ دَلَّ عَلٰی هٰذَا وَکَذٰلِکَ کَمَا هَدَیْنَاکُمْ اِلَیْهِ جَعَلْنٰکُمْ یَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ اُمَّةً وَّسَطًا خِیَارًا عُدُوْلًا لِّتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّ رُسُلَهُمْ بَلَّغَتْهُمْ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا ط اَنَّهٗ بَلَّغَکُمْ وَمَا جَعَلْنَا صَیَّرْنَا الْقِبْلَةَ لَکَ الْاٰنَ الْجِهَةَ الَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْهَآ اَوَّلًا وَهِیَ الْکَعْبَةُ وَکَانَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ اِلَیْهَا فَلَمَّا هَاجَرَ اُمِرَ بِاسْتِقْبَالِ بَیْتِ الْمَقْدِسِ تَاَلُّفًا لِلْیَهُوْدِ فَصَلّٰی اِلَیْهِ سِتَّةَ اَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا ثُمَّ حُوِّلَ اِلَّا لِنَعْلَمَ عِلْمَ ظُهُوْرٍ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ فَیُصَدِّقُهٗ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ ط اَیْ یَرْجِعُ اِلَی الْکُفْرِ شَکًّا فِی الدِّیْنِ وَظَنًّا اَنَّ النَّبِیَّ فِیْ حَیْرَةٍ مِنْ اَمْرِهٖ وَقَدِ ارْتَدَّ لِذٰلِکَ جَمَاعَةٌ وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِیْلَةِ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَیْ وَاِنَّهَا کَانَتْ اَیِ التَّوْلِیَةُ اِلَیْهَا لَکَبِیْرَةً شَاقَّةً عَلَی النَّاسِ اِلَّا عَلَی الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ ط مِنْهُمْ وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ ط اَیْ صَلَاتَکُمْ اِلٰی بَیْتِ الْمَقْدِسِ بَلْ یُثِیْبُکُمْ عَلَیْهِ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا السُّؤَالُ عَمَّنْ مَاتَ قَبْلَ التَّحْوِیْلِ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ الْمُؤْمِنِیْنَ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۳﴾ فِیْ عَدَمِ اِضَاعَةِ اَعْمَالِهِمْ وَالرَّاْفَةُ شِدَّةُ الرَّحْمَةِ وَقُدِّمَ الْاَبْلَغُ لِلْفَاصِلَةِ ۔

ترجمہ: .... اب تو بے وقوف (جاہل) لوگ (یہود و مشرکین) ضرور کہیں گے کہ کس چیز نے ان کو پھیر دیا۔ (آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو کس چیز نے تبدیل کر دیا) اس قبلہ سے جس کی طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے (نماز میں اس کا استقبال کیا کرتے تھے مراد بیت المقدس ہے اور سین استقبالیہ کا لانا اخبار غیب کی طرف اشارہ ہے) آپ فرما دیجئے مشرق و مغرب سب اللہ کے ہیں (ساری سمتیں اس کی

ہیں، جس طرف چاہے حکم دے سکتا ہے اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟) خدا جس کو (جس کی ہدایت) چاہیں سیدھی راہ (دین اسلام) بتلا سکتے ہیں (چنانچہ اے مسلمانو! تم بھی انہی میں ہو جیسا کہ اگلا جملہ "کــذالـک" اس پر دلالت کرتا ہے) اور ہم نے ایسی ہی (جس طرح تم کو ہدایت دی ہے) تم کو بنادیا ہے (اے امت محمد) نہایت اعتدالی جماعت (بہترین عادل) تا کہ تم لوگوں کے مقابلہ میں (قیامت میں) گواہ بن سکو (کہ انبیاء نے اپنی امتوں کو تبلیغ فرمادی تھی) اور تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ گواہ ہو سکیں (کہ آنحضرت ﷺ نے تم کو تبلیغ کردی ہے) اور ہم نے نہیں بنایا تھا (نہیں کیا تھا) قبلہ (آپ کے لئے اس وقت سمت) اس جانب کو جس پر آپ (اس سے پہلے) تھے (یعنی کعبہ کہ آنحضرت ﷺ اس کی سمت نماز پڑھا کرتے تھے لیکن جب آپ نے ہجرت فرمائی تو یہود کی تالیف قلب کے لئے آپ کو بیت المقدس کے استقبال کا حکم دیا گیا تھا۔ چنانچہ سولہ یا سترہ ماہ آپ نے اس طرف رخ کر کے نمازیں پڑھیں پھر تبدیل ہو گئے) مگر محض اس مصلحت سے کہ ہم کو (ظاہر طور پر بھی) معلوم ہو جائے کہ کون رسول کی اتباع (تصدیق) کرتا ہے اور کون پیچھے ہٹ جاتا ہے (یعنی دین میں شک کرتے ہوئے اور یہ گمان کر کے آنحضرت ﷺ دربارہ قبلہ حیرت میں ہیں مرتد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک جماعت اس بنیاد پر مرتد بھی ہوگئی) اور یقیناً (ان مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی وانھا ہے) تھا (تحویل قبلہ) بڑا دشوار امر (شاق لوگوں پر) بجز ان لوگوں کے کہ خدا نے (ان کو) ہدایت فرمائی اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان ضائع کردیں (یعنی بیت المقدس کی سمت پڑھی ہوئی نمازیں بلکہ تم کو ان پر ثواب عنایت فرمائے گا۔ اس آیت کا سبب نزول تحویل قبلہ سے پہلے وفات شدہ لوگوں کی نمازوں کی بابت دریافت کرنا تھا) واقعی اللہ تعالیٰ لوگوں (مسلمانوں) پر بہت ہی شفیق مہربان ہیں (کہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہونے دیئے، رافة کے معنی شدت رحمت کے ہیں اور باوجودیکہ اس لفظ میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے صرف رعایت فاصلہ کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔ یعنی قیاس کا مقتضی اگرچہ یہ تھا کہ ترقی من الادنی الی الاعلیٰ کے لحاظ سے رحیم پہلے اور رافة بعد میں ہوتا۔)

تحقیق وترکیب: .... سیقول یہ آیت دوسری آیت "قدنری" سے نزولاً وتلاوۃً دونوں طرح مقدم ہے یا صرف تلاوۃً مقدم ہے اور نزولاً موخر ہے۔ دونوں قول ہیں۔ اول صورت میں صیغہ مستقبل اپنی اصل پر ہوگا اور مقصود پیشن گوئی ہوگی تا کہ جواب کے لئے آپ اور مسلمان تیار ہو جائیں اور اعتراض زیادہ ناگوار نہ رہے اور دوسری صورت میں مضارع (معنی) میں ماضی ہوگا۔

من الناس حال ہونے کی وجہ سے موضع نصب ہوگا اور یقول عامل ہوگا۔ **ماولٰھم** جلال مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ ما استفہامیہ ہے اور ولھم خبر ہے ان کی اصل ولی ہے دوسری چیز کا پہلی چیز کے فوراً بعد حاصل ہونا۔

وسـطـا درمیانی درجہ بہتر ہوتا ہے جو کچھ آفات ہوتی ہیں وہ زیادہ تر اطراف اور کناروں تک محدود رہتی ہیں۔ اس لئے وسطا بمعنی اخیار ہے یا بمعنی عدول ہے کیونکہ وسطانی اور مرکزی چیز سب کناروں سے مساوی البعد ہوتی ہے کسی سے قریب کسی سے بعید نہیں ہوتی۔

الجھة حذف موصوف کی طرف اشارہ ہے جو جعل کا مفعول ثانی ہے اور مفعول اول القبلة ہے اول اوھی الکعبة یہ رائے ابن جریر کی ہے جو ابن عباس سے نقل کی ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ **القبلة التی کنت علیھا** سے مراد بیت المقدس ہو۔ بہر حال اول صورت میں قبلہ سے مراد ناسخ قبلہ ہوگا اور دوسری صورت میں منسوخ قبلہ ہوگا۔ البتہ پہلی صورت میں چونکہ دو مرتبہ نسخ ماننا پڑتا ہے اس لئے علامہ ابن حجر نے دوسری صورت کو اختیار کیا ہے۔

عـلـم ظھور یعنی حق تعالیٰ کا فی نفسہ علم تو قدیم ہے لیکن اس کا ظہور حادث ہوسکتا ہے جو یہاں مراد ہے یا یوں کہا جائے کہ اس علم کا متعلق بھی یعنی بعض کا ایمان لانا اور بعض کا کفر اختیار کر لینا۔ یہ فی الحقیقت حادث ہے **ممن ینقلب** اس میں من فصل کے لئے ہے جیسے **واللہ یعلم المفسد من المصلح** ہے چونکہ انسان کا حقیقۃً انقلاب علیٰ عقبیہ ناممکن ہے اس لئے جلال محقق نے **یرجع الی الکفر**

سے معنی مجاز کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ وان کانت. ان مخففہ اوران نافیہ میں استعمالی فرق یہ ہوتا ہے کہ اول کی خبر پرلام تاکید آتا ہے اور دوسرے کے بعد الا آتا ہے۔ کانت کی ضمیر قبلہ کی طرف ہے۔ یاوما جعلنا القبلة سے جوردة اور تحولیة اور جعلة سمجھی جاتی ہے اس کی طرف راجع ہے۔ ایمانکم کی تفسیر صلوتکم کے ساتھ کرنے کی وجہ بتلانے کے لئے جلال محققؒ نے سبب نزول کا حوالہ دیا ہے۔

رؤف رحیم دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں لیکن اول میں دفع ضرر کے معنی ہیں اور دوسرے میں دفع ضرر اور افضال کے عام معنی ہیں اور دفع ضرر اہم ہوا کرتا ہے اس لئے قرآن کریم میں روف کو رحیم سے پہلے لایا گیا ہے اور جلال مفسرؒ نے دوسرا نکتہ للفاصلة بیان کیا ہے کہ اگر چہ اول بہ نسبت دوسرے کے ابلغ ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ ہونی چاہئے جیسا کہا جائے فلان عالم نحریر لیکن آیت سابق کا فاصلہ میم ہے اسی کی رعایت سے یہاں رحیم کو مؤخر لایا گیا ہے اور فاصلہ کہتے ہیں آیت کے آخری حرف کو جیسے شعر کے لئے قافیہ ہوتا ہے۔

ربط:.......... نسخ قبلہ کی تمہید جو آیت ما ننسخ سے شروع ہوچکی تھی اور آیت ''واذ ابتلی'' میں اس کے بعض اجزاء پر روشنی ڈالی گئی تھی یہاں سے مستقلاً اس مصالح پر کلام کیا جارہا ہے۔ سب سے پہلے حاکمانہ جواب اور اس کی تمہید میں ان کے جاہلانہ اعتراض کی تصریح ہے اس کے بعد بطور جملہ معترضہ امت محمدیہ کے مدح ومنقبت ہے اور پھر سلسلۂ کلام تحویل قبلہؒ کی حکمت کی طرف منتقل ہوگیا ہے۔

شانِ نزول:.......... امام بخاریؒ نے آیت سیقول کے ذیل میں برآءرضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے اور سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے لیکن اصلی دلی رغبت آپ کی اپنے آبائی قبلہ بیت اللہ کی طرف رہی تو حق تعالیٰ نے آیت قد نری تقلب نازل فرمائی اور ابواسحٰق اور عبیدؒ ابن حمید اور ابوحاتم کی روایت میں آیت سیقول السفهاء کا مزید اضافہ بھی ہے۔

اور آیت کذلك جعلنا کم کے شانِ نزول میں امام احمد وغیرہ نے ابوسعید سے تخریج کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں بعض انبیاءؑ علیہم السلام اس حال میں آئیں گے کہ کسی کے ساتھ ایک دو یا اس سے زیادہ متبعین ہوں گے وہ اپنی قوم سے تبلیغ کی تصدیق چاہیں گے لیکن قوم جب انکار کرے گی تو آنحضرت ﷺ اور امتِ محمدیہ کو اپنی گواہی میں پیش کریں گے چنانچہ یہ امت انبیاءؑ کے موافق گواہی دے گی۔ اصحاب امت سے دریافت کیا جائے گا کہ تم کو کیونکر معلوم ہوا۔ عرض کریں گے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ان واقعات کی اطلاع ہم کو ہوئی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ سے مدعا علیہ کے انسداد حرج کے لئے گواہوں کے معتبر ہونے کے متعلق سوال ہوگا آپ ان کی تعدیل وتوثیق فرمائیں گے اور معتبر ہونے کی شہادت دیں گے اس پر احکم الحاکمین کے اجلاس سے فیصلہ کردیا جائے گا۔

وما کان اللہ لیضیع کے شانِ نزول کی طرف جلال مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ حیی بن الاخطب اور اس کے رفقاء یہود نے مسلمانوں کو مغالطہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ بیت المقدس کا استقبال دو حال سے خالی نہیں ہے اگر ہدایت تھا تو اب تم گمراہی کی طرف ہوگئے ہو اور اگر غلط تھا تو پہلے کیوں گمراہ رہے۔ نیز جن مسلمانوں کا انتقال تحویل قبلہ سے پہلے ہوگیا ان کی تمام نمازیں ضائع اور برباد ہوئیں۔ یہ سن کر کچھ مسلمانوں کو بے چینی ہوئی اور آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾:...... تحویل قبلہ کا حاکمانہ جواب:.......... حاصل حاکمانہ جواب کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرق ومغرب

اور تمام سمتوں کے مالک ہیں وہ جس سمت چاہیں قبلہ تجویز کر سکتے ہیں کسی کو کیا حق اعتراض ہے اور وہ جس کو راہ ہدایت دکھلاتے ہیں وہ بے چون وچرا اس کے حکم کو قبول کر لیتا ہے خواہ مخواہ کی علتیں ڈھونڈتا نہیں پھرا کرتا اور فی الحقیقت سلامتی اور امن واطمینان بھی اسی طریقہ میں ہے جس کو ''صراط مستقیم'' کہا گیا ہے۔

صراطِ مستقیم:......... آجکل جو نوخیز طبائع احکام کی علتیں ڈھونڈا کرتی ہیں اور ہر حکم کی فلاسفی معلوم کرنے کا جوش طبائع میں موجزن رہتا ہے جن میں سے بعض کی غرض تو احکام شرعیہ کی توہین یا تکذیب اور اس پر اعتراض کرنا ہوتا ہے اور بعض اس حیلہ بہانہ سے عمل کرنے سے جان چرانا چاہتے ہیں اور بعض کی غرض تو بری اور بدنیتی نہیں ہوتی لیکن کچھ دقیق اور کافی نہ ہونے کی وجہ سے اکثر نتیجہ بد اعتقادی اور بددینی ہوتا ہے۔ یہ سب اس طریق ہدایت چھوڑنے کا دراصل نتیجہ ہے۔

امت محمدیہ کی شہادت پر تین شبہات:......... کذالک جعلناکم کے سلسلہ میں جو روایت پیش کی گئی ہے بظاہر اس پر تین شبہے وارد ہو سکتے ہیں وہ اور ان کے جوابات نقل کئے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ انبیاء علیہم السلام چونکہ مقدمہ میں فریق کی حیثیت سے ہوں گے اس لئے باوجود افضل اور زیادہ معتبر ہونے کے امت محمدیہ کی شہادت ان کے حق میں معتبر ہوگی اگرچہ امت ان سے کم درجہ اور کم رتبہ ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ امت محمدیہ کی شہادت کو یہ کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا کہ جب انبیاء کی بات نہیں مانی گئی تو تمہاری شہادت کیسے مانی جائے گی کیونکہ اجمالی جرح کا حق گواہوں کے متعلق مدعا علیہ کو حاصل نہیں ہوتا اور یہ دونوں باتیں عدالتی معاملات سے بآسانی سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

تیسرے یہ کہ امت محمدیہ بہت زمانہ بعد میں آنے کی وجہ سے اگرچہ ان واقعات کا معائنہ کئے ہوئے نہیں ہوگی لیکن شہادت کا مدار اصل صحت ویقین پر ہوتا ہے۔ بغیر مشاہدہ کسی اور ذریعہ سے بھی اگر یقین ہو جائے جیسے فوجداری مقدمات میں ڈاکٹری معائنہ جو بلا مشاہدہ کے محض فنی مہارت کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جس میں ضربات شدیدہ خفیفہ کو بیان کیا جاتا ہے اور یہ رپورٹ سرکاری طور پر معتبر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی وحی کی قطعیت سے یقین کا حاصل ہونا مشاہدہ حسی سے بے نیاز بنا رہا ہے۔ اس لئے اس کے نامعتبر ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ باقی آنحضرت ﷺ کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی تعدیل وتوثیق صرف انسداد جرح مدعا علیہ کی وجہ سے ہوگی۔

اعتدال امتِ محمدیہ:......... امت کا معتدل ہونا بایں معنی ہے کہ یہود ونصاریٰ کی طرح ان میں افراط وتفریط نہیں پائی جاتی۔ علیٰ ہذا ان کو احکام بھی معتدل دیئے گئے ہیں۔ افراط وتفریط سے خالی ہیں۔ نہ زیادہ سخت نہ زیادہ نرم۔ اسی طرح یہاں تحویل قبلہ کے موقعہ پر بھی وہ اعتدال پسند رہے ہیں نہ ایسے عامی اور معمولی سمجھ کے کہ اگر حکم کی مصلحت وحکمت سمجھائی جائے۔ تب بھی نہ سمجھ سکیں اور نہ ایسے فلسفی کہ اگر لم نہ بتلائی جائے تو ایک قدم بھی آگے نہ بڑھیں۔ پس یہ ہر طرح معتدل ہیں۔ اس لئے بڑے اچھے ہیں۔ بہر حال بیت المقدس کا قبلہ ہونا تو عرب پر گراں تھا اور اس کا منسوخ ہونا یہود کو گراں گزرا اور ان کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بعض سادہ لوح مرتد بھی ہو گئے۔

تحویلِ قبلہ ایک دفعہ ہوئی یا دو دفعہ:......... اور بعض اہل تفسیر کی رائے ہے کہ مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے بھی آپ ﷺ بیت المقدس کا استقبال فرماتے تھے لیکن اس طرح کہ بیت اللہ کو درمیان میں لیتے تھے تاکہ دونوں کا استقبال ہو جائے۔ البتہ ظاہری طور پر لوگوں کو پتہ نہیں چل سکا۔ جب مدینہ تشریف لانا ہوا تو سمتیں مختلف ہونے کی وجہ سے دونوں کا اجتماع نہ ہو سکا۔ اور سولہ سترہ مہینے صرف

بیت المقدس کا استقبال فرماتے تھے۔ مگر دلی منشاء کے مطابق بیت اللہ کے استقبال کے خواہش مند رہے اور چونکہ حقیقۃً پہلے ہی سے سب باتیں حق تعالیٰ کو معلوم ہوتی ہیں اور بالاجمال اس کا عقیدہ اہل حق رکھتے بھی ہیں لیکن اس واقعہ کے ظہور سے پہلے لوگوں کو علم خداوندی کا حال بالتفصیل معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے علم کے ظہور کی قید کا اضافہ جلال محقق نے فرمادیا ہے کہ اس کے بعد لوگوں پر اس چیز کے علم خداوندی میں ہونے کا حال ظاہر ہوجاتا ہے۔

قَدْ للتَّحقِيقِ **نَرٰى تَقَلُّبَ** تَصَرُّفَ **وَجْهِكَ فِي** جِهَةِ السَّمَآءِ **السَّمَآءِ** مُتَطَلِّعًا اِلَى الْوَحْيِ وَمُتَشَوِّقًا لِلْاَمْرِ بِاسْتِقْبَالِ الْكَعْبَةِ وَكَانَ يَوَدُّ ذٰلِكَ لِاَنَّهَا قِبْلَةُ اِبْرٰهِيمَ وَلِاَنَّهُ اَدْعٰى اِلَى اِسْلَامِ الْعَرَبِ **فَلَنُوَلِّيَنَّكَ** نُحَوِّلَنَّكَ **قِبْلَةً تَرْضٰهَا** تُحِبُّهَا **فَوَلِّ وَجْهَكَ** اِسْتَقْبِلْ فِي الصَّلٰوةِ **شَطْرَ** نَحْوَ **الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** اَيِ الْكَعْبَةِ **وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ** خِطَابٌ لِلْاُمَّةِ **فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ** فِي الصَّلٰوةِ **شَطْرَهٗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ** اَيِ التَّوَلِّيَ اِلَى الْكَعْبَةِ **الْحَقُّ** الثَّابِتُ **مِنْ رَّبِّهِمْ** لِمَا فِي كُتُبِهِمْ مِنْ نَعْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَنَّهُ يَتَحَوَّلُ اِلَيْهَا **وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۴۴﴾ بِالتَّاءِ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ اِمْتِثَالِ اَمْرِهٖ وَبِالْيَاءِ اَيِ الْيَهُوْدُ مِنْ اِنْكَارِ اَمْرِ الْقِبْلَةِ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ** عَلٰى صِدْقِكَ فِي اَمْرِ الْقِبْلَةِ **مَّا تَبِعُوْا** اَيْ لَا يَتَّبِعُوْنَ **قِبْلَتَكَ** عِنَادًا **وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ** قَطْعٌ لِطَمْعِهٖ فِي اِسْلَامِهِمْ وَطَمْعِهِمْ فِي عَوْدِهٖ اِلَيْهَا **وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ** اَيِ الْيَهُوْدُ قِبْلَةَ النَّصَارٰى وَبِالْعَكْسِ **وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ** الَّتِيْ يَدْعُوْنَكَ اِلَيْهَا **مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ** الْوَحْيِ **اِنَّكَ اِذًا** اِنِ اتَّبَعْتَهُمْ فَرْضًا **لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۱۴۵﴾ **اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ** اَيْ مُحَمَّدًا **كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ** بِنَعْتِهٖ فِي كِتَابِهِمْ قَالَ ابْنُ سَلَامٍ لَقَدْ عَرَفْتُهٗ حِيْنَ رَاَيْتُهٗ كَمَا اَعْرِفُ ابْنِيْ وَمَعْرِفَتِيْ لِمُحَمَّدٍ اَشَدُّ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ **وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ** نَعْتَهٗ **وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۴۶﴾ هٰذَا الَّذِيْ اَنْتَ عَلَيْهِ **اَلْحَقُّ** كَائِنًا **مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ** ﴿۱۴۷﴾ الشَّاكِّيْنَ فِيْهِ اَيْ مِنْ هٰذَا النَّوْعِ فَهُوَ اَبْلَغُ مِنْ لَا تَمْتَرِ

ترجمہ:......... یقیناً (قد تحقیق کے لئے) ہم دیکھ رہے ہیں بار بار اٹھانا (گھمانا) آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف۔ انتظار وحی اور استقبال کعبہ کے حکم کے شوق میں اور آپ کو یہ اس لئے مرغوب تھا کہ یہ آپ کا آبائی قبلہ تھا اور عرب کے اسلام لانے میں مؤثر ہوتا) اس لئے ہم آپ کو متوجہ کردیں گے (تحویل کا حکم دے دیں گے) اس قبلہ کی طرف جس کے لئے آپ کی مرضی ہے (آپ پسند کرتے ہیں) اب سے اپنا رخ (نماز میں استقبال) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کیا کیجئے۔ اور تم لوگ (خطاب امت کو ہو) جہاں کہیں بھی ہوا کرو کرلیا کرو اپنے چہروں کو (نماز میں) مسجد حرام کی جانب اور یہ اہل کتاب بھی یقیناً جانتے ہیں کہ یہ (تحویل قبلہ کا حکم) بالکل ٹھیک

(ثابت) ہے۔ان کے پروردگار کی جانب سے (ان کی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے اوصاف کے سلسلہ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ آپ تحویلِ قبلہ کریں گے) اور اللہ تعالیٰ ان کی کاروائیوں سے کچھ بے خبر نہیں ہیں (یعلمون تا کے ساتھ ہے یعنی مومنین کا امتثالِ امر مراد ہے اور یا کے ساتھ ہے تو یہود کا انکارِ قبلہ مراد ہے) اور اگر (اس میں لام قسمیہ ہے) آپ اہل کتاب کے سامنے تمام دلائل پیش کر دیں گے (قبلہ کے سلسلہ میں اپنی صداقت پر) جب بھی یہ قبول نہیں کریں گے (تقلید نہیں کریں گے) آپ کے قبلہ کو (عناد کی وجہ سے) اور آپ بھی ان کے قبلہ کی تقلید نہیں کر سکتے (اس میں ان کے اسلام سے آپ کو ناامید کرنا ہے اور ان کی امید کو آپؐ کے رجوع سے منقطع کرنا ہے) اور ان میں آپس میں بھی بعض ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع نہیں کرتے (یعنی یہود قبلہ نصاریٰ کا اور نصاریٰ قبلہ یہود کا) اور آپ اگر ان کے نفسانی خیالات کی پیروی کرنے لگے (جس کی طرف یہ آپ کو بلا رہے ہیں) آپ کے پاس علم (وحی) آجانے کے بعد تو آپ یقیناً اس وقت (کہ بالفرض آپ ان کا اتباع کر بیٹھیں) ظالموں میں شمار ہونے لگیں گے۔جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ (رسول اللہ ﷺ کو) ایسا پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (آپ کی تعریف سے جو ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔ عبداللہ بن سلام کا بیان ہے کہ میں نے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا جس طرح اپنے بیٹے کی شناخت کر لیتا ہوں بلکہ آنحضرت ﷺ کی شناخت بیٹے کی شناخت سے بھی بڑھ کر ہے بخاری کی یہ روایت ہے) اور بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ کتمانِ حق کرتے ہیں (درباره آپ کی نعت کے) باوجودیکہ وہ خوب جانتے ہیں (کہ آپ جس طریقہ پر ہیں وہ حق منجانب اللہ (ثابت) ہے۔سو ہرگز آپ شک وشبہ میں پڑنے والوں سے مت ہو جایئے (اس میں شبہ کرنے والوں سے نہ ہو جایئے۔یعنی آپ اس قسم میں شمار ہی نہ ہو جایئے اس لئے یہ طرزِ تعبیر لفظ لا تمتر سے زیادہ بلیغ ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... **قد** یہاں تقلیل کے لئے ماننا صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایک دو دفعہ نگاہ اٹھانے والے کو مقلب البصر نہیں کہا جاتا۔البتہ قد تحقیقیہ لینا صحیح ہے۔تولیۃ جب کہ خود متعدی بدو مفعول ہو تو فلنو لینك کے معنی یا فلنملننک کے ہوں گے۔یا فلنجعلنک تلی جھتھا کے ہوں گے اور اگر متعدی بیک مفعول ہو تو اس کے معنی صرف عن الشئ یا صرف الی الشئ کے ہوں گے اول حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا پھر اگلے جملہ میں ول سے حکم صادر فرما دیا۔اس میں دوہری لذت وسرور مقصود ہے۔

شطر بمعنی نصف وجزو شیئے اور جہت کے معنی میں آتا ہے۔حدیث شریف میں آتا ہے **الطھور شطر الایمان**.

الکعبة مکعب اور چوکور چیز کو کہتے ہیں۔چونکہ یہ مکان چوکور ہے اس لئے تسمیۃ المحاط باسم المحیط کے طور پر اس کو کعبہ کہنے لگے۔علامہ زمخشریؒ کی رائے یہ ہے کہ کعبہ کی بجائے ''مسجد الحرام'' کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ قریب رہنے والوں کے لئے تو عین کعبہ کا استقبال ضروری ہے۔لیکن دور والوں کے لئے یہ توسع کیا گیا ہے کہ اگر بجائے عین کعبہ مسجد حرام کا استقبال کر لیا جائے جس کو جہتِ کعبہ کا استقبال کہتے ہیں اور وہ پہلے سے زیادہ وسیع ہے تب بھی جائز ہے۔جس کی شناخت کی آسان صورت یہ ہے کہ مصلی کی نگاہ سے اگر خطِ مستقیم فرض کیا جائے اور اس پر دوسرا خط مستقیم کعبہ پر سے مرور کرتا ہوا کھینچا جائے تو زوایہ قائمہ بن جائے تو یہ علامت ہوگی درستگی جہت کی۔یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ کا اور شوافع نے بھی اس کو ترجیح دی ہے اور شرح السنہ میں لکھا ہے کہ مسجد حرام کی مراد میں اختلاف ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اہل مسجد حرام کے لئے بیت اللہ کا مصداق اور اہل حرم کے لئے مسجد حرام اور بیرونی لوگوں کے لئے پورا حرم مسجد حرام ہے۔اور بعض کی رائے میں مسجد حرام سے مراد صرف کعبہ ہے اور بعض کے نزدیک سب کے لئے پوری مسجد حرام اور بعض کے نزدیک پورا حرم ہے۔کعبہ اور قبلہ سے مراد فقہاء کے نزدیک اتنے حصے کی فضا اور جو آسمان سے لے کر زمین تک ہے صرف تعمیر اور

دیواروں کا مجموعہ مراد نہیں ہے۔

قطع لطمعهم پہلی دونوں جملوں پران دونوں وجوہ کو لف ونشر مرتب کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ **ولئن اتیت** کا عطف **وان الذین** پر ہے اور **وما الله الخ** جملہ معترضہ ہے۔ **الظالمین** اس میں اتباع حق پر برانگیختہ کرنا ہے اور اتباع ہوئی کرنے والے اور ترکِ دلیل کرنے والے کے لئے سخت دھمکی ہے اور بعض کی رائے ہے کہ بظاہر خطاب آپ ﷺ کو ہے مگر سنانا امت کو ہے۔

کما یعرفون کاف محل نصب میں ہے مصدر محذوف کی نعت ہونے کی وجہ سے یا بناء بر ضمیر سے حال ہونے کے یہ سیبویہ کا مذہب ہے پہلی صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **معرفة کائنة مثل معرفة ابناء هم** اور دوسری صورت میں اس طرح ہوگی **یعرفونه المعرفة مماثلة لمعرفتهم ابناء هم** اور **کما** میں **ما** مصدریہ ہے۔ ای **کمعرفة ابناء هم** علامہ آلوسیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہاں معرفتِ عقلیہ کو معرفت حسیہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور جامع عدم اشتباہ ہے۔ **یعرفونه** کی ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف جلال محققؒ نے راجع کی ہے اگر چہ مرجع کا ذکر صراحۃً پہلے نہیں تھا لیکن فحوائے کلام سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔

الحق من ربک جملہ مستانفہ ہے **الحق** مبتدا اور **من ربک** خبر ہے۔

ربط: .... حاکمانہ جواب کے بعد یہاں سے تین حکیمانہ جوابات کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔ اول آیت میں پہلی حکمت کا بیان ہے۔ دوسری آیت **ولئن اتیت الخ** میں اہل کتاب کا عناداً قبلہ کو نہ ماننا اور تیسری آیت میں اسی طرح عناداً آنحضرت ﷺ کو نہ ماننا بیان کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ دونوں باتیں دل سے حق جانتے ہیں۔

شانِ نزول: .... نسائی کی روایت میں ابوسعید بن المعلیٰ سے یہ ہے کہ ایک دفعہ صبح کے وقت فرماتے ہیں کہ ہمارا گذر مسجد نبوی پر ہوا تو ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہیں۔ ہم نے خیال کیا کہ ضرور کوئی نئی بات پیش آئی ہے۔ چنانچہ آپ نے آیت **قد نری تقلب وجهک الخ** تلاوت فرمائی۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے منبر سے اترنے سے پہلے ہمیں دوگانہ ادا کر لینا چاہئے۔ تاکہ سب سے اول تحویل قبلہ کی تعمیل کرنے والے ہم ہوں۔ چنانچہ ہم نے دوگانہ ادا کیا اور آپ نے اتر کر لوگوں کو ظہر پڑھائی۔ اس باب میں تحویل قبلہ کی جو روایت مشہور ہے کہ آپ نماز ہی کی حالت میں گھوم گئے، تو روح المعانی میں اس کو غیر صحیح لکھا ہے۔ بہر حال نصف رجب کو پیر کے دن ہجرت سے چھ ماہ بعد تحویل قبلہ کا حکم ہوا اور آیات نازل ہوئیں۔ بقول صاحبِ اتقان ابن عباسؓ کے قول پر یہ آیت پہلی آیت **فاینما تولوا** کے لئے ناسخ ہوگی اور دوسرے حضرات کے نزدیک ایسا نہیں ہے بلکہ دونوں آیات معمول بہا ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

﴿تشریح﴾: ......**تحویل قبلہ کے حکیمانہ جوابات:** .... (۱) تحویل قبلہ کی پہلی مصلحت کا حاصل یہ ہے کہ آپ کی خوشنودی مزاج چونکہ ہم کو ملحوظ ہے اس لئے اس کی رعایت بھی ہم نے کی ہے۔ اس سے آپ کی شان مرادیت کا پتہ چلتا ہے کہ محبوب رب العالمین ہیں۔ باقی خود آپ کی اس خوشی کی وجہ یہ ہوگی کہ چونکہ منجملہ علامات نبوت کے ایک علامت آپ کے لئے تحویل قبلہ کا ہونا تھا۔ اس لئے طبعاً اس سے رغبت ومحبت آپ ﷺ میں پیدا کر دی گئی تھی۔ آگے **ولئن اتیت الخ** میں یہ بتلانا ہے کہ اہل کتاب کا تحویل قبلہ پر اعتراض کرنا محض تعصب اور گروہ بندی کا نتیجہ ہے۔ اگر ان میں حق پرستی ہوتی تو خود وہ قبلہ کے بارہ میں اس طرح کیوں دست و گریباں ہوتے کہ یہودی عیسائیوں کا قبلہ نہیں مانتے اور عیسائی یہودیوں کے قبلہ کے منکر ہیں۔ اس طرح دونوں کا قبلہ ایک بیت المقدس ہوتے ہوئے بھی گویا ایک نہیں ہے۔ ایک کی سمت مشرق ہے اور دوسرے کی سمت مغرب ہے۔ جب صورت حال یہ ہو تو ایسے

لوگوں کے اتفاق واختلاف سے قطع نظر کر لینی چاہئے جنہوں نے حق سے بالکل ایک قلم کنارہ کشی کر لی ہو۔

آنحضرت ﷺ کی شناخت بیٹوں سے بھی زیادہ ہے:............الذین اتینھم الخ کے سلسلہ میں مفسر نے جو شان نزول بیان کیا ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ بیوی میں تو خیانت کا احتمال بھی ہے جس سے بیٹا ہونے میں شبہ ہوسکتا ہے لیکن آپ ﷺ کی نبوت میں تو اتنا بھی شبہ نہیں ہے۔ اس میں ایک اعتبار سے اہل علم کو اور ایک لحاظ سے غیر اہل علم کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ مشبہ بہ یعنی بیٹا ہونا جب یقینی نہیں ہے تو مشبہ یعنی رسول اللہ کی معرفت کیسے یقینی ہوسکتی ہے؟ کیونکہ مشبہ مشبہ بہ کے مقابلہ میں کمزور ہوا کرتا ہے تو یہاں مشبہ کا یقینی ہونا بہت ہی سست ہوگیا۔ جواب یہ ہے کہ یہاں بیٹے کا بیٹا ہونا ملحوظ نہیں ہے بلکہ بیٹے کی صورت ملحوظ ہے یعنی بیٹے کی صورت دیکھ کر اس کے شناخت کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا۔ ہزاروں کے مجمع میں بھی کھڑا ہو صورت دیکھتے ہی شناخت کر لیا جائے گا اور چونکہ بیٹوں سے ربط ضبط بہ نسبت بیٹیوں کے زیادہ ہوتا ہے جو معرفت میں دخیل ہے اس لئے بنات کو ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اپنی ذات سے بھی زیادہ بیٹوں کی معرفت ہوتی ہے کیونکہ نفس ہیولانی کے مرتبہ میں انسان پر ایسا وقت آتا ہے کہ اس کو اپنی خبر نہیں ہوتی۔ بخلاف بیٹوں کے وہاں اس کی نوبت نہیں آتی اس لئے معرفت نفس کو بھی مشبہ بہ نہیں بنایا گیا۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب:............الحق من ربک کا حاصل یہ ہے کہ کسی بات کا حق ہونا ہی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ حق کی معنی قائم وثابت رہنے کے ہیں اور جو بات خود قائم وثابت رہنے والی ہو اس کے لئے قیام ثبات سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔

اور فلا تکونن میں خطاب آپ کو ہے مگر سنانا دوسروں کو ہے یا یوں کہا جائے کہ بعض دفعہ کلام میں مخاطب کی خصوصیت پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ مقام کی اہمیت اور خصوصیت جتلانا ہوتا ہے۔ یہاں بھی شک وشبہ کا فی نفسہٖ قابل اجتناب ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ یا پھر وہی قانون کی خوبی کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی نظر میں عام وخاص سب برابر ہیں۔ یعنی جب ہم آپ تک کو یہ بات کہہ رہے ہیں تو دوسرے کس قطار شمار میں ہیں۔ اس میں مبالغہ پیدا ہوگیا ہے۔

وَلِكُلٍّ مِنَ الْاُمَمِ **وِّجْهَةٌ** قِبْلَةٌ **هُوَ مُوَلِّيْهَا** وَجْهَهُ فِى صَلَاتِهٖ وَفِى قِرَاءَةٍ مُوَلَّاهَا **فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ** ط بَادِرُوْا اِلَى الطَّاعَاتِ وَقَبُوْلِهَا **اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا** ط يَجْمَعُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ** لِسَفَرٍ **فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** ط **وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ** ط **وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ وَكَرَّرَهٗ لِبَيَانِ تَسَاوِىْ حُكْمِ السَّفَرِ وَغَيْرِهٖ **وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** ط **وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ** لا كَرَّرَهٗ لِلتَّاكِيْدِ **لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ** الْيَهُوْدِ اَوِ الْمُشْرِكِيْنَ **عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ** ق اَىْ مُجَادَلَةٌ فِى التَّوَلِّىْ اِلٰى غَيْرِهَا اَىْ لِيَنْتَفِىَ مُجَادَلَتُهُمْ لَكُمْ مِنْ قَوْلِ الْيَهُوْدِ يَجْحَدُ دِيْنَنَا وَيَتَّبِعُ قِبْلَتَنَا وَقَوْلِ الْمُشْرِكِيْنَ يَدَّعِىْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ وَيُخَالِفُ قِبْلَتَهٗ **اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ** ق

بِالْعِنَادِ فَإِنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا تَحَوَّلَ إِلَيْهَا إِلَّا مَيْلًا إِلَى دِينِ آبَائِهِ وَالْإِسْتِثْنَاءُ مُتَّصِلٌ وَالْمَعْنَى لَا يَكُونُ لِأَحَدٍ عَلَيْكُمْ كَلَامٌ إِلَّا كَلَامُ هٰؤُلَاءِ فَلَا تَخْشَوْهُمْ تَخَافُوا جِدَالَهُمْ فِي التَّوَلِّي إِلَيْهَا وَاخْشَوْنِي بِامْتِثَالِ أَمْرِي وَلِأُتِمَّ عَطْفٌ عَلَى لِئَلَّا يَكُونَ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ بِالْهِدَايَةِ إِلَى مَعَالِمِ دِينِكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾ إِلَى الْحَقِّ كَمَا أَرْسَلْنَا مُتَعَلِّقٌ بِأُتِمَّ أَيْ إِتْمَامًا كَإِتْمَامِهَا بِإِرْسَالِنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا الْقُرْآنَ وَيُزَكِّيكُمْ يُطَهِّرُكُمْ مِنَ الشِّرْكِ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ وَالْحِكْمَةَ مَا فِيهِ مِنَ الْأَحْكَامِ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُونِي بِالصَّلٰوةِ وَالتَّسْبِيحِ وَنَحْوِهِ أَذْكُرْكُمْ قِيلَ مَعْنَاهُ أُجَازِيكُمْ وَفِي الْحَدِيثِ عَنِ اللّٰهِ مَنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَمَنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْ مَلَئِهِ وَاشْكُرُوا لِي نِعْمَتِي بِالطَّاعَةِ وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿۱۵۲﴾ بِالْمَعْصِيَةِ

ع ۱۸ / ۵

ترجمہ: ....اور ہر ایک کے لئے (امتوں میں سے) ایک ایک جانب (قبلہ) رہا ہے جس کی طرف وہ پھیرتا رہا ہے (اپنا رخ نماز میں اور ایک قرأت میں مولاھا ہے) اس لئے اے مسلمانو تم بھی نیک کاموں میں بھاگ دوڑ کرو (نیک کام کرنے اور ان کے قبول کرنے میں تگاپو سے کام لو) تم خواہ کہیں بھی ہوگے اللہ سب کو اکٹھا کرلیں گے (قیامت میں جزائے اعمال کے لئے سب کو جمع کرلیں گے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر کام پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں جہاں کہیں بھی آپ (سفر میں) تشریف لے جائیں تو اپنا رخ مسجد حرام کی طرف رکھا کیجئے اور یہ بالکل صحیح ہے۔ منجانب اللہ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے اعمال سے قطعاً بے خبر نہیں ہیں لا یعلمون کی قرأت تا اور یا کے ساتھ ہے۔ اس جیسی آیت پہلے گزرچکی ہے اور سفر و حضر کا حکم برابر کرنے کے لئے دوبارہ اس حکم کو بیان کیا گیا ہے) اور جہاں کہیں بھی باہر تشریف لے جائیں تو اپنا رخ مسجد حرام کی جانب کرلیا کیجئے اور تم لوگ جہاں بھی ہوں اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کرلیا کرو (مکرر حکم تاکید کے لئے لائے ہیں) تاکہ لوگوں (یہود یا مشرکین) کو تمہارے لئے خلاف حجت کا موقع نہ رہے (دوسری طرف تمہارا رخ پھیرنے پر زور نہ دیں، یعنی اب وہ تمہارے خلاف یہ حجت بازی ہی نہ کرسکیں، کہ یہود کہنے لگیں کہ آپ ہمارے قبلہ کا اتباع کرتے ہیں مگر دین کی مخالفت کرتے ہیں یا مشرکین کو کہنے کا موقع ملے کہ ایک طرف ملت ابراہیمی کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہو اور دوسری طرف ان کے قبلہ کا خلاف بھی کرتے ہو) البتہ جو لوگ ان میں بالکل ہی بے انصاف ہیں، ظلم پسند ہیں وہ تو اب بھی کہیں گے آپ محض اپنے آبائی دین کی طرف جانا چاہتے ہیں۔) ....اندیشہ نہ کیجئے (کہ آپ تحویل کے سلسلہ میں ان کی کٹ حجتی کا فکر کرنے لگیں) اور مجھ ہی سے (میرے حکم کی اطاعت کرکے) ڈرتے رہو۔ اور ایک منشاء یہ ہے کہ تکمیل کردوں (لئلا یکون پر اس کا عطف ہورہا ہے) اپنی نعمت کی تم پر (جو دربارہ ہدایت احکام دین کے ہے) اور اس کے لئے (راہ حق کی طرف تم ہدایت یافتہ ہوجاؤ جس طرح بھیجا ہم نے (یہ متعلق ہے اتم کے تقدیر عبارت اس طرح ہے اتم اتماماً کاتمامها بارسالنا) تم لوگوں پر ایک رسول (محمد ﷺ) ہیں جو تم ہی میں سے ہیں اور تلاوت کرتے رہتے ہیں تم پر ہماری آیات (قرآن) اور تمہارا تزکیہ (شرک سے پاک صاف) کرتے رہتے ہیں اور تم کو تعلیم دیتے رہتے ہیں کتاب (قرآن) کی اور فہم کی باتوں کی (اس کے احکام کی) اور تم کو ایسی باتیں سکھلاتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر نہیں تھی۔ ان نعمتوں پر مجھ کو یاد کرو (نماز وتسبیح وغیرہ سے) میں تم کو یاد رکھوں گا اور جس نے میرا ذکر اپنی مجلسوں میں کیا میں اس سے بہترین مجلس میں اس کا تذکرہ کروں گا) اور میری (نعمت کی) شکرگزاری (بشکل

اطاعت) کرو اور میری ناشکری (بشکل نافرمانی) نہ کرنا"

تحقیق وترکیب:............لکل وجھۃ یہ گویا ماقبل کے دعویٰ کا نتیجہ اور تفصیل ہے کہ قبلہ کے سلسلہ میں خود ان میں آپس کا اختلاف ہے۔ وجھۃ مصدر بمعنی توجہ یا اسم مکان ہے۔ اس لئے واؤ کا ثابت رہنا قیاسی ہوگا۔ اور جب کہ بروزن عدۃ اور رقۃ مصدر ہو تو واؤ خلاف قیاس ہوگا۔ اصل پر دلالت کرنے کے لئے جلال محققؒ نے قبلہ سے تفسیر کرکے اس کے مکان ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ فاستبقوا مفسر علامؒ نے اس کے منصوب بنزع الخافض ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یات بکم یعنی قیامت کے روز حق وباطل اور محق ومبطل کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے اللہ تم سب کو جمع کریں گے یا یہ معنی ہیں کہ تم مختلف سمتوں سے بیت اللہ کی طرف رخ کرکے نمازیں پڑھو گے لیکن حق تعالیٰ شمال، جنوب مشرق، مغرب سب طرف کی نمازوں کو ایک ہی رخ پر تصور فرمالیں گے۔

من حیث میں من ابتدائیہ ہے کیونکہ کہ اصل فعل مشی میں امتداد ہوتا ہے۔ ومن حیث خرجت ای من ای بلد خرجت لسفر۔

للناس میں الف لام سے یہود ونصاریٰ کی طرف اشارہ ہے۔ حجۃ کے بعد مجادلہ سے تفسیر کرنا اس طرف مشیر ہے کہ یہ واقعی حجۃ نہیں تھی بلکہ حجۃ کی طرف اس کی کٹ حجتی کو استعمال کریں گے۔ میلا یعنی محض طبعی محبت سے اپنے شہر کی طرف رخ کرنا چاہتے ہیں اگر حق کا اتباع مقصود ہوتا تو قبلہ انبیاء (بیت المقدس) کا اتباع کرتے۔ عطف علی لئلایکون یا اس کا معطوف علیہ محذوف ہو۔ ای وامرتکم اتمام النعمۃ علیکم یا علۃ مقدرہ پر عطف ہوگا۔ ای اخشونی لحفظکم عنھم ولاتم پہلی صورت میں چونکہ محذوف ماننا نہیں پڑتا۔

کما ارسلنا کاف ماقبل سے متعلق ہے۔ ای ولاتم نعمتی علیکم فی الاٰخرۃ بالثواب کما اتممتھا علیکم فی الدنیا یا متعلق مابعد بھی ہوسکتا ہے۔ ای کما ذکرتکم بارسال الرسول فاذکرونی بالطاعۃ اس صورت میں تھتدون پر وقف کیا جائے گا۔ پہلی صورت میں وقف نہیں ہوگا حکمۃ یہ ذکر خاص بعد العام ہے۔

ربط:............آیت ولکل الخ میں تحویل کی دوسری حکمۃ کا اور آیت ومن حیث خرجت الخ میں تیسرا حکیمانہ جواب ارشاد ہے اور آیت کما ارسلنا میں دعائے ابراہیمی کا ظہور پذیر ہونا بیان کیا گیا ہے۔ پھر ان تمام نعمتوں پر اظہار تشکر کا حکم دیا جارہا ہے۔

شانِ نزول:............لباب النقول میں ابن جریر نے تخریج کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب تحویل قبلہ فرمایا تو مشرکین مکہ کہنے لگے کہ محمد ﷺ دین کے باب میں متحیر معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے قبلہ کی طرف ان کا متوجہ ہونا یہ دلیل ہے۔ اس بات کی وہ ہم کو اپنے زیادہ صحیح راستہ پر سمجھنے لگے ہیں۔ اس لئے امید رکھنی چاہئے کہ وہ ہمارے دین کو بھی اختیار کرلیں گے۔ اس پر آیت لئلایکون للناس الخ نازل ہوئی تو اس روایت پر ظالمین سے مراد یہ لوگ ہوں گے اور جلال محققؒ نے مشرکین اور اہل کتاب دونوں کے اقوال پیش کئے ہیں یعنی دونوں ظالم کا مصداق ہیں۔

﴿تشریح﴾:......**تحویل قبلہ کا حکیمانہ جواب (۲):**............دوسری حکمت کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح ہر قوم کا ایک مذہبی قبلہ رہا ہے۔ مسلمان ایک عظیم الشان قوم کی حیثیت سے بھی اگر صاحب قبلہ ہوں تو وجہ شکایت کیا رہ جاتی ہے اور کوئی اس قدر اہم اور غیر معمولی بات نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ہمہ تن اور ہمہ وقت تم سب اسی دھندہ میں لگے رہو۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ جو حقیقی کار خیر ہوں ان کے انصرام واہتمام میں لگ جائیں کہ تمہیں بڑے بڑے کام کرنے ہیں۔

حکیمانہ جواب (۳):.......... تیسری حکمت مشتمل ہے کئی پہلوؤں پر مثلاً (۱) اس میں مخالفین کی حجۃ قطع کرنی ہے اور پچھلی کتابوں کی پیشن گوئی کو دربارہ تحویل قبلہ پورا کرنا ہے۔ (۲) اتمام نعمت۔ (۳) تکمیل ہدایت چونکہ قبلہ کا معاملہ نہایت اہمیت اختیار کر چکا تھا اور اس میں مخالفین نے بڑی دلچسپی کا ثبوت دیا تھا اور علاوہ ازیں اس کے بعض جزئی احکام خاصہ میں گنجائش شبہ بھی تھی اس لئے جواب میں طول بیانی سے کام لیا گیا ہے اور حاکمانہ اور حکیمانہ جواب دیا۔ پھر حکیمانہ جواب میں بھی مصلحت در مصلحت کا اظہار ہوا۔ پھر تحویل قبلہ میں بحالت حضر جہت جنوب کی مقصودیت کا شبہ مدینہ طیبہ میں رہ کر ہوسکتا تھا اور سفر کا موقعہ زیادہ شبہ کا تھا کہ ممکن ہے منزل کا حکم اور ہو راہ کا حکم دوسرا۔ یا یہ کہ حکم آپ کے ساتھ خاص ہے یا سب کے لئے عام اسی طرح چونکہ اسلام میں یہ پہلا نسخ تھا جو مسلمانوں کے لئے ایک نئی چیز تھی اور مخالفین کے لئے فتنہ پردازی کا بہانہ، ان چند در چند وجوہ سے کئی کئی پہلوؤں سے اس پر روشنی ڈالی گئی اور حکم کو مکرر سہ کرر بیان کیا گیا۔

عالمگیر نبی کا قبلہ مرکزی اور بین الاقوامی ہے:.......... حضرت ابراہیم کا اقوام عالم کی امامت سے سرفراز ہونا۔ ام القریٰ مکہ معظمہ میں عبادت گاہ کعبہ کی تعمیر کرنا اسے مقدس وقت میں امت مسلمہ کے ظہور کی الہامی دعا کرنا خود اپنے اور اپنی اولاد کے لئے ایک مذہب حق اسلام کا انتخاب کر کے اس کی وصیت کرنا وقت موعود پر پیغمبر اسلام کا ظہور اور ان کی تعلیم و تربیت سے ایک بہترین امت کا رونما ہو جانا اور سارے عالم کی ہدایت و تعلیم اس کے سپرد ہونا اور اس کی روحانی ہدایت کے لئے ایک مرکز کا ہونا جو قدرتی طور پر عبادت گاہِ کعبہ ہی ہوسکتا تھا۔ کیونکہ یورپ، ایشیاء، افریقہ کا مرکزی حصہ یہی ام القریٰ ہے۔ جس کو کہ "نافِ ارض" کہا گیا ہے۔ چنانچہ تحویل قبلہ سے اس کی مرکزیت کا اعلان کر دیا گیا اور پیروانِ حق کو بتلا دیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم کے عمل حق نے جو بیج بویا تھا وہ بار آور ہو گیا ہے۔ اب وہ بہترین امت تم ہو اور عالمگیر نبی آنحضرت ﷺ ہیں جن کو بین الاقوامی مشن کی رو سے ایک مرکزی قبلہ دیا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ ان ہی جملہ اوصاف کے حامل ہیں جن خصوصیات کا خاکہ ان کے جد امجد نے کھینچا تھا۔

بنائے ابراہیمی کا حقدار ابن ابراہیمؑ ہی ہوسکتا ہے:.......... کعبہ اگر بنائے ابراہیمی ہے تو یہ نبی ابن ابراہیم ہیں۔ اس بناء کے قبول ہونے اور اس ابن کے رسول ہونے کا جو خواب انہوں نے دیکھا تھا آج دنیا اس کی تعبیر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔ اس لئے امام عالم کے صاحبزادہ کو امام القبلتین بنایا جا رہا ہے۔ اس لئے پیروانِ قرآن کو دعوت عمل دی جا رہی ہے کہ ان نعمتوں کا شکر بجالاتے ہوئے سرگرم عمل ہو جاؤ اور جو طالب حق ہو اس کی اصلاح کرو۔ لیکن قرآن سے جب معترض کا معاند ہونا ظاہر ہو جائے تو اس کو جواب دینا اور اس کے درپے ہونا لا حاصل ہے۔ بنائے کعبہ کے لئے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْ سَمَکَ السَّمَآءَ بَنٰی لَنَا بَیْتًا دعائمہ اعز واطول

قبلہ عشاق:.......... آیت ولکل وجھۃ سے بعض عارفین نے لوگوں کے احوال وافعال میں متفاوت ہونے کی حکمت و مصلحت مستنبط کی ہے۔ حدیث کل میسر لما خلق لہ بھی اس کی مؤید ہے۔ یہ سب طرق ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آباد رکھنا چاہتے ہیں ان کے شئون و مراتب مختلف اور مراتب اسماء متفاوت ہیں۔ ان میں سے جو سب سے احسن ہو اس کا اہتمام کرنا چاہئے اور بعض نے اس کی تاویل میں کہا ہے کہ ہر شخص کا قبلہ جدا ہے۔ مقربین کا قبلہ عرش اعظم ہے اور روحانین کا کرسی اور ملائکہ کا بیت المعمور اور انبیائے سابقین کا بیت المقدس اور آنحضرت ﷺ کا جسمانی قبلہ بیت اللہ اور روحانی قبلہ ذاتِ حق ہے۔

سیر سلوک کی انتہاء نہیں ہے:.......... لعلکم تھتدون میں ہدایت یافتہ لوگوں کو خطاب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ترقی کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی سیر الی اللہ کے بعد سیر فی اللہ ہے۔

شرف صحبت:.......... ویعلمکم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کتاب وحکمت کے بعد ایک باب اور بھی ہے جو صالحین کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔

ذکر کا حقیقی ثمرہ:.......... فاذکرونی اذکرکم ذکر اللہ کا اصلی اور حقیقی ثمرہ یہی ہے کہ حق تعالیٰ ملتفت اور متوجہ ہوں۔ سالک اور ذاکر اگر اس کو پیش نظر رکھے تو تشویش سے محفوظ رہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا عَلَی الْاٰخِرَۃِ **بِالصَّبْرِ** عَلَی الطَّاعَۃِ وَالْبَلَاءِ **وَالصَّلٰوۃِ** خَصَّھَا بِالذِّکْرِ لِتَکَرُّرِھَا وَعَظْمِھَا **اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾** بِالْعَوْنِ **وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ** ھُمْ **اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ ھُمْ اَحْیَآءٌ** اَرْوَاحُھُمْ فِیْ حَوَاصِلِ طُیُوْرٍ خُضْرٍ تَسْرَحُ فِی الْجَنَّۃِ حَیْثُ شَاءَتْ حَدِیْثٌ بِذٰلِکَ **وَّلٰکِنْ لَّاتَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾** تَعْلَمُوْنَ مَاھُمْ فِیْہِ **وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ** لِلْعَدُوِّ **وَالْجُوْعِ** الْقَحْطِ **وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ** بِالْھِلَاکِ **وَالْاَنْفُسِ** بِالْقَتْلِ وَالْاَمْرَاضِ وَالْمَوْتِ **وَالثَّمَرٰتِ ؕ** بِالْحَوَائِجِ اَیْ لَنَخْتَبِرَنَّکُمْ فَنَنْظُرَ اَتَصْبِرُوْنَ اَمْ لَا **وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾** عَلَی الْبَلَاءِ بِالْجَنَّۃِ ھُمْ **الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ** بَلَاءٌ **قَالُوْٓا اِنَّا** مِلْکًا وَعَبِیْدًا یَفْعَلُ بِنَا مَا یَشَاءُ **لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾** فِی الْاٰخِرَۃِ فَیُجَازِیْنَا فِی الْحَدِیْثِ مَنْ اِسْتَرْجَعَ عِنْدَ الْمُصِیْبَۃِ اَجَرَہُ اللّٰہُ فِیْھَا وَاَخْلَفَ عَلَیْہِ خَیْرًا وَفِیْہِ اَنَّ مِصْبَاحَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَفِیءَ فَاسْتَرْجَعَ فَقَالَتْ عَائِشَۃُ اِنَّمَا ھٰذَا مِصْبَاحٌ فَقَالَ کُلُّ مَا سَاءَ الْمُؤْمِنَ فَھُوَ مُصِیْبَۃٌ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ فِیْ مَرَاسِیْلِہٖ **اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ** مَغْفِرَۃٌ **مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ** نِعْمَۃٌ **وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾** اِلَی الصَّوَابِ

ترجمہ:.......... اے ایمان والو! سہارا پکڑو (آخرت کے لئے طاعت اور مصیبتوں پر) صبر کرکے اور نماز کے ذریعہ سے (نماز کی تخصیص اس کے بار بار ہونے اور عظمت کی وجہ سے ہے) بلا شبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں (مدد کے لحاظ سے) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں جان دیتے ہیں ان کی نسبت یہ بھی نہ کہو کہ (وہ) مردے ہیں، بلکہ (وہ) زندہ ہیں (ان کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں جنت میں جہاں چاہیں پھرتی ہیں اسی مضمون کی حدیث ہے) لیکن تم ادراک نہیں کرسکتے (نہیں جانتے کہ وہ کس حال میں ہیں) اور ہم تمہارا امتحان ضرور کریں گے (دشمن کے) کسی قدر خوف سے اور فقر وفاقہ (قحط سالی) اور کچھ مالی (نقصان) اور جانی (اتلاف، مرض طبعی کی صورت میں) اور پھلوں کی کمی سے (بذریعہ آفات، یعنی ضرور تمہاری آزمائش کریں گے اور پھر دیکھیں گے کہ صبر کرتے ہو یا نہیں) اور بشارت سنا دیجئے آپ صبر کرنے والوں کو (مصائب پر جنت کی) جن کی حالت یہ ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کی ملک ہیں (یعنی اسی کے مملوک اور بندے ہیں جو چاہے وہ ہمارے ساتھ کریں) اور ہم سب

اللہ ہی کے پاس جانے والے ہیں (آخرت میں وہی ہم کو بدلہ دے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ مصیبت کے وقت جو انا للہ کہے گا اللہ اس کو اجر عنایت فرمائیں گے اور اس مصیبت سے بہتر خلف تجویز کریں گے۔ نیز حدیث میں ہے کہ آپ کا چراغ ایک مرتبہ گل ہو گیا آپؐ نے انا للہ پڑھا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا صرف چراغ ہی تو ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو چیز مسلمان کے لئے تکلیف دہ ہو وہ مصیبت میں شمار ہے۔ ابوداؤد طیالسی نے اپنی مراسیل میں اس کو روایت کیا ہے) ان لوگوں پر خاص خاص رحمتیں (مغفرت) بھی ان کے پروردگار کی طرف سے اور رحمتِ عامہ (نعمت) ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کی رسائی ہوگئی ہے (راہ صواب کی طرف۔)

تحقیق وترکیب: .... عون مراد معیت ہے۔ جس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک معیت عامہ یعنی علمی اور قدرتی معیت اور دوسری معیت خاصہ یعنی عون ونصرت کی ہے۔ جو متقی، صابر، محسن لوگوں کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اموات اور احیاء دونوں میں مبتداء محذوف ہے۔ ای ھم اموات و احیاء ۔ الشعور الاحساس مشاعر الانسان بمعنی حواس، شعر بال، شعار وہ لباس جو بدن سے متصل ہو۔

حواصل جمع حوصلۃ کی پوٹہ مرغ یا تشریفا ارواح کے ساتھ کاروائی کی جائے گی۔ جیسے کپڑوں کو صندوق میں رکھا جاتا ہے اور ممکن ہے ارواح کی جب تکمیل ہو جاتی ہے تو ان کا تمثل اس صورت میں کر دیا جاتا ہے جیسے فرشتہ کا تمثل بشکل انسانی۔ جلال محققؒ کی رائے کے مطابق حیات اخروی ایک مخصوص حیات جسمانی اور روحانی ہے۔ جس کو دنیوی زندگانی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور قاضی بیضاویؒ کی رائے یہ ہے کہ بقاء روحانی مراد ہے۔ لیکن شہداء کی تخصیص مزید قرب وکرامۃ کی وجہ سے ہے۔ جوائح جمع جائحۃ پھل پر جو آفت وغیرہ پیش آئے۔

الذین مبتداء محذوف ہے مدحاً مرفوع ہے اور یہی صورت بہتر ہے اس میں وجوہ اعراب چار ہیں (۱) صابرین کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہو (۲) منصوب علی المدح ہو (۳) مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو جملہ مستانفہ بن جائے۔ (۴) مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو اولئک خبر ہے اذا اصابتھم ۔ قالوا جواب ہے اذا اور اذا مع جواب کے صلہ ہے الذین کا۔

مراسیل یہ سنن ابوداؤد کی دوسری تصنیف کا نام ہے جس میں مرسل ومنقطع روایات ہیں رحمۃ قرآن کریم میں اس کا استعمال بقول اتقان چودہ معنی پر آیا ہے۔ یہاں مراد نعمۃ ہے۔

ربط: .... جہاں تک تحویل قبلہ کے اعتراض کا مذہب اسلام پر اثر پڑ سکتا تھا اس کا ازالہ تو ماقبل جوابات سے ہو گیا اور جہاں تک مسلمانوں کے دلوں کا مجروح اور زخمی ہونا ہے۔ بالخصوص اس پر اصرار بے جا سے جو رنج وصدمہ ہوا ہے اس کے ازالہ کی تدابیر صبر و نماز بتلائی جارہی ہیں۔ اسی طرح قتال مع الکفار اور معرکہ جہاد پر جو تحویل قبلہ سے زیادہ بڑی مہم ہے اس میں صبر اور صابرین کی مدح و فضیلت اور معمولی آزمائشوں میں ثبات واستقلال کی فضیلت بیان کی ہے۔

شانِ نزول: .... ابن منذر نے حضرت ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے کہ شہداء بدر کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں ہیں۔ آٹھ انصار اور چھ مہاجر تھے جن کے بارے میں مشرکین ومنافقین کہنے لگے کہ دیکھو یہ بے چارے کس طرح محمد کے کہنے میں آکر دنیا کی زندگی اور لذات سے محروم رہ گئے۔

﴿تشریح﴾:...... صبر کی طرح نماز سے بھی مصیبت کا اثر دور ہو جاتا ہے:............صبر سے رنج کا ہلکا اور جزع فزع اور بے صبری سے مصیبت کا دو چند ہو جانا تو مشاہدہ ہے۔ البتہ نماز اور وہ بھی حضور قلب اور خلوص دل کے ساتھ ہو تو اس کا تخفیف حزن میں مؤثر ہونا یا تو ادویہ کی طرح بالخاصہ مفید ہوگا اور یا پھر بالکلیفیۃ اس طرح مفید ہو کہ تخفیف حزن کا مدار اصلی چونکہ قلب کو غم کے علاوہ دوسری کسی چیز کی طرف متوجہ اور مشغول کر دینے پر ہے۔ اس لئے نماز میں خشوع وخضوع کے ساتھ انہماک اور یکسوئی وتوجہ سے یقیناً اس کا دل ودماغ بہلے گا اور اس تدبیر کے بار بار کرنے سے غم انگیز واقعہ کی یاد دماغ سے غائب ہونی شروع ہو جائے گی اور رنج والم کافور ہو جائے گا۔ جس فرد یا جماعت میں یہ دو قوتیں صبر ونماز کی پیدا ہو جائیں گی وہ کبھی ناکام نہیں ہو سکتیں۔

شہداء کو مردہ نہ سمجھو:............شہید کی نسبت مردہ کا لفظ استعمال کرنا صحیح اور جائز ہے مگر اس کی موت دوسرے عام مردوں کی طرح نہیں سمجھنی چاہئے کیونکہ راہ حق میں موت موت نہیں ہوتی وہ تو سراسر زندگی اور جاویدگی ہے۔ دوسرے مرنے کے بعد برزخی زندگی اگرچہ سب کو حاصل ہوگی مسلمان ہو یا کافر چنانچہ اسی زندگی سے وہاں کی جزا اور سزا کا احساس ہوگا۔

برزخی زندگی کا فرق:............لیکن شہید اور غیر شہید کے آثار زندگی میں اسی طرح فرق ہوتا ہے جس طرح دنیاوی زندگانی میں مختلف اعضاء کے درمیان آثار زندگی میں نمایاں فرق محسوس ہوتا ہے کہ ایڑی میں جان اتنی کمزور ہوتی ہے کہ کسی تکلیف کا احساس بھی زیادہ نہیں ہوتا اور ہاتھ کی انگلی میں ایڑی سے زیادہ روح ہوتی ہے تو تکلیف کا احساس بھی زیادہ ہوتا ہے اور دل ودماغ اعضائے رئیسہ میں روح کا سریان اس شدت سے ہوتا ہے کہ ان کو منبع روح کہنا چاہئے۔ چنانچہ زندگی کے اثرات بھی ان میں اس درجہ نمایاں ہوتے ہیں کہ ان کی تکلیف سے زندگی ہی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ بس یہی حال برزخی زندگانی کے اثرات کے تفاوت کا ہے کہ عامۂ مومنین کی برزخی زندگی چونکہ زیادہ قوی نہیں ہوتی اس لئے اس کے اثرات بھی کمزور اور عالم برزخ تک محدود رہتے ہیں۔ عالم ناسوت میں وہ محسوس نہیں ہوتے، اس لئے یہاں کے اعتبار سے اس کو مردہ ہی سمجھا جاتا ہے، لیکن شہید کی برزخی زندگی قوی ہوتی ہے اور اس درجہ قوی کہ عالم محسوس تک اس کے اثرات محسوس ہوتے ہیں کہ بنص حدیث اس کا گوشت پوست زمیں سے متاثر نہیں ہوتا اور زندوں کی طرح صحیح وسالم رہتا ہے۔ اسی لئے اس کو زندہ سمجھا گیا ہے اور مردہ سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ یعنی وہ عام مردوں کی طرح مردہ نہیں ہوتے۔

انبیاءؑ کی برزخی زندگی کے آثار:............انبیاء علیہم السلام کی برزخی حیات مبارکہ چونکہ سب سے زیادہ قوی ہوتی ہے حتیٰ کہ نہ صرف یہ کہ ان کے اجسام مبارکہ اسی طرح تر وتازہ اور سلامت ومحفوظ رہتے ہیں۔ جس طرح دنیاوی زندگانی میں تھے بلکہ شہداء سے زیادہ ان کی حیات اور اس کے اثرات کا منصوص درجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے مال مین میراث جاری نہیں ہو سکتی اور ان کی ازواج مطہرات سے کسی دوسرے کو نکاح کی اجازت نہیں ہوتی۔ گویا کہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں غرضکہ سب سے اعلیٰ درجہ کی برزخی زندگی انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے جس کے اثرات سب سے زیادہ قوی ہوتے ہیں اور اس سے کم درجہ شہداء کی حیات کا ہے پھر عامۂ مومنین کی۔

کیا اولیا شہداء کی فضیلت میں شریک نہیں؟:............البتہ آیت میں شہداء کی تخصیص پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بعض احادیث کی رو سے اولیاء صالحین بھی شہداء کی اس فضیلت میں شریک معلوم ہوتے ہیں کہ ان کو بھی عام مردوں کی طرح نہیں سمجھنا چاہئے۔ پھر آیت میں شہداء کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اس کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مجاہدہ نفس سے مرنے والے کشتۂ محبت اور

قتیل ناز اولیاء اللہ کو بھی معناً شہید سمجھا جائے اور ان کو بھی آثار شہداء میں شریک سمجھا جائے دوسری توجیہ یہ ہے کہ آیت میں شہداء کی تخصیص حقیقی نہیں ہے کہ دوسرے اس فضیلت میں شریک ہی نہیں ہوسکیں۔ ورنہ انبیاء کی فضیلت بھی باعث اشکال ہوجائے گی۔ بلکہ تخصیص اضافی مراد ہے، یعنی عامۂ مومنین کے لحاظ سے شہداء کی تخصیص کی گئی ہے جو ان سے نیچے درجہ کے ہوں۔ لیکن جو ان کے برابر یا ان سے عالی تر ہوں ان کے اعتبار سے تخصیص نہیں ہے۔

شہداء کی قسمیں اور احکام:............ احکام کے لحاظ سے شہداء کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) اول دین و دنیا دونوں لحاظ سے شہید ہو یعنی بے غسل وکفن صرف نماز جنازہ پڑھ کر حنفیہ کے نزدیک دفن کردیا جائے اور شوافع کے نزدیک نماز جنازہ کی بھی حاجت نہیں کہ وہ خود ہی مغفور اور پاک صاف ہیں جیسے مخلص مجاہد۔ (۲) صرف آخرت کے لحاظ سے شہید ہو اور احکام دنیا اس پر شہید کے جاری نہ کیے جائیں دریا میں ڈوب مرنے والا، دستوں کے مریض اور تپ دق میں ہلاک ہونے والا، بچہ کی ولادت کے سلسلہ میں بحالت نفاس مرنے والی عورت اخروی شہید کہلائیں گے۔ لیکن مذکورہ دنیاوی احکام ان پر جاری نہیں کیے جائیں گے۔ (۳) صرف احکام دنیا کے لحاظ سے شہید سمجھا جائے لیکن درحقیقت اخروی لحاظ سے شہید نہ ہو اور اس مخصوص درجہ اور ثواب کا مستحق نہ ہو جو شہداء کے لئے ہوتا ہے جیسے غیر مخلص مجاہد۔ (۴) دونوں لحاظ سے شہید کے احکام اس مقتول پر جاری نہ کیے جائیں جیسے حکومت اسلامیہ کے خلاف بغاوت میں قتل ہونے والے یا ڈاکہ زنی میں مارے جانے والے کہ ان مقتولوں پر نہ صرف یہ کہ شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے بلکہ عام مسلمانوں جیسے احکام بھی ان پر جاری نہیں ہوں گے۔ یعنی دوسروں کو عبرت دلانے کے لئے نہ ان کو کفن دیا جائے گا نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ اگر کسی شہید کی نعش خاک خوردہ اور خراب ہوگئی ہو تو سمجھا جائے گا کہ ممکن ہے کہ اس کی خلوص نیت میں فرق آ گیا ہو جس پر مدار ہے اصلی شہادت کا جس کے یہ آثار ہوتے ہیں۔

آزمائش الٰہی بھی مجاہدہ اضطراری ہے:............ آزمائش سے مراد یہاں بھی وہی ہے جس کا ذکر واذابتلٰی ابراھیم میں کیا جاچکا ہے اور پہلے سے اطلاع دینے میں یہ فائدہ ہے کہ صبر آسان ہوجائے اور دفعۃً مصیبت پڑنے سے جو ناقابل برداشت صورت ہوتی ہے اس میں سہولت ہوجائے اور نفس صبر چونکہ تمام مصیبتوں میں مشترک ہے اس لئے اس کا صلہ بھی رحمت عامہ ہوگی۔ رہا خصوصیت ہر صابر کی وہ بلحاظ مقدار صبر کے ہوگی۔ آیت ولنبلونکم سے معلوم ہوا کہ مجاہدہ اضطرار یہ بھی انسان کے لئے نافع ہوتا ہے اور قالوا اناللہ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال تمام مصائب کا علاج ہے۔ حتیٰ کہ رفع انقباض کے لئے بھی مؤثر ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ جَبَلَانِ بِمَكَّةَ **مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ** اَعْلَامِ دِيْنِهٖ جَمْعُ شَعِيْرَةٍ **فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ** اَيْ تَلَبَّسَ بِالْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ وَاَصْلُهُمَا الْقَصْدُ وَالزِّيَارَةُ **فَلَا جُنَاحَ** اِثْمَ **عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الطَّاءِ **بِهِمَا** بِاَنْ يَّسْعٰى بَيْنَهُمَا سَبْعًا نَزَلَتْ لَمَّا كَرِهَ الْمُسْلِمُوْنَ ذٰلِكَ لِاَنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَطُوْفُوْنَ بِهِمَا وَعَلَيْهِمَا صَنَمَانِ يَمْسَحُوْنَهُمَا وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ السَّعْيَ غَيْرُ فَرْضٍ لِمَا اَفَادَهٗ رَفْعُ الْاِثْمِ مِنَ التَّخْيِيْرِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَغَيْرُهٗ رُكْنٌ وَبَيَّنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُجُوْبَهٗ بِقَوْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَغَيْرُهٗ وَقَالَ اِبْدَءُوْا بِمَا بَدَاَ اللّٰهُ بِهٖ يَعْنِي الصَّفَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ **وَمَنْ تَطَوَّعَ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالتَّحْتَانِيَّةِ

وَتَشْدِيْدِ الطَّاءِ مَجْزُوْمًا وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِيْهَا خَيْرًا ۙ اَیْ بِخَيْرٍ اَیْ فَعَلَ مَالَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ مِنْ طَوَافٍ وَغَيْرِهٖ
فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ لِعَمَلِهٖ بِالْاِثَابَةِ عَلَيْهِ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ بِهٖ

ترجمہ: .... بلاشبہ صفا اور مروہ (مکہ میں دو پہاڑوں کا نام ہے) منجملہ خدائی یادگاروں کے ہیں (علامات دین سے ہی شعائر جمع شعیرۃ کی ہے) جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے (یعنی حج وعمرہ سے متلبس ہوا، حج کے اصلی معنی قصد کے اور عمرہ کے معنی زیارت آتے ہیں) اس پر کوئی مضائقہ (گناہ) نہیں ہے طواف کرنے میں (لفظ یطوف میں تاء اصلی کو طاء کرایا اور طاء کو طاء میں ادغام کردیا ہے) ان دونوں پہاڑوں کا (سات دفعہ ان کے درمیان سعی کرے۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی کہ مسلمان اس سعی کو مکروہ سمجھ رہے تھے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگ ان پہاڑوں کا طواف ایسی حالت میں کرتے تھے کہ ان پر دو بت رکھے ہوئے تھے کہ لوگ ان کو چھوتے تھے اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ سعی فرض نہیں ہے کیونکہ رفع گناہ سے اختیار سمجھ میں آرہا ہے۔ امام شافعیؒ وغیرہ اس کی رکنیت کے قائل ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کے وجوب کے بارہ میں ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی کو فرض کیا ہے" رواہ البیہقی وغیرہ اور فرمایا کہ جہاں سے خدا نے شروع کیا تم بھی وہیں سے شروع کرو یعنی صفا سے رواہ مسلم) اور جو شخص خوش دلی سے کرتا ہے (ایک قرأت میں یائے تحتانیہ اور طا کی تشدید کے ساتھ مجزوم پڑھا گیا ہے دراصل اس میں تا کا طا میں ادغام ہوا ہے) کسی خیر کو (خیر معنی میں بخیر کے ہے یعنی غیر واجب طواف وغیرہ کرے) تو اللہ تعالیٰ قدردانی کرنے والے ہیں (اس کے عمل پر ثواب دے کر) خوب جاننے والے ہیں (اس کو۔)

تحقیق وترکیب: .... صفا پہاڑ کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ آدم صفی اللہ اس پر قیام پذیر ہوئے اور مروۃ کی وجہ تسمیہ امراۃ آدم حوا علیہا السلام کا قیام پذیر ہونا بتلایا جاتا ہے۔ اعلام دینہ جلال محققؒ نے لفظ دینہ نکال کر اشارہ کردیا کہ عبارت بتقدیر المضاف ہے۔ ای شعائر دین اللہ، شعائر جمع شعیرۃ علامتِ حج وعبادت کے معنی ہیں۔ علیہ یہ لا کی خبر ہے اور ترکیبی لحاظ سے اس میں چند وجوہ ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ لاجناح کی خبر محذوف ہو ای لاجناح فی الحج اور علیہ خبر مقدم اس کا مبتداء مؤخر ان یطوف ہے۔ بتاویل مصدر مرفوع بنا بر مبتدا کے اور بعض نے ان یطوف سے پہلے لا مقدر مانا ہے ای ان لا یطوف بھما، ضمان، اساف، ونائلہ یہ بت تھے جن کے متعلق مشہور یہ تھا کہ کسی زمانہ میں دونوں مرد وعورت تھے۔ جنہوں نے مسجد حرام میں زنا کا ارتکاب کیا تھا اللہ نے سزاءً ان کو مسخ کردیا تھا۔ لوگوں نے عبرت کے لئے ان کو ان دونوں پہاڑوں پر رکھ چھوڑا تھا کہ تھوڑے دنوں کے بعد بے وقوفی سے ان کا طواف ہونے لگا۔ دولتِ اسلام سے جب اللہ نے مشرف فرمایا تو مسلمانوں کو ان کے طواف میں تردد پیدا ہوا لیکن کہا گیا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ طواف شعائر دین میں سے ہے اور گویا حضرت ابراہیمؑ کے افعال کی تقلید ہے۔ لفظ لاجناح اور ومن تطوع دونوں سے اس سعی کا غیر واجب ہونا معلوم ہوا۔ جیسا کہ امام احمد کی ایک روایت ہے یعنی امام احمد کی رائے اس کے سنۃ ہونے کی ہے اور دوسری روایت امام مالک اور امام شافعی کا مذہب ان کا رکن اور فرض ہونے کا ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے کہ جبر، دم کے ساتھ کیا جائے گا اور مستدل یہی حدیث ہے۔ خبر واحد ہونے کی وجہ سے اس سے رکنیت ثابت نہیں ہوتی۔

بخیر اشارہ ہے کہ منصوب بنزع الخافض ہے۔ ابن عباسؓ کی قرأت اس کی مؤید ہے یا فعل بتضمین معنی اتی خود متعدی بنفسہ ہے۔

شاکر اصل معنی انعام کے ہیں۔ حق تعالیٰ کے لئے یہ معنی چونکہ ممکن نہیں ہے۔ اس لئے مفسر علام نے بالاثابۃ سے مجاز کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ جواب شرط کے قائم مقام علۃ ہے اور اس میں اشارہ ہے ایفاء وعدۂ الٰہی کی طرف۔

ربط: .... چونکہ بنائے ابراہیمی اور دعائے ابراہیمی کا تذکرہ ہو چکا ہے جس میں مناسک حج کی طرف بھی اشارہ تھا۔ اس لئے یہاں اس مناسبت سے سعی کا بیان ہو رہا ہے۔ دوسری قریبی مناسبت یہ ہے کہ آیت ولنبلونکم الخ میں جان ومال کے انفاق کا ذکر تھا۔ حج وعمرہ میں بدنی اور مالی مجاہدہ کا بیان ہے۔

شانِ نزول: .... لباب النقول میں امام بخاری سے دو روایتوں کی تخریج اسی مضمون کی بیان کی ہے۔ جس کا تذکرہ جلال محقق نے بیان کیا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... سعی کی سنیت، وجوب، فرضیت کی تفصیل مذاہب کا بیان گزر چکا ہے البتہ ابتداء بالصفاء تو امام شافعی کے نزدیک واجب ہے۔ واؤ سے استدلال کرتے ہوئے۔ چنانچہ حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے "نحن نبدء بما بدء الله تعالیٰ" تو آیت وحدیث سے واؤ کی ترتیب سمجھی گئی ہے۔ لیکن حنفیہ بھی وجوب کے قائل ہیں۔ البتہ واؤ سے استدلال کی بجائے آنحضرت ﷺ کے فعل سے استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ دوسری آیت ان یطوف بھما میں بلا واؤ کے حکم ہے۔ رہا حدیث کا مفہوم تو تقدیم ذکری سے اہتمام کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

وَنَزَلَ فِی الْیَهُوْدِ **اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ** النَّاسَ **مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی** کَاٰیَةِ الرَّجْمِ وَنَعْتِ مُحَمَّدٍ **مِنْ ۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ ۙ** التَّوْرَاةِ **اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ** یُبْعِدُهُمْ مِنْ رَّحْمَتِهٖ **وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾** الْمَلٰٓئِکَةُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اَوْ کُلُّ شَیْءٍ بِالدُّعَاءِ عَلَیْهِمْ بِاللَّعْنَةِ **اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا** رَجَعُوْا عَنْ ذٰلِکَ **وَاَصْلَحُوْا** عَمَلَهُمْ **وَبَیَّنُوْا** مَا کَتَمُوْهُ **فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ۚ** اَقْبَلُ تَوْبَتَهُمْ **وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۰﴾** بِالْمُؤْمِنِیْنَ **اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ** حَالٌ **اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۶۱﴾** اَیْ هُمْ مُسْتَحِقُّوْا ذٰلِکَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَالنَّاسُ قِیْلَ عَامٌّ وَّقِیْلَ الْمُؤْمِنُوْنَ **خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ** اَیِ اللَّعْنَةِ اَوِ النَّارِ الْمَدْلُوْلِ بِهَا عَلَیْهَا **لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ** طَرْفَةَ عَیْنٍ **وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾** یُمْهَلُوْنَ لِتَوْبَةٍ اَوْ مَعْذِرَةٍ

ترجمہ: .... (اور یہود کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی) جو لوگ چھپاتے ہیں (لوگوں سے) ان مضامین کو جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو واضح دلائل اور ہدایت بخش ہیں (جیسے ایت رجم اور آنحضرت ﷺ کی نعت) اس کے بعد کہ ہم ان کو عام لوگوں پر واضح کر چکے ہیں۔ کتاب (تورات) میں ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں (اپنی رحمت سے ان کو دور فرما دیتے ہیں) اور لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں (فرشتے، مؤمنین یا ہر چیز کی پھٹکار ان پر ہوتی ہے) البتہ جو لوگ توبہ کر لیں (اس سے باز آجائیں) اور اصلاح کر لیں (اپنے اعمال کی) اور ظاہر کر دیں (چھپائی ہوئی باتوں کو) ایسے لوگوں پر متوجہ ہو جاتا ہوں (ان کی توبہ قبول کر لیتا ہوں) اور ہماری تو عادت ہے توبہ قبول کر لینا اور مہربانی فرمانا (مسلمانوں پر) البتہ جو لوگ اسلام نہ لاویں اور اسی حالت کفر پر مر جاویں (کفارا حال ہے) ایسے لوگوں پر اللہ کی اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت پھٹکار (یعنی یہ دین ودنیا میں لعنت کے مستحق ہیں۔ الناس سے مراد

یہ عام انسان ہیں خاص مؤمن) وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں گرفتار رہیں گے (یعنی لعنت میں یا نارِ جہنم میں کہ لعنت کا مدلول ہے) ان سے عذاب ہلکا نہ ہونے پائے گا (ایک پل بھر بھی) اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی (توبہ یا معذرت کی)

تحقیق وترکیب:............ یکتمون کے مفعول ثانی کے حذف کی طرف مفسر نے اشارہ کیا ہے۔ کتم اور کتمان کے معنی ضروری چیز کو ظاہر کرنا باوجود داعیہ کے۔ کبھی تو یہ بصورت اخفاء ہوتا ہے اور کبھی ایک چیز کو اپنی جگہ سے ہٹا کر اس کی جگہ دوسری چیز کو رکھنے سے ہوتا ہے۔ الا الذین استثناء متصل ہے۔ ھم مستحقوا یہ تقدیر عبارت شبہ تکرار کو دفع کرنے کے لئے مانی ہے یعنی پہلی لعنت سے مراد بالفصل اور اس لعنت سے استحقاقِ لعنت ہے اور بعض نے اول سے مراد دوام تجدد لعنت اور ثانی سے مراد دوام ثبوتی لیا ہے اور بعض نے اول سے مراد زندگی کی لعنت اور ثانی سے مراد بحالتِ موت لعنت لی ہے۔ غرضیکہ ان سب صورتوں میں تکرار کا شبہ نہیں رہتا۔ الناس مفسر جلالؒ نے دو قول نقل کئے ہیں۔ رہا کافر تو وہ مثل انعام بل ھم اضل سبیلا ہیں۔ اس لئے دائرہ انسانیت سے خارج اور نا قابل شمار ہیں۔

ربط:............ تحویل قبلہ کے ذیل میں لیکتمون الحق سے صاحب قبلہ کے سلسلہ میں کتمانِ حق کا بیان ہوا تھا۔ یہاں ان پر وعید کا بیان ہے۔

شانِ نزول:............ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ معاذ بن جبل، سعد بن معاذ، خارجہ بن زید نے چند علمائے یہود سے تورات کے بعض مضامین کے متعلق دریافت کیا، لیکن انہوں نے چھپایا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾:............ کتمان حق سے توبہ کرنے اور اصلاح کا معتبر طریقہ یہ ہے کہ ان کو اسلام قبول کر لینا چاہئے۔ کیونکہ اسلام نہ لانے پر عوام پر یہ حق مخفی رہے گا اور وہ یہی سمجھیں گے کہ اگر آپؐ اور اسلام حق ہوتے تو یہ اہل علم یہود کیوں اس سے دور رہتے، اور مہلت نہ دیئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ مہلت اس وقت دی جایا کرتی ہے کہ مقدمہ میں کچھ گنجائش ہو ورنہ پہلی ہی پیشی پر حکم سزا ہو جایا کرتی ہے۔

علم المعاملہ کا اظہار اور علم المکاشفہ کا نامحرموں سے اخفاء ضروری ہے:............ اس آیت سے محقق عارفین نے علم المعاملہ کے کتمان اور اخفاء کی ممانعت اور علم المکاشفہ کو نامحرموں سے چھپانے کا حکم دیا ہے۔

وَنَزَلَ لَمَّاقَالُوْا صِفْ لَنَا رَبَّكَ **وَاِلٰهُكُمْ** اَيِ الْمُسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ مِنْكُمْ **اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** لَانَظِيْرَلَهٗ فِيْ ذَاتِهٖ وَلَا فِيْ صِفَاتِهٖ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾** وَطَلَبُوْا اٰيَةً عَلٰى ذٰلِكَ فَنَزَلَ **اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** وَمَافِيْهِمَا مِنَ الْعَجَائِبِ **وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ** بِالذِّهَابِ وَالْمَجِيْءِ وَالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ **وَالْفُلْكِ** السُّفُنِ **الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ** وَلَاتَرْسُبُ مُوْقَرَةً **بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ** مِنَ التِّجَارَاتِ وَالْحَمْلِ **وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ** مَطَرٍ **فَاَحْيَابِهِ الْاَرْضَ** بِالنَّبَاتِ **بَعْدَ مَوْتِهَا** يُبْسِهَا **وَبَثَّ** فَرَّقَ وَنَشَرَ بِهٖ **فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ** لِاَنَّهُمْ يَنْمُوْنَ بِالْخِصْبِ الْكَائِنِ عَنْهُ **وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ** تَقْلِيْبِهَا جَنُوْبًا وَّشِمَالًا حَارَّةً وَّبَارِدَةً **وَالسَّحَابِ** الْغَيْمِ **الْمُسَخَّرِ** الْمُذَلَّلِ بِاَمْرِ اللّٰهِ يَسِيْرُ اِلٰى حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ **بَيْنَ**

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ بِلَاعِلَاقَةٍ لَاٰيٰتٍ دَالَّاتٍ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِهٖ تَعَالٰى لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ يَتَدَبَّرُوْنَ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَىْ غَيْرِهٖ اَنْدَادًا اَصْنَامًا يُّحِبُّوْنَهُمْ بِالتَّعْظِيْمِ وَالْخُضُوْعِ كَحُبِّ اللّٰهِ ط اَىْ كَحُبِّهِمْ لَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط مِنْ حُبِّهِمْ لِلْاَنْدَادِ لِاَنَّهُمْ لَايَعْدِلُوْنَ عَنْهُ بِحَالٍ مَّا وَالْكُفَّارُ يَعْدِلُوْنَ فِى الشِّدَّةِ اِلَى اللّٰهِ وَلَوْ يَرَى تَبْصُرِيَا مُحَمَّدُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا بِاتِّخَاذِ الْاَنْدَادِ اِذْ يَرَوْنَ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ يُبْصِرُوْنَ الْعَذَابَ لا لَرَاَيْتَ اَمْرًا عَظِيْمًا وَاِذْ بِمَعْنٰى اِذَا اَنَّ اَىْ لِاَنَّ الْقُوَّةَ الْقُدْرَةَ وَالْغَلَبَةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا لا حَالٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ وَفِىْ قِرَاءَةٍ يَرٰى بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَالْفَاعِلُ فِيْهِ قِيْلَ ضَمِيْرُ السَّامِعِ وَقِيْلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَهِىَ بِمَعْنٰى يَعْلَمُ وَاَنَّ وَمَا بَعْدَهَا سَدَّتْ مَسَدَّ الْمَفْعُوْلَيْنِ وَجَوَابُ لَوْ مَحْذُوْفٌ وَالْمَعْنٰى لَوْ عَلِمُوْا فِى الدُّنْيَا شِدَّةَ عَذَابِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْقُدْرَةَ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَقْتَ مُعَايَنَتِهِمْ لَهٗ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ لَمَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَنْدَادًا اِذْ بَدَلٌ مِنْ اِذْ قَبْلَهٗ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا اَيِ الرُّؤَسَاءُ مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا اَىْ اَنْكَرُوْا اِضْلَالَهُمْ وَ قَدْ رَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ عَطْفٌ عَلٰى تَبَرَّاَ بِهِمُ عَنْهُمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ اَلْوُصَلُ الَّتِىْ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِى الدُّنْيَا مِنَ الْاَرْحَامِ وَالْمَوَدَّةِ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً رَجْعَةً اِلَى الدُّنْيَا فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ اَىِ الْمَتْبُوْعِيْنَ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ط اَلْيَوْمَ وَلَوْ لِلتَّمَنِّىْ وَفَنَتَبَرَّاَ جَوَابُهٗ كَذٰلِكَ كَمَا اَرَاهُمْ شِدَّةَ عَذَابِهٖ وَتَبَرِّىْ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمُ السَّيِّئَةَ حَسَرٰتٍ حَالٌ نَدَامَاتٍ عَلَيْهِمْ ط وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ع بَعْدَ دُخُوْلِهَا۔

ترجمہ:.........(اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ مشرکین نے عرض کیا کہ آپ اپنے رب کی توصیف بیان کیجئے) اور جو تم سب کے معبود بننے کا مستحق ہے (یعنی جس کو تم سب کی عبادت کا استحقاق حاصل ہے) ایک ہی معبود ہے (ذات وصفات میں اس کا کوئی نظیر نہیں ہیں) اس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں ہے وہی رحمٰن ورحیم ہے (مشرکین نے اس پر نشان طلب کیا تو اس پر آیت نازل ہوئی) بلاشبہ آسمان وزمین کے بنانے (اور اس میں جو کچھ عجائبات ہیں) اور رات دن کے اختلاف (دن رات کی آمدورفت اور کمی بیشی) اور جہازوں میں جو سمندر میں چلتے پھرتے ہیں (اور باوجود ثقل کے غرق نہیں ہوتے) لوگوں کے سامان نفع لے کر (سامان تجارت وباربرداری) اور خدا نے آسمان سے جو پانی (بارش) برسایا پھر اس سے زمین کو تروتازہ کیا (گھاس پھونس سے) اس کے خشک ہونے کے بعد اور پھیلا دیئے (متفرق ومنتشر کردیئے) اور ہر قسم کے جانور (کیونکہ جانور اسی سبزی سے پلتے ہیں جس کی پیداوار پانی سے ہوتی ہے) اور ہواؤں کے بدلنے چلنے میں (گرم وسرد ہواؤں کا شمالاً جنوباً پلٹنا) اور ابر (بادل) میں جو زمین وآسمان کے درمیان (بغیر علاقہ کے) معلق رہتا ہے (اللہ کے تابع فرمان رہتا ہے۔ جہاں چاہے چلا دیتا ہے) ان میں دلائل ہیں (جو ان کی وحدانیت پر دلالت کرنے والے ہیں) ان لوگوں کے لئے جو عقلمند (مدبر) ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے علاوہ (غیر اللہ کو) اوروں کو بھی شریک ٹھہراتے ہیں (اصنام کو) ان سے ایسی محبت کرتے ہیں (تعظیم وپستی کے لحاظ سے) جیسے اللہ سے (ان کی) محبت رکھنا ضروری ہونا

چاہئے اور مسلمانوں کو صرف اللہ سے انتہائی محبت ہے (بتوں کے ساتھ ان کی محبت سے بھی زیادہ ہے کیونکہ مسلمان تو کسی حال میں بھی اللہ سے نہیں پھرتے اور کفار سختی میں بتوں کو چھوڑ کر اللہ کی طرف آجاتے ہیں) اور کیا خوب ہوتا اگر آپ دیکھتے (اے محمدؐ) ان لوگوں کو جو (شرک وبت پرستی سے) ظلم کرنے والے ہیں جبکہ دیکھتے ہیں (یرون کی قرأت معروف اور مجہول دونوں طرح ہے.........) عذاب کو (تو آپ ملاحظہ فرمائیں گے ایک ہولناک معاملہ کو اور اذ بمعنی اذا ہے) اس لئے کہ (ان بمعنی لان) قوت (قدرت وغلبہ) اللہ تعالیٰ ہی کی ہے تمام کی تمام (جمیعًا حال ہے) اور اللہ تعالیٰ کا عذاب نہایت سخت ہے (اور ایک قرأت میں یری یائے تحتانیہ کے ساتھ ہے اور فاعل کے متعلق بعض کی رائے ہے کہ ضمیر خطاب ہے اور بعض نے خود الذین ظلموا کو کہا ہے اس صورت میں یری بمعنی یعلم ہوگا اور لفظ ان اور اس کا مابعد مفعولین کے قائم مقام ہو جائے گا اور لو کا جواب محذوف ہوگا اور معنی آیت اس طرح ہوں گے کہ دنیا میں اگر یہ لوگ اللہ کے عذاب کی شدت اور عذاب کے معائنہ کی وقت یعنی قیامت میں تنہا اس کی قدرت کو سمجھ جائیں تو ہرگز اس کے ماسوی کسی کو اس کا شریک معبود نہ بنائیں) جبکہ صاف بچ نکلنے کی کوشش کریں گے وہ لوگ جن کے کہنے پر دوسرے چلتے تھے (خواص ان لوگوں سے جو ان کا کہا مانتے تھے (یعنی ان کے گمراہ کرنے کا انکار کردیں گے) اور سب مشاہدہ کرلیں گے عذاب کا اور قطع ہو جائیں گے (اس کا عطف تبرا پر ہے) باہم ان میں جو تعلقات تھے (صلہ رحمی اور دوستی کے جو علائق دنیا میں ان کے مابین تھے) اور کہہ رہے ہوں گے عوام کہ کسی طرح ہم سب کو بس ذرا ایک دفعہ جانا مل جائے (دنیا میں واپس ہو جائے) تو ہم بھی ان سے (خواص سے) صاف الگ ہو جائیں گے جس طرح یہ ہم سے صاف الگ ہو بیٹھے (اس وقت اور لو تمنائیہ ہے اور فنتبرأ اس کا جواب ہے) یونہی (جس طرح ان کو شدت عذاب اور ایک دوسرے کی طوطہ چشمی ہم نے دکھلا دی ہے) دکھلائیں گے اللہ تعالیٰ ان کے اعمال (بد) کو خالی ارمان کر کے (یہ حال ہے بمعنی ندامت) ان کو اور وہ کبھی دوزخ سے نہیں نکل سکیں گے (داخلہ کے بعد۔) ۱

تحقیق وترکیب:.......... ونزل یہ شانِ نزول باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔قالو امشرکین مکہ ۳۶۰ بتوں کے پرستار تھے۔ سورۂ اخلاص اور یہ آیت ان کی رد میں نازل ہوئی۔ای المستحق صیغہ جمع میں جو تعدد الہٰ کا وہم ہوتا ہے۔اس کے لحاظ سے وحدت کی توجیہ یہ ہے۔الٰہ واحد لفظ الٰہ خبر ہے اور واحد اس کی صفت اور الا ھو مستثنیٰ موضع رفع میں لا الٰہ سے بدل واقع ہو رہا ہے اور الرحمٰن بدل ہے ھو سے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے جس کی تقدیر جلال محقق نے کی ہے۔

السمٰوٰت جمع کا صیغہ اس کے تعدد کی طرف مشیر ہے۔دوسری آیت میں تصریح ہے "خلق سبع سمٰوٰت" بخلاف زمین کے وہ دیکھنے میں بظاہر ایک معلوم ہوتی ہے۔اگرچہ ومن الارض مثلھن سے اس کا تعدد معلوم ہوتا ہے۔بما ینفع ما موصولہ یا مصدریہ ہے۔ اور بہا ملابستہ کے لئے ہے۔وبث جلال محقق نے لفظ احیا پر اس کے معطوف ہونے کی طرف اشارہ کردیا ہے اور عائد محذوف ہے۔ ای کحبھم اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک معنی یہ کہ یحبون الاصنام کما یحبون اللہ جس کا حاصل شرک فی المحبت ہے اور دوسرے معنی یہ کہ یحبون الاصنام کحب المؤمنین اللہ. ولو تری جلال مفسر نے تبصر سے تفسیر کر کے عامؒ ونافع کی قرأت بالتاء کی طرف اشارہ کردیا۔اذ یرون دراصل اذ ماضی پر داخل ہوتا ہے اور اذا مضارع پر۔یہاں مضارع پر داخل کر کے اشارہ اس طرف ہے کہ حق تعالیٰ کا فعل مستقبل ایسا ہی متعین اور محقق ہے۔جیسا کہ ہماری ماضی لرایت یہ جواب لو ہے۔اس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب خاص ہے اور یا ہر مخاطب کو خطاب عام ہے۔ان کو لان کے معنی میں لے کر اس طرف اشارہ کرنا ہے یہ لرایت جواب محذوف کی دلیل ہے اور یعقوب کی قرأت میں ان بکسر ہے جملہ مستانفہ یا باضمار قول۔

جمیعًا حال ہے متعلق جار مجرور کی ضمیر سے تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ان القوۃ کائنۃ للہ جمیعا لما اتخذوا پہلی قرأت

تری کی صورت میں لرأیت جواب کو ان القوہ الخ پہلے مقدر مانا گیا ہے اور دوسری قرأت میں یری کی صورت ان القوۃ کو پہلے اور لما اتخذوا جواب کو مؤخر مقدر مانا ہے۔ کیونکہ اول صورت میں جواب کی علۃ ہے۔ اس لئے جواب مقدم اور علت مؤخر ہونی چاہئے اور دوسری صورت میں ان القوۃ معمول یری ہے گویا ان کا متمم ہے اس کی تکمیل کے بعد جواب لایا گیا ہے۔

اذ تبرء یہ اذ پہلے اذ یرون سے بدل ہو کر ظرف ہوگا۔ وراؤ میں قد کی تقدیر اشارۂ حالیت کے لئے ہے۔ الذین سے حال ہے اور ضمیر جمع۔ تابع اور متبوع دونوں کی طرف راجع ہے اور حال میں عامل لفظ تبرء ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے تبروا فی حال رویتھم۔ بھم اس میں با معنی عن ہے۔ اور سببیت کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ ای انقطعت بسبب کفرھم اسباب النجاۃ اور بلا بستہ کے لئے بھی ہو سکتی ہے ای انقطعت الاسباب موصولۃ بھم اور با تعدیہ کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ ای قطعت بھم الاسباب کرۃ، مصدر بمعنی رجعۃ اور فنتبرء جواب لو ہے۔ تقدیر اس طرح لیت لنا کرۃ فنتبرء منھم۔ کما میں ما مصدریہ اور کذالک قائم مقام مفعول مطلق کے ہے۔ یریھم سے اور کذالک کا مشار الیہ ارادۃ ہے۔ حسرات اگر رویت بصریہ ہے تو یہ اس سے حال ہے اور رویت قلبیہ ہے تو یہ اس کا مفعول ثالث ہے بمعنی ندامت شدیدہ اور کمد جس کے معنی قلبی تکلیف کے ہیں۔

ربط:............ پچھلی آیات میں رسالت سے متعلق کتمان حق کا بیان تھا۔ دین میں دو ہی بنیادی اور مرکزی مسئلے ہیں۔ رسالت اور توحید اس لئے آئندہ آیات میں توحید پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ اس کا اثبات بالدلیل، مشرکین کی مذمت اور ان پر عقوبت کا بیان ہے۔

شانِ نزول:............ آیت والھکم الخ اور ان فی خلق السموٰت کے ذیل میں شان نزول کی طرف مفسر علام نے اشارہ کیا ہے۔ اور لباب النقول میں ہے کہ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اور فریابی نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں تخریج کی ہے کہ جب والھکم الخ نازل ہوئی تو مشرکین کو بڑا تعجب ہوا کہ سارے زمین و آسمان میں صرف ایک رب کیسے ہو سکتا ہے اور اس پر دلیل کا مطالبہ کیا یہ آیات اس مطالبہ کا جواب ہیں۔

﴿تشریح﴾:...... وجود باری کی دلیل عقلی:............ حاصل استدلال یہ ہوگا کہ آیت میں جن چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے وہ تمام ممکن الوجود ہیں۔ بعض کا ممکن ہونا تو بداہۃً مشاہدہ سے معلوم ہے کہ پہلے موجود نہیں تھا بعد میں موجود ہوئیں یا ان میں تغیر اور ردوبدل ہوتا رہتا ہے اور بعض کا ممکن ہونا مرکب ہونے کی وجہ سے یا آپس میں ایک دوسرے کی طرف محتاج ہونے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے غرضیکہ یہ سب چیزیں ممکن ہیں اور ممکن اپنے وجود میں محتاج ہوتا ہے کسی مرجح کا۔ اب اگر اس کا مرجح بھی ممکن ہے تو اس مرجح کے لئے بھی دوسرے مرجح کی ضرورت ہوگی۔ وھلم جرًّا اس طرح تسلسل لازم آئے گا۔ اس لئے بچنے کے لئے کسی واجب پر سلسلہ کو ختم کرنا پڑے گا اور اسی واجب کو شرعی زبان میں اللہ کہا جاتا ہے۔ دوسرے لوگ خواہ اللہ کا نام علۃ اول یا علۃ العلل رکھیں یا کچھ اور کہیں یہ دلیل تو وجود باری کی ہوئی۔

توحید باری کی دلیل عقلی:............ اب رہی اس کے ایک ہونے کی دلیل تو کہا جائے گا کہ اگر واجب الوجود ایک کے بجائے دو مانے جائیں تو ان میں سے کوئی ایک عاجز ہوگا یا دونوں کا قادر ہونا ضروری ہے۔ عاجز ہونا تو وجوب کے منافی ہے، اس لئے پہلی صورت میں تو محال ہے اب قادر ہونے کی دوسری صورت میں ان میں سے کوئی ایک مثلاً بارش برسانا چاہتا ہے تو کیا دوسرا خدا اس کے خلاف یعنی بارش نہ برسانے کا ارادہ کر سکتا ہے یا نہیں اگر نہیں کر سکتا تو دوسرے خدا کا عاجز ہونا لازم آیا جو اس کی خدائی کے منافی ہے

اوراگر کرسکتا ہے تو اس پر اس کی مراد کا ترتب ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری نہیں تو مراد کا تخلف قادرِ مطلق کے ارادہ سے لازم آیا جو محال ہے اور اگر ضروری ہے تو دو مختلف مرادوں کا اجتماع لازم آیا یعنی بارش کا برسانا اور نہ برسانا اور یہ اجتماع ضدین ہونے کی وجہ سے محال ہے اور مستلزم محال خود محال ہوا کرتا ہے اس لئے تعدد واجب محال ہوا اور توحید باری واجب اور ثابت ہوگئی۔

اسلامی اصول عقلی ہیں فروع کا عقلی ہونا ضروری نہیں ہے:............ اسلام کے دونوں اصول توحید ورسالت عقلی ہیں آیت ان فی ذلک لاٰیٰت لقوم یعقلون اس طرح مشیر بھی ہے۔ البتہ احکام فروعی کا عقلی ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ان کے لئے تو کسی عقلی دلیل کے خلاف نہ ہونا ہی کافی ہے اس لئے ہر ہر جزئی کا اثبات عقلی دلیل سے بالکل غیر ضروری ہے۔

آسمانوں کے وجود کا سائنسی انکار:............ آسمان کا وجود ثابت ہے اگر کوئی دعویٰ نفی کرے تو کہا جائے گا کہ ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین البتہ یہ ممکن ہے کہ طلوع وغروب کے نظام میں آسمانوں کو دخل نہ ہو لیکن اس سے وجود کی نفی لازم نہیں آتی۔

اللہ کی محبت کے ساتھ دوسروں کی محبت:............ یحبونھم کحب اللہ الخ گویا شرک فی المحبت بھی ایک طرح کا شرک ہے۔ والذین اٰمنوا اشد حبا للہ میں غیر اللہ کی مطلق محبت کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اللہ کی محبت کے مقابلہ میں غالب نہ ہو اور غور کے لئے مصیبت کے وقت کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ ایسے وقت جب اللہ کی طرف رجوع ہو جاتے ہو اور کسی قدر طبیعت ٹھکانے اور راہ راست پر آنے لگتی ہے اگر صحیح نظر سے کام لو تو ہمیشہ کے لئے راہ حق کھل سکتی ہے اور توحید پر ثبات نصیب ہوسکتا ہے۔

آخرت میں عذاب کی شدت کئی طرح ہوگی اول تو جہنم کا عذاب فی نفسہ شدید ہونا، دوسرے جن لوگوں کے سہارے کی آس تھی ان کا جواب ملنا، تیسرے انتقام سے عاجز ہونا اور محض گھٹ کر رہ جانا اور پھر ان سب پر حسرت کا روحانی عذاب مصیبت بالائے مصیبت سے کم نہیں۔

وماھم بخارجین. دراصل ما انا قلت کے باب سے مفید حصر ہے جس سے گنہگار مؤمنین کا جہنم سے خارج ہو کر نجات پانا معلوم ہوتا ہے۔ خلافاً للمعتزلۃ آیت یریھم اللہ اعمالھم حسرات سے کفار کا مکلّف باعمال فرعیہ ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن حنفیہ کی طرف سے تو یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ مراد اعمال سے خاص اعمال شرکیہ وکفریہ ہیں۔

وَنَزَلَ فِیْمَنْ حَرَّمَ السَّوَائِبَ وَنَحْوَھَا **یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا** حَالٌ **طَیِّبًا** صِفَةٌ مُؤَکِّدَةٌ اَوْ مُسْتَلِذًّا **وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ** طُرُقَ **الشَّیْطٰنِ** اَیْ تَزْیِیْنَہٗ **اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾** بَیِّنُ الْعَدَاوَةِ **اِنَّمَا یَاْمُرُکُمْ بِالسُّوْٓءِ** الْاِثْمِ **وَالْفَحْشَآءِ** الْقَبِیْحِ شَرْعًا **وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾** مِنْ تَحْرِیْمِ مَالَمْ یُحَرَّمْ وَغَیْرِہٖ **وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ** اَیِ الْکُفَّارِ **اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ** مِنَ التَّوْحِیْدِ وَتَحْلِیْلِ الطَّیِّبَاتِ **قَالُوْا لَا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا** وَجَدْنَا **عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا** مِنْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَتَحْرِیْمِ السَّوَائِبِ وَالْبَحَائِرِ قَالَ تَعَالٰی اَیَتَّبِعُوْنَھُمْ **اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا** مِنْ اَمْرِ الدِّیْنِ **وَّلَا یَھْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾** اِلَی الْحَقِّ وَالْھَمْزَةُ لِلْاِنْکَارِ **وَمَثَلُ** صِفَةُ **الَّذِیْنَ کَفَرُوْا** وَمَنْ یَّدْعُوْھُمْ اِلَی الْھُدٰی **کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ** یَصُوْتُ **بِمَا**

لَايَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ اَیْ صَوْتًا لَایُفْهِمُ مَعْنَاهُ اَیْ هُمْ فِیْ سِمَاعِ الْمَوْعِظَةِ وَعَدَمِ تَدَبُّرِهَا كَالْبَهَائِمِ تَسْمَعُ صَوْتَ رَاعِیْهَا وَلَاتَفْهَمُهٗ هُمْ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَایَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلْمَوْعِظَةَ

ترجمہ:.........(جولوگ سائبہ وغیرہ جانوروں کوحرام سمجھتے تھے ان کے متعلق آیت نازل ہوئی) اے لوگو! کھاؤ ان چیزوں میں سے جو زمین میں موجود ہیں۔ حلال (یہ لفظ حال ہے) پاک چیزیں (طیباً صفت مؤکدہ ہے یا محض لذت کے لئے ہے) اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو (خطوات بمعنی طرق اور شیطان سے مراد اس کی تزئین کے طریقے ہیں) فی الواقع شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے (ظاہر العداوت ہے) وہ ان ہی باتوں کی تعلیم کرتا ہے جو بری (گناہ کی) اور گندگی (شرعاً بری) ہیں اور یہ کہ اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤ جس کی تم سند نہیں رکھتے (حلال وحرام کرنا وغیرہ) اور جب کوئی ان سے (کفار سے) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم بھیجا ہے اس پر چلو (یعنی توحید اور پاکیزہ چیزوں کو حلال کرنا) تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو اس طریقہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ (الفینا بمعنی وجدنا یعنی بت پرستی اور سائبہ اور بحیرہ جانوروں کو حرام کرنا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) کیا (یہ ان کا اتباع کرتے ہیں) اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ سمجھ نہ رکھتے ہوں (دین کے معاملہ کی) اور نہ ہدایت یافتہ ہوں (حق کی طرف۔ اس میں ہمزہ استفہام انکاری ہے) اور کیفیت (حالت) کافروں کی (اور جو لوگ ان کو ہدایت کی طرف بلاتے ہیں) اس کیفیت کی مانند ہے کہ ایک شخص چلا رہا ہے (آواز دے رہا ہے) اس (جانور) کے پیچھے جو بجز پکارنے اور بلانے سے کوئی بات نہیں سنتا (یعنی ایسی آواز جس کے معنی سمجھ میں نہ آئیں۔ یعنی یہ کافر وعظ سننے اور نہ سمجھنے میں چوپاؤں کی طرح ہیں کہ چرواہے کی صرف آواز سنتے رہتے ہیں مگر سمجھتے کچھ نہیں یہ کفار) بالکل بہرے، گونگے، اندھے ہیں چنانچہ بالکل نہیں سمجھتے (نصیحت کو۔)

تحقیق وترکیب:.........السوائب جمع سائبة کی۔ وہ اونٹنی جو زمانہ جاہلیت میں بت کے نامزد کر دی جاتی تھی۔ اس کے دودھ اور گوشت کے استعمال کو حرام سمجھتے تھے۔ بحائر جمع بحیرة جس کا صرف دودھ بتوں کے نام پر نامزد اور ممنوع کر دیا جائے۔ بحر کے معنی کان شق کرنے کے ہیں۔ وجہ تسمیہ یہی ہے کہ ایسے جانور کو بطور علامت کان شق کر دیا کرتے تھے۔ بنو ثقیف، بنو عامر، خزاعہ، بنو مدلج قبیلوں کے لوگ ایسا کرتے تھے۔ اس قسم کے جانوروں کی تحقیق وتفصیل سورۂ مائدہ میں آئے گی۔

ایها الناس سے اہل مکہ کو خطاب کرنا سورۃ کے مدنی ہونے کے منافی نہیں ہے یا اہل مکہ اس لفظ سے مراد ہونا کلی قاعدہ نہ سمجھا جائے۔ بلکہ اکثری قاعدہ ہو۔ حلال حال ہے یا مفعول بہ ہے اور مما فی الارض حال ہو جائے گا۔ حلالاً سے نکرہ ہونے کی وجہ سے مقدم کرلیا گیا ہو۔ طیبا اگر شرعی پاکیزگی مراد ہو تو حلال کی صفت مؤکدہ ہے توضیح کرنی مقصود ہے اور اگر لوگوں کا مرغوب ہونا مراد لیا جائے تو صفت مفیدہ یا حال ہو جائے گی۔ تزیینه یعنی عبارت بتقدیر المضاف ہے۔ ای طرق تزیینه اور تزئین سے مراد وساوس شیطانی ہیں۔ بین ابان لازم سے مشتق ہے۔ متعدی میں یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ خطوت جمع خطوة، قدم اور مابین القدمین فاصلہ دونوں معنی آتے ہیں۔ پھر مطلقاً اقتداء کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

السوء والفحشاء اول منکر عقلی اور دوسرا منکر شرعی۔ اسی اختلاف وصفین کی وجہ سے عطف کیا گیا ہے اور امر سے مراد یہاں تزئین شیطانی ہے اولو کان ہمزہ کے بعد یتبعون کی تقدیر فعل سے اشارہ ہے۔ لو کان کے مفعول سے حال ہونے کی طرف۔ اسی یتبعونهم فی حال فرضهم غیر عاقلین ولا مهتدین ہمزہ انکاری رد اور تعجب کے لئے ہے۔

اولو میں واؤ وصلیہ ہے۔ مثل چونکہ الذی ینعق کے ساتھ کفار کی تمثیل درست نہیں۔ اس لئے جلال مفسر نے تقدیر معطوف علی

المشبہ کی ہے اور مشبہ یا مشبہ بہ کی تقدیر کی جانب مضاف بھی کر سکتے ہیں۔ ای **مثل داعی الذین کفروا کمثل الذین ینعق** یا **مثال الکفرۃ کمثل بھائم الذی ینعق** اور **داعی الی الھدی** سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں۔ مفسر علامؒ نے مشبہ فیہ کے محذوف ہونے کی طرف الی الہدیٰ سے اشارہ کیا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **ومثل من یدعوا الذین کفروا الی الھدی کمثل الذین ینعق** گویا اس تشبیہ میں داعی یعنی داعی الی الہدیٰ سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں اور یہ کفار مثل بہائم اور غنم کے ہوئے۔

ربط:............ گذشتہ آیات میں مشرکین کے عقیدۂ شرکیہ کا ابطال کیا تھا۔ ان آیات میں ان کے بعض اعمالِ شرکیہ کی تردید کرنی ہے۔

شانِ نزول:............ بقول علامہ آلوسی، ابن جریر وابن عباس کی رائے کے مطابق یہ آیت ان مشرکین کے بارے میں ہے جو بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام وغیرہ خاص قسم کے جانوروں کو اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے۔ یعنی تحریم حلال جو شارع کا حق ہے اس کے مرتکب تھے اس پر آیت **ایھا الناس الخ** نازل ہوئی۔

قاضی بیضاویؒ کی رائے ہے کہ آیت **واذا قیل الخ** ان مشرکین کے باب میں نازل ہوئی جن کو آپ نے قرآن کریم وغیرہ آسمانی کتابوں کی طرف دعوت عمل دی تھی تو انہوں نے تقلید آباء کا عذر کیا اور لباب النقول میں ابن ابی حاتم نے سعید یا عکرمہ کے طریق پر حضرت ابن عباس سے تخریج کی ہے کہ آپ نے یہود کو اسلام کی طرف دعوت پیش کی تو رافع بن حرملہ اور مالک بن عوف نے کہا **بل نتبع ماوجدنا علیہ اباء نا** کیونکہ وہ ہم سے زیادہ بہتر اور واقف کار تھے۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ پہلی روایت نظم قرآنی کے زیادہ قریب اور دوسری روایۃ روایۃً زیادہ قوی ہے اور ممکن ہے آیت دونوں فریق کو شامل ہو کیونکہ الفاظ عام ہیں اور مرض بھی عام ہے۔

﴿تشریح﴾:...... **خاص جانوروں کی حرمت وحلت:**............ اس آیت میں مذکورہ جانوروں کو خاص طریقہ پر حرام کرنے کی ممانعت ہے یعنی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے حرمت ہو جائے یا اس تحریم کی وجہ سے بتوں کی تعظیم ہوتی ہو اور پھر اس عمل کو باعث برکت وتقرب سمجھتے ہوں اور اس سے نفع اٹھانے کو بے ادبی سمجھتے ہوں۔ اسی طرح تحریم کو دائمی اور ناقابل رفع سمجھتے ہوں حالانکہ یہ سب باتیں غلط اور ممنوع اور بے اصل ہیں۔ اس لئے نہ تمہیں ایسا فعل کرنا چاہئے کہ کسی جانور کو غیر اللہ یا بت کے نامزد کرو بلکہ اس کو اپنے حال پر رکھ کر کھاؤ پیو اور اس کو حرام نہ سمجھو بلکہ حلال اور مشروع سمجھتے رہو اور اگر لاعلمی یا جہالت سے ایسی غلطی ہو جائے تو ایمان وتوبہ سے اس کی اصلاح کرلو یعنی یہ سمجھو کہ یہ جانور ہمارے لئے حرام نہیں رہا، بلکہ حلال ہو گیا ہے۔ سانڈ، بکرے، مرغے کا کسی بت یا پیر فقیر غیر اللہ کے نامزد کرنے کی حرمت کا بیان آگے آتا ہے۔

تقلید کفار اور تقلید فقہی کا فرق:............ بعض لوگ ناواقفیت سے آیت **واذا قیل الخ** کو تقلید کی مذمت اور عدم تقلید کی تائید میں پیش کرتے ہیں حالانکہ اگر غور کیا جائے تو اس سے تو اور تقلید مجتہدین کی تائید اور تقویت نکل رہی ہے کیونکہ تقلید دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تقلید صحیح کہ جس شخص کی تقلید کی جائے اس کا قول مستند ہو دلیل شرعی کی طرف۔ وہ دلیل شرعی خواہ نص یعنی کتاب اللہ یا حدیث ہو، جس کو یہاں لفظ ہدایت سے تعبیر کیا گیا ہے اور یا قیاسی شرعی ہو جس میں علۃ حکم قرآن وحدیث مستنبط ہوئی ہے کہ جس کو یہاں عقل سے تعبیر فرمایا گیا ہے پس ایسا شخص شرعاً قابل اتباع اور لائق تقلید ہوتا ہے جب تک اس کے قول کا دلیل صحیح اور صریح سے معارض ہونا معلوم نہ ہو جائے آیت میں اس کی نفی نہیں ہے۔ دوسری صورت تقلید غیر صحیح کی ہوتی ہے جو اس کے برخلاف ہو۔ یعنی جو شخص یا طریقہ ان دونوں باتوں سے عاری ہو کہ نہ اس کی بات کی سند قرآن وحدیث ہو اور نہ قیاس کی تائید اس کو حاصل ہو پھر تقلید بھی ایسی بات میں نہ ہو کہ

جس کے متعلق شرع خاموش ہو بلکہ شریعت میں اس کے برخلاف دلیل موجود ہوتے ہوئے بھی اس کی تقلید کی جائے یہ تقلید جامد اور کورانہ تقلید کہلائے گی جو شیوۂ کفار تھی جس کی تغلیط اس آیت میں کی گئی ہے اس کو تقلید فقہی سے قطعاً مس نہیں ہے۔

اعتدال، اتباع مشائخ اور ادراکات روحانیہ:......... **كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ** میں غلو فی المجاہدہ سے بچنے اور اعتدال پر رہنے کی تعلیم اور آیت اولو کان میں دلالت ہے بلاتردد اتباع مشائخ کی۔ آیت **صُمٌّ بُكْمٌ** میں مدرکات روحانی کا اثبات ہو رہا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ حِلَالَاتِ **مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ** عَلٰى مَا اُحِلَّ لَكُمْ **اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ** اَيْ اَكْلَهَا اِذِ الْكَلَامُ فِيْهِ وَكَذَا مَابَعْدَهَا وَهِيَ مَالَمْ تُذَكَّ شَرْعًا وَاُلْحِقَ بِهَا بِالسُّنَّةِ مَااُبِيْنَ مِنْ حَيٍّ وَخُصَّ مِنْهَا السَّمَكُ وَالْجَرَادُ **وَالدَّمَ** اَيِ الْمَسْفُوْحَ كَمَا فِي الْاَنْعَامِ **وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ** خُصَّ اللَّحْمُ لِاَنَّهُ مُعْظَمُ الْمَقْصُوْدِ وَغَيْرُهُ تَبَعٌ لَهُ **وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** اَيْ ذُبِحَ عَلٰى اِسْمِ غَيْرِهٖ تَعَالٰى وَالْاِهْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ وَكَانُوْا يَرْفَعُوْنَهُ عِنْدَ الذَّبْحِ لِاٰلِهَتِهِمْ **فَمَنِ اضْطُرَّ** اَيْ اَلْجَاَتْهُ الضَّرُوْرَةُ اِلٰى اَكْلِ شَيْءٍ مِمَّا ذُكِرَ فَاَكَلَهُ **غَيْرَ بَاغٍ** خَارِجٍ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ **وَّلَا عَادٍ** مُتَعَدٍّ عَلَيْهِمْ بِقَطْعِ الطَّرِيْقِ **فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ** فِيْ اَكْلِهٖ **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لِاَوْلِيَائِهٖ **رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾** بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ حَيْثُ وَسَّعَ لَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ وَخَرَجَ الْبَاغِيْ وَالْعَادِيْ وَيُلْحَقُ بِهِمَا كُلُّ عَاصٍ بِسَفَرِهٖ كَالْاٰبِقِ وَالْمَكَّاسِ فَلَايَحِلُّ لَهُمْ اَكْلُ شَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ مَالَمْ يَتُوْبُوْا وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ۔

ترجمہ:......... اے اہل ایمان! کھاؤ ان چیزوں میں سے جو حلال (پاک) چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں اور اللہ میاں کا شکر ادا کرو (ان کو تمہارے لئے حلال فرمادیا ہے) اگر تم خاص ان کی ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام فرمایا ہے مردار کو (یعنی اس کا کھانا حرام فرمایا ہے کیونکہ گفتگو کھانے ہی میں ہو رہی ہے۔ علیٰ ھذا بعد والے الفاظ میتہ، شرعاً غیر مذبوحہ جانور کو کہتے ہیں اور جس زندہ جانور کا کچھ حصہ الگ کاٹ لیا جائے۔ حدیث کی رو سے وہ کٹا ہوا حصہ بھی میتہ کے حکم میں ہے اور حکم میتہ سے مچھلی اور ٹڈی کو خاص کر لیا گیا ہے) اور خون (جو بہتا ہوا ہو جیسا کہ سورۂ انعام میں ہے) اور خنزیر کا گوشت (خنزیر میں گوشت کی تخصیص اس لئے ہے کہ بڑا مقصد اس میں گوشت کا ہی ہوتا ہے۔ دوسری سب چیزیں اس کے تابع ہوتی ہیں) اور جو جانور غیر اللہ کے نامزد ہوں (یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے جائیں۔ اھلال کہتے ہیں آواز بلند کرنے کو۔ یہ لوگ ذبح کے وقت بلند آواز سے ان کا نام جپا کرتے تھے) پھر بھی جو شخص بے تاب ہو جائے (یعنی ضرورت مجبور کرے ان چیزوں کو کھانے کے لئے اور وہ کھالے) بشرطیکہ نہ تو باغی ہو (مسلمانوں کے خلاف بغاوت پھیلانے والا) اور نہ ظالم ہو (لوٹ مار سے ان پر تعدی کرنے والا) تو ایسے شخص پر کوئی گناہ نہیں ہے (اس کے کھانے میں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (اپنے دوستوں کی) مغفرت فرمانے والے (اور فرمانبرداروں) پر رحم فرمانے والے ہیں (کہ ان کو ایسے وقت وسعت دیدی ہے اور باغی اور ظالم اس حکم سے خارج ہو گئے ہیں اور ہر وہ شخص جس کا مقصد سفر معصیت اور نافرمانی ہو جیسے بھاگا ہوا غلام یا زبردستی ٹیکس وصول کرنے والا وہ بھی اس حکم میں ان دونوں کو ساتھ شریک ہیں۔ چنانچہ ان کیلئے مذکورہ چیزوں کا کھانا جائز

نہیں ہے تاوقتیکہ توبہ نہ کرلیں۔امام شافعیؒ کا مذہب یہی ہے)

تحقیق وترکیب:............یا ایھا الذین اٰمنوا میں خطاب اہل مدینہ کو ہوگا اور یاایھا الناس سے خطاب اہل مکہ کو ہوگا اللہ کی تغلیبی عادت کی وجہ سے۔انما حرم یہ حصر اضافی ہے حصر حقیقی نہیں ہے۔ان کے عقیدہ تحریم سائبہ، بحیرہ، وصیلہ، حام کی نفی کرنا ہے کہ یہ مذکورہ چیزیں حرام نہیں ہیں بلکہ ہم جن کو بتلارہے ہیں وہ حرام ہیں اکلھا چونکہ حلت یا حرمت کا تعلق اعیان اور ذوات سے نہیں ہوتا۔اس لئے جلال محقق کو اکل مقدر ماننا پڑا۔بالسنة ابن ماجہؒ اور حاکمؒ نے ابن عمرؓ سے مرفوعاً تخریج کی ہے اُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ السَّمَكُ وَالْجَرَادُ وَدَمَانِ الْكَبِدُ وَالطِّحَالُ یہ حدیث مشہور ہے جس سے زیادتی علی الکتاب جائز ہے۔بخلاف دوسری روایت زکوٰۃ الجنین زکوٰۃ امہ کے وہ خبر واحد ہے وما اھل بہ لغیر اللہ یعنی ماذبح یہ مجاہد، ضحاک، قتادہ کا قول ہے اور ربیع بن انس اور ابن زید عام معنی مراد لیتے ہیں۔یعنی ماذکر علیہ اسم غیر اللہ اور یہی معنی الفاظ کے زیادہ اوفق ہیں الاھلال آواز بلند کرنا ہلال بمعنی چاند بھی اس لئے ہے کہ اس کے نکلنے پر آوازیں بلند کی جاتی ہیں اس کے دیکھنے دکھانے کے لئے۔

استھل المولود پیدائش کے وقت بچہ کا آواز کرنا۔تسمیة الشیٔ باسم صاحبہ ہے۔فاکلہ اشارہ ہے کہ جملہ اضطر کا معطوف محذوف ہے۔غیر باغ اس کی جو تفسیر جلال مفسرؒ نے کی ہے سعید بن منصورؒ نے مجاہدؒ سے اس آیت کی تفسیر اسی طرح تخریج کی ہے۔امام احمدؒ کا قول بھی اس بارہ میں وہی ہے جو امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔لیکن امام اعظمؒ اور جمہور کی رائے میں ان احکام کی رخصت کی تخصیص کسی کے ساتھ نہیں ہے اور وہ ان دونوں لفظوں کی تفسیر اور طرح کرتے ہیں۔اگر یہ مخمصہ کسی کا دائمی ہو تو نہ صرف یہ کہ اس کو ان چیزوں کے ہی کھانے کی رخصت ہے۔بلکہ پیٹ بھر کر کھانے کی بھی جمہور کے نزدیک اجازت ہے، البتہ اگر مخمصہ دائمی نہ ہو تو امام مالکؒ کے نزدیک پیٹ بھرائی اور توشہ رکھنا دونوں جائز ہیں اور دوسرے حضرات کے اس بارہ میں دو قول ہیں۔نیز میتہ اور ما اھل بہ لغیر اللہ کو ایسی صورت میں خنزیر کے گوشت سے مقدم سمجھا جائے گا یعنی اگر دونوں کسی کے پاس ہوں تو کھانے کی اجازت نہیں اول کو آخر پر ترجیح دی جائے گی۔

ربط:............پہلی آیات میں حلال چیزوں کے متعلق کفار کی غلطی کا اظہار تھا اور ان کی اصلاح مقصود تھی۔ان آیات میں مسلمانوں کو اس باب میں ان کی پیروی کرنے سے روکا جارہا ہے اور ان پر انعام کا اظہار اور اس پر پھر شکر کا مطالبہ ان سے کیا جارہا ہے۔

شانِ نزول:............شان نزول تقریباً وہی ہے جو گذشتہ آیات میں گزر چکا ہے۔

﴿تشریح﴾:......حلال وطیب کس کو کہتے ہیں؟:............طیبات سے مراد یہاں مطلقاً حلال چیزیں ہیں اور بعض نے اس کی تفسیر خاص بحیرہ سائبہ وغیرہ جانوروں سے کی ہے یعنی یہ مذکورہ چیزیں حرام نہیں ہیں جن کو تم نے حرام کر رکھا ہے۔بلکہ میتہ وغیرہ چیزیں حرام ہیں اور بعض نے طیبات سے مراد صرف اونٹ کا گوشت لیا ہے۔یعنی عبداللہ بن سلام وغیرہ، بعض اصحاب جو اس سے پرہیز کرتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ یہود کا بحیرہ وغیرہ جانوروں سے پرہیز کرنا صحیح نہیں تھا اور بعض نے حلال کے معنی یہ لئے ہیں کہ مفتی جس کو جائز قرار دے دیں اور طیب وہ جس کی شہادت دل دیدے۔جیسا کہ ارشاد نبوی ہے دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيبُكَ اور بعض نے حلال وطیب کا مصداق ایسی چیز کو کہا ہے جو دنیا میں بلا مشقت حاصل ہو جائے اور آخرت میں موجب عذاب نہ ہو۔اس آیت میں چونکہ رزق حلال کھانے کا حکم اس سے معلوم ہوا کہ حلال اور حرام دونوں رزق ہوتے ہیں اول مامور دوسرا ممنوع خلافا للمعتزلہ۔

تمام چیزیں اصل میں حلال ہیں:.........اس مضمون کی آیات تین عنوان کے ساتھ مذکور ہیں (۱) یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا الخ (۲) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا الخ (۳) یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ الخ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر چیز میں حلت اصل ہے جب تک کوئی دلیل حرمت نہ ہو اور چونکہ اس آیت میں بعض محرمات کو بیان کیا گیا ہے اور بعض محرمات اور دوسری آیت اور کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ اس لئے کہا جائے گا کہ آیت میں حصر اضافی ہے حصر حقیقی نہیں ہے میتہ سے مراد وہ جانور جس کا ذبح ضروری ہو اور بغیر ذبح کے وہ ہلاک ہو جائے یا زندہ جانور کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے یا جس جانور کا ذبح ضرور نہ ہو خواہ وہ ٹڈی یا مچھلی ہو کہ بہرصورت حلال ہے۔

ذبح اضطراری:.........یا ہرن وغیرہ وحشی جانور ہو کہ جس کا ذبح اختیاری نہ ہو تو ذبح اضطراری کافی ہوگا یعنی دور ہی سے بسم اللہ کہہ کر تیر یا کوئی دوسرا تیز ہتھیار مار دیا جائے جس سے جانور زخمی ہو جائے تو اس ذبح اضطراری سے بھی جانور حلال ہو جائے گا۔ البتہ بندوق کی گولی سے محض جانور حلال نہیں ہوگا تاوقتیکہ باقاعدہ اس کو ذبح نہ کیا جائے اور میتہ کا صرف گوشت کھانا حرام ہوگا البتہ اس کے چمڑے کو دباغت کے بعد استعمال کرنا جائز ہے بخلاف امام مالک کے۔ اسی طرح اس کے بال، ہڈی، پٹھے، کھروں سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے۔ حرمۃ کی اضافت یہاں اعیان کی طرف مجازی ہے۔ امام شافعیؒ اس میں اختلاف فرماتے ہیں۔ دم سے مراد بہنے والا خون ہے۔ او دما مسفوحا دوسرے موقعہ پر ارشاد ہے۔ البتہ حدیث احلت الخ کی وجہ سے دو فرد میتہ کے اور دو فرد خون کے جو نہ بہنے والا ہو مستثنیٰ ہیں۔ خنزیر پورا نجس العین ہے اس لئے اس کے تمام اجزاء گوشت، پوست، ہڈی، بال، کھال سب حرام اور نجس ہیں مگر باوجود اس کے گوشت کی تخصیص احترازی نہیں ہے بلکہ معظم منافع کی وجہ سے ان کی تخصیص کی گئی ہے البتہ اس کے بالوں سے موزوں اور جوتوں کے سینے کی اجازت فقہاء نے بضرورت دی ہے۔

ما اھل بہ لغیر اللہ جو جانور غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کر دیا جائے یا بکرا، مرغا، بچھڑا، سانڈ کسی شہید، پیر، فقیر کے مزار پر یا دیوی دیوتا کے نامزد کر دیا جائے تا کہ یہ بزرگ خوش ہو کر مراد پوری کر دیں۔ حاجت برآری کر دیں جیسا کہ جاہل نذر و نیاز میں ایسی باتیں کرتے ہیں۔ تو ایسے جانور اگرچہ اللہ کا نام لے کر ذبح بھی کئے جائیں تب حرام ہی رہتے ہیں اور یہ بھی ما اھل میں سمجھے جائیں گے البتہ اس طرح نامزد کرنے کے بعد اگر کسی نے بعد میں توبہ کر لی تو وہ جانور پھر حلال ہو جاتے ہیں۔

غیر اللہ کے نامزد جانوروں کی حرمت:.........بعض لوگ سانڈ وغیرہ کو ما اھل میں داخل نہیں سمجھتے بلکہ پچھلی آیت کلوا مما فی الارض حلالاً میں داخل کرتے ہیں اور اسکے استعمال کی اجازت دیتے ہیں یا آیت سابقہ کے شان نزول پر خیال کر کے جب سانڈ کی تحریم کی ممانعت کی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ وہ حلال ہونا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ جلال محقق اور دوسرے تمام مفسرین نے ما اھل کی تفسیر خاص ما ذبح کے ساتھ کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ صرف مذبوحہ علیٰ اسم غیر اللہ جانور مراد ہے ما ذکر علی اسم غیر اللہ جانور اس ذیل میں نہیں آتا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ اول آیت میں تحریم کا مطلب یہ تھا کہ ایسا فعل کرنا مثلاً سانڈ وغیرہ چھوڑنا جس سے حرمت پیدا ہو جائے صحیح نہیں ہے کیونکہ اول آیت میں تحریم کا مطلب یہ تھا کہ ایسا فعل کر لیا تو خود وہ سانڈ حرام ہو جائے گا۔ نیز کفار کی تحریم تعظیماً تھی جس کی ممانعت کی گئی تھی اور یہ حرمت نجاستہً ہے۔ نیز کفار اس حرمت کو دائمی سمجھتے تھے اور یہ تحریم توبہ سے اٹھ جاتی ہے یعنی توبہ سے پہلے سانڈ وغیرہ حرام تھا اور بعد توبہ حلال ہو جاتا ہے۔ یہ تو پہلی بات کا جواب ہوا اور دوسرے استدلال کا جواب یہ ہے کہ ما اھل کے دو فرد ہیں ایک مذبوحہ علیٰ اسم غیر اللہ کہ جاہلیت میں اس کا زیادہ رواج تھا۔ عام مفسرین نے اسی لئے اس کو

ذکر کردیا۔ دوسرا فرد مذکور التسمیہ ہے مطلق اہلال دونوں فردوں کو شامل ہے۔ بلکہ لغۃً مذکور التسمیہ کے حق میں زیادہ صریح ہے۔

آیت مائدہ سے تائید:......... نیز سورۂ مائدہ کی آیت ما اھل کے بعد ماذبح علی النصب کی تصریح خود بتلا رہی ہے کہ ما اھل سے مراد ماذبح نہیں ہے ورنہ تکرار ہو جائے گا بلکہ ایک فرد ماذبح کو علیحدہ بیان کردیا گیا ہے۔ اب رہ گیا دوسرا فرد مذکور التسمیہ ما اھل سے مراد صرف یہی فرد ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ مفسرین کے ایک فرد ذکر کرنے سے حصر لازم نہیں آتا بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک فرد کی تخصیص اور دوسرے فرد سے سکوت لازم آتا ہے لیکن مندرجہ بالا وجوہ ودلائل سے یہ عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں چہ جائیکہ ذکر عدم کو مستلزم ہو۔

تفسیر احمدی کا جواب:......... تفسیرات احمدی کی عبارت اس لئے مفید احتجاج نہیں ہے کہ خود ان کے منہیہ کی تصریح کے مطابق صرف ایصال ثواب کی غرض سے وہ اس کی اجازت دیتے ہیں۔ لیکن بغیر ایصال ثواب کے وہ بھی حلال نہیں سمجھتے۔ اب دیکھنا عوام کے فعل کو ہے اس سے بآسانی اس اگر مگر کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ عوام کا حال یہ ہے کہ اگر کوئی اس جانور کو ان سے دوگنی قیمت پر لینا چاہے کہ اس جانور کی بجائے دوگنی رقم کا ایصال ثواب کردیا جائے تو غالباً وہ اس تبادلہ کو باعث ناراضگی بلکہ باعث تباہی سمجھتے ہوئے اس پر آمادہ نہ ہوں گے۔ اس سے فساد نیت وعقیدہ معلوم ہو گیا۔ اس لئے بقول ملاجیون بھی یہ جانور، حدود جواز سے خارج ہی رہے۔ چنانچہ ردمختار وغیرہ کتب فقہ میں تصریح ہے کہ اگر کسی حاکم کے آنے پر بطور بھینٹ کوئی جانور ذبح کیا جائے اگرچہ اس پر اللہ کا نام لے کر ہی ذبح کیا گیا ہو تب بھی وہ ما اھل میں داخل ہو کر حرام ہو جائے گا۔

اضطراری حالت اور شرعی رخصت:......... یہ بیان تو محرمات اختیاریہ کا تھا۔ اب رہی اضطراری حالت کہ انسان ہلاکت کے قریب پہنچ جائے جس کی حد بعض کے نزدیک تین روز ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ حلال کھانا پانی نہ ملنے سے اگر ہلاکت متیقن ہو جائے تو بلاتحدید ان حرام چیزوں کے برتنے کی اجازت ورخصت ہو جائے گی۔ غیر باغ ولا عاد کی تفسیر میں اختلاف رائے نقل کیا جا چکا ہے۔ البتہ اس بارہ میں بھی اختلاف ہے کہ رخصت کی چار قسموں میں سے یہ کس قسم میں داخل ہے۔ امام شافعی کا قول اور امام ابو یوسف کی روایت یہ ہے کہ حالت اکراہ کی طرح اس میں بھی رخصت حقیقیہ ہے۔ یعنی حرمت باقی رہتے ہوئے کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی صبر کرلے اور جان دیدے تو گنہگار نہیں ہوگا بلکہ مَاتَ شَهِيْدًا کا مصداق ہوگا اور اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بھی اسی طرف مشیر ہے۔ کیونکہ مغفرت حرمت پر دلالت کرتی ہے اور اکثر علمائے حنفیہ اس کو رخصت مجازیہ کی دوسری قسم میں داخل کرتے ہیں یعنی رخصت کے بعد اس میں حرمت بالکل نہیں رہتی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی اس رخصت سے فائدہ اٹھائے بغیر جان دیدے تو مَاتَ اٰثِمًا کا مصداق ہوگا۔ جیسا کہ آیت وقد فصل لکم ماحرم علیکم الا ما اضطررتم سے یہ سمجھ میں آتا ہے۔ رہا ان اللہ غفور رحیم تو ممکن ہے کہ اپنے اجتہاد سے اضطرار تجویز کرنے میں اس سے غلطی ہو گئی ہو یا کھانے کی مقدار میں جو بقدر ضرورت اور سد رمق ہونی چاہئے غلطی ہو گئی ہو یا کھانے میں التذاذ ہو گیا ہو۔ ان وجوہ سے مضطر کو اطمینان دلایا گیا اور تسلی دی گئی ہے کہ گھبرانے کی بات نہیں۔ فی الجملہ یہ کوتاہیاں ہم معاف کردیں گے۔

لذائذ باعث شکر ہوں تو نعمت ہیں:......... آیت کلوا من طیبات الخ سے معلوم ہوا کہ مستلذات اور طیبات اگر حق تعالیٰ کی محبت اور شکر گزاری کے باعث ہو جائیں تو یقیناً مستحسن ہو جائیں گی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ الْمُشْتَمِلِ عَلٰی نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُمُ الْیَھُوْدُ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا مِنَ الدُّنْیَا یَاْخُذُوْنَہٗ بَدَلَہٗ مِنْ سَفَلَتِھِمْ فَلَا یُظْھِرُوْنَہٗ خَوْفَ فَوْتِہٖ عَلَیْھِمْ اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ اِلَّا النَّارَ لِاَنَّھَا مَآلُھُمْ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ غَضَبًا عَلَیْھِمْ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ یُطَھِّرُھُمْ مِنْ دَنَسِ الذُّنُوْبِ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۴﴾ مُؤْلِمٌ ھُوَ النَّارُ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی اَخَذُوْھَا بَدَلَہٗ فِی الدُّنْیَا وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَۃِ الْمُعَدَّۃِ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ لَوْ لَمْ یَکْتُمُوْا فَمَآ اَصْبَرَھُمْ عَلَی النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ اَیْ مَا اَشَدَّ صَبْرَھُمْ وَھُوَ تَعْجِیْبٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اِرْتِکَابِھِمْ مُوْجِبَاتِھَا مِنْ غَیْرِ مُبَالَاۃٍ وَاِلَّا فَاَیُّ صَبْرٍ لَّھُمْ ذٰلِکَ الَّذِیْ ذُکِرَ مِنْ اَکْلِھِمُ النَّارَ وَمَا بَعْدَہٗ بِاَنَّ بِسَبَبِ اَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِنَزَّلَ فَاخْتَلَفُوْا فِیْہِ حَیْثُ اٰمَنُوْا بِبَعْضِہٖ وَکَفَرُوْا بِبَعْضِہٖ بِکَتْمِہٖ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ بِذٰلِکَ وَھُمُ الْیَھُوْدُ وَقِیْلَ الْمُشْرِکُوْنَ فِی الْقُرْاٰنِ حَیْثُ قَالَ بَعْضُھُمْ شِعْرٌ وَّبَعْضُھُمْ سِحْرٌ وَّبَعْضُھُمْ کَھَانَۃٌ لَفِیْ شِقَاقٍ خِلَافٍ بَعِیْدٍ ﴿۱۷۶﴾ عَنِ الْحَقِّ۔

ع ۲۱ ۹ ۵

ترجمہ: ....اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جولوگ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب کا اخفاء کرتے ہیں (جو مشتمل ہے آنحضرت ﷺ کے اوصاف جمیلہ پر مراد ان سے یہود ہیں) اور اس کے معاوضہ میں کچھ نفع حاصل کر لیتے ہیں (اس کے بدلہ میں کچھ دنیا کما لیتے ہیں اپنے عوام سے اور ان منافع کے فوت ہو جانے کے اندیشہ سے ان کو ظاہر نہیں کرتے) یہ لوگ اور کچھ نہیں اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں کیونکہ اس برائی کا انجام جہنم کی آگ ہے) اور اللہ میاں نہ تو ان سے قیامت میں کلام فرمائیں گے (ناراضگی کی وجہ سے) اور نہ ان کو پاک (صاف کریں گے گناہوں کے میل کچیل سے) اور ان کو سزائے دردناک ہوگی (الیم بمعنی مولم بصیغہ فاعل و مفعول۔ مراد نار جہنم) یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی مول لے لی ہے (دنیا میں ہدایت کے بدلہ گمراہی خرید لی ہے) اور مغفرت چھوڑ کر عذاب لے لیا ہے (مراد وہ مغفرت ہے جو کتمان نہ کرنے کی صورت میں ان کو آخرت میں ملتی) سو کیسے باہمت ہیں جہنم کی آگ کے لئے (بڑے ہی صبر والے معلوم ہوتے ہیں۔ دراصل مسلمانوں کو بے فکری سے ان کے موجبات نار کے ارتکاب سے تعجب دلانا مقصود ہے ورنہ ان کو صبر کہاں ہے؟) یہ (آگ کا کھانا وغیرہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے) اس وجہ سے ہے کہ (بان ای بسبب ان) کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کو ٹھیک ٹھیک بھیجا تھا (بالحق کا تعلق نزل کے ساتھ ہے چنانچہ اس حق میں یہود نے اختلاف کیا۔ بعض حصہ کو مانا اور بعض کو چھپا کر رد کر دیا) اور جو لوگ کتاب میں بے راہ روی اختیار کرتے ہیں (اس بارہ میں مراد ان سے یہود ہیں اور بعض کے نزدیک مشرکین کہ قرآن کو بعض نے شعر کہا، بعض نے سحر کہا، بعض نے کہانت قرار دیا) وہ ظاہر ہے کہ ایسے بڑے شقاق میں ہیں جو بہت دور ہے (حق سے۔)

تحقیق و ترکیب: ....الا النار یا تو فی الحال کھانا مراد ہے جیسا کہ یاکلون مضارع کی حالیت پر دلالت کرتی ہے مراد نوتیں ہیں جو نار جہنم کا سبب ہوں گی۔ یا استعارۃً ایسا کہا ہے اور یا آخرت میں کھانا مراد ہے یعنی لایاکلون فی الاخرۃ الا النار. شیخ اکبر اس قسم کی آیات سے آخرت کی سزا و جزاء کے عین اعمال ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

غضبا جلال محقق نے استعارہ عن الغضب کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ حکام ناراضگی کے وقت کلام سے اعراض کیا کرتے ہیں۔
ولھم عذاب یہ اُخروی حالت کا بیان ہے اور **اولئک الذین اشتروا** سے دنیاوی حالت کا بیان ہے۔ **فما اصبرھم** تعجب کے لئے دو صیغے وضع کئے گئے ہیں۔ **ما افعل** اور **افعل بہ** اس میں **ما** تامہ مرفوعہ ہے۔ بنا بر ابتداء کے اور **شر اھر ذاناب** کی طرح اس میں تخصیص تعلیم کے لئے کرلی گئی ہے یا **ما** استفہامیہ ہے اور مابعد اس کی خبر یا صلہ ہے اور خبر محذوف ہے۔ **ای شیء عظیم**۔
تعجیب للمؤمنین مفسر علام نے یہ توجیہ اس لئے کردی ہے کہ تعجب کی اسناد حق تعالیٰ کی طرف باعثِ اشکال نہ ہو۔ **الکتب**. اول سے مراد تورات اور دوسری سے مراد قرآن کریم ہے۔ **اختلفوا ای تخلتفوا عن طریق سلوک الحق فیھا**۔

ربط: ....پہلی آیت میں محرمات حسیہ کا بیان تھا۔ ان آیات میں محرمات معنویہ کا بیان ہے یعنی یہود کا اخفاءِ حق اور رشوت ستانی کرنا مقصود مسلمانوں کو ان سے بچنے کی تعلیم دینا ہے۔

شانِ نزول: ....لباب النقول میں ثعلبی نے بطریق کلبی ابوصالح ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے کہ یہ آیت ان علمائے یہود کے باب میں نازل ہوئی ہے جو اپنے عوام سے رشوتیں وصول کرتے تھے اور یہ امید لگائے ہوئے تھے کہ آنحضرت ﷺ ان میں مبعوث ہوں گے۔ لیکن جب آپ قومِ عرب میں مبعوث ہوئے تو اپنے ہدایا اور نذرانوں کی انہیں فکر دامن گیر ہوئی اور لگے آنحضرت ﷺ کے اوصاف مذکورہ فی التوراۃ میں تبدیلی کرنے، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾: ......تاریخی شہادت یہ ہے کہ فتنہ وفساد کی جڑ ہمیشہ علماءِ سور ہے ہیں: ....بار بار قرآن مجید میں علمائے یہود کی ان برائیوں کو ذکر کر کے مسلمانوں کو تنبیہ کرنی ہے کہ تمہارے علماء میں یہ خرابیاں نہیں ہونی چاہئیں ورنہ یہ علماءِ سوء عوام کو لے ڈوبیں گے۔ کیونکہ تمام اصلاح وفساد کی جڑ یہ خواص ہوتے ہیں۔ علمائے کتاب نے حلال وحرام کے بارہ میں طرح طرح کی پابندیاں عائد کردی تھیں۔ کتاب اللہ کے علم وعمل کو ترک کر کے دنیاوی طمع سے احکام الٰہی میں تحریف کر کے حق کوشی اور حق فروشی کرتے تھے۔ عوام اپنے پیشواؤں کی بے سمجھ اندھی تقلید کرتے فی الحقیقت اختلافات ہمیشہ جہالت اور ظن وتخمین سے پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں علم الٰہی کی حقیقی روشنی سامنے آجائے وہاں اختلافات کے تمام بادل چھٹ جایا کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ کتاب الٰہی کے نزول کے بعد بھی انہی گروہ بندیوں اور تفرقہ پروری میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور الگ الگ پارٹی بندیاں کر کے اپنی وحدت پارہ پارہ کر بیٹھتے ہیں تو وہ ''شقاق بعید'' میں گم ہوجاتے ہیں یعنی ایسے گہرے اور دور دراز غاروں میں کھو جاتے ہیں جن سے انہیں کبھی نکلنا نصیب نہیں ہوتا۔ بلکہ جس قدر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور زیادہ حقیقت سے دور ہوتے جاتے ہیں۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ فِي الصَّلٰوةِ **قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ** نَزَلَ رَدا عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى حَيْثُ زَعَمُوْا ذٰلِكَ **وَلٰكِنَّ الْبِرَّ** وَقُرِئَ الْبَارُّ **مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ** اَيِ الْكُتُبِ **وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى** مَعَ **حُبِّهٖ** لَهٗ **ذَوِي الْقُرْبٰى** الْقَرَابَةِ **وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ** الْمُسَافِرِ **وَالسَّآئِلِيْنَ** الطَّالِبِيْنَ **وَفِي الرِّقَابِ ۚ** فَكِّ الْمُكَاتَبِيْنَ وَالْاَسْرٰى **وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ** الْمَفْرُوْضَةَ وَمَا قَبْلَهٗ فِي التَّطَوُّعِ **وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ** اللّٰهَ اَوِ النَّاسَ **وَالصّٰبِرِيْنَ**

نَصَبٌ عَلَى الْمَدْحِ فِي الْبَأْسَآءِ شِدَّةِ الْفَقْرِ وَالضَّرَّآءِ الْمَرَضِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ ط وَقْتَ شِدَّةِ الْقِتَالِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ أُولٰٓئِكَ الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط فِي إِيْمَانِهِمْ أَوِ ادِّعَاءِ الْبِرِّ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اللّٰهَ۔

ترجمہ:.......... کچھ سارا اسی میں نہیں ہے کہ تم اپنا منہ (نماز میں) مشرقی سمت کرلو یا مغربی سمت (یہود ونصاریٰ کا اعتقاد یہی تھا۔ اس کے خلاف یہ آیت نازل ہوئی) لیکن کمال یہ ہے (یعنی کمال والا ایک قرأت میں بر کی بجائے بار پڑھایا گیا ہے) کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور تمام کتابوں (کتاب بمعنی کتب) پر اور پیغمبروں پر اور مال دیتا ہو اللہ تعالیٰ کی محبت میں (علیٰ بمعنی مع) رشتہ داروں کو (قربیٰ بمعنی قرابت) اور یتیموں اور محتاجوں، مسافروں، سوال کرنے والوں کو اور گردان (چھڑانے) میں (مکاتب اور قیدی کی) اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو (زکوٰۃ فرضی مراد ہے اور اس سے پہلے نفلی صدقات تھے) اور جو اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں، جب کہ کوئی عہد کرلیں (اللہ سے یا لوگوں سے) اور مستقل مزاج رہنے والے ہوں (الصّٰبرین منصوب علی المدح ہے) تنگدستی (شدت فقر اور بیماری (مرض) میں اور معرکۂ جہاد میں (قتال فی سبیل اللہ کی شدت کے وقت) یہ لوگ (جو مذکورہ اوصاف کے مالک ہیں) سچے ہیں (ایمان میں یا دعویٰ میں) اور یہی متقی ہیں (اللہ سے ڈرنے والے۔)

تحقیق وترکیب:.......... البر پسندیدہ فعل۔ الکتٰب میں مفسر نے الف لام کے جنسی ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ علی حبہ موضع حال میں ہے قبل المشرق و المغرب ان دو سمتوں کی تخصیص مقصود نہیں ہے بلکہ تعمیم سمت مراد ہے۔ اور البر میں الف لام جنسی مفید قصر ہے یعنی دین کا تمام کمال کچھ اسی اشتغال بالقبلہ میں منحصر نہیں ہے اس سے بھی بڑے بڑے کام کرنے ہیں۔ ولکن البر میں مفسر نے مضاف محذوف مانا ہے۔ ای ذو البر یا یوں کہا جائے ولکن البر بر من امن الخ لہ کی ضمیر مال کی طرف راجع ہے یا اللہ کی طرف یا ایتاء کی طرف راجع ہے۔

ذوی القربیٰ عام اس سے کہ قرابت میں مودت ہو یا قرابت میں رحم۔ یتامیٰ بے باپ نابالغ بچہ کو کہتے ہیں اور لغت میں انسان کے بے باپ بچہ کو اور جانوروں میں بے ماں بچہ کو کہتے ہیں۔ مساکین جس کے پاس کچھ نہ ہو سائلین مانگنے والا محتاج ہوں یا نہ ہوں۔ ابن السبیل بمعنی ملازم السبیل مہمان یا مسافر کو کہتے ہیں۔ اتی الزکوٰۃ اس سے پہلے اتی المال میں صدقات نفلی کا بیان ان کے اہتمام شان کے لئے مقدم کیا گیا ہے۔ الصٰبرین تقدیر عبارت اس طرح تھی امدح واخص الصابرین یہ جملہ کا عطف جملہ پر ہو جائے گا اور ایسا کرنا مزید اختصاص کے باعث ہوا کرتا ہے جس طرح صفات منقطعہ میں نصب علی المدح ہوتا ہے۔ معطوف میں بھی نصب علی المدح ہوتا ہے اور اس مقدر کا حذف واجب ہوتا ہے۔ الباساء اور فقر مال میں ہوتا ہے ضراء اور مرض نفس میں ہوا کرتا ہے۔ والموفون سابقہ طرز کے مطابق اوفی نہیں کہا۔ وجوب استقرار وفا کی طرف اشارہ کرنے کے لئے۔

حین البأس یہ ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ ہے۔ کیونکہ صبر علی الفقر سے بڑھ کر علی المرض ہوتا ہے اور صبر علی المرض سے بڑھ کر صبر علی القتال ہوتا ہے۔ اسی لئے باساء اور ضراء کے ساتھ فی ظرفیہ استعمال کیا۔ یعنی جب تک ان دونوں کا اشتغال اور احاطہ ظرفیت کی طرح نہ ہو قابل مدح نہیں۔ تھوڑی بہت تکلیف تو ہر ایک کو ہر وقت ہوتی رہتی ہے البتہ جنگ کی ہولناکیوں پر صبر تھوڑی دیر بھی کافی ہے۔ اس لئے لفظ حین استعمال کیا کیونکہ یہ حالت دائمی نہیں ہوتی۔

ربط : .... سورۂ بقرہ کے نصف اول یعنی سوا پارہ اول میں زیادہ تر روئے سخن منکرین اور مخالفین کی جانب تھی۔ کہیں کہیں مسلمانوں کو بھی خطاب کیا گیا ہے۔ لیکن آئندہ بقیہ نصف سورۃ میں مقصود زیادہ تر مسلمانوں کو اصول وفروع کی تعلیم دینا ہے۔ گو ضمناً کہیں خطاب کافروں کو بھی ہو جائے۔ چنانچہ اس آیت میں تمام ابواب بر کا ایک جامع اور اجمالی عنوان قائم کر دیا گیا ہے اور پھر آخر سورت تک ان ہی عنوانات کی تفصیلات آتی رہیں گی اور طرز عنوان میں یہ لطافت اور خوبی رکھی ہے کہ گذشتہ مسئلہ تحویل قبلہ پر بھی ہلکی سی تعریض ہوگئی۔

شانِ نزول: .... لباب النقول میں قتادہؓ سے روایت ہے کہ یہود کا قبلہ مغرب بیت المقدس تھا اور نصاریٰ کا قبلہ مشرق بیت المقدس (اور وہ اسی کو خالص بر اور قابل فخر سمجھتے تھے) اس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ امام زاہد یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت غزوۂ خندق کے موقعہ پر نازل ہوئی جبکہ مسلمانوں پر یہاں تک تنگ دستی ہوئی کہ مدینہ میں قحط اور سخت گرمی تھی، حتیٰ کہ بعض حضرات کو ایک ایک ہفتہ کچھ کھانا نصیب نہ ہوا۔ باب المدینہ پر لوگ نکل پڑے۔

﴿تشریح﴾ : ...... اسلام سے پہلے عالمگیر مذہبی گمراہی: .... خاص طور پر ان دو سمتوں کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ تحویل قبلہ کے وقت یہود ونصاریٰ کی تمام تر بحث صرف اسی میں رہ گئی تھی۔ بلکہ نزولِ قرآن کے وقت دنیا کی عالمگیر مذہبی گمراہی یہی تھی کہ لوگ سمجھتے تھے کہ دین سے مقصود محض شریعت کے ظواہر ورسوم ہیں اور انہی کے کرنے نہ کرنے پر انسان کی نجات وسعادت کا دارومدار ہے۔ اس لئے قرآن اعلان کر رہا ہے کہ اصل دین خدا پرستی اور نیک کرداری ہے۔ شریعت کے ظاہری رسوم واعمال بھی اس لئے ہیں کہ یہ مقصود مکمل طریقہ پر حاصل ہو۔ اس لئے جہاں تک دین کا تعلق ہے ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہئے نہ کہ وسائل کی۔ مثلاً کمال نماز ہے استقبال قبلہ اس کے شرائط وتوابع میں سے ہے۔ نماز ہی کی وجہ سے اس میں بھی حسن وخوبی آگئی ہے، اسی طرح اگر نماز مشروع نہ ہوتی تو کسی خاص سمت منہ کرنے کی فضیلت بھی نہ ہوتی۔ پس یہ کس درجہ حیرت انگیز بات ہوگی کہ نماز کی تو خبر نہیں لیکن سارا زور تمام تر قوت ایک ذیلی اور فروعی مسئلہ پر خرچ کی جارہی ہے۔

سچی خدا پرستی: .... سچی خدا پرستی نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہے۔ اصل شئے دل کی پاکی، عمل کی نیکی ہے۔ باقی دوسری ظاہری چیزیں اسی مقصد کے تابع ہیں۔ چنانچہ شریعت میں کل احکام کا حاصل تین باتیں ہیں۔ عقائد، اعمال، اخلاق، باقی تمام جزئیات ان ہی کلیات اور ابواب کے تحت آجاتے ہیں۔ اس آیت میں ان تینوں اصول کی بڑی بڑی شاخیں ذکر کر دی گئی ہیں۔ اس لئے یہ آیت بھی منجملہ ''جوامع الکلم'' ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: مَنْ عَمِلَ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ.

چھ ابواب بر: .... اس آیت میں چھ ابواب بر بیان کئے گئے ہیں اول ایمان ہے جس کے پانچ معنی ہیں۔ (۱) ایمان باللہ (۲) ایمان بالیوم الآخر (۳) ایمان بالملائکہ (۴) ایمان بالکتاب (چار کتابیں مشہور اور سو صحیفے بایں تفصیل کے پچاس حضرت شیثؑ کو، تیس (۳۰) حضرت ادریسؑ کو، دس (۱۰) حضرت آدمؑ کو، اور حضرت ابراہیمؑ کو، یا کل بیس حضرت ابراہیمؑ کو (۵) ایمان بالانبیاء (جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش ہے۔ اسی طرح رسولوں کی تعداد کم وبیش تین سو تیرہ ہے، لیکن اہل کتاب نے ایمان کی ان تمام دفعات کا کھل کر خلاف کیا ہے اور سب باتوں کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ حالانکہ اصل فکر ان اہم اور بنیادی باتوں کی ہونی چاہئے تھی۔

عورتیں رسول اور نبی نہیں ہوتیں:......... باقی رسولوں کی بجائے نبی کا لفظ ذکر کرنے میں تعمیم کی طرف اشارہ ہے یعنی سب پر ایمان لانا خواہ رسول بھی یا صرف نبی اور جمع مذکر سالم کے صیغہ سے استعمال کرنا اس پر مشیر ہوسکتا ہے کہ نبوت مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ بعض نے حضرت حوا اور سارہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کی والدہ ان چار عورتوں کو نبی مانا ہے۔ یہ آیت ان پر رد ہے چنانچہ وما ارسلنا من قبلک الا رجالا الخ سے اس مسئلہ پر صاف روشنی پڑتی ہے۔

اصل اعتبار معانی کا ہے نہ کہ صورت کا اور بالذات محبت اللہ کی ہونی چاہئے:......... آیت لیس البر الخ کے لطائف میں سے یہ ہے کہ صورت کا اعتبار بدون معنی کے نہیں ہوا کرتا ہے واتی المال علی حبه میں ضمیر کا مرجع اگر مال ہو تو مال کی مطلق محبت کا جواز نکلتا ہے اور مرجع اگر اللہ ہو تو طریق عشاق کی طرف اشارہ ہے کہ مقصود بالذات ان کے نزدیک صرف اللہ کی محبت ہوتی ہے دوسری چیزوں کی محبت اصل نہیں ہوتی صرف عارضی ہوتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ فُرِضَ **عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ** اَلْمُمَاثَلَةُ **فِي الْقَتْلٰى** ط وَصْفًا وَفِعْلًا **اَلْحُرُّ** يُقْتَلُ **بِالْحُرِّ** وَلَا يُقْتَلُ بِالْعَبْدِ **وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى** ط وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الذَّكَرَ يُقْتَلُ بِهَا وَاَنَّهُ تُعْتَبَرُ الْمُمَاثَلَةُ فِي الدِّيْنِ فَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ وَلَوْ عَبْدًا بِكَافِرٍ وَلَوْ حُرًّا **فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ** مِنَ الْقَاتِلِيْنَ **مِنْ** دَمِ **اَخِيْهِ** الْمَقْتُوْلِ **شَيْءٌ** بِاَنْ تُرِكَ الْقِصَاصُ مِنْهُ وَتَنْكِيْرُ شَيْءٍ يُفِيْدُ سُقُوْطَ الْقِصَاصِ بِالْعَفْوِ عَنْ بَعْضِهٖ وَمِنْ بَعْضِ الْوَرَثَةِ وَفِيْ ذِكْرِ اَخِيْهِ تَعَطُّفٌ دَاعٍ اِلَى الْعَفْوِ وَاِيْذَانٌ بِاَنَّ الْقَاتِلَ لَا يَقْطَعُ اُخُوَّةَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ مُبْتَدَاٌ شَرْطِيَّةٌ اَوْ مَوْصُوْلَةٌ وَالْخَبَرُ **فَاتِّبَاعٌ** اَيْ فَعَلَى الْعَافِيْ اِتِّبَاعُ الْقَاتِلِ **بِالْمَعْرُوْفِ** بِاَنْ يُطَالِبَهٗ بِالدِّيَةِ بِلَا عُنْفٍ وَتَرْتِيْبُ الْاِتِّبَاعِ عَلَى الْعَفْوِ يُفِيْدُ اَنَّ الْوَاجِبَ اَحَدُهُمَا وَهُوَ اَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ وَالثَّانِي الْوَاجِبُ الْقِصَاصُ وَالدِّيَةُ بَدَلٌ عَنْهُ فَلَوْ عَفَا وَلَمْ يُسَمِّهَا فَلَا شَيْءَ وَرَجَحَ **وَ** عَلَى الْقَاتِلِ **اَدَآءٌ** لِلدِّيَةِ **اِلَيْهِ** اِلَى الْعَافِيْ وَهُوَ الْوَارِثُ **بِاِحْسَانٍ** ط بِلَا مَطْلٍ وَلَا بَخْسٍ **ذٰلِكَ** الْحُكْمُ الْمَذْكُوْرُ مِنْ جَوَازِ الْقِصَاصِ وَالْعَفْوِ عَنْهُ عَلَى الدِّيَةِ **تَخْفِيْفٌ** تَسْهِيْلٌ **مِّنْ رَّبِّكُمْ** عَلَيْكُمْ **وَرَحْمَةٌ** ط بِكُمْ حَيْثُ وَسَّعَ فِيْ ذٰلِكَ وَلَمْ يُحَتِّمْ وَاحِدًا مِنْهُمَا كَمَا حَتَمَ عَلَى الْيَهُوْدِ الْقِصَاصَ وَعَلَى النَّصَارٰى الدِّيَةَ **فَمَنِ اعْتَدٰى** ظَلَمَ الْقَاتِلَ بِاَنْ قَتَلَهٗ **بَعْدَ ذٰلِكَ** اَيِ الْعَفْوِ **فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۱۷۸﴾ مُؤْلِمٌ فِي الْاٰخِرَةِ بِالنَّارِ اَوِ الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ **وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ** اَيْ بَقَاءٌ عَظِيْمٌ **يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ** ذَوِي الْعُقُوْلِ لِاَنَّ الْقَاتِلَ اِذَا عَلِمَ اَنَّهٗ يُقْتَلُ اِرْتَدَعَ فَاَحْيٰى نَفْسَهٗ وَمَنْ اَرَادَ قَتْلَهٗ فَشُرِعَ لَكُمْ **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** ﴿۱۷۹﴾ اَلْقَتْلَ مَخَافَةَ الْقَوَدِ

ترجمہ:......... اے اہل ایمان! مقرر (فرض) کیا جاتا ہے تم پر قصاص (برابر کا قانون) مقتولین کے بارہ میں (برابری وصف کے لحاظ سے بھی ہو اور فعلاً بھی) آزاد آدمی (قتل کیا جائے) آزاد آدمی کے بدلہ (اور غلام کے بدلہ قتل نہ کیا جائے) اور غلام غلام کے بدلہ

میں اور عورت عورت کے بدلہ میں (اور حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے بدلہ قتل کیا جائے اور یہ کہ دینی مماثلت اور ہم مذہب ہونا بھی شرط ہے۔ چنانچہ مسلمان اگر چہ غلام ہی کیوں نہ ہو کافر کے عوض قتل نہ کیا جائے۔ چاہے کافر آزاد ہی کیوں نہ ہو) ہاں جس کو (قاتلین میں سے) کچھ معافی ہو جائے اس کے بھائی (مقتول کے خون سے) کچھ (اس طرح کہ قصاص سے بچ جائے اور لفظ شیء کی تنکیر سے یہ فائدہ ہوا کہ بعض قصاص اور بعض حصہ دار وارث کی معافی سے بھی قصاص بالکلیہ ساقط ہو جائے گا اور لفظ اخیہ میں معافی پر ابھارنا ہے اور اس پر تنبیہ ہے کہ ارتکاب قتل اخوت ایمانی کا منقطع نہیں کر دیتا اور مـن مبتداء شرطیہ ہے یا موصولہ اور اس کی خبر لفظ فـاتبـاع ہے) تو مطالبہ ہے (یعنی معافی دینے والے کو قاتل سے مطالبہ کا حق ہے) معقول طریقہ پر (اس طرح کے بغیر زبردستی کئے دیت کا مطالبہ کرے اور معافی پر اتباع کو مرتب کرنے سے یہ فائدہ ہوا کہ امام شافعیؒ کے ایک قول پر ان دونوں باتوں میں سے ایک کا وجوب ہے اور دوسرا قول ان کا یہ ہے کہ قصاص واجب ہے اور دیت اس کا بدل ہے۔ چنانچہ اگر وارث نے قصاص معاف کر دیا اور دیت کی تعیین نہ کی تو قاتل پر کچھ نہیں آئے گا اور یہی دوسرا قول راجح ہے) اور (قاتل مدعا علیہ پر) ادا کرنا (دیت کا) ہے۔ اس (معاف کرنے والے مدعی وارث) کے لئے خوبی کے ساتھ (بغیر ٹال مٹول اور کمی کے) یہ (مذکور حکم جواز قصاص اور بدل موت کا) آسانی (سہولت) ہے تمہارے پروردگار کی جانب سے (تم پر) اور ترحم ہے (تمہارے ساتھ کہ اس میں تم کو توسع دیا اور کسی ایک جانب کو واجب قرار نہیں دیا۔ جیسا کہ یہود پر قصاص اور نصاریٰ پر دیت لازم کر دی تھی) پھر جو شخص تعدی کرے (قاتل کو ظلماً قتل کر دے) بعد اس (معافی) کے تو اس کو بڑا دردناک عذاب ہوگا (آخرت میں تکلیف دہ بشکل جہنم یا دنیا میں بصورت قتل) اور تمہارے لئے قصاص میں بڑا بچاؤ (بقاء عظیم) ہے۔ اے فہیم لوگو! (دانشمندو! کیونکہ قاتل کو جب اپنے قتل ہونے کا قانون معلوم رہے گا تو وہ ارتکاب قتل سے بچے گا۔ اس لئے گویا اس نے خود کو بھی بچالیا اور اپنے مقتول کو بھی زندہ رہنے دیا۔ یہ قانون تمہارے لئے مشروع کر کے) ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ پرہیز رکھو گے (قتل سے خطرۂ قصاص کے ہوتے ہوئے۔)

تحقیق وترکیب: .... کتب اصل معنی لکھنے کے ہیں۔ لیکن بقرینہ علی الزام اور فرض کے معنی ہو جاتے ہیں۔ قصاص ماخوذ ہے قـص الاثـر سے۔ گویا قاتل ایسا راستہ اختیار کرتا ہے کہ دوسرے اس کا اتباع کرتے ہیں اور اس کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ قصہ کو بھی قصہ اسی لئے کہتے ہیں کہ حکایت محکی عنہ کے تابع اور پیچھے ہوتی ہے اور چونکہ قصاص مماثلۃ کو متضمن ہے اس لئے فی کے تعدیہ سے استعمال ہوا۔ یا فی سببیہ ہو۔ القتلیٰ جمع قتیل بمعنی مقتول اور فعیل بمعنی مفعول بکثرت آتا ہے۔

وصفًا و فعلاً مماثلت اور وصفی کہ دونوں میں اوصاف کے لحاظ سے کوئی کمی بیشی نہ ہو۔ جیسے آزاد غلام میں اوصاف کا فرق ہے اور مماثلت فعلی دونوں کے فعل میں برابری ہو۔ ایک نے تلوار سے قتل کیا تو دوسرا بھی تلوار ہی سے قتل کیا جائے ایک نے غرق کیا تو دوسرا بھی غرق کرے۔ یہ رائے امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی ہے۔ امام اعظمؒ کی رائے اور امام احمدؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ قصاص صرف تلوار کے ذریعہ لیا جائے گا۔ **بینـت السنة** چنانچہ صحیحین میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک یہودی کو ایک عورت کے قصاص میں قتل فرمایا۔ **فـلا يـقتـل مسلم**۔ یہ شوافع کی رائے ہے مستدل یہ حدیث ہے **لايـقتـل مـؤمـن بكافر الخ** اور حنفیہ کے نزدیک کافر ذمی کے بدلے مسلمان کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ البتہ کافر حربی یا مستامن کے بدلہ قتل نہیں کیا جائے گا چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے **قُتِلَ مُسْلِمًا بِذِمِّيٍ**۔

امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایت کافر حربی پر محمول ہے۔ سیاق فی حدیث **ولا ذو عهـد فی عهده** اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ عطف تغایر پر دلالت کیا کرتا ہے۔ **دم اخيـه** بتقدیر حذف المضاف ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ مفسر جلال نے اخ کا مصداق مقتول کو قرار دیا

ہے بتقدیر المضاف لیکن علامہ زمخشری صاحب کشاف کی رائے میں اخ سے مراد والی دم یعنی وارث مقتول ہے۔

ترک القصاص۔ عفی بمعنی ترک لیا ہے اور شیٔ مفعول بہ ہے چنانچہ بولتے ہیں عفوت الشیٔ اذا ترکتہٗ، حتّٰی یطول. لیکن علامہ زمخشریؒ کی رائے اس کے خلاف ہے۔ وہ عفی کی بجائے اعفاہ کہتے ہیں۔ اس لئے شی مفعول مطلق ہوگا کیونکہ عفالازم ہے پس اس کے معنی ہیں فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ جِهَةِ اَخِيهِ شَیْءٌ مِنَ الْعَفْوِ چونکہ عفالازم ہے اگر جانی یا جنایت کی طرف متعدی ہوتا ہے تو بواسطہ عن چنانچہ کہا جائے گا عَفَوْتُ لِفُلَانٍ عَمَّا جَنٰی جیسا کہ غفرت له ذنبه، کہا جاتا ہے۔ فاتباع ای فلیکن اتباع.

عنف بمعنی زبردستی۔ وترتیب الاتباع یعنی بعض قصاص یا بعض ورثاء کی معافی پر قصاص کی بجائے اتباع دیت کی اجازت کا ملنا بتلا رہا ہے۔ قتل عمد میں صرف قصاص متعین نہیں تھا بلکہ قصاص اور دیت دونوں میں سے ایک واجب ہے ورنہ مطلق معافی کافی نہ ہوتی بلکہ قاتل کی رضامندی بھی ضروری ہونی چاہئے تھی۔ یہ امام شافعیؒ کا قول مرجوح ہے۔ دوسرا قول راجح یہ ہے کہ قصاص علی التعیین واجب ہے اور دیت ابتداءً واجب نہیں بلکہ قصاص کا بدل ہے۔ اصل کے ساقط ہونے کے بعد اس کا نمبر آئے گا۔ نصوص صریحہ بھی اسی پر دال ہیں۔

الـــدیۃ یعنی نصاریٰ پر صرف دیت تھی اور بعض کی رائے یہ ہے کہ دیت اور معافی دونوں کا اختیار تھا بہرحال قصاص بالاتفاق ان پر نہیں تھا۔

بالقتل حدیث ابوداؤد میں ارشاد ہے۔ لااعافی احد اقتل بعد اخذ الدية. ولكم في القصاص. اس آیت میں اس قدر محاسن ہیں کہ اہل بلاغت سر دھنتے ہیں۔ جلال محقق نے جو اس کی تشریح فرمائی ہے صاحب خازن کی رائے یہ ہے کہ قصاص ہی کے ساتھ یہ نوع حیات مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام جروح میں بھی بعینہٖ یہ تقریر جاری ہوگی کیونکہ جارح کو جب اپنی پاداش اور انجام معلوم ہوگا تو یقیناً وہ جارح ہونے سے باز رہے گا اور مجروح بھی محفوظ ہوجائے گا۔ عبارت قرآنی فی القصاص حیات بہ نسبت اہل عرب کی عبارت القتل انفی للقتل کے وجیز بھی ہے اور بلا تکرار ابلغ بھی اور مشتمل بر ضدین ہے جس سے کلام کا لطف اور حلاوت بڑھ گئی ہے لفظ حیاۃ میں تنوین تنکیر تعظیم کے لئے ہے۔

ربط: .... ''ابواب بر'' جس کا اجمالی تذکرہ آیت سابقہ میں آچکا ہے اس کی تفصیلی جزئیات کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ یہ پہلی جزئی ہے۔

شانِ نزول: .... سعید بن جبیر سے ''معالم'' میں روایت ہے کہ اوس وخزرج دو قبیلوں میں چشمک رہتی تھی اور ایک خاندان دوسرے خاندان پر فضیلت و برتری رکھتا تھا۔ چنانچہ برتر خاندان کا اگر غلام بھی قتل ہوجاتا تو اس کے بدلہ میں آزاد مرد قتل کردیا جاتا۔ عورت قتل ہوجاتی تو اس کے عوض مرد قتل کردیا جاتا اور آزاد مرد قتل ہوجاتا تو اس کے بدلہ میں دو مرد۔ اور دو مرد کے بدلہ چار مرد قتل کئے جاتے۔ غرض اس طرح اپنی برتری کا اظہار کیا جاتا۔ اسلامی مساوات قائم کرنے کے لئے اس آیت میں مماثلت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور امام زاہد نے ان دو خاندانوں کا واقعہ بنونضیر اور بنوقریظہ سے متعلق کیا ہے۔

﴿تشریح﴾: ......نفسِ انسانی کا احترام: .... اس آیت میں قصاص اور اس کے معافی دونوں کے احکام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جہاں تک اول مسئلہ کا تعلق ہے تو قصاص مخصوص ہے صرف قتل عمد کے ساتھ جس میں کسی تیز یا دھار دار چیز سے ان بوجھ کر اس طرح مارنا ہوتا ہے کہ اس سے گوشت پوست کٹ کر خون بہہ سکے ایسے قتل میں حنفیہ کے نزدیک اصل مساوات ملحوظ رہے ہا۔ یعنی مرد کے بدلے مرد یا عورت کے بدلے عورت یا مرد آزاد ہو یا غلام چاہے جانی قصاص ہو یا عضوی اسی طرح مسلمان کا قتل ہو یا

ذمی کافر کا۔ چنانچہ یہ آیت اور اس کا شانِ نزول بھی اس پر دلالت کر رہا ہے نیز آیت مائدہ "ان النفس بالنفس" اور حدیث المسلمون تتکافوا دماء هم اسی کی مؤید ہیں۔ برخلاف امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے وہ اس آیت کے الفاظ پر ظاہری نظر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ غلام کے بدلہ آزاد کو نہ قتل کیے جانے پر حدیث لا یقتل حر بعبد (رواہ الدار قطنی) پیش کرتے ہیں اور کافر و مسلم کے بارہ میں حدیث لا یقتل مومن بکافر پیش کرتے ہیں۔ البتہ مفسر علام کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے بدلہ میں مرد کو قتل کرنے میں حدیث مذکور فی التفسیر کی وجہ سے شوافع حنفیہ کے ساتھ ہیں۔ حالانکہ العبد بالعبد کی طرح آیت میں الانثی بالانثی فرمایا گیا ہے۔ جن کا تقاضا یہ تھا کہ شوافع نے جس طرح اول جملہ میں مفہوم کا لحاظ کیا ہے دوسرے جملہ میں بھی مفہوم کا اعتبار کیا ہوتا اور غلام کے بدلہ میں آزاد کی طرح عورت کے بدلہ میں مرد کے قتل نہ کرنے کو بھی فرماتے۔ چونکہ کفار ذمی مسلمانوں کی طرح حدود وقصاص کے مکلف ہیں اس لئے حنفیہ کے نزدیک ان میں بھی برابری رہے گی۔ جیسا کہ حدیث قتل مسلمًا بذمی سے معلوم ہوتا ہے اور شوافع نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ کافر حربی کے باب میں ہے۔ جس میں حنفیہ بھی ان کے ساتھ ہیں۔

گناہ کبیرہ سے انسان نہ ایمان سے خارج ہوتا ہے اور نہ کافر:............ آیت میں یا ایھا الذین امنوا سے خطاب قاتلین کو کیا گیا ہے حالانکہ قتل کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معتزلہ کا یہ خیال غلط ہے کہ مرتکبِ کبیرہ دائرۂ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے یا خوارج کا یہ کہنا کہ ایسا شخص کافر ہو جاتا ہے۔ نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ قصاص قتل عمد میں متعین ہے۔ شوافع کا اول تخییر بین العفو والدیت جو جلال محققؒ نے ذکر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ خود جلالؒ اس کو قول مرجوح قرار دے رہے ہیں۔

قصاص و دیت کی تفصیل:............ دوسرا مسئلہ قصاص کی معافی یا دیت کی تعیین کا ہے۔ معافی کی دو صورتیں ہیں۔ یا تمام قصاص تمام ورثاء کی طرف سے معاف کر دیا جائے تب تو قاتل بالکل بری الذمہ ہو جائے گا اور اگر نا تمام معافی ہو جائے تو قصاص سے بچ گیا۔ لیکن اسی نسبت سے دیت آ جائے گی۔ خون بہا جانوروں کی صورت میں ادا کیا جائے سو (۱۰۰) اونٹ ہوتے ہیں اور نقدی ہو تو ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ایک درہم سوا چار آنہ سے کچھ زائد ہوتا ہے اور اگر بجائے اس شرعی مقررہ خون بہا کے دوسرے کسی قسم کے مال پر قاتل اور ورثاء مقتول میں باہمی مصالحت ہو جائے جو علاوہ اونٹ، اشرفی، روپیہ کے دوسری کوئی جنس، غلہ، کپڑا، گھوڑا، مکان، دوکان، جائیداد، سائیکل وغیرہ ہو تب بھی قصاص ساقط ہو جائے گا اور یہ طے کردہ مال یا اس مال کی قیمت ادا کرنی پڑے گی خواہ وہ مقرر خون بہا سے زیادہ قیمت کی ہو یا کم کی سب جائز ہے۔ البتہ اگر بدل صلح وہی تین چیزیں ہوں تو مقدار میں سابقہ عدد کی پابندی کرنی ہوگی، نیز قتل عمد میں دیت یا مال صلح کی ادائیگی صرف قاتل کے ذمہ ہوگی دوسروں کو شریک نہیں کیا جائے گا البتہ مقتول کے تمام وارثوں پر شرعی سہاموں کے لحاظ سے قصاص، و دیت، بدل صلح کی تقسیم ہوگی۔

انسانی مساوات:............ اس آیت میں انسداد جرائم کی رعایت، پھر اس میں بھی حد درجہ اعتدال اور انسانی مساوات کی انتہاء کر دی ہے۔ اسلام نے اس بارہ میں شریف و رذیل، اونچ، نیچ، غلام، آزاد، مرد، عورت، مسلم، غیر مسلم اور ذمی کے وہ سارے امتیازات ختم کر دیئے ہیں جن کی وجہ سے انسانی حقوق پامال ہو رہے تھے۔ انسانیت کے ناطے سب برابر ہیں۔ ہاں اگر ورثاء مقتول خون بہا لینے پر بخوشی رضامند ہوں تو قاتل کی جان بخشی ہو سکتی ہے۔

آیت ولکم فی القصاص الخ میں عرفاء کے لئے "بقاء رفنا" کا اشارہ ملتا ہے۔

كُتِبَ فُرِضَ **عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ** اَىْ اَسْبَابُهٗ **اِنْ تَرَكَ خَيْرَا** مَالاً **اِۨلْوَصِيَّةُ** مَرْفُوْعٌ بِكُتِبَ وَمُتَعَلِّقٌ بِاِذَا اِنْ كَانَتْ ظَرْفِيَّةً وَدَالٌّ عَلٰى جَوَابِهَا اِنْ كَانَتْ شَرْطِيَّةً وَجَوَابُ اِنْ مَحْذُوْفٌ اَىْ فَلْيُوْصِ **لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ** بِالْعَدْلِ بِاَنْ لَا يَزِيْدَ عَلَى الثُّلُثِ وَلَا يُفَضِّلُ الْغَنِيَّ **حَقًّا** مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ الْجُمْلَةِ قَبْلَهٗ **عَلَى الْمُتَّقِيْنَ** ﴿۱۸۰﴾ اللّٰهَ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ الْمِيْرَاثِ وَبِحَدِيْثِ لَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ **فَمَنْ بَدَّلَهٗ** اَىِ الْاِيْصَاءَ مِنْ شَاهِدٍ وَوَصِيٍّ **بَعْدَ مَاسَمِعَهٗ** عَلِمَهٗ **فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ** اَىِ الْاِيْصَاءِ الْمُبَدَّلِ **عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ** فِيْهِ اِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ **اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ** لِقَوْلِ الْمُوْصِىْ **عَلِيْمٌ** ﴿۱۸۱﴾ بِفِعْلِ الْوَصِيِّ فَمُجَازٌ عَلَيْهِ **فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ** مُخَفَّفًا وَمُثَقَّلاً **جَنَفًا** مَيْلاً عَنِ الْحَقِّ خَطَأً **اَوْ اِثْمًا** بِاَنْ تَعَمَّدَ ذٰلِكَ بِالزِّيَادَةِ عَلَى الثُّلُثِ اَوْ تَخْصِيْصِ غَنِيٍّ مَثَلاً **فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ** بَيْنَ الْمُوْصِىْ وَالْمُوْصٰى لَهٗ بِالْاَمْرِ بِالْعَدْلِ **فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ** فِىْ ذٰلِكَ **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۱۸۲﴾

ترجمہ:.........مقرر (فرض) کیا جاتا ہے تم پر کہ جب کسی کو موت (اسبابِ موت) آئے۔ بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو۔ وصیت کرنا (وصیۃ مرفوع ہے لفظ کتب سے اور متعلق ہے اذا کا۔ یعنی عامل ہے بشرطیکہ ظرفیہ ہو اور اذا شرطیہ ہو تو یہ دال بر جواب ہے اور ان کا جواب محذوف ہوگا یعنی فلیوص) والدین اور عزیز واقارب کے لئے معقول طریقہ پر (انصاف) کے ساتھ کہ نہ تہائی مال سے وصیت بڑھنے پائے اور نہ مالدار کو ترجیح دی جائے) ضروری ہے (حقا مصدر ہے ماقبل کے مضمون جملہ کے لئے مؤکد ہے خدا کا) خوف رکھنے والوں پر (یہ آیت منسوخ ہے دوسری آیت میراث یوصیکم اللہ سے اور حدیث لاوصیۃ لوارث سے جس کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے) پھر جو شخص تبدیل کردے گا اس (وصیت) کو (خواہ وہ گواہ ہو یا منیجر) اس کے سن لینے (معلوم کر لینے) کے بعد تو اس (تبدیل شدہ وصیت) کا گناہ تبدیل کرنے والوں ہی کو ہوگا (اس جملہ میں اسم ظاہر بجائے ضمیر کے استعمال کیا گیا ہے یعنی علیہم کی بجائے علی الذین الخ فرمایا ہے) یقیناً اللہ تعالیٰ (وصیت کنندہ کا قول) سن رہے ہیں (منیجر کے افعال سے) باخبر ہیں (ان کو کیے کے مطابق بدلہ ملے گا) ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی طرف سے اندیشہ ہو (لفظ موص مخفف اور مشدد دونوں طرح پڑھا گیا ہے) کسی بے عنوانی کا (حق سے خطا کی طرف میلان کا) یا کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق معلوم ہوئی ہو (کہ جان کر ثلث مال سے زائد وصیت کی ہو یا مالدار کی تخصیص ہو۔ مثلاً) پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرادے (یعنی وصیت کنندہ اور جس کے لئے وصیت کی گئی دونوں کو انصاف کا مشورہ دے) تو اس پر کوئی گناہ نہیں رہا (اس بارہ میں) واقعی اللہ تو معاف فرمادینے والے ہیں اور رحم فرمانے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب:............ای سببابہ یعنی عبارت بتقدیر المضاف ہے۔ خیرا اس میں اشارہ ہے کہ مالِ وصیت حلال طیب ہونا چاہئے کیونکہ خبیث مال کی وصیت گناہ ہوگی اور واجب الرد۔ بعض کی رائے ہے کہ خیر سے مراد مالِ قلیل ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اکثر اس معنی میں استعمال ہوا ہے مثلاً (۱) وما تنفقوا من خیر اور (۲) وما انفقتم من خیر (۳) وانہ لحب الخیر لشدید. لیکن بعض کا خیال ہے کہ مالِ کثیر مراد ہے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ کے ایک غلام کے پاس سات سو درہم تھے۔ اس نے وصیت کا ارادہ کیا تو آپ نے اس کو منع فرمادیا کہ یہ مال کثیر نہیں ہے جس کا حکم آیت میں ہے۔ اسی طرح ایک صحابی کے پاس

تین ہزار روپے تھے، اور عیال بھی کثیر تھی انہوں نے وصیت کرنی چاہی ہوگی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ مال کثیر نہیں ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مال کی کثرت وقلت اضافی ہے حالات اور اشخاص کی وجہ سے مختلف ہوسکتی ہے۔

الوصیة چونکہ مصدر ہے اور فعل وفاعل میں مفعول کا فاصلہ بھی ہوگیا ہے۔ اس لئے تا تانیث کے باوجود فعل کو مذکر لانا جائز ہے اس سے پہلے اذا کے متعلق جلال محقق نے دو صورتیں ذکر فرمائی ہیں (۱) اذا ظرفیہ یعنی متضمن معنی شرط کو نہ ہو۔ ای کتب علیکم ان یوصی احدکم وقت حضور الموت (۲) اذا شرطیہ یعنی ظرفیت متضمن معنی شرط ہو۔ اس صورت میں دو شرط جمع ہوں گی اور دونوں کا جواب محذوف ہوگا جس پر لفظ وصیت دال ہوگا دونوں کا جواب فلیوص محذوف ہے۔ غرضکہ مفسر علام نے تین باتیں بتلانی چاہی ہیں۔ ایک لفظ وصیة کا کتب سے مرفوع ہونا اور دوسرے اذا کا اس میں عمل کرنا بشرطیکہ ظرفیہ ہو اور اگر شرطیہ ہو تو اس کے جواب پر دلالت کرنا تیسرے جواب ان پر دلالت کرنا۔ کتب اور اس کے فاعل وصیة میں دو جملے شرطیہ معترضہ ہیں۔ حقا ماقبل کا مضمون جملہ "کتب علیکم" ہے جس میں سوائے حقیقت کے دوسرا احتمال نہیں ہے اس لئے مفعول مطلق مؤکد لنفسہ ہوگیا۔ ھذا منسوخ یعنی صرف حکم منسوخ ہے تلاوت منسوخ نہیں ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے جو روایت پیش کی ہے یا دارمی نے حسنؒ وعکرمہؒ وقتادہؒ سے جو روایت کی ہے وہ اس کی مؤید ہیں۔ حدیث لاوصیة لوارث کے بارہ میں بروایت ابوداؤد، ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ میں نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سنے ہیں۔ اور لباب میں دارقطنی کی روایت امام شافعی سے یہ ہے کہ وہ اس متن کو متواتر مانتے ہیں اور صاحب کشف کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ روایت متواتر کی قوت میں ہے۔ جنفا مطلقاً میلان۔ لیکن یہاں غلطی سے میلان مراد ہے۔ بقرینہ مقابل۔ کیونکہ اثم بالقصد گناہ کو کہتے ہیں۔ خوف وہ انقباضی حالت جو متوقع شر کی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہے اور وہ کبھی معلوم الوقوع بھی ہوتا ہے۔

او تخصیص غنی ریاکاری اور نام ونمود کی وجہ سے زمانۂ جاہلیت میں والدین جیسے اقارب کو لوگ فراموش کردیتے تھے اور اغنیاء اجانب کے بارہ میں وصیت کرجاتے تھے۔ اسی قسم کی دوسری بے اعتدالیاں بھی کرتے تھے۔ اس لئے مفسر محققؒ نے مثلاً کہا ہے۔

ربط: .... پہلی آیت میں جان سے متعلق احکام کا ذکر تھا۔ اس آیت میں مال سے متعلق احکام کا بیان ہے۔

شانِ نزول:

.... زمانہ جاہلیت میں ریا اور نام ونمود کے لئے اپنے اموال کی وصیت اجانب اور اغنیاء کے لئے کرکے اقرباء اور والدین کو محروم کرجایا کرتے تھے اس آیتِ وصیت میں اس کی اصلاح کی گئی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... ترکہ میں رشتہ داروں کے ساتھ سلوک:

.... حاصل اس مالی انتظام کا یہ ہوا کہ مرنے والا اپنے تہائی مال سے اپنے رشتہ داروں کے متعلق جتنا جس کو مناسب سمجھے وصیت کرجائے ان کو بالکلیہ محروم کرکے غیر مستحقین کو مال لٹا دینا سخت ناانصافی ہے، ایک تو ان کے مرنے والے عزیز کا صدمہ پھر فی الجملہ اس کی مکافات تھوڑے بہت مال سے ہوجاتی، اس سے بھی محروم کردیئے گئے۔ مصیبت بالائے مصیبت اور مفت خوروں کو بیٹھے بٹھائے مفت کی دولت ہاتھ آجائے یہ کہاں کا انصاف ہے۔ چنانچہ ابتدائے اسلام میں اس حکم پر عملدرآمد رہا لیکن آیتِ میراث نے ورثاء کا مکمل انتظام کردیا اور ان کے حقوق اور حصے متعین کردیئے۔ اب اس وصیت کی حاجت نہیں رہی۔ بس جہاں تک اولاد کے علاوہ دوسرے اعزہ کے حصص کا مقرر نہ ہونا آیت سے معلوم ہوتا ہے اب وہ آیت میراث سے منسوخ ہوگیا ہے۔ اور جہاں تک ایسے ورثاء کے لئے وصیت کے حکم کا تعلق ہے وہ بھی اب حدیث لاوصیة لوارث اور اجماع کی وجہ سے وجوباً اور جوازاً بالکل منسوخ ہوگیا ہے۔ وارث کے لئے علاوہ میراث کے مزید مال کی وصیت کرنا بالکلیہ باطل ہے۔ البتہ ثلث

سے زیادہ کی وصیت بغیر رضامندی بالغ ورثاء کے اب بھی ناجائز ہے اس لئے یہ جز ومنسوخ نہیں ہے۔

وصیت ایک مقدس امانت ہے:............ بہر حال مرنے والے میں اپنے پسماندوں کے لئے خیر اندیشی اور خیر سگالی کا جذبہ کارفرما ہونا چاہئے۔ انسان جو کچھ چھوڑ جاتا ہے وہ اگر چہ دوسروں کے قبضہ میں چلا جاتا ہے تاہم مرنے والے کو اس کے ٹھیک ٹھیک خرچ ہونے کی اور اپنے عزیزوں، قریبوں کو فائدہ پہنچانے کی فکر اس کے فرائض زندگی میں سے ہے۔ اس ذمہ داری سے وہ سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ نیز اس مرنے والے کی وصیت ایک مقدس امانت ہے جو لوگ اس کے امین ہوں بے کم وکاست اس کی تعمیل کرنا ان کا فریضہ ہے۔ جن کے سپرد اس وصیت کی تعمیل کی گئی ہے وہ اگر خیانت مجرمانہ کرنے لگیں تو وہ خود اس کے لئے جوابدہ ہوں گے۔ وصیت کرنے والے یا مستفید ہونے والے بری الذمہ ہیں۔

ان ترک خیرًا کی تعبیر سے معلوم ہوا کہ مالدار ہونا شرط ادائیگی حقوق کمال تقویٰ کے منافی نہیں ہے ورنہ اس کو خیر کیوں کہا جاتا البتہ حقوق اگر ادا نہ ہوں تو پھر شر ہی شر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ فُرِضَ **عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ** مِنَ الْاُمَمِ **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾** الْمَعَاصِيَ فَاِنَّهٗ يَكْسِرُ الشَّهْوَةَ الَّتِي هِيَ مَبْدَؤُهَا **اَيَّامًا** نُصِبَ بِالصِّيَامِ اَوْ بِصُوْمُوْا مُقَدَّرٍ **مَّعْدُوْدٰتٍ** اَيْ قَلَائِلَ اَيْ مُوَقَّتَاتٍ بِعَدَدٍ مَّعْلُوْمٍ وَهِيَ رَمَضَانُ كَمَا سَيَاْتِيْ وَقَلَّلَهٗ تَسْهِيْلًا عَلَى الْمُكَلَّفِيْنَ **فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ** حِيْنَ شُهُوْدِهٖ **مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ** اَيْ مُسَافِرًا سَفَرَ الْقَصْرِ وَاَجْهَدَهُ الصَّوْمُ فِي الْحَالَيْنِ فَاَفْطَرَ **فَعِدَّةٌ** فَعَلَيْهِ عَدَدُ مَا اَفْطَرَ **مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ** يَصُوْمُهَا بَدَلَهٗ **وَعَلَى الَّذِيْنَ لَا يُطِيْقُوْنَهٗ** لِكِبَرٍ اَوْ مَرَضٍ لَا يُرْجٰى بُرْؤُهٗ **فِدْيَةٌ** هِيَ **طَعَامُ مِسْكِيْنٍ** اَيْ قَدْرَ مَا يَاْكُلُهٗ فِيْ يَوْمٍ وَهُوَ مُدٌّ مِنْ غَالِبِ قُوْتِ الْبَلَدِ لِكُلِّ يَوْمٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِاِضَافَةِ فِدْيَةٍ وَهِيَ لِلْبَيَانِ وَقِيْلَ لَا غَيْرُ مُقَدَّرَةٍ كَانُوْا مُخَيَّرِيْنَ فِيْ صَدْرِ الْاِسْلَامِ بَيْنَ الصَّوْمِ وَالْفِدْيَةِ ثُمَّ نُسِخَ بِتَعْيِيْنِ الصَّوْمِ بِقَوْلِهٖ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِلَّا الْحَامِلَ وَالْمُرْضِعَ اِذَا اَفْطَرَتَا خَوْفًا عَلَى الْوَلَدِ فَاِنَّهَا بَاقِيَةٌ بِلَا نَسْخٍ فِيْ حَقِّهِمَا **فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا** بِالزِّيَادَةِ عَلَى الْقَدْرِ الْمَذْكُوْرِ فِي الْفِدْيَةِ **فَهُوَ** اَيِ التَّطَوُّعُ **خَيْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا** مُبْتَدَاٌ خَبَرُهٗ **خَيْرٌ لَّكُمْ** مِنَ الْاِفْطَارِ وَالْفِدْيَةِ **اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾** اَنَّهٗ خَيْرٌ لَّكُمْ فَافْعَلُوْهُ

ترجمہ:............ اے اہل ایمان! مقرر (فرض کیا گیا) ہے تم پر روزہ۔ جس طرح تم پر فرض کیا تھا تم سے پہلے (لوگوں) پر اس امید پر کہ پرہیزگار بن جاؤ گے (گناہوں سے۔ کیونکہ روزہ شہوت کو توڑ دیتا ہے جو گناہوں کی جڑ ہے) چند روزہ (ایاما منصوب ہے لفظ صیام یا صوموا مقدر سے اور معدودات بمعنی قلیل یعنی رمضان کے گنتی کے چند روز مراد ہیں۔ جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے اور دونوں صورتوں میں روزہ اس کے لئے نقصان دہ ہو تو اس کو افطار کر لینا چاہئے) تو اتنی ہی تعداد (جس قدر روزے افطار کئے ہیں اتنے ہی اس پر واجب ہیں) دوسرے دنوں میں (اس کے بدلے روزے رکھے) اور جو لوگ روزہ کی طاقت (نہ) رکھتے ہوں (بڑھاپے یا کسی بیماری

کی وجہ سے جس کے اچھے ہونے کی توقع نہ ہو) ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ (وہ) ایک غریب آدمی کا کھانا ہے (جس قدر ایک روز میں ایک آدمی کھا سکتا ہو جس کی مقدار روزانہ کے لئے ایک مُد غلہ تجویز کی گئی ہے۔ جو غلہ رواجی ہو اور ایک قرأت میں لفظ فدیہ اضافتِ بیانیہ کے ساتھ آیا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ ''یطیقونه'' سے پہلے مقدر نہ کیا جائے۔ ابتداء اسلام میں لوگوں کو روزہ اور فدیہ کے درمیان تھا۔ اس کے بعد یہ منسوخ ہو کر آیت ''فمن شهد منكم الشهر فليصمه'' کے ذریعہ روزہ کی تعیین ہوگئی۔ حضرت ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ اس حکم نسخ سے حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت مستثنیٰ ہے اگر یہ دونوں قسم کی عورتیں بچہ کے خیال سے روزہ افطار کرلیں تو یہ حکم فدیہ ان کے لئے اب بھی باقی اور غیر منسوخ ہے) جو شخص خوشی سے خیر خیرات کرے (فدیہ کی مقدار مقررہ سے زائد خرچ کر ڈالے) تو یہ (نفلی خیرات) کے لئے اور بھی بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا (یہ مصدر ہے جس کی خبر آگے ہے) زیادہ بہتر ہے (بہ نسبت افطار و فدیہ کے) اگر تم کچھ واقفیت رکھتے ہو (کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے تو اس کی تعمیل کرلو۔)

تحقیق وترکیب:.......... صوم و صیام دونوں مصادر ہیں من الامم مراد یا بعینہ تشبیہ ہے جیسا کہ ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ پچھلی امتوں پر بھی رمضان کے روزے فرض تھے اور یا نفس صوم میں شرکت مقصود ہے۔ وقت، مقدار، کیفیت، سب میں اشتراک بیان کرنا نہیں ہے جیسے فاذكروا الله كذكركم اباءكم یا ان مثل عيسىٰ عند الله كمثل ادم وغیرہ تشبیہات ہیں چنانچہ حضرت آدمؑ پر ایامِ بیض کے اور قوم موسیٰ پر صرف عاشورہ کا روزہ فرض تھا اور مقصود اس طرز تعبیر سے ''مرگ انبوہ جشنے دارد'' کے قبیل سے روزہ کی صعوبت کو کم کرنا اور تسلی دینا ہے جیسا کہ ایک ماہ کے روزوں کو ''تقلیل'' کا عنوان دینا تسہیل کی خاطر ہے آسانی عنوان سے بڑی سے بڑی مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ ایامًا روح المعانی میں صیام کے ذریعہ ایامًا کے منصوب ہونے کا تخطیہ کیا ہے کیونکہ عامل و معمول میں اجنبی کا فاصلہ ہو گیا ہے۔ البتہ صوموا مقدر کے ذریعہ سے صحیح ہے۔

فی الحالین بحالت سفر عجز حقیقی پر مدار نہیں ہے۔ بلکہ بحالتِ سفر مطلقاً رخصت افطار ہے۔ نفس کو قائم مقام مشقت کے مان لیا گیا ہے۔ چاہے حقیقۃً تکلیف ہو یا نہ ہو اس لئے جلال محقق کی رائے سے حنفیہ کو اتفاق نہیں ہے۔ الا یہ کہ عجز تقدیری مراد لیا جائے۔

وعلى الذين اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اول تو یہ کہ ابتدائے اسلام میں مقیم تندرستوں کے لئے بھی یہ رخصت تخییر تھی کہ چاہے وہ روزہ رکھ لیں یا فدیہ دے دیں۔ اس صورت میں یطيقونه تو اپنی حالت پر رہے گا کسی توجیہ کی ضرورت نہیں۔ علامہ زمخشری کی رائے یہی ہے البتہ اب یہ حکم آیت فمن شهد منكم الشهر فليصمه کے ذریعہ منسوخ ہو گیا ہے۔ امام بخاریؒ نے ابن عمر اور سلمہ ابن اکوع سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور جمہور کا قول یہی ہے۔ دوسرا قول اس کو منسوخ نہ ماننے کا ہے۔ اس صورت میں دو توجیہیں ہو سکتی ہیں (۱) لا کی تقدیر جیسے دوسری آیت میں يبين الله لكم ان تضلوا میں لا کی تقدیر ضروری ہے۔ چنانچہ امام حفصؒ کی قرأت بھی لا يطيقونه ہے (۲) یا پھر یطيقون باب افعال سے ہے اور اس میں ہمزہ سلب کے لئے ہے۔ اطاق فلان جبکہ اس کی طاقت زائل ہو جائے چنانچہ شمس الائمہ سے یہ توجیہ منقول ہے۔ ان دونوں صورتوں میں یہ حکم شیخ فانی کے لئے یا بقول امام شافعی حاملہ اور مرضعہ محتملة الضرر کے لئے مخصوص ہوگا اور منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ او على سفر اس کی بجائے فی سفر نہیں کہا اس میں اشارہ ہے کہ اگر کسی نے درمیان دن کے سفر شروع کیا تو اس کو رخصت افطار نہیں ہے البتہ جس نے صبح سے پہلے سفر شروع کر دیا اس کے لئے اجازت ہے فعدة اس میں ایک شرط اور دو مضاف محذوف ہیں۔ تقدیر عبارت اس طرح تھی فَعَلَيْهِ صَوْمُ عِدَّةَ اَيَّامِ الْمَرَضِ وَالسَّفَرِ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ اِنْ اَفْطَرَ۔

فمن شهد منكم اس خطاب سے مراد عاقل، بالغ، تندرست، ہیں ورنہ بچہ مجنون پر باوجود شہود رمضان کے اور مقیم ہونے کے روزہ

فرض نہیں ہے۔

ربط:.......... ابواب بر میں سے تیسرا حکم روزہ سے متعلق ہے۔ تقریباً پورے رکوع میں دور تک اسی کے متعلقات اور احکامات کا بیان ہے۔

شانِ نزول:.......... سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت "وعلی الذین یطیقونہ" نازل ہوئی تو ہم لوگوں کو اختیار تھا چاہے روزہ رکھ لیں اور چاہے فدیہ دے کر افطار کر لیں۔ لیکن جب اس کے بعد والی آیت "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ" نازل ہوئی تو پھر یہ اختیار منسوخ ہو کر روزہ متعین ہو گیا۔

﴿تشریح﴾:...... روزہ کی اہمیت وعظمت:.......... روزہ روحانی، اخلاقی، اقتصادی، معاشرتی، سیاسی، طبی ہر لحاظ سے ایک بہترین عبادت ہے اور زمانۂ قدیم سے مختلف شکلوں اور نوعیتوں کے ساتھ خدا کے حکم سے انسانوں میں مروج رہا ہے۔ اسلام جو ایک جامع اور مکمل مذہب ہے اس عظیم الشان عبادت سے کیسے خالی رہ جاتا۔ روزہ کا مقصد محض فاقہ کرنا اور اپنے جسم کو تکلیف ومشقت میں ڈالے رکھنا نہیں ہے بلکہ نفسِ انسانی کی تہذیب واصلاح، پرہیزگاری اور تقویٰ وطہارت، نفس کی خواہشوں کو قابو میں رکھنے کی مشق کا بہم پہنچانا ہے۔ جس کی طرف لعلکم تتقون میں اشارہ ہے یعنی کھانے پینے، صحبت سے بہ نیتِ روزہ، دن بھر رُکنا تو روزہ کی صورت ہے لیکن حقیقت وروح کچھ اور ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:.......... تاہم لعلکم تتقون سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ تقویٰ اگر کسی اور ذریعہ سے حاصل کر لیا جائے تو پھر روزہ کی کیا ضرورت ہے؟ یا کسی روزہ سے اگر یہ مقصد حاصل نہ ہوتا ہو تو پھر روزہ سے کیا فائدہ۔ سو اول تو یہ روزہ کی علت نہیں ہے کہ اس کے بغیر روزہ ساقط ہو جائے بلکہ روزہ ایک مصلحت اور حکمت ہے پھر حکمت کچھ اس ایک مصلحت میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہزاروں مصالح علم الٰہی میں محفوظ ہوں گی۔ وہ بغیر روزہ کے کس طرح حاصل ہو سکیں گی۔ تیسرے تقویٰ خاص جس کا تعلق صرف روزہ کے ساتھ ہو وہ روزہ کے بغیر کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کی صورت مخصوصہ کا فیضان تو روزہ کے ہیولیٰ پر ہی ہوگا غرضکہ ہر عبادت کی روح جس طرح اسی مخصوص جسم عبادت میں سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے یہی حال روزہ کا ہے۔ اگر روزہ کی حکمت روزہ کے بغیر حاصل ہو سکتی تو پھر کسی عبادت کی بھی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ اس لئے فی الحقیقت یہ عبادات سے بچنے کا ایک شیطانی بہانہ اور کیدِ نفس ہے۔

روزہ کے ضروری احکام:.......... روزہ کے تفصیلی احکام تو کافی ہیں، ان کے لئے کتبِ فقہ کی مراجعت ضروری ہے۔ البتہ آیت میں بیمار اور مسافر کے لئے رخصت وقضا کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح فدیہ کا بیان ہوا ہے۔ اس لئے چند باتیں مناسب مقام ملحوظ رہنی چاہئیں۔

۱...... بیماری سے مراد ہر طرح کی بیماری نہیں ہے بلکہ صرف ایسی بیماری کہ جس میں روزہ بے حد تکلیف دہ ہو۔ یا بیماری کے بڑھنے اور دیر میں اچھا ہونے کا خطرہ ہو اور طبیب حاذق روزہ کو مضر بتلا دے ایسے وقت روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک مطلق بیماری کافی ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مہلک بیماری ہونی چاہئے۔ اسی طرح سفر سے مراد عام سفر نہیں کہ تھوڑا ہو یا زیادہ بلکہ کم از کم ۴۸ میل کے سفر کا ارادہ ہو۔ شرعی میل انگریزی میل سے ۱/۸ حصہ زائد ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک ۴۵ یا ۵۴ میل اور ۶۰ میل مسافت ہے ایسے مسافروں کے لئے آبادی سے باہر نکلنے سے لے کر منزل مقصود پر پہنچ کر کم از کم پندرہ روز قیام کرنے کی نیت تک روزہ چھوڑنے

کی اجازت ہے تاہم اگر روزہ رکھ سکتا ہو تو روزہ رکھنا ہی افضل ہے۔

۲:......ایسے مریض اور مسافر اگر روزہ کی نیت کر چکے ہوں تو بلا ضرورتِ شدیدہ توڑنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر نیت ہی نہ کی ہو اور بیماری یا سفر شروع ہو گیا ہو تو روزہ کا ترک جائز ہے۔ اگر رمضان ختم ہونے سے پہلے ہی بیماری یا سفر ختم ہو جائے تو اول بقیہ رمضان کے روزے رکھے جائیں۔ پھر بعد رمضان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرنی چاہئے۔ خواہ ایک دم لگاتار یا ایک ایک دو دو کر کے پورے کیے جائیں اور بعض کے نزدیک ابی بن کعب کی قرأت من ایام اخر متتا بعات کی وجہ سے مسلسل قضاء کو لازم کہتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک یہ خبر واحد ہے اس سے زیادتی علی الکتاب کی گنجائش نہیں ہے۔

۳:......ابتدائے اسلام میں جو فدیہ کی عام اجازت تھی جس کا تذکرہ آیت کے ابتدائی حصہ میں ہے وہ اب منسوخ ہو چکا ہے۔ لیکن فدیہ کی خاص اجازت اب بھی ہے۔ بہت زیادہ بوڑھے یا ایسے بیمار کے لئے جس کے اچھے ہونے کی امید نہ رہی ہو جائز ہے کہ ہر روزہ کے بدلہ ایک غریب کو دو وقت کا کھانا کھلا دیں۔ یا غلہ دینا چاہیں تو اسی تولہ (فی سیر) کے حساب سے ایک روزہ کا بدلہ پونے دو سیر گیہوں دے دیے جائیں۔ یہ ایک مسکین کا غلہ ہے اگر اس کو کئی جگہ تقسیم کیا گیا یا ایک ہی تاریخ میں ایک مسکین کو ایک سے زائد فدیہ دیا گیا تو دونوں صورتوں میں جائز نہیں ہوگا۔ نیز فدیہ ادا کرنے کے بعد بیمار اچھا ہو گیا اور اس میں روزہ کی طاقت آ گئی تو فدیہ روزوں کے حق میں شمار نہیں ہوگا بلکہ روزوں کی قضا کرنی پڑے گی۔ البتہ فدیہ کا ثواب بدستور رہے گا اور کسی معذور میں فدیہ کی بھی سکت نہ ہو تو بجائے روزوں کے استغفار کرتا رہے اور عذر دور ہونے پر روزوں کا عزم رکھے۔

تِلْكَ الْاَيَّامُ **شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ** مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ **هُدًى** حَالٌ هَادِيًا مِنَ الضَّلَالَةِ **لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ** اٰيَاتٍ وَاضِحَاتٍ **مِّنَ الْهُدٰى** مِمَّا يَهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ مِنَ الْاَحْكَامِ **وَ** مِنَ **الْفُرْقَانِ** مِمَّا يُفَرِّقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ **فَمَنْ شَهِدَ** حَضَرَ **مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط** تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ وَكَرَّرَهٗ لِئَلَّا يُتَوَهَّمَ نَسْخُهٗ بِتَعْمِيْمِ مَنْ شَهِدَ **يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ** وَلِذَا اَبَاحَ لَكُمُ الْفِطْرَ فِي الْمَرَضِ وَالسَّفَرِ وَلِكَوْنِ ذٰلِكَ فِيْ مَعْنَى الْعِلَّةِ اَيْضًا لِلْاَمْرِ بِالصَّوْمِ عَطَفَ عَلَيْهِ **وَلِتُكْمِلُوا** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **الْعِدَّةَ** اَيْ عِدَّةَ صَوْمِ رَمَضَانَ **وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ** عِنْدَ اِكْمَالِهَا **عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ** اَرْشَدَكُمْ لِمَعَالِمِ دِيْنِهٖ **وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾** اللّٰهَ عَلٰى ذٰلِكَ وَسَاَلَ جَمَاعَةٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقَرِيْبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِيْهِ اَمْ بَعِيْدٌ فَنُنَادِيْهِ فَنَزَلَ **وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ط** مِنْهُمْ بِعِلْمِيْ فَاَخْبِرْهُمْ بِذٰلِكَ **اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ لا** بِاِنَالَتِهٖ مَا سَاَلَ **فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ** دُعَائِيْ بِالطَّاعَةِ **وَلْيُؤْمِنُوْا** يُدِيْمُوْا عَلَى الْاِيْمَانِ **بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾** يَهْتَدُوْنَ

ترجمہ:..........(یہ زمانہ) ماہ رمضان کا ہے کہ جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا ہے (لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر لیلۃ القدر میں) جو ہدایت دینے والا ہے (لفظ ھدیً حال ہے گمراہی سے ہدایت بخشنے والا) لوگوں کو واضح الدلالۃ ہے (یعنی اس کی آیات واضح ہیں)

منجملہ ان کتابوں کے ہے جو ہدایت بخشنے والی ہیں (یعنی ایسے احکام پر مشتمل ہے جو ہدایت الی الحق کرنے والے ہیں) اور فیصلہ کرنے والی ہیں (جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن ہیں) چنانچہ جو شخص اس وقت موجود ہے اس کے لئے اس مہینہ میں روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس کو دوسرے دنوں میں شمار سے رکھنے چاہئیں (یہ آیت پہلے بھی گزر چکی ہے اور مکرر ہے اس لئے ذکر کیا گیا ہے تاکہ "من شھد" کی تعمیم سے اس کی منسوخیت کا شبہ نہ ہو جائے) اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے۔ اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں ہے (اسی لئے بیماری اور سفر میں تمہارے لئے افطار جائز کیا ہے اور چونکہ یہ مضمون حکم صوم کی معناً علت بھی ہے اس لئے اس پر اگلا جملہ عطف کر دیا ہے) اور تاکہ تم لوگ پورا کر لیا کرو (تکملوا تخفیف اور تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے) گنتی کو (یعنی رمضان کے روزوں کی تعداد) اور اس لئے کہ تم اللہ کی بزرگی بیان کرو (اس کے پورا کرنے پر) کہ اس نے تم کو طریقہ بتلا دیا ہے (تم کو اپنے معالم دین سکھلائے) اور اس لئے کہ تم شکریہ ادا کرو (اللہ کا اس انعام پر ایک جماعت نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ ہمارے رب ہم سے قریب ہیں کہ صرف مناجات ہمارے لئے کافی ہو یا دور ہیں کہ پکارنے کی ضرورت پیش آئے۔ اس پر آیت نازل ہوئی) اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارہ میں دریافت کریں تو میں قریب ہی ہوں (اپنے علم کے لحاظ سے ان سے آپ ان کو اس کی اطلاع فرما دیجئے) قبول کر لیا کرتا ہوں، دعا مانگنے والوں کی درخواست جبکہ وہ میرے حضور میں پیش کرتے ہیں (ان کی درخواست منظور کر لیتا ہوں) ان کو چاہئے کہ قبول کر لیا کریں (میرے احکام بجا آوری کے ساتھ) اور مجھ پر یقین رکھنا چاہئے (مجھ پر ہمیشہ ایمان رکھیں) امید یہ ہے کہ وہ لوگ فلاح (ہدایت) حاصل کر سکیں گے۔

تحقیق وترکیب:........... شھر رمضان سے پہلے تلک الایام مبتداء ہے اور الذی اس کی خبر ہے اور بقول ابن عباسؓ اور حسن اور ابومسلم شھر رمضان سے مراد ایام معدودات ہیں۔ اولاً مطلقاً روزہ کی فرضیت کی اطلاع دی۔ پھر چند روزہ کہہ کر اس کو ہلکا کیا، اس کے بعد شہر رمضان فرما کر بات صاف کر دی۔ اس تدریج میں نفس کی گرانی کم ہو جائے گی۔ من اللوح اس آیت میں شہر رمضان میں نزول معلوم ہوا۔ انا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر و فی ایۃ فی لیلۃ مبارکۃ سے مخصوص ایک شب میں نزول معلوم ہوا۔ حالانکہ نبوت کے بعد سے وفات تک تقریباً ۲۳ سال سلسلۂ وحی جاری رہا۔ تینوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ نزول اول لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر ہوا۔ خواہ پورے قرآن کا یا سال بھر جس قدر اتارنا ہوتا یہ نزول تو شب قدر میں ہوا اور شب قدر رمضان میں ہے تو اس طرح نزول فی لیلۃ نزول فی رمضان ہوا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے پاس حسب وقائع اور بقدر ضرورت ایک آیت دو آیت رکوع سورت کی صورت میں کل مدتِ نبوت سلسلہ جاری رہا۔ اول کو نزول یا انزال کہتے ہیں اور دوسری صورت کو تنزیل سے تعبیر کیا جاتا ہے اس طرح پوری تطبیق ہوگئی ہے۔ ھدی و بینات یہ دونوں حال ہیں۔ القران سے اور عامل انزال ہے اور من الھدی و الفرقان صفت ہیں ھدی اور بینات کی۔ پس یہ محلاً منصوب ہے۔ ای ان کان القران ھدی و بینات ھو من جملۃ ھدی اللہ و بیناتہ فمن شھد منکم الشھر. اس میں الشہر مفعول بہ ہے اور فاء سببیہ تاتعقیبیہ ہے تفصیلیہ نہیں ہے بظاہر اس حکم میں مریض و مسافر، مقیم، تندرست سب کے لئے تعمیم تھی اس لئے آگے من کان مریضا سے اس کی تخصیص کر دی اور یہ تکرار بھی اس تخصیص کے لئے فدیہ کا سابقہ حکم جو من شھد سے منسوخ ہو گیا ممکن ہے کہ مریض و مسافر بھی اس تعمیم میں داخل ہوں۔ اس لئے اس کو مستثنیٰ کرنے کے لئے دوبارہ ذکر کرنا پڑا۔ یرید اللہ یہ دو حکموں کی علت ہے جن پر ومن کان مریضاً دلالت کر رہا ہے۔ یعنی جواز افطار اور توسع فی القضاء جو فعدۃ من ایام اخر سے سمجھ میں آ رہے ہیں۔ مفسر جلال بھی ان دونوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں معتزلہ اس آیت سے بندہ کے ارادۂ خداوندی کے خلاف کرنے کے جواز پر استدلال کرتے ہیں کیونکہ مریض و مسافر اگر روزہ رکھ کر مشقت برداشت کریں

تو اللہ کے ارادہ یسر کے خلاف ہوا لیکن جواب دیا جائے گا کہ اللہ کا ارادہ یسر افطار کا مباح کرنا ہے اور وہ اجازت سے حاصل ہو چکا ہے اس کا تخلف نہیں ہوا۔ فلا اشکال و لتکملوا یعنی روزہ کا حکم آسانی کے لئے ہے اور تکمیل مدت کے لئے ہے خواہ مدتِ رمضان ہو اگر مخاطب عام ہو یا مدت قضا کی تکمیل مراد ہو اگر مخاطب خاص یعنی مریض و مسافر ہوں و لتکبروا اللہ اکمال سے مراد اگر اول یعنی اکمال ادا ہو تو تکبیر سے مراد تکبیر عید الفطر ہو گی یعنی روزے پورے کرو۔ اور تکبیر عید یعنی دوگانہ اور تکبیرات ادا کرو۔ اس صورت میں یہ فمن شهد کی علۃ ہو گی اور اکمال سے ثانی یعنی تکمیل قضا مراد ہو تو تکبیر سے مراد خدا کی ثنا ہو گی اور یہ تیسری علت ہو گی اور تکبیر کا تعدیہ علیٰ کی ذریعہ بتضمین معنی حمد ہو گا۔ ای لتکبروا اللہ حامدین علی ماھداکم الیہ ایسے مواقع پر یہ عطف کا لطیف ترین پیرایہ ہے کیونکہ ماقبل کی علتیں ہونے کی وجہ سے مقتضیٰ ظاہر یہ تھا کہ واو ترک کر دیا جاتا۔ لیکن اس میں بلا تکلف احکام سابقہ کی طرف مزید اہتمام شان ہے۔ قریب قرب سے مراد جسمانی یا مکانی قرب نہیں ہے کہ وہ محال ہے بلکہ علمی اور حفاظتی قرب مراد ہے اور صوفیا اقرب ذاتی بلا کیف کے قائل ہیں۔ شرح فقہ اکبر کی عبارت ہے فالتحقیق فی مقام التوفیق ان مختار ان الامام قرب الحق من الخلق وقرب الخلق وصفت بلا کیف و ثبتت بلا کشف. فاخبرھم یہ تقدیر عبارت خبر قریب کی تصحیح کے لئے ثانی ہے۔ اجیب استجاب واجاب دونوں کے معنی قطع سوال کے ہیں مراد سے ہمکنار کر دینے کی وجہ سے جوب بمعنی قطع سے ماخوذ فلیستجیبوا لی ای فلیتمثلوا اوامری ایمان کو بعد میں اور اطاعت کو پہلے لانے میں اشارہ ہے کہ طاعت ہی مفضی الی نور الایمان کر دیتی ہے۔ یدیموا جلال محقق نے ایک شبہ کے ازلہ کے لئے یہ توجیہ فرمائی ہے کہ استجابت اور ایمان ایک دوسرے سے بے نیاز کرتے ہیں اس لئے دونوں کے اجتماع کی ضرورت نہیں تھی۔ جواب یہ ہے کہ نفس ایمان مراد نہیں ہے بلکہ بقا اور دوامِ ایمان مقصود ہے یا تخصیص بعد التعمیم ہے ایمان کے شرف و فضل ظاہر کرنے کے لئے۔

ربط: .... پچھلی آیت میں ایام روزہ کا اجمالی بیان تھا اس آیت میں اس کا تفصیلی بیان ہے ان تمام احکام میں بندوں کی مصالح حق تعالیٰ کے پیش نظر ہیں جن سے حق تعالیٰ کا بندوں پر مہربان اور متوجہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے آیت و اذا سالک سے قرب و اجابت کا بیان مناسب مقام ہوا۔

شانِ نزول: .... آیت و اذا سالك کے شانِ نزول کی طرف خود جلال محقق نے اشارہ فرمادیا ہے کہ بعض اعراب نے آنحضرت ﷺ سے حاضر ہو کر استفتاء کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ...... روزہ کی مشروعیت میں تدریج: .... بالکل ابتداء اسلام میں صرف یوم عاشورہ (دسویں محرم) کا روزہ فرض ہوا تھا۔ اس کے بعد ایام بیض یعنی ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کے روزے فرض رہے۔ اس تدریج کے بعد یہ دونوں حکم منسوخ ہو کر رمضان کے روزے مقرر ہوئے لیکن روزہ اور فدیہ کے اختیار کے ساتھ۔ بعد میں اس آیت کے ذریعہ یہ تخییر بھی منسوخ ہو گئی اور ہمیشہ کے لئے ۲۹، ۳۰ دن کے روزے ایک خاص مہینے کے مقرر ہو گئے۔ ریگزار عرب کا ذرہ ذرہ اس وقت تنور کی طرح تپ رہا تھا جب کہ ایک باخدا انسان حراء کی کھو میں سر بزانو اور جمال خداوندی میں کھویا ہوا تھا کہ روزہ کی صورت میں اس کو پیغام محبت ملا۔ رمضان کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ رمض کے معنی شدت حرارت کے ہیں وہ زمانہ سخت ترین گرمی کا تھا۔

روزوں کے لئے ماہ رمضان کی تخصیص: .... روزہ کے لئے ماہ رمضان کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ نہ صرف اس میں نزول قرآن ہوا ہے بلکہ تمام آسمانی کتابیں اس ماہِ مبارک میں انسانی ہدایت کا سرچشمہ لے کر آئیں ہیں۔ امام احمد اور طبرانی کی

روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابراہیمی صحیفے رمضان کی پہلی شب میں اور تورات رمضان کی چھٹی شب میں اور انجیل تیرہویں شب میں اور قرآن کریم رمضان کی چوبیسویں شب میں نازل فرمائے گئے۔ لیکن اکثر کی رائے یہ ہے کہ شب قدر سے مراد ستائیسویں شب رمضان ہے، جس میں قرآن نازل ہوا چنانچہ سورۂ قدر میں لفظ لیلۃ القدر تین دفعہ لایا گیا ہے اور اس مجموعہ کے لفظ نو حروف ہیں اس طرح مجموعہ ستائیس ہوتا ہے۔

قرآن اور رمضان:......... تو اس ماہ کا روزہ کے لئے مخصوص ہونا نزول قرآن کی یادگار ہے اسی لئے تراویح وغیرہ میں بکثرت کلام پاک کی تلاوت کی جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ کی سیرت میں بھی یہی خصوصی اہتمام والتزام ملتا ہے۔

رمضان اور قبولیتِ دعاء:......... اسی طرح دعاء التجاء تفرع وزاری کو بھی اس ماہ مبارک سے خصوصی ربط اور ایک گونہ علاقہ معلوم ہوتا ہے۔ روزہ جس کے بارے میں **الصوم لی وانا اجزی بہ** فرمایا گیا ہے اس سے یقیناً بندہ کا خدا سے انتہائی قرب معلوم ہوا چنانچہ **یسئلونک عن الاھلۃ** اور **یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ یسئلونک ماذا ینفقون** وغیرہ جس سے اور سوالات قرآن کریم میں صحابہؓ کے نقل کیے گئے ہیں سب میں آنحضرت ﷺ کو "قل" کے ذریعہ واسطۂ جواب بنایا گیا ہے۔ مگر جب خود حق تعالیٰ کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو حق تعالیٰ بنفسِ نفیس خود بلاواسطہ جواب عطا کر رہے ہیں یہاں **قل انی قریب** نہیں فرمایا گیا اس سے بے حجابانہ قرب کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ باقی جس طرح حق تعالیٰ کی ذات بے چون وچگون ہے اسی طرح اس کا قرب بھی بلاکیف اور ماورئی سمجھنا چاہئے متشابہ الفاظ کے حقائق کے درپے ہونا مناسب نہیں ہے۔

سببِ ادا اور سببِ قضاء:......... **من شھد** کے عموم اور **من کان منکم مریضاً** الخ کی تخصیص سے معلوم ہوتا ہے کہ شہود رمضان جو اداء روزہ کا سبب ہوتا ہے وہی سبب قضاء روزہ کا بھی ہوتا ہے۔ البتہ جیسا کہ امام فخر الاسلام بزدویؒ کی رائے ہے مسافر ومریض کی حق میں نفس وجوب باقی رہتے ہوئے وجوب ادا مؤخر ہو گیا ہے ورنہ قضا کے لئے اگر سبب جدید کی ضرورت سب کے یا مریض ومسافر کے لئے ہوتی تو قضا کے لئے دوسرے رمضان کا شہود درکار ہوتا۔ تاہم علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نفس وجوب مطلق شہود شہر یعنی پورا ماہ رمضان دن ورات کا مجموعہ ہوتا ہے یا صرف دن سبب ہوتا ہے یا شہود بعض شہر سبب ہوتا ہے۔ شمس الائمہ اول صورت کے قائل ہیں دوسرے اکثر علماء روزہ کا علیحدہ سبب اس روز کو مانتے ہیں یعنی صبح کا جزو اول مقارن للاداء یا رات کا اخیر جزو علی اختلاف الاقوال اور معیار پورا دن اور ظرف پورا مہینہ ہو جائے گا۔

بیماری یا سفر اور روزہ:......... بعض حضرات مسافر ومریض کے لئے افطار کو فرض وواجب کہتے ہیں۔ **یرید اللہ بکم الیسر** ان پر حجت ہوگی کیونکہ یہ وجوب یسر کے منافی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک بمقابلہ رخصت کے عزیمت پر عمل کرنا بہتر ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ رخصت اسقاط ہے جیسا کہ خمر ومیتہ کی رخصت بحالت اضطرار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بحالت سفر روزہ کو پسندیدہ نہیں سمجھتے۔ آیت یرید اللہ کی وجہ سے نیز مدینہ طیبہ سے بجانب مکہ سفر کرنے والوں کے لئے آپ نے ارشاد فرمایا تھا **اولئک العصاۃ اولئک العصاۃ** لیکن حنفیہ نے سب نصوص پر غور کر کے یہ فیصلہ کیا کہ عزیمت تو روزہ ہی ہے۔ **وان تصوموا خیر لکم** کی وجہ سے تاہم اس عزیمت میں رخصت کا پہلو بھی موجود ہے یعنی سب کے ساتھ روزہ رکھنے کی جو سہولت اس وقت ہوگی وہ بعد میں نہیں رہے گی۔ البتہ افطار میں بھی یسر ہے یعنی دفع مشقت۔ اس لئے یہ رخصت حقیقی کی قسم ثانی ہے۔ رہا روایت **اولئک** الخ وغیرہ وہ سفر جہاد کے

بارہ میں ہے عام سفروں کو اس پر قیاس کرنا مناسب نہیں ہے۔ علیٰ ہذا حنفیہ کے نزدیک یہ شرعی رخصت ہر قسم کے سفر کے بارے میں ہے اچھا سفر ہو یا برا امام شافعیؒ کے نزدیک سفر معصیت اس رخصت سے مستثنیٰ ہے۔ صرف سفر طاعت کے لئے یہ انعام خداوندی مخصوص ہے، لیکن ظاہر ہے کہ سفر کی اچھائی برائی مقاصد کے لحاظ سے ہوسکتی ہے اور مقاصد سے اول تو رخصت کو کوئی تعلق نہیں ہے نفس سفر سے تعلق ہے۔ دوسرے وہ مقاصد بھی کبھی اس سفر پر مرتب ہوتے ہیں اور کبھی اس سفر سے ان مقاصد کی ضد یعنی طاعت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لئے باب رخصت میں سفروں کی تفریق و تخصیص کرنا کچھ مناسب نہیں ہے۔

دعاء کے سلسلے میں اہل سنت اور معتزلہ کا نظریہ:............ **واذا سالک** سے قضاء حاجت اور رد بلا کے سلسلہ میں دعاؤں کا مؤثر ہونا معلوم ہوتا ہے جو عقیدہ ہے اہل سنت کا۔ لیکن معتزلہ اس کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ دعاء تقدیر کے موافق ہوگی یا مخالف؟ اگر موافق ہے تو مقصد کو پورا ہونے میں دعاء کا کیا دخل؟ جو کچھ ہوا تقدیر سے ہوا اور اگر مخالف ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے ورنہ "**جف القلم بما ھو کائن**" "**مایبدل القول لدی**" کے خلاف لازم آئے گا۔ اہل حق یہ کہتے ہیں کہ تقدیر کے دو درجے ہوتے ہیں۔ ایک تقدیر مبرم، دوسرے تقدیر معلق ہے۔ اول میں تغیر و تبدل ممکن نہیں ہوتا۔ حدیث و آیت مذکورہ اسی سے متعلق ہیں لیکن تقدیر معلق جو غیر مختتم اور غیر حتمی ہوتی ہے اس میں دعا وغیرہ اسباب سے رد و بدل ہوسکتا ہے اور ایک دقیق اور غامض حقیقت ہے جس پر اہل حقیقت کے علاوہ اور کوئی مطلع نہیں ہوسکا۔

قبولیت دعا کے بارہ میں شبہ:............ آیت میں جو قبولیت دعا کا وعدہ اور فی الفور ایفاء کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح دعا کے باب میں مطلقاً وعدہ معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر سب باتیں مخدوش ہیں کیونکہ مؤمنین کی بعض دعاؤں کا پورا نہ ہونا مشاہدہ سے اور کافروں کی دعا کا نامقبول ہونا آیت **وما دعاء الکافرین الا فی ضلال** سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح استجابت میں تاخیر بھی اکثر مشاہدہ میں آتی ہے۔ علماء نے اس کی متعدد توجیہات فرمائی ہیں۔

جوابات:............ (۱) اجابت داعی سے مراد ممکن ہے جوابِ دعا یعنی بندہ جب خدا کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً جواب دیتے ہیں اس کی پکار بے کار نہیں جاتی۔ یہ توجیہ عاشقانہ ہے چنانچہ یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا جمال مبارک خواب میں دیکھا تو عرض کیا اے اللہ میں نے کتنی دفعہ دعا کی مگر آپ نے منظور نہیں فرمائی۔ جواب ملا کہ ہمیں تمہارا پکارنا اور پکارنے کی آواز ہی پسند ہے۔

(۲) قبولیتِ دعا کی کچھ شرائط اور کچھ موانع ہوتے ہیں۔ شرائط مثلاً اکلِ حلال، صدقِ مقال وغیرہ اور موانع مثلاً قلب لاہی، عدم اخلاص نیت وغیرہ ان میں نقصان باعثِ حرمان ہوتا ہے اس لئے قبولیت دعاء کا وعدہ مطلق نہیں ہوتا بلکہ مقید ہے۔

(۳) دعاء دراصل اللہ کا فضل ہے اور فضل مشیتِ الٰہی پر موقوف ہوتا ہے **ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء** تو قبولیتِ دعاء بھی مشیتِ الٰہی پر موقوف ہوتی ہے۔

(۴) اجابتِ دعا کے معنی خیر مقدر کرنے کے ہیں اگر علم الٰہی میں اس دعاء کا پورا نہ کرنا ہی خیر ہو تو یہی قبولیت کی حقیقت ہوگی۔

(۵) قبولیت دعا کبھی بعینہٖ اس بات کے پورا کرنے سے ہوتی ہے اور کبھی کسی مصیبت خاص کے دفعیہ سے ہوتی ہے اور کبھی اس سے بہتر کوئی خاص نعمت دنیا ہی میں دے دی جاتی ہے اور کبھی آخرت میں رفع تکلیفات یا رفع درجات کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس وقت تو بندہ کو اس کی قدر و قیمت نہیں ہوتی لیکن آخرت میں اس کی قدر و منزلت ہوگی اور یہ تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں میری کوئی دعاء بھی پوری

نہ ہوئی ہوتی۔

(۶) اذا دعان میں لفظ اذا قضیہ مہملہ قضیہ جزئیہ کے حکم میں ہوتا ہے یعنی ایک دفعہ بھی اگر دعاء قبول ہوگئی تو آیت کا وعدہ صادق ہونے کے لئے کافی ہے۔

(۷) یہ وعدہ مناسب دعاؤں کے متعلق ہے۔ نامناسب دعاؤں کے بارہ میں وعدہ نہیں ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر وہ چیز جو فی الواقع نامناسب ہو اس کا علم بھی دعاء کرنے والے کو ہو جائے۔

بعض دعاؤں کی نامقبولیت کیا بعض احکام کے رد کا باعث ہو سکتی ہے:........... اس سے یہ ملحدانہ شبہ بھی دفع ہو گیا کہ جس طرح حق تعالیٰ ہماری بعض درخواستیں نہیں مانتے ہمارے لئے بھی گنجائش ہے کہ ان کے بعض احکام نہ مانیں۔ کیونکہ ہماری بعض درخواستیں تو نامناسب ہوتی ہیں اور ان کے سارے احکام مناسب ہی ہوتے ہیں اس لئے دونوں برابر نہ ہوئے۔

اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ بِمَعْنَی الْاِفْضَاءِ **اِلٰی نِسَآئِکُمْ** ط بِالْجِمَاعِ نَزَلَ نَسْخًا لِمَا کَانَ فِیْ صَدْرِ الْاِسْلَامِ مِنْ تَحْرِیْمِهٖ وَتَحْرِیْمِ الْاَکْلِ وَالشُّرْبِ بَعْدَ الْعِشَاءِ **هُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ** کِنَایَةٌ عَنْ تَعَانُقِهِمَا اَوْ اِحْتِیَاجِ کُلٍّ مِنْهُمَا اِلٰی صَاحِبِهٖ **عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ** تَخُوْنُوْنَ **اَنْفُسَکُمْ** بِالْجِمَاعِ لَیْلَةَ الصِّیَامِ وَقَعَ ذٰلِكَ لِعُمَرَ وَغَیْرِهٖ وَاعْتَذَرُوْا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **فَتَابَ عَلَیْکُمْ** قَبِلَ تَوْبَتَکُمْ **وَعَفَا عَنْکُمْ** ج **فَالْئٰنَ** اِذْ اُحِلَّ لَکُمْ **بَاشِرُوْهُنَّ** جَامِعُوْهُنَّ **وَابْتَغُوْا** اُطْلُبُوْا **مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ** ص اَیْ اَبَاحَهٗ مِنَ الْجِمَاعِ اَوْ قَدَّرَهٗ مِنَ الْوَلَدِ **وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا** اللَّیْلَ کُلَّهٗ **حَتّٰی یَتَبَیَّنَ** یَظْهَرَ **لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ** ص اَیِ الصَّادِقِ بَیَانٌ لِلْخَیْطِ الْاَبْیَضِ وَبَیَانُ الْاَسْوَدِ مَحْذُوْفٌ اَیْ مِنَ اللَّیْلِ شَبَّهَ مَا یَبْدُوْ مِنَ الْبَیَاضِ وَمَا یَمْتَدُّ مَعَهٗ مِنَ الْغَبَشِ بِخَیْطَیْنِ اَبْیَضَ وَاَسْوَدَ فِی الْاِمْتِدَادِ **ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ** مِنَ الْفَجْرِ **اِلَی الَّیْلِ** ج اَیْ اِلٰی دُخُوْلِهٖ بِغُرُوْبِ الشَّمْسِ **وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ** اَیْ نِسَاءَکُمْ **وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ** مُقِیْمُوْنَ بِنِیَّةِ الْاِعْتِکَافِ **فِی الْمَسٰجِدِ** ط مُتَعَلِّقٌ بِعٰکِفُوْنَ نَهْیٌ لِمَنْ کَانَ یَخْرُجُ وَهُوَ مُعْتَکِفٌ فَیُجَامِعُ اِمْرَاَتَهٗ وَیَعُوْدُ **تِلْكَ** الْاَحْکَامُ الْمَذْکُوْرَةُ **حُدُوْدُ اللّٰهِ** حَدَّهَا لِعِبَادِهٖ لِیَقِفُوْا عِنْدَهَا **فَلَا تَقْرَبُوْهَا** ط اَبْلَغُ مِنْ لَا تَعْتَدُوْهَا الْمُعَبَّرُ بِهٖ فِیْ اٰیَةٍ اُخْرٰی **کَذٰلِكَ** کَمَا بَیَّنَ لَکُمْ مَا ذُکِرَ **یُبَیِّنُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ** ﴿۱۸۷﴾ مَحَارِمَهٗ **وَلَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ** اَیْ لَا یَاْکُلْ بَعْضُکُمْ مَالَ بَعْضٍ **بِالْبَاطِلِ** الْحَرَامِ شَرْعًا کَالسَّرِقَةِ وَالْغَصْبِ **وَ** لَا **تُدْلُوْا** تُلْقُوْا **بِهَآ** اَیْ بِحُکُوْمَتِهَا اَوْ بِاَمْوَالٍ رِشْوَةً **اِلَی الْحُکَّامِ لِتَاْکُلُوْا** بِالتَّحَاکُمِ **فَرِیْقًا** طَائِفَةً **مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ** مُتَلَبِّسِیْنَ **بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۸۸﴾ع اِنَّکُمْ مُبْطِلُوْنَ

ع ۲۳ / ۷ / ۹

ترجمہ:........ تمہارے لئے روزہ کی رات میں مشغول رہنا حلال کر دیا گیا ہے (رفث بمعنی افضاء۔ کنایہ جماع سے ہے) تمہاری

بیویوں سے (جماع کے ساتھ ابتدائے اسلام میں صحبت، کھانے پینے سے عشاء کے بعد جو ممانعت ہوئی تھی اس کو منسوخ کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے) کیونکہ وہ تمہارے لئے بمنزلہ اوڑھنے بچھانے کے ہیں اور تم ان کے لئے بمنزلہ اوڑھنے بچھانے کے ہو (یہ کنایہ ہے دونوں کے معانقہ یا ایک دوسرے کی طرف ضرورت مند ہونے سے) اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم خیانت کے گناہ میں خود کو مبتلا کر رہے تھے (روزوں کی رات میں جماع کر کے۔ حضرت عمرؓ وغیرہ اس میں مبتلا ہو چکے تھے اور آنحضرت ﷺ سے معتذر رہوئے) خیر اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی (تمہاری توبہ قبول فرمالی) اور تم سے گناہ دھودیا۔ سو اب (جبکہ تمہارے لئے حلال کر دیا ہے) ان سے ملو ملاؤ (صحبت کرو) اور تلاش (طلب) کرو خدا نے جو تمہارے لئے تجویز کیا ہے (یعنی صحبت جائز کی یا اس سے اولاد مقدر کی) اور کھاؤ پیو (پوری رات) حتیٰ کہ تمہارے لئے واضح (ظاہر) ہو جائے صبح کا سفید خط سیاہ خط سے (صبح سے مراد صبح صادق، **من الفجر** بیان ہے **خیط الابیض** کا اور **خیط الاسود** کا بیان محذوف ہے یعنی **من اللیل** ۔ نور و ظلمت جو نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کو سفید و سیاہ دو دھاگوں سے درازی میں تشبیہ دی گئی ہے (پھر پورا کر لیا کرو روزہ (صبح سے) رات تک (یعنی غروف آفتاب کے بعد رات آنے تک) اور مباشرت نہ کیا کرو (اپنی بیویوں سے) جس زمانہ میں تم اعتکاف کرنے والے ہو (بہ نیت اعتکاف بیٹھ گئے ہو) مساجد میں (**فی المساجد** متعلق ہے **عاکفون** کے۔ جو شخص بحالتِ اعتکاف بیوی سے صحبت کرنے کے لئے نکلے اور پھر واپس مسجد میں آئے اس کے لئے ممانعت ہے، یہ (مذکورہ احکام) خدائی ضابطے ہیں (جو اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ اس کی حدود میں رہیں) سو ان سے نکلنے کے نزدیک بھی نہ جاؤ (لفظ **لاتقربوا** بہ نسبت **لا تعتدوا** کے جو دوسری آیت میں آیا ہے زیادہ مبالغہ لئے ہوئے ہے) اسی طرح (جیسا کہ تمہارے لئے مذکورہ حکم بیان کیا گیا) اللہ تعالیٰ اپنے احکام لوگوں کے لئے بیان فرمایا کرتے ہیں، اس توقع پر کہ وہ پرہیز رکھیں گے (محارمِ خداوندی سے) اور آپس میں ایک دوسرے کے مال نہ کھایا کرو (یعنی ایک دوسرے کا مال نہ کھایا کرو) ناحق (جو شرعاً حرام ہو جیسے چوری غصب) اور رجوع نہ کیا کرو (ڈالا نہ کرو) اس کے ذریعہ (یعنی مال طاقت سے یا رشوتِ مالی کے ذریعہ) حکام کے یہاں اس غرض سے کہ کھا جاؤ (زبردستی) لوگوں کے لئے مالوں کا ایک حصہ گناہ سے (آلودہ کر کے) درآنحالیکہ تم جانتے بھی ہو (کہ تم ناحق پر ہو)۔

تحقیق و ترکیب: .... **لیلة الصیام الرفث. لیلة الصیام** منصوب ہے رفث مقدر کے ذریعہ جس پر مذکورہ رفث دال ہے ورنہ رفث مذکور کو عامل بنانے سے مصدر کے معمول کا تقدم مصدر پر لازم آرہا ہے۔ رفث کے معنی بغیر کسی چیز کی حیلولۃ کے اتصال کے ہے۔ یعنی بدن سے ملنا۔ کنایہ جماع سے ہے اور معنی افضاء کی تضمین کی وجہ سے الی کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے اور کنایۃً بیان کرنے میں اس کی تقبیح کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لئے اس کو خیانۃً سے تعبیر کیا ہے۔ بعد العشاء مراد اس سے نوم ہے۔ جیسا کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بعد العشاء کے لفظ سے اس لئے تعبیر کر دیا کہ اس وقت نوم کے غلبہ کا وقت ہوتا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد کی روایت ابن عباسؓ سے ہے۔ **کانوا علی عهده صلی الله علیه وسلم اذا صلوا العشاء حرم علیهم الطعام والشراب والنساء. هن لباس لكم.** زن وشوئی کے تعلقات کو لباس کے ساتھ تشبیہ دینے میں تین وجوہ جامعہ پیش نظر ہیں۔ ایک تو دونوں کا معانقہ اور اشتمال جو بمنزلہ لحاف کے ابرہ اور استر کے ہوتا ہے۔ دوسرے ہر ایک دوسرے کے عیوب کے لئے ساتر ہوتا ہے اور گناہوں سے مانع تیسرے ایک دوسرے کے بغیر صبر نہیں کر سکتا اور جدائیگی برداشت نہیں کر سکتا۔ حدیث میں ارشاد ہے۔ **لاخیر فی النساء ولاصبر عنهن یغلبن کریمًا ویغلبهن لئیم فاحب ان اکون کریمًا مغلوبًا ولا احب ان اکون لئیمًا غالبًا.** اور ھن کی تقدیم میں مردوں کی بہ نسبت عورتوں کے احوج ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ **وقع ذلک لعمرؓ** چنانچہ ایک روز

عشاء کے بعد مکان پر تشریف لائے تو بیوی کو اچھی حالت میں پایا اور ہمبستر ہو گئے۔ صبح حاضر خدمت ہو کر نادمانہ عرض کیا۔ یا رسول اللہ انی اعتذر الی اللہ الیک مما وقع منی. حضرت عمرؓ کی تائید میں دوسرے لوگوں کی آوازیں بھی آئیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ فالآن اس کے اصل معنی حال کے ہیں لیکن کبھی مجازاً ماضی قریب اور مستقبل قریب کے لئے بھی آتا ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ باشروھن. مباشرہ الصاق البشرۃ بالبشرہ کنایہ ہے جماع سے۔ کتب سے مراد جماع مباح ہے یا اولاد مقدر۔ اس میں اشارہ ہے کہ مقصد جماع افزائش نسل ہونی چاہئے نہ کہ شہوت رانی، کلوا واشربوا. حرقہ بن قیس یا صرمہ بن انس غنوی ایک غریب کاشتکار صحابی تھے۔ دن بھر روزہ سے رہے، شام کو مکان پر آئے تو کھانا تیار نہیں تھا۔ تھکے ماندہ سو گئے۔ آنکھ کھلی تو کھانا تیار تھا۔ لیکن ممانعت کی وجہ سے نہ کھا سکے اور اگلے روز بھی روزہ پر روزہ رکھ لیا۔ لیکن آدھا دن نہیں گزرا تھا کہ بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی گئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

خیط الابیض یہ استعارہ نہیں ہے بلکہ تشبیہ و تمثیل ہے کیونکہ دونوں طرفین تشبیہ مذکور ہیں۔ صبح صادق جو افق میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ ظلمۃ لیل کا اتصال ایک خط وہمی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ان دونوں خطوط وہمی کو خطوط محسوس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور خط صبح خط لیل پر دلالت کرتا ہے اس لئے اول پر اکتفاء کر لیا۔ اس تقریر کے بعد یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ صبح صادق تو مستطیر ہوتی ہے۔ خط کے ساتھ کیسے اس کو تشبیہ دی گئی ہے کہا جائے گا کہ شروع اور ابتدائی صبح مراد ہے اور وہ خط کی طرح ہوتی ہے بعد میں پھیلتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح یہ شبہ بھی نہیں رہتا کہ رات کی تاریکیاں تو بہت ہوتی ہیں پھر کیسے ایک خط سے تشبیہ ہوگئی؟ کہا جائے گا کہ سپیدۂ صبح سے متصل جو ظلمت ہے بشکل خط وہمی وہ مراد ہے۔ یعنی واقع میں تو وہ ایک ہی خط جو نور و ظلمت دونوں کا منتہاء اور دونوں کے درمیان مشترک ہے جیسا کہ اہل ریاضی جانتے ہیں لیکن محسوس دو نور ہوتے ہیں۔ ایک خط نور، دوسرا خط تاریکی۔

غبش بقیہ رات یا آخر شب کی تاریکی من الفجر. من تبعیضیہ ہے کیونکہ وہ وقت بعض فجر ہوتا ہے۔ لفظ من الفجر نازل ہونے سے عدی بن حاتم اپنے پیر میں سفید اور سیاہ ڈورا باندھ کر اس کو دیکھتے رہتے۔ جب نمایاں معلوم ہونے لگتے تو روزہ شروع کر دیتے۔ آنحضرت ﷺ کو جب معلوم ہوا تو فرمایا کہ انک لعریض القضاء وانما ذلک بیاض النہار و سواد اللیل. اس کے بعد لفظ من الفجر بیان نازل ہوا۔ اسی پر فقہاء میں بحث شروع ہوگئی کہ ضرورت کے موقعہ پر تاخیر بیان جائز ہے یا نہیں۔ ابوعلی وابو ہاشم وغیرہ اکثر فقہاء اور متکلمین تاخیر بیان کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔

فلا تقربوھا. کنایہ ہے نہی عن الباطل سے اور لا تعتدوھا اس معنی میں صریح ہے والکنایۃ ابلغ من التصریح. حدود اللہ سے مراد احکام ہیں یا محارم دین۔ پس جو شخص سرحد کے قریب بھی نہیں جائے گا اس سے باہر نکل جانے کا کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ لا یاکل بعضکم یعنی یہاں جمع کا مقابلہ جمع کے ساتھ نہیں ہے۔ جیسے رکبوا دوابھم میں ہے۔ یعنی ہر ایک کو اپنا مال کھانے کی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ ایک دوسرے کا مال ناحق کھانا منع ہے۔

لا تدلوا. دلو ڈول۔ اولا رسی کنویں میں ڈالنا، پھر مطلق القاء اور توسل کے لئے یہ لفظ مستعار لے لیا اور باء ولاء کے صلہ میں ہے یعنی اس مال کو توسل فی الحکام کا ذریعہ مت بناؤ کہ حکومت کے زور سے رشوتیں دو۔ جلال محقق نے بھا کے بعد مضاف محذوف نکال دیا اور اولاء کا ترجمہ القاء بمعنی المسراع کیا۔ یعنی حق کو دبانے اور باطل کو ابھارنے کے لئے احکام کو رشوتیں دے دے کر ان کی حکومت کی تائید حاصل نہ کرو متلبسین سے اشارہ اس طرح ہے کہ من اموال الناس تاکلوا کا فاعل ہے۔

ربط: .... ان تین آیات میں مزید تین احکام ابواب بر کے اور بیان کیے جا رہے ہیں۔ آیت احل الشخ میں چوتھا حکم حلت

مفطرات سے رمضان کی راتوں میں اور آیت ولا تباشروھن میں پانچواں حکم دوبارہ اعتکاف ہے اور اس کے بعد تعمیل حکم کی تاکید ہے۔ پھر آیت ولا تاکلوا میں حرام مال سے اجتناب اور پرہیز کی تعلیم ہے۔

شانِ نزول: .... جماع اور کھانے پینے کے سلسلہ میں دو (۲) روایتیں جن کی طرف جلال مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے مفصلاً گزر چکی ہیں۔ البتہ مباشرۃ فی الاعتکاف کے بارہ میں لباب النقول کی روایت حضرت قتادہؓ سے یہ ہے کہ بعض لوگ بحالتِ اعتکاف مسجد سے باہر نکلتے اور مباشرت سے فارغ ہو کر پھر آ جاتے اس پر ممانعت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ...... روزہ کی پابندیوں میں اعتدال: .... یہود کے یہاں چونکہ روزہ کی شرائط اور پابندیاں نہایت سخت اور تکلیف دہ تھیں ابتدائے اسلام میں مسلمان بھی ان کے پابند رہے۔ جن کا ابھی تذکرہ ہوا۔ لیکن بعض لوگ ان کو نبھا نہ سکے اور اپنے فعل کمزوری سمجھ کر چھپانے بھی لگے۔ اس کو خیانت سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ ان آیات کی روشنی میں یہ بتلایا گیا ہے کہ روزہ سے مقصود جسمانی خواہشات کا بالکلیہ ترک کرانا نہیں ہے بلکہ مقصد اصلی ضبط واعتدال ہے۔ اس لئے ان باتوں کی پابندی صرف دن کے حصہ میں محدود رہنی چاہئے۔ رات کو کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ بالخصوص زن وشوئی کے معاملات کوئی ناپاکی نہیں ہے جن کا اس عبادتی مہینہ میں کرنا بالکلیہ جرم ہو۔ وہ مرد عورت کا ایک فطری تعلق ہے وہ اپنے حوائج میں ایک دوسرے سے ہم رشتہ اور وابستہ ہیں۔ اس لئے فطری علاقہ عبادت الٰہی کے منافی کیوں ہو۔ البتہ حد اعتدال سے تجاوز یہ منشائے عبادت کے منافی ہے۔ اس لئے حد بندی کر دی گئی ہے۔ نیز تمہارے عمل میں کوئی کھوٹ نہیں ہونا چاہئے۔ ہاں جس کو تم کھوٹ سمجھ رہے ہو اور واقع میں وہ کھوٹ نہیں ہے تو چوری چھپے اس کے کرنے سے واقع میں تو برائی نہیں ہوئی۔ البتہ تمہارے دل کی پاکیزگی میں دھبہ لگ گیا ہے۔

روزہ کی نورانیت اور حرام کمائی سے پیٹ کا خالی رکھنا: .... آگے ولا تاکلوا میں یہ حقیقت واضح کرنی ہے کہ بدنی عبادت وریاضت اس وقت تک زیادہ سودمند نہیں ہو سکتی جب تک مالِ حرام سے خود کو نہیں روکو گے اور بندوں کے حقوق سے لاپرواہی نہیں چھوڑو گے۔ نیکی صرف اس میں نہیں ہے کہ چند روز کے لئے جائز غذا ترک کر دو بلکہ نیکی کی راہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہمیشہ کے لئے ناجائز غذا ترک کر دو۔ اذا کان ملبسه حرام ومطعمه ومشربه حزام فاین یستجاب الدعاء اکل حلال کی ضرورت کا اس طرح تعلق ماقبل کے مسئلہ دعاء سے بھی ہو سکتا ہے۔

آیت کے نکات: .... علم الله الخ میں اشارہ ہے معافی کی طرف اور تسلی ہے اور وابتغوا ما کتب میں اشارہ ہے کہ مقصد (۱) یا افزائش نسل ہونی چاہئے، تاکہ تکثیر امت ہو۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے تزوجوا تناکحوا توالدو اتناسلوا فانی اباھی بکثرۃ امتی ولو کان سقطًا اور یا (۲) مباشرۃ مباح کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ حالتِ حیض میں ہم بستری یا لواطت ممنوع ہے اور یا (۳) جائز عورتوں پر اکتفا کرنے اور ناجائز سے پرہیز کرنے کی تلقین کرنی ہے یا (۴) آزاد بیویوں کے سلسلہ میں عزل کی ممانعت کرنی ہے کیونکہ ان ہی کے باب میں نازل ہوئی ہے۔ حتی یتبین میں حتیٰ بمعنی الی غایۃ کے لئے ہے اور غایہ مغیا میں داخل نہیں ہے کیونکہ حتیٰ جب افعال پر داخل ہوتا ہے تو اس میں اصل یہی ہے اور الی اللیل میں بھی غایۃ مغیا کے تحت میں داخل نہیں ہے اور مباشرۃ کا صبح تک جائز ہونا بتلاتا ہے کہ جنابۃ روزہ کے منافی نہیں ہے۔ نیز غسل میں تاخیر کرنا جائز ہے اور اتموا الصیام الی اللیل اس طرف مشیر ہے کہ صوم وصال جائز نہیں ہے۔ نیز روزہ کی نیت دن میں بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ نصف دن سے کم گزرا ہو۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کفارہ جس طرح مباشرت سے واجب ہوتا ہے اسی طرح کھانے پینے سے بھی کفارہ واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ مفطرات ہونے میں سب برابر

ہیں۔ بخلاف امام شافعیؒ وہ حدیث اعرابی کی وجہ سے کفارہ کو جماع ہی کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں۔ اس طرح گویا روزہ کی پوری تحدید اس آیت سے ہو رہی ہے یعنی الامساک من الاکل والشرب والجماع نهارا بالنية.

آیتِ اعتکاف سے مسائل کا استخراج: .... لیکن رمضان کی راتوں میں مباشرت کا جو کچھ توسع دیا گیا تھا آگے معتکفین کو اس سے بھی مستثنیٰ کرلیا گیا ہے۔ اعتکاف کے متعلق آیت سے چند باتیں مستفاد ہوئیں۔

(۱) اعتکاف مردوں کے لئے مسجد کے علاوہ جائز نہیں ہے۔ بعض نے مسجد الحرام، مسجد نبوی، مسجد بیت المقدس کی تخصیص کی ہے اور بعض جامع مسجد کی تخصیص کرتے ہیں۔ لیکن علماء ہر ایسی مسجد جس میں نماز باجماعت کا انتظام ہو اعتکاف کے لئے کافی سمجھتے ہیں البتہ عورتوں کے لئے مسجد البیت کافی ہے۔

(۲) مباشرۃ غیر صحیحہ بوسہ، لمس بشہوۃ اگرچہ بحالت اعتکاف بلا انزال ناجائز ہیں لیکن مبطل اعتکاف نہیں ہیں اور انزال ہوجائے تو اعتکاف باطل ہے۔

(۳) معتکف کے لئے مسجد میں کھانا، پینا، سونا، خرید وفروخت بغیر موجودگی سامان جائز ہے۔

(۴) اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے خواہ رمضان ہو یا غیر رمضان۔

(۵) بحالت اعتکاف مسجد سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ البتہ ضروریات شرعی نماز جمعہ یا ضروریات طبعی پیشاب، پاخانہ، غسل وغیرہ کے لئے نکلنا جائز ہے مگر بلاضرورت راستہ میں نہ ٹھہرے۔

مالِ حرام: .... آیت ولا تاکلوا سے معلوم ہوا کہ جو اموال نامشروع طریق پر حاصل ہوں جیسے شراب یا زنا کے ذریعہ یا جو اموال باطلہ ہوں جیسے چوری، غصب، جُوا، عقود فاسدہ، رشوت وغیرہ سب حرام ہیں۔ اگر کسی کو ان کا باطل ہونا بطور خود معلوم ہو پھر خواہ ظاہر کے لحاظ سے اپنا حق ثابت ہی ہوتا ہو تب بھی ایسے اموال کا استعمال بُرا ہوگا۔ جیسا کہ عبدان حضرمی نے امرء القیس کندی پر ایک قطعہ زمین کا دعویٰ کیا مگر ان کے پاس مدعی ہونے کے باوجود بینہ نہیں تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے حسب قاعدہ مدعا علیہ امرء القیس سے حلف لینا چاہا تو انہوں نے حلف اٹھانے کا ارادہ بھی کرلیا لیکن آپ نے آیت ان الذين يشترون الخ تلاوت فرمائی جس سے ڈر کر نہ صرف یہ کہ انہوں نے قسم کو چھوڑ دیا بلکہ زمین سے بھی دستبردار ہوگئے یا ایک روایت کے مطابق انہوں نے قسم کھالی، بہر صورت اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قضاء قاضی صرف ظاہراً نافذ ہوتی ہے باطناً نہیں ہوتی۔ جیسا کہ امام ابو یوسفؒ ومحمدؒ اور امام شافعیؒ کی رائے ہے البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر طرح قضاء قاضی نافذ ہوتی ہے ظاہراً وباطناً۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ يَا مُحَمَّدُ **عَنِ الْاَهِلَّةِ** جَمْعُ هِلَالٍ لِمَ تَبْدُوْ دَقِيْقَةً ثُمَّ تَزِيْدُ حَتّٰى تَمْتَلِئَ نُوْرًا ثُمَّ تَعُوْدُ كَمَا بَدَتْ وَلَاتَكُوْنُ عَلٰى حَالَةٍ وَاحِدَةٍ كَالشَّمْسِ **قُلْ لَّهُمْ هِيَ مَوَاقِيْتُ** جَمْعُ مِيْقَاتٍ **لِلنَّاسِ** يَعْلَمُوْنَ بِهَا اَوْقَاتَ زَرْعِهِمْ وَمَتَاجِرِهِمْ وَعِدَّةِ نِسَائِهِمْ وَصِيَامِهِمْ وَاِفْطَارِهِمْ **وَالْحَجِّ** عَطْفٌ عَلَى النَّاسِ اَیْ يُعْلَمُ بِهَا وَقْتُهُ فَلَوِ اسْتَمَرَّتْ عَلٰى حَالَةٍ وَاحِدَةٍ لَمْ يُعْرَفْ ذٰلِكَ **وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا** فِي الْاِحْرَامِ بِاَنْ تَنْقُبُوْا فِيْهَا نَقْبًا تَدْخُلُوْنَ مِنْهُ وَتَخْرُجُوْنَ وَتَتْرُكُوا الْبَابَ وَكَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ وَيَزْعُمُوْنَهٗ بِرًّا

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ اَیْ ذَا الْبِرِّ **مَنِ اتَّقٰی** ج اللّٰہَ بِتَرْكِ مُخَالَفَتِہٖ **وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِھَا** ص فِی الْاِحْرَامِ كَغَیْرِہٖ **وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ**﴿۱۸۹﴾ تَفُوْزُوْنَ ۔

ترجمہ:..........بعض لوگ آپ سے تحقیقات کرتے ہیں (اے محمد) چاند کی بابت (اہلہ جمع ہلال کی ہے کہ ابتداء میں کس طرح باریک ہوتا ہے۔ پھر بڑھتے بڑھتے مکمل بدر ہو جاتا ہے۔ پھر اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آتا ہے اور آفتاب کی طرح ایک حال پر نہیں رہتا) آپ فرما دیجئے (ان سے) کہ وہ چاند آلہ شناخت اوقات ہے (مواقیت جمع میقات بمعنی وقت) لوگوں کے لئے (اس کے ذریعہ لوگوں کی کھیتی کے اور کاروبار کے اوقات عورتوں کی عدت، روزوں اور افطار کے اوقات معلوم ہو سکتے ہیں) اور حج کے لئے (اس کا عطف الناس پر ہے یعنی اس کے ذریعہ اوقات صحیح بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اگر یہ ایک حال پر رہتا تو بآسانی یہ باتیں معلوم نہ ہوسکتیں) اور اس میں کوئی بہترائی نہیں ہے کہ گھروں میں ان کی پشت کی جانب سے آیا کرو (بحالت احرام خیمہ میں نقب لگا کر آ جاؤ اور اس کے اصلی دروازہ کو چھوڑ دو اور پھر اس کو ہنر اور کمال سمجھو) ہاں البتہ نیکی (نیکی والا) وہ ہے جو اللہ سے ڈرے (مخالفت سے بچتے ہوئے) اور داخل ہوا کرو مکان میں ان کے دروازوں سے (بحالتِ احرام بھی غیر احرام کی طرح) اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ امید ہے کہ تم فلاح یاب (کامیاب) ہو جاؤ گے۔

تحقیق وترکیب:..........اھـلـة . ہلال کے معنی آواز بلند کرنے کے آتے ہیں۔ ہلال دیکھتے کے وقت بھی عادۃً عام طور پر آواز سے بتلایا جاتا ہے اور جمع لانا اس نکتہ کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ روزانہ چونکہ کچھ نہ کچھ اختلاف ہوتا ہی رہتا ہے۔ اس لئے گویا روزانہ نیا چاند نکلتا ہے یا ہر مہینہ کا چاند نیا ہوتا ہے۔ مواقیت میقات کہتے ہیں کسی کام کے لئے مقررہ وقت کو اور زمان کہتے ہیں وقت منقسم یعنی ماضی حال مستقبل کو اور مدت کہتے ہیں فلک کی امتداد حرکت کو جو مبتداء سے منتہا تک ہوتی ہے۔ میقات اسم آلہ ہے۔ یعنی آلۂ شناخت اوقات، مقیاس۔ للناس و الحج عطف مغایرت کو چاہتا ہے۔ اس لئے تعیین دو قسم کی ہوگی "مواقیت للناس" میں تو لوگوں کی اختیار کردہ مدت مراد ہے اور الحج میں منجانب اللہ کی تعیین وتحدید ہو چکی ہے۔ حج میں چونکہ تحدید وقت کی ضرورت ادا وقضا زیادہ نمایاں ہے اس لئے عبادات میں اس کی تخصیص ذکر کی گئی ہے اور روزوں کے متصل چونکہ وقت صبح شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے بھی مناسب مقام ہے۔ لیس البر پہلے سوال کی طرح صحابہؓ نے یہ سوال بھی کیا تھا ھل من البر اتیان البیوت من ظھورھا اس لئے جواب دیا گیا ہے۔ البر مرفوع ہے کیونکہ باء کے مابعد کو خبر بنایا جائے گا جیسا کہ قاعدہ ہے کہ بالیس کے اسم پر نہیں بلکہ خبر پر داخل ہوا کرتی ہے۔

ربط:..........اس آیت میں ابواب بر میں سے ساتواں اور آٹھواں حکم بیان کیا گیا ہے۔ ساتواں حکم اختلاف چاند کی علت یا حکمت کی تحقیق کے سلسلہ میں ایک سوال کا جواب ہے اور آٹھواں حکم حج کی ایک خاص رسم سے متعلق سوال کا اصلاحی جواب ہے۔

شانِ نزول:..........لباب النقول میں ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ سے تخریج کی ہے کہ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے خلقتِ ہلال کا سوال کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سوال کا منشاء حکمت اختلاف ہلال دریافت کرنا تھا۔ چنانچہ جواب اسی سوال کے مطابق نازل ہوا۔ اس لئے علامہ سکاکی کا یہ کہنا کہ سوال عن الحکمت ہونا چاہئے تھا اور جواب کو اسلوب حکم پر محمول کرنا اب اس تکلف کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ البتہ معاذ بن جبلؓ کی جو روایت اس بارہ میں بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا ما بال الھلال یبدو دقیقا جیسا کہ جلال محقق نے اشارہ کیا ہے علامہ آلوسی نے روح المعانی میں اس کی سند کو ضعیف بتلایا ہے۔ تاہم

اس کو بھی سوال عن الحکمۃ پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

بخاری کی روایت براءؓ سے ہے کہ زمانہ جاہلیت کی رسم یہ تھی کہ حالتِ احرام میں خیمہ کے عام دروازہ سے آنا جانا برا سمجھتے تھے اور ایسے شخص کو فاجر سمجھتے تھے بلکہ لباس کی تبدیلی کی طرح اس آمدورفت کے طریق میں بھی تبدیلی کرتے تھے۔ یہ آیت اس کی اصلاح کے لئے نازل ہوئی۔ تفسیر احمدی میں مزید اضافہ یہ ہے کہ یہ حکم تمام اعراب کے لئے عام تھا۔ بجز قبیلہ حمس کے جو قریش بنی خزاعہ، بنی عامر، بنی ثقیف پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ اس قانون سے مستثنیٰ سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ اور حضرت رفاعہ انصاریؓ دونوں مکان کے دروازوں سے نکلے تو رفاعہؓ کو لوگوں نے فاجر کہنا شروع کیا۔ آپ نے بھی رفاعہؓ سے فرمایا کہ تم دروازہ سے کیوں برآمد ہوئے۔ حالانکہ تم حمس میں سے نہیں ہو۔ میں چونکہ حمسی ہوں اس لئے قانوناً مجھے حق ہے۔ لیکن حضرت رفاعہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) میں بھی حمسی ہوں۔ کیونکہ آپ ﷺ کا اور میرا دین ایک ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اول تو یہ کوئی بڑائی یا بھلائی نہیں۔ دوسرے اس میں یہ تفریق اور تقسیم کیسی؟ جو مساواتِ اسلامی کے خلاف ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ......**شمسی حساب کے مقابلہ قمری حساب اسلامی ہے**: .... حاصل یہ ہے کہ چاند کے طلوع و غروب اور کمی بیشی سے مہینوں اور مہینوں سے متعلق اختیاری اور غیر اختیاری دینی اور دنیاوی معاملات اور احکام میں حساب لگایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں میں جو وہم پرستانہ خیالات رواج پذیر ہیں۔ ان کا تعلق کواکب پرستی سے ہو یا نجومی، عقائد ونظریات سے ان کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اسی طرح مقدس زیارت گاہوں سے متعلق لوگوں نے جو طرح طرح کی بے جا پابندیاں عائد کرلی ہیں اور مفروضہ اجر وثواب کے لئے خود کو مشقتوں اور تکلیفوں میں ڈالتے ہیں یہ کوئی کمال وخوبی کی بات نہیں ہے بلکہ اصل نیکی اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے میں ہے۔

شمسی حساب کی نسبت قمری حساب باعث سہولت ہے: .... دنیا کی تمام قوموں میں مذہبی یا غیر مذہبی طریقہ سے صرف دو ہی قسم کے حساب رائج رہے ہیں شمسی اور قمری۔ شمسی حساب میں دقت یہ ہے کہ آفتاب کے طلوع وغروب میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی، مطالع ومغارب میں جو کچھ معمولی دقیق فرق ہوتا ہے وہ اس قدر غیر نمایاں اور خفی ہے کہ بجز ماہر اہل ہیئت وریاضی ہر ایک کو معلوم نہیں ہوسکتا اور کسوف دائم یا معین یا ہر جگہ نہیں اس لئے عوام کو عامۃً اس میں سہولت نہیں ہے۔ البتہ قمری حساب میں یہ سب سہولتیں ہیں۔ روزانہ کمی بیشی، اختلافِ مطالع، پھر ہر مہینہ اس ایک مقرر طریق پر نظام عمل متعین۔

بعض احکام میں شمسی حساب جائز نہیں ہے: .... اس لئے شریعت نے اسی عام اور سہل نظام کو اپنایا اور بالاصالۃ احکام کا مدار اس پر رکھا ہے۔ چنانچہ حج، روزہ، زکوٰۃ، رمضان، عیدین، طلاق، وغیرہ جیسے احکام میں تو اس حساب کو لازم کردیا ہے۔ نظامِ شمسی سے ان احکام کا تعین جائز ہی نہیں ہے۔ البتہ معاملات بیع شرئی، رہن، عاریت، وغیرہ میں اگرچہ شمسی حساب کی اجازت ہے لیکن سہولت قمری حساب میں ہے۔ بہرحال چونکہ بہت سے احکام شرعیہ کا مدار قمری حساب پر ہے اس لئے اس کا منضبط ومحفوظ رکھنا فرض علی الکفایہ ہے جو کہ عبادت ہے اور عبادت کی حفاظت کا ذریعہ بھی عبادت ہی میں شمار ہونا چاہئے۔ ویسے بھی مسلمانوں کی ملی اور قومی غیرت کے خلاف ہے کہ وہ اپنا مخصوص قومی شعار چھوڑ کر بلاضرورت دوسروں کی کاسہ لیسی کریں۔ سرکاری یا نیم سرکاری ضروریات تو خیر ایک مجبوری کا درجہ ہے اس میں بھی دونوں تاریخوں سے دونوں پہلوؤں کی رعایت ہوسکتی ہے لیکن روزمرہ کے عام کاروبار مکاتبت، مراسلت میں تو نری فیشن پرستی ہے۔

دروازہ چھوڑ کر غیر دروازہ سے گھر میں داخل ہونا بے عقلی ہے:............ جہاں تک یہ دوسرے اصلاحی اقدام کا تعلق ہے تو غور کرنے کی بات ہے کہ مکان کے مقررہ دروازوں سے آمد ورفت ایک جائز کام تھا جس کو انہوں نے ایک خاص وقت میں خاص لوگوں کے لئے گناہ سمجھ لیا۔ اسی طرح دروازہ چھوڑ کر کسی دوسرے طریق پر آنا جانا بھی فی نفسہٖ جائز تھا۔ جس کو انہوں نے اس وقت عبادت وفضیلت سمجھ لیا۔ گویا ان کا یہ طریقہ التزام مالا یلتزم ہوااور تحریم حلال یا تحلیل حرام کے قبیل سے ہوگیا۔ کیونکہ ایک فعل مباح کو واجب یا حرام سمجھ رہے تھے اس لئے ضرورت اصلاح پیش آئی اس سے ایک بڑی اصل ہاتھ آ گئی جس سے ہزاروں اعمال کا فیصلہ اور حکم سامنے آ گیا۔ جس میں عوام وخواص مبتلا ہیں کہ جو بات شرعاً مباح ہو یعنی اس کا کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہوں ان کی کسی ایک جانب کو اپنی طرف سے مقرر کر کے عملاً یا اعتقاداً اطاعت وعبادت سمجھ لینا یا معصیت اور موجب ملامت و نفرت بنالینا یقیناً برا اور بدعت ہوگا۔

آیت کے نکات:............ باقی ان دونوں مذکورہ بالا باتوں میں باہمی مناسبت کیا ہے؟ تو کہا جائے کہ دونوں باتیں چونکہ حج سے ہی متعلق ہیں اس لئے ان کو ایک جا بیان کر دیا گیا ہے یا ایک تقدیر پر اختلاف اہلہ کی لم اور علۃ دریافت کرنا علوم نبوت اور منشاء بندگی سے ایسے ہی بے جوڑ ہے جیسے مکان کا دروازہ چھوڑ کر غیر دروازہ سے داخل ہونا غیر معقول کام ہے یا برعکس سوال کرنے پر تنبیہ ہے اور اس کو اس تمثیل سے سمجھایا گیا ہے اور بعض حضرات نے ایتان بیوت من الظھور کو ایتان المرءۃ فی الدبر سے اور ایتان البیوت من الابواب کو ایتان المرءۃ فی الفرج سے کنایہ قرار دیا ہے۔ اس صورت میں روافض اور شیعہ پر رد ہو جائے گا۔ جو تاویل دوبارہ آیت فاتوا حرثکم انی شئتم وہ کرتے ہیں۔

فضولیات کی بجائے ضروریات میں لگنا چاہئے:............ قل ھی مواقیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فضولیات سے احتراز کرنا چاہئے اور ضروریات میں لگے رہنا چاہئے نیز شیخ کو بعض نامناسب سوالات سے منع کر دینے کا یا "ماسال" کے خلاف جواب دینے کا حق ہے اور لیس البر الخ سے معلوم ہوا کہ اہل باطل کے ساتھ تشبہ اگرچہ رسوم وعادات ہی میں ہو برا ہے۔

وَلَمَّا صُدَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبَيْتِ عَامَ الْحُدَيْبِيَّةِ وَصَالَحَ الْكُفَّارَ عَلٰى اَنْ يَعُوْدَ الْعَامَ الْقَابِلَ وَيَخْلُوْا لَهُ مَكَّةَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَتَجَهَّزَ لِعُمْرَةِ الْقَضَاءِ وَخَافُوْا اَنْ لَاتَفِيَ قُرَيْشٌ وَيُقَاتِلُوْهُمْ وَكَرِهَ الْمُسْلِمُوْنَ قِتَالَهُمْ فِي الْحَرَمِ وَالْاِحْرَامِ وَالشَّهْرِ الْحَرَامِ نَزَلَ **وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اَيْ لِاِعْلَاءِ دِيْنِهٖ **الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ** مِنَ الْكُفَّارِ **وَلَاتَعْتَدُوْا** عَلَيْهِمْ بِالْاِبْتِدَاءِ بِالْقِتَالِ **اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴿۱۹۰﴾** الْمُتَجَاوِزِيْنَ مَا حُدَّلَهُمْ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ بَرَاءَةٍ اَوْ بِقَوْلِهٖ **وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ** وَجَدْتُّمُوْهُمْ **وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ** اَيْ مِنْ مَكَّةَ وَقَدْ فُعِلَ بِهِمْ ذٰلِكَ عَامَ الْفَتْحِ **وَالْفِتْنَةُ** الشِّرْكُ مِنْهُمْ **اَشَدُّ** اَعْظَمُ **مِنَ الْقَتْلِ** لَهُمْ فِي الْحَرَمِ وَالْاِحْرَامِ الَّذِيْ اسْتَعْظَمْتُمُوْهُ **وَلَاتُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** اَيْ فِي الْحَرَمِ **حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فِيْهِ فَاقْتُلُوْهُمْ** فِيْهِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِلَا اَلِفٍ فِي الْاَفْعَالِ الثَّلٰثَةِ **كَذٰلِكَ** الْقَتْلُ

وَالْاِخْرَاجُ **جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا** عَنِ الْكُفْرِ وَاَسْلَمُوْا **فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لَهُمْ **رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾** بِهِمْ **وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ** تُوْجَدَ **فِتْنَةٌ** شِرْكٌ **وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ** اَلْعِبَادَةُ **لِلّٰهِ** وَحْدَهٗ لَايُعْبَدُ سِوَاهُ **فَاِنِ انْتَهَوْا** عَنِ الشِّرْكِ فَلَاتَعْتَدُوْا عَلَيْهِمْ دَلَّ عَلٰى هٰذَا **فَلَاعُدْوَانَ** اِعْتِدَاءَ بِقَتْلٍ اَوْ غَيْرِهٖ **اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾** وَمَنِ انْتَهٰى فَلَيْسَ بِظَالِمٍ فَلَاعُدْوَانَ عَلَيْهِ **اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ** الْمُحَرَّمُ مُقَابِلٌ **بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ** فَكَمَاقَاتَلُوْكُمْ فِيْهِ فَاقْتُلُوْهُمْ فِيْ مِثْلِهٖ رَدٌّ لِاِسْتِعْظَامِ الْمُسْلِمِيْنَ ذٰلِكَ **وَالْحُرُمٰتُ** جَمْعُ حُرْمَةٍ مَايَجِبُ اِحْتِرَامُهٗ **قِصَاصٌ** اَیْ يُقْتَصُّ بِمِثْلِهَا اِذَا انْتُهِكَتْ **فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ** بِالْقِتَالِ فِي الْحَرَمِ اَوِ الْاِحْرَامِ اَوِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ **فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ** سُمِّيَ مُقَابَلَتُهٗ اعْتِدَاءً لِشِبْهِهَا بِالْمُقَابِلِ بِهٖ فِي الصُّوْرَةِ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** فِي الْاِنْتِصَارِ وَتَرْكِ الْاِعْتِدَاءِ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾** بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ **وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** طَاعَتِهِ الْجِهَادِ وَغَيْرِهٖ **وَلَاتُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ** اَیْ اَنْفُسَكُمْ وَالْبَاءُ زَائِدَةٌ **اِلَى التَّهْلُكَةِ** اَلْهَلَاكِ بِالْاِمْسَاكِ عَنِ النَّفَقَةِ فِي الْجِهَادِ اَوْ تَرْكِهٖ لِاَنَّهٗ يُقَوِّی الْعَدُوَّ عَلَيْكُمْ **وَاَحْسِنُوْا** بِالنَّفَقَةِ وَغَيْرِهَا **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾** اَیْ يُثِيْبُهُمْ ۔

ترجمہ:.........(جس وقت سرورِ دوعالم ﷺ کو سال حدیبیہ میں بیت اللہ کی حاضری سے روک دیا گیا اور آپؐ سے مشرکین مکہ نے اس امر پر صلح کی کہ آپ سال آئندہ آئیے۔ آپؐ کے لئے مکہ تین روز تک خالی رکھا جائے گا۔ چنانچہ عمرۃ القضاء کے لئے آپؐ نے تیاری کی تو صحابہ کرامؓ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں قریش بے وفائی نہ کر بیٹھیں اور قتال کی نوبت نہ آ جائے۔ جس کے لئے مسلمان حرم شریف احرام کی حالت شہر حرم ان تین حرمتوں کی وجہ سے ہچکچا رہے تھے تو آیت نازل ہوئی) اور تم بھی اللہ کی راہ میں (یعنی اس کے اعلاء دین کے لئے) لڑو ان لوگوں (کفار) کے ساتھ جو تم سے لڑنے لگیں اور حد سے مت نکلنا (ان پر اقدام جنگ کر کے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے حد سے بڑھنے والوں کو (جو اپنی مقررہ حدود کو پھلانگ جائیں۔ یہ دفاعی جنگ کا حکم آیت براءۃ یا اگلی آیت سے منسوخ ہے) مارو ان کو جہاں پاؤ (قابو ملے) اور ان کو نکال باہر کرو۔ جہاں سے انہوں نے تم کو نکل جانے پر مجبور کیا ہے (یعنی مکہ سے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہ منظر ان کے سامنے آیا) اور فتنہ (شرک) تو سخت (عظیم) تر ہے بہ نسبت (ان کے) قتل کے (حرم اور احرام کی حالت میں جس کو تم عظیم سمجھ رہے ہو) اور ان سے قتال مت کرو مسجد حرام کے قریب (یعنی حرم میں) جب تک وہ لوگ تم سے وہاں قتال میں پیش قدمی نہ کریں۔ ہاں اگر وہ خود ہی تم سے (وہاں) لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو تم بھی ان کو (وہیں) مارو (اور ایک قرأت میں تینوں افعال میں بغیر الف پڑھا گیا ہے) ایسے ہی (قتل واخراج) کی سزا ہے ایسے کافروں کی۔ پھر اگر باز آ جائیں (کفر سے اور اسلام قبول کرلیں) تو اللہ تعالیٰ (ان کی) مغفرت فرمانے والے ہیں اور (ان پر) رحم فرمانے والے ہیں۔ ان سے اس حد تک لڑو کہ نہ رہے (نہ پایا جائے) فسادِ عقیدہ (شرک) اور دین (عبادت) اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو جائے (اس کے علاوہ کسی کی پوجا نہ کی جائے) اور اگر باز آ جائیں یہ لوگ (شرک سے تو ان پر تعدی نہ کی جائے۔ اس جزائے محذوف پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے) تو ان پر (قتال وغیرہ سے) تعدی نہیں ہے مگر ان ہی لوگوں کے مقابلہ میں جو ظلم کرنے والے ہیں (اور جو باز آ جائے وہ ظالم نہیں رہا اس لئے اس پر لڑائی بھی نہیں ہے) حرمت

والے (محرم) مہینوں کی رعایت (مقابل ہے) محترم مہینوں کی رعایت کے (اگر وہ تم سے ان میں قتال کریں تو تم بھی اتنی ہی جنگ ان سے کر سکتے ہو یہ جواب ہے مسلمانوں کے اس جنگ کو ناگوار سمجھنے کا) یہ حرمتیں بھی (حرمات جمع حرمۃ کی ہے جس کا احترام ضروری ہو) ادلہ کا بدلہ (یعنی اگر کوئی اس کو توڑے گا تو اس کا بدلہ ویسا ہی دیا جائے گا) پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے (حرم یا احرام یا حرام مہینوں میں مار دھاڑ کر کے) تو چاہئے کہ جس طرح کا معاملہ اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے تم بھی اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرو (اعتداء کے جواب اور بدلہ کو بھی اعتداء سے تعبیر کیا گیا ہے صوری مشاکلت کی وجہ سے) البتہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ (ایک دوسرے کی امداد کرنے میں) اور یہ بات نہ بھولو کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے ساتھی ہیں (مدد اور تائید کے لحاظ سے) اور مال خرچ کرو اللہ کی راہ میں (جہاد وغیرہ طاعت میں) اور نہ ڈال دو اپنے ہاتھوں (جانوں) کو (اس میں باء زائد ہے) ہلاکت میں (جہاد میں اخراجات روک کر یا ترک کر کے تباہی مول نہ لو کیونکہ اس سے دشمن تم پر قوی ہو جائیں گے) اور (انفاق وغیرہ) اچھی طرح کیا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں سنوار کر کام کرنے والوں کو (یعنی ان کو ثواب عطا فرمائیں گے)

تحقیق وترکیب: .... حدیبیہ مکہ معظمہ سے قریب ایک مقام ہے جس کو آجکل شمیہ کہتے ہیں ۶ھ میں آپ ﷺ بہ نیت عمرہ چودہ سو صحابہ کرامؓ کی معیت میں بیت اللہ شریف حاضر ہونا چاہتے تھے۔ لیکن مشرکین نے اپنے لئے خطرہ محسوس کرتے ہوئے آپ کو روک دیا۔ جس کے نتیجہ میں مشہور تاریخی صلح نامہ مرتب ہوا۔ جس کو مسلمانوں کی فتح مبین کہا گیا۔ ۷ھ میں آپ معاہدہ کی دفعہ کے تحت تشریف لائے اور عمرہ قضا فرمایا۔ وجہ تسمیہ عمرۃ القضاء کی یہی ہے اور یا قضاء بمعنی صلح ہے چونکہ صلح کے مطابق یہ عمرہ ادا کیا گیا اس لئے عمرۃ القضاء کہا گیا۔

شهر الحرام یہاں مراد ذیقعدہ ہے۔ اشہر حرم، شوال، ذیقعدہ، ذوالحجہ، رجب چار مہینے تھے جن میں قتل وقتال ممنوع تھا۔

باية البراء ة یعنی **فاذا انسلخ الا شهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجد تموهم. عام الفتح** رمضان ۸ھ میں مکہ فتح ہوا ہے۔ جس میں بعض کفار قتل وجلاوطن ہوئے۔ **فتنة** شرک کو فتنہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس سے **فساد فی الدارين** ہوتا ہے اور قتل سے زیادہ سخت اس لئے کہا گیا ہے کہ قتل میں تو صرف جانی نقصان ہوتا ہے اور شرک میں دین ودنیا دونوں کا نقصان ہے۔ **فيه** آیت برأت **حيث ثقفتموهم** میں ہر جگہ قتل کی اجازت سمجھ میں آتی ہے لیکن حدود حرم اس سے مستثنیٰ اور خاص تھے۔ وہاں قتل جائز نہیں تھا اب اس آیت سے مدافعانہ قتل کا جواز اور اقدامی قتل کا علی حالہ عدم جواز سمجھ میں آرہا ہے (مدارک) اور قتادہؒ کی رائے یہ ہے کہ کفار سے قتال حرم، غیر حرم، اقداماً، مدافعاً ہر طرح ہر جگہ جائز ہے اور یہ آیت منسوخ ہے۔ آیت **حيث وجدتموهم** کے ذریعہ سے۔

فی الافعال الثلثة یعنی **ولا تقتلوهم** اور **حتى يقتلوكم** اور **فان قتلوكم** مراد ہیں **انتهوا** کا متعلق **عن الكفر** محذوف تھا۔ **لله** لام اختصاص کی طرف اشارہ کرنے کے لئے جلال محقق نے **وحدهٗ** نکالا ہے اور چونکہ اس کے مقابل فتنہ واقع ہے اس لئے اس کی تفسیر شرک کے ساتھ مناسب معلوم ہوئی۔ **الشهر الحرام** مسلمانوں کا اطمینان اور تسلی بخش ہونا مقصود ہے یا مشرکین کے اعتراضات کا دفعیہ کرنا ہے۔ عبارت کی تقدیر مضاف اور متعلق جار کے ساتھ ہے۔ **اى حرمة الشهر الحرام مقابل بالشهر الحرام. قصاص بحذف المضاف اى ذات قصاص.**

سمى مقابلته ایک شبہ کا دفعیہ مفسر علام کرنا چاہتے ہیں کہ ظلم کی سزا کو ظلم کیسے کہا گیا۔ حالانکہ وہ تو عین عدل ہے، حاصل توجیہ یہ ہے کہ مشاکلت صوری کا لحاظ کر کے یہ عنوان اور تعبیر اختیار کی ہے۔ **ولا تلقوا** اس کا تعلق حکم قتال اور انفاق دونوں سے ہے۔ جان کو ہاتھ سے تعبیر کرنے میں **تسمية الكل باسم الجزء الاهم** کا لحاظ کیا ہے۔ جیسے دوسری آیت **فبما كسبت ايديكم** میں ہے۔ ای

انفسکم چونکہ القیٰ متعدی بنفسہ ہوتا ہے۔اس لئے باز ائد ہوگی۔چنانچہ فالقی موسی عصاہ میں بغیر جر کے تعدیہ ہوا ہے یا پھر زائد نہ مانا جائے۔بلکہ مفعول کو محفوظ مانا جائے۔ای لاتلقوا انفسکم بایدیکم.

التھلکۃ بروزن تفعلۃ مازنی کی رائے یہ ہے کہ کلام عرب میں بجز اس لفظ کے اس وزن پر دوسرا لفظ نہیں آتا ہے۔لیکن ابوعلی نے تردید کرتے ہوئے سیبویہ سے تنصرۃ اور تسترۃ نقل کیا ہے۔ھلاک اصل میں انتہائی الفساد کے معنی میں آتے ہیں۔اور القاء کے معنی کسی چیز کو ڈال دینا۔یہاں انتھاء کے معنی سے تضمین کر کے الیٰ کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ لاتلقوا کے معنی لاتجعلوھا اٰخذۃ بایدیکم لئے جائیں۔اس وقت لفظ ایدی اپنے معنی پر رہے گا۔اس جامع الکلم اور حکیمانہ جملہ کی ایک وجہ کی طرف تو جلال محققؒ نے لانہ یقوی الخ سے اشارہ کیا ہے کہ کوئی کام بھی بغیر روپے پیسے کے نہیں ہوسکتا۔اس لئے سامان جہاد بغیر روپے کے فراہم نہیں ہوسکتا اور جہاد بغیر سامانِ جہاد کے ممکن نہیں۔اس لئے خرچ نہ کرنے میں اپنی تباہی اور دشمن کی طاقت مضمر ہے اور منشائے الٰہی اسراف فی الانفاق سے بچا کر اعتدال کی تعلیم دینا ہے کہ حد سے زیادہ خرچ کرنا بھی اپنی تباہی کو دعوت دینا ہے۔لیکن امام بخاریؒ نے حضرت حذیفہؓ سے جو روایت نقل کی ہے کہ نزلت فی النفقۃ فی سبیل اللہ اس سے اول معنی کی تائید ہوتی ہے۔یحب چونکہ محبت میں میلان قلبی ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کی جناب میں محال ہے۔اس لئے حقیقی معنی مراد نہیں لئے جاسکتے۔جلال مفسر نے اس کے لازمی اور مجازی معنی کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ای لایثیبھم

ربط:............اس آیت میں بھی ابواب بر میں سے نواں اور دسواں حکم بیان فرمایا جارہا ہے یا کہا جائے کہ احکامِ حج سے متعلق ایک خاص وقتی حکم جہاد کی اجازت کا بیان کیا جارہا ہے۔

شانِ نزول:............شان نزول کی طرف جلال محقق اشارہ کرچکے ہیں۔ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔اسی طرح آیت وانفقوا فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت نفقہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اور ابوداؤدؒ وترمذیؒ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت پیش کی ہے کہ یہ آیت ہم لوگوں انصار کے بارہ میں نازل ہوئی۔اللہ نے اسلام کو عزت وشوکت اور اس کے معاونین کو کثرت ونصرت عطا فرمائی تو بعض لوگوں نے مخفی طریقہ پر کہنا شروع کردیا کہ بہت سا مال ہمارا برباد ہوگیا ہے اور اللہ نے اسلام کو عزت بخش دی ہے اس لئے ضائع شدہ مال کی اصلاح واضافہ میں ہم کو لگ جانا چاہئے۔اس پر حق تعالیٰ نے اس خیال کی تردید فرمائی ہے کہ ہلاکت انفاق میں نہیں ہے بلکہ ترک انفاق وجہاد حقیقی تباہی ہے۔

﴿تشریح﴾:...... مدافعانہ جنگ:............مشرکین مکہ کے ظلم وتعدی سے جب مسلمانوں پر حج وزیارت کا دروازہ بند ہوگیا تو اس مقام کو ظالموں کے پنجوں سے نجات دلانے کے لئے جنگ ناگزیر ہوگئی تاہم دو اہم باتوں کا پیش نظر رکھنا ضروری سمجھا گیا۔ اول یہ کہ امن کی حالت ہو یا جنگ کی ہر حال میں مسلمانوں کو عدل وراستی کے علاوہ کوئی بات نہ کہنی اور نہ کرنی چاہئے۔دوسرے یہ کہ جنگ اگرچہ کسی درجہ میں برائی ہے لیکن فتنہ اور شرارت کی جڑ اور بنیاد کا قائم رہنا اس سے بھی زیادہ سخت برائی ہے اس لئے ناگزیر ہے کہ فتنہ کے ازالہ کے لئے جنگ کی حالت کو گوارا کرلیا جائے۔ایک بڑی برائی کو ختم کرنے کے لئے ایک ہلکی اور چھوٹی برائی اختیار کرلینا دانشمندی ہے اور انصاف کے خلاف نہیں ہے۔

سببِ جنگ:............کفارِ مکہ جبر وقہر سے لوگوں کو حق بات کہنے سے روکتے تھے اور حق کو حق نہ سمجھنے پر مجبور کرتے تھے۔دین و

اعتقاد کی آزادی سلب کر رکھی تھی۔ یہ برائی لڑائی کی برائی سے زیادہ ناگوار ہے۔ اس صورت حال کو ختم کرنے اور دین واعتقاد کی آزادی بحال کرنے کے لئے جنگ کی اجازت دی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دینی معاملہ میں جس کا تعلق صرف اللہ کے ساتھ ہے انسانی ظلم و تشدد کی مداخلت باقی نہ رہے۔

حرمتِ قتال:............ رہا حرمت کا معاملہ اس میں ایک فریق جنگ کی جو روش رہے گی وہی دوسرے فریق کو اختیار کرنی پڑے گی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک فریق تو سب حرمتوں کو بالائے طاق رکھ کر حملہ کردے اور دوسرا فریق حرمت کے خیال سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے۔ اسی طرح جو لوگ جنگی تیاری میں مال خرچ نہیں کرتے وہ اپنے ہاتھوں اپنی جان تباہی کے غاروں میں دھکیل رہے ہیں اور اپنے پاؤں پر کلہاڑا مار رہے ہیں کیونکہ جہاد سے بے پرواہی کا نتیجہ قومی زندگی کی تباہی ہے۔

مسائلِ ضروری:............ آیت اور مقام کے مناسب چند مسائل ضروری ہیں۔ (۱) جمہور ائمہ کے نزدیک اشہر حرم میں اب قتال جائز ہے اور جن آیات سے ممانعت معلوم ہو رہی ہے وہ منسوخ ہیں۔ تاہم افضل یہی ہے کہ ان دونوں میں ابتداء بالقتال نہ کرے علاوہ ان دنوں کے اگر کفار سے کوئی معاہدہ ''ناجنگی'' نہیں ہوا ہے تو اقدامی جنگ کی بھی اجازت ہے۔ یہاں معاہدہ کی وجہ سے اقدامی جنگ سے روکا گیا ہے۔ ہاں معاہدہ باقی رکھنا ہی خلافِ مصلحت ہو تو معاہدہ کے ختم کردینے کی اطلاع کردی جائے یا ابتداء ان کی طرف سے نقضِ عہد ہو گیا ہو تو دونوں صورتوں میں اقدام کی اجازت ہے۔ چنانچہ کفارِ مکہ نے اول نقضِ عہد کیا جس کے نتیجہ میں ۸ھ فتح مکہ کی بشارت لے کر آیا۔

کفارِ عرب کا امتیاز اور خصوصیت:............ (۲) کفار عرب اگر اسلام قبول نہ کریں اور جزیہ نہ دینا چاہیں تو ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے، بجز قتل کے یعنی عام کفار کے لئے تو تین راستے ہیں (۱) اسلام، (۲) جزیہ اور (۳) قتل لیکن عرب جو مرکز ہدایت اور دارالاسلام ہے اس کے لئے صرف دو قانون ہیں۔ اسلام یا تلوار۔ بیچ کی راہ نکال کر وہاں کفر کو گنجائش نہیں دینی ہے۔ بہر حال اگر وہ بزور رہنا چاہیں تو حرم کے علاوہ ان کو قتل کردیا جائے گا۔ اور حدود حرم میں اولاً قتل نہیں کیا جائے گا دوسرے طریقوں سے تنگ کر کے وہاں سے ان کو باہر نکلنے پر مجبور کردیا جائے گا۔ باہر نکلنے پر قتل کیا جائے اور کسی طرح باہر نہ نکلیں تو پھر مجبوراً حدودِ حرم میں قتل کردیا جائے گا۔ بعینہ یہی صورت اس وقت اختیار کی جائے گی جب کوئی قتل وغیرہ جُرم کر کے حرم میں پناہ گزیں ہو جائے، اس آیت سے نقضِ عہد نہ کرنے والے سے تعرض نہ کرنا جو سمجھ میں آتا ہے وہ منسوخ ہے یہ رعایت جزیرۂ عرب کے دارالاسلام بننے سے پہلے کی ہے جواب باقی نہیں ہے۔

حفاظتِ جان:............ (۳) لا تلقوا الخ کو علماء نے عام معنی پر محمول کیا ہے جتنی باتیں اختیاری تباہ کن ہیں سب ناجائز ہیں مثلاً اسراف فی الانفاق، ترکِ جہاد وانفاق، بغیر ہتھیاروں کے میدانِ جنگ میں کود جانا، غرق یا حرق کی صورت میں یا زہر خورانی سے اور چاقو وتلوار زنی سے خودکشی کرلینا، طاعون وغیرہ امراض جہاں پھیل رہے ہوں وہاں گھس جانا۔ یہ سب صورتیں اس میں داخل ہو جاتی ہیں جن میں اختیار کو دخل ہے البتہ بلا اختیار وقصد اگر کچھ ہو جائے تو وہ معاف ہے، کیونکہ فی الحقیقت جان اللہ کی ایک امانت ہے۔

معنی کو صورت پر ترجیح:............ بظاہر تو جہاد اور انفاق تہلکہ ہیں۔ فی الحقیقت ان کی اضداد تہلکہ ہیں اسی لئے یہاں گویا صورت پر معنی کو ترجیح دی گئی ہے۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ط اَدُّوْهُمَا بِحُقُوْقِهِمَا **فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ** مُنِعْتُمْ عَنْ اِتْمَامِهِمَا بِعَدُوٍّ اَوْ **فَمَا اسْتَيْسَرَ** تَيَسَّرَ **مِنَ الْهَدْيِ** ج عَلَيْكُمْ وَهُوَ شَاةٌ **وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ** اَىْ لَا تَتَحَلَّلُوْا **حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ** الْمَذْكُوْرُ **مَحِلَّهٗ** ط حَيْثُ يَحِلُّ ذَبْحُهٗ وَهُوَ مَكَانُ الْاِحْصَارِ عِنْدَ الشَّافِعِىْ فَيَذْبَحُ فِيْهِ بِنِيَّةِ التَّحَلُّلِ وَيُفَرِّقُ عَلٰى مَسَاكِيْنِهٖ وَيَحْلِقُ وَبِهٖ يَحْصُلُ التَّحَلُّلُ **فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ** كَقُمَّلٍ وَصُدَاعٍ فَحَلَقَ فِى الْاِحْرَامِ **فَفِدْيَةٌ** عَلَيْهِ **مِّنْ صِيَامٍ** لِثَلٰثَةِ اَيَّامٍ **اَوْ صَدَقَةٍ** لِثَلٰثَةِ اٰصُعٍ مِنْ غَالِبِ قُوْتِ الْبَلَدِ عَلٰى سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ **اَوْ نُسُكٍ** ج اَىْ ذَبْحُ شَاةٍ وَاَوْ لِلتَّخْيِيْرِ وَاُلْحِقَ بِهٖ مَنْ حَلَقَ بِغَيْرِ عُذْرٍ لِاَنَّهٗ اَوْلٰى بِالْكَفَّارَةِ وَكَذَا مَنِ اسْتَمْتَعَ بِغَيْرِ الْحَلْقِ كَالطِّيْبِ وَاللُّبْسِ وَالدُّهْنِ لِعُذْرٍ اَوْ غَيْرِهٖ **فَاِذَآ اَمِنْتُمْ** قف الْعَدُوَّ بِاَنْ ذَهَبَ اَوْ لَمْ يَكُنْ **فَمَنْ تَمَتَّعَ** اِسْتَمْتَعَ **بِالْعُمْرَةِ** اَىْ بِسَبَبِ فَرَاغِهٖ مِنْهَا وَالتَّحَلُّلِ عَنْهَا بِمَحْظُوْرَاتِ الْاِحْرَامِ **اِلَى الْحَجِّ** اَىِ الْاِحْرَامِ بِهٖ اَنْ يَّكُوْنَ اَحْرَمَ بِهَا فِىْ اَشْهُرِهٖ **فَمَا اسْتَيْسَرَ** تَيَسَّرَ **مِنَ الْهَدْيِ** ج عَلَيْهِ وَهُوَ شَاةٌ يَذْبَحُهَا بَعْدَ الْاِحْرَامِ بِهٖ وَالْاَفْضَلُ يَوْمُ النَّحْرِ **فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ** الْهَدْىَ لِفَقْدِهٖ اَوْ فَقْدِ ثَمَنِهٖ **فَصِيَامُ** اَىْ فَعَلَيْهِ صِيَامُ **ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ** اَىْ فِىْ حَالِ اِحْرَامِهٖ فَيَجِبُ حِيْنَئِذٍ اَنْ يُّحْرِمَ قَبْلَ السَّابِعِ مِنْ ذِى الْحِجَّةِ وَالْاَفْضَلُ قَبْلَ السَّادِسِ لِكَرَاهَةِ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ لِلْحَاجِّ وَلَا يَجُوْزُ صَوْمُهَا اَيَّامَ التَّشْرِيْقِ عَلٰى اَصَحِّ قَوْلَىِ الشَّافِعِىْ **وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ** ط اِلٰى وَطَنِكُمْ مَكَّةَ اَوْ غَيْرِهَا وَقِيْلَ اِذَا فَرَغْتُمْ مِنْ اَعْمَالِ الْحَجِّ وَفِيْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ **تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ** ط جُمْلَةٌ تَاكِيْدٌ لِمَا قَبْلَهَا **ذٰلِكَ** الْحُكْمُ الْمَذْكُوْرُ مِنْ وُجُوْبِ الْهَدْىِ اَوِ الصِّيَامِ عَلٰى مَنْ تَمَتَّعَ **لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** ط بِاَنْ لَّمْ يَكُوْنُوْا عَلٰى مَرْحَلَتَيْنِ مِنَ الْحَرَمِ عِنْدَ الشَّافِعِىِّ فَاِنْ كَانَ فَلَا دَمَ عَلَيْهِ وَلَا صِيَامَ وَاِنْ تَمَتَّعَ وَفِىْ ذِكْرِ الْاَهْلِ اِشْعَارٌ بِاشْتِرَاطِ الْاِسْتِيْطَانِ فَلَوْ اَقَامَ قَبْلَ اَشْهُرِ الْحَجِّ وَلَمْ يَسْتَوْطِنْ وَتَمَتَّعَ فَعَلَيْهِ ذٰلِكَ وَهُوَ اَحَدُ الْوَجْهَيْنِ عِنْدَنَا وَالثَّانِىْ لَا وَالْاَهْلُ كِنَايَةٌ عَنِ النَّفْسِ وَاُلْحِقَ بِالْمُتَمَتِّعِ فِيْمَا ذُكِرَ بِالسُّنَّةِ الْقَارِنُ وَهُوَ مَنْ يُّحْرِمُ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ مَعًا اَوْ يُدْخِلُ الْحَجَّ عَلَيْهَا قَبْلَ الطَّوَافِ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** فِيْمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖ وَيَنْهٰكُمْ عَنْهُ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ** ﴿۱۹۶﴾ ع لِمَنْ خَالَفَهٗ ۔

۲۴ ع ۸ ۸

ترجمہ:............اور حج وعمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا پورا کرلیا کرو (حقوق کے ساتھ دونوں کو ادا کیا کرو) پھر اگر روک دیئے جاؤ (دشمن کی وجہ سے ان کی ادائیگی پوری نہ کرسکو) تو پھر جیسا کچھ میسر (آسان) ہو۔ ایک جانور کی قربانی (تم پر ہے یعنی بکری کی) اور اپنے سروں کو مت منڈواؤ (یعنی حلال نہ ہو) تاوقتیکہ قربانی (مذکور) کا جانور اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے (جہاں اس کو ذبح کیا جائے گا اور وہ

رکنے کی جگہ ہے امام شافعیؒ کے نزدیک۔ چنانچہ حلال ہونے کی نیت سے وہیں اس کو ذبح کر کے مساکین پر خیرات کر دے اور سر منڈوا ڈالے حلال ہو جائے گا) ہاں اگر کوئی شخص تم میں سے بیمار ہو جائے یا اسے سر کی تکلیف کی وجہ سے کوئی مجبوری ہو (مثلاً جوئیں پڑ جائیں یا دردِ سر ہو جائے اور سر منڈوا ڈالے) تو فدیہ ہے (اس پر) وہ روزے ہیں (تین روز کے) یا صدقہ دے (تین صاع غلہ جو وہاں کا اکثر رواجی ہو۔ چھ مسکینوں پر تقسیم کر دے) یا جانور کی قربانی کرے (یعنی بکری کی قربانی کرے اور لفظ او اختیار کے لئے ہے اور اس میں وہ صورت بھی لاحق کر دی جائے گی۔ اگر کسی نے بلا عذر سر منڈا ڈالا تو بدرجہ اولیٰ اس کو کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ علیٰ ہذا کسی نے حلق کے علاوہ اگر خوشبو یا سلا ہوا لباس یا تیل استعمال کر کے فائدہ حاصل کر لیا عذر ہو یا بلا عذر کے وہ بھی اس حکم میں داخل ہے) پھر اگر تم امن کی حالت میں ہو (دشمن چلا جائے یا نہ رہے) تو جو شخص نفع (فائدہ) اٹھائے عمرہ سے (یعنی عمرہ سے فراغت کے سبب اور ممنوعاتِ احرام جائز ہو جانے سے) اس کو حج کے ساتھ ملا کر یعنی احرامِ حج کے ساتھ اس طرح ملا دے کہ عمرہ کا احرام یا حج میں باندھ دے) پھر تو جو کچھ قربانی میسر (آسان) ہو (اس پر لازم ہے یعنی احرام کے بعد ایک بکری ذبح کرے جس کے لئے افضل قربانی کا دن ہے) پھر جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو (جانور ملنے کی وجہ سے یا قیمت پاس نہیں ہے) تو روزے ہیں (یعنی اس پر) تین روز کے روزے ہیں حج کے زمانہ میں (یعنی بحالتِ احرام تمتع اس لئے ساتویں ذی الحجہ سے پہلے احرام باندھنا اس پر لازم ہے اور بہتر چھٹی تاریخ سے پہلے ہے کیونکہ نویں تاریخ عرفہ کا روزہ حجاج کے لئے مکروہ ہے اور امام شافعیؒ کے اصح قولین پر ایام تشریق میں ان کے لئے روزے جائز نہیں ہیں) اور سات روزے جب کہ حج سے تمہارے لوٹنے کا وقت آ جائے (اپنے وطن مکہ وغیرہ کی طرف اور بعض نے رجعتم کے معنی یہ لئے ہیں کہ جب تم افعالِ حج سے فارغ ہو جاؤ بہرحال اس صیغہ میں غائب سے حاضر کی طرف التفات ہے) یہ کامل دس روزے ہوئے (یہ جملہ ماقبل کی تاکید کے لئے ہے) یہ (مذکورہ حکم متمتع پر قربانی یا روزوں کا) اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں (حرم سے ان کا فاصلہ دو مرحلوں (مدتِ سفر قصر) سے کم ہو امام شافعیؒ کے نزدیک اور اگر اتنی مسافت ہو تو اگرچہ تمتع کر لیا ہو تب بھی اس پر قربانی یا روزہ واجب نہیں ہوگا۔ اور اہل کی شرط لگانے میں وطن بنا لینے کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اگر ایام حج سے پہلے کسی نے قیام کیا مگر وطن نہیں بنا لیا اور تمتع کی نیت کی تو اس پر قربانی وغیرہ واجب ہوگی۔ امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے اور دوسرے قول میں اس پر واجب نہیں ہے اور اھل کنایہ ہے اپنے نفس سے متمتع مذکورہ کے حکم میں بحکم سنت قارن بھی داخل ہے۔ یعنی جس نے حج وعمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا ہو یا طواف عمرہ سے پہلے احرام حج باندھ لیا ہو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (جو احکام تم کو دیئے گئے ہیں اور جن باتوں سے تم کو روکا ہے ان سب میں) اور اس سے غافل نہ رہو کہ اللہ تعالیٰ بلا شبہ سخت سزا دینے والے ہیں (خلاف کرنے والے کو)۔

تحقیق وترکیب: .... **بعدو** یہ امام شافعی کی رائے ہے کہ وہ احصار کو دشمن کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک احصار عام ہے بیماری ہے یا دشمن وغیرہ۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے **من کسر او عرج فقد حل فعلیه الحج من قابل** اور لغۃً بھی امن کا اطلاق **بری من المرض والعدو** پر آتا ہے۔ تیسر معنی اتیسیر میں ست طلب کا نہیں ہے **لاتتحللوا** یعنی حلق کنایہ ہے حلال ہونے سے۔ امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ صرف سر منڈانے سے حلال ہو جاتا ہے قربانی سے نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک محصر پر حلق وقصر واجب ہی نہیں ہے وہ صرف ذبح ہی سے حلال ہو جاتا ہے۔ **محله** امام شافعیؒ کے نزدیک **محله** سے مراد محل احصار ہے عام اس سے کہ حل ہو یا حرم۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرم مراد ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ ہدی کا حرم میں پہنچنا جب تک معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک حلال نہ ہو۔ امام شافعیؒ کا مستدل یہی واقعہ حدیبیہ ہے کہ آنحضرت ﷺ محصر تھے۔ آپ نے وہیں قربانی فرمائی اور حدیبیہ حرم سے باہر حل میں داخل ہے لیکن حنفیہ کہتے ہیں حدیبیہ کا بعض حصہ حرم میں داخل ہے۔ چنانچہ علامہ واقدی کہتے ہیں کہ مکہ سے نو میل

کے فاصلہ پر حدیبیہ حرم کا حصہ ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے حرم میں ذبح کرنے کی تصریح بھی زہری کی روایت میں ہے۔ بہر حال امام شافعیؒ کے نزدیک مکان احصار ہی میں حلق وقربانی کی جائے گی اور حنفیہ کے نزدیک حرم میں قربانی ضروری ہے جانور کسی کے ہاتھ بھیج کر تعیین بھی کر لی جائے کہ فلاں وقت قربانی کردینا اور اندازہ کر کے اسی وقت حلال ہو جائے **ففدیة**، **فدیة** اور **فما استیسر** اور **فصیام** یہ سب مبتداء محذوف الخبر ہیں۔ ای **علیه** اور **بلد** سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ **صدقة** تین صاع گیہوں چھ مسکینوں پر بحساب نصف صاع فی مسکین دیا جائے اور جو یا کھجور چھ صاع بحساب ایک صاع ہر مسکین کو دیا جائے۔ **بالعمرة** باسببیہ اور تمتع کا تعلق محذوف ہونے کی طرف جلال محققؒ نے اشارہ کیا ہے "**محظورات الاحرام**" اور با کو صلہ تمتع بھی کہا جا سکتا ہے یعنی جو شخص ایام حج میں حج کے نفع حاصل کرنے سے پہلے عمرہ سے نفع حاصل کرے یا تقدیر عبارت ایسے ہو **فمن تمتع بالعمرة مقرونة مضمومة الی الحج**

من الهدی. ادنیٰ درجہ بکری ہے، گائے اور اونٹ بھی جائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک دم تمتع دم شکر ہوتا ہے اس کو متمتع خود بھی کھا سکتا ہے اور قربانی کی طرح یوم النحر میں ذبح کرلے۔ لیکن یہ قربانی واجبہ کے قائم مقام نہیں ہو جائے گی۔ وہ علیحدہ کرنی پڑے گی۔ **ما استیسر** کی خبر علیہ محذوف ہے۔ **فصیام** اگر چھ (۶) ذی الحجہ سے روزہ شروع کر دیا جائے گا تو آٹھویں تاریخ کو روزہ کی کراہت سے امام شافعیؒ کے نزدیک محفوظ رہ جائے گا۔ ابوداؤد کی روایت ہے نہی **عن صوم یوم عرفة** لیکن حنفیہ کے نزدیک مطلقاً کراہت نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس شخص کے لئے مکروہ ہے جس کو روزہ باعث دشواری اور تکلیف دہ ہو۔ اسی طرح ایام تشریق میں روزوں کی ممانعت حنفیہ اور شوافع کے نزدیک بالاتفاق ہے حدیث ممانعت کی وجہ سے۔ لیکن امام مالکؒ، امام احمدؒ کی رائے اور امام شافعیؒ کا قول قدیم جواز کا ہے۔ دارقطنی کی روایت ابن عمرؓ سے پیش کرتے ہیں جس میں متمتع کے لئے اگر ہدی نہ ملتی ہو تو آپ نے ایام تشریق کے روزوں کی اجازت فرمائی ہے۔

اذا رجعتم اس کی تفسیر علماء کی مابین اختلاف ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک افعال حج سے فراغت کے معنی ہیں چنانچہ مکہ ہی میں یا راستہ میں سات روزے پورے کر سکتا ہے۔ امام شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے اور بعض کے نزدیک رجوع سے مراد اہل اور وطن میں پہنچنا ہے۔ امام شافعیؒ کا قول یہی ہے اور ابن عباس سے منقول ہے۔ پھر بعض نے وطن پہنچنے میں توسع کیا ہے کہ راستہ بھی اس میں داخل ہے۔ **تلک عشرة** چونکہ او تخییر اور اباحت کے لئے بھی آتا ہے جو یہاں درست نہیں ہے اس لئے اس احتمال کو منقطع کرنے کے لئے یہ جملہ لایا گیا یا حسابی لحاظ سے یہ نکتہ پیش نظر ہوگا مجموعی ٹوٹل بھی بیان کر دیا جائے تو اجمال وتفصیل کے دونوں پہلو مکمل ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص جبکہ عرب کے امیوں کی جماعت حساب وکتاب کے معاملہ میں مبتدی ہو مأتہ اور الف سے آگے اعداد کے لئے الفاظ بھی وضع نہ ہوں۔

ذلک کا مشار الیہ جلال محققؒ نے اپنے مذہب کی رعایت سے حکم مذکور قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک آفاقی کی طرح مکی کے لئے بھی تمتع اور قران کی اجازت ہے لیکن یہ مکی متمتع حکمی ہوگا اس پر دم تمتع واجب نہیں کہتے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ دونوں حق صرف آفاقی کے لئے ہیں مکی کے لئے صرف حج افراد ہے۔ کیونکہ عمرہ کی سہولتیں اس کو ہر وقت حاصل ہیں۔ باہر کے حجاج کے پاس ایک بہت مختصر اور محدود وقت ہوتا ہے ان کو محروم کرنا یا ان کی مشکلات میں اضافہ کرنا مناسب نہیں ہے اس کے باوجود اگر کسی مکی نے تمتع یا قران کیا تو اس کے دم جنایت دینا پڑے گا۔ اس لئے **ذلک** کا اشارہ تمتع کی طرف ہے اگر اس سے مراد بقول امام شافعیؒ دم ہوتا تو بجائے **ذلک** کے من کہنا چاہئے تھا۔

حاضری المسجد امام مالکؒ کے نزدیک صرف اہل مکہ حضار مسجد ہوں گے۔ امام طحاویؒ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے اور طاؤس کی رائے ہے کہ صرف اہل حرم مراد ہیں اور امام اعظمؒ کے نزدیک مکی اور میقاتی لوگ حاضرین مسجد کہلائیں گے۔ جلال محققؒ نے جو مر حلتان کی قید لگائی ہے یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے۔ ان کے نزدیک مدت سفر سے کم مسافت پر مکہ سے جو لوگ رہتے ہیں وہ بھی حاضرین میں شمار

ہوں گے۔

ولاهـل . مفسر نے اھل کنایہ نفس سے کیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ یہ اس محرم کے لئے ہے کہ اس کا نفس یعنی وہ خود محرم مسجد حرام کا باشندہ نہ ہو۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اہل سے مراد بیوی بچے لئے جائیں۔

ربط:.......... پچھلی آیت میں حرم احرام اشہر حرم میں جنگ چھڑ جائے تو اس گتھی کو سلجھایا تھا۔ اس آیت میں جنگ وغیرہ کی وجہ سے حج وعمرہ میں رکاوٹ پڑ جائے جس کو احصار کہتے ہیں تو کیا کرنا چاہئے؟ حج وعمرہ کا اتمام اور ان کا اجتماع جس کو تمتع وقران کہتے ہیں یہ تین مسئلے بیان کئے جارہے ہیں گویا یہ گیارہواں حکم ہے۔

شانِ نزول:.......... لباب النقول میں ہے صفوان بن امیہ سے تخریج کی ہے کہ ایک شخص زعفران لگائے ہوئے، جبہ پہنے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عمرہ کے بارہ میں دریافت کیا تو اس پر آیت **واتموا الحج و العمرة** نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے عمرہ کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا **ثم ماکنت مانعًا فی حجک فاصنعه فی عمرتک** اور امام بخاریؒ نے کعب ابن عجرہؓ سے نقل کیا ہے کہ کعبؓ نے **ففدية من صيام** کے بارہ میں دریافت کیا اور ان کے سر میں اس قدر جوئیں تھیں کہ چہرہ پر چل رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں بکری میسر ہے؟ عرض کیا نہیں، آپؐ نے فرمایا کہ تین روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو فی مسکین نصف صاع غلہ دے دو۔

﴿تشریح﴾:...... **عمرہ سنت اور حج فرض ہے**:.......... حنفیہ کے نزدیک عمرہ سنت مؤکدہ ہے اور صاحبِ استطاعت پر حج فرض ہے۔ لیکن اگر باوجود فرض نہ ہونے کے حج یا عمرہ شروع کر دیا جائے تو پھر بالاتفاق فرض و واجب ہو جاتے ہیں۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک حج وعمرہ، دونوں یکساں فرض ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل وجوب:.......... اور استدلال میں **اتموا** امر کے صیغہ کو پیش کرتے ہیں جو وجوب کے لئے آتا ہے لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ آیت میں بعد الشروع اتمام کو بیان کیا جارہا ہے اور اس کے ہم منکر نہیں جیسے نفل نماز کا اہتمام شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتا ہے یہی حال عمرہ کا ہے لیکن ابتداءً وجوب اس سے کہاں لازم آیا۔ دوسرے ممکن ہے امر کا تعلق قید کمال وتمام سے ہو یعنی حج وعمرہ مکمل طور پر خالصاً بوجہ اللہ کیا کرو، جیسے ارشاد نبوی ہے **بیعوا سواءً** اس میں وجوب بیع نہیں ہے بلکہ بیع میں برابری کرنا واجب ہے۔

حنفیہ کی دلیل عدم وجوب:.......... ابتداءً عمرہ کے واجب نہ ہونے کی دلیل حنفیہ کے لئے وہ روایت ہے جو ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے خود آنحضرت ﷺ سے عمرہ کے متعلق دریافت کیا کہ یہ واجب ہے یا نہیں آپ نے فرمایا **لا وان تعتمر واخیر لکم**۔

احصار کی شرح اور اس کے احکام:.......... اسی طرح حنفیہ کے نزدیک احصار عام ہے۔ خواہ دشمن کے خوف سے ہو یا راستہ کی بدامنی اور بیماری کی زیادتی سے ہو۔ ہر صورت میں حلال ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی معتبر شخص سے کہہ دے کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت ایک جانور بکری یا گائے یا اونٹ میری طرف سے حرم میں ذبح کر دینا۔ اگر حج افراد کی نیت ہو تو ایک جانور اور تمتع اور قران ہو تو دو دو جانور اسی طرح ذبح کرانے کو کہہ دے۔ جب مقررہ وقت آجائے اور گمان غالب یہ ہو کہ اس نے قربانی کردی ہوگی چاہے قربانی کے دنوں سے پہلے ہی کی تاریخ ہو تو مرد اپنا سر منڈا ڈالے یا قصر کرالے اور عورت ہو تو سر منڈانا حرام ہے۔ اس کو ایک ایک انگل بال کاٹ

لینا چاہئیں۔ احرام کی وجہ سے جتنی چیزیں حرام ہوگئیں تھیں اب سب حلال ہوجائیں گی۔ اس کے بعد رکاوٹ دور ہونے پر حج وعمرہ کی قضاء کرنی پڑے گی۔ البتہ اس احصار کے علاوہ کسی دوسری مجبوری سے اس کو سر منڈانا پڑے تو اس کو تین باتوں میں سے ایک بات کرلینی چاہئے۔ (۱) بکری ذبح کر کے خیرات کردے (۲) تین روزے رکھ لے (۳) ۸۰ تولہ فی سیر کے حساب سے ہر مسکین کو پونے دوسیر گیہوں یاد گنے جو بقدر صدقۃ الفطر چھ مسکینوں کو دے دے۔ حنفیہ کے نزدیک ذبح صرف حرم میں ہوگی۔ البتہ روزہ اور صدقہ کے لئے کوئی جگہ معین نہیں ہے نیز ایک مسکین کو پونے دوسیر ہی دینا چاہئے۔ اگر دو حصے ایک فقیر کو دیئے تو وہ ایک ہی حصہ شمار ہوگا۔

حج کی تین قسمیں اور احکام:......... حج کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) حج افراد کہ ایام حج میں صرف حج کا احرام باندھا جائے، یہ آفاقی اور مکی سب کے لئے جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سب سے افضل یہی طریقہ ہے۔ (۲) حج تمتع حج اور عمرہ دو الگ الگ احراموں کے ساتھ ایک ہی زمانہ حج میں ادا کئے جائیں۔ بعض ائمہ کے نزدیک سب سے افضل قسم یہی ہے۔ (۳) حج قران زمانہ حج میں ایک ہی احرام کے ساتھ حج اور عمرہ دونوں کی نیت کی جائے۔ حنفیہ کے نزدیک سب سے افضل قسم یہی ہے۔ کیونکہ مشقت اور کام سب سے زیادہ اس میں ہے۔ تمتع اور قران دونوں حنفیہ کے نزدیک صرف آفاقی کے لئے ہیں جو میقات کی حدود سے باہر کا رہنے والا ہو۔ حدود کے اندر رہنے والے کے لئے اجازت نہیں ہے۔ **ذلک لمن لم یکن** سے معلوم ہوا کہ جو لوگ شیخ کی خدمت میں پہلے سے حاضر رہتے ہوں ان کو چاہئے کہ دوسرے آنے والے واردین مسافرین کا جو شیخ کے پاس آئیں خیال اور رعایت رکھیں یعنی ان کو موقع دیں۔

اَلْحَجُّ وَقْتُهٗ **اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ** ج شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَعَشَر لَيَالٍ مِنْ ذِی الْحِجَّةِ وَقِيلَ كُلُّهٗ **فَمَنْ فَرَضَ** عَلٰی نَفْسِهٖ **فِيْهِنَّ الْحَجَّ** بِالْاِحْرَامِ بِهٖ **فَلَارَفَثَ** جِمَاعَ فِيهِ **وَلَافُسُوْقَ** مَعَاصِیَ **وَلَاجِدَالَ** خِصَامَ **فِي الْحَجِّ** ط وَفِی قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْاَوَّلَيْنِ وَالْمُرَادُ فِی الثَّلٰثَةِ النَّهْیُ **وَمَاتَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ** كَصَدَقَةٍ **يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ** ط فَيُجَازِيكُم بِهٖ وَنَزَلَ فِی اَهْلِ الْيَمَنِ وَكَانُوا يَحُجُّونَ بِلَازَادٍ فَيَكُونُونَ كَلًّا عَلَی النَّاسِ **وَتَزَوَّدُوْا** مَا يُبَلِّغُكُم بِسَفَرِكُم **فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی** مَا يُتَّقٰی بِهٖ سُؤَالَ النَّاسِ وَغَيْرِه **وَاتَّقُوْنِ يٰاُولِی الْاَلْبَابِ** ﴿۱۹۷﴾ ذَوِی الْعُقُولِ **لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِیْ اَنْ تَبْتَغُوْا** تَطْلُبُوا **فَضْلًا** رِزْقًا **مِّنْ رَّبِّكُمْ** ط بِالتِّجَارَةِ فِی الْحَجِّ نَزَلَ رَدًّا لِكَرَاهَتِهِمْ ذٰلِكَ **فَاِذَآ اَفَضْتُمْ** دَفَعْتُمْ **مِّنْ عَرَفٰتٍ** بَعْدَ الْوُقُوفِ بِهَا **فَاذْكُرُوا اللّٰهَ** بَعْدَ الْمَبِيتِ بِمُزْدَلِفَةَ بِالتَّلْبِيَةِ وَالتَّهْلِيلِ وَالدُّعَاءِ **عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ** ص هُوَ جَبَلٌ فِی اٰخِرِ الْمُزْدَلِفَةِ يُقَالُ لَهٗ قُزَحُ وَفِی الْحَدِيثِ اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ بِهٖ يَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَدْعُوهُ حَتّٰی اَسْفَرَ جِدًّا رَوَاهُ مُسْلِمٌ **وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ** ج لِمَعَالِمِ دِينِهٖ وَمَنَاسِكِ حَجِّهٖ وَالْكَافُ لِلتَّعْلِيلِ **وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ **كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ** قَبْلَ هُدَاهُ **لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ** ﴿۱۹۸﴾ **ثُمَّ اَفِيْضُوْا** يَا قُرَيْشُ **مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ** اَیْ مِنْ عَرَفَةَ بِاَنْ تَقِفُوا بِهَا مَعَهُمْ وَكَانُوا يَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ تَرَفُّعًا عَنِ الْوُقُوفِ مَعَهُمْ وَثُمَّ لِلتَّرْتِيبِ فِی الذِّكْرِ **وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ** ط مِنْ ذُنُوبِكُمْ **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لِلْمُؤْمِنِينَ **رَّحِيْمٌ** ﴿۱۹۹﴾ بِهِمْ **فَاِذَا قَضَيْتُمْ** اَدَّيْتُمْ **مَّنَاسِكَكُمْ** عِبَادَاتِ حَجِّكُمْ بِاَنْ رَمَيْتُمْ جَمْرَةَ

الْعَقَبَةِ وَحَلَقْتُمْ وَطُفْتُمْ وَاسْتَقَرَرْتُمْ بِمِنٰى **فَاذْكُرُوا اللّٰهَ** بِالتَّكْبِيْرِ وَالثَّنَاءِ **كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ** كَمَا كُنْتُمْ تَذْكُرُوْنَهُمْ عِنْدَ فَرَاغِ حَجِّكُمْ بِالْمَفَاخِرِ **اَوْاَشَدَّ ذِكْرًا** ط مِنْ ذِكْرِكُمْ اِيَّاهُمْ وَنَصْبُ اَشَدَّ عَلَى الْحَالِ مِنْ ذِكْرِ الْمَنْصُوْبِ بِاُذْكُرُوا اِذْ لَوْ تَاَخَّرَ عَنْهُ لَكَانَ صِفَةً لَهٗ **فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا** نَصِيْبَنَا **فِي الدُّنْيَا** فَيُؤْتَاهُ فِيْهَا **وَمَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾** نَصِيْبٍ **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً** نِعْمَةً **وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً** هِيَ الْجَنَّةُ **وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾** بِعَدَمِ دُخُوْلِهَا وَهٰذَا بَيَانٌ لِمَا كَانَ عَلَيْهِ الْمُشْرِكُوْنَ وَلِحَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْقَصْدُ بِهِ الْحَثُّ عَلٰى طَلَبِ خَيْرِ الدَّارَيْنِ كَمَا وَعَدَ بِالثَّوَابِ عَلَيْهِ بِقَوْلِهٖ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ** ثَوَابٌ **مِّمَّا كَسَبُوْا** ط اَجْلِ عَمِلُوْا مِنَ الْحَجِّ وَالدُّعَاءِ **وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾** يُحَاسِبُ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ فِيْ قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا لِحَدِيْثٍ بِذٰلِكَ **وَاذْكُرُوا اللّٰهَ** بِالتَّكْبِيْرِ عِنْدَ رَمْيِ الْجَمَرَاتِ **فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ** ط اَيْ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ الثَّلٰثَةِ **فَمَنْ تَعَجَّلَ** اَيْ اسْتَعْجَلَ بِالنَّفَرِ مِنْ مِنٰى **فِيْ يَوْمَيْنِ** اَيْ فِيْ ثَانِيْ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ بَعْدَ رَمْيِ جِمَارِهٖ **فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ** ج بِالتَّعْجِيْلِ **وَمَنْ تَاَخَّرَ** بِهَا حَتّٰى بَاتَ لَيْلَةَ الثَّالِثِ وَرَمٰى جِمَارَهٗ **فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ** لا بِذٰلِكَ اَيْ هُمْ مُخَيَّرُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ وَنَفْيُ الْاِثْمِ **لِمَنِ اتَّقٰى** ط اللّٰهَ فِيْ حَجِّهٖ لِاَنَّهُ الْحَاجُّ عَلَى الْحَقِيْقَةِ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾** فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ

ترجمہ:......... حج (کا زمانہ) چند مقررہ مہینے ہیں (شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ کی دس راتیں اور بعض کے نزدیک پورا ذی الحجہ) چنانچہ جو شخص مقرر کرلے (اپنے اوپر) ان دنوں میں حج (احرام باندھ کر) پھر نہ کوئی فحش بات (جماع) ہے اور نہ کوئی حکم عدولی (نافرمانی) ہے اور نہ کسی طرح کا جھگڑا (تکرار) ہے۔ حج کے ساتھ (اور ایک قرأت میں رفث اور فسوق میں فتح پڑھا گیا ہے اور ان تینوں لفظوں سے مراد دراصل نہی ہے) اور جو نیک کام (صدقہ وغیرہ) کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہیں (اس لئے وہ تم کو اس کا بدلہ عنایت فرمائیں گے اور اہل یمن جو بلا سروسامان حج کے لئے نکل پڑتے تھے اور لوگوں پر بار بنتے تھے۔ ان کے متعلق حکم نازل ہوا کہ) اور سروسامان ضرور ساتھ لے جایا کرو (سفر میں جو کچھ حاصل ہوتا رہے) کیونکہ سب سے بڑی بات خرچ میں بچا رہنا ہے (لوگوں سے سوال وغیرہ کا پرہیز رکھنا ہے) اور مجھ سے ڈرتے رہو اے دانشمندو! (ذی عقل لوگو! اس میں) تمہارے لئے کوئی گناہ کی بات نہیں ہے کہ تلاش (طلب) کرو اپنے پروردگار کے فضل (رزق) کو (حج میں بذریعہ تجارت جو لوگ اس کو مکروہ سمجھتے تھے ان کے جواب میں یہ حکم نازل ہوا ہے) پس جب واپس ہونے (لوٹنے) لگو عرفات سے (وقوف عرفہ کے بعد) تو اللہ کا ذکر کیا کرو (مزدلفہ میں شب باشی کر کے تلبیہ اور لا الٰہ الا اللہ اور دعا کرتے رہا کرو) مشعر حرام کے پاس (یہ مزدلفہ کے آخر میں پہاڑ ہے جس کو قزح کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس پر قیام فرمایا اور اچھی خاصی صبح ہونے تک ذکر اللہ اور دعا میں مشغول رہے۔ رواہ مسلم) اور اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے (احکامِ دین اور مسائلِ حج اور کاف کما میں تعلیلیہ ہے) اور فی الحقیقت (ان مخففہ

من المثقلۃ ہے ان نافیہ نہیں ہے) اس (ہدایت سے پہلے) تم بھی ناواقف محض تھے پھر تمہارے لئے ضروری ہے (اے قریش!) کہ اس جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر واپس آتے ہیں (یعنی عرفہ سے۔ اس طرح کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ وقوف بعرفہ کرو۔ قریشی دوسروں کے ساتھ وقوف کرنے سے خود کو بالا سمجھتے ہوئے مزدلفہ میں وقوف کیا کرتے تھے۔ ثم یہاں ترتیب ذکری کے لئے ہے) اللہ تعالیٰ کے سامنے (اپنے گناہوں سے) توبہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے (مؤمنین کو) اور (ان پر) رحم فرمادیں گے۔ پھر جب تم پورے (ادا) کر لیا کرو اپنے اعمال (عبادات حج کو اور جمرہ عقبہ کی رمی اور حلق سے فارغ ہو جاؤ اور طواف کر کے منیٰ میں قیام پذیر ہو گئے ہو) تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو (تکبیر وثنا کی صورت میں) جس طرح تم اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کیا کرتے ہو (چنانچہ حج سے فراغت کے بعد ان کے مفاخر بیان کیا کرتے تھے) بلکہ یہ ذکر اس سے بڑھ کر ہونا چاہئے (یعنی تمہارے اپنے آباؤ اجداد کے ذکر سے اور لفظ اشد منصوب ہے ذکر سے حال ہونے کی بناء پر جو اذکروا کی وجہ سے منصوب ہے اور مقدم اس لئے ہے کہ اگر مؤخر کر دیا جاتا تو پھر لفظ اشد ذکر کی صفت بن جاتا) پھر بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو دے دیجئے (ہمارا حصہ) دنیا میں (چنانچہ وہ ان کو دنیا میں دے دیا جاتا ہے اور ایسے شخص کے لئے آخرت میں کچھ حصہ (نصیب) نہیں ہوگا اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو عنایت فرمادیجئے دنیا میں بہتری (نعمت) اور آخرت میں بھی بہتری (جنت) اور ہم کو بچالیجئے عذاب دوزخ سے (اس میں داخل نہ کیجئے یہ بیان حال ہے مشرکین اور مؤمنین کا اور مقصد اس سے ترغیب دینا ہے خیر دارین کی طلب کی۔ چنانچہ اس پر ثواب کا وعدہ بھی فرمایا جارہا ہے کہ) ایسے لوگوں کو بڑا حصہ (ثواب) ملے گا ان کے اعمال کی بدولت، جو کام حج میں کئے اور دعائیں مانگیں) اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والے ہیں (تمام مخلوق کا حساب دنیا کے آدھے دن کے برابر وقت میں چکا ڈالیں گے۔ جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے) اور ذکر اللہ کرو (رمی جمرات کے وقت تکبیرات پڑھو) کئی روز تک (تین دن تشریق کے) پھر جو شخص جلدی کرنا چاہے (یعنی منیٰ سے جلد رخصت ہونا چاہے) دو روز میں (رمی جمار کے بعد ایام تشریق کے دوسرے روز) اس پر کچھ گناہ نہیں (جلدی کرنے کا) اور جو شخص ان دو دن میں تاخیر کرنا چاہے (حتیٰ کہ ایام تشریق کی تیسری شب بھی گزار دے اور رمی جمار کرے) تو اس پر بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے (اس تاخیر کی وجہ سے یعنی ہر طرح کا لوگوں کو اس میں اختیار ہے اور گناہ نہ ہونا) اس شخص کے لئے جو ڈرتا رہے (اللہ سے حج میں کیونکہ فی الحقیقت حاجی وہی ہے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اس بات سے غافل نہ رہو کہ بلاشبہ تم سب کو اللہ ہی کے پاس جمع ہونا ہے آخرت میں اور وہ تم سب کو تمہارے کئے کی پاداش پر پہنچائے گا)

تحقیق وترکیب:......... **الحج بتقدیر المضاف ای وقت الحج . معلومات** شوال، ذیقعدہ، تو بالاتفاق اشہر حج ہیں۔ ذی الحجہ میں تین قول ہیں ایک امام شافعیؒ کا جو مفسر جلالؒ نے ذکر کیا یعنی دس راتیں اور دسواں دن ذی الحجہ کا اس میں داخل نہیں ہے کیونکہ احرام کا آخری وقت اس رات تک ہے اس کے بعد نہیں ہے۔ اور شوال سے پہلے بھی احرام جائز نہیں ہے۔ دوسرا قول امام اعظمؒ کا ہے دس دن پورے ذی الحجہ کے ہیں یعنی دسویں تاریخ کا دن بھی اس میں داخل ہے۔ کیونکہ حج کے مناسک اور افعال دن میں بھی کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح شوال سے پہلے احرام مع الکراہت جائز ہے مگر افعال حج پہلے ادا نہیں کیئے جائیں گے۔ چنانچہ اگر کسی نے رمضان میں طواف قدوم اور سعی بین الصفا والمروہ کر لی تو یہ کافی نہیں ہوگا۔ بلکہ سعی واجب کا استیناف کرنا پڑے گا۔ نیز وقت کی تحدید کا مطلب امام کے نزدیک یہ ہے کہ ان ایام سے پہلے افعال حج نہ کیے جائیں۔ یہ مطلب نہیں کہ مؤخر بھی نہ کیئے جائیں۔ چنانچہ طواف زیارت دس تاریخ کے بعد آخر ماہ تک جائز ہے اور تیسرا قول امام مالکؒ کا مفسر نے نقل کیا ہے یعنی پورا ذی الحجہ چنانچہ طواف زیارت آخر ماہ تک کرنا جائز ہے۔

بالاحرام امام شافعیؒ کے نزدیک صحیح احرام کے لئے نیت ضروری ہے اور حنفیہ کے نزدیک تلبیہ یا سوق ہدی سے بھی احرام درست ہوجاتا ہے۔ وفی قراء ۃ ابن کثیر اور ابوعمرو کی قرأت میں اولین کا رفع اور تیسرے کا فتح اور دونوں قراء کے علاوہ کے نزدیک سب کا فتح ہے اور نفی بمعنی نہی مبالغہ کے لئے ہے۔ فی الحج ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانے میں اشارہ اس کی اہمیت اور علت حکم کی طرف ہے کہ بیت اللہ کی زیارت اس بات کی متقاضی ہے کہ ان خرافات کو چھوڑا جائے۔

من خیر. شرور سے ممانعت کے بعد خیر کی ترغیب دی گئی ہے اور اسی لئے علم کا تعلق خاص چیز کو فرمایا گیا ہے ورنہ خیر وشر دونوں کا علم خدا تعالیٰ کو ہے۔ ان تبتغوا سے پہلے فی مقدر نکال کر ظرف کی طرف بحذف الجار اشارہ کردیا ہے۔ اِنَّ اور اَنَّ پر قیاس کرتے ہوئے اور اس کا تعلق لاجناح سے ہے۔ افضتم جلال محقق نے افاضہ کے معنی دفع کے لئے ہیں۔ اصل عبارت افضتم انفسکم تھی۔ مفعول کو ترک کردیا گیا ہے۔ کما ھدٰکم کاف تعلیلیہ۔ ما مصدریہ ای اذکروہ لاجل ھدایتہ ایاکم یاما کافہ ہے۔ ای اذکروہ ذکرًا حسنا کما ھدٰکم ھدایۃً حسنۃ ثم ترتیب ذکری کے لئے ہے تراخی کے لئے نہیں ہے تاکہ یہ شبہ نہ ہو کہ دفع کا ذکر اللہ سے مقدم ہونا لازم آگیا ہے حالانکہ ذکر اللہ مؤخر ہوتا ہے یا ترتیب ہی کے لئے ہے کہ دونوں افاضوں میں کتنا فرق ہے ایک صحیح اور دوسرا غلط۔

جمرۃ چھوٹا پتھر جمع جمار، جمرات، جمرۂ اولیٰ، وسطیٰ، عقبیٰ۔ ان کنتم. ای انکم ان مخففہ ہے۔ اسم محذوف ہے متروک العمل ہو گیا ہے اس کے مابعد لام لازم ہے۔ نصب اشد یعنی لفظ حال ہے ذکرًا سے اور اس کے باوجود اس سے مقدم ہے کیونکہ تاخیر کی صورت میں صفت کا شبہ ہوسکتا ہے اور عبارت اس طرح ہوجاتی۔ ذکرًا اشد تو اس صورت میں بلا فاصلہ لفظ ذکر کا تکرار ہوجاتا۔ یعنی فاذکروا اللہ کذکرکم اٰباء کم او ذکرًا اشد. اس لئے ذکر کو مؤخر کردیا تاکہ کچھ فاصلہ ہوجائے۔

حسنۃ ای نعمت. مراد برکت و خیر جیسے صحت، بیوی عمدہ، کشادہ مکان، وغیرہ جو چیزیں دین و دنیا میں نافع ہوں۔ حدیث عائشہؓ ہے "سلی العافیۃ فی الدارین" فمن الناس الخ سے حق تعالیٰ لوگوں کی چار قسمیں بیان فرمارہے ہیں۔ دو قسمیں یہ ہیں اور دو قسمیں آگے آرہی ہیں۔ فی قدر نصف النھار دوسری جگہ انہ کلمح البصر آیا ہے۔ مقصود اس سے انتہائی جلدی ہے۔ انسانی سائنس نے جب ایسی مشینری ایجاد کردی ہے کہ بڑی بڑی کمپنیوں کے عظیم حسابات سیکنڈوں میں چیک کرلیتی ہے تو انسان ساز خدا کی قدرت کا کیا ٹھکانہ ہے۔

لحدیث بذٰلک ابن عباسؓ کی روایت ہے۔ انما الحساب صخرۃ لیقیل الاولیاء مع الحور والاعداء مع الشیاطین مقربین. واذکروا اللہ. تکبیرات تشریق ایام تشریق میں یعنی عرفہ کی نویں تاریخ کی صبح کو نماز کے بعد سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک بقول صاحبین ہر نماز فرض کے بعد مرد، عورت، مقتدی، امام، منفرد پر واجب ہے۔ مردوں پر بلند آواز سے اور عورتوں پر آہستہ۔ نیز اگر امام بھول جائے تو مقتدی پڑھ کر یاد دلادیں اور تینوں جمرات پر ہر مرتبہ رمی کے وقت تکبیر مسنون ہے۔ فی یومین. ای فی ثانی اثنین بتقدیر المضاف۔ چنانچہ دونوں دن نفر نہیں کیا جائے گا۔ ومن تاخر یعنی دونوں دن کے بعد اگر تیسرے روز بھی ٹھہرے اور رمی کرے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ رمی جمرات ثلاثہ کی مشہور وجہ یہ ہے کہ ان مواقع پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو ذبح اسماعیل کے وقت شیطان نے بہکانا چاہا۔ اس پر انہوں نے کنکریوں کی بوچھاڑ کرکے دفع کیا۔ اب عشاق وحجاج کے لئے یہ سنت عاشقانہ رواج پذیر ہوگئی۔ ان ابراھیم کان امۃ قانتاً للہ حنیفًا. ھم مخیرون یہ مبتدا محذوف ہے۔ اس کی خبر لمن اتقی ہے یعنی گناہ نہ ہونے میں یہ دونوں صورتیں برابر ہیں اگرچہ تاخیر افضل ہے بمقابلہ تقدیم کے تو یہ فرق افضل مفضول کا ایسا ہی ہے جیسے مسافر کے لئے روزہ وافطار میں اختیار ہے تاہم روزہ افضل ہے لمن اتقی خبر ہے مبتدائے محذوف "ونفی الاثم" کی اور لام اختصاصیہ ہے یا تعلیلیہ یا بیانیہ ہے۔

ربط:............یہ آیات بھی احکامِ حج کا تتمہ اور تکملہ ہیں جس میں حج کے لئے سروسامان کی تاکید اور وقوف ومزدلفہ ومنٰی کے احکام اورحجاج کے اقسام کا بیان ہے۔

شانِ نزول:............امام بخاریؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ اہل یمن حج کے لئے بغیر سروسامان نکل کھڑے ہوتے تھے اور خود کو متوکلین علی اللہ کہتے تھے۔اس پر آیت وتزو دوا نازل ہوئی۔ کما بین المفسر العلام آیت لیس علیکم کے ذیل میں امام بخاریؒ نے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ عکاظ اور مجنۃ اور ذوالمجاز مکہ کے بازار تھے۔جن میں زمانۂ جاہلیت سے بازار لگتے تھے۔بسلسلۂ حج لوگوں نے کاروبار میں تامل کا اظہار کیا اور آنحضرت ﷺ سے استفسار کیا اس پر لیس علیکم جناح ان تبتغوا نازل ہوئی۔اسی طرح حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ قریش مزدلفہ میں قیام پذیر ہوتے تھے اور خود کو حمس کہلاتے تھے لیکن عام لوگ عرفات میں جا کر وقوف کرتے۔اسلام نے آ کر ثم افیضوا سے مساوات کا حکم دیا۔

علی ہذا ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ جب لوگ مناسک حج سے فارغ ہوجاتے اور منٰی میں ٹھہرنا ہوتا تو مجالسِ مشاعرہ منعقد ہوتیں اور ان میں آباؤ اجداد کے کارناموں اور مفاخر کا تذکرہ ہوتا۔اس پر آیت واذکروا اللہ کا نزول ہوا۔

علی ہذا ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ اعراب وقوف کرتے اور یہ دعا پڑھتے اللّٰھم اجعل لی عام غیث و عام خصب وعام ولاء وحسن جن میں آخرت کا دھیان تک نہ ہوتا۔لیکن ان کی جگہ دوسرے مومنین آئے تو یہ دعا کی ربنا اٰتنا فی الدنیا الخ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾:......ایام حج:............جہاں تک افعال حج کا تعلق ہے ان میں تین باتیں ضروری ہیں۔(۱) احرام (۲) وقوف عرفہ (۳) طوافِ زیارت۔احرام کی ابتداء بلا کراہت شوال سے ہوسکتی ہے اور اس سے پہلے مکروہ ہے۔آخری فعل طواف زیارت جو دس ذی الحجہ کو ہوتا ہے اس لئے یہ آخری تاریخ ہوئی۔بعض واجبات اور بھی بعد کی تاریخوں میں ادا کئے جاتے ہیں۔

احترامِ حج:............جو بے حیائی حج سے پہلے جائز تھی جیسے بیوی سے بے حجابی سے پیش آنا جب حج میں اس کی ممانعت ہوگئی تو دیگر فواحش کا کیا محل۔اسی طرح خوشبو وغیرہ استعمال کرنا، سلے ہوئے کپڑے پہننا، بال کٹانا، یہ باتیں حج سے پہلے بالکل جائز تھیں لیکن جب ان جائز چیزوں کو ناجائز کردیا گیا تو جو باتیں پہلے ہی سے نافرمانی اور حکم عدولی کی سمجھی جاتی ہیں جیسے تمام معاصی اور گناہ۔اس موقعہ پر بدرجۂ اولٰی ان کی ممانعت ہوگئی۔علٰی ہذا رفقائے سفر سے لڑائی جھگڑا پہلے ہی برا تھا، حج میں اس کی شدت اور برائی اور بھی بڑھ گئی۔

حقیقی سروسامانِ حج:............اعمال حق کے لئے سب سے بڑی تیاری یہ ہے کہ تم میں تقوٰی پیدا ہو، سروسامان کے بغیر ایسے شخص کے لئے حج کو جانا درست نہیں ہے جس میں قوت برداشت نہ ہو اور توکل کی کمی سے اس کو بے صبری اور شکایت میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ ہو، بلکہ خداپرستی اور دینداری، دنیوی فلاح ومعیشت کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے دونوں میں منافات نہیں ہے۔

کاملِ اور جامع زندگی:............اسلام ایک ایسی کامل زندگی پیدا کرنا چاہتا ہے جس میں دین ودنیا کی سعادتیں جمع ہوں۔ حج کی مقدس عبادت اس بات سے نہیں روکتی کہ کاروبار تجارت جو اللہ کا فضل ہے اس کو تلاش نہ کرو۔دنیا کی عالمگیر تباہی یہ تھی کہ اعتدالی راہ سے ہٹ کر افراط وتفریط میں مبتلا ہوگئی تھی۔ایک طرف دنیا کا انہماک اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ فکر آخرت سے لوگ یک قلم بے پرواہ ہوجاتے تھے۔دوسری طرف آخرت کے استغراق میں اس قدر غرق اور مدہوش ہوجاتے کہ رہبانیت کی بُو آنے لگتی۔لیکن اسلام کی راہ

حق زندگی کے دوسرے گوشوں کی طرح یہاں بھی وہی اعتدالی رہی ہے کہ صحیح اور جامع زندگی اس کی ہے جو کہتا ہے کہ خدایا دونوں جہان کی بھلائی چاہتا ہوں۔

ازالۂ غلط فہمی:.......... البتہ آیت میں دنیا طلبی کے لئے قطعاً گنجائش نہیں ہے اور جامعیت کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ دین کی طرح جس کو ہم دنیا کہتے اور سمجھتے ہیں وہ بھی اس درجہ مطلوب ہو جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ دنیا دنیا باقی نہ رہے اس کو دین میں مدغم کر کے دین بنا دیا جائے۔ اس کی حیثیت دنیا باقی نہ رہے بلکہ اس میں روح آخرت کی اور اس پر چھاپ دین کی ہو۔

دنیا مطلوب نہیں ہے:.......... چنانچہ آیت میں اٰتنا کا مفعول دنیا نہیں ہے کہ اس کا مطلوب بالذات ہونا سمجھ میں آئے بلکہ مفعول اور مطلوب بالذات حسنہ ہے۔ دنیا تو محل حسنہ اور ظرف ومفعول فیہ ہے یعنی اصل بالذات مطلوب تو افعالِ حسنہ ہیں مگر صحت، مال، آبرو، جان، کھانا پینا یہ اگر نیکیوں کا ذریعہ ہیں تو مستحسن ا● مطلوب بالغرض ہو جائے گی۔ ورنہ دنیا کی طلب میں اگر حلال اور حرام کی حدود شکستہ نہ کی جائیں تو زیادہ سے زیادہ ان کو مباح کہا جا سکتا ہے اور مباح شرعی ہونے سے مطلوبِ شرعی ہونا لازم نہیں آتا۔

افعالِ حج:.......... اب مختصر طور پر حج کا یکجائی بیان مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جس میں آیات سے متعلقہ مسائل واحکام بھی شامل ہوں۔

یوم الترویہ یعنی آٹھویں تاریخ کو مکہ سے تین میل فاصلہ پر منیٰ ہے وہاں جا کر ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نویں تاریخ کی نماز فجر پانچ نمازیں منیٰ میں ٹھہر کر پڑھنی چاہئیں۔ اس کے بعد منیٰ سے مزدلفہ ہوتے ہوئے جو تین میل پڑتا ہے۔ عرفات پہنچ جانا چاہئے جو مکہ سے تقریباً نو میل اور منیٰ سے چھ میل اور مزدلفہ سے تین میل فاصلہ پر ہے۔ عرفات کا وقوف اصل فرض اور حج کا رکنِ اعظم ہے اسی پر مدارِ حج ہے۔

جمع بین الصلوٰتین:.......... ظہر وعصر یہاں رہ کر پڑھی جائیں۔ اگر شرائط پائی جائیں تو ان کو جمع کیا جائے ورنہ الگ الگ منفرداً یا جماعت سے پڑھ لی جائیں۔ قبیل مغرب یہاں سے مزدلفہ کے لئے واپسی ہوگی اور مغرب وعشاء مزدلفہ ہی میں پہنچ کر جمع کر کے پڑھی جائیں گی۔ اگر کسی نے عرفات یا راستہ میں مغرب پڑھ لی تو واجب الاعادہ ہوگی۔ یہ جمع بین الصلوٰتین مزدلفہ میں واجب ہے۔

مشعر الحرام۔ ایک پہاڑ ہے۔ وادی محسر کو چھوڑ کر سارا مزدلفہ موقف ہے جہاں چاہے ٹھہر جائے۔

قریش کا غرور نسلی:.......... قریش غرور نسلی اور نسبی کی وجہ سے نیز تجارت اور کاروبار دنیا کے انہماک کی وجہ سے وہ حج کے لئے عرفات تک جانا بھی اپنے لئے پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ''بھاگتوں کی اگاڑی اور مارتوں کی پچھاڑی'' کا مصداق یہیں رہ کر وقوف بعرفہ اور مزدلفہ کر لیتے تھے۔ دوسرے لوگ دور دراز کی مسافت طے کر کے آگے جاتے پھر واپس آتے اس آیت میں اس کی اصلاح فرمائی گئی ہے۔ باقی کما ھدٰکم اس لئے کہہ دیا گیا ہے کہ کوئی شخص جمع بین الصلوٰتین پر شبہات نہ کرنے لگے۔

خرید وفروخت اور حج:.......... رہی تجارت اور کاروبار اس کو نہ مطلقاً منع کیا گیا ہے اور نہ مطلقاً اس کی ہمت افزائی کی گئی ہے۔ بلکہ دوسرے جائز کاموں کی طرح یہ بھی ایک مباح کام ہے البتہ منافی اخلاص ہونا نہ ہونا اس میں اصل دارومدار نیت پر ہے اگر مقصود اصلی صرف حج ہے تو خواہ تجارت ہو یا نہ ہو۔ تجارت صرف ایک تابع کی حیثیت میں ہے تو نہ صرف یہ کہ اخلاص کے خلاف نہیں ہے بلکہ تجارت کے منافع سے اگر افعالِ حج میں اور ادائیگی مناسک میں اعانت ملتی ہو تو مزید ثواب کا استحقاق اور امید ہے اور اگر اصل منشاء کاروبار ہے حج صرف ایک ذیلی اور ضمنی درجہ رکھتا ہے تو یقیناً یہ صورت منافی اخلاص ہوگی اور دونوں اگر مساوی درجہ ہیں تو مباح اور منافی

اخلاص ہونے میں بھی برابر رہیں گے اور قلب کی کیفیت اور حقیقت حال کی اصل اطلاع اللہ تعالیٰ کو ہے جو عالم السرائر ہیں۔ زبان آوری اور سینہ زوری سے کام نہیں چلے گا۔

وظائف مزدلفہ اور مشاغل منیٰ:............ بہر حال دسویں تاریخ کی نماز فجر مزدلفہ میں ادا کر کے طلوع آفتاب کے قریب منیٰ کے لئے سفر کرے اور منیٰ میں پہنچ کر تین پتھر کچھ فاصلہ سے نصب ہیں ان میں رمی کی جائے گی۔ اس طرح دسویں تاریخ کو صرف جمرۂ عقبیٰ کی رمی کی جائے گی۔ سات کنکریاں مارے اور ہر کنکر پر تکبیر کہنا مستحب ہے۔ اس سے فارغ ہو کر قربانی کرے اور بال کٹوائے، پہلے دن کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن دوسرے تیسرے روز یعنی گیارہویں بارہویں تاریخ کی رمی کا وقت بجائے صبح صادق کے زوال آفتاب سے شروع ہو جاتا ہے اور دونوں تینوں دن پتھروں کی رمی کی جائے گی اور ہر کنکری پر تکبیر مستحب ہے۔ اب تینوں پتھروں کی رمی سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ جانا چاہے تو اختیار ہے اور اگر تیرہویں شب گزار دی تو پھر تیرہویں کی صبح کو تینوں جمروں کی رمی کرنا ضروری ہو جائے گا۔ البتہ آج کے دن اتنی رعایت ہے کہ پہلے روز کی طرح اس دن بھی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے۔ آیت میں تاخیر وتعجیل کا یہی مطلب ہے۔ حج کا دوسرا ضروری رکن طواف زیارت ہے وہ کر لیا جائے اس کے بعد کافر ومومن کی دعاؤں کا ذکر ہے کہ۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

عوام وخواص کا فرق:............ آیت فلا رفث سے معلوم ہوا کہ عوام وخاص کے معاملات میں فرق ہوتا ہے اور حج کو بہ نسبت دوسری عبادات کے ایک خاص قربت حاصل ہے اور فان خیر الزاد سے معلوم ہوتا ہے کہ ضعفاء کے لئے اسباب نیں حکمت ہے اور چونکہ تلاشہ سبب ہے تقویٰ کا اور تقویٰ واجب ہے اور واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے اس لئے سروسامان کرنا ہی ضروری ٹھہرا۔ لیس علیکم جناح سے معلوم ہوا کہ دنیا [illegible] کی معین بن جائے تو وہ بھی طاعت میں داخل ہے۔ ومن تاخر فلا اثم علیہ سے معلوم ہوا کہ رخصت عزیمت کے مساوی [illegible]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ [illegible] **حَيٰوةِ الدُّنْيَا** وَلَايُعْجِبُكَ فِى الْاٰخِرَةِ لِمُخَالَفَتِهٖ لِاعْتِقَادِهٖ **وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَافِىْ قَلْبِهٖ** لا اَنَّهٗ مُوَافِقٌ لِقَوْلِهٖ **وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ﴿۲۰۴﴾** شَدِيْدُ الْخُصُوْمَةِ لَكَ وَلِاَتْبَاعِكَ لِعَدَاوَتِهٖ لَكَ وَهُوَ الْاَخْنَسُ بْنُ شَرِيْقٍ كَانَ مُنَافِقًا حُلْوَ الْكَلَامِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْلِفُ اَنَّهٗ مُؤْمِنٌ بِهٖ وَمُحِبٌّ لَهٗ فَيُدْنِيْ مَجْلِسَهٗ فَاَكْذَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ ذٰلِكَ وَمَرَّ بِزَرْعٍ وَحُمُرٍ لِبَعْضِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاَحْرَقَهٗ وَعَقَرَهَا لَيْلًا كَمَا قَالَ تَعَالٰى **وَاِذَا تَوَلّٰى** اِنْصَرَفَ عَنْكَ **سَعٰى** مَشٰى **فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ** ط مِنْ جُمْلَةِ الْفَسَادِ **وَاللّٰهُ لَايُحِبُّ الْفَسَادَ﴿۲۰۵﴾** اَىْ لَايَرْضٰى بِهٖ **وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ** فِىْ فِعْلِكَ **اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ** حَمَلَتْهُ الْاَنَفَةُ وَالْحَمِيَّةُ عَلَى الْعَمَلِ **بِالْاِثْمِ** الَّذِىْ اُمِرَ بِاتِّقَائِهٖ **فَحَسْبُهٗ** كَافِيْهِ **جَهَنَّمُ** ط **وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴿۲۰۶﴾** اَلْفِرَاشُ هِىَ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ** يَبِيْعُ **نَفْسَهُ** اَىْ يَبْذُلُهَا فِىْ طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى **ابْتِغَآءَ** طَلَبَ **مَرْضَاتِ اللّٰهِ** ط رِضَاهُ وَهُوَ صُهَيْبٌ لَمَّا اٰذَاهُ الْمُشْرِكُوْنَ هَاجَرَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَتَرَكَ لَهُمْ

مَالَہٗ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ حَيْثُ اَرْشَدَهُمْ لِمَا فِيْهِ رِضَاهُ

ترجمہ: .... اور بعض آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ آپ کو ان کی گفتگو مزیدار معلوم ہوگی، دنیاوی لحاظ سے (لیکن آخرت میں وہ تعجب خیز نہیں معلوم ہوگی بوجہ خلاف عقیدہ ہونے کے) اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر بتلاتا ہے اپنے دلی اعتقاد پر (کہ وہ اس کے اقرار کے مطابق ہے) حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے (آپ سے دشمنی ہونے کے سبب آپ کے اور آپ کے خدام کے حق میں سخت لڑاکا ہے۔ یعنی اخنس بن شریق جو کہ منافق ہونے کے ساتھ شیریں کلام بھی ہے اپنی چرب زبانی سے آنحضرت ﷺ کے سامنے قسمیں کھا بیٹھتا کہ وہ مؤمن اور آپ کا عاشق زار ہے۔ چنانچہ مجلس مبارک میں اس کو آگے جگہ مل جاتی۔ حق تعالیٰ اس کی تکذیب فرما رہے ہیں۔ ایک روز کی بات کہ وہ مسلمانوں کے کھیت اور سواری کے جانوروں پر گزرا تو رات کے وقت کھیتی کو آگ لگادی اور جانوروں کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ چنانچہ ارشاد ہے) جب واپس ہوتا ہے (آپ کی مجلس سے) دوڑ دھوپ کرتا (چلتا پھرتا) ہے تا کہ شہر میں فساد برپا کردے اور مویشی تلف کردے (یہ بھی اس کے فساد کا ایک حصہ ہے) اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے (خوش نہیں ہوتے) اور جب اس سے کوئی کہتا ہے کہ خدا کا خوف کرو (اپنی حرکتوں کے بارہ میں) تو آمادہ کردیتی ہے اس کو نخوت (ابھار دیتی ہے بڑائی اور عار اس کو) گناہ (کی کاروائی پر جس سے اس کو بچنے کا حکم دیا گیا تھا) سو ایسے شخص کے لئے بس (کافی) ہے جہنم اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ (بستر ہے وہ) اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ اپنی جان تک صرف کر (بیچ) ڈالتے ہیں (یعنی اس کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کردیتے ہیں) تلاش (طلب) میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی (رضا جوئی میں اس سے مراد حضرت صہیبؓ ہیں۔ مشرکین نے جب ان کو ستانا شروع کیا تو اپنا سارا مال ان کو دے دلا کر ہجرت فرمائے مدینہ طیبہ ہوگئے) اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حال پر بڑے ہی مہربان ہیں (کہ ان کو اپنی رضا جوئی کو توفیق بخشی ہے)

تحقیق وترکیب: .... فی الحیوٰۃ الدنیا اس کا تعلق قول کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے یعنی یہ تمام خوشامدانہ گفتگو دنیاوی غرض سے ہوتی ہے۔ لیکن جلال محققؒ نے یعجبک سے اس کا تعلق کیا ہے۔ ال[illegible] محقق جلالؒ نے شدید الخصومۃ کے ساتھ ترجمہ کرکے اشارہ کردیا ہے کہ الد اسم تفضیل نہیں ہے بلکہ صفت کا صیغہ ہے جس کی اضافت [illegible]ل کی طرف ہورہی ہے جیسے جد جدہ اور علامہ زمخشری اضافۃ بمعنی فی کرتے ہیں۔ اس کے صفت مشبہ ہونے کی دلیل یہ ہے [illegible] جمع لداد اور مؤنث لداء آتا ہے الخصام المخاصمۃ. اخذتہ العزۃ کہا جاتا ہے اخذتہ بکذا اذا حملتہ علیہ و [illegible] ایاہ.

اخنس اس کا نام ابی یا وریدا اور لقب اخنس ہے۔ خنس کے معنی پیچھے ہٹنے کے ہیں۔ غزوۂ بدر میں بنی زہرہ کے تین سو (۳۰۰) ساتھیوں سمیت یہ منافق آنحضرت ﷺ سے یہ کہہ کر الگ ہوگیا کہ ان محمدا ابن اختکم فان یک کاذ با کفا کموہ الناس وان یک صادقًا کنتم اسعد الناس بہ. سب نے کہا کہ پھر آپ کی کیا رائے ہے اس نے کہا میں تو پیچھے ہٹتا ہوں۔ یہ آیت اس کے متعلق نازل ہوئی یا عام منافقین کے بارہ میں۔

ویھلک الحرث اس کا عطف لیفسد پر ہے عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے من جملۃ الفساد ای ھذا من جملۃ الفساد. الانفۃ والحمیۃ. انف بمعنی کبر اور حمیت بمعنی ننگ وعار بالاثم باملابستہ اور ایتان کے لئے ہے۔ جس کو علماء بدیع تمیم کہتے ہیں۔ بئس المہاد اس میں تہکم واستہزاء ہے اور ھی مخصوص بالذات محذوف ہے۔

ربط: .... پچھلی آیت میں کافر اور مومن کی دعاؤں کا تذکرہ آچکا ہے ایک منافق اور مخلص کا تذکرہ ان دو آیات میں کیا جارہا ہے اس طرح چار طرح کے لوگوں کا بیان پورا ہوگیا ہے۔

شانِ نزول:............ آیت و من الناس من یعجبک کا شانِ نزول جلال محقق مفسر تفصیل سے ذکر فرما چکے ہیں۔ اور آیت و من الناس من یشری کے شانِ نزول کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ سعید بن مسیبؓ کہتے ہیں کہ صہیبؓ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش ان کے پیچھے لگ گئے اور ان کو سواری سے اتار کر ان کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ انہوں نے کہا اے قریش تمہیں میری تیراندازی معلوم ہے کہ تم میں سے ایک بھی میرے قریب نہیں آ سکتا تھا اور میرے تلوار کے ہاتھ بھی معلوم ہیں۔ تاہم میرا کل مال لے کر میرا راستہ چھوڑ سکتے ہو؟ سب نے کہا ہاں غرضکہ سارا مال حوالہ کر کے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو زبانِ نبوت سے کلماتِ بشارت نکلے کہ "ربح البیع ابا یحیی" یعنی تجارت کامیاب رہی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:...... باطل پرست اور اہل حق کا فرق:............ دنیا پرستی کا غرور انسان کو خدا پرستی اور راست بازی سے روک دیتا ہے اور طاقت حاصل ہونے پر نفس پرستی میں وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جو ظلم پسند انسان کر سکتا ہے اس کے بالمقابل جو لوگ سچے خدا پرست اور اہل حق ہوتے ہیں ان کے پیش نظر نفس پرستی کی بجائے رضائے الٰہی ہوتی ہے۔ ایک دنیا پرست سب کچھ اپنے نفس پر قربان کر دیتا ہے۔ لیکن رضائے الٰہی کے طالب راہِ مولیٰ میں خود اپنے نفس کو بھی قربان کر دیتے ہیں۔ دنیاوی طاقت کے متوالوں سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو ان کا غرور گھمنڈ انہیں اور زیادہ ظلم وطغیان پر آمادہ کر دیتا ہے۔ لیکن شراب الٰہی سے سرشار اور بادۂ الست کے مست سب کچھ لٹا کر، مال ومتاع کھو کر ایک کو پانے کی جستجو میں کامرانی حاصل کر لیتے ہیں۔ "فلیتنا فس المتنا فسون"

تکبر اور فنائے نفس:............ و اذا قیل لہ اتق اللہ سے معلوم ہوا کہ متکبرین کو وعظ ونصیحت غیر مفید ہوتا ہے اور و من الناس من یشری اس میں مرتبہ فنائے نفس کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ حاصل اس کا دواعی نفس کا چھوڑنا ہے۔

وَنَزَلَ فِیْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِہٖ لَمَّا عَظَّمُوا السَّبْتَ وَکَرِھُو الْاِبِلَ وَاَلْبَانَھَا بَعْدَ الْاِسْلَامِ **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ** بِفَتْحِ السِّیْنِ وَکَسْرِھَا الْاِسْلَامِ **کَآفَّۃً** حَالٌ مِنَ السِّلْمِ اَیْ فِیْ جَمِیْعِ شَرَائِعِہٖ **وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ** طُرُقِ الشَّیْطٰنِ اَیْ تَزْیِیْنِہٖ بِالتَّفْرِیْقِ **اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۰۸﴾** بَیِّنُ الْعَدَاوَۃِ **فَاِنْ زَلَلْتُمْ** مِلْتُمْ عَنِ الدُّخُوْلِ فِیْ جَمِیْعِہٖ **مِّنْۢ بَعْدِ مَاجَآءَتْکُمُ الْبَیِّنٰتُ** اَلْحُجَجُ الظَّاھِرَۃُ عَلٰی اَنَّہٗ حَقٌّ **فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ** لَایُعْجِزُہٗ شَیْءٌ عَنِ انْتِقَامِہٖ مِنْکُمْ **حَکِیْمٌ ﴿۲۰۹﴾** فِیْ صُنْعِہٖ **ھَلْ مَا یَنْظُرُوْنَ** یَنْظُرُ التَّارِکُوْنَ الدُّخُوْلَ فِیْہِ **اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَھُمُ اللّٰہُ** اَیْ اَمْرُہٗ کَقَوْلِہٖ اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّکَ اَیْ عَذَابُہٗ **فِیْ ظُلَلٍ** جَمْعُ ظُلَّۃٍ **مِّنَ الْغَمَامِ** السَّحَابِ **وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ** تَمَّ اَمْرُ اِھْلَاکِھِمْ **وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾** بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ فِی الْاٰخِرَۃِ فَیُجَازِیْ

۲۵ ع ۱۴ ۹

ترجمہ:............ (عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے رفقاء چونکہ اسلام لانے کے بعد بھی سنیچر کے دن کا احترام اور اونٹ کے گوشت اور دودھ سے پرہیز کرتے تھے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی) اے ایمان والو! اسلام میں داخل ہو جاؤ (سلم سین کے فتح اور کسرہ کے ساتھ) پوری طرح (یہ لفظ سلم سے حال ہے یعنی تمام احکامِ دین میں داخل ہو جاؤ) اور نہ چلو شیطان کے قدم بقدم (مراد اس کے وسوسہ اندازی

در بارہ تفریق دین ہے) بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (ظاہر العداوت) پھر اگر پھسل جاؤ (پورے اسلام میں داخل ہونے سے لغزش میں آجاؤ) تمہارے پاس کھلی دلیلیں آنے کے بعد (دلائل واضحہ اس کے حق ہونے پر) سو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (تمہارے سے انتقام لینے سے کوئی چیز ان کو باز نہیں رکھ سکتی) حکمت والے ہیں (اپنی کاری گری میں) نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ لوگ (دخول فی الاسلام کو چھوڑنے والے منتظر نہیں ہیں) مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے پاس آجائیں (یعنی ان کا حکم آجائے۔ چنانچہ دوسری آیت میں اویاتی امر ربک ہے یعنی اللہ کا عذاب) سائبانوں میں (ظلل جمع ظلہ کی) بادل کے اور فرشتے بھی اور سارا قصہ ہی ختم ہو جائے (یعنی ان کی بربادی کا قضیہ پورا ہو جائے) اور یہ تمام مقدمات اللہ ہی کی طرف رجوع کئے جائیں گے۔ (ترجع مجہول اور معروف ہے یعنی آخرت میں کہ اللہ ہی جزا دیں گے)

تحقیق وترکیب:............ **فی السلم** س، ل، م، میں صلح کے معنی رکھے ہوئے ہیں۔ بیع سلم استسلام، سلمٰی، سلمان، سلیمان مسلمان، سلیم سب میں انقیاد واطاعت کے معنی رکھے ہوئے ہیں۔ کافۃ یہ لفظ حرب کی طرح مؤنث ہے اور سلم سے حال ہے۔ یا ادخلو کی ضمیر سے اور اس میں اشارہ ہے کہ یہ لفظ ذوی العقول کے ساتھ خاص نہیں ہے دراصل یہ صفت ہے **کف یکف** بمعنی منع جملہ کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے اجزاء کے لئے مانع ہوتا ہے تفریق سے تا تانیث ہے یا نقل عن الوصفیۃ الی العلمیۃ کی ہے جیسے **عامۃ خاصۃ** یا مبالغہ کے لئے۔ **ای تزئینہ**، جلال مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ کلام علی حذف المضاف ہے۔ طرق کی تفسیر نہیں ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے **طرق تزئین الشیطان** اور تزئین سے مراد شیطانی وساوس ہیں اور طرق سے مراد ان کے آثار جیسے دودھ گوشت کی حرمت۔ ہفتہ کے روز کا احترام، ھل بمعنی نفی۔ اس لئے اس کے بعد الا آیا ہے **ای امرہ** سے جلال محققؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ایتان کی اسناد اللہ کی طرف مجازی ہے، مراد حکم خداوندی کا آنا ہے۔ دوسری آیت سے اس کی تصریح پیش کر دی۔ اسی طرح ایک اور موقع پر فرمایا گیا **ھل ینظرون الا ان یاتیھم الملئکۃ اویاتیھم امر ربک**. **والملئکۃ** کا عطف اللہ پر ہے۔ فی ظلل یہ ایتان کا ظرف ہے یعنی اللہ کا عذاب بادل کی شکل میں ہوگا دیکھنے والا باران رحمت سمجھے گا لیکن درحقیقت زحمت ہو۔ ظلل جمع ظلۃ کی ہے جیسے **قلل** جمع قلۃ کی جو چیز سایہ فگن ہو جیسے بادل **وقضی الامر** یعنی قضاء بمعنی اتمام ہے اور لام عہد کا ہے۔ **ترجع** اگر متعدی ہے تو مصدر رجع ہے ضرب کی طرح اور اگر لازمی ہے تو مصدر **رجوع** ہے بمعنی رد اور دونوں قرائتوں میں **فی الاخرۃ** متعلق ہے **ترجع** سے۔ **فیجازی** یعنی حق تعالیٰ کا مقصد یہ اطلاع دینا ہے کہ اعمال جزاء اور سزا دی جائے گی ورنہ سب چیزوں کا مرجع اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔

ربط:............ پچھلی آیت میں ایک مخلص کا ذکر تھا۔ لیکن بعض دفعہ اخلاص کی زیادتی اور اطاعت کے جذبہ سے اس میں غلو اور افراط ہو جاتا ہے جو بظاہر دیکھنے میں تو غایت اطاعت ہوتی ہے لیکن درحقیقت اور بنظر غائر حدود سنت وشریعت سے تجاوز ہوتا ہے جو بدعت حاصل ہے۔ آیت ذیل میں اس کی اصلاح فرمائی جارہی ہے۔

شان نزول:............ ابن جریرؒ نے عکرمہؓ سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن سلامؓ، ثعلبہؓ، ابن یامینؓ، اسدؓ، اسیدؓ، سعید بن عمروؓ، قیس بن زیدؓ، جو اسلام میں داخل ہوئے تو آنحضرت ﷺ سے ان اشیاء مذکورہ کی حرمت واحترام کی اجازت چاہی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:...... **خلاصہ دین:**............ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام کی مکمل اطاعت فرض ہے اور کمال اسلام کے لئے جہاں اس کے تمام داخلی اجزاء وارکان اور اسی طرح تمام شرائط کی پابندی ضروری ہے۔ وہیں بیرونی چیزوں سے احتیاط بھی حد درجہ ضروری ہے یعنی اسلام میں جس چیز کی رعایت نہ کی گئی ہو دین ہونے کی حیثیت سے اس کی رعایت نہ کی جائے۔ اگر شروع ہی۔

حفاظتِ اسلام کے سلسلہ میں اس درجہ احتیاط نہ کی جاتی تو کچھ دنوں میں اس تساہل کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلام چوں چوں کا مربہ ہوکر رہ جاتا۔ یعنی اول اس کی صورت شخصیہ، نوعیہ، جنسیہ بدلتی، پھر ہیولیٰ بھی تبدیل ہوکر رہ جاتا۔ اس سے احداث فی الدین کی بُرائی واضح ہے جس کا حاصل بدعت ہے۔

بدعت کے خطرناک نقصانات:............ بدعات کو دین سمجھنا ایک شیطانی لغزش ہوگی اور ظاہری گناہوں کی نسبت اس کا ضرر دوررس اور زیادہ نقصان رساں ہوگا اور اس پر عذاب کا زیادہ گمان اور مظنہ ہوگا۔ اسی لئے اس آیۃ میں اور اس سے زیادہ صریح وعیدیں اور ملامت احادیث میں بیان کی گئی ہے اور علمائے حق نے ہمیشہ اس پر اظہار نفرت و برأت ضروری سمجھا اور حقیقت کے لحاظ سے بدعت نہایت خطرناک چیز ہے کیونکہ اس کا حاصل غیر دین کو دین بنانا ہوتا ہے اور چونکہ دین من اللہ ہوتا ہے تو گویا جو چیز واقع میں خدائی حکم نہیں ہے اس کو یہ اپنے اعتقاد میں خدائی حکم سمجھتا ہے۔

بدعتی اللہ پر بہتان اور نبی پر کذب بیانی کرتا ہے:............ یہ گویا خدا پر اس کی طرف سے ایک قسم کا بہتان ہوا اور صرف یہی نہیں بلکہ ایک درجہ میں نبی کی تنقیص بھی کرتا ہے اور اس پر الزام رکھتا ہے کہ نبی ہونے کے باوجود ایک ضروری چیز اس سے رہ گئی تھی جس کو گویا میں پورا کررہا ہوں۔ تو ایک لحاظ سے اپنے لئے اس میں ادعاء نبوت بھی ہوا اور ساتھ ہی نبی کی شان میں تنقیص بھی ہوئی۔ اس سے بڑھ کر بدعت کی اور بُرائی کیا ہوسکتی ہے اور سب سے بدترین اثر بدعت کا یہ ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو توبہ کی توفیق بہت ہی کم نصیب ہوتی ہے۔ کیونکہ جب وہ اس کام کو بُرا ہی نہیں سمجھتا بلکہ ثواب اور نیکی سمجھتا ہے تو پھر توبہ کیسی، الا یہ کہ اللہ ہی توفیق دے دے اور اس کی آنکھ کھل جائے تو دوسری بات ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ جس درجہ جو شخص بدعات میں گرفتار ہوتا ہے اتنا ہی وہ برکاتِ سنت اور انوارِ شریعت سے محروم رہتا ہے۔ کیا تصوف اور اسلام کے نادان دوست اس سے عبرت اور سبق حاصل کریں گے؟

مقام تسلیم ورضاء:............ ادخلوا فی السلم کافۃ میں اشارہ ہے مقامِ تسلیم ورضاء بالقضاء کی طرف۔

دریائے خون:............ الا ان یاتیھم اللہ فی ظلل عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن عباسؓ کی روایتوں میں اللہ تعالیٰ کا بروز قیامت عرش اعظم سے بادل کے سائبانوں میں آنا اور فرشتوں کا گرداگرد جمع ہوکر آنا بیان کیا گیا ہے۔ دراصل یہ متشابہ الفاظ میں سے ہے۔ جس طرح حق تعالیٰ کی ذات وصفات بے چون وچگون ہیں۔ اسی طرح اس کے آنے پر بالاجمال بلا تفصیلِ کیف ایمان لانا چاہئے بندے اور اس کے علم کی بساط ہی کیا ہے جو اس خون کے سمندر میں گھسنے کی کوشش کرے۔

سَلْ یَا مُحَمَّدُ **بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ** تَبْکِیْتًا **کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ** کَمْ اِسْتِفْھَامِیَّۃٌ لِسَلْ مِنَ الْمَفْعُوْلِ الثَّانِیْ وَھِیَ ثَانِیْ مَفْعُوْلَیْ اٰتَیْنَا وَمُمَیِّزُھَا **مِّنْ اٰیَۃٍ بَیِّنَۃٍ** ظَاھِرَۃٍ کَفَلْقِ الْبَحْرِ وَاِنْزَالِ الْمَنِّ وَالسَّلْوٰی فَبَدَّلُوْھَا کُفْرًا **وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَۃَ اللّٰہِ** اَیْ مَا اَنْعَمَ بِہٖ عَلَیْہِ مِنَ الْاٰیَاتِ لِاَنَّھَا سَبَبُ الْھِدَایَۃِ **مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْہُ** کُفْرًا **فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ**﴿۲۱۱﴾ لَہٗ **زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا** مِنْ اَھْلِ مَکَّۃَ **الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا** بِالتَّمْوِیْہِ فَاَحَبُّوْھَا **وَ ھُمْ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** لِفَقْرِھِمْ کَعَمَّارٍ وَبِلَالٍ وَصُھَیْبٍ اَیْ یَسْتَھْزِءُوْنَ بِھِمْ وَیَتَعَالَوْنَ عَلَیْھِمْ بِالْمَالِ **وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا** الشِّرْکَ وَھُمْ ھٰٓؤُلَآءِ **فَوْقَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ**﴿۲۱۲﴾ اَیْ رِزْقًا

وَاسِعًا فِی الْاٰخِرَۃِ اَوِ الدُّنْیَا بِاَنْ یُّمْلِكَ الْمَسْخُوْرُ مِنْهُمْ اَمْوَالَ السَّاخِرِیْنَ وَرِقَابَهُمْ **كَانَ النَّاسُ اُمَّةً**
وَّاحِدَةً قف عَلَی الْاِیْمَانِ فَاخْتَلَفُوْا بِاَنْ اٰمَنَ بَعْضٌ وَّكَفَرَ بَعْضٌ **فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ** اِلَیْهِمْ **مُبَشِّرِیْنَ** مَنْ اٰمَنَ
بِالْجَنَّةِ **وَمُنْذِرِیْنَ** ص مَنْ كَفَرَ بِالنَّارِ **وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ** بِمَعْنَی الْكُتُبِ **بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلَ **لِیَحْكُمَ** بِهٖ
بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ط مِنَ الدِّیْنِ **وَمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ** اَیِ الدِّیْنِ **اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ** الْكِتَابَ فَاٰمَنَ
بَعْضٌ وَّكَفَرَ بَعْضٌ **مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ** اَلْحُجَجُ الظَّاهِرَةُ عَلَی التَّوْحِیْدِ وَمِنْ مُتَعَلِّقَةٌ بِاخْتَلَفَ
وَهِیَ وَمَا بَعْدَهَا مُقَدَّمٌ عَلَی الْاِسْتِثْنَاءِ فِی الْمَعْنٰی **بَغْیًا** مِنَ الْكٰفِرِیْنَ **بَیْنَهُمْ** ج **فَهَدَی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا**
لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ لِلْبَیَانِ **الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ** ط بِاِرَادَتِهٖ **وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ** هِدَایَتَهٗ **اِلٰی صِرَاطٍ**
مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۱۳﴾ طَرِیْقِ الْحَقِّ وَنَزَلَ فِیْ جُهْدٍ اَصَابَ الْمُسْلِمِیْنَ **اَمْ** بَلْ **حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا** لَمْ
یَاْتِكُمْ مَّثَلُ شِبْهُ مَا اَتٰی **الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ** ط مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنَ الْمِحَنِ فَتَصْبِرُوْا كَمَا صَبَرُوْا **مَسَّتْهُمُ**
جُمْلَةٌ مُّسْتَانِفَةٌ مُّبَیِّنَةٌ لِمَا قَبْلَهَا **الْبَاْسَآءُ** شِدَّةُ الْفَقْرِ **وَالضَّرَّآءُ** الْمَرَضُ **وَزُلْزِلُوْا** اُزْعِجُوْا بِاَنْوَاعِ الْبَلَاءِ **حَتّٰی**
یَقُوْلَ بِالنَّصَبِ وَالرَّفْعِ اَیْ قَالَ **الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ** اِسْتِبْطَاءً لِلنَّصْرِ لِتَنَاهِی الشِّدَّةِ عَلَیْهِمْ **مَتٰی**
یَاْتِیْ **نَصْرُ اللّٰهِ** ط الَّذِیْ وُعِدْنَاهُ فَاُجِیْبُوْا مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ تَعَالٰی **اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ** ﴿۲۱۴﴾ اِتْیَانُهٗ

ترجمہ: .... ذرا پوچھئے (اے محمدؐ) بنی اسرائیل سے (ڈانٹ کر) کہ ہم نے ان کو کتنی (کم استفہامیہ ہے۔ سل کو مفعول ثانی میں عمل دینے سے اس نے روک دیا ہے اور کم فعل اٰتینا کا مفعول ثانی ہے اور اس کا ممیز ہے من اٰیۃ) واضح دلیلیں دی ہیں (کھلی جیسے سمندر کا پھٹنا، من وسلویٰ کا نازل ہونا۔ لیکن انہوں نے ان کو کفر سے بدل دیا) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدلتا ہے (یعنی جن آیات اور دلائل کا اس پر انعام کیا ہے۔ کیونکہ وہ نعمت ہی باعث ہدایت بنتی ہے) اس کے پاس پہنچنے کے بعد (کفر کر کے) تو یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں (ایسے شخص کو) آراستہ پیراستہ معلوم ہوتی ہے کفار (اہل مکہ) کو دنیاوی زندگی (ملمع سازی کی وجہ سے اس لئے اس سے محبت کرتے ہیں) اور یہ (اسی لئے) مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہیں (مسلمانوں کی غربت کی وجہ سے جیسے عمارؓ و بلالؓ و صہیبؓ یعنی ان پر بہتان کستے ہیں اور مال کی وجہ سے ان پر رعب جماتے ہیں) حالانکہ جو لوگ بچتے ہیں (شرک سے یہی مسلمان) ان کافروں سے بالا رہیں گے قیامت میں اور روزی تو اللہ جس کو چاہتے ہیں بے اندازہ دیتے ہیں (دین یا دنیا میں کشادہ رزق اس طرح کہ مذاق اڑانے والوں کے مال اور گردنوں کا مالک تمسخر زدہ لوگوں کو بنا دے) پہلے سب لوگ ایک ہی طریقہ پر تھے (یعنی ایمان پر، یعنی کچھ لوگوں نے ایمان اور کچھ لوگوں نے کفر اختیار کر کے اختلاف قائم کر دیا) پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو (ان کے پاس) بھیجا جو خوشخبری سناتے تھے (ایمانداروں کو جنت کی) اور ڈراتے رہتے تھے (کافروں کو جہنم سے) اور ان کے ساتھ اتاری کتابیں بھی (کتاب بمعنی کتب) صحیح طریقہ پر (بالحق متعلق ہے انزل کے) اس لئے تاکہ فیصلہ کر سکیں ان کے ذریعہ لوگوں کے (دینی) اختلافات کا اور (دین کے باب میں) کسی نے اختلاف برپا نہیں کیا۔ بجز ان لوگوں کے جن کو (وہ کتابیں) دی گئی تھیں

(چنانچہ بعض لوگ ایمان لاسکے اور بعض نے کفر کیا) ان کے پاس کھلے دلائل پہنچنے کے بعد (توحید پر روشن دلائل قائم ہونے کے بعد اور من متعلق ہے اختلف سے اور یہ من اور اس کا مابعد۔ یعنی بغیا دراصل استثناء سے معنی مقدم تھا) محض (کافروں کی) باہمی ضدا ضدی کی وجہ سے پھر رہنمائی فرمادی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی اس امر حق کے سبب جس میں لوگ اختلاف کیا کرتے تھے (من بیانیہ ہے) بفضلہ تعالیٰ (مشیتِ الٰہی سے) اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں (ہدایت دینا) راہ راست (حق کا راستہ) دکھلا دیتے ہیں (مسلمانوں کو جب انتہائی مصیبتیں پہنچنی شروع ہوئیں تو یہ آیت نازل ہوئی) اچھا دوسری بات سنو کیا (ام بمعنی بل یعنی منقطعہ) تمہارا خیال یہ ہے کہ جنت میں جا داخل ہوگے حالانکہ ابھی تو تمہیں ان جیسی عجیب باتیں بھی پیش نہیں آئیں (جو آزمائشیں) تم سے پہلے لوگوں کو پیش آچکی ہیں (مؤمنین پر مصائب پڑے لیکن انہوں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو) واقع ہوئی ہے ان پر (یہ جملہ مستانفہ ماقبل کا بیان ہے) ایسی ایسی تنگی (انتہائی غربت) اور سختی (بیماری) اور ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں (طرح طرح کی ہولناکیوں اور شدتوں سے دل دہل گئے) کہ چیخ اٹھے (یقول نصب اور رفع کے ساتھ ہے بمعنی قال) پیغمبر اور ان کے ہمراہی اہل ایمان (امداد الٰہی میں تاخیر اور مصیبت کی انتہائی شدت کی وجہ سے) کہ کب (آئے گی) اللہ تعالیٰ کی امداد (کہ جس کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ منجانب اللہ ان کو جواب دیا گیا) ہاں بے شک اللہ کی نصرت تم سے نزدیک (آنے والی) ہے۔

تحقیق وترکیب: .... سل صیغۂ امر تعلیل شدہ ہے۔ دراصل اسئل تھا۔ ہمزہ کا فتح سین کو دے کر ہمزہ حذف کردیا۔ اول ہمزہ وصل کی ضرورت نہیں رہی اس کو بھی حذف کردیا سل رہ گیا۔ مراد اس سے آنحضرت ﷺ یا کُلُّ من سمع ہے مقصد اس سوال سے تفریع ہے جیسا کہ مفسر علام نے تبکیتا کہا ہے اور اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے بڑی تسلی ہے کہ اگر آپ پر ایمان نہیں لائے تو جائے تعجب نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتنے معجزات دیئے گئے مگر پھر بھی یہ منکر ہی رہے معلقۃ افعال قلوب کی ایک خصوصیت تعلیق یعنی صرف لفظاً ابطال عمل ہے حقیقۃً عمل باطل نہیں ہوتا۔ سوال اگر چہ افعال قلوب میں داخل نہیں تاہم سبب عمل ہونے کی وجہ سے اس کو بھی فعل قلب شمار کر کے دو مفعولوں کو نصب دینا اور تعلیق عمل اس کی تاثیر مان لی ہے۔ اس لحاظ سے جملہ کم اتینھم محل نصب میں مفعول ثانی کے قائمقام ہے یا مفعول مطلق کی جگہ ہے۔ ای سلھم عن السوال یا منصوب بنا بر حال کے ہے ای سلھم قائلا کم اتیناھم اور کم کا ممیز من اٰیۃ الخ ہے اگر کم اور اس کے ممیز کے درمیان فاصلہ ہو تو چاہے کم استفہامیہ ہو یا خبریہ۔ بہر صورت من کا داخل کرنا ممیز پر مستحسن ہے تا کہ مفعول اور تمیز میں امتیاز ہو سکے۔ علامہ رضی نے جو کم استفہامیہ کے ساتھ من کے زائد لانے سے انکار کیا ہے وہ بلا فاصلہ کی صورت میں ہے ورنہ فاصلہ کے وقت بھی جواز زیادتی کے قائل ہیں۔ فبدلوھا کفرا اس میں ضمیر ھا مفعول اول اور کفرًا مفعول ثانی ہے ای اخذ و ابدل الایمان کفرًا۔

نعمۃ اللہ جلال محقق نے نعمت اللہ سے مراد دلائل اور آیات لی ہیں۔ کیونکہ آیت سبب ہدایت ہوتی ہے اور ہدایت ہی سب سے بڑا انعام ہے۔ کفرا یہاں بھی بدلوا کا مفعول اول نعمۃ اللہ ہے اور کفر امفعول ثانی مفسر علامؒ نے مقدر مانا ہے۔

من بعد ماجاء تہ ظاہر ہے کہ اللہ کی نعمت جس سے مراد آیات اللہ ہیں ان میں تبدیلی ان کے آنے کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ پھر اس قید لگانے کا کیا فائدہ؟ سو منشاء اس قید کا ان کی گستاخی اور جرأت بے جا کا اظہار اور اشد عذاب کا استحقاق بیان کرنا ہے کہ اول تو اس تبدیلی کی وجہ سے بھی عذاب کے مستحق ہو چکے تھے لیکن سمجھ چکنے کے بعد جان بوجھ کر اس جرم کا ارتکاب مزید استحقاق عذاب کا باعث ہے۔ لہٗ جلال محقق نے من یبدل کی خبر بنانے کیلئے لہٗ مقدر مانا ہے اور بعض من یبدل کو مبتدا ہونے کی وجہ سے محل رفع میں مانتے ہیں۔ اور عائد ضمیر یبدل ہے یا محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہو کہ شدید العقاب لہٗ. زین اس کا فاعل اور خالق حقیقی اللہ تعالیٰ ہے

اور مجازاً مزین شیطان ہے کہ وسوسہ اندازی کرتا ہے۔

وھم ھؤلاء تقدیر مبتداء کی طرف اشارہ ہے اور **والذین** جملہ حالیہ ہے مراد اس سے ضعفاء اور غرباء مؤمنین ہیں۔ **بغیر حساب** قرآن کریم میں لفظ حساب تین معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (۱) تعب کے معنی میں جیسے **ترزق من تشاء بغیر حساب** (۲) عدد کے معنی میں جیسے **انما یوفی الصّٰبرون اجرھم بغیر حساب** (۳) مطالبہ کے معنی میں جیسے **فامنن او امسک بغیر حساب**۔

کان الناس امة مراد اس سے حضرت آدم ونوح علیہما السلام کے درمیان کا زمانہ ہے جو دس قرن کا اور ہر قرن اسی (۸۰) سالہ تھا۔ اس میں سب لوگ ایمان پر متفق تھے بعد میں اختلافات شروع ہوئے اور شدید تر ہوتے چلے گئے تو ایمان قدیم اور کفر حادث ہے۔ رہا قابیل وغیرہ کا کفر تو وہ بہت اقل قلیل تھا ایسے لوگوں کی تعداد برائے نام تھی اور بعض نے اس کا مقصد برعکس بیان کیا ہے کہ **کان الناس امة واحدة کفارًا فبعث الله النبین** یعنی اول کفر متفق علیہ تھا بعد میں ایمان کی وجہ سے اختلاف ہو گیا۔ لیکن علامہ زمخشریؒ نے پہلی صورت کو راجح قرار دیا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت **کان الناس امة واحدة فاختلفوا فبعث الله النبین** رواہ الحاکم اس میں فیہ ہے کہ بعثت انبیاءؑ سے پہلے اختلاف کا ذکر ہے۔ دوسرے کفر پر سب کے اتفاق کا ثبوت کسی زمانہ میں بھی نہیں ہے۔ **الکتاب** الف لام جنس کا ہے یا مفرد جمع کے موقع میں ہے۔ **بالحق**۔ مفسر نے انزل کے متعلق کر کے اس کو ظرف لغو بتایا ہے اور کتاب سے حال بھی ہوسکتا ہے۔

من بعد ماجاء تھم جلال محققؒ اس کو الا **الذین** کی بجائے اختلف سے متعلق کر رہے ہیں۔ اس پر اشکال ہوسکتا تھا کہ الا کا ماقبل اس کے مابعد میں کس طرح عمل کر سکتا ہے اس کو **وھی وما بعد الخ** سے رفع کر دیا۔ جس کا حاصل ہے کہ یہ الا کا مابعد نہیں ہے۔ بلکہ معنًا استثناء پر مقدم ہے اس لئے اختلف کا معمول بننے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ کمالین میں تقدیر عبارت اس طرح لکھی ہے۔ **وما اختلف فیه من بعد مجی البینٰت لاجل البغی احد من الکافرین. الا الذین اوتوا الکتٰب**. اب یہ شبہ بھی نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی الا سے دو (۲) چیزیں کیسے مشتق ہوسکتی ہیں اور اچھی صورت یہ ہے کہ **اختلفوا** کی ضمیر سے **وما اختلف فیه الخ** کو بیان مان لیا جائے اور اختلاف سے مراد راستہ دعوت کا اختلاف ہے کہ بعض نے ایمان قبول کر لیا اور بعض کفر پر رہے **بغیًا** منصوب ہے بناء بر مفعول لہ ہونے کے یا حال کے اور **بینھم** صفت ہے **بغیًا** کی یا حال ہے۔ **باذنه** یہ حال ہے **الذین امنوا** سے ای **ماذونًا لھم** اور **ھدٰی** کا مفعول بھی ہوسکتا ہے۔ ای **ھداھم بامرہ**۔ **ونزل** بعض کی رائے ہے کہ غزوۂ احزاب کے موقعہ پر جب کہ بارہ ہزار مشرکین نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا تھا اور تین سو (۳۰۰) منافقین اندر رہ کر مسلمانوں میں سازشیں کر رہے تھے اور مسلمانوں اور کفار کے درمیان صرف ایک خندق حائل اور رکاوٹ تھی۔ مسلمان انتہاء درجہ سراسیمہ اور پریشان تھے ان آیات کا نزول ہوا اور بعض غزوۂ احد کے موقعہ پر نزول مانتے ہیں اور بعض کے نزدیک مہاجرین جب اموال وجائیداد، مکہ کے مشرکین کے رحم وکرم پر چھوڑ آئے۔ اس وقت بطور تسلی آیات نازل ہوئیں۔ یا مکہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کو حوادث ومصائب کی چکی میں پیسا جا رہا تھا اس وقت ان آیات نے مرہم کا کام کیا۔ غالبًا مفسر نے اسی لئے کسی جہت کی تعیین نہیں کی **ام** منقطعہ بمعنی **بل** ہے **ولما** واؤ حالیہ ہے اور **لما** بمعنی **لم** ہے۔ **مثل** بتقدیر المضاف ہے۔ جلال محققؒ نے شبہ کا لفظ مقدر مانا ہے **من المؤمنین** بیان ہے **الذین** کا اور **من المحن** بیان ہے **ما اتی الذین** کا اور **فتصبروا** کا عطف **لما** کے مدخول پر ہے اس لئے بحذف النون مجزوم ہے اور حیز نفی ہے۔ ای **لم یاتکم مثل ما اتاھم ولم تصبروا** چنانچہ ایک ایک شخص کو آروں سے چیرا گیا، لوہے کی کنگھیوں سے گوشت پوست ادھیڑا گیا اس قسم کے ہولناک اور ناقابلِ تصور مصائب پہلے لوگوں کو پیش آئے ان ہی سے عبرت دلانی مقصود ہے۔

مبینة لما قبلھا بمعنی **الذین خلوا** کا بیان ہے۔ حالانکہ یہ پہلے بیان کے خلاف ہے۔ کیونکہ مثل کے بعد "**ما اتی**" مقدر مانا تھا اسی صورت میں تو یہ **ما اتی الذین** کا بیان ہوا۔ فی الحقیقت نہ کہ مثل کا۔ کیونکہ مثل تو **ما اصاب المؤمنین** ہے اور آیت میں جو مذکور ہے

وہ "مااصاب الذین خلوا" ہے حتی یقول کا مابعد اگر حال ہوتا ہے تو مرفوع ہوتا ہے۔ جیسے مرض فلان حتی لا یرجونه اور اگر مابعد مستقبل ہو تو منصوب ہوتا ہے جیسے سرت حتی ادخل البلد اور حتی کا مابعد اگر ماضی ہو تو قول مذکور کی طرف دیکھا جائے کہ وہ ماقبل کے لحاظ سے مستقبل ہے تو نصب ہونا چاہئے اور اس کی حکایت حال ماضیہ کی طرف نظر کی جائے تو رفع ہونا چاہئے۔ بہر حال یہاں حتیٰ، الی کے معنی میں ہو اور ان مقدر ہو تو یقول منصوب ہو جائے گا ورنہ یقول ماضی کے معنی میں ہوگا تو مرفوع ہوگا اول صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ "الیٰ ان قال الرسول" اور دوسری صورت میں تقدیر اس طرح ہوگی "وزلزلوا فقال الرسول"

متی نصر اللہ متیٰ منصوب علی الظرف ہے اور محلاً مرفوع ہے بنا بر خبر مقدم کے اور نصر مبتدا مؤخر ہے۔ لیکن جلال محققؒ نصر اللہ کو فعل محذوف کا فاعل قرار دے رہے ہیں۔

ربط: .... دلائل واضحہ آجانے کے بعد حق کی مخالفت کو باعث سزا بتلایا گیا تھا۔ آگے اس کے ثبوت میں بنی اسرائیل کی تاریخ پر نظر ڈالنے کا مشورہ ہے۔ دوسری آیت میں مخالفت حق کی علت یعنی حب دنیا کا بیان ہے۔ تیسری آیت میں بھی ساری خرابی کی جڑ دنیا کی محبت کو قرار دیا گیا ہے، چوتھی آیت میں اہل حق کو تسلی دینا ہے کہ وہ اہل دنیا کی تکالیف سے نہ گھبرائیں۔

شانِ نزول: .... شانِ نزول کی تفصیلات کا بیان ابھی گزر چکا ہے۔ یعنی آیت ام حسبتم کو خواہ غزوۂ احزاب سے متعلق کیا جائے یا غزوۂ احد یا قبل الہجرۃ اور بعد الہجرۃ سے۔ جبکہ مسلمانوں کو مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ اس سلسلہ میں ان آیات کا نزول ہوا۔

﴿تشریح﴾: ...... آیات بینات سے مراد تورات کا عطا ہونا، کلام الٰہی سنانا، فرعونیوں سے نجات بخشنا، من وسلویٰ کا نازل فرمانا وغیرہ ہے کہ جن سے بجائے طاعت کے مزید سرکشی اور طغیانی بڑھی۔

رزق کی فراوانی دلیلِ مقبولیت نہیں ہے:

.... کسی پر رزق کی فراوانی اس کے مقبول ہونے کی دلیل نہیں ہے اور نہ ہی کمال کی علامت ہے بلکہ اگر طاعت کی بجائے معاصی کے ساتھ یہ سب چیزیں جمع ہیں تو یہ سب استدراج اور ڈھیل ہوگی۔ غرضکہ روزی کا اصل بدلہ قسمت پر ہے قبولیت وکمال پر نہیں ہے کہ جو زیادہ مالدار ہو وہ بڑا با کمال بھی ہو اور جو انتہائی غریب ہو تو وہ بے کمال و مردود ہو۔ بلکہ معاملہ برعکس بھی ہو جاتا ہے۔

حضرت آدمؑ وغیرہ کے زمانہ میں توحید دین پر اتفاق ہونا اس لئے تھا کہ دنیا کی آبادی کم تھی۔ حضرت آدمؑ نے جو تعلیم اپنی اولاد کو دی وہ اس پر عمل پیرا رہے لیکن جب اولاد در اولاد کا سلسلہ بڑھا تو اختلافِ مذاق وطبائع رنگ لایا۔ بعد مکانی ایک دوسرے کے درمیان حائل ہوا تو ایک عرصہ بعد عقائد واعمال میں اختلاف کی بنیاد پڑ کر خلیج بڑھنی شروع ہوگئی۔

انبیائے کرام علیہم السلام تسلیم ورضا کے پیکر ہوتے ہیں:

.... حضرات انبیاءؑ کا متیٰ نصر اللہ کہنا کسی تردد وشک کی وجہ سے یا اختلاف رضا وتسلیم نہیں تھا بلکہ امدادِ الٰہی کا وعدہ جس کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں تھا۔ ادھر شدید ضرورت نے انتظار کی شکل اختیار کر لی اور انتظار نے الحاح وزاری، عرض ومعروض کی صورت حاصل کر لی اور ظاہر ہے کہ الحاح وزاری جس کا حاصل دعا ہے وہ تو عین مطلوب اور حاصلِ تسلیم ورضا ہے۔ البتہ یہ فرمانا کہ بلا مشقت جنت میں جانا نہیں ہوگا سو یہ اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے صحیح ہے۔ کیونکہ ادنیٰ درجہ مشقت کا یہ ہے کہ ایمان لانے میں نفس اور شیطان کی مخالفت جھیلنی پڑتی ہے۔ جو ہر مؤمن کے لئے ضروری ہے۔ آگے جتنی جتنی مشکلات اور مشقتیں بڑھیں گی اتنے ہی جنت کے بلند درجات میں داخلہ کا مسئلہ حل ہوتا چلا جائے گا۔ اس لئے شبہ بھی نہیں رہتا کہ بعض گنہگار جو محض فضلِ ربی سے داخل جنت ہوں گے ان کو کیا مشقت ہوگی؟ کہا جائے گا کہ کم از کم ایمان لانے میں یہی تو کچھ نہ کچھ

مشقت ہوتی ہے کہ نفس وشیطان کی مخالفت کرنی پڑتی ہے۔ غرض جیسی مشقت ویسا ہی داخلہ۔

بارگاہِ قدوس کی رسائی:............ تاہم ترکِ لذات اور تحمل مجاہدات کے بغیر بارگاہ قدس تک رسائی میسر نہیں ہے جیسے حدیث **حفت الجنة بالمكاره** سے اس کی تائید ہو رہی ہے اور **حتى يقول الرسول** سے معلوم ہوتا ہے کہ طبعی چیزیں کاملین میں بھی پائی جاتی ہیں اور یہ بات منافی کمال نہیں ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ يَا مُحَمَّدُ **مَاذَا** اَيِ الَّذِيْ **يُنْفِقُوْنَ** ط وَالسَّائِلُ عَمْرُو بْنُ الْجَمُوْحِ وَكَانَ شَيْخًا ذَا مَالٍ فَسَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّا يُنْفِقُ وَعَلٰى مَنْ يُنْفِقُ **قُلْ** لَهُمْ **مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ** بَيَانٌ لِمَا شَامِلٌ لِلْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ وَفِيْهِ بَيَانُ الْمُنْفَقِ الَّذِيْ هُوَ اَحَدُ شِقَّيِ السُّؤَالِ وَاَجَابَ عَنِ الْمَصْرَفِ الَّذِيْ هُوَ الشِّقُّ الْاٰخَرُ بِقَوْلِهِ **فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ** ط اَيْ هُمْ اَوْلٰى بِهِ **وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ** اِنْفَاقٍ وَغَيْرِهٖ **فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ** ﴿۲۱۵﴾ فَمُجَازٍ عَلَيْهِ **كُتِبَ** فُرِضَ **عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ** لِلْكُفَّارِ **وَهُوَ كُرْهٌ** مَكْرُوْهٌ **لَّكُمْ** ج طَبْعًا لِمَشَقَّتِهٖ **وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ** ج **وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ** ط لِمَيْلِ النَّفْسِ اِلَى الشَّهَوَاتِ الْمُوْجِبَةِ لِهَلَاكِهَا وَنُفُوْرِهَا عَنِ التَّكْلِيْفَاتِ الْمُوْجِبَةِ لِسَعَادَتِهَا فَلَعَلَّ لَكُمْ فِي الْقِتَالِ وَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُ خَيْرًا لِاَنَّ فِيْهِ اِمَّا الظَّفْرُ وَالْغَنِيْمَةُ اَوِ الشَّهَادَةُ وَالْاَجْرُ وَفِيْ تَرْكِهٖ وَاِنْ اَحْبَبْتُمُوْهُ شَرًّا لِاَنَّ فِيْهِ الذُّلَّ وَالْفَقْرَ وَحِرْمَانَ الْاَجْرِ **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ** مَا هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ **وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۲۱۶﴾ ع ذٰلِكَ فَبَادِرُوْا اِلٰى مَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖ وَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلَ سَرَايَاهُ وَاَمَّرَ عَلَيْهَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ جَحْشٍ فَقَاتَلُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَقَتَلُوا ابْنَ الْحَضْرَمِيِّ فِيْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِنْ جُمَادَى الْاٰخِرَةِ وَالْتَبَسَ عَلَيْهِمْ بِرَجَبٍ فَعَيَّرَهُمُ الْكُفَّارُ بِاسْتِحْلَالِهٖ فَنَزَلَ **يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ** الْمُحَرَّمِ **قِتَالٍ فِيْهِ** ط بَدَلُ اِشْتِمَالٍ **قُلْ** لَهُمْ **قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ** ط عَظِيْمٌ وِزْرًا مُبْتَدَأٌ وَخَبَرٌ **وَصَدٌّ** مُبْتَدَأٌ مَنْعٌ لِلنَّاسِ **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** دِيْنِهٖ **وَكُفْرٌ بِهٖ** بِاللّٰهِ **وَ** صَدٌّ عَنِ **الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** ق اَيْ مَكَّةَ **وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ** وَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَا **اَكْبَرُ** اَعْظَمُ وِزْرًا **عِنْدَ اللّٰهِ** ج مِنَ الْقِتَالِ فِيْهِ **وَالْفِتْنَةُ** الشِّرْكُ مِنْكُمْ **اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ** ط لَكُمْ فِيْهِ **وَلَا يَزَالُوْنَ** اَيِ الْكُفَّارُ **يُقَاتِلُوْنَكُمْ** اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ **حَتّٰى** كَيْ **يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ** اِلَى الْكُفْرِ **اِنِ اسْتَطَاعُوْا** ط **وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ** بَطَلَتْ **اَعْمَالُهُمْ** الصَّالِحَةُ **فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ** ج فَلَا اعْتِدَادَ بِهَا وَلَا ثَوَابَ عَلَيْهَا وَالتَّقْيِيْدُ بِالْمَوْتِ عَلَيْهِ يُفِيْدُ اَنَّهٗ لَوْ رَجَعَ اِلَى الْاِسْلَامِ لَمْ يَبْطُلْ عَمَلُهٗ فَيُثَابُ عَلَيْهِ وَلَا يُعِيْدُهٗ كَالْحَجِّ مَثَلًا وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ **وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ** ج

هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ وَلَمَّا ظَنَّ السَّرِيَّةُ اَنَّهُمْ اِنْ سَلِمُوْا مِنَ الْاِثْمِ فَلَا يَحْصُلُ لَهُمْ اَجْرٌ نَزَلَ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فَارَقُوْا اَوْطَانَهُمْ وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لِاِعْلَاءِ دِيْنِهٖ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ثَوَابَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ بِهِمْ

ترجمہ:.......... آپؐ سے لوگ دریافت کرتے ہیں (اے محمدؐ) کیا چیز ہے (وہ) کہ خرچ کیا کریں (دریافت کرنے والے عمرو ابن الجموح ایک مالدار بوڑھے شخص تھے جنہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ کیا خرچ کریں؟ اور کن لوگوں پر خرچ کریں؟) فرمادیجئے آپ (ان سے) جو کچھ تمہیں مال خرچ کرنا ہے (من خیر بیان ہے ما کا جو شامل ہے تھوڑے اور بہت مال کو یہ ان کے ایک حصۂ سوال کا جواب تھا۔ یعنی مال منفق رہا۔ دوسرے حصۂ سوال یعنی مصرف کا جواب وہ یہ ہے کہ) اس میں ماں باپ کا حق ہے اور رشتہ داروں کا اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا حق ہے (یعنی یہ اولیٰ ہیں) اور جو کچھ نیک کام بھی کرو گے (خواہ انفاق ہو یا اور کوئی) تو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہیں (اس پر جزائے عمل مرتب ہوگی) فرض (مقرر) کیا جاتا ہے تم پر جہاد (کفار سے) اور وہ تم کو ناگوار (مکروہ) معلوم ہوتا ہے (طبعاً مشقت کی وجہ سے) اور ممکن ہے کہ تم کسی کام کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کو تم مرغوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بُری ثابت ہو) کیونکہ نفس کو شہوات مہلک سے رغبت اور تکالیف شرعیہ موجب سعادت سے نفرت ہوتی ہے، اس لئے ممکن ہے کہ جس جہاد کو تم ناگوار سمجھتے رہے ہو، تمہارے لئے اس میں بہترائی موجود ہو کیونکہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا کامیابی اور مالِ غنیمت اور پھر یا شہادت واجر اور ترکِ جہاد اگرچہ وہ طبعاً مرغوب ہو لیکن اس میں رسوائی، تنگدستی، محرومی اجر ہوتا ہے) اور اللہ تعالیٰ واقف ہیں (جو تمہارے لئے بہتر ہوتا ہے) اور تم (اس کو) نہیں مانتے ہو (اس لئے تعمیل حکم کی تعجیل کرو۔ آنحضرت ﷺ نے پہلا جہادی دستہ روانہ فرمایا اور اس کی کمان عبداللہ بن جحشؓ کو سپرد فرمائی۔ مشرکین سے معرکہ آرائی ہوئی اور ۳۰ جمادی الثانی کو ابن حضرمی کو قتل کردیا۔ لیکن رجب کی پہلی تاریخ سے لوگوں کو التباس ہو گیا اور کفار نے مسلمانوں پر اس وجہ سے الزام لگایا کہ انہوں نے شہر حرام کی حرمت کو باقی نہیں رکھا پامال کردیا ہے اس پر آیت نازل ہوئی) آپ سے لوگ محترم مہینوں میں قتال کی بات دریافت کرتے ہیں (قتال فیہ شہر حرام سے بدل اشتمال واقع ہے) آپ فرمادیجئے (ان سے) اس میں خاص قسم کی لڑائی جرمِ عظیم (گناہِ شدید) ہے (مبتداء اور خبر سے مل کر یہ جملہ ہے) اور روک ٹوک کرنا ہے (مبتدا ہے لوگوں کے لئے بندش ہے) اللہ کی راہ (دین) سے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا ہے اور (رکاوٹ ڈالنا ہے) مسجد حرام (یعنی مکہ معظمہ) سے اور وہاں کے باشندوں کو نکال باہر کرنا ہے (مراد اس سے آنحضرت ﷺ اور مؤمنین ہیں۔ مبتداء کی خبر آگے ہے) یہ سب زیادہ (بڑے) جرم ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک (بہ نسبت ان مہینوں میں قتل وقتال کے) اور فتنہ پردازی (تمہارا شرک کرنا) زیادہ شدید وقبیح ہے بہ نسبت (تمہارے خاص) قتل وقتال کے (اس وقت) اور ہمیشہ جاری رکھیں گے یہ (کفار) جنگ وجدال (تم سے اے مؤمنین) حتیٰ کہ (اس لئے کہ) تم کو تمہارے دین سے مرتد بنادیں (کفر کی جانب) اگر ان کو قابو ملے اور جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے اور وہ بحالتِ کفر مرجائے تو ایسے لوگوں کے غارت (باطل) ہو جاتے ہیں سارے اعمالِ صالحہ) دنیا وآخرت میں (چنانچہ نا قابلِ لحاظ ہو جاتے ہیں ان پر ثواب نہیں ملے گا اور حج وغیرہ لوٹانا نہیں پڑے گا۔ یہی مذہب امام شافعیؒ کا ہے) اور یہ لوگ جہنمی ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے (اسلامی لشکر کو یہ خیال ہوا کہ یہ مسلمان ہونے والے گناہ سے اگرچہ محفوظ رہیں گے لیکن ممکن ہے اجر سے بھی محروم رہیں۔ اس پر آیت نازل ہوئی) فی الحقیقت جو لوگ ایمان لاچکے ہیں اور جن لوگوں نے ہجرت کی (ترکِ وطن کیا) اور جہاد فی سبیل اللہ (دین اسلام کے

بلند کرنے کے لیے) کیا ایسے لوگوں کو اللہ کی رحمت (ثواب) کا امیدوار ہونا چاہئے اور اللہ تعالیٰ (مؤمنین کی) مغفرت فرمانے والے (اور ان پر) رحم فرمانے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب: **ماذا ینفقون** .... جلال مفسرؒ نے **ما** موصولہ بمعنی **الذی** لیا۔ ہے اور عائد محذوف ہے۔ اس لئے **یسئلونک** کا عمل اس میں نہیں ہوا۔ **ما** مبتدا **ذا** خبر، جملہ محل نصب میں ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے **یسئلونک ای شی الذی ینفقونہ** آیت میں بسلسلہ سوال مصرف کا ذکر نہیں کیا گیا بوجہ اختصار کے جواب کی دونوں شقوں پر اعتماد کرتے ہوئے کیونکہ جواب سوال کے مطابق ہوا کرتا ہے پھر طرز جواب میں بھی اسلوب کی رعایت ملحوظ رکھی ہے۔ یعنی جس چیز کو صراحۃ دریافت کیا گیا اس کا جواب تو اجمالی دیا گیا یعنی **ما انفقتم من خیر** کہ کم خرچ کرو یا زیادہ اصل نظر مقدار پر نہیں ہے تو وہ حسب مقدرت اور توفیق ہوتی ہے جو چیز قابل التفات اور لائق اعتناء ہونی چاہئے وہ مصارف صحیحہ ہیں جن کو سوال میں ترک کر دیا گیا اس لئے اس کی تفصیل کی گئی ہے **وفیہ** چونکہ بظاہر جواب سوال کے مطابق نہیں ہے کہ سوال میں صرف ایک چیز کا ذکر ہے اور جواب میں دو باتوں کا۔ اس لئے علماء نے اس کی دو توجیہیں کی ہیں۔ ایک تو جیہ جلال محققؒ کر رہے ہیں دوسری توجیہ یہ ہے کہ سوال چونکہ غیر اہم تھا اس لئے جواب میں نظر انداز کر دیا گیا اور جس اہم سوال کو ترک کر دیا گیا اس کا جواب ذکر کیا گیا ہے۔

کرہ مصدر ہے مبالغۃ حمل کیا گیا ہے یا فعل بمعنی مفعول ہے جیسے **خبز** بمعنی مخبوز اور لفظ عسیٰ کے ساتھ تعبیر کرنا اس لئے ہے کہ نفس جب مرتاض ہو جاتا ہے تو معاملہ برعکس ہو جاتا ہے۔

واللہ یعلم محقق مفسرؒ نے **یعلم** کے مفعول محذوف کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ یہ متروک نہیں ہے بلکہ اختصاراً احذف لفظی ہے **سرایا** جمع سریہ کی لشکری حصہ جس میں رسول اللہ ﷺ شریک نہ ہوں اور جس میں بہ نفس نفیس شریک رہے ہوں وہ غزوہ کہلاتا ہے۔ شرکائے سریہ کی تعداد پانچ سے لے کر تین سو یا چار سو تک بتائی جاتی ہے۔ **ابن حضرمی** نام عمرو بن عبداللہ بن عاد۔ حضرموت کے رہنے والے تھے **والتبس** علامہ زمخشری کی رائے ہے کہ غزوہ رجب میں واقعہ ہوا اور مسلمان اس کو جمادی الاخری کی آخری تاریخ سمجھ رہے تھے۔ **فعیرھم** یعنی مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو اس فعل پر عار دلائی حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کرنے میں بھی وحی کا انتظار فرمایا۔ شہر حرام سے مراد یہاں رجب ہے۔ **قتال فیہ** اس سے بدل اشتمال واقع ہو رہا ہے۔ چونکہ ان میں کلیت و جزئیت کے علاوہ علاقہ ملابست ہے اس لئے بدل الکل یا بدل البعض نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ بدل نکرہ موصوفہ ہے اس لئے معرفہ سے بدل بنانا صحیح ہے علاوہ ازیں وصف کا لانا تو بدل الکل میں ضروری ہوا کرتا ہے۔ **فیہ** جار مجرور کا تعلق قتال کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور ظرف مستقر اس کی صفت بھی بن سکتی ہے۔ یہاں قتال سے مراد خاص قتال عمد ہے اسی کو کبیر فرمایا ہے۔ ورنہ قتل خطاء جیسا کہ مسلمانوں سے غلطی ہوگئی وہ نادانستگی ہے وہ کبیر کیسے ہو سکتا ہے۔ بہرحال حرمۃ قتال شہر حرام میں آیت برأت **فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم** سے منسوخ ہوگئی ہے۔ قتال موصوف۔ **فیہ** صفت۔ مبتداء اور یہ **کبیر** اس کی خبر ہے۔

والمسجد الحرام جلال محققؒ نے لفظ صد محذوف نکال کر اشارہ کر دیا کہ **المسجد الحرام** کا عطف **عن سبیل اللہ** پر ہے اور اس پر ذرا سا اشکال ہو سکتا تھا چونکہ صلہ موصول کا متمم ہوتا ہے اس لئے عطف علی الموصول کو عطف علی الصلہ پر مقدم نہیں کر سکتے۔ چنانچہ یہاں **وکفر بہ** عطف کے لئے مانع ہے لیکن علامہ زمخشریؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ کفر باللہ اور صد عن سبیل اللہ دونوں سے مراد ایک ہی ہے اس لئے ان دونوں کا اتحاد جواز عطف کے لئے کافی ہو گیا **وکفر بہ** درمیان میں فاصل ہی نہیں ہے یا کہا جائے کہ **وکفر بہ** دراصل عن **المسجد الحرام** سے مؤخر تھا اس کی اہمیت کے پیش نظر مقدم کر دیا گیا ہے۔ فراء کی رائے یہ ہے کہ المسجد الحرام کا عطف **بہ** کی ضمیر پر ہو رہا

ہے ای **و کفر به و المسجد الحرام** اورنحاۃ کوفہ، اخفش، یونس، ابویعلی ضمیر مجرور پر بلا اعادہ جار بھی عطف جائز سمجھتے ہیں۔

اکبر عند الله یہاں دو چیزیں ہیں ایک عام قتال دوسرے قتل خاص۔ ابن حضرمی نے اول کے ساتھ قید عمد کی ہے۔ یعنی قتال عمد اگر چہ فی الحال بڑا ہے لیکن اللہ کی راہ اور مسجد حرام سے روکنے اور کفر باللہ ان تینوں برائیوں کے مقابلہ میں یقیناً کم درجہ ہے۔ لیکن یہاں تو عمداً قتال نہیں ہوا بلکہ تاریخ کی غلطی سے ہوا اس لئے قطعاً قابل اعتراض نہیں ہے۔ دوسرا شخص واحد کا قتل بلا شبہ بڑا ہے لیکن کفر وشرک کی برائی جس میں تم لوگ آلودہ ہو اس سے یقیناً کم درجہ ہے۔ **ان استطاعوا** اس کی جزاء محذوف ہے ای **فیردوكم فی سبیل الله** جلال مفسرؒ نے اشارہ کردیا کہ فی بمعنی لام تعلیل ہے اور سبیل بمعنی دین ہے عبارت بحذف المضاف ہے۔

ربط: .... یہاں سے پھر سلسلۂ احکام شروع کیا جارہا ہے آیت **یسئلونك ماذا ینفقون** میں بارہواں حکم انفاق و مصارف کا ہے۔ آیت **کتب علیکم القتال** میں تیرہواں حکم جہاد کا ہے۔ آیت **یسئلونک عن الشهر الحرام** میں چودہواں حکم وشہر حرام میں قتال کے بارہ میں ہے اس کے بعد آیت **ولایزالون** میں دین حق کے ساتھ کفار کی مزاحمت کا بیان ہے اور آیت **ومن یرتدد الخ** میں ارتداد پر وعید اور **ان الذین امنوا** میں مخلصین کے انجام کا ذکر ہے۔

شانِ نزول .... ابن جریر نے روایت پیش کی ہے کہ مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ سے اپنے اموال کے مصارف دریافت کئے اور ابن حیان کی روایت ہے کہ ہے کہ عمرو بن الجموح نے آنحضرت ﷺ سے جنس انفاق کے متعلق سوال کیا۔ اس پر آیت **قل ما انفقتم** نازل ہوئی۔ ابن جریر نے جندب بن عبداللہ کی روایت پیش کی ہے کہ جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو معلوم نہیں ہوسکا کہ جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ تھی یا رجب کی پہلی۔ اور دوسری روایت ابن جریر کی یہ ہے کہ واقع میں قتال رجب میں ہوا لیکن مسلمان اس کو جمادی الثانیہ سمجھتے رہے۔ تیسری روایت روح المعانی میں زہری کی نقل ہے کہ اس واقعہ کے بعد مشرکین کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شہر حرام کے بارہ میں دریافت کیا اس پر آیت **قل قتال الخ** نازل ہوئی اور آیت **ان الذین امنوا** کا شانِ نزول خود مفسرؒ بیان کرچکے ہیں۔

﴿تشریح﴾: ...... خیرات کے اول مستحقین غریب اقرباء ہیں: .... اول آیت میں خیرات کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ کم سے کم خیرات سے بھی نہ چوکو، اس میں بھی تمہارے لئے کچھ نہ کچھ خیر ہے اور مصارف کے سلسلہ میں اس غلطی کا ازالہ کیا گیا کہ خیرات کا مستحق غیروں کو سمجھتے تھے۔ عزیز واقارب کی امداد کو خیرات نہیں سمجھتے تھے لیکن واضح کردیا گیا کہ خیرات کے اولین مستحق عزیز واقارب ہی ہیں بشرطیکہ محتاج ہوں اور زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ اگر ہیں تو والدین مکلف نہیں ہیں اس جیسی آیت آئندہ قریب میں بھی آرہی ہے۔ یہاں سے چھ سوالات اور ان کے جوابات کا سلسلہ شروع ہورہا ہے۔ آیت **کتب الخ** میں دفاعی جنگ کے کچھ احکام بیان کئے جارہے ہیں۔

فلسفۂ جہاد: .... (۱) مثلاً جنگ کی حالت یقیناً طبعی طور پر خوشگوار نہیں ہوسکتی لیکن دنیا میں کتنی ہی ناگواریاں ہیں جن سے خوشگواریاں پیدا ہوتی ہیں اور کتنی ہی خوشگواریاں ہیں جن سے ناگواریاں پیدا ہوتی ہیں اسی طرح جنگ ایک برائی ہے لیکن اپنے سے بڑی بڑی بہت سی برائیوں کو مٹانے کا ذریعہ اگر بن جائے یا مدار اس پر آکر ٹھہر جائے تو اس کے سوا چارۂ کار کیا ہوگا؟

(۲) یہ جنگ شخصی یا جماعتی حیثیت سے ذاتی طور پر نہیں تھی بلکہ اصولی جنگ تھی۔ اہل حق و باطل میں سے کوئی بھی جب اپنے حق سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہے تو بجز اس کے کیا طریقۂ کار رہ جاتا ہے کہ حق و باطل کی معرکہ آرائی اور آویزش ہو اور حق کو باطل سے

اس طرح ٹکرایا جائے کہ فیدمغه الباطل کا منظر سامنے آجائے۔

(۳) اس شدید مجبوری میں بھی امن پسند اسلام نے پہل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن اگر کوئی خواہ مخواہ آ کر ٹکرا ہی جائے تو پھر بُز دل کی زندگی پر بہادری کی موت کو ترجیح دی گئی ہے۔ البتہ جہاں کہیں ضروری یا مصلحت سمجھا جائے تو دفاعی جنگ کی طرح اقدامی جنگ کی اجازت بھی دی گئی ہے اور اس پر بیضاویؒ، روح المعانی کبیر نے اجماع نقل کیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اول تو مسلمانوں نے جنگ کرنے میں کوئی گناہ نہیں کیا اور بالفرض اگر کیا بھی تو تم کس منہ سے اعتراض کرتے ہو؟ "ستر چوہے کھا کر بلی حج کو چلی"۔

مُرتد کی سزا:......... مرتد کے حبط اعمال کے سلسلہ میں اس آیت میں موت علی الکفر کی قید ہے۔ لیکن سورۂ مائدہ کی آیت ومن یکفر الخ میں مطلقاً ارتداد اور کفر کو حابط اعمال کہا گیا ہے جو حنفیہ کا مستدل ہے۔ اس لحاظ سے یہ آیت حنفیہ کے لئے باعث اشکال ہوگی۔ لیکن کہا جائے گا کہ آیت مائدہ میں مطلق ارتداد پر مطلق حبط کو مرتب کیا گیا ہے اور اس آیت میں ارتداد اور موت علی الکفر دو چیزوں پر دو سزائیں علی الترتیب مرتب فرمائی گئی ہیں۔ ایک حبط دوسرے خلود نار۔ اس لئے مطلق کو مقید کرنا بھی لازم آتا اور ایک جرم پر دو سزائیں بھی مرتب نہیں ہوتیں، مرتد کے لئے اعمال کی بربادی دنیاوی لحاظ سے یہ ہے کہ اس کی بیوی نکاح سے خارج ہو جاتی ہے اور اس کا کوئی مسلمان رشتہ دار مرے تو اس کو میراث نہیں ملے گی۔ بحالتِ اسلام نماز روزہ جو کچھ کیا سب بیکار ہو گیا۔ دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد بشرط استطاعت حج فرض ہوگا اور نماز روزہ زکوٰۃ کا اعادہ ضروری ہوگا اور آخرت کے ثواب سے محروم ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ دونوں باتوں میں خلاف رائے رکھتے ہیں۔ اسی طرح مرتد کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی، اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے سے محروم کر دیا جائے گا اور آخرت میں بالکلیہ ثواب سے محروم کر دیا جائے گا۔

مرتد کافر سے زیادہ مجرم ہے:......... مرتد نے چونکہ کافر اصلی کی نسبت اسلام کی توہین زیادہ کی ہے اس لئے اس کا جرم اور حکم زیادہ سخت شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ کافر اصلی سے بجز عرب کے جزیہ قبول کیا جا سکتا ہے اور اگر وہ کوئی نیک کام کرے تو اس کا ثواب معلق کر دیا جاتا ہے۔ اگر اسلام لے آیا تو اجر و ثواب کا مستحق ہو جائے گا ورنہ کالعدم ہو جائے گا۔ حدیث نبوی اسلمت علی ما اسلفت اس کی مؤید ہے۔ لیکن مرتد سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ مرد کو قتل کر دیا جائے گا اور عورت مرتدہ کو حبسِ دوام کی سزا دی جائے گی اور آخرت میں بھی امتیازی سلوک کیا جائے گا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ الْقِمَارِ مَاحُكْمُهُمَا **قُلْ** لَهُمْ **فِيْهِمَآ** اَىْ فِىْ تَعَاطِيْهِمَا **اِثْمٌ كَبِيْرٌ** عَظِيْمٌ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْمُثَلَّثَةِ لِمَا يَحْصُلُ بِسَبَبِهِمَا مِنَ الْمُخَاصَمَةِ وَالْمُشَاتَمَةِ وَقَوْلِ الْفُحْشِ **وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ** بِاللَّذَّةِ وَالْفَرَحِ فِى الْخَمْرِ وَاِصَابَةِ الْمَالِ بِلَاكَدٍّ فِى الْمَيْسِرِ **وَاِثْمُهُمَآ** اَىْ مَا يَنْشَأُ عَنْهُمَا مِنَ الْمَفَاسِدِ **اَكْبَرُ** اَعْظَمُ **مِنْ نَّفْعِهِمَا** وَلَمَّا نَزَلَتْ شَرِبَهَاقَوْمٌ وَامْتَنَعَ اٰخَرُوْنَ اِلٰى اَنْ حَرَّمَتْهُمَا اٰيَةُ الْمَائِدَةِ **وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ** اَىْ مَاقَدْرُهُ **قُلِ** انْفِقُوا **الْعَفْوَ** اَىِ الْفَاضِلَ عَنِ الْحَاجَةِ وَلَاتُنْفِقُوْا مَا تَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِ وَتُضِيْعُوْا اَنْفُسَكُمْ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ بِتَقْدِيْرِ هُوَ **كَذٰلِكَ** كَمَا بَيَّنَ لَكُمْ مَا ذُكِرَ **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ﴿۲۱۹﴾ فِىْ** اَمْرِ **الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ** فَتَاْخُذُوْنَ بِالْاَصْلَحِ لَكُمْ فِيْهِمَا **وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ**

الْيَتٰمٰى ۖ وَمَا يَلْقَوْنَهُ مِنَ الْحَرَجِ فِي شَأْنِهِمْ فَإِنْ وَاكَلُوْهُمْ يَأْثَمُوْا وَإِنْ عَزَلُوْا مَالَهُمْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَصَنَعُوْا لَهُمْ طَعَامًا وَحْدَهُمْ فَحَرَجٌ **قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ** فِي أَمْوَالِهِمْ بِتَنْمِيَتِهَا وَمُدَاخَلَتِكُمْ **خَيْرٌ** ۖ مِنْ تَرْكِ ذٰلِكَ **وَإِنْ تُخَالِطُوْهُمْ** أَيْ تَخْلِطُوْا نَفَقَتَهُمْ بِنَفَقَتِكُمْ **فَإِخْوَانُكُمْ** ۖ أَيْ فَهُمْ إِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمِنْ شَأْنِ الْأَخِ أَنْ يُخَالِطَ أَخَاهُ أَيْ فَلَكُمْ ذٰلِكَ **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ** لِأَمْوَالِهِمْ بِمُخَالَطَتِهِ **مِنَ الْمُصْلِحِ** ۖ لَهَا فَيُجَازِيْ كُلًّا مِنْهُمَا **وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَأَعْنَتَكُمْ** ۖ لَضَيَّقَ عَلَيْكُمْ بِتَحْرِيْمِ الْمُخَالَطَةِ **إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ** غَالِبٌ عَلٰى أَمْرِهٖ **حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾** فِيْ صُنْعِهٖ

ترجمہ: ....لوگوں سے آپ شراب اور جوئے کی نسبت دریافت کرتے ہیں (میسر جوا ہے۔ یعنی ان دونوں کا حکم دریافت کرتے ہیں) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ ان دونوں چیزوں (کے استعمال کرنے) میں بڑا گناہ ہے۔ (ایک قرأت میں بجائے کبیر کے کثیر ہے۔ شراب وجوا، لڑائی جھگڑے، گالم گلوچ، گندی بکواس کا باعث ہوتے ہیں) اور لوگوں کے لئے اس میں کچھ فوائد بھی ہیں (شراب میں لذت وسرور اور جوئے میں بلا محنت مالی منفعت ہے) اور ان دونوں کا گناہ (یعنی جو خرابیاں ان سے پیدا ہوتی ہیں) بڑھا ہوا ہے ان کے منافع سے (اس آیت کے نزول کے بعد ایک جماعت شراب خوری کرتی رہی اور دوسری جماعت اس سے باز رہی۔ حتیٰ کہ آیت مائدہ نے دونوں کی حرمت صاف ظاہر کر دی) اور کچھ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کتنا خرچ کیا کریں (یعنی مقدار خرچ کیا ہونی چاہئے) آپ فرما دیجئے کہ (خرچ کرو) جس قدر آسانی ہو (یعنی ضروریات سے جو زائد ہو۔ لیکن جس کی ضرورت ہو اس کو خرچ کر کے خود کو ہلاک نہ کرو اور ایک قرأت میں العفو رفع کے ساتھ ہے تقدیر ھو کے ساتھ) اسی طرح (جیسا کہ مذکورہ احکام تمہارے لئے بیان کئے ہیں) اللہ تعالیٰ صاف صاف احکام بیان فرماتے ہیں شاید کہ تم دنیا وآخرت کے معاملات میں غور کر سکو (اور اپنے لئے ان دونوں چیزوں میں مفید بات کو حاصل کر سکو) اور آپ سے لوگ یتیم بچوں کی بابت حکم دریافت کرتے ہیں (ان کے بارہ میں جو مشکلات پیش آتی ہیں کہ اگر ان کو اپنے ساتھ کھلائیں پلائیں تو گنہگار ہوتے ہیں اور ان کے مال کو اپنے مال سے علیحدہ کر کے ان کے لئے الگ کھانا بنائیں تو سخت حرج ہوتا ہے) آپ فرما دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت (ان کے مالی اضافہ کے لئے تمہارا دخل انداز ہونا) زیادہ بہتر ہے (بہ نسبت ترک مصلحت کے) اور اگر تم ان کو اپنے ساتھ خرچ میں شامل رکھو (یعنی ان کا خرچ اپنے میں ملا لو) تو (وہ) تمہارے (دینی) بھائی ہیں (اور بھائی اپنے بھائی کا مال ملا ہی لیا کرتا ہے اس لئے تمہارے لئے بھی اس کی اجازت ہے) اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں مصلحت ضائع کرنے والے کو (اپنے مال میں ملا کر) اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو (چنانچہ ہر ایک کو بدلہ دیں گے) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو تنگی میں ڈال سکتے تھے (مال ملانے کو حرام کر کے تنگ کر دیتے) کیونکہ اللہ تعالیٰ زبردست (غالب الحکم) ہیں اور حکمت والے ہیں (اپنے کام میں)

تحقیق وترکیب: ....الخمر مخامرت میں چھپانے کے معنی ہیں۔ وجہ تسمیہ شراب کی ظاہر ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کے مفہوم میں عموم ہے اور حنفیہ کے نزدیک جس شراب کو نجس العین کا درجہ دیا جاتا ہے اور اس کے پینے پر حد جاری ہوتی ہے وہ خاص قسم کی شراب ہے اس کے علاوہ دوسری منشیات کو حد نشہ تک استعمال کرنے کو حرام کہا جائے گا اور اس کے پینے پر حد جاری نہیں ہوگی۔ تعزیر سے یہاں تعیین نہیں ہے۔ المیسر مصدر میمی ہے بمعنی یسر جیسے موعد اور مرجع قمار کو کہتے ہیں وجہ تسمیہ یا تو یسر ہے مال بآسانی حاصل ہو جاتا

ہے اور یا یسار ہے یعنی جس آسانی سے مال حاصل ہوتا ہے اسی طرح سلب بھی ہو جاتا ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ جاہلیت عرب میں دس تیر ہوتے تھے جن میں سے سات پر کچھ خاص نشانات اور علامات ہوتی تھیں اور تین تیر بلانشان ہوتے تھے۔ نشان زدہ تیروں میں بھی مختلف اعتبارات تھے۔ چنانچہ مشترک داموں سے جانور کو خرید کر ذبح کرتے اور ان تیروں سے ہر شریک کے نام پر فال نکالی جاتی تھی کسی کے نام پر ایک سے زائد حصہ آتا اور کوئی بالکل محروم ہو جاتا۔ اس طرح اس گوشت کو فقراء کا حصہ سمجھتے اور خود استعمال نہیں کرتے تھے اور اس پر اظہار مفاخرت کرتے اور جو اس طریقہ میں ان کا شریک نہ ہوتا اس کو برا سمجھتے اور اس کا نام بھی برم رکھتے۔ قمار کے اس حکم میں چوسر اور شطرنج بھی داخل ہے۔ لیکن امام شافعیؒ شطرنج کو مباح فرماتے ہیں اس سے فقہی چیستان مشہور ہے۔ **الشطرنج اباحنی فتی هو الشافعی**"

وفی قراءة یہ حمزہؒ اور کسائیؒ کی قرأت ہے۔ **بسببهما** یعنی فی نفسہ اس وقت تک شراب حرام نہیں تھی اس لئے معصیت بھی نہیں تھی۔ بلکہ ان عوارض کے سبب اس سے بچنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ اسی لئے عام طور پر صحابہؓ اس حکم کے بعد بالکلیہ دست کش نہیں ہو سکے۔ **باللذة والفرح** یعنی منافع سے مراد تداوی اور شفا کا فائدہ نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث مسلم کے الفاظ ہیں **لیست بدواء ولکنہ داء** اور حدیث ابوداؤد کے الفاظ ہیں **ان الله لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم** اسی لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مطلقاً حرام چیزوں سے تداوی حرام ہے اور امام شافعیؒ کا اصح قول بھی بطور تداوی شراب کی حرمت کا ہے۔ علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ تحریم سے پہلے شراب میں منافع تھے لیکن اب سلب کر لئے گئے ہیں۔

ولما نزلت تحریم خمر کی ترتیب اس طرح پر ہے کہ اولاً **ومن ثمرات النخیل والاعناب الخ** سورہ نحل کی آیت نازل ہوئی جس میں بذیل انعامات اس کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ لیکن اس میں ناگواری کا کوئی کلمہ نہیں تھا اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس میں نفع ونقصان کے اگرچہ دونوں پہلو دکھلائے گئے لیکن غالب نقصان کو دکھلایا جس سے دیرک اصحابؓ چونک گئے۔ تاہم برائیاں فی حد ذاتہ نہیں بتلائی گئی بلکہ عارضی خرابیوں کی طرف اشارہ کیا گیا جس میں عام لوگوں کے لئے گنجائش کا پہلو رہا۔ اس کے بعد آیت نساء نازل ہوئی **لا تقربوا الصلوٰة وانتم سکریٰ** یعنی یہ حالت عبادت کی حالت کے منافی ہے۔ گویا اس سلسلہ کا ایک مؤثر قدم تھا جس سے کافی تنبیہ ہوئی کہ جو چیز مناجات اور تقرب کے منافی ہے ضرور اس میں کوئی خرابی ہے۔ تاہم نیم ممانعت تھی اور ضرورت تھی کہ فیصلہ کن اور آخری قدم اٹھا دیا جائے۔ جس کی درخواست حضرت عمرؓ نے پیش کی چنانچہ آیت مائدہ **انما الخمر والمیسر الخ** نازل ہوئی جس میں مکمل کر دس (۱۰) خرابیاں گنائی گئی ہیں اور ساتھ ہی ایک دم اس سے رک جانے کی اپیل کی۔ **فھل انتم منتھون** کہہ کر قرآن نے مستفسرانہ نظر ڈالی تو اطاعت شعاروں کی صفوں میں **انتھینا انتھینا** کی آوازیں آئیں اور آنحضرت ﷺ نے اطمینان کا سانس لیا در حقیقت اصلاح حال میں اس تدریج کو بڑا دخل ہے۔

اثم کبیر سے یہاں ذاتی اور داخلی گناہ مراد نہیں ہے بلکہ عارضی اور خارجی خرابیاں مراد ہیں اس لئے بعض صحابہؓ کے طرز عمل پر بھی شبہ نہیں رہتا اور تحریم کے لئے آیت مائدہ کی ضرورت بھی رہتی ہے۔ **ماذا ینفقون** اس میں ماذا مرکب ہے اور ما اور ذا دونوں ملکر مفعول ینفقون کا ہوگا قرأت نصب پر لیکن قرأت رفع پر لفظ ما مبتداء۔ ذا موصول ینفقون صلہ مل کر خبر ہے "ما اقدرہ" سے مفسر علامؒ اس آیت کے شبہ تکرار کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ پہلی آیت میں جنس انفاق سے سوال تھا اور یہاں مقدار انفاق کا سوال ہے۔

العفو اس کی نقیض جہد آتی ہے نرم زمین کو بھی اسی لئے عفو کہتے ہیں۔ مراد وہ مال ہے جس کا خرچ سہل ہو باعث تکلیف نہ ہو۔ مال فاضل کو بھی کہتے ہیں چنانچہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ **انفقوا ما فضل من الاھل** لفظ عفو کو ابوعمروؒ نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراءؒ نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اول صورت **ماذا** کی ترکیب یہ ہوگی کہ **ما** مبتدا اور **ذا** بمعنی **الذی** مع صلہ **ینفقون** کے

اس کی خبر ہے اور نصب والی صورت میں ماذا ایک اسم منصوب علی المفعولیت ہے ای انفقوا العفو. غرضکہ جواب کا اعراب سوال کے اعراب کے مطابق ہوگا۔

ربط : .... آیت اول میں پندرہواں حکم شراب اور جوئے سے متعلق ہے۔ آیت یسئلونك الخ میں سولہواں حکم مقدار انفاق کے بارے میں ایک سوال کا جواب ہے اور آیت یسئلو نک عن الیتمٰی میں سترہواں حکم یتیموں کے مال سے متعلق ہے۔

شانِ نزول: .... امام احمدؒ نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو لوگ شراب پیتے تھے اور جوئے کا مال استعمال کرتے تھے۔ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا تو آیت قل فیھما اثم کبیر نازل ہوئی تو لوگوں کا خیال ہوا کہ ان کی تحریم تو ہوئی نہیں صرف "اثم کبیر" کہا گیا اس لئے شراب پیتے رہے۔ حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دعوت کی اور اس میں شراب کا دور چلا۔ نماز مغرب کا وقت آ گیا حضرت علیؓ کی امامت میں نماز ہوئی۔ سورۂ کافرون پڑھی گئی اور لا اعبد ما تعبدون کی بجائے اعبدو ما تعبدون پڑھا گیا تو تنبیہ اور افسوس ہوا آیت لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکرٰی نازل ہوئی۔ اس کے بعد آیت مائدہ انما الخمر والمیسر الخ اور سخت تشدید فرمائی گئی۔ علیٰ ہذا ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا جب حکم ہوا تو صحابہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مقدار انفاق کی بابت دریافت کیا تو آیت قل العفو نازل ہوئی۔ نیز ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب آیت لا تقربوا مال الیتیم الا بالتی اور آیت ان الذین یاکلون الخ نازل ہوئیں تو جن لوگوں کی تربیت میں یتیم بچے تھے ان کا کھانا پینا الگ کر دیا گیا لیکن اس کی وجہ سے سخت دقتیں پیش آئیں اور آپ ﷺ سے حل دریافت کیا گیا اس پر آیت قل اصلاح الخ نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **ہر چیز کی اچھائی برائی کا معیار:** .... بہت سے لوگوں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ شراب سے لڑائی میں مدد ملتی ہے اور حصول مال کا ذریعہ جوئے کو سمجھتے ہیں۔ اس آیت میں ان دونوں غلطیوں کا ازالہ ایک اصولی حقیقت کے ذریعہ کر دیا گیا۔ یعنی یہ صحیح ہے کہ ان میں کچھ منافع بھی ہیں اور اضافی نفع نقصان سے دنیا کی کوئی چیز بھی خالی نہیں ہے۔ لیکن نفع نقصان کو تولنا چاہئے اگر نقصان زیادہ ہے تو اس چیز کو چھوڑ دینا چاہئے۔ اگرچہ تھوڑا بہت کچھ فائدہ کا پہلو بھی اس میں ہو اور جس چیز میں نفع غالب ہو اس کو لے لینا چاہئے۔ گو اس میں کچھ ضرر بھی نکلتا ہو۔

شراب اور جوئے کی خرابی: .... مثلاً شراب سے عقل زائل ہو جاتی ہے جو تمام کمالات کا منبع ہے اور جوئے سے مال کی حرص و محبت بڑھ جاتی ہے جو جڑ ہے تمام خرابیوں کی۔ اگرچہ ان میں کچھ فوائد بھی ساتھ ساتھ لگے ہوئے ہیں تاہم غالب نقصان کا خیال کرتے ہوئے چھوڑ دینا چاہئے۔ مقصود اس مشورہ سے فی نفسہ ان کی برائی بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ دوسری خرابیوں کا ذریعہ اور باعث بتلانا تھا۔ اسی لئے دانا حضرات نے تو یہ سمجھ لیا کہ ان میں نفع حالی اور غیر باقی ہے اور نقصان مالی اور دائمی اور متعدی ہے۔ اس لئے فوراً باز آ گئے اور بعض نے صریح حرمت کا انتظار کیا اور جب وہ آ گئی تو انتھینا انتھینا پکار اٹھے۔ اس طرح آپ ﷺ کی حسن تعلیم و تربیت سے ایک ایسی برائی سے جو عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اس عمدگی کے ساتھ نجات مل گئی کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ رہی تھی اور وہ تمام برتن توڑے جا رہے ہیں جن میں شراب کشید کی جاتی یا رکھی اور پی جاتی تھی۔ شراب بندی کی حرمت اور مکمل بندش ۳ھ میں ہوئی ہے۔

مالی اخراجات کا کلی معیار:............مالی اخراجات کے سلسلہ میں جو تفکر فی الدنیا والآخرہ کی تعلیم دی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ (۱) کسی معصیت میں مال خرچ کرنا مطلقاً ناجائز ہے۔(۲) طاعت میں خرچ کرنا ہے تو اگر وہ طاعت فرض واجب ہے جیسے زکوٰۃ وغیرہ تو خرچ کرنا بھی واجب ہے۔(۳) اور طاعت اگر نفلی ہے جیسے خیرات تو اگر حقدار کا حق ضائع ہوتا ہو تو ایسا خرچ کرنا ناجائز ہے۔ (۴) اور حق اگر ضائع نہیں ہوتا لیکن خرچ کرنے کے بعد خود پریشان ہو جائے گا تب بھی ناجائز ہے۔(۵) اگر نہ حق ضائع ہوتا ہے اور نہ خود بے صبری میں مبتلا ہوگا تو پھر خرچ کرنا جائز ہے۔(۶) اگر وہ موقعہ نہ طاعت کا ہے اور نہ معصیت کا تو جیسی نیت ہوگی ویسا حکم ہوگا مثلاً فواکہ ولذائذ وغیرہ مباحات میں اگر نیت اعانت اطاعت کی ہے تو ثواب اور نیت اعانت معصیت کی ہے تو گناہ۔ ورنہ مباح ہے۔ گذشتہ آیت کی طرح اس آیت میں بھی نفلی صدقات کا بیان ہے یعنی جو کچھ ہمت ہو خرچ کر لیا جائے۔لیکن یہ بات پھر بھی باقی رہ گئی تھی کہ اگر کوئی سارا مال جوشِ طاعت میں خرچ کر ڈالے تو اس کا حکم کیا ہے یہاں اس کی تحقیق مقصود ہے اس لحاظ سے یہ حکم تکرار سے بھی محفوظ رہ گیا۔

مسلم اور غیر مسلم لاوارث و یتیم بچے:............لاوارث بچوں اور یتیموں کی طرف سے جو کچھ لاپرواہی ہو رہی تھی وہ بھی انسانیت کی پیشانی پر ایک بدنما داغ تھا۔اسلام نے ان کے متعلق جب سخت ترین وعیدیں سنائیں اور شدید عذاب کی دھمکیاں دی گئیں تو مسلمان ڈر گئے اور اس درجہ احتیاط کرنے لگے کہ کھانے پینے کا پورا انتظام الگ کرنا پڑا۔ظاہر ہے کہ یہ صورت بھی دقت طلب اور نہ چلنے والی تھی۔اس لئے جامع حکم فرمادیا گیا کہ مقصود اصلی تو ان کی اصلاح و درستگی اور خیر اندیشی ہے۔جس طریقہ سے یہ حاصل ہوتی ہے اس کو اختیار کرو اور تم ان کو اپنا بھائی اور اپنے گھر میں شامل سمجھو۔جو چیز مثلاً سڑنے ٹھسنے والی ہو اس میں یتیم کا خرچ اپنے ساتھ رکھو اور جو چیزیں خراب ہونے والی نہ ہوں ان کا حساب کتاب علیحدہ رکھو۔ بھائی کہنے میں ترحم اور شفقت کی طرف بھی اشارہ ہے۔اس زمانہ میں اکثر یتیم بچے مسلمان ہی تھے۔لیکن اگر غیر مسلم یتیم بچہ بھی زیر پرورش ہوں تب بھی یہی حکم ہے۔آیات واحادیث کے عموم الفاظ سے یہی سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ اتنی رعایت مزید اور کرنی ہوگی کہ اس کی مذہبی آزادی پر دست اندازی نہیں کی جائے گی یعنی بالغ ہونے کے بعد اپنی پرورش کا دباؤ ڈال کر اور حق استعمال کر کے اسلام قبول کرنے کے لئے زور ڈالنا جائز نہیں ہوگا آزادانہ رائے قائم کرنے کا اس کو پورا پورا حق ہوگا۔آیت قل العفو میں عدم ادخار کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔

وَلَاتَنْكِحُوا تَتَزَوَّجُوا اَيُّهَا الْمُسْلِمُوْنَ **الْمُشْرِكٰتِ** اَيِ الْكَافِرَاتِ **حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ** حُرَّةٍ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا الْعَيْبُ عَلٰى مَنْ تَزَوَّجَ اَمَةً مُؤْمِنَةً وَالتَّرْغِيْبُ فِيْ نِكَاحِ حُرَّةٍ مُشْرِكَةٍ **وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ** لِجَمَالِهَا وَمَالِهَا وَهٰذَا مَخْصُوْصٌ بِغَيْرِ الْكِتَابِيَاتِ بِاٰيَةِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ **وَلَاتُنْكِحُوا** تُزَوِّجُوا **الْمُشْرِكِيْنَ** اَيِ الْكُفَّارَ الْمُؤْمِنَاتِ **حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ** لِمَالِهِ وَجَمَالِهِ **اُولٰٓئِكَ** اَيْ اَهْلُ الشِّرْكِ **يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ** بِدُعَائِهِمْ اِلَى الْعَمَلِ الْمُوْجِبِ لَهَا فَلَاتَلِيْقُ مُنَاكَحَتُهُمْ **وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا** عَلٰى لِسَانِ رُسُلِهِ **اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ** اَيِ الْعَمَلِ الْمُوْجِبِ لَهُمَا **بِاِذْنِهٖ ۚ** بِاِرَادَتِهٖ فَتَجِبُ اِجَابَتُهٗ بِتَزْوِيْجِ اَوْلِيَائِهٖ **وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ** ﴿۲۲۱﴾ يَتَّعِظُوْنَ

ترجمہ:............ اور نکاح نہ کرو (شادی نہ کرواے مسلمانو!) کافر عورتوں کے ساتھ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان عورت، لونڈی، بہتر ہے مشرک (آزاد) عورت سے (کیونکہ آیت کا سبب نزول مسلمان باندی کے نکاح کو عیب بتلانا اور کافر آزاد عورت کے نکاح کی ترغیب ہے) اگر چہ وہ تم کو بھلی معلوم ہوتی ہو (مال و جمال کے لحاظ سے۔ یہ حکم آیت والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب کی وجہ سے مخصوص ہے غیر کتابی کافر عورتوں کے ساتھ) اور نکاح نہ کرو مشرک (کافر) مردوں کے ساتھ (مؤمن عورتوں کا) حتیٰ کہ وہ مرد مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان غلام بہتر ہے کافر سے۔ اگر چہ وہ کافر تم کو بھلا معلوم ہو (مال و جمال کے اعتبار سے) یہ (کافر) دوزخ کی طرف تحریک کرتے ہیں (ایسا فعل کرا کر جو دخول جہنم کا باعث ہو۔ اس لئے ان سے نکاح مناسب نہیں ہے) اور اللہ تعالیٰ (پیغمبر کی زبانی) جنت اور مغفرت کی طرف تحریک کرتے ہیں (یعنی ایسے کام کی جس سے یہ دونوں چیزیں حاصل ہوتی ہوں) اپنے حکم (ارادہ) سے (لہٰذا اس کی تعمیلِ حکم ضروری ہے۔ مسلمانوں سے شادی کر کے) اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو احکام بتلا دیتے ہیں۔ اس توقع پر کہ اس سے نصیحت (وعظ) حاصل کریں گے۔

تحقیق وترکیب:............ لاتنکحوا مشہور قرأت فتح تاء کے ساتھ ہے نکاح نہ کرنا اور اعمش کی قرأت شاذ بضم التاء ہے انکاح متعدی ہے نکاح نہ کرانا۔ ولو اعجبتکم واؤ حالیہ ہے اور لو بمعنی ان ہے اور کان اور اس کا اسم اس کے بعد اکثر محذوف ہوتا ہے۔ ای وان کانت المشرکۃ تعجبکم فالمؤمنۃ خیر. زمخشری کے نزدیک یہ واو ان اور لو پر داخل ہوتا ہے اور ان ولو تو محض فرض کے معنی میں آتے ہیں۔ ان میں شرطیت کے معنی باقی نہیں رہتے۔ اسی لئے جزاء کی ضرورت نہیں ہوتی اور بعض کے نزدیک مقدر پر عطف کے لئے یہ واؤ ہوتا ہے اور جواب شرط محذوف ہوتا ہے جس پر ماقبل کا جملہ دلالت کرتا ہے۔ ای ولو لم تعجبکم ولوا عجبتکم اور بعض کے نزدیک یہ جملہ معترضہ ہے جو درمیان کلام واقع ہے۔ بہر حال نقیض شرط کی تقدیر پر حکم ہے۔ تاکہ تمام تقادیر پر بدرجۂ اول حکم ثابت ہو جائے۔ وھذا یعنی لفظ مشرکات اہل کتاب کو بھی شامل تھا۔ جیسا کہ آیت وقالت الیھود عزیر ابن اللہ وقالت النصارٰی المسیح بن اللہ سے دونوں کا مشرک ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن آیت والمحصنٰت الخ سے کتابیہ عورتوں کی تخصیص کرلی گئی۔ اب یہاں صرف غیر کتابیہ کافر عورتیں مراد ہوں گی اور اس کا برعکس اس لئے نہیں کہ سورۂ مائدہ کی آخری آیت نے اس کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ بتزویج اولیائہ اس کا تعلق لاتنکحوا المشرکین ثانی حکم سے ہے اور اگر تزویج کی بجائے تزوج کہا جائے تو اول حکم لا تنکحوا المشرکات سے اس کا تعلق ہو جائے گا۔

ربط:............ اس آیت میں سترہواں حکم نکاحِ کفار سے متعلق بیان کیا جا رہا ہے۔ ان سب احکام کو قریبی ربط جنگی حکم سے بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی انفاق، خمر و میسر اور یتیموں کی نگہداشت، نکاح کافر یہ سب مسائل اسی ایک مسئلہ سے کھڑے ہو گئے جن کو حل کیا جا رہا ہے۔

شانِ نزول:............ مقاتل سے روایت ہے کہ یہ آیت ابن ابی مرثد الغنوی کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ جبکہ ان کو مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ ایک ضرورت کے لئے آنحضرت ﷺ نے بھیجا تو عناقہ مشرکہ جو نہایت حسین و جمیل تھی ان پر فریفتہ ہو گئی اور ان سے درخواستِ نکاح کی، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت چاہی تو ولامۃ مؤمنۃ حکم نازل ہوا۔

ابن عباسؓ کی روایت یہ ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن رواحہؓ کے بارہ میں نازل ہوئی۔ ان کی ایک نہایت بدشکل باندی تھی ایک دفعہ کسی بات پر اس کے طمانچہ مار دیا تو اس نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی جس کے نتیجے میں ابن رواحہؓ نے اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح

کرلیا۔ لوگوں نے ایک بدشکل باندی سے شادی کرنے کی وجہ سے ان پر طعن و تشنیع کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ممکن ہے دونوں واقعے سبب نزول ہوں۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ پہلا واقعہ دو آیات کا سبب نزول ہو اس آیت کا اور آیت نور کا بھی۔ اسی طرح دوسرے واقعہ میں لفظ امۃ پر یہ شبہ کرنا بھی صحیح نہیں ہے کہ ابو مرثد کی باندی آزاد ہوگئی تھی۔ پھر اس کو باندی کہنا اور باندی کی توجیہ مطلق عورت کے ساتھ کرنا کیسے صحیح ہوگا؟ کہا جائے گا سابقہ حالت کے لحاظ سے اس کو باندی کہا گیا ہے یا چونکہ لوگ تحقیراً باندی سمجھتے ہیں۔ اس لئے لفظ امۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

﴿تشریح﴾:...... **کافرہ اور کتابیہ عورتوں سے شادی**:............ اس آیت میں دو حکم فرمائے گئے ہیں۔ (۱) مسلمان مرد کا نکاح کافرہ عورت سے نہ کیا جائے۔ (۲) مسلمان عورت کا نکاح کافر سے نہ کیا جائے۔ اول حکم کی تفصیل یہ ہے کہ غیر کتابیہ سے تو اب بھی مسلمان کا نکاح جائز نہیں ہے۔ البتہ صحیح معنی میں اگر عورت کتابیہ ہو تو اس سے نکاح کا جواز مفسر علام نے آیۃ والمحصنٰت الخ سے ثابت کیا ہے۔ تاہم کتابیہ سے نکاح بہتر اور پسندیدہ نہیں ہوگا۔

دوسرے حکم کی تشریح یہ ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر سے چاہے وہ کتابی ہو یا غیر کتابی جائز نہیں ہے۔ بلکہ پہلے سے بھی اگر نکاح ہوا ہے تو ایک کے کافر اور دوسرے کے مسلمان ہونے کی صورت میں نکاح باقی نہیں رہے گا۔ جس کی دو صورتیں ہیں (۱) مرد عورت دونوں مسلمان تھے۔ مگر بعد میں مرد کافر ہوگیا تو نکاح فوراً ٹوٹ جائے گا اور عورت عدت پوری کرکے دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔ (۲) مرد عورت دونوں کافر تھے۔ مگر پھر عورت مسلمان ہوگئی تو اگر یہ صورت دارالاسلام میں پیش آئے تو مرد سے دریافت کیا جائے گا اگر مرد اسلام قبول کرلے تو نکاح باقی رہے گا ورنہ ٹوٹ جائے گا اور اگر دارالحرب میں یہ واقعہ ہو تو بغیر مرد سے دریافت کئے عدت گزار کر نکاح سے باہر ہوجائے گی اور نکاح سے نکلنے کے بعد بھی پھر عدت ہوگی۔ اکثر لوگ بے احتیاطی سے عدت گزارے بغیر ایسی عورت کا فوراً نکاح کرادیتے ہیں حالانکہ یہ نکاح درست نہیں ہوتا۔

نکاح سے پہلے نو تعلیم یافتہ نوجوانوں کے عقائد کی تحقیق:............ آجکل مادیت اور سائنس کے اثرات سے نہ صرف یہ کہ یہود و نصاریٰ اپنے مذاہب پر باقی نہیں رہے۔ بلکہ بہت سے مسلمان کہلوانے والے یورپ زدہ نوجوان بھی ملحدانہ خیالات اور کافرانہ نظریات کی نذر ہوگئے ہیں۔ ایسے میں بے تحقیق ولایت سے میمیں بیاہ لانا کہ نہ وہ خدا کی قائل نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور انجیل کے کتاب الٰہی کو تسلیم کرنے والی۔ اسی طرح نیچریت زدہ طبقہ کے نوجوان کہ نہ اللہ و رسول پر ان کو عقیدہ اور نہ احکام شریعت و آخرت کے قائل۔ غرضیکہ دونوں صورتوں میں یہ نکاح درست نہیں ہے اور اگر نکاح کے بعد ایسے عقائد ہوجائیں تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اول ایک دوسرے کے عقائد کی طرف سے اطمینان کرلیا جائے تب نکاح کیا جائے گا اور نکاح کے بعد اگر خاوند کا بے دین ہونا ثابت ہوجائے تو عورتوں پر ان سے کنارہ کشی واجب اور سرپرستوں پر اس سلسلہ میں عورتوں کی امداد ضروری ہے۔

اس مقام پر سوال و جواب کی صورت میں "کبریت احمر" سے زیادہ ایک قیمتی تحقیق بیان القرآن میں قابل ملاحظہ ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ط اَيِ الْحَيْضِ اَوْ مَكَانِهٖ مَاذَا يُفْعَلُ بِالنِّسَاءِ فِيْهِ **قُلْ هُوَ اَذًى** لا قَذَرٌ اَوْ مَحَلُّهٗ **فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ** اُتْرُكُوْا وَطْيَهُنَّ **فِي الْمَحِيْضِ** لا اَيْ وَقْتِهٖ اَوْ مَكَانِهٖ **وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ** بِالْجِمَاعِ **حَتّٰى يَطْهُرْنَ** ج بِسُكُوْنِ الطَّاءِ وَتَشْدِيْدِهَا وَالْهَاءِ وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الطَّاءِ اَيْ يَغْتَسِلْنَ بَعْدَ انْقِطَاعِهٖ

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ لِلْجِمَاعِ **مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ** بِتَجَنُّبِهٖ فِی الْحَیْضِ وَهُوَ الْقُبُلُ وَلَاتَعْدُوْهُ اِلٰی غَیْرِهٖ **اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ** یُثِیْبُ وَیُکْرِمُ **التَّوَّابِیْنَ** مِنَ الذُّنُوْبِ **وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ﴿۲۲۲﴾** مِنَ الْاَقْذَارِ **نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ** اَیْ مَحَلُّ زَرْعِکُمْ لِلْوَلَدِ **فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ** اَیْ مَحَلَّهٗ وَهُوَ الْقُبُلُ **اَنّٰی** کَیْفَ **شِئْتُمْ** مِنْ قِیَامٍ وَقُعُوْدٍ وَاضْطِجَاعٍ وَاِقْبَالٍ وَاِدْبَارٍ نَزَلَ رَدًّا لِقَوْلِ الْیَهُوْدِ وَمَنْ اَتٰی امْرَاَتَهٗ فِیْ قُبُلِهَا مِنْ جِهَةِ دُبُرِهَا جَاءَ الْوَلَدُ اَحْوَلَ **وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ** اَلْعَمَلَ الصَّالِحَ کَالتَّسْمِیَةِ عِنْدَ الْجِمَاعِ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** فِیْ اَمْرِهٖ وَنَهْیِهٖ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ مُّلٰقُوْهُ** بِالْبَعْثِ فَیُجَازِیْکُمْ بِاَعْمَالِکُمْ **وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۲۳﴾** اَلَّذِیْنَ اتَّقَوْهُ بِالْجَنَّةِ

ترجمہ:............اور لوگ آپؐ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں (محیض بمعنی حیض۔ مصدر یا ظرف بمعنی حیض، عورتوں کے ساتھ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے) آپ فرمادیجئے کہ وہ گندی چیز ہے (گندگی سے یا گندگی کی جگہ ہے؟) تو علیحدہ رہا کرو تم عورتوں سے (ان سے ہم بستری چھوڑ دو) بحالت حیض (یعنی وقت حیض اور یا ظرف بمعنی مکان حیض) اور ان کے نزدیک نہ جاؤ (بارادۂ جماع) جب تک وہ پاک صاف نہ ہو جائیں (یطھرن سکون طاء اور تشدید طا سے اور ہا کے ساتھ ہے۔ دراصل تا تفعل کو طا سے بدل کر طا میں ادغام کردیا ہے۔ یعنی جب تک حیض بند ہونے کے بعد وہ غسل نہ کرلیں) پھر وہ عورتیں جب اچھی طرح پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آ جاؤ (ہم بستری کے لیئے) جس موقعہ سے اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے (بحالت حیض بچے رہنے کا یعنی سامنے کی شرمگاہ دوسری طرف رخ نہ کرو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں۔ (ثواب دیں گے اور عزت افزائی کریں گے) توبہ کرنے والوں سے (گناہوں کی) اور محبت کرتے ہیں پاک صاف رہنے والوں کے ساتھ (گندگیوں سے) تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیت ہیں (یعنی اولاد کی پیدائش گاہ) اس لئے اپنے کھیت میں آؤ (یعنی محل حرث میں مراد سامنے کی شرمگاہ ہے) جس طرف سے (انی بمعنی کیف ہے) تم چاہو (بحالت قیام بیٹھنے لیٹنے کے سامنے کی جانب ہو کر یا الٹی طرف ہو کر یہود کے اس خیال کی تردید کے لئے کہ جو شخص اپنی بیوی سے الٹی جانب سے ہم بستری کرے اس کے بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ یہ آیت نازل ہوئی) اور آئندہ کے لئے بھی اپنے واسطے کچھ کرتے رہو (نیک کام مثلاً صحبت کے وقت بسم اللہ الخ پڑھنا) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (کرنے نہ کرنے سے متعلق حکم میں) اور یہ یقین رکھو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش ہونے والے ہو روزِ قیامت کہ وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزا دیں گے) اور ان مسلمانوں کو بشارت سنا دیجئے (جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں جنت کی)

تحقیق وترکیب:............**المحیض** مصدر بھی ہوسکتا ہے۔ جیسے مجئ اور مبیت. حدثی معنی اور زمان ومکان کے معنی کی صلاحیت رکھتا ہو۔ حیض کے معنی سیلان خون کے ہیں۔ یہ مصدر ہے۔ چنانچہ وقت اور مکان کے لفظ سے جلال محققؒ نے اشارہ کردیا ہے کہ اس صورت میں تقدیر مضاف کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ سوال میں نہ جواب میں بلکہ حقیقۃً **مسئول عنہ اتیان النساء فی المحیض** ہوگا۔ **قذرا او مکانہ** اول تفسیر مصدری معنی کی صورت میں ہے اور دوسری تفسیر ظرف مکان کی صورت میں ہے۔

فاعتزلوا ولا تقربوا. یہ دونوں لفظ کنایہ ہیں ترک جماع سے اور ذات کی طرف اسناد مبالغہ کے لئے ہے اور مطلقاً اعتزال اور عدم قربان کا حکم اس لئے نہیں دیا کہ لفظ اذی سے خود معلوم ہو رہا ہے کہ مطلق اعتزال نہیں ہے کیونکہ تمام بدن محل اذیٰ نہیں ہے۔

حتی یطھرن یہ امام شافعیؒ کا مستدل ہے کہ وہ بغیر غسل جماع جائز نہیں فرماتے۔ چنانچہ حمزہ اور کسائی کی قرأت بالتشدید بصیغہ

مبالغہ بھی اس کی مؤید ہے کہ طہارتِ کاملہ کی ضرورت ہے اور فا بھی اس پر دال ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تخفیف اور تشدید کی دو قرأتیں حکم میں دو آیتوں کے ہیں۔ چنانچہ ہم نے صیغہ مبالغہ مادون العشرہ پر محمول کرلیا ہے اور تخفیف والی قرأت کو دس روز پورے ہونے پر محمول کرلیا ہے اور فا صرف ارتباط کے لئے ہے بغیر معنی تاخیر کے۔ نیز ہم اس کو بھی تسلیم نہیں کرتے کہ طہارت صرف غسل ہی سے ہوتی ہے بھی طہارت بالایام بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ مقصود بندشِ حیض کا اطمینان ہے اور وہ بلاشبہ پورے دس (۱۰) روز میں ہوجاتا ہے اور بعض کا طہارت کے لفظ سے غسل سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ طہارت کا اطلاق خلاف طمث پر کیا جاتا اور امرأۃ طاھر و نساء طو اھر بولتے ہیں اور مراد منقطع الدم لیتے ہیں۔

محل زرعکم یعنی بحذف المضاف ہے۔ علامہ زمخشریؒ کی رائے پر اس کو مجاز یا استعارہ بالکنایہ کہا جاسکتا ہے انی یہ تین معنی میں استعمال ہوتا ہے بمعنی کیف جیسے انی یحیی ھذہ اللہ اور بمعنی این جیسے انی لک ھذا اور بمعنی متی آیت کی تفسیر تینوں طریقہ پر کی گئی ہے اول کی تخریج ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے کی ہے اور دوسرے کی ربیع بن انسؓ اور تیسرے کی ضحاک سے اور ابن عمرو وغیرہ نے تخریج کی ہے کہ انی بمعنی حیث ہے۔ اس لئے فقہاء نے اس کو مشکل الفاظ میں شمار کیا ہے۔

احول پتلیوں کا پھر جانا جس کو بھینگا کہتے ہیں۔ الحرث زمین میں بیج ڈالنا۔ یہ ماقبل مبتداء کی خبر ہے۔ بحذف المضاف ای مواضع الحرث یا مجازاً یا تشبیہ بلیغ کے طور پر محمول ہے۔ نساء کم حرث لکم یہ جملہ بیان ہے فاتوھن من حیث امر کم اللہ کا۔

ربط:............اس آیت میں انیسواں (۱۹) حکم حائضہ عورت سے متعلق ہے۔

شانِ نزول:............امام مسلمؒ وترمذیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ یہود اپنی عورتوں سے بزمانہ حیض بالکلیہ یکسوئی اختیار کرلیتے تھے۔ ان کے ساتھ کھانا پینا، مجامعت سب ترک کردیتے تھے۔ نصاریٰ کا حال روایات یہود کے برخلاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ سب کچھ علیٰ حالہ کرتے رہتے تھے۔ حالتِ حیض اور غیر حیض میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ گویا ایک قوم افراط اور دوسری تفریط میں مبتلا تھی۔ ثابت بن الدحداحؓ اور دوسرے صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس صورتِ حال کا ذکر کرکے حکم دریافت کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اصنعوا کل شی الا النکاح ای الوطی۔

علیٰ ہذا حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ یہود کا خیال یہ تھا کہ اگر وطی من جانب الدبر کی جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے اس پر آیت نساء کم حرث لکم نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:......**بحالتِ حیض یہود ونصاریٰ کی معاشرتی بے راہ روی:**............اسلامی حکم اس بارہ میں کس قدر جامعیت اور تمام پہلوؤں کی رعایت اور اعتدال لئے ہوئے ہے کہ نہ یہود ومجوس کی طرح عورت کو ناپاک ملنے جلنے اور چھونے کے ناقابل سمجھا گیا اور نہ عیسائیوں کی طرح گھلنے ملنے کو روا رکھا گیا۔ بلکہ اس حقیقت کا اعلان کردیا کہ اس زمانہ میں زن وشوئی کے معاملات مضر اور نظافت وطہارت کے خلاف ہوں گے۔ فطرت نے دونوں کے باہم ملنے اور وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کا جو دستور ٹھہرایا ہے اس کی پابندی ہونی چاہئے اس کے علاوہ حق تعالیٰ کسی دوسرے طریقہ کو پسند نہیں فرماتے۔ اس سلسلہ میں لوگوں نے جو طرح طرح کی توہم پرستیاں اور پابندیاں لگا رکھی ہیں ان کی کوئی حقیقت واصلیت نہیں ہے۔ فطری طریقہ پر جس طرح چاہو یہ کاروان کرسکتے ہو۔

اسلامی معتدل احکام:............فقہاء نے جو احکام اس حالت کے مناسب آیت سے مستنبط کئے ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ حیض ونفاس کی حالت میں شیخینؒ کے نزدیک ناف سے لے کر زانو تک عورت کے بدن کو ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں ہے چہ جائیکہ ہم

بستری۔امام محمدؒ کے نزدیک حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق شعار دم مستثنیٰ ہیں البتہ (۱) حیض کی اکثر مدت دس دن اگر گزر چکے ہوں تو بلاغسل بھی صحبت کی اجازت ہے اور دس (۱۰) دن سے کم میں بندش ہوئی تو اس کی دو (۲) صورتیں ہیں (۲) اگر عادت کے مطابق دن پورے ہو چکے ہیں مثلاً پانچ یا سات روز کی عادت تھی وہ پوری ہوگئی ہے تو بلاغسل بھی صحبت کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ ایک نماز کا مکمل وقت گزر چکا ہو (۳) دس (۱۰) روز سے کم اور عادت سے بھی کم دن گزرے ہوں تو عادت کا وقت پورا ہوئے بغیر صحبت جائز نہیں ہے اور پہلی دوصورتوں میں غسل کے بعد بدرجہ اولیٰ صحبت جائز ہوگی۔اگر غلبہ شہوت میں کسی سے یہ حرکت ہوگئی ہو تو اس کو خوب اچھی طرح توبہ کرنی چاہئے اور صدقہ بھی کچھ دے دیا جائے تو عمدہ ہے۔ پاخانہ کے مقام سے بیوی سے بھی ہمبستر ہونا قطعاً حرام ہے۔

شیعی معاشرت:.........فقہاء نے لفظ انی کو الفاظ مشکلہ میں شمار کیا ہے۔اہلسنت نے سیاق وسباق پر نظر کرتے ہوئے اس کو کیف کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی تعمیم احوال کے لئے ہے۔ ماتی اور مقام میں تعمیم نہیں کی ہے برخلاف روافض اور شیعہ کے وہ انی کو این کے معنی میں لے رہے ہیں اور تعمیم مکان کا ارادہ کرتے ہیں۔ حالانکہ حرث وطہارت اس کی اجازت نہیں دیتے۔ کیونکہ وہ موضع حرث نہیں ہے جو خلاف نظافت وطہارت ہے اور اجازت دی جارہی ہے موضع حرث کی جس میں افزائش نسل کی طرف اشارہ ہے۔ بہرحال لواطت بیوی سے بھی حرام ہے۔ اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ لواطت کرنے والے یا حیض میں صحبت کرنے والے کو اگر کوئی قتل کردے تو یہ اتنے بڑے گناہ ہیں کہ قاتل پر قصاص وغیرہ بھی واجب نہیں ہوگا۔ لیکن حرام لغیرہ ہونے کی وجہ سے فقہاء نے ایسے واطی کو محصن کہا ہے اور زوج اول کے لئے اس کو محلل بھی مانا ہے حتیٰ کہ اس کو محصن ہونے کی وجہ سے قابل رجم بھی مانا جائے گا اور اس پر جھوٹی تہمت لگانے والے پر حد قذف بھی جاری کی جائے گی۔

لواطت کی برائی اور اس کے احکام:.........بعض علماء نے حرمۃ لواطۃ کو حرمۃ حیض پر قیاس کیا ہے کیونکہ دونوں میں مشترک علت ''اذیٰ'' ہے۔ ممکن ہے اس پر یہ اعتراض ہو کہ قیاس کی اس وقت اجازت ہوتی ہے جبکہ مقیس میں نص موجود نہ ہو اور وطی کے باب میں دوسری آیت موجود ہے **اتاتون الرجال شھوۃ من دون النسآء** لیکن کہا جائے گا کہ آیت میں صراحۃً جس لواطت کا ذکر ہے وہ لواطت من الرجال ہے۔ اور جس لواطت کو قیاس کیا جارہا ہے وہ لواطت من النساء ہے۔ اسی لئے دونوں میں فرق ہے۔ لواطت من الرجال قطعاً حرام ہے۔ حنفیہ کے نزدیک واجب التعزیر اور شوافع کے نزدیک حدِ زنا کا مستوجب ہوگا۔ اس کے حلال سمجھنے والے کو کافر کہا جائے گا اور یہی حالت لواطت من الاجنبیۃ کا ہے۔ اسی طرح بیوی سے بحالتِ حیض صحبت کو حلال سمجھنے والا بھی کافر۔ کیونکہ حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔ البتہ بیوی سے لواطت کا یہ حکم نہیں ہے کہ اس کی حرمت ظنی ہے۔

بعض شبہات کا ازالہ:.........اور چونکہ حرث کا اطلاق مطلق استمتاع کے لحاظ سے نہیں کیا گیا ہے بلکہ صرف ایتان کے لحاظ سے حرث کہا گیا ہے اس لئے **الامناء فی الساق و الفخد** پر شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ عرفاً وہ وطی نہیں کہلاتے اور چونکہ انی بمعنی این نہیں ہے۔ جو تعمیم مکان کے لئے آتا ہے اور بلکہ **کیف** اور **متی** کے معنی میں ہے۔ اس لئے بھی امناء مذکور پر شبہ کو کوئی تقویت نہیں ملتی۔

اس مقام پر ایک شبہ یہ گزرسکتا ہے کہ جس طرح علت اذی کی وجہ سے وطی بحالت حیض ناجائز ہے۔ بحالتِ استحاضہ بھی اسی وجہ سے ناجائز ہونی چاہئے۔ لیکن کہا جائے گا کہ بعض دفعہ استحاضہ دائمی ہو جاتا ہے۔ اگر اس حالت میں بھی ناجائز کردیا تو سخت حرج واقع ہو جاتا ہے اور شریعت میں حرج مدفوع ہے اس لئے استحاضہ میں اذیٰ کا لحاظ نہیں کیا گیا۔

وَلَاتَجْعَلُوا اللّٰهَ اَيِ الْحَلْفَ بِهٖ **عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ** اَيْ نُصْبًا لَهَا بِاَنْ تُكْثِرُوا الْحَلْفَ بِهٖ **اَنْ لَا تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ** فَتُكْرَهُ الْيَمِيْنُ عَلٰى ذٰلِكَ وَيُسَنُّ فِيْهِ الْحِنْثُ وَيُكَفِّرُ بِخِلَافِهَا عَلٰى فِعْلِ الْبِرِّ وَنَحْوِهٖ فَهِيَ طَاعَةٌ اَلْمَعْنٰى لَاتَمْتَنِعُوْا مِنْ فِعْلِ مَاذُكِرَ مِنَ الْبِرِّ وَنَحْوِهٖ إِذَا حَلَفْتُمْ عَلَيْهِ بَلِ ائْتُوْهُ وَكَفِّرُوْا لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا الْاِمْتِنَاعُ مِنْ ذٰلِكَ **وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ** لِاَقْوَالِكُمْ **عَلِيْمٌ** ﴿۲۲۴﴾ بِاَحْوَالِكُمْ **لَايُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ** الْكَائِنِ **فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ** وَهُوَ مَايَسْبِقُ اِلَيْهِ اللِّسَانُ مِنْ غَيْرِ قَصْدِ الْحَلْفِ نَحْوُ لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰى وَاللّٰهِ فَلَااِثْمَ فِيْهِ وَلَاكَفَّارَةَ **وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ** اَيْ قَصَدَتْهُ مِنَ الْاَيْمَانِ إِذَا حَنِثْتُمْ **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ** لِمَا كَانَ مِنَ اللَّغْوِ **حَلِيْمٌ** ﴿۲۲۵﴾ بِتَاخِيْرِ الْعُقُوْبَةِ عَنْ مُسْتَحِقِّهَا **لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ** اَيْ يَحْلِفُوْنَ اَنْ لَايُجَامِعُوْهُنَّ **تَرَبُّصُ** اِنْتِظَارُ **اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ** رَجَعُوْا فِيْهَا اَوْ بَعْدَهَا عَنِ الْيَمِيْنِ اِلَى الْوَطْيِ **فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لَهُمْ مَا اَتَوْهُ مِنْ ضَرَرِ الْمَرْاَةِ بِالْحَلْفِ **رَّحِيْمٌ** ﴿۲۲۶﴾ بِهِمْ **وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ** اَيْ عَلَيْهِ بِاَنْ لَمْ يَفِيْئُوْا فَلْيُوْقِعُوْهُ **فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ** لِقَوْلِهِمْ **عَلِيْمٌ** ﴿۲۲۷﴾ بِعَزْمِهِمْ اَلْمَعْنٰى لَيْسَ لَهُمْ بَعْدَ تَرَبُّصِ مَا ذُكِرَ اِلَّا الْفَيْئَةُ اَوِ الطَّلَاقُ

ترجمہ:.........اور اللہ کے نام کومت بناؤ (یعنی اللہ کی قسم کو) حجاب اپنی قسموں کے ذریعہ (یعنی قسموں کو آڑ نہ بناؤ کہ اللہ کے نام کی بکثرت قسمیں کھاؤ) کہ تم نیکی اور تقویٰ اور اصلاحی کام نہ کرسکو (ان باتوں پر قسمیں کھانا مکروہ ہے اور کھالی جائیں تو قسموں کو توڑ کر کفارہ ادا کردینا مسنون ہے اور ان کاموں کے خلاف نیک جانب کو اختیار کرے کہ یہ طاعت ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان قسموں کی وجہ سے ان نیک کاموں میں رکاوٹ نہ ڈالو۔ بلکہ ان کو کر کے کفارہ ادا کرلیا کرو۔ اس آیت کا سبب نزول ان کاموں سے رکاوٹ ڈالنا تھا) اور اللہ تعالیٰ (تمہارے اقوال) سب کچھ سنتے ہیں (اور تمہارے احوال) سب کچھ جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم پر دارو گیر نہیں فرمائیں گے۔ بیکار باتوں پر جو تمہاری قسموں میں (ہونے والی) ہیں (یمین لغو کہتے ہیں بلا ارادہ زبان پر قسموں کا جاری ہونا۔ جیسے لا واللہ اور بلیٰ واللہ ان میں نہ گناہ ہوتا ہے اور نہ کفارہ لازم ہے) البتہ دارو گیر فرمائیں گے اس پر جس میں تمہارے دلوں نے ارادہ کیا ہے (یعنی ارادہ سے قسم کھا کر توڑ دیں) اور اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والے ہیں (لغو یمین کی برائی کو) بُردبار ہیں (کہ مستحق کی سزا کو مؤخر رکھا ہے) جو لوگ تم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیویوں کے پاس جانے سے (یعنی صحبت نہ کرنے پر حلف کر لیتے ہیں) ان کے لئے چار مہینے کی مہلت (انتظار ہے) چنانچہ اگر یہ لوگ رجوع کرلیں (مدت کے اندر یا بعد حلف سے رجوع کر کے ارادۂ وطی کرلیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمانے والے ہیں (جو کچھ انہوں نے قسم کھا کر بیوی کو نقصان پہنچایا ہے) ان پر رحم فرمانے والے ہیں اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے (یعنی رجوع نہیں کرنا چاہتے تو ان کو طلاق واقع کردینی چاہئے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان کی بات) سننے والے (ان کے ارادوں سے) واقف ہیں (حاصل یہ ہے کہ اس انتظار کے بعد ان کے لئے بجز رجوع یا طلاق کے کوئی چارہ نہیں ہے۔)

تحقیق وترکیب:.........العرضۃ بروزن فعلۃ بمعنی مفعول مثل قبضۃ وغرفۃ باب نصر یا ضرب سے عرض الشئ اذا جعلہ

معترضا.

ایمان جمع یمین بمعنی قسم لام تعلیل کا ہے۔نصبا یعنی مثل علم منصوب کے قابل اعتماد۔

بان تکثروا یہاں مفسر کولفظ او استعمال کرنا چاہئے تھا۔کیونکہ یہ دوسری تفسیر کی طرف اشارہ ہے۔ان تبروا مفسر جلال محققؒ نے لا مقدر مانا ہے اور دوسرے اکثر مفسرین لا مقدر نہیں مانتے اور لام کی تقدیر کرتے ہیں ای لان تبروا اور یہ لا تجعلوا فعل کا صلہ ہوجائے یا لفظ عرضۃ کا صلہ بن جائے ای لا تجعلوا اللہ حاجزًا لاجل حلفکم بہ عن البر والتقویٰ والصلاح.

علی ذٰلک یعنی مذکورہ پر قسم کھانا جائز نہیں ہے۔اس صورت میں عرضۃ سے مراد یا معترض اور ایمان سے مراد امور محلوفہ اوران تبروا عطف بیان ہے۔ویسن حدیث مسلم ہے۔اذا حلفت علی یمین فرایت غیرھا خیرامنھا فکفر عن یمینک فات الذی ھو خیر.

وھو مایسبق یمین لغو کی یہ تشریح مفسر نے اپنے شافعی مذہب کی رعایت سے کی ہے۔امام اعظمؒ کے نزدیک یمین لغو کے معنی یہ ہیں کہ زمانہ ماضی پر کسی بات کو صحیح سمجھتے ہوئے قسم کھالینا اور فی الواقع وہ خبر غلط ہو یا بلا ارادہ جھوٹی قسم زبان سے نکل گئی اور مختار میں زمانہ حال کا بھی اضافہ کیا ہے یعنی آئندہ بات پر بلا ارادہ قسم نکل گئی اوراس پر نہ گناہ ہے اور نہ کفارہ یعنی ساقط الاعتبار ہے۔

ای قصدتہ یمین غموس اور یمین منعقدہ دونوں ہی ہیں۔ارادہ ہوتا ہے لیکن یمین منعقدہ میں شوافع اور احناف دونوں کے نزدیک کفارہ اور گناہ دونوں لازم ہوتے ہیں۔البتہ یمین غموس میں شوافع کے نزدیک کفارہ ہے اور احناف کے نزدیک صرف گناہ ہے کفارہ نہیں ہے۔یمین منعقدہ کی حقیقت یہ ہے کہ آئندہ کام پر قصداً قسم کھائے اور یمین غموس زمانہ ماضی پر جھوٹی قسم کھانا۔

یؤلون. ایلاء لغۃً یمین کو کہتے ہیں اور شریعت میں چار مہینے یا اس سے زائد بیوی سے ترک صحبت پر قسم کھانے کو کہتے ہیں۔اور قسم بھی خدا یا اس کے نام یا صفت کی معتبر ہوگی۔لیکن غیر اللہ کی اگر قسم کھالی جائے۔مثلاً بیت اللہ، کعبۃ اللہ، نبی اللہ، کی تو وہ معتبر نہیں ہیں اور موجب کفارہ نہیں بلکہ ایسی قسمیں مکروہ ہیں۔امام شافعیؒ تو ایسی قسموں کے بارہ میں معصیت ہونے کا خطرہ ظاہر فرماتے ہیں اور رازیؒ تو کفر کا اندیشہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر عوام کا خیال پیش نظر نہ ہوتا کہ وہ معانی کی طرف ملتفت نہیں ہوتے تو میں اس کو شرک قرار دے دیتا کما فی الحدیث من حلف بغیر اللہ فقد اشرک باللہ.

لقولھم یعنی قول طلاق کو اللہ تعالیٰ سننے والے ہیں۔یہ تفسیر امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ کی رائے کے موافق کی ہے ان حضرات کے نزدیک مدت ایلاء گذرنے کے بعد یا طلاق دی جائے گی یا رجوع کیا جائے گا محض مدت گزرنا کافی نہیں ہوگا۔سمع کا تعلق قول سے ہوتا ہے اور مدت مسموع نہیں ہوا کرتی۔

اور فان فاؤ اکی فا تعقیبیہ ہے یعنی رجوع مدت کی ہونا چاہئے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رجوع مدت کے اندر ہوتا ہے بعد میں سوال ہی باقی نہیں رہتا اور طلاق خود بخود ہوجائے گی واقع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔رہا فاوہ تعقیب ذکری کیلئے ہے جو جملوں پر تفصیل بعد الاجمال کیلئے آتی ہے ای فان رجعوا فی المدۃ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں فان فاءُ وافیھن بھی اسی کی موید ہے اور سمیع کا تعلق ایلاء کے ساتھ ہے کہ یہ بقصد ضرر ایلاء کیا گیا ہے یا نہیں۔

فَاءُ وا امرنتہ بولتے ہیں یعنی قسم کا کفارادا کیا اور بیوی سے رجوع کیا عن اور الی کے ذریعہ تعدیہ ہوتا ہے یَتَفَیَّؤُا ظِلَالُہٗ عَنِ الْیَمِیْنِ اور تَفِیْءَ اِلٰی اَمْرِ اللہِ ایسے ہی مفسر علام نے عزموا کے بعد علیہ نکال کر اشارہ کردیا کہ عزم تعدی علی کے ساتھ ہے۔

ربط :........آیت لا تجعلوا میں نیکی سے رُکنے کیلئے قسموں کا بیسوں (۲۰) حکم مذکور ہے۔آیت لا یؤاخذ کم میں جھوٹی قسموں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔یہ اکیسواں (۲۱) حکم ہے۔آیت للذین یؤلون میں بائیسواں حکم ایلاء سے متعلق ہے۔

شانِ نزول:............ابن جریرؒ کی روایت یہ ہے کہ آیت **لاتجعلوا** حضرت ابوبکرؓ اور حضرت مسطحؓ کی شان میں نازل ہوئی۔ جبکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے واقعۂ افک کے سلسلہ میں حضرت عائشہؓ پر زبان درازی کرنے کی وجہ سے مسطحؓ کے ساتھ نیک سلوک نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اور روح المعانی میں اس آیت کو عبداللہ بن رواحہؓ کے متعلق نازل ہونا ذکر کیا گیا ہے جبکہ انہوں نے اپنے بہنوئی نعمان بن بشیر کے بارہ میں قسم کھائی تھی کہ ان سے بات چیت نہیں کریں گے۔

﴿ تشریح ﴾:......**قسم کی اہمیت اور اس کا مقصد:**..........قسم کا مقصد کسی کام سے مؤکد طریقہ پر روکنا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اللہ کے نام کو حجاب کا ذریعہ بنالیا جاتا ہے۔ کسی نیک کام سے رکنا تو ویسے بھی برا تھا چہ جائیکہ اللہ کے نام کو برائی کا ذریعہ بنالیا جائے یہ تو نہایت درجہ قبیح ہوگی۔ حالانکہ اللہ کے نام سے تو اور زیادہ نیک کام کرنے چاہئیں تھے گویا اللہ تعالیٰ کے نام کو اُلٹا استعمال کیا گیا ہے۔

قسم کی قسمیں اور احکام:...........بے معنی اور لغو قسمیں جو گزری ہوئی بات پر بلا ارادہ یا بالا رادہ جھوٹ کو سچ سمجھ کر کھالی جائیں یا آئندہ بات پر کہنا چاہتا تھا کہ کچھ اور زبان سے نکل گئی قسم تو وہ ساقط الاعتبار ہے یعنی ان پر نہ کچھ گناہ اور نہ کفارہ۔ اسی طرح اگر گزری ہوئی بات پر جھوٹی قسم جان بوجھ کر کھالی جائے تو اس پر مواخذہ یعنی گناہ اگر چہ ہے۔ کہ آیت میں ان دونوں جزوں کو فرمایا گیا ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک ایسی قسم پر کفارہ نہیں ہے۔ اس لحاظ سے اس ''یمین غموس'' کو یمین لغو بھی کہہ سکتے ہیں۔ البتہ قسم کی تیسری قسم یمین منعقدہ ہے کہ زمانہ آئندہ کے لئے کسی کام پر جھوٹی قسم کھا جائے یعنی اس کو پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ اس کا بیان آیت مائدہ میں آئے گا۔ بالاتفاق اس پر گناہ بھی ہے اور کفارہ بھی۔

تین قسم کی قسم:...........حاصل یہ کہ غموس تو ہمیشہ ماضی پر ہوتی ہے اور منعقدہ ہمیشہ آئندہ کام پر ہوتی ہے اور لغو کبھی ماضی پر ہوتی ہے اور کبھی مستقبل پر۔

دلائلِ طرفین:...........نیز لغو اور منعقدہ کے حکم میں سب کا اتفاق ہے۔ صرف لغو کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ البتہ غموس کے حکم میں حنفیہ اور شوافع کا اختلاف ہے یعنی اس کے گناہ ہونے پر دونوں متفق ہیں۔ البتہ کفارہ کے بارہ میں حنفیہ اس کو لغو میں شمار کرتے ہیں اور گناہ میں منعقدہ کی ساتھ اور شوافع گناہ اور کفارہ دونوں میں اس کو منعقدہ ہی کے ساتھ شمار کرتے ہیں۔ انہوں نے **ولکن یؤاخذکم بما عقدتم** کو یمین غموس اور منعقدہ دونوں پر محمول کیا ہے اور جو سزا آیتِ مائدہ میں گناہ اور کفارہ کی ہے وہ دونوں میں جاری کی ہے اور حنفیہ اس آیت بقرہ **ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم** کو بھی غموس اور یمین منعقدہ پر محمول کر کے مواخذہ کا حکم دیتے ہیں اور مواخذہ سے مراد عذاب اُخروی ہے تو اس آیت سے دونوں میں گناہ کا ہونا معلوم ہوا۔ اب رہ گئی آیتہ، مائدہ اس میں کفارہ کا بیان یمین منعقدہ کے ساتھ مختص ہے اس لئے وہ اس کے ساتھ مخصوص رہے گا۔

ایلاء کی اصلاح:...........آیت ایلاء کے سبب نزول کے سلسلہ میں علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں کسی وجہ سے بیوی کی طرف اگر میلان نہیں ہوتا تھا اور اپنی غیرت کی وجہ سے اس کو چھوڑنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح عورت معلقہ اور ادھر لٹکی رہتی تھی اور اس کی زندگی تنگ رہتی۔ ایلاء میں اس صورت حال کی اصلاح کی گئی ہے اور ہدایہ سے اس کے خلاف مضمون معلوم ہوتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ایلاء کو طلاق معجل سمجھا جاتا تھا اسلام نے اس کی تاجیل بیان کردی۔

ایلاء کی قسمیں مع احکام:............ایلاء کی چار قسمیں ہیں۔(۱) چار مہینے سے کم مدت کی قسم کھائے۔ چاہے آدھا دن ہی کم ہو(۲) چار مہینے مدت کی قید لگا کر حلف کرے(۳) چار مہینے سے زیادہ مدت کی تعیین کر کے قسم کھائی جائے (۴) بلا تعیین مدت قسم کھائی جائے۔ اس صورت میں ایلاء شرعی نہیں ہوتا۔ اس صورت میں نہ بیوی ہاتھ سے جائے گی اور نہ کفارہ دینا پڑے گا۔ البتہ اگر قسم توڑے گا تو اس کا کفارہ دینا پڑے گا اور باقی تینوں صورت میں ایلاء ہو جائے گا۔ چنانچہ دونقصان میں سے ایک نقصان ضرور ہوگا۔ اگر قسم پوری کر لی تو بیوی ہاتھ سے جائے گی اور بیوی کو بچانے کے لئے قسم کو توڑ دیا تو کفارہ دینا پڑے گا۔ بیوی کے علیحدہ ہو جانے کی صورت میں دونوں رضامند ہوں تو بغیر حلالہ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ اَیْ لِيَنْتَظِرْنَ **بِاَنْفُسِهِنَّ** عَنِ النِّكَاحِ **ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ** تَمْضِیْ مِنْ حِيْنِ الطَّلَاقِ جَمْعُ قَرْءٍ بِفَتْحِ الْقَافِ وَهُوَ الطُّهْرُ اَوِ الْحَيْضُ قَوْلَانِ وَهٰذَا فِی الْمَدْخُوْلِ بِهِنَّ اَمَّا غَيْرُهُنَّ فَلَا عِدَّةَ لَهُنَّ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی فَمَالَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا وَفِیْ غَيْرِ الْاٰيِسَةِ وَالصَّغِيْرَةِ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَالْحَوَامِلُ فَعِدَّتُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ كَمَا فِیْ سُوْرَةِ الطَّلَاقِ وَالْاِمَاءُ فَعِدَّتُهُنَّ قُرْاٰنِ بِالسُّنَّةِ **وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ** مِنَ الْوَلَدِ وَالْحَيْضِ **اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ** اَزْوَاجُهُنَّ **اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ** اَیْ بِمُرَاجَعَتِهِنَّ وَلَوْ اَبَيْنَ **فِیْ ذٰلِكَ** اَیْ فِیْ زَمَنِ التَّرَبُّصِ **اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا** بَيْنَهُمَا لَا اِضْرَارَ الْمَرْاَةِ وَهُوَ تَحْرِيْضٌ عَلٰی قَصْدِهٖ لَا شَرْطٌ لِجَوَازِ الرَّجْعَةِ وَهٰذَا فِی الطَّلَاقِ الرَّجْعِیِّ وَاَحَقُّ لَا تَفْضِيْلَ فِيْهِ اِذْ لَا حَقَّ لِغَيْرِهِمْ فِیْ نِكَاحِهِنَّ فِی الْعِدَّةِ **وَلَهُنَّ** عَلَی الْاَزْوَاجِ **مِثْلُ الَّذِیْ** لَهُمْ **عَلَيْهِنَّ** مِنَ الْحُقُوْقِ **بِالْمَعْرُوْفِ** ۠ شَرْعًا مِنْ حُسْنِ الْعِشْرَةِ وَتَرْكِ الضِّرَارِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ **وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ** ۭ فَضِيْلَةٌ فِی الْحَقِّ مِنْ وُجُوْبِ طَاعَتِهِنَّ لَهُمْ لِمَا سَاقُوْهُ مِنَ الْمَهْرِ وَالْاِنْفَاقِ **وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ** فِیْ مُلْكِهٖ **حَكِيْمٌ** ﴿۲۲۸﴾ فِيْمَا دَبَّرَهٗ لِخَلْقِهٖ

۲۸ ع ۷ ۱۲

ترجمہ:............اور طلاق دی ہوئی عورتیں روکے رکھیں (یعنی انتظار کریں) اپنے آپ کو (نکاح سے) تین طہر تک (جو طلاق کے وقت سے شروع ہو قروء جمع ہے قرء کی قاف کی فتح کے ساتھ۔ مراد اس سے طہر ہے یا حیض دوقول ہیں۔ یہ حکم مدخولہ کے بارہ میں ہے اور غیر مدخولہ کی کوئی عدت نہیں ہے۔ آیت **فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا** کی وجہ سے: ز آئسہ اور صغیرہ نہ ہوں کہ ان کی عدت تین مہینے ہے۔ نیز حاملہ نہ ہوں کہ ان کی عدت وضع حمل ہے۔ آیت طلاق **فعدتھن ان یضعن حملھن** کی وجہ سے نیز باندیاں نہ ہوں کہ حدیث کی رو سے ان کی عدت دو (۲) حیض ہیں) اور ان عورتوں کے لئے حلال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا اس کو پوشیدہ رکھیں (یعنی بچہ یا حیض) اگر وہ عورتیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں اور ان عورتوں کے شوہر (خاوند) ان کے پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں (اگر عورتیں رضامند نہ ہوں تب بھی رجوع کر سکتے ہیں) اس عدت کے اندر (زمانہ انتظار میں) بشرطیکہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں (آپس میں نہ یہ کہ عورت کو ضرر پہنچانے کی نیت سے لوٹانا ہو۔ یہ جملہ اصلاحی ترغیب

کے لئے ہے۔ جوازِ رجعت کی شرط نہیں ہے اور یہ حکم رجوع طلاق رجعی میں ہے اور احق میں تفضیل مقصود نہیں ہے کیونکہ زمانۂ عدت میں خاوند کے علاوہ دوسروں کو رجوع کا حق ہے ہی نہیں) اور ان عورتوں کے حقوق بھی (شوہروں پر) مثل ان حقوق کے ہیں جو مردوں کے عورتوں پر ہیں۔ دستور (شرعی) کے مطابق (کہ خوش معاملگی ہونی چاہئے نقصان پہنچانے کی نیت نہ ہونی چاہئے وغیرہ) اور مردوں کا درجہ عورتوں کے مقابلہ میں کچھ بڑھا ہوا ہے (حق بزرگی کے لحاظ سے کہ عورتوں پر مردوں کی اطاعت مہر وغیرہ اخراجات کی وجہ سے واجب ہے) اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے (اپنے ملک میں) اور حکیم بھی ہیں (مخلوق کی تدبیر میں)

تحقیق وترکیب: .... **یتربصن** مفسر علامؒ نے اشارہ کردیا ہے کہ خبر معنیٰ میں امر کے ہے۔ مبالغۃً امتثال حکم کیلئے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

ثلثة قروء ممیز یعنی قروء جمع کثرت ہے قلت کے موقعہ پر استعمال کرلیا گیا ہے چنانچہ جمع قلت وکثرت توسعاً ایک دوسرے کے مواقع پر استعمال ہوتی ہیں اور یا اقراء جمع قلت کی قلیل الاستعمال اور قروء کے کثیر الاستعمال ہونے کی وجہ سے اول کو ترک اور ثانی کو اختیار کیا گیا ہے۔ اور ثلثة منصوب بر بناء مفعولیت ہے بتقدیر مضاف ای **یتربصن مضی ثلثة قروء.** یا منصوب بناء برظرفیت کے ہے۔ ای **یتربصن مدة ثلثة قروء.** یہ لفظ مشترک ہے۔ طہر اور حیض دونوں کے معنیٰ آتے ہیں اول قول امام مالکؒ وامام شافعیؒ کا ہے اور ثانی قول امام اعظمؒ اور امام احمدؒ کا ہے۔ دلائل طرفین کے پاس ہیں۔

بالسنة ابوداؤد کی روایت ہے **طلاق الامة تطليقتان وعدتها حيضتان** چنانچہ حدیث مذکور لفظ قرء حیض کے معنی لینے میں حنفیہ کا مستدل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے باندی کی عدت صراحۃ **حیضتان** فرمائی۔ معلوم ہوا کہ آزاد عورت مدخول کی عدت "**ثلثة قروء**" سے مراد بھی تین حیض ہیں۔ گویا حدیث نے مشترک لفظ کے ایک معنی کی تعیین کی۔ مفسر جلالؒ کیلئے لفظی روایت چونکہ مضر تھی اس لئے شاید روایت بالمعنیٰ کردی ہے۔

من الولد او الحيض یعنی اگر حاملہ ہے تو حمل کو اور حائضہ ہے تو حیض کو ظاہر کردے۔ **وبعولتهن** بعول جمع بعل اور تا زائد ہے اور امثلہ سماعی ہیں۔ ضمیر مؤنث مطلقات رجعی کی طرف راجع ہے۔ قرینہ یہ ہے کہ **الطلاق مرتٰن** آگے آرہا ہے۔ گویا ضمیر مطلقہ کے بعض افراد کی طرف راجع ہے۔ **ولهن مثل** کی ضمیر مطلق نساء کی طرف راجع ہے۔ یہاں ضمیر خاص اور مرجع عام ہے۔ احق یعنی اس میں تفضیل کا مفہوم نہیں ہے کہ ایک مفضل دوسرا مفضل علیہ ہے یعنی شوہر کو بھی حق ہو اور شوہر کے علاوہ بیوی وغیرہ کو بھی حق ہو اور زیادہ حق شوہر کا ہو۔ یہ مطلب نہیں ہے بلکہ حق صرف شوہر کا ہے یہ لفظ **الشتاء ابرد من الصيف** کی طرح ہے۔ یعنی صرف برودت مراد ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ گرمی بھی ٹھنڈی ہوتی ہے مگر موسم سرما موسم گرما کے مقابلہ میں زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ مبالغۃً صیغہ تفضیل سے بیان کردیا ہے اور یا یہ معنی ہیں کہ **انهم احق بالرجعة منهن.**

بالاباء. وللرجال. رجل کے لفظ میں غلبہ کے معنی ہونے کی وجہ سے اس کو ذکر کیا ہے اور بجائے ضمیر کے اسم ظاہر لائے تاکہ اس کی مزیت وشرف معلوم ہوجائے۔

ربط: .... اس آیت میں تیئسواں (۲۳) اور چوبیسواں (۲۴) حکم مطلقہ کی عدت کے بارہ میں ہے۔

شانِ نزول: .... اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ کہتی ہیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ان کو طلاق ہوئی اور مطلقہ کے لئے کوئی عدت نہیں تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کی عدت کیلئے **والمطلقات يتربصن** نازل فرمائی۔

﴿تشریح﴾:...... **نکاح اور طلاق میں مرد وعورت کی حیثیت**:............ اس آیت میں طلاق کے احکام اور ازدواجی زندگی میں عورت کی حق تلفی جن باتوں سے ہوسکتی ہے ان کا انسداد مقصود ہے۔ مثلاً طلاق کی عدت کا ایک مناسب زمانہ مقرر کرکے نکاح کی اہمیت، نسبت کے تحفظ اور عورت کے نکاحِ ثانی کی سہولتوں کا انتظام کردیا گیا اور یہ بات بھی واضح کی جارہی ہے کہ طلاق کے بعد اگر شوہر رجوع کرنا چاہے تو وہی حقدار ہے کیونکہ شرعاً میل ملاپ مطلوب ہے نہ کہ افتراق۔ نیز یہ اصل عظیم بھی واضح کردی گئی ہے کہ جیسے مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ہیں۔ البتہ نوعیتِ حقوق میں فرق ہے کہ مرد کی بالادستی عورت پر نا قابلِ انکار حیثیت ہے گویا ساری خانگی زندگی کا نچوڑ ان دولفظوں میں بیان کردیا گیا ہے۔ اگر مرد وعورت کی یہ حیثیتیں پیش نظر نہ رہیں کہ ایک گارڈ ہے اور دوسرا ڈرائیور، تو زندگی کی گاڑی بلا کشاکش کھینچ سکتی ہے۔

احکامِ حیض:............ (۱) آیت میں یہ عدت ایک خاص قسم کی مطلقہ کے لئے بیان کی جارہی ہے۔ جس کی طرف جلال محققؒ نے پورے اشارات کردیئے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک خلوتِ صحیحہ بھی ہمبستری کے حکم میں ہے۔ یعنی جس عورت کو خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق ہوتی ہو اس کی عدت بھی وہی ہے جو مدخولہ مذکورہ کی ہے۔

(۲) جو عورت جوان غیر حاملہ ہو مگر مرضِ احتباس کی وجہ سے اس کو حیض نہ آتا ہو تو اس کے احکام کتب فقہ میں موجود ہیں۔

(۳) شرعی باندی کو اگر پیرانہ سالی یا کم عمری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے۔

(۴) عدت کے اندر کسی دوسرے مرد سے نکاح جائز نہیں ہے۔

(۵) مطلقہ پر اپنے حمل یا حیض کا اظہار ضروری ہے تاکہ عدت کے حساب میں گڑبڑ نہ ہو۔

(۶) طلاق رجعی میں رجعت دونوں طریقے سے حنفیہ کے نزدیک ہوسکتی ہے۔ زبان کے کہنے سے بھی کہ "میں نے اپنی بیوی سے رجعت کی" اور عمل سے بھی کہ بوس وکنار وغیرہ دواعی جماع یا صحبت کرلی جائے۔ رجعت کے بعد پہلا ہی نکاح قائم رہتا ہے۔ تجدید کی ضرورت نہیں۔

عورت ومرد کے خاص حقوق:............ عورت کے خاص حقوق مرد پر یہ ہیں کہ اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق اس کیلئے کھانے، کپڑے، رہنے کا بندوبست کرے۔ تنگ نہ کرے، مہر ادا کرے، اور عورت کے ذمہ مرد کے خاص حقوق یہ ہیں کہ وہ اس کی اطاعت وخدمت کرے، حکم عدولی، نافرمانی نہ کرے۔ تو جہاں تک نفس حقوق کے واجب ہونے کا تعلق ہے دونوں برابر ہیں۔ البتہ دونوں کی نوعیت کا فرق ان کی تفصیلات ہی سے واضح ہے۔

اَلطَّلَاقُ اَیِ التَّطْلِیْقُ الَّذِیْ یُرَاجِعُ بَعْدَهٗ **مَرَّتٰنِ** ص اَیْ اِثْنَتَانِ **فَاِمْسَاكٌ** م اَیْ فَعَلَیْكُمْ اِمْسَاكُهُنَّ بَعْدَهٗ بِاَنْ تُرَاجِعُوْهُنَّ **بِمَعْرُوْفٍ** مِنْ غَیْرِ ضِرَارٍ **اَوْ تَسْرِیْحٌ** م اِرْسَالٌ لَهُنَّ **بِاِحْسَانٍ** ط **وَلَا یَحِلُّ لَكُمْ** اَیُّهَا الْاَزْوَاجُ **اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ** مِنَ الْمُهُوْرِ **شَیْئًا** اِذَا طَلَّقْتُمُوْهُنَّ **اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ** اَیِ الزَّوْجَانِ **اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ** ط اَیْ لَایَاْتِیَا بِمَا حَدَّهٗ لَهُمَا مِنَ الْحُقُوْقِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ یُخَافَا بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ فَاَنْ لَایُقِیْمَا بَدَلُ اِشْتِمَالٍ مِنَ الضَّمِیْرِ فِیْهِ وَقُرِیَٔ بِالْفَوْقَانِیَةِ فِی الْفِعْلَیْنِ **فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ** لا **فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ** ط نَفْسَهَا مِنَ الْمَالِ لِیُطَلِّقَهَا اَیْ لَاحَرَجَ عَلَی الزَّوْجِ فِیْ اَخْذِهٖ وَلَا الزَّوْجَةِ فِیْ بَذْلِهٖ **تِلْكَ**

اَلْاَحْكَامُ الْمَذْكُوْرَةُ **حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ** ﴿۲۲۹﴾ **فَاِنْ طَلَّقَهَا** الزَّوْجُ بَعْدَ الثِّنْتَيْنِ **فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ** بَعْدَ الطَّلْقَةِ الثَّالِثَةِ **حَتّٰى تَنْكِحَ** تَتَزَوَّجَ **زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ** وَيَطَأَهَا كَمَا فِي الْحَدِيْثِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ **فَاِنْ طَلَّقَهَا** الزَّوْجُ الثَّانِيْ **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ** اَيِ الزَّوْجَةِ وَالزَّوْجِ الْاَوَّلِ **اَنْ يَّتَرَاجَعَآ** اِلَى النِّكَاحِ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ **اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ** الْمَذْكُوْرَاتُ **حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ** ﴿۲۳۰﴾ يَتَدَبَّرُوْنَ **وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ** قَارَبْنَ انْقِضَاءَ عِدَّتِهِنَّ **فَاَمْسِكُوْهُنَّ** بِاَنْ تُرَاجِعُوْهُنَّ **بِمَعْرُوْفٍ** مِنْ غَيْرِ ضِرَارٍ **اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠** اُتْرُكُوْهُنَّ حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهُنَّ **وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ** بِالرَّجْعَةِ **ضِرَارًا** مَفْعُوْلٌ لَهٗ **لِّتَعْتَدُوْا ۚ** عَلَيْهِنَّ بِالْاِلْجَاءِ اِلَى الْاِفْتِدَاءِ اَوِ التَّطْلِيْقِ وَتَطْوِيْلِ الْحَبْسِ **وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ** بِتَعْرِيْضِهَا اِلٰى عَذَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى **وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫** مَهْزُوًّا بِهَا بِمُخَالَفَتِهَا **وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ** بِالْاِسْلَامِ **وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ **وَالْحِكْمَةِ** مَا فِيْهِ مِنَ الْاَحْكَامِ **يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ** بِاَنْ تَشْكُرُوْهَا بِالْعَمَلِ بِهٖ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ** ﴿۲۳۱﴾ ع لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ **وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ** انْقَضَتْ عِدَّتُهُنَّ **فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ** خِطَابٌ لِلْاَوْلِيَاءِ اَيْ لَا تَمْنَعُوْهُنَّ مِنْ **اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ** الْمُطَلِّقِيْنَ لَهُنَّ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا اَنَّ اُخْتَ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا فَاَرَادَ اَنْ يُّرَاجِعَهَا فَمَنَعَهَا مَعْقِلٌ كَمَا رَوَاهُ الْحَاكِمُ **اِذَا تَرَاضَوْا** اَيِ الْاَزْوَاجُ وَالنِّسَاءُ **بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ** شَرْعًا **ذٰلِكَ** النَّهْيُ عَنِ الْعَضْلِ **يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ** لِاَنَّهُ الْمُنْتَفِعُ بِهٖ **ذٰلِكُمْ** اَيْ تَرْكُ الْعَضْلِ **اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ** لَكُمْ وَلَهُمْ لِمَا يُخْشٰى عَلَى الزَّوْجَيْنِ مِنَ الرِّيْبَةِ بِسَبَبِ الْعَلَاقَةِ بَيْنَهُمَا **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ** مَا فِيْهِ مِنَ الْمَصْلِحَةِ **وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۲۳۲﴾ ذٰلِكَ فَاتَّبِعُوْا اَمْرَهٗ ۔

ترجمہ: .... طلاق (یعنی وہ طلاق کہ جس کے بعد رجعت کی گنجائش ہے) دو (۲) ہیں (دو (۲) عدد ہیں) پھر خواہ روک لینا ہے (یعنی پھر تم اس کے بعد رجعت کر کے روک لو) قاعدہ کے موافق (بغیر نقصان کے) اور یا چھوڑ دینا ہے خوش اسلوبی کے ساتھ (ان کو آزاد کر کے) اور تمہارے لئے یہ بات جائز نہیں ہے (اے شوہرو!) کہ وصول کر لو اس مال سے جو تم نے ان کو دیا تھا (یعنی مہر) کچھ بھی (جب کہ تم نے ان کو طلاق دے دی ہے) الا یہ کہ دونوں (خاوند و بیوی) کو یہ احتمال ہو کہ دونوں قائم نہیں رکھ سکیں گے اللہ تعالیٰ کی حدود کو (یعنی جن حقوق کی ان کے لئے ضابطہ بندی ہو چکی ہے وہ ان کو باقی نہیں رکھ سکیں گے اور ایک قرأت میں یخافا مجہول صیغہ کے ساتھ ہے اس صورت میں الا یقیما یخافا کی ضمیر تثنیہ سے بدل الاشتمال ہو جائے گا اور ایک قرأت میں یہ دونوں لفظ تخافا اور تقیما پڑھے گئے ہیں) چنانچہ اگر تم لوگوں کو یہ اندیشہ ہو کہ شوہر و بیوی خدائی ضابطوں کو برقرار نہیں رکھ سکیں گے تو ان دونوں کو گناہ نہیں ہوگا کہ

عورت کچھ دے کر چھڑالے (اپنی جان مال کے بدلہ میں طلاق دے کر یعنی شوہر پر اس کے قبول کرنے میں اور بیوی پر اس کے پیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے) یہ (مذکورہ احکام) اللہ کے حدود ہیں سو ان کو نہ پھلانگنا۔ جو خدائی ضابطوں سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گا ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہوتے ہیں۔ پھر اگر طلاق دیدے (دو طلاق کے بعد شوہر) بیوی کو تو وہ بیوی حلال نہیں رہے گی۔ اس شوہر کے لئے بعد (تیسری طلاق کے) حتیٰ کہ نکاح (شادی) کرلے وہ عورت پہلے خاوند کے علاوہ دوسرے سے (اور وہ دوسرا شوہر اس عورت سے ہمبستر ہو جائے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے جس کو شیخین نے روایت کیا ہے) پھر اگر طلاق دیدے (دوسرا شوہر بھی) تو ان دونوں پر اب کوئی حرج نہیں ہے (یعنی عورت اور شوہر اول پر) کہ بدستور پھر مل جائیں (عدت کے بعد دونوں نکاح کرلیں) بشرطیکہ دونوں کو گمان غالب ہو کہ وہ خدائی ضابطوں کو برقرار رکھ سکیں گے اور یہ (مذکورہ احکام اللہ کے حدود ہیں ان کو بیان فرماتے ہیں۔ ایسے لوگوں کیلئے جو اصحابِ دانش ہیں (غور کرتے ہیں) اور جب تم نے ان عورتوں کو طلاق دے دی ہو پھر وہ اپنی عدت گزرنے کے بعد قریب ہو جائیں (یعنی ان کی عدت قریب الختم ہو) تو تم روک سکتے ہو (ان سے رجعت کر کے) قاعدہ کے مطابق (نقصان نہ پہنچا کر) یا ان کو رہائی دیدو قاعدہ کے مطابق (ان کو چھوڑ دو کہ ان کی عدت گزر جائے) اور ان کو روکنا نہیں چاہئے (رجعت کر کے) نقصان پہنچانے کی غرض سے (ضراراً مفعول لہ ہے) اس ارادہ سے کہ ظلم کیا کرو گے (ان عورتوں پر۔ فدیہ پر مجبور کر کے یا طلاق دینے اور زیادہ روکنے پر مجبور کر کے) اور جو شخص ایسا کرے گا سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا (خود کو اللہ کے عذاب پر پیش کر کے) اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو مذاق مت بناؤ (ان کی مخالفت کر کے کھلونا نہ بناؤ) اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جو تم پر (اسلام کی) ہیں ان کو یاد کرو اور اس کتاب کو جو تم پر نازل کی گئی (قرآن) اور حکمت کو (قرآنی احکام) درانحالیکہ اس کی نصیحت تم کو کی جاتی ہے (یہ شکریہ تمہارے عمل کی صورت میں ہونا چاہئے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں (کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے) اور جب تم طلاق دے دو اپنی بیویوں کو پھر وہ عورتیں اپنی عدت پوری کر چکیں (ان کی عدت ختم ہو جائے) تو تم ان کو مت روکو (یہ خطاب عورتوں کے اولیاء سے ہے یعنی اولیاء کو روکنے کا حق نہیں ہے) نکاح کرنے سے ان شوہروں کے ساتھ (جنہوں نے ان کو طلاق دی تھی۔ چنانچہ سبب نزول اس آیت کا یہ ہے کہ معقل بن یسار کی بہن کو ان کے شوہر نے طلاق دیدی تھی اس کے بعد شوہر نے رجعت کرنی چاہی تو معقل نے بہن کو روک دیا (رواہ الحاکم) جبکہ رضامندی ہو جائے (شوہروں اور بیویوں کی) باہمی حسبِ دستور (شرعی) اس (ممانعت کی رکاوٹ سے) نصیحت کی جاتی ہے۔ اس شخص کو جو تم میں سے ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے روز پر (کیونکہ دراصل نفع حاصل کرنے والے مؤمنین ہی ہوتے ہیں) یہ (رکاوٹ) دور کر دینا) تمہارے لئے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے (تمہارے اور ان کیلئے سابقہ علاقہ کی وجہ سے ان میں شبہ کا اندیشہ ہو سکنے کے باعث) اور اللہ تعالیٰ واقف ہیں (اس حکم کی مصلحت سے) اور تم نہیں جانتے ہو (یہ مصلحت اس لئے تعمیل حکم کرو)

تحقیق وترکیب: .... فان خفتم بظاہر جلال محققؒ کے طرز سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس لفظ کا مخاطب وہ ازواج کو قرار دے رہے ہیں جیسا کہ اس سے پہلے بھی یہی مخاطب ہیں۔ لیکن علامہ زمخشریؒ کی رائے یہ ہے کہ انہوں نے حکام کو مخاطب مانا ہے اور ماقبل میں ازواج کو اور یہ بھی جائز ہے۔

فان طلقھا عام اس سے کہ اس تیسری طلاق سے پہلے دو طلاقیں ایک دم واقع کی ہوں یا علیحدہ علیحدہ مثلاً انت طالق ثلاثا کہا ہو یا انت طالق البتۃ بہر صورت تین طلاقوں کے بعد حلالہ کی ضرورت پیش آئے گی یہ متفق علیہ ہے۔ بجز علامہ ابن تیمیہ حنبلیؒ کے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا وہ طالق ثلاثا کو ایک ہی طلاق مانتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان ہی کے ہم مذہب علماء نے ان کی سخت تغلیط اور تضلیل کی

ہے۔البتہ امام اشہب مالکیؒ کی طرف اس مسئلہ کا انتساب صحیح نہیں ہے۔ تنکح ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک حلالہ کے محلل بننے کے لئے وطی شرط ہے۔ابن المسیب اور ابن جبیر کا اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ تمیمہ یا عائشہ بنت عبدالرحمٰن بن عتیک القرظیؒ جو امراۃ رفاعۃ القرظیؒ کہلاتی ہیں۔ان کی روایت میں ہے کہ وہ اپنے چچازاد بھائی رفاعہ بن وہب بن عتیک القرظی سے منسوب ہوئیں اور ان کو وہاں سے طلاق مل گئی۔ پھر عبدالرحمٰن بن الزبیرؓ سے ان کی شادی ہوئی تو ان سے علیحدگی کی درخواست کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ انما معه مثل هدبة الثوب. یہ کنایہ تھا ان کے عنین ہونے کی طرف۔ چنانچہ سن کر آپ مسکرائے اور ان کے دوبارہ رفاعہ سے ملنے کے ارادہ پر فرمایا کہ لاحتی یذوق عسیلتک وتذوقی عسیلته رواه الشیخان یہ حدیث مشہور ہے اس لئے آیت پر زیادتی بالاتفاق جائز ہے۔نیشاپوریؒ فرماتے ہیں کہ تنکح کے معنی یہاں وطی کے ہیں اور نکاح لفظ زوجاً سے سمجھ آ رہا ہے اس لئے زیادتی علی الکتاب ماننے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔البتہ تنکح کی اسناد عورت کی طرف تمکین زوج کی طرف مشعر ہے۔

بلغن قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ بلوغ کے معنی دخول شے اور دنوء شے دونوں آتے ہیں یہی دوسرے معنی قریب ہونے کے آیت میں مراد ہیں۔ورنہ عدت ختم ہونے کے بعد امساک کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ضراراً جس کی صورت یہ ہے کہ عدت جب ختم ہونے کے قریب آ جائے تو مراجعت کرلی جائے تاکہ عدت طویل ہوکر عورت پریشان ہو جائے۔

لتعتدوا لام کا تعلق ضرار کے ساتھ ہے کیونکہ مقصد ضرر کی تقیید ہے یعنی جو امساک بارادۂ ضرر ہو وہ ممنوع ہے اور جو بارادۂ اصلاح ہو وہ مطلوب ہے۔ هزوًا مفسر علام مصدر بمعنی مفعول لے رہے ہیں جو شخص کسی کام کا پختگی سے ارادہ نہ رکھتا ہو اس کو کہا جاتا ہے۔ انما انت هازی مقصد اس سے ہزو کو روک کر اس کی ضد کا حکم ہوتا ہے۔

فبلغن یہاں مفسر جلالؒ نے اشارہ کر دیا کہ لفظ بلوغ اپنے حقیقی معنی میں ہے۔یعنی مدت کیلئے نہ کہ مجازی معنی کیونکہ انعقاد نکاح ختم مدت کے بعد بھی ہوسکتا ہے فلا تعضلوهن یہاں تمام مفسرین کے نزدیک مخاطب اولیاء ہیں۔امام شافعیؒ کی طرف نسبت عضل سے استدلال کرتے ہیں کہ عورتوں کا نکاح اجازتِ اولیاء پر موقوف ہونا چاہئے۔لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ عضل شرعی ہو بلکہ حسی عضل ظلماً بھی ہوسکتا ہے یا دھوکہ دہی کے طریقہ پر۔اس لئے استدلال صحیح نہیں ہے۔ برخلاف اس کے تنکح کی اسناد عورت کی طرف اس کے استقلال پر دلالت کرتی ہے۔یؤمن اس تخصیص کا ایک نکتہ تو جلال مفسرؒ نے بیان کیا ہے اور ممکن ہے کہ کفار کے مکلف بالفروع نہ ہونے کی طرف بھی اشارہ ہو۔

ربط:.........آیت الطلاق میں طلاق رجعی کا بیان پچیسویں (۲۵) حکم کی صورت میں اور آیت لایحل لکم میں چھبیسواں (۲۶) حکم دوبارہ خلع اور آیت فان طلقها میں ستائیسواں (۲۷) حکم حلالہ کا ہے اس کے بعد و اذا طلقتم الخ میں بطور تتمہ اٹھائیسواں (۲۸) حکم۔تلعب بالاحکام کی ممانعت کا بیان کیا جارہا ہے۔ بعد ازاں و اذا طلقتم الخ میں انتیسویں (۲۹) حکم نکاح ثانی کی ممانعت نہ کرنے سے متعلق ہے۔

شانِ نزول:.........حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ شوہر اپنی بیویوں کو طلاق دیتے رہتے تھے اور عدت میں رجوع کرلیا کرتے تھے چاہے سو (۱۰۰) مرتبہ سے زیادہ طلاقوں کی نوبت آ جائے۔جس سے حد درجہ عورتوں کی مشکلات بڑھی ہوئی تھیں چنانچہ ایک عورت نے آپ ﷺ سے آ کر شکایت کی اس پر الطلاق مرتٰن آیت نازل ہوئی۔

ابن جریرؒ نے روایت نقل کی ہے کہ حبیبہ اور ان کے خاوند ثابت بن قیس کے درمیان تعلقات خوشگوار نہیں تھے اور وہ ان سے علیحدہ ہونا چاہتی تھیں۔آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم مہر کا باغ واپس کرسکتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں اسی طرح آپ ﷺ نے ان کے

شوہر سے بلاکر دریافت فرمایا اور اس پر یہ آیت **و لا یحل لکم** نازل ہوئی جس کا حاصل خلع ہے۔

اسی طرح آیت **فان طلقھا الخ** کے سلسلہ میں امراۃ رفاعہ کے واقعہ کی تفصیل گزر چکی ہے وہ اس کا سببِ نزول ہے۔

ابن جریرؒ نے روایت بیان کی ہے کہ ثابت بن یسار انصاریؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور جب عدت گزرنے میں دو تین روز رہ گئے تو انہوں نے بارادۂ اضرار رجوع کرلیا اس پر **و لا تمسکوھن** آیت نازل ہوئی۔

ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ بعض اشخاص طلاق دیتے اور خرید وفروخت کرتے پھر کہہ دیتے کہ ہم نے بطورِ مذاق ایسا کہہ دیا تھا۔ اس پر آیت **و لا تتخذوا الخ** نازل ہوئی۔ امام بخاریؒ وغیرہ نے معقل بن یسارؓ کی روایت پیش کی ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کی شادی ایک شخص سے کی۔ انہوں نے ان کو طلاق دے دی اور عدت گزرنے تک رجوع نہیں کیا حتیٰ کہ پھر دوبارہ شادی کی طرف ایک دوسرے کا میلان ہوا تو معقل بن یسارؓ مانع ہوئے۔ اس پر آیت **و لا تعضلو ھن** نازل ہوئی تو معقلؓ کہنے لگے **سمعًا لربی و طاعۃً** اور بہنوئی کو بلا کر کہا **اُزَوِّجُکَ وَ اُکْرِمُکَ** یہ روایت تو عضل من الاولیاء کی ہے۔ اسی طرح عضل من الزوج الاول اور من غیر الزوجین الاولین کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... طلاق رجعی، خلع، طلاق مغلظہ کا بیان: ....

یہاں سے طلاقِ رجعی، طلاق مغلظہ، خلع کا بیان ہورہا ہے۔ قرآن کریم میں احکامِ طلاق وعدت کی تفصیلات کافی ہیں۔ یہ بات تو ابھی معلوم ہوچکی ہے کہ طلاق کے سلسلہ میں کوئی حد بندی نہیں تھی۔ جس کی وجہ سے سخت الجھنیں پیش آرہی تھیں۔ اس لئے طلاق رجعی کی تحدید کردی گئی کہ وہ دو تک ہوسکتی ہے یعنی ایک یا دو طلاق تک خاوند کو رجوع کا حق ہے کہ عدت کے اندر بلا نکاح کے رجوع کرسکتا ہے عدت کے بعد نکاح کی تجدید کرنی پڑے گی آیت کی یہ توجیہ تو حنفیہ اور شوافع کے نزدیک متفق علیہ ہے گویا تقدیرِ عبارت اس طرح ہے **الطلاق الرجعی مرتان ای اثنان**۔

طلاق کی تین صورتیں: ....

دوسری صورت صرف حنفیہ کے مذاق کے موافق ہے جس کو صاحب کشاف ومدارک اور فخر الاسلام نے اختیار کیا ہے کہ شرعی طلاق مراد ہے کہ وہ ایک دم نہیں دی جاتی، بلکہ مرۃً بعد مرۃٍ یعنی علیحدہ علیحدہ دی جاتی ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **الطلاق الشرعی مرۃ بعد مرۃ. مثل ثم ارجع البصر کرتین ای کرۃ بعد کرۃ** کے ہے چنانچہ لفظ مرتان ارشاد فرمایا گیا لفظ اثنان نہیں فرمایا ہے اور یہ صیغہ خبر ہے لیکن مقصود امر ہے اس توجیہ پر تفصیل یہ ہوگی کہ طلاق کی تین صورتیں ہیں (۱) احسن (۲) حسن (۳) بدعی۔ طلاق احسن یہ ہے کہ صرف ایک طلاق دی جائے اور ایسے طہر کی حالت میں صحبت نہ کی ہو۔ اس کے بعد عدت گزرنے دی جائے۔

طلاق حسن یہ ہے کہ تین طلاقیں دی جائیں۔ مگر علیحدہ علیحدہ تین طہروں میں یا تین مہینوں میں دی جائیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک یہ صورت بھی طلاق بدعی کی ہے اور حنفیہ کے نزدیک طلاق کی تیسری صورت طلاق بدعی یہ ہے کہ ایک دم ایک طہر میں دو یا تین طلاقیں دے دی جائیں یا ایک ہی کلمہ سے دے دی جائیں یا بحالت طہر وطی کے بعد طلاق دی جائے یا موطوءہ عورت کو بحالتِ حیض طلاق دی جائے۔ یہ سب صورتیں بجز طلاق فی الحیض کے شوافع کے نزدیک بھی طلاق بدعت کی ہیں اور بحالتِ حیض ان کے نزدیک طلاق جائز ہے۔ پھر طلاق رجعی کے لئے صریح لفظ کے ساتھ ہونا بھی شرط ہے۔ اگر عدت گزر گئی یا طلاق صریح الفاظ کی بجائے کنایات کے ساتھ دی گئی۔ دونوں صورتوں میں طلاق جائز ہوجائے گی۔ بلا تجدید نکاح کوئی صورت ملنے کی نہیں ہے اور تین طلاقوں کی عدت اگر پوری ہوجائے خواہ طلاقیں صریح الفاظ کے ساتھ ہوں یا کنایات کے ساتھ مال کے عوض میں ہوں یا بلا مال۔ بہر صورت طلاق مغلظہ ہوجائے گی کہ بدوں حلالہ کے اول شوہر سے نکاح بھی درست نہیں ہوسکتا۔

بیوی سے خوش اسلوبی کا سلوک:............ اس آیت میں قاعدہ اور خوش اسلوبی سے مراد یہ ہے کہ اس کا طریقہ بھی شرع کے موافق ہو اور نیت درست ہو کہ رجعت کے بعد ادائیگی حقوق پیش نظر ہو۔ عورت کو تنگ کرنا مقصود نہ ہو، اور چھوڑنے میں خوش اسلوبی یہ ہے کہ دفع نزاع کا ارادہ ہو نہ یہ کہ تذلیل و دل شکنی باعث ہو بلکہ نرمی و دلجوئی ملحوظ رہنی چاہئے۔

طلاق کی تدریج میں شرعی مصلحت:............ غرضکہ رشتۂ نکاح ایسی چیز نہیں ہے کہ جب چاہا بات کی بات میں توڑ کر رکھ دیا اس کے توڑنے کے لئے مختلف منزلوں سے گزرنے، اچھی طرح سوچنے سمجھنے اور کوئی دفعہ اصلاح حال کی مہلت ملنے اور آخر کار صورتحال سے بالکل مایوس ہونے کے بعد آخری قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ اسی لئے **ابغض المباحات عند اللہ الطلاق** فرمایا گیا ہے۔

خلع یا مال کے بدلہ طلاق:............ مال کے بدلہ میں عورت کی رہائی کی دو (۲) صورتیں ہیں۔ (۱) خلع (۲) طلاق علی مال۔ خلع یہ کہ مرد سے عورت درخواست کرے کہ اتنے روپے کے بدلہ مجھ سے خلع کرلے۔ ایجاب وقبول ہوتے ہی قطعی طلاق بائن پڑ جائے گی۔ لفظ طلاق کہا ہو یا نہ کہا ہو اور وعدہ کے مطابق مال عورت کو دینا پڑے گا اور طلاق علیٰ مال یہ کہ خلع کا لفظ استعمال نہ کیا جائے بلکہ مرد عورت سے کہے کہ اتنے روپے کے بدلے تجھ کو طلاق۔ عورت کے منظور کرتے ہی طلاق بائن پڑ جائے گی اور روپیہ عورت کے ذمہ واجب ہو جائے گا۔ نامنظور کرنے کی صورت میں نہ طلاق واجب ہوگی نہ مال واجب ہوگا۔

خلع کے احکام:............ (۱) اس سلسلہ میں اگر فی الواقع قصوروار عورت ہے اور پھر خود ہی خلع کی درخواست کر رہی ہے تو گنہگار ہوگی اور مرد کو مال لینے میں گناہ نہیں ہوگا بشرطیکہ مہر سے زیادہ نہ ہو ورنہ مکروہ ہوگا۔

(۲) لیکن اگر قصوروار مرد ہے تو عورت تو مال دینے میں گنہگار نہ ہوگی البتہ مرد کو مال لینا مطلقاً خواہ کم ہو یا زیادہ۔ مہر ہو یا مہر کے علاوہ باعث گناہ ہوگا۔

(۳) لیکن اگر صورت حال کچھ اس طرح کی ہے کہ قصور کسی ایک کا متعین نہیں ہو پاتا۔ مرد تو عورت کا قصور سمجھتا ہے اور عورت مرد کا قصور سمجھتی ہے یعنی ہر ایک دوسرے کو ظالم اور خود کو مظلوم تصور کیئے ہوئے ہے تو دونوں میں سے کوئی گنہگار نہیں ہوگا۔ مرد کو مال لینا اور عورت کو مال دینا دونوں درست ہیں البتہ مہر سے زیادہ مال لینا یہاں بھی مکروہ رہے گا۔ اور آیت میں **الا ان یخافا الخ** سے جو صورت حلال ہونے کے استثناء کے ساتھ بیان کی ہے اس سے بھی تیسری صورت مراد ہے ورنہ پہلی دو صورتوں میں تو ایک ایک گنہگار ہوا۔ نیز مقصود یہاں حلال ہونے سے حصر حقیقی نہیں ہے بلکہ حصر اضافی ہے یعنی مرد کے ظالم ہونے کی صورت میں مرد کیلئے مال حلال نہیں ہے۔ باقی عورت کے ظالم ہونے کی حالت میں جیسا کہ اول صورت یا مرد کے ظالم ہونے کی صورت میں جیسا کہ تیسری حالت۔ مرد کے لئے مال دونوں طرح حلال رہے گا نیز خلع اور طلاق علیٰ مال دونوں کا حکم یہاں ایک ہی رہے گا، مال کے جائز اور ناجائز ہونے میں۔

امام شافعیؒ کا اختلاف دربارۂ خلع مع دلیل وجوابِ دلیل:............ آیت **فان طلقها الخ** سے امام شافعیؒ یہ سمجھے ہیں کہ خلع طلاق نہیں ہوتی بلکہ فسخ نکاح ہوتا ہے ورنہ **فان طلقها** کو چوتھی طلاق ماننا پڑے گا۔ دو طلاقیں **الطلاق مرتان** میں گزر چکی ہیں اور تیسری طلاق خلع کو مانا جائے۔ پھر فا تعقیبیہ کے بعد **ان طلقها** میں چوتھی طلاق ماننی ہوگی حالانکہ طلاقوں کا نصاب کل تین ہے۔ لیکن حنفیہ خلع کو طلاق ہی مانتے ہیں جیسے کہ آیت سے ظاہر ہے اور یہی قول شافعیہ کا ہے۔ البتہ **فان طلقها** کا تعلق **الطلاق مرتان**

کے ساتھ ہے اور یہ تیسری طلاق ہے۔ جس کے بعد طلاق مغلظہ ہو جائے گی اور درمیان میں خلع کی صورت بطور جملہ معترضہ ذکر کی گئی ہے۔ یعنی طلاق اگر مفت ہوگی تو اس کو طلاق رجعی سمجھا جائے گا۔ جس کا ذکر الطلاق مرتن میں ہوا ہے اور اگر معاوضہ کی نوبت آ جائے تو اس کو خلع یا طلاق علی مال کہتے ہیں۔ درمیان میں اس کو بیان کر کے آگے پھر فان طلقها سے تیسری طلاق کا ذکر ہو رہا ہے۔ چنانچہ سعید بن المسیبؒ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی خلع کو طلاق ہی قرار دیا ہے۔

ایک نکتۂ نادرہ:......... فیما افدت میں فدیہ کا مادہ فداء مساوات کے معنی کے لئے موضوع ہے۔ معلوم ہوا کہ بدل خلع نفس کے مساوی ہونا چاہئے اور نفس کی قیمت کو شریعت نے مہر قرار دیا ہے حاصل یہ نکلا کہ بدل خلع مہر سے بڑھنا نہیں چاہئے۔

احکامِ حلالہ اور حدیثِ عُسیلہ:......... حلالہ کا مطلب یہ ہے کہ مرد تین طلاقوں کے بعد اس عورت سے نکاح نہیں کر سکتا تاوقتیکہ یہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے ہمبستری کے بعد طلاق حاصل نہ کر لے یا اس کے دوسرے شوہر کا انتقال ہو جائے اور دونوں صورتوں میں یہ عورت عدت طلاق یا وفات نہ گزار لے۔ یہ تین طلاقیں رجعی ہوں یا بائن یا بعض رجعی اور بعض بائن پھر صریح لفظ سے ہوں یا کنایہ کے لفظ سے۔ کنایہ میں نیت کا اعتبار ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ تینوں طلاقیں بدفعات ہوں یا ایک دم۔ ایک ہی کلمہ سے ہوں یا علیحدہ علیحدہ الفاظ کے ساتھ۔ ہر صورت میں حلالہ کی ضرورت ہے نکاحِ ثانی کے اول نکاح کی محلل بننے کے لئے صحبت کی شرط لگانا حنفیہ کی طرف سے اگر چہ لفظ تنكح سے سمجھ میں آ سکتا ہے تاہم حدیث رفاعہؓ سے جو مشہور ہے نیز ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے شوافع کے لئے گنجائش اعتراض نہیں ہے۔

دین کے ساتھ استخفاف واستہزاء کا انجام:......... آیت لاتتخذوا الخ میں حقیقۃً احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزاء مراد نہیں ہے کہ اس سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ فسادِ عقیدہ کے ساتھ ہو تب تو ظاہر ہی ہے لیکن صحت عقیدہ کے ساتھ بھی اگر ہو تب بھی کفر ہے کیونکہ دین کی تحقیر جو بنیاد کفر ہے دونوں صورتوں میں حاصل ہے بلکہ احکام الٰہیہ پر لاپرواہی کے ساتھ عمل نہ کرنا مراد ہے مجازاً اسی کو استہزاء فرما دیا گیا ہے اور بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ طلاق وغیرہ الفاظ اگر کسی نے براہِ ہزل بھی کہہ دیئے تو اس مذاق سے بھی طلاق کے احکام واقعی ثابت ہو جائیں گے۔ ثلاث جدھن جدّ وھزلھن جدّ الطلاق والعتاق والنكاح پھر ان کو احکام واقعی نہ سمجھنا اور عورت سے بدستور برتاؤ رکھنا باعث گناہ ہوگا۔

ہزل اور خطا کا فرق:......... ہزل اور خطا میں یہ فرق ہے کہ ہزل میں لفظ کا تو ارادہ ہوتا ہے لیکن اس کے اثر اور معنی کا ارادہ نہیں ہوتا اور خطا میں لفظ ہی کا ارادہ نہیں ہوتا۔ کہنا چاہتا تھا کچھ مگر بے ساختہ نکل گیا طلاق کا لفظ۔ تو شریعت نے بعض احکام میں ہزل کا بھی اعتبار نہیں کیا ہے بلکہ ارادہ سے الفاظ نکل گئے تو ان ہی پر احکام جاری ہو جائیں گے۔ خواہ تاثیر کی نیت ہو یا نہ ہو۔ البتہ طلاق خطاء واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ الفاظ ارادۃً نہیں نکلے۔

نکاحِ ثانی سے روکنے کی ممانعت:......... آیت فلا تعضلوھن میں خطاب عام ہے خواہ شوہر ہی دوسری جگہ نکاح سے مانع آئے یا عورت کے بھائی بند۔ پہلے خاوند اور عورت کے درمیان آڑے آ رہے ہوں، بہر صورت روکنا مناسب نہیں ہے۔ لیکن عورت کی رضامندی حسبِ ضابطہ ہو۔ مثلاً مرد غیر کفو نہ ہو، مہر مثل سے کم نہ تجویز کیا گیا ہو، ورنہ ولی کو حق اعتراض ہوگا یعنی نکاح ہونے کے بعد بھی مسلمان حاکم سے فسخ کرا سکتا ہے۔ اسی طرح شرعی گواہوں کے بغیر نہ ہو۔ نابالغہ اجازتِ ولی کے بغیر نکاح نہ کرے۔ ایسے شخص سے

نکاح نہ کرے جس سے شرعاً نا جائز ہو۔ علیٰ ہذا اگر پہلے خاوند سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو اگر تین طلاقیں نہ دی ہوں تو بغیر حلالہ ورنہ بعد از حلالہ نکاح درست ہوگا ورنہ سب صورتوں میں سب کو نکاح سے روکنے کا حق رہے گا عزیز ہو یا اجنبی۔

آیت میں جو صحت نکاح کے لئے فبلغن سے عدت گزارنے کی شرط لگائی ہے یا دوسرے شوہر کے لحاظ سے ہے یا اول شوہر کے لئے ہی اگر کہا جائے تو اس قصہ متعلقہ آیت میں اتفاق سے عدت ختم ہو چکی تھی گویا اول صورت میں قید احترازی ہوگی اور دوسری صورت میں قید واقعی ہے۔

تقاضائے دُور اندیشی: .... احکام الٰہیہ کی تعمیل اول تو عام طور پر باعثِ طہارتِ قلوب ہوتی ہے لیکن مرد کے میلان کے مصالح کو دیکھ کر دُور اندیشی نکاح سے نہ روکنے ہی میں ہے ورنہ فتنہ وفساد کا باعث ہوگا۔ رہا بے قاعدہ نکاح سو وہ درحقیقت نکاح ہی نہیں ہوا اس لئے وہ روکنا اس میں داخل نہیں ہے۔

ازدواجی زندگی کی رُوح: .... غرضیکہ نکاح کی غرض یہ نہیں ہے کہ مرد وعورت کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے کے گلے پڑ جائیں اور نہ عورت کو مرد کی خود غرضانہ کام جوئیوں کا آلہ بنانا ہے بلکہ مقصد اصل یہ ہے کہ دونوں کے ملاپ سے ایک کامل اور خوشحال ازدواجی زندگی پیدا ہو جائے اور یہ جب ہی ہو سکتی ہے کہ آپس میں محبت وسازگاری ہو، اللہ کی حدود کی پاسداری ہو، اگر کسی وجہ سے ایسا نہیں ہے تو نکاح کا حقیقی مقصد فوت ہو گیا اور ضروری ہو گیا کہ دونوں فریق کے لئے تبدیلی کا دروازہ کھول دیا جائے ورنہ انسانی آزادی کا گلہ گھونٹنا ہوگا۔ اس میں حق علیحدگی کے بغیر سچی ازدواجی زندگی کی تابندگی باقی نہیں رہتی، ازدواجی زندگی کا معاملہ نہایت نازک اور اہم ہے اور مرد کی خود غرضیوں اور نفس پرستیوں سے ہمیشہ عورتوں کی حق تلفی ہوئی ہے اس لئے خصوصیت سے یہاں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ نے انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم اور ہدایت وموعظت کے تمام پہلو سمجھا دیئے ہیں۔ اس لئے جماعتی شرف وذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا اور ازدواجی زندگی میں اخلاق وپرہیز گاری کا نمونہ بننا یہ ان کا اپنا فرض ہوگا۔

برائی کا ذریعہ بھی بُرا ہے اور مباح میں تشدد نہیں کرنا چاہئے: .... آیت لاتمسکوھن ضرارًا سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز مفضی الی المذموم ہو وہ بھی مذموم ہوتی ہے اور یہ ایک بہت بڑی اصل ہے۔ اسی طرح آیت فلا تعضلوھن سے معلوم ہوا کہ امر مباح سے منع کرنے میں تشدد نہیں کرنا چاہئے بالخصوص جب کہ اس مباح میں کوئی مفسدہ نہ ہو اور اخص خصوص جبکہ اس کے ترک میں کوئی مفسدہ ہو۔

وَالْوٰلِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَیْ لِيُرْضِعْنَ **اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ** عَامَيْنِ **كَامِلَيْنِ** صِفَةٌ مُؤَكِّدَةٌ ذٰلِكَ **لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ** وَلَازِيَادَةَ عَلَيْهِ **وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ** اَیِ الْاَبِ **رِزْقُهُنَّ** اِطْعَامُ الْوَالِدَاتِ **وَكِسْوَتُهُنَّ** عَلَى الْاِرْضَاعِ اِذَا كُنَّ مُطَلَّقَاتٍ **بِالْمَعْرُوْفِ** بِقَدْرِ طَاقَتِهٖ **لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا** طَاقَتَهَا **لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا** بِسَبَبِهٖ بِاَنْ تُكْرَهَ عَلٰى اِرْضَاعِهٖ اِذَا امْتَنَعَتْ **وَلَا** يُضَارَّ **مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ** اَیْ بِسَبَبِهٖ بِاَنْ يُّكَلَّفَ فَوْقَ طَاقَتِهٖ وَاِضَافَةُ الْوَلَدِ اِلٰى كُلٍّ مِّنْهُمَا فِی الْمَوْضِعَيْنِ لِلْاِسْتِعْطَافِ **وَعَلَى الْوَارِثِ** اَیْ وَارِثِ الْاَبِ وَهُوَ الصَّبِیُّ اَیْ عَلٰى وَلِيِّهٖ فِیْ مَالِهٖ **مِثْلُ ذٰلِكَ** الَّذِیْ عَلَى الْاَبِ لِلْوَالِدَةِ مِنَ الرِّزْقِ وَالْكِسْوَةِ **فَاِنْ**

اَرَادَا اَیِ الْوَالِدَانِ **فِصَالًا** فِطَامًا لَہٗ قَبْلَ الْحَوْلَیْنِ صَادِرًا **عَنْ تَرَاضٍ** اِتِّفَاقٍ **مِّنْھُمَا وَتَشَاوُرٍ** بَیْنَھُمَا لِیَظْھَرَ مَصْلَحَۃُ الصَّبِیِّ فِیْہِ **فَلَاجُنَاحَ عَلَیْھِمَا** فِیْ ذٰلِکَ **وَاِنْ اَرَدْتُّمْ** خِطَابٌ لِلْاٰبَاءِ **اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَکُمْ** مَرَاضِعَ غَیْرَ الْوَالِدَاتِ **فَلَاجُنَاحَ عَلَیْکُمْ** فِیْہِ **اِذَا سَلَّمْتُمْ** اِلَیْھِنَّ **مَّآ اٰتَیْتُمْ** اَیْ اَرَدْتُّمْ اِیْتَاءَہٗ لَھُنَّ مِنَ الْاُجْرَۃِ **بِالْمَعْرُوْفِ** بِالْجَمِیْلِ کَطِیْبِ النَّفْسِ **وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴿۲۳۳﴾** لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ مِّنْہُ۔

ترجمہ:............ اور مائیں دودھ پلائیں گی (ان کو دودھ پلانا چاہئے) اپنے بچوں کو دو سال پورے (کاملین صفت مؤکدہ ہے حولین کی) یہ مدت اس شخص کیلئے ہے جو شیر خوار کی مدت پوری کرنی چاہے۔ (اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے) اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے ان کا (دونوں کا) کھانا اور ان کا کپڑا دودھ پلانے کی وجہ سے بشرطیکہ مائیں مطلقہ ہوگئی ہوں) ضابطہ کے مطابق (باپ کی طاقت کے مطابق) کسی کو حکم نہیں دیا جاتا۔ مگر اس کی برداشت (طاقت) کے مطابق کسی ماں کو تکلیف نہیں دینی چاہئے اس کے بچہ کی وجہ سے (بچہ کے سبب دودھ پلانے پر مجبور کر کے جب کہ وہ نہیں پلانا چاہتی) اور نہ (نقصان پہنچانا چاہئے) باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے (بچہ کے سبب باپ کی طاقت سے زیادہ بار ڈال کر اور دونوں جگہ بچہ کی اضافت ماں کی طرف شفقت مائل کرنے کے لئے ہے) اور وارث کے ذمہ ہے (یعنی باپ کے وارث پر ہے۔ مراد بچہ ہے یعنی بچہ کے ولی پر اس کے مال میں ہے) مثل مذکورہ طریقہ کے (بچہ کی والدہ کا کھانا، کپڑا جو بچہ کے باپ کے ذمہ تھا) اگر دونوں (والدین) دودھ چھڑانا چاہیں (دو سال سے پہلے دودھ چھڑانا چاہیں اور یہ بات طے) رضامندی (اتفاق) باہمی اور دونوں کے مشورہ سے ہوجائے (کہ جس میں بچہ کی مصلحت کھلی ہوئی ہو) تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں ہے (اس بارہ میں) اور اگر تم لوگ (باپ کو خطاب ہے) دودھ پلوانا چاہو اپنے بچوں کو والدہ کے علاوہ کسی دوسری انا کا) تب بھی تم پر کوئی گناہ (اس میں) نہیں ہے۔ بشرطیکہ حوالہ کردو (ان دودھ پلانے والیوں کے) جو کچھ ان کو دینا چاہتے ہو (یعنی جو کچھ اجرت ان کو دینی ٹھہری ہو) دستور کے مطابق (خوش اسلوبی مثلاً خوش دلی سے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس سے بے خبر نہ رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے رہتے ہیں (کوئی بات ان سے پوشیدہ نہیں رہتی ہے)

تحقیق وترکیب:............ **والوالدات** مطلقہ ہوں یا غیر مطلقہ حدیث میں تعمیم کی طرف اشارہ ہے۔ **انھا احق بھا مالم تتزوج.**

لیرضعن یعنی خبر بمعنی امر ہے۔ یہ امر بعض صورتوں میں مفید استحباب ہے اور بعض صورتوں میں مفید وجوب باپ کو استیجار پر قدرت ہو۔ ماں کے علاوہ انا موجود ہو اور بچہ اس کا دودھ بھی قبول کرلے ان تین شرطوں کی موجودگی مفید استحباب ہے۔ ورنہ ماں باپ پر دودھ پلانا واجب ہوگا۔ **کاملین** یعنی حولین کا اطلاق تسامحًا بھی کیا جاسکتا ہے جیسے **اقمت عند فلاں حولین ولم یستکملھا** لیکن کاملین نے اس احتمال کی تردید کر کے تاکید کردی۔ امام شافعیؒ واحمدؒ وامام ابو یوسفؒ ومحمدؒ جمہور کے نزدیک مدت رضاعت دو سال اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ڈھائی سال ہے۔ **المولود** اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ والدہ اولاد کو والد کیلئے جنتی ہے اور اولاد والد کیلئے ہوتی ہے۔ **رزقھن** مرضعہ اگر بیوی یا معتدہ ہو تو اُجرت واجب نہیں ہے بلکہ امام صاحبؒ کے نزدیک بحیثیت دودھ کے اجرت جائز نہیں ہوگی البتہ بیوی ہونے کی جہت سے نان نفقہ ہوگا۔

وعلی الوارث اس کا عطف **المولود** پر ہے ای **علی وارث الاب** مراد اس سے بچہ ہے۔ یعنی باپ اگر مرجائے تو مرضعہ کی

اجرت باپ کے ولی یعنی بچہ پر ہوگی۔ جس تفصیل سے باپ پر تھی۔ حاصل یہ ہے کہ اگر بچہ کے پاس مال ہے تو مرضعہ کی اجرت اس میں سے ادا کی جائے۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ کا قول یہی ہے۔ ابن جریرؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے لیکن بچہ مالدار نہیں ہے تو پھر ماں پر ہے اور بعض نے وارث سے مراد والدین میں سے باقی لیا ہے۔ اور بعض نے بچہ کا وارث بلحاظ میراث رشتہ دار مرد وعورت کو قرار دیا ہے۔ خواہ بچہ ان کا وارث نہ ہوتا ہو لیکن بچہ کے مال کی میراث ان کو پہنچتی ہو اور حنفیہ کے نزدیک اس سے مراد ذی رحم محرم قرابت دار ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت بھی اس کی مؤید ہے اسی لئے حنفیہؒ کے نزدیک فقیر ذی رحم پر بھی بقدر حق میراث نفقہ بچہ کا واجب ہوگا۔

ان تسترضعوا بحذف المفعول الاول ای المراضع اولادکم اور اولادکم مفعول ثانی ہے۔ فعل جب متعدی بیک مفعول ہو۔ س، ت طلب یا نسبۃ کا اس میں اضافہ کر دیا جائے تو متعدی بدو مفعول ہو جائے گا۔ زمخشریؒ کی رائے یہی ہے اور جمہور حرف جر کے ذریعہ مفعول ثانی کی طرف متعدی مانتے ہیں۔ ای الاولادکم.

اذا سلمتم یہ صحت اجارہ کیلئے شرط نہیں ہے بلکہ اکملیت کا بیان ہے۔ پیشگی دینا باعثِ خوشنودی ہوتا ہے۔

اتیتیم . ای ضمنتم والتزمتم مجازی معنی ہیں۔ بالمعروف سلمتم کے متعلق ہے۔

ربط:............ اس آیت میں تیسواں (۳۰) حکم رضاعت کے بیان پر مشتمل ہے۔

﴿تشریح﴾:...... احکام پرورش:............ والوالدات یرضعن سے معلوم ہوا کہ منکوحہ اور معتدہ پر بلا اجرت دودھ پلانا دیانۃً واجب ہے بشرطیکہ کوئی صحیح عذر نہ ہو البتہ عدت گزرنے کے بعد اس آیت کے عموم کی وجہ سے بلا اُجرت واجب ہونا چاہئے تھا۔ لیکن رزقھن و کسوتھن کی وجہ سے اس وقت اجرت کا مطالبہ جائز ہو گیا۔

پرورش کے اصول:............ البتہ ماں اگر کسی مجبوری کی وجہ سے انکار کر دے تو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا۔ نیز ماں اگر دودھ پلانا چاہتی ہے اور اس کے دودھ میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے تو باپ کیلئے جائز نہیں ہے کہ ماں پر دوسری انا کو ترجیح دے۔ اسی طرح اگر عدت کے بعد ماں دوسری انا کے برابر اجرت مانگتی ہے تب بھی دوسری انا کو ترجیح دینا جائز نہیں ہے اور یہ سب مسائل لاتضار والدۃ بولدھا سے سمجھ میں آرہے ہیں۔ البتہ اگر بچہ دوسری عورت کا دودھ ہی نہیں لیتا اور کسی جانور کا دودھ بھی نہیں پیتا تب ماں کو مجبور کیا جائے گا۔ نیز بحالت منکوحہ یا معتدہ اگر عورت اجرت طلب کرتی ہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے بلکہ قضاءً بھی دودھ پلانے پر اس کو مجبور کیا جائے گا۔ ہاں عدت کے بعد دوسری انا (اگر ماں سے کم اجرت مانگتی ہے تو ماں کو مقدم نہیں سمجھا جائے گا اور ماں کا زیادہ اجرت کا مطالبہ جائز نہیں ہوگا۔ البتہ ماں کی درخواست پر دوسری انا) کو اس کے پاس رکھا جائے گا اور یہ سب احکام لامولود لہ بولدہ سے ثابت ہو رہے ہیں۔ ماں کا دودھ اگر بچہ کو مضر ہو اور وہ ماں کی بجائے انا سے پلوانا چاہے تو ان تسترضعوا میں اس کی اجازت ہے۔

انا کی اُجرت:............ کھانے کپڑے پر کسی کو نوکری رکھنا جائز ہے۔ لیکن انا اس سے مستثنیٰ ہے۔ تاہم کھانے، کپڑے کی نوعیت، حیثیت تعداد، مقدار وغیرہ اچھی طرح کھول کر بیان کر دینی چاہئے۔ عدم یقین کی صورت میں اوسط درجہ کا وجوب ہوگا۔ اگر نقد معاملہ طے کیا ہے تو اس کی مقدار، مدت وغیرہ بھی صاف صاف بتلا دی جائے تا کہ بعد میں جھگڑے کی نوبت نہ آجائے۔ جس کا اثر بچہ پر پڑنے لگے۔ بالمعروف میں یہ سب باتیں داخل ہیں۔

بچہ کی پرورش کے ذمہ دار:............ بچہ کی پرورش کا اصل بار تو باپ پر ہے۔ لیکن اس کی موت کے بعد اگر بچہ مالدار ہے تو

اس کے مال میں سے خرچ کرلیا جائے گا ورنہ اس کے ایسے قرابت داروں پر یہ ذمہ داری عائد ہوگی کہ جو ذی رحم محرم ہوں۔ یعنی اس بچہ اور رشتہ دار کو مرد و عورت فرض کیا جائے تو ان میں نکاح جائز نہ ہو اور نیز اس بچہ کی میراث کے مستحق بھی ہوں ان میں ماں بھی داخل ہے۔ سب کو میراث کی نسبت سے حق امانت پہنچے گا۔

دودھ پلانے کی مدت اور اختلاف مع دلائل:............ امام ابوحنیفہؒ ڈھائی سال کی مدت پر آیت **حمله و فصاله ثلثون شهرًا** سے استدلال فرماتے ہیں۔ حمل سے مراد عورت کا حاملہ ہونا نہیں بلکہ بچہ کا ہاتھوں میں لینا کھلانا مراد ہے یعنی مدت رضاعت مراد ہے۔ رہا آیت **حولین کاملین** فرمانا تو دو (۲) سال کی مدت تام کہلائے گی اور ڈھائی سال اتم مدت کہلائے گی اور بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ دو سال سے مدتِ بلا اُجرت مراد ہے اکثر کا فتویٰ اسی پر ہے کہ مدتِ رضاعت (۲) دو سال ہے لیکن اس کے بعد بھی کسی نے ڈھائی سال کے اندر اگر دودھ پلا دیا تو احتیاط یہی ہے کہ حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ يَمُوْتُوْنَ **مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ** يَتْرُكُوْنَ **اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ** اَىْ لِيَتَرَبَّصْن **بِاَنْفُسِهِنَّ** بَعْدَهُمْ عَنِ النِّكَاحِ **اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا**ۚ مِنَ اللَّيَالِىْ وَهٰذَا فِىْ غَيْرِ الْحَوَامِلِ اَمَّا الْحَوَامِلُ فَعِدَّتُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ بِـاٰيَةِ الطَّلَاقِ وَالْاَمَةُ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ بِالسُّنَّةِ **فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ** اِنْقَضَتْ مُدَّةُ تَرَبُّصِهِنَّ **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ** اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ **فِيْمَا فَعَلْنَ فِىْٓ اَنْفُسِهِنَّ** مِنَ التَّزَيُّنِ وَالتَّعْرِيْضِ لِلْخُطَّابِ **بِالْمَعْرُوْفِ**ؕ شَرْعًا **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾** عَالِمٌ بِبَاطِنِهٖ كَظَاهِرِهٖ **وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ** لَوَّحْتُمْ **بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ** الْمُتَوَفّٰى عَنْهُنَّ اَزْوَاجُهُنَّ فِى الْعِدَّةِ كَقَوْلِ الْاِنْسَانِ مَثَلًا اِنَّكِ لَجَمِيْلَةٌ وَمَنْ يَجِدُ مِثْلَكِ وَرُبَّ رَاغِبٍ فِيْكِ **اَوْ اَكْنَنْتُمْ** اَضْمَرْتُمْ **فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ**ؕ مِنْ قَصْدِ نِكَاحِهِنَّ **عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ** بِالْخِطْبَةِ وَلَا تَصْبِرُوْنَ عَنْهُنَّ فَاَبَاحَ لَكُمُ التَّعْرِيْضَ **وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا** اَىْ نِكَاحًا **اِلَّآ** لٰكِنْ **اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا**ۚ اَىْ مَا عُرِفَ شَرْعًا مِنَ التَّعْرِيْضِ فَلَكُمْ ذٰلِكَ **وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ** اَىْ عَلٰى عَقْدِهٖ **حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ** اَىِ الْمَكْتُوْبُ مِنَ الْعِدَّةِ **اَجَلَهٗ**ؕ بِاَنْ يَنْتَهِىَ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ** مِنَ الْعَزْمِ وَغَيْرِهٖ **فَاحْذَرُوْهُ**ۚ اَنْ يُعَاقِبَكُمْ اِذَا عَزَمْتُمْ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لِمَنْ يَحْذَرُهٗ **حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾**ع بِتَاخِيْرِ الْعُقُوْبَةِ عَنْ مُسْتَحِقِّهَا۔

ع ۳۰ ۱۴

ترجمہ:............ اور جو لوگ وفات پاتے ہیں (مرجاتے ہیں) تم سے اور چھوڑ جاتے ہیں اپنی بیویوں کو تو وہ انتظار کریں گی (یعنی اُن کو رکنا چاہئے) خود کو (شوہروں کے بعد نکاح کرنے سے) چار مہینے دس دن تک (مع راتوں کے۔ یہ عدت غیر حاملہ کی ہے لیکن حاملہ کی وضع حمل ہوگی۔ آیت **و اولات الاحمال الخ** کی وجہ سے اور باندی کی مدت اس سے نصف ہوگی۔ یہ سنت سے ثابت ہے) پھر جب اپنی میعاد ختم کرلیں (ان کے انتظار کی مدت ختم ہو جائے) تو تم کو کبھی کچھ گناہ نہ ہوگا (مراد عورت کے ورثاء ہیں) ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کاروائی کرلیں (آرائش یا شادی کی بات چیت) قاعدہ کے مطابق (شرعی طریقہ) اور اللہ تعالیٰ

تمہارے کاموں سے باخبر ہیں (ظاہر و باطن کے جاننے والے ہیں) اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر کوئی بات اشارۃً (کنایۃً) کہو ان عورتوں سے پیغام نکاح کے بارہ میں (جن کے شوہروں کا انتقال ہو چکا ہے۔ درانحالیکہ یہ اشارہ عدت کے اندر ہی ہو مثلاً) کوئی شخص کہنے لگے (۱) انک جمیلة تو بڑی خوبصورت ہے (۲) من یجد مثلک تجھ جیسی عورت کس کو دستیاب ہو سکتی ہے۔ (۳) ورب راغب فیک تیرے خواہاں بہت ہیں) یا پوشیدہ (چھپا ہوا ارادہ رکھو) اپنے دل میں (ان کے نکاح کے بارہ میں) اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہیں کہ تم ان عورتوں کا ذکر مذکور کرو گے (پیغام کے ذریعہ اور تم صبر نہیں کر سکو گے اس لئے تم کو تعریض کی اجازت دے دی) لیکن ان سے نکاح کا وعدہ بھی نہ کرو (سـرًا سے مراد نکاح ہے) الا یہ کہ کوئی بات قاعدہ کے موافق کہو (یعنی تعریض وغیرہ کی جو شرعی اجازت دی گئی ہے وہ تم کو بھی حاصل ہے) اور تم نکاح کی وابستگی کا ارادہ بھی نہ کرو (یعنی عقد نکاح ہو جانے کا) یہاں تک کہ عدت مقررہ (مفروضہ عدت) اپنے اختتام کو پہنچ جائے یعنی ختم ہو جائے) اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری دلی باتوں (عزم وغیرہ) کا پتہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (کہ تمہارے عزم پر وہ تم کو سزا نہ دے دیں) اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ (اپنے ڈرنے والے کی) مغفرت فرمانے والے ہیں۔ بردبار ہیں (کہ باوجود استحقاق کے تاخیر عذاب فرما دیتے ہیں)

تحقیق وترکیب: .... **یتوفون** مجہول لفظ کی تفسیر مجہول ہی صیغہ **تقبض اروا حهم** کے ساتھ ہوتی تو زیادہ اچھا ہوتا۔

الذین یتوفون مبتداء اور **یتربصن** خبر ہے اور عائد محذوف ہے ای **لهم**.

منكم محل نصب میں ہے ضمیر مرفوع **یتوفون** سے حال ہونے کی بناء پر اور عامل محذوف ہے ای **حال کونهم منكم** اور **من** تبعیضیہ اور جنسیہ دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ **اربعة اشهر وعشرا.** جلال محققؒ نے **من اللیالی** سے عدد کی تانیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن روح المعانی کی رائے ہے کہ تذکیر و تانیث کا قاعدہ معدود کے ذکر کے وقت ہوتا ہے اور اگر معدود محذوف ہو تو مطلقاً دونوں طریقے جائز ہیں۔ **والامة علی النصف** یعنی دو مہینے یا پانچ روز اور یہی حکم نابالغ زوج کی بیوی اور نابالغہ بیوی کا ہوگا۔ اس سے ان لوگوں کو قیاسی گھوڑے دوڑانے کا موقعہ نہیں رہا۔ جو چار مہینے دس دن عدت کی عقلی مصلحت حمل کی طرف سے مطمئن ہونا بتلاتے ہیں کہ اتنی مدت میں حمل کا اظہار یقینی ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مصلحت مطرد نہیں ہے کیونکہ زوج الصغیر یا زوجہ صغیرہ میں استقرار ہی کا احتمال نہیں ہے۔ اس لئے اللہ کے احکام میں لم اور مصالح کا انتظار نہیں کرنا چاہئے۔

عرضتم تعریض اہل بیان کے نزدیک یہ کہلاتی ہے کہ لفظ حقیقی یا مجازی یا کنائی کے ذکر سے فی الجملۃ ایک چیز مقصود ہو لیکن اس کی دلالت غیر مذکور چیز پر بھی ہو جائے۔ تعریض اور کنایہ میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہوتی ہے۔ **خطبة** بروزن **قعدة وجلسة** جو طلب اور استعطاف قولاً یا فعلاً خاطب کی طرف سے پایا جائے یا ماخوذ ہے خطب بمعنی امر ذی شان سے یا خطاب سے ہے مرد و عورت کی طرف سے مذاکرۂ نکاح پر اطلاق کیا جائے گا۔

ولکن لا تواعدوهن یہ عبارت محذوف سے استدراک ہے ای **فاذکروهن ولکن لا تواعدوهن.**

سرا. جہر کے مقابلہ میں آتا ہے مراد اس سے وطی ہوتی ہے کیونکہ وہ سراً ہوتی ہے۔ پھر مراد عقد نکاح ہے گویا مجاز علی المجاز ہے۔ **الا** ای **لاتواعدوهن سرا مواعدة الا مواعدة معروفة** اور جلال محققؒ اس کو لکن کی معنی لے کر استثناء منقطع قرار دے رہے ہیں کیونکہ مستثنیٰ منہ تصریح ہے اور قول معروف تعریض ہے۔

العقدة مایعقد علیه یعنی گرہ کو کہتے ہیں عقد النساء میں اضافتِ بیانیہ ہے **الکتب ای ماکتب من العدة.**

ربط: .... ان دو آیات میں اکتیسواں (۳۱) حکم زوج کی عدت وفات کا اور بتیسواں (۳۲) حکم عدت کی حالت میں پیغام نکاح

سے متعلق ہے۔

﴿تشریح﴾:......عدتِ وفات ابتدائے اسلام میں:.........اس آیت کے بعد آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ الخ سے عدتِ وفات زوج کا ایک سال ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن وہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا۔ جو اس آیت سے منسوخ ہوگیا گویا یہ آیت اس آیت سے نزولاً مؤخر اور تلاوۃً مقدم ہے۔ لیکن اس سے عدت کا چار مہینے دس روز ہونا معلوم ہوتا ہے خواہ عورت حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ البتہ آیتِ طلاق واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن سے عدت وضع حمل معلوم ہوتی ہے۔ خواہ عدت طلاق ہو یا وفات۔ گویا مفہوماً ان دونوں آیات میں کچھ تعارض سا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حاملہ غیر متوفی عنہا زوجہا کی مدت بلاشبہ وضع حمل ہے۔ علی ہذا متوفی عنہا غیر حاملہ چار مہینے دس دن ہونی چاہئے لیکن حاملہ متوفی عنہا کے باب میں بظاہر دونوں آیت تعارض معلوم ہو رہی ہیں۔

درباره عدت صحابہؓ کا اختلاف:.........چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ آیت طلاق کو آیتِ بقرہ سے مؤخر مانتے ہوئے عدت وضع حمل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں من شاء باھلتہ ان سورۃ النساء بعد التی فی سورۃ البقرۃ حضرت عمر فاروقؓ کا ارشاد گرامی بھی اس کا مؤید ہے کہ خاوند کی نعش اگر تختۂ غسل ہی پر ابھی رکھی ہو کہ وضع حمل ہو جائے تو عدت پوری ہو جائے گی۔ اس لحاظ سے گویا یہ آیت آیتِ طلاق سے منسوخ ہے۔ حضرت علیؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کی رائے اس خاص صورت میں یہ ہے کہ عدت "ابعد الاجلین" ہونی چاہئے۔ یعنی وضع حمل اگر چار مہینے دس دن سے زیادہ میں ہو تو اس کو ورنہ چار مہینے دس دن کو عدت سمجھا جائے گا، نیز اس آیت کا مفہوم عموم اگرچہ اس بات کو چاہتا ہے کہ آزاد اور باندی میں فرق نہ کیا جائے۔ لیکن حدیث کی وجہ سے اس کے لئے عدت کی تنصیف کی جائے گی۔

عدت کی حکمت و مصلحت:.........وفات کی عدت چار مہینے دس دن مقرر کر کے ان مفاسد کی اصلاح کر دی گئی جو اس زمانے میں افراط و تفریط کا موجب تھے۔ اگر عورت کو فوراً نکاح کرنے کی اجازت ہوتی تو اس میں نکاح کی بے وقعتی، مرحوم شوہر کے پیار و محبت سے بے رخی، نسب میں اشتباہ ہوسکتا تھا۔ ایسے ہی زیادہ مدت تک عورت کو شوہر کا سوگ منانے پر مجبور کرنا بھی ظلم ہوتا۔

عدتِ وفات وطلاق کے احکام:.........جس کے خاوند کا انتقال ہو جائے یا جس کو طلاق بائنہ ہو جائے عدت کے اندر خوشبو، سرمہ، تیل، مہندی، اور بلاضرورت دوا لگانا، سنگار کرنا، رنگین کپڑے استعمال کرنا، عدتِ وفات میں نکاح ثانی کی گفتگو صریح کرنا، رات کو دوسرے کے مکان میں رہنا، اور معتدۃ البائنۃ کو دن میں بھی بلاضرورتِ شدیدہ گھر سے نکلنا درست نہیں ہے۔ امام شافعیؒ بائنہ کے سوگ میں اختلاف کرتے ہیں اور مطلقہ رجعیہ کے لئے شوہر کو مائل کرنے کیلئے آرائش کی اجازت ہے۔

مدتِ عدت کا حساب:.........شوہر کا انتقال اگر چاند رات کو ہوا ہے تب تو چاند سے حساب لگایا جائے گا، مہینہ ۲۹ دن کا ہو یا ۳۰ دن کا۔ ورنہ درمیان کی کسی تاریخ میں انتقال ہو تو پورے پورے تیس دن کا مہینہ لگا کر ایک سو تیس دن کے چار مہینے دس دن شمار کئے جائیں گے اور جس ساعت میں انتقال ہوا ہو ٹھیک اسی وقت جا کر عدت ختم ہوگی۔

آیت عدت اور خطبہ سے معلوم ہوا عدتِ وفات وطلاق بائنہ کے دوران ایک فعل زبان کا اور ایک دل کا جائز ہے اور ایک فعل زبان اور ایک دل کا ناجائز ہے۔ لاجناح اور قولا معروفا میں اشارۃً زبان سے نکاح کا ذکر اور اکننتم فی انفسکم میں بعد العدت ارادۂ نکاح کا جواز معلوم ہوا۔ لاتواعدوھن میں صراحۃً زبان سے تذکرہ اور لاتعزموا میں ارادۂ نکاح فی العدت کا ناجائز ہونا معلوم

ہورہا ہے۔ لاجناح سے معلوم ہوا کہ مجاہدات میں طالب کے ضعف کی رعایت ضروری ہے۔

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ وَفِىْ قِرَاءَةٍ تُمَاسُّوْهُنَّ اَىْ تُجَامِعُوْهُنَّ **اَوْ لَمْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً** مَهْرًا اَوْ مَا مَصْدَرِيَّةٌ ظَرْفِيَّةٌ اَىْ لَاتَبِعَةَ عَلَيْكُمْ فِى الطَّلَاقِ زَمَنَ عَدَمِ الْمَسِيْسِ وَالْفَرْضِ بِاِثْمٍ وَلَامَهْرَ فَطَلِّقُوْهُنَّ **وَّ مَتِّعُوْهُنَّ** اَىْ اَعْطُوْهُنَّ مَايَتَمَتَّعْنَ بِهٖ **عَلَى الْمُوْسِعِ** الْغَنِىِّ مِنْكُمْ **قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ** الضَّيِّقِ الرِّزْقِ **قَدَرُهٗ** يُفِيْدُ اَنَّهٗ لَانَظَرَ اِلٰى قَدْرِ الزَّوْجَةِ **مَتَاعًا** تَمْتِيْعًا **بِالْمَعْرُوْفِ** شَرْعًا صِفَةُ مَتَاعًا **حَقًّا** صِفَةٌ ثَانِيَةٌ اَوْ مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ **عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ﴿۲۳۶﴾** الْمُطِيْعِيْنَ **وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَافَرَضْتُمْ** يَجِبُ لَهُنَّ وَيَرْجِعُ لَكُمُ النِّصْفُ **اِلَّآ** لٰكِنْ **اَنْ يَّعْفُوْنَ** اَىِ الزَّوْجَاتُ فَيَتْرُكْنَهٗ **اَوْ يَعْفُوَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ** وَهُوَ الزَّوْجُ فَيَتْرُكُ لَهَا الْكُلَّ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَلْوَلِىُّ اِذَا كَانَتْ مَحْجُوْرَةً فَلَاحَرَجَ فِىْ ذٰلِكَ **وَاَنْ تَعْفُوْآ** مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ** اَىْ اَنْ يَتَفَضَّلَ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ **اِنَّ اللّٰهَ بِمَاتَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴿۲۳۷﴾** فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ **حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ** الْخَمْسِ بِاَدَائِهَا فِىْ اَوْقَاتِهَا **وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى** هِىَ الْعَصْرُ كَمَافِى الْحَدِيْثِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ اَوِ الصُّبْحُ اَوِالظُّهْرُ اَوْ غَيْرُهَا اَقْوَالٌ وَاَفْرَدَهَا بِالذِّكْرِ لِفَضْلِهَا **وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ** فِى الصَّلٰوةِ **قٰنِتِيْنَ﴿۲۳۸﴾** قِيْلَ مُطِيْعِيْنَ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ قُنُوْتٍ فِى الْقُرْاٰنِ فَهُوَ طَاعَةٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَغَيْرُهٗ وَقِيْلَ سَاكِتِيْنَ لِحَدِيْثِ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِى الصَّلٰوةِ حَتّٰى نَزَلَتْ فَاُمِرْنَا بِالسُّكُوْتِ وَنُهِيْنَا عَنِ الْكَلَامِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ **فَاِنْ خِفْتُمْ** مِنْ عَدُوٍّ اَوْ سَيْلٍ اَوْ سَبُعٍ **فَرِجَالًا** جَمْعُ رَاجِلٍ اَىْ مُشَاةً صَلُّوْا **اَوْ رُكْبَانًا** جَمْعُ رَاكِبٍ اَىْ كَيْفَ اَمْكَنَ مُسْتَقْبِلِى الْقِبْلَةِ وَغَيْرِهَا وَيُوْمِئُ بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ **فَاِذَآ اَمِنْتُمْ** مِنَ الْخَوْفِ **فَاذْكُرُوا اللّٰهَ** اَىْ صَلُّوْا **كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴿۲۳۹﴾** قَبْلَ تَعْلِيْمِهٖ مِنْ فَرَائِضِهَا وَحُقُوْقِهَا وَالْكَافُ بِمَعْنٰى مِثْلٍ وَمَا مَوْصُوْلَةٌ اَوْ مَصْدَرِيَّةٌ

ترجمہ: .... تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اگر بیویوں کو ایسی حالت میں طلاق دے دو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے (اور ایک قرأت میں تماسوھن بمعنی تجامعوھن ہے) اور نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے (اور ما مصدریہ ظرفیہ ہے۔ یعنی تم پر نہ چھونے اور کچھ نہ مقرر کرنے کے سلسلہ میں کوئی بار گناہ یا مہر کا نہیں رکھا جاتا طلاق دینے کی صورت میں۔ چنانچہ تم ان کو طلاق دے سکتے ہو) اور ان کو ایک جوڑا دے دو (جس سے وہ کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھا سکیں) صاحب وسعت (تم میں سے مالدار) پر اس کی حیثیت کے موافق اور تنگدست (غریب) کے ذمہ اس کی حیثیت کے مطابق (معلوم ہوا کہ اس میں بیوی کی حیثیت کا لحاظ نہیں ہے) جوڑا دینا (فائدہ پہنچانا) قاعدہ کے موافق وشرعاً بالمعروف صفت ہے متاعاً کی) واجب ہے حقاً صفت ثانیہ یا مفعول مطلق تاکید کے لئے ہے) خوش معاملہ

لوگوں پر (جو فرمانبردار ہیں) اور اگر تم ان بیویوں کو طلاق دینے سے پہلے لگو ہاتھ لگانے سے پہلے اور ان کیلئے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے ہو تو جس قدر مہر تم نے مقرر کیا ہے اس سے نصف (ان کو دینا ضروری ہے اور نصف تم واپس لے سکتے ہو) الا یہ کہ (لیکن اگر) وہ عورتیں معاف کر دیں (بیویاں کل مہر چھوڑ دیں) یا وہ شخص رعایت کر دے جس کے قبضہ میں معاملۂ نکاح ہے (یعنی شوہر کو وہ پورا مہر بیوی کو دے دے یا بقول ابن عباسؓ مراد ولی ہے جبکہ عورت مجورہ (باکرہ) ہو تب بھی کوئی حرج نہیں ہے) اور تمہارا معاف کر دینا (مبتداء ہے اس کی خبر آگے ہے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کیا کرو (یعنی ایک دوسرے پر احسان کرو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں (ان پر تم کو جزاء دیں گے) محافظت کیا کرو تمام نمازوں کی (پانچوں نمازیں اپنے اوقات میں ادا کرو) اور درمیانی نماز کی (مراد عصر ہے جیسا کہ شیخین کی روایت میں ہے یا صبح یا ظہر وغیرہ کی نمازیں مراد ہیں۔ علیٰ اختلاف الاقوال اس کو علیحدہ ذکر کرنا) اس کی فضیلت کی وجہ سے ہے) اور کھڑے ہوا کرو (نماز میں) اللہ کے سامنے عاجز بن کر (بعض کے نزدیک قانتین کے معنی فرمانبردار کے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ قرآن میں جہاں قنوت ہے وہ بمعنی طاعت ہے۔ امام احمدؒ وغیرہ نے اس کو روایت کیا ہے اور بعض نے اس کے معنی خاموش رہنے والے کے بیان کیئے ہیں چنانچہ زید بن ارقمؓ کی روایت ہے کہ ہم لوگ نماز میں باتیں کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی جس میں ہم کو خاموشی کی تعلیم دی گئی اور گفتگو کرنے سے منع کیا گیا رواہ الشیخان) پھر اگر تم کو اندیشہ ہو (دشمن یا سیلاب یا درندہ کا) تو تم کھڑے کھڑے (رجالاً جمع ہے راجل یعنی پیدل نماز پڑھو) یا سواری پر چڑھے چڑھے (رکباناً جمع راکب کی یعنی جس طرح بھی ممکن ہو، خواہ قبلہ کی طرف منہ ہو سکے یا نہ ہو سکے یا رکوع سجدہ کا صرف اشارہ ہی ممکن ہو) پڑھ لیا کرو۔ پھر جب تم کو اطمینان ہو جائے (خوف نہ رہے) تو اللہ تعالیٰ کا ذکر اس طرح کیا کرو (نماز پڑھ د) جیسے تم کو سکھلایا ہے جس کو تم جانتے نہیں تھے (نماز کے فرائض وحقوق کی تعلیم سے پہلے اور کاف بمعنی مثل ہے اور ما موصولہ یا مصدریہ ہے)

تحقیق وترکیب: ......**او لم تفرضوا** جلال مفسرؒ نے او کے بعد لم مقدر مان کر اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ **تمسوھن** عطف کی وجہ سے یہ مجزوم ہے اور ما مصدریہ ظرفیہ ہے۔ **ای فی مدۃ عدم المسیس**. **لم احد الامرین** کی نفی کیلئے ہوگا یعنی نکرہ تحت النفی واقع ہونے کی وجہ سے مفید عموم ہوگا۔ اس صورت میں او کو معنیٰ میں واؤ کے لینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ **ای مالم یکن منکم مسیس ولا فرض**

فریضۃ بمعنی مفعول اور تا نقل من الوصفیۃ الی العلمیت کے طور پر ہے اور مصدر بھی ہو سکتا ہے۔ **لا تبعۃ ای لاحق وقیل لاوزر.** یعنی شوہر پر ایسی صورت میں طلاق دینے سے نہ مہر واجب ہوگا اور نہ کوئی بدعت وغیرہ کا گناہ۔ **متعوھن** امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا تخمینہ حاکم کی رائے پر ہوگا اور حنفیہ کے نزدیک جہاں تک قمیص، دوپٹہ، چادر تین کپڑوں کا تعلق ہے وہ تو شرعاً متعین ہیں۔ اس میں کسی کی رائے کو دخل نہیں ہے۔ البتہ ان کی قیمت اور کیفیت کی تعیین میں بے شک شوہر کی استطاعت ومقدور کا لحاظ کیا جائے گا۔ بعض ائمہ شوہر کی بجائے اس میں عورت کی حیثیت کا اعتبار کرتے ہیں جیسا کہ کرخیؒ کی رائے ہے لیکن آیت اس کی مؤید نہیں ہے۔

متاعًا کی تفسیر **تمتیعًا** سے اشارہ ہے کہ اسم مصدر مصدر کے معنی میں اور اس کے قائمقام ہے اور **بالمعروف** جار مجرور مل کر صفت ہے متاعًا کی۔ **حقًا** کو اگر مفعول مطلق بنایا جائے تو عامل وجوبًا محذوف ہوگا۔ **ای حق ذلک حقا. الا** استثناء منقطع ہے کیونکہ نصف مہر کی معافی جنس استحقاق سے نہیں ہے۔

الذی بیدہ حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، سعید بن المسیب ابن جبیرؒ نے اس کی تفسیر زوج کے ساتھ کی ہے۔ طبرانیؒ کی روایت **انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الذی بیدہ عقدۃ النکاح الزوج** بھی اس کی مؤید ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کی رائے اور امام شافعیؒ کا قول

جدید بھی یہی ہے کیونکہ بقاء نکاح اور طلاق شوہر کے اختیار میں ہوتی ہے۔لیکن ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ اس سے مراد ولی زوجہ ہے۔امام مالکؒ کا خیال اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔اس صورت میں حاصل یہ ہوگا کہ اگر عورت ثیبہ ہے تب تو خود شوہر کو اپنا حصہ معاف کرسکتی ہے اور باکرہ ہے تو اس کے ولی کو حق معافی ہوگا۔

لا تنسوا الفضل نسیان سے مراد حقیقی معنی نہیں ہیں کہ وہ غیر اختیاری امر ہے بلکہ مراد ترک احسان ہے الفضل بمعنی التفضیل والاحسان۔**فنصف** ۔**ای فلهن او فالواجب نصف مافرضتم. الا ان یعفون. ای فلهن هذا المقدار بلا زیادة و لا نقصان فی جمیع الاحوال الا الخ او یعفوا الذی** اس کا نام معافی رکھنا یا مشاکلت صوری کی وجہ سے ہے اور یا اس لئے کہ اگر مہر معجل بیوی کو ادا کردیا تو طلاق قبل الدخول کی صورت میں نصف کا حق استرداد باقی رہتا ہے اور جب استرداد نہ ہوا تو یہی معافی ہے۔ان تعفوا میں خطاب خاوند بیوی دونوں کو ہے لیکن لفظوں میں تذکیر کی رعایت صرف اس کے شرف کی وجہ سے کی گئی ہے۔

حافظوا مفاعلت یہاں مجرد کے معنی میں ہے جیسے **عاقبت اللص** اور چونکہ مواظبت کے معنی کو متضمن ہے اس لئے علیٰ کے ساتھ تعدیہ کیا گیا ہے اور علیٰ حالہ اپنے باب سے قرار دیا جائے تو بندہ اور خدا یا بندہ اور نماز کے درمیان محافظت مراد ہوگی۔

الصلوٰة الوسطی امام اعظمؒ اور اکابر صحابہ حضرت عمرؓ و علیؓ و ابن مسعودؓ و عائشہؓ و ام سلمہؓ و حفصہؓ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے کیونکہ مصحف حفصہؓ میں صلوٰۃ الوسطیٰ کے بعد صلوٰۃ العصر کا لفظ موجود ہے۔نیز غزوۂ احزاب میں جب آنحضرت ﷺ کی نماز عصر فوت ہوگئی تو یہ دعائیہ جملے ارشاد فرمائے **شغلونا عن الصلوٰة الوسطی صلوٰة العصر ملا الله بیوتهم نارًا**. نیز حضرت سلیمان علیہ السلام کی نماز عصر بھی ایک دفعہ فوت ہوگئی تھی جس کے بارہ میں ارشاد نبوی ہے **انها الصلوٰة التی شغل عنها سلیمان حتی تورات بالحجاب** اور مقتضی قیاس بھی یہی ہے کہ اس کے ایک طرف دو نمازیں نہاری ہیں قصری اور غیر قصری فجر اور ظہر اور اسی طرح دوسری طرف دو نمازیں لیلی ہیں قصری اور غیر قصری یعنی مغرب وعشاء اور نماز عصر ان کے درمیان ہے اور وقت بھی یہ کاروباری مشغولیت اور ہنگامہ آرائی کا ہے اس لئے مزید اہتمام کی ضرورت پیش آئی ہے اور انسؓ بن مالک، معاذ بن جبلؓ، ابوامامہؓ کی رائے یہ ہے کہ مراد اس سے نماز فجر ہے۔کیونکہ وہ دن رات کی دو دو نمازوں کے درمیان میں ہے یا دو قصری نمازوں کے درمیان میں ہے اور ابن عمرؓ، زید بن اسامہؓ کا قول یہ ہے کہ ظہر کی نماز مراد ہے کیونکہ وسط نہار میں ہے اور ابن عباسؓ کی ایک روایت اور قیصر د بن زبیرؒ کی روایت میں ہے کہ نماز مغرب مراد ہے کیونکہ وہ ایک جہری اور ایک سری نماز کے درمیان ہے یا رکعات کے لحاظ سے دوگانہ اور چہارگانہ نمازوں کے درمیان ہے اور بعض نے نماز عشاء مراد لی ہے کیونکہ وہ دو جہری نمازوں کے مابین ہے۔جورات کی دونوں سروں پر ہیں اور بعض نے لیلۃ القدر کی طرح اس کو غیر معین کہا ہے۔

وافردها یعنی عطف عام علی الخاص کا نکتہ جلال مفسرؒ ذکر کررہے ہیں کہ تخصیص ذکری کی وجہ شرف وقت ہے کہ ملائکۃ النہار واللیل کے اجتماع اور ڈیوٹی بدلنے کا یہ وقت ہے۔

قوموا لِلّٰہ یعنی للّٰہ کا تعلق **قوموا** سے ہے جس سے مراد قیام صلوٰۃ ہے لفظ **قانتین** سے متعلق نہیں ہے ورنہ عبارت اس طرح ہونی چاہئے تھی **قوموا فی صلوٰة الله قانتین** کیونکہ عامل اصل میں معمول پر مقدم ہوتا ہے۔قانتین ابن مسعودؓ اور زید بن ارقمؓ کا قول بھی یہی ہے کہ قنوت کے معنی سکوت کے ہیں۔**فرجالا** اور **رکبانا** یہ دونوں حال ہیں عامل ان میں صلوا مقدر ہے اسی لئے اس کو مفسر علام نے بھی مؤخر مانا ہے۔نماز چونکہ معظم ذکر ہے اس لئے تفسیر مناسب ہے۔باقی امام شافعیؒ کے نزدیک بحالت مشی اور مسابقت بھی نماز پڑھنی واجب ہوگی اور بخلاف امام اعظمؒ کے وہ اس حالت میں مؤخر کرنے کو فرماتے ہیں۔چنانچہ غزوۂ احزاب میں آنحضرت ﷺ نے بھی ترک فرمادی تھی۔**کما علمک** تشبیہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بحالت امن رکوع سجدہ، استقبال قبلہ کی رعایت سے نماز پڑھتے

رہے اسی طرح پڑھو اسی لئے وضع الظاہر موضع المضمر کیا ہے۔

ربط:.......... آیت لا جناح میں طلاق قبل الدخول کی صورت میں مہر واجب اور غیر واجب کا تینتیسواں (۳۳) حکم مذکور ہے اور آیت حافظوا میں چونتیسواں (۳۴) حکم نماز کی محافظت کا ہے۔

شانِ نزول:.......... ایک انصاری صحابیؓ نے ایک عورت سے نکاح تفویضا کیا اس کے بعد طلاق قبل الدخول دے دی اس پر عورت نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مرافعہ پیش کیا تب یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا امتعھا ولو بقلنسوتک.

﴿تشریح﴾:...... **مطلقہ عورت کی چار صورتیں:**.......... مطلقہ کی دو صورتیں ہیں۔ موطوءہ اور غیر موطوءہ۔ حنفیہ کے نزدیک خلوتِ صحیحہ نکاح کے حکم میں ہے پھران کی بھی دو صورتیں ہیں۔ مہر کی تعیین ہو چکی تھی یا نہیں۔ اسی طرح چار صورتیں نکل آئیں۔ (۱) موطوءہ مسمی لہا مہر (۲) موطوءہ غیر مسمی لہا مہر (۳) غیر موطوءہ مسمی لہا مہر (۴) غیر موطوءہ غیر مسمی لہا مہر۔

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ پورا مہر واجب ہوگا۔ دوسری صورت کا حکم یہ ہے مہر مثل کو حکم بنا کر مہر ادا کیا جائے گا۔ تیسری صورت جو آیت میں دوسرے نمبر پر بیان کی جارہی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ نصف مہر کا ادا کرنا مرد پر واجب ہے۔ الا یہ کہ مرد رعایت کر کے پورا مہر عورت کو دیدے یا اس کے پاس ہی رہنے دے۔ اسی طرح عورت اپنے نصف حق کو بھی نہ لے یا لئے ہوئے کو واپس کردے۔ ان چار صورتوں میں نصف مہر کا حکم وجوبی باقی نہیں رہے گا اور استثناء صحیح ہو سکے گا اور چوتھی صورت جس کو آیت میں اول بیان کیا گیا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ مرد کو مہر کے نام سے کچھ دینا نہیں پڑے گا کیونکہ نکاح کی صحت اگرچہ تعیین مہر پر موقوف نہیں ہے۔ بلا ذکر مہر بلکہ عدم مہر کی شرط لگا کر بھی نکاح صحیح ہو سکتا ہے۔ نیز مہر کا نفسِ وجوب صرف عقد نکاح سے ہو جاتا ہے البتہ خلوت یا صحبت سے مہر مؤکد ہوتا ہے لیکن اس چوتھی صورت میں جب نہ مہر کی تعیین ہوئی اور نہ خلوت وصحبت سے مہر مؤکد ہوا تو مہر کی تنصیف کیسے کی جائے اور کیوں کی جائے؟

جوڑہ دینے کے احکام:.......... البتہ اس مفت کی طلاق سے عورت کو استیحاش ضرور ہوا ہے۔ اسی کی مکافات اس طرح کی جارہی ہے کہ ایک جوڑہ تین کپڑوں کا جس میں کُرتہ، ایک سربند اور ایک سر سے پاؤں تک ستر کیلئے چادر ہو بطور قائمقام مہر کی شوہر پر اس کی مقدور بھر واجب ہے۔ جس کی قیمت پانچ درہم سے کم اور ایسی عورت کے نصف مہر سے زیادہ نہ ہو۔ چنانچہ علی اور متاعا کا مصدر مؤکد ہونا اور لفظ حق اس وجوب پر دال ہیں۔ امام مالکؒ اس کے استحباب پر لفظ المحسنین سے استدلال کرتے ہیں لیکن اس کا ترجمہ خوش معاملگی کے ساتھ کرنے کے بعد استدلال کا موقع ہی نہیں رہتا۔ اس آخری صورت کے علاوہ پہلی تینوں صورتوں میں جوڑے کا وجوب نہیں ہے اور استحباب سے انکار بھی نہیں ہے کیونکہ سب صورتوں میں کچھ نہ کچھ عورت کا جبر نقصان ہو گیا ہے صرف اس ایک صورت میں آنسو پونچھنے کی ضرورت تھی۔

کسی کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کرنا یا اپنا حق معاف کر دینا بلاشبہ قابلِ استحسان ہے لیکن اگر کسی خاص عارض فقر وتنگدستی کی وجہ سے مثلاً رعایت نہ کرنے کو ترجیح ہو جائے تو اس میں فی نفسہ استحسان اور عارضی غیر استحسان میں کچھ تعارض اور منافات نہیں ہے دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔

معاشرتی احکام کے ساتھ عبادات:.......... طلاق وعدت کے احکام کے درمیان نماز کا ذکر اس مصلحت سے ہے کہ مقصود اصلی توجہ الی اللہ ہے۔ معاشرت ومعاملات میں لگ کر کہیں اس سے کسی درجہ غفلت نہ ہو جائے بلکہ خود ان احکام میں بھی ایمان کی

جان جب ہی پڑے گی کہ خدائی احکام سمجھ کر ان کو کیا جائے نیز حقوق العباد کی ادائیگی باعث تقرب خداوندی ہے ورنہ بارگاہ الٰہی سے دوری اور توجہ الی الحق سے محرومی کا باعث ہوگا۔ اس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسی شدید حالت میں بھی جبکہ جانوں کی آپادھاپی پڑ رہی ہے نماز مؤخر نہیں کی گئی بلکہ کھڑے کھڑے اشاروں سے پڑھنے کا حکم ہے سجدہ کا اشارہ رکوع کے مقابلہ میں پست کیا جائے گا۔ البتہ اگر کھڑا رہنا بھی ممکن نہ ہو بلکہ چلنا یا بھاگنا ہو رہا ہو تو عمل کثیر کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک نماز مؤخر کردی جائے گی۔ رجالاً کی تفسیر حنفیہ نے کھڑے رہنے کے ساتھ کی ہے۔ امام شافعیؒ اس حالت میں بھی مؤخر نہیں فرماتے بلکہ رجالاً کے معنی پیدل چلنے اور رکباً کے معنی سوار ہو کر چلنے کے لیتے ہیں۔ لیکن رجالاً مشترک معنوی ہے۔ ماشی اور واقف دونوں معنی کے۔ لئے عمل کثیر کے مفسد ہونے کی وجہ سے اور واقعۂ احزاب سے استدلال کرتے ہوئے حنفیہ نے ثانی معنی کو ترجیح دے دی ہے۔

وان تعفوا میں علو ہمت اور ترک اسراف کی تعلیم ہے اور فرجالاً او رکبانا تعداد اور ہیئت اعمال کے لحاظ سے تخفیف کی اصل نکلتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ فَلْيُوْصُوْا **وَّصِيَّةً** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ اَيْ عَلَيْهِمْ **لِّاَزْوَاجِهِمْ** وَيُعْطُوْهُنَّ **مَّتَاعًا** مَا يَتَمَتَّعْنَ بِهٖ مِنَ النَّفَقَةِ وَالْكِسْوَةِ **اِلَى** تَمَامِ **الْحَوْلِ** مِنْ مَوْتِهِمُ الْوَاجِبُ عَلَيْهِنَّ تَرَبُّصُهُ **غَيْرَ اِخْرَاجٍ** ۚ حَالٌ اَيْ غَيْرَ مُخْرِجَاتٍ مِنْ مَسْكَنِهِنَّ **فَاِنْ خَرَجْنَ** بِاَنْفُسِهِنَّ **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ** يَا اَوْلِيَاءَ الْمَيِّتِ **فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ** ۭ شَرْعًا كَالتَّزَيُّنِ وَتَرْكِ الْاِحْدَادِ وَقَطْعِ النَّفَقَةِ عَنْهَا **وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ** فِيْ مِلْكِهٖ **حَكِيْمٌ** ﴿۲۴۰﴾ فِيْ صُنْعِهٖ وَالْوَصِيَّةُ الْمَذْكُوْرَةُ مَنْسُوْخَةٌ بِاٰيَةِ الْمِيْرَاثِ وَتَرَبُّصُ الْحَوْلِ بِاٰيَةِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا السَّابِقَةِ الْمُتَاخِرَةِ فِي النُّزُوْلِ وَالسُّكْنٰى ثَابِتَةٌ لَهَا عِنْدَ الشَّافِعِيِّ **وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ** ۢ يُعْطِيْنَهٗ **بِالْمَعْرُوْفِ** ۭ بِقَدْرِ الْاِمْكَانِ **حَقًّا** نَصَبٌ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ **عَلَى الْمُتَّقِيْنَ** ﴿۲۴۱﴾ اَللّٰهُ كَرَّرَهٗ لِيَعُمَّ الْمَمْسُوْسَةَ اَيْضًا اِذِ الْاٰيَةُ السَّابِقَةُ فِيْ غَيْرِهَا **كَذٰلِكَ** كَمَا بَيَّنَ لَكُمْ مَا ذُكِرَ **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ** ﴿۲۴۲﴾ ع تَتَدَبَّرُوْنَ۔

ع ۳۱ / ۷ / ۱۵

ترجمہ:............ اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جاتے ہیں اور چھوڑ جاتے ہیں بیویوں کو (اس کے ذمہ لازم ہے کہ) وصیت کر جایا کریں (اور ایک قرأت میں لفظ وصیۃ رفع کے ساتھ ہے ای علیھم وصیۃ) اپنی بیویوں کے لئے (اور ان کو دے جایا کریں) سامان (نفقہ و لباس کہ جس سے وہ نفع اٹھا سکیں) ایک سال (تمام) کے لئے (ان کی وفات کے وقت سے عورتوں پر واجب ہے) اس طرح کہ ان کو گھر سے نہ نکالا جائے (غیر اخراج حال ہے یعنی اپنے مکانوں سے نکالی نہ جائیں) ہاں اگر (خود) نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے (اے ورثائے میت) اس ضابطہ کے مطابق جس کو وہ اپنے لئے تجویز کریں (شرعاً مثلاً آرائش کرنا، سوگ نہ کرنا، نفقہ سے محروم ہو جانا) اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (اپنے ملک میں) حکمت والے ہیں (اپنی کاریگری میں) در وصیت مذکورہ آیت میراث کے ذریعہ منسوخ ہے اور سال بھر کی عدت منسوخ ہے۔ اس سے پہلی آیت اربعۃ اشھر و عشراً کے ذریعہ جو نزولاً مؤخر ہے اور اس کیلئے قیام گاہ بھی لازم ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک (اور تمام مطلقہ عورتوں کے لئے کچھ کچھ فائدہ پہنچانا (کہ جو اس کو دیا جائے گا) دستور کے

مطابق (بقدر امکان) مقرر ہوا ہے (حقًا منصوب ہے فعل مقدر کے ذریعہ) ان لوگوں پر جو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرنے والے ہیں (اس کو مکرر بیان کیا ہے تاکہ موطوءہ عورت بھی اس حکم میں داخل ہو جائے کیونکہ پچھلی آیت غیر موطوءہ کے باب میں تھی) اسی طرح (جیسے کہ تمہارے لئے پہلے احکام بیان کیئے گئے ہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بیان فرماتے ہیں اپنے احکام اس توقع کے ساتھ کہ تم سمجھو گے (تدبر کرو گے)

تحقیق وترکیب:.......... والذین یتوفون. ای یموتون. تسمیۃ الشئ باسم مایؤل الیہ کے طریقہ پر ہے کیونکہ وفات کے بعد وصیت ممکن نہیں ہے۔ وصیۃ کی تقدیر فلیو صوا وصیۃ ہے ای فلیجب علیھم ان یوصوا لزوجاتھم بثلاثۃ اشیاء النفقۃ والکسوۃ والسکنی دوسری قرأت رفع پر تقدیر علیھم الوصیۃ ہوگی۔ الحول کے بعد مفسرؒ نے جو اجب کہا ہے یہ مجرور ہے حول کی صفت ہونے کی وجہ سے اور الی الحول صفت ہے متاع کی اور تربص سے مراد تربص الحول ہے۔ ای متاعا منتھیا الی الحول. خرجن یعنی رہنے نہ رہنے میں اور نفقہ لینے نہ لینے میں عورتوں کو اختیار ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کی رائے ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سکنی لازم ہوگا موت اور طلاق دونوں کی عدت میں اختیاری امر نہیں ہے اور معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ اگر سال بھر بعد نکلیں گے تو اب آرائش وغیرہ کی اجازت ہے۔ الاحداد احدت المرءۃ بولتے ہیں خاوند کی وفات کے بعد زیب وزینت چھوڑ دی ہے۔

حقًا علی المتقین پچھلی آیت میں جب علی المحسنین کا لفظ نازل ہوا تو ایک اعرابی نے بیوی کو طلاق کے بعد متاع نہیں دیا اور کہہ دیا کہ ان اردت احسنت وان اردت لم احسن اس پر حقا علی المتقین نازل ہوا...... کررہ یعنی آیت وللمطلقات الخ کا نزول مدخولہ کو داخل کرنے کے لئے ہوا ہے اس میں تین رائیں ہیں (۱) امام شافعیؒ کے نزدیک تمام صورتوں میں متاع واجب ہے بجز غیر مدخولہ مفروض لہا کے۔ (۲) امام مالکؒ کے نزدیک سب صورتوں میں مستحب ہے بجز اس صورت کے۔ (۳) امام ابوحنیفہؒ کی رائے اور امام احمدؒ کی ایک روایت یہ ہے مدخولہ مطلقًا اور غیر مدخولہ غیر مسمی لہا مہر کے لئے واجب ہے اور صاحب مدارک نے اس متاع کو نفقۂ عدت پر محمول کیا ہے اس لئے تکرار نہیں رہے گا۔

ربط:.......... اس آیت والذین الخ میں پینتیسواں (۳۵) حکم بیوہ کیلئے وصیت سکونت سے متعلق ہے اور آیت وللمطلقات الخ میں حکم طلاق کا تتمہ بیان کیا جا رہا ہے۔

﴿تشریح﴾:...... **بیوہ کی عدت:**.......... اسلام سے پہلے عدت وفات ایک سال تھی۔ ابتداء اسلام میں بھی جب تک احکام میراث مقرر نہیں ہوئے تھے اور بیوی کا کوئی حصۂ میراث طے نہیں تھا بلکہ سب کا مدار صرف مرنے والے کی وصیت پر تھا۔ عورت کے لئے اتنی رعایت رکھی گئی تھی کہ اگر وہ چاہے تو خاوند کے ترکہ کے مکان میں سال بھر تک رہ سکتی ہے اور اس مدت میں اسی ترکہ سے ان کے نفقہ کا انتظام کیا جاتا تھا۔ مرد کے لئے بھی اس قسم کی وصیت کر جانے کا حکم تھا اور چونکہ یہ حق عورت کا تھا اس لئے اس کے وصول کرنے نہ کرنے، مکان میں رہنے نہ رہنے کا اس کو اختیار تھا۔ ورثاء کے لئے مجبور کرنے کا حق نہیں تھا عدت کے اندر عورت کے لئے باہر نکلنا اور نکاح وغیرہ کرنا گناہ تھا۔ لیکن عدت کے بعد سب چیزوں کی اجازت تھی۔ لیکن جب آیت سابقہ اربعۃ اشھر وعشرًا نازل ہوگئی تو یہ لمبی عدت چھوٹی عدت سے تبدیل ہوگئی اور جب آیت میراث نازل ہوگئی جس میں گھر بار سب کا ترکہ عورت کو مل گیا تو اب نفقہ بھی منسوخ اور سکنی بھی منسوخ ہے۔ اپنے حصہ میں رہے اور اپنا مال خرچ کرے۔ غرضکہ اس آیت کے سب اجزاء منسوخ ہو گئے ہیں۔

مطلقہ کے احکام:.......... پچھلی آیت کے ذیل میں مطلقہ کی چاروں اقسام اور ان کے احکام مذکور ہوئے ہیں ان کی تفصیل سے

معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہر ایک کو کچھ نہ کچھ نفع ہوا۔ مثلاً مطلقہ غیر مدخولہ غیر مسمی لہا مہر کے لئے ایک جوڑا غیر مدخولہ مسمی لہا مہر کے لئے نصف مہر دیا جائے گا۔ اسی طرح مدخولہ کی دو قسمیں رہ گئی تھیں وہ اس آیت میں آ گئیں یعنی مسمی لہا مہر اس کے لئے پورا مہر اور غیر مسمی لہا مہر اس کے لئے بعد الدخول مہر مثل۔ یہ ان کا نفع ہوگیا ایک صورت نفع کی یہ تھی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خاص جوڑا مراد لیا جائے تو ایک صورت میں واجب اور تین صورتوں میں مستحب ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ متاع سے مراد نفقہ عدت لیا جائے تو جس طلاق میں عدت ہوگی۔ مثلاً رجعی بائنہ اس میں عدت گزرنے تک واجب رہے گا۔ غرضکہ آیت عموم الفاظ سے سب صورتوں کو شامل ہے اور قاعدہ سے مراد یہی تفصیل ہے وجوب واستحباب کا فرق دلائل سے ثابت ہوتا جائے گا۔ اس صورت میں حقًا کو وجوب کے لئے نہ لیا جائے بلکہ ثابت کے معنی میں لیا جائے گا اور علی الزام کی بجائے صرف تاکد کے لئے ہوگا چاہے استحباب ہی ہو۔

اَلَمْ تَرَ اِسْتِفْهَامُ تَعْجِيبٍ وَتَشْوِيقٍ اِلَى اسْتِمَاعِ مَابَعْدَهٗ اَىْ لَمْ يَنْتَهِ عِلْمُكَ **اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ** اَرْبَعَةٌ اَوْ ثَمَانِيَةٌ اَوْ عَشَرَةٌ اَوْ ثَلٰثُوْنَ اَوْ اَرْبَعُوْنَ اَوْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا **حَذَرَ الْمَوْتِ** مَفْعُوْلٌ لَهٗ وَهُمْ قَوْمٌ مِنْ بَنِىْ اِسْرَآئِيْلَ وَقَعَ الطَّاعُوْنُ بِبِلَادِهِمْ فَفَرُّوْا **فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا** فَمَاتُوْا **ثُمَّ اَحْيَاهُمْ** بَعْدَ ثَمَانِيَةِ اَيَّامٍ اَوْ اَكْثَرَ بِدُعَاءِ نَبِيِّهِمْ حِزْقِيْلَ بِكَسْرِ الْمُهْمَلَةِ وَالْقَافِ وَسُكُوْنِ الزَّاىِ فَعَاشُوْا دَهْرًا عَلَيْهِمْ اَثَرُ الْمَوْتِ لَايَلْبِسُوْنَ ثَوْبًا اِلَّا عَادَ كَالْكَفَنِ وَاسْتَمَرَّتْ فِىْ اَسْبَاطِهِمْ **اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ** وَمِنْهُ اِحْيَاءُ هٰؤُلَاءِ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** وَهُمُ الْكُفَّارُ **لَايَشْكُرُوْنَ** ﴿۲۴۳﴾ وَالْقَصْدُ مِنْ ذِكْرِ خَبَرِ هٰؤُلَاءِ تَشْجِيْعُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ وَلِذَا عُطِفَ عَلَيْهِ **وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اَىْ لِاِعْلَاءِ دِيْنِهٖ **وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ** لِاَقْوَالِكُمْ **عَلِيْمٌ** ﴿۲۴۴﴾ بِاَحْوَالِكُمْ فَيُجَازِيْكُمْ **مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ** بِاِنْفَاقِ مَالِهٖ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ **قَرْضًا حَسَنًا** بِاَنْ يُنْفِقَهٗ لِلّٰهِ تَعَالٰى عَنْ طِيْبِ قَلْبٍ **فَيُضٰعِفَهٗ** وَفِىْ قِرَاءَةٍ فَيُضَعِّفَهٗ بِالتَّشْدِيْدِ **لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً** مِنْ عَشْرٍ اِلَى اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِمِائَةٍ كَمَا سَيَاْتِىْ **وَاللّٰهُ يَقْبِضُ** يُمْسِكُ الرِّزْقَ عَمَّنْ يَّشَاءُ اِبْتِلَاءً **وَيَبْصُطُ** يُوَسِّعُهٗ لِمَنْ يَّشَاءُ اِمْتِحَانًا **وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** ﴿۲۴۵﴾ فِى الْاٰخِرَةِ بِالْبَعْثِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ

ترجمہ:......... آپ کو تحقیق نہیں ہوا (استفہام تعجب کے لئے اور مابعد کے شوق دلانے کے لئے ہے یعنی آپ کا علم وہاں تک نہیں پہنچا) واقعہ ان لوگوں کا جو اپنے مکانوں سے نکل گئے تھے۔ حالانکہ وہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے (چار یا آٹھ یا دس یا تیس یا چالیس یا ستر ہزار افراد تھے) موت سے بچنے کے لئے (یہ مفعول لہ ہے مراد ان لوگوں سے بنی اسرائیل کی قوم ہے کہ ان کے شہروں میں ایک وبائی مرض پھیلا چنانچہ وہ لوگ وہاں سے بھاگ گئے) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حکم فرمادیا کہ مرجاؤ (چنانچہ وہ مرگئے) پھر ان کو زندہ کردیا (آٹھ روز یا اس سے زیادہ مدت کے بعد حضرت حزقیل (حا اور قاف کے کسرہ اور سکون زا کے ساتھ) علیہ السلام نبی کی دعا سے چنانچہ وہ ایک عرصہ ایسی حالت میں زندہ رہے کہ ان پر اثر موت تھا کہ جب کوئی کپڑا پہنتے تو کفن کی طرح ہوجاتا اور یہ اثر ان کی نسلوں میں باقی رہا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا فضل فرمانے والے ہیں لوگوں پر (منجملہ فضل کے ان لوگوں کا زندہ کرنا تھا) لیکن اکثر لوگ (یعنی کفار) شکر گزاری نہیں کرتے (مقصد ان لوگوں کے تذکرہ سے مسلمانوں کو جہاد پر دلیر کرنا ہے اسی لئے اس پر عطف ہے) اور اللہ تعالیٰ

کی راہ میں قتال کرو (اعلاء دین کی خاطر) اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں (تمہاری باتوں کو) اور خوب جاننے والے ہیں (تمہارے حالات کو اس لئے کہ تم کو بدلہ دیں گے) کون ہے؟ جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے (اللہ کی راہ میں مال صرف کر کے) بہترین طور پر قرض (کہ اللہ کی راہ میں خوشدلی سے صرف کرے) پھر اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر (اور ایک قرأت میں فیضعفہ تشدید کے ساتھ آیا ہے) بہت سے حصے کر دیں (دس گنا سے لے سو گنا سے بھی زائد جیسا کہ آئندہ آیت میں آرہا ہے) اور اللہ تعالیٰ ہی کمی کرتے ہیں (جس سے چاہتے ہیں بطور آزمائش رزق روک لیتے ہیں) اور فراخی کر دیتے ہیں (بطور امتحان جس کے لئے چاہیں کشادگی فرما دیتے ہیں) اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (آخرت میں تم کو تمہارے اعمال کی پاداش کے لئے کھڑا کیا جائے گا۔)

تحقیق وترکیب:............ تعجبک یعنی تعجب دلانا، اس سے معلوم ہوا کہ مخاطب کو اس سے پہلے حصہ کا حال معلوم نہیں تھا اور بعض نے استفہام تقریر پر محمول کیا ہے۔ اس وقت مخاطب واقعہ سے باخبر ہوگا صرف تقریر کے لئے دہرایا گیا ہے۔ قاضی بیضاوی کی رائے ہے کہ تعجب اور تقریر ہی ان لوگوں کے لئے جو اہل کتاب میں سے ارباب تاریخ اس قصہ کو سنے ہوئے ہیں اور جو افراد سنے ہوئے نہیں ہیں کبھی ان کو بھی مخاطب بنالیا جاتا ہے۔ تر ی رؤیت علمیہ سے ہے اور متضمن معنی انتہاء کو ہے۔ اسی لئے الیٰ کے ساتھ تعدیہ کرلیا گیا ہے۔ ثم احیاھم مقدر پر معطوف ہے۔ ای فماتوا ثم احیاھم غایت ظہور کی وجہ سے حذف کر دیا ہے۔

حزقیل ان کو ذوالکفل بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ستر (۷۰) انبیاءؑ کا انہوں نے تکفل کیا تھا۔ حضرت کالب کے بعد ان کو نبی بنایا گیا تھا جو جانشین حضرت موسیٰ علیہ السلام یوشع بن نونؑ کے بعد ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کی وفات کے بعد حضرت حزقیل رنجیدہ اور آبدیدہ ہوئے اور عرض کیا یا رب بقیت وحیدًا حکم ہوا کہ ان کی زندگی تمہارے سپرد کی چنانچہ انہوں نے احیوا باذن اللہ کہا سب زندہ ہو گئے اور اثر موت سے مراد زردی ہے چنانچہ بعض قبائل یہود میں اب تک زرد رنگ چلے آرہے ہیں۔

قرضًا حسنًا مفعول مطلق ہے ای اقراضًا فیضعفہ الضعف المثل۔ ای جزاءہٗ بتقدیر اضاف اضعاف ضمیر منصوب سے حال ہے یا مضاعفت کے متضمن معنی تصییر ہونے کی وجہ سے مفعول الثانی ہے یضاعف بشکل مبالغہ، مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے۔

کما سیاتی مراد آیت مثل الذین ینفقون الخ ہے۔ واللہ یقبض گویا یہ ماقبل کی دلیل ہے۔ یعنی انفاق کی وجہ سے مال کم نہیں ہوتا۔ قابض وباسط تو حق تعالیٰ ہیں وہ دونوں طریقوں سے بندوں کی آزمائش کرتا ہے۔ لیکن تنگی کی بہ نسبت فراخی کا امتحان زیادہ پُرخطر ہوتا ہے۔

ربط:.......... مختلف قسم کے پینتیس (۳۵) احکام ابواب پر بیان کیئے گئے ہیں۔ جن میں نماز کی محافظت کا حکم دے کر عبادات کی طرف متوجہ کیا گیا تھا۔ عبادات چونکہ دو طرح کی عبادتیں اکمل وانفع واقوی ہیں۔ ایک بذل نفس دوسرے بذل مال اور یہ دونوں فرد ہیں جہاد کی۔ اس لئے آیت مائدہ میں دور تک انہی کے ترغیبی مضامین آرہے ہیں۔ اس سورت میں پہلے بھی جگہ جگہ ضمناً ان دونوں احکام کا تذکرہ آچکا ہے اور اب الم تر الی الذین الخ اور الم تر الی الملاء الخ میں ترغیب جہاد بالانفس اور من ذالذی الخ میں مالی جہاد کی ترغیب دی جارہی ہے۔

﴿تشریح﴾:...... **میدان جنگ اور وبائی شہر سے بھاگنا حرام ہے:**.......... بعض حضرات نے اس قصہ کو فرار من الحرب پر محمول کیا ہے۔ اسی لئے جس طرح جہاد سے بھاگنا حرام ہے اسی طرح طاعون وغیرہ وبائی امراض کی جگہ سے بھاگنا بھی حرام ہے۔

مسئلہ تناسخ:......... نیز یہاں مرکر دوبارہ زندہ ہونے سے تناسخ کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ تناسخ کے عقیدہ کا حاصل یہ ہے کہ دوسری زندگی میں پہلی زندگی کی سزایا جزاء کے طور پر دوسرا بدن دیا جاتا ہے۔ اور یہاں دوبارہ زندگی سزایا جزا کے طور پر نہیں تھی بلکہ قدرتِ خداوندی کا اظہار تھا۔ اسی طرح جہاں جہاں کسی معذب قوم کا مسخ ہوا ہے اس پر بھی تناسخ کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ تناسخ میں دونوں زندگیوں کے درمیان موت کا حائل ہونا ضروری مانتے ہیں اور مسخ میں ایسا نہیں ہوتا۔ نیز اس دوبارہ زندہ ہونے کے واقعہ سے ان آیات پر بھی شبہ نہ کیا جائے جن میں قیامت سے پہلے مرکر دنیا میں دوبارہ آنے کی نفی کی گئی ہے کیونکہ مقصود ان آیات کا نفی عادت کی ہے اور یہاں اثبات بطور خرقِ عادت اور خلافِ عادت ہو رہا ہے اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے۔

نیچریوں کی تاویل:......... بعض نیچری مردہ ہونے سے مراد بزدلی اور زندہ ہونے سے، مراد بہادری لیتے ہیں۔ یعنی بنی اسرائیل نے مداینوں سے شکست کھا کر بزدلی اختیار کی اور گویا بالکل ہی ختم ہو گئے۔ لیکن ایک زمانہ بعد جدعون نے لوگوں کو جنگ پر آمادہ کیا اور ہمت و شجاعت، بہادری اور دلیری سے پھر لوگوں کو زندہ کر دیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ بلا ضرورت حقیقی معنی چھوڑ کر مجاز اختیار کرنا صحیح نہیں ہے اور اگر خرقِ عادت ہونے کی وجہ سے بھاگنا ہے تو کہاں کہاں تاویل کی جائے گی۔

قرضۂ جنگ:......... قرضۂ جنگ کو مجازاً اقرض کہہ دیا گیا ہے ورنہ ساری چیزیں خدا ہی کی ملک ہیں۔ لیکن جس طرح قرض کی رقم اکثر حالات میں محفوظ سمجھی جاتی ہے اور وہ ماری نہیں جاتی بلکہ اس کی وصول یابی یقینی سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح انفاق فی سبیل اللہ کو سمجھو اور قرضۂ جنگ جس طرح سود در سود کر کے واپس کیا جاتا ہے اور تضاعف میں رعایا کی وفاداری اور خلوص کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کے یہاں بھی اجر و ثواب کی تحدید نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ ایک خرما بھی اگر کوئی اللہ کی راہ میں صرف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو احد پہاڑ کے برابر بڑھا دیں گے۔ ظاہر ہے کہ ایک خرما کا پہاڑ کے ساتھ کیا تناسب ہے۔ اسی طرح دوسری حدیث میں ہے کہ جب آیتِ مثل الذین ینفقون الخ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے امت کے لئے سات سوگنا سے بھی زیادہ اضافہ کی درخواست پیش کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اضعافاً کثیرًا کو غیر محدود رکھا گیا ہے علیٰ قدر الخلوص۔

واللہ یقبض ویبسط سے معلوم ہوا کہ چونکہ قبض و بسط دونوں کا مرجع اللہ کی ذات ہے اور دونوں موصل الی اللہ اور اس کے ظہور تجلیات کے آئینے ہیں اس لئے دونوں محمود ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ الْجَمَاعَةِ **مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی** ؕ اَیْ اِلٰی قِصَّتِهِمْ وَخَبَرِهِمْ **اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ** هُوَ شَمْوِیْلُ **ابْعَثْ** اَقِمْ **لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ** مَعَهٗ **فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** ؕ تَنْتَظِمُ بِهٖ كَلِمَتُنَا وَنَرْجِعُ اِلَیْهِ **قَالَ** النَّبِیُّ لَهُمْ **هَلْ عَسَیْتُمْ** بِالْفَتْحِ وَالْكَسْرِ **اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا** ؕ خَبَرُ عَسٰی وَالْاِسْتِفْهَامُ لِتَقْرِیْرِ التَّوَقُّعِ بِهَا **قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا** بِسَبْیِهِمْ وَقَتْلِهِمْ وَقَدْ فَعَلَ بِهِمْ ذٰلِكَ قَوْمُ جَالُوْتَ اَیْ لَا مَانِعَ لَنَا مِنْهُ مَعَ وُجُوْدِ مُقْتَضِیْهِ قَالَ تَعَالٰی **فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا** عَنْهُ وَجَبُنُوْا **اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ** ؕ وَهُمُ الَّذِیْنَ عَبَرُوا النَّهْرَ مَعَ طَالُوْتَ كَمَا سَیَأْتِیْ **وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ** ﴿۲۴۶﴾ فَیُجَازِیْهِمْ وَسَأَلَ النَّبِیُّ رَبَّهٗ اِرْسَالَ مَلِكٍ فَاَجَابَهٗ اِلٰی اِرْسَالِ طَالُوْتَ **وَقَالَ**

لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْآ اَنّٰى كَيْفَ يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ
اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ لِاَنَّهُ لَيْسَ مِنْ سِبْطِ الْمَمْلَكَةِ وَلَا النُّبُوَّةِ وَكَانَ دَبَّاغًا اَوْ رَاعِيًا وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ
الْمَالِ ؕ يَسْتَعِيْنُ بِهَا عَلٰى اِقَامَةِ الْمُلْكِ قَالَ النَّبِيُّ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ اخْتَارَهُ لِلْمُلْكِ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ
بَسْطَةً سَعَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَكَانَ اَعْلَمَ بَنِىْ اِسْرَآئِيْلَ يَوْمَئِذٍ وَاَجْمَلَهُمْ وَاَتَمَّهُمْ خَلْقًا وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ
مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِيْتَاءَهٗ لَا اعْتِرَاضَ عَلَيْهِ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ فَضْلَهٗ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ بِمَنْ هُوَ اَهْلٌ لَهٗ وَقَالَ لَهُمْ
نَبِيُّهُمْ لَمَّا طَلَبُوْا مِنْهُ اٰيَةً عَلٰى مُلْكِهٖ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ الصُّنْدُوْقُ كَانَ فِيْهِ صُوَرُ الْاَنْبِيَاءِ
اَنْزَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى اٰدَمَ وَاسْتَمَرَّ اِلَيْهِمْ فَغَلَبَتْهُمُ الْعَمَالِقَةُ عَلَيْهِ وَاَخَذُوْهُ وَكَانُوْا يَسْتَفْتِحُوْنَ بِهٖ عَلٰى عَدُوِّهِمْ
وَيُقَدِّمُوْنَهٗ فِى الْقِتَالِ وَيَسْكُنُوْنَ اِلَيْهِ كَمَا قَالَ تَعَالٰى فِيْهِ سَكِيْنَةٌ طَمَانِيَّةٌ لِقُلُوْبِكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا
تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ اَىْ تَرِكَاهُ وَهُوَ نَعْلَا مُوْسٰى وَعَصَاهُ وَعِمَامَةُ هَارُوْنَ وَقَفِيْزٌ مِنَ الْمَنِّ الَّذِىْ
كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ وَرُضَاضُ الْاَلْوَاحِ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ حَالٌ مِنْ فَاعِلِ يَاْتِيَكُمْ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ
عَلٰى مُلْكِهٖ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ فَحَمَلَتْهُ الْمَلٰئِكَةُ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ حَتّٰى وَضَعَتْهُ
عِنْدَ طَالُوْتَ فَاَقَرُّوْا بِمُلْكِهٖ وَتَسَارَعُوْا اِلَى الْجِهَادِ فَاخْتَارَ مِنْ شُبَّانِهِمْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا فَلَمَّا فَصَلَ خَرَجَ
طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَكَانَ حَرًّا شَدِيْدًا وَطَلَبُوْا مِنْهُ الْمَاءَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ
مُخْتَبِرُكُمْ بِنَهَرٍ ۚ لِيَظْهَرَ الْمُطِيْعُ مِنْكُمْ وَالْعَاصِىْ وَهُوَ بَيْنَ الْاُرْدُنِّ وَفَلَسْطِيْنَ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ اَىْ مِنْ مَائِهٖ
فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ اَىْ مِنْ اَتْبَاعِىْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ يَذُقْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِالْفَتْحِ وَالضَّمِّ
بِيَدِهٖ ۚ فَاكْتَفٰى بِهَا وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهَا فَاِنَّهٗ مِنِّىْ فَشَرِبُوْا مِنْهُ لَمَّا وَافَوْهُ بِكَثْرَةٍ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَاقْتَصَرُوْا عَلَى
الْغُرْفَةِ رُوِىَ اَنَّهَا كَفَتْهُمْ لِشُرْبِهِمْ وَدَوَابِّهِمْ وَكَانُوْا ثَلٰثَمِائَةٍ وَبِضْعَةَ عَشَرَ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مَعَهٗ ۙ هُمُ الَّذِيْنَ اقْتَصَرُوْا عَلَى الْغُرْفَةِ قَالُوْا اَىِ الَّذِيْنَ شَرِبُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ اَىْ
بِقِتَالِهِمْ وَجَبُنُوْا وَلَمْ يُجَاوِزُوْهُ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ يُوْقِنُوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ بِالْبَعْثِ وَهُمُ الَّذِيْنَ جَاوَزُوْهُ
كَمْ خَبَرِيَّةٌ بِمَعْنٰى كَثِيْرٍ مِّنْ فِئَةٍ جَمَاعَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ بِاِرَادَتِهٖ وَاللّٰهُ مَعَ
الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ بِالنَّصْرِ وَالْعَوْنِ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ اَىْ ظَهَرُوْا لِقِتَالِهِمْ وَتَصَافُّوْا قَالُوْا رَبَّنَآ
اَفْرِغْ اَصْبِبْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا بِتَقْوِيَةِ قُلُوْبِنَا عَلَى الْجِهَادِ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

﴿۲۵۰﴾ **فَهَزَمُوْهُمْ** كَسَرُوْهُمْ **بِاِذْنِ اللّٰهِ** بِاِرَادَتِهٖ **وَقَتَلَ دَاوٗدُ** وَكَانَ فِى عَسْكَرِ طَالُوْتَ **جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ** اَىْ دَاوٗدَ **اللّٰهُ الْمُلْكَ** فِىْ بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ **وَالْحِكْمَةَ** النُّبُوَّةَ بَعْدَ مَوْتِ شَمْوِيْلَ وَطَالُوْتَ وَلَمْ يَجْتَمِعَا لِاَحَدٍ قَبْلَهٗ **وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ** كَصَنْعَةِ الدُّرُوْعِ وَمَنْطِقِ الطَّيْرِ **وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ** بَدَلُ بَعْضٍ مِنَ النَّاسِ **بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ** بِغَلَبَةِ الْمُشْرِكِيْنَ وَقَتْلِ الْمُسْلِمِيْنَ وَتَخْرِيْبِ الْمَسَاجِدِ **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۲۵۱﴾ فَدَفَعَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ **تِلْكَ** هٰذِهِ الْاٰيَاتُ **اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا** نَقُصُّهَا **عَلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **بِالْحَقِّ** بِالصِّدْقِ **وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ** ﴿۲۵۲﴾ التَّاكِيْدُ بِاِنَّ وَغَيْرِهَا رَدٌّ لِقَوْلِ الْكُفَّارِ لَهٗ لَسْتَ مُرْسَلًا

ترجمہ:.........کیاتم کوتحقیق نہیں ہو واقعہ قوم (جماعت) بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام (کی وفات) کے بعد (یعنی ان کا قصہ ان کی خبرتم تک نہیں پہنچی ہے) جب کہ انہوں نے اپنے ایک نبی (شموئیل) سے کہا کہ آپ بھیجئے (مقرر کردیجئے) ہمارے لئے ایک بادشاہ کہ ہم (اس کے ساتھ مل کر) اللہ کی راہ میں قتال کریں (جو ہماری تنظیم کرسکے اور ہم اس کو مرجع سمجھیں) فرمایا (پیغمبر نے ان سے) کیا یہ ممکن ہے (لفظ عسیتم فتح سین اور کسر سین کے ساتھ پڑھا گیا ہے) اگرتم کو جہاد کا حکم دیا جائے کہ تم جہاد نہ کرو (الا تقاتلوا خبر ہے عسیٰ کی اور استفہام تقریر توقع کے لئے ہے) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے لئے کیا سبب ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں۔ حالانکہ ہم اپنی بستیوں اور اپنی اولاد سے بھی جدا کردیئے گئے ہیں (قتل یا قید کی وجہ سے جالوت نے ان کے ساتھ یہ کاروائی کی تھی یعنی جہاد سے کوئی مانع موجود نہیں۔ بلکہ مقتضی موجود ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) پھر جب ان کو جہاد کا حکم ہوا وہ سب پھر گئے (جہاد سے اور بزدلی اختیار کرلی) باستثناء چند لوگوں کے (جنہوں نے طالوت کی معیت میں نہر کو پار کیا تھا جیسا کہ آگے آرہا ہے) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں (چنانچہ ان کو سزا دیں گے۔ نبی علیہ السلام نے بادشاہ مقرر کرنے کے سلسلہ میں اللہ سے درخواست کی جو طالوت کی صورت میں منظور ہوئی) فرمایا پیغمبر نے ان لوگوں سے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے کہنے لگے کہ ان کو ہم پر حکمرانی کا حق کہاں (کیسے) حاصل ہوسکتا ہے۔ حالانکہ بہ نسبت ان کے حکمرانی کے ہم زیادہ مستحق ہیں (کیونکہ اول تو وہ خاندان شاہی یا نبوت کے گھرانہ سے نہیں ہیں بلکہ رنگ ریز یا چرواہے ہیں دوسرے) ان کو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی۔ ہے (جس کی اعانت سے مہمات ملکی چلاسکیں) فرمایا (پیغمبر نے ان سے) کہ (اولاً تو) اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے مقابلہ میں منتخب فرمایا ہے (سلطنت کے لئے ان کو نامزد کیا ہے) اور (دوسرے) ان کو زیادتی (وسعت) عطا فرمائی ہے علم وحیات میں (اور وہ اس دور میں تمام بنی اسرائیل سے اعلم اور خلقۃً اجمل واتم تھے) اور (تیسرے) اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہیں عطا فرمائیں (کس کو مجالِ اعتراض ہے) اور (چوتھے) اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں (اپنے فضل کو) جاننے والے ہیں (کون سلطنت کے لائق ہے) اور فرمایا ان سے ان کے پیغمبر نے (جبکہ لوگوں نے پیغمبر سے اس کی بادشاہت کی علامت معلوم کرنی چاہی) کہ ان کے بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا (اس صندوق میں انبیاء علیہم السلام کی تصویریں تھیں جن کو خدا نے بھیجا تھا آدم کے پاس اور لوگوں کے پاس یہ صندوق برابر رہا۔ حتیٰ کہ بنی عمالقہ ان لوگوں پر غالب آگئے اور انہوں نے یہ صندوق ان سے چھین لیا حالانکہ یہ لوگ اس صندوق کی برکت سے دشمنوں پر فتوحات حاصل کرتے تھے۔ میدانِ جنگ میں اس کو آگے آگے رکھتے اور اس سے تسکین۔ حاصل کرتے جیسا کہ حق تعالیٰ خود

ارشاد فرماتے ہیں کہ) جس میں تسکین (دلوں کی چین) ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام چھوڑ گئے ہیں (یعنی ان دونوں بزرگوں کا متروکہ تبرک ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نعلین مبارک اور عصاء مبارک اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامۂ مبارک اور ایک تھیلہ اس گوند کا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر اتاری تھی اور تورات کی کچھ تختیاں تھیں) اس صندوق کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے (یہ حال ہے یاتیکم کے فاعل سے) اس میں تمہارے لئے مکمل نشانی ہوگی (ان کی سلطنت پر) اگر تم یقین لانے والے ہو (چنانچہ فرشتوں نے اس صندوق کو آسمان وزمین کے درمیان اس طرح اٹھالیا کہ وہ دیکھ رہے تھے۔ حتیٰ کہ طالوت کے سامنے لا رکھا۔ لوگوں نے ان کی حکومت تسلیم کرلی، اور جہاد کی تیاری شروع کردی۔ ستر ہزار نوجوان بہادر منتخب کیئے) پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر چلے (بیت المقدس سے سخت گرمی پڑ رہی تھی ان سے لوگوں نے پانی طلب کیا) طالوت کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان کریں گے (آزمائیں گے) ایک نہر کے ذریعہ (تاکہ فرمانبردار اور نافرمان کھل جائیں) اور وہ نہر اُردن و فلسطین کے درمیان تھی) سو جو شخص اس سے پانی پیوے گا (یعنی اس پانی کو پیئے گا) وہ میرے ساتھیوں میں نہیں ہے (یعنی میرے ساتھیوں میں داخل نہیں ہے) اور جو اس کو زبان پر بھی نہ رکھے (نہ چکھے) وہ میرے ساتھیوں میں ہے۔ لیکن جو پیئے گا ایک چُلو بھر (غـرفة بفتح الغين والضم) اپنے ہاتھ سے (اور اسی پر اکتفاء کرلے اس سے زیادہ نہ بڑھے وہ بھی میرے ساتھ ہے) سو سب نے اس سے پینا شروع کردیا (جب اس نہر پر پہنچا کثروں نے بجز چند آدمیوں کے ان میں سے (یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے صرف چلو پر اکتفاء کیا روایت ہے کہ یہی ایک چلو ان کے اور ان کے گھوڑوں کے لئے کافی ہوگیا اور وہ تین سو تیرہ (۳۱۳) تھے) سو جب طالوت اور ان کے مؤمن ساتھی نہر پار اتر گئے (جنہوں نے ایک چلو پر اکتفاء کیا تھا) کہنے لگے (جنہوں نے پیا تھا) آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت معلوم نہیں ہوتی (یعنی ان سے لڑنے کی اور بزدلی کا مظاہرہ کیا اور آگے نہیں بڑھ سکے) کہنے لگے وہ لوگ کہ جن کو خیال (یقین) تھا کہ اللہ تعالیٰ کے رُوبرو پیش ہوں گے (قیامت کے روز اور ایسے لوگ وہ تھے جو نہر سے پار ہوگئے تھے) کہ اکثر (کم خبر یہ ہے بمعنی کثیر) چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آگئی ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم (ارادہ) سے اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں (اعانت وامداد فرما کر) اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے (جنگ کے لئے تیار ہوگئے اور صف بندی کرلی) تو کہنے لگے اے ہمارے پروردگار انڈیل دیجئے (برسا دیجئے) ہم پر صبر اور ہماوے قدم جمائے رکھیئے (جہاد پر ہمارے دل مضبوط فرما کر) اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کردیجئے۔ چنانچہ طالوتیوں نے جالوتیوں کو شکست دے دی (ان کو توڑ کر رکھ دیا) اللہ تعالیٰ کے حکم سے (ارادہ) اور قتل کردیا داؤد علیہ السلام نے (جو لشکرِ طالوت میں تھے) جالوت کو اور عطا فرمادیا ان کو (داؤد علیہ السلام کو) اللہ نے سلطنت (بنی اسرائیل کی) اور حکمت (نبوت شموئیل اور طالوت کی وفات کے بعد اور یہ دونوں باتیں اس سے پہلے کسی ایک شخص میں جمع نہیں ہوئی تھیں) اور بھی جو اللہ کو منظور ہوا ان کو تعلیم فرمایا (مثلاً مخصوص زرہ سازی اور جانوروں کی بولی سمجھنا) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ دفع فرماتے رہتے ہیں بعض لوگوں کو (یہ الناس سے بدل البعض ہے) بعض لوگوں کے ذریعہ سرزمین فساد سے لبریز ہوجاتی (مشرکین غالب آجاتے، مسلمان قتل ہوجاتے، مساجد برباد ہوجاتیں) لیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں اہل جہان پر (چنانچہ بعض لوگوں کے ذریعہ بعض لوگوں کو دبادیا) یہ (آیات) اللہ تعالیٰ کی آیتیں جو ہم پڑھ کر (بیان کرکے) آپ کو سناتے ہیں (اے محمدؐ) صحیح صحیح (سچ کے طریقہ پر) اور بلاشبہ آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں (انّ وغیرہ کی تاکید لاکر قول کفار "لست مرسلا" کی تردید کرنی ہے)

تحقیق وترکیب: .... الم تر اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے اس میں بھی خطاب عام ہے۔ الملاء جماعت جو مشورہ کے

لئے جمع ہو اور بعض کی رائے ہے کہ جماعت اشراف کو کہتے ہیں۔ جن کی جلالت سے قلوب لبریز اور ہیبت سے آنکھیں بھری ہوئی ہوں۔ یہ اسم جمع ہے اس کا واحد نہیں ہے جیسے قوم اور املاء بھی جمع آتی ہیں۔ شموئیل دوسرے نسخہ میں اول ہمزہ زائد ہے اور یہ لفظ مرکب ہے شمو یعنی اسمع اور ایل بمعنی اللہ یعنی اسمع یا اللہ دعائی ان کے اور حضرت یوشعؑ کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہوئے اور بعض کی رائے ہے کہ حزقیل اور الیاس اور یسع علیہم السلام کے بعد ہوئے ہیں۔ ھل عسیتم عسیٰ اور اس کی خبر کے درمیان شرط فاصل ہوگئی ہے۔ ای التوقع جبنکم من القتال ان کتب علیکم ہل کو فعل متوقع پر داخل کر کے استفہام کیا گیا ہے۔ تقریر وتثبیت کے لئے تو اس جملہ میں توقع اور متوقع دونوں آ گئے۔ وما لنا. ای کالداعی لنا الی ان لا نقاتل. یہ ما کی خبر ہے اس جیسے موقع پر مالنا نفعل یا لانفعل ترکیب شائع ذائع ہے۔ جملہ حالیہ اور اخفش کے نزدیک ان زائد ہے۔

وقد اخرجنا واؤ حالیہ ہے قوم جالوت مصر وفلسطین کے درمیان رہا کرتے تھے اور چار سو چار شہزادے ان کے گرفتار کر لئے گئے تھے اسی طرف اس جملہ میں اشارہ ہے۔ جالوت قوم عمالقہ کا بڑا سرکش بادشاہ تھا جو عملیق بن عاد کی اولاد سے تھا۔ عمالقہ بھی مصر وفلسطین کے درمیان ساحل بحر روم پر رہتے تھے۔ فلما کتب عبارت محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے فدعاشمویل ربہ بذلک فبعث لھم ملکاً و کتب علیھم القتال. فلما کتب الخ اور اس طرز میں زیادہ مبالغہ ہو گیا کہ جب جہاد فرض ہونے کے باوجود انہوں نے روگردانی کی تو فرض نہ ہونے کی صورت میں کس درجہ تساہل کرتے۔ قلیلاً ان خواص کی تعداد ۳۱۳ تھی بدریین کی تعداد کے موافق۔

وقال لھم نبیھم چنانچہ ان پیغمبر کو ایک لکڑی پیائش کے لئے دی گئی جس سے وہ لوگوں کے قد پیائش کرتے تھے جس طرح فوجی رنگروٹوں کو بھرتی سے پہلے قد وقامت اور سینہ کی پیائش کی جاتی ہے لیکن سوائے طالوت کے کوئی دوسرا اس پر پورا نہیں اترا۔

ونحن احق کیونکہ خاندانِ شاہی تو یہود بن یعقوب کی اولاد میں تھا اور سلسلۂ نبوت لاوی بن یعقوب کی نسل میں تھا اور طالوت ان دونوں سلسلوں سے الگ بنیامین بن یعقوب کی اولاد میں تھے جن میں نہ نبوت رہی نہ سلطنت، بلکہ گناہوں اور ادنیٰ کاموں کے عادی تھے اور سلسلۂ نبوت میں بھی صرف شمویل رہ گئے تھے۔ جنہوں نے کبرسنی میں تورات حفظ کی اور بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ اعلم ہوئے اللہ نے ان کو نبوت سے سرفراز فرمادیا اور چالیس سال بہترین حال کے ساتھ قوم میں رہے۔ سعۃ وسع بروزن کرم ہے۔ ساعۃ اللّٰھم وسع علینا سعۃً مصدر ہے اور واسع بمعنی موسع ہے۔ التابوت توب سے ہے بمعنی رجع۔ بکس میں سے جو چیز نکالی جاتی ہے۔ بار بار اس میں پھر رکھی جاتی ہے، صندوق بضم الصاد بروزن فعلوت، شمشاد کی لکڑی کا بنا ہوا، سونے سے ملمع شدہ تھا، تین ہاتھ چوڑا، دس ہاتھ لمبا تھا، تورات کا صندوق کہلاتا تھا اس میں تبرکات کی اصل نکلتی ہے مگر اس میں افراط وتفریط سے ہٹ کر اعتدال ملحوظ رہنا چاہئے۔

مما ترک من بیانیہ ہے بقیہ اس لئے کہا کہ ان دونوں بزرگوں کا باقی ماندہ تبرک تھا۔ ال موسیٰ لفظ آل تفخیم شان کے لئے بڑھادیا جاتا ہے۔ جیسے اللّٰھم صل علی ال محمد. تحملہ حقیقی معنی ہیں یا مجازی معنی مراد ہیں جیسے حمل زید متاعی الی مکۃ، فلما فصل ای فصل نفسہ مفعول کا حذف بکثرت ہوتا ہے اس لئے بمنزلہ لازم کے ہوگیا۔

قال ان اللہ طالوت نے پیغمبر کی جانب سے اطلاع دیتے ہوئے یہ کہا ہوگا۔ اُردن وفلسطین دونوں بیت المقدس کے قریب بستیاں ہوں گی۔ لم یطعمہ اس سے مراد نفس ذوق نہیں ہے بلکہ مایؤدیہ الذوق مراد ہے۔ ماکول ہو یا مشروب۔ طعم المشروب بمعنی ذاق طعمہ کا استعمال بلاتکلف صحیح ودرست ہے یعنی شربہ واتخذہ طعامًا کے تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔

غرفۃ ابن عامرؒ اور کوفیؒ اس کو بالفتح اور ابوعمروؒ وابن کثیرؒ ونافعؒ بالضم پڑھتے ہیں اور بالفتح مصدر ہے اور بالضم بمعنی چلو پانی۔ الا من

اغتر ف کے بعد مفسر نے اشارہ کردیا ہے کہ یہ فمن شرب منه فلیس منی سے استثناء ہے یا خبر کی ضمیر سے استثناء ہے اور دوسرے جملہ کی تقدیم کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو جملہ اولیٰ کا تتمہ بنانا ہے اور یہ کہ اس سے غرض تاکید ہے اور نہی عن الشرب کی من کل الوجہ کی تمیم ہے۔ مؤخر کرنے میں یہ فوائد نہیں تھے۔

وجنوده تقریباً ایک لاکھ یا اس سے زائد ہتھیار بند لشکر تھا اور جالوت کا حال یہ تھا کہ ایک میل لمبا اس کا قد اور تین سو رطل وزن کی خود اس کے سر پر تھی۔ یظنون آخرت کی ملاقات کا یقین اگر چہ ہر مؤمن کیلئے ضروری ہے لیکن یہاں تخصیص کی وجہ شاید یہ ہو کہ ان کو اپنی قریبی شہادت کا یقین ہو گیا ہو کہ اس کے بعد اللہ سے ملاقات ہوگی اور اس ملاقات کا ظن بھی جب موجب طاعت ہے تو یقینِ محکم اور عزم راسخ تو کیوں باعثِ اطاعت نہیں ہوگا۔ گویا اس میں مبالغہ ہے اور یا ظن کو یقین کے معنی میں لے لیا جائے۔

کم من فئة میں کم خبریہ ہے لیکن استفہامیہ نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ قاضی بیضاویؒ کی رائے ہے کیونکہ بلافصل استفہامیہ کی تمیز پر من داخل نہیں ہوسکتا اور فئة بروزن فعة یا فعلة ہے فاء ت راسه بولتے ہیں اذا شققته فاء بمعنی رجع سے مشتق ہے۔

برزوا کھلی زمین کو براز کہتے ہیں اور بروز کہتے ہیں ایسی زمین میں آنے کو برزوا بمعنی ظهروا ہے۔ وقتل داؤد کہا جاتا ہے کہ طالوت کے لشکر میں ان کے علاوہ چھ بھی اور بھی تھے اور حضرت داؤدؑ ساتویں نبی ہونے والے تھے۔ ابھی کمسن تھے اور بکریاں چراتے تھے کہ شمویل پیغمبر کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا کہ جالوت کو داؤدؑ قتل کریں گے چنانچہ ان کے والد سے اجازت لے کر فوج میں بھرتی کر لیا گیا۔ راستہ میں تین پتھروں نے کلام کیا کہ ہمارے ذریعہ سے جالوت کو مارنا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور کامیاب ہوئے۔ طالوت نے اپنی بیٹی کے ساتھ ان کی شادی کردی اور بالآخر یہ نبی اور بادشاہ دونوں کے تنہا وارث ہوئے۔ لوہا ان کے ہاتھ میں موم کی طرح نرم کردیا گیا والنا له الحدید فرمایا گیا ہے۔ بلا آلات اس سے زرہ بنا لیتے تھے اور یا آلات کے ذریعہ بناتے ہوں گے لیکن ایسے بہترین طریقہ سے بناتے تھے کہ جیسے کپڑا سوت سے بنایا جاتا ہے اور پردوں اور بہائم وغیرہ جانوروں کی بولیاں سمجھتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

لو لا دفع الله الخ لو لا آتا ہے امتناع ثانی کے لئے اول کے وجود کی وجہ سے چنانچہ فساد زمین میں ممتنع ہو گیا۔ دفع بعض الناس بعضهم کی وجہ سے نتلوها یہ حال ہے آیات اللہ سے اور عامل معنی اشارہ ہے یا آیات بدل ہے تلک سے اور نتلوا اس کی خبر ہے۔

ربط :.......... جہاد وقتال کی تائید کے لئے طالوت وجالوت کا واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:....... **واقعہ کا پس منظر**:.......... حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً گیارہ سو (۱۱۰۰) برس پہلے کی بات ہے کہ حضرت شمویلؑ سے پہلے بنی اسرائیل میں کوئی بادشاہ نہیں ہوتا تھا بلکہ کاہن امام قاضی فصل مقدمات کیا کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً جو انبیاء علیہم السلام ان میں آتے وہ شریعت موسوی اور تورات کے مطابق فتاویٰ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے تین سو بہتر سال بعد عیدون اسرائیل سردار مر گیا تو بنی اسرائیل نے بت پرستی اور بے دینی اختیار کرلی۔ جس کے نتیجہ میں اہل فلسطین جو نہایت درجہ خالی، بت پرست اور بنی اسرائیل کے سخت دشمن تھے ان پر غالب آگئے اور چالیس سال ان پر حکومت کرتے رہے یہاں تک کہ شمعون کے عہد میں نجات ملی اور بیس سال شمعون کی سلطنت رہی۔ تا آنکہ پھر اہل فلسطین غالب آگئے اور بنی اسرائیل کا ابتر حال کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ کے تقریباً چار سو بیالیس سال کے بعد کی بات ہے کہ بنی اسرائیل میں عیلی نام کا ایک کاہن مشہور ہوا۔ اس کے عہد میں کوہستان میں ایقانہ یک شخص سیلا میں قربانی اور سجدہ کرانے آتا تھا اس کی دو بیویاں فننیہ اور حنینہ نامی تھیں۔ حنینہ کے اولاد نہ ہوتی تھی جس سے وہ غمگین تھی س نے خدا سے نذر اور دعا کی چنانچہ اس کے بطن سے ایک بچہ ہوا جو شمویل کہلایا۔ عبرانی زبان کا یہ لفظ ہے جس کے معنی "عطاء اللہ" یا "اللہ دیا" ہیں شمویل کا جب دودھ بڑھا تو والدین کو شہر رامہ سے سیلا میں عیلی کاہن کے پاس لائے جس کی اولاد نالائق تھی مگر انہوں نے

خدمت کر کے بنی اسرائیل میں شہرت و اعتبار حاصل کر لیا اور عہدہ نبوت سے سرفراز ہوئے۔

تابوت:............ بنی اسرائیل کے ہاتھ سے جو تابوت جاتا رہا تھا اور فلسطینی اس کو اپنے یہاں لے گئے تھے۔ بنی اسرائیل اور فلسطینیوں میں شدید اور خونریز جنگ ہوئی جس کے نتیجہ میں تیس ہزار بنی اسرائیل مارے گئے تھے۔ اس واقعہ سے تقریباً بائیس سال بعد شمویل نے بنی اسرائیل میں اصلاحی کوششیں کیں اور ان کو بمقام مصفاء فلسطینیوں کے مقابلہ پر آمادہ کیا اور آخر کار عقرون سے جات تک تمام شہر بنی اسرائیل نے واپس لے لیا اور ان کی فتح ہوئی۔ پھر جب شمویل بوڑھے ہو گئے تو لوگوں نے رامہ میں جمع ہو کر عرض کیا کہ آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں اور آپ کے صاحبزادے یوایل اور ابیاہ تمہاری پیروی نہیں کرتے بلکہ نفع خوری اور رشوت ستانی کر کے غلط فیصلے کرتے ہیں آپ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کر دیجئے جس کی کمان میں ہم رہیں اور لڑیں۔ چنانچہ ہر ہر فرقہ کے ہزاروں نمائندے جمع ہوئے لیکن قرعہ فال فرقہ بنیامین کے نام پڑا اور ان میں سے مطری خاندان میں قیس کے بیٹے ساول یعنی طالوت کا نام نکلا جو بنی اسرائیل میں سب سے بلند قد اور خوبصورت ووجیہ اور شہر جبعہ کے رہنے والے تھے۔ تاہم بنی بلیعال نے بنظر تحقیر مخالفت کرتے ہوئے یہ کہا کہ "یہ کس طرح ہم کو دشمنوں سے بچا سکتا ہے" شمویل علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کی سلطنت کی علامت یہ ہے کہ یہ تابوت شہادت تمہارا واپس کرا دیں گے۔ چنانچہ ساول کی بادشاہت تسلیم کر لی گئی اور فلسطینیوں سے جنگ جاری رہی اور فلسطینی دبتے چلے گئے اور وہ صندوق جو کہ کبھی نشانِ فتح تھا اب ان کے لئے نشانِ مصیبت بن گیا۔ جہاں اس کو رکھتے مصیبتوں او. بیماریوں اور سخت بلاؤں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس لئے عاجز آ کر سب نے رملاح کی اور اس صندوقِ شہادت کو ایک گاڑی پر رکھ کر اور ایک صندوقچہ میں کچھ سونے کی تصویریں رکھ کر بنی اسرائیل کے سرحدی شہر بیت شمس کی طرف ہنکا دیا۔ چنانچہ فرشتوں کی مدد سے وہ گاڑی پشو نامی ایک شخص کے مکان پر بیتِ شمس میں پہنچ گئی لوگوں کو بڑی خوشی ہوئی اور قریہ یعارم کے لوگوں کو بلوایا وہ اس کو بخوشی اپنے یہاں لے گئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے کارنامے:............ اس عرصہ میں کئی موقعوں پر ساول یعنی طالوت نے حضرت شمویل کی نافرمانی کی جس پر وہ ناراض ہوئے۔ حق تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ بیت لحم میں جاؤ اور یسی کے بیٹوں کو بلاؤ اور جن کو بتلاؤں ان کو منتخب کر لو۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر ان کے سب بیٹوں میں چھوٹے بیٹے کو جو بکریاں چراتے تھے پسند کیا اور ان پر تیل ملا۔ یہ لڑکا داؤد تھا، اس کو لے کر شمویل شہر رامہ ائے اور پھر فلسطینیوں سے صف آراء ہوئے اور فلسطینی یہودا کے شہر شوکہ اور غریقہ کے درمیان خیمہ زن ہوئے۔ طالوت نے بھی بنی اسرائیل کے لشکر کو مرتب کیا۔ دریائے شورق کے جنوبی جانب فلسطینی اور شمالی جانب بنی اسرائیل تھے۔ متواتر فتوحات سے بنی اسرائیل کے حوصلے بڑھتے رہے اور شوق میں آ کر بنی اسرائیل کے عوام و خواص بچے بڑے سب نکل کھڑے ہوئے۔ جنگی اصول کے پیش نظر اس قسم کی بھیڑ عموماً شکست کا باعث بن جایا کرتی ہے۔ اس خیال سے طالوت نے دریا پر پہنچ کر گرمی اور سخت تشنگی کے وقت فوج کا انتخاب کرنا چاہا۔ ان سے پہلے مدائنوں کے مقابلہ میں جدعون بھی اس قسم کا انتخاب کر چکا تھا۔ چنانچہ پُر جوش اور سچے مجاہدین امتحان میں بھی پورے اترے اور ان کو اپنی عددی قلت کی فکر نہیں ہوئی۔ دوسری قسم ان رنگروٹوں کی تھی جو امتحان میں پورے اترے۔ لیکن ساتھ ہی قلت و کثرت میں نظر الجھی رہی۔ لیکن کچھ لوگ ایک گھڑی پیاس کی تاب بھی نہ لا سکتے تھے ان کے قدم ریت میں کیسے جم سکتے غرض کہ جنگ کا بگل بجا۔ جالوت پیتل کی زرہ عظیم خود پہن کر آگے بڑھا اور اس زمانہ کے دستور کے مطابق اپنا مقابل طلب کیا ادھر سے داود ہاتھ میں لٹھ لئے اور تین چکنے پتھر اور فلاخن لے کر سامنے آئے۔ جالوت نے کہا کیا میں کتا ہوں کہ لٹھ اور پتھر میرے لئے لایا ہے؟ داؤد نے کہا تو تمام ہتھیاروں سے مسلح ہو کر آیا ہے اور میں رب الافواج کے نام سے تیری طرف آیا ہوں۔ جالوت حملہ آور ہوا۔ داؤد علیہ السلام نے فوراً ایک پتھر فلاخن میں جما کر اور گھما کر ایسا مارا کہ وہ منہ کے بل زمین پر آ رہا اور اسی کی تلوار سے سر کاٹ لیا۔ پھر تو فلسطینیوں

میں عام بھگدڑ مچ گئی اور داؤد جالوت کا سر لے کر یروشلم میں آئے جس سے بنی اسرائیل میں ان کی دھوم مچ گئی اور طالوت نے اپنی چھوٹی بیٹی میکل کی شادی داؤد سے کر دی۔ لیکن رشک وحسد کی آگ میں جلنے اور داؤد کی قتل کی سازش کرنے لگا آخر الامر طالوت اور اس کے بیٹے فلسطینیوں کی جنگ میں مارے گئے اور پوری سلطنت داؤد کے حصے میں آ گئی۔

واقعات کی یہ تلخیص کتاب شمویل سے ماخوذ ہے قرآن کریم میں بھی ان ہی واقعات کا اجمال ہے۔

پادریوں کے اعتراضات:......... لیکن عیسائی مؤرخ قرآن کریم کے بیانات پر دو اعتراض کیا کرتے ہیں۔ اول یہ کہ تابوت سکینہ طالوت کے بادشاہ بننے سے پہلے آ چکا تھا۔ جیسا کہ کتاب الٰہی شمویل کے حوالہ سے گزرا۔

دوسرے یہ کہ کتاب شمویل میں لشکر کی آزمائش پانی کے ساتھ اور مقابلہ کے وقت دعا کرنا مذکور نہیں ہے پھر ان دونوں باتوں میں قرآن کریم کا بیان کس طرح تسلیم کر لیا جائے۔

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ کتاب شمویل میں اس کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی تعارض موجود ہے۔ اسی لئے عیسائی مؤرخ خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ واقعہ کی ترتیب میں الٹ پھیر ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی تحقیق نہیں کہ کتاب شمویل کس کی تصنیف ہے۔ بعض خود شمویل کی تصنیف مانتے ہیں اور بعض ناتن پیغمبر کی اور بعض یرمیاہ کی مانتے ہیں۔ اس لئے ان حالات میں کتاب شمویل کی ترتیب قرآن کریم کی ترتیب کے مقابلہ میں زیادہ وزن نہیں رکھتی۔ ترجیح قرآن ہی کے بیان کو ہوگی۔

دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ کتاب شمویل میں عدم ذکر سے کسی واقعہ کا معدوم ہونا لازم نہیں آتا۔ بہت سی باتیں بھی کتاب شمویل میں موجود نہیں ہیں حالانکہ دنیا میں ان کا وجود مسلم ہے تو کیا اس اصول سے ان کا بھی انکار کر دیا جائے گا۔ اس لئے بھی قرآن ہی کا بیان زیادہ صحیح ہے۔ (حقانی)

واقعہ کے مفید نتائج:......... قرآن کریم اس واقعہ سے مندرجہ ذیل کار آمد نتائج اخذ کرتا ہے۔

(۱) جس جماعت میں صبر واستقلال کی سچی روح نہیں ہوتی، اس میں بسا اوقات سعی و عمل کے پیہم ولولے پیدا ہوتے ہیں لیکن جب آزمائش کا وقت آتا ہے تو راہِ عمل میں ثابت قدم رہنے والے بہت کم نکلتے ہیں۔

(۲) حکومت وقیادت کی قدرتی صلاحیت جن میں ہوتی ہے وہی اس کی اہل ہوتے ہیں۔ اگرچہ مال و دولت، دنیوی حالت وجاہ سے تہی دامن ہوں۔

(۳) صلاحیت کیلئے اصلی جوہر علم و جسم کی قوت وقابلیت ہے۔ یعنی دماغی اور جسمانی صلاحیت نہ کہ مال و دولت، نسل و خاندان کا شرف۔

(۴) جس شخص کو بھی سردار بنایا جائے افرادِ جماعت کا فرض ہے کہ سچے دل سے اس کی اطاعت کریں۔ کسی جماعت میں اگر سمع و طاعت نہیں ہے تو کبھی بھی جماعتی زندگی کی کشاکش کامیاب نہیں ہو سکتی۔

(۵) اس راہ میں اصلی چیز صبر و طاعت ہے جو لوگ ایک گھڑی کی پیاس ضبط نہیں کر سکتے وہ میدانِ جنگ کی مشکلات کیونکر سہہ سکتے ہیں۔

(۶) کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہوتی ہیں جو بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں اور کتنی ہی بڑی جماعتیں ہوتی ہیں جو چھوٹی جماعتوں سے شکست کھا جاتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ فتح و شکست کا مدار اصلی افراد کی عددی قلت و کثرت پر نہیں بلکہ دلوں کی قوت پر ہے اور اللہ کی مدد انہی لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو صابر اور ثابت قدم ہوتے ہیں۔

(۷) دعا میں صرف فتح مندی کی طلب نہیں کی گئی ہے بلکہ فتح مندی سے پہلے صبر و ثبات کی طلب کی گئی جس سے معلوم ہوا کہ سچی دعا وہ ہے جو سچی استعداد عمل کے ساتھ ہو، خدا کی نصرت ان ہی کے حصہ میں آتی ہے جو صبر و ثبات کی روح ہو جاتی ہے۔

(۸) اللہ کی حکمتِ بالغہ کا یہ بڑا ہی ایک کرشمہ اور فضل و احسان ہے کہ جب بھی ایک گروہ ظلم وفساد میں چھوٹ جاتا ہے۔ محرکات دوسرے گروہ کو مدافعت کے لئے کھڑا کر دیتے ہیں اور ایک قوم کا ظلم دوسری قوم کی مقاومت سے رفع ہوتا رہتا ہے۔ لیکن اصل مقصود اہل حق کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ انجام کار ہو کر رہتا ہے۔

قرآنی بادشاہتیں: ....قرآن کریم جن بادشاہتوں کا ذکر کرتا ہے مثلاً یہی قصہ طالوت و جالوت، داستان یوسفؑ، واقعہ ذوالقرنین، فرعونِ مصر کی لائف وغیرہ ان سب میں قدرِ مشترک کی کئی باتیں سامنے آجاتی ہیں۔

(۱) قدیم طرزِ سلطنت شخصی رہا ہے جمہوری نہیں۔

(۲) بادشاہت نام بادشاہ کا ہوتا تھا۔ اسی کی ذات اور اقوال و احوال اصولِ سلطنت سمجھے جاتے تھے۔ گویا بادشاہ سے بادشاہت وابستہ ہوتی۔ بادشاہت سے بادشاہ وابستہ نہیں ہوتا تھا۔ اسی لئے بادشاہوں کے آئینہ سیرت میں ان کے آئین جہانبانی کا رنگ جھلک رہا ہے۔ بادشاہتوں کے جھروکوں سے بادشاہ نہیں جھانک رہے ہیں۔

(۳) سیاست و مذہب دو الگ الگ بنیادیں تھیں۔ قیصر کی حدود الگ تھیں اور کلیسا کی علیحدہ ایک زمانہ تک قدیم دستور کے مطابق طرزِ حکومت یہی رہا ہے۔

چونکہ قرآن کریم کے اعاظم مقاصد میں سے رسالت محمدیہ ﷺ کا اثبات بھی ہے۔ چنانچہ اس موقعہ پر بھی بجز وحی کے اس قسم کے واقعات کی اطلاع کا کوئی معتبر ذریعہ آپ کے پاس نہیں تھا۔ یہ معجزہ صریح دلیل ہے آپ ﷺ کی نبوتؐ اور صدق دعویٰ کی۔

الحمدللہ تفسیر پارہ سیقول السفھاء پوری ہوگئی

پارہ نمبر ﴿۳﴾

تِلْكَ الرُّسُلُ

پارہ تلک الرسل

تِلْكَ الرُّسُلُ

تِلْكَ مُبْتَدَأٌ **الرُّسُلُ** صِفَةٌ وَالْخَبَرُ **فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ** بِتَخْصِيْصِهٖ بِمَنْقَبَةٍ لَيْسَتْ لِغَيْرِهٖ **مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ** كَمُوْسٰى **وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ** اَیْ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **دَرَجٰتٍ** عَلٰى غَيْرِهٖ بِعُمُوْمِ الدَّعْوَةِ وَخَتْمِ النُّبُوَّةِ بِهٖ وَتَفْضِيْلِ اُمَّتِهٖ عَلٰى سَائِرِ الْاُمَمِ وَالْمُعْجِزَاتِ الْمُتَكَاثِرَةِ وَالْخَصَائِصِ الْعَدِيْدَةِ **وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ** قَوَّيْنَاهُ **بِرُوْحِ الْقُدُسِ** جِبْرَءِيْلَ يَسِيْرُ مَعَهٗ حَيْثُ سَارَ **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ** هُدَى النَّاسِ جَمِيْعًا **مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ** بَعْدِ الرُّسُلِ اَیْ اُمَمُهُمْ **مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ** لِاخْتِلَافِهِمْ وَتَضْلِيْلِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا **وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا** لِمَشِيْئَةِ ذٰلِكَ **فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ** ثَبَتَ عَلٰى اِيْمَانِهٖ **وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ** كَالنَّصَارٰى بَعْدَ الْمَسِيْحِ **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا** تَوْكِيْدٌ **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾** مِنْ تَوْفِيْقِ مَنْ شَاءَ وَخُذْلَانِ مَنْ شَاءَ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ** زَكٰوتَهٗ **مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ** فِدَاءٌ **فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ** صَدَاقَةٌ تَنْفَعُ **وَّلَا شَفَاعَةٌ** بِغَيْرِ اِذْنِهٖ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِرَفْعِ الثَّلَاثَةِ **وَالْكٰفِرُوْنَ** بِاللّٰهِ اَوْ بِمَا فُرِضَ عَلَيْهِمْ **هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾** لِوَضْعِهِمْ اَمْرَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِیْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ

ترجمہ:............ یہ (مبتداء ہے) حضرات مرسلین (صفت ہے اور خبر آگے ہے) کہ ہم نے ان میں بعض کو بعض پر فوقیت بخشی ہے (ایسی خصوصی منقبت عطا کر کے جو دوسروں میں موجود نہیں ہے) بعض ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے (حضرت موسیٰ) اور بعض کو ان میں سے سرفراز بنایا ہے (یعنی محمد ﷺ کو) بلند درجات کے ساتھ (بہ نسبت انبیائے سابقین کے۔ مثلاً عموم دعوت، ختم نبوت دوسری امتوں کے مقابلہ میں امت محمدیہ کا فائق ہونا۔ کثیر معجزات اور خصائص کبریٰ) اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو صاف اور کھلے معجزات عطا کئے اور ہم نے ان کی تائید (تقویت) روح القدس (جبرئیل) کے ذریعہ کی (کہ جہاں جاتے وہ ان کے ساتھ رہتے) اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا (سب لوگوں کو ہدایت بخشنا) تو باہمی قتل وقتال نہ کر سکتے ان کے (مرسلین کے) بعد (یعنی ان کی امتیں) اس کے بعد کہ ان کے پاس دلائل پہنچ چکے تھے (ان کے آپس کے اختلاف اور ہر ایک دوسرے کی تضلیل کی وجہ سے) لیکن وہ لوگ باہم مختلف ہوگئے (کیونکہ خدا کی مشیت اس سے وابستہ ہو چکی تھی) سو ان میں کوئی تو ایمان لے آیا (اپنے ایمان پر ثابت رہا) اور کوئی کافر رہا (جیسے حضرت مسیح کے بعد عیسائی) اور اگر اللہ میاں چاہتے تو وہ لوگ آپس میں قتل وقتال نہ کر سکتے (یہ ماقبل کی تاکید ہے) لیکن اللہ تعالیٰ جو

چاہتے ہیں کرتے ہیں (جس کو چاہتے ہیں توفیق بخشتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں رسوا کر دیتے ہیں) اے اہل ایمان! خرچ کرڈالوان چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں (مراد زکوٰۃ دینا ہے) ایسا دن آنے سے پہلے کہ جس میں نہ تو خرید و فروخت ہو سکے گی (مراد فدیہ) اور نہ دوستی ہوگی (نافع دوستی) اور نہ کوئی سفارش چل سکے گی (بلا اجازت یعنی بروز قیامت۔ اور ایک قرأت میں تینوں لفظ "بیعٌ، وخلّةٌ، وشفاعةٌ" کا رفع پڑھا گیا ہے) اور (اللہ یا ان کی طرف سے مقررہ فرائض کا) انکار کرنے والے ہی لوگ ظلم کیا کرتے ہیں (خدا کے احکام کو بے محل رکھنے کی وجہ سے)

تحقیق وترکیب: .... **تلک** سے اشارہ ہے آدم علیہ السلام سے لیکر داؤد علیہ السلام تک جماعت رسل کی طرف۔ تلک مبتداء الرسل صفت اور فضلنا الخ خبر ہے من کلم اللہ اسی کلمہ اللہ صلہ سے عائد محذوف ہے ای منهم من کلمه الله بلا واسطة. درجات ای بدرجات اوالی الدرجات. اوفی درجات حرف جر حذف ہونے کے بعد فعل بنفسہ عمل کر رہا ہے یا منصوب بنا بر مصدر کے کہا جائے کیونکہ درجۃ معنی میں رفعۃ کے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تخصیص ذکری آیات عظیمہ اور معجزات کثیرہ کی وجہ سے کی گئی ہے کعموم الدعوۃ چنانچہ آپ ﷺ کا انسان اور جنات ثقلین کی طرف مبعوث ہونا آپ ﷺ کی خصوصیت ہے آپ ﷺ سے پہلے انبیاءؑ کی دعوت خاص جماعتوں کے لئے ہوتی تھی۔ اسی طرح جوامع الکلم سے آپ ﷺ کو سرفراز فرمانا، مال غنیمت کا حلال ہونا، ساری زمین کا مسجد اور طہور بنا دینا، قیامت میں شفاعت کبریٰ کا ملنا یہ سب خصائص ہیں۔ چنانچہ علامہ ابوسعید نیشاپوریؒ نے آپؐ کے خصائص کبریٰ ساٹھ (۶۰) شمار کرائے ہیں۔ **ولو شاء اللہ** کے بعد مفسرؒ نے مشیت کے حذف مفعول کی طرف اشارہ کیا ہے اگرچہ تقدیر عبارت بلا مفعول اس طرح بھی ہو سکتی ہے فلو شاء الله عدم اقتتالهم ما اقتتلوا الخ

لا ختلافهم یہ متعلق ہے اقتتل کے ساتھ اور اقتتل کی تفسیر بھی اختلف کے ساتھ ہو سکتی ہے کیونکہ وہ سبب قتل ہوتا ہے۔

ولوشاء الله ما اقتتلوا یعنی لوشاء الله ان لا یقتلوا لم یقتلوا اس میں معتزلہ پر بھی رد ہو گیا۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں لوشاء ان لا یقتلوا فاقتتلوا.

انفقوا مفسرؒ علام نے انفاق واجب کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ **ولا بیع** جلال محققؒ نے اس کا ترجمہ فدیہ کے ساتھ کیا ہے کیونکہ اس میں بھی نفس کو ہلاکت سے خرید کر گویا بچانا ہوتا ہے۔

صداقة تنفع جلال مفسر نے نافع کی قید اس لئے لگائی کہ متقین کے لئے خلہ نافعہ ہوگی الاخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدوٌ الا المتقين سے دونوں باتیں صراحۃً معلوم ہو رہی ہیں۔

ولا شفاعة اس میں بھی بلا اذن کی قید اس لئے لگائی کہ انبیاءؑ کی شفاعت کا اثبات حدیث سے ہو رہا ہے جیسے انسؓ ایک صحابی ہیں انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ سے قیامت میں شفاعت کا سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا انا فاعلٌ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ نیز دوسری آیت میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا الا من اذن له الرحمٰن اس لئے معتزلہ کے لئے آیت سے احتجاج کا موقع نہیں رہا۔ **والکفرون** جلال نے تفسیر میں کفر کے حقیقی اور مجازی معنی لینے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

ربط: .... پچھلی آیت میں اجمالاً پیغمبروں کے فضائل و کمالات کی طرف اشارہ تھا ان آیات میں صراحۃً بعض کمالات اور خوارق کا نام بنام اثبات کیا جا رہا ہے اور اسی کے ضمن میں ان کی امتوں کی ایک خاص حالت کا وجود پذیر ہونا اور پھر اس میں مصالح اور حکمت کا ظہور پیش نظر ہونا مذکور ہے۔

﴿تشریح﴾: ......انبیاءؑ کی تفصیل جائز ہے تحقیر جائز نہیں ہے: .... نبوت محمدیہ ثابت بالدلائل ہونے کے باوجود بھی جب منکرین کے لئے قابل تسلیم نہیں تھی تو اس سے آنحضرت ﷺ کو رنج وغم ہوسکتا تھا اس لئے حق تعالیٰ آپ کی تسلی کے لئے ارشاد فرمارہے ہیں کہ آپ ﷺ سے پہلے بھی بلند درجہ انبیاء ومرسلین گذرے ہیں لیکن ایمان کا عام اور ہمہ گیر ہونا کسی کی امت میں بھی نہیں رہا۔ کسی نے موافقت کی اور کسی نے مخالفت اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی چند در چند مصالح اور حکمتیں مضمر ہوتی ہیں جو ہر شخص پر منکشف نہیں ہوئیں۔ مگر خدا چاہتا تو طبیعت انسانی ایسی بنادیتا کہ اس میں اختلاف ونزاع کا مادہ ہی باقی نہیں رہتا اور وہ ایک حالت معیشت پر مجبور کردیا جاتا۔ لیکن اس کی حکمت بالغہ کا فیصلہ یہی ٹھہرا کہ انسان کو مجبور ومضطر نہ بنائے بلکہ ہر راہ میں چلنے کی اس کو قدرت دیدے۔ پس کتنے ہی ہیں جو راہِ ہدایت اختیار کرتے ہیں اور کتنے ہیں جو گمراہی کو ترجیح دیتے ہیں۔ پس جب تمہارے لئے جنگ کی منزل پیش آگئی اور سنت الٰہیہ کا مقتضی بھی تھا کہ پیش آئے ظلم وفساد کی مدافعت کے لئے اس منزل سے گذرنا ناگزیر ہے اس لئے اس سے غفلت نہ کرو اور اس کے لئے بڑی تیاری یہ ہے کہ اپنا مال اس راہ میں خرچ کرو۔

قیامت میں ایمان کے بغیر کوئی چیز مفید نہیں ہوگی: .... ایسا وقت آنے سے پہلے کہ نجات کے مدار اصل ایمان وعمل کے تدارک کا جب کوئی موقعہ نہیں رہے گا تدارک کے بعض طریقے تو خود نہ ہوں گے جیسے خرید وفروخت اور بعض عام نہیں ہوں گے جیسے دوستی اور بعض اختیاری نہیں ہوں گے جیسے شفاعت۔ پس اس سے نہ مطلق دوستی کی نفی ہوئی اور نہ مطلق شفاعت کی۔ اگلے ہی جملہ من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ میں اس کا اثبات ہورہا ہے تاہم خلت وشفاعت کے باوجود بھی آخری درجہ میں تو اعمالِ خیر کی ضرورت ہوگی۔ جس میں کم از کم ایمان ہی سہی۔ حاصل یہ کہ آخرت میں ان اعمالِ خیر کا موقعہ نہیں ہوگا کہ وہ دار الجزاء ہے۔ دار العمل تو دنیا ہے اور بعض نے ترک انفاق کی وعید پر اس کو محمول کیا ہے اور انفاق سے مراد زکوٰۃ ہے۔ تارکِ زکوٰۃ کو کافر کہنا زجراً ہے۔

تلک الرسول فضلنا. اس سے معلوم ہوا کہ بعض اہل اللہ کو بعض اہل اللہ پر محض رائے اور تخمین سے ترجیح نہیں دینی چاہئے البتہ منھم من کلم الخ کی طرح بعض واقعات ذکر کردینے چاہئیں۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اَیْ لَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ فِی الْوُجُوْدِ **اِلَّا ھُوَ ج اَلْحَیُّ** دَائِمُ الْبَقَاءِ **الْقَیُّوْمُ** الْمُبَالِغُ فِی الْقِیَامِ بِتَدْبِیْرِ خَلْقِہٖ **لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ** نُعَاسٌ **وَّلَا نَوْمٌ ط لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط** مِلْکًا وَخَلْقًا وَعَبِیْدًا **مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ط** لَہٗ فِیْھَا **یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ** اَیِ الْخَلْقِ **وَمَا خَلْفَھُمْ ج** اَیْ اَمْرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ **وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ** لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا مِنْ مَعْلُوْمَاتِہٖ **اِلَّا بِمَا شَآءَ ج** اَنْ یَعْلَمَھُمْ بِہٖ مِنْھَا بِاَخْبَارِ الرُّسُلِ **وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ج** قِیْلَ اَحَاطَ عِلْمُہٗ بِھِمَا وَقِیْلَ مُلْکُہٗ وَقِیْلَ الْکُرْسِیُّ بِعَیْنِہٖ مُشْتَمِلٌ عَلَیْھِمَا لِعَظْمَتِہٖ لِحَدِیْثِ مَا السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ فِی الْکُرْسِیِّ اِلَّا کَدَرَاھِمَ سَبْعَۃٍ اُلْقِیَتْ فِیْ تُرْسٍ **وَلَا یَئُوْدُہٗ** یُثْقِلُہٗ **حِفْظُھُمَا ج** اَیِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ **وَھُوَ الْعَلِیُّ** فَوْقَ خَلْقِہٖ بِالْقَھْرِ **الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾** اَلْکَبِیْرُ **لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ** عَلَی الدُّخُوْلِ فِیْہِ **قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ج** اَیْ ظَھَرَ بِالْاٰیَاتِ الْبَیِّنَاتِ اَنَّ الْاِیْمَانَ رُشْدٌ وَالْکُفْرَ غَیٌّ نَزَلَتْ فِیْمَنْ کَانَ لَہٗ مِنَ الْاَنْصَارِ اَوْلَادٌ اَرَادَ اَنْ یُّکْرِھَھُمْ عَلَی الْاِسْلَامِ **فَمَنْ یَّکْفُرْ**

بِالطَّاغُوْتِ اَلشَّیْطَانِ اَوِ الْاَصْنَامِ وَ هُوَ یُطْلَقُ عَلَی الْمُفْرَدِ وَالْجَمْعِ **وَیُؤْمِنْ ۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ** تَمَسَّكَ **بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ۚ** بِالْعَقْدِ الْمُحْكَمِ **لَا انْفِصَامَ** اِنْقِطَاعَ **لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ** لِمَا یُقَالُ **عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾** بِمَا یُفْعَلُ **اَللّٰهُ وَلِیُّ** نَاصِرُ **الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ** اَلْكُفْرِ **اِلَی النُّوْرِ** اَلْاِیْمَانِ **وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ** ذِكْرُ الْاِخْرَاجِ اِمَّا فِیْ مُقَابَلَةِ قَوْلِهٖ یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اَوْفِیْ كُلِّ مَنْ اٰمَنَ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ بِعْثَتِهٖ مِنَ الْیَهُوْدِ ثُمَّ كَفَرَ بِهٖ **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾**

ترجمہ:........... اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق پرستش نہیں ہے (یعنی کوئی معبودِ حقیقی موجود نہیں ہے) وہ زندہ ہے (ہمیشہ باقی رہنے والا) تھامنے والا ہے (تدبیر سے اپنی مخلوق کو بہت سنبھالنے والا ہے یعنی) نہ اس کو اونگھ (ٹول) مغلوب کرسکتی ہے اور نہ نیند۔ اسی کی ملک میں آسمان وزمین کی سب چیزیں (مملوک ومخلوق بندے ہیں) ایسا کون شخص ہے (کوئی نہیں ہے) جو اس کے پاس بلا اس کی اجازت کے سفارش کرسکے (تاوقتیکہ اس کو اذن شفاعت نہ ہو) وہ جانتا ہے کہ تمام حالات موجودہ (مخلوق کے) اور آئندہ (یعنی دنیا و آخرت کے احوال) اور وہ موجودات اس کے معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لاسکتے (یعنی اس کی معلومات میں سے کسی چیز کو نہیں جان سکتے ہیں) مگر جس قدر وہ چاہے (کہ پیغمبروں کے اطلاع دینے سے وہ اس کی معلومات میں سے جان جائیں) اس کی کرسی نے تمام آسمان وزمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے (بعض کہتے ہیں کہ علم الٰہی نے آسمان وزمین کا احاطہ کررکھا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے مُلک کی وسعت مراد ہے۔ اور بعض بعینہ کرسی کو کہتے ہیں کہ وہ اپنی عظمت کی وجہ سے زمین وآسمان پر مشتمل ہے۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ سات آسمان کرسی کے آگے ایسے ہیں جیسے سات درہم ڈھال میں ڈال دیئے جائیں) اور گراں نہیں گذرتی ہے (ناگوار نہیں ہوتی) ان دونوں (آسمان وزمین کی حفاظت اور وہ عالی شان (اپنی مخلوق پر قہراً غالب ہے) عظیم الشان (کبریا) ہے زبردستی نہیں ہے دین میں (داخل ہونے کی) ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہوچکی ہے (یعنی دلائل واضحہ سے یہ بات روشن ہوچکی ہے کہ ایمان ہدایت ہے اور کفر گمراہی ہے یہ آیت ان لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی جبکہ ایک انصاری نے اپنی اولاد کو اسلام لانے پر مجبور کرنا چاہا) سو جو شخص شیطان سے پھر جائے (طاغوت سے مراد شیطان یا بت ہے اس کا اطلاق مفرد اور جمع دونوں پر آتا ہے) اور اللہ کو مان لے تو اس نے تھام لیا ہے (استمسک بمعنی تمسک ہے) بڑا مضبوط حلقہ (بڑی مضبوطی کے ساتھ) جس کو کسی طرح کی شکستگی (ٹوٹنا) نہیں ہوسکتی اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں (جو کچھ کہا جاتا ہے) اور خوب جاننے والے ہیں (جو کچھ کیا جاتا ہے) اللہ تعالیٰ ساتھی (مددگار) ہیں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ان کو ظلمات (کفر) سے نکال کر یا بچا کر نور (ایمان) کی طرف لاتے ہیں اور جو کافر ہیں ان کے ساتھی شیاطین ہیں وہ ان کو نور سے نکال کر یا بچا کر تاریکیوں میں لا ڈالتے ہیں (یہاں نکالنے کا ذکر یا تو اخراج من الظلمات کے مقابلہ کی وجہ سے ہے اور یا وہ یہود مراد ہیں جو آپ کی بعثت سے پہلے آپ کو مانتے تھے لیکن تشریف لانے کے بعد کفر اختیار کرلیا) ایسے لوگ جہنمی ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

تحقیق وترکیب:........... **اللہ لا الٰہ الا ھو** یہ آیت الکرسی ہے جس کو افضل الآیات کہا گیا ہے کیونکہ جس درجہ مکمل توحید کا مضمون اس میں ہے دوسری آیات میں نہیں ہے۔ چنانچہ لفظ حی وقیوم میں اسم اعظم بھی ہے تقدیر آیت **لا الٰہ موجود الا اللہ** ہے یا لا

الہ ممکن الا اللہ ہے علی اختلاف الاقوال۔ الحی یعنی جس میں فناء کا شائبہ بھی نہیں ہے حیات ابدیہ کے ساتھ متصف ہے۔

القیوم من قام بالامر اذا حفظہ فعل لازم ہے۔ لا تاخذہ سنۃ چونکہ وجوداً مقدم ہوتی ہے حالتِ نوم سے اس تقدم خارجی کی رعایت سے تقدم ذکری بھی کردیا گیا۔ ورنہ مبالغہ کا مقتضٰی تو نوم کی تقدیم اور سنۃ کی تاخیر کا تھا۔ اس توجیہ کی ضرورت اس وقت ہے جبکہ اخذ کو عروض اور اعتراء کے معنی میں لیا جائے لیکن قہر وغلبہ کے معنی میں اگر لیا جائے جیسا کہ امام راغب کی رائے ہے چنانچہ اخذ عزیز مقتدر میں بھی یہی معنی ہیں تو پھر ترتیب بحسب الظاہر رہے گی۔ سنۃ کہتے ہیں سرگرانی کو جو مقدمہ ہوتا ہے نیند کا اور نعاس کہتے ہیں آنکھوں کی نیند کو اور نوم کہتے ہیں قلبی نیند کو۔ یہ جملہ گویا قیوم کی تاکید ہے کیونکہ اس حالت میں نظم عالم کا سنبھالنا ممکن ہی نہیں ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی تھی قل الھٰو لاء انی امسک السمٰوات والارض بقدرتی فلو اخذنی نوم او نعاس لزالتا علم، حیات، قومیت، تین ام الصفات بیان کی گئی ہیں۔ صفات میں ان کو مرکزی اور بنیادی درجہ حاصل ہے ان کے بغیر کوئی دوسری صفت کارگر نہیں ہوسکتی۔

ملکاً یہ نسبت کسرہ کے ضم میم کے ساتھ پڑھنا زیادہ بہتر ہے ورنہ لفظ عبید کے ساتھ تکرار ہوجائے گا۔ من ذالفظاً استفہام اور معنی نفی کے ہیں چنانچہ اس کے بعد الّا آرہا ہے۔

لایحیطون احاطہ علمی سے مراد احاطہ معلومات ہے کیونکہ علم الٰہی تو صفۃ ذاتیہ قائم بالذات ہے جو تجزی کو قبول نہیں کرسکتی۔ اس لئے علم بمعنی معلوم مصدر بمعنی مفعول کی قبیل سے ہے۔ علماً سے معلوم ہوا کہ اللہ عالم مع علم ہے یعنی علم اس کی ذات سے وابستہ اور قائم ہے بخلاف معتزلہ کے کہ وہ اللہ کو عالم بلا علم مانتے ہیں اس میں ان پر رد ہوگیا۔

مابین ایدیھم میں ضمیر جمع مافی السمٰوات الخ کی طرف تغلیب مذکر کے ساتھ راجع ہوگی ما بین ایدیھم وماخلفھم ای ماقبلھم وما بعدھم او امور الدنیا والاٰخرۃ اومایدر کونہ ومالا یدر کونہ۔

کرسیہ. مفسرؒ نے اشارہ کردیا کہ کرسی سے مجازی معنی علم اور ملک کے بھی لئے جاسکتے ہیں۔ وجہ مناسبت احاطہ ہوگا اور یا حقیقی معنی لئے جائیں۔

ولا یؤدہ الاود والاید بمعنی قوت یا اعوجاج۔ بھاری چیز بھی نیچے کی طرف مائل رہتی ہے الطاغوت طغیان سے ہے فعلوت عین لام کلمہ میں قلب مکانی ہوگیا اصلہ طغیوت ثم طیغوت ثم طاغوت یہ مصدر یا اسم جنس ہے مفرد وجمع مذکر و مؤنث ہر طرح مستعمل ہے۔

استمسک اس میں س ت طلب کا نہیں ہے بلکہ استفعال بمعنی تفعل ہے۔ اور یا طلب الامساک من نفسہ کے معنی بھی ہوسکتے ہیں۔

العروۃ الوثقٰی اس میں استعارہ تصریحیہ اصلیہ ہے۔ عروہ مٹی پیالے یا ڈول کے پکڑنے کے حلقہ کو کہتے ہیں۔ یہ کلام تمثیلی بھی ہوسکتا ہے حق کو مضبوط پکڑنے کی ہیئت عقلیہ کو حلقہ کی ہیئت حسیہ پکڑنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور استمساک اور عدم الانفصال مناسبات مشبہ بہ کا اثبات ہے اس لئے استعارہ ترشیحیہ ہے۔

من الظلمٰت الی النور واقدیؒ کی رائے ہے کہ قرآن کریم میں جہاں بھی ظلمت اور نور کا ذکر آیا ہے اس سے مراد کفر واسلام ہوتا ہے۔ بجز آیت انعام کے کہ وہاں ظلمت لیل اور نور نہار مراد ہے۔ ذکر الاخراج جلال محققؒ اس شبہ کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ کفار کو پہلے نور حاصل ہی نہیں تھا پھر اس سے ظلمت کی طرف اخراج کے کیا معنی؟ اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ اول ماقبل کی مشاکلت صوری پر محمول کرلیا ہے اور مراد اصل نور سے روکنا ہے دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اخراج حقیقی مراد ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے معتقدانہ آپ ﷺ کے اوصاف سن کر ایمان لے آئے تھے لیکن بعثت کے بعد اس نور سے ظلمتِ کفر کی طرف خارج ہوگئے۔ نور کو مفرد اور ظلمۃ کو جمع لانے میں یہ نکتہ ہے کہ حق ایک ہوتا ہے اور باطل متعدد یعنی تمام باطل چیزوں کی نفی حق ہے اور وہ ایک ہوتا ہے۔

ربط:............ گذشتہ آیت میں بلا اجازت شفاعت کی نفی کے ذیل میں حق تعالیٰ کی عظمت وقدرت پر بھی دلالت تھی اس آیت الکرسی میں بھی توحید ذاتی اور کمال صفاتی کے ذیل میں عظمت شان کی خوب تصریح وتوضیح ہوگئی۔

فضائل:............ آیت الکرسی کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (۱) ان اعظم اية فی القران اية الكرسی من قرء ھابعث اللہ ملكًا يكتب من حسناته ويمحو من سيئاته الى الغد من تلك الساعة (۲) قال علیه الصلوٰة والسلام ماقرئت هذه الأية فی دارالاحجرتها الشيطان ثلاثين يوما ولا يدخلها ساحرولا ساحرة اربعين ليلة يا علی علمها ولدك واهلك وجيرانك فما نزلت اية اعظم منها (۳) قال علیه السلام من قراء اية الكرسی فی دبر كل صلوٰة مكتوبة لم يمنعه من دخول الجنة الا الموت ولايواظب الا صديق اوعابد ومن قرأ اذا اخذ مضجعه امنه اللہ علی نفسه و جاره وجار جاره والا بيات حوالہ وغیرہ وغیرہ

شانِ نزول:............ ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ آیت لااکراہ فی الدین ایک انصاری صحابی حصینؓ من بنی سالم بن عوف کے بارہ میں نازل ہوئی ہے ان کے دو بیٹے آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے عیسائی ہوگئے اور مدینہ طیبہ میں روغنِ زیتون کی تجارت کے لئے آئے تو ان کے والد جو مسلمان ہو چکے تھے انہوں نے ان کو بھی جبراً مسلمان کرنا چاہا۔ بات بڑھی اور آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچی، حصین انصاریؓ نے عرض کیا یارسول اللہ میرا بعض حصہ نار جہنم میں داخل ہو اور میں دیکھتا رہوں؟ اس پر آیت لا اکراہ الخ نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:...... زبردستی دین سرتھوپا نہیں جاتا:............ جس طرح مضبوط رسی کے ٹوٹ کر گرنے کا خطرہ نہیں ہوتا۔ یوں کوئی رسی ہی کو چھوڑ دے تو اور بات ہے اسی طرح اسلام کو مضبوطی سے تھامنے والے کے لئے گرنے کا کوئی امکان نہیں ہے اور یوں خود کوئی اسلام ہی کو چھوڑ دے تو وہ دوسری بات ہے اور مقصود آیت کا اس اصلِ عظیم کا اعلان کرنا ہے کہ دین واعتقاد کے معاملہ میں کسی طرح کا جبر واکراہ جائز نہیں ہے کیونکہ دین کی راہ دل کے اعتقاد ویقین کی راہ ہے جو دعوت وموعظت سے تو پیدا ہوسکتی ہے نہ کہ جبر واکراہ سے۔ احکامِ جہاد کے بعد ہی اس کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ واضح ہو جائے جنگ کی اجازت ظلم وتشدد کے انسداد کے لئے دی گئی ہے نہ کہ دین کی اشاعت کے لئے کیونکہ کفار ومشرکین بھی ظلم وجور کے ذریعہ اپنا اعتقاد زبردستی دوسروں کے سرتھوپنا چاہتے تھے۔ قرآن نے اسی زبردستی کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم دیا تھا پھر جس بات کے خلاف اس نے جنگ کا حکم دیا ہے وہ خود اسی کا مرتکب کیونکر ہوسکتا ہے۔ اسلام کی حقانیت کا وضوح اور ثبوت دلائل کی روشنی میں آفتاب سے زیادہ روشن ہو چکا ہے اس لئے اس کے قبول کرانے میں فی نفسہ اکراہ نہیں ہے بلکہ جس بات کا تعلق دل سے ہو اس میں اجبار ہو بھی نہیں سکتا۔

اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا:............ پس اگر حربی کافر یا عام مرتد پر اسلام قبول کرانے میں زبردستی کا حکم ہے تو وہ صورت دین پر اجبار ہوگا حقیقتِ دین پر اکراہ نہیں ہے کہ دل پر کسی کا بس نہیں ہے اور اس کے احوال کی اطلاع کا کوئی ذریعہ نہیں ہے غرضکہ خفاء دلیل کی وجہ سے ان کے حق میں کسی عارض کی وجہ سے اکراہ ہوا جو فی نفسہ نفی اکراہ کے معارض نہیں ہے۔

(۲) اسی طرح نفس جہاد پر بھی شبہ نہیں نہ کیا جائے کہ اس کی مشروعیت عین اکراہ ہے پھر کیسے اس کی نفی کی جارہی ہے؟ جواب یہ ہے کہ جہاد کے ساتھ جزیہ کی مشروعیت خود اس بات کی دلیل ہے کہ ہم نے اس کے لئے آزادی کا راستہ تنگ نہیں کیا اور اس کو قبولِ اسلام پر مجبور نہیں کیا بلکہ اس کو آزادی سے اس کا موقع دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو بغیر اسلام قبول کئے اپنی جان اور اپنا کفر محفوظ رکھ سکتا ہے۔ جہاد کی

نوبت اور تلوار اٹھانے کا واقعہ تو تیسرے نمبر پر آئے گا۔ اول آزادی سے اسلام کے سمجھنے کا موقعہ دیا جائے گا اس کے بعد اسلام کے غلبہ کو تسلیم کرانا ہوگا یہی حقیقت ہے جزیہ کی ان دونوں پیش کشوں کو ٹھکرانے کے بعد نتیجۃً تلوار پیش کی جائے گی جس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

حاصل یہ کہ جہاد اسلام قبول کرانے کے لئے نہیں ہے بلکہ غلبۂ اسلام کے لئے ہے خواہ وہ اسلام کو مان کر یا اس کی باجگزار رعایا بن کر زبردستی اگر دنیا سے کفر مٹانا ہوتا یا صرف اسلام کو زبردستی رائج کرنا ہوتا تو جزیہ کی درمیانی راہ نہ ہوتی بلکہ صرف اسلام یا تلوار ہوتی۔

مسلمانوں کو تعمیل احکام پر مجبور کیا جائے گا:.......... اور اس نفی اکراہ سے نہی اکراہ بھی لازم آ گئی بطریق ابلغ کیونکہ نہی سے نفی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ اسی لئے بعض حضرات نے لا اکراہ نفی کی تفسیر لا تکرھوا نہی کے صیغہ کے ساتھ کی ہے یعنی دین کے قبول کرانے میں زبردستی مت کرو اس پر حدود وقصاص اور تعزیری وتادیبی کاروائیوں پر شبہ نہ کیا جائے کہ ان سزاؤں کے ذریعہ بھی زبردستی دین پر عمل کرانا ہوتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ دین کے زبردستی قبول کرانے کی ممانعت کی جارہی ہے اور جو شخص خوش دلی سے اسلام قبول کر چکا ہو اس پر احکام اور جزئیات قبول کرانے یا ان پر عمل درآمد کرنے میں اجبار کی ممانعت نہیں ہے یا یوں تعبیر کی جائے کہ اصولِ دین میں زبردستی نہیں لیکن جب کوئی اصول تسلیم کر چکا تو احکام کی تعمیل میں اس کو آزاد نہیں رکھا جائے گا بلکہ جس پابندی کو باختیار خود اس نے اپنے اوپر لاگو کیا ہے اس کی ادائیگی اور پابندی کا مطالبہ کرنا ہوگا اور وہ اجبار قبیح نہیں ہے بلکہ نہایت مستحسن اور انضباطِ نظم کی دلیل ہے۔ چنانچہ کوئی سرکاری ملازمت قبول کرنا اگرچہ ضروری نہیں ہے لیکن ملازم ہو جانے کے بعد ڈیوٹی کی بجا آوری اور قوانین کی پابندی لازم ہوتی ہے ورنہ مستوجب سزا سمجھا جائے گا۔

سچائی ایک روشنی ہے اگر تاریکی چھائی ہوئی ہے تو صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ روشنی موجود ہو جائے روشنی جس طرف بھی رخ کرے گی تاریکی خود بخود دم دبا کر بھاگ جائے گی۔

بعض لوگ اول ہی سے مسلمان یا کافر ہوتے ہیں اور بعض ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیتے ہیں آیت اللہ ولی الذین الخ سب صورتوں کو شامل ہے۔ لا انفصام سے معلوم ہوا کہ نسبت مع اللہ حاصل ہونے کے بعد منقطع نہیں ہوتی اور اللہ ولی الذین میں ولایت عامہ کا اثبات ہورہا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ جَادَلَ **اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ** اَیْ حَمَلَهٗ بَطَرُهٗ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ الْبَطَرِ وَهُوَ نَمْرُوْذُ **اِذْ** بَدَلٌ مِنْ حَاجَّ **قَالَ اِبْرٰهٖمُ** لَمَّا قَالَ لَهٗ مَنْ رَبُّكَ الَّذِیْ تَدْعُوْنَا اِلَیْهِ **رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ** اَیْ یَخْلُقُ الْحَیَاةَ وَالْمَوْتَ فِی الْاَجْسَادِ **قَالَ** هُوَ **اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ** بِالْقَتْلِ وَالْعَفْوِ عَنْهُ وَدَعٰی بِرَجُلَیْنِ فَقَتَلَ اَحَدَهُمَا وَتَرَكَ الْاٰخَرَ فَلَمَّا رَاٰهُ غَبِیًّا **قَالَ اِبْرٰهٖمُ** مُنْتَقِلًا اِلٰی حُجَّةٍ اَوْضَحَ مِنْهَا **فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا** اَنْتَ **مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ** تَحَیَّرَ وَدَهِشَ **وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵۸﴾** بِالْكُفْرِ اِلٰی مَحَجَّةِ الْاِحْتِجَاجِ **اَوْ** رَاَیْتَ **كَالَّذِیْ** الْكَافُ زَائِدَةٌ **مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ** هِیَ بَیْتُ الْمَقْدِسِ رَاكِبًا عَلٰی حِمَارٍ وَمَعَهٗ سَلَّةُ تِیْنٍ وَقَدَحُ عَصِیْرٍ وَهُوَ عُزَیْرٌ **وَّهِیَ خَاوِیَةٌ** سَاقِطَةٌ **عَلٰی عُرُوْشِهَا** سُقُوْفِهَا لَمَّا خَرَّبَهَا بُخْتُ نَصَرَ **قَالَ اَنّٰی** كَیْفَ **یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا** اِسْتِعْظَامًا لِقُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی **فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ** وَاَلْبَثَهٗ **مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ** اَحْیَاهُ لِیُرِیَهٗ كَیْفِیَّةَ ذٰلِكَ **قَالَ** تَعَالٰی لَهٗ **كَمْ لَبِثْتَ**

مَكَثْتَ هُنَا **قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ** لِاَنَّهٗ نَامَ اَوَّلَ النَّهَارِ فَقُبِضَ وَاُحْيِيَ عِنْدَ الْغُرُوْبِ فَظَنَّ اَنَّهٗ يَوْمُ النَّوْمِ **قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ** وَقِيْلَ لِلسَّكْتِ مِنْ سَانَيْتُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِحَذْفِهَا **فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ** كَيْفَ هُوَ فَرَاٰهُ مَيْتًا وَعِظَامُهٗ بِيْضٌ تَلُوْحُ فَعَلْنَا ذٰلِكَ لِتَعْلَمَ **وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً** عَلَى الْبَعْثِ **لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ** مِنْ حِمَارِكَ **كَيْفَ نُنْشِزُهَا** نُحْيِيْهَا بِضَمِّ النُّوْنِ وَقُرِئَ بِفَتْحِهَا مِنْ اَنْشَزَ وَنَشَزَ لُغَتَانِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّهَا وَالزَّايِ نُحَرِّكُهَا وَنَرْفَعُهَا **ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا** فَنَظَرَ اِلَيْهَا وَقَدْ تُرُكِّبَتْ وَكُسِيَتْ لَحْمًا وَنُفِخَ فِيْهِ الرُّوْحُ وَنَهَقَ **فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ** ذٰلِكَ بِالْمُشَاهَدَةِ **قَالَ اَعْلَمُ** عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ **اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾** وَفِيْ قِرَاءَةٍ اِعْلَمْ اَمْرٌ مِّنَ اللّٰهِ لَهٗ وَاذْكُرْ **اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ قَالَ** تَعَالٰى لَهٗ **اَوَلَمْ تُؤْمِنْ** بِقُدْرَتِيْ عَلَى الْاِحْيَاءِ سَاَلَهٗ مَعَ عِلْمِهٖ بِاِيْمَانِهٖ بِذٰلِكَ لِيُجِيْبَ بِمَا قَالَ لَهٗ فَيَعْلَمَ السَّامِعُوْنَ غَرْضَهٗ **قَالَ بَلٰى** اٰمَنْتُ **وَلٰكِنْ** سَاَلْتُكَ **لِّيَطْمَئِنَّ** يَسْكُنَ **قَلْبِيْ** بِالْمُعَايَنَةِ الْمَضْمُوْمَةِ اِلَى الْاِسْتِدْلَالِ **قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ** بِكَسْرِ الصَّادِ وَضَمِّهَا اَمِلْهُنَّ اِلَيْكَ وَقَطِّعْهُنَّ وَاخْلِطْ لَحْمَهُنَّ وَرِيْشَهُنَّ **ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ** مِنْ جِبَالِ اَرْضِكَ **مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ** اِلَيْكَ **يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا** سَرِيْعًا **وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ** لَايُعْجِزُهٗ شَيْءٌ **حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾** فِيْ صُنْعِهٖ فَاَخَذَ طَاؤُسًا وَنَسْرًا وَغُرَابًا وَدِيْكًا وَفَعَلَ بِهِنَّ مَا ذُكِرَ وَاَمْسَكَ رُؤُسَهُنَّ عِنْدَهٗ وَدَعَاهُنَّ فَتَطَايَرَتِ الْاَجْزَاءُ اِلٰى بَعْضِهَا حَتّٰى تَكَامَلَتْ ثُمَّ اَقْبَلَتْ اِلٰى رُءُوْسِهَا ۔

ترجمہ:............ کیا آپ کو اس شخص کے واقعہ کی تحقیق نہیں ہوئی جس نے مباحثہ (تکرار) کیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنے پروردگار کے بابت۔ اس لئے کہ اللہ نے اس کو سلطنت عطاء فرمائی تھی (یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اترانے نے اس کو اس شیخی پر آمادہ کردیا تھا۔ مراد اس سے نمرود ہے) جبکہ (لفظ اذ بدل ہے حاج سے) ارشاد فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے (جواب میں اس شخص کے جس نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ آپ جس رب کی طرف بلا رہے ہیں وہ کون ہے؟) میرا پروردگار ایسا ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے (یعنی اجسام میں زندگی پیدا کرتا ہے اور موت) کہنے لگا (وہ) کہ میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں (قتل کر کے اور معافی دے کر۔ چنانچہ دو آدمی طلب کیئے۔ ایک کو قتل کردیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا چونکہ حضرت ابراہیمؑ نے سمجھ لیا کہ وہ غبی ہے) فرمایا ابرہیم علیہ السلام نے (ایک دلیل سے زیادہ واضح دلیل کی طرف منتقل ہوتے ہوئے) کہ اللہ تعالیٰ تو آفتاب مشرق سے نکالتے ہیں تو نکال کر دکھادے مغرب سے اس پر مبہوت ہو کر رہ گیا وہ کافر (متحیر اور ہکا بکا رہ گیا) اور اللہ تعالیٰ ایسے بے راہوں کو راہ نہیں دکھلایا کرتے (جو کفر سے آلودہ ہوں طریق استدلال کی طرف) یا تم کو اس طرح کا قصہ (معلوم) ہے (کالذی میں کاف زائد ہے) جیسے ایک شخ تھے ایک بستی پر ان کا گذر ہوا (یعنی بیت المقدس پر اپنے حمار پر سوار ہو کر اس حال میں تشریف لائے کہ ان کی ہمراہ انجیروں کا تھیلہ، شیرۂ انگور کا پیالہ تھا حضرت عزیرؑ) درانحالیکہ وہ بستی گری (پڑی ہوئی تھی) اپنی چھتوں پر (جبکہ بخت نصر نے ان کو برباد کردیا تھا) کہنے لگے کیسے (کس طرح) زندہ

کریں گے اللہ تعالیٰ اس بستی کو مرجانے کے بعد (اللہ کی قدرت کا اظہار عظمت کرتے ہوئے) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان صاحب کو وفات دیدی (اور ان کو اسی حال میں ٹھہرائے رکھا) سو (۱۰۰) سال۔ پھر ان کو زندہ کر دیا (حیات بخش دی تا کہ وہ اس کیفیت احیاء کا مشاہدہ کر سکیں حق تعالیٰ نے) ارشاد فرمایا (ان سے) کہ تم کتنی مدت اس حال میں رہے (یہاں کتنے ٹھہرے رہے) عرض کیا ایک روز رہا ہوں گا یا ایک دن سے بھی کم (کیونکہ صبح کے اول وقت ان پر یہ منامی کیفیت طاری ہوئی تھی اور غروب کے وقت زندہ ہو گئے اس سے یہ سمجھے کہ یہ وہی سونے کا دن ہے) (ارشاد ہوا کہ نہیں بلکہ تم سو (۱۰۰) سال رہے ہو ذرا اپنے کھانے (انجیر) پینے (شیرۂ انگور) کو تو دیکھئے کہ ذرا بھی گلے سڑے نہیں۔ (باوجود کافی مدت گذرنے کے اور یتسنہ میں بعض کے نزدیک ہا اصلی ہے سانہت سے ماخوذ ہے اور بعض سانیت سے ماخوذ مان کر ہائے سکتہ کہتے ہیں اور ایک قرأت حذف ہا ہے) اور اپنے گدھے کو دیکھئے (کہ وہ کس حال میں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کو مردہ پایا کہ اس کی ہڈیاں تک سفید ہو چکی تھیں جو صاف چمک رہی تھیں۔ یہ ہم نے اس لئے کیا تا کہ آپ سمجھ جائیں) اور تا کہ ہم آپ کو (دوبارہ زندہ ہونے کی) ایک نظیر بنادیں لوگوں کے لئے اور ہڈیوں کی طرف نظر کیجئے (اپنے گدھے) کہ ہم اس کو کس طرح پہنائے دیتے ہیں (زندہ کئے دیتے ہیں ضم نون کے ساتھ اور نیز فتح نون کے ساتھ یہ لفظ پڑھا گیا ہے انشز اور نشز دونوں لغت ہیں اور ایک قرأت میں ضم نون وزاء کے ساتھ ہے بمعنی نحرکھا و نرفعھا) پھر ہم ان ہڈیوں پر گوشت چڑھائے دیتے ہیں (چنانچہ ان صاحب نے حمار کی طرف نظر اٹھائی تو وہ جڑ چکا تھا اور گوشت کا خول پہن رہا تھا اور اس میں جان ڈالی جارہی تھی اور وہ بولنے لگا) پھر جب یہ سب کیفیت ان صاحب کے مشاہدہ میں آگئی (انہوں نے ملاحظہ کر لیا) تو بول اٹھے کہ میں (مشاہدہ کا علم) یقین رکھتا ہوں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں (اور ایک قرأت میں اِعْلَمْ ہے یعنی خدا نے ان کو یہ امر فرمایا) اور (یاد کیجئے اس واقعہ کو) جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ آپ مردوں کو کس کیفیت سے زندہ فرمائیں گے دریافت فرمایا (حق تعالیٰ نے ان سے) کہ کیا تم یقین نہیں رکھتے ہو (میرے زندہ کرنے کی قدرت پر حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے باوجودیکہ اس پر ان کے ایمان رکھنے کا علم تھا اس لئے دریافت فرمایا تا کہ جو کچھ جواب ابراہیم علیہ السلام دیں سامعین حضرت ابراہیمؑ کی غرض سے واقف ہو جائیں) عرض کیا کیوں نہ (یقین کرتا) لیکن (میری درخواست) اس لئے ہے کہ اطمینان (سکون) ہو جائے میرے دل کو (استدلال کی تائید مشاہدہ سے ہو کر) ارشاد ہوا کہ اچھا لے لو تم چار پرندے، پھر ان کو اپنے پاس ہلا لو (صرھن صاد کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ یعنی اپنی طرف انکو ہلالو اور ان کے ٹکڑے کر کے گوشت پوست آپس میں ملالو) پھر ہر ایک پہاڑ پر رکھ (اپنی بستی کے پہاڑوں میں سے) ان کے ایک ایک حصہ کو پھر ان سب کو (اپنی طرف) بلاؤ تو دوڑے چلے آئیں گے وہ تمہارے پاس (جلدی سے) اور خوب یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (کہ کوئی چیز ان کو عاجز نہیں کر سکتی اور (اپنی صفت میں) حکمت والے بھی ہیں (چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے ایک مور اور کرگس اور کوا اور مرغ لئے اور ان کے ساتھ مذکورہ کاروائی کر کے ان کے سر اپنے پاس رکھ لئے اور ان جانوروں کو آواز دی تو ان کے اجزاء آپس میں اڑ اڑ کر مل گئے اور اپنے اپنے سروں سے آکر جڑ گئے)

تحقیق وترکیب: ....الم تر مفسرؒ نے اکلیل میں لکھا ہے کہ یہ آیت علم مناظرہ کی اصل ہے ان اتاہ ای حاج لاجلہ سکوا لہ یہ برعکس نہند نام زنگی کافور کے لحاظ سے ایسا ہے جیسے عربی محاورہ میں عادیتنی لانی احسنت الیک یعنی چونکہ میں نے تم پر حسان کیا ہے اس لئے تم مجھ سے عداوت کر رہے ہو۔

نمرود یہ نمرود بن کنعان یا ابن کوش ہے جس نے دنیا میں سے اول تاج سر پر رکھا اور ظلم وجور کو پھیلایا۔ اور ساری زمین کی بادشاہت اصل کر کے خدائی کا اعلان کیا۔ اس قسم کے جہاں گیر اور عالمگیر بادشاہ چار (۴) گذر چکے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ وذوالقرنین خدا کے دو

فرمانبردار، اور نمرود و بخت نصر دو کافر فبهت یہ ان افعال میں سے ہے کہ صورۃً مجہول اور معناً معروف ہوتے ہیں اسی لئے مفسرؒ کے خیر سے تفسیر کی ہے چنانچہ "الذی کفر" اس کا فاعل ہوگا نہ کہ نائب فاعل البهت الغلبه و المبهوت المغلوب اول دلیل حضرت ابراہیم نے ایسی پیش کی جس میں حقیقت ومجاز دونوں کا احتمال تھا چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حقیقی معنی اور نمرود نے مجازی معنی مراد لیئے، لیکن نمرود نے جب اس پر مجازاً نقض کرنا چاہا تو بقاعدۂ جدل حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسی دوسری دلیل کی طرف ہو گئے جس میں صرف حقیقی معنی تھے مجاز کا احتمال نہیں تھا۔ البتہ یہ احتمال تھا کہ وہ کہہ دیتا کہ مشرق سے آفتاب نکالنا میرا کام ہے اللہ اگر ہے تو اس سے مغرب سے نکلوا کر دکھلاؤ لیکن اس پر کچھ ایسی ہیبت چھائی اور اس کو ایسا سانپ سونگھ کیا کہ دیوار بولے تو وہ بولے۔

او رایت تقدیر رایت میں اشارہ ہے کہ یہ الم تر سابق پر معطوف ہے عطف جملہ علی الجملہ اور چونکہ لم نے تری کو معناً ماضی بنادیا ہے اس لئے تقدیر رایت نکالی ہے اور الذی حاج پر اس لئے عطف نہیں کیا کہ کاف پر الی کا داخل کرنا ممتنع ہے اور کالذی میں کاف اسمیہ بمعنی مثل ہے سلة پھلوں کی ٹوکری یا تھیلہ تین بمعنی انجیر عصیر بمعنی شیرۂ انگور عزیز عزیز بن شرحیا پیغمبر ہیں یا ارمیا ہیں جو خاندان ہارون سے ہیں یا خصر یا حزقیل مراد ہیں۔

علی عروشها یعنی اولاً چھتیں گریں پھر ان پر دیواریں گر گئیں۔ بخت نصر کا زمانہ حضرت عیسیٰ ویحییٰ علیہما السلام سے تقریباً چارسو (۴۰۰) سال پیشتر ہوا ہے یہ اسی وقت کا واقعہ ہے و البثه موت چونکہ آناً فاناً ہوتی ہے اس لئے تصحیح کی ضرورت پیش آئی کم لبثت کم ظرفیہ ہے ممیز محذوف ہے اور ناصب بثت ہے ای کم یوم او وقتا لم یستنه اس میں اگر ہا اصلی ہے تو یہ سنة سے ہے ہا کا اصلی ہونا اس کی تصغیر سنیه سے معلوم ہوتا ہے سانهت النخلة بولتے ہیں اور اگر ہائے سکتہ ہے تو سنة سے ماخوذ ہے جس کی اصل سنوۃ تھی۔ یہاں لازم معنی میں استعمال ہو رہا ہے کیونکہ تسنه اور تسنی بولتے ہیں یعنی سال گذر گئے اور اتنے زمانہ کے لئے تغیر لازم ہے۔

ولنجعلک کا عطف درست کرنے کیلئے مفسر نے فعلنا ذلک لتعلم مقدر مانا ہے ننشز اس کے حقیقی معنی نحر کھا و نرفعها کے بھی ہو سکتے ہیں اور مجاز انحییها کے معنی ہو سکتے ہیں اور ابن کثیرؒ ونافع وابی عمر و یعقوبؒ کی قرأت ننشز. بالراء انشر الله الموتی ای احیاه لیکن ثم نکسوها لحمًا الفاظ پہلی قرأت کے مؤید ہیں۔ کیونکہ احیاء اس کے بعد ہوتا ہے نہ کہ پہلے الا یہ کہ احیاء کے بعد بعض اجزاء کو بعض کے ساتھ جمع کر لئے جائیں تو دونوں قرأتوں کا مفہوم ایک ہی ہو سکتا ہے۔ انشر و انشز دونوں کے معنی ارتفاع کے ہیں۔ انشزته فنشزا ای رفعته فارتفع ونشز ایضًا بمعنی واحد ای الاحیاء نهق گدھے کی آواز کو کہتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک غیبی آواز بھی اس وقت سنی گئی کہ ایها العظام البالیة المتفرقة ان الله یامرک ان ینضم بعضک الی بعض کما کان لحمًا و جلدًا چنانچہ حمار اسی کے مطابق لباس زندگی سے آراستہ ہو گیا۔

قال اعلم یعنی پہلے علم الیقین کے درجہ میں اعتقاد تھا اور اب عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو گیا ہے حضرت عزیزؑ جس وقت دوبارہ زندہ ہو کر اٹھے تو سر اور داڑھی کے بال اسی طرح سیاہ تھے اور چالیس سالہ عمر کی منزل میں تھے۔ غرضیکہ تلاش کرتے کرتے اپنے مکان پر پہنچے تو زمانہ چونکہ بدل گیا تھا اس لئے لوگوں نے ان کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ ایک بڑھیا کھوسٹ جس نے عزیزؑ کا زمانہ کچھ پایا تھا انہوں نے اس سے تصدیق چاہی تو چونکہ آنکھوں سے معذور تھی اس لئے مکان کے بارہ میں تو تصدیق کر دی مگر خود عزیزؑ کو نہ پہچان سکی۔ اور کہنے لگی کہ عزیزؑ مستجاب الدعا تھے اگر تم واقعی وہی ہو تو میری آنکھوں کے لئے دعا کرو تا کہ میں دیکھ کر پہچان سکوں چنانچہ حضرت عزیزؑ نے اس کے لئے دعا بھی کی اور دست شفاعت آنکھوں پر پھیرا جس سے وہ بینا ہو گئی اور دیکھ کر پہچان لیا۔

بلٰی کے بعد امنت کی تقدیر اس لئے کی ہے کہ لکن لیطمئن قلبی کا اس پر ترتب ہو سکے لیطمئن ای لازداد ایمانا مع ایمانی یہاں بھی درخواست کا منشا وہی عین الیقین حاصل کرنا ہے اب یہ حضرت ابراہیمؑ کا حسن ادب اور فضل ومقبولیت عند اللہ ہے کہ فوراً

درخواست پوری کردی گئی اور حضرت عزیرؑ کی درخواست پورا ہونے پر سو سال لگے۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام ذکر کیا گیا۔ حضرت عزیرؑ کا نام نہیں لیا گیا بلکہ خود انہی پر امتحان کیا گیا۔

اربعة من الطير ان جانوروں کی تخصیص اور اس کے نام کسی حدیث سے ثابت نہیں البتہ علماء نے ذکر کئے ہیں چار پرندوں کا عدد اس طرف مشیر ہے کہ انسان بھی عناصر اربعہ کا مجموعہ ہے اور اس کے یہ بسائط جو درحقیقت الگ مرکبات ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور زندگی سے تعبیر ہیں لیکن۔ مرنے کے بعد الگ الگ اپنے حیز میں پہنچ جائیں گے لیکن قیامت کے روز پھر حکم الٰہی سے دوڑ دوڑ کر آئیں گے۔ اسی کی نظیر کا مشاہدہ یہاں کرایا گیا ہے اور پرند کی تخصیص اس لئے ہے کہ انسان سے یہ زیادہ قریب ہیں اور خواص حیوانی کے جامع ہیں۔ اور ان جانوروں کی تعیین میں یہ نکتہ ہے کہ مور میں عجب وخود بینی اور تکبر ہوتا ہے، کرگس میں کھانے پینے کی شہوت، مرغ میں شفقتی کی رغبت اور صولت کوے میں شدتِ حرص اور خستِ نفس اور کبوتر ہے تو اس میں ترفع اور سرعت الی الھویٰ ہوتی ہے۔

انسان کو چاہئے کہ ترقی کے درجات اور حیاتِ ابدی چاہے تو ان سب کو قربان کردے۔

ربط:.........پچھلی آیت میں نورِ ایمان اور ظلمتِ کفر کا ذکر ہوا تھا اسی کی نظیر میں تین واقعے نقل کئے جارہے ہیں جن میں ایک طرف حضرت ابراہیم وعزیر جیسے مؤمن ہیں دوسری طرف نمرود جیسا مردود ہے اور احکامِ جہاد سے بھی ان قصوں کو ایک گونہ مناسبت ہے۔ نیز **لا اکرہ فی الدین** سے بھی یہ مناسبت ہے کہ دعوت کی تاثیر وفتح مندی دکھلانے کے لئے حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ مناظرہ کیا گیا ہے وہ ایک ایسے ملک میں جہاں ان کا کوئی ساتھی نہ تھا اور ایک سرکش بادشاہ کے سامنے تنِ تنہا دعوتِ حق کا حربہ لے کر کھڑے ہوئے اور فتح مند ہوگئے۔

﴿تشریح﴾:.......**پہلا واقعہ**:.........حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ آج سے تین ہزار سال پیشتر کا زمانہ ہے جبکہ یکہ وتنہا شہر بابل میں ان کی خداپرستی اور نیکی وتقدس کی شہرت ہوئی تو نمرود جیسی بے پناہ طاقت کا سامناہ ہوا۔ پہلے زبانی مقابلہ ہوا جس میں اللہ کے خلیل نے اس حقیقت کا اظہار بھی ضمناً کر دکھایا کہ دعوتِ حق تلقین وہدایت کی راہ ہے جدل وخصومت کی راہ نہیں ہے اس لئے داعیٔ حق کا شیوہ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ وہ مخاطب کو دلیلوں کے الجھاؤں میں پھنسادے یا بات کی پیچ کرے اور کسی خاص دلیل پر اڑ کر اس کا ناطقہ بند کردے بلکہ اس کی اصل کوشش یہ ہونی چاہئے کہ کسی نہ کسی طرح سچائی کو مخاطب کے دل میں اتاردے۔ چنانچہ ایک دلیل سے کام نہ چلا تو انہوں نے فوراً دوسری دلیل پیش کردی نتیجہ یہ نکلا کہ تیر نشانہ پر لگ گیا اور انکار وسرکشی کا دم خم باقی نہیں رہا۔ اس زبانی شکست کے بعد دشمن نے اپنی طاقت وقوت کا مظاہرہ کیا یعنی ان کو ایک ہیبت ناک دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا لیکن حق کے مقابلہ میں اس کی قولی وفعلی دونوں دلیلیں بیکار کردی گئیں۔

دوسرا واقعہ:.........دوسرا واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ سو سال پیشتر ملک شام بمقام ایلیا میں پیش آیا۔ شاہ بابل بخت نصر نے یروشلم کو جلاکر خاکستر کردیا تھا اور بیت المقدس بالکل ویران اور تباہ کردیا گیا تھا اور یہودیوں کی قومیت پارہ پارہ کردی گئی تھی۔ ستر ہزار بنی اسرائیل کو گرفتار کرکے ستر سال قید وبند کی تکالیف میں رکھا تھا اس زمانہ میں ایک نبی حضرت عزیر علیہ السلام کا دل بستی کی اس ویرانی کو دیکھ کر بھر آیا اور نہایت حسرت آمیز لہجہ میں زبان سے نکلا کہ اس تباہی کے آبادکاری کی کیا صورت ہوگی؟ حق تعالیٰ نے اس کا جواب تو خود ان پر تجربہ کرکے دکھلادیا۔ جس میں طول زمانہ کا ایک اثر تو یہ ہوا کہ دیر تک رہنے والی چیز یعنی ان کی سواری میں درجہ تغیر ہوا کہ گوشت پوست نابود ہوکر سفید ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا اور دوسری طرف قدرت کی کرشمہ سازی یہ ہوئی کہ جلدی خراب ہونے اور سڑنے والی کھانے

پینے کی چیزوں میں "لم یتسنه" کہہ کر تغیر کی راہ روک دی گئی۔ تھرمامیٹر کی ایجاد نے بہت حد تک اس بات کا سمجھنا ہمارے لئے آسان کر دیا ہے۔

اس تاثیری تضاد کی گتھی کو قدرتِ بے پایاں ہی حاصل کر سکی تھی۔ غرضکہ اس عجوبۂ قدرت کے مشاہدہ کے ساتھ شہر کی آبادکاری کا یہ انتظام ہوا کہ اس طویل مدت میں بخت نصر مر گیا۔ اور ایرانی بادشاہوں کا دور دورہ ہوا وقت کے تین بڑے شہنشاہوں سائرس، دارا، ارتخششت کے دل انبیائے بنی اسرائیل عزیرؑ، یرمیاؑ، دانیالؑ کی دعوت سے مسخر ہو گئے اور اس طرح بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر و آبادکاری کا انتظام ہو گیا اور مردہ بستی کی دوبارہ زندگی کا سامان ہو گیا۔ غرضکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ سو سال پہلے کی یہ بات ہے جیسا کہ کتاب عزرا کتاب نحمیا سے بھی ثابت ہے۔

قال اعلم کا نعرۂ حق بے ساختہ جوان کی زبان سے نکلا یہ ان کی طبعی اور اضطراری کیفیت کا ترجمان ہے جیسے کسی عجیب وغریب کام کو دیکھ کر بے اختیار زبان سے **سبحان الله** یا **الله اکبر** نکل جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ پہلے متکلم کا یہ اعتقاد نہیں تھا یا اس خیال کا منکر تھا بلکہ اس بے ساختگی میں ایک اضطرابی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ دوسرے لوگوں نے جب اس کیفیت کا مشاہدہ نہیں کیا بلکہ تنہا نبی کو مشاہدہ کرایا گیا تو لوگوں کے لئے یہ واقعہ کس طرح نمونۂ قدرت بنے گا؟ جواب یہ ہے کہ قرائن خارجیہ سے لوگوں کو بطور علم ضروری کے ان کا صدق بیان معلوم ہو گیا ہوگا۔ جو اطمینان کے لئے کافی ہے جیسا کہ خود نبی کو اس قسم کے قرائن سے ایک زمانہ تک اپنا مردہ رہنا معلوم ہوا تھا۔

تیسرا واقعہ:............ تیسرا واقعہ بابل سے شام کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی ہجرت کا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے احیاء موتیٰ کی کیفیت کا مشاہدہ چاہا اور سوال میں عنوان ادب ملحوظ رکھا چنانچہ ان کو فوراً یہ تماشا دکھلا دیا گیا۔ روح المعانی میں حضرت حسنؓ کی روایت پیش کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واقعی طور پر اس حکم کا امتثال کیا۔ **ادعھن** سے مراد حقیقۃً پکارنا نہیں ہے جس کے لئے مخاطب کا ذی عقل ہونا ضروری ہو بلکہ تکوینی دعوت کے قبیل سے ہے۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے **لیطمئن قلبی** اور حضرت علیؓ کے اس کہنے کو **لو کشف لی الغطاء ما ازددت یقینا** حضرت علیؓ کی افضلیت کا شبہ نہیں کیا جائے۔ کیونکہ اولاً تو اس قول کا ثبوت ہی یقینی نہیں کہ جواب کی ضرورت پیش آئے دوسرے اگر یہ قول ثابت بھی ہو تو یہ ثابت نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایقان میں اس واقعہ سے اضافہ ہوا بلکہ ایک کیفیت خاص کا جماؤ ہو گیا۔ تیسرے اگر اضافہ کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو مرتبۂ نبوت کا یقین اور ہے اور مرتبۂ ولایت کا یقین اور نبوت و ولایت میں کمیت و کیفیت کے لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق ہے ولایت کے انتہائی اضافہ کا درجہ نبوت کے اصل یقین کے مرتبہ سے بھی بہت کم تر ہے۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصل یقین بھی حضرت علیؓ کے انتہائی مراتب پر یقین سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ حضرت خلیلؑ اس طمانیت صدیقیت کے نہ فاقد تھے اور نہ طالب۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے حضرت شمس تبریزؒ نے مولانا رومیؒ کی رکاب تھام کر دریافت کیا کہ ایک طرف آنحضرت ﷺ کے دعائیہ کلمات "**اللھم زدنی تحیراً فیک**" ہیں اور دوسری طرف بایزید بسطامیؒ ساری عمر اس مقامِ حریت میں متمکن رہے اس پر مولانا رومیؒ نے اسی قسم کی جوابی تقریر کی تو خواجہؒ چیخ مار کر ایک نعرۂ مستی لگاتے ہوئے جنگل کو نکل گئے اور خود مولانا پر اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ غلامِ شمس تبریز ہو گئے اور تمام علمی کروفر چھوڑ دیا۔

اعتراض وجواب:............ پہلے واقعہ پر پادری اعتراض کرتے ہیں کہ چونکہ تورات میں اس واقعہ کا تذکرہ نہیں ہے اس لئے قرآن کا بیان غلط ہے۔ حالانکہ تورات دس بارہ ورق کا ایک مختصر سا مجموعہ ہے اس کے عدم ذکر سے عدم وقوع کیسے لازم آ گیا؟ ہزاروں باتیں اس میں درج نہیں ہیں تو کیا سب کا انکار کیا جا سکتا ہے؟

اسی طرح تیسرے واقعہ کو بعض پادری اس لئے نہیں مانتے کہ دنیا میں مردے زندہ نہیں ہوا کرتے۔ حالانکہ یہ بات بائبل اور حضرت مسیح کے معجزانہ کارناموں کے اور کتاب حزقیل میں مندرجہ واقعات کا بالکل برخلاف ہے۔ بعض نیچری بھی اس کا انکار کرتے ہیں اور کیف تحی اللہ الموتی کو حقیقی معنی کی بجائے مجازی معنی پر محمول کرتے ہیں اور کالذی کی توجیہ کا نہ مر علی قریۃ سے کرتے ہیں۔ یعنی خواب میں یہ واقعہ دیکھا غرضکہ دونوں واقعوں میں حقیقت کی بجائے مجاز پر حمل کرتے ہوئے جیسا کہ پہلے واقعہ حزقیل کو فرضی اور عام مفسرین کی رائے کو غلط کہہ چکے ہیں حالانکہ اسی طرح ہر جگہ اگر مجازی جاری کیا جائے تو الفاظ سے بالکل ہی امن اٹھ جائے اور ہر لفظ میں یہ امکان واحتمال باقی رہے جو بالکل خلاف عقل ہے پھر آخر کوئی ضرورت بھی ہے غرضکہ استحالہ ان واقعات کا تسلیم نہیں اور خلاف عادت ہونا ناقابل تسلیم نہیں ہے۔ اذ قال ابراھیم سے معلوم ہوا کہ ضرورت دینی کے موقع پر مباحثہ تجرید وتفرید کے منافی نہیں ہے بالخصوص کامل کے لئے نیز مداہنت باطل ہے۔

مَثَلُ صِفَةُ نَفَقَاتِ **الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اَیْ طَاعَتِهٖ **كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ** ؕ فَكَذٰلِكَ نَفَقَاتُهُمْ تَتَضَاعَفُ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ **وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ** اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ **لِمَنْ يَّشَآءُ** ؕ **وَاللّٰهُ وَاسِعٌ** فَضْلَهٗ **عَلِيْمٌ** ﴿۲۶۱﴾ بِمَنْ يَسْتَحِقُّ الْمُضَاعَفَةَ **اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا** عَلَى الْمُنْفَقِ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِمْ مَثَلًا قَدْ اَحْسَنْتُ اِلَيْهِ وَجَبَرْتُ حَالَهٗ **وَّلَآ اَذًى** ۙ لَهٗ بِذِكْرِ ذٰلِكَ اِلٰى مَنْ لَا يُحِبُّ وُقُوْفَهٗ عَلَيْهِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ **لَّهُمْ اَجْرُهُمْ** ثَوَابُ اِنْفَاقِهِمْ **عِنْدَ رَبِّهِمْ** ۚ **وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** ﴿۲۶۲﴾ فِي الْاٰخِرَةِ **قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ** كَلَامٌ حَسَنٌ وَرَدٌّ عَلَى السَّائِلِ جَمِيْلٌ **وَّمَغْفِرَةٌ** لَهٗ فِيْ اِلْحَاحِهٖ **خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى** ؕ بِالْمَنِّ وَتَعْيِيْرٍ لَهٗ بِالسُّؤَالِ **وَاللّٰهُ غَنِيٌّ** عَنْ صَدَقَةِ الْعِبَادِ **حَلِيْمٌ** ﴿۲۶۳﴾ بِتَاخِيْرِ الْعُقُوْبَةِ عَنِ الْمَانِّ وَالْمُؤْذِيْ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ** اَیْ اُجُوْرَهَا **بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى** ۙ اِبْطَالًا **كَالَّذِيْ** اَیْ كَاِبْطَالِ نَفَقَةِ الَّذِيْ **يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ** مُرَائِيًا لَهُمْ **وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** ؕ وَهُوَ الْمُنَافِقُ **فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ** حَجَرٍ اَمْلَسَ **عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ** مَطَرٌ شَدِيْدٌ **فَتَرَكَهٗ صَلْدًا** ؕ صَلْبًا اَمْلَسَ لَا شَیْءَ عَلَيْهِ **لَا يَقْدِرُوْنَ** اِسْتِيْنَافٌ لِبَيَانِ مَثَلِ الْمُنَافِقِ الْمُنْفِقِ رِيَاءً وَجَمْعُ الضَّمِيْرِ بِاعْتِبَارِ مَعْنَى الَّذِيْ **عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا** ؕ عَمِلُوْا اَیْ لَا يَجِدُوْنَ لَهٗ ثَوَابًا فِي الْاٰخِرَةِ كَمَا لَا يُوْجَدُ عَلَى الصَّفْوَانِ شَیْءٌ مِنَ التُّرَابِ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ لِاِذْهَابِ الْمَطَرِ لَهٗ **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۲۶۴﴾.

ترجمہ: .... حالت (خرچ کرنے کی کیفیت) ان لوگوں کو جو اپنے اموال کو اللہ کی راہ (طاعت) میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے سات بالیں اُگ آئیں ہر بال میں سو (۱۰۰) دانے ہوں (یہی حال ان لوگوں کے انفاق کا ہے سات سو گنا اجر بڑھ سکتا ہے) اور اللہ تعالیٰ بڑھا سکتے ہیں (اس سے بھی زائد) جس کے لئے چاہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے

ہیں (اپنے فضل میں) اور واقف ہیں (کون اضافہ کا مستحق ہے) جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتلاتے ہیں (جس سے یہ سلوک کیا مثلاً یہ کہہ کر میں نے یہ احسان کیا اور اس کی ٹوٹی پھوٹی حالت درست کی اور نہ اذیت پہنچاتے ہیں اس سلوک کا تذکرہ ایسے شخص کے سامنے کر کے جس کے سامنے سائل اظہار پسند نہیں کرتا۔ اسی قسم کی اور کوئی صورت آزار ہو) ان کے لئے اجر (ان کے انفاق کا ثواب) ہے ان کے پروردگار کے پاس اور ان کو خطرہ نہیں ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے (قیامت کے روز) مناسب بات (کلام شریں اور سائل کو موزوں جواب) کہہ دینا اور درگذر کر دینا (اس کے حد سے زیادہ بڑھے ہوئی اصرار پر) بہتر ہے ایسی خیرات سے جس کے پیچھے تکلیف رسانی لگی ہوئی ہو (احسان جتلا کر یا مانگنے پر پھنکار کرکے) اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں (بندوں کی خیرات سے) اور بردبار ہیں (کہ احسان جتلانے والے موزی کو ڈھیل دے رکھی ہے) اے اہل ایمان تم برباد مت کرو اپنی خیرات کو (یعنی اس کے ثواب کو) احسان جتلا کر یا آزار پہنچا کر (برباد کرنا) اس شخص کی طرح (یعنی جیسے ضائع ہو گیا خرچ کرنا اس کا جو اپنا مال خرچ کرتا ہے ریاکاری کے طور پر لوگوں کو دکھلانے کے لئے اور اللہ اور یوم آخرت پر یقین نہیں رکھتا (یعنی منافق ہے) چنانچہ اس شخص کی حالت ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر (صاف پتھر) جس پر کچھ مٹی آ گئی ہو اور پھر موسلا دھار بارش اس پر پڑ جائے (جو نہایت زور کی ہو) کہ اس پتھر کو بالکل ہی صاف کر دے (ایسا صاف و چکنا کہ پھر اس پر کوئی چیز بھی باقی نہ رہے) ایسے لوگوں کو ہاتھ نہ لگے گی (یہ جملہ مستانفہ ہے ریاکار منافق منفق کی حالت کا اظہار ہے اور ضمیر جمع کا استعمال کرنا، الذی کی معنوی رعایت سے ہے) ذرا بھی اپنی کمائی (یعنی جس طرح چکنے پتھر پر بارش کی وجہ سے ذرا کسی چیز کا اثر باقی نہیں رہتا اسی طرح آخرت میں ان کے لئے ثواب کا کوئی نشان نہیں ملے گا) اور اللہ تعالیٰ کافروں کو راہ نہیں دکھلائیں گے)

تحقیق وترکیب.............. **مثل** کے بعد مفسر صفت کا اضافہ اس کے معنیٰ بیان کرنے کے لئے کر رہے ہیں اور **نفقات** کی تقدیر اس لئے ہے کہ **الذین ینفقون** کی تشبیہ حبۃ کے ساتھ صحیح ہو جائے کیونکہ منفقین جاندار اور حبۃ بے جان لیکن نفقات کو مشابہ بنانے میں کوئی اشکال نہیں ہے انبت۔ انبات کی اسناد حق تعالیٰ کی طرف نہیں کی بلکہ ظاہری سبب ہونے کی وجہ سے حبۃ کی طرف اسناد کر دی گئی ہے اور یہ تمثیل فرضی ہے محض انفاق کے اضافہ کو سمجھانے کے لئے اس کا واقعی اور نفس الامری ہونا ضروری نہیں ہے اگرچہ چھوٹے دانوں کے اناج میں بھی زمینوں کے لحاظ سے ایک ایک بال میں اتنی تعداد بھی ممکن ہے۔ سنبلات کی بجائے **سنابل** استعمال ایسا ہی ہے جیسے **اقراء** کی بجائے **قروء** کا استعمال ثم نفس انفاق اور **من و اذی** کے ترک میں فرق ظاہر کرنے کے لئے ہے یعنی صرف ترک **من و اذی** بھی انفاق سے بڑھا ہوا ہے۔

ما انفقوا ما مصدریہ ہے **لهم اجرهم** چونکہ مبتدا متضمن معنیٰ شرط کو نہیں ہے اس لئے فا نہیں لائی گئی جیسا کہ آگے **فلهم** میں اسی لئے فا داخل ہے۔ **حليم** اس میں دھمکی اور عذاب آخرت کی وعید ہے **فمثله** فا ماقبل کے ساتھ ربط کے لئے ہے اور یہ جملہ مبتداء خبر ہے۔ اس کی ضمیر منفق مرائی کی طرف لوٹے گی قریب ہونے کی وجہ سے یا منفق مان کی طرف راجع ہوگی۔ ثانی صورت میں گویا احسان رکھنے والے کو دو چیزوں سے تشبیہ دی جا رہی ہے ایک ریاکار منفق سے دوسرے چکنے پتھر سے۔ اور خطاب سے یہ غیبت کی طرف اور جمع سے مفرد کی طرف عدول ہوگا۔ **کمثل** میں کاف محل نصب میں ہے **علی العال ای لاتبطلوا صدقتكم مماثلين الذی ينفق**.

صفوان حجر املس ضد خشونت **لا يقدرون** میں **الذی** کی معنوی رعایت ہوئی اور **ينفق** میں لفظ کی رعایت کی گئی ہے یا باعتبار جنس یا فریق کے مفرد لایا گیا **لایهدی** دنیاوی لحاظ سے اگر ہدایت مراد لی جائے تو مخصوص منافقین مراد ہوں گے یا یہ مراد ہے کہ جب تک وہ اپنے کفر و نفاق پر جمے رہیں ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوگی اور آخرت کی رہنمائی مراد ہو تو کسی تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔

ربط: .... انفاق مالی کا ذکر ترغیب جہاد کے سلسلہ میں چل رہا تھا اسی کا اعادہ کیا جارہا ہے کہ جو ذات احیاء موتیٰ کے ان عظیم واقعات پر قادر ہو وہ انفاق کے اضعاف مضاعفہ کرنے پر کیوں قادر نہیں ہوگی الذین ینفقون سے انفاق صحیح کی شرائط کا بیان ہے اور ان کو تمثیل کے ذریعے سمجھایا جارہا ہے۔

شانِ نزول: .... حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیت الذین ینفقون نازل ہوئی جبکہ اول الذکر نے غزوۂ تبوک میں ہزار اونٹ غلہ سے بھرے ہوئے اور ثانی الذکر نے ہزار دینار کی پیش کش کی۔

﴿تشریح﴾: ...... خیرات کے درجات: .... دینی یا دنیاوی جماعتی یا شخصی کاموں میں روپیہ پیسہ کی جس درجہ قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے وہ بالکل ظاہر ہے مال کے عشق میں اور پیسے کی محبت میں اگر آدمی مرتا ہے تو وصیت، روزے، اکل حلال، حج، جہاد، نکاح، طلاق، یتیموں کی خبر گیری، عورت کے ساتھ حسنِ سلوک، رضاعت وغیرہ کے تمام احکام برباد ہوجاتے ہیں۔ کما حقہ ان احکام پر جب ہی عمل ہوسکتا ہے جبکہ اللہ کی راہ میں پیسہ خرچ کرنا آسان ہوجائے کسی نیک کام میں پیسہ خرچ کرنے کی تین ہی نیتیں ہوسکتی ہیں (۱) ادنیٰ درجہ کے اخلاص کے ساتھ الحسنة بعشرا مثالها کے لحاظ سے اس کو دس گنا ثواب عطا ہوگا۔ (۲) اوسط درجہ کے اخلاصِ نیت کے ساتھ اس آیت کی رو سے سات سو (۷۰۰) گنا اجر کا وعدہ ہے (۳) اعلیٰ درجہ کے اخلاص کے ساتھ واللہ یضاعف کی رو سے بے شمار اجر و ثواب کا مستحق ہے اخلاص کی کمی بیشی کے ساتھ مشقت کی کمی بیشی کا اثر بھی تناسب اجر پر پڑے گا۔

خیرات کے لئے گھن: .... علیٰ ہذا انفاق کو خراب کرنے والی چیزیں بھی تین ہیں۔ (۱) ریاکاری، (۲) دل آزاری، (۳) احسان سے زیر باری جہاں تک دکھاوے کی خیرات کا تعلق ہے وہ بالکل ہی اکارت چلی جاتی ہے کیونکہ جو شخص نیکی کو نیکی کے لئے نہیں بلکہ نام و نمود کے لئے کرتا ہے اور خدا کی جگہ انسانوں کی نگاہوں میں بڑائی چاہتا ہے وہ یقیناً خدا پر سچا یقین نہیں رکھتا۔ کسی کو احسان سے زیر بار کرنا چاہے قولاً ہو یا فعلاً اسی طرح آزار پہنچانا زبانی طعن و تشنیع سے ہو غلط برتاؤ سے بہر صورت برا ہے سائل اگر بدتمیز ہو کہ لپٹ ہو کر رہ جائے تو اپنی استطاعت کے ہوتے ہوئے حاجت مند کو نہ دینا یقیناً برا ہے البتہ اگر خود مسؤل عنہ بھی نادار ہو تو سائل کے اصرار پر تلخ و ترش جواب کی بجائے شیریں کلامی، خندہ پیشانی، سے پیش آنا یقیناً بہتر اور موجب اجر ہے جس کو خیر فرمایا گیا ہے غرضکہ خوش کلامی کے ساتھ تو نہ دینا بھی بہتر ہے، لیکن آزار رسانی کے ساتھ دینا بھی بدتر، حرام اور موجبِ گناہ ہے۔

ریاکاری کے صدقہ کی مثال: .... جو لوگ دکھاوے کے لئے دیتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے پہاڑ پر چٹان، جس پر مٹی کی معمولی سی تہہ جم گئی ہو اس جگہ جتنی بھی زیادہ بارش ہوگی اتنی ہی جلدی اور اتنی ہی زیادہ وہ جگہ صاف ہو کر رہ جائے گی کبھی بھی سرسبز نہیں ہوسکے گی۔ کیونکہ اس میں پانی سے فائدہ اٹھانے کی استعداد ہی نہیں ہے پانی جب برسے گا دھل دھلا کر صاف ہوجائے گی۔

معتزلہ پر رد: .... نصوص پر نظر کرنے سے یہ بات واضح ہے کہ جس طرح طاعات کے لئے کچھ شرائط صحت ہوتی ہیں جیسے نماز کے لئے طہارت وغیرہ شرائط یا تمام اعمال کی صحت و قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے اسی طرح کچھ شرائط بقاء صحت کے لئے بھی ہوتی ہیں مثلاً یہی ایمان کہ صحتِ اعمال کی طرح بقائے اعمال کے لئے بھی شرط ہے۔ اگر ایمان لانے کے بعد کوئی شخص کافر ہوجائے تب بھی اس کے سارے اعمال حبط و ضبط اور بالکل معدوم ہوجائیں گے یا نماز کے شفعہ میں پہلی رکعت کی بقاء کے لئے دوسری شرط ہے۔ بالکل ٹھیک یہی حال انفاق مالی کا ہے کہ علاوہ ایمان کے اخلاص تو اس کی شرط صحت ہے اور احسان نہ جتلانا یا ایذا رسانی کرنا دونوں شرائط بقا

ہیں چنانچہ ریاکار اور منافق کے صدقہ کو شرط صحت مفقو ہونے کی وجہ سے باطل اور مانّ اور موذی کے صدقہ کو شرط بقا نہ رہنے سے مبطل کہا گیا ہے اور چونکہ ریاء کا بطلان من واذی کے بطلان سے زیادہ ظاہر وواضح ہے اس لئے اول کو مشبہ بہ اور موخر الذکر کو مشبہ بنایا گیا ہے البتہ مشبہ بہ کے ساتھ نفاق وریاء کی دو قیدیں جو لگائی گئیں وہ محض مشبہ بہ کی تقویت کے لئے ہیں تاکہ من واذی سے نصرت دلانے میں مبالغہ ہو جائے۔ ورنہ تنہا ایک ایک امر بھی موجب بطلان ہے۔

اس کے بعد معتزلہ کا یہ شبہ صحیح نہیں ہے کہ تمام سیئات کفر کی طرح حابط طاعات ہوتے ہیں کیونکہ کسی خاص سیئہ کا کسی خاص طاعت کے لئے شرط بقاء کے منافی ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ ہر سیئہ ہر حسنہ کے لئے موجب حبط ہو جائے کیونکہ اول تو یہ باطل ہونا سیئہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شرط بقاء نہ پائے جانے کی وجہ سے ہے دوسرے معتزلہ کا دعویٰ بھی تمام سیئات کے متعلق عام ہے اس کی دلیل یہ خاص خاص اعمال نہیں بن سکتے۔

وَمَثَلُ نَفَقَاتِ **الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ** طَلَبَ **مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ** اَیْ تَحْقِيْقًا لِلثَّوَابِ عَلَيْهِ بِخِلَافِ الْمُنَافِقِيْنَ الَّذِيْنَ لَايَرْجُوْنَهُ لِاِنْكَارِهِمْ لَهُ وَمِنْ اِبْتِدَائِيَّةٌ **كَمَثَلِ جَنَّةٍ** بُسْتَانٍ **بِرَبْوَةٍ** بِضَمِّ الرَّآءِ وَفَتْحِهَا مَكَانٌ مُرْتَفِعٌ مُسْتَوٍ **اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ** اَعْطَتْ **اُكُلَهَا** بِضَمِّ الْكَافِ وَسُكُوْنِهَا ثَمَرَهَا **ضِعْفَيْنِ** مِثْلَیْ مَايُثْمِرُ غَيْرُهَا **فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ** مَطَرٌ خَفِيْفٌ يُصِيْبُهَا وَيَكْفِيْهَا لِاِرْتِفَاعِهَا اَلْمَعْنٰى تُثْمِرُ وَتَزْكُوْ كَثُرَ الْمَطَرُ اَمْ قَلَّ فَكَذٰلِكَ نَفَقَاتُ مَنْ ذُكِرَ تَزْكُوْ عِنْدَاللّٰهِ كَثُرَتْ اَمْ قَلَّتْ **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ**﴿۲۶۵﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ **اَيَوَدُّ** اَيُحِبُّ **اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ** بُسْتَانٌ **مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا** ثَمَرٌ **مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ** وَ قَدْ **اَصَابَهُ الْكِبَرُ** فَضَعُفَ عَنِ الْكَسْبِ **وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ** اَوْلَادٌ صِغَارٌ لَايَقْدِرُوْنَ عَلَيْهِ **فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ** رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ **فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ** فَفَقَدَهَا اَحْوَجَ مَاكَانَ اِلَيْهَا وَبَقِیَ هُوَ وَاَوْلَادُهٗ عَجَزَةً مُتَحَيِّرِيْنَ لَاحِيْلَةَ لَهُمْ وَهٰذَا تَمْثِيْلٌ لِنَفَقَةِ الْمُرَائِیْ وَالْمَانِّ فِیْ ذِهَابِهَا وَعَدَمِ نَفْعِهَا اَحْوَجَ مَايَكُوْنُ اِلَيْهَا فِی الْاٰخِرَةِ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْیِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ هُوَ لِرَجُلٍ عَمِلَ بِالطَّاعَاتِ ثُمَّ بُعِثَ لَهُ الشَّيْطَانُ فَعَمِلَ بِالْمَعَاصِیْ حَتّٰى اَغْرَقَ اَعْمَالَهٗ **كَذٰلِكَ** كَمَا بَيَّنَ مَاذُكِرَ **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ**﴿۲۶۶﴾ فَتَعْتَبِرُوْنَ۔

ترجمہ: .... اور حالت (خرچ کرنے کی) ان لوگوں کے مال کی جو خرچ کرتے ہیں اللہ کی رضا جوئی (تلاش رضا) کیلئے اور اس غرض سے کہ اپنے نفسوں میں پختگی پیدا کریں (یعنی اس پر ثواب محقق کرنے کے لئے بخلاف منافقین کے جن کو منکر ہونے کی وجہ سے امید ثواب نہیں ہے اور من ابتدائیہ ہے) مثل حالت ایک باغ کی ہے جو کسی ٹیلہ پر ہے (لفظ ربوۃ ضم راء اور فتح راء کے ساتھ ہے، اونچی اور سپاٹ جگہ) اس پر زور کی بارش پڑی ہو کہ وہ باغ لے آیا (اس نے دیدیا) ہو پھل (لفظ اکل ضم کاف اور سکون کاف کے ساتھ ہے بمعنی پھل) دوگنا (دوسرے باغ کے مقابلہ میں دو چند) اور اگر ایسی زور کی بارش نہ ہو تو ہلکی پھوار بھی اس کے لئے کافی ہو جائے (طل کے معنی ہلکی بارش کے ہیں جس کا ہونا بھی باغ کی بلندی کی وجہ سے کافی ہو جائے، حاصل یہ ہے کہ بارش کم ہو یا زیادہ باغ بہر

صورت پھل جاتا ہے یہی حال ان لوگوں کے نفقات کا ہے کم ہوں یا زیادہ عند اللہ موجب اضافۂ حسنات ہیں) اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں (چنانچہ تم کو جزا ملے گی) بھلا پسند (مرغوب) ہے تم میں سے کسی کو یہ بات کہ اس کا باغ ہو کھجوروں اور انگوروں جس کے نیچے چلتی ہوں نہریں، اس شخص کے یہاں اس باغ میں بھی ہر قسم کے میوے ہوں درآنحالیکہ اس شخص کا بڑھاپا آ گیا ہو (کہ کمانے کے قابل نہ رہا ہو) اور اس کے اہل وعیال بھی ہوں جن میں قوت نہیں ہے (چھوٹے بال بچے جن میں کمانے کی صلاحیت نہیں ہے کہ اس باغ پر ایک بگولہ آ جائے (تیز وتند لُو) کہ جس میں آگ ہو پھر وہ باغ بھسم ہو جائے (ایسی حالت میں ایسے باغ کا تباہ ہو جانا مالک کو کس قدر زیادہ محتاج بنا دے گا وہ اس کی اولاد حیران وپریشان رہ جائے، ان کے لئے کوئی بھی سہارا نہ رہ جائے۔ یہ ایک تمثیل ہے۔ ریاکار اور احسان جتلانے والے کے صدقہ کا آخرت میں باوجود ضروری ہونے کے بیکار اور ضائع ہو جانے کی اور استفہام نفی کے معنی میں ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ یہ تمثیل ایسے شخص کے لئے جو طاعات بجالاتا ہو لیکن شیطان کے غلبہ سے معاصی میں غرق ہو جائے) اسی طرح (جیسا کہ بیان ہو چکا) تمہارے سمجھانے کیلئے اللہ تعالیٰ نظائر بیان فرماتے رہتے ہیں تاکہ تم سوچا کرو (اور عبرت حاصل کرو)

تحقیق وترکیب: .... من انفسهم من ابتدائیہ یعنی یہ عقیدہ خود ان کے نفوس میں ہو یا بمعنی لازم ہو۔ فاتت مفعول اول محذوف ہے ای صاحبها اور ضعفین حال ہے اکل ماکول شئے مراد میوے۔ ضعفین ای ضعفا بعد ضعفٍ تثنیہ سے مقصود ہے تکثیر ہے یا دو چند یا چہار چند ہونا مراد ہے علی اختلاف الاقوال فطل مبتداء ہے، خبر محذوف ہے جیسا کہ مفسر نے یصیبها و یکفیها کہا ہے۔

ایود یہ دوسری تمثیل ہے مرائی اور مان کی مودت بمعنی محبت۔ لیکن مع تمنائے ملاقات کے۔ نخیل اسم جنس جمع ہے واحد نخلۃ ہے اعناب جمع عنبۃ کی انگور کو کہتے ہیں اہل عرب کے نزدیک دونوں قسم کے باغ نہایت قیمتی ہوتے تھے چہ جائیکہ کسی کے یہاں دونوں مجموعی ہوں بلکہ میووں کی اور اقسام بھی ہوں تو اس کی ثروت ومالداری کا کیا ٹھکانہ۔

فیها من کل الثمرات کے درمیان لفظ ثمر کا اس طرف اشارہ ہے کہ جار مجرور کا متعلق محذوف ہے اور وہ صفت ہے موصوف محذوف کی له متعلق ہے محذوف کے خبر ہے ثمر مقدر کی اور فیها متعلق ہے محذوف کے اور ضمیر خبر سے حال ہے۔

وقد اصابها مفسر علام نے تقدیر میں اشارہ کر دیا ہے کہ واؤ حالیہ ہے معنًا کیونکہ ان تکون کان مصدریہ اگرچہ اصاب ماضی پر داخل ہو سکتا ہے "عجبت من ان قام" لیکن مضارع منصوب چونکہ استقبال کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے ماضی کی صلاحیت قطعًا اس میں نہیں رہتی اس لئے اصاب کا عطف تکون پر درست نہ ہوتا۔ مفسر نے اس اشکال کو حل کرنے کے لئے اشارہ کیا کہ اصاب میں واو حالیہ ہے۔ تقدیر قد واؤ عاطفہ نہیں ہے ذریة ولد الرجل والنساء.

ربط: .... آیت گذشتہ میں صدقات مقبولہ کی مثال فمثله کمثل الخ سے بیان کی تھی اب آیت ومثل الذین میں صدقات مقبولہ کی مثال بیان فرماتے ہیں۔ نیز آیت ایود میں صدقات کے انوار وبرکات کی شرط کا بیان ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **صدق دلانہ صدقہ کی تمثیل:** .... یعنی جو لوگ اخلاص کے ساتھ خیرات کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بلند اور موزوں مقام پر باغ ہو کہ جب بارش ہو تو اس کی شادابی دگنی ہو جائے اور اگر زور سے پانی نہ برسے تو ہلکی پھوار بھی اسے شاداب کر سکے گی۔ اگر دل میں اخلاص ہے تو تھوڑی خیرات بھی برکت وفلاح کا موجب ہو سکتی ہے جس طرح بارش کی چند ہلکی بوندیں بھی ایک باغ کو شاداب کر سکتی ہیں۔ عالم مادی اور عالم معنوی کے احکام وقوانین دونوں یکساں ہیں جو بوؤ گے اور جس طرح

بوؤ گے ایسے ہی اور اسی طرح کا پھل پاؤ گے۔

حاصل "تثبیتا من انفسھم" کا یہ ہے کہ جس کام میں ابتداً نفس کو دشواری پیش آتی ہے اس کو بار بار کرنے سے ایک طرح کی عادت ہو جاتی ہے۔ اور وہ دشواری ایک درجہ میں رفع ہو جاتی ہے یہاں تک یہ عادت پھر طبیعت میں ایک ملکۂ راسخہ پیدا کر لیتی ہے جس سے دوسرے اعمال میں بھی ایک طرح کی سہولت اور آمادگی پیدا ہو جاتی ہے اور صفتِ مزاحمت مغلوب ہو کر ترغیب غالب آجاتی ہے جو حاصل ہے مجاہدہ کا بس آیت میں اسی کی ترغیب ہے کہ ہر نیک کام کرنے کے وقت نیت بھی رہنی چاہئے کہ اس سے رضائے الٰہی حاصل ہو اور دوسری طاعت کے لئے مشقت رفع ہو کر شوق و عمل کا راستہ ہموار ہو جائے تا کہ ان سے بھی مرضیات الٰہیہ حاصل ہو سکیں ان دونوں غرضوں کی ایک ہی غرض نکلتی ہے یعنی رضائے الٰہی کہ کام شروع میں بھی وہی مقصود ہو اور ثمرہ اور نتیجہ کے درجہ میں بھی اسی پر نظر رہے حالاً اور مآلاً وہی مقصد پیش نظر رہے۔

مراتب اخلاص: .... اور دو طرح کی بارش فرض کرنے میں اشارہ ہے فرق مراتب اخلاص کی طرف۔ صدقات تین طرح کے ہیں ایک وہ جن میں شرائطِ صحت و بقاء دونوں پائی جائیں جیسا کہ **کمثل حبة انبتت** اور **کمثل جنة بربوة** دو مثالوں کے ذیل میں گذر چکا ہے۔ دوسرے وہ کہ جن میں شرائطِ صحت ایمان واخلاص ہی نہ پائی جائیں انفراداً یا اجتماعاً **کمثل صفوان** میں اس کی تمثیل پیش کی گئی ہے۔ تیسری قسم صدقات کی وہ رہ گئی جس میں شرائطِ صحت تو ہوں مثلاً ایمان واخلاص مگر شرائطِ بقاء نہ پائی جائیں یعنی من واذی کا ترک آیت **ایود احدکم** میں اسی کی تمثیل یعنی تم میں کون ہے جو یہ پسند کرے کہ اپنی ساری عمر ایک باغ لگانے میں صرف کرے اور سمجھے کہ اس کی یہ محنت اور اس کا ثمرہ بڑھاپے میں کام آنے گا لیکن جب بڑھاپا آئے تو دیکھے کہ سارا باغ ویران ہو کر رہ گیا ہے یہی حال اس انسان کا ہے جو ساری عمر دکھاوے کی نیکیاں کرتا رہے اور سمجھتا رہے کہ یہ نیکیاں عاقبت میں کام آئیں گی لیکن جب عاقبت کا دن آئے تو دیکھے اس کی ساری محنت رائیگاں گئی۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس آیت کا مضمون انفاق وغیرہ انفاق تمام طاعات کے لئے عام ہے یعنی اعمال کی کچھ شرطیں انوار و برکات کے لحاظ سے بھی ہوتی ہے مثلاً ہر قسم کے معاصی اور سیئات سے پرہیز کرنا اگر کوئی شخص طاعات کے ساتھ برائیوں میں بھی منہمک و مشغول ہو جاتا تو اس سے دو طرح کے نقصان سامنے آتے ہیں۔ ایک تو خود اس طاعت کی جو حلاوت و بشاشت قلب میں پیدا ہوئی تھی وہ زائل ہونے لگتی ہے اور نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اس طاعت کے سب انوار و برکات سلب ہو جاتے ہیں۔ دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ دوسری طاعات کی توفیق بھی اس برائی کی شامت سے سلب کر لی جاتی ہے اور جو طاعات معمول بہا ہوتی ہیں ان میں کمی، سستی، ناغہ ہونے لگتی ہے اور آخرت میں جو ثمرات و فوائد ان پر مرتب ہوتے ہیں ان سے بالکلیہ حرمان ہو جاتا ہے پس اس آیت میں بھی معتزلہ کا اصطلاحی مشہور "حبط اعمال" مراد نہیں "تثبیتا من انفسھم" سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال سے مقصود جس طرح اجر و ثواب ہوتا ہے اصلاحِ نفس بھی مقصد ہو سکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا زَكُّوْا **مِنْ طَيِّبٰتِ** جِيَادِ **مَا كَسَبْتُمْ** مِنَ الْمَالِ **وَمِنْ** طَيِّبٰتِ **مَآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ** ۠ مِنَ الْحُبُوْبِ وَالثِّمَارِ **وَلَا تَيَمَّمُوا** تَقْصِدُوا **الْخَبِيْثَ** الرَّدِيَّ **مِنْهُ** اَيْ مِنَ الْمَذْكُوْرِ **تُنْفِقُوْنَ** فِي الزَّكٰوةِ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ تَيَمَّمُوْا **وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ** اَيِ الْخَبِيْثَ لَوْ اُعْطِيْتُمُوْهُ فِيْ حُقُوْقِكُمْ **اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ** ۭ بِالتَّسَاهُلِ وَغَضِّ الْبَصَرِ فَكَيْفَ تُؤَدُّوْنَ مِنْهُ حَقَّ اللّٰهِ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ** عَنْ نَفَقَاتِكُمْ

حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ مَحْمُوْدٌ عَلٰى كُلِّ حَالٍ **اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ** يُخَوِّفُكُمْ بِهٖ اِنْ تَصَدَّقْتُمْ فَتُمْسِكُوْا **وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ** اَلْبُخْلِ وَمَنْعِ الزَّكٰوةِ **وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ** عَلَى الْاِنْفَاقِ **مَّغْفِرَةً مِّنْهُ** لِذُنُوْبِكُمْ **وَفَضْلًا ۭ** رِزْقًا خَلَفًا مِنْهُ **وَاللّٰهُ وَاسِعٌ** فَضْلَهٗ **عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾** بِالْمُنْفِقِ **يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ** اَلْعِلْمَ النَّافِعَ الْمُؤَدِّيَ اِلَى الْعَمَلِ **مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ** لِمَصِيْرِهٖ اِلَى السَّعَادَةِ الْاَبَدِيَّةِ **وَمَا يَذَّكَّرُ** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ يَتَّعِظُ **اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾** اَصْحَابُ الْعُقُوْلِ **وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ** اَدَّيْتُمْ مِنْ زَكٰوةٍ اَوْ صَدَقَةٍ **اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ** فَوَفَّيْتُمْ بِهٖ **فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ** فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ **وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ** بِمَنْعِ الزَّكٰوةِ وَالنَّذْرِ اَوْ بِوَضْعِ الْاِنْفَاقِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ مِنْ مَعَاصِي اللّٰهِ **مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾** مَانِعِيْنَ لَهُمْ مِنْ عَذَابِهٖ **اِنْ تُبْدُوا** تُظْهِرُوْا **الصَّدَقٰتِ** اَيِ النَّوَافِلَ **فَنِعِمَّا هِيَ ۚ** اَيْ نِعْمَ شَيْءٌ اِبْدَاؤُهَا **وَاِنْ تُخْفُوْهَا** تُسِرُّوْهَا **وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ** مِنْ اِبْدَائِهَا وَاِيْتَائِهَا الْاَغْنِيَآءَ اَمَّا صَدَقَةُ الْفَرْضِ فَالْاَفْضَلُ اِظْهَارُهَا لِيُقْتَدٰى بِهٖ وَلِئَلَّا يُتَّهَمَ وَاِيْتَاؤُهَا الْفُقَرَاءَ مُتَعَيَّنٌ **وَيُكَفِّرُ** بِالْيَاءِ وَبِالنُّوْنِ مَجْزُوْمًا بِالْعَطْفِ عَلٰى مَحَلِّ فَهُوَ وَمَرْفُوْعًا عَلَى الْاِسْتِيْنَافِ **عَنْكُمْ مِّنْ** بَعْضِ **سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾** عَالِمٌ بِبَاطِنِهٖ كَظَاهِرِهٖ لَايَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهُ.

ترجمہ: .... اے اہل ایمان خرچ کرو (زکوٰۃ ادا کرو) اپنی کمائی (کے مال) میں سے بہترین چیز اور (عمدہ چیز) اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے (دانے اور پھل) اور نیت مت لے جایا کرو (ارادہ نہ کیا کرو) نکمی (ردی) چیز کی طرف کہ اس میں سے (مذکورہ ردی میں سے) تم خرچ کرنے لگو (زکوٰۃ میں یہ حال ہے ضمیر تیمموا سے) حالانکہ خود تم کبھی بھی اس کو لینے کے لئے آمادہ نہ ہو (ردی چیز اگر تمہارے حصہ میں لگادی جائے) ہاں مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اس میں (سرسری طور پر نظر انداز کرتے ہوئے پھر اللہ کا حق کس طرح اس سے ادا کرتے ہو) اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ (تمہارے نفقات کے) محتاج نہیں ہیں (ہر حال میں) تعریف کے لائق ہیں شیطان تم کو محتاجگی سے ڈراتا ہے (کہ اگر تم نے مال خیرات کردیا تو تم خود محتاج ہو جاؤ گے اس لئے خرچ سے باز رہو) اور تم کو مشورہ دیتا ہے بری باتوں (بخل کرنے اور زکوٰۃ روکنے) کا اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتے ہیں (انفاق پر) اپنی جانب سے (تمہارے گناہ) معاف کرنے کا اور زیادہ عطا کرنے کا (ایسے رزق کا جو صرف شدہ مال کے قائمقام ہو جائے گا) اور اللہ تعالیٰ (اپنے فضل میں) وسعت والے ہیں، خوب جاننے والے ہیں (منفق کو) دین کا فہم (علم نافع جو عمل کے باعث بن جائے) جس کو چاہتے ہیں عطا کر دیتے ہیں اور جس کو دولتِ حکمت مل جائے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی ہے (کیونکہ انجام اس کا دائمی سعادت ہے) اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں (یذکر دراصل یتذکر تھا تا کو ذال کیا اور ذال کو ذال میں ادغام کر دیا۔ بمعنی یتعظ) جو عقلمند (اصحاب دانش) ہیں اور تم لوگ جو کسی طرح کا خرچ کرتے ہو (زکوٰۃ یا صدقہ ادا کرتے ہو) یا کسی قسم کی نذر مانتے ہو (اور اس کو پورا بھی کردو) سو اللہ تعالیٰ کو یقیناً سب باتوں کی اطلاع ہے (چنانچہ اس کے مطابق تم کو جزا دیں گے) اور بے جا کام کرنے والوں کا (جو زکوٰۃ و نذر پورا کرنے سے روکتے ہیں یا معاصی میں بے محل انفاق کرتے ہوں) کوئی حمایتی نہیں ہوگا (جو اللہ کے عذاب سے ان کو بچالے) اگر تم ظاہر کرکے (کھلم

کھلا) صدقات (نافلہ) دوتو بہت اچھی بات ہے (یعنی اس کا اظہار بہترین چیز ہے) اور اگر چھپا کر (پوشیدہ طور) ادا کرو اور فقیروں کو دے دیا کرو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے (بہ نسبت اظہار کے اور مالدار لوگوں کو دینے کے البتہ فرض زکوٰۃ اس میں اظہار ہی افضل ہے۔ دووجہ سے تا کہ دوسرے تقلید کر سکیں اور خود یہ متہم نہ رہے) اور مصارف زکوٰۃ میں فقراء متعین ہیں (بمقابلہ اغنیاء) اور اللہ تعالیٰ دور فرمائیں گے (یکفر یا اور نون کے ساتھ مجزوم پڑھا گیا ہے فھو کے محل پر عطف کرتے ہوئے اور استیناف کے طور پر مرفوع ہے) تمہارے کچھ (بعض) گناہ بھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کی خوب خبر رکھتے ہیں (ظاہر کی طرح باطن سے بھی باخبر ہیں ان سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے)

تحقیق وترکیب:............ مما اخرجنا بحذف المضاف ای من طیبات ما اخرجنا اور اخرجنا کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ اس میں تفاوت زیادہ ہوتا ہے من الحبوب اشارہ اس طرف ہے کہ اموال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے۔ تنفقون حال مقدرہ ہے ای مقدرین النفقة اس کا تعلق منہ سے بھی ہوسکتا ہے اور نہی سے بھی ان تغمضوا بحذف الجار ہے ای بان تغمضوا اور ابوالبقاء کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ ان اور اس کا ماتحت منصوب علی الحال ہوں اور عامل لفظ اخذیہ ہو اور مستثنیٰ منہ بھی محذوف ہے ای فی وقت من الاوقات اغماض سے استعارہ کیا گیا ہے تغافل اور تساہل کی طرف یعد کم وعدہ کا اطلاق خیر وشر دونوں پر ہوتا ہے چنانچہ بولتے ہیں وعدہ خیراً وشراً لیکن اگر خیر وشر مفعول محذوف ہوں تو پھر وعدہ کا اطلاق خیر پر اور وعید اور ایعاد کا اطلاق شر پر ہوتا ہے۔

فتمسکوا مفسر علامؒ اگر اس کو مجزوم نہ کرتے بلکہ ثبوت نون کے ساتھ رکھتے تو اس کا "یعد کم الفقر" کا مسبب بننا اور زیادہ واضح ہوتا۔ الفحشاء قرآن کریم میں یہ لفظ جہاں بھی آیا ہے زنا کے معنی میں آیا ہے بجز اس جگہ کے کہ یہاں بخل کے معنی میں ہے خلفا منہ یعنی منجاب اللہ ثمرہ عطا ہوگا یا زکوٰۃ میں صرف شدہ مال کا جبر نقصان کر دیا جائے گا۔

من یوت الحکمة حکمت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں سدی نے نبوت کے معنی لئے ہیں اور ابن عباسؓ معرفت قرآن کے وسیع معنی لیتے ہیں۔ قتادہؒ اور مجاہدؒ حکمۃ کے معنی فہم قرآن کے لیتے ہیں مجاہدؒ قول وعمل کی درستگی کے معنی لیتے ہیں۔ ابن زیدؒ فقہ فی الدین کے معنی لیتے ہیں، مالک بن انسؒ کی رائے ہے کہ دین کی معرفۃ وتفقہ اور اتباع مراد ہے۔ ابن قاسم کی روایت ہے کہ تفکر فی امر اللہ، اتباع، فقہ فی الدین طاعۃ اللہ کے معنی ہیں۔ جامع تفسیر اتقان علم وعمل کے ساتھ ہوسکتی ہے۔ جلال محققؒ نے علم نافع کے ساتھ حکمۃ کی تفسیر کر کے تمام علوم نافعہ حتیٰ کہ علم منطق کی تعمیم کی طرف اشارہ کر دیا ہے بشرطیکہ کتاب وسنت کی ممارست اور حسن عقیدت حاصل ہو اسی لئے عراقی نے منطق کو معیار العلوم شمار کیا ہے مفعول اول یوت کا مؤخر کیا گیا اور مفعول ثانی کو اہتمام کی وجہ سے مقدم لایا گیا ہے اور مبنی للمفعول بھی اس صیغہ کو اسی لئے استعمال کیا گیا ہے کہ مفعول مقصود ہے۔

فنذرتم نذر کہتے ہیں ایسے فعل کا لازم کر لینا جس کی نظیر شروع میں موجود ہو۔ چنانچہ اگر تنہا سجدہ کرنے کی کسی نے نذر مانی ہو تو بجز سجدۂ تلاوت کے امام صاحب اور صاحبینؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور ما انفقتم مبتداء ہے اور من اس کا بیان ہے فان اللہ الخ اس کی خبر ہے بمعنی یجازیکم علیه فوفیتم اس میں اشارہ ہے عطف اور معطوف کے حذف کی طرف۔ کیونکہ نفس نذر پر مجازات مرتب نہیں ہوتی بلکہ ایفائے نذر پر مرتب ہوتی ہے یعلمه کی تفسیر فیجازیکم سے کر کے جملہ تہدیدیہ ہونے کی طرف اشارہ ہے اور ضمیر مفعول کا مفرد لانا اس لئے ہے کہ مرجع میں انفاق ونذر کا عطف او کے ذریعہ سے ہو رہا ہے۔

صدقات اکثر مفسرین اس کو زکوٰۃ فرض پر اور وان تخفوھا کو نفلی صدقات پر محمول کرتے ہیں۔ لیکن مفسر علامؒ کے قول کی توجیہ بھی ممکن ہے فالافضل سے آیت کو صرف نفل پر محمول کرنے کا اعتذار کر رہے ہیں کیونکہ اگر عموم مراد ہو تو صدقۂ فرض کی نسبت وان

تخفوھا کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ فنعما ھی. ھی مخصوص بالمدح ہے، بحذف المضاف تاکہ شرط وجزاء میں ارتباط عمدہ ہو جائے۔ فھو خیر لکم کی تذکیر بھی اس پر دلالت کرتی ہے ای اخفاء ھا صدقہ کے اظہار واخفاء میں فقراء کی تصریح اخفاء کے ساتھ تو کی لیکن ابداء کے ساتھ نہیں کی کیونکہ فقراء پر اغنیاء کی ترجیح کا حالت اخفاء میں زیادہ احتمال تھا۔ اسی طرح دوست اور ملاقاتیوں کی ترجیح بدون تفتیشِ حال زیادہ امکان تھا برخلاف ابداء کے وہاں لوگوں کی ملامت کے ڈر سے خود ہی محتاط رہے گا۔

من سیئاتکم. من تبعیضیہ ہے کیونکہ توبہ تو تمام گناہوں کے لئے مکفر ہوتی ہے لیکن صدقہ تمام سیئات کے لئے نہیں بلکہ بعض گناہوں کے لئے کفارہ ہوسکتا ہے بماتعملون خبیر ای سرّ او جھر اً نہ ہر سِرّ اخلاص پر اور نہ ہر جہر ریا پر دلالت کرتا ہے۔

ربط:............ پچھلی آیات میں آداب انفاق کا ذکر تھا کہ نیت انفاق درست اور صحیح رکھنی چاہئے اس آیت یا ایھا الذین الخ میں منجملہ آداب کے خود منفق کے بارہ میں اخلاص پیش نظر رکھنا چاہئے خراب وردی چیز دینا آداب نفقہ واخلاص کے منافی ہے۔ آیت الشیطٰن اغوائے شیطان سے بچانے کی تلقین وہدایت کرتی ہے آیت وما انفقتم میں شرائط انفاق کی نگہداشت اور حفاظت کی تاکید کرتی ہے اس کے بعد آیت ان تبدوا الخ سے اس کا معیار بتلاتا ہے کہ خیرات میں اظہار بہتر ہے یا اخفاء افضل ہے۔

شانِ نزول:............ لباب النقول میں براءؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ انصار باغات رکھتے تھے اور معمولی ردی کھجوریں بعض لوگ بے رغبتی کے ساتھ لٹکا دیا کرتے تھے اس پر آیت یا ایھا الذین الخ نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:............ عمدہ چیز کی بجائے نکمی چیز کا صدقہ: .... شانِ نزول پر نظر کرتے ہوئے طیبات کی تفسیر عمدہ کے ساتھ مناسب معلوم ہوتی ہے بعض علماء نے طیبات کی تفسیر حلال کے ساتھ کی ہے کیونکہ اصل عمدگی تو حلال ہی میں ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جس کے پاس عمدہ چیز ہو اس کے ہوتے ہوئے اللہ کی راہ میں خراب اور نکمی چیزیں دینا بے کار اور ردی چیزوں کو خیرات کے نام سے محتاجوں کو دینا اور پھر یہ سمجھنا کہ تم نے ثواب کما لیا کہاں تک درست ہے؟ اگر تمہیں کوئی ایسی چیز دیدے تو کیا تم اسے پسند کرو گے؟ پھر اگر اپنے لئے نکمی چیز لینا پسند نہیں کرتے تو اپنے محتاج بھائیوں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو؟ دوسروں کے ساتھ وہی کرو جو تم چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ کیا جائے بالخصوص جب کہ مہدیٰ لہٗ حق تعالیٰ کی غنی اور بے نیاز ذات ہو کہ ہدیہ کی ظاہری، باطنی، اندرونی، بیرونی کمیت وکیفیت میں مہدیٰ لہٗ، کی حیثیت وعظمت پیش نظر رہنی چاہئے ہاں اگر کسی کو اچھی اور بہترین چیز ہی میسر اور مہیا نہ ہو تو اس کے لئے حسب حیثیت بُری چیز کی خیرات بھی جائز اور باعث ثواب ہے وہ اس ممانعت سے بری اور مستثنیٰ ہے۔

مَا کسبتم سے مالِ تجارت میں زکوٰۃ کی فرضیت مما اخرجنا سے عشری زمین میں عشر کا وجوب علماء نے مستنبط کیا ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک عشر صرف مزارع پر ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک مالک اور مزارع دونوں پر ہے، دونوں کا مستنبط لفظ لکم ہے۔ ایک کے نزدیک ایک قسم اور دوسرے کے نزدیک دونوں کا مجموعہ، غرضیکہ یہ آیت انفاق واجب کے باب میں ہے۔ زکوٰۃ کی فرضیت ۳ھ میں ہوئی اور اسی سنہ میں شراب حرام ہوئی اور غزوۂ اُحد ہوا۔

خیر خیرات اور شیطانی تخیلات: .... شیطان کے ڈرنے سے مراد اوراز کار اوہام اور تخیلات فاسدہ میں مبتلا کرنا ہے کہ میں خرچ کروں گا تو ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی گنجائش ہونے پر قبل از مرگ اس واویلا کا اعتبار نہیں اور ایسے اوہام کے جال میں غلط وپیچاں رہنا شیطانی وسوسہ سے ہے ہاں اگر گنجائش نہ ہو بلکہ اسباب محتاجگی موجود ہوں تو شریعت خود ایسے شخص کو نفلی صدقات،

تطوعات، تبرعات سے روکتی ہے اور نہ ایسی صورت میں خرچ نہ کرنے کو بخل کہا جا سکتا ہے۔ اور دین کی فہم اس لئے سب سے بڑی دولت ہے کہ اسی سے عقائد کی درستگی ہوتی ہے اور اس سے اعمال کی اصلاح وتوفیق ہوتی ہے اور یہی دونوں باتیں کنجیاں ہیں سعادتِ دارین کی۔ انسان میں ایسی سمجھ بوجھ کا پیدا ہو جانا کہ دنیا کے محض ظاہری اور نمائشی فائدوں میں پھنس کر نہ رہ جائے بلکہ حقیقی نفع نقصان کو سمجھ سکے اور اچھائی اور برائی کی راہوں کا شناسا ہو جائے یہ قرآنی حکمت ہے اور جسے حکمت مل گئی اس نے زندگی کی بہت بڑی برکت پالی۔

ما انفقتم کی عموم میں سب طرح کے خرچ آ گئے خواہ ان میں تمام شرائط وبقاء کی رعایت کی گئی ہو یا بعض شرائط کی رعایت ملحوظ ہو یا بالکل شرائط موجود نہ ہوں۔ علی ہذا نذر میں بھی اسی طرح کا عموم ہوگا۔ عباداتِ مالیہ کی نذر ہو یا بدنیہ کی نذر ہو، نذر مطلق ہو یا کسی امر پر معلق ہو ادا کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو سب کو علم الٰہی میں داخل کر کے ترتیب وترغیب مقصود ہے کہ جس قدر احکام کی رعایت رکھو گے مستحق اجر وثواب ہو گے۔ ورنہ باعث ملامت وعتاب۔ **ظالمین** سے وہی لوگ مراد ہیں جو شرائطِ ضروریہ اور احکام کی مخالفت کرتے رہتے ہیں اور ان کو صریح وعید سنا دی ہے۔

علانیہ صدقہ بہتر ہے یا مخفی خیرات:......... صدقات کے علانیہ یا مخفی طریقہ کی افضلیت کے باب میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض کی رائے یہ ہے کہ مزکی اگر مشہور مالدار ہو تو ادائے زکوٰۃ علانیہ افضل ہے اور مالدار ہو مگر مشہور نہ ہو زکوٰۃ میں بھی اخفاء ہی بہتر ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ نفلی صدقات میں علانیہ کے مقابلہ میں اخفاء ستر (۷۰) درجہ افضل ہے اور واجبات وفرائض میں بہ نسبت اخفاء کے اظہار پچیس (۲۵) گنا بڑھا ہوا ہے۔ لیکن راجح قول حسن بصری کا معلوم ہوتا ہے کہ نفلی اور فرضی تمام صدقات میں سب پہلوؤں پر نظر کرتے ہوئے اخفاء ہی افضل ہے۔ دینے والے کی مصلحت اس میں ہے کہ وہ ریاء سے محفوظ رہتا ہے اور لینے والے کی مصلحت کی رعایت یہ ہے کہ ندامت سے محفوظ رہتا ہے۔ دنیاوی مصلحت یہ ہے کہ عام لوگوں کو اس کے مال کے اندازہ اور تخمینہ کا موقع نہیں ملتا اور اس کا مال محفوظ رہتا ہے اور دینی مصلحت ظاہر ہے اور اخفاء کی فضیلت فی نفسہ ہے اس لئے کسی موقع پر رفع تہمت، یا امید تقلید وغیرہ مصالح کی وجہ سے اگر اظہار کو ترجیح ہو جائے تو یہ عارضی فضیلت اصل فضیلت کے منافی نہیں ہوگی۔

اور گناہوں کا کفارہ بننا اخفاء صدقہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ علانیہ صدقہ بھی مکفر سیئات ہوتا ہے لیکن تخصیص ذکری شاید اس نکتہ اور مصلحت کی وجہ سے ہو کہ علانیہ صدقہ سے تو کسی درجہ میں سرور نفس بھی حاصل ہو جاتا ہے اور اخفاء کی صورت میں تو کوئی ظاہری فائدہ چونکہ نظر نہیں آتا اس لئے منقبض ہوتا ہے مگر جب یہ فائدہ عظیم بتلا دیا گیا ہے تو اپنی نظر اسی پر مرتکز رکھے گا۔

واللہ بما تعملون خبیر میں بھی اسی مضمون کی تاکید وترغیب ہے کہ اللہ کو تمہارے اس عمل کی خبر ہے کسی دوسرے کو اطلاع نہ ہونے سے پھر انقباض کیوں ہو اور ایسی طاعات سے صرف صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ کبیرہ گناہوں کے لئے آداب وشرائط کے ساتھ توبہ کرنا یا اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم معافی کے لئے کافی ہو سکتا ہے اور حقوق العباد ہوں تو معافی یا ابراء درکار ہوگا۔

انفقوا میں جس طرح بخل کا علاج عملی بتلایا گیا تھا **الشیطٰن یعدکم** میں علمی علاج بتایا جا رہا ہے **ان تبدوا الصدقٰت الخ** سے معلوم ہوا کہ عمل کا اعلان واخفاء دونوں اختیاری اور مساوی ہیں اظہار یا اخفاء کا خواہ مخواہ تکلف وخود عمل خیر سے مانع اور حاجب نہ بنایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ دل میں اخلاص ہونا چاہئے اور اپنی جانب سے دکھاوے اور نمائش کی کوشش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ افضل اخفاء ہی ہے۔

وَلَمَّا مَنَعَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ التَّصَدُّقِ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ لِیُسْلِمُوْ اُنْزِلَ **لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰىهُمْ** اَیِ النَّاسِ اِلَی الدُّخُوْلِ فِی الْاِسْلَامِ اِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلَاغُ **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ** هِدَایَتَهٗ اِلَی الدُّخُوْلِ فِیْهِ **وَمَاتُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ** مَالٍ **فَلِاَنْفُسِكُمْ** لِاَنَّ ثَوَابَهٗ لَهَا **وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ** اَیْ ثَوَابَهٗ لَاغَیْرَهٗ مِنْ اَغْرَاضِ الدُّنْیَا خَبَرٌ بِمَعْنَی النَّهْیِ **وَمَاتُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْكُمْ** جَزَاؤُهٗ **وَاَنْتُمْ لَاتُظْلَمُوْنَ﴿۲۷۲﴾** تُنْقَصُوْنَ مِنْهُ شَیْئًا وَالْجُمْلَتَانِ تَاکِیْدٌ لِلْاُوْلٰی **لِلْفُقَرَآءِ** خَبَرُ مُبْتَدَاٍ مَحْذُوْفٍ اَیِ الصَّدَقَاتُ **الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** اَیْ حَبَسُوْا اَنْفُسَهُمْ عَلَی الْجِهَادِ وَنَزَلَتْ فِیْ اَهْلِ الصُّفَّةِ وَهُمْ اَرْبَعُمِائَةٍ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ اَرْصَدُوْا لِتَعْلِیْمِ الْقُرْاٰنِ وَالْخُرُوْجِ مَعَ السَّرَایَا **لَایَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا** سَفَرًا **فِی الْاَرْضِ** لِلتِّجَارَةِ وَالْمَعَاشِ لِشُغْلِهِمْ عَنْهُ بِالْجِهَادِ **یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ** بِحَالِهِمْ **اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ** اَیْ لِتَعَفُّفِهِمْ عَنِ السُّؤَالِ وَتَرْکِهٖ **تَعْرِفُهُمْ** یَا مُخَاطَبًا **بِسِیْمٰهُمْ** عَلَامَتِهِمْ مِنَ التَّوَاضُعِ وَاَثَرِ الْجُهْدِ **لَایَسْئَلُوْنَ النَّاسَ** شَیْئًا فَیُلْحِفُوْنَ **اِلْحَافًا** اَیْ لَا سُؤَالَ لَهُمْ اَصْلًا فَلَایَقَعُ مِنْهُمْ اِلْحَافٌ وَهُوَ الْاِلْحَاحُ **وَمَاتُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ﴿۲۷۳﴾** فَیُجَازِیْکُمْ عَلَیْهِ **اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ﴿۲۷۴﴾**

ترجمہ:......... (آنحضرت ﷺ نے مشرکین پر صحابہؓ کو صدقہ کرنے سے جب اس غرض سے روکا کہ شاید اس طرح مسلمان ہوجائیں تو یہ آیت نازل ہوئی) آپؐ کے ذمہ نہیں ہے ہدایت پر لے آنا ان (لوگوں) کو (داخلِ اسلام کرنے کے لیئے۔ آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے) اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کی (ہدایت) چاہیں ہدایت پر لے آتے ہیں اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو بہتر چیز (مال) وہ اپنے فائدہ کے لئے خرچ کرتے ہو (کیونکہ اس کا ثواب تم کو ہی ملے گا) اور تم کسی اور غرض سے سے خرچ نہیں کرتے بجز طلب رضائے الٰہی کے (یعنی بجز ثواب کے اور کوئی دنیاوی غرض نہیں ہے لفظاً خبر اور معناً نہی ہے) اور جو کچھ مال خرچ کر رہے ہو یہ سب پورا کا پورا (ثواب) تم کو مل جائے گا اور تمہارے لئے اس میں ذرا کمی نہیں کی جائے گی کہ کچھ اس میں گھٹا دیا جائے۔ یہ دونوں جملے پہلے جملہ کی تاکید ہیں) اصل حق ان محتاجوں کا ہے (یہ خبر ہے مبتدائے محذوف کی یعنی صدقات) جو گھر گئے ہوں اللہ کی راہ میں (یعنی پابند کرلیا ہو خود کو جہاد کا۔ یہ آیت اہلِ صفہ کے بارہ میں نازل ہوئی جو چار سو مہاجرین تھے جو تعلیم قرآن اور جہادی مہم کے لئے وقف رہتے تھے) ان میں یہ طاقت نہیں کہ چل پھر سکیں (سفر کرسکیں) کہیں ملک میں (تجارت ومعیشت کے لئے جہادی مشغولیت کی وجہ سے) خیال کرتا ہے (ان کے حال سے) ناواقف ان کو تونگر مانگنے سے بچنے کی وجہ سے (یعنی ان کے سوال سے بچنے اور ترک کرنے کی وجہ سے) تم ان کی حالت جان سکتے ہو (اے مخاطب) ان کے چہرے دیکھ کر (انکساری، اثر ضعف کی علامت سے) لوگوں سے وہ سوال نہیں کرتے پھرتے (کسی چیز کا لیچڑ ہوکر) لپٹ کر (یعنی بالکل سوال ہی نہیں کرتے تو پیچھے پڑنے کی نوبت کہاں آئے کہ وہ لپٹتے پھریں) اور جو کچھ مال تم خرچ کروگے بلاشبہ حق تعالیٰ کو خوب طرح اس کی اطلاع ہے (وہ اس پر بدلہ مرحمت فرمائیں گے) جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنا مال رات دن میں پوشیدہ اور علانیہ، سوان کو اس کا ثواب ملے گا پروردگار کے حضور میں ان کے لئے نہ تو کسی طرح ڈر ہوگا اور نہ غم۔

تحقیق وترکیب:............ من خیر کافر پر صدقاتِ نافلہ خرچ کرنا جائز ہے۔ خبر بمعنی النھی مراد لا تنفقوا کے معنی میں ہے اس وقت اس کے معطوف وماتنفقوا میں بھی تاویل کرنی پڑے گی ورنہ عطف انشاء علی الاخبار لازم آجائے گی ای انفقوا ماینفع لانفسکم. والجملتان یعنی وماتنفقوا من خیر یوف الیکم اور وانتم لا تظلمون اور اول جملہ سے مراد وماتنفقوا من خیر فلانفسکم ہے للفقراء یہ جواب ہے سوال محذوف کا ای قالوا لمن الصدقات گویا مصارف صدقہ بتلائے گئے۔
الصفہ ابن عکرمہ فرماتے ہیں کہ مسجد کے چبوترہ کے مقابل شمالی جانب میں ایک چبوترہ تھا۔ علامہ صاویؒ کی رائے ہے کہ مسجد نبوی کے پیچھے ایک مقام ہے بہر حال مسجد کی توسیع اور ترمیم کی وجہ سے جہتیں بدلتی رہتی ہیں یہ حضرات چار سو سے کم وبیش ہوتے رہتے تھے۔
السرایا سریہ کہتے ہیں وہ جہادی دستہ جو آپ روانہ فرمائیں مگر خود بنفس نفیس شریک نہ ہوں۔ من التعفف جار مجرور متعلق ہے یحسبھم سے اغنیاء سے متعلق نہیں ہے ورنہ بے معنی عبارت ہوجائے گی۔ چونکہ مفعول لہٗ کے نصب کی شرط یعنی اتحاد فاعل موجود نہیں ہے اس لئے حرف تعلیل سے مجرور کرنا ضروری ہے کیونکہ حسبان کا فاعل جاہل ہے اور تعفف کا فاعل فقراء ہے لاسوال لھم یعنی بظاہر نفی قید الحاف کی معلوم ہورہی تھی جس سے سوال بغیر الحاف معلوم ہورہا تھا حالانکہ یحسبھم الجاھل اغنیاء کے منافی ہے اس لئے جلال محققؒ نے مقید اور قید دونوں کی نفی کردی جیسے لاحب یھتدی بمنارہ یعنی نہ منار ہے اور نہ ابتداء ہے۔ باللیل با معنی فی ہے۔
سرا وعلانیۃ یہ مصدر ہیں ای انفاقا سرا وعلانیہ اور سراً کو مقدم کرنے میں اخفاء کی اولویت کو ظاہر کرنا ہے۔

ربط:............ آیت لیس علیک الخ میں یہ بتلانا ہے کہ خیر خیرات میں کچھ مسلمانوں ہی کی تخصیص نہیں ہے کافر بھی اگر حاجت مند ہوں تو ان کے ساتھ سلوک کرنے میں بھی گریز نہ کرو بشرطیکہ وہ مسلمانوں کو ضرر پہنچانے پر آمادہ نہ رہتے ہوں۔ یہ تو ضرورت کا بیان تھا۔ لیکن اصل مستحقین خیر خیرات کے وہ لوگ ہیں جن میں خاص صفات ہوں جن کا بیان آیت للفقراء میں کیا جارہا ہے حتی الامکان اپنی طرف سے ان احوال کی تفتیش کر کے دینا چاہئے اور ویسے بلا تفتیش کسی کا حاجت مند ہونا معلوم ہوجائے تو یہ اس کے معارض بھی نہیں ہے اسی طرح آیت الذین ینفقون الخ میں زماناً انفاق کی تعمیم کرنی ہے کہ جب اور جس حال میں بھی موقع مل جائے خرچ کرنے سے نہ چوکو۔

شانِ نزول:............ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ بجز مسلمانوں کے دوسروں پر صدقات خرچ کرنے کی ممانعت فرمایا کرتے تھے۔ اور ابن جریرؒ نے تخریج کی ہے کہ بعض انصار صحابہ غیر مسلموں کو صدقات اس لئے نہیں دیتے تھے کہ وہ اس طرز عمل سے شاید مسلمان ہوجائیں۔ ابن ابی شیبہؒ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد تھا لا تصدقوا الا علی اھل دینکم اس پر آیت لیس علیکم ھداھم نازل ہوئی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تصدقوا علی اھل ادیان کلھا اسی طرح آیت کے متعلق بعض کی رائے ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارہ میں نازل ہوئی جبکہ انہوں نے چالیس ہزار دینار اللہ کی راہ میں صرف کئے دس ہزار رات میں اور دس ہزار دن میں دس ہزار علانیہ اور دس ہزار خفیہ اور بعض کی رائے ہے کہ حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی۔ ان کے پاس صرف چار درہم تھے ایک دن میں، ایک رات میں، اسی طرح ایک خفیہ اور ایک علانیہ اللہ کی راہ میں لٹا دیئے، یا حضرت عثمان غنیؓ اور عبد الرحمٰنؓ بن عوفؓ کے بارہ میں غزوۂ عسرۃ کے موقعہ پر نازل ہوئی ہے بہر حال اعتبار خصوص واقعہ کا نہیں ہے بلکہ عموم الفاظ کے لحاظ سے جہاں جہاں یہ اوصاف ہوں گے وہی ان آیات کا مصداق ہوں گے۔

﴿تشریح﴾:...... خیرات میں کن کن باتوں پر نظر رکھنی چاہئے:............ یعنی جب کہ خیر خیرات کا اصلی اجر وثواب، رضائے الٰہی ہے اور خیرات خدا پرستی کا قدرتی نتیجہ ہے اور وہ بہر صورت تمہیں حاصل بھی ہے پھر کسی پر احسان جتلانا کسی سے تحسین وتشکر کی توقع رکھنا یا اپنے صدقات کو صرف مسلمانوں ہی کے ساتھ خاص رکھنا ان زوائد پر کیوں نظر کی جائے رہا یہ ارشاد نبوی ﷺ

کہ تمہارا کھانا خاص متقی ہی کھایا کریں اس سے مراد طعام دعوت ہے اور اس آیت میں جس کا ذکر ہے وہ طعام حاجت ہے پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے البتہ کافر حربی کو کسی قسم کا صدقہ دینا یا ذمی کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے ہاں دوسرے صدقات نافلہ واجبہ کافر غیر حربی کو بھی مسلمانوں کی طرح دینا جائز ہیں۔

غرضکہ عارض حاجت کی وجہ سے غیر متقی بلکہ غیر مؤمن بھی مستحق ہوسکتا ہے مثلاً متقی سے زیادہ غیر متقی محتاج اور ضرورت مند ہوں یا یہ خیال ہو کہ متقیوں کی امداد تو دوسرے لوگ بھی کر دیں گے مگر ان غیر متقی یا غیر مؤمنین کو کوئی پوچھتا ہی نہیں ہے تو ایسی حالت میں ان کو بھی مستحق ہی سمجھا جائے گا تاہم اصلی شرف اور اصلی استحقاق متقیوں ہی کو حاصل ہے۔

خادمانِ دین کی امداد:........... خیر خیرات کا ایک ضروری مصرف ایسا بھی تھا جس کی ظاہر میں نگاہیں متوجہ نہیں ہوسکتی تھیں۔ یعنی جو لوگ دنیا کا کام دھندہ چھوڑ کر خدمتِ دین کے لئے وقف ہو جائیں نہ انہیں تجارت وزراعت کی مقدرت ہو اور نہ کوئی دوسرا وسیلۂ معاش رکھتے ہوں۔ دن رات دین وملت کی خدمت میں منہمک ومشغول رہتے ہوں ان کی حالت حاجت مندوں کی مگر صورت بے نیازوں اور خودداروں کی ہو ایسے افراد کی خبر گیری جماعتی فرض ہے اس لئے خصوصیت سے اس پر توجہ دلائی گئی۔

فی زمانہ اس آیت کا بہترین مصداق اور صدقات کا سب سے اچھا مصرف وہ طلبہ اور علماء ہیں جو علوم دینیہ کی نشر واشاعت اور مشاغل دینیہ میں مصروف ہوں، اہلِ زمانہ کا ان پر یہ اعتراض کہ وہ بالکل نکمے قوم پر بوجھ ہیں کمانے کے حق میں بیکار ہیں احصروا فی سبیل اللہ میں اسی کا دفعیہ کیا جا رہا ہے یعنی ایک وقت میں چونکہ نفس پورے کمال کے ساتھ ایک ہی طرف متوجہ ہوسکتا ہے زائد باتوں کی طرف توجہ گویا طلب الکل فوت الکل کا مصداق ہو جائے گا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص دو کام نہیں کرسکتا اگر کرلے گا تو ایک میں یا دونوں میں نقصان ضرور واقع ہوگا۔ تو جو بات قابلِ اعتراض سمجھی گئی ہے درحقیقت وہی باعثِ کمال ہے اس کا ہونا قابلِ اعتراض نہیں ہے بلکہ نہ ہونا باعثِ اعتراض ہونا چاہئے تھا۔ جو لوگ دینی ذوق رکھتے ہیں اور جن کو علم کا چسکہ لگا ہوا ہے وہ قرآن کی اس بات کی صحت کا اندازہ کرسکتے ہیں کہ ایسے لوگ بالکل ہی گرفتہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔

بھکاری، قوم کے لئے ایک بدنما داغ ہیں:........... عام طور پر لوگ خیر خیرات کا مستحق انہی لوگوں کو سمجھتے ہیں جن کا شیوہ بھیک مانگنا ہو، یا پیشہ وارانہ طور طریق اختیار کر کے اس فن میں چاق وچوبند ہوں لیکن ایک خوددار حاجت مند کو کوئی نہیں پوچھتا حالانکہ سب سے زیادہ مستحق ایسے ہی لوگ ہیں جس طرح دینے والوں کو چاہئے کہ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر دیں۔ اسی طرح لینے والوں کو بھی چاہئے کہ سوال کر کے اپنی خودداری اور عفت کو تاراج نہ کریں۔ ان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ بے نیاز رہیں، اور لوگوں کا فرض یہ ہونا چاہئے کہ بے مانگے مدد کریں۔

خیر خیرات میں اخفاء اسی وقت تک افضل اور بہتر ہے جب تک کوئی عارض نہ پیش آ جائے، ورنہ پھر علانیہ ہی خرچ کرنا افضل ہوگا مثلاً ایک شخص کا دم نکلا جا رہا ہے وہاں اس کا انتظار نہیں کیا جائے گا کہ کب سب لوگ ہٹیں، تخلیہ ہو اور اس کے ساتھ ہمدردی اور سلوک کیا جائے بلکہ جس طرح بھی بن پڑے گا فوری امداد کی سبیل نکالی جائے گی۔

اور لا خوف کا مطلب یہ ہے کہ قیامت میں ان کو کوئی خطرہ کی بات پیش نہیں آئے گی یوں اگر کسی کو طبعی خوف ودہشت ہونے لگے تو اس کے منافی نہیں ہے لیس علیک ھداھم سے معلوم ہوا کہ ہدایت کے سلسلہ میں کسی کے زیادہ درپے نہیں ہونا چاہئے اور تدبیر میں زیادہ کوشش نہیں کرنا چاہئے۔ وما تنفقوا من خیر الخ سے معلوم ہوا کہ ارادۂ ثواب اخلاص بوجہ اللہ کی منافی نہیں ہے للذین احصروا سے معلوم ہوتا ہے کہ اشغالِ آخرت اور کسبِ معاش میں اگرچہ کچھ منافات نہیں تاہم فقیر مشتغل بالآخرۃ کے لئے اسباب معیشت کا چھوڑ دینا ہی اولیٰ ہے یحسبھم الجاھل سے معلوم ہوا کہ خواص کو عوام سے کچھ امتیازی شان نہیں رکھنی چاہئے۔

اَلَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا اَیْ يَأْخُذُوْنَهٗ وَهُوَ الزِّيَادَةُ فِي الْمُعَامَلَةِ بِالنُّقُوْدِ وَالْمَطْعُوْمَاتِ فِي الْقَدْرِ اَوِ الْاَجَلِ لَايَقُوْمُوْنَ مِنْ قُبُوْرِهِمْ اِلَّا قِيَامًا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ يَصْرَعُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط اَلْجُنُوْنِ بِهِمْ مُتَعَلِّقٌ بِيَقُوْمُوْنَ ذٰلِكَ الَّذِيْ نَزَلَ بِهِمْ بِاَنَّهُمْ بِسَبَبِ اَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا م فِي الْجَوَازِ وَهٰذَا مِنْ عَكْسِ التَّشْبِيْهِ مُبَالَغَةً فَقَالَ تَعَالٰى رَدًّا عَلَيْهِمْ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط فَمَنْ جَآءَهٗ بَلَغَهٗ مَوْعِظَةٌ وَعْظٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى عَنْ اَكْلِهٖ فَلَهٗ مَاسَلَفَ ط قَبْلَ النَّهْيِ اَيْ لَايُسْتَرَدُّ مِنْهُ وَاَمْرُهٗٓ فِي الْعَفْوِ عَنْهُ اِلَى اللّٰهِ ط وَمَنْ عَادَ اِلٰى اَكْلِهٖ مُشَبِّهًا لَهٗ بِالْبَيْعِ فِي الْحِلِّ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا يَنْقُصُهٗ وَيُذْهِبُ بَرَكَتَهٗ وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ط يَزِيْدُهَا وَيُنَمِّيْهَا وَيُضَاعِفُ ثَوَابَهَا وَاللّٰهُ لَايُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ بِتَحْلِيْلِ الرِّبٰوا اَثِيْمٍ﴿۲۷۶﴾ فَاجِرٍ بِاَكْلِهٖ اَيْ يُعَاقِبُهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴿۲۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا اُتْرُكُوْا مَابَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۲۷۸﴾ صَادِقِيْنَ فِيْ اِيْمَانِكُمْ فَاِنَّ مِنْ شَانِ الْمُؤْمِنِ اِمْتِثَالُ اَمْرِ اللّٰهِ نَزَلَتْ لَمَّا طَالَبَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ بَعْدَ النَّهْيِ بِرِبٰوا كَانَ لَهٗ قَبْلُ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا مَا اُمِرْتُمْ بِهٖ فَاْذَنُوْا اِعْلَمُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ج لَكُمْ فِيْهِ تَهْدِيْدٌ شَدِيْدٌ لَهُمْ وَلَمَّا نَزَلَتْ قَالُوْا لَايَدَيْ لَنَا بِحَرْبِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ رَجَعْتُمْ عَنْهُ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اُصُوْلُ اَمْوَالِكُمْ ج لَاتَظْلِمُوْنَ بِزِيَادَةٍ وَلَاتُظْلَمُوْنَ﴿۲۷۹﴾ بِنَقْصٍ وَاِنْ كَانَ وَقَعَ غَرِيْمٌ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ لَهٗ اَيْ عَلَيْكُمْ تَاْخِيْرُهٗ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ط بِفَتْحِ السِّيْنِ وَضَمِّهَا اَيْ وَقْتَ يُسْرِهٖ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا بِالتَّشْدِيْدِ عَلٰى اِدْغَامِ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الصَّادِ وَبِالتَّخْفِيْفِ عَلٰى حَذْفِهَا اَيْ تَتَصَدَّقُوْا عَلَى الْمُعْسِرِ بِالْاِبْرَاءِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۲۸۰﴾ اَنَّهٗ خَيْرٌ فَافْعَلُوْهُ فِي الْحَدِيْثِ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ تُرَدُّوْنَ وَلِلْفَاعِلِ تَصِيْرُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ قف هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى فِيْهِ كُلُّ نَفْسٍ جَزَآءَ مَّا كَسَبَتْ عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ وَّشَرٍّ وَهُمْ لَايُظْلَمُوْنَ﴿۲۸۱﴾ بِنَقْصِ حَسَنَةٍ اَوْ زِيَادَةِ سَيِّئَةٍ

ع ۳۸ / ۸ / ۶

ترجمہ: .... جولوگ سود کھاتے ہیں (یعنی لیتے ہیں اور سود وہ زیادتی ہے جو نقدی معاملات اور کھانے پینے کی چیزوں میں بشرطیکہ مقدار اور اجل ہو) وہ نہیں کھڑے ہوسکیں گے (اپنی قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو خبطی (مدہوش) بنادے شیطان لپٹ کر (جنون ان کو لگ جائے من المس کا تعلق یقومون کے ساتھ ہے) یہ (جو کچھ ان پر سزا واقع ہوئی) اس سبب سے ہے (بسبب اس امر کے ہے) کہ کہا کرتے تھے کہ خرید وفروخت سود کی طرح ہے (جائز ہونے میں۔ یہ عکس تشبیہ ہے بطور مبالغہ کے

چنانچہ حق تعالیٰ جواباً ارشاد فرماتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ نے جائز فرمایا ہے خرید وفروخت کو اور ناجائز کردیا ہے سود کو پس جس شخص کے پاس پہنچ چکی ہے (آچکی ہے) نصیحت (وعظ) پروردگار کی جانب سے اور وہ باز آجائے (اس کے استعمال سے) تو وہ اسی کا ہے جو کچھ پہلے گذر چکا ہے (ممانعت سے پہلے وہ واپس نہیں کرایا جائے گا) اور اس کا معاملہ (معافی کے بارہ میں) اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہے لیکن جو باز نہ آیا (اس کے کھانے سے درآنحالیکہ وہ سود کو حلت میں بیع ہی کے ساتھ تشبیہ دیتا رہا) تو یہ دوزخی گروہ میں سے ہے ہمیشہ عذاب میں رہنے والا۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے رہتے ہیں (اس کو گھٹاتے رہتے ہیں اس کی برکت زائل کرتے رہتے ہیں) اور خیرات کو بڑھاتے رہتے ہیں (ترقی واضافہ کرتے ہیں اور اس کے ثواب کو کئی گنا کردیتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو (سود کو حلال سمجھنے والے) کسی گناہ کا کام کرنے والے کو (جو اس کو استعمال کرکے گنہگار ہو یعنی اس کو سزا دیں گے) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی بلاشبہ ان کے پروردگار کے حضور ان کا اجر ہے۔ نہ تو ان کے لئے کسی طرح کا ڈر ہوسکتا ہے نہ کسی طرح کی غمگینی۔ مسلمانو! خدا سے ڈرو اور چھوڑ دو (ترک کردو) جس قدر سود مقروضوں کے ذمہ باقی رہ گیا ہے اگر فی الحقیقت تم مؤمن ہو (اپنے ایمان میں سچے ہو کیونکہ مؤمن کی شان حکم الٰہی کی تعمیل ہے۔ سودی کاروبار کی ممانعت کے بعد جب بعض صحابہؓ نے اپنے پیچھے سودی معاملہ کا مطالبہ کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی) پھر اگر تم تعمیل نہیں کروگے (جو تم کو حکم دیا گیا ہے) تو اعلان سن لو (جان لو) اللہ ورسول سے جنگ کرنے کا (تمہارے ساتھ) اس حکم میں ان کے لئے سخت دھمکی ہے چنانچہ جب یہ حکم نازل ہوا تو عرض کرنے لگے کہ ہم میں اس جنگ کی طاقت نہیں ہے) اور اگر تم توبہ کرتے ہو (اس باغیانہ روش سے باز آجاتے ہو) تو تمہارے لئے اپنے اصل مال کی اجازت ہے نہ تم کسی پر ظلم (زیادتی) کرنے پاؤ گے اور نہ تم پر کوئی ظلم (نقصان) کرنے پائے گا۔ اور اگر (مقروض واقع ہو) تنگدست تو اس کے لئے مہلت ہے (یعنی تم پر اس کو مہلت دینا لازم ہے) فراخی ہونے تک (میسـرہ فتح سین اور ضم سین کے ساتھ یعنی گنجائش ہونے تک) اور یہ بات کہ اس کو معاف ہی کردو (تصـدقوا تشدید کے ساتھ ہے تاء اصلی کو صاد بنایا اور صاد کو صاد میں ادغام کردیا اور تخفیف کے ساتھ ہے تو حذف ہوگا یعنی ایسے تنگدست کو بطور خیرات قرض بخش دو) تمہارے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو (اس کے بہتر ہونے کو تو ضرور کر گذر۔ چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر کوئی تنگدست کو مہلت دے یا بالکل ہی معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سایۂ عاطفت ورحمت میں ایسے وقت جگہ دیں گے کہ جب بجز اس کے سایہ کے کہیں سایہ نہیں ہوگا (رواہ مسلم) اور اس وقت سے ڈرو کہ تم لوٹائے جاؤ گے (ترجعون اگر مجہول ہے تو تردون کے معنی میں ہے اور معروف ہے تو تصیرون کے معنی میں ہے) اس روز اللہ تعالیٰ کے حضور (مراد قیامت کا دن ہے) پھر پورا پورا بدلہ ملے گا (اس دن) ہر جان کو (بدلہ) اپنے کئے کا (جو کہ اچھا بُرا عمل کیا ہوگا) ان میں سے کسی کی بھی حق تلفی نہ ہوگی (نیکی گھٹا کر یا بدی بڑھا کر)

تحقیق وترکیب: .... **یاکلون** کی تفسیر **یاخذون** سے اس لئے کی ہے کہ سودی مال کھانا ہی ناجائز نہیں بلکہ ہر طرح کا استعمال ممنوع ہے چونکہ عام طور پر کھانے پینے میں پیسہ زیادہ کام آتا ہے اس لئے یاکلون سے تعبیر کیا ہے۔

المطعومات مذہب شافعیؒ کی رعایت سے مفسر نے مطعومات کی قید لگائی ہے خواہ مکیلی ہوں یا غیر مکیلی جیسے میوے لیکن امام اعظمؒ کے نزدیک مکیلی ہونا شرط ہے۔ اگرچہ غیر مطعوم ہو جیسے چونہ۔ تو پھلوں میں امام صاحبؒ کے نزدیک اور چونہ میں شافعیؒ کے نزدیک ربوا نہیں کہلائے گا **فی القدر والاجل** یہ بدل ہے **فی المعاملة** سے۔

یتخبطه الشیطان الخبط الضرب علی غیر استواء کخبط العشواء زمانۂ جاہلیت میں عرب کا خیال تھا کہ شیطان انسان کو خبطی بنا کر مدہوش کردیتا ہے۔ اور یہ بھی خیال تھا کہ جنات انسان کو مس کردیتے ہیں اس لئے اس کو جنون ہوجاتا ہے۔

فراءنحوی لکھتے ہیں کہ مس کے معنی جنون کے اور مسوس کے معنی مجنون کے ہیں۔ یہاں اسی کیفیت ربودگی اور مدہوشی میں تشبیہ دی گئی ہے۔

من المس کا تعلق یقومون کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے اور کما یقوم کے ساتھ بھی۔ اور یتخبطہ کے ساتھ بھی، اول صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی لا یقومون یوم القیٰمۃ من الجنون الا کما یقوم الرجل الذی یتخبطہ الشیطن اور دوسری صورت میں اس طرح ہوگی لایقومون یوم القیٰمۃ الا کما یقوم الرجل المصروع من الجنون تیسری صورت میں تقدیر اس طرح ہوگی الا کما یقوم الرجل الذی یتخبطہ الشیطان من الجنون.

من عکس التشبیہ یعنی دراصل ان کو کہنا یوں چاہئے تھا کہ انما الربوا حلال مثل البیع لیکن مبالغۃً اصل کو فرع اور فرع کو اصل کر کے پیش کرتے تھے۔ موعظۃ کی تفسیر وعظ کے ساتھ کر کے فعل جاء کی تذکیر کی توجیہ کردی ہے دوسری توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تانیث غیر حقیقی ہے اس لئے فعل مذکر لانے میں کوئی حرج نہیں ہے ومن عاد مفسر علام نے حلال سمجھنے کی جو قید لگائی ہے اس سے معتزلہ کو احتجاج کا موقع نہیں رہا کہ سود خور کا خلود نار آیت سے معلوم ہورہا ہے۔ حاصل توجیہ یہ ہے کہ سود خور نے حرام کو جب حلال سمجھ لیا تو اس کفریہ عقیدہ کے بعد اس کے خلود میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

یربی الصدقات چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے کہ بندہ جب صدقہ کرتا ہے تو ان اللہ یربیھا لہ کما یربی احدکم فلوہ حتی تکون فی میزانہ کاحدٍ غرضیکہ بظاہر زکوٰۃ ادا کرنے سے مال گھٹتا ہے اور سود سے بڑھتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت دین ودنیا دونوں میں معاملہ برعکس ہے۔

فاذنوا مد اور قصر کے ساتھ دونوں قرأتیں سبع کی مشہور ہیں۔ اول صورت میں اعلان کے اور دوسری صورت میں یقین کرنے کے معنی ہیں۔ مفسر علام کی عبارت دونوں معانی کا احتمال رکھتی ہے بحرب میں تنوین تعظیم کی ہے فنظرۃ فاء جواب شرط ہے اور نظرۃ مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہے ای فعلیکم نظرۃ اور نظرۃ کے معنی تاخیر کے ہیں اور ترکیب برعکس بھی ہوسکتی ہے ای فالحکم نظرۃ

ان کنتم تعلمون کی جزائے محذوف مفسر نے فافعلوہ نکالی ہے۔ واتقوا ابن عباس کی رائے ہے کہ قرآن کریم کی نزولاً یہ آخری آیت ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو یہ بتلایا تھا کہ اس آیت کو سورۂ بقرہ کی دوسو اسی (۲۸۰) آیت کے بعد رکھنا۔ چنانچہ سورۂ بقرہ کی کل آیات دوسو چھیاسی (۲۸۶) ہیں اور اس آیت کے بعد پانچ آیات ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی وفات سے ایک ہفتہ یا صرف تین گھنٹے پہلے نازل ہوئی تھی۔ ترجعون مجہول اگر ہے تو رجع سے ہے اور معروف ہے تو رجوع سے مشتق ہے۔ لازمی اور متعدی کا فرق رہے گا ماکسبت ضمیر مفرد لانے میں نفس کی رعایت لفظی پیش نظر ہے اور وھم لایظلمون جمع لانے میں معنوی رعایت ملحوظ ہے اور لفظی رعایت کو اصل ہونے کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

ربط: .... دیر اور دور سے مالی احکام اور خیر خیرات کا سلسلہ چلا آرہا ہے آیات آئندہ میں بھی کچھ مالی اصلاح سے متعلق احکام آرہے ہیں مثلاً سودی کاروبار، مقروض کو مہلت دینا، معاملۂ قرض کو لکھوالینا، شہادت، کتاب، رہن سے متعلق احکام۔ گویا سلسلۂ احکام کا چھتیسواں (۳۶) حکم ہے جس میں سود کی حرمت ومذمت میں آیت ان الذین میں مؤمنین کی تعریف کی ہے۔ آیت یا ایھا الذین الخ میں سود کا بقایا سابقہ وصول کرنے کی ممانعت ہے وان کان ذوعسرۃ میں مفلس مقروض کو مہلت دینے کا سینتیسواں حکم ہے۔

شانِ نزول: .... ابن ابی حاتم نے تخریج کی ہے کہ بنی عمرو یعنی مسعود بن عمرو اور ربیعہ بن عمرو اور حبیب بن عمیر وغیرہ آپس میں بھائی برادر تھے بنوالمغیرہ ان دونوں جماعتوں میں سے اول جماعت دائن اور دوسری جماعت مدیون تھی۔ اور بنوالمغیرہ زمانۂ جاہلیت میں سودی کاروبار پر قرض لیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے بنی ثقیف یعنی بنی عمرو سے مصالحت فرمائی تو انہوں نے بنی مغیرہ

سے اپنے سود کا مطالبہ کرنا چاہا جوایک بڑی مقدار کی مالیت تھی۔ لیکن بنومغیرہ نے یہ دیکھ کر دینے سے انکار کر دیا کہ جب اسلام میں اللہ اور رسول نے اس کو منع فرمادیا ہے تو ہم ہرگز نہیں دیں گے۔ چنانچہ معاذ بن جبلؓ اور عتاب بن اسیدؓ نے آنحضرت ﷺ کو لکھا کہ بنوعمرو اور بنو عمیر دونوں بنومغیرہ سے اپنے سود کا مطالبہ کرر ہے ہیں اس پر آیت یا ایھا الذین امنوا لخ نازل ہوئی۔ چنانچہ آپؐ نے معاذ بن جبلؓ کو لکھ بھیجا کہ یہ آیت ان پر پیش کر دو۔ اگر وہ جان جائیں تو اصل راس المال کے مطالبہ کا ان کو حق ہے لیکن اگر باز نہ آئیں تو **فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ** سے ان کو خبردار کردو۔ لیکن بنی ثقیف نے سنا تو کہنے لگے **لایدی لنا بحربہ**۔

﴿تشریح﴾:...... سودخدا کی ایک لعنت اور سودخوار قوم کا دشمن ہے:............ انفاق فی سبیل اللہ اور نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کا مقصد کہ انسانوں میں باہمی محبت وہمدردی، انس وانسانیت پیدا ہو پورا نہیں ہوسکتا تا وقتیکہ سودخواری کی ذہنیت جواس کی پوری ضد ہے اس کو نہ روک دیا جاتا۔ خیرات کا منشاء یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کی حاجت روائی کرے، اس کی ضرورت کو اپنی ضرورت سمجھے۔ لیکن سودخوار اپنے بھائی کو حاجت مند دیکھتا ہے لیکن اس کی مدد کے جذبہ کی بجائے اس کی احتیاج اور بے بسی سے اپنا کام نکالنا چاہتا ہے اور اس کی غربت کو اپنی دولت مندی کا ذریعہ بنانا چاہتا ہے۔ خودغرضی کا یہ جذبہ اگر بے روک ٹوک بڑھتا رہے تو پھر اس میں انسانی ہمدردی کی بُو تک باقی نہیں رہتی وہ ایک بے رحم اور بے پناہ درندہ بن کر رہ جاتا ہے۔ قرآن اسی جنون اور دیوانگی کی حالت کو مرگی کے مرض سے تشبیہ دے رہا ہے یعنی زر پرستی کے جوش میں تمام انسانی احساسات فنا ہو جاتے ہیں اور پیسے کے پیچھے پاگل ہو کر رہ جاتا ہے۔

آخرت میں جواس کو خاص یہ سزادی جائے گی جرم اور سزا میں مناسبت یہ ہے کہ اپنی عقلمندی کے زعم میں جو اُس نے بے عقلی کی بات "**انما البیع مثل الربوا**" کہی تھی حالانکہ خوداس کا علم کے خلاف یہ عمل گویا ناشی ہے بے عقلی سے اس لئے سزا زوالِ عقل کے ساتھ دی گئی ہے آیت سے تو اس جنونی حالت کا مرتب ہونا سودخوار کے قول وفعل کے مجموعہ پر ہوتا ہے لیکن حدیث سے صرف سود کے فعل پر اس سزا کا ترتب معلوم ہوتا ہے الفاظِ حدیث یہ ہیں **فمن اکل الربوا بعث یوم القیٰمۃ مجنونا یتخبط ثم قرأ الأیۃ** •

سود سے مال گھٹتا ہے اور خیرات سے بڑھتا ہے:............ سودخواروں کے استدلال کا یہ جواب تو حق تعالیٰ نے حاکمانہ دیا ہے جو موقعہ محل کے نہایت مناسب ہے لیکن جہاں تک حکیمانہ اور مصلحانہ جواب کا تعلق ہے اس کی طرف **یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقت** میں اشارہ ہے یعنی سودخواری کا طریقہ تو دولت کو سمیٹتا ہے سرمایہ داری کی راہوں کو کھولتا ہے لیکن اسلامی مزاج اس کے خلاف ہے وہ سود کرمٹا کر دولت کو پھیلانا چاہتا ہے۔ خیرات کے جذبہ کو ترقی دے کر چاہتا ہے کہ جماعت کا کوئی فرد محتاج ومفلس نہ رہنے پائے، نیز سود کو اموال باطلہ میں داخل کر کے **لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل** سے ناحق دوسرے کے مال کو ضائع اور برباد کرنے سے بچاتا ہے۔

دراصل مسئلے دو ہیں۔ سود کا اور سود در سود کا۔ سود کے مسئلہ پر اس آیت میں روشنی ڈالی جارہی ہے۔ اور سود در سود سے دوسری آیت **یا ایھا الذین امنوا لاتاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ** میں تعرض کیا گیا ہے آیت میں بیع کی حلت اور سود کی حرمت کا معلوم ہونا تو ظاہر ہے لیکن دونوں میں مساوات کے ابطال اور تفرقہ کے اثبات میں یہ آیت نص ہے۔ تاہم آیت میں بہت زیادہ اجمال سے کام لیا گیا ہے حدیث **الحنطۃ بالحنطۃ والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح والذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ مثلا بمثل ید ابید والفضل ربوا**۔ اس کی تفصیلات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی جب تشفی نہ ہوئی اور انہوں نے **اللھم بین لنا بیانا شافیا** سے مستجاب درخواست پیش کی تو زبانِ نبوت پر یہ کلمات شافیہ جاری ہوگئے۔

سود کا دائرہ:...... چنانچہ علمائے ظاہر تو ربوا کا دائرہ صرف ان ہی چھ چیزوں تک محدود رکھتے ہیں لیکن علمائے مجتہدین نے علۃ

کے موتی نکالنے کی کوشش کی احناف نے ان اشیاء کے مقابلہ سے اتحادِ جنس اور مماثلت سے مکیل وموزون ہونا سمجھا چنانچہ حال کا ذکر اگرچہ حدیث میں نہیں ہے لیکن دونوں علتیں پائے جانے کی وجہ سے بیع میں مساوات شرط ہوگی کمی بیشی ربوا سمجھی جائے گی۔ یہی حال چونہ اور نورہ کا ہوگا۔ امام شافعیؒ نے مذکور فی الحدیث چار چیزوں سے علت طعم اور نقدین سے ثمنیت دو علتیں مستنبط کی ہیں۔ چونہ اور نورہ میں چونکہ یہ دونوں علتیں نہیں پائی جاتیں اس لئے شوافع کے نزدیک حلال ہوگی قوت اور ذخیرہ نہ ہونے کی وجہ سے حاصل یہ کہ اس پر تو تمام مجتہدین کا اتفاق ہے کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ بھی ربوا ہوسکتا ہے اور وہ ناجائز ہوگا اور اس میں بھی اتفاق ہے کہ ماخذ علۃ یہی حدیث ہے لیکن معیارِ حرمت اور علۃ ممانعت نکالنے میں پھر باہم رائیں مختلف ہوگئیں اس لئے اصولیوں نے اس کو خصوص معلوم اور خصوص مجہول دونوں کی نظیر قرار دیا ہے۔

بداعتقاد و بدعمل لوگوں کے تذکرہ کے بعد نیک کرداروں کا بیان آیت ان الذین الخ میں کیا جارہا ہے چنانچہ انما البیع الخ کو کفری قول کے مقابلہ میں ان الذین اٰمنوا اور ان کے فسق وعمل کے مقابلہ میں عملوا الصّٰلحٰت اور سودی روپیہ کمانے کے مقابل اٰتوا الزکوٰۃ فرمایا گیا ہے جس سے کلام میں حسن وخوبی پیدا ہوگئی ہے۔

سودخور کو خدائی چیلنج: .... فاذنوا بحرب میں جو اعلانِ جہاد کیا جارہا ہے سو اگر سودی کاروبار اعتقادِ حلت کے ساتھ ہے تب تو یہ کافر ہے اور کافر کے ساتھ حکم جہاد ظاہر ہے لیکن اگر سود بیاج کا نہ چھوڑنا صرف عملاً ہے اعتقاداً نہیں ہے تو حاکم اسلام جبراً اس کو روکے گا اگر باز آ گیا فبہا ورنہ اگر مقابلہ سے پیش آتا ہے تو اس کا حکم باغی کا سمجھا جائے گا ایسے مقابلہ کی صورت میں تو فقہاء نے اذان و ختنہ جیسی سنت کے ترک پر بھی جہاد کی مشروعیت کا حکم دیا ہے۔

وان تبتم فلکم رؤس اموالکم کی تفصیلات بھی قریب قریب یہی ہیں کہ توبہ کی صورت میں اصل سرمایہ کی رقم بلاسود بیان کے دلا دی جائے گی لیکن اگر توبہ نہیں اور سود کو حلال سمجھتا ہے تو کافر اور مرتد ہو جائے گا۔ اگر از سرِ نو اسلام قبول کرلے تو فبہا ورنہ اس کا تمام مال اس کی ملک سے خارج ہوگیا۔ یعنی جس قدر مال مرتد ہونے سے پہلے کمایا ہوا ہے وہ اس کے مسلمان ورثاء میں تقسیم کردیا جائے گا۔ اور ارتداد کے بعد کا مال بیت المال میں داخل کرلیا جائے گا۔ اور اگر توبہ نہ کرنا حلال نہ سمجھنے کی صورت میں ہے تو اگر بمقابلہ پیش نہیں آتا تو حاکمِ اسلام کی طرف سے جبراً اس کا کاروبار بند کرادیا جائے گا۔ اور مقابلہ کرتا ہے تو باغی ہے اور باغی کا حکم یہ ہے کہ جو قتل سے بچ جائے تو اس کا مال اس کی ملک سے تو زائل نہیں ہوگا لیکن اس کے قبضہ میں بھی نہیں رہنے دیا جائے گا بلکہ بطور امانت چھین کر بیت المال میں رکھ لیا جائے گا۔ توبہ کرنے اور باز آجانے پر واپس کردیا جائے گا۔

ہمارے دیار کے مسلمانوں کے کنگال ہونے کی وجہ: .... آیت وان کان ذوعسرۃ میں اس رسم کی اصلاح کرنی ہے کہ سودخوار میعاد گذرنے پر مطالبہ کرتے تھے اگر مقروض مزید مہلت مانگتا تو مہلت کے بدلے مزید سود لیتے اور اس طرح غریب مقروض سود در سود کے چکر میں اس طرح پھنستا کہ اس بدنصیب کو عمر بھی اس جنجال سے نکلنا نصیب نہ ہوتا جیسا کہ ہمارے دیار کے تباہ حال مسلمانوں کی تمام زمین، جائیداد، گھربار مہاجنوں کے اسی چکر کی نذر ہوئی ہے لیکن اسلام نے مفلس مدیون کو مہلت دینا واجب قرار دیا ہے گنجائش ہونے پر پھر مطالبہ کرنے کی اجازت ہے ہاں اگر کسی کا مفلس ہونا ہی محل شبہ میں ہے متیقن نہیں ہے تو حاکم قرض خواہ کی درخواست پر مقروض کو اس وقت تک حوالات کرسکتا ہے جب تک قرائن سے یقین کی حد تک یہ بات واضح نہ ہوجائے کہ اگر واقعی اس کے پاس مال ہوتا تو ضرور اُگل دیتا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ تَعَامَلْتُمْ **بِدَيْنٍ** كَسَلَمٍ وَقَرْضٍ **اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى** مَعْلُوْمٍ **فَاكْتُبُوْهُ**ؕ
اِسْتِيْثَاقًا وَدَفْعًا لِلنِّزَاعِ **وَلْيَكْتُبْ** كِتَابَ الدَّيْنِ **بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ**ۖ بِالْحَقِّ فِيْ كِتَابَتِهٖ لَايَزِيْدُ فِي
الْمَالِ وَالْاَجَلِ وَلَايَنْقُصُ **وَلَا يَاْبَ** يَمْتَنِعُ **كَاتِبٌ** مِنْ **اَنْ يَّكْتُبَ** اِذَا دُعِيَ اِلَيْهَا **كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ** اَيْ فَضَّلَهٗ
بِالْكِتَابَةِ فَلَايَبْخَلُ بِهَا وَالْكَافُ مُتَعَلِّقَةٌ بِيَاْبَ **فَلْيَكْتُبْ**ۚ تَاكِيْدٌ **وَلْيُمْلِلِ** عَلَى الْكَاتِبِ **الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ**
الدَّيْنُ لِاَنَّهُ الْمَشْهُوْدُ عَلَيْهِ فَيُقِرُّ لِيَعْلَمَ مَاعَلَيْهِ **وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ** فِيْ اِمْلَائِهٖ **وَلَايَبْخَسْ** يَنْقُصْ **مِنْهُ** اَيِ الْحَقِّ
شَيْئًاؕ **فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا** مُبَذِّرًا **اَوْ ضَعِيْفًا** عَنِ اِمْلَاءٍ لِصِغَرٍ اَوْ كِبَرٍ **اَوْ لَايَسْتَطِيْعُ اَنْ**
يُّمِلَّ هُوَ لِخَرَسٍ اَوْجَهْلٍ بِاللُّغَةِ اَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ **فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ** مُتَوَلِّيْ اَمْرِهٖ مِنْ وَالِدٍ وَوَصِيٍّ وَقَيِّمٍ وَمُتَرْجِمٍ
بِالْعَدْلِؕ **وَاسْتَشْهِدُوْا** اَشْهِدُوْا عَلَى الدَّيْنِ **شَهِيْدَيْنِ** شَاهِدَيْنِ **مِنْ رِّجَالِكُمْ**ۚ اَيْ بَالِغِي الْمُسْلِمِيْنَ
الْاَحْرَارِ **فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا** اَيِ الشَّاهِدَانِ **رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ** يَشْهَدُوْنَ **مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ**
لِدِيْنِهٖ وَعَدَالَتِهٖ وَتَعَدُّدُ النِّسَاءِ لِاَجْلِ **اَنْ تَضِلَّ** تَنْسٰى **اِحْدٰىهُمَا** الشَّهَادَةَ لِنَقْصِ عَقْلِهِنَّ وَضَبْطِهِنَّ **فَتُذَكِّرَ**
بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **اِحْدٰىهُمَا** الذَّاكِرَةُ **الْاُخْرٰى**ؕ النَّاسِيَةَ وَجُمْلَةُ الْاِذْكَارِ مَحَلُّ الْعِلَّةِ اَيْ لِتُذَكِّرَ اِنْ
ضَلَّتْ وَدَخَلَتْ عَلَى الضَّلَالِ لِاَنَّهٗ سَبَبُهٗ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ اِنْ شَرْطِيَّةً وَرَفْعِ تُذَكِّرُ اِسْتِيْنَافٌ جَوَابُهٗ **وَلَايَاْبَ**
الشُّهَدَآءُ اِذَامَا زَائِدَةٌ **دُعُوْا**ؕ اِلٰى تَحَمُّلِ الشَّهَادَةِ وَاَدَائِهَا **وَلَاتَسْئَمُوْٓا** تَمَلُّوْا مِنْ **اَنْ تَكْتُبُوْهُ** اَيْ
مَاشَهِدْتُّمْ عَلَيْهِ مِنَ الْحَقِّ لِكَثْرَةِ وُقُوْعِ ذٰلِكَ **صَغِيْرًا** كَانَ **اَوْ كَبِيْرًا** قَلِيْلًا اَوْ كَثِيْرًا **اِلٰۤى اَجَلِهٖ**ؕ وَقْتِ
حُلُوْلِهٖ حَالٌ مِنَ الْهَاءِ فِيْ تَكْتُبُوْهُ **ذٰلِكُمْ** اَيِ الْكِتْبُ **اَقْسَطُ** اَعْدَلُ **عِنْدَاللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ** اَيْ اَعْوَنُ
عَلٰۤى اِقَامَتِهَا لِاَنَّهٗ يُذَكِّرُهَا **وَاَدْنٰۤى** اَقْرَبُ اِلٰۤى **اَلَّا تَرْتَابُوْٓا** تَشُكُّوْا فِيْ قَدْرِ الْحَقِّ وَالْاَجَلِ **اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ**
تَقَعَ **تِجَارَةً حَاضِرَةً** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنَّصْبِ فَتَكُوْنُ نَاقِصَةً وَاسْمُهَا ضَمِيْرُ التِّجَارَةِ **تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ** اَيْ
تَقْبِضُوْنَهَا وَلَااَجَلَ فِيْهَا **فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا**ؕ وَالْمُرَادُ بِهَا الْمُتَّجَرُ فِيْهِ **وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا**
تَبَايَعْتُمْۖ عَلَيْهِ فَاِنَّهٗ اَدْفَعُ لِلْاِخْتِلَافِ وَهٰذَا وَمَاقَبْلَهٗ اَمْرُ نُدْبٍ **وَلَايُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَاشَهِيْدٌ**ؕ صَاحِبَ الْحَقِّ
وَمَنْ عَلَيْهِ بِتَحْرِيْفٍ اَوْ اِمْتِنَاعٍ مِنَ الشَّهَادَةِ اَوِ الْكِتَابَةِ اَوْ لَايُضِرُّهُمَا صَاحِبُ الْحَقِّ بِتَكْلِيْفِهِمَا مَالَايَلِيْقُ فِي
الْكِتَابَةِ وَالشَّهَادَةِ **وَاِنْ تَفْعَلُوْا** مَانُهِيْتُمْ عَنْهُ **فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ** خُرُوْجٌ عَنِ الطَّاعَةِ لَاحِقٌ **بِكُمْ**ؕ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ**ؕ
فِيْ اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ **وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ**ؕ مَصَالِحَ اُمُوْرِكُمْ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَوْ مُسْتَاْنِفٌ **وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ**﴿۲۸۲﴾
وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ اَيْ مُسَافِرِيْنَ وَتَدَايَنْتُمْ **وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ فَرُهُنٌ **مَّقْبُوْضَةٌ**ؕ

تَسْتَوْثِقُوْنَ بِهَا وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ جَوازَ الرَّهْنِ فِي الْحَضَرِ وَوُجُودِ الْكَاتِبِ فَالتَّقْيِيدُ بِمَا ذُكِرَ لِاَنَّ التَّوَثُّقَ فِيهِ اَشَدُّ وَاَفَادَ قَوْلُهُ مَقْبُوضَةٌ اِشْتِرَاطَ الْقَبْضِ فِي الرَّهْنِ وَالْاِكْتِفَاءَ بِهِ مِنَ الْمُرْتَهِنِ وَوَكِيلِهِ **فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا** اَيِ الدَّائِنُ الْمَدِينَ عَلٰى حَقِّهِ فَلَمْ يَرْتَهِنْ **فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ** اَيِ الْمَدِينُ **اَمَانَتَهٗ** دَيْنَهٗ **وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ** ط فِي اَدَائِهِ **وَلَاتَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ** ط اِذَا دُعِيتُمْ لِاِقَامَتِهَا **وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ** ط خُصَّ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهٗ مَحَلُّ الشَّهَادَةِ وَلِاَنَّهٗ اِذَا اَثِمَ تَبِعَهٗ غَيْرُهٗ فَيُعَاقَبُ مُعَاقَبَةَ الْاٰثِمِينَ **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ** ﴿۲۸۳﴾ لَايَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْهُ.

ترجمہ:............اے اہل ایمان جب اُدھار کا (معاملہ) کرنے لگو (مثلاً دین سلم یا مالی قرض) ایک مقررہ میعاد تک (جو معلوم و معین ہو) تو اس کو لکھ لیا کرو (حفاظت و رفع نزاع کی خاطر) اور لکھ دیا کرو (دستاویز) تمہارے آپس میں انصاف (حق) کے ساتھ (مال اور مدت کے لکھنے میں نہ زیادتی کرے نہ کمی) اور انکار (منع) نہ کرے کاتب (اس بات سے کہ) لکھے (جب کہ لکھنے کی اس سے فرمائش کی جائے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سکھلایا ہے (یعنی اس کو کاتب بنا کر فوقیت بخشی اس لئے اس کو بخل نہیں کرنا چاہئے۔ اور کما کا کاف متعلق ہے یاب سے) کاتب کو چاہئے کہ لکھ دیا کرے (یہ تاکید ہے) اور وہ شخص لکھا دیا کرے (کاتب کو) جس کے ذمہ حق واجب ہو (یعنی قرض کیونکہ شہادت اسی پر دلائی جارہی ہے لہٰذا اسی کا اقرار معتبر ہوگا تاکہ اس پر حق واجب کا علم ہو سکے) اور اپنے پروردگار اللہ سے ڈرتا رہے اس تحریر (دستاویز میں) کمی نہ کرے (نہ گھٹائے) ذرہ برابر اس (حق) میں سے پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر خفیف العقل (فضول خرچ) ہو یا عاجز ہو (لکھنے سے کم سنی یا کبر سنی کی وجہ سے) یا لکھانے پر قدرت نہ رکھتا ہو وہ خود (گونگے یا غیر زبان ہونے کی وجہ سے یا اس کے علاوہ کوئی عذر ہو) تو لکھوا دیا کرے اس کا کارکن (کارندہ خواہ اس کا والد ہو یا وصی یا منیجر اور ترجمان ہو) ٹھیک ٹھیک طریقہ پر اور گواہ بنالیا کرو (قرض پر گواہ کرلیا کرو) دو (۲) گواہ (شاہد) مردوں میں سے (یعنی بالغ، مسلمان، آزاد ہونے چاہئیں) پھر اگر میسر نہ ہوسکیں (ایسے دو (۲) گواہ) مردوں میں سے تو ایک مرد اور دو (۲) عورتیں (گواہی دیں) ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو (ان کے دین وعدالت کی وجہ سے اور عورت کا متعدد ہونا اس مصلحت سے ہے کہ) اگر بھٹک جائے (بھول جائے) ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک (گواہی کو عقل وضبط کے کم ہونے کی وجہ سے) تو یاد دلایا کرے (تذکر تخفیف وتشدید کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے) ان میں سے ایک (یاد رکھنے والی) دوسری (فراموش کرنے والی) کو (اور جملہ "تذکر" بمنزلہ علۃ کے ہے یعنی اگر ایک بھٹک جائے تو دوسری یاد دلا دے لیکن بنا دیا گیا ہے علت ان تضل کو کیونکہ وہ دراصل سبب علت ہے۔ اور ایک قرأت میں انّ مکسورہ شرطیہ کے ساتھ اور تذکر کے رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے استیناف ہوکر جواب شرط ہو جائے گا) اور گواہوں کو بھی چاہئے کہ انکار نہ کیا کریں جبکہ (اذا ما میں ما زائد ہے) ان کو بلایا جایا کرے (گواہ بننے اور گواہی دینے کے لیئے) اور تم اکتایا نہ کرو (اظہار ملال نہ کیا کرو) لکھنے سے (اس حق کے جس کے تم شاہد بنے ہو بار بار ہونے کی وجہ سے) خواہ چھوٹا (ہو) یا بڑا (تھوڑا ہو یا زیادہ) میعاد تک کے لئے (مدت ختم ہونے تک۔ تکتبوہ کی ضمیر سے یہ حال ہے) یہ (دستاویز) انصاف (عدل) کو زیادہ قائم رکھنے والی ہے اللہ کے نزدیک اور شہادت کو زیادہ صحیح رکھنے والی ہے (یعنی ادائے شہادت میں اس لکھا پڑھی سے مدد مل جاتی ہے کیونکہ اس کو دیکھ کر واقعہ یاد آجاتا ہے) اور زیادہ سزاوار (قریب الامکان) ہے کہ تم کسی شبہ میں نہ پڑو (مقدار حق یا مدت کے بارہ میں شک نہ گذرنے لگے) ہاں اگر ایسا ہو کہ کاروبار لین دین کا نقدا نقدی ہو (ایک قرأت میں تجارۃ حاضرۃ منصوب ہے۔ اس صورت میں "تکون" ناقصہ ہو جائے گا اور اس کا اسم ضمیر ہوگی جس کا مرجع تجارت ہے) جسے تم آپس میں لیا دیا کرتے ہو (ہاتھوں ہاتھ کرتے ہو جس میں

مہلت کا کوئی سوال ہی نہیں) تو تم پر کوئی الزام نہیں ہے (اس بارہ میں) کہ لکھا پڑھی نہ کرو (مراد اس سے سامان تجارت ہے) اور گواہ کرلیا کرو سودا کرتے وقت (کیونکہ اس طرح اختلاف کی نوبت نہیں آتی۔ یہ اور اس سے پہلے احکام استحبابی ہیں) اور کاتب اور گواہ کسی طرح کا نقصان نہ پہنچائیں (حقدار یا فریق مخالف کو گواہی یا کتابت میں، ترمیم، ردو بدل کرکے یا بالکل انکار کرکے یا یہ مطلب ہے کہ صاحب حق کاتب اور گواہ کو کسی طرح نقصان نہ پہنچائیں۔ کتابت یا گواہی میں نامناسب باتوں کا دباؤ ڈال کر) اور اگر تم نے ایسا کیا (جس بات سے تم کو روکا گیا ہے) تو اس میں تمہارے لئے گناہ کی بات ہوگی (اطاعت سے نکل جانا تمہارے ذمہ لگ جائے گا) اور اللہ تعالیٰ سے (امرونہی کے احکام) میں ڈرتے رہو اور اللہ تعالیٰ تم کو سکھلاتے ہیں (تمہارے کاموں کے مصالح، یہ حال مقدرہ یا جملہ مستانفہ ہے) اور اللہ ہر چیز کے جاننے والے ہیں اور اگر تم کہیں سفر میں ہو (یعنی مسافر ہو جاؤ اور ادھار کا معاملہ کرنے لگو) اور کوئی کاتب نہ پاؤ تو گرو رکھنے کی چیز (اور ایک قرأت میں "فَرُھُنٌ" ہے) قبضہ میں دیدی جائے (جس سے قرض دینے والوں کو اطمینان ہو جائے اور سنت سے حالت حضر اور کاتب کی موجودگی میں بھی رہن کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے یہ دونوں قیدیں صرف اس لئے ہیں کہ اس حالت میں توثیق کی زیادہ کی حاجت پیش آتی ہے اور لفظ مقبوضۃ کی شرط سے یہ فائدہ نکلا کہ رہن میں قبضہ کی شرط معلوم ہوئی۔ اور یہ کہ قبضہ مرتہن یا اس کے وکیل دونوں میں سے کسی ایک کا کافی ہوگا) اور اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرلیا جائے (یعنی قرض دینے والا لینے والے پر اظہار اطمینان کرتا ہے اور گروہی نہیں رکھتا تو جس شخص کا اعتبار کرلیا گیا ہے (یعنی مدیون کا) اس کو چاہئے کہ دوسرے کا حق (دَین) پورا پورا ادا کردے اور اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے (اس کی ادائیگی کے سلسلہ میں) اور دیکھو ایسا نہ کرو کہ شہادت چھپاؤ (جبکہ تم کو ادائے شہادت کے لئے بلایا جائے) جو کوئی گواہی چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہوگا (دل کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ اصل محل شہادت ہے۔ دوسرے یہ کہ جب وہ گنہگار ہوگیا تو دوسرے اعضاء اس کے تابع رہیں گے اور ان پر گنہگاروں جیسا عتاب ہوگا) اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں (کوئی چیز ان سے پوشیدہ نہیں ہے)

تحقیق وترکیب:......... **بدین** پورے رکوع کی یہ آیت قرآن کریم کی سب سے لمبی آیت ہے سلم کہتے ہیں **بیع العاجل بالاجل** کومع **شرائطه وتفاصیله**. حنفیہ اور شوافع کے نزدیک دَین اور قرض میں فرق یہ ہے کہ دَین میں مدت کی تعیین ہوتی ہے اور قرض میں نہیں ہوتی۔ اس خاص اصطلاح کے لحاظ سے قرض آیت مداینہ میں داخل نہیں ہوتا لیکن امام مالکؒ کے نزدیک قرض میں بھی مدت کی تعیین ہوسکتی ہے ممکن ہے جلال مفسرؒ نے امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق یہاں قرض کو داخل کرلیا ہو۔ عموم آیت پر نظر کرتے ہوئے اور حدیث بخاری پر نظر کرتے ہوئے جس میں حضرت ابن عمرؓ بن عطاء نے آنحضرت ﷺ کے یہاں ایک مہمان کا آنا اور آپ کا ھلال رجب تک ایک یہودی کے یہاں سے ادھار آٹا منگوانا بیان کیا ہے۔ لفظ بدین کی وجہ سے کہا جائے گا کہ تداینتم میں تجرید کرلی گئی ہے اور لفظ تداینتم پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ بدین بڑھایا گیا ہے محض اہتمام کے لئے کیونکہ مجاز امطلق معاملہ کے معنی میں محتمل تھا۔

الی اجل اس کا تعلق تداینتم کے ساتھ ہے **فاکتبوہ** امر ارشادی ہے۔ امتثال امر کی نیت سے ہو تو ثواب ہوگا ورنہ نہیں۔

بالعدل متعلق ہے **ولیکتب** کے **کما علمه الله** متعلق ہے لایاب سے جیسے **احسن کما احسن الله** میں ہے۔

ولیملل. الاملال والاملاء دونوں کے معنی کاتب کو مضمون لکھانے کے ہیں من علیہ الحق سے مراد بالغ ہے **ولیه من علیه الحق** اگر بچہ یا سفیہ ہے تو اس کا ولی باپ ہوگا بڑا ہے تو وصی ہوگا گونگا ہے تو قیم ہوگا جاہل ہے تو مترجم ہوگا اور کاتب اور ولی کے بارہ میں تو **بالعدل** فرما کر زیادۃ اور نقصان دونوں کی نفی کردی ہے اور **من علیه الحق** کے بارہ صرف **لایبخس** کہہ کر نقصان کی نفی کی ہے کیونکہ یہاں زیادتی کا احتمال ہی نہیں ہے۔ **رجالکم** بلوغ کی اور حریت کی قید لفظ رجال سے مستفاد ہوئی ہے اور اسلام کی قید رجال کو کاف

خطاب کی طرف مضاف کرنے سے سمجھ میں آئی ہے۔ دراصل آزاد ہی رجل کہلانے کا مستحق ہے۔ غلام تو بہائم کے حکم میں ہے
نیز خطاباتِ شرع آزاد ہی کو ہوتے ہیں غلاموں کی طرف عبارت متوجہ نہیں ہوتی۔ تاہم چونکہ مداینہ وغیرہ معاملات کفار کے درمیان بھی
پیش آتے ہیں اس لئے حنفیہ کے نزدیک کفار کی شہادت ایک دوسرے کے حق میں معتبر سمجھی گئی ہے۔ خلافاً للجمهور.

ممن ترضون مراد اس سے وصف عدالت ہے عورتوں میں چونکہ وصف عام طور پر کم ہوتا ہے اس لئے یہاں بالتخصیص قید لگانی
پڑی ورنہ ہر قسم کے گواہ کے لئے عدالت ضروری ہے تاہم حنفیہ کے نزدیک فاسق کی گواہی قبول نہیں کرنی چاہئے لیکن اگر قبول کر لی گئی تو
جائز ہو جائے گی۔ شوافع کے نزدیک بالکلیہ جائز نہیں ہے استشهدوا شهيدين من رجالكم سے معلوم ہوا کہ عادل کو گواہ بنانا چاہئے
اگر عادل نہ ہو تو گواہ ہونے سے خارج نہیں ہوگا اس لئے شاہد عام ہوا عادل ہو یا بغیر عادل۔

ان تضل لام تعلیل محذوف ہے اور ان تضل بھی محذوف کے متعلق ہے جس کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ ای وتعدد
النساء الخ فی الحقیقت علة ''تذکیر'' ہے لیکن ضلال کو سبب اور اذکار کو مسبب ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے قائم مقام کر لیا جیسے کہا
جائے عددت السلاح ان يجي عدوٌ فادفعه تو تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ارادة ان تذكر احدهما الاخرى اى ان ضلت.

الشهادة اشارہ اس طرف ہے کہ تظل کا مفعول محذوف ہے ''فتذکر'' فاعل ضمیر مستتر اور مفعول محذوف ہے ای لتذكر الذاكرة
الاخرى ان ضلت الاخرىٰ. ضلت ضمیر مستتر اخری کی طرف ہوگی جو مفعول محذوف ہے۔

استيناف یعنی اس صورت میں اداۃ شرط کا لفظاً کوئی عمل نہیں ہوگا ورنہ ترکیب میں یہ فعل مبتدائے محذوف کی خبر ہوگی اور جملہ محلاً
مجزوم ہو کر جواب شرط ہوگا مبتدائے محذوف ضمیر شان یا قید ہوگی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی القصة تذكر احداهما وهي
المذكرة للاخرى وهي الضالة. صغيرًا او كبيرًا محذوف کی خبر ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

قليلاً او كثيرًا اس میں اشارہ ہے کہ کپڑوں میں بھی سلم جائز ہے۔ الى اجله ضمیر فاكتبوه سے حال ہے۔ ای فاكتبوه بصفة
اجله یعنی مدت سلم کا ذکر کتابت میں ضرور ہونا چاہئے الى اجله کو فاكتبوه کے متعلق کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ کتابت مستمر الی الاجل
نہیں ہوا کرتی۔

اقسط سیبویہ کی رائے یہ ہے کہ اقسط مزید سے اسم تفضیل ہے جیسے ان الله يحب المقسطين. قسط مجرد قسطوطاً بمعنی
ظلم سے نہیں ہے جیسے اما القاسطون فكانوا لجهنم الخ چنانچہ ابن حبان نے نقل کیا ہے کہ قسط ظلم و انصاف دونوں معنی میں آتا
ہے اور اقسط صرف انصاف کے معنی میں آتا ہے اور قاسط بمعنی وقسط سے بھی اسم تفضیل ہوسکتا ہے جیسے لابن اور تامر انتساب
کے لئے ہیں یہی حال لفظ ''اقوم'' کا ہے اس کے معنی بھی استقامة کے ہیں تجارة. عاصمؒ کے نزدیک تکون کی خبر ہونے کی وجہ سے
منصوب ہے اور اسم ضمیر ہے ای الا ان يكون التجارة تجارة حاضرة دوسرے قراءؒ رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں اسم ہونے کی وجہ سے
اور تديرونها اس کی خبر ہے یا کان تامہ مان لیا جائے۔

واشهدوا یعنی ہاتھوں ہاتھ خرید و فروخت میں گواہ بنانا اور اسی طرح کے دوسرے ماقبل احکام استحبابی ہیں اور بعض کے نزدیک
وجوبی حکم ہے۔ صاحب الحق اشارہ اس طرف ہے کہ لايضار بكسر الراء معروف ہے کاتب اور شہید اس کے فاعل اور صاحب
الحق اور اس کا مابعد مفعول ہے۔

فسوق بكم ای لاحق بكم یعنی ظرف مستقر فسوق کی صفت ہے فاتقوا الله یہ تینوں جملوں میں لفظ اللہ استقلال کی وجہ سے مکرر
لایا گیا ہے اول تقویٰ کی ترغیب کے لئے دوسرے میں شمار انعام کے لئے اور تیسرے میں تعلیم شان کے لئے ويعلمكم الله ضمیر فاتقوا
سے حال ہے چونکہ مضارع مثبت مقترن بالواؤ ہے اس کا حال بنانا محتاج تاویل ہے اس لئے بہ نسبت جملہ حالیہ کے استینافیہ بنانا زیادہ

ظاہر ہے مفسرؒ کو صرف استیناف پر اکتفاء کرنا چاہئے تھا کیونکہ جملہ حالیہ بنانے میں ضمیر ماننی پڑے گی اور واؤ سے خالی کرنا پڑے گا نیز واتقوا اللہ پر عطف بھی درست نہیں ہے ورنہ خبر کا عطف انشاء پر لازم آئے گا جو مختلف فیہ ہے یہاں علم سے مراد علم نافع ہے۔

رھان جمع ہے رہن کی۔ رہن مصدر ہے بمعنی مرہون۔ اَمِنَ. امنته ای كنت فی امن منه ضمیر رب الدین یا مدیون کی طرف راجع ہے۔

تستوثقون اشارہ ہے تقدیر خبر کی طرف اور تقدیر عبارت اس طرح بھی ہو سکتی ہے الذی یستوثق به یافعلیکم یافلیو خذوا یافا لمشروع رھان مقبوضة.

بینت السنة یعنی فی السفر کی قید سے جو تخصیص جواز رہن کا شبہ ہو سکتا تھا مفسرؒ نے اس کے ازالہ کے لئے حدیث کا حوالہ دیا جس میں آنحضرت ﷺ نے بیس (۲۰) صاع گیہوں کے بدلہ میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی تھی وجہ تخصیص صرف شدت حاجت ہے کہ عام طور پر باقاعدہ سامان کتابت یا کاتب وشاہد دستیاب نہیں ہوتا اور دَین ضائع ہونے کے احتمالات زیادہ ہوتے ہیں۔

امانتہ دین کو امانت اس لئے کہا کہ ترک ارتہان اس پر مبنی ہے محل الشهادة یعنی محل کتمان شہادت چونکہ کتمانِ شہادت فعل قلب ہے اس لئے فعل کی اسناد آلۂ جارحہ کی طرف ابلغ ہوتی ہے جیسے ابصرته بعینی یا سمعته باذنی عرفته بقلبی نیز قلب سلطان الاعضاء ہے تو اس میں فعل کتمان کی شدت اور قلب کے اصل ہونے کی طرف اشارہ ہے نیز یہ شبہ نہ ہو کہ گناہ صرف زبان کا ہوگا قلب بَری رہے گا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله و اذا فسدت فسد الجسد كله الا وهی القلب.

ربط:............ آیت یا ایها الذین الخ. سے اڑتیسویں (۳۸) حکم دَین کی تفصیلات پیش کی جارہی ہیں جو پانچ افراد پر مشتمل ہیں. مثلاً اذا تداینتم میں دستاویز لکھنے کا مشورہ اور لا یاب میں کاتب کے لئے انکار کرنے کی ممانعت اور ولیملل الخ میں دستاویز کا مقروض کی جانب سے ہونا آیت استشهدوا میں شاہد بنانے کا مشورہ اور لا یاب الشهداء میں انکار شہادت کی ممانعت بیان کی گئی ہے پھر آیت و لا تسئموا میں جزء اول کا تتمہ اور و اشهدوا میں چوتھے جزو کا تتمہ اور و لا یضار میں دوسرے اور پانچویں جزو کا تتمہ بیان کیا گیا ہے اسی طرح آیت و ان كنتم الخ میں انتالیسویں (۳۹) حکم رہن سے متعلق ہے اور آیت و تكتموا الشهادة میں چالیسویں (۴۰) حکم اخفاء سے متعلق ہے۔

﴿تشریح﴾:...... **قرض اور بیع سلم کے احکام:**............ (۱) معاملۂ دَین کا لکھانا، اور کاتب کے لئے لکھنے کا حکم اور انکار کی ممانعت یہ سب استحبابی احکام ہیں وجوبی نہیں۔ اسی لئے کاتب کے لئے لکھنے کی اجرت لینا جائز ہے۔ ''بیع سلم'' جو ایک طرح کا دَین ہوتا ہے یہ ہے کہ مکان یا گیہوں خریدے اور روپیہ فی الحال نہ دے بلکہ سال چھ مہینے کا ادھار کرے یا اس کا برعکس روپیہ فی الحال دیدے اور غلہ کے لئے سال چھ مہینے کا وعدہ کرے۔ دونوں صورتیں صحیح مجملہ شرائط سلم کے صحیح طریقہ پر تعیین میعاد بھی ہے۔ یعنی فلاں مہینہ میں یا اب سے چھ مہینے میں لین دین ہوگا۔ اس طرح کی مدت میں اشتباہ نہ رہے کہ جس سے نزاعی صورت قائم ہو جائے۔ مثلاً اگر یہ کہہ دیا کہ فصل کے موقع پر یا حجاج کی آمد پر مطالبہ ادا کیا جائے گا تو یہ درست نہیں ہے غرضکہ سلم میں ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار ہوتا ہے لیکن اگر لین دین ہاتھ در ہاتھ ہو مگر معاملہ بڑا ہونے کی وجہ سے مصلحت مقتضی ہو تب بھی بیع نامہ لکھوا لینا جائز ہے مثلاً مکان، دکان، زمین، باغ وغیرہ میں اہم چیزوں کی بیع البتہ غیر اہم اور معمولی چیزوں میں بیع نامہ کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی۔

(۲) سفیھا سے مراد خفیف العقل ہے خواہ بالکل ہی پاگل ہو یا کچھ خبطی ہو اور ضعیفا سے مراد نابالغ بچہ یا بوڑھا شخص ہے چنانچہ نابالغ، پاگل، خبطی اور بدحواس بوڑھے کی خرید وفروخت اور اقرار تو شرعاً بالکل ناقابل اعتبار ہے۔ باپ، دادا، اور ان دونوں کے وصی، یا حاکم شرعی اس کے ولی ہیں ان کی اجازت کے بغیر ان کے تصرفات صحیح اور نافذ نہیں ہوسکتے۔ تاہم مطالبہ ولی سے ہوگا لیکن ادائیگی خود ان معذورین کے مال سے ہوگی اور ان ہی کو مدیون سمجھا جائے گا۔ بوڑھا شخص اگر بالکل ہی حواس گم ہے تو اس کا بھی یہی حکم ورنہ وہ خود یا اپنے وکیل سے معاملہ کراسکتا ہے اور اگر صاحب معاملہ گونگا ہے، دوسرا فریق اس کے اشارات کو نہیں سمجھتا یا غیر زبان والا ہے تو کسی معتبر آدمی کو ترجمان بنایا جاسکتا ہے غرضکہ لفظ کارکن ان سب کو شامل ہے۔

ثبوت کا اصل مدار شہادت پر ہے نہ کہ دستاویز یا دستخط پر:............ثبوتِ دعویٰ کا اصل مدار شہادت پر ہوتا ہے کہ نہ دستاویز پر۔ دستاویز تو صرف اس لئے ہوتی ہے کہ اس کو دیکھ کر واقعہ یاد آجاتا ہے چنانچہ اگر واقعہ یاد نہ ہو تو صرف دستاویز سے اثباتِ دعویٰ نہیں ہوگا۔ وہ تو صرف ایک یادداشت ہے اس کو دیکھ کر اگر واقعہ یاد نہیں آیا تو گواہی دینا درست نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ مدارِ شہادت جب دستاویز پر نہیں ہے تو نہ دستاویز لکھنا ضروری ہے اور لکھی جائے تو اس پر گواہوں کے دستخط ضروری نہیں ہیں۔ صرف دستاویز سُن کر اگر واقعہ یاد ہو تو اس طرح گواہی دی جائے گی کہ فلاں شخص نے اپنا اقرار سنایا یا دوسرے نے سنایا اور فلاں نے اس کی صحت کا اقرار کیا اور واقعہ کا مشاہدہ کیا۔ تو اس طرح گواہی دی جائے گی کہ ہمارے سامنے یہ معاملہ ہوا۔ البتہ دستاویز پر دستخط کردینا باعثِ سہولت و یادداشت ضرور ہے۔ کیونکہ دستخط دیکھ کر واقعہ یاد آنے میں سہولت ہوجاتی ہے۔ اور مصلحت واحتیاط کے مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ دستخط کرالئے جائیں لیکن آجکل کے عدالتی دستور کے مطابق مدار شہادت نہ دستاویز پر ہوگا اور نہ دستخط پر گواہ مسلمان، بالغ، آزاد، عادل ہونے چاہئیں۔ مسلمان ہونا الذین امنوا سے اور عادل ہونا ممن ترضون سے مفہوم ہورہا ہے۔

رہا یہ کہ صرف عدالت ظاہری کافی ہے یا مزید چھان بین کی ضرورت ہوگی یہ مختلف فیہ ہے اور اس قسم کے معاملات چونکہ عاقل "بالغ" آزاد لوگوں میں ہوا کرتے ہیں اس لئے یہ شرائط بھی اضافہ کی گئی ہیں گواہ بننے کے لئے اگر بلایا جائے تو گواہ بن جانا مستحب ہے لیکن اس کی ادائیگی بعض صورتوں میں فرض ہوگی۔

دستاویز کے فائدے:............ذلکم اقسط الخ سے کتابت کے تین فائدے بیان فرمائے ہیں (۱) ایک دوسرے کے حق کی حفاظت رہے گی، حق العباد ضائع نہیں ہوگا (۲) گواہوں کو سہولت اور آسانی (۳) ایک دوسرے کی طرف سے طبیعت صاف رہے گی۔ دل میں کدورت نہیں ہوگی اس سے بھی کتابت کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح گواہ بنانا مستحب ہے البتہ کاتب یا گواہ کو ضرر پہنچانا مثلاً عرائض نویس اُجرت مانگتا ہو یا گواہ آمدورفت کا خرچ مانگتا ہو اور ان کو مفت کام کرنے پر مجبور کرنا یہ حرام اور فسوق میں داخل ہے۔

لیس علیکم جناح میں دنیاوی نقصان کی نفی مقصود ہے۔ ورنہ گناہ تو کسی معاملہ کے نہ لکھنے میں بھی نہیں ہے۔ چنانچہ نقدا نقدی بیع میں اختلاف ونزاع کا احتمال بھی کم ہوتا ہے اور بکثرت ایسے معاملات ہونے کی وجہ سے اور اکثر خفیف ہوتے ہیں دستاویز اور بیع نامہ کی کوئی خاص ضرورت نہیں سمجھی گئی ہاں کوئی معاملہ اہم اور بڑا ہوا تو ادھار نہ ہونے کی صورت میں بھی بیع نامہ احوط ہے۔

رہن یا گروی رکھنا:............آیت رہن سے دو (۲) ضروری مسئلے جلال محقق نے مستنبط کئے ہیں (۱) جواز رہن فی السفر و الحضر (۲) صحتِ رہن کے لئے مرتہن یا اس کے وکیل کا قبضہ شے مرہونہ پر شرط ہے کسی معاملہ کو بالکل بیان نہ کرنا جس طرح اخفاء شہادت ہے۔ غلط بیانی کرنا بھی اخفاء میں داخل ہے اور اس میں صرف زبان ہی کا گناہ نہیں ہوگا بلکہ اول ارادہ دل میں پیدا ہوتا ہے اس لئے دل

بھی گنہگار ہے۔ بدون شہادت اگر کسی کا حق ضائع ہونے لگے اور صاحب حق شہادت کے لئے درخواست بھی کرے تو پھر ادائے شہادت سے انکار بھی حرام ہے۔ اور چونکہ ادائے شہادت کتابت کی طرح مستحب نہیں ہے بلکہ واجب ہے اس لئے اس پر اُجرت لینا جائز نہیں ہے البتہ سفر کے ضروری مصارف صاحب معاملہ کے ذمہ ہیں۔ زائد رقم واپس کر دینی چاہیئے، اتفاقی طور پر اگر کسی کو واقعہ کا علم ہو لیکن صاحب معاملہ کو اس کے علم کا علم نہیں ہے کہ وہ اس سے ادائے شہادت کی درخواست کرتا تو بدون شہادت اگر حق ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو شاہد پر صورتحال ظاہر کر دینا واجب ہے۔ پھر بھی واقف ہونے کے بعد صاحب معاملہ اگر ادائے شہادت نہ کرے تو خواہ مخواہ از خود گواہی دیتے پھرنا اس پر واجب نہیں رہتا۔

آیت مُداینہ کی سات دفعات:......... خلاصہ ان احکام کا مندرجہ ذیل دفعات ہیں۔ (۱) ہر طرح کے لین دین کے لئے لکھا پڑھی اور گواہی ہونی چاہیئے (۲) اگر کوئی فریق نابالغ یا ناسمجھ ہو تو اس کا کارندہ کام سرانجام دے (۳) کاتب کے لئے مناسب ہے کہ دیانتداری کے ساتھ اپنا فرض انجام دے (۴) گواہی دینے سے انکار نہیں کرنا چاہئے اور اس کا چھپانا حرام ہے (۵) اس کا بندوست کرنا چاہئے کہ کاتب یا گواہ کو اہل معاملہ یا اہل معاملہ کو کاتب یا گواہ نقصان نہ پہنچا سکیں ورنہ نظام شہادت درہم برہم ہو جائے گی۔ (۶) گواہی کے لئے اگر دو مرد سلیقہ کے دستیاب نہ ہو سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں جو ایک مرد کے قائمقام سمجھی جائیں شہادت کے لئے کافی ہیں۔ (۷) کوئی چیز گروی رکھ کر قرض لینا دینا بھی جائز ہے لیکن مرہونہ چیز مالک کی رہے گی قرض دینے والے کے لئے اس کی واپسی سے انکار جائز نہیں ہے۔

فاکتبوہ سے معلوم ہوا کہ اصلاح معاشرت طریق باطن کے منافی نہیں ہے اور اٰثم قلبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی مدار قلب پر ہے۔

لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ ط وَاِنْ تُبْدُوْا تُظْهِرُوْا **مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ** مِنَ السُّوْءِ وَالْعَزْمِ عَلَيْهِ **اَوْتُخْفُوْهُ** تُسِرُّوْهُ **يُحَاسِبْكُمْ** يُخْبِرْكُمْ **بِهِ اللّٰهُ ط** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ** الْمَغْفِرَةَ لَهٗ **وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط** تَعْذِيْبَهٗ وَالْفِعْلَانِ بِالْجَزْمِ عَطْفًا عَلٰى جَوَابِ الشَّرْطِ وَالرَّفْعِ اَیْ فَهُوَ **وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ﴿۲۸۴﴾** وَمِنْهُ مُحَاسَبَتُكُمْ وَجَزَآؤُكُمْ **اٰمَنَ** صَدَّقَ **الرَّسُوْلُ** مُحَمَّدٌ **بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ** مِنَ الْقُرْاٰنِ **وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط** عَطْفٌ عَلَيْهِ **كُلٌّ** تَنْوِيْنُهٗ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ اِلَيْهِ **اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ** بِالْجَمْعِ وَالْاِفْرَادِ **وَرُسُلِهٖ قف** يَقُوْلُوْنَ **لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف** فَنُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ كَمَا فَعَلَ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى **وَقَالُوْا سَمِعْنَا** مَا اَمَرْتَنَا بِهٖ سَمَاعَ قَبُوْلٍ **وَاَطَعْنَا قف** نَسْئَالُكَ **غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴿۲۸۵﴾** اَلْمَرْجِعُ بِالْبَعْثِ وَلَمَّانَزَلَتِ الْاٰيَةُ الَّتِیْ قَبْلَهَا شَكَا الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ الْوَسْوَسَةِ وَشَقَّ عَلَيْهِمُ الْمُحَاسَبَةُ بِهَافَنَزَلَ **لَايُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط** اَیْ مَاتَسَعُهٗ قُدْرَتُهٗ **لَهَا مَاكَسَبَتْ** مِنَ الْخَيْرِ اَیْ ثَوَابُهٗ **وَعَلَيْهَا مَااكْتَسَبَتْ ط** مِنَ الشَّرِّ اَیْ وِزْرُهٗ وَلَايُؤَاخَذُ اَحَدٌ بِذَنْبِ اَحَدٍ وَلَا بِمَالَمْ يَكْسِبْهُ مِمَّا وَسْوَسَتْ بِهٖ نَفْسُهٗ قُوْلُوْا **رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ** بِالْعِقَابِ **اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ع** تَرَكْنَا الصَّوَابَ لَا عَنْ عَمْدٍ كَمَا اَخَذَ بِهٖ مَنْ قَبْلَنَا وَقَدْ رَفَعَ اللّٰهُ ذٰلِكَ عَنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ كَمَا وَرَدَ فِی الْحَدِيْثِ فَسُؤَالُهٗ اِعْتِرَافٌ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ **رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ**

عَلَیْنَا اِصْرًا اَمْرًا یَثْقُلُ عَلَیْنَا حَمْلُهٗ **كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا** اَیْ بَنِیْ اِسْرَاءِ یْلَ مِنْ قَتْلِ النَّفْسِ فِی التَّوْبَةِ وَاِخْرَاجِ رُبْعِ الْمَالِ فِی الزَّكٰوةِ وَقَرْضِ مَوْضِعِ النَّجَاسَةِ **رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ** قُوَّةَ **لَنَا بِهٖ** مِنَ التَّكَالِیْفِ وَالْبَلَاءِ **وَاعْفُ عَنَّا** اُمْحُ ذُنُوْبَنَا **وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا** فِی الرَّحْمَةِ زِیَادَةٌ عَلَى الْمَغْفِرَةِ **اَنْتَ مَوْلٰنَا** سَیِّدُنَا وَمُتَوَلِّیْ اُمُوْرِنَا **فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ﴿۲۸۶﴾** بِاِقَامَةِ الْحُجَّةِ وَالْغَلَبَةِ فِیْ قِتَالِهِمْ فَاِنَّ مِنْ شَاْنِ الْمَوْلٰى اَنْ یَّنْصُرَ مَوَالِیَهٗ عَلَى الْاَعْدَآءِ وَفِی الْحَدِیْثِ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ فَقَرَاَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قِیْلَ لَهٗ عَقَبَ كُلِّ كَلِمَةٍ قَدْ فَعَلْتُ

ترجمہ: .... اللہ تعالیٰ ہی کی مِلک ہیں آسمان اور زمین کی سب چیزیں اور اگر تم ظاہر کرو گے (کھول دو گے) اپنی دلی باتیں (برائی یا برائی کا عزم) یا چھپاؤ گے (پوشیدہ رکھو گے) تو حساب لیں گے (دریافت کریں گے) تم سے اللہ تعالیٰ (قیامت کے روز) بخش دیں گے جس کے لئے چاہیں گے (اس کی مغفرت) اور سزا دیں گے جس کے لئے منظور ہوگا (سزا دینا، یغفر اور یعذب دونوں فعل مجزوم ہیں جواب شرط پر عطف کرتے ہوئے اور مرفوع بھی ہیں تقدیر ھو کے ساتھ) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں (منجملہ ان کے تم سے محاسبہ کرنا اور بدلہ دینا ہے) اعتقاد (یقین) رکھتے ہیں رسول (محمد ﷺ) اس پر بات کا آپ کے پروردگار کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا (قرآن مجید) اور دوسرے مؤمنین بھی (اس کا عطف رسول پر ہے) سب کے سب (لفظ کل پر تنوین مضاف الیہ کے بدلہ میں ہے) عقیدہ رکھتے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں اور کتابوں (لفظ کتب جمع اور مفرد دونوں صیغوں کے ساتھ ہے) اور رسولوں پر (اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے (کہ بعض پر ایمان لے آئیں اور بعض کا کفر کریں۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا) اور ان سب نے کہا کہ ہم نے سن لیا (آپ کا حکم بارادۂ اطاعت) اور خوشی سے مان لیا (ہم درخواست کرتے ہیں) آپ کی بخشش کی اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے (قبروں سے اٹھنے کے بعد اس سے پہلی آیت ان تبدوا الخ جب نازل ہوئی تو صحابہؓ نے وسوسہ پر محاسبہ کے شاق ہونے کی شکایت کی جس پر اگلی آیت نازل ہوئی) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو پابند نہیں بناتے مگر اسی حکم کا جو اس کی طاقت میں ہو (یعنی جس پر اس کو اختیار و قدرت ہو) اس کو ثواب بھی اسی کا ہوتا ہے جو اپنے ارادہ سے کرلے (نیک کام یعنی اس کا ثواب) اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو اپنے ارادہ سے کرے (کوئی بڑا کام یعنی اس کا گناہ نہ تو کوئی ایک دوسرے کے گناہ میں پکڑا جائے گا اور نہ کسی نہ کئے ہوئے ایسے کام پر جو حد وسوسہ سے آگے نہ بڑھا ہو مواخذہ کیا جائے اس طرح کہا کرو) اے ہمارے پروردگار ہم سے دارو گیر (عذاب) نہ فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں (بلا ارادہ صحیح راہ اگر چھوڑ دیں جیسا کہ آپ نے ہم سے پہلوں پر مواخذہ فرمایا ہے اور جس کو اللہ نے اس امت کے لئے معاف کردیا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔ تو اس کا سوال درحقیقت اللہ کی نعمت کا اعتراف کرنا ہے) اے ہمارے پروردگار اور نہ بھیجئے ہم پر کوئی سخت حکم (جس کا تحمل ہماری برداشت سے باہر ہو) جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے (یعنی بنی اسرائیل پر، توبہ میں قتل نفس کرنا اور زکوٰۃ میں چوتھائی مال نکالنا، موقع نجاست کا کاٹ پھینکنا) اے ہمارے پروردگار اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالئے جو ہماری طاقت (قوت) سے باہر ہو (تکالیف اور بلائیں) اور درگذر کیجئے ہم سے (ہمارے گناہ معاف فرما دیجئے) اور بخش دیجئے ہم کو اور رحم کردیجئے ہم پر (رحمت مغفرت سے بڑھ کر ہے) آپ ہمارے کارساز ہیں (مالک اور کاموں کو سرانجام دینے والے) سو آپ ہم کو کافروں پر غالب فرما دیجئے (لسانی حجۃ اور سنانی غلبہ کے ساتھ۔ مولیٰ کی شان ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے غلاموں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں امداد کیا کرتا ہے۔ حدیث

میں ارشاد ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے تلاوت فرمائی تو ہر حکم پر اجازت کی بشارت سے آپ کو سرفراز فرمایا گیا)

تحقیق وترکیب:............وان تبدوا واؤ استینافیہ ہے، مقصدوارادہ کے پانچ مراتب کو بعض نے اس طرح منظوم بیان کیا ہے۔

مراتب القصد خمس هاجس ذكروا وخاطر فحديث النفس فاستمعا

يليه هم فعزم كلها رفعت سوى الاخير ففيه الاخذ قدوقعا

والعزم علیه آیت کے الفاظ کو اگر عموم پر محمول کیا جائے تب تو یہ عموم اگلی آیت لایکلف اللہ سے منسوخ ہے ورنہ اگر مواخذہ برائی اور صرف عزم برائی پر مراد ہو تو آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں ہوگی اور مابعد کی آیت اس کی توضیح کر دے گی۔

کل تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے ای کلهم اور ضمیر کا مرجع نبی اور مؤمنین ہیں۔ لا نفرق یہ محل نصب میں ہے بتقدیر القول ای قائلین۔ فنزل مشہور یہ ہے کہ اخبار میں نسخ نہیں ہوتا لیکن اخبار مستقبلہ اگر کسی حکم کو متضمن ہوں تو ان میں نسخ ہو سکتا ہے جیسا کہ بیضاویؒ کی رائے ہے اور بیہقی نسخ کو یہاں تخصیص کے معنی میں لیتے ہیں۔ گویا پچھلی آیت میں عموم تھا اس آیت سے معلوم ہوا کہ حدیث النفس وغیرہ جو غیر اختیاری ہیں ان پر مواخذہ نہیں ہے۔

لها ما کسبت کسب کا استعمال خیر کے ساتھ اور اکتساب کا استعمال شر کے ساتھ ہے کیونکہ نفس کی رغبت زیادہ تر شر کی طرف ہوتی ہے اس لئے گویا شر میں زیادہ مساعی ہوتا ہے کلام یہاں بحذف المضاف ہے اول میں لفظ اور دوسرے میں لفظا تھا اب مقدر ماننا جائے گا۔ لها میں لام نفع کا ہے اور علیها علیٰ ضرر کے لئے ہے وسعها یا وسع بمعنی طاقت سے یاسعۃ سے ماخوذ ہے ولا بمالم یکسبه یعنی محض وسوسہ پر جب تک عملدرآمد نہ ہو قابل مؤاخذہ نہیں ہے۔

فسواله اعتراف مفسر ایک شبہ کا ازالہ کر رہے ہیں کہ حدیث کی رُو سے خطا ونسیان پر مواخذہ نہیں ہے تو پھر اس کی دعا تحصیل حاصل ہے حاصل جواب یہ ہے کہ مقصود اس دعا سے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا اعتراف واظہار ہے من قبلنا منجملہ دشوار احکام کے یہ بھی ہے کہ بنی اسرائیل پر پچاس نمازیں واجب تھیں نیز مسجد کے علاوہ دوسری جگہ نماز جائز نہیں تھی۔ صرف پانی سے طہارت حاصل ہو سکتی تھی، تیمم وغیرہ کی اجازت نہیں تھی رات کو سونے کے بعد روزوں کے ایام میں کھانے کی ممانعت اور بعض گناہوں کی پاداش میں بعض طیبات کا حرام کر دیا جانا، رات کے کئے ہوئے گناہ کا صبح دروازہ پر لکھا ہوا ملنا۔

فان من شان فا چونکہ سببیت پر دلالت کرتا ہے اسی کی تصحیح کے لئے مفسر علام نے یہ تقریر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ چونکہ آقا اس اور آقا غلاموں کی اعانت کیا کرتے ہیں اس لئے آپ بھی ہماری اعانت فرمائیے۔

ربط:............پچھلی آیت میں کتمانِ شہادت کو قلب کا فعل شمار کرتے ہوئے اس کی ممانعت اور قلب کو گنہگار کہا گیا تھا۔ آیت للّٰه مافی السمٰوٰت الخ میں مسئلہ کی پوری تحقیق مقصود ہے کہ قلب کی کن برائیوں پر گناہ مرتب ہوگا اور کن پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ یہ حکم من وجہ اکتالیسواں (۴۱) مستقل حکم بھی ہو سکتا ہے اور ماقبل کے حکم کے تتمہ بھی جیسا کہ معاملات بنی اسرائیل کے ذیل میں بھی آخری معاملہ ذووجہین گذرا ہے۔

شانِ نزول:............حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت وان تبدوا الخ نازل ہوئی تو صحابہؓ پر نہایت شاق ہوا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مؤدبانہ عرض کیا کہ جو اعمال ہمارے حد اختیار میں تھے جیسے نماز، روزہ، جہاد، صدقہ اس کا مکلف تو خیر ہم کو بنایا ہی گیا تھا لیکن یہ آیت ایسے افعال کا پابند بنانا چاہتی ہے جو ہماری طاقت سے بالا ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم پچھلے اہل کتاب کی طرح سے سمعنا وعصینا کہنا چاہتے ہو؟ تمہیں تو سمعنا و اطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر کہنا چاہئے۔ چنانچہ ان حضرات نے ان الفاظ کو ادا کرنا چاہا لیکن زبان لڑکھڑا گئی اور یارائی نہ کر سکی۔ تب آیت اٰمن

الرسول الخ نازل ہوئی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب تعمیلِ حکم کی تو اس پر آیت لایکلف اللہ الخ نازل ہوکر اس شانِ حکم کو منسوخ کردیا۔

﴿تشریح﴾:...... **اختیاری اور غیر اختیاری کاموں کا فرق**:............ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ افعال اختیاریہ مثلاً غلط عقائد جو بُرے اخلاق، گناہ کا عزم ان پر تو عذاب اور مؤاخذہ ہوگا۔لیکن غیر اختیاری اور اضطراری افعال جیسے وساوس وخطرات ان پر گناہ نہیں ہے۔

جس طرح زبان اور دوسرے اعضاء سے متعلق کام دوطرح کے ہوتے ہیں ایک اختیاری جیسے ارادہ سے بولنا مارنا وغیرہ، دوسرے غیر اختیاری جیسے بے اختیار زبان سے کچھ نکل جانا، یا رعشہ والے کے ہاتھ پاؤں کی بے اختیار حرکت ظاہر ہے کہ اول قسم کے کاموں پر مواخذہ ہے اور دوسری قسم معاف ہے۔

اسی طرح دل سے متعلق بھی دوطرح کے کام ہیں ایک اختیاری جیسے جان کر کفریہ عقیدہ رکھنا، شراب وزنا کا ارادہ، دوسرے غیر اختیاری جیسے کسی معصیت یا کفر کا بُرا خیال، خطرہ، وسوسہ خود بخود آجانا، دونوں قسموں کے احکام بھی وہی ہیں جو پہلی دوقسموں کے ہیں یعنی اول پر مؤاخذہ اور دوسرے پر مؤاخذہ نہیں ہے۔

ماتریدیہ کی رائے:............ چنانچہ ابو منصور ماتریدی اور شمس الائمہ حلوائی اور جمہور کی رائے یہی ہے کہ عزم پر مؤاخذہ ہوگا ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة اور حدیث عائشہؓ ماھم العبد بالمعصیة من غیر عمل یعاقب علی ذالک بما یلحقه من الھم والحزن فی الدنیا اسی کی مؤید ہے البتہ حدیث ان اللہ عفا عن امتی ماحدثت به انفسھم مالم تعمل او تتکلم اس کو خطرات پر محمول کیا گیا ہے اور جس طرح کفر کے علاوہ اعضاء سے متعلق تمام کاموں میں عذاب اور مغفرت دونوں کا امکان ہوتا ہے اسی طرح دلی ارادوں میں بھی عزم کفر کے علاوہ دیگر بڑے بڑے عزائم مغفرت وعتاب دونوں کا احتمال رکھتے ہیں۔تاہم آیت میں چونکہ اختیاری اور غیر اختیاری کی قید اور یہ تقسیم صریح نہیں تھی اس لئے حضراتِ صحابہؓ ان الفاظ کا ظاہری عموم دیکھ کر گھبرا گئے اور آنحضرت ﷺ کی نظر بھی کمال خشیت کی وجہ سے الفاظ کی ظاہری عموم تک ہی رہی اس لئے ادباً آپ نے سمعنا و اطعنا الخ کی تعلیم پر زور دیا اور انتظارِ وحی میں خود آیت کی تفسیر نہیں فرمائی۔چنانچہ آپ کے اور صحابہؓ کی انقیاد واطاعت کو امن الرسول میں سراہا گیا ہے اور پھر بات کو لایکلف اللہ سے اچھی طرح صاف کردیا گیا۔اسی کو بعض حضرات نے نسخ سے تعبیر کردیا ہے اور سلف کے یہاں نسخ کے مفہوم میں توسع تھا توضیح مراد کو بھی نسخ کہہ دیا کرتے تھے۔

یحاسبکم به اللہ میں حساب وکتاب حشر ونشر کی حقیقت معلوم ہوتی ہے اس میں منکرین حشر پر رد ہے۔اور امن الرسول میں اصل مقصد تو صحابہؓ کے ایمان کے مدح وتوصیف ہے لیکن آنحضرت ﷺ کے ایمان کو محض تسلی اور اطمینان کی خاطر ملا دیا گیا ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کا ایمان بلاشبہ مقبول ہے آپ ﷺ کے خدام کا ایمان بھی مقبول ہے اگرچہ دونوں میں کامل واکمل ہونے کا فرق اپنی جگہ ہے۔اس جملہ معترضہ کے بعد پھر اس مضمون سابق کی توضیح آیت لا یکلف اللہ میں پوری طرح کی جارہی ہے۔

دوسرے کے ذریعہ ثواب یا عذاب ہوسکتا ہے یا نہیں؟:............ لھا ماکسبت وعلیھا ما اکتسبت اور آیت نجم لیس للانسان الا ماسعٰی اور لا تزروا زرة الخ میں جو ثواب وعذاب کا حصر کیا جارہا ہے صرف اپنے ہی کئے کا ثواب و عذاب ہوگا اس سے مراد اول ثواب وعذاب کا حصر ہے۔مطلقاً ثواب وعذاب کا حصر مقصود نہیں ہے کہ نہ دوسرے کے ذریعہ ثواب ہوسکے اور نہ عذاب کی گنجائش ہو۔چنانچہ من سن سنة حسنة فله اجرھا واجر من عمل علیھا ومن سن سنة سیئة فعلیه وزرھا و وزر من عمل علیھا وغیرہ نصوص جن سے دوسرے کے ذریعہ ثواب وعذاب کا ہونا معلوم ہوتا ہے اسی طرح کوئی نیک کام کر کے

اس کا ثواب دوسرے کو بخش دینا اور اس کا ثواب مل جانا یہ سب باتیں اس آیت کے منافی نہیں ہیں اور یہ شبہ کرنا صحیح نہیں ہے کہ ان صورتوں میں دوسرے کے اکتساب سے ثواب وعذاب کیسے ہوگیا۔ حالانکہ اس آیت میں تو اس کی نفی کی گئی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بلا اکتساب دوسرے کی طرف سے ثواب ملنے میں اس آیت کو سامنے رکھ کر چار جواب ہوں گے اور بلا اکتساب عذاب ہونے میں دو توجیہیں ہوں گی۔

بلا اکتساب ثواب ملنے کی چار توجیہیں یہ ہیں (۱) آیت لہا ما کسبت اور لیس للانسان میں اولی طور پر ثواب مراد ہے اور دوسروں کے ذریعہ سے ثواب مل جانا بالواسطہ اور تسبب کے درجہ میں ہوگا۔ اس لئے ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ ایک میں بلاواسطہ ثواب مراد ہے اور دوسرے میں بواسطہ، دونوں جمع ہوسکتے ہیں یہ مانعۃ الجمع نہیں ہے۔

(۲) تسبب اور دوسروں کے لئے ذریعۂ ثواب بن جانا درحقیقت یہ بھی اپنا ہی فعل اختیاری ہے اور اپنے فعلِ اختیاری پر ثواب کا ملنا اس آیت میں منصوص ہے اس لئے دوسروں کے لئے نیکی کا ذریعہ بن جانا اپنا ہی فعل ہے اور قابلِ ثواب ہے۔

(۳) دوسرے کی طرف سے ثواب کا بخش دیا جانا اگرچہ موہوب لہٗ کے لئے غیر اختیاری فعل ہے لیکن بواسطہ ہبہ کے ثواب مل رہا ہے جو اس آیت کے منافی نہیں ہے کیونکہ آیت حصر ابتداءً ثواب کا ہے جو بالواسطہ ثواب کے منافی نہیں ہے۔

(۴) کہا جائے کہ اس آیت میں اصل مقصد صرف عذاب کی نفی ہے خود اپنے فعل کے ثواب یا دوسرے کے فعل کے ذریعہ ثواب کی نفی کرنا نہیں ہے اس لئے دوسرے کے ثواب بخش دینے سے ثواب کا مل جانا اس آیت کے منافی نہیں ہے۔

اور بلا اکتساب کے لئے برائی کا ذریعہ بن جانا بھی درحقیقت اپنا ہی فعل اختیاری ہے اور فعلِ اختیاری پر عتاب ہوا کرتا ہے اس لئے یہ عذاب بھی باعثِ اشکال نہیں ہونا چاہیئے۔

دعائیہ پیرایۂ بیان:............ افعال قلوب غیر اختیاریہ کا ذکر تو کلیاً اور جزئیاً دونوں طرح ان تبدوا مافی انفسکم الخ اور لایکلف اللہ میں ہو چکا ہے اور افعال جوارح ظاہری کا ذکر بھی کلیۃً قاعدہ کلیہ ہونے کی وجہ سے اس کے تحت ہو چکا ہے لیکن ضرورت تھی کی جزئیاً بھی افعالِ ظاہرہ کا ذکر کیا جائے۔ اس لئے حق تعالیٰ مع مضامین مناسبہ کے دعائیہ پیرایہ میں ان کا ذکر فرماتے ہیں۔ جن چیزوں کا ہونا نہ ہونا دونوں متحمل ہوں اور جن کا کوئی صریحی وعدہ بھی نہ ہو ان کا دعائیہ پیرایہ میں آنا تو ظاہر ہے لیکن جن کا وقوع یقینی ہو اور وعدہ بھی صریحی منقول ہو جیسے "رفعت عن امتی الخطاء والنسیان" سے خطاء ونسیان پر مواخذہ نہ ہونا یقینی ہے پھر ان کا دعائیہ پیرانیہ میں لانا زمانۂ نبوت تک تو اس لحاظ سے ہوگا کہ اے اللہ جس طرح اب تک ہم کو اس کا مکلّف نہیں بنایا آئندہ بھی مکلّف نہ بنایئے اور اس حکم کو منسوخ نہ فرمایئے اور زمانۂ نبوت کے بعد محض تذکیر ہوگی نعمت سابقہ کی کہ ہمارے فضل کو دیکھو کہ کس طرح ہم نے یہ دعاء سکھلائی اور اس کو قبول کر کے سابقہ حکم باقی رکھا منسوخ نہیں کیا جیسا کہ مفسر علامؒ اشارہ کررہے ہیں۔

تکلیف مالایطاق عقلاً جائز ہے:............ رہا یہ شبہ کرنا کہ اگر آنحضرت ﷺ کے زمانۂ نبوت میں خطاء ونسیان کا عدمِ مؤاخذہ منسوخ ہوجاتا تو وہ تکلیف مالایطاق لازم آتی۔ اور وہ عقلاً جائز نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں لیکن جواب دیا جائے گا کہ عقلاً اس کا محال ہونا مسلم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے اور وہ مالک ہیں جس طرح چاہیں حکم دے سکتے ہیں البتہ شرعاً تکلیف مالایطاق محال ہے جیسا کہ اشاعرہ کی رائے ہے اور وہ امتناع شرعی نسخ کے ذریعہ اٹھ جاتا۔ البتہ اسی طرح یہ شبہ کرنا کہ جب وہ کام ہو ہی نہیں سکتا پھر مکلّف بنانے سے کیا فائدہ؟ یعنی تکلیف مالایطاق قدرت کے تو منافی نہیں ہے البتہ حکمت کے منافی معلوم ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ حکمت کچھ عمل ہی میں منحصر نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دنیا میں جس طرح ان پر بعض آثار مرتب ہوئے ہیں مثلاً قتل خطاء پر کفارہ نسیاناً کلام کا مفسد نماز ہونا۔ اسی طرح آخرت میں بھی بعض آثار مرتب ہوتے۔ مثلاً اللہ کا مالک اور بندہ کا مملوک ہونا ظاہر کرنے کے لئے اس پر

محاسبہ کیا جاتا اور پھر معذرت کے بعد معافی ہو جاتی۔ سو یہ عملی افادہ ایک بہت بڑی حکمت ہے اور عملی فائدہ یہ کہ مثلاً خطاء ونسیان اسی طرح وساوس وخطرات کے جتنے مراتب معاف کئے گئے ہیں ممکن ہے بعض ان میں اختیاری ہوں اس لئے ان کے مکلف بنانے میں کوئی اشکال نہیں تھا۔ چنانچہ حدیث عن امتی کو قید سے پچھلی امتوں کا بعض مراتب میں مکلف ہونا خود مفہوم ہوتا ہے ورنہ تمام امتوں سے تکلیف مالا یطاق کی نفی تو صرف دو لفظ نفسًا سے سمجھ میں آ رہی ہے۔

تکلیف مالا یطاق سے کیا مراد ہے؟:...... آیت میں زائد از طاقت جن کاموں کی نفی کی گئی ہے ان سے مراد یہ ہیں مثلاً اجتماع الضدین کی تکلیف دی جاتی یا کسی جاندار کو بنانے یا ہوا میں اڑانے کا مکلف کیا جاتا یا بحالتِ بیماری نماز کے قیام اور وضو پر مجبور کیا جاتا وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح الا وسعھا میں قدرت میسرہ مراد ہے جس کو مدار احکام بنایا گیا ہے قدرت ممکنہ مراد نہیں ہے ورنہ انسان ایک دن میں پانچ نمازوں سے زائد اور سال بھر میں ایک ماہ سے زائد روزوں کی طاقت اور قدرت رکھتا ہے لیکن باعث سہولت نہیں بلکہ دقت کا باعث ہوتی۔ حدیث میں آیا ہے کہ یہ سب دعائیں قبول ہو گئیں بعض کی قبولیت تو ظاہر ہے لیکن بعض کی قبولیت میں اگر شبہ ہو تو یہ خیال کر لینا چاہئے کہ کسی ظاہری یا باطنی مصلحت سے کسی وقت اگر عدم قبولیت ہی نافع ہو تو وہ عدم قبولیت بھی قبولیت ہی ہے کیونکہ خود قبولیت مقصود اصلی نہیں ہے۔ اصل مقصد تو مصلحت ہوتی ہے وہ جس صورت میں بھی ہو قبولیت یا عدم قبولیت کے لحاظ سے جن مضامین سے سورت شروع ہوئی تھی ان ہی مضامین پر سورت کا اختتام بھی ہو رہا ہے۔ کفار کے مقابلہ میں نصرت محاجۂ لسانی، غلبۂ سنانی دونوں میں مطلوب ہے اور یہی حاصل ہے آئندہ سورۂ آل عمران کا (ملخصاً من البیان)

ان تبدوا مافی انفسکم میں افعال قلوب کے حکم کی تحقیق ہے لا نفرق بین احد انبیاءؑ کی طرح اولیاء میں بھی تفریق نہیں کرنی چاہئے کہ ایک پر اعتقاد رکھے اور دوسرے پر نہ رکھے۔ لا یکلف اللہ میں دلالت ہے کہ مجاہدہ میں سالک کے حال کی رعایت ہونی چاہیئے۔ اٰمن الرسول میں باوجود آنحضرت ﷺ کے کامل الایمان بلکہ اکمل الایمان ہونے کے کمال مزید کی ترغیب دینے سے معلوم ہوا کہ ترقی کی کوئی انتہا نہیں ہے لا یکلف اللہ سے معلوم ہوا کہ تجلیات کا ورود بھی بقدر استعداد ہوتا ہے جس سے طالب تنگ دل نہ ہو جائے (مسائل السلوک)

قد تمت سورۃ البقرۃ بحمداللہ۔ وتتلیھا سورۃ آل عمران انشاء اللہ

سورة ال عمرٰن مَدنيّة وهىَ مائتا اٰية

ترجمہ:............سورۃ آل عمران مدنیہ ہے، اس میں دوسو آیات ہیں

تحقیق وترکیب:............ **سورة ال عمران** مبتدا ہے اور مدنیۃ خبر اول ہے اور مائتا آیۃ دوسری خبر ہے یعنی ہجرت کے بعد یہ سورت نازل ہوئی ہے خواہ مدینہ کے علاوہ دوسری جگہ نازل ہوئی ہو۔ اور عمران کے مصداق میں علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے والد مراد ہیں اور بعض کے نزدیک حضرت مریمؑ کے والد ہیں۔ چنانچہ اس سورت میں حضرت مریمؑ وعیسیٰؑ کا ذکر اس بات کا قرینہ ہے۔ اول صورت میں آل عمران سے مراد حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام ہونگے اور دوسری صورت میں حضرت مریم وعیسیٰ علیہما السلام مراد ہوں گے دونوں عمرانوں کے درمیان اٹھارہ سو سال کا فصل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ترجمہ:............شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **الْكِتٰبَ** الْقُرْاٰنَ مُتَلَبِّسًا **بِالْحَقِّ** بِالصِّدْقِ فِىْ اَخْبَارِهٖ **مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ** قَبْلَهٗ مِنَ الْكُتُبِ **وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ** اَىْ قَبْلَ تَنْزِيْلِهٖ **هُدًى** حَالٌ بِمَعْنٰى هَادِيَيْنِ مِنَ الضَّلَالَةِ **لِّلنَّاسِ** مِمَّنْ تَبِعَهُمَا وَعَبَّرَ فِيْهِمَا بِاَنْزَلَ وَفِى الْقُرْاٰنِ بِنَزَّلَ الْمُقْتَضِىْ لِلتَّكْرِيْرِ لِاَنَّهُمَا اُنْزِلَا دَفْعَةً وَّاحِدَةً بِخِلَافِهٖ **وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ۙ** بِمَعْنَى الْكُتُبِ الْفَارِقَةِ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَذَكَرَ بَعْدَ ذِكْرِ الثَّلٰثَةِ لِيَعُمَّ مَاعَدَاهَا **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** الْقُرْاٰنِ وَغَيْرِهٖ **لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ** غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ فَلَايَمْنَعُهٗ شَىْءٌ مِنْ اِنْجَازِ وَعِيْدِهٖ وَوَعْدِهٖ **ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾** عُقُوْبَةٍ شَدِيْدَةٍ مِمَّنْ عَصَاهُ لَايَقْدِرُ عَلٰى مِثْلِهَا اَحَدٌ **اِنَّ اللّٰهَ لَايَخْفٰى عَلَيْهِ شَىْءٌ** كَائِنٌ **فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ﴿۵﴾** لِعِلْمِهٖ بِمَايَقَعُ فِى الْعَالَمِ مِنْ كُلِّيٍّ وَجُزْئِيٍّ وَخَصَّهُمَا بِالذِّكْرِ لِاَنَّ

الْحِسَّ لَایَتَجَاوَزُهُمَا **هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ** مِنْ ذُکُوْرَةٍ وَاُنُوْثَةٍ وَبَیَاضٍ وَسَوَادٍ وَغَیْرِ ذٰلِکَ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ** فِیْ مُلْکِهٖ **الْحَکِیْمُ﴿۶﴾** فِیْ صُنْعِهٖ **هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ** وَاضِحَاتُ الدَّلَالَةِ **هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ** اَصْلُهُ الْمُعْتَمَدُ عَلَیْهِ فِی الْاَحْکَامِ **وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ** لَایُفْهَمُ مَعَانِیْهَا کَاَوَائِلِ السُّوَرِ وَجَعَلَهٗ کُلَّهٗ مُحْکَمًا فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی اُحْکِمَتْ اٰیَاتُهٗ بِمَعْنٰی اَنَّهٗ لَیْسَ فِیْهِ عَیْبٌ وَمُتَشَابِهًا فِیْ قَوْلِهٖ کِتَابًا مُّتَشَابِهًا بِمَعْنٰی اَنَّهٗ یُشْبِهُ بَعْضُهٗ بَعْضًا فِی الْحُسْنِ وَالصِّدْقِ **فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ** مَیْلٌ عَنِ الْحَقِّ **فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ** طَلَبَ **الْفِتْنَةِ** لِجُهَّالِهِمْ لِوُقُوْعِهِمْ فِی الشُّبُهَاتِ وَاللَّبْسِ **وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ** تَفْسِیْرِهٖ **وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ** وَحْدَهٗ **وَالرّٰسِخُوْنَ** الثَّابِتُوْنَ الْمُتَمَکِّنُوْنَ **فِی الْعِلْمِ** مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ** اَیْ بِالْمُتَشَابِهِ اَنَّهٗ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ وَلَانَعْلَمُ مَعْنَاهُ **کُلٌّ مِّنْ** الْمُحْکَمِ وَالْمُتَشَابِهِ **مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ** بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی الذَّالِ اَیْ یَتَّعِظُ **اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴿۷﴾** اَصْحَابُ الْعُقُوْلِ وَیَقُوْلُوْنَ اَیْضًا اِذَا رَاَوْا مَنْ یَتَّبِعُهٗ **رَبَّنَا لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا** تُمِلْهَا عَنِ الْحَقِّ بِابْتِغَاءِ تَاْوِیْلِهِ الَّذِیْ لَایَلِیْقُ بِنَا کَمَا اَزَغْتَ قُلُوْبَ اُولٰٓئِکَ **بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا** اَرْشَدْتَنَا اِلَیْهِ **وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ** مِنْ عِنْدِکَ **رَحْمَةً** تَثْبِیْتًا **اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴿۸﴾** یَا **رَبَّنَآ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ** تَجْمَعُهُمْ **لِیَوْمٍ لَّارَیْبَ** شَکَّ **فِیْهِ** هُوَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ فَتُجَازِیْهِمْ بِاَعْمَالِهِمْ کَمَا وَعَدْتَ بِذٰلِکَ **اِنَّ اللّٰهَ لَایُخْلِفُ الْمِیْعَادَ﴿۹﴾** مَوْعِدَهٗ بِالْبَعْثِ فِیْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ وَیَحْتَمِلُ اَنْ یَکُوْنَ مِنْ کَلَامِهٖ تَعَالٰی وَالْغَرَضُ مِنَ الدُّعَاءِ بِذٰلِکَ بَیَانُ اَنَّ هَمَّهُمْ اَمْرُ الْاٰخِرَةِ وَلِذٰلِکَ سَاَلُوا الثَّبَاتَ عَلَی الْهِدَایَةِ لِیَنَالُوْا ثَوَابَهَا رَوَی الشَّیْخَانِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَلَارَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ اِلٰی اٰخِرِهَا وَقَالَ فَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْ سَمَّی اللّٰهُ تَعَالٰی فَاحْذَرُوْهُمْ وَرَوَی الطَّبْرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ عَنْ اَبِیْ مَالِکِ الْاَشْعَرِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ اِلَّا ثَلٰثَ خِلَالٍ وَذَکَرَ مِنْهَا اَنْ یُفْتَحَ لَهُمُ الْکِتٰبُ فَیَاْخُذُهُ الْمُؤْمِنُ یَبْتَغِیْ تَاْوِیْلَهٗ وَلَیْسَ یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَایَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ الْحَدِیْثَ۔

ترجمہ:.........الف۔ لام۔ میم (اس کے حقیقی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے) اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی معبود بنانے کے لائق نہیں ہے اور وہ زندہ اور سب چیزوں کو سنبھالنے والے ہیں۔ انہوں نے آپؐ کے پاس (اے محمدؐ) کتاب (قرآن) بھیجی ہے

درآنحالیکہ وہ لئے ہوئے ہے) واقعیت (صداقت اخبار) کو اس کیفیت سے کہ وہ تصدیق کرتا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے (کتابیں) نازل ہو چکی ہیں اور اللہ نے نازل فرمائیں تھیں تورات وانجیل اس سے پہلے (یعنی نزول قرآن سے پہلے) ہدایت کے واسطے (ھدیٰ حال ہے یعنی ہادی ہیں گمراہی کے لئے) لوگوں کی (جو ان کا اتباع کرلے۔ تورات وانجیل کو لفظ انزل سے اور قرآن کریم کو لفظ نــزل سے تعبیر فرمایا ہے جو مقتضی تکرار ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تورات وانجیل دونوں کتابیں ایک دم نازل ہوئیں۔ بخلاف قرآن کے) اور اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے فیصلہ کن چیز کو (یعنی جو کتابیں حق وباطل کے درمیان فیصلہ کن ہیں۔ اور تینوں کتابوں کے بعد اس لفظ کا ذکر اس لئے کیا ہے تاکہ ان تینوں کے علاوہ بھی سب کو شامل ہو جائے) بلاشبہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات (قرآن وغیرہ) کے منکر ہیں ان کے لئے سزائیں سخت ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہیں (اپنے کام پر غلبہ والے ہیں ان کو وعدو وعید کے پورا کرنے سے کوئی چیز روکنے والی نہیں ہے) اور بدلہ لینے والے ہیں (سخت سزا دینے والے ہیں نافرمانوں کو کسی کو ایسی سزا پر قدرت حاصل نہیں ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے خواہ زمین میں ہو یا آسمان میں (عالم میں جو کلی یا جزئی واقعہ ہوتا ہے اس کا علم حق تعالیٰ کو ہوتا ہے۔ زمین وآسمان کی تخصیص اس لئے کی کہ عالم حس ان سے آگے متجاوز نہیں ہے) وہ ایسی ذات ہے کہ تمہاری شکل وصورت بناتا ہے رحم مادر میں جس طرح چاہتا ہے (نر یا مادہ سفید یا سیاہ وغیرہ) کوئی لائق عبادت نہیں ہے بجز اس کے۔ وہ غالب ہیں (اپنے ملک میں) حکمت والے ہیں (اپنی کاریگری میں) وہ ایسے ہیں کہ نازل کی آپ پر ایسی کتاب کہ جس میں ایک حصہ ایسی آیات کا ہے جو اشتباہ مراد سے محفوظ ہے (واضح الدلالۃ) ہے اور یہی آیات مدار اصلی ہیں (احکام میں ان ہی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے) اور دوسری آیات مشتبہ المراد ہیں (کہ ان کے معانی مفہوم ہی نہیں ہوتے جیسے مقطعات قرآنیہ لیکن آیت احکمت ایاته میں پورے قرآن کو بایں معنی محکم کہا گیا ہے کہ اس میں کہیں عیب نہیں ہے۔ اور دوسری آیت کتابا متشابھا میں کل قرآن کو متشابہ کہا گیا ہے یعنی حسن اور صدق میں سب آیات ایک جیسی ہیں) سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی (حق سے اعراض) ہے۔ وہ تو اس کے اس حصہ کی طرف ہو لیتے ہیں جو مشتبہ المراد ہے تلاش (جستجو) کرنے کے لئے شورش کی (شبہات والتباس کی بھنور کہ جس میں وہ متبلا ہیں) اور اس (مشتبہ المراد) کا مطلب ڈھونڈتے کی غرض سے حالانکہ اس کا مطلب بجز (تنہا) اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ پختہ کار (مضبوط جمے ہوئے) ہیں علم میں (یہ مبتداء ہے اس کی خبر آگے ہے) وہ تو یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں (یعنی متشابہ کے منجانب اللہ ہونے پر اگرچہ ہم اس کے معنی نہیں جانتے) سب آیات (ظاہر المعنی اور خفی المعنی) ہمارے پروردگار کی جانب سے ہیں اور نصیحت کی بات قبول نہیں کرتے (یذکر دراصل یتذکر تھا تا کو ذال کیا اور ذال کو ذال میں ادغام کر دیا بمعنی یتّعظُ) بجز دانشمندوں کے جو ارباب عقل ہیں وہ یوں بھی کہتے ہیں کہ جب کسی کو اس کا اتباع کرتے دیکھتے ہیں کہ) خدایا ہمارے دلوں کو کج نہ ہونے دیجئے (ایسا کہ حق سے پھر جائے نامناسب تاویلیں کر کے جیسا کہ ان یہود کے دل آپ نے پھیر دیئے ہیں) اس کے بعد کہ آپ ہم کو ہدایت کر چکے ہیں اس طریق کی طرف رہنمائی فرما چکے ہیں) اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما دیجئے (ثابت قدمی) یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی خلاف نہیں ہوگا۔ (دربارہ قیامت اس جملہ میں خطاب سے غیوبت کی طرف التفات فرمایا گیا ہے اور ممکن ہے یہ بھی منجملہ کلام الٰہی ہو اور خاص اس دعاء کی غرض یہ ہے کہ آخرت کا ان لوگوں کی غرض اصلی ہونا معلوم ہو جائے۔ اسی لئے ہدایت پر ثبات قدمی کی دعا مانگی ہے تاکہ اس کا ثواب حاصل کر سکیں۔ شیخین (بخاری ومسلم) نے حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت **ھو الذی انزل علیک الکتب منه آیٰت محکمٰت الی اخرھا** تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جب تم لوگوں کو دیکھو کہ وہ متشابہ آیات کے درپے ہو رہے ہیں تو سمجھ لو کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر حق تعالیٰ اس آیت میں فرما رہے ہیں اس لئے ان سے بچنے کی کوشش کرو۔ اور طبرانی نے کبیر میں ابو مالک اشعریؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ ”میں اپنی امت پر بجز تین باتوں کے کسی بات کا اندیشہ نہیں کرتا

ہوں منجملہ ان کے ایک بات آپ نے یہ فرمائی لوگوں کے سامنے قرآن کھولا جائے گا لیکن مسلمان اس کی تاویل کے درپے ہوں گے حالانکہ اس کی تاویل بجز اللہ کے کوئی نہیں جانتا اور راسخین فی العلم تو یہی کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ تمام آیات ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت کی بات اہل حق ہی قبول کیا کرتے ہیں۔ (الحدیث)

تحقیق وترکیب:......... **بالحق** سے پہلے **متلبسا** اس طرف مشیر ہے کہ بالحق موضع حال میں ہے اور باسببیہ ہے۔ **بین یدیه** یہ لفظ **اضداد** میں سے ہے سامنے کے معنی ہیں۔ آگے اور پیچھے دونوں زمانوں میں مجازاً اطلاق ہوتا ہے چنانچہ یہاں زمانۂ ماضی کے اخبار مراد ہیں۔ انزل باب افعال اور تفعیل دونوں متعدی کرنے کے لئے مفید ہوتے ہیں۔ لیکن قرآن کے لئے تنزیل اور تورات وانجیل کے لئے انزال یا تو صرف تفنن عبارت کے لئے ہے اور یا اس فرق کے لئے ہے کہ اول مفید تکرار ہوتا ہے اور دوسرا مفید نہیں ہوتا۔ **الفرقان** تعمیم بعد التخصیص کے طریقہ پر زبور وغیرہ تمام کتابیں مراد ہیں۔ اور یا قرآن ہی کو خصوصی وصف کے ساتھ فرقان کہا گیا ہے **لانه فارق بين الحق والباطل وبين الحلال و الحرام** اور یا ان سے قوت عاقلہ لی جائے کہ اس سے بھی حق وباطل کے درمیان امتیاز ہوتا ہے گویا قرآن قوت فاعلہ ہے اور عقل قوت قابلہ ہے۔ **ذو انتقام** تنکیر تعظیم کے لئے ہے۔

ان الله لایخفی یہ جواب ہے ان کے اس قول کا کہ **عیسیٰ الله یعلم الامور** حاصل جواب یہ ہے کہ الوہیت کے یہ لوازم حضرت عیسیٰؑ میں منتفی ہیں اور انتفاء لوازم مستلزم ہوتا ہے انتفاء ملزوم کو لہٰذا ان کی الوہیت غیر مسلم ہے۔

في الارض . کائن محذوف کے متعلق ہے اور صفت ہے شئی کی **محکمت** یعنی جس کی عبارت اجمال واشتباہ سے محفوظ ہو۔ اب اس میں ظاہر، نص، مفسر، محکم اقسام اربعہ داخل ہو جائیں گی **ام الکتاب**. آیات محکمات جمع ہیں اور ام الکتاب مفرد ہے اشارہ اس طرف ہے کہ مجموعہ آیات بمنزلہ آیت واحدہ کے ہیں۔ اور جلال محقق اسی اشکال کی توجیہ لفظ اصل نکال کر کر رہے ہیں کہ ام کے معنی اصل کے ہیں اور اصل کا اطلاق مفرد اور متعدد دونوں پر ہوتا ہے۔ **متشابهات** مقصود قرآن کریم کا جب ہدایت وارشاد ہے تو تمام قرآن ہی محکم ہونا چاہئے تھا کوئی حصہ بھی متشابہ نہ ہوتا لیکن قرآن کریم چونکہ اسلوب عرب پر نازل ہوا ہے اور عربی اسلوب میں مجاز، کنایہ، تلمیح وغیرہ کی تعبیریں بھی داخل ہیں اس لئے بعض حصہ کلام متشابہ بھی ہوا۔ مفسر علامؒ نے تین آیات جمع کر کے جو اشکال پیش کیا حاصل اس کا یہ ہے کہ ان تینوں آیات میں بظاہر تعارض ہے ایک آیت میں پورے قرآن کا محکم اور دوسری میں پورے قرآن کا متشابہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور اس آیت میں قرآن کا محکم اور متشابہ دونوں حصوں پر مشتمل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس کی صحت اور تطبیق کا حاصل یہ ہے کہ ان تینوں آیات میں محکم اور متشابہ کے معانی علیحدہ علیحدہ ہیں اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے۔

ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ قرآن کی آیات چار طرح کی ہیں (۱) کوئی بھی ان سے ناواقف نہیں رہ سکتا جیسے **قل هو الله احد** (۲) اس کے معانی سمجھنے کے لئے لغات القرآن سے واقفیت کی ضرورت ہے جیسے **هي عصاي اتوكؤا عليها واهش بها على غنمي** (۳) علمائے راسخین جن کے معانی جانتے ہوں (۴) اس کے معانی صرف اللہ کو معلوم ہیں۔

متشابہ آخر کی دو قسموں میں داخل ہے اور محکم اور متشابہ آیات کے لانے میں حکمت یہ ہے کہ محکم کے معانی اگرچہ مفہوم ہیں لیکن مماثلت لفظی سے لوگوں کا عجز ظاہر ہوتا ہے اور متشابہ لانے میں معنوی اور لفظی دونوں طرح کے عجز پیش نظر ہوتے ہیں۔

الا الله اکثر صحابہؓ اور قراء مثلاً ابن عباسؓ، عائشہؓ، مالک بن انسؒ، حسنؒ، کسائی، ابوحنیفہ رحمہم اللہ۔ **الله** پر وقف کرتے ہیں چنانچہ **والراسخون** کی قرأت واؤ استینافیہ کے ساتھ بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ اور بعض حضرات مثلاً مجاہد، ربیع ابن انسؒ، اکثر متکلمین معتزلہ **في العلم** پر وقف کرتے ہیں۔ چنانچہ مجاہدؒ وضحاکؒ کی روایت ابن عباسؓ سے یہی ہے اور علامہؒ نے اس کو اصح کہا ہے علامہ ابن حاجبؒ

نے بھی اس کو مختار کہا ہے۔لیکن امام الحرمینؒ اول تاویل کی طرف مائل تھے اور بعد میں اتباع سلف کرتے ہوئے متشابہ کے معانی سے ترک تعرض کرلیا۔اور ابن اصلاح نے تو اس طریقہ کا اتباع کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ **علی ذالک مضی صدر الامة وساداتها واختار ائمة الفقهاء والحديث. والراسخون** اگر الا اللہ پر وقف کیا جائے تو یہ مبتداء ہے ورنہ یہ حال ہوگا۔ای **الراسخون يعلمون تاويله حال كونهم قائلين ذلک** اور جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے جوموضح حال ہو۔بقول شارح جامیؒ **اما الذين فی قلوبهم زيغ** کا معطوف اما ثانیہ محذوف ہے۔تقدیر عبارت اس طرح ہے **واما الذين ليس فی قلوبهم زيغ فيتبعون المحكمات.**

من عند ربنا صرف **من ربنا** نہیں کہا بلکہ آیات متشابہ پر ایمان لانا مزید تاکید کا مقتضی تھا اس لئے لفظ **عند** بڑھا دیا۔یا ربنا جلال مفسرؒ نے یہاں حرف ندا کا اضافہ اس لئے کر دیا کہ معنی دعاء واضح ہوجائیں برخلاف اول کے کہ وہاں پہلے ہی دعائیہ معنی ظاہر تھے امام رازیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ جملہ بھی **راسخون فی العلم** کی دعاء کا نتیجہ ہے۔**انک انت الوهاب** سے قاضی بیضاویؒ نے مستنبط کیا ہے کہ ہدایت وگمراہی دونوں منجانب اللہ ہوتی ہیں۔اور یہ کہ اللہ کا انعام بندوں پر محض اس کا فضل ہے۔اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے۔**فيه التفات** یعنی پہلے **انک جامع** میں خطاب کا صیغہ استعمال کیا تھا اور اب **ان الله** میں اسم صریحی استعمال کرلیا جوحکم میں غائب کے ہوتا ہے۔اور التفات اسی کو کہتے ہیں کہ مقتضی ظاہر کے خلاف عبارت لائی جائے خواہ پہلی تعبیر اس کے برخلاف ہو جیسا کہ جمہور اہل معانی کی رائے ہے یا یہ عام رکھا جائے کہ پہلے کوئی تعبیر ہوئی یا نہ ہوئی جیسا کہ سکاکی کی رائے ہے **ويحتمل ان يكون** یعنی لوگوں کی دعا **انک جامع الناس** کی تصدیق وتاکید کے لئے حق تعالیٰ یہ جملہ ارشاد فرمارہے ہیں اور **والغرض** سے مفسر علام نے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ بظاہر تو یہ محض جملہ خبریہ ہے مگر مقصود دعاء ہے۔

ربط:............پہلی سورۃ سورۂ بقرہ کو **وانصرنا على القوم الكافرين** پر ختم کیا گیا تھا جس کا حاصل محاجہ لسانی وسنانی میں غلبہ نکلتا تھا۔اس پوری سورت کا حاصل بھی یہی خلاصہ مضمون ہے لیکن اس محاجۃ کی ضرورت نوبت محض اس لئے آئی کہ دین کے بنیادی مسئلہ توحید میں اختلاف تھا۔اس لئے مضمون توحید ہی سے سورت کا آغاز کیا جارہا ہے۔اس کے بعد **نزل عليک** میں قرآن کی حقانیت کا اثبات **ان الذين كفروا** میں منکرین کے لئے وعید اور **ان الله لايخفى الخ** میں توحید کا تتمہ اور **هو الذى انزل الخ** میں قرآن اور اس کے سننے والوں کی دوقسمیں پھر آگے **ربنا الخ** سے حق پرستوں کی قولی اطاعت یعنی دعاء کا بیان ہے۔

شانِ نزول:............ابن جریرؒ اور محمد بن اسحاقؒ وغیرہ محدثین نے روایت کی ہے اور یہ متعدد روایتیں انفرادی طور پر اگرچہ کچھ کم درجہ ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ نجران جو مدینہ سے چند منزل فاصلہ پر ایک جگہ ہے وہاں سے ساٹھ افراد پر مشتمل نصاریٰ کی ایک جماعت جن کا لاٹ پادری عبدالمسیح اور اس کا وزیر ایہم اور پوپ اعظم ابوحارثہ بن علقمہ تھے۔اس پوپ کی شاہ روم کے یہاں بڑی عزت وتوقیر تھی اور کلیسائے عرب کی سیادت بھی اسی کو حاصل تھی۔غرضکہ یہ جماعت مدینہ طیبہ حاضری کے لئے نکلی کہ ابوحارثہ کے خچر نے ایک ٹھوکر کھائی جس پر اس کے بھائی کرز کی زبان سے نکلا کہ ہم جہاں جارہے ہیں وہ بڑا کمبخت معلوم ہوتا ہے لیکن ابوحارثہ نے اس پر خفگی کا اظہار کیا اور کہنے لگا کہ جس شخص کے پاس ہم جارہے ہیں واللہ وہ نبی ہے جس کی بشارت حضرت موسیٰ نے تورات میں دی اور حضرت مسیح بھی مصلوب ہونے کے وقت اس کی بشارت دے گئے۔حضرت مسیح اور یوحنا سے لے کر اب تک ان کا انتظار تھا۔

اس پر کرز کہنے لگا کہ پھر آپ اس کے دین کو کیوں نہیں قبول کر لیتے؟ حارثہ کہنے لگا کہ پھر بادشاہ کا تقرب اور عزت ودولت سب

خاک میں مل جائے۔

غرضکہ یہ سب مناظرہ کے لئے حاضر خدمت ہوئے اور چونکہ الوہیت مسیح اور ابنیت مسیح اور تثلیث کے قائل تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان تینوں عقائد کو باطل کرنے کے لئے اور حضرت مسیح کی بندگی ثابت کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ (۱) اللہ اس کی بات سے پاک ہے کہ وہ نو مہینے رحم مادر میں رہ کو خون پیپ سے پرورش پائے، اور پھر پیدائش کے بعد کھائے پیئے اور بقول عیسائی سولی پر لٹکایا جائے اور تڑپ تڑپ کر جان دیدے۔

(۲) باپ بیٹے میں مماثلت ہونی چاہئے حالانکہ کوئی چیز بھی خدا کے مماثل نہیں ہے۔ (۳) اور اگر اب بھی دل میں کچھ کھٹک ہو اور اطمینان نہ ہو تو میں مباہلہ کے لئے تیار ہوں۔ غرضکہ لاجواب ہو کر انہوں نے آپ سے مہلت مانگی اور کہنے لگے کہ بلاشبہ یہ شخص اللہ کا رسول ہے اس سے مباہلہ کا انجام ہمارے حق میں نہایت تباہ کن ہوگا اس لئے آپ سے ایک معتد بہ مقدار جزیہ پر صلح ہوگئی اور اس کو منظور کر کے واپس ہوگئے۔ اسی سلسلہ میں آیات الٓمٓ اللہ لا الہ الا ھو الخ نازل ہوئیں۔

نیز اس وفد نے آپ پر یہ اعتراض بھی کیا کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ نہیں کہتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک کہتے ہیں اسی طرح انہوں نے کہا کہ آپ اللہ کے لئے متکلم مع الغیر کے صیغے استعمال کرتے ہیں مثلاً **نحن قدرنا** اور **نحن قسمنا** اس سے ہماری باتوں کی صحت ثابت ہوتی ہے چنانچہ اس پر **ھو الذی انزل الخ** سے لے کر تقریباً اسی (۸۰) یا اس سے کچھ اوپر آیات نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾: عیسائیوں کی تثلیث کا رد: .... آیت **لا الٰہ الا ھو الحی القیوم** میں عیسائیوں کے مذکورہ تینوں عقیدوں کا ابطال کر دیا گیا ہے کیونکہ توحید حقیقی کے منافی دونوں صورتیں ہیں خواہ مستقلاً مریم، عیسیٰ، اللہ کو اقانیم ثلاثہ مانا جائے یا مرکب کر کے واحد اعتبار قرار دیا جائے۔ بہر صورت یہ عقیدہ وحدت حقیقیہ کے منافی ہے۔ پھر ''حی وقیوم'' کہہ کر دلیل عقلی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو چیز ازلاً وابداً موجود نہ ہو بلکہ خود اپنی حفاظت میں بھی دوسروں کی محتاج ہو وہ الوہیت کی عزت سے کیسے ہمکنار ہو سکتی ہے کیونکہ بندگی اور عبادت کہتے ہیں غایت تذلل کو اور غایت تذلل اسی کے سامنے کیا جا سکتا ہے جس کو غایت عزت نصیب ہو۔ اور غایت عزت اسی کا حصہ ہوتا ہے جس میں غایت کمال ہو لیکن حیات اور قیومیت سے محروم ہو کر دوسروں کا محتاج ہونا یہ انتہائی نقص ہے جو انتہائی عزت کے منافی ہے۔ اس لئے ناقص ذات الوہیت کی انتہائی عزت کی سزاوار کس طرح ہو سکتی ہے؟ اثباتِ توحید کے بعد نبوت و وحی اور قرآن کی حقانیت کا اثبات کیا جا رہا ہے۔

پادریوں کا استدلال: .... رہا عیسائیوں کا ''کلمۃ اللہ'' اور ''روح اللہ'' وغیرہ الفاظ سے عقیدۂ ابنیت پر استدلال کرنا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ یہ الفاظ خفی المراد ہیں۔ حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی میں مستعمل ہیں۔ چنانچہ بیٹے کا اطلاق جس طرح حقیقی بیٹے پر ہوتا ہے دوسرے شخص کو بھی پیار اور لاڈ میں مجازاً بیٹا کہہ دیا جاتا ہے۔ عیسائی ایسے ہی مجاز کی آڑ لے کر حقیقت کی وادیوں میں بھٹک گئے ہیں لیکن دینی عقائد کا مدار اور مذہبی عمارت کی بنیاد صاف اور صریح الفاظ پر ہوتی ہے جن کو محکمات کہنا چاہئے مبہم اور غیر صریح الفاظ کو ان ہی واضح اور کھلے لفظوں کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ چنانچہ ''کلمۃ اللہ'' اور ''روح اللہ'' میں قواعد شرعیہ وعقلیہ پر نظر کرتے ہوئے مجازی معنی یہ لئے جائیں گے **ذو روح مسبب وجودہ عن امر اللہ و کلمتہ** اور یہی تاویل حق اور صحیح ہوگی۔

کجی اور پکی سمجھ کے لوگ:............قرآن کریم کی تعلیم دو اصولی قسموں پر مشتمل ہے محکم اور متشابہ۔ اول سے مراد وہ مطالب ہیں جو اصلی بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً توحید، رسالت، اوامر نواہی، حلال، حرام اور متشابہ سے مراد وہ حقائق اور مطالب ہیں جن کا ماوراء عقل سے تعلق ہے اور انسانی حواس ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ مثلاً خدا کی ہستی، اس کی صفات، مرنے کے بعد کی زندگی، آخرت کے احوال واہوال، جب یہ چیزیں انسانی عقل وشعور کی گرفت سے باہر ہیں تو ناگزیر ہے کہ ان کے لئے پیرایہ بیان تشبیہ ومجاز اور ابہام اصل اور ہدایت وعمل کے لئے کافی سمجھتے ہیں متشابہات کے پیچھے نہیں پڑتے۔ متشابہات گو خلافِ عقل نہیں مگر ماوراء عقل ضرور ہوتے ہیں۔ انسان ان پر یقین کر سکتا ہے لیکن حقیقت نہیں پا سکتا، کیونکہ انسانی عقل کی پہنچ سے وہ باہر ہوتے ہیں اس لئے وہ اللہ کے کلام پر ایمان لے آتے ہیں اس سے آگے قدم بڑھانا نہیں چاہتے۔ لیکن جن لوگوں کی سمجھ میں کجی ہوتی ہے وہ متشابہ کو اصل سرمایہ سمجھتے ہیں اور ایمان ویقین جیسی محکمات کے لئے فتنہ کا سروسامان کر لیتے ہیں۔

محکم ومتشابہ کی تحقیق:............محکم احکام سے مشتق ہے۔ مضبوط بنیاد کو کہتے ہیں **کتاب احکمت ایاته** محکم بمعنی ممنوع کہ ایک احتمال متعین کرنے کے بعد دوسرے احتمال کو روک دیا جاتا ہے حاکم جو ظلم سے روکتا ہے۔ حکمت لایعنی باتوں سے روکتی ہے۔ اور متشابہ کہتے ہیں ہمشکل کو اسی لئے دو چیزوں کے آپس میں ملنے کو بھی کہتے ہیں۔ **کتابا متشابهًا** یہی لغوی معنی مراد ہیں۔ اصولیوں کے نزدیک محکم ایسے لفظ کو کہتے ہیں جس میں نہ دوسرے معنی کا احتمال ہو اور نہ نسخ کا۔ اور اس کے مقابل کو متشابہ کہتے ہیں۔ گویا ایک ظہور کے انتہائی آخری مقام پر ہوتا ہے اور دوسرا اخفاء کے آخری درجہ پر۔

(۱) اور بعض کی رائے ہے کہ محکم کہتے ہیں جس کی مراد ظہور یا تاویل کے ذریعہ سے معلوم ہو سکے۔ اور متشابہ کی مراد کا پتہ چلنا کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا جیسے قیام قیامت، دجال کا نکلنا، حرف مقطعات۔ (۲) اور بعض کے نزدیک محکم میں صرف ایک تاویل کی گنجائش ہوتی ہے اور متشابہ میں چند وجوہ کی محتمل ہوتی ہیں۔ (۳) اور بعض کہتے ہیں کہ محکم ناسخ ہوتا ہے۔ اور متشابہ منسوخ کو کہتے ہیں۔ (۴) کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ محکم میں تکرار الفاظ نہیں ہوتا اور متشابہ میں تکرار الفاظ ہوتا ہے۔ (۵) اور بعض کا خیال ہے کہ محکم معقول المعنی اور متشابہ غیر معقول المعنی کو کہتے ہیں۔ مثلاً نماز میں تعداد رکعات یا اوقاتِ مخصوصہ کا ہونا، روزوں کی فرضیت صرف رمضان کے ساتھ مخصوص ہونا۔ (۶) اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ محکم فرائض، وعد اور وعید کو کہتے ہیں اور متشابہ قصص وامثال کو۔ (۷) علی ہذا بعض علماء کے الفاظ یہ ہیں کہ محکم ان احکام کو کہتے ہیں جو اللہ نے تمام کتابوں میں عام طور پر نازل فرمائے ہوں جیسے **قل تعالوا اتل ماحرم ربکم الخ یا وقضٰی ربک ان لا تعبدوا الا ایاه الخ** اور متشابہ جو حکم قرآن کے ساتھ مخصوص ہو۔ غرضیکہ علامہ سیوطیؒ نے تفسیر اتقان میں محکم اور متشابہ کے سلسلہ میں سترہ (۱۷) قول نقل کئے ہیں۔

مشتبہ المراد کی دو صورتیں:............متشابہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ کہ جن کے معانی نہ لغت سے معلوم ہو سکتے ہیں اور نہ مراد متکلم کا پتہ چل سکتا ہے جیسے مقطعاتِ قرآنیہ۔ چنانچہ کٓهٰیٰعٓصٓ، طٰهٰ، حٰمٓ عٓسٓقٓ، وغیرہ الفاظ کے معانی کا پتہ نہ لغۃً چل سکتا ہے اور نہ مراد متکلم کے جاننے کی کوئی یقینی اور قطعی راہ ہے۔ دوسری قسم ان الفاظ کی ہے جن کے لغوی معانی تو معلوم ہوں لیکن مراد متکلم وتحقیق مشکل ہو۔ مثلاً آیاتِ صفات۔ **الرحمٰن علی العرش استوٰی، ولتصنع علی عینی، کل شئ ھالک الا وجھه یداللہ فوق ایدیھم. والسمٰوٰت مطویٰت، علی ما فرطت فی جنب اللہ، یوم یکشف عن ساق، وھو القاھر فوق عبادہ، نحن اقرب الیه من حبل الورید، وفی انفسکم افلا تبصرون، واللہ بکل شئ محیط، وجاء ربک، یوم یاتی عند**

ربک، من دون اللہ، اینما تولوا فثم وجه اللہ، وهو معکم اینما کنتم، ونفخت فيه من روحی، سنفرغ لکم ایها الثقلان، اللہ نور السمٰوٰت والارض، وجوه یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة، یا بقول امام رازیؒ وہ آیات بھی جن میں اغراض نفسانیہ، رحمت وغضب حیاء، مکر اور استہزاء وغیرہ بیان کی گئی ہیں۔

معتزلہ اور شوافع کے نزدیک متشابہات کی تاویل راسخون فی العلم کو معلوم ہوتی ہے اسی لئے وہ الا اللہ پر وقف نہیں کرتے۔ بلکہ الراسخون فی العلم پر وقف کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر ان کی تاویل کسی کو بھی معلوم نہیں ہوگی تو ناسخ منسوخ، حلال حرام کی شناخت کیسے ہو سکے گی۔ لیکن اکثر صحابہؓ، اہل سنت حنفیہ کی رائے اس کے خلاف ہے۔

متشابہات کی حکمت:............اور متشابہات آیات کے نازل کرنے میں حکمت یہ ہے کہ علمائے راسخین کا اس میں امتحان ہے کہ آیا وہ اپنی طبعی رفتار کے مطابق اس میں بھی گھسنے کی کوشش کرتے ہیں یا اپنی خواہش کے خلاف عقلی ہتھیار ڈال کر تسلیم وانقیاد کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی لئے متقدمین کا مذاق ظواہر نصوص کو بلا چون چرا اور بلا تفتیش کیفیت وغیرہ مان لینا ہے لیکن علمائے متاخرین کو فلسفیانہ جدت طرازیوں، اور فساد طبائع کا لحاظ کرتے ہوئے تاویل اور مجاز کا دروازہ کھولنا پڑا ہے تاکہ عوام کے اطمینان اور حفاظتِ ایمان کا سرو سامان ہو سکے۔ ظاہر نصوص کے حقیقی معانی سے مجسمہ مشبہ جیسے گمراہ فرقے چونکہ رخنہ انداز ہو چکے ہیں اس لئے مجاز کی ''راہ نجات'' نکالنی پڑی مثلاً نفخت فيه من روحی کے معنی نفخت فيه من روح مخلوق اللہ کے لئے اور نور السمٰوٰت الخ کے معنی منور السمٰوٰت الخ کے لئے اسی طرح ید اللہ فوق ایدیهم کے معنی قدرت اللہ فوق قدرتهم کے ہیں وجه اللہ سے مراد ذات اللہ ہے جاء ربک سے مراد جاء امر ربک ہے۔ استویٰ کے معنی استولٰی کے ہیں فی جنب اللہ سے مراد فی جوار رحمت اللہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

مقطعات کے معانی:............اسی طرح متاخرین نے مقطعات قرآنیہ میں بھی تاویل مراد کی کوششیں کی ہے اگرچہ یہاں تاویل چھوڑنے سے وہ بات لازم نہیں آتی جو آیات صفات میں ترک تاویل سے لازم آ رہی تھی۔ چنانچہ الٓمٓ میں الف سے مراد اللہ اور لام سے مراد جبریل اور میم سے مراد محمد لیا یعنی ''اللہ نے جبریل کو محمد کے پاس بھیجا'' یا الف سے مراد انا اور لام سے مراد اللہ اور میم سے مراد اعلم ہو یعنی ان اللہ اعلم علی ہذا الٓمٓصٓ مخفف ہو انا اللہ افصل بین الحق والباطل کا یا المر سے مراد انا اللہ اری اور کٓھٰیٰعٓصٓ میں کاف سے مراد کریم اور ھا سے مراد ہادی اور یا سے مراد حکیم اور عین سے اشارہ علیم کی طرف اور صاد سے اشارہ صادق کی طرف ہو۔ طٰہٰ کے معنی بعض نے یہ بتلائے کہ اس میں طہارت اہل بیت کی قسم کھائی گئی ہے اور بعض نے طا سے طلب عزت، اور ہا سے ہرب کافرین مراد لئے ہیں علی ہذا طٰسٓمٓ میں طا ذی الطول کا مخفف اور سین قدوس کا اور قاف قاہر کا مخفف ہے وغیر ذلک۔

غرضکہ اس طرح آیات صفات اور مقطعاتِ قرآنیہ دونوں میں شوافع کی طرح متاخرین علمائے حنفیہ نے تاویل کی کوشش کی ہے اس طرح اب دونوں میں اختلاف نہیں رہا اور ممکن ہے کہ یہ اختلاف محض لفظی ہو جیسا کہ مقطعاتِ قرآنیہ کی تشریح کے ذیل میں اس سے پہلے گذر چکا ہے۔

فاما الذین فی قلوبهم زیغ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسرار کہ جن کا صدق تو ان کے احوال سے معلوم ہو جائے لیکن ان کی مراد معلوم نہ ہوتی ہو تو ان کے کلام کا انکار نہیں کرنا چاہئے اور نہ اس کلام کے ظاہری معنی پر اعتقاد رکھنا چاہئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ تَدْفَعَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ اَىْ عَذَابِهٖ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ بِفَتْحِ الْوَاوِ مَايُوْقَدُ بِهٖ دَاْبُهُمْ كَدَاْبِ كَعَادَةِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ مِنَ الْاُمَمِ كَعَادٍ وَثَمُوْدَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اَهْلَكَهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَالْجُمْلَةُ مُفَسِّرَةٌ لِمَاقَبْلَهَا وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ وَنَزَلَ لَمَّا اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَهُوْدَ بِالْاِسْلَامِ فِىْ مَرْجِعِهٖ مِنْ بَدْرٍ فَقَالُوْا لَهٗ لَايَغُرَّنَّكَ اَنْ قَتَلْتَ نَفَرًا مِنْ قُرَيْشٍ اِغْمَارًا لَايَعْرِفُوْنَ الْقِتَالَ قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ الْيَهُوْدِ سَتُغْلَبُوْنَ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِى الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْاِسْرِ وَضَرْبِ الْجِزْيَةِ وَقَدْ وَقَعَ ذٰلِكَ وَتُحْشَرُوْنَ بِالْوَجْهَيْنِ فِى الْاٰخِرَةِ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ فَتَدْخُلُوْنَهَا وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ اَلْفِرَاشُ هِيَ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ عِبْرَةٌ وَذُكِّرَ الْفِعْلُ لِلْفَصْلِ فِىْ فِئَتَيْنِ فِرْقَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ يَوْمَ بَدْرٍ لِلْقِتَالِ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَىْ طَاعَتِهٖ وَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ وَكَانُوْا ثَلٰثَمِائَةٍ وَثَلَاثَةَ عَشَرَ رَجُلًا مَعَهُمْ فَرَسَانِ وَسِتُّ اَدْرُعٍ وَثَمَانِيَةُ سُيُوْفٍ وَاَكْثَرُهُمْ رِجَالَةٌ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اَيِ الْكُفَّارُ مِّثْلَيْهِمْ اَيِ الْمُسْلِمِيْنَ اَىْ اَكْثَرَ مِنْهُمْ كَانُوْا نَحْوَ اَلْفٍ رَاْىَ الْعَيْنِ ؕ اَىْ رُؤْيَةً ظَاهِرَةً مُعَايَنَةً وَقَدْ نَصَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَعَ قِلَّتِهِمْ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ يُقَوِّىْ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ نَصْرَهٗ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ لِذَوِى الْبَصَائِرِ اَفَلَاتَعْتَبِرُوْنَ بِذٰلِكَ فَتُؤْمِنُوْنَ ۔

ترجمہ:.......... بلاشبہ جولوگ کفر کرتے ہیں ہرگز ان کے کام نہیں آسکتے (ان کی طرف سے مدافعت نہیں کرسکتے) ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے (عذاب کے) مقابلہ میں ذرہ برابر بھی اور یہ لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے (وقود فتح واؤ کے ساتھ بمعنی ایندھن ان لوگوں کا ڈھنگ ایسا ہے) جیسا ڈھنگ (معاملہ) فرعونیوں اور ان سے پہلے لوگوں کا تھا (قوم عاد وثمود کا) انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی (ان کو تباہ کردیا) ان کی نافرمانی کی وجہ سے (یہ جملہ کذبوا ماقبل کی تفسیر کررہا ہے) اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں (آنحضرت ﷺ نے غزوۂ بدر سے واپسی پر یہود کو جب دعوتِ اسلام پیش کی تو یہود گستاخانہ کہنے لگے کہ اگر آپ (ﷺ) نے قریش کے چند بیوقوفوں کو مار بھگایا جو جنگ کے ناآزمودہ تھے تو اس سے آپ مغرور نہ ہوجائیں۔ اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی) فرمادیجئے (اے محمدؐ) ان کفر کرنے والے لوگوں (یہود) سے کہ عنقریب تم مغلوب کردیئے جاؤ گے (سیغلبون تا اور یا کے ساتھ ہے) دنیا میں قتل وقید وجزیہ کے ذریعہ مغلوب کئے جاؤ گے۔ چنانچہ یہ واقع ہوچکا ہے) اور ہنکا دیئے جاؤ گے (آخرت میں، یا اور تا کے ساتھ دونوں طرح ہے) جہنم کی طرف (اس میں دھکیل دیئے جاؤ گے) اور بہت ہی برا ٹھکانہ (جگہ) ہے وہ۔ بلاشبہ تمہارے لئے بڑی نشانی تھی (یعنی عبرت، اور فعل کان مذکر لایا گیا ہے فاصلہ ہوجانے کی وجہ سے) ان دونوں جماعتوں (گروہوں) میں جو باہم ایک دوسرے کے مدمقابل ہوئے تھے (بدر کے میدان جنگ میں) ایک گروہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑ رہا تھا (یعنی اس کی فرمانبرداری میں۔ مراد اس سے آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ ہیں جو تین سو تیرہ (۳۱۳) تھے۔) جن کے پاس

صرف دو (۲) گھوڑے، چھ (۶) زرہیں، آٹھ (۸) تلواریں تھیں۔ اکثر لوگ پیدل ہی تھے) دوسرا گروہ منکرین حق کا تھا جنہیں دیکھ رہے تھے (یـرون یا اور تا کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی کفار دیکھ رہے تھے خود کو) مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ (یعنی کفار مسلمانوں سے بہت زیادہ تھے چنانچہ ہزار کے قریب تھے) کھلی آنکھوں (یعنی کھلم کھلا دیکھنا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے باوجود قلت تعداد کے مسلمانوں کی مدد فرمائی) اور اللہ تعالیٰ مددگاری (قوت) پہنچا دیتے ہیں اپنی نصرت سے جس کو چاہتے ہیں (مدد دینا) اس (مذکورہ) معاملہ میں بڑی ہی عبرت ہے دانشمندوں کے لئے (اہل بصیرت کے لئے تو کیا تم اس سے عبرت حاصل کر کے ایمان نہیں لے آتے)

تحقیق وترکیب:............لن تغني عنهم کے معنی لن تجزی عنهم یعنی لا تکفیهم بدل الرحمة والطاعة۔ اموالهم چونکہ بطور فدیہ اول مال خرچ کیا جاتا ہے اولاد پر بعد میں آنچ آتی ہے۔ اس لئے مال کی تقدیم اولاد پر کی گئی ہے۔ من الله کے موضع نصب ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور شیئاً اس صورت میں منصوب علی المصدر یا مفعول مطلق ہوگا اور من مجازاً ابتدائیہ ہوگا لیکن اگر لن تغني کو اغن غني وجهک بمعنی غيبه عني سے ماخوذ مانا جائے تو شیئاً مفعول بہ ہو جائے گا۔

وقود النار اس میں شدت عذاب کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب ایندھن کافروں کو بنایا جائے گا تو اس سے زیادہ اور کیا شدت ہو سکتی ہے۔ کذبوا بایٰتنا یہ کلمہ کداب ال فرعون کی تفسیر ہے گویا یہ سوال مقدر کا جواب ہے اس لئے عاطف ترک کر دیا گیا ہے۔

دأب یہ مصدر ہے دأب في العمل اذا کدح فيه سے معنی شان کی طرف منتقل کر لیا گیا۔ الیهود ان سے بنو قریظہ، بنو نضیر مراد ہیں اور یہ واقعہ سوق قینقاع میں پیش آیا تھا۔ چنانچہ یہود نے یہ جملہ بھی مزید کہا تھا لان قاتلنا لعلمت ان نحن الناس۔

اغمارا کی تفسیر لا یعرفون القتال ہے۔ وقد وقع ذلک چنانچہ بنی قُریظہ قتل کئے گئے اور بنی نضیر جلاوطن ہوئے۔ خیبر فتح ہو گیا اور دوسرے یہود باجگذار اسلام بن گئے۔ وبئس المهاد قاضی کی رائے یہ ہے کہ یہ جملہ بھی منجملہ ان اقوال کے ہوگا جو جہنمیوں سے کہے جائیں گے یا جملہ مستانفہ ہے۔ قد کان لکم یہ خطاب قریش یا یہود یا مسلمانوں کو ہے وذکر الفعل یعنی قد کانت کہنا چاہئے تھا لیکن کان اور اس کی خبر کے درمیان اسم فاصل ہو گیا اس لئے فعل مذکر لانے کی گنجائش مل گئی ہے ثلاثمائة الخ ان میں ۷۷ مہاجر اور ۲۳۶ انصار تھے ایک گھوڑا مقداد بن عمرؓ کے پاس اور ایک گھوڑا مرشدؓ بن ابی مرشد کے پاس تھا۔ ۱۷ رمضان ۲ھ کو معرکۂ بدرہ پیش آیا جس سے حق کو فیصلہ کن فتح نصیب ہوئی۔ یرونهم نافعؒ تا کیساتھ اور باقی قرأیا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ رویت بصر یہ مراد ہے۔ ضمیر فاعل مسلمانوں کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے اور کافروں کی طرف بھی اور ضمیر مفعول کفار کی طرف راجع ہوگی۔ اول صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ مسلمانوں نے کفار کو اپنے سے دو چند دیکھا۔ اور دوسری صورت میں حاصل یہ ہوگا کہ کفار نے خود کو مسلمانوں سے دوگنا دیکھا۔ غرضکہ دونوں ضمیریں دونوں کی طرف متفق اور مختلف صورتوں میں راجع ہو سکتی ہیں۔ اس طرح چار احتمال ہو جائیں گے جیسا کہ ادنیٰ تامل سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ مثليهم کا ترجمہ مفسر علامؒ نے اکثر کے ساتھ اس لئے کیا ہے کہ کفار مسلمانوں سے دوگنے نہیں بلکہ تین گنا تھے۔

ربط:............پچھلی آیات میں محاجہ لسانی کا بیان تھا آیت ان الـذيـن میں محاجہ سنانی کا تذکرہ شروع کیا جا رہا ہے یعنی لقمۂ شمشیر واجل ہونے کی دھمکی اور دشمنوں کے زیرنگوں ہونے کی بشارت مذکور ہے۔

شانِ نزول:............شانِ نزول کی تفصیل خود جلال محققؒ پیش کر چکے ہیں جس کا بیان ابھی گذرا ہے۔

﴿تشریح﴾ ......**آنحضرت ﷺ کے بدخواہوں کا انجام بد:** ......یعنی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آل فرعون نے سرکشی جحود کی روش اختیار کی تھی اسی طرح آنحضرت ﷺ کے مقابل قرآن کے ساتھ معاندانہ روش آپ ﷺ کے معاصر کفار اختیار کررہے ہیں اور وہ وقت دُور نہیں جب ان کے لئے بھی وہی ہوگا جو آل فرعون کے لئے ہو چکا ہے اور دنیا دیکھ لے گی کہ آخر فتح مندی کس کا ساتھ دیتی ہے؟ اگر عبرت پذیری کی استعداد فنا نہ ہوگئی ہوتی تو ان لوگوں کو چنانچہ جنگِ بدر کا معاملہ اس معرکہ کارزار کی ابتداء تھی تاہم فیصلہ کن تھی۔ اپنے سے تین گنی، سامان میں غرق تعداد کے لشکر سے قوت آزمائی کی تنبیہ کے لئے کافی سامان کردیا گیا تھا کہ مسلمانوں نے خالی ہاتھ، بت کو شکست وریخت کردیا گیا۔

اور خدا کی نصرت سے میدان اقلیت کے ہاتھ رہا اور اکثریت کے بت کو شکست وریخت کردیا گیا۔ ایک یہ کہ اللہ کی رحمت وعنایت کی بجائے صرف مال واولاد مال واولاد کے قیامت میں کارآمد نہ ہونے کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کی رحمت وعنایت کی بجائے صرف مال واولاد کافی ہوجاتی دوسرے یہ کہ مال واولاد اللہ کے مقابل ہوکر عذاب سے بچالیتے ہیں۔ آیت میں ان دونوں صورتوں کی نفی کرنی ہے۔ اور کفار سے مراد خالص وہی کفار ہیں جو جنگ میں مغلوب ہوئے تھے عام کفار مراد نہیں ہیں کہ یہ شبہ کیا جائے کہ بہت سے کفار مغلوب ہونے کی بجائے غالب رہتے ہیں البتہ سزائے آخرت وہ بلاشبہ سب کفار کے لئے عام ہے۔

ایک اشکال اور اس کا حل: ......غزوۂ بدر کے سلسلہ میں سورۂ انفال سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو خواب میں کفار کا عدد کم دکھلایا گیا تا کہ مسلمانوں کی ہمت وحوصلہ بڑھا رہے لیکن جب دونوں گروہ مدِّ مقابل ہوئے تو مسلمانوں کو کفار اور کفار کو مسلمان کم معلوم ہوئے تا کہ جوش وخروش سے مقابلہ ہو، تا آنکہ مسلمان غالب ہوگئے۔

اس پر بظاہر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا خواب میں اور مسلمان صحابہؓ کا بیداری میں خلاف واقعہ کفار کو کم دیکھنا کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ خلاف واقعہ کہتے ہیں غلط دیکھنے کو لیکن بعض کو دیکھنا اور بعض کو نہ دیکھنا اس کو خلاف واقعہ یا غلط دیکھنا نہیں کہا جائے گا بلکہ کل میں سے بعض کو مصالح مذکورہ کی وجہ سے پوشیدہ کرنا کہا جائے گا جو قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ باقی اس آیت میں کفار کا اپنی جماعت کو مسلمانوں سے کئی گنا زاید دیکھنا اور آیت انفال میں کفار کا مسلمانوں کو کم دیکھنا دونوں کا مفہوم اور ماحصل ایک ہی ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مَاتَشْتَهِيهِ النَّفْسُ وَتَدْعُوا اِلَيْهِ زَيَّنَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى اِبْتِلَاءً اَوِ الشَّيْطَانُ **مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ** اَلْاَمْوَالِ الْكَثِيْرَةِ **الْمُقَنْطَرَةِ** اَلْمُجَمَّعَةِ **مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ** اَلْحِسَانِ **وَالْاَنْعَامِ** اَىِ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ **وَالْحَرْثِ** ط اَلزَّرْعِ **ذٰلِكَ** اَلْمَذْكُورُ **مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** ج يُتَمَتَّعُ بِهِ فِيهَا ثُمَّ يَفْنٰى **وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ** ﴿۱۴﴾ اَلْمَرْجِعِ وَهُوَ الْجَنَّةُ فَيَنْبَغِى الرَّغْبَةُ فِيهِ دُوْنَ غَيْرِهٖ **قُلْ** يَا مُحَمَّدُ لِقَوْمِكَ **اَؤُنَبِّئُكُمْ** اُخْبِرُكُمْ **بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ** ط اَلْمَذْكُورِ مِنَ الشَّهَوَاتِ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيرٍ **لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا** اَلشِّرْكَ **عِنْدَ رَبِّهِمْ** خَبَرٌ مُبْتَدَؤُهٗ **جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ** اَىْ مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ **فِيْهَا** اِذَا دَخَلُوْهَا **وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ** مِنَ الْحَيْضِ وَغَيْرِهٖ مِمَّا يُسْتَقْذَرُ **وَّرِضْوَانٌ** بِكَسْرِ اَوَّلِهٖ وَضَمِّهٖ **مِّنَ اللّٰهِ** ط **وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ** عَالِمٌ **بِالْعِبَادِ** ج ﴿۱۵﴾ فَيُجَازِىْ كُلًّا مِنْهُمْ بِعَمَلِهٖ **اَلَّذِيْنَ** نَعْتٌ اَوْ

بَدَلٌ مِنَ الَّذِينَ قَبْلَهُ **يَقُولُونَ** يَا **رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا** صَدَّقْنَا بِكَ وَبِرَسُوْلِكَ **فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ** عَلَى الطَّاعَةِ وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ نَعْتٌ **وَالصّٰدِقِيْنَ** فِي الْاِيْمَانِ **وَالْقٰنِتِيْنَ** الْمُطِيْعِيْنَ لِلّٰهِ **وَالْمُنْفِقِيْنَ** الْمُتَصَدِّقِيْنَ **وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ** اللّٰهَ بِاَنْ يَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا **بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾** اَوَاخِرِ اللَّيْلِ خُصَّتْ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهَا وَقْتُ الْغَفْلَةِ وَلَذَّةِ النَّوْمِ **شَهِدَ اللّٰهُ** بَيَّنَ لِخَلْقِهٖ بِالدَّلَائِلِ وَالْاٰيَاتِ **اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ** لَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ فِي الْوُجُوْدِ **اِلَّا هُوَ** وَشَهِدَ بِذٰلِكَ **الْمَلٰٓئِكَةُ** بِالْاِقْرَارِ **وَاُولُوا الْعِلْمِ** مِنَ الْاَنْبِيَاۤءِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ بِالْاِعْتِقَادِ وَاللَّفْظِ **قَآئِمًا** بِتَدْبِيْرِ مَصْنُوْعَاتِهٖ وَنَصْبُهٗ عَلَى الْحَالِ وَالْعَامِلُ فِيْهَا مَعْنَى الْجُمْلَةِ اَیْ تَفَرَّدَ **بِالْقِسْطِ** بِالْعَدْلِ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** كَرَّرَهٗ تَاكِيْدًا **الْعَزِيْزُ** فِيْ مُلْكِهٖ **الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾** فِيْ صُنْعِهٖ **اِنَّ الدِّيْنَ** الْمَرْضِيَّ **عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ الْاِسْلَامُ** اَيِ الشَّرْعُ الْمَبْعُوْثُ بِهِ الرُّسُلُ الْمَبْنِيُّ عَلَى التَّوْحِيْدِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ اِنَّ بَدَلٌ مِنْ اَنَّهٗ الخ بَدْلُ اِشْتِمَالٍ **وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فِي الدِّيْنِ بِاَنْ وَحَّدَ بَعْضٌ وَكَفَرَ بَعْضٌ **اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ** بِالتَّوْحِيْدِ **بَغْيًا** مِنَ الْكٰفِرِيْنَ **بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾** اَيِ الْمُجَازَاةِ لَهٗ **فَاِنْ حَآجُّوْكَ** خَاصَمَكَ الْكُفَّارُ يَا مُحَمَّدُ فِي الدِّيْنِ **فَقُلْ** لَهُمْ **اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ** انْقَدْتُ لَهٗ اَنَا **وَمَنِ اتَّبَعَنِ** وَخَصَّ الْوَجْهَ بِالذِّكْرِ لِشَرَفِهٖ فَغَيْرُهٗ اَوْلٰى **وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** الْيَهُوْدِ وَالنَّصٰرٰى **وَالْاُمِّيّٖنَ** مُشْرِكِي الْعَرَبِ **ءَاَسْلَمْتُمْ** اَيْ اَسْلِمُوْا **فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا** مِنَ الضَّلَالِ **وَاِنْ تَوَلَّوْا** عَنِ الْاِسْلَامِ **فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ** التَّبْلِيْغُ لِلرِّسَالَةِ **وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾** فَيُجَازِيْهِمْ بِاَعْمَالِهِمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ۔

ترجمہ: .... خوشنمائی دکھائی گئی ہے لوگوں کے لئے مرغوب چیزوں کی محبت میں (نفس جن چیزوں کی رغبت کرتا ہے اور جن کی طرف بلاتا ہے ان کو اللہ نے مزین کیا ہے آزمانے کے لئے شیطان نے) عورتیں ہوں، بیٹے ہوں، ڈھیر ہوں (مال کثیر کے) لگے ہوئے (جمع شدہ) سونے اور چاندی کے نمبری گھوڑے ہوں (خوبصورت) اور مویشی (یعنی اونٹ، گائے، بکری) ہوں اور کھیتی باڑی (زراعت) یہ سب (مذکورہ چیزیں) استعمالی سامان ہے دنیاوی زندگانی (دنیا میں اس سے نفع اٹھایا جاتا ہے پھر فنا ہو جاتا ہے) اور اللہ ہی کے پاس ہے بہتر انجام کی (وہ ٹھکانہ جنت ہے اسی کی طرف رغبت ہونی چاہئے دوسری طرف نہیں) آپ فرما دیجئے (اے محمد اپنی قوم سے) کیا میں تم کو بتلا دوں (جتلا دوں) ایسی چیز جو بدرجہا بہتر ہو ان (مذکورہ شہوت کی) چیزوں سے (استفہام تقریری ہے) جو لوگ پرہیز کرتے ہیں (شرک سے) ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس (یہ خبر ہے مبتداء آگے ہے) باغ ہیں کہ جن کے پائیں نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ رہیں گے (یعنی ہیشگی ان کے لئے مقدر ہوگی) ان باغات میں (جب وہ ان میں داخل ہوں گے) اور پاک بیویاں ہوں گی (جو حیض وغیرہ گندگیوں سے صاف ستھری ہوں گی) اور ان کو خوشنودی حاصل ہوگی (رضوان کسرہ اور ضم را کے ساتھ۔ دونوں

لغت ہیں بڑی رضامندی) اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ بھال کرنے والے (عالم) ہیں بندوں کے (چنانچہ ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ دیں گے) وہ لوگ (یہ نعت یا بدل ہے پہلے الـذیـن سے) جو کہتے ہیں خدایا ہم ایمان لے آئے (آپ کی اور آپ کے نبی کی تصدیق کر چکے ہیں) پس ہمارے گناہ بخش دیجیو اور عذابِ جہنم سے ہمیں بچالی جیو صبر کرنے والے (خیرات دینے والے) ہیں اور طلبگار مغفرت ہیں (اللہ کے حضور میں یعنی اللھم اغفر لنا کہتے ہیں) رات کی آخری گھڑیوں میں (اخیر شب میں۔ اس وقت کی تخصیص اس لئے کی یہ میٹھی نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے) اللہ نے شہادت آشکارہ کردی (مخلوق کے سامنے دلائل وآیات واضح کر دیئے) اس بات پر کہ کوئی پرستش کے لائق نہیں (حقیقی معبود موجود نہیں ہے) بجز ذات یگانہ کے (اور اس کی گواہی) فرشتوں نے بھی (اقرار کر کے) دی ہے اور اہل علم نے (یعنی انبیاء ومؤمنین نے اعتقاد واقرار کے ذریعہ) اور معبود بھی اس شان کے ہیں کہ انتظام رکھنے والے ہیں (اپنی بنائی ہوئی چیزوں کی تدبیر کر کے یہ منصوب علی الحال ہے اور اس میں عامل جملہ کے معنی ہیں یعنی تفرد) اعتدال (عدل وانصاف) کے ساتھ کوئی معبود نہیں بجز ان کی ذات کے (تاکیداً یہ جملہ مکرر لائے) وہ زبردست ہیں (اپنے ملک میں) اور حکمت والے ہیں (اپنی صنعت میں) بلاشبہ دین (پسندیدہ) اللہ کے نزدیک (وہ) اسلام ہی ہے (یعنی وہ شریعت جس کو لے کر انبیاءؑ مبعوث ہوئے جو مبنی بر توحید ہے اور ایک قرأت میں ''ان الـذیـن فتح اَن کے ساتھ ''انـہ لاالـہ'' سے بدل الاشتمال واقع ہو رہا ہے) اور اہل کتاب نے جو باہمی اختلاف کیا (یہود ونصاریٰ نے جو یہ اختلاف کیا کہ بعض توحید پر رہے اور بعض نے کفر اختیار کر لیا) تو ایسی حالت کے بعد کہ ان کو دلیل (توحید) پہنچ چکی تھی محض (کافروں میں) ایک دوسرے سے بڑھنے اور ضد کے سبب سے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی بلاشبہ حساب لینے میں سست رفتار نہیں ہیں (یعنی اس کو جلد بدلہ دیں گے) پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے محبتیں نکالیں (اے محمدؐ آپ سے کفار دین کے باب میں جھگڑنے لگیں) تو آپؐ (ان سے) فرمادیجئے کہ میں تو اللہ کے آگے سر طاعت جھکا چکا ہوں (میں نے بھی اس کی فرمانبرداری اختیار کر لی) اور میرے پیروں نے بھی (اور ذکر میں وجہ کی تخصیص اس کے شرف کی وجہ سے ہے پس چہرہ کے علاوہ اور اعضاء بدرجۂ اولیٰ مطیع ہوں گے) اور دریافت کیجئے اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) اور (مشرکین عرب کے) اَن پڑھ لوگوں سے کہ تم بھی اللہ کے آگے جھکتے ہو یا نہیں؟ (یعنی تم کو جھکنا چاہیے) سو اگر وہ لوگ جھک جائیں تو وہ بھی (گمراہی سے مٹ کر) راہِ راست پر آجائیں گے۔ اور اگر روگردانی کریں (اسلام سے) تو پھر آپ کے ذمہ جو کچھ ہے وہ پیامِ حق کا پہنچا دیا ہے (تبلیغ رسالت ہے) اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خود دیکھ رہے ہیں (ان کے کئے کا بدلہ دیں گے یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے)

تحقیق وترکیب: .... ابتـلاءً جلال محققؒ نے ایک شبہ کے دفعیہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اللہ نے دنیا کو آراستہ امتحان اور آزمائش کی غرض سے کیا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ دنیا کہ یہ آراستگی سعادتِ اخرویہ کا سبب بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ رضائے الٰہی کے مطابق ہو یا بقائے نوعی کی وجہ سے۔ اسبابِ تعیش کو پیدا کیا گیا ہے لیکن آرائش کی نسبت اگر شیطان کی طرف ہو تو کسی توجیہ کی حاجت نہیں رہتی۔

والبـنـیـن بیویوں کے بعد اولاد ہی کا درجہ ہے فروع ہونے کی وجہ سے اس لئے اموال پر مقدم کیا ہے۔ نیز مالی فتنہ سے بڑھ کر اولاد فتنہ ہوتی ہے اور اولاد ذکور کو ترجیح ہوتی ہے بہ نسبت اُناث کے ان کو شہوات کہنا یا مبالغہ کے طریقہ پر ہے کہ انہاک بہت زیادہ ہے حتیٰ کہ ان اشیاء کی شہوت بھی محبوب ہے جیسے کسی بیمار سے اگر دریافت کیا جائے کہ کیا خواہش رکھتے ہو؟ تو وہ جواب میں کہے اشتھـی ان اشتھی چنانچہ دوسری آیت میں احببت حب الخیر یا پھر ان اشیاء کی خست بتلانی مقصود ہے کیونکہ حکماء اور عقلاء شہوات کو خسیس سمجھتے ہیں بہر حال جہاں تک ان چیزوں کی محبت کے پیدا کرنے کا تعلق ہے تو اس کا انتساب اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور کسب واکتساب وسوسہ

اندازی کی حیثیت سے شیطان کی طرف انتساب ہوگا۔

قنطار بروزن فعلال یا فنعال اور مقنطرۃ بروزن مفعللۃ اگر نون اصلی ہو یا مفنعلۃ اگر نون زائد ہو قنطار کی تاکید کے لئے مقنطرۃ جیسے بدر مبدرۃ قناطیر مقنطرۃ کا اطلاق کم از کم نو پر آنا چاہئے بالمسومۃ اگر یہ لفظ سماء بمعنی حسن سے مشتق ہے جیسا کہ مفسر علامؒ کی رائے ہے تو اس کے معنی حسین وخوبصورت کے ہیں ورنہ مسومۃ کے معنی معلمۃ کے ہیں یعنی علامۃ اور نشانی۔

قل اؤنبئکم یعنی اللہ کا ثواب نعمائے دنیا سے بہتر ہے۔الذین یقولون یہ پہلے الذین کی صفت ہوسکتی ہے اور العباد کی صفت بھی ہوسکتی ہے علی ہذا الصابرین بھی ہے۔

مقدرین الخلود یعنی داخل ہونے کے بعد جنت کا خلود مقدر ہوگا۔داخل ہونے کے وقت نہیں والصادقین موصوف ان سب صفات کا ایک ہے پھر صفات پر واؤ لانے کا کیا مطلب؟ سو اس کے دو جواب ہیں۔علی سبیل التسلیم جواب یہ ہے کہ اگر موصوف ایک ہو تو متعدد صفات کا عطف ایک دوسرے پر واؤ کے ذریعہ جائز ہے۔دوسرا جواب علی سبیل الانکار یہ ہے کہ موصوف ایک نہیں ہے بلکہ ہر صفت کا موصوف علیحدہ ہے ای بعضھم صابر بعضھم صادق الخ اس صورت میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان صفات میں سے ہر صفت مستقلاً مدح کے لئے کافی ہے۔

والملائکۃ سے پہلے وشھدا اس لئے مقدر مانا ہے کہ لفظ اللہ پر عطف درست ہوجائے اور یہ کہ فاعل ہونے کی وجہ سے یہ مرفوع ہے اور علیحدہ فعل کی تقدیر اس لئے کہ اللہ اور ملائکہ اور اہل علم کی شہادت معنائی الجملہ مختلف ہوتی ہے فرق مراتب کے لحاظ سے۔

قائما یہ حال ہوگا ضمیر منفصل سے جو اللہ کے بعد کے ہے لہٰذا حال بھی محل شہادت ہوجائے گا۔گویا وحدانیت اور انصاف پسندی کی شہادت موجود ہے۔لفظ اللہ سے اگر حال بنایا جائے تو اس صورت میں صرف وحدانیت کی شہادت ہوگی دو چیزوں کی نہیں اس لئے پہلی صورت بہتر ہے اور جملہ سے مراد جملہ لا الہ الا ھو ہے اور تفرد معنی جملہ ہیں جو عامل ہیں۔العزیز یہ مرفوع علی الاستیناف ہے ای ھو العزیز یا ضمیر سے بدل ہے یا فاعل شھد کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے لفظ ھو کی صفت نہیں ہوسکتی کیونکہ ضمیر کی صفت نہیں آتی۔الذین مفسر نے اشارہ کردیا کہ الف لام عہد کا ہے اور اسلام سے پہلے لفظ ھو سے بمعنی حصر کی طرف اشارہ ہے۔

بدل اشتمال یعنی اسلام لا الہ الا ھو سے بدل الاشتمال ہے جبکہ اسلام کی تفسیر شریعت سے کی جائے۔اور اگر ایمان سے کی جائے تو بدل الکل ہوگا۔وما اختلف یہ اسی سوال مستانفہ کا جواب ہے کہ جب ان الدین عند اللہ الاسلام کی وجہ سے از آدم تا این دم دین اسلام کا ایک ہونا معلوم ہوا تو پھر اس میں باہم یہ مذہبی تخالف کیسا؟ بغیا مفعول لہٗ ہے اور عامل اس میں اختلف ہے اور استثناء مفرغ ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے۔وما اختلفوا الا للبغی لا لغیرہ یا مصدر موضع حال میں بھی ہوسکتا ہے۔

اسلمت وجھی. ای اخلص لا اشرک بہ غیرہ تو اسلم ماخوذ ہے۔سلم الشئ لفلان سے بمعنی خلص۔اس سے ہے رجل سلم لرجل اور وجہ مستعار ہے ذات کے لیئے۔انا ومن. اشارہ اس طرح ہے کہ من محل رفع میں ہے اسلمت کی ضمیر پر عطف کرتے ہوئے اور مفعول کے فاصل ہونے کی وجہ سے یہ جائز ہے۔اسلموا یعنی یہاں استفہام بمعنی امر ہے جیسے فھل انتم منتھون. ای انتھوا.

ربط: ………گذشتہ آیت میں اموال واولاد کا آخرت میں کار آمد نہ ہونا بیان کیا تھا۔ان آیات میں بھی اسی کی تائید ہے اور یہ کہ نعمائے آخرت لائق حصول ہیں اور ان کا طریق ایمان، مناجات، صبر، صدق، قنوت، نفاق واستغفار وغیرہ امور تقویٰ ہیں جو قابل توجہ ہیں۔آیت شھد اللہ میں توحید کا اثبات، حقانیت اور غلبۂ اسلام کی پیشن گوئی بیان فرمائی جارہی ہے۔

فضائل:............ آیت شھد اللہ کے سلسلۂ فضائل میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس آیت کے تلاوت کرنے والے کو قیامت میں اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا۔ کہ میرے اس بندہ کا مجھ پر ایک عہد ہے اور میں ایفائے عہد کا زیادہ مستحق ہوں۔ اس لئے اس بندہ کو جنت میں داخل کر دیا جائے۔

سعید بن جبیرؒ کی روایت ہے کہ خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) بت تھے لیکن جب یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی تو تمام بت سرنگوں ہوگئے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ آیت وفد نجران کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ کلبی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں شامی دو عالم آئے۔ انہوں نے دریافت کیا انت محمدؐ؟ آپؐ نے فرمایا نعم. انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں اگر آپ ﷺ نے صحیح جواب دیا تو ہم آپؐ پر ایمان لے آئیں گے۔ آپؐ نے اجازت دیدی، انہوں نے کہا کہ بتلایئے کتاب اللہ میں اعظم شہادت کیا ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تو دونوں عالم سن کر مسلمان ہوگئے۔

اور تفسیر مدارک میں ہے کہ سوتے وقت جو شخص اس آیت کی تلاوت کرتا رہے وہ قیامت میں اس فضل کا مستحق ہوا جس کا ذکر اول آیت میں گذرا ہے۔

﴿تشریح﴾:............ **حُبّ دنیا اور زُھد:**............ آیت زین للناس حب الشھوات میں دنیا کی تحقیر اور زہد کی ترغیب ہے۔ حدیث میں ہے ظاھر ھا غرۃ وباطنھا عبرۃ یعنی دنیا کی محبت ومیلان اکثر موجب فتنہ ہو جاتا ہے جس کو اکثر لوگ نقصان دہ نہیں سمجھتے۔ بلکہ علی الاطلاق اچھا سمجھتے ہیں حالانکہ ڈر کی چیز ہے۔ امنا فاغفر لنا کا حاصل یہ ہے کہ کفر جو مغفرت کے لئے ابدی رکاوٹ ہوتی ہے اس کو ہم دُور کر چکے ہیں اس لئے اب معاف فرما دیجئے۔ اولی یا غیر اولی طور پر اور اخیر شب کی تخصیص اس لئے کی کہ دنیا اس وقت محو خواب واستراحت ہوتی ہے ایسے میں اللہ کے حضور پیش ہونا باعثِ مشقت بھی ہے اور باعثِ عظمت وعزیمت بھی اور ساتھ ہی باعثِ قبولیت بھی۔

نعمت کے تین درجے:............ آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ حق تعالیٰ اہل جنت سے ارشاد فرمائیں گے کہ کیا تم راضی اور خوش ہو؟ سب عرض کریں گے کہ آپ نے سب کچھ مرحمت فرمایا۔ پھر ناخوشی کا کیا سوال؟ ارشاد ہوگا کہ کیا ہم اس سے بھی افضل چیز تم کو نہ عطا کریں؟ عرض کیا جائیگا کہ خدایا اس سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟ حکم ہوگا احل علیکم رضوانی فلا اسخط علیکم بعدہ ابداً یعنی میں ہمیشہ کے لئے تم سے خوش ہوگیا ہوں اب کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے تین طرح کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ادنیٰ درجہ کی نعمتیں تو دنیاوی لذائذ، اوسط درجہ کی نعمتیں نعمائے جنت، اعلیٰ درجہ کی کرامت "رضوان من اللہ اکبر" یعنی اللہ کی خوشنودی۔

بدر کی عسرت کے بعد دنیا کی اس چمک دمک کے تذکرہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اصل دولت ایمان وعمل کی دولت ہے جو بحمد اللہ تم کو حاصل ہے دنیاوی بے سروسامانی سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ یہ سروسامانی تو خود بخود حاصل ہو جائیں گے باقی بیوی بچے، دھن دولت میں دل کا لگاؤ یہ زندگی کے فطری علاقے ہیں۔ خدا کی مرضی یہی ہے کہ اعتدال کے ساتھ قائم رہیں۔ نہ ہوں تو دنیا برباد اور پورا انہماک و اشتغال ہو تو آخرت تباہ ہو جائے۔

دین حق کی شہادت:............ شھد اللہ میں نقلی شہادت بیان کی گئی ہے جو اہل کتاب اور اہل علم کے مقابلہ میں ہے جو اس کے منکر نہیں تھے۔ باقی عقلی دلائل وہ دوسرے مواقع پر بیان کئے گئے ہیں۔ قائما بالقسط کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف اپنی ہی تعظیم و عبادت نہیں کراتے بلکہ دوسروں کا کام بھی کرتے ہیں اس لئے ناانصاف نہیں ہیں۔ اللہ کی وحی اور زمین و آسمان کے مدبر ملائکہ اور اصحاب علم وبصیرت تینوں کی گواہیاں اس بات کا اعلان کر رہی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اس نے تمام کارخانۂ ہستی میزانِ عدل پر استوار کر رکھا ہے۔ انسان کو اول ہی دن سے ایک پسندیدہ دین اسلام دے رکھا ہے جس کی تائید وتعلیم تمام رہنمایانِ عالم کرتے چلے آئے ہیں لیکن تعصب اور ضد کے روگی اصل دین سے انحراف کر کے گروہ بندی کے چکر میں پڑ گئے۔

مناظرہ کا اسلم طریقہ:............ فقل اسلمت الخ یہ جواب اور گفتگو خاص ان منکرین کے بارہ میں ہے جو محض ضد اور بے جا عناد کا شکار تھے تمام دلائل سن کر بھی ہٹ دھرمی پر اتر آتے تھے ان سے مزید گفتگو کرنا بیکار ہے۔ بلکہ قطع حجت کے لئے بطور آخری جواب کے یہ کہہ کر الگ ہو جانا چاہئے کہ ''تم جانو تمہارا کام جانے ہم نے تو اس راہ کو اختیار کر لیا ہے، ورنہ اس سے الجھنے میں محض اضاعت وقت ہوگی البتہ مطلق منکر کے لئے یہ جواب ناکافی ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ ساری باتیں چھوڑو، یہ بتلاؤ تمہیں خدا پرستی کا اقرار ہے یا انکار۔ اگر اقرار ہے تو سارا جھگڑا ختم، کیونکہ اسلام کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں اور اگر انکار ہے تو پھر ایسے شخص کے لئے مذہبی بحث ومباحثہ کیا سود مند ہو سکتا ہے۔

لطائف:............ زین للناس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان ان چیزوں کی محبت طبعی ہونے کی وجہ سے اس کے ازالہ کا مکلف نہیں ہے اور قل اؤنبئکم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کی محبت عقلی ہونے کی وجہ سے انسان کو اس کا مکلف بنایا گیا ہے کہ عملاً اس محبت کو اول محبت پر ترجیح دے۔ اور اخلاقیات میں یہ ایک اصلِ عظیم ہے۔ جو سالکین قسم اول کے پیچھے پڑ جاتے ہیں وہ ہمیشہ کی ادھیڑ بن میں مشوش رہتے ہیں اور جو دوسری قسم کی تحصیل میں لگ جاتے ہیں وہ راحت میں رہتے ہیں الصابرین الخ اس میں اولیاء اللہ کی صفات کا بیان ہے۔

فان حاجوک الخ سے اصل نکلتی ہے اہل طریقت کی اس عادت کی کہ حق بالکل واضح کر دینے کے بعد بھی اگر مخاطب کی حالت سے اس کا اندازہ ہو کہ یہ قبول نہیں کرے گا تو اس وقت مباحثہ ترک کر کے اعراض کر لیتے ہیں اور ایک طرف ہو جاتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ وَفِیْ قِرَاءَ ةٍ یُقَاتِلُوْنَ **النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ** بِالْعَدْلِ **مِنَ النَّاسِ ۙ** وَهُمُ الْیَهُوْدُ رُوِیَ اَنَّهُمْ قَتَلُوْا ثَلٰثَةً وَّاَرْبَعِیْنَ نَبِیًّا فَنَهَاهُمْ مِائَةٌ وَّسَبْعُوْنَ مِنْ عُبَّادِهِمْ فَقَتَلُوْهُمْ فِیْ یَوْمِهِمْ **فَبَشِّرْهُمْ** اَعْلِمْهُمْ **بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۱﴾** مُؤْلِمٍ وَذِکْرُ الْبَشَارَةِ تَهَکُّمٌ لَهُمْ وَدَخَلَتِ الْفَاءُ فِیْ خَبَرِ اِنَّ لِشِبْهِ اِسْمِهَا الْمَوْصُوْلِ بِالشَّرْطِ **اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ** بَطَلَتْ **اَعْمَالُهُمْ** مَا عَمِلُوْهُ مِنْ خَیْرٍ کَصَدَقَةٍ وَصِلَةِ رَحِمٍ **فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۫** فَلَا اعْتِدَادَ بِهَا لِعَدَمِ شَرْطِهَا **وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۲﴾** مَانِعِیْنَ لَهُمْ مِنَ الْعَذَابِ **اَلَمْ تَرَ** تَنْظُرْ **اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا** حَظًّا **مِّنَ الْکِتٰبِ** التَّوْرٰةِ **یُدْعَوْنَ** حَالٌ **اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾** عَنْ قُبُوْلِ حُکْمِهٖ نَزَلَ فِی الْیَهُوْدِ زَنٰی مِنْهُمُ اثْنَانِ فَتَحَاکَمُوْا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

فَحَكَمَ عَلَيْهِمَا بِالرَّجْمِ فَأَبَوْا فَجِيءَ بِالتَّوْرٰةِ فَوُجِدَ فِيهَا فَرُجِمَا فَغَضِبُوْا **ذٰلِكَ** التَّوَلِّي وَالْإِعْرَاضُ **بِأَنَّهُمْ قَالُوْا** اَيْ بِسَبَبِ قَوْلِهِمْ **لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ** اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا مُدَّةَ عِبَادَةِ اٰبَائِهِمُ الْعِجْلَ ثُمَّ تَزُوْلُ عَنْهُمْ **وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ** مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهِ **مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾** مِنْ قَوْلِهِمْ ذٰلِكَ **فَكَيْفَ** حَالُهُمْ **إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ** اَيْ فِيْ يَوْمٍ **لَّا رَيْبَ** شَكَّ **فِيْهِ** هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ** مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَغَيْرِهِمْ جَزَاءَ **مَّا كَسَبَتْ** عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ وَّشَرٍّ **وَهُمْ** اَيِ النَّاسُ **لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾** بِنَقْصِ حَسَنَةٍ اَوْ زِيَادَةِ سَيِّئَةٍ وَنَزَلَ لَمَّا وَعَدَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمَّتَهٗ مُلْكَ فَارِسَ وَالرُّوْمِ فَقَالَ الْمُنٰفِقُوْنَ هَيْهَاتَ **قُلِ اللّٰهُمَّ** يَا اَللّٰهُ **مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي** تُعْطِي **الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ** مِنْ خَلْقِكَ **وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ** بِاِيْتَائِهٖ اِيَّاهُ **وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ** بِنَزْعِهٖ مِنْهُ **بِيَدِكَ** بِقُدْرَتِكَ **الْخَيْرُ** اَيْ وَالشَّرُّ **إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ** تُدْخِلُ **الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ** تُدْخِلُهٗ **فِي الَّيْلِ** فَيَزِيْدُ كُلٌّ مِنْهُمَا بِمَا نَقَصَ مِنَ الْاٰخَرِ **وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ** كَالْاِنْسَانِ وَالطَّائِرِ مِنَ النُّطْفَةِ وَالْبَيْضَةِ **وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ** كَالنُّطْفَةِ وَالْبَيْضَةِ **مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾** اَيْ رِزْقًا وَاسِعًا

ترجمہ:............ بلاشبہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور قتل کرتے ہیں (ایک قرأت میں یقاتلون ہے) پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو اعتدال (انصاف) کی تعلیم دیتے ہیں (یہودی لوگ مراد ہیں۔ نقل ہے ۴۳ پیغمبروں کو یہود نے شہید کیا تھا اس پر (۱۷۰) عباد قوم نے ان کو منع کیا تو ان کو بھی اسی وقت شہید کر دیا) سو خبر سنا دیجئے (اطلاع دیدیجئے) ایک سزائے درد ناک کی (جو تکلیف دہ ہو۔ لفظ بشارت کا استعمال مذاقاً ہے خبر انّ پر فا اس لئے داخل ہوئی کہ اسم ان جو موصول ہے وہ مشابہ بالشرط ہے) یہ وہ لوگ ہیں کہ اکارت گیا (غارت ہوا) ان کا سارا کیا دھرا (ان کے سب اعمال خیر، صدقہ، صلہ رحمی کے) دنیا و آخرت ان کا کچھ اعتبار نہیں رہا شرط ایمان نہ ہونے کی وجہ سے) اور ان کا کوئی حامی مددگار نہیں ہوگا (کہ جو ان کو عذاب الٰہی سے بچالے) آپ نے کیا ایسے لوگ نہیں دیکھے (ملاحظہ فرمائیے؟) کہ جن کو ایک حصہ کتاب (توراۃ) کا دیا گیا درآنحالیکہ بلایا بھی جاتا ہے (یہ حال ہے) اس کتاب اللہ کی طرف سے اس غرض سے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے پھر ان میں سے بعض لوگ انحراف کر لیتے ہیں بے رخی کرتے ہوئے) اس کا حکم قبول کرنے سے۔ یہود میں سے دو مرد دو عورت نے زنا کا ارتکاب کیا۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے رجم کا حکم فرمایا لیکن انہوں نے حکم تسلیم نہیں کیا۔ تورات منگوائی گئی تو اس میں بھی وہی حکم نکلا مجبوراً رجم کرنا پڑا۔ جس سے لوگ ناخوش ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی) یہ (بے اعتنائی اور بے توجہی) اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں (یعنی ان کے اس قول کی وجہ سے ہے) کہ دوزخ کی آگ ہمیں کبھی نہیں چھوئے گی۔ اور چھوئے گی بھی تو گنتی کے چند دنوں کے لئے (گوسالہ پرستی کی مدت چالیس روز کے لئے پھر ان سے دور کر دی جائے گی) اور ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے انہیں دین کے بارہ میں (فی دینھم متعلق ہے اگلے قول کے ساتھ) ان کی تراشی ہوئی باتوں نے (اس قسم کے اقوال نے) لیکن اس وقت ان کا کیا (حال) ہوگا جب ہم ان کو اپنے حضور جمع کر لیں گے اس تاریخ (دن) میں جس کے آنے میں ذرا شبہ (شک) نہیں ہے (وہ قیامت کا روز ہے) اور پورا پورا بدلہ مل جائے گا ہر شخص کو (خواہ اہل کتاب میں سے ہو یا دوسرا) جیسا کچھ اس نے کمایا (اچھائی یا برائی) اور ان (لوگوں) کے ساتھ ناانصافی نہیں

ہوگی (نیکی کم کر کے یا بدی بڑھا کر آنحضرت ﷺ نے جب اپنی امت کو فارس و روم کے ممالک فتح ہونے کی بشارت سنائی تو منافقین کہنے لگے هیهات تو اس پر اگلی آیت نازل ہوئی) آپ یوں کہئے کہ خدایا (اے اللہ) شاہی و جہانداری کے مالک! بخش دے (نواز دے) تو جسے چاہے ملک (اپنی مخلوق میں) اور جس سے چاہے ملک لے لے، جسے چاہے عزت دیدے (ملک عطا کر کے) جسے چاہے ذلیل کردے (سلطنت چھین کر) تیرے ہی ہاتھ (قدرت) میں ہر طرح کی بھلائی (اور برائی) کا سررشتہ ہے بلاشبہ تیری قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے تو ہی ہے کہ لے آتا ہے (داخل کردیتا ہے) رات کو دن میں اور لے آتا ہے (داخل کردیتا ہے) دن کو رات میں (چنانچہ ان میں سے ہر ایک میں دوسرے کی کمی کا اضافہ کردیتا ہے) اور جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے (جیسے انسان اور پرند کو نطفہ اور بیضہ سے) اور بے جان (جیسے نطفہ اور بیضہ) کو جاندار سے، اور جسے چاہتا ہے بے حساب بخش دیتا ہے (بے شمار روزی)

تحقیق وترکیب:............ **بغیر حق** یہ حال مؤکدہ ہے کیونکہ قتل انبیاءً حق ہو ہی نہیں سکتا۔ **ویقتلون** معلوم ہوا کہ اندیشہ اور خوف قتل کے وقت بھی امر بالمعروف جائز ہے۔ **فبشر** کی تفسیر اعلم کے ساتھ استعارہ تبعیہ ہونے کی طرف مشیر ہے۔ **فبشر** مشبہ اور اعلام عذاب مشبہ بہ اور **انتقال من حال الی حال** دونوں میں وصف جامع ہے **ودخلت** یہ شبہ کا جواب ہے کہ خبر پر فا کیوں داخل کی گئی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مبتداء متضمن معنی شرط ہونے کی وجہ سے خبر مشابہ جزا ہوگئی **ای من یکفر فبشر هم**.

وهم معرضون کی ترکیب کی طرف مفسر علامؒ نے حالیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور زمخشری جملہ معترضہ کہتے ہیں **ای قوم عادتهم الاعراض** دوسرے اکثر مفسرین اس کو تذییل کہتے ہیں۔

وهم کے بعد مفسر علامؒ نے **الناس** اس لئے نکالا ہے کہ **هم** کو مذکر اور جمع لانا "**کل نفس**" کے معنی کے پیش نظر ہے **هیهات** یعنی یہ ممالک محمد ﷺ کو کہاں اور کیسے حاصل ہو سکتے ہیں۔ **قل اللّٰهم** یعنی اے اللہ جس طرح ان گمراہ لوگوں کو آخرت میں ذلت وخسران نصیب ہوگا دنیا میں بھی ان کو بے نیل ومرام کر کے ہم کو فائز المرام کردیجئے۔ **اللّٰهم** دراصل **یا اللہ** تھا یا حذف کر کے اس کے عوض میم لے آئے مشدد۔ **ای والشر** یعنی دوضدوں میں سے ایک ضد اراداً اکتفاء کرلیا گیا ہے یا خبر کے مرغوب ہونے کی طرف اشارہ ہے یا نبوت و سلطنت میں کلام ہو رہا ہے۔ اور وہ خیر ہوتی ہے یا اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ خیر مقتضی ذاتی ہے اور شر مقتضی عرضی اس لئے کوئی جزئی شر بھی ایسا نہیں جس میں کلی خیر موجود نہ ہو۔

تولج یہ آیت علم الهیئة اور جنتری کے لئے اصل کا درجہ رکھتی ہے۔ ابن ابی حاتمؒ نے ابن مسعودؓ سے تخریج کی ہے کہ **یاخذ الصیف من الشتاء ویاخذ الشتاء من الصیف** ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دن کم ہوتا ہے تو رات بڑھ جاتی ہے اور رات کم ہوتی ہے تو دن بڑھ جاتا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ کبھی پندرہ (۱۵) گھنٹہ کی رات اور نو گھنٹہ کا دن ہوتا ہے اور شدہ شدہ اس کا برعکس ہو جاتا ہے۔

ابن منذر حسن سے تخریج کرتے ہیں کہ دن رات بارہ بارہ گھنٹے کے ہوتے ہیں لیکن موسموں کے فرق سے بحکم الٰہی ایک دوسرے کی طرف کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ **کالانسان** یا جیسے کھیتی کی پیداوار دانوں سے اور کھجور کی گٹھلی سے، یا مؤمن کی پیدائش کافر سے یا کافر کی مومن سے۔ **بغیر حساب** یہ مصدر محذوف کی صفت بھی ہو سکتی ہے اور مفعول محذوف کی بھی۔ بندوں کے لحاظ سے بے شمار کہا گیا ورنہ اللہ کے شمار سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ حساب کا لفظ قرآن کریم میں تین معنی میں آتا ہے تعب، عدد اور مطالبہ۔

ربط:............ ابتدائے سورت میں روئے سخن صرف نصاریٰ کی طرف تھا پھر **الذین اوتوا الکتب** میں یہود ونصاریٰ کو مشترک خطاب ہوا۔ اب ان آیات میں بالتخصیص یہود کے احوال مذکور ہیں پھر آیت **قل اللّٰهم** میں غلبہ ونصرت کی دعا سکھائی گئی ہے۔

شانِ نزول: .... ابوعبیدہ بن الجراحؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ قیامت میں سب سے زیادہ عذاب کس کو ہوگا؟ فرمایا جس نے نبی کو یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کو قتل کیا۔ پھر آیت ان الذین یکفرون تائید اً پڑھی اور وہی تفصیل ارشاد فرمائی جو جلال محققؒ نقل کر چکے ہیں۔

لباب النقول میں ابن عباسؓ کی تخریج نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ بیت المدراس میں یہود کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو اسلامی دعوت پیش کی۔ نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے دریافت کیا **علی ای دین انت یا محمد** آپؐ نے فرمایا **علی ملة ابراھیم و دینه** انہوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم تو یہودی تھے آپؐ نے فرمایا اچھا تورات لاؤ وہی فیصلہ کرے گی لیکن وہ نہیں لا سکے تب آیت **الم تر الی الذین** الخ نازل ہوئی اور آیت **قل اللّٰھم** کے سلسلہ میں جلال محققؒ روایت نقل کر چکے ہیں۔

﴿تشریح﴾: ...... **غرورِ نسل اور قبولِ حق:** .... ان آیات سے یہود کی مسخ شدہ ذہنیت کا پتہ اچھی طرح چل جاتا ہے کہ جس کتاب الٰہی کو ماننے کے مدعی تھے جب اس کتاب کی طرف دعوت علم وعمل دی گئی تو انکار کر گئے۔ کیونکہ اس کے احکام پر عمل کرنے کا مطلب اپنی نفسانی خواہشوں اور مطلب برآریوں کے خلاف کرنا تھا جس کے لئے وہ تیار نہ تھے جو لوگ حق وعدالت کے دشمن اور ظلم و فساد کے پرستار ہوں اور جن کے زعم گروہ بندی اور غرور علمی نے ان میں یہ فاسد پندار پیدا کر دیا ہو کہ ہم نجات یافتہ ہیں ہمارے اعمال کیسے ہی کیوں نہ ہوں لیکن ہم جہنم میں نہیں ڈالے جائیں گے ان سے قبول حق کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ حالانکہ خدا کا قانونِ نجات صرف ایمان وعمل دیکھتا ہے جس کا جیسا عمل ہوگا ویسا ہی نتیجہ اس کو پیش آئے گا خواہ کسی گروہ، کسی نسل، کسی نسب۔ سے ہو۔ دنیا میں توحبطِ اعمال یہ ہے کہ ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ نہیں کیا جائے گا۔ اور آخرت میں یہ کہ ان کی نجات نہیں ہوگی۔ کسی ناصح کا قتل اگر چہ گناہِ کبیرہ ہے کفر نہیں ہے تاہم یہاں دوسرے اجزائے کفر یہ جمع ہیں اس لئے مجموعہ پر کفر کا حکم مرتب ہوگا اور اس پر حبطِ اعمال کا۔ یہ حرکات اگر چہ اسلاف یہود کی ہیں لیکن اخلاف جب ان پر رضامند ہیں تو یہ بھی شریک خطاب وعتاب سمجھے گئے۔

عزت وذلت: .... **قل اللّٰھم** میں اشارہ اس طرف ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ دنیا ہی میں حق وباطل کا فیصلہ ہو جائے جسے اٹھنا ہو وہ اٹھ کھڑا ہو جسے گرنا ہے وہ گرا دیا جائے اور یہ نری گرم گفتاری نہیں ہے بلکہ ایسی طاقت کے خزانہ سے آس لگائی ہے جس کے قبضۂ قدرت میں زمان ومکان کی طنابیں ہیں۔ ضعفاء کے لئے اس کو قوت وسلطنت دینا کیا مشکل ہے؟

البتہ **بیدك الخیر** کی تخصیص اس لئے ہے کہ موقعہ خیر مانگنے کا ہے جیسے کوئی اُمیدوار ملازمت عرضی میں لکھے کہ یہ جگہ دینا آپ کے اختیار میں ہے اگر چہ ملازمت سے برطرف وبرخاست کرنا بھی حد اختیار میں ہوتا ہے لیکن اس موقعہ پر اس کا ذکر بے محل ہوتا ہے۔

لَایَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ یُوَالُوْنَهُمْ **مِنْ دُوْنِ** اَیْ غَیْرِ **الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ** اَیْ یُوَالِیهِمْ **فَلَیْسَ مِنَ** دِیْنِ **اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ط** مَصْدَرُ تَقَیْتُهُ اَیْ تَخَافُوْا مَخَافَةً فَلَکُمْ مُوَالَاتُهُمْ بِاللِّسَانِ دُوْنَ الْقَلْبِ وَهٰذَا قَبْلَ عِزَّةِ الْاِسْلَامِ وَیَجْرِیْ فِیْ مَنْ فِیْ بَلَدٍ لَیْسَ قَوِیًّا فِیْهَا **وَیُحَذِّرُکُمُ** یُخَوِّفُکُمُ **اللّٰهُ نَفْسَهٗ ط** اَیْ اَنْ یَغْضَبَ عَلَیْکُمْ اِنْ وَالَیْتُمُوْهُمْ **وَاِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸﴾** الْمَرْجِعُ فَیُجَازِیْکُمْ **قُلْ** لَهُمْ **اِنْ تُخْفُوْا مَافِیْ صُدُوْرِکُمْ** قُلُوْبِکُمْ مِنْ مُوَالَاتِهِمْ **اَوْ تُبْدُوْهُ** تُظْهِرُوْهُ **یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ط وَهُوَ یَعْلَمُ مَافِی**

السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ وَمِنْهُ تَعْذِيْبُ مَنْ وَالَاهُمْ وَاذْكُرْ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ تَوَدُّلَوْاَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ؕ غَايَةٌ فِي نِهَايَةِ الْبُعْدِ فَلَايَصِلَ اِلَيْهَا وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ كَرَّرَهٗ لِلتَّاكِيْدِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوْا مَانَعْبُدُ الْاَصْنَامَ اِلَّا حُبًّالِلّٰهِ لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَيْهِ قُلْ لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ بِمَعْنٰى اِنَّهٗ يُثِيْبُكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ لِمَنِ اتَّبَعَنِيْ مَاسَلَفَ مِنْهُ قَبْلَ ذٰلِكَ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ بِهٖ قُلْ لَهُمْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فِيْمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖ مِنَ التَّوْحِيْدِ فَاِنْ تَوَلَّوْا اَعْرَضُوْا عَنِ الطَّاعَةِ فَاِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ فِيْهِ اِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ اَيْ لَايُحِبُّهُمْ بِمَعْنٰى اَنَّهٗ يُعَاقِبُهُمْ

ترجمہ:......... مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کو دوست نہ بنائیں (کہ انہیں اپنا رفیق و مددگار بنالیں) مسلمانوں کو چھوڑ کر۔ اور جس کسی نے ایسا کیا (کہ ان سے دوستی رکھی) تو پھر اللہ (کے دین) کو اس سے کوئی سروکار نہیں رہے گا۔ ہاں اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ تم ان کے شر سے بچنے کے لئے اپنا بچاؤ کرنا چاہو (تقیۃ کا یہ مصدر ہے ای تخافوا مخافۃ ایسی حالت میں صرف زبانی اظہار موالات کی اجازت ہے۔ باقی دلی ترک موالات ہی رہے گی۔ اور یہ اجازت بھی اسلامی سوکت قائم ہونے سے پہلے کی ہے اور ان لوگوں کے لئے ہے جو کسی شہر میں کمزور ہوں) خدا تمہیں اپنے سے ڈرا (خوف دلا) رہا ہے (کہ اگر تم نے ان سے دوستانہ تعلقات رکھے تو تم پر غضبناک ہوگا) اور آخرکار اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (ٹھکانہ وہی ہے اس لئے تم کو بدلہ دے گا) آپ (ان سے) فرمادیجئے کہ تم چھپاؤ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے (ان کی محبت تمہارے قلوب میں ہے) یا ظاہر کرو۔ ہر حال میں اللہ اسے خوب جانتے ہیں اور آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اس پر روشن ہے اس کے احاطۂ قدرت سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہے۔ (منجملہ اس کے کفار سے دوستی پر سزا دینا بھی ہے) اور یاد کیجئے) اس آنے والے دن کو جب کہ ہر انسان پالے گا اپنے سامنے جو کچھ اس کے نفس نے اچھے کام کئے تھے اور جو کچھ کہ اس نے برائی کی (یہ مبتداء ہے خبر اس کے آگے ہے) تمنا کرے گا کہ اے کاش اس میں اور اس دن میں ایک بڑی مدت حائل ہوجاتی (دُور دراز کی مسافت کہ اس تک نہ پہنچتے) اور خدا تمہیں اپنے سے ڈراتا ہے۔ (اس کو مکرر تاکید کے لئے لائے ہیں) اور اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں بندوں کے حال پر (جبکہ کفار کہنے لگے کہ بتوں کی پرستش تو ہم اللہ کے تقرب حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں) تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی) فرمادیجئے آپ (اے محمدؐ ان لوگوں سے) اگر واقعی تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تمہیں چاہئے کہ میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا (یعنی تم کو اجر عطا کرے گا) اور تمہاری خطائیں معاف فرمادے گا اور بڑا ہی بخشنے والا ہے (ان لوگوں کی پچھلی خطائیں جو میری پیروی کرلیں) بڑا ہی رحم فرما ہے (ایسے شخص پر) آپؐ فرمادیجئے (ان سے) کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کیا کرو اور بارۂ توحید جو حکم تم کو دیا گیا ہے) پھر اگر یہ لوگ رُوگردانی کریں (طاعت سے پہلو تہی کریں) تو اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتے (اسی جملہ میں اسم ظاہر بجائے ضمیر لایا گیا ہے اصل عبارت لایحبھم تھی یعنی اللہ ان کو سزا دے گا)

تحقیق وترکیب:......... من دون المؤمنین یہ قید احترازی نہیں ہے کہ مسلمانوں کی دوستی کے ہوتے ہوئے کفار کی دوستی جائز ہو، بلکہ مبالغہ کے لئے قید ہے کہ کفار سے دوستی مطلقاً حرام ہے لیکن اس صورت میں تو اور بھی بُرا ہے کہ جن سے دوستی ہونی چاہئے تھی ان سے نہیں ہے اور جن سے نہیں ہونی چاہئے تھی ان سے ہے۔

فلیس من اللہ یعنی فلیس من ولایۃ اللہ فی شیٔ . الا ان تتقوا . یہ استثناء مفرغ ہے مفعول لہ سے یعنی لایتخذ المؤمن الکافر ولیا لشیٔ من الاشیاء الا تقاۃ ظاهرا . اور تفسیر مدارک میں ہے کہ اگر کافر کا ایسا غلبہ نہ ہو کہ جان و مال کا خوف ہو تو دوستی کا اظہار اور دشمنی کا اخفاء جائز ہے۔تقاۃ دراصل وقیۃ تھا لیکن واؤ کو تا کرلیا گیا ہے جیسے تخمۃ اور تھمۃ میں اور پھریا کو الف سے تبدیل کرلیا گیا ہے۔تخافوا سے جلال مفسرؒ نے اشارہ کردیا ہے لفظ تقۃ کی ترکیب میں دو وجہوں میں سے ایک وجہ کی طرف یعنی منصوب ہے بنائے مصدریت اور مفعول مطلق کے۔ھذا کا مشار الیہ اور یحجوی کی ضمیر کا مرجع الا ان تتقوا کا استثناء ہے۔نفسہ بحذف المضاف ہے۔ای غضب نفسہ جیسا کہ مفسر علام نے ان یغضب بدل الاشتمال نکال کر اشارہ کردیا ہے۔وھو یعلم میں جلال مفسرؒ نے لفظ ھو ظاہر کرکے اشارہ کیا ہے کہ اس کا عطف جواب شرط پر نہیں ہے بلکہ کلام مستانف ہے لو ان بینھا ای بین النفس وبین السوء.

امدا بعیدا امد غایت شے اور منتہاء شے کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک مسافت بعیدہ مراد ہے یہی زیادہ ظاہر ہے یوم کو منصوب مانا جائے گا لفظ تود کی وجہ سے اور ما عملت من سوء کو جلال محققؒ نے تو جملہ مستانفہ قرار دیا ہے لیکن اکثر مفسرین نے اس کو ما عملت من خیر پر عطف کیا ہے اور محضراً مقدر کو اختصاراً محذوف مانا ہے اور لفظ محضراً جو تہویل ہے وہ لفظ حاضر میں نہیں ہے اور بین ہ کی ضمیر اگر یوم کی طرف راجع کی جائے تو اس میں مبالغہ ہو جائے گا قاضی بیضاویؒ کی رائے ہے کہ قل ان تخفوا الخ یہ آیت بیان ہے پہلے ویحذرکم اللہ نفسہ کا یعنی اللہ سے ڈرو کہ وہ علمِ ذاتی محیط اور قدرتِ ذاتی عام کے ساتھ متصف ہے۔لہٰذا اس کی نافرمانی پر جرأت بے جا نہ کرو۔

یحببکم اللہ چونکہ محبت کے معنی میلان نفس کے ہیں اور اللہ کی جناب میں یہ معنی باعثِ اشکال ہیں اس لئے مفسر علامؒ نے استعارہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یثیبھم کی ساتھ تفسیر کردی۔

ربط: .... گزشتہ آیت میں کفار کی مذمت تھی اس پر بطور تفریع آئندہ آیت میں ان کے ساتھ دوستی کی ممانعت کی جارہی ہے پھر آیت قل ان تخفوا الخ میں اس ممانعت کی تعمیم اور آیت یوم تجد میں اس کی تاکید فرمادی اور آیت قل ان کنتم الخ میں اللہ و رسول کی محبت واطاعت کی تلقین ہے گویا حاصل سب آیات کا محبت صحیحہ کا صحیح محل اور اس کا صحیح معیار بتلانا ہے۔

شانِ نزول: .... عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے تین (۳۰۰) سو رفقاء بظاہر مسلمانوں میں ملے جلے رہتے لیکن فی الحقیقت دلی رابطہ اور ساز باز کفار سے تھی۔اس روش کی ناپسندیدگی کے لئے آیت لایتخذا لمؤمنون الخ نازل ہوئی۔

لباب النقول میں حسن سے تخریج ہے کہ ایک جماعت آنحضرت ﷺ سے ادعاءً کہتی تھی واللہ یا محمد انا لنحب ربنا اس پر آیت قل ان کنتم تحبون الخ نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ......اسلام وکفر میں ملاپ ممکن نہیں: .... پیروان اسلام کو خطاب ہے کہ راہ عمل میں سرگرم ہو جاؤ اور کسی طرح کی کمزوری نہ دکھلاؤ اپنے شخصی علاقوں کو جماعتی علاقوں پر ترجیح نہ دو، دشمنوں کو اپنا رفیق و ہمنوا نہ سمجھو دوست دشمن کی دو صفیں الگ الگ کھڑی ہوگئی ہیں۔ ہر شخص کے لئے ناگزیر ہے کہ اپنے لئے کوئی ایک صفت اختیار کرلے اور جسے اختیار کرلے اسی کا ہو رہے یہ نہ ہو کہ اسلام کی برادری میں شریک ہو کر دوسروں سے بھی ساز باز رکھے۔اس قسم کی آیات قرآن کریم میں متعدد جگہ آئی ہیں جن میں بڑی سختی کے ساتھ کفار سے گھلنے ملنے کو روک دیا گیا ہے۔

آیت ومن یتولھم منکم کے تحت ابوالسعود نے لکھا ہے کہ اس میں ظاہری موالات پر بھی مسلمانوں کے لئے بڑی وعید

شدید ہے۔

قاضی بیضاویؒ بھی ترجمہ یہ کرتے ہیں من والاھم منکم فانه من جملتھم اوراس ذیل میں ارشاد نبوی ﷺ بھی نقل کیا ہے ولا تترا انار اھما اور تفسیر کبیر میں بھی اسی آیت کے ذیل میں ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے۔ یرید کانه مثلھم.

احکام موالات:............ علماء نے کفار کے ساتھ تین طرح کے معاملات کی تفصیل بیان کی ہے (۱) موالات یعنی قلبی میلان اور دوستی محض کفر یا کافر ہونے کی وجہ سے یہ مطلقاً حرام ہے اور کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔ ترک موالات کی تمام آیات و نصوص اس کی شاہد ہیں۔ ہاں رشتہ قرابت کی وجہ سے اگر کسی کی طرف میلان ہو تو وہ اس کے کفر کو اچھا سمجھنے یا اس کے کافر ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔

مدارات کی تفصیلات:............ (۲) مدارات، یعنی محض ظاہری خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی تو اس کی تین حالتوں میں اجازت ہے۔ ایک دفع ضرر کے لئے یعنی محض احتمال یا وہم کے درجہ میں نہ ہو بلکہ نقصان کا واقعی اندیشہ ہو پس آیت میں جو الا ان تتقوا الخ فرمایا گیا ہے اور اس مقام میں جو نقصان کے اندیشہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اس سے مراد یہی مدارات ہے، جس کو صورۃً اور مجازاً موالات کہہ دیا گیا ہے لیکن آیت سابقہ میں چونکہ حقیقی موالات مراد ہے اس لئے استثناء نہیں کیا گیا ہے۔ دوسرے اس کافر کی دینی مصلحت یعنی بامید ہدایت اچھا برتاؤ کرنا جیسے آنحضرت ﷺ خوش خلقی کا برتاؤ کے ساتھ اسی توقع ہدایت کے لئے فرمایا کرتے تھے۔ تیسرے مہمان کے اکرام کے سلسلہ میں خاطر مدارات کرنا جیسا کہ بنی ثقیف کو آنحضرت ﷺ نے مسجد نبویؐ میں قیام کرایا۔ البتہ اپنے مالی یا جاہی نفع کے لالچ میں مدارات کی بھی اجازت نہیں ہے۔ بالخصوص دینی نقصان کا پہلو بھی اگر سامنے ہو تو بالکل ہی حرام ہوگا۔ چنانچہ ایبتغون عندھم العزۃ میں اسی صورت کی ممانعت ہے لہٰذا مسلمانوں کو اس قسم کے مواقع میں خوشامدانہ برتاؤ کرنا بالکل مناسب نہیں ہے۔

مواسات کی اجازت:............ (۳) مواساۃ یعنی ہمدردی وغم خواری، احسان ونفع رسانی تو کافر حربی کے ساتھ یہ بھی ناجائز اور غیر حربی کافر کے ساتھ جائز ہے چنانچہ آیت لاینھٰکم اللہ الخ میں اس کا بیان ہے اور اس آیت میں مواساۃ کو مجازاً موالات سے تعبیر کیا گیا ہے آیت میں جو احکام موالات، مدارات، مواسات کے بیان کئے گئے ہیں وہ فاسق اور بدعتی کو بھی شامل ہیں۔

شیعوں کا تقیہ:............ الا ان تتقوا منھم تقٰۃ میں جو لفظ تقاۃ فرمایا گیا ہے اس سے مراد شیعوں کا تقیہ نہیں ہے کہ اس کو آیت سے قطعاً تعلق نہیں ہے کیونکہ آیت میں اندیشۂ ضرر کے وقت دوستی کے اظہار اور دشمنی کے اخفاء کی اجازت دی جارہی ہے اور تقیہ متعارفہ میں دوستی کی بجائے کفر کا اظہار اور دشمنی کی بجائے ایمان کا اخفاء کیا جاتا ہے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے البتہ آیت الا من اکرہ میں اندیشۂ ضرر سے اظہار کفر کی اجازت ہے لیکن اس میں بھی تقیہ شیعہ سے دو طرح کا فرق ہے (۱) اکراہ صرف دفع ضرر کے لئے ہے اور تقیہ جلب منفعت اور دفع مضرت دونوں کے لئے ہوتا ہے۔ (۲) اکراہ میں اندیشہ کا قوی ہونا ضروری ہے اور تقیہ میں نقصان کا احتمال و وہم بھی کافی ہے۔ اس لئے دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

قیامت میں تین طرح کے لوگ: .... قیامت میں تین طرح کے لوگ ہوں گے نیک وبد" ملے جلے اعمال والے خالص بداعمال، خالص نیک اعمال۔ آیت **یوم تجد** میں قسم اول کا ذکر ہے۔ لیکن قسم ثانی والے بدرجہ اولیٰ اس کے متمنی ہوں گے البتہ تیسری قسم والوں کو اس تمنا کی نوبت نہیں آئے گی۔ اور دن کے نہ آنے کی تمنا کرنا نہایت بلیغ ہے کہ تمام مصائب سے دُوری کی تمنا کرنا ہے آیت لایتخذ المؤمنون کی رُو سے مشائخ مریدین کو منکرین کے ساتھ تعلق اور دوستی سے منع کرتے ہیں۔ البتہ ان سے اگر اندیشہ ضرر ہو تو ظاہر ہے تعلق کی اجازت دیتے ہیں۔ اور یہ ضعفاء کے لئے حکم ہے ورنہ قوی الیقین اور پختہ کار اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

آیت قل ان کنتم میں اس پر دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محب ومحبوب ہونا بجز اتباع محبِ حق کے میسر نہیں ہوسکتا۔

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اِخۡتَارَ **اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ** بِمَعۡنٰی اَنۡفُسَهُمَا **عَلَی الۡعٰلَمِيۡنَ (۳۳)** بِجَعۡلِ الۡاَنۡبِيَآءِ مِنۡ نَسۡلِهِمۡ **ذُرِّيَّةًۢ بَعۡضُهَا مِنۡۢ** وُلۡدِ **بَعۡضٍ** مِنۡهُمۡ **وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ (۳۴)** اُذۡكُرۡ **اِذۡ قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ** حَنَّةُ لَمَّا اَسَنَّتۡ وَاشۡتَاقَتۡ لِلۡوَلَدِ فَدَعَتِ اللّٰهَ وَاَحَسَّتۡ بِالۡحَمۡلِ يَا **رَبِّ اِنِّىۡ نَذَرۡتُ** اَنۡ اَجۡعَلَ **لَكَ مَا فِىۡ بَطۡنِىۡ مُحَرَّرًا** عَتِيۡقًا خَالِصًا مِنۡ شَوَاغِلِ الدُّنۡيَا لِخِدۡمَةِ بَيۡتِكَ الۡمَقۡدِسِ **فَتَقَبَّلۡ مِنِّىۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ** لِلدُّعَاءِ **الۡعَلِيۡمُ (۳۵)** بِالنِّيَّاتِ وَهَلَكَ عِمۡرَانُ وَهِيَ حَامِلٌ **فَلَمَّا وَضَعَتۡهَا** وَلَدَتۡهَا جَارِيَةً وَكَانَتۡ تَرۡجُوۡ اَنۡ يَكُوۡنَ غُلَامًا اِذۡ لَمۡ يَكُنۡ يُحَرَّرُ اِلَّا الۡغِلۡمَانُ **قَالَتۡ** مُعۡتَذِرَةً يَا **رَبِّ اِنِّىۡ وَضَعۡتُهَاۤ اُنۡثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ** اَىۡ عَالِمٌ **بِمَا وَضَعَتۡ ؕ** جُمۡلَةُ اِعۡتِرَاضٍ مِنۡ كَلَامِهٖ تَعَالٰى وَفِىۡ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ التَّاءِ **وَلَيۡسَ الذَّكَرُ** الَّذِىۡ طَلَبَتۡ **كَالۡاُنۡثٰى ۚ** الَّتِىۡ وُهِبَتۡ لِاَنَّهٗ يُقۡصَدُ لِلۡخِدۡمَةِ وَهِيَ لَاتَصۡلُحُ لَهَا لِضُعۡفِهَا وَعَوۡرَتِهَا وَمَا يَعۡتَرِيۡهَا مِنَ الۡحَيۡضِ وَنَحۡوِهٖ **وَاِنِّىۡ سَمَّيۡتُهَا مَرۡيَمَ وَاِنِّىۡۤ اُعِيۡذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا** اَوۡلَادَهَا **مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ (۳۶)** اَلۡمَطۡرُوۡدِ فِى الۡحَدِيۡثِ مَا مِنۡ مَوۡلُوۡدٍ يُوۡلَدُ اِلَّا مَسَّهُ الشَّيۡطَانُ حِيۡنَ يُوۡلَدُ فَيَسۡتَهِلُّ صَارِخًا اِلَّا مَرۡيَمَ وَابۡنَهَا رَوَاهُ الشَّيۡخَانِ **فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا** اَىۡ قَبِلَ مَرۡيَمَ مِنۡ اُمِّهَا **بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ وَّاَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ** اَنۡشَاَهَا بِخَلۡقٍ حَسَنٍ فَكَانَتۡ تَنۡبُتُ فِى الۡيَوۡمِ كَمَا يَنۡبُتُ الۡمَوۡلُوۡدُ فِى الۡعَامِ وَاَتَتۡ بِهَا اُمُّهَا الۡاَحۡبَارَ سَدَنَةَ بَيۡتِ الۡمَقۡدِسِ فَقَالَتۡ دُوۡنَكُمۡ هٰذِهِ النَّذِيۡرَةُ فَتَنَافَسُوۡا فِيۡهَا لِاَنَّهَا بِنۡتُ اِمَامِهِمۡ فَقَالَ زَكَرِيَّا اَنَا اَحَقُّ بِهَا لِاَنَّ خَالَتَهَا عِنۡدِىۡ فَقَالُوۡا لَا حَتّٰى نَقۡتَرِعَ فَانۡطَلَقُوۡا وَهُمۡ تِسۡعَةٌ وَعِشۡرُوۡنَ اِلَى نَهۡرِ الۡاُرۡدُنِ وَاَلۡقَوۡا اَقۡلَامَهُمۡ عَلٰى اَنَّ مَنۡ ثَبَتَ قَلَمُهٗ فِى الۡمَاءِ وَصَعَدَ فَهُوَ اَوۡلٰى بِهَا فَثَبَتَ قَلَمُ زَكَرِيَّا فَاَخَذَهَا وَبَنٰى لَهَا غُرۡفَةً فِى الۡمَسۡجِدِ بِسُلَّمٍ لَايَصۡعَدُ اِلَيۡهَا غَيۡرُهٗ وَكَانَ يَاۡتِيۡهَا بِاَكۡلِهَا وَشُرۡبِهَا وَدُهۡنِهَا فَيَجِدُ عِنۡدَهَا فَاكِهَةَ الشِّتَاءِ فِى الصَّيۡفِ وَفَاكِهَةَ الصَّيۡفِ فِى الشِّتَاءِ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى **وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ** ضَمَّهَا اِلَيۡهِ وَفِىۡ قِرَاءَةٍ بِالتَّشۡدِيۡدِ وَنَصۡبِ زَكَرِيَّاءَ مَمۡدُوۡدًا وَّمَقۡصُوۡرًا وَالۡفَاعِلُ اللّٰهُ **كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيۡهَا زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ ۙ** الۡغُرۡفَةَ وَهِيَ

اَشْرَفُ الْمَجَالِسِ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى مِنْ اَيْنَ لَكِ هٰذَا ۖ قَالَتْ وَهِيَ صَغِيْرَةٌ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۖ يَأْتِيْنِيْ بِهِ مِنَ الْجَنَّةِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ رِزْقًا وَاسِعًا بِلَا تَبِعَةٍ

ترجمہ: .... اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ چُن لیا (منتخب فرمالیا) آدمؑ اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ اور عمرانؑ (آل ابراہیم اور آل عمران سے مراد خود ان کی ذوات ہیں) تمام دنیا میں (انبیاؑ کو ان کی نسل میں کیا) ان میں سے بعض بعض کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں اور (یاد رکھیئے) جب عمران کی بیوی نے دعا مانگی تھی (ان کا نام حنہ تھا جب وہ سن ایاس کو پہنچ گئیں اور بچہ کی تمنا ہوئی تو اللہ سے دعا کی اور حاملہ ہوگئیں) خدایا میں نذر پیش کرتی ہوں آپ کے لئے (نذر مانتی ہوں کہ تیرے لئے وقف کر دوں گی) میرے شکم میں جو بچہ ہے اس کو آزاد کر کے (دنیا کے کام دھندوں سے فارغ کر کے تیرے مقدس ہیکل کے لئے وقف کرتی ہوں) سو میری طرف سے یہ نذر قبول فرمالیجئے، بلاشبہ آپ (دعا) خوب سننے والے (نیتوں کا حال) خوب جاننے والے ہیں (عمران کی وفات اس حال میں ہوگئی کہ ان کی بیوی حاملہ تھیں) پھر جب ان کے لڑکی پیدا ہوئی (اس بی بی نے لڑکی جنی، حالانکہ ان کو توقع لڑکا پیدا ہونے کی تھی) کیونکہ ہیکل مقدس کی خدمت کے لئے لڑکے ہی وقف ہوا کرتے تھے) تو وہ بولیں (معذرت کے لہجہ میں) خدایا میرے تو لڑکی ہوئی ہے حالانکہ اللہ بہتر جاننے والے (عالم) تھے جو کچھ انہوں نے جنا تھا (یہ جملہ معترضہ من جملہ کلام الٰہی ہے اور ایک قرأت میں ضم تا کے ساتھ بصیغہ متکلم ہے) اور وہ لڑکا (جس کی وہ دعا مانگ رہی تھیں) اس لڑکی کے برابر نہیں تھا (جو ان کو مرحمت کی گئی ہے کیونکہ لڑکے سے مقصود معبد کی خدمت تھی اور لڑکی اپنے ضعف اور عورت ہونے کے عوارض حیض وغیرہ کی وجہ سے اس کام کی نہیں ہوسکتی) میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی نسل (اولاد) کو آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔ شیطان مردود (ملعون) سے (حدیث میں ارشاد ہے کہ کوئی بچہ ایسا نہیں ہوتا کہ پیدائش کے وقت شیطان اس کو نہ چھوتا ہو۔ اور بچہ اس کے چھونے سے نہ روتا ہو۔ بجز مریم اور ان کے صاحبزادہ کے رواہ الشیخان) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس لڑکی کو قبول فرمالیا (یعنی مریم کو ان کی والدہ کی طرف سے قبول کرلیا) بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ اور بڑی ہی اچھی نشو ونما دی (یعنی ان کی پرورش عمدہ طریقہ پر ہوئی چنانچہ روزانہ اتنی بڑھتی تھیں۔ جتنا دوسرا بچہ سال بھر میں بڑھتا ہے۔ ان کی والدہ ان کو بیت المقدس کے خدام کی خدمت میں لائیں اور عرض کیا کہ اس نذر کو قبول کر لیجئے۔ چونکہ امام بیت المقدس کی یہ صاحبزادی تھی۔ اس لئے ہر ایک نے چھینے جھپٹنے کی کوشش کی۔ چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام کا کہنا یہ تھا کہ میں اس کا زیادہ حقدار ہوں کیونکہ رشتہ میں اس کا خالو ہوں، لیکن دوسرے خواہش مند قرعہ سے کم کسی بات پر رضامند نہ ہوئے چنانچہ ۲۹ آدمیوں کا یہ قافلہ نہر اُردن پر پہنچا اور اپنے اپنے قلم پانی میں ڈال دیئے اس قرارداد کے ساتھ کہ جس کا قلم پانی میں ٹھہرا رہے گا اور [illegible]ا رہے گا وہی زیادہ حقدار سمجھا جائے گا۔ اس قرارداد کے مطابق حضرت زکریا کا قلم پورا اترا۔ اس لئے انہوں نے بچی کو حاصل کرلیا اور اس کے لئے مسجد میں زینہ پر ایک بالا خانہ علیحدہ تیار کرادیا کہ جس میں ان کے سوا اور کوئی نہیں جاسکتا تھا اس کے لئے کھانا، پینا، تیل پھلیل آجاتا تھا اور غیر موسمی پھل بھی آپ اس کے پاس دیکھتے کہ سرما کا پھل گرما میں۔ اور ایک قرأت میں تشدید کے ساتھ اور زکریا کے نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ ممدوداً یا مقصوراً۔ اور اللہ فاعل ہوگا) جب کبھی حضرت زکریا علیہ السلام اس کے پاس محراب میں جاتے بالا خانہ میں جو سب سے افضل جگہ تھی) تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے کی چیزیں موجود پاتے۔ پوچھتے اے مریم یہ چیزیں تجھے کہاں سے مل گئیں؟ وہ کہتی (حالانکہ کم سن تھی) اللہ کے پاس سے (جنت سے میرے پاس آتا ہے) بلاشبہ اللہ جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں (بے اندازہ اور بلا محنت کے)

تحقیق وترکیب: .... **ال عمران** یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد ہیں جو یصہر بن فاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے اور یا مریم علیہا السلام کے والد اور ماثان کے بیٹے ہیں جو یہودا ابن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔ان دونوں عمرانوں کے مابین تقریباً ایک ہزار آٹھ سو سال کا فصل ہے، دوسرا احتمال سیاق کے زیادہ مناسب ہے یعنی ابو مریم مراد ہوں۔اس سورت کا نام بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ عمران ثانی کے گھرانہ کا حال اس میں مذکور ہے۔آل سے مراد نفس ہوتا ہے جیسے بولتے ہیں اٰ کذا، ای نفس کذا. یا اس لفظ کو زائد مانا جائے۔

ذریة بمعنی ولد۔بروزن فعلیة ذر سے ماخوذ ہے یا بروزن فعولة ذراء سے ماخوذ ہے ہمزہ کو یا اور یا کو واؤ سے تبدیل کر کے ادغام کر دیا ہے واحد اور جمع دونوں کے لئے آتا ہے۔ترکیب میں آل سے یا آل اور نوحؑ دونوں سے بدل ہے۔

امراء ة عمران حضرت زکریا وعمران دونوں ہم زلف تھے جنہوں نے فاقود کی دونوں بیٹیوں سے شادی کی،اول اشاع ام یحییٰ سے اور دوسرے نے ان کی بہن حنہ بنت فاقود سے جو ام مریم تھی، تو یحییٰ (یوحنا) اور مریم دونوں خالہ زاد بہن بھائی تھے۔حنہ کے اولاد نہیں ہوئی، کبر سنی میں ایک دفعہ ایک جانور کو یہ دیکھ کر کہ اپنے بچہ کو چوگہ دے رہا ہے ان کے دل میں تحریک اور بچہ کا شوق پیدا ہو گیا۔ مطلق اولاد سے زیادہ لڑکا مرغوب ہوتا ہے اس لئے دعا میں اس کی تخصیص کی۔ چنانچہ مطلق دعا بلا تخصیص قبول ہوئی اور حاملہ ہو گئیں۔

محرراً منصوب علی الحالیة ہے۔ما سے اور عامل لفظ نذرت ہے لک میں لام تعلیلیہ ہے **والمراد لخدمة بیتک** ہے اور محررا سے متعلق ہے جار مجرور کی تقدیم کمال اعتناء کے لئے ہے نیز جار مجرور کا تعلق نذرت سے بھی ہو سکتا ہے ای **نذرت العبادتی ایاک** اور وضعت کی ضمیر غائب یا متکلم راجع ہے **ما فی بطنها** کی طرف اور تانیث اس کے مؤنث ہونے کی وجہ سے ہے۔

والله اعلم کا بیان **ولیس الذکر الخ** ہے اور ذکروانثی میں لام عہدی ہے۔**انی سمیتها مریم** ان کی زبان میں مریم کے معنی عابدہ خادمہ کے ہیں گویا اس نام میں اشارہ ہے کہ میں اپنے سابقہ ارادہ پر قائم ہوں گو لڑکا نہیں لڑکی ہے جو خدمت بیت اللہ کے لئے اگر چہ مجاز نہیں ہو سکتی لیکن عبادت کے لئے تو وقف ہو سکتی ہے۔اور **انی** مسند الیہ کی تقدیم اس لئے ہے کہ چونکہ باپ موجود نہیں ہے اس لئے صرف میرا رکھا ہوا نام ہے۔**وفی الحدیث** بظاہر حدیث تمام انبیاءً غیر انبیاءً کے لئے عام معلوم ہوتی ہے حالانکہ انبیاءً معصوم ہیں لیکن کہا جائے گا کہ انبیاءً کرام حسی اغوائی سے معصوم ہوتے ہیں جو یہاں ثابت نہیں ہے۔ یہاں جسمانی لحاظ سے جس چوکہ کا بیان ہے وہ عصمت پر اثر انداز نہیں البتہ آیت سے صرف حضرت مریم کا حضرت عیسیٰ کے بارہ میں استعاذہ ثابت ہوتا ہے حنہ کا نہیں۔اور حدیث میں حنہ اور مریم دونوں کا مامون رہنا معلوم ہوا جو انعام خداوندی ہے تاہم آیت کی تفسیر میں حدیث کو لانا مناسب نہیں تھا در آنحالیکہ دوسری روایت میں ہے۔**ان الشیطان کان ایضًا الا انه صادف الغشاء.**

استہلال رفع صوت عند الہلال کو کہتے ہیں یہاں پیدائش کے وقت بچہ کا رونا مراد ہے۔**بقبول حسن** با اس میں **کتبت بالقلم** کی طرح ہے۔ماقبل **مایقبل** میں **بی الشیء** جیسے **سعوط ما یسعط به نباتا حسنا** مفعول مطلق من غیر لفظہ ہے اور بعض کے نزدیک تقدیر اس طرح ہے ینبت نباتاً بقبول میں باء زائدہ بھی ہو سکتی ہے اور یہ معبودیت کی وجہ سے منصوب بھی ہو سکتی ہے اور چونکہ بنو ماثان بنی اسرائیل کے رئیس وسردار ہوتے تھے اس لئے عمران بھی ان کے امام کہلائے۔**اقلام** یہ وہی قلم ہوں گے جن سے تورات لکھی جاتی ہوگی جو پیتل کے تھے غرفہ اس کے سات دروازے تھے حضرت زکریا کہیں باہر جاتے تو مقفل کر جاتے تھے یہ امام کی محراب تھی۔

کفلها جنہوں نے ممدود اپڑھا ہے انہوں نے نصب ظاہر کر دیا اور قصر کی صورت میں محل نصب میں ہوگا۔

المحراب امام کے کھڑے ہونے کی مخصوص جگہ یا مسجد کا مخصوص حصہ۔**سمی لتحارب الناس اوالشیطان فیها. ان الله**

یرزق اس کو کلام مریم پر محمول کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت کلام الٰہی کے۔

ربط:.......... گذشتہ آیت میں اللہ کی محبت کا ذکر تھا آئندہ آیات میں اللہ سے محبت کرنے والوں کا ذکر ہے نیز جو معاندین مسئلہ نبوت و رسالت کو مستبعد سمجھتے تھے مختلف انبیاءؑ کے واقعات سے استبعاد کو رفع کرنا ہے۔

﴿تشریح﴾:.......... چاروں انجیلوں اور حواریوں کے خطوط میں اگرچہ عمران کے والد اور ان کی بیوی وغیرہ کے ناموں کی تصریح نہیں ملتی لیکن مورخین اسلام نے اپنی تحقیقات سے پتہ لگایا ہے کہ یہ عمران حضرت موسیٰؑ وہارونؑ کے والد نہیں ہیں۔ بلکہ بقرینہ سیاق ماتان کے بیٹے ہیں اور حضرت مریمؑ کے والد اور حضرت عیسیٰؑ کے نانا ہیں۔ حضرت ہارون کی اولاد میں ہیں حضرت زکریا بن اذن کے ہم زلف ہیں اگر کوئی شخص بچہ کو اللہ کے گھر کا مجاور بنانے کی نذر مانتا تو دستور کے مطابق بچہ کو دودھ چھڑانے کے بعد شہر یروشلم (بیت المقدس) میں لاکر ہیکل اور کلیسا کی نذر کر دیتا اور کاہن (امام) کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا۔ چنانچہ عمران مرحوم کی بیوہ حنہ بھی اپنی بیٹی مریم کو ہیکل میں وقفِ عبادت کرنے کے لئے لائیں تو حضرت زکریا جو مریم کے خالو اور ان کی بہن اشاع یا الیسبات کے شوہر تھے انہوں نے کفالت کی ذمہ داری قبول کر لی۔ پھر حضرت مریم سے کرامات اور خوارق کا صدور دیکھا تو معتقد ہوئے اور اپنے لئے تائید غیبی کا ایک لطیفہ ہاتھ آیا۔

ان آیات میں اکثر الوالعزم انبیاءؑ کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں بھی پھر تخصیص بعد التعمیم کے طور پر بطور خاص آل عمرانؑ مریمؑ وعیسیٰؑ کا اور حضرت زکریاؑ ویحییٰؑ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس نذر کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے ایسی نذر اس وقت مشروع تھی اب مشروع نہیں ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے **لانذر فیما لایملک**.

چند شبہات کے جوابات:.......... ولادت کے وقت شیطان کے جس چھیڑنے کا ذکر حدیث میں ہے اس کی ابھی نوبت نہیں آئی تھی کہ انی اعیذھا الخ کی بشارتِ قبولیت ان کو ولادت کے ساتھ ہوگئی تھی۔ اور آیت میں چونکہ ان دونوں کے لئے دعا کی تصریح ہے اس لئے حدیث میں بھی اجابتِ دعا کی تصریح ان دونوں ناموں کے ساتھ ظاہر فرمادی ہے لیکن اس سے اور انبیاءؑ کے لئے نفی لازم نہیں آتی کہ ولادت کے وقت اوروں کو شیطان نے مس کیا ہو۔ یا پھر اس کو فضیلت جزئی پر محمول کر لیا جائے البتہ آنحضرت ﷺ کو تمام انبیاء پر فضیلت کلی حاصل ہے۔ رہا شیطان کو بچہ پر اتنی قدرت دیئے جانے سے بچہ کو ہلاک کر دینے کا اندیشہ ہونا؟ سو دو وجہ سے صحیح نہیں ہے اول تو محض چھیڑنے کی قوت سے ہلاک کرنے کی قدرت کا حاصل ہو جانا لازم نہیں آتا۔ دوسرے نگہبانی کے لئے فرشتے بھی موجود رہتے ہیں اس لئے شیطان کا وار اور ہتھیار کارگر نہیں ہوتا۔

لطائف:.......... مریم بمعنی عابدہ نام رکھنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ میں اپنے ارادۂ نذر سے نہیں پھری ہوں۔ خدمت کے لئے نہ سہی عبادت ہی کے لئے سہی اس کو پیش کر رہی ہوں۔ چنانچہ حضرت زکریا امام ہونے کی وجہ سے اور عزیز خاص ہونے کی وجہ سے ان کی کفالت کے مستحق تھے۔ لیکن قوم کے مزید اطمینان کے لئے قرعہ سے اور وہ بھی عجیب وغریب طریقہ پر ان ہی کو ترجیح ہوگئی جس سے خدا کی مرضی کا ہونا بھی معلوم ہوگیا۔ اور نشو ونما کے عمدہ ہونے کا مطلب یا تو یہ ہے کہ شروع ہی سے عبادت وزہد کی طرف دھیان رکھا اور یا یہ کہ جسمانی لحاظ سے ظاہری نشو ونما دوسروں کی نسبت بہت جلد ہوا۔ قرعہ اندازی کی یہ صورت خارق عادت تھی جس میں حضرت زکریاؑ کی کامیابی معجزہ تھی۔

قرعہ اندازی کا حکم: .... ہماری شریعت میں حنفیہ کے نزدیک قرعہ کا حکم یہ ہے کہ شرع میں جن حقوق کے اسباب معلوم اور متعین ہوں ان میں قرعہ ناجائز ہوگا اور داخل قمار سمجھا جائے گا۔ البتہ جن حقوق کے اسباب رائے پر محمول ہوں ان میں قرعہ جائز ہے۔ اول کی مثال کہ کسی بچہ کے نسب میں اختلاف ہوا اور اس کا فیصلہ قرعہ سے کرنا چاہے کہ جس کا نام نکل آئے گا وہی باپ سمجھا جائے گا، یہ غلط اور ناجائز ہے۔ یا ایک مشترک چیز جس میں برابر کے حصہ دار ہیں تو اگر ایک شخص قرعہ اندازی کر کے اپنا نام نکلنے پر سب چیز کا مالک بننا چاہے یہ جائز نہیں ہے۔ دوسری کی مثال جیسے کسی مشترک چیز میں اپنے حصہ کی تعیین کہ مکان غربی حصہ فلاں کو اور مشرقی فلاں کو دیدیا جائے یہ بے شک قرعہ سے جائز ہے کیونکہ بلا قرعہ خود آپس کی رضامندی یا قضاء قاضی سے بھی یہ تقسیم اور تعیین جائز تھی۔

وجد عندها رزقا قول مشہور پر کہ حضرت مریمؑ ولیہ تھیں اس سے کرامات اولیاء کا ثبوت ہوتا ہے۔ خلافاً للمعتزلہ۔

هُنَالِكَ اَیْ لَمَّا رَأٰی زَکَرِیَّا ذٰلِكَ وَعَلِمَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلَی الْاِتْیَانِ بِالشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ حِیْنِهٖ قَادِرٌ عَلَی الْاِتْیَانِ بِالْوَلَدِ عَلَی الْکِبَرِ وَکَانَ اَهْلُ بَیْتِهٖ اِنْقَرَضُوْا **دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّهٗ** لَمَّا دَخَلَ الْمِحْرَابَ لِلصَّلٰوةِ جَوْفَ اللَّیْلِ **قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ** مِنْ عِنْدِكَ **ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً** وَلَدًا صَالِحًا **اِنَّكَ سَمِیْعُ** مُجِیْبُ **الدُّعَآءِ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ** اَیْ جِبْرَئِیْلُ **وَهُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ** اَیِ الْمَسْجِدِ **اَنَّ** اَیْ بِاَنَّ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْکَسْرِ بِتَقْدِیْرِ الْقَوْلِ **اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ** مُثَقَّلًا وَمُخَفَّفًا **بِیَحْیٰی مُصَدِّقًا بِکَلِمَةٍ** کَائِنَةٍ **مِّنَ اللّٰهِ** اَیْ بِعِیْسٰی اَنَّهٗ رُوْحُ اللّٰهِ وَسُمِّیَ کَلِمَةً لِاَنَّهٗ خُلِقَ بِکَلِمَةِ کُنْ **وَسَیِّدًا** مَتْبُوْعًا **وَّحَصُوْرًا** مَمْنُوْعًا عَنِ النِّسَآءِ **وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴿۳۹﴾** رُوِیَ اَنَّهٗ لَمْ یَعْمَلْ خَطِیْئَةً وَلَمْ یَهُمَّ بِهَا **قَالَ رَبِّ اَنّٰی** کَیْفَ **یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ** وَلَدٌ **وَّقَدْ بَلَغَنِیَ الْکِبَرُ** اَیْ بَلَغْتُ نِهَایَةَ السِّنِّ مِائَةً وَعِشْرِیْنَ سَنَةً **وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ** بَلَغَتْ ثَمَانِیَ وَتِسْعِیْنَ **قَالَ** الْاَمْرُ **کَذٰلِكَ** مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ غُلَامًا مِنْکُمَا **اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ﴿۴۰﴾** لَا یُعْجِزُهٗ عَنْهُ شَیْءٌ وَلِاِظْهَارِ هٰذِهِ الْقُدْرَةِ الْعَظِیْمَةِ اَلْهَمَهُ اللّٰهُ السُّؤَالَ لِیُجَابَ بِهَا وَلَمَّا تَاقَتْ نَفْسُهٗ اِلٰی سُرْعَةِ الْمُبَشَّرِ بِهٖ **قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْ اٰیَةً** اَیْ عَلَامَةً عَلٰی حَمْلِ اِمْرَاَتِیْ **قَالَ اٰیَتُكَ** عَلَیْهِ **اَنْ لَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ** اَیْ تَمْتَنِعَ مِنْ کَلَامِهِمْ بِخِلَافِ ذِکْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی **ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ** اَیْ بِلَیَالِیْهَا **اِلَّا رَمْزًا** اِشَارَةً **وَاذْکُرْ رَّبَّكَ کَثِیْرًا وَّسَبِّحْ** صَلِّ **بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْکَارِ﴿۴۱﴾** اَوَاخِرَ النَّهَارِ وَاَوَائِلَهٗ **وَ** اذْکُرْ **اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ** اَیْ جِبْرَئِیْلُ **یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ** اِخْتَارَكِ **وَطَهَّرَكِ** مِنْ مَسِیْسِ الرِّجَالِ **وَاصْطَفٰىكِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ﴿۴۲﴾** وَاَهْلِ زَمَانِكِ **یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ** اَطِیْعِیْهِ **وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ﴿۴۳﴾** اَیْ صَلِّیْ مَعَ الْمُصَلِّیْنَ **ذٰلِكَ** الْمَذْکُوْرُ مِنْ اَمْرِ زَکَرِیَّا وَمَرْیَمَ **مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ** اَخْبَارِ مَا غَابَ عَنْكَ **نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ** یَا مُحَمَّدُ **وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ** فِی الْمَاءِ یَقْتَرِعُوْنَ لِیَظْهَرَ لَهُمْ **اَیُّهُمْ یَکْفُلُ** یُرَبِّیْ **مَرْیَمَ**

وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ﴿۴۴﴾ فِىْ كِفَالَتِهَا فَتَعْرِفُ ذٰلِكَ فَتُخْبِرَبِهٖ وَاِنَّمَا عَرَفْتَهٗ مِنْ جِهَةِ الْوَحْيِ.

ترجمہ:............اس وقت کا یہ معاملہ ہے (یعنی جبکہ حضرت زکریا نے ان خوارق کا ظہور دیکھا اور سمجھا کہ جو ذات بے موسم پھل پیدا کرسکتی ہے کیا وہ بڑھاپے میں اولاد نہیں دے سکتی۔ اس وقت حضرت زکریاؑ کے متعلقین وفات پا چکے تھے) کہ زکریاؑ نے اپنے پروردگار کے حضور دعا مانگی (جس وقت حضرت زکریاؑ نماز تہجد کے لئے کھڑے ہوئے) عرض کی خدایا تو اپنے فضل خاص سے (اپنے پاس سے) مجھے پاک نسل (اولاد صالح) عطاء فرما۔ بلاشبہ آپ دعا سننے والے (قبول فرمانے والے) ہیں پس پکارا ان کو فرشتوں (جبرئیل) نے درآنحالیکہ حضرت زکریاؑ محراب (مسجد) میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ (انّ معنی میں بانّ کے اور ایک قرأت میں اِنّ بکسر الہمزہ ہے بتقدیر القول) اللہ تعالیٰ آپ کو خوشخبری دے رہے ہیں (یہ لفظ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) یحییٰ کی جو کلمۃ اللہ کے تصدیق کنندہ ہوں گے (یعنی حضرت عیسیٰ کے روح اللہ ہونے کی تصدیق فرمائیں گے کلمۃ اللہ اس لئے کہا گیا کہ وہ کلمۂ کن سے پیدا کئے گئے ہیں) اور مقتدا (سردار) و پارسا (عورتوں سے پرہیز کرنے والے) پیغمبر اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہوں گے (روایت ہے کہ انہوں نے نہ کبھی کوئی خطا کی اور نہ اس کا ارادہ کیا) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا۔ حالانکہ مجھ پر بڑھاپا طاری ہو چکا ہے (یعنی ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی عمر کو پہنچ چکا ہوں) اور میری اہلیہ بانجھ ہے (کہ اٹھانوے سال کی عمر کو پہنچ چکی ہے) حکم ہوا (معاملہ) ایسے ہی ہو جائے گا (بحالتِ موجودہ تم سے بچہ پیدا ہوگا) کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ ارادہ کریں اس کو پورا کر دیتے ہیں (ان کو کوئی روک نہیں سکتا) اور اس عظیم قدرت کو ظاہر کرنے ہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سوال الہام کیا تاکہ اسی کے مطابق جواب مرحمت فرمایا جائے۔ جب ان کا دل اس خوشخبری کا زیادہ مشتاق ہوا) عرض کیا کہ خدایا میرے لئے کوئی بات بطور نشانی ٹھہرا دیجئے (یعنی بیوی کے حاملہ ہونے پر کوئی علامت مقرر کر دیجئے) فرمایا تمہارے لئے (اس پر) یہی نشانی ہوگی کہ تم کسی سے بات چیت نہیں کرسکو گے (یعنی لوگوں کی گفتگو سے باز رہو گے۔ البتہ ذکر اللہ جاری رہے گا) تین دن (مع تین راتوں کے) الایہ کہ اشاروں سے۔ اور اپنے پروردگار کا ذکر بکثرت کیجئے اور صبح وشام اس کی حمد وثناء نماز) میں مشغول رہیئے (پچھلا پہر، اول پہر) اور (وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے) جب کہ فرشتوں (جبرئیل) نے کہا اے مریم اللہ نے تمہیں چن لیا (برگزیدہ بنا دیا) ہے اور پاک صاف رکھا ہے (مردوں کی صحبت سے) اور تمام دنیا (تمہاری ہمعصر) عورتوں پر تم کو فوقیت بخشی ہے۔ اے مریم اب تم اپنے پروردگار کی اطاعت (فرمانبرداری) میں سرگرم ہو جاؤ اور رکوع وسجود کرنے والوں کے ساتھ تم بھی رکوع وسجود میں منہمک رہو (یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو) یہ (زکریا اور مریم کے مذکورہ واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں (جو خبریں آپ سے غائب تھیں) جن کی وحی آپ پر (اے محمدؐ) کر رہے ہیں اور آپؐ ان کے پاس موجود نہیں تھے نہ تو اس وقت جبکہ وہ جھگڑ رہے تھے آپس میں (مریم کی کفالت کے سلسلہ میں آپ کو اس کی خبر ہوتی اور آپ دوسروں کو اس کی خبر کرتے آپ کو تو صرف بذریعہ وحی یہ باتیں معلوم ہو سکی ہیں)

تحقیق وترکیب:............لفظ ھھنا ظرف مکان کے لئے آتا ہے اور لام بعد کے لئے ہے اور کاف خطاب کے لئے ہے لیکن کبھی ھنا، حیث، کم ظرف زمان کے لئے بھی مستعار لے لیا جاتا ہے۔ یعنی یہ امور عجیبہ وغریبہ جن میں وہ مکان وزمان بھی داخل ہیں۔ اس دعاء کا باعث اور محرک ذریۃ بمعنی نسل کا اطلاق مفرد جمع دونوں پر آتا ہے اسی لئے مفسر علامؒ نے ولدا صالحا کہا تذکیر وتانیث کبھی لفظی مراد ہوتی ہے اور کبھی معنوی۔

بتقدیر القول. ای حال کون الملائکة قائلین لهٗ ان اللہ الخ فنادته فاتعقیب کے لئے یعنی فوراً دعا قبول ہوگئی۔ جو

روایت کے سلسلہ میں بیان کی جاتی ہے کہ دعاء اور اجابت میں چالیس سال کا فصل ہوا۔ وہ صحیح نہیں ہے البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ دعا بار بار ہوئی جیسا کہ لفظ کلما بھی دلالت کرتا ہے تو اس طرح حمل سے کچھ پہلے بھی دعا ہوئی ہو الملائکۃ مراد جبریل ہیں مجازاً تعظیم کے طور پر یا جمع علی حالہ ہو اور جبریل بھی من جملہ مخاطبین ہوں۔

مثقلا و مخففا یعنی یبشرک اور یبشرک۔ **مصدقا**. حضرت ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ سے چھ ماہ بڑے تھے اور سب سے پہلے حضرت عیسیٰ کے نبی اور کلمۃ اللہ ہونے کی تصدیق انہوں نے ہی فرمائی تھی۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ مریم کی طرح ان کی بہن بھی حاملہ تھیں ایک دفعہ کہنے لگیں کہ اے مریم میں دیکھتی ہوں کہ میرے پیٹ میں بچہ تیرے پیٹ کے بچہ کی طرف سجدہ ریز ہوتا ہے۔ **مصدقاً** حال مقدرہ ہے یحییٰ سے **بکلمۃ** کن اور بعض کی رائے میں اس سے مراد قول **کذلک اللہ یخلق الخ** ہے اور بعض کے نزدیک مراد یہ ہے کہ اللہ نے نفخ جبریل کے وقت جبریل کو فرمایا ہے۔ **انی** یہ استبعاد بطور عادت کے مراد ہے نہ بطور شک کے عاقر۔ مرد یا عورت جس کے بچہ نہ پیدا ہوتا ہو۔ عقر بمعنی قطع **بلغنی الکبر** بلوغ کی نسبت کبر کی طرف توسعاً کی گئی ہے گویا بڑھاپا طالب ہے اور خود وہ مطلوب۔ **کذالک** جلال محققؒ اس سے پہلے الامر مبتداء محذوف نکالا ہے اور **اللہ یفعل الخ** اس کا بیان ہے یعنی تم میں سے کسی میں تبدیلی نہیں ہوگی بلکہ بحالتِ موجودہ ہماری قدرت کا اظہار ہوگا۔ اور عامل مقدر کر کے اس پر جواب تام بھی کہا جاسکتا ہے یعنی **یکون لک غلام وانت کذالک من الشیخوخۃ و کون امراتک عجوزاً**۔

الھمہ اللہ السول یعنی **انی یکون لی غلام** حضرت یحییٰ کے سلسلہ میں **اللہ یفعل مایشاء** کہا گیا ہے اور آگے حضرت عیسیٰ کے بارہ میں **اللہ یخلق مایشاء** کہا جارہا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ کی ولادت بلاباپ زیادہ معجزہ ہے بہ نسبت ولادت یحییٰ کے۔

ان لاتکلم اس کی تفسیر میں لفظ تمتنع سے اشارہ کردیا کہ کسی بیماری سے زبان بند نہیں ہوجائے گی بلکہ اختیاری طور پر زبان بندی ہوگی اور باتیں کرنے کو جی نہیں چاہے گا چنانچہ سورۂ مریم میں **سویا** کا لفظ بھی موجود ہے یعنی تندرست رہو گے۔ اور قاضی بیضاویؒ کی رائے ہے کہ کلام پر قادر ہی نہیں رہو گے **ثلاثۃ ایام** صوفیاء کے یہاں تین دن تین رات ریاضت باعث کامیابی شمار کی جاتی ہے کہ جس میں ذکر اللہ کی کثرت اور دنیا کی باتوں سے بالکلیہ اجتناب ہو اور جواب میں لفظ آیت کا اعادہ جواب کو بلیغ بنا رہا ہے **واحسن احسن الجواب ماکان منتزعاً من السوال**. **العشی**. زوال سے غروب آفتاب تک۔ **ابکار** طلوع فجر سے لے کر چاشت تک اس سے معلوم ہوگا کہ شریعت میں بھی دو نمازیں قبل طلوع الشمس اور قبل الغروب تھیں۔ اسی لئے صبح کی تفسیر جلال محققؒ نے صلِّ کے ساتھ کی ہے ورنہ تسبیح وذکر کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔

واذ قالت الملئکۃ اس کا عطف **اذقالت امرأۃ عمران** پر ہے وہ ماں کا قصہ تھا یہ بیٹی کا قصہ ہے مناسبت ظاہر ہے۔ اور قصہ زکریا ان دونوں کے درمیان اس لئے ذکر کردیا کہ اول قصہ ہی اس دعاء کا باعث بنا تھا۔ اور ملائکہ کی تفسیر جبریل کے ساتھ کرنا تسمیۃ الخاص باسم العام ہے تعظیما۔ **وطھرک** یعنی خاص نزاہت مردوں سے علیحدگی اور یکسوئی مراد ہے حیض وغیرہ سے علیحدگی مراد نہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ کی ولادت سے پہلے کہا جاتا ہے ایک دفعہ ان کو حیض آیا ہے۔ **واصطفٰک** اس سے خاص فضیلت جزئی مراد ہے یعنی حضرت عیسیٰ کی والدہ ہونا اس سے حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ کے فضائل کثیرہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ محققین کے نزدیک ان دونوں کو افضل نساء العالمین سمجھا جائے گا۔ **یا مریم** قرآن کریم میں حضرت مریم کے سوا کسی عورت کا نام صراحۃً ذکر نہیں فرمایا گیا اس میں رد ہے ان کو اللہ میاں کی بیوی کہنے والے عیسائیوں پر۔ کیونکہ کوئی آدمی اپنی بیوی کا نام دوسروں کے سامنے لینا پسند نہیں کرے گا۔

واسجدی وارکعی ان کی نماز میں اگر سجدہ پہلے ہوتا تھا اور رکوع بعد میں تو یہ ترتیب واؤ سے نہیں سمجھی جائے گی۔ لیکن اگر ان کی نماز ہماری ہی نماز کی طرح ہے کہ رکوع پہلے اور سجدہ بعد میں ہو تو اس واؤ کا جواب شوافع کے پاس کیا ہوگا جو واؤ کو ترتیب کے لئے مانتے

ہیں۔البتہ حنفیہ کے لئے معقول استدلال ہوسکتا ہے۔مع الراکعین بجائے مع الراکعات کے فرمایا گیا بطور تغلیب کے یا یہ مقصد ہے کہ عورتوں کی طرح گنڈے دار خالی نقل وحرکت کی نماز نہ پڑھو بلکہ پابندی اور خشوع والی مردانہ نماز پڑھا کرو اور نماز پر رکوع کا اطلاق تسمیۃ الکل باسم الجزء ہے اور سجدہ کی تقدیم یا تو ان کی شریعت کے مطابق ہوگی اور یا محض شرف کے لیئے۔

ربط:............ ان آیات میں حضرت زکریاؑ کا واقعہ دعائے ولادتِ یحییٰؑ اور حضرت مریمؑ کے واقعہ کا تتمہ بیان کیا جارہا ہے اور ذلک من انباء الغیب میں اس کو دلیلِ نبوت قرار دیا گیا ہے۔

﴿تشریح﴾:...... **بے موسم پھل اور ناوقت اولاد**:............حضرت زکریا علیہ السلام خدا کے برگزیدہ نبی ہونے کی وجہ سے اللہ کی عظیم قدرت کے معتقد تھے۔لیکن اسباب عادیہ نہ ہونے کی وجہ سے اس قسم کی درخواست کو جرات بے جا سمجھتے تھے لیکن جب حضرت مریم کے پاس بے موسم پھل آتے دیکھتے تو دل میں ایک خاص قسم کی تحریک ہوئی اور بار بار اس کرامت کے مشاہدہ سے کیفیت نے شدتِ رغبت کی صورت اختیار کرلی۔تو درخواست پیش کردی کے اے اللہ مجھے بھی ''بے موسم کا پھل'' عطاء فرما ناذریۃ کا مطلب یہ ہے کہ بابرکت اور نیک کردار ہو۔یہ دعاء مختلف مواقع میں مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے ممکن ہے مختلف اوقات کے لحاظ سے مختلف الفاظ استعمال کئے ہوں اس لئے کہیں کوئی لفظ نقل کردیا اور کہیں کوئی۔محراب سے مراد عمدہ اور مخصوص مکان ہے خواہ امام کا مصلی ہو یا وہ مخصوص جگہ جو حضرت مریمؑ کے لئے بنائی گئی تھی۔حضرت عیسیٰؑ چونکہ بلاواسطہ سبب عادی یعنی باپ کے پیدا کئے گئے ہیں اس لئے ان کو''کلمۃ اللہ'' یا ''روح اللہ'' کہا گیا یہ جواب ہے وفد نجران کے شبہ کا۔حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ کے ہمعصر ہیں اور سب سے پہلے ان کو ماننے والے اس لئے ان کو مصدق کہا گیا ہے۔

مشربِ یحیوی:............ اور حصور میں سب جائز خواہشوں سے رُکنا بھی داخل ہے۔مثلاً عمدہ کھانا پینا، پہننا، نکاح وغیرہ۔ حالانکہ احادیث سے نکاح کی فضیلت معلوم ہوتی ہے سو جس شخص کی حالت واقعی یہ ہو کہ اس پر فکر آخرت غالب ہو کر اس کو ادائیگی حقوق سے بے توجہ بنادے تو اس کے لئے تجرد ہی بہتر ہے۔نکاح کی فضیلت میں من استطاع منکم الباءۃ کی قید خود اس کی مؤید ہے۔اور صالح ہونا ایک کلی مشکک ہے جس سے ادنی درجہ عام مؤمن اور اعلیٰ درجہ انبیاء کو حاصل ہوتا ہے۔اس لئے محل مدح میں اس لفظ کا استعمال بے فائدہ نہیں ہے اور بحالت نماز فرشتوں کی بات چیت چونکہ پیغام الٰہی تھا اس لئے اس کی مشغولیت عین حضورِ قلب ہے وہ اس میں خلل انداز یا اس کے منافی نہیں ہے۔انی یکون لی غلام سے مقصود استبعاد نہیں ہے کہ ایک جلیل القدر پیغمبر سے یہ سوال خود مستبعد ہے بلکہ اجابتِ دعا کی کیفیت کے اشتیاق کا اظہار ہے کہ ہم دونوں میاں بیوی بحالت موجودہ بوڑھے رہیں گے یا اس میں کچھ ردّ وبدل کیا جائے گا۔جواب کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ حالت باقی رہے گی کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا۔

نکات:............ اور لڑکے کا تعیین اور اس کا زندہ رہنا یہ بات یحییٰ کے نام سے معلوم ہوگئی تھی اور نشانی کی فرمائش بھی اسی شدت شوق کا نتیجہ تھی یا ادائے شکر کے لئے پہلے سے آمادگی کا اظہار تھا۔غرضکہ نشانی بڑی لطیف تجویز کی گئی کہ نشانی کی نشانی ہوگی اور مقصود کا مقصود۔بدرجۂ اتم حاصل ہوگیا کہ ادائے شکر کے سوا کسی دوسرے کام ہی کے نہ رہیں گے۔اسی سے معلوم ہوا کہ بہ نسبت عدم کلام اختیاری کے عدمِ کلام اضطراری مراد لینا اوفق ہے کما قال البیضاوی اور دونوں مراد لینا اور بھی جامعیت رکھتا ہے۔اس آیت میں تین دن اور دوسری آیت سے تین رات معلوم ہوتی ہیں اور دونوں صحیح ہیں اور گو اپنے شوق اور جذبہ کے لحاظ سے وہ خود تین دن تین رات ذکر اللہ

میں مصروف رہتے لیکن بطور استحسان وتاکید حق تعالیٰ نے بھی اس کو ارشاد فرمادیا اور صبح شام سے مراد یا تو مطلق اوقات ہیں مجازاً اور حقیقۃً یہی اوقات مراد ہیں تو ان کی عبادت کو دن کے ساتھ مخصوص کرنا پڑے گا۔

تحقیقات:............ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ میں دو باتیں قابل تحقیق ہیں۔(۱) مطلقاً فرشتوں سے کلام کرنا خواص نبوت سے نہیں ہے۔ خواص نبوت سے وہ کلام ہے جو مامور بالتبلیغ سے کیا جائے گو خود اس کلام کی تبلیغ مقصود نہ ہو۔(۲) لفظ نساء سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت مریم بالغ ہو چکی تھیں اس لئے شاید لفظ اصطفاء مکرر لایا گیا ہے کہ پہلا اصطفاء بچپن میں ہوا اور یہ اصطفاء جوانی میں ہوا غرضکہ دونوں اصطفاء کرامات سے لبریز ہیں۔

لطائف:............ ھنالک دعا سے بھی دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو اولاد کا آرزومند ہونا زہد کے منافی نہیں ہے بالخصوص جبکہ کسی دینی مصلحت وغرض سے ہو جیسے حضرت زکریاؑ نے انی خفت الموالی کی مصلحت دوسری آیت میں بیان فرمائی اس سے بقاء سلسلہ کی تمنا اور آرزو کا استحسان بھی معلوم ہوا جیسا کہ مشائخ کی خواہش اور تمنا ہوتی ہے۔

دوسرے یہ کہ اسباب بعیدہ کا سوال منافی ادب نہیں ہے۔ ذریة طیبة کی قید سے معلوم ہوا کہ خلیفہ بنانے کے لئے اُن صفات کی شرط ہے اولاد بنانے کے لئے نہیں کہ وہ تو بہر صورت اولاد ہی ہوگی بعض بزرگوں سے جو اس کی ضد کی تمنا منقول ہے وہ غلبہ حال پر محمول ہے یا عنداللہ مقدر نہ ہونے پر تفویض ہے اور رب اجعل لی اٰیة میں مزید طمانیت کے لئے دعاء ہے جیسے حضرت ابراہیمؑ کی دعاء دربارۂ حیاء موتیٰ گذر چکی ہے۔

اذْکُرْ **اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ** اَیْ جِبْرَئِیْلُ **يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ** اَیْ وَلَدٍ **اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ** خَاطَبَهَا بِنِسْبَتِهٖ اِلَيْهَا تَنْبِيْهًا عَلٰى اَنَّهَا تَلِدُهٗ بِلَا اَبٍ اِذْ عَادَةُ الرِّجَالِ نِسْبَتُهُمْ اِلٰى اٰبَائِهِمْ **وَجِيْهًا** ذَا جَاهٍ **فِى الدُّنْيَا** بِالنُّبُوَّةِ **وَالْاٰخِرَةِ** بِالشَّفَاعَةِ وَالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى **وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ** ﴿۴۵﴾ عِنْدَاللّٰهِ **وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ** اَیْ طِفْلًا قَبْلَ وَقْتِ الْكَلَامِ **وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ** ﴿۴۶﴾ **قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى** كَيْفَ **يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ** بِتَزَوُّجٍ وَلَاغَيْرِهٖ **قَالَ** الْاَمْرُ **كَذٰلِكِ** مِنْ خَلْقِ وَلَدٍ مِنْكِ بِلَا اَبٍ **اللّٰهُ يَخْلُقُ مَايَشَآءُ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا** اَرَادَ خَلْقَهٗ **فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ** ﴿۴۷﴾ اَیْ فَهُوَ يَكُوْنُ **وَيُعَلِّمُهُ** بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ **الْكِتٰبَ** الْخَطَّ **وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ** ﴿۴۸﴾ وَنَجْعَلُهٗ **رَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ** فِى الصِّبَاءِ اَوْ بَعْدَ الْبُلُوْغِ فَنَفَخَ جِبْرَئِيْلُ فِىْ جَيْبِ دِرْعِهَا فَحَمَلَتْ وَكَانَ مِنْ اَمْرِهَا مَا ذُكِرَ فِىْ سُوْرَةِ مَرْيَمَ فَلَمَّا بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ قَالَ لَهُمْ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ **اَنِّىْ** اَیْ بِاَنِّىْ **قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ** عَلَامَةٍ عَلٰى صِدْقِىْ **مِّنْ رَّبِّكُمْ** هِىَ **اَنِّىْٓ** وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْكَسْرِ اسْتِئْنَافًا **اَخْلُقُ** اُصَوِّرُ **لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ** مِثْلَ صُوْرَتِهٖ وَالْكَافُ اِسْمُ مَفْعُوْلٍ **فَاَنْفُخُ فِيْهِ** الضَّمِيْرُ لِلْكَافِ **فَيَكُوْنُ طَيْرًا** وَفِىْ قِرَاءَةٍ طَائِرًا **بِاِذْنِ اللّٰهِ** بِاِرَادَتِهٖ فَخَلَقَ لَهُمُ الْخُفَّاشَ لِاَنَّهٗ اَكْمَلُ الطَّيْرِ خَلْقًا فَكَانَ يَطِيْرُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَهٗ فَاِذَا غَابَ

عَنْ اَعْيُنِهِمْ سَقَطَ مَيِّتًا **وَاُبْرِئُ** اَشْفِيْ **الْاَكْمَهَ** الَّذِيْ وُلِدَ اَعْمٰى **وَالْاَبْرَصَ** وَخُصَّا لِاَنَّهُمَا دَاءَ اِنْ اَعْيَيَا الْاَطِبَّاءَ وَكَانَ بَعْثُهُ فِيْ زَمَنِ الطِّبِّ فَاَبْرَأَ فِيْ يَوْمٍ خَمْسِيْنَ اَلْفًا بِالدُّعَاءِ بِشَرْطِ الْاِيْمَانِ **وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ** بِاِرَادَتِهٖ كَرَّرَهُ لِنَفْيِ تَوَهُّمِ الْاُلُوْهِيَّةِ فِيْهِ فَاَحْيَا عَازَرَ صَدِيْقًا لَهُ وَابْنَ الْعَجُوْزِ وَابْنَةَ الْعَاشِرِ فَعَاشُوْا وَوُلِدَ لَهُمْ وَسَامَ بْنَ نُوْحٍ وَمَاتَ فِي الْحَالِ **وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ** تَخْبَأُوْنَ **فِيْ بُيُوْتِكُمْ** مِمَّا لَمْ اُعَايِنْهُ فَكَانَ يُخْبِرُ الشَّخْصَ بِمَا اَكَلَ وَمَا يَاْكُلُ بَعْدُ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ **لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** ﴿۴۹﴾ وَجِئْتُكُمْ **مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ** قَبْلِيْ **مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ** فِيْهَا فَاَحَلَّ لَهُمْ مِنَ السَّمَكِ وَالطَّيْرِ مَالَاصِيْصِيَّةَ لَهُ وَقِيْلَ اَحَلَّ الْجَمِيْعَ فَبَعْضٌ بِمَعْنٰى كُلٍّ **وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ** كَرَّرَهُ تَاكِيْدًا اَوْ لِيَبْنِيَ عَلَيْهِ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ** ﴿۵۰﴾ فِيْمَا اٰمُرُكُمْ بِهٖ مِنْ تَوْحِيْدِ اللّٰهِ وَطَاعَتِهٖ **اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا** الَّذِيْ اٰمُرُكُمْ بِهٖ **صِرَاطٌ** طَرِيْقٌ **مُّسْتَقِيْمٌ** ﴿۵۱﴾ فَكَذَّبُوْهُ وَلَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ **فَلَمَّآ اَحَسَّ** عَلِمَ **عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ** وَاَرَادُوْا قَتْلَهُ **قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ** اَعْوَانِيْ ذَاهِبًا **اِلَى اللّٰهِ** لِاَنْصُرَ دِيْنَهُ **قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ** اَعْوَانُ دِيْنِهٖ وَهُمْ اَصْفِيَاءُ عِيْسٰى اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَكَانُوْا اِثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا مِنَ الْحَوَرِ وَهُوَ الْبَيَاضُ الْخَالِصُ وَقِيْلَ كَانُوْا قَصَّارِيْنَ يُحَوِّرُوْنَ الثِّيَابَ اَيْ يُبَيِّضُوْنَهَا **اٰمَنَّا** صَدَّقْنَا **بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ** يَا عِيْسٰى **بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ** ﴿۵۲﴾ **رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ** مِنَ الْاِنْجِيْلِ **وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ** عِيْسٰى **فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ** ﴿۵۳﴾ لَكَ بِالْوَاحِدَانِيَّةِ وَلِرَسُوْلِكَ بِالصِّدْقِ قَالَ تَعَالٰى **وَمَكَرُوْا** اَيْ كُفَّارُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ بِعِيْسٰى اِذْ وَكَّلُوْا بِهٖ مَنْ يَّقْتُلُهُ غِيْلَةً **وَمَكَرَ اللّٰهُ** بِهِمْ بِاَنْ اَلْقٰى شِبْهَ عِيْسٰى عَلٰى مَنْ قَصَدَ قَتْلَهُ فَقَتَلُوْهُ وَرَفَعَ عِيْسٰى **وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ** ﴿۵۴﴾ اَعْلَمُهُمْ بِهٖ

ترجمہ:.........(یاد کیجئے) وہ وقت جبکہ فرشتوں (جبرئیلؑ) نے کہا اے مریم اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ (لڑکے) کی جومنجانب اللہ ہوگا۔اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا (ان کی نسبت مریم کی طرف کرتے ہوئے ان کو مخاطب بنانا یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ وہ بلاباپ پیدا ہوں گے۔ورنہ لوگوں کی عادت یہی ہے کہ اولاد کی نسبت باپ کی طرف کی جاتی ہے) وہ باوجاہت (باوقار) ہوں گے دنیا میں (تو نبوت سے سرفراز ہوکر) اور آخرت میں (شفاعت اور مراتب عالیہ سے مشرف ہوکر) اور پہنچے ہوئے ہوں گے (اللہ کے حضور) اور لوگوں سے کلام کریں گے گہوارہ میں (بچپنے میں بولنے کے وقت سے پہلے ہی) اور بڑی عمر میں اعلیٰ درجہ کی شائستہ لوگوں میں سے ہوں گے۔مریم بولیں خدایا یہ کہاں (کیسے) ہوسکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو حالانکہ کسی مرد نے مجھ کو چھوا تک نہیں (نہ نکاحاً نہ غیر نکاح کے طور پر) ارشاد الٰہی ہوا (یہ کاروائی) یوں ہوگی (کہ تم سے بچہ بلا باپ پیدا ہوگا) اللہ جو کچھ چاہتے ہیں پیدا کردیتے ہیں جب وہ کسی کام کو پورا کرنا چاہتے ہیں (اس کو پیدا کرنا چاہتے ہیں) تو اس کو حکم دیدیتے ہیں ہوجا پھر جیسا کچھ انہوں نے چاہا تھا ویسا ہی (وہ کام ظہور پذیر ہوکر رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو علم عطا فرمائیں گے (یہ لفظ نون اور یا کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔یعنی نُعَلِّمُهٗ،

ویُعلِّمُہٗ) کتاب (کتابت) اور حکمت تورات وانجیل اور بیز (ہم ان کو بنائیں گے) رسول بنی اسرائیل (بچپن میں یا بالغ ہونے کے بعد۔ چنانچہ حضرت جبرئیل نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونک ماردی تو وہ حاملہ ہوگئیں۔ اور کچھ اس کا واقعہ سورۂ مریم میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ نے جب حضرت عیسیٰ کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث فرمایا تو انہوں نے لوگوں کے سامنے جا کر اعلان فرمایا کہ میں تمہارے لئے خدا کا رسول ہوں) دیکھو میں تم لوگوں کے پاس تمہارے پروردگار کی نشانی (اپنی صداقت کا نشان) لے کر آیا ہوں (وہ یہ ہے کہ) میں بلاشبہ (ایک قرأت میں کسر ان کے ساتھ ہے بطور استیناف کے) بناتا ہوں (مصنوعی شکل) تمہارے لئے گارے کی پرندہ کی سی صورت (پرندکی شکل اور کاف اسم مفعول ہے) پھر اس میں پھونک مار دیتا ہوں (فیہ کی ضمیر کھیئۃ میں کاف مثلیہ کی طرف راجع ہے) جس سے وہ پرندہ بن جاتا ہے اللہ کے حکم (ارادہ) سے (چنانچہ انہوں نے چمگادڑ کی شکل ان کے سامنے بنائی کیونکہ خلقت کے لحاظ سے وہ سب سے مکمل پرندہ ہوتا ہے۔ غرضکہ وہ اڑنے لگا اور سب لوگ اس کا تماشا دیکھتے رہے لیکن جب نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا تو فوراً مر کر گر جاتا۔ اور میں چنگا کر دیتا ہوں (اچھا کر دیتا ہوں) مادرزاد اندھوں (پیدائشی نابیناؤں) کو اور کوڑھیوں کو (ان دونوں بیماروں کی تخصیص اس لئے کی کہ یہ لاعلاج بیماریاں سمجھی جاتی ہیں کہ جن سے ڈاکٹر عاجز تھے۔ حضرت عیسیٰ کی بعثت طب کے زمانہ عروج میں ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک دن میں انہوں نے پچاس ہزار بیماروں کو محض دست دعاء کی بدولت بشرط ایمان بھلا چنگا کر دیا) اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں (یعنی اللہ کے ارادہ سے۔ اس جملہ کو اس لئے دوہرایا کہ ان پر شبہ الوہیت کا نہ ہو جائے غرضکہ انہوں نے اپنے دوست عازر کو اور اسی طرح ایک بڑھیا کے لڑکے، اور عشر وصول کرنے والے کی لڑکی کو جلا دیا۔ چنانچہ وہ زندہ رہے اور ان کے اولاد پیدا ئے ہوئی۔ اور سام بن نوح کو زندہ کر دیا جو پھر فوراً مر گئے) اور میں تم کو جتلا سکتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم ذخیرہ (جمع) رکھتے ہو اپنے گھروں میں (جن چیزوں کو میں نے دیکھا بھی نہیں چنانچہ آپ ہر شخص کے کھانے کے بعد یا کھانا کھانے سے پہلے ہی بتلا دیتے تھے) بلاشبہ ان (مذکورہ) باتوں میں تمہارے لئے بڑی ہی نشانی ہے۔ واقعی اللہ پر اگر ایمان رکھنے والے ہو (اور میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ) تصدیق کردوں تورات کی جو میرے سامنے (میرے سے پہلے) ہے اور اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے لئے حلال کر دوں بعض چیزیں جو تمہارے لئے حرام کر دی گئی تھیں (چنانچہ انہوں نے ان کے لئے مچھلی اور وہ پرندہ جس کے چونچ نہیں ہوتی حلال کر دیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ہر چیز ان کے لئے حلال کر دی تھی۔ اس صورت میں لفظ بعض کل کے معنی میں ہو جائے گا) اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی نشانی لے کر آیا ہوں (اللہ کی توحید واطاعت جو کچھ میں تم کو حکم دوں) دیکھو اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے سب کے پروردگار ہیں۔ سو ان کی بندگی کرو یہی (اس جملہ کو تاکیداً مکرر لائے ہیں یا اس لئے کہ اگلے جملہ کا عطف اس پر درست ہو سکے۔ اس لئے تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (اللہ کی توحید واطاعت کا جو کچھ میں تم کو حکم دوں) دیکھو اللہ تعالیٰ نے میرے اور تمہارے سب کے پروردگار ہیں سو ان کی بندگی کرو یہی (جس کی طرف میں تم کو بلا رہا ہوں) دین کا سیدھا راستہ ہے (لیکن ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو جھٹلایا اور ان پر ایمان نہیں لائے) پھر جبکہ حضرت عیسیٰ نے محسوس کر لیا (جان لیا) بنی اسرائیل سے کفر کو (اور ان کے ارادہ قتل کو) تو پکار اٹھے کون ہے جو میرا مددگار (حمایتی ہو جائے درآنحالیکہ میں اٹھنا چاہتا ہوں) اللہ کے لئے (اس کے دین کی نصرت کے لیئے) اسی پر ان کے چند حواریوں نے عرض کیا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں (دین کے حمایتی ہیں۔ یہ بارہ مخلص ترین افراد تھے جو سب سے اول حضرت عیسیٰ کے دست حق پر ایمان لائے حواری حور سے مشتق ہے جس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں۔ اور بعض کی رائے ہے کہ وہ دھوبی تھے جو کپڑوں کو دھو کر سفید کیا کرتے تھے) ہم اللہ پر ایمان لائے (اس کی تصدیق کی) اور گواہ رہئے (اے حضرت عیسیٰ) کہ اس کی فرمانبرداری میں ہمارا سر جھک گیا ہے۔ خدایا جو کچھ آپ نے نازل فرمایا (انجیل) اس پر ہم ایمان لے آئے اور پیروی کر لی رسول (عیسیٰ) کی سو ہمارا شمار بھی ان لوگوں میں کر لیجئے جو شہادت دینے والے ہیں (آپ کی وحدانیت کی اور آپ

کے پیغمبروں کی صداقت کی حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) اور خفیہ تدبیریں کیں (کفار بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ کے بارہ میں ایسا شخص تجویز کر کے جوان کو (اچانک قتل کر دے) اور اللہ نے بھی مخفی تدبیر کی (ان کے ساتھ کہ حضرت عیسیٰ کے قتل کا ارادہ کرنے والے کو اللہ نے ان کا ہمشکل بنا دیا۔ چنانچہ لوگوں نے اس شبہ میں اس کو توقتل کر دیا اور حضرت عیسیٰ کا رفع سماوی ہو گیا) اور یاد رکھو کہ مخفی تدبیریں کرنے والوں میں اللہ سے بہتر کوئی (زیادہ جاننے والا) نہیں ہے

تحقیق وترکیب: .... **اسمه المسیح عیسیٰ** لفظ عیسیٰ بدل ہے مسیح اور مسیح معرب ہے۔ اصل میں ماشح یا مشیحا عبرانی لفظ تھا بمعنی مبارک۔ معرب ہو کر مسیح ہو گیا۔ اور بعض نے اس کو مسح سے ماخوذ مانا ہے کیونکہ ان کے مسح سے برکت وشفاعت حاصل ہوتی تھی۔ یا زمین کا مسح مراد ہے یعنی ہمہ وقت سیر وسیاحت میں رہنے کی وجہ سے ان کو مسیح کہا گیا۔ اور مسیح الدجال بالاتفاق عربی لفظ ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ ممسوح العین (پچکی ہوئی آنکھ) ہوگا۔ مسیح حالانکہ لقب ہے لیکن اس لئے کہا گیا کہ وہ مسمیٰ پر علامۃ ہوتی ہے مسیح خبر اول۔

ابن مریم یہ مبتدائے محذوف کی خبر اول ہوگی۔ عیسیٰ کی صفت نہیں ہے اور عیسیٰ خبر ثانی ہے۔ **وجیھا ای ذا جاہ** منصوب علی الحال المقدرہ ہے لفظ کلمۃ سے باوجودیکہ یہ نکرہ ہے مگر موصوفہ ہے اور تذکیر بحسب المعنی ہے **بالشفاعۃ** اس سے مراد خاص اپنی امت کی شفاعت ہے جو ہر نبی کو حق دیا جائے گا۔ لیکن شفاعتِ کبریٰ عامہ وخاصہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جیسا کہ بعثت عامہ بھی آپ کا خاصہ ہے۔ **ومن المقربین** یہ معطوف ہے **وجیھا** پر یعنی **ومقربا من المقربین**۔

ویکلم الناس اس کا عطف حال پر ہے بتاویل اسم **فی المھد و کھلا** یہ دونوں لفظ مل کر حال ہیں صرف لفظ **کھل** حال نہیں ہے کیونکہ دونوں زمانوں کی برابری ہے۔ **مھد** مصدر میمی ہے۔ بچہ کا گھوارہ، تفسیر کبیر میں اس سے مراد ماں کی گود بھی لی گئی ہے۔ عبارت بتقدیر المضاف ہے جس کی طرف جلال محقق نے لفظ طفلا سے اشارہ کیا ہے یعنی **فی زمان المھد و ملاقه** زمانہ کہولت تیس (۳۰) سال کے بعد یا چالیس (۴۰) سال کے بعد ہوتا ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ تیس (۳۰) سال کی عمر میں اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرما دیا تھا۔ تیس (۳۰) ماہ یا تین (۳) سال کچھ ماہ کے بعد یہ واقعہ رفع سماوی پیش آ گیا۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک مدت نبوت کا چالیس سال ہونا یہ اکثری ہے کلیہ نہیں ہے۔ حضرت یحییٰ بعمر تیس (۳۰) سال نبی بنا دیئے گئے، دوسرے زمانۂ کہولت ان کو نہیں ملا۔ اور قرآن کے بیان کا صحیح ہونا ضروری ہے اس لئے دوبارہ تشریف آوری ہوگی اور اس زمانۂ کہولت میں کلام ہدایت ارشاد فرمائیں گے۔ اس سے رفع سماوی اور مسئلہ حیات عیسیٰ پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ روح المعانی میں سعید بن المسیب اور زید بن اسلم کا قول نقل کیا ہے کہ **انه رفع الی السماء وھو ابن ثلث وثلثین سنة** اور ابن جریر نے ابن زید سے اس آیت کے ذیل میں تخریج کی ہے **وسیکلمھم اذا قتل الدجال وھو یومئذ کھلٌ دلت الأیة علی نزوله الی الارض فافھم**۔

ومن الصالحین یہ تیسرا حال ہے **یعلمه** یہ مستقل کلام ہے حضرت مریم کی تالیفِ قلب کے لیئے۔ اور غم ملامت کے ازالہ کے لئے لایا گیا ہے۔ **الکتاب** یا مطلق کتب الٰہیہ مراد ہے زبور وصحائف وغیرہ اور یا بقول مفسرؒ خطاطی اور کتابت مراد ہے۔ کیونکہ اپنے زمانہ میں بہترین اور بے نظیر خطاط تھے۔ تورات اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تھی لیکن کتبِ سابقہ کے بھی وہ حافظ ہوں گے تورات کے جس حصہ کو انجیل میں منسوخ کر دیا گیا ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ **ورسولا** سے پہلے **ونجعله** میں اشارہ اس کے منصوب بفعل مضمر ہونے کی طرف اور وہ معطوف ہوگا **یعلمه** پر **فی الصباتین** سالہ عمر میں اور بعد البلوغ سے مراد تیس (۳۰) سال کی عمر ہوگی۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ چالیس (۴۰) سال کی عمر میں نبی بنائے گئے اور اسی (۸۰) سال اس کے بعد رسالت کے فرائض انجام دیتے رہے بعمر

۱۲۰ سال رفع سماوی ہوا۔

ماذکر فی سورۃ مریم یعنی **واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا الٰی ابعث حیًا انی قد جئتکم بایٰة** لفظ بائی سے اس طرف اشارہ ہے کہ جملہ محل جر میں ہے جیسا کہ خلیل کا مذہب ہے **بایٰة ای متلبسًا بایة** اس میں تنوین تعظیم کی ہے **ھی انی** لفظ **ھی** کی تقدیم سے اشارہ ہے کہ اَنَّ بفتح الہمزہ محل رفع میں ہے مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ **اخلق**. یہ بدل ہے آیۃ سے خلق کی تفسیر تصویر کے ساتھ اس لئے کی تا کہ ایجاد بعد العدم سے شبہ نہ ہو جائے جو اللہ کا خاصہ فعل ہے۔ **لکم. ای لاجلکم یعنی لتحصیل ایمانکم ورفع تکذیبکم ایای کھیئة الطیر**. بحذف المضاف ہے یعنی **ذات ھیئة کائنة کھیئة الطیر** اور کاف محذوف کے متعلق ہے جو خلق کے مفعول محذوف کی نعت واقع ہو رہا ہے۔ اور جلال محقق کاف کو مفعول کہہ رہے ہیں بمعنی مثل تقدیر اس طرح ہوگی **فاصور لکم من الطین مماثل ھیئة الطیر** آگے **فیه** کی ضمیر کاف کی طرف راجع کر رہے ہیں یعنی **فانفخ فی ذلک الشئ المماثل لھیئة الطیر**.

اکمل الطیر چمگاڈر کے دانت، کان، پستان ہوتے ہیں۔ عورتوں کی طرح حیض آتا ہے بغیر پروں کے اڑتا ہے۔ صبح اور مغرب کے بعد کچھ دیر اس کو نظر آتا ہے باقی اوقات سوجھائی نہیں دیتا۔ نظر سے غائب ہونے کے بعد مرجانا اس لئے ہوتا ہے کہ مصنوعاتِ باری اور مخلوق کی کاریگری میں فرق رہے۔ اور بعض نے ان پرندوں کی عمر صرف ایک روز بتلائی ہے۔

بشرط الایمان کا مطلب یہ ہے کہ گویا اچھا ہونے کی فیس یہ ترغیب الی الایمان تھی ممکن ہے مشن کے ہسپتالوں کا جال عیسائیوں کی طرف سے تمام ملکوں میں پھیلانے کی بنیاد یہی ہو۔

واحی الموتی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یاحی یاقیوم پڑھ کر زندہ کر دیتے تھے۔ چنانچہ جالینوس مشہور طبیب کے سامنے لوگوں نے جب یہ بات نقل کی تو کہنے لگا کہ بغیر علاج و ایسا کرتے ہیں تو یقیناً وہ نبی ہیں۔ کیونکہ طبیب کا یہ کام نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰؑ سے احیاء موتی کی درخواست کی گئی انہوں نے چار نفوس پر تجربہ کر کے دکھلایا۔ عازر جوان کے دوست تھے، ان کے انتقال پر ان کی ہمشیرہ نے آپ کو اطلاع دی تو حالانکہ ان کو مدفون ہوئے تین روز گذر چکے تھے لیکن آپ ان کی ہمشیرہ کے ہمراہ قبر پر پہنچے اور اللہ سے دعا کی چنانچہ عازر ایسی حالت میں قبر سے نکلے کے تازہ خون ان کے بدن سے بہہ رہا تھا۔ عرصہ تک یہ زندہ رہے، ان کی اولاد ہوئی اسی طرح ایک بڑھیا کا لڑکا اور ایک عشر وصول کرنے والے شخص کی لڑکی تھی۔ فرمائش پر ان کو بھی زندہ کیا۔ اور چوتھے شخص سام حضرت نوح کے صاحبزادہ کی قبر پر پہنچے ان کو زندہ کیا۔ انہوں نے گھبرا کر دریافت کیا کہ کیا قیامت قائم ہوگئی ہے؟ فرمایا **لالکن دعوتک باسم اللہ الاعظم** ان خوارق کو دیکھ کر بھی لوگوں نے یہی کہا کہ یہ سحر ہے کوئی اور کرامت دکھلایئے فرمایا فلاں شخص نے یہ کھایا اور فلاں شخص یہ کام کرے گا۔

مصدقا اس کا عطف لفظ آیۃ کے متعلق مضمر پر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے **قد جئتکم متلبسا بایٰة ومصدقا ولاحل** کا عطف مصدقًا پر ہو رہا ہے اگر چہ مصدقًا ترکیب مں حال اور **لاحل** مفعول لہ ہے تاہم دونوں کو تاویلاً ایک کرنا پڑے گا۔

ای جئتکم لا صدق ولاحل ولاحل لکم علماء کی اس بارہ میں دو رائے ہیں بعض کی رائے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شریعتِ موسوی کے بعض احکام منسوخ کئے اور بعض میں تغیر وتبدل کیا جیسا کہ خود شریعتِ اسلامیہ اور قرآن کریم کے احکام میں تغیر وتبدل نسخ ہوتا رہا ہے۔ اور یہ بات **مصدقًا لما بین یدی من التوراة** کے منافی نہیں ہے اور بعض کی رائے ہے کہ چونکہ ان دونوں جملوں میں تعارض لازم آتا ہے کہ ان کو توراۃ کا مصدق بھی کہا جائے اور پھر ناسخ اور مبدل بھی مانا جائے اس لئے یہ مان لینا چاہئے کہ خود انہوں نے اصل شریعت موسوی میں ترمیم نہیں کی بلکہ رسوم فاسدہ اور غلط رسوم ورواج کی اصلاح کی تھی لیکن قولِ اول ہی صحیح ہے بہرحال حضرت عیسیٰ وموسیٰ علیہما السلام کے زمانوں میں ۱۹۷۵ سال کا فصل ہے۔ انبیاء بنی اسرائیل میں سب سے اول نبی حضرت یوسف ہوئے ہیں اور

سب سے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

وقیل اهل الجمیع تمام احکام سے مراد زنا اور قتل جیسے افعال نہیں ہیں کہ ان کو بھی حضرت عیسیٰ نے حلال فرما دیا تھا بلکہ صرف وہ تمام افعال جن میں زیادہ تشدد اور سختی تھی۔ **ان الله ربی** اس میں نصاریٰ پر تعریض اور تردید ہے۔ **فلما احس** اس سے پہلے **فکذبوہ ولم یومنوا** کی تقدیر اس لئے مانی ہے تاکہ **فلما احس** کا ترتب اس پر صحیح ہو سکے۔ احساس کے معنی وجدان شے بالحاسہ کے آتے ہیں اس کے بعد علم سے اس کی تفسیر کرنا اس طرف مشیر ہے کہ کفر محسوسات میں سے نہیں ہیں لیکن شدت ظہور سے کنایہ کرنے کے لئے استعارہ کیا گیا ہے **الی الله** سے پہلے **ذاهبًا** متعلق ظاہر کر دیا اور بعض نے **الی** کو بمعنی مع یا بمعنی فی یا بمعنی لام لیا ہے اور اس **انصاری** کے متعلق کر دیا ہے اور مؤخر صورت میں کم تکلف کرنا پڑے گا اگرچہ روح المعانی میں اس تقدیر کو زیادہ بلیغ کہا ہے **من ینصرنی منتهیًا نصرہ الی الله** بہرحال اللہ یا رسول یا دین کی نصرت کا مفہوم معناً ایک ہی ہے اس لئے سوال وجواب دونوں منطبق ہو گئے۔

الحواریون. حواری الرجل خالة من الجور گویا حور کی طرف نسبت ہے اور الف کی زیادتی تغیرات نسب سے ہے اور یا حور بمعنی رجوع ہے ان کے دل اللہ کی طرف راجع ہیں یا روشن تھے اس لئے حواری کہلائے ممکن ہے یہ بارہ حضرات شاہی خاندان کے افراد ہوں جو نہایت سفید کپڑے پہنتے ہوں اور بعض کی رائے ہے کہ یہ دھوبی تھے جو کپڑے دھو کر سفید کرتے تھے۔ قفال کی رائے ہے کہ ان بارہ افراد میں بعض شہزادے اور بعض دھوبی، رنگریز، ماہی گیر تھے ان سب کے مجموعہ کو حواری کہا جاتا ہے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ یہ سب مخلصین صحابہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے۔ ان کو بھوک و پیاس لگی تو حضرت عیسیٰ نے فوراً اپنی کرامت سے ان کو کھلا پلا کر شکم سیر کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے عرض کیا **من افضل منا** آپ نے ارشاد فرمایا **افضل منکم من یعمل بیدہ ویاکل من کسبه** یعنی تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو خود کما کر کھائے اس پر ان سب نے اجرت پر کپڑے دھونے شروع کر دیئے۔ یا غالباً بچپن میں ایک مرتبہ ان کی والدہ نے ان کو ایک رنگریز کے پاس چھوڑ دیا اس کے پاس رنگنے کے لئے مختلف قسم کے کپڑے آئے ہوئے تھے وہ ان کو کام سمجھا کر کہیں چلا گیا آ کر دیکھا تو تمام کپڑے ایک ہی ماٹ میں ڈال دیئے گئے لیکن جب حضرت عیسیٰ کے فرمانے پر اس نے نکالے تو سب علیحدہ علیحدہ مختلف رنگ کے نکل آئے۔ یہ دیکھ کر اس کو نہایت درجہ حیرت اور سخت تعجب ہوا اور دیکھنے والے ان کے معتقد ہو گئے۔

ومکر الله یہ لفظ بھی تشابہات میں سے ہے جس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ (۱) مشاکلت صورت کی وجہ سے "**جزاء سیئة سیئة مثلها**" کی طرح ہے یعنی جزائے مکر کو مکر کہہ دیا گیا ہے۔ (۲) اللہ کی طرف سے ان کے ساتھ کی گئی کاروائی مشابہ مکر کے تھی اس لئے اس کو مکر کہا گیا ہے۔ (۳) اس لفظ کو تشابہ نہ کہا جائے بلکہ تدبیر مخفی محکم کے معنی ہیں۔ پھر بعد میں عرفاً شر پہنچانے کی تدبیر کے معنی میں اس کو خاص کر لیا گیا ہے۔ روح المعانی میں امام سے یہ معنی نقل کئے گئے ہیں ایصال المکروہ الی الغیر علی وجه یخفی فیه اس لحاظ سے اس کا صدور حق تعالیٰ سے حقیقۃً ممکن ہے۔

ربط: .... حضرت مریم کے واقعات گذشتہ آیات میں بیان ہوئے تھے ان آیات میں بھی اس کا تتمہ یعنی حضرت عیسیٰ کا واقعہ بیان کرنا ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... حضرت مریم وعیسیٰ کے واقعات: ....

اصل منشا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ ولادت کے سلسلہ میں جو بعد واستعجاب عام طبائع میں پایا جاتا تھا اس کو کم کرنا ہے اور اسی کو ہلکا کرنے کے لئے بطور تمہید حضرت مریم کے خوارق وکرامات کا ذکر چھیڑا گیا ہے۔ ولادت سے لے کر پوری جوانی تک جس کے واقعاتِ زندگی عجائب وغرائب سے لبریز ہوں تو اس

کی فرع بھلائی اصل کے برخلاف کیونکر ہو سکتی ہے۔ پھر ان کو بے موسم پھل ملے تو حضرت زکریاؑ کو بے موسم میوۂ خوبانی عطا ہوا غرضکہ جس گھرانے پر خدائی نوازشوں اور کرشموں کی اس طرح بارش ہو رہی ہو وہاں "بے باپ بچہ کی پیدائش" انکار کی حد تک عجوبہ نہیں رہنی چاہیئے۔ بہر حال ہوا یہ کہ حضرت یحییٰ بھی اپنی والدہ کے پیٹ میں تھے کہ حضرت مریمؑ ایک دفعہ غسل حیض سے فارغ ہو کر اٹھیں تو سامنے فرشتہ کو دیکھا۔ اپنی پاکدامنی اور پاک طینتی کی وجہ سے ایک دم گھبرا گئیں، تعارف کے بعد جب ذرا اطمینان ہوا تو فرشتہ نے بامر الٰہی کچھ دم کر دیا جس سے ان کو کچھ امید ہو گئی۔ کچھ دنوں کے بعد اس کا چرچا ہوا ایک کنواری لڑکی کا امید سے ہو جانا کیا کچھ ہنگامہ آرائی کا باعث نہیں ہوا ہوگا۔ اس سے تنگ آ کر وہ چچا زاد بھائی یوسف کے ساتھ بیت المقدس سے ناصرہ چلی گئیں، اور وہیں بیت اللحم کے کسی گوشہ میں ولادت ہوئی۔ لوگوں نے حضرت زکریاؑ کو متہم کر کے قتل کر دیا تھا۔ کچھ لوگوں نے یوسف کو مریمؑ کا شوہر قرار دیا اور اہل کتاب میں بھی یہی بات مشہور ہے۔

حضرت مریم کی پاکدامنی:............ ممکن ہے کہ حمل ظاہر ہو جانے کے بعد یا ولادت کے بعد ان سے شادی ہو گئی ہو یا جاہلوں کے طعن سے بچنے کے لئے لوگوں نے شادی کی بات مشہور کر دی ہو۔ قرآن نے اس سے تعرض نہیں کیا البتہ اس بے بنیاد الزام سے ان کی نزاہت و نظافت بڑے زوردار الفاظ میں ان اللہ الخ سے فرمادی گئی ہے کہ جس کو روز اول ہی سے چھانٹ لیا ہو اور باوجود لڑکی ہونے کے اس کو اپنی نیاز اور کلیسا کے لیئے قبول فرما لیا۔ نیز احوال رفیعہ مرحمت فرمائے پاک طبیعت، ستھرے اخلاق ظاہری، باطنی تقدیس سے مالا مال کیا جہاں بھر کی عورتوں پر ایک خاص فضیلت بخشی یعنی ایسی استعداد رکھی کہ بدون مرد و عورت کے تعلقات کے غیر معتاد طریقہ پر ایک جلیل القدر پیغمبر پیدا ہوں۔ یہ امتیاز دنیا میں کسی کو بھی حاصل نہیں ہو سکا۔

عداوتِ مسیح:............ بہر حال حضرت مریم وعیسیٰ علیہما السلام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یوسف ان کو مصر لے گئے وہیں حضرت عیسیٰ جوان ہوئے اور پھر ملک شام گئے وہاں حضرت یحییٰ جوان ہو چکے تھے اور ان سے بڑے تھے وہ لوگوں کو نصیحت کرتے اور ان کی نبوت کی تصدیق کرتے۔ آخر بادشاہ نے ان کو قتل کر دیا۔ حضرت عیسیٰ یروشلم وغیرہ شہروں میں تبلیغ کرتے رہے اور یہود کو ان کے ساتھ عداوت بڑھتی رہی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ نے بامر الٰہی دین موسوی کے احکام میں ترمیم کی جس کی تفصیل اناجیل اربعہ سے معلوم ہو سکتی ہے یوم السبت کے سلسلہ میں بڑی پابندیاں تھیں ان کو ہٹایا۔ غرضکہ اس سے یہود مشتعل اور ان کے درپئے آزار ہو گئے جس سے ان کو اپنے اعوان وانصار سے اعانت طلب کرنی پڑی یہاں ابن مریم کو بطور جزء علم استعمال کر کے حضرت مریمؑ کی بزرگی کی طرف اشارہ ہے اور نیز یہ کہ ان کی نسبت باپ کی بجائے تمہاری طرف ہوگی۔ رہا یہ کہ دوسروں کو اس سے شبہ ہوگا مگر اس کا جواب **وجیہا فی الدنیا والاخرة** میں دیدیا کہ وہ خود اپنی بزرگی کی وجاہت سے تم کو ان شبہات کے الزام سے بری کر دے گا۔ چنانچہ جب لوگوں نے استفسار حال کیا تو آپ نے ہدایت الٰہی کے مطابق بچہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ حضرت عیسیٰ نے **او یکلم الناس فی المهد** کا پورا پورا ثبوت بہم پہنچا دیا۔ اور فرمایا **انی عبداللہ اتانی الکتاب الخ** بعض محرفین نے کہا کہ **ویکلم الناس فی المهد** کے یہ معنی نہیں کہ خاص قسم کا عاقلانہ کلام کریں گے بلکہ مقصد یہ تھا کہ بچہ گونگا پیدا نہیں ہوگا۔ بلکہ عام طور پر بچوں کی طرح بولے گا **استغفر اللہ** حالانکہ قیامت میں لوگ ان کے اس خصوصی وصف کو یہ کہہ کر سراہیں گے **اذکر نعمتی علیك وعلی والدتك اذ ایدتك بروح القدس تکلم الناس فی المهد و کهلاً** کیا کوئی احمق کہہ سکتا ہے کہ وہاں بھی اس کہنے کا منشاء یہی ہوگا کہ لڑکا گونگا نہیں تھا۔ عام لڑکوں کی طرح بولنے والا تھا **لاحول ولاقوة الخ**۔

نکات:............ ملائکہ کا اطلاق بصیغہ جمع حضرت جبریلؑ پر ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ اس مسئلہ میں علماء یہ کہتے ہیں اگرچہ ایک ہی عالم کہتا ہو اور یا ممکن ہے کہ دوسرے فرشتے بھی ان کے ہمراہ ہوں گے مگر جبریلؑ اصل ہوں اور دوسرے تابع۔ اور انہوں نے بھی اجمالاً یا تفصیلاً بشارت سنائی ہو یا صرف تائید کی ہو۔

اور **کلمة الله** کہنے میں اشارہ ہے کہ جس چیز کو بلا اسباب عادیہ پیدا کیا جاتا ہے اس کی نسبت اللہ کی طرف کی جاتی ہے جیسے **وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى** اور ابن مریم کہنے میں اشارہ ہے بن باپ پیدا ہونے کی طرف۔ ورنہ باپ کی طرف اسناد ہونی چاہئے تھی۔

اذا قضى امرًا اس سے استبعاد اور استعجاب کو رفع کرنا ہے کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اسباب کے ماتحت ہوتا ہے لیکن اللہ کی قدرت اسباب کی محتاج نہیں ہے اول تو خود اسباب ہی انہوں نے پیدا کئے اور سبب اور مسبب علاقہ بھی ان ہی کا پیدا کردہ ہے۔ اس لئے اسباب اور عادات تو اس کے تابع ہیں لیکن وہ ان میں سے کسی کا پابند نہیں۔ دوسرے اگر ہر چیز کو اسباب ہی کا محتاج مانا جائے تو پھر اسباب ہی اسباب کے محتاج ہونے چاہئیں اور وہ اسباب بھی دوسرے اسباب کے۔ اس طرح تسلسل لازم آئے گا جو محال ہے، اور اگر اسباب اپنے اسباب کے محتاج نہ ہوں تو پھر مسبب کا بلا اسباب ہونا ممکن ہوا اور ممکن کی خبر مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں اس لئے یقین واذعان ضروری ہے۔

خاتم الانبیاء ﷺ اور حضرت مسیح علیہ السلام:............ **ويعلمه الكتاب والحكمة** سے مراد یا تو عام کتب آسمانی اور خصوصاً تورات وانجیل کا علم ہوگا کہ وہ بڑی گہری حکمت کی باتوں کی تلقین کرے گا۔ اور یا مراد قرآن وسنت کا علم ہو کہ وہ دوبارہ نزول کے بعد شریعت محمدیہ کے موافق حکم کریں گے۔ اور یہ جب ہو سکتا ہے کہ پہلے شریعت کا علم ہو۔ **انی اخلق** محض ظاہری حیثیت سے شکل و صورت بنانا مراد ہے اور اس لحاظ سے غیر اللہ پر اس کا اطلاق جائز ہے۔ خود حق تعالیٰ **احسن الخالقين** فرما رہے ہیں۔ گویا نبوت سے پہلے بطور "ارہاص" اس نمونۂ قدرت اور خارقِ عادت کا اظہار اس طرف اشارہ ہے کہ جب خدا میری ایک پھونک سے مٹی کی بے جان مورتیوں میں جان ڈال سکتا ہے تو کیا وہ ایک نفخۂ جبریلؑ سے ایک پاکباز عورت کے رحم میں روح عیسوی فائض نہیں کر سکتا ہے۔ قدرت کے ان دونوں تماشوں کے بعد کیا تعجب رہ جاتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ پر کمالاتِ روحانیہ وملکیہ کا غلبہ تھا اسی کے مناسب آثار ظاہر ہوئے تھے۔ لیکن اگر ملک پر بشر کو شرف وفضیلت حاصل ہے اور اس وجہ سے ابوالبشر کو اگر مسجود ملائکہ بنایا گیا ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ جس ذات میں تمام کمالاتِ بشریہ یعنی روحانی اور ملکوتی صفات اعلیٰ درجہ کی ہوں اس کو حضرت مسیح سے افضل ماننا پڑے گا۔ پرندوں کی شکل بنانا تصویر میں داخل ہے اور یہ اس وقت کی شریعت میں جائز تھا مگر ہماری شریعت میں ناجائز ہے۔

معجزہ کی عام حیثیت اور غرض:............ ہر زمانہ میں جن باتوں کا رواج زیادہ رہا معجزہ ان ہی باتوں میں نبی کا تفوق ثابت کرنے کے لئے آتا ہے چنانچہ حضرت مسیحؑ کے زمانہ میں سب سے زیادہ مایۂ ناز فن فنِ طبابت رہا ہے لیکن اللہ نے حضرت مسیحؑ کے ذریعہ لاعلاج مریضوں کو صحت یاب کر کے ان کا تفوق ثابت کر دکھایا اور اگر ان کے علاج کا امکان اسبابِ طبعیہ کے ذریعہ سے ثابت ہو جائے تو وجہ اعجاز یہ تھی کہ حضرت مسیحؑ نے بلا اسباب ان کو اچھا کر دیا اور مُردوں کو زندہ کر دینا فی الحقیقت اللہ کا فعل ہے لیکن تسبب کے درجہ میں حضرت مسیحؑ نے اس کو اپنی طرف منسوب کر دیا ہے۔

رہا یہ کہنا کہ خدا دنیا میں کسی مُردہ کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا محض بلا دلیل دعویٰ ہے اور **فيمسك التى قضى عليها الموت** سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری:......... حواری کے سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں مشہور یہ ہے کہ سب سے پہلے دو دھوبی ان کے معتقد ہوئے تو حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ کپڑے کیا دھوتے ہو آؤ میں تم کو دلوں کو دھونا سکھلاؤں۔ اس کے بعد سے سب متبعین کا یہی لقب پڑ گیا۔ بارہ (۱۲) حواریوں کے نام یہ ہیں (۱) شمعون (پطرس) (۲) اندریاس برادر شمعون (۳) یعقوب بن زبدی (۴) یوحنا برادر یعقوب (۵) فلپوس (۶) برتھولما (۷) تھوما (۸) متی (۹) یعقوب بن حلفائی (۱۰) تھدی (۱۱) شمعون کنعانی اور (۱۲) یہودا اسکریوتی۔

مکر کہتے ہیں مخفی اور لطیف تدبیر کو اب اگر کسی نیک مقصد کے لئے ہے تو اچھی اور برے مقصد کے لئے ہے تو بری ہے۔ اسی لئے "**ولا یحیق المکر السیٔ الاّ باھلہ**" میں مکر السیٔ کہا گیا ہے۔ یہاں ایک طرف انسانی تدابیر کا جال بُنا جا رہا تھا۔ دوسری طرف قدرت اس کو ادھیڑ رہی تھی۔ اور وہ اس کا تار پود کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ امنا باللہ متضمن ہے ایمان بالرسول کو اس طرح گویا مناجات میں ایمان بالرسول کی تصریح بھی ہوگئی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:......... رہا یہ کہ اس آیت سے تو حضرت مسیحؑ کا حوارین کی طرف مبعوث ہونا معلوم ہوا۔ اور آیت بالا سے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہونا معلوم ہوا تھا۔ دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ حوارین بھی بنی اسرائیل میں داخل ہیں چنانچہ ابن عباسؓ کی روایت میں بنی اسرائیل کا مائدہ کی درخواست کرنا مذکور ہے۔ اور آیت مائدہ میں تصریح ہے کہ درخواست کنندہ حوارین تھے دونوں کے مجموعہ سے نتیجہ یہ نکلا کہ ان دونوں لفظوں کا مصداق ایک ہی ہے اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں جماعتیں علیحدہ علیحدہ قومیں ہوں یعنی اصل بعثت تو حضرت مسیحؑ کی بنی اسرائیل کی طرف ہوگی جیسا کہ ان کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے اور البتہ دوسری قریبی قومیں حوارین وغیرہ جن کی طرف کوئی مستقل اور جدید نبی نہیں آئے وہ بھی آپ ہی کی دعوت کے مخاطب اور مکلف ہوں گے اس پر بعثت عامہ کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص بھی اصول وفروع کے مجموعہ سے مستثنیٰ نہ ہو۔ سو یہ خاصہ ہے آنحضرت ﷺ کا اس میں کوئی نبی آپ کا شریک وسہیم نہیں ہے علیٰ ہذا طوفانِ نوحؑ کے عام ہونے سے بھی شبہ عمومِ بعثت کا نہ کیا جائے کیونکہ وہ عذاب تھا اصول توحید کی مخالفت کا جو سب کے نزدیک واجب الاتباع ہے۔ فروع خاصہ کی وجہ سے عذاب نہیں تھا کہ شبہ عموم بعثت کا ہو۔

پادریوں کے اعتراضات سے نیچریوں کی مرعوبیت:......... اس موقعہ پر عیسائیوں نے انجیلوں کو سامنے رکھ کر قرآن کے بیانات پر کچھ اعتراضات کئے ہیں لیکن اول تو اناجیل موجودہ کی تاریخی حیثیت نہایت درجہ کمزور ہے دوسرے جو کچھ تھیں لیکن محرف ہونے کی وجہ سے قرآن کے مقابلہ میں لائق احتجاج نہیں رہیں۔ اسی طرح بعض نیچری اور دھریوں کا حضرت مریمؑ کو ان کی بیوی بتلانا اور یہ کہنا کہ یوسف نے نکاح کے بعد رخصت سے پہلے خلاف دستور ہمبستری کر لی تھی اس لئے وہ مطعون ہوئے اور چونکہ اس مذہب کو یونانیوں میں رواج دینا منظور تھا اور ان کے یہاں ایسی عجوبہ باتیں باعث بزرگی سمجھی جاتی تھیں چنانچہ مشہور یونانی فلسفی افلاطون کا بن باپ پیدا ہونا مشہور ومعروف تھا اسی لئے پادریوں نے بن باپ ان کا پیدا ہونا مشہور کر دیا وغیرہ وغیرہ خرافات اور فضول بکواس ہے اور تاریخ کا منہ چڑانا ہے۔

لطائف:......... **واذ قالت الملئکۃ** سے معلوم ہوا کہ فرشتوں سے بات چیت غیر انبیاء کی بھی ہو سکتی ہے۔ انبیاءؑ کے ساتھ جو کلام ملائکہ مخصوص ہے وہ ان کے مامور بالتبلیغ ہونے کی حیثیت سے ہے **واُحی الموتیٰ** سے معلوم ہوا کہ بعض مشائخ غلبۂ حال میں جو

افعال مخصوص باری تعالیٰ کو مجازاً اپنی طرف منسوب کردیتے ہیں اس کے لئے یہ اصل ہے لیکن جو اہل ادب ہیں وہ حضرت مسیح کی طرح باذن اللہ کی قید لگالیا کرتے ہیں و مصدقا الخ اس پورے جملہ سے اس بات کی اصل نکل آئی کہ ایک شیخ کی عدم موجودگی میں اس کے مریدوں کی تربیت دوسرا شیخ اگر کرے اور پہلے شیخ کے اصول کی رعایت رکھتے ہوئے فروع میں کچھ مناسب حال رد و بدل کردے تو مضائقہ نہیں ہے۔

من انصاری اس جملہ سے دو باتیں ثابت ہوئیں (۱) اہل دین کے باب میں مدد طلب کرنے کا جواز اور اس کا منافی توکل نہ ہونا کیونکہ ان کو مظاہر الٰہیہ ہی سمجھ کر مدد طلب کی جاتی ہے۔ (۲) اہل اللہ کے ساتھ جو کچھ معاملہ ہوتا ہے وہ دراصل اللہ کے ساتھ معاملہ کرنا ہے۔

ومکروا ومکر اللہ سے معلوم ہوا کہ ایک ہی بات اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے اچھی اور بندوں کے لحاظ سے بری ہوسکتی ہے۔ کیونکہ بعض باتیں قبیح لذاتہ نہیں ہوتیں بلکہ ان میں کسی مفسدہ کے شامل ہونے یا کسی مصلحت سے خالی ہونے کی وجہ سے برائی آجاتی ہے۔ غرضکہ اللہ تعالیٰ تو ان تمام مصالح اور حکم کی رعایت فرماسکتے ہیں جہاں بندوں کی نظر بھی نہیں پہنچ سکتی لیکن بندوں کے لئے اس قسم کی رعایت متعذر ہے۔ اس لئے ان کے لحاظ سے اچھی اور بندوں کے اعتبار سے بری ہوسکتی ہے۔

اُذْکُرْ **اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ** قَابِضُکَ **وَرَافِعُکَ اِلَیَّ** مِنَ الدُّنْیَا مِنْ غَیْرِ مَوْتٍ **وَمُطَهِّرُکَ** مُبْعِدُکَ **مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ** صَدَّقُوْا نُبُوَّتَکَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَالنَّصَارٰی **فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا** بِکَ وَهُمُ الْیَهُوْدُ یَعْلُوْنَهُمْ بِالْحُجَّةِ وَالسَّیْفِ **اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاَحْکُمُ بَیْنَکُمْ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ**﴿۵۵﴾ مِنْ اَمْرِ الدِّیْنِ **فَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا** بِالْقَتْلِ وَالسَّبْیِ وَالْجِزْیَةِ **وَالْاٰخِرَةِ** بِالنَّارِ **وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ**﴿۵۶﴾ مَانِعِیْنَ مِنْهُ **وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ** بِالْیَاءِ وَالنُّوْنِ **اُجُوْرَهُمْ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ**﴿۵۷﴾ اَیْ یُعَاقِبُهُمْ رُوِیَ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَرْسَلَ اِلَیْهِ سَحَابَةً فَرَفَعَتْهُ فَتَعَلَّقَتْ بِهٖ اُمُّهٗ وَبَکَتْ فَقَالَ لَهَا اِنَّ الْقِیٰمَةَ تَجْمَعُنَا وَکَانَ ذٰلِکَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ بِبَیْتِ الْمَقْدِسِ وَلَهٗ ثَلٰثٌ وَّثَلٰثُوْنَ سَنَةً وَعَاشَتْ اُمُّهٗ بَعْدَهٗ سِتَّ سِنِیْنَ وَرَوَی الشَّیْخَانِ حَدِیْثَ اَنَّهٗ یَنْزِلُ قُرْبَ السَّاعَةِ وَیَحْکُمُ بِشَرِیْعَةِ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَیَقْتُلُ الدَّجَّالَ وَالْخِنْزِیْرَ وَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَفِیْ حَدِیْثِ مُسْلِمٍ اَنَّهٗ یَمْکُثُ سَبْعَ سِنِیْنَ وَفِیْ حَدِیْثِ اَبِیْ دَاؤٗدَ الطَّیَالِسِیِّ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً وَیُتَوَفّٰی وَیُصَلّٰی عَلَیْهِ فَیَحْتَمِلُ اَنَّ الْمُرَادَ مَجْمُوْعُ لُبْثِهٖ فِی الْاَرْضِ قَبْلَ الرَّفْعِ وَبَعْدَهٗ **ذٰلِکَ** الْمَذْکُوْرُ مِنْ اَمْرِ عِیْسٰی **نَتْلُوْهُ** نَقُصُّهٗ **عَلَیْکَ** یَا مُحَمَّدُ **مِنَ الْاٰیٰتِ** حَالٌ مِنَ الْهَاءِ فِیْ نَتْلُوْهُ وَعَامِلُهٗ مَافِیْ ذٰلِکَ مِنْ مَعْنَی الْاِشَارَةِ **وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ**﴿۵۸﴾ اَلْمُحْکَمِ اَیِ الْقُرْاٰنِ **اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی** شَانَهُ الْغَرِیْبَ **عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ** کَشَانِهٖ فِیْ خَلْقِهٖ مِنْ غَیْرِ اَبٍ وَهُوَ مِنْ تَشْبِیْهِ الْغَرِیْبِ بِالْاَغْرَبِ لِیَکُوْنَ اَقْطَعَ لِلْخَصْمِ وَاَوْقَعَ فِی النَّفْسِ **خَلَقَهٗ** اَیْ

ادم ای قالبہٗ **مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ** بشراً **فَيَكُوْنُ** ﴿۵۹﴾ ای فکان و کذلک عیسٰی قال لہٗ کن من غیر اب فکان **اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ** خبر مبتدأ محذوف ای امر عیسٰی **فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ** ﴿۶۰﴾ الشاکین فیہ

ترجمہ:............(وہ وقت یاد رکھنے کے لائق ہے) جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تمہارا وقت پورا کروں گا (تجھ کو وفات دوں گا) اور تم کو اپنی طرف اٹھالوں گا (بلاموت دنیا سے بلاؤں گا) اور تم کو پاک (صاف) کردوں گا تمہارے مخالفین سے اور جن لوگوں نے تمہاری پیروی کی ہے (تمہاری نبوت کی تصدیق کی ہے خواہ مسلمان ہوں یا عیسائی) انہیں برتری دوں گا تمہارے منکروں پر (یعنی یہود پر ان کو برہان وسنان سے غالب کردوں گا) قیامت تک بالآخر سب کو میری طرف لوٹنا ہے۔ اس دن اُن (دینی) باتوں کا فیصلہ کردوں گا جن میں لوگ آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہے ہیں۔ پھر جن لوگوں نے راہِ کفر اختیار کرلی ہے تو انہیں سخت عذاب دوں گا دنیا میں (قتل وقید وجزیہ کے ساتھ) اور آخرت میں (بصورتِ نار) اور کوئی بھی ان کا مددگار نہیں ہوگا (عذاب الٰہی سے بچانے میں) اور جو لوگ ایمان لاچکے ہیں اور نیک اعمال کرچکے ہیں تو ان کا اجر انہیں پورا پورا ملے گا (یہ لفظ یا اور نون کے ساتھ ہے) اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتے (یعنی ان کو سزا دیں گے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کی طرف ایک بادل بھیجا جس نے ان کو اٹھالیا ان کی والدہ ان کو پکڑنے لگیں اور رونے لگیں تو کہنے لگے کہ قیامت ہم کو ملائے گی یہ واقعہ لیلۃ القدر میں بمقام بیت المقدس پیش آیا۔ آپ کی عمر ۳۳ سال تھی۔ والدہ ماجدہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ۶ سال حیات رہیں اور شیخین کی روایت ہے کہ آپ قیامت کے قریب نزول فرمائیں گے اور آنحضرت ﷺ کی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے۔ دجال وخنزیر کو قتل کردیں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے، جزیہ کو منسوخ فرمادیں گے اور حدیث مسلم میں ہے کہ سات سال قیام پذیر رہیں گے۔ ابوداؤد طیالسی کی حدیث میں ہے کہ چالیس (۴۰) سال رہیں گے اور آپ کی وفات ہوگی اور آپ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ ممکن ہے کہ اس سے مراد مجموعی مدت ہو۔ رفع سماوی سے پہلے اور بعد کی ملاکر) یہ (مذکورہ حال حضرت مسیحؑ کا) ہم تمہارے سامنے سنارہے (بیان کررہے) ہیں (اے محمدؐ) جو منجملہ آیات کے ہے (یہ حال ہے نتلوہ کی ضمیر سے اور اس میں عامل معنی اشارہ اور منجملہ حکمت آمیز مضامین کے ہے (حکم بمعنی محکم مراد قرآن ہے) بلاشبہ عیسیٰ کی مثال (شانِ غریب) اللہ کے نزدیک آدمؑ کی حالت کے مشابہ ہے (بغیر باپ کے پیدائش میں یکساں حالت ہے، یہ غریب کی تشبیہ اغرب کے ساتھ ہورہی ہے تاکہ مخالف کے لئے مسکت وقاطع ہو اور اطمینان بخش) کہ ان کو (مراد آدمؑ ہیں یعنی ان کے قالب کو) مٹی سے بنایا پھر ان کو حکم فرمایا کہ ہوجاؤ (انسان) پس وہ ہوگئے (یکون بمعنی کان ہے یہی حال حضرت مسیحؑ کا ہے کہ ان کو بغیر باپ ہونے کا حکم ملا اس لئے وہ ہوگئے) یہ مراد واقعی آپؐ کے پروردگار کی جانب سے ہے (یہ خبر ہے مبتدائے محذوف کی ای امر عیسیٰ) سو آپؐ شک (شبہ) کرنے والوں میں سے نہ ہوجایئے۔

تحقیق وترکیب:............**اذ قال** یہ **مکر** کا ظرف ہے یا محذوف کا ظرف ہے۔ جیسا کہ مفسرؒ نے اذکر مقدر کیا ہے۔ **انی متوفیک** اسم فاعل کا صیغہ ہے پورا پورا لے لینا۔ موت پر اسی لئے اس کا اطلاق آتا ہے۔ **متوفیک ورافعک** دونوں لفظ مستقبل کے لئے ہیں۔ تقدیم تاخیر ہوگئی ہے کیونکہ رفع پہلے ہوا اور وفات بعد میں ہوگی۔ اور بعض نے **ثم متوفیک قابضک بعد النزول** کے معنی لئے ہیں اور بعض نے **قابضک ورافعک من الدنیا الی من غیر موت** کے معنی لئے ہیں اور تفسیر کبیر میں ہے کہ میں تمہارا وقت پورا کروں گا تب تم کو وفات دوں گا اور تم کو ان کے قتل کے لئے نہیں چھوڑوں گا بلکہ آسمان پر اٹھالوں گا۔

یعلونھم چنانچہ نیشاپوری کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی یہودی کو بادشاہ نہیں دیکھا گیا۔ اور قاضیؒ کی رائے بھی یہ ہے کہ اب تک کہیں یہود

کا غلبہ سننے میں نہیں آیا یعنی اکثر مواقع اور حالات میں یہود کا غلبہ مسلمانوں یا عیسائیون پر نہیں ہوا۔

فاعذبهم بصیغہ متکلم ہے اور **یوفیهم** بصیغہ غائب ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اجر کے پورا دینے میں کسی جدوجہد کی حاجت نہیں کہ وہ مقتضی رحمت ہے لیکن عذاب ایسا نہیں ہے **ذٰلک** مبتداء **نتلوه** خبر۔ **من الأیات** حال ہے اسم اشارہ بعید لانا مشارٌ الیہ کی عظمتِ شان پر دلالت کرتا ہے اور **نتلوه** بصیغۂ حال استحضار کے لئے ہے بطور اعتناء شان کے **ذکر الحکیم** صاحب کشاف کے نزدیک مراد قرآن ہے صفت حکیم یا سبب ہونے کی وجہ سے لائی گئی گویا ناطق بالحکمت ہے۔ **فیکون** معنی **کان** کے ہے جیسا کہ مفسر کی رائے ہے لیکن مضارع کے ساتھ تعبیر کرنے میں یا تو اس صورت عجیبہ غریبہ کا استحضار مقصود ہے اور یا اس لئے ہے کہ ماقبل کے لحاظ سے تو یہ مستقبل ہی ہے۔

ثلاث وثلاثین سنة بظاہر سن نبوت چالیس سال مانا گیا ہے جو کمالِ عقل کا زمانہ ہے جیسا کہ مواہب اور اس کی شرح زرقانی سے سمجھ میں آتا ہے اس لئے بقول زاد المعاد حضرت مسیح کا ۳۳ سالہ ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ شامی اس کو نصاریٰ کی روایت کہتے ہیں اور حدیث کی تصریح رفع سماوی کے وقت ۱۲۰ سال عمر کی ہے۔ زرقانی نے علامہ سیوطی کی اس تشریح پر جو انہوں نے یہاں اور شرح نقایہ میں پیش کی ہے اولاً تو ان کے حفظ واتفاق اور جامع معقول ومنقول ہونے کے باوجود ایسی کمزور بات کہہ دینے پر اظہار تعجب کیا لیکن مرقات الصعود میں ان کا رجوع دیکھ کر ان کو اطمینان ہوا۔

ویضع الجزیة جزیہ کی منسوخی کے بعد حکم بشر یعتنا کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ لیکن کہا جائے گا کہ وہ از خود منسوخ نہیں کریں گے بلکہ آنحضرت ﷺ کی یہ خبر اور روایت ان کو پہنچے گی اس کی وجہ سے وہ منسوخ فرمائیں گے تو یہ شریعت کے برخلاف عمل نہ ہوا۔ بلکہ شریعت ہی پر عمل ہوا۔ **یکسر الصلیب** صلیبی نشان بقول نصاریٰ وہ ہے جس شکل کی سولی پر حضرت مسیحؑ کو چڑھایا گیا تھا اور بعض کی رائے ہے کہ وہ ایک مثلث ہے جس کی پرستش نصاریٰ کرتے ہیں۔ **فیحتمل** سے مفسر دونوں روایتوں میں تطبیق دینا چاہتے ہیں۔ **غریب** حضرت مسیحؑ بلا باپ ہونے کی وجہ سے غریب اور حضرت آدم بغیر ماں باپ کے اغرب ہوئے۔ **الحق** خبر ہے امر عیسیٰ مبتدائے محذوف کی اور **من ربک** خبر بعد خبر ہے اور بعض کے نزدیک **الحق** مبتداء **من ربک** خبر ہے ای **الحق المذکور من الله**۔ **الشاکین فیه** یعنی حضرت مسیحؑ کے واقعہ کے واقعی ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہونا چاہیئے۔

ربط: ....**اذ قال الله** میں حضرت مسیحؑ کے واقعہ کا تتمہ مذکور ہے اور آیت **فاما الذین** میں اختلاف کرنے والوں کے درمیان خدائی فیصلہ کا ذکر ہے۔ **ذٰلک نتلوه** میں اس واقعہ سے آپ ﷺ کے لئے دلیل نبوت کا بیان اور **ان مثل عیسٰی** میں حضرت مسیحؑ کے واقعۂ ولادت پر استدلال مذکور ہے۔

شانِ نزول:............ وفد نجران نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ آپ ﷺ ہمارے نبی (عیسیٰ) کو برا بھلا کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے پوچھا کیسے انہوں نے کہا کہ آپ ان کو اللہ کا بندہ کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وہ اللہ کے بندہ اور رسول ہیں۔ انہوں نے کہا مخلوق میں بغیر باپ پیدا ہونے کی کوئی مثال ہے؟ اس پر آیت **ان مثل عیسٰی الخ** نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:...... **حضرت مسیح کو سولی یا قتل:**........... ملک شام میں چونکہ کوئی یہودی سلطنت نہ تھی بلکہ رومیوں کی سلطنت تھی۔ اور قیصر روم کی جانب سے ہیرودیس نامی گورنر ہوتا تھا۔ یہود جو حضرت مسیحؑ سے مشتعل اور موقعہ کے متلاشی تھے اتفاق وقت کہ ان کی "عید فطیر" جس کو "عید فسیح" کہتے ہیں آپہنچی جس پر حضرت مسیحؑ کے حواریوں میں سے کہا جاتا ہے کہ یہودا نامی ایک شخص مبلغ

تیس روپے لے کر یہود سے مل گیا اور رات کو حضرت مسیحؑ کی پہاڑی قیام گاہ سے جس کو زیتون کی پہاڑی کہتے ہیں ان کو گرفتار کرادیا۔ آخرالامر لوگ پکڑ کر آپ کو پلاطوس نامی افسر کے پاس لے گئے کہ یہ شخص لوگوں کو قیصر کے محصول سے روکتا ہے اور خود کو مسیح بادشاہ کہتا ہے۔لیکن آپ نے انکار کیا اس پر اس نے آپ کو ہیرودیس گورنر کے پاس بھیج دیا۔اس نے بھی چھوڑنا اور پلاطوس کے پاس واپس کرنا چاہا مگر لوگوں نے شور وغل کر کے مزاحمت کی اور سُولی دینے پر اصرار کیا۔اس نے کہا کہ مجھ کو ان کا کوئی قسور نہیں معلوم ہوتا صرف تمہارے اصرار سے سُولی دیتا ہوں۔اس کے نتائج کے ذمہ دار تم اور تمہاری اولاد ہوگی۔ بالا تفاق سب نے مان لیا اس موقعہ پر کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے تمام حواری بھاگ گئے اور حضرت مسیح پر ایک عجیب وغریب حالت طاری ہوگئی جس میں حق تعالیٰ نے آپ سے مندرجہ آیت ارشادات فرمائے کہ تجھ کو اس طرح صحیح وسالم رکھوں گا کہ تیرا بال بیکا نہ کرسکیں گے بجائے اس کے کہ وہ لے جائیں خدا تجھ کو اپنی پناہ میں لے جائے گا، وہ صلیب پر چڑھانا چاہتے ہیں لیکن خدا تجھ کو آسمان پر چڑھائے گا بالآخر حق تعالیٰ نے اس ایک مفسد شخص شمعون اقرائنی کو جو سب سے زیادہ آپ کا سرگرم مخالف تھا آپ کی ہمشکل بنادیا اور آپ کو مع جسد وروح زندہ آسمان پر اٹھالیا۔

اللہ تعالیٰ کے پانچ وعدے:............ واقعہ کی تاریخی حیثیت سے قطع نظر آیت سے پانچ بشارتیں اور وعدے معلوم ہوئے۔ (۱) وفات دینا (۲) آسمان پر زندہ اٹھانا (۳) تہمت سے بری کردینا (۴) متبعین کو غالب اور مخالفین کو مغلوب کردینا (۵) قیامت میں مذہبی اختلافات کا عملی فیصلہ۔ان میں سے پہلے دو وعدوں کا حال یہ ہے کہ اول وعدہ بعد میں پورا ہوگا اور دوسرا وعدہ پہلے پورا ہو چکا ہے اور واؤ چونکہ ترتیب کے لئے نہیں ہوتا اس لئے ترتیب ذکری کی تقدیم تاخیر باعثِ اشکال نہیں ہونی چاہیئے ۔نیز اول جملہ دوسرے جملہ کی دلیل ہے اور دلیل رتبۃً مقدم ہوا کرتی ہے دعویٰ سے۔

سُولی اور قتل کی تحقیق:............ چونکہ یہود ونصاریٰ اور اہل اسلام کی اس مسئلہ میں تمام تر معرکہ آرائی پہلے اور دوسرے وعدہ سے متعلق ہے اس لئے قدرے اس کی تفصیل ضروری ہے۔

یہود کا خیال یہ تھا کہ حضرت مسیح مصلوب ومدفون ہوگئے اور پھر دوبارہ نہ زندہ ہوئے اور نہ آسمان پر اٹھائے گئے اور عیسائیوں کا دعویٰ یہ ہے کہ مصلوب ومدفون بھی ہوگئے اور زندہ ہو کر آسمان پر بھی گئے۔

لیکن قرآن کریم نے آیت مائدہ میں **وماقتلوہ وماصلبوہ ولکن شبہ لھم** سے ان دونوں خیالوں کی نفی کردی اور منشاء اس غلطی کا اشتباہی کیفیت کو قرار دیا۔جو لوگ آپ کی وفات اور مدفن کا دعویٰ کرتے ہیں اور قریب قیامت دوبارہ نزول نہیں مانتے وہ مبنیٰ اپنی دلیل کا دو باتوں کو کہتے ہیں ایک عقلی اور دوسری نقلی، نقلی تو یہی آیت **انی متوفیک** ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ ہم آپ کو وفات دیں گے اور آسمان پر بلالیں گے اور عقلی دلیل یہ کہ جسم عنصری کا زندہ آسمان پر جانا چونکہ ممکن ہے اس لئے ان کے متعلق ایسا خیال بھی غلط ہے۔

منکرین حیاتِ مسیح کا جواب (۱):............ جہاں تک نقلی دلیل کا تعلق ہے لفظ **متوفیک** کی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں ایک علی سبیل التسلیم دوسری علی سبیل الانکار۔علی سبیل التسلیم کا ماحصل تو یہ ہے کہ اگر وفات کے معنی موت کے بھی لے لئے جائیں تب بھی یہ کیا ضروری ہے کہ اس کا وقوع ہو چکا ہے۔ یہ لفظ تو اس صورت میں بھی صادق آسکتا ہے کہ جبکہ اولاً آپ زندہ آسمان پر اٹھالئے گئے ہوں اور پھر دوبارہ جب نزول اجلال فرما کر حیاتِ بقیہ کو پورا کرلیں گے۔اس وقت معتاد اور طبعی وفات ہوگی۔اس سے فی الحال موت کا وقوع یا فی الحال حیات کی نفی لازم نہیں آتی بلکہ دلائل رفع اور دلائل حیات پر نظر کرتے ہوئے دونوں کا ماننا ضروری ہے۔رفع آسمانی تو اسی

آیت رفعہ اللہ سے ثابت ہے حقیقی معنی اس کے یہی ہیں کہ زندہ جسم و روح سمیت آسمان پر اٹھا لئے گئے اور بلاضرورت حقیقی معنی چھوڑ کر مجاز مراد لینا جائز نہیں ہے۔

احادیث اور اجماع سے حیاتِ مسیح: .... (۱) ان عیسٰی لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ (۲) بانہ سینزل ویقتل الدجال ثم انہ تعالٰی یتوفاہ بعد ذلک (۳) لاتقوم الساعۃ حتی ینزل عیسٰی بن مریم حکمًا مقسطًا واما مًا عادلاً فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر ویضع الجزیہ و یفیض المال حتی لایقبلہ احد ﴿ابن ماجہ﴾ (٤) وفی ابی داؤد ثم ینزل عیسٰی بن مریم علیہما السلام عند المنارۃ البیضاء شرقی دمشق منحض الحدیث (٥) وفی حدیث المسلم قال انہا (ای الساعۃ) لن تقوم حتی تروا قبلہا عشر ایات فذکر الدخان والدجال والدابۃ وطلوع الشمس من مغربہا ونزول عیسٰی بن مریم ویاجوج ماجوج (٦) وفی المشکوٰۃ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل عیسٰی بن مریم الی الارض فیتزوج ویولد ویمکث خمسًا واربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی فی قبری .... فاقوم انا و عیسٰی بن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر (رضی اللہ عنہ) و عمرؓ اور اجماعِ امت سے بھی آپ کی حیات ثابت ہے چنانچہ سلفاً خلفاً کسی مستند عالم سے اس کا خلاف منقول نہیں ہے۔

جواب (۲): .... اور علی سبیل الانکار جواب کی تقریر یہ ہے کہ متوفیك کے معنی وفات اور موت کے نہیں ہیں بلکہ بحفاظت تمام پورے جسم مبارک کو اٹھا لینے کے ہیں۔ اس صورت میں بناء شبہ ہی ختم ہوگئی کہ جواب کی نوبت نہیں آئے۔ اور یا بقول بعض اول وفات ہوگئی ہو اور پھر حیات بعد الرفع ہوگئی ہو۔ غرض ان دونوں صورتوں میں بھی فی الحال حیات کی نفی لازم نہیں آتی۔ باقی دلیل عقلی کا جہاں تک تعلق ہے تو کہا جائے گا کہ جو چیزیں ممکن ہوں یعنی نہ ممتنع بالذات ہوں اور نہ شرعاً ممتنع ہوں وہ سب باتیں ان اللہ علی کل شیء قدیر کی رو سے اللہ کی قدرت کے ماتحت ہیں اور کسی کو زندہ آسمان پر اٹھا لینا ممکن ہے اس پر دلیل امتناع نہ عقلاً ہے اور نہ شرعاً۔ اس لئے اس کے ماننے میں عقلی کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ جیسا کہ واقعۂ معراج میں بھی یہی توجیہ علماء کرتے ہیں۔

نزاہتِ نسب اور دنیاوی غلبہ: .... تیسرا وعدہ جو در بارۂ نزاہت نسب ہے وہ قرآن کریم کی تعدد آیات اور آنحضرت ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ سے پوری طرح ثابت ہوگیا ہے اور چوتھا وعدہ یعنی آپ کے متبعین کا منکرین پر غالب رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی پورا کر دکھایا۔ یہاں متبعین سے پورے متبع مراد نہیں ہیں یعنی صرف نصاریٰ بلکہ جو آپ کو نبی مانتے ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی۔ اسی طرح منکرین سے مراد آپ کی نبوت کے منکر ہیں جیسے یہود۔ بہر حال مسلمان اور عیسائی دنیا ہی ہمیشہ یہود پر غالب رہی ہے اور ان کو کبھی کبھی باقاعدہ اور باعزت سلطنت کرنے کا موقعہ نہیں مل سکا ہے۔ پانچویں وعدہ کا ایفاء یعنی مذہبی اختلافات کا عملی فیصلہ سو وہ قیامت کے روز ہوگا۔ رہا علمی اور شرعی فیصلہ تو وہ دنیا ہی میں ہو چکا ہے جس کا بیان اوپر گذرا ہے۔

رہا قیامت کے فیصلہ کے ذیل میں اس کہنے کے کیا معنی کہ ہم تم کو دنیا و آخرت میں سزا دیں گے؟ سو حاصل اس کا یہ ہے دنیا میں جو کچھ سزا ہو چکی اس کے ساتھ یہ سزائے اخرت مل کر مجموعہ قیامت کے روز مکمل ہو جائے گا۔ کفار کے حق میں دنیاوی سزا بوجہ ان سے مبغوضیت کے آخرت کی سزا کے لئے کفارہ نہیں ہو سکے گی۔ البتہ اہل ایمان کیلئے ان کی محبوبیت کے باعث دنیاوی مصائب گناہوں کا

کفارہ، تخفیفِ عذاب اور رفعِ درجات کا باعث بن جاتی ہیں۔ و اللہ لایحب الظالمین میں اس فرق اور اس کی وجہ کی طرف اشارہ ہے باقی کفار سے مراد یہاں صرف یہودی ہیں۔ یا عام کفار بھی ہو سکتے ہیں جن میں سب فرقے داخل ہو جائیں کہ جن کو آخرت میں بھی سزا ہوگی اور دنیا میں بھی گوشمالی اور سرکوبی ہوتی رہتی ہے۔ مسلمانوں کو دنیا میں اگرچہ یہ واقعات و حوادث پیش آتے رہتے ہیں لیکن وہ بطور سزا مبغوضیت کے نہیں بلکہ ان کی محبوبیت کے سبب ان کے لئے رحمت و مغفرت کا باعث ہو جاتے ہیں اس لئے کوئی شبہ نہیں ہے۔

الوہیت مسیح بے بنیاد ہے:............ آیت ان مثل عیسیٰ الخ میں عیسائیوں کی اس بدترین گمراہی کا ذکر ہے کہ انہوں نے حضرت مسیحؑ کی الوہیت کا اعتقاد باطل قائم کر لیا تھا۔ حالانکہ تمام بنی آدم کی طرح وہ بھی ایک انسان تھے اور خدا نے ان کو اپنی پیغمبری کے لئے چن لیا تھا۔ لیکن نصاریٰ اس پر آنحضرت ﷺ سے جھگڑتے تھے کہ مسیح اللہ کے بندہ نہیں اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور اللہ کے بیٹے اگر نہیں تو بتلاؤ کس کے بیٹے ہیں؟ اس پر آیت نازل ہوئی کہ اگر یہی دلیل الوہیت یا اعتقاد ابنیت کی ہے تو اس حساب سے آدمؑ سب سے زیادہ اس کے مستحق پڑتے ہیں حالانکہ کوئی بھی ان کو الوہیت کا مقام دینے یا ان کو بیٹا ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ضمناً یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی کیا جا رہا ہے کہ اگرچہ مسیحی کلیسا نے صدیوں سے الوہیت مسیح کا خواب دیکھ رکھا ہے اور وہ اس کو دنیا میں پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن قرآن کی حقیقت افروز اور واقعی دعوت کے سامنے یہ خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

دنیا میں ولادت کے چار طریقے:............ عند اللہ تجویز ازلی کا مطلب یہ ہے کہ پیدا کرنے سے پہلے علم الٰہی میں یوں ہی طے ہو چکا کہ عیسیٰؑ بغیر باپ کے اور آدمؑ بغیر ماں باپ کے پیدا کئے جائیں گے۔ سو وہ ہو کر رہا اس لئے اس میں تعجب کی کونسی بات ہے کیونکہ تولید کے عقلاً چار ہی طریقے ہو سکتے ہیں۔ (۱) مرد و عورت دونوں کے توسط سے۔ (۲) صرف عورت سے (۳) صرف مرد سے (۴) مرد عورت دونوں کے بغیر۔

اول صورت تو تمام دنیا کے انسانوں میں رائج ہے۔ دوسری صورت کا اظہار حضرت مسیحؑ میں اور تیسری صورت کا حضرت حواؑ میں اور چوتھی صورت حضرت آدمؑ میں کر کے دکھلا دیا تا کہ ہر طریقہ پر اس کی مکمل قدرت نمایاں ہو جائے پس بے باپ پیدا ہونے میں مسیحؑ و آدمؑ شریک اور بے ماں پیدا ہونے میں آدم و حوا شریک ہیں۔ اس لحاظ سے مشبہ بہ زیادہ عجیب و غریب ہے کیونکہ مرد و عورت میں سے صرف ایک خون سے پیدا ہونا اس قدر عجیب نہیں جتنا کہ مٹی سے پیدا ہونا زیادہ عجیب ہے۔ پھر آدمؑ کی عدم الوہیت سب کے نزدیک مسلم پھر الوہیت مسیحؑ کے یہ لوگ کس طرح قائل ہیں۔ افسوس کہ عیسائیوں کے اس عقیدۂ الوہیت کی پرچھائیاں ہمارے جاہل اور گمراہ فقیروں اور نام کے درویشوں پر بھی پڑیں کہ وہ اولیاء اللہ میں بھی اس کی جھلک دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

فلا تکن من الممترین کا منشاء یہ نہیں ہے کہ خدانخواستہ آنحضرت ﷺ کو شک و شبہ تھا جس سے ممانعت کی نوبت آئی بلکہ جس طرح فقط فائدہ مخاطب کی خصوصیت ہوتی ہے کہ اسی کو سنانا یا روکنا ہوتا ہے اسی طرح کبھی مخاطب کے علاوہ دوسرے لوگ اصل مخاطب اور مقصود کلام ہوتے ہیں گو یا بظاہر روئے سخن کسی ایک کی طرف فرضی ہوتا ہے اور فی الحقیقت سنانا دوسروں کو ہوتا ہے اور اس کا فیصلہ قرائن و مواقع کو دیکھ کر کیا جاتا ہے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ جَادَلَكَ مِنَ النَّصَارٰى فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ بِاَمْرِهٖ فَقُلْ لَهُمْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ فَنَجْمَعُهُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ نَتَضَرَّعْ فِي الدُّعَاءِ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ بِاَنْ نَقُوْلَ اَللّٰهُمَّ الْعَنِ الْكَاذِبَ فِيْ شَانِ عِيْسٰى وَقَدْ دَعَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفْدَ نَجْرَانَ لِذٰلِكَ لَمَّا حَاجُّوْهُ فِيْهِ فَقَالُوْا حَتّٰى نَنْظُرَ فِيْ اَمْرِنَا ثُمَّ نَاْتِيْكَ فَقَالَ ذُوْ رَأْيِهِمْ لَقَدْ عَرَفْتُمْ نُبُوَّتَهٗ وَاَنَّهٗ مَا بَاهَلَ قَوْمٌ نَبِيًّا اِلَّا هَلَكُوْا فَوَادَعُوا الرَّجُلَ وَانْصَرِفُوْا فَاَتَوْهُ وَقَدْ خَرَجَ وَمَعَهُ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَفَاطِمَةُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَقَالَ لَهُمْ اِذَا دَعَوْتُ فَاَمِّنُوْا فَاَبَوْا اَنْ يُّلَاعِنُوْا وَصَالَحُوْهُ عَلَى الْجِزْيَةِ رَوَاهُ اَبُوْنُعَيْمٍ وَرَوٰى اَبُوْدَاوٗدَ اَنَّهُمْ صَالَحُوْهُ عَلَى اَلْفَيْ حُلَّةٍ اَلنِّصْفُ فِيْ صَفَرٍ وَالْبَقِيَّةُ فِيْ رَجَبَ وَثَلٰثِيْنَ دِرْعًا وَثَلٰثِيْنَ فَرَسًا وَثَلٰثِيْنَ بَعِيْرًا وَثَلٰثِيْنَ مِنْ كُلِّ صِنْفٍ مِّنْ اَصْنَافِ السِّلَاحِ وَرَوٰى اَحْمَدُ فِيْ مُسْنَدِهٖ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ لَوْخَرَجَ الَّذِيْنَ يُبَاهِلُوْنَهٗ لَرَجَعُوْا لَا يَجِدُوْنَ مَالًا وَلَا اَهْلًا وَرَوَى الطِّبْرَانِيُّ مَرْفُوْعًا لَوْ خَرَجُوْا لَاحْتَرَقُوْا اِنَّ هٰذَا الْمَذْكُوْرَ لَهُوَ الْقَصَصُ الْخَبَرُ الْحَقُّ الَّذِيْ لَا شَكَّ فِيْهِ وَمَا مِنْ زَائِدَةٌ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ فِيْ مُلْكِهٖ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فِيْ صُنْعِهٖ فَاِنْ تَوَلَّوْا اَعْرَضُوْا عَنِ الْاِيْمَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ فَيُجَازِيْهِمْ وَفِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى مُسْتَوٍ اَمْرُهَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَمَا اتَّخَذْتُمُ الْاَحْبَارَ وَالرُّهْبَانَ فَاِنْ تَوَلَّوْا اَعْرَضُوْا عَنِ التَّوْحِيْدِ فَقُوْلُوا اَنْتُمْ لَهُمْ اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ مُوَحِّدُوْنَ

ترجمہ:......... پھر جو کوئی تم میں سے اس بارہ میں آپ سے جھگڑا کرے (حضرت عیسیٰؑ کے باب میں نصاریٰ میں سے کوئی آپ سے جھک کرنے لگے) حالانکہ علم و یقین تمہارے سامنے آ چکا ہے (دربارۂ عیسیٰ علیہ السلام) تو تم (اس سے) یوں کہو کہ آ ؤ ہم دونوں (فریق اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں کو بلالیں اور خود بھی شریک ہوں (غرض اس طرح سب مل کر) پھر عجز و نیاز کریں (اللہ کے حضور دعا میں گڑگڑائیں) اور التجا کریں کہ جھوٹوں پر خدا کی پھٹکار (یعنی یوں درخواست کریں کہ الٰہی! عیسیٰؑ کے باب میں جھوٹے پر تیری مار۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے وفد نجران کو ان کے محاجہ کرنے پر دعوتِ مباہلہ دے دی لیکن انہوں نے غور کرنے کے لئے مہلت مانگی۔ پوپ اعظم نے ان سے کہا کہ اے لوگو! تم اچھی طرح ان کی نبوت سے واقف ہو اور یہ بھی تم کو معلوم ہے کہ جس قوم نے نبی سے مباہلہ کیا وہ جماعت ضرور ہلاک ہوئی غرضکہ تم لوگ آنحضرت ﷺ سے مصالحت کر کے اپنے وطن واپس چلو چنانچہ اس قرارداد کے مطابق آپ کی طرف نکلے تو آپ مع حضرات حسنینؓ اور حضرت علیؓ و فاطمہؓ کے تشریف لا چکے تھے۔ اور آپ نے اپنے رفقاء سے فرما دیا تھا کہ جب دعا مانگوں تو تم آمین کہنا لیکن وفد کے لوگ مباہلہ پر آمادہ نہ ہوئے بلکہ جزیہ پر مصالحت کر لی (رواہ ابونعیم) اور ابوداؤد کی روایت ہے کہ وفد نجران نے دو ہزار حلّوں پر مصالحت کر لی کہ نصف کی ادائیگی ماہ صفر میں اور ما بقیہ کی رجب کے مہینہ میں ہوگی۔ اور تیس زرہیں اور تیس

گھوڑے اور تیس اونٹ اور جنگی ہتھیاروں میں سے ہر قسم کے تیس تیس ہتھیار دینے طے ہوئے اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مباہلہ کر کے یہ لوگ اپنے گھر جاتے تو نہ مال پاتے اور نہ اہل و عیال۔ اور طبرانی کی مرفوعاً روایت ہے کہ اگر چلے جاتے تو جل جاتے) یہ (مذکورہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے بلاشبہ (وہ خبر) حق ہے (جس میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے) اور کوئی معبود نہیں (مــن زائد ہے) مگر صرف اللہ کی ذات اور یقیناً اسی کی ذات ہے جو (اپنے ملک میں) سب پر غالب اور حکمت والی ہے (اپنے کاموں میں) پھر یہ لوگ اگر روگردانی کریں (ایمان لانے سے روگردانی کرنے لگیں) تو اللہ مفسدوں کا حال خوب جانتے ہیں (وہ ان سے خود نبٹ لیں گے اس میں بجائے ضمیر کے اسم ظاہر لایا گیا ہے) آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) آؤ ایسی بات کی طرف جو یکساں طور پر مسلم ہے (سواء مصدر بمعنی مستو ہے یعنی مستو امر ہا تقدیر عبارت ہے) ہمارے اور تمہارے دونوں کے لئے (وہ یہ کہ) اللہ کے سوا کسی ہستی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ ہم میں سے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے کہ گویا خدا کو چھوڑ کر اسے اپنا پروردگار بنالیا ہے (جیسا کہ تم نے اپنے علماء ومشائخ کو یہ مقام دے رکھا ہے) پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں (توحید سے ہٹنے لگیں) تو تم کہہ دو (ان سے) گواہ رہنا کہ ہم خدا کے ماننے والے (پرستار توحید) ہیں۔

تحقیق وترکیب:......... **تعالوا** اور **تعالیوا** امر کا صیغہ ہے یا متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے اس کو الف سے بدل لیا۔ پھر التقاء ساکنین کی وجہ سے گر گیا۔ **تعالوا** رہ گیا بمعنی **تعلموا**. **نبتهل ابتهال اجتهاد فی الدعاء** اور اخلاص دعا کو کہتے ہیں **بهل** مال قلیل اور نعمت۔ **البهلة بالفتح والضم** دراصل بمعنی لعنۃ ہے لیکن پھر پرکوشش دعا میں استعمال ہونے لگا چاہے اس میں لعنت نہ ہو۔ امام راغب اصفہانی کہتے ہیں **ببهل الشی والبعیر** کے معنی دونوں کو چھوڑ دینے کے ہیں پھر مطلق دعا میں استعمال ہونے لگا۔ **نجران** یمن کا ایک شہر جو نجران بن زید بن سبا کے نام سے موسوم ہے۔ اس وفد کی تعداد ۶۰ افراد تھی۔ **عرفتم نبوته** باوجود نبی اور اسلام کی معرفت کے پھر ہدایت قبول نہیں کرتے تھے جس کی وجہ وہ خود بیان کرتے تھے کہ ہم کو شاہ روم کی طرف سے جو وظائف وفتوحات ملتی ہیں ان سے محروم رہ جائیں گے۔ بُرا ہو اس نے حُب دنیا کا کہ آخرت تباہ کر بیٹھے۔ **فوادعوا. وادع** بمعنی صالح۔ **الرجل** سے مراد آنحضرت ﷺ لیتے ہیں۔ **فابوا** جب آنحضرت ﷺ اور آپ کے رفقاء کے پاکیزہ اور نورانی چہروں کو دیکھا تو بے ساختہ لاٹ پادری بول اٹھا کہ ان چہروں کو دیکھ کر میرا گمان یہ ہے کہ اگر اللہ سے پہاڑ کے اپنی جگہ سے ہٹنے کی بھی یہ درخواست کریں گے تو مان لی جائے گی اس لئے ہرگز مباہلہ نہ کرو ورنہ زمین پر کوئی نصرانی باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ مصالحت کر لی اس سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کی حقانیت اور صداقت ثابت ہوئی کہ للکار کے باوجود کسی میں بھی سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔

ان هٰذا لهو القصص الحق اس جملہ کو کتنی تاکیدات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ان کی شدتِ انکار کا لحاظ کرتے ہوئے **القصص** یہ خبر ہے یعنی حق بات یہ ہے کہ نصرانیوں کا دعویٰ الوہیت وابنیت غلط ہے۔

من الٰه الا اللّٰه اس میں دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں اور ایک تو **من الٰه مبتداء** جس میں **من** زائد ہے استغراق وعموم کے لئے اور **الا اللّٰه** اس کی خبر ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے **ما الٰه الا اللّٰه** دوسری صورت یہ ہے کہ خبر مضمر ہو تقدیر اس طرح ہے **مامن الٰه لنا الا اللّٰه. من. اللّٰه** چونکہ مبتداء ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اس لئے **الا اللّٰه** بھی اس سے بدل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہوگا۔

فیه وضع الظاهر یعنی اصل عبارت اس طرح تھی **انه علیهم بهم** اس میں **بهم** ضمیر کی بجائے **بالمفسدین** اسم ظاہر لائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اعراض من التوحید ہی افسادِ دین ہے۔ **تعالوا الی کلمة** عدی بن حاتمؓ کی روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم تو اپنے علماء ومشائخ کی پرستش نہیں کیا کرتے تھے پھر قرآن میں کیسے کہا گیا؟ آپ نے فرمایا کہ کیا ان کے حلال کو تم

حلال اور ان کے حرام کو تم حرام نہیں سمجھتے تھے؟ عرض کیا جی حضور (ﷺ)! آپؐ نے فرمایا بس یہی مقصد ہے کہ ایسی اطاعتِ کاملہ بجز خدا کے کسی کی جائز نہیں ہے۔

سواء بمعنی مستو یعنی ایسا متفقہ مطالبہ ہے کہ جس میں کسی نبی یا کسی کتاب کا اختلاف نہیں ہے۔

ربط:............اوپر کی تقریر تو طالبانِ حق کے لئے تھی۔ آگے معاندین سے نبٹنے کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں جس کو مباہلہ کہتے ہیں اور آیت ان ھذا میں تاکید اثبات توحید اور قل یا اھل الخ میں توحید کی طرف دعوت عامہ ہے۔

شانِ نزول:............روح المعانی میں ان آیات کا نزول وفد نجران سے متعلق مانا گیا ہے لیکن قتادہؒ، ربیعؒ، ابن جریجؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہود مدینہ کے بارہ میں ہے۔ اور ابو علی جبائی اس کو اہل کتاب کے دونوں فریق کے متعلق مانتے ہیں محققین نے عموم ہی کو پسند کیا ہے جیسا کہ ترمذیؒ نے عدی بن حاتمؓ کی روایت علماء ومشائخ کے باب میں نقل کی ہے جس کا بیان ماقبل کی سطور میں گذرا ہے۔

﴿تشریح﴾:......صداقتِ اسلام کی دلیل:............آنحضرت ﷺ نے جو مکتوبِ گرامی نصاریٰ نجران کے نام بھیجا تھا اس فرمان کا حاصل تین باتیں تھیں۔ (۱) دعوتِ اسلام (۲) جزیہ (۳) قتال۔ لیکن انہوں نے باہم مشورہ کر کے شرحبیل، عبداللہ، ابن شرحبیل، حیاد بن قفص کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ زیادہ تر مذہبی گفتگو کا رُخ حضرت عیسیٰؑ کی طرف رہا۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ اگر دلیل سے گفتگو ختم نہ ہو تو سب مل کر اللہ کی جناب میں التجا کے ساتھ دعا کرو کہ جو شخص اور فریق اس بارہ میں باطل پر ہو اس پر قہر خداوندی نازل ہو کہ تباہ و برباد ہو جائے جس کو مباہلہ کہتے ہیں پس جو شخص جھوٹا ہوگا وہ اس خمیازہ کے لئے تیار نہیں ہوگا اور اس طرح صادق اور کاذب کا فرق نمایاں اور سچے جھوٹے کا امتیاز کھل جائے گا۔

مباہلہ کی حقیقت:............اور اس میں اصل تو خود مباحثہ کرنے والوں کا جمع ہو کر مباہلہ کرنا اور بددعا کرنا ہے لیکن اپنے عزیز ترین قرابت داروں کو جس میں اپنی جان سے زیادہ عزیز اولاد اور اہل وعیال ہوں لے کر حاضر ہو جائے تو اس بات کا وثوق اور وزن بڑھ جاتا ہے اور معاملہ کی اہمیت کے لئے آمادہ ہو جائے۔ اس سے اس کے دعویٰ کی راستی یقین واعتماد کا کمال معلوم ہو جاتا ہے۔ اور جس کو ذرا پس وپیش، تامل وتردّد ہوتا ہے اس کے قدم ڈگمگانے لگتے ہیں اور اس کی اندرونی قلعی کھلنے لگتی ہے اور سطح ابھرنے لگتی ہے چنانچہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تو مع حضرت فاطمہؓ اور حسینؓ اور حضرت علیؓ کے بلا تامل تشریف فرما ہو گئے لیکن وفد کے افراد حیص وبیص میں پڑ گئے اور لگے ہیر پھیر کرنے۔ مباہلہ کے لئے کسی طرح تیار نہ ہوئے اور بالآخر سالانہ جزیہ پر مصالحت کر کے وطن واپس ہو گئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ لوگ مباہلہ کر لیتے تو وادی ان پر آگ برساتی اور اللہ نجران کا استیصال فرما دیتا اور ایک ہی سال میں تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔

مباہلہ کا انجام:............قرآن کریم نے یہ نہیں بتلایا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بھی مباہلہ کی صورت اختیار کی جاسکتی ہے؟ اور یہ کہ مباہلہ کا اثر کیا اب بھی وہی ظاہر ہو سکتا ہے جو آپ ﷺ کے مباہلہ کا اثر ظاہر ہوتا؟ لیکن بعض سلف کے طریق عمل اور فقہاء حنفیہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی ضرورت کے وقت مباہلہ کی مشروعیت باقی ہے۔ چنانچہ لعان کا مشروع ہونا خود اس کی مشروعیت کی دلیل واضح ہے۔ مگر صرف ان چیزوں میں جن کا ثبوت بالکل قطعی اور صدق یقینی ہو مباہلہ کی اجازت ہوگی۔ البتہ مسائل اختلافیہ ظنیہ

میں مباہلہ ناجائز ہوگا نیز مباہلہ میں عورتوں کا شریک کرنا ضروری نہیں ہے۔ علیٰ ہذا فریق معاند ہو تو مباہلہ کی اجازت ہوگی۔ رہا مباہلہ کا انجام تو اب مباہلین پر اس قسم کا عذاب آنا ضروری نہیں ہے جیسا کہ پیغمبر کے ساتھ مباہلہ کرنے پر آتا البتہ ان احادیث سے جواز عذاب کا قیاس کیا جاسکتا ہے تاہم ضرر پہنچنے میں کچھ توقف ہو جانا یا نقصان کا ظاہر نہ ہونا موجب اشتباہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ حق وباطل کا فیصلہ تو دلائل سے ہو چکا ہے۔ مباہلہ کی زیادہ غرض تو اتمام حجت وجدال سے الگ ہو جانا اور زبانی جھگڑوں کا سلسلہ منقطع کرنا ہے۔

شیعوں کا غلط استدلال:.......... بعض روافض کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لفظ انفسنا میں داخل ہونے کی وجہ سے عین رسول اللہ ہیں اس لئے خلافت بلافصل کے مستحق ہوئے کیونکہ پھر اس کے علاوہ آیت میں دو ہی لفظ رہ جاتے ہیں۔ ابناء نا اور نساء نا اور ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ ان دونوں میں سے کسی میں بھی داخل نہیں ہوسکتے ہیں پس اخیر شق متعین ہوگئی۔

لیکن بادنیٰ تامل یہ بات واضح ہوسکتی ہے کہ یہ خیال بناء فاسد علی الفاسد ہے کیونکہ انفسنا سے مراد تو مفرد اہل مباحثہ ہیں اور نساء نا سے مراد خاص زوجہ نہیں بلکہ تمام اہل بیت مستورات ہیں خواہ وہ بیٹیاں ہوں۔ حضرت فاطمہؓ چونکہ سب میں زیادہ لاڈلی تھیں اس لئے آپ ﷺ ان کو لے آئے۔ علیٰ ہذا ابناء نا سے مراد خاص اپنی اولاد نہیں بلکہ عام ہے اولاد کی اولاد کو یا مجازاً داماد کو بھی اولاد ہی میں داخل کرتے ہیں۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ اور حضرت حسنینؓ کو لے آئے پس ان کی اولاد میں داخل کرنے کے بعد انفسنا میں داخل کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں رہ جاتی ورنہ پھر حضرات حسنینؓ کی خلافت بلافصل بھی اس دلیل سے ثابت ہو جائے گی یعنی بیک وقت تینوں باپ بیٹے خلافت بلافصل کے مستحق ہو جائیں گے۔ حضرات شیعہ کے اس استدلال سے جو یہ خانہ جنگی ہوگئی اس کے حل کی کوئی صورت ان کے پاس ہے؟

دوسرے محاورہ میں نفس کا اطلاق متعلقین پر بھی کیا جاتا ہے جیسا کہ تقتلون انفسکم میں مراد آپس کے متعلقین اور عزیز واقارب ہیں ورنہ خودکشی لازم آئے گی اور پس اس سے بلافصل خلافت ثابت نہیں ہوتی اور اگر ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ بھی قریبی قرابت داروں میں داخل ہیں۔

شرک جلی وخفی:.......... تعالوا الیٰ کلمۃ سواءٍ بیننا و بینکم میں مسئلہ توحید کو مسلمات میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ تمام شرائع میں اس کی تعلیم مشترک رہی ہے اور اہل کتاب بھی توحید کی فرضیت اور شرک کی حرمت وکفر کے قائل تھے۔ لیکن اس کے باوجود بھی شرک کی بعض انواع میں وہ اسی طرح مبتلا تھے کہ وہ ان کو خلاف توحید نہیں سمجھتے تھے مثلاً بعض صفات مختصہ الٰہیہ کا اثبات حضرت عیسیٰ وعزیز علیہما السلام کے لئے کرتے تھے جس کو عبادت غیر اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اسی طرح کسی کو مطاع علی الاطلاق اس طرح مان لینا کہ تحریم وتحلیل کا اختیار اس کو حاصل ہو جائے جیسا کہ مشائخ وعلماء کے ساتھ ان کا تعامل تھا۔ جس کو آیت میں ربوبیت من دون اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے یہ سب باتیں خواص باری میں سے نہیں۔ لیکن وہ اس میں دوسروں کو بھی بالذات اور بالعرض کا فرق کر کے شریک کر لیتے تھے اور اس کا منافی توحید نہیں سمجھتے تھے حالانکہ یہ فرق صفات غیر مختصہ میں تو صحیح ہے مگر صفات مختصہ میں غیر صحیح ہے، پس اس تقریر میں لطیف تردید ہوگئی، کہ ان کا مسلمہ اصول یاد دلایا جس کے بعد مختلف فیہ جزئیات کا کلیات میں داخل ہونا سہل ہوگیا، غیر اللہ کی اس کامل اطاعت سے ظاہر ہے کہ اول تو احکام الٰہی چھوٹ جاتے ہیں دوسرے جب شرک ہوا تو شرک کے ساتھ دامن توحید بھی چھوٹ جاتا ہے اسی کو خدا کا چھوڑنا فرمادیا گیا ہے۔

اتمام حجت کے بعد اندھی اور صحیح تقلید:.......... اور قولوا اشہدوا بانا مسلمون میں اس اصول کی تعلیم دینی ہے کہ وضوح حق کے بعد بھی اگر کوئی نہ مانے تو اتمام حجت کے لئے اپنا مسلک بیان کر کے الگ ہو جانا چاہئے۔

اس آیت میں ایسی جامد تقلید کا ابطال ہو گیا جس میں علماء و مجتہدین اور مشائخ کو مطاع مطلق کا درجہ دے دیا جائے اور سیاہ سفید کا لک ان کو سمجھ لیا جائے جو شیوۂ یہود تھا لیکن فقہائے اسلام کی تقلید ان مسائل ظنیہ میں جو قطعی منصوص یا مجمع علیہ نہ ہوں بلکہ متحملۃ الطرفین ہیں اور اجماع و نصوص کے خلاف نہ ہوں بری نہیں سمجھی جائے گی اور وہ اس بحث سے خارج ہے۔ اس میں علماء و مشائخ کو واسطۂ طاعت بنایا جاتا ہے لیکن مطاع محض صرف شارع کی ذات ہوتی ہے۔

نَزَلَ لَمَّا قَالَتِ الْيَهُوْدُ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيٌّ وَنَحْنُ عَلٰى دِيْنِهٖ وَقَالَتِ النَّصَارٰى كَذٰلِكَ **يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ** تُخَاصِمُوْنَ **فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ** بِزَعْمِكُمْ اَنَّهٗ عَلٰى دِيْنِكُمْ **وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ** بِزَمَنٍ طَوِيْلٍ وَبَعْدَ نُزُوْلِهِمَا حَدَثَتِ الْيَهُوْدِيَّةُ وَالنَّصْرَانِيَّةُ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴿۶۵﴾** بُطْلَانَ قَوْلِكُمْ **هَآ** لِلتَّنْبِيْهِ **اَنْتُمْ** مُبْتَدَاٌ يَا **هٰٓؤُلَآءِ** وَالْخَبَرُ **حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ** مِنْ اَمْرِ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَزَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ عَلٰى دِيْنِهِمَا **فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ** مِنْ شَاْنِ اِبْرَاهِيْمَ **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ** شَانَهٗ **وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴿۶۶﴾** قَالَ تَعَالٰى تَبْرِئَةً لِاِبْرَاهِيْمَ **مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا** مَائِلًا عَنِ الْاَدْيَانِ كُلِّهَا اِلَى الدِّيْنِ الْقَيِّمِ **مُّسْلِمًا** مُوَحِّدًا **وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ** اَحَقَّهُمْ **بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ** فِيْ زَمَانِهٖ **وَهٰذَا النَّبِيُّ** مُحَمَّدٌ لِمُوَافَقَتِهٖ لَهٗ فِيْ اَكْثَرِ شَرْعِهٖ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** مِنْ اُمَّتِهٖ فَهُمُ الَّذِيْنَ يَنْبَغِيْ اَنْ يَّقُوْلُوْا نَحْنُ عَلٰى دِيْنِهٖ لَا اَنْتُمْ **وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۶۸﴾** نَاصِرُهُمْ وَحَافِظُهُمْ وَنَزَلَ لَمَّا دَعَا الْيَهُوْدُ مُعَاذًا وَحُذَيْفَةَ وَعَمَّارًا اِلٰى دِيْنِهِمْ **وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ** لِاَنَّ اِثْمَ اِضْلَالِهِمْ عَلَيْهِمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ لَا يُطِيْعُوْنَهُمْ فِيْهِ **وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴿۶۹﴾** بِذٰلِكَ **يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** الْقُرْاٰنِ الْمُشْتَمِلِ عَلٰى نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴿۷۰﴾** تَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ حَقٌّ **يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ** تَخْلِطُوْنَ **الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ** بِالتَّحْرِيْفِ وَالتَّزْوِيْرِ **وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ** اَيْ نَعْتَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۷۱﴾** اَنَّهٗ حَقٌّ

ترجمہ: .... (یہود کہنے لگے کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے اور ہم ان ہی کے طریقہ پر ہیں اور نصاریٰ بھی اسی کے مدعی ہوئے تب یہ آیت نازل ہوئی) اے اہل کتاب کیوں حجت (جھگڑا) کرتے ہو ابراہیم کے بارے میں (یہ گمان کرتے ہوئے کہ تم ان کے طریقہ پر ہو) حالانکہ تورات و انجیل نازل نہیں ہوئی تھیں مگر ان کے بہت بعد (زمانہ دراز کے بعد اور ان ہی دونوں کتابوں کے بعد سے یہودیت و نصرانیت چلی ہے) کیا پھر تم سمجھتے نہیں ہو (اپنی بات کا غلط ہونا) دیکھو (ہا تنبیہ کے لئے ہے) تم (یہ مبتداء ہے) وہ لوگ ہو کہ تم نے جھگڑا کیا (یہ خبر ہے) ایسی باتوں میں جن کے لئے کچھ نہ کچھ تم کو واقفیت تھی (حضرت موسیٰ و عیسیٰ کے باب میں اور اس بارے میں کہ تم ان کے مذہب پر ہو) تو اب اس بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے (یعنی در بارۂ

ابراہیمؑ) اللہ تعالیٰ خوب واقف ہیں (ان کے حال سے) اور تم کچھ نہیں جانتے (حق تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کا تبریہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں) ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ تمام گمراہیوں سے ہٹے ہوئے (تمام مذہبوں سے کٹ کر دین قیم سے جڑے ہوئے) اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار (پرستارِ توحید) تھے اور ان کی راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہ تھی۔ فی الحقیقت یعنی زیادہ نزدیک (احق) ابراہیم علیہ السلام سے وہ لوگ تھے جو ان کے قدم بقدم چلے (ان کے زمانہ میں) اور یہ نبی (محمد ﷺ اکثر احکام دین میں ان کے موافق ہونے کی وجہ سے) اور وہ لوگ آپؐ پر ایمان لائے ہیں (یعنی امت محمدیہ۔ ان لوگوں کو واقعی اس کا حق ہے کہ ملتِ ابراہیمی کے اتباع کا دعویٰ کریں نہ کہ تم کو) اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے مددگار (ناصر وحامی) ہیں (یہود نے حضرت معاذ، حذیفہ، عمار رضی اللہ عنہم کو یہودیت کی دعوت پیش کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی) اہل کتاب میں ایک گروہ اس بات کا آرزو مند ہے کسی طرح تمہیں راہِ حق سے بچلا دے۔ لیکن وہ تمہیں نہیں خود اپنے ہی کو گمراہی میں ڈالے ہوئے ہیں (کیونکہ دوسروں کو گمراہ کرنے کا وبال بھی ان پر ہوگا اور مسلمان اس میں ان کی اطاعت نہیں کریں گے) اگرچہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ اے اہل کتاب اللہ کی آیتوں کا تم کیوں انکار کرتے ہو (آیات قرآنی کا جن میں آپؐ کے اوصاف ہیں) حالانکہ تم اقرار کرتے ہو (جانتے ہو کہ وہ حق ہیں) اے اہل کتاب کیوں ملا جلا کر (مشتبہ کر دیتے ہو) حق وباطل کو (تحریف اور دھوکہ دہی کر کے) اور حق (آنحضرت ﷺ کے اوصاف) کو چھپاتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو (کہ وہ حق ہے)

تحقیق وترکیب:......... **زمن طویل** حضرت ابراہیمؑ وموسیٰؑ کے درمیان ایک ہزار سال کا فصل اور حضرت موسیٰؑ وعیسیٰؑ کے مابین دو ہزار سال کا فصل حائل ہے۔ **افلا تعقلون** ہمزہ کا مدخول مقدر ہے ای **اتدعون المحال فلا تعقلون یا تقولون ذلک فلا تعقلون بطلانه**.

ها انتم هؤلاء. **ها** حرف تنبیہ۔ **انتم** بمبتدا **هؤلاء** خبر ہے **حاججتم** جملہ اولیٰ کا بیان ہے۔ یا جملہ ندائیہ مبتدا خبر کے درمیان معترضہ ہے **یا هولاء** حرف ندا محذوف تھا جس کو مفسر علام نے مذہب کوفی کی رعایت کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے۔ **فیما لکم** **ما** بمعنی **الذی** یا نکرہ موصوفہ ہے اور **علم** مبتدا ہے اور **لکم** خبر ہے اور یہ موضع نصب میں ہے بناء برحال ہونے کے اصل میں علم کی صفت تھی مقدم کر دیا گیا ہے۔

من شان ابراهیم یعنی حضرت ابراہیمؑ کا ذکر نہ تمہاری کتابوں میں ہے اور نہ تم کو ان کے بارے میں معلومات ہیں۔

وما کان من المشرکین مشرکین پر تو اس جملہ میں تعریض ہے ہی لیکن یہود ونصاریٰ پر بھی تعریض ہے کہ حضرت مسیحؑ وعزیرؑ کے بارے میں شرکیہ عقائد رکھتے ہوا **لحنف، الاستقامة بابراهیم** یہ متعلق ہے اولیٰ کے جو اسم تفضیل ہے ولی بمعنی قرب سے۔ **للذین** میں لام زائدہ تاکید کے لئے ہے یعنی لام ابتداء **لو یضلونکم** **لو** مصدریہ ہے بمعنی ان. **اضلالهم** یعنی ان کا مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرنا اور مسلمانوں کا گمراہی کو قبول نہ کرنا کسی کے نقصان کا باعث ہوا ہے۔ **بذلک** یعنی ان کو گمراہ کرنے کا وبال کس پر ہے اس کو وہ نہیں جانتے۔ **تشهدون** اس کی تفسیر علم کے ساتھ کی ہے کیونکہ شہادت کہتے ہیں خبر قطعی کو جس کے لئے علم لازم ہے۔

ربط:......... پچھلی آیات میں حضرت مسیحؑ کے بارہ میں عقیدہ الوہیت وابنیت کی اصلاح کے بعد ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں اس خیال کی اصلاح کی جارہی ہے کہ ہر جماعت ان کے اتباع کی دعویدار ہے جس کا مقصود اصلی اپنے اپنے طریق کی حقانیت کا اثبات تھا اور اس کا لازمی اثر آنحضرت ﷺ کی رسالت کا ابطال ہوتا ہے کیونکہ شریعتِ اسلامیہ اُن طرق کو منسوخ بتلارہی ہے جس کی بقاء مشروعیت کے وہ قائل ہیں۔ تو اس طرح ناسخ ومنسوخ دونوں مشروعیت میں جمع ہو جاتے ہیں جو بداہۃً غلط ہے اس لئے حق تعالیٰ اس کی تردید فرما رہے ہیں۔ یہودیت ونصرانیت اور ابراہیمیت میں اگر مطابقت بھی تسلیم کر لی جائے تب بھی شریعتِ اسلامیہ کے

بعد آنے اور ناسخ ہونے کی وجہ سے اہل کتاب کے لئے مفید نہیں چہ جائیکہ سرے سے اصل مطابقت ہی بے بنیاد اور غلط ہو تب تو بقاء مشروعیت کا دعویٰ بدرجۂ اولیٰ بدلہیۃً غلط ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ پہلے مسئلہ توحید کا احقاق مقصود تھا اور یہاں احقاق ہے مسئلۂ رسالت کا۔

شانِ نزول:.......... جلال محققؒ نے شان نزول خود فرمادیا ہے جس کی تفصیل ابھی گذری ہے۔

﴿تشریح﴾:...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اہل کتاب کے نزاع کا فیصلہ:.......... اہل کتاب کا یہ دعویٰ مطابقت اگر عناداً یا لاعلمی اور ناواقفیت کی وجہ سے تھا تب تو رد ظاہر ہے لیکن اگر تاویلاً ہو کر ہماری شریعت ان ہی کے موافق ہے تب بھی غلط ہے کیونکہ فروع میں یقیناً اختلاف موجود ہے۔ رہا محض اصول میں اتفاق واتحاد کا ہونا سو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہودیت و نصرانیت تو نام ہے مجموعہ احکام اصلیہ اور فرعیہ ممنوعہ کا جو حضرت ابراہیمؑ کے مقدم ہونے کی وجہ سے یقیناً ان کے زمانہ میں موجود تھی اس لئے یہ دعویٰ کیسے صحیح ہوا؟ اور اس سلسلہ میں اگر کوئی نئی اصطلاح ان کے پیش نظر تھی تو اس کا تعلق الفاظ اور لغت سے تو ہوسکتا ہے لیکن شریعت سے اس کا کیا تعلق؟ پھر اس سے ایک باطل کا ایہام لازم آرہا ہے جو بالکل غلط ہے۔

برخلاف امت محمدیہ کے وہ تمام اصول اور اکثر فروع میں موافقت کی وجہ سے دعویٰ مطابقت میں حق بجانت ہیں نیز اس سے آنحضرت ﷺ کے استقلال نبوت میں بھی کوئی ادنیٰ خلل واقع نہیں ہوتا بلکہ الذین اتبعوہ سے آپ کی اور آپ کی امت کی مزید خصوصیت ثابت ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ دعویٰ مطابقت وموافقت اہل کتاب کے شایان شان نہیں ہے۔ البتہ امت محمدیہ کو زیب دیتا ہے لیکن افسوس کہ اس درجہ اتمام حجت کے بعد بھی قبول حق کے لئے تیار نہیں ہیں۔ خود بھی گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی فکر میں رہتے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ حضرات صحابہؓ بالکل گمراہ نہیں ہوسکے۔ البتہ مابعد کے لوگوں کے بارہ میں یہ خطرہ بیشک ہے لیکن وہاں بھی ان کے اختیار میں کسی کی گمراہی نہیں ہے۔ یوں خود کوئی تباہ ہونے لگے تو وہ دوسری بات ہے۔ طائفہ سے مراد اگر عام اشخاص اور جہلاء ہوں تب تو یہ فرمانا کہ وہ اس کی اطلاع نہیں رکھتے اپنے ظاہر پر ہے لیکن اس طرف التفات نہیں کرتے اس کا منشاء یہ نہیں کہ جان بوجھ کر کفر کرنا برا ہے اور ناواقفیت ولاعلمی میں برا نہیں ہے بلکہ مقصد اس صورت میں مزید تقبیح اور ملامت کا اظہار ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اَلْيَهُوْدِ لِبَعْضِهِمْ **اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** اَیِ الْقُرْاٰنِ **وَجْهَ النَّهَارِ** اَوَّلَهٗ **وَاكْفُرُوْٓا** بِهٖ **اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ** اَیِ الْمُؤْمِنِیْنَ **یَرْجِعُوْنَ﴿۷۲﴾** عَنْ دِیْنِهِمْ اِذَا یَقُوْلُوْنَ مَا رَجَعَ هٰٓؤُلَآءِ عَنْهُ بَعْدَ دُخُوْلِهِمْ فِیْهِ وَهُمْ اُولُوْ عِلْمٍ اِلَّا لِعِلْمِهِمْ بُطْلَانَهٗ وَقَالُوْا اَیْضًا **وَ لَا تُؤْمِنُوْٓا** تُصَدِّقُوْا **اِلَّا لِمَنْ** اَللَّامُ زَائِدَةٌ **تَبِعَ** وَافَقَ **دِیْنَكُمْ** قَالَ تَعَالٰی **قُلْ** لَهُمْ یَا مُحَمَّدُ **اِنَّ الْهُدٰی هُدَی اللّٰهِ** الَّذِیْ هُوَ الْاِسْلَامُ وَمَاعَدَاهُ ضَلَالٌ وَالْجُمْلَةُ اِعْتِرَاضٌ **اَنْ** اَیْ بِاَنْ **یُّؤْتٰٓی اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ** مِنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ وَالْفَضَائِلِ وَاَنْ مَفْعُوْلُ تُؤْمِنُوْا وَالْمُسْتَثْنٰی مِنْهُ اَحَدٌ قُدِّمَ عَلَیْهِ الْمُسْتَثْنٰی اَلْمَعْنٰی لَاتُقِرُّوْا بِاَنَّ اَحَدًا یُّؤْتٰی ذٰلِكَ اِلَّا مَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ **اَوْ** بِاَنْ **یُحَآجُّوْكُمْ** اَیِ الْمُؤْمِنُوْنَ یَغْلِبُوْكُمْ **عِنْدَ رَبِّكُمْ** یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لِاَنَّكُمْ اَصَحُّ دِیْنًا وَفِیْ قِرَاءَةٍ ءَاَنْ بِهَمْزَةِ التَّوْبِیْخِ اَیْ اِیْتَاءَ اَحَدٍ مِثْلَهٗ تُقِرُّوْنَ بِهٖ قَالَ تَعَالٰی **قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ** فَمِنْ اَیْنَ لَكُمْ اَنَّهٗ لَایُؤْتٰی اَحَدٌ مِثْلَ مَا اُوْتِیْتُمْ **وَاللّٰهُ وَاسِعٌ** كَثِیْرُ الْفَضْلِ **عَلِیْمٌ﴿۷۳﴾** بِمَنْ هُوَ

اَهْلَهٗ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ
بِقِنْطَارٍ اَیْ بِمَالٍ كَثِيْرٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ لِاَمَانَتِهٖ كَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ اَوْدَعَهٗ رَجُلٌ اَلْفًا وَمِائَتَیْ اَوْقِيَةً ذَهَبًا
فَاَدَّاهَا اِلَيْهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ لِخِيَانَتِهٖ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ لَا تُفَارِقُهٗ
فَمَتٰى فَارَقْتَهٗ اَنْكَرَهٗ كَكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ اِسْتَوْدَعَهٗ قُرَشِیٌّ دِيْنَارًا فَجَحَدَهٗ ذٰلِكَ اَیْ تَرْكُ الْاَدَاءِ بِاَنَّهُمْ
قَالُوْا بِسَبَبِ قَوْلِهِمْ لَيْسَ عَلَيْنَا فِی الْاُمِّيّٖنَ اَیِ الْعَرَبِ سَبِيْلٌ ۚ اَیْ اِثْمٌ لِاسْتِحْلَالِهِمْ ظُلْمَ مَنْ خَالَفَ
دِيْنَهُمْ وَنَسَبُوْهُ اِلَيْهِ تَعَالٰی قَالَ تَعَالٰی وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ فِیْ نِسْبَةِ ذٰلِكَ اِلَيْهِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾
اَنَّهُمْ كَاذِبُوْنَ بَلٰى عَلَيْهِمْ فِيْهِمْ سَبِيْلٌ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ اَلَّذِیْ عَاهَدَ اللّٰهَ عَلَيْهِ اَوْ بِعَهْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ مِنْ اَدَاءِ
الْاَمَانَةِ وَغَيْرِهٖ وَاتَّقٰى اللّٰهَ بِتَرْكِ الْمَعَاصِیْ وَعَمَلِ الطَّاعَاتِ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ فِيْهِ وَضْعُ
الظَّاهِرِ مَوْضَعَ الْمُضْمَرِ اَیْ يُحِبُّهُمْ بِمَعْنٰی يُثِيْبُهُمْ وَنَزَلَ فِی الْيَهُوْدِ لَمَّا بَدَّلُوْا نَعْتَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَعَهْدَ اللّٰهِ اِلَيْهِمْ فِی التَّوْرٰةِ اَوْ فِيْمَنْ حَلَفَ كَاذِبًا فِیْ دَعْوٰی اَوْ فِیْ بَيْعِ سِلْعَةٍ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَشْتَرُوْنَ يَسْتَبْدِلُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اِلَيْهِمْ فِی الْاِيْمَانِ بِالنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَدَاءِ الْاَمَانَةِ وَاَيْمَانِهِمْ
حَلْفِهِمْ بِهٖ تَعَالٰی كَاذِبًا ثَمَنًا قَلِيْلًا مِنَ الدُّنْيَا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ نَصِيْبَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ
اللّٰهُ غَضَبًا عَلَيْهِمْ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَرْحَمُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ يُطَهِّرُهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾ مُؤْلِمٌ وَاِنَّ مِنْهُمْ اَیْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَفَرِيْقًا طَائِفَةً كَكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ
بِالْكِتٰبِ اَیْ يَعْطِفُوْنَهَا بِقِرَاءَتِهٖ عَنِ الْمُنَزَّلِ اِلٰی مَا حَرَّفُوْهُ مِنْ نَعْتِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْوِهٖ
لِتَحْسَبُوْهُ اَیِ الْمُحَرَّفَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ اَلَّذِیْ اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ
عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَنَّهُمْ كَاذِبُوْنَ ۔

ترجمہ:............ اہل کتاب میں ایک گروہ ہے (یہود جو آپس میں ایک دوسرے سے) کہتا ہے کہ ایمان لے آؤ ان مسلمانوں کی
کتاب (قرآن) پر صبح کے (اول) وقت اور انکار کردو اس کا (شام کے وقت) اس طرح عجب نہیں کہ وہ (مسلمان) پھر جائیں (اپنے
مذہب سے یہ کہتے ہوئے یہ لوگ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اہل علم ہونے کے باوجود پھرے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا
بطلان ان پر واضح ہوگیا ہے اور نیز کہتے ہیں کہ) کسی کی بات نہ مانو (یقین نہ کرو) بجز ان لوگوں کے جو (لمن میں لام زائدہ ہے)
پیروی (اتباع) کریں تمہارے دین کی (حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) کہ فرما دیجئے آپ (ان سے اے محمدؐ) ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی
ہدایت ہے (جو کہ دین اسلام ہے اور اس کے علاوہ گمراہی ہے یہ جملہ معترضہ ہے) یہ بات بھی نہ مانو جیسا کچھ دین تمہیں دیا گیا ہے ویسا
کسی دوسرے انسان کو ملا ہو (یعنی کتاب وحکمت اور فضائل۔ اور ان یوتی مفعول ہے لا تومنوا کا اور لفظ احد مستثنیٰ منہ ہے جس پر مستثنیٰ

کو مقدم کر دیا گیا ہے حاصل یہ ہوا کہ اس بات کا اقرار نہ کرو کہ تمہارے ماننے والوں کے علاوہ کسی کو ایسا دین مل سکتا ہے) یا یہ کہ حجت کر سکتے ہیں (یہ مومنین غالب آ سکتے ہیں) تمہارے پروردگار کے حضور) قیامت میں کیونکہ تمہارا دین سب سے زیادہ صحیح ہے اور ایک قرأت میں ااَنْ ہمزہ توبیخ کے ساتھ ہے یعنی کیا اس جیسا کسی کو ملنے کا اقرار کرتے ہو۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) آپ کہہ دیجئے کہ فضل و بخشش تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے مالا مال کر دیتا ہے (پس یہ تم کہاں سے کہہ رہے ہو کہ تمہارے جیسا کسی کو نہیں مل سکتا) اللہ تعالیٰ بڑی ہی وسعت رکھنے والے (بڑے مہربان) اور جاننے والے ہیں (کہ کون اس کا اہل ہے) وہ جس کسی کو چاہتے ہیں اپنی رحمت کے لئے چُن لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فضل بڑا ہی فضل ہے اور اہل کتاب میں کچھ آدمی تو ایسے ہیں کہ اگر آپ سونے چاندی کا ڈھیر (کافی مال) بھی ان کے پاس امانت میں چھوڑ دیں۔ تب بھی وہ تم کو ادا کر دیں (اپنی امانت جیسا عبداللہ بن سلامؓ کے پاس کسی صاحب نے دو ہزار درہم دو سو اوقیہ سونا امانت رکھا لیکن انہوں نے اس سب کو ادا کر دیا) مگر ایک گروہ ان میں کا ایسا بھی ہے کہ اگر ایک روپیہ بھی ان کی امانت میں رکھ دو تو وہ کبھی تم کو واپس نہ دیں (خیانت کی وجہ سے) جب تک ہر وقت ان کے سر پر کھڑے نہ رہو (کہ ان سے الگ ہونے کا نام نہ لو اور اگر الگ ہوئے تو فوراً انکار کر بیٹھے۔ کعب بن اشرف کے پاس ایک قریشی نے ایک دینار (روپیہ) امانت رکھا تو اس نے دینے سے صاف انکار کر دیا) یہ (بدمعاملگی) اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں (یعنی ان کے اس قول کی وجہ سے ہے) اُمیوں (عرب کے لوگوں) سے معاملہ کرنے میں ہمارے لئے کوئی مواخذہ (گناہ) نہیں ہے (کیونکہ وہ اپنے مخالفِ دین کے ساتھ ظلم کرنے کو جائز سمجھتے ہیں اور اس اجازت کی نسبت خدا کی طرف کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) اور اللہ پر یہ لوگ بہتان باندھتے ہیں (اس قسم کی غلط باتوں کی نسبت ان کی طرف کر کے) حالانکہ وہ بھی جانتے ہیں (کہ وہ جھوٹے ہیں) ہاں کیوں نہیں جو شخص اپنا قول و قرار سچائی کے ساتھ پورا کرتا ہے (جو عہد خدا نے اس سے لیا ہے یا خدا سے کئے ہوئے اس کے عہد کو جو امانت وغیرہ کی ادائیگی سے متعلق ہے) اور ڈرتا ہے (اللہ سے ان کی نافرمانی چھوڑتے ہوئے اور فرمانبرداری کرتے ہوئے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں پرہیزگاروں کو (اس میں ضمیر کی بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے گویا یحبهم بمعنی یثیبهم ہے یہود نے جب آنحضرت ﷺ کے اوصاف تبدیل کر دیئے حالانکہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لے لیا تھا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی یا ان لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی جنہوں نے کسی دعوے میں یا سامان فروخت کرنے میں جھوٹی قسم کھالی تھی) یقیناً جو لوگ فروخت کر (بدل) ڈالتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد کو (جو ان سے آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کے اور اداء امانت کے بارہ میں لیا گیا تھا) اور اپنی قسموں کو (جو انہوں نے جھوٹی کھائی تھیں) ایک حقیر قیمت کے بدلہ (متاع دنیا سے) یہی وہ لوگ ہیں کہ کوئی حصہ (نصیب) ان کے لئے آخرت میں نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان سے نہ تو کلام کریں گے (ان پر ناراضگی کی وجہ سے) اور نہ ان پر نظر التفات پڑے گی (کہ ان پر رحم کھالیا جائے) قیامت کے دن اور نہ گناہوں کی آلودگی سے پاک (صاف) کئے جائیں گے اور ان کے لئے دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہوگا۔ اور بیشک ان (اہل کتاب میں سے) ایک گروہ ایسا بھی ہے (جیسے کعب بن اشرف) کہ الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں کتاب اللہ میں (یعنی زبان کو موڑ دیتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی لغت اور دوسرے صحیح مضامین کو غلط کر کے) تاکہ تم خیال کرو (کہ جو کچھ یہ غلط سنا رہے ہیں) وہ کتاب اللہ میں سے (صحیح) ہے حالانکہ وہ قطعاً کتاب اللہ میں سے نہیں ہے اور وہ لوگ کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کے نام سے جھوٹ بولتے ہیں اور جانتے ہیں (کہ جھوٹ بول رہے ہیں)

تحقیق وترکیب: .... وجہ النھار جس طرح انسان کے اعضاء میں چہرہ ممتاز ہے اسی طرح دن میں اول حصہ نمایاں ہوتا ہے اس لئے "وجہ النھار" کے معنی اول حصہ کے ہیں۔ یا جس طرح اول نظر چہرہ پر پڑتی ہے اسی طرح اول نظر رات کے بعد صبح پر پڑتی

ہے۔ لاتؤمنوا آیت کی دوتوجیہوں کی طرف جلال محقق اشارہ کررہے ہیں۔ اوّل توجیہ کی طرف السلام زائدۃ اوردوسری توجیہ کی طرف المعنی لاتقروا سے۔ اول توجیہ پر لمن میں لام زائد ہوگا کیونکہ ایمان میں اقرار وتصدیق خود متعدی ہے لام تعدیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور قل ان الخ یہ جملہ معترضہ ہوگا فعل اور مفعول کے درمیان ان یؤتی احد یہ مستثنیٰ منہ موخر اور لمن تبع مستثنیٰ مقدم ہے۔ معنی یہ ہیں کہ بجز یہودیت کے کسی کو سچا نہ سمجھو اور یقین رکھو کہ تم جیسی نعمتیں کسی کو نہیں دی گئی ہیں۔ اور یہ کہ مسلمان آخرت میں تمہارا مقابلہ نہیں کرسکتے کیونکہ تمہارا دین زیادہ بہتر ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ لام زائد نہ مانا جائے بلکہ اصلی مانا جائے اور تؤمنوا معنی میں تصدقوا کے ہے اور مستثنیٰ منہ محذوف ہو تقدیر عبارت لاحد ہو یعنی جس قدر فضائل وکمالات تم کو دیئے گئے ہیں اس کا یقین نہ رکھو وہ کسی دوسرے کو دیئے گئے ہیں بجز اس شخص کے جو تمہارے دین کا متبع ہو۔ اور مقصد اس کا آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار ہے۔ جلال مفسرؒ نے اختصار کرکے دونوں تقریروں کو خلط کردیا ہے۔ اویحاجوکم اس کا عطف ان یوتی پر ہے اور ضمیر لفظ احد کی طرف راجع ہے جو معناً جمع ہے اور استثناء بھی احد کی طرف راجع ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے لاتقربوا بان المسلمین یحاجوکم عند ربکم ویغلبونکم الا لمن تبع دینکم اس صورت میں لام زائد نہیں رہا۔ لانکم اصح دینا یہ دلیل ہے بخیال خویش یہود کے غالب رہنے کی۔

وفی قراءۃ ءانّ اس صورت میں ھو الھدی پر جملہ ختم ہوگیا اور ان یوتی جملہ مستانفہ ہوگا ہمزہ استفہام توبیخی ہوگا اور مستثنیٰ منہ محذوف رہے گا اور ان مصدریہ ہوگا جیسا کہ مفسرؒ نے "ای ایتاء احد" سے اس طرف اشارہ کیا ہے اور یہ مع اپنے مدخول کے مبتدا کی تاویل میں ہے خبر محذوف ہے "تقدرون بہ" مفسر نے مقدر مانی ہے یعنی اپنے دین کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے تمہارا یہ اقرار مناسب نہیں ہے اور ان یؤتی ظرف کو لان یوتی کے معنی میں لے کر متعلق اس کا محذوف مان لیا جائے تو یہ کلام الٰہی ہوجائے گا۔ چنانچہ ابن کثیرؒ کی قرأت ان یؤتی کو استفہام تفریعی پر محمول کرنے کی اس کی مؤید ہے۔

من اھل الکتاب اہل کتاب کی دینی خیانتیں بیان کرنے کے بعد ان کی مالی خیانتوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ القنطار چالیس اوقیہ سونا یا ایک ہزار دوسو دینار یا ایک ہزار دوسو اوقیہ یا ستر ہزار دینار یا اسی ہزار درہم یا سو رطل سونا یا چاندی یا ہزار دینار یا بیل کی کھال بھر سونا چاندی علی اختلاف الاقوال ایک اوقیہ چالیس درہم یعنی دس روپے کے برابر ہوتا ہے۔ بقنطار میں با بمعنی علی یا بمعنی فی ہے یعنی فی حفظ قنطار۔

من ان تامنہ یہ مبتداء ہے اور ومن اھل الکتاب خبر ہے اور شرط اور جواب شرط مل کر صفت من نکرہ کی بدینار ایک دینار بیس قیراط کا ہوتا ہے اور ایک قیراط پانچ جو وزن ہوتا ہے فخاص بن عازوراء یہودی کے پاس ایک قریشی نے ایک دینار امانت رکھوایا لیکن ادائیگی کے وقت صاف انکار کردیا۔ اور بعض نے اُمّیّیْنَ کا مصداق اہل کتاب میں سے نصاریٰ کو اور خائن کا مصداق یہودیوں کو قرار دیا ہے دونوں میں ان دونوں وصفوں کے غائب ہونے کی وجہ سے مادمت اس میں ما مصدریہ ہے اور استثناء مقدر سے ہے ای وانکرہ بسبب تولیھم یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ ان لوگوں کی تخصیص کیوں کی حالانکہ دوسرے لوگ بھی امی اور خائن ہوئے ہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ ان کی تخصیص شان نزول کی وجہ سے باعتبار واقعہ حال کے ہے۔ سبیل بیان مراد کے لئے مفسرؒ نے بالاثم سے اس کی تشریح کی ہے ورنہ لغت میں مطلق طریق کے معنی ہیں اور یہاں طریق عتاب کے معنی ہیں۔

بلیٰ اثبات نفی ماقبل کے لئے ہے زجاج کہتے ہیں کہ میرے نزدیک بلیٰ پر وقف تام ہے اور اس کا مابعد استیناف ہے اور اس جملہ کا بیان ہے جس کے قائمقام بلیٰ ہے۔

فیمن حلف کاذبًا اشعث بن قیس اور ایک دوسرے شخص کے درمیان ایک کنویں پر جھگڑا ہوا اور مقدمہ آنحضرت ﷺ کی خدمت

میں پہنچا تو آپ نے گواہ اور قسم کا مطالبہ کیا تو اشعث کا ساتھی جھوٹی قسم کھانے کے لئے تیار ہو گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔اسی طرح ''بیع سلعۃ'' کی صورت ہوگی کہ جھوٹی قسم کھانے کے لئے آمادہ ہو گیا ہوگا۔

ولا یکلمھم اللہ سورۂ مومنون میں ہے **قال اخسئوا فیھا ولا تکلمون** جس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ان سے کلام فرمائیں گے دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اس آیت میں کلام رضا کی نفی ہے اور سورۂ مومنون میں کلام غضب کا اثبات ہے یا براہ راست کلام کی نفی اور فرشتوں کے توسط سے کلام کا اثبات مراد لیا جائے گا۔ **کعب بن اشرف** اور مالک بن حنیف اور حیی بن اخطب وغیرہ مراد ہیں۔

یلوون. لیّ کے معنی موڑنے اور کسی چیز کو ٹیڑھا کرنے کے لئے ہیں۔**لویت یدہ** بولتے ہیں "**التوی الشیٔ التوی فلان. لوی لسانہ** سب محاورات ہیں۔ جملہ یلوون صفت ہے **فریقا** کی محل نصب میں ہے اور ضمیر جمع معنی کے لحاظ سے ہے کیونکہ لفظ قوم اور **رھط** کی طرح یہ اسم جمع ہے **یلوون السنتھم** سے مراد ایہام ہے یعنی مسلمانوں کو ایہام میں مبتلا کرتے ہیں۔

ربط:.........گذشتہ آیت میں یہود کے اضلال کا بیان تھا۔آیت **وقالت الخ** میں ان کی اسی قسم کی ایک اسکیم کا ذکر ہے اور آیت **ومن اھل الکتاب** میں خیانت فی العلم کی طرح ان کی خیانت مالی کا تذکرہ ہے آیت **بلی من اوفی** میں ایفاء وعدہ پر وعدہ اور عدم ایفائے وعدہ پر وعید کا بیان ہے آیت **وان منھم الخ** میں ان کی خصوصی خیانت تحریف وتزویر کا ذکر ہے۔

شانِ نزول:.........ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ عبداللہ بن صیف عدی بن زیاد حارث بن عوف ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ صبح کو ہم قرآن پر ایمان لے آیا کریں اور شام تک رجوع کر لیا کریں تو اس طرح دیکھا دیکھی دوسرے مسلمان بھی ایسا کرنے لگیں گے۔اس پر آیت **یا اھل الکتٰب لم تلبسون الحق الخ** نازل ہوئی۔ابن جریر نے تخریج کی ہے کہ یہود نے مسلمانوں سے ان کے اسلام لانے سے پہلے خرید وفروخت کی لیکن مسلمان ہونے کے بعد قیمت کا تقاضہ کیا گیا تو یہود نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ تم نے اپنے دین کو چھوڑ دیا اس لئے ہم کچھ نہیں دیتے اور اس کے حکم الٰہی ہونے کا دعویٰ کیا۔اس پر آیت **ویقولون الخ** نازل ہوئی۔ اس کے علاوہ ابن مسعودؓ کی روایت اشعث بن قیس کے متعلق ہے جس کا بیان اوپر گذرا ہے کہ کسی کنویں کے معاملہ میں یہودی قسم کھانے کے لئے تیار ہو گیا تھا تب **ان الذین الخ** آیت نازل ہوئی عبداللہ بن اوفی کی روایت بخاری وغیرہ نے پیش کی ہے جس کی رو سے آیت کا تعلق بازار میں کاروباری سامان لانے والوں سے معلوم ہوتا ہے جو جھوٹی قسم کھا لیا کرتے تھے۔ابن جریر نے تخریج کی ہے کہ ابورافع اور لبابہ ابن ابی الحقیق اور کعب بن اشرف کے بارے میں آیت **ان الذین** نازل ہوئی۔ جنہوں نے تورات کو جلا دیا تھا اور آنحضرت ﷺ کے اوصاف کو ردوبدل کر ڈالا تھا۔اور اس پر رشوتیں لیتے تھے۔ممکن ہے کہ اسباب نزول مختلف واقعات ہوں اور بہتر توجیہ یہ ہے کہ سبب نزول تو ایک ہی ہے لیکن کسی مناسبت سے دوسرے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کے آیت تلاوت کرنے سے راوی نے اس کو بھی سبب نزول سمجھ کر روایت کر دی ہو۔

﴿تشریح﴾:......غلط پندار اور تنگ ذہنی:.........اہل کتاب کی یہ بنیادی گمراہی ہے کہ انہوں نے حق وصداقت کو صرف اپنی نسل اور اپنی جماعت کا ورثہ سمجھ لیا تھا اور یہ کہتے تھے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ جو شخص ہمارے گروہ سے نہ ہو اور پھر دین وصداقت رکھتا ہو۔یا کسی فرد و قوم کو ہم سے بہتر دین و دیانت مل سکے۔ جو کچھ ملنا تھا وہ ہمیں مل چکا ہے اور خدا کے خزانۂ فیضان ورحمت پر مہر لگ چکی ہے۔قرآن اس کی تردید کر رہا ہے **ذٰلک بانھم الخ** میں ان کی ایک دوسری گمراہی کی طرف اشارہ ہے وہ سمجھتے تھے کہ دین و دیانت

کے جس قدر احکام ہیں وہ سب اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ ہیں۔ وہی ان تمام مراعات اور حسن اخلاق کے مستحق ہیں لیکن دوسرے مذاہب کے لوگوں سے ہر طرح کی بد معاملگی بددیانتی کو جائز سمجھتے تھے جس طرح بن پڑے اس کے مال کو حلال سمجھتے تھے۔ لیکن قرآن عزیز کہتا ہے کہ دیانت بہر حال دیانت ہے اور خیانت ہر حال میں خیانت ہے۔ ملک وملت کے اختلاف سے دین ودیانت کی حدود نہیں بدل سکتیں، سچائی اور اچھائی کا ہر شخص مستحق ہے۔

امانت داری سب کے لئے ہر طرح مفید ہے:............ بقول حضرت ابن عباسؓ اگر امانت داروں سے مراد نو مسلم یہود ہوں جیسے عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ تب تو مدح ظاہر ہے لیکن اگر خاص مسلمان مراد نہ ہوں بلکہ مطلقاً اہل کتاب میں امین وخائن دونوں کا ہونا مذکور ہو تو تعریف کا حاصل مقبولیت عنداللہ نہیں ہے کہ وہ بلا ایمان کے حاصل نہیں ہوتی بلکہ محض اچھی بات ہونے کے لحاظ سے تعریف کرنا چاہئے کافر ہی کی طرف سے ہو۔ دنیا میں اچھی بات کا اثر نیک نامی وغیرہ ہوتا ہے اور آخرت کے لحاظ سے بھی باعث تخفیف عذاب ہوتی ہے یا خاص اسی عذاب کی کمی ہوتی ہے جو اس کی مخالف جانب کے کرنے سے ہوتا۔ آیت ہود سے جو عدم ثواب معلوم ہوتا ہے وہ اس عدم عذاب کے منافی نہیں ہے اس سے اسلام کی انصاف پسندی اور بے تعصبی واضح ہوتی ہے کہ مخالف کے ہنر کی بھی کتنی قدر کی جاتی ہے اور قرار واقعی داد دی جاتی ہے۔

دو نادر نکتے:............ آیت "ویقولون" کے ذیل میں جن واقعات یہود کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کو سامنے رکھ کر شبہ نہیں کرنا چاہئے کہ مسلمان بھی تو حربی کافر کے مال کو مباح سمجھتے ہیں خواہ عقد فاسد ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو لیکن کہا جائے گا کہ وہاں رضامندی اور عدم عذر شرط ہے جو یہود کے یہاں نہیں تھا اس لئے دونوں باتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہو گیا۔

علی ہذا مال غنیمت کے حلال ہونے پر بھی شبہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ مال غنیمت نہ تو کوئی حربیوں سے معاہدہ ہوتا ہے اور نہ ان کی طرف سے استیمان ہوتا ہے برخلاف یہود کے وہ امن وعہد کے ہوتے ہوئے بھی بدعہدی اور نقض امن کرتے تھے۔

بدعہدی:............ مخلوق کے ساتھ عہد اگر جائز ہو تو اس کا ایفاء ضروری ہے ورنہ حرام ہے۔ اور چونکہ یہود آنحضرت ﷺ کی رسالت کے منکر تھے اس لئے عہد اللہ میں ایمان الانبیاء کو بھی داخل کیا جائے گا اور دوسری ضروری چیزوں کو بھی عام ہوگا اور **ولا یزکیھم** کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ مسلمانوں جیسی ان کی تعریف نہیں کریں گے اور عہد اللہ میں چونکہ ایمان بھی داخل ہے اس لئے یہ شبہ نہیں رہے گا کہ ایفائے عہد پر جو محبت کا وعدہ ہے اس میں ایمان بھی شرط نہیں ہے اور **اولئک لاخلاق** کا خطاب اگر کفار کو ہے تب تو یہ وعیدیں قیامت کے لئے ہیں اور اگر فجار کو بھی کفار کے ساتھ شامل کیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ چند روز وہ ان وعیدوں کے مستحق ہوں گے نہ وقوع یقینی ہے اور نہ ہدایت۔ چنانچہ اہل سنت کے نزدیک معافی بغیر عقوبت بھی درست ہے۔

تحریف لفظی اور معنوی:............ علامہ آلوسیؒ کے بیان کے مطابق یہود تورات میں تحریف لفظی بھی کرتے تھے اور ممکن ہے کہ صرف تحریف معنوی ہی کرتے ہوں لفظی تحریف میں گویا ان الفاظ کے منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ ہوتا ہے اور تحریف معنوی میں تعبیر اور تفسیر غلط کرنی ہوتی ہے اور اسی کو قواعد شرعیہ کی موافق ومطابق ہونے کو کہا جاتا ہے گویا ایک میں صورۃً جزو ہونے کا دعویٰ اور دوسرے میں صرف معنیٰ جزو ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اس طرح کہ یہ شرع سے ثابت ہے اور جو شرع سے ثابت ہو وہ منزل من اللہ ہے اس لئے یہ بھی منزل من اللہ ہے اہل کتاب کے علاوہ مشائخ کا ایک گروہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے لیکن ہوائے نفس سے اس کے معانی میں

تحریف کر دیتا۔ عوام یہ سمجھتے کہ کتاب کا بیان ہے حالانکہ وہ خدائی کتاب کا بیان نہ ہوتا بلکہ ان کی افتراء پردازیاں ہوتیں۔

قرآن وحدیث میں تحریف:............ امتِ محمدیہ میں قرآن میں تحریف لفظی تو نہیں ہوسکی کیونکہ الفاظ قرآنیہ محفوظ من اللہ ہیں البتہ تحریف معنوی کج طبع لوگوں نے تفسیر بالرائے کے ذریعہ کی ہے اور احادیث میں تحریف لفظی اور معنوی دونوں کی گئی ہیں۔

ولا تؤمنوا سے ان اہل طریقت کی غلطی واضح ہوگئی جو غیر سلسلہ والے شخص سے اپنے طریق کو مخفی کرتے ہیں اور اس پر اپنی اجارہ داری سمجھتے ہیں۔ **ان الذین یشهدون** سے رد ہے ایسے شخص کی حالت پر جو دنیا کی طرف مائل ہو اور اس کو مشاہدۂ حق پر ترجیح دیتا ہو اور اپنے ظاہر کو اہل اللہ کے لباس سے آراستہ رکھتا ہو مگر حب جاہ کے ساتھ۔ پس ایسا شخص بقاء حقیقی سے محروم اور مخاطبت حق سے دونوں جہاں میں ساقط ہو جائے گا۔

وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ نَصَارٰی نَجْرَانَ اَنَّ عِیْسٰی اَمَرَهُمْ اَنْ یَّتَّخِذُوْهُ رَبًّا اَوْ لَمَّا طَلَبَ بَعْضُ الْمُسْلِمِیْنَ السُّجُوْدَ لَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **مَا كَانَ** یَنْبَغِیْ **لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ** اَیِ الْفَهْمَ لِلشَّرِیْعَةِ **وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ** یَقُوْلُ **كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ** عُلَمَاءَ عَامِلِیْنَ مَنْسُوْبٌ اِلَی الرَّبِّ بِزِیَادَةِ اَلِفٍ وَنُوْنٍ تَفْخِیْمًا **بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ** بِالتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ **الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾** اَیْ بِسَبَبِ ذٰلِكَ فَاِنَّ فَائِدَتَهٗ اَنْ تَعْمَلُوْا **وَلَا یَاْمُرَكُمْ** بِالرَّفْعِ اِسْتِئْنَافٌ اَیِ اللّٰهُ وَالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰی یَقُوْلُ اَیِ الْبَشَرُ **اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا** كَمَا اتَّخَذَتِ الصَّابِئَةُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَالْیَهُوْدُ عُزَیْرًا وَالنَّصٰرٰی عِیْسٰی **اَیَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾** لَا یَنْبَغِیْ لَهٗ هٰذَا وَاذْكُرْ **اِذْ** حِیْنَ **اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ** عَهْدَهُمْ **لَمَآ** بِفَتْحِ اللَّامِ لِلْاِبْتِدَاءِ وَتَوْكِیْدِ مَعْنَی الْقَسَمِ الَّذِیْ فِیْ اَخْذِ الْمِیْثَاقِ وَكَسْرِهَا مُتَعَلِّقَةٌ بِاَخَذَ وَمَا مَوْصُوْلَةٌ عَلَی الْوَجْهَیْنِ اَیْ لِلَّذِیْ **اٰتَیْتُكُمْ** اِیَّاهُ وَفِیْ قِرَاءَةٍ اٰتَیْنٰكُمْ **مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ** مِنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ وَهُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ** جَوَابُ الْقَسَمِ اِنْ اَدْرَكْتُمُوْهُ وَاُمَمُهُمْ تَبَعٌ لَّهُمْ فِیْ ذٰلِكَ **قَالَ** تَعَالٰی لَهُمْ **ءَاَقْرَرْتُمْ** بِذٰلِكَ **وَاَخَذْتُمْ** قَبِلْتُمْ **عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ** عَهْدِیْ **قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا** عَلٰی اَنْفُسِكُمْ وَاَتْبَاعِكُمْ بِذٰلِكَ **وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾** عَلَیْكُمْ وَعَلَیْهِمْ **فَمَنْ تَوَلّٰی** اَعْرَضَ **بَعْدَ ذٰلِكَ** الْمِیْثَاقِ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾**

ترجمہ:............ (نصاریٰ نجران نے جب یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ ان کو اپنا رب سمجھیں، یا بعض مسلمانوں نے جب آنحضرت ﷺ کو سجدہ کرنا چاہا تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں) سزاوار (مناسب) نہیں ہے کسی انسان کو یہ بات کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور حکمت (دین کی سمجھ) اور نبوت مرحمت فرمائیں اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہتا پھرے کہ تم میرے بندے بن

جاؤ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بلکہ (اس کو یہ کہنا چاہئے کہ) اللہ والے بن جاؤ (عالم با عمل۔ ربانی کے معنی الی الرب کے ہیں۔ الف ونون کا اضافہ فخامت کے لئے ہے) اس لئے کہ تم کتاب اللہ کی تعلیم دیتے ہو (تعلمون کی قرأت تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) وہ تم کو یہ حکم نہیں دی گا (رفع کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے یعنی اللہ حکم نہیں دیتا ہے۔ اور نصب کے ساتھ ہے تو یقول پر عطف ہے یعنی وہ ربانی انسان اس کا حکم نہیں دے سکتا ہے) کہ فرشتوں یا نبیوں کو اپنا پروردگار بنالو (چنانچہ فرقۂ صابئیہ نے فرشتوں کو، اور یہود نے حضرت عزیرؑ کو، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو معبود بنالیا ہے) کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ تم کو کفر کرنے کا حکم دے۔ درآنحالیکہ تم مسلمان ہو چکے ہو (ایسی تلقین اس کے شایانِ شان نہیں ہے) اور (اسی کو یاد کرو) جب اللہ نے (عہد) لیا تھا انبیاء علیہم السلام سے کہ (لما لام ابتداء مفتوح کے ساتھ ہے جو معنی قسم کی تاکید کے لئے ہے جو لفظ "اخذ میثاق" سے ماخوذ ہے۔ اور لام مکسور بھی ہوسکتا ہے۔ لفظ اخذ کے متعلق ہوگا۔ ان دونوں صورتوں میں ما موصولہ رہے گا یعنی للذی) ہم نے تمہیں کتاب وحکمت مرحمت کی ہے پھر اگر ایسا ہو کہ کوئی رسول تمہارے پاس آئے اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے پاس (کتاب وحکمت) ہے (اور وہ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے) تو تم ضرور ماننا اور ان کی تائید کرنا (یہ جواب قسم ہے یعنی اے گروہ انبیاءؑ اگر تم ان کو پاؤ تو ضرور ان کی عقیدت ونصرت کا حق ہوگا ادا کرنا۔ اور ان انبیاءؑ کی امتیں اس حکم میں ان کے تابع تھیں) ارشاد الٰہی ہوا تھا کہ کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور اس کا ذمہ لیتے ہو (قبول کرتے ہو) میرے عہد (وعدہ) کو سب نے عرض کیا تھا بے شک ہم اقرار کرتے ہیں اس پر حکم ہوا کہ تو گواہ رہو (اپنے رب اور اپنے متبعین کی طرف اس پر) میں بھی تمہارے ساتھ اس پر گواہ ہوں۔ (تمہارے اور ان کے لئے) تو اب بھی جو کوئی روگردانی (اعراض) کرے گا اس (عہد) کے بعد تو یقیناً ایسے لوگ فاسق شمار کئے جائیں گے۔

تحقیق وترکیب:......... **ما کان لبشر** یعنی **مایصح لاحد** لفظ بشر لانے میں علۃ حکم کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی بشریت منافی اس حکم ربوبیت کے ہے اور فعل یقول کو ثم کے ذریعے سے منصوب ان پر عطف اس قول کی تعظیم کے لئے کیا ہے یعنی ان دونوں باتوں میں بہت زیادہ بون بعید ہے جب مہلت کے بعد بھی بُعد ہے تو بغیر مہلت بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔ **ما کان لبشر** اور **ما کان** یعنی **ان یکون الخ** اور **ما کان لکم ان تنبتوا الخ** اس قسم کے صیغے نفی عام کے لئے آتے ہیں کہ ان کا ثبوت عقلاً بھی جائز نہیں ہے جیسے صدیق اکبرؓ کا قول **ما کان لابن ابی قحافہ ان یتقدم فی الصلوٰہ بین یدی رسول اللہ** یعنی میری کیا مجال ہے کہ میں ایسا کرسکوں۔ اس لئے قول مفسر میں **ینبغی** کے معنی **یمکن** کے ہیں نبی کے لئے دعوت الوہیت ممکن نہیں ہے لفظ **ینبغی** یا تو لفظ **کان** کی تفسیر ہے یا **کان** کی خبر کے متعلق محذوف کا بیان ہے **ولکن** کے بعد **یقول** نکال کر تقدیر عبارت کی طرف اشارہ کردیا ای **ولکن یقول کونوا الخ**

ربانی اس میں دو قول ہیں (۱) یہ لفظ عربی ہے سریانی نہیں ہے منسوب الی الرب جیسے **الٰھی** منسوب الی الالٰہ الف نون مبالغہ کے لئے اضافہ کردیا جیسے **لحیانی کثیر اللحیہ** کو کہتے ہیں۔ **رقبانی** موٹی گردن کو کہتے ہیں **شعرانی** لمبے گھنے بال، بلا مبالغہ اگر کہنا ہو تو **رقبی لحمی شعری** کہتے ہیں۔ (۲) اس لفظ کو منسوب الی الربان مانا جائے اور ربان کے معنی معلم الخیر کے ہیں۔ الف نون اس صورت میں مبالغہ فی الوصف کے لئے ہوگا۔ جیسے **عطشان ریان** یہ نسبت مبالغہ فی الوصف کے لئے ہوگی جیسے **احمری تعلمون** ابن کثیر ابو عمر نافع تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ **تعلمون** بمعنی **عالمون** اور باقی قراء بالتشدید پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں مفعول ثانی محذوف ہوگا۔ ای **کنتم تعلمون الناس الکتاب**. **ولا یامرکم** ابو عمرؒ، ابن کثیرؒ ونافعؒ کی رفع کے ساتھ استینافیہ ہے ابتداء کلام کے لئے ہے **یامرکم** کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہوگی اور نصب کی صورت میں **یقول** پر عطف ہوگا۔ ضمیر اللہ کی طرف یا بشر کی طرف راجع

ہے۔ تعلیم کو دراست پر مقدم کرنا شرف کی طرف مشیر ہے یا اول کام رؤسائے یہود کا اور دوسرا کم درجہ لوگوں کا ہے۔

الصائبة یہود کا ایک فرقہ ہے جو دین موسوی سے پھر گئے تھے اور فرشتوں کو بنات اللہ سمجھ کر قابل پرستش مانتے تھے۔

لاینبغی جلال محقق نے استفہام انکاری ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے دوسروں کی حالت سامنے رکھ کر مسلمان پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ **میثاق النبیین** یہ عہد انبیاء علیہم السلام سے بنفس نفیس لیا گیا تھا۔ یا مراد ان کی اولاد بنی اسرائیل ہے۔ **بحذف المضاف لما** اکثر قراء کے نزدیک بفتح اللام ہے۔ ابتداء کے لئے جس میں تاکیدی معنی ہیں اس قسم کے لئے جو لفظ میثاق سے ماخوذ ہے **ما** موصولہ یا متضمن معنی شرط بھی ہوسکتا ہے اور **لتؤمنن** جواب قسم اور جواب شرط دونوں کے قائمقام ہے۔

اتیتکم کے بعد مفسر علام نے ایاہ نکال کر اشارہ کر دیا ہے کہ عائد موصول محذوف ہے۔ **من الکتاب** اشارہ اس طرف ہے کہ اسم ظاہر قائم مقام ضمیر کے لایا گیا ہے اور عائد کو محذوف بھی مانا جا سکتا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **ثم جاء کم رسول جواب القسم** یعنی جو قسم لفظ میثاق کے ضمن میں پائی گئی ہے۔ اصری اصر کے معنی قاموس میں عہد گناہ، بوجھ کے لکھے گئے ہیں۔ **سمی العهد اصرا لانه یو صرای یشد** مضموم ومفتوح دونوں طرح آتا ہے۔

اقررنا یہ سوال مقدر کا جواب ہے تقدیر عبارت اس طرح تھی۔ **ماذا قالوا حینئذٍ** حق تعالیٰ کو اگرچہ یہ معلوم تھا کہ آنحضرت ﷺ کا زمانہ ان انبیاءؑ کو نہیں مل سکتا تاہم معاہدہ کا فائدہ عزم ایمان واطاعت پر ثواب کا ترتب اور دونوں کا عدم عزم عقاب کا ترتب تھا۔

ربط:............ آیاتِ گذشتہ میں اہل کتاب کے غلط اقوال کی تردید تھی **ماکان** الخ میں ان کے ایک لغو اعتراض کا ابطال اہل وفدِ نجران کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے جب ان کو دعوت اسلام پیش کی تو ابورافع قرظی یہودی نے فوراً کہا آپ ﷺ کیا یہ جانتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی اسی طرح بندگی کریں جس طرح عیسیٰؑ کی پرستش نصرانی کیا کرتے ہیں اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ آگے آیت **واذ اخذاللہ** میں تمام سابقین کی جانب سے اسلام کی توثیق اور آنحضرت ﷺ کی نبوت واطاعت کی تصدیق نقل کی جا رہی ہے۔

شانِ نزول:............ ایک روایت تو ابھی مذکور ہو چکی ہے دوسری روایت لباب النقول میں نقل کی گئی ہے۔ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم حضورؐ کو بھی عام طریقہ کے ساتھ سلام کرتے ہیں اگر اجازت ہو تو آپ ﷺ کو سجدۂ تعظیمی کر لیا کریں؟ آپ ﷺ نے منع فرما دیا اور کہا **لکن اکر موا بینکم واعرفوا الحق لاهله** باقی سجدہ اللہ کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں ہے اس پر آیت **ماکان لبشر** الخ نازل ہوئی۔ روح المعانی میں حضرت علیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدمؑ سے لیکر نیچے تک اللہ نے ہر نبی سے آنحضرت ﷺ کے بارے میں عہد لیا ہے کہ **لئن بعث وھو حیٌ لیؤمنن به ولینصرنه** اور پھر انبیاءؑ اپنی امتوں سے یہ عہد لیتے تھے پھر حضرت علیؓ نے آیت **واذ اخذ اللہ** الخ تلاوت کی۔

﴿تشریح﴾:...... **علماء ومشائخ سوء کی خدائی:**............ علماء ومشائخ اہل کتاب نے عوام الناس کو اپنا غلام سمجھ رکھا تھا۔ اور بجائے ہدایت کے ان پر خدائی کرنے لگے تھے۔ عوام یہ سمجھتے تھے کہ نیک وبد، حلال وحرام، جنت ودوزخ کا تمام اختیار ان ہی کے قبضہ میں ہے حالانکہ کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے احکام کی جگہ انسان کے گھڑے ہوئے قوانین کی پابندی کرے۔ اللہ نے اگر اپنے کسی بندے کو کتاب نبوت عطا فرما دی تو اس لئے کہ احکام الٰہی کی طرف لوگوں کو دعوت دے اس لئے نہیں کہ اپنی بندگی کرائے۔

ممکن ہے کہ یہ معترض عبادت واطاعت میں براہ عناد فرق نہ کرتا ہو اس لئے اعتراض کر دیا۔ جواب میں اس کی تصریح فرما دی کہ نبی سے عبادت غیر اللہ کا حکم محال ہے البتہ اطاعت کی بات دوسری ہے۔ دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اہل علم کے لئے موحد ہونے

کی علت درس وتعلیم کتاب کو فرمایا لیکن یہ علت محض مقتضی ہے شرط نہیں ہے اور عوام میں دوسرا مقتضی یعنی علم کا موجود ہونا ہے البتہ درس و تعلیم کی تخصیص اقتضائے مقام کی وجہ سے ہے کہ مخاطب اہل علم میں سے تھا۔ دوسرے یہ کہ عوام خواص ہی کے مقلد ہوتے ہیں اس لئے جو مقتضی خواص کے لئے ہوگا وہ عوام کے لئے بھی ضروری ہوگا اور انبیاءؑ وملائکہ کے ملانے سے مقام کی تاکید مزید ہوگئی کہ اس میں کسی کو کوئی تخصیص نہیں ہے نیز دوسرے مشرکین پر بھی تعریض ہوگئی کہ کسی کا عقیدہ درست اور تعلیم نبوت کے موافق نہیں ہے اور چونکہ مخاطب یہود ہیں اس لئے اسلام سے مراد حقیقی اسلام نہیں بلکہ وہ مدعی توحید تھے اس لئے لغۃً اسلام کہہ دیا۔ عام اس سے کہ معترض فی الواقع مسلمان ہو یا نرے زعم میں مبتلا ہو۔

تمام انبیاءؑ کی دعوت اور طریق کار ایک ہی تھا:............ واذ اخذ اللہ الخ میں یہ بتلانا ہے کہ تم اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت کرتے پھرتے ہو حالانکہ ان کی افضلیت کا حال یہ ہے کہ تمام انبیاءؑ اور ان کی امتوں سے ان کو سچا ماننے اور ان کی تائید و نصرت کا عہد لیا گیا تھا پھر تم کس شمار میں ہو۔ اس لحاظ سے انبیائے کرامؑ کا ملتِ اسلام پر ہونا ثابت ہوگیا کیونکہ اب وہ اطاعتِ حق منحصر ہے آنحضرت ﷺ کے اتباع میں آپ کی شریعت کے ناسخ الشرائع ہونے کی وجہ سے۔ اس لئے تم لوگوں کا انکار یقیناً احکام الٰہیہ کی اطاعت کے منافی ہے کیونکہ اب اسلام کا اطلاق صرف آنحضرت ﷺ کی شریعت پر ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کی افضلیت:............ مسلمانوں کا اجماعی متفقہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں۔ اور علمائے عقائد اس عقیدہ کو احادیثِ کثیرہ اور آیت کنتم خیر امۃ الخ سے ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ کسی امت کی خیریت ثابت نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ اس کا نبی خیریت پر نہ ہو۔ پس جب آپ ﷺ کی امت اور آپ کی کتاب تمام امتوں اور کتابوں سے بہتر ہیں تو آپ ﷺ کی افضلیت کیسے ثابت نہیں ہوگی۔ تاہم اس آیت کنتم الخ سے صراحۃً افضلیت ثابت نہیں ہو رہی ہے بلکہ التزاماً افضلیت ثابت ہو رہی ہے لیکن آیت واذ اخذ اللہ الخ سے صراحۃً افضلیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ سب سے میثاق واقرار کا لینا اور آپ کا خاتم النبیین ہوکر سب کے لئے مصدق بننا اس سے ثابت ہوتا ہے اور جب انبیاءؑ سے قول وقرار ہوگا تو ان کے اتباع اور امتی بدرجۂ اولیٰ اس خطاب کے مکلف ہوئے ہوں گے۔ البتہ متکلمین کو اس آیت سے استدلال کرنے میں شاید اس لئے تامل ہوا ہو کہ اس آیت میں دوسرے معنی کا احتمال بھی ہے کہ "اخذ میثاق" انبیاء سے نہ ہوا ہو بلکہ ان کے متبعین اولاد بنی اسرائیل سے ہوا ہو۔ اور عبارت بتقدیر المضاف اس طرح ہو "واذ اخذ اللہ اولاد النبین" جیسا کہ اگلا جملہ "فمن تولی بعد ذلک فاولئک هم الفاسقون" بھی اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ فسق انبیاءؑ سے نہیں ہوسکتا۔ اعراض اور فساق ان کی اولاد بنی اسرائیل ہی سے ہوا ہے۔ اور لفظ نبیین سے ان کو تعبیر کرنا تحکما ہے کہ وہ خود کو نحن اولی بالنبوۃ من محمد کہا کرتے تھے نیز یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں میثاق من النبیین مراد نہ ہو میثاق النبیین من غیر هم مراد ہو علاوہ ازیں جس طرح آنحضرت ﷺ کے بارہ میں دوسرے تمام انبیاءؑ سے قول وقرار لیا گیا ہے اسی طرح آپ ﷺ کو بھی سب کا مصداق قرار دیا گیا ہے گویا آپ سے بھی میثاق لیا گیا ہے اور غرض جانبین کے قول وقرار کی اس گروہ کا باہم شیر وشکر ہونا اور ایک دوسرے کے ساتھ عداوت ودشمنی نہ رکھنا ہے چنانچہ آیت واذ اخذنا من النبیین میثاقهم ومنک ومن نوح الخ سے یہ مدعا پوری طرح واضح ہے۔

اللہ کی طرف سے بندوں سے تین عہد:............ اسی لئے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ تین عہد لئے گئے ہیں۔ ایک عہد ربوبیت ہے جو تمام اولاد آدم کو عام ہے سورۂ اعراف کی آیت واذ اخذ ربک الخ میں اس کا تذکرہ ہے دوسرا عہد نبوت ہے کہ تمام

انبیاء سے اقامتِ دین اور بغیر تفریق خدمتِ دین کالیا گیا ہے۔ تیسرا عہد علماء سے لیا گیا ہے کہ کتمان حق کی بجائے اظہار حق اور اعلاء کلمۃ اللہ کریں "وینقضون عهد الله من بعد ميثاقه" میں اسی طرف اشارہ ہے غرضکہ ان وجوہ سے احتجاج میں قطعیت نہیں رہی اس لئے شاید علماء نے آنحضرت ﷺ کی افضلیت کے لئے دوسرے دلائل کی طرف رجوع کیا ہے۔

فانک شمسی والملوک کواکب اذا طلعت لم یبد منهن کوکب

انبیاء کرام سے عہد کالیا جانا تو صراحۃً قرآن کی اس آیت میں مذکور ہے۔ البتہ ان کی امتوں سے یا تو ان کے ساتھ اسی وقت لیا گیا ہوگا انبیاء علیہم السلام کے توسط سے لیا گیا ہوگا باقی متبوع کے ذکر کے بعد تابع کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی ہوگی۔ یہ عہد یا تو عالم ارواح میں "عہد الست" کی طرح لیا گیا ہوگا یا پھر دنیا ہی میں بواسطہ وحی لیا گیا ہوگا۔ اور اہل کتاب کو اتمام حجت کے لئے یہ سب سنایا جا رہا ہے۔ تمام انبیاء اصحاب علم تو تھے لیکن بعض اصالۃً صاحب کتاب نہیں تھے اس لئے یہاں کتاب اور حکمت دو لفظ اختیار کئے گئے ہیں تا کہ سب کو شامل ہو جائے اور کتاب کو اگر عام رکھا جائے اصالۃً یا نیابۃً تب بھی سب انبیاءؑ اور دلائل و پیغامات کا تسلسل قائم رکھا گیا ہے البتہ اس عہد سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ جس طرح بھولا ہوا سبق یاد آ جاتا ہے اسی طرح انبیاءؑ کی یہ دعوت عقول سلیمہ کے نزدیک غیر مانوس نہیں معلوم ہوتی بلکہ فطری تعلیم معلوم ہوتی ہے۔

ربانی کس کو کہتے ہیں؟:............ میں ارباب الحق کے علوم واعمال واحوال خاصہ اور ان کے طریق کے دوسروں پر فائض کرنے کی تصریح ہے چنانچہ حضرت علیؓ وابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ربانی فقیہ عالم ہے اور قتادہؒ وسدیؒ عالم حکیم کو۔ اور ابن جبیر حکیم متقی کو کہتے ہیں۔ ابن زید دینی تدبیر کرنے والے کو، اور شیخ شبلی علوم خاصہ حق تعالیٰ سے اخذ کرنیوالے کو کسی بات میں بھی غیر حق کی طرف متوجہ نہ ہوتا ہو ربانی کا مقداق مانتے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ جو اپنے رب پر کسی کو ترجیح نہ دیتا ہو اور قاسمؒ فرماتے ہیں جو علم وعمل میں اخلاق ربانیہ سے متصف ہو اور بعض کے نزدیک جو اپنے شہود سے اس کے وجود میں محو ہو جائے اور بعض کے نزدیک جس پر حوادث موثر نہ ہوں غرضکہ یہ سب ایک ہی گھاٹ کے پینے والے حضرات ہیں۔

ولا یامر کم اس میں ان لوگوں پر رد ہے جو مشائخ کی تعظیم میں خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات یافتہ ہوں حد سے زیادہ غلو کرتے ہیں۔

واذا اخذ الله سے معلوم ہوا کہ کسی مقتداء سے علم وعمل میں اگر کوئی دوسرا فائق یا مساوی ہو تو اس سے اس مقتداء کو عار اور استنکاف نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام نبی ایک ہی دین کے داعی تھے۔ اور جب اللہ کا دین ایک ہی ہے اور تمام رہنما ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں تو جو کوئی ان میں تفریق کرتا ہے ایک کو مانتا ہے اور دوسرے کو جھٹلاتا ہے وہ دراصل پورے سلسلۂ ہدایت ہی کا منکر ہے۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ بِالْيَاءِ اَیِ الْمُتَوَلُّوْنَ وَالتَّاءِ **وَلَهٗ اَسْلَمَ** اِنْقَادَ **مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا** بِلَا اِبَاءٍ **وَّكَرْهًا** بِالسَّيْفِ وَمُعَايَنَةِ مَا يُلْجِئُ اِلَيْهِ **وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ **قُلْ** لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ **اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ** اَوْلَادِهِ **وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ** بِالتَّصْدِيْقِ وَالتَّكْذِيْبِ **وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾** مُخْلِصُوْنَ فِی الْعِبَادَةِ وَنَزَلَ فِيْمَنِ ارْتَدَّ وَلَحِقَ بِالْكُفَّارِ **وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾** لِمَصِيْرِهٖ اِلَى النَّارِ

الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِ كَيْفَ اَیْ لَا يَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَیْ وَشَهَادَتِهِمْ اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ قَدْ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ اَلْحُجَجُ الظَّاهِرَاتُ عَلٰى صِدْقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اَلْكَافِرِيْنَ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ اَیِ اللَّعْنَةِ اَوِ النَّارِ الْمَدْلُوْلِ بِهَا عَلَيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ يُمْهَلُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۫ عَمَلَهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لَهُمْ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ بِهِمْ وَنَزَلَ فِی الْيَهُوْدِ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعِيْسٰى بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ بِمُوْسٰى ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا بِمُحَمَّدٍ لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ اِذَا غَرْغَرُوْا اَوْ مَاتُوْا كُفَّارًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ مِقْدَارُ مَا يَمْلَؤُهَا ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُدْخِلَ الْفَاءُ فِیْ خَبَرِ اِنَّ لِشِبْهِ الَّذِيْنَ بِالشَّرْطِ وَاِيْذَانًا بِتَسَبُّبِ عَدَمِ الْقُبُوْلِ عَنِ الْمَوْتِ عَلَى الْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ مُؤْلِمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ مَانِعِيْنَ مِنْهُ

ع ۹ / ۱۱ / ۱۷

ترجمہ:............ پھر کیا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کا دین چھوڑ کر کوئی دوسری راہ ڈھونڈ نکالیں (یبغون یا کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی متولون بمعنی اعراض کرنے والے۔ اور تا کے ساتھ بھی ہے) حالانکہ سب اس کے حکم کے فرمانبردار ہیں (مطیع) ہیں آسمان وزمین میں جو کچھ بھی موجود ہے خوشی سے (بلا انکار) ہو یا ناخوشی سے (تلوار یا دوسری مجبور کن چیزوں کو دیکھ کر) بالآخر سب اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں (تا اور یا کے ساتھ ہے اور ہمزہ انکار کے لئے ہے) تم کہہ دو (ان سے اے محمدؐ) ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، اولاد یعقوبؑ، پر نازل ہوا اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیز جو کچھ موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو خدا کے تمام نبیوں کو اللہ کی طرف سے ملا ہے اس سب پر ایمان لائے ہیں ہم ان رسولوں میں سے کسی ایک کو بھی دوسرے سے جدا نہیں کرتے (کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں) ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں (اخلاص کے ساتھ عبادت گذار ہیں) جو لوگ مرتد ہو گئے اور کفار سے مل گئے ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی کہ) اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کا خواہشمند ہوگا تو وہ کبھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور آخرت کے دن اس کی جگہ ان لوگوں میں ہوگی جو تباہ و نامراد ہوں گے (کیونکہ اس کا ٹھکانہ بدی جہنم کی طرف ہوگا) یہ کس طرح ہو سکتا ہے (یعنی نہیں ہو سکتا) کہ اللہ ایسے گروہ پر کامیابی کی راہ کھول دے جس نے ایمان کے بعد کفر کی راہ اختیار کر لی۔ حالانکہ اس نے گواہی دی تھی (یعنی ان کی گواہی یہ تھی) کہ اللہ کا رسول برحق ہے درانحالیکہ روشن دلیلیں (نبی کریم ﷺ کی صداقت پر واضح حجتیں) اس کے سامنے آ چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والے گروہ (کافروں) پر سعادت کی راہ نہیں کھولا کرتا۔ ان لوگوں کو جو بدلہ ملنے والا ہے تو تو یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی، انسانوں کی، سب ہی کی لعنت برس رہی ہے۔ ہمیشہ گرفتار رہیں گے اس (لعنت یا آگ میں جو لعنت کا مدلول ہوگی) نہ تو کبھی ان کا عذاب کم ہوگا نہ کبھی مہلت (ڈھیل) پائیں گے ہاں جن لوگوں نے اس حالت کے بعد بھی توبہ کر لی اور اپنے کو سنوار لیا (عمل ٹھیک کر لیئے) تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان کو) بخشنے والے (ان پر) رحم فرمانیوالے ہیں (یہود کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی) جن لوگوں نے کفر کیا (حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ، حضرت موسیٰؑ پر) ایمان لانے کے بعد اور اپنے کفر میں بڑھتے ہی رہے (آنحضرت ﷺ کے ساتھ

کفر کر کے) تو ایسے لوگوں کی پشیمانی ہرگز قبول نہیں کی جائے گی (جبکہ ان کی حالت غرغرہ کی ہو یا کفر پر مر جائیں) اور یہی لوگ ہیں جو راہ سے بھٹک گئے ہیں۔ جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی اور مرتے دم تک کفر پر جمے رہے تو یاد رکھو کفر اور بد عملی کے بدلے کوئی معاوضہ اگر چہ پورا کرۂ ارضی (یعنی زمین بھر مقدار) بھی سونے سے بھر کر کوئی دیدی تب بھی قبول نہیں کیا جائیگا (انّ کی خبر پر فا داخل کیا گیا کیونکہ الـذیـن مشابہ بالشرط ہے اور تنبیہ کرنا ہے کہ عدم قبولیت کا سبب موت علی الکفر ہے) یہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہے اور کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا کہ عذاب سے ان کو بچالے)

تحقیق وترکیب:

.... یبغون بغیة بمعنی طالب۔ طوعًا و کرھًا منصوب علی الحال ہے ای طائعین ومکرھین۔ معاینة ما یلجی الیه یعنی زبردستی کی اور مجبور کن باتیں مثلاً فرعون کو غرق کرنا، یا کوہ طور کو سر پر مسلط کر دینا وغیرہ افغیر میں ہمزہ انکاری ہے اس کا مدخول لفظ یبغون ہے۔ تقدیر اس طرح ہے ایبغون غیر دین الله کیونکہ......... دراصل افعال وحوادث ہی سے ہوا کرتا ہے۔ غیر دین الله مفعول کو فعل یبغون پر اہتماماً مقدم کر دیا گیا ہے اور ہمزہ کو اسی پر داخل کر دیا گیا ہے دِینا اس میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) دین کو فعل یبتغ کا مفعول اور "غیر الاسلام" کو حال مانا جائے جو اگر چہ اصل میں صفت تھی لیکن مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب علی الحال کر لیا۔ (۲) دین کو لفظ غیر مبہم ہونے کی وجہ سے تمیز مانا جائے۔ (۳) دین کو لفظ غیر سے بدل مانا جائے۔

کیف یھدی یہ تعبیر بطریق بعید ہے جیسے کہا جائے کیف اھدیک الی الطریق وقد ترکته یعنی ان کے لئے کوئی طریق ہدایت نہیں بجز اس کے جو ان کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ کیونکہ جحود عن الحق کے بعد گمراہی میں انہماک اور ہدایت سے دوری ہو جاتی ہے نیز تعجب تعظیم وتوبیخ کے لئے بھی مانا جا سکتا ہے۔ جلال محقق نے لا مقدر کر کے استفہام انکاری ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

وشھدوا اس کے بعد وشھادتھم مقدر کر کے اشارہ اس طرف ہے کہ یہ فعل معنی میں اسم کے ہے تا کہ اس کا عطف ایمان پر ہو سکے اگر چہ اس کو علی حالہ رکھ کر معنی فعل جو ایمانھم سے مفہوم ہیں ان پر بھی عطف کیا جا سکتا ہے نظیر اس کی "فاصدق واکن" ہے یا قد مضمر کر کے حال بھی بنایا جا سکتا ہے۔

وجاء ھم البینات کے درمیان لفظ قد مقدر کر کے اس کی حالت کی طرف اشارہ کر دیا۔ اولئك لفظ والله لایھدی الخ جملہ معترضہ ہے۔ اولئك مبتداء جزائھم مبتدائے ثانی ہے۔ ان علیھم مبتدائے ثانی کی خبر اور یہ دونوں مل کر خبر ہے مبتداء اول کی اجمعین یہ تاکید ہے تمام معطوفات کی صرف الناس کی تاکید نہیں ہے۔

المدلول بھا علیھا بھا کی ضمیر کا مرجع لعنة اور علیھا کا مرجع النار ہے الا الذین جیسے حارث بن سویدؓ کہ اولاً مرتد ہو گئے تھے اور مکہ میں کفار سے جا ملے تھے۔ لیکن بعد میں اللہ نے ہدایت دی تو اپنے بھائی کو مدینہ طیبہ آپ کی خدمت میں بھیج کر دریافت کرایا کہ کیا آپ مجھ کو دوبارہ غلامی میں قبول کر سکتے ہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی چنانچہ پھر صادق الاسلام ہو گئے۔

اذا غرغروا یہ کافر کے حق میں ہے لیکن عاصی کی توبہ اس حالت غرغرہ میں قبول ہو جاتی ہے۔ لشبه الذین یہ بطور حکایت بالمعنی کے مفسر نے کہہ یا ورنہ مذکور الا الذین ہے مگر مقصد ایک ہی ہے ایذانا یعنی کفر فی نفسہ عدم قبول توبہ کا سبب نہیں ہے بلکہ کفر اور موت علی الکفر دونوں کا مجموعہ سبب ہے۔

ربط:

.... آیات گذشتہ میں اسلام کے متعلق ایفائے عہد وعدہ کا وجوب اور اس کے توڑنے کی حرمت بیان کی گئی تھی۔ ان آیات میں اس نقض پر زجر وتوبیخ ہے آیت قل امنا میں حقانیت اسلام کا خلاصہ اور ماحصل بیان کرنے کا حکم ہے اور آیت ومن یبتغ میں اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کا نامعقول ہونا ظاہر کر دیا ہے اور آیت کیف یھدی الله میں اسلام سے پھرنے والوں کا بیان ہے

خواہ وہ بعد تک مرتد رہے ہوں یا پھر دوبارہ انہیں توفیق ہدایت مل گئی ہو، آگے دونوں کا بیان ہے۔

شانِ نزول:............ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری مسلمان ہو کر مرتد ہو گئے لیکن پھر ندامت ہوئی تو آپ ﷺ سے دریافت کرایا کہ آیا میری یہ توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس پر آیت کیف یھدی اللہ نازل ہوئی۔ چنانچہ وہ پھر مسلمان ہو گئے۔ اور تفسیر کی روایت ابن عباسؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً دس آدمی اسی طرح کے تھے جن کے باب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ...... سچائی کی راہ:............ آسمان وزمین میں جس قدر مخلوق ہے سب قوانین الٰہی کی اطاعت کر رہی ہے پھر کیا تمہیں اس راہ پر چلنے سے انکار ہے، جس پر تمام کارخانۂ ہستی چل رہا ہے۔ نوعِ انسان کے لئے اسلام کی ہدایت ایک عالمگیر راہ ہے مگر لوگوں نے اسے چھوڑ کر اپنی الگ الگ ٹکڑیاں کر لی ہیں ہر گروہ دوسرے گروہ کو جھٹلا رہا ہے لیکن قرآن کہتا ہے کہ سچائی کی راہ یہ ہے کہ تمام رہنمایانِ عالم اور پیشوایانِ مذہب کا یکساں طور پر احترام وتصدیق کرو، سب کی متفقہ مشترکہ تعلیم کو دستور العمل بناؤ۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل:............ اللہ تعالیٰ کے احکام تکوینیہ جو ہمارے اختیار سے باہر ہیں جیسے مارنا، بیمار کرنا وغیرہ ان میں تو ظاہر ہے کہ سارا عالم مسخر ہے، اور کرھاً کے یہی معنی ہیں لیکن بہت سی مخلوق احکام تشریعیہ کی بھی پابند ہے جو ہمارے اختیار میں ہے۔ جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ اور طوعاً سے یہی مراد ہے غرضکہ تکوینیات کے تو سب پابند ہیں۔ البتہ شرعیات کے بھی پابند ہیں جس سے حاکم کی عظمت واضح ہے بعض انسان جو شرعیات میں خلاف کرتے ہیں تو کیا ان کے نزدیک اللہ سے زیادہ عظمت دوسری اور کوئی ذات ہے جس کی یہ اطاعت کریں گے؟

ایسے لوگوں کی اصلاح وہدایت کی دوبارہ کیا امید ہو سکتی ہے جنہوں نے دینِ حق کی ہدایت پا کر دیدہ ودانستہ راہِ حق سے منہ موڑ لیا اور سچائی کی کوئی دلیل بھی ان کے لئے عبرت وبصیرت کا سامان نہ بن سکی ہو اور جو آج بھی محض ضد اور عناد سے دعوتِ حق کا معاندانہ مقابلہ کر رہے ہیں ایسے لوگوں کے لئے تو دنیا میں ذلت ورسوائی اور آخرت میں دائمی عذاب کے سوا اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ مرتد ہونے والوں کو خود کو ہدایت یافتہ سمجھنا اور کہنا ایسا ہی ہے جیسے مریض یرقان میں سفید چیزوں کو زرد کہنے لگے یا مارگزیدہ نیم کے پتوں کو میٹھا بتلانے لگے۔ اس سے کہیں نفس الامر یا حقیقت واقعہ بدل سکتی ہے؟

قانونِ مکافات:............ قانون مکافات کا لازمی نتیجہ جزا ہے یعنی اچھائی برائی دونوں حالتوں کا ایک ثمرہ اور بدلہ ہے جو لازمی مل کر رہتا ہے لیکن آخرت کا حال دنیا کی طرح نہیں کہ یہاں مجرم مختلف ترکیبوں سے بچ سکتا ہے۔ مگر خدا کے یہاں ایک چھوٹے سے چھوٹے گناہ کا بدلہ پورا کرۂ ارضی سونے سے بھر کر دیدیا جائے جب بھی مجرم اس کی پاداش سے خود کو نہیں بچا سکے گا۔ ہاں سچی توبہ کا صاف وشفاف پانی ایسا ہے جو تمام گناہوں کے داغ دھبوں کو مٹا کر صاف کر دیتا ہے۔ اور حقیقی توبہ بجز اسلام قبول کئے ممکن نہیں اس لئے بغیر اسلام قبول کئے مرتد یا کافر کا توبہ کرنا کوئی وزن نہیں رکھتا۔ ازدیادِ کفر سے مراد دوامِ کفر یعنی موت علی الکفر ہے۔ چنانچہ آیت ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار میں اس کی تصریح بھی کر دی گئی ہے۔

غرض اس آیت سے یہ تین نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ ولو افتدی کا عنوان مبالغہ کا فائدہ دے رہا ہے حاصل یہ ہے کہ اس مالی فدیہ کا اقرب طریق یعنی خود سے مال دینا بھی کارآمد نہیں ہوگا چہ جائیکہ طریق بعید بلکہ ابعد کہ مجرم خود دینا نہ چاہے۔ بدون، اس کی رضامندی زبردستی اس سے وصول کر لیا جائے جس میں کوئی دلیلِ معذرت بھی نہیں ہے وہ کیا نافع اور مفید ہو سکتا ہے؟ اور ملء الارض فرمانا ایسا ہی

ہے جیسے دوسری جگہ ولو ان للذین ظلموا مافی الارض الخ یعنی مبالغہ کے لئے ایسا فرض کرلیا جائے اس کا واقع ہونا ضروری نہیں ہے۔ کہ اعتراض کا موقع نکالا جائے۔

لطائف:............ومن یبتغ غیر الاسلام سے بعض لوگوں نے اسلام وایمان کے اتحاد پر استدلال کیا ہے کیونکہ اگر دونوں کو غیر مانا جائے تو ایمان کا نامقبول ہونا لازم آتا ہے جو باطل ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں آیت میں غیر سے مراد معارض اسلام ہے۔ مطلقاً مفہوم یا مصداق کے لحاظ سے غیر مراد نہیں ورنہ نماز روزہ بھی ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے فی الجملہ اسلام کا غیر ہیں چاہئے کہ یہ اعمال بھی نامقبول ہوجائیں، اس لئے اسلام وایمان میں اتحاد ثابت نہیں ہوا۔

ولہ اسلم الخ کے معنی میں کئی قول روح المعانی میں نقل کئے گئے ہیں مثلاً طوعاً اسلام سے مراد علمی اسلام ہے خواہ استدلال والا اسلام ہو جو انسانوں کو حاصل ہے اور یا علم غیر استدلال والا اسلام ہو جیسے ملائکہ کا ایمان ہے اور ''اسلام کرہا'' سے مراد وہ اسلام ہے جو تلوار یا دوسری مجبور کن چیزوں کے مشاہدہ اور معائنہ سے حاصل ہو۔ علیٰ ہذا بعض صوفیا سے منقول ہے کہ اسلام طوعاً وہ ہے کہ خدائی احکام کی تعمیل بلا مزاحمت نفسائی ہوجائے اور ''اسلام کرہا'' وہ اسلام ہے کہ جس میں نفسانی معارضہ اور وساوس شیطانی کی آمیزش کے ہوتے ہوئے بھی امتثال امر ہوتا رہے اول قسم کا ایمان بعض اہل اللہ اور ملائکۃ اللہ کو حاصل ہوتا ہے اور دوسری قسم وساوس میں گرفتار اشخاص کو حاصل ہے۔

ان الذین کفروا الخ سے معلوم ہوا کہ جو شخص اہل اللہ کے طریق کی طرف متوجہ ہوکر پھر اس کو معطل کردے یا انکار کی راہ سے اس سے منہ موڑلے تو اکثر پھر اس کو طریق ہدایت کی طرف عود کی توفیق نہیں رہتی بلکہ مخذول ہوجاتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات پھر اہل طریق سے عداوت ونفرت کی طرف منجر ہوکر دین کے ایک بڑے حصہ سے محروم ہوجاتا ہے۔

الحمدللہ تیسرے پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی

پارہ نمبر ﴿۴﴾
لَنْ تَنَالُوا

لَنْ تَنَالُوْا

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ اَیْ ثَوَابَهٗ وَهُوَ الْجَنَّةُ حَتّٰى تُنْفِقُوْا تُصَدِّقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵ۭ مِنْ اَمْوَالِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾ فَيُجَازِیْ عَلَيْهِ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ الْيَهُوْدُ اِنَّكَ تَزْعَمُ اَنَّكَ عَلٰى مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ وَكَانَ لَايَاْكُلُ لُحُوْمَ الْاِبِلِ وَاَلْبَانِهَا كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا حَلَا لًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِلَّا مَاحَرَّمَ اِسْرَآءِ يْلُ يَعْقُوْبُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَهُوَالْاِبِلُ لَمَّا حَصَلَ لَهٗ عِرْقُ النَّسَا بِالْفَتْحِ وَالْقَصْرِ فَنَذَرَاِنْ شَفٰى لَا يَاْكُلُهَا فَحُرِمَ عَلَيْهِ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ وَذٰلِكَ بَعْدَ اِبْرَاهِيْمَ وَلَمْ تَكُنْ عَلٰى عَهْدِهٖ حَرَامًا كَمَازَعَمُوْا قُلْ لَهُمْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ لِيَتَبَيَّنَ صِدْقُ قَوْلِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ فِيْهِ فَبُهِتُوْا وَلَمْ يَاْتُوْا بِهَا قَالَ تَعَالٰى فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اَیْ ظُهُوْرِ الْحُجَّةِ بِاَنَّ التَّحْرِيْمَ اِنَّمَا كَانَ مِنْ جِهَةِ يَعْقُوْبَ لَا عَلٰى عَهْدِ اِبْرَاهِيْمَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ اَلْمُتَجَاوِزُوْنَ الْحَقَّ اِلَى الْبَاطِلِ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ فِیْ هٰذَا اَكَجَمِيْعِ مَااُخْبِرَ بِهٖ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ الَّتِیْ اَنَا عَلَيْهَا حَنِيْفًا ۭ مَائِلًا عَنْ كُلِّ دِيْنٍ اِلٰى دِيْنِ الْاِسْلَامِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

ترجمہ:...... تم نیکی کا درجہ کبھی حاصل نہیں کر سکتے (نیکی کا اجر جس سے مراد جنت ہے) جب تک تم میں یہ بات پیدا نہ ہو جائے کہ تم خرچ کرو (خیرات کرو) جو کچھ محبوب رکھتے ہو (اپنے مال و دولت میں سے) اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے (لہٰذا وہ اس پر تم کو بدلہ دیں گے۔ یہود نے جب آپؐ پر یہ اعتراض کیا کہ آپؐ دعویٰ کرتے ہیں ملت ابراہیمی کا۔ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ اونٹ کا گوشت استعمال فرماتے تھے اور نہ اس کا دودھ۔ تب یہ آیت نازل ہوئی) کھانے کی تمام چیزیں بنی اسرائیل کے لئے بھی حلال تھیں۔ ہاں وہ چیزیں جو اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے اپنے اوپر حرام ٹھہرا لی تھیں (مراد اونٹ ہے۔ جب عرق النساء (بفتح النون وقصر الالف) کا مرض ان کو ہوا تو انہوں نے نذر مان لی کہ خدایا اگر میں صحت یاب ہو جاؤں تو ان کو استعمال نہیں کروں گا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام پر وہ حرام ہو گئیں) تورات نازل ہونے سے پہلے (اور یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہوا۔ ان کے عہد میں یہود کے گمان کے مطابق کوئی چیز حرام نہیں تھی۔ کہہ دیجئے آپؐ (ان سے) تورات لے آؤ اور اس کو پڑھو (تاکہ اس سے تمہارے قول کی صداقت واضح ہو جائے) اگر تم لوگ سچے ہو (اس بیان میں یہ سن کر یہود مبہوت ہو گئے اور تورات نہ لا سکے۔ حق تعالیٰ

ارشاد فرماتے ہیں) پھر جو کوئی اس کے بعد بھی غلط بیانی سے اللہ پر بہتان باندھے (یعنی ظہور حجت کے بعد بھی کہ تحریم حضرت یعقوب علیہ السلام کی جانب سے ہوئی ہے نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے) تو ایسے ہی لوگ واقعی مجرم ہیں (جو حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف پھلانگتے ہیں) کہہ دیجئے آپ (ﷺ) اللہ نے سچائی ظاہر کردی ہے (تمام باتوں کی طرح اس معاملہ میں بھی، پس ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کرو (جس طریقہ پر میں ہوں) جو ہر طرف سے ہٹ کر صرف اللہ ہی کا ہو رہتا ہے (تمام دینوں سے کٹ کر دین اسلام کی جانب مائل ہوتا ہے) اور یقیناً ابراہیمؑ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

تحقیق وترکیب:......... **تنالوا نالہ نیلاً** ۔ نیل بمعنی پانا۔ **البر** ۔ **الخیر** کافر کا صدقہ مقبول نہیں۔ کیونکہ قبولیت کے لئے اسلام شرط ہے۔ **مما تحبون** اس جملہ میں من تبعیضیہ ہے۔ اس کا مفعول شیئاً محذوف ہے اور بعض من بیانیہ کہتے ہیں چنانچہ حسنؒ سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص ایک ثمرہ بھی بوجہ اللہ خرچ کرے گا وہ بھی اس آیت کا مصداق ہوگا۔ نیز بعض قرأت میں لفظ "**بعض ماتحبون**" ہے معلوم ہوا کہ کل مال خیرات کرنا مناسب نہیں ہے اور واسطیؒ کا کہنا ہے کہ جو شخص "**وصول الی البر**" چاہے اس کو بعض پسندیدہ چیزوں کو قربان کرنا پڑے گا۔ لیکن اللہ کا وصول اگر مطلوب ہو تو "کونین" کو قربان کرنا پڑے گا۔ ابوبکر وراقؒ کہتے ہیں کہ وصول رب کے لئے برا خوان ضروری ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ گنے کی گنڈیریاں خرید کر خیرات کیا کرتے تھے۔ لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ پیسے کیوں خیرات نہیں کرتے؟ کہنے لگے جو چیز مجھے محبوب ہے اسی کو دینا چاہئے۔ غرضہ محبوب کی قربانی کے بغیر مطلوب حاصل نہیں ہوسکتا۔ **کل الطعام** اس سے مراد حقیقی عموم نہیں ہے بلکہ جن چیزوں کی حرمت کا انتساب یہود حضرت ابراہیمؑ کی طرف کر رہے تھے وہ اشیاء مراد ہیں اس لئے یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ میتہ اور خنزیر کی اباحت تو ثابت نہیں ہوئی۔

اسرائیل عبرانی زبان کے اس لفظ کے معنی عبداللہ کے ہیں۔ یہ آپ کا نام اور یعقوبؑ کا لقب تھا۔ عقب سے ماخوذ ہے دوسرے بھائیوں کے بعد ان کی ولادت ہوئی۔ چھوٹا بھائی ہونے کی وجہ سے یعقوب کہا گیا۔ جیکب انگریزی میں یعقوب کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ جوزف یوسف کو کہتے ہیں۔ عرق النساء پاؤں کی ایک خاص رگ کے درد کو کہتے ہیں۔ نسا۔ بروزن عصا۔ ران یا سرین کی رگ جو گھٹنے یا ٹخنے تک جاتی ہے **نسوان** تثنیہ ہے اور نسی رضی کے وزن پر ہے۔ بعض نے عرق کی اضافت نساء کی طرف اضافت عام الی الخاص کے قبیل سے جائز مانی ہے دونوں میں لفظی اختلاف اگرچہ ہے اور بعض نے اس اضافت کا انکار کیا ہے۔

فحرم علیہ اللہ نے ان پر اس نذر کی وجہ سے حرام کردیا یا خود انہوں نے ہی اپنے اوپر تحریم طاری کرلی۔ امام ترمذیؒ نے روایت نقل کی ہے کہ یہود نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے کن چیزوں کو اپنے اوپر حرام کیا اور کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ **اشتکی عرق النسا فلم یجد شیئاً یلائمہ الالحوم الابل والبانھا فلذا احرمھا** یہود نے سن کر آپ ﷺ کے بیان کی تصدیق کی۔

ربط:......... آیت گذشتہ میں کافروں کیلئے فدیہ کا نافع نہ ہونا بتلایا تھا۔ اب مسلمانوں کیلئے انفاق کا نافع ہونا **لن تنالوا** میں بتلاتے ہیں اور آیت **کل الطعام** میں یہود کے ایک محاجہ کا ذکر ہے جو درباره حضرت ابراہیمؑ واقع ہوا تھا۔

﴿تشریح﴾:......ثواب ہر صدقے کا ہے لیکن عمدہ چیز کا ثواب زیادہ ہے:...... حاصل یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک انفاقِ مالی بلا ایمان کے معتبر نہیں۔ ہاں ایمان کے ساتھ کارآمد ہے تھوڑے بہت ردی اعلیٰ ہر چیز کا ثواب ملتا ہے مگر کمال ثواب محبوب اور پسندیدہ اور پیاری چیز کو اللہ کی راہ میں دینے سے ہوتا ہے۔

یہود کی طرف سے دو اعتراض خصوصیت کے ساتھ کئے گئے تھے (۱) قرآن کی دعوت بھی اگر وہی ہے جو پچھلے نبیوں کی تھی تو قرآن نے بھی پھر ان تمام چیزوں کو حرام کیوں نہیں قرار دیدیا جو یہودیوں کے یہاں حرام سمجھی جاتی تھیں۔

(۲) قرآن کریم کا طریقہ اگر حضرت ابراہیمؑ اور انبیاءؑ کے راستہ سے مختلف نہیں ہے تو ''بیت المقدس'' کی جگہ جو متفقہ طور پر ''قبلہ انبیاء'' رہا ہے ''خانہ کعبہ'' کو کیوں قبلہ قرار دیا گیا؟

پہلے اعتراض کا جواب: .... یہاں ان دونوں باتوں کو صاف کیا جا رہا ہے۔ پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے ان چیزوں کو حلال سمجھا بجز اونٹ کے گوشت اور دودھ کے کہ وہ بھی حضرت یعقوب (اسرائیل) نے نذراً اپنے اوپر ممنوع کر لیا تھا۔ خدا نے حرام نہیں قرار دیا تھا البتہ تورات کے نازل ہونے کے بعد بعض چیزوں پر پابندی عائد کر دی گئی تھی نہ اس لئے کہ اصلاً وہ چیزیں حرام تھیں۔ بلکہ یہود کی بے لگام طبیعتوں کی روک تھام کے لئے اس قسم کی اصلاح ضروری سمجھی گئی۔ باقی نزول تورات سے پہلے جن چیزوں کو تم ممنوع سمجھتے ہو وہ خدا کی جانب سے ممنوع نہیں تھیں چنانچہ ''اسفار توراۃ'' اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ غرضکہ حضرت ابراہیمؑ کی طرف اس تحریم کا انتساب بالکل غلط ہے ہاں توراۃ کے بعد بمصالح بعض چیزیں حرام کی گئی ہیں جن کی قدرے تفصیل سورۂ انعام کی آیت **وعلی الذین هادوا حرمنا الخ** میں آئے گی۔

حضرت یعقوبؑ کی نذر: .... حضرت یعقوبؑ نے مرض عرق النساء کے سلسلہ میں جو ''احب طعام'' کی تحریم کی نذر مانی تھی۔ شفاء ہونے کے بعد اپنی مرغوب غذا اونٹ کے گوشت اور دودھ کو انہوں نے ترک فرما دیا اور یہ تحریم نذری وحی کے ذریعے سے ان کی اولاد بنی اسرائیل میں بھی رہی اور ان کی شریعت میں نذر سے تحریم ہو جاتی ہوگی۔ جس طرح ہماری شریعت میں نذر سے ایک مباح چیز واجب ہو جاتی ہے۔ تحریم کی نذر ہمارے یہاں جائز نہیں ہے بلکہ کسی نے اگر ایسی نذر کر لی تو ایسی قسم کو توڑ کر کفارہ دینا واجب ہو جاتا ہے۔ **یا ایها النبی لم تحرم ما احل الله** میں اس کا بیان آ جائے گا۔ (انشاء اللہ)

لن تنالوا البر الخ میں ایک مقدمہ تو یہ ہوا کہ محبوب چیز کے بغیر مطلوب بر حاصل نہیں ہوتا۔ دوسرا مقدمہ بدیہی یہ ہے کہ جان طبعاً انسان کو سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اپنی ہستی کو نذر کیئے بغیر محبوب حقیقی کا قرب ووصل میسر نہیں۔

کل الطعام سے معلوم ہوا کہ اہل محبت کو لذائذ نفس، مرغوب کھانے آخرت کی نعمتوں کے حصول کیلئے ترک کر دینے چاہئیں۔

وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوا قِبْلَتُنَا قَبْلَ قِبْلَتِكُمْ **اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ** مُتَعَبَّدًا **لِلنَّاسِ** فِي الْاَرْضِ **لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ** بِالْبَاءِ لُغَةٌ فِىْ مَكَّةَ سُمِّيَتْ بِذٰلِكَ لِاَنَّهَا تَبُكُّ اَعْنَاقَ الْجَبَابِرَةِ اَىْ تَدُقُّهَا بَنَاهُ الْمَلٰئِكَةُ قَبْلَ خَلْقِ اٰدَمَ وَوُضِعَ بَعْدَهُ الْاَقْصٰى وَبَيْنَهُمَا اَرْبَعُوْنَ سَنَةً كَمَا فِىْ حَدِيْثِ الصَّحِيْحَيْنِ وَفِىْ حَدِيْثٍ اَنَّهُ اَوَّلُ مَاظَهَرَ عَلٰى وَجْهِ الْمَاءِ عِنْدَ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زُبْدَةً بَيْضَاءَ فَدُحِيَتِ الْاَرْضُ مِنْ تَحْتِهِ **مُبٰرَكًا** حَالٌ مِنَ الَّذِىْ اَىْ ذَا بَرَكَةٍ **وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ**﴿۹۶﴾ لِاَنَّهُ قِبْلَتُهُمْ **فِيْهِ اٰيٰتٌ ۢ بَيِّنٰتٌ** مِنْهَا **مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ** ۚ اَىِ الْحَجَرُ الَّذِىْ قَامَ عَلَيْهِ عِنْدَ بِنَاءِ الْبَيْتِ فَاَثَّرَ قَدَمَاهُ فِيْهِ وَبَقِىَ اِلَى الْاٰنَ مَعَ تَطَاوُلِ الزَّمَانِ وَتَدَاوُلِ الْاَيْدِىْ عَلَيْهِ وَمِنْهَا تَضْعِيْفُ الْحَسَنَاتِ فِيْهِ وَاَنَّ الطَّيْرَ لَايَعْلُوْهُ **وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا** لَايَتَعَرَّضُ لَهٗ بِقَتْلٍ اَوْ ظُلْمٍ اَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ **وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ** وَاجِبٌ بِكَسْرِ الْحَاءِ وَفَتْحِهَا لُغَتَانِ فِىْ مَصْدَرِ حَجَّ بِمَعْنٰى قَصَدَ وَيُبْدَلُ مِنَ النَّاسِ **مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا** ۚ طَرِيْقًا فَسَّرَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَغَيْرُهُ **وَمَنْ كَفَرَ** بِاللّٰهِ اَوْبِمَا

فَرضَۃً مِنَ الحَجِّ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۷﴾ اَلِانسِ وَالجِنِّ وَالمَلٰئِکَۃِ وَعَن عِبَادَتِھِم قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ق اَلقُراٰنِ وَاللّٰہُ شَھِیْدٌ عَلٰی مَاتَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ فَیُجَازِیْکُم عَلَیہِ قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ تَصرِفُونَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَی دِینِہٖ مَنْ اٰمَنَ بِتَکذِیبِکُمُ النَّبِیَّ وَکَتمِ نَعتِہٖ تَبْغُوْنَھَا اَی تَطلُبُونَ السَّبِیلَ عِوَجًا مَصدَرٌ بِمَعنٰی مُعوَجَّۃً اَی مَائِلَۃً عَنِ الحَقِّ وَّاَنْتُمْ شُھَدَآءُ ط عَالِمُونَ بِاَنَّ الدِّینَ المَرضِیَّ ھُوَ القَیِّمُ دِینُ الاِسلَامِ کَمَا فِی کِتَابِکُم وَمَااللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ مِنَ الکُفرِ وَالتَّکذِیبِ وَاِنَّمَا یُؤَخِّرُکُم اِلٰی وَقتِکُم فَیُجَازِیکُم

ترجمہ:........... (اور جب یہود نے یہ کہنا شروع کیا کہ ہمارا قبلہ تمہارے کعبہ سے پہلے ہے تو یہ آیات نازل ہوئیں) بلاشبہ پہلا گھر جو بنایا گیا ہے (خدا پرستی کا مرکز) انسان کیلئے (روئے زمین پر ہے) وہ یہی ہے، جو مکہ میں ہے (مکہ با کے ساتھ لغت ہے لفظ مکہ میں اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ شہر جابر لوگوں کی گردنیں توڑ دیتا ہے تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے فرشتوں نے اس کو بنایا تھا اس کے بعد پھر مسجد اقصیٰ بنائی گئی۔ ان دونوں کی بناؤں کے درمیان چالیس (۴۰) سال مدت کا فاصلہ ہے جیسا کہ حدیث صحیحین میں موجود ہے اور حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ سب سے پہلے زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت پانی پر ایک سفید جھاگ نمایاں ہوا۔ اس کے نیچے زمین بچھتی چلی گئی) بابرکت ہے (لفظ الـذی سے یہ حال ہے یعنی ذی برکۃ) اور تمام انسانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ (کیونکہ یہ لوگوں کا قبلہ ہے) اس میں روشن نشانیاں ہیں (از انجملہ) مقام ابراہیمؑ ہے (یعنی وہ پتھر جس پر بنا کعبہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہوئے اور ان کے نشاناتِ قدم اس پر ثبت ہوگئے تھے جو طول زماں اور ہاتھوں کے بکثرت لمس کے باوجود آج تک باقی چلے آرہے ہیں اور منجملہ نشانیوں کے نیکیوں کا وہاں کئی گونہ ہو جانا اور پرندوں کا اس پر سے اڑ کر نہ گزر سکنا) اور جو کوئی اس کے حدود میں داخل ہوا وہ امن وحفاظت میں آ گیا (اس کے ساتھ کوئی قتل یا ظلم وغیرہ کے تعرض نہیں کرسکتا) اور اللہ کی طرف سے لوگوں کے لئے اللہ کے گھر کا حج (واجب ہے۔ لفظ حج مکسور الحاء ومفتوح الحاء دونوں لغت ہیں مصدر حج بمعنی قصد میں اور الناس سے بدل واقع ہو رہا ہے۔ مـن استطاع الخ) بشرطیکہ اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں (سہولت راہ کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح توشہ اور سواری کے ساتھ فرمائی ہے۔ رواہ الحاکم وغیرہ) اور جو شخص اللہ کا منکر ہو (یا حج کے فرائض کا منکر ہو) تو اللہ تعالیٰ کی ذات تمام دنیا سے بے نیاز ہے (انسان جن اور فرشتے اور ان کی عبادات سے) آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب کیا تم اللہ کی آیتوں (قرآن سے انکار کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس کے شاہد حال ہیں (وہ تم کو اس پر بدلہ دیں گے) آپ کہئے اے اہل کتاب تم کیوں اللہ تعالیٰ کی راہ (دین) سے روکتے (پھیرتے) ہو اللہ تعالیٰ پر جو ایمان لانا چاہے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور آپؐ کے اوصاف کا کتمان کر کے) چلانا چاہتے ہو اس کو (تلاش کرتے ہو راستہ) ٹیڑھا (عـوجـا یعنی حق سے برگشتہ) درآنحالیکہ تم حقیقت حال سے بے خبر نہیں ہو (تم باخبر ہو کہ پسندیدہ دین صرف دین اسلام ہے جیسا کہ خود تمہاری مذہبی کتابیں اس پر شاہد ہیں) جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہیں (تمہارے کفر تکذیب سے ایک وقت تک کے لئے تم کو مہلت دے رکھی ہے ضرور تم کو بدلہ ملے گا)

تحقیق وترکیب:........... بـــکۃ چونکہ با اور میم متقارب المخرج ہیں اس لئے ایک دوسرے کے ساتھ تبدیل کرلیا جاتا ہے۔ جیسے راتب اور راتم، لازب اور لازم۔ جابرہ اور گردن کشوں کی گردن کشی کرنا۔ جیسا کہ واقعہ فیل میں ابرہہ اور اس کے لشکر کے ساتھ ہوا۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ مکہ اور بکہ کے استعمال میں یہ فرق ہے کہ اول کا اطلاق مطاف اور مسجد حرام اور ثانی کا بلد پر یا اس کا برعکس

ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے کعبۃ اللہ کی بناء ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ''اول بیت'' کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا **المسجد الحرام ثم بیت المقدس** پھران دونوں کے درمیان مدت کا فرق دریافت کیا۔ **فقال اربعون سنة**۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کی بناء کعبہ اور مسجد اقصیٰ کی بناء سلیمانی کے مابین ایک ہزار سال سے زیادہ فصل ہے۔

منها: مفسر علامؒ نے یہ لفظ مقدر کر کے اشارہ کر دیا۔ بینات اور نشانیوں کے متعدد ہونے کی طرف۔ مقام ابراہیمؑ عطف بیان ہے **"ایات بینات"** کا اور چونکہ مقام ابراہیم بہت سی نشانیوں پر مشتمل ہے اس لئے باوجود لفظاً مفرد ہونے کے جمع سے بدل واقع ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے ابن وہبؒ نے اپنی موطا میں انسؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس پتھر میں حضرت ابراہیمؑ کے نشانات قدم دیکھے۔

منها تضعيف الحسنات یہ دوسری خصوصیت ہے، جو نمایاں ہے۔ زمان ومکان میں اللہ نے بعض شرف رکھے ہیں جو عام زمان و مکان میں نہیں پائے جاتے۔ چنانچہ زمانوں میں جو خصوصیت اور شرف، رمضان المبارک، عشرۂ ذی الحجہ، عاشورہ محرم، جمعہ کے روز کو بالخصوص اس کی ایک خاص ساعت کو اور نماز و جہاد کی صفیں جب درست ہونے لگیں۔ ان اوقات میں جو وصف اللہ نے رکھا ہے وہ دوسرے اوقات کو نصیب نہیں۔ اسی طرح مختلف مکانوں میں جو بزرگی بیت اللہ، بیت المقدس، حرم نبویؐ، عام مساجد کو اللہ نے بخشی ہے وہ دوسری عام جگہوں کو حاصل نہیں ہے۔ اسی لئے جہاں ان اوقات اور مقامات میں نیکی کا وزن بڑھ جاتا ہے وہیں برائیوں میں قباحت بھی زیادہ آ جاتی ہے۔

وان الطير لايعلوه بعض دفعہ پرندوں کو اس سے اوپر فضا میں اڑتے دیکھا جاتا ہے اور وہ دائیں بائیں کی کاٹ کر نہیں جاتے تو اس وجہ ان کی کوئی بیماری ہوتی ہے جس سے وہ حصول شفاء کے لئے پرواز کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ومن دخله اس کی مفصل تحقیق سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے۔ یعنی حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی جرم کی وجہ سے مباح الدم ہو کر اندر داخل ہو جائے تو حرم اس کو پناہ دے گا۔ بارادۂ قتل اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ البتہ کھانے پینے سے تنگ کر دیا جائے گا اور مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے گا۔ تاکہ وہ از خود باہر نکلنے پر مجبور ہو جائے، اس وقت ماخوذ کر لیا جائے گا۔ ہاں اگر کوئی ایسا جرم کر کے باہر سے آیا جس کی سزا قتل کے علاوہ اور کوئی ہو یا اندر رہ کر قتل یا مادون القتل جرم کا ارتکاب کر لیا ہو تو اس کے لئے یہ قانون امن نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سب صورتوں کا ایک ہی حکم ہے کہ **"الحرم لايعيذ"** دوسری آیت **اولم يروا انا جعلنا حرما امنا ويتخطف الناس من حولهم** میں بھی اس قسم کی تفصیلات ہیں۔

اوغير ذلك بہر حال قتل ظلم وغیرہ جرائم سے حرم کو آمن کہا گیا ہے یا **"امن من الذنوب"** اور **"امن من النار"** مراد ہو اور بعض نے کہا ہے کہ حرمین میں اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو قیامت میں حق تعالیٰ اس کو مامون اٹھائیں گے۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص حرم کی تکالیف پر ایک گھنٹہ صبر کرلے حق تعالیٰ جہنم کو اس سے دو سو سال کی مسافت پر دور کر دیں گے۔ یا ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ثنیۃ المیمون پر تشریف فرما تھے اور اس وقت تک وہاں کوئی مقبرہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس جگہ سے اور حرم سے حق تعالیٰ بروز قیامت ستر ہزار ایسے انسان اٹھائیں گے جن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ پھر ان میں سے ہر آدمی ایسے ہی ستر ہزار آدمیوں کی شفاعت کرلے گا۔

ولله خبر مقدم ہے اور متعلق ہے محذوف کے جیسا کہ مفسر علامؒ نے واجب مقدر نکالا ہے۔ **على الناس** بھی اسی کے متعلق ہے۔ **من استطاع** یہ لفظ الناس سے بدل البعض یا بدل الاشتمال واقع ہو رہا ہے۔ جیسا کہ مفسر علامؒ نے ویبدل سے اشارہ کیا ہے۔ اس میں ضمیر بہر صورت محذوف ہوگی۔ ای **منْ استطاع منهم** امام شافعیؒ کے نزدیک، استطاعت کی تفسیر صرف زاد راہ کے ساتھ ہے چنانچہ پیدل حج واجب نہیں ہے اگرچہ قدرت ہو۔ لیکن ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحت بدن اور امن راہ بھی مزید شرط ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک صرف صحت بدن کافی ہے خود چلے گا اور راستہ میں معاش بذریعہ کسب حاصل کرتا رہے گا۔

قل یا اھل الکتاب پہلی آیت میں ضلال پر توبیخ اور دوسری آیت میں اضلال پر توبیخ۔ **شھید** بمعنی مطلع چونکہ اہل کتاب کا کفر ظاہر تھا اس لئے لفظ شہادت کا استعمال اول آیت میں مناسب ہے اور چونکہ اللہ کی راہ سے روکنا در پردہ کید ومکر اور مخفی تدابیر سے ہوتا رہتا ہے اس لئے اس کے مناسب لفظ غفلت ہوا اور خطاب میں اہل کتاب کی تخصیص اس لئے کی کہ ان کا کفر واضح ہے اگر چہ وہ خود کو مومن بالتوراۃ والانجیل سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کو دین سے روکنا یہ ہے کہ آل کتاب کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کوئی صفت یا ان کے باب میں کوئی بشارت ہماری کتابوں میں موجود نہیں ہے اور لم کا تعلق مابعد فعل سے ہے اور من امن مفعول ہے۔

ربط:............ آیت ان اول بیت میں یہود کے دوسرے اعتراض کا جواب ہے اور بیت اللہ کے خصائص وفضائل کا بیان ہے اور آیت قل یا اھل الکتاب لم تکفرون میں اہل کتاب کی ضلالت اور آیت لم تصدون الخ میں ان کے اضلال کا بیان ہے۔

شانِ نزول:............ سعید بن منصورؒ نے حضرت عکرمہ سے تخریج کی ہے کہ جب آیت **ومن یبتغ غیر الاسلام** نازل ہوئی تو یہود کہنے لگے کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے مسلمانوں پر حج فرض کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم پر فرض نہیں کیا ہے اور حج کرنے سے انکار کردیا۔ اس پر یہ آیت **ومن کفر فان اللہ غنی الخ** نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:...... یہود کے دوسرے اعتراض کا جواب:............ یہاں سے یہود کے دوسرے شبہ کا جواب دیا جارہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں سب سے پہلی اللہ کی عبادت گاہ حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر فرمائی تھی وہ بیت المقدس نہیں بلکہ ''خانہ کعبہ'' ہے۔ قرآن کریم کے متعدد مواقع میں کعبۃ اللہ کے ذکر کے ساتھ بانی کعبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ذکر خیر کیا گیا ہے اور ان کی غیر فانی یادگار محبت کا حق واقعۃ ہے بھی یہی..... جہاں تک دونوں کی تاریخی قدامت اور عظمت کا تعلق ہے وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔

بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مختصر تاریخ:...... حضرت ابراہیم کا مجملاً تاریخی تذکرہ یہ ہے کہ وہ تارخ (آزر) بن ناحور بن ساروغ (سروج) بن رعو بن فالح (فلجم) بن عابر (عبر) بن شالح (سلح) بن ارفخشد (ارفکسد) بن سام بن نوح کے بیٹے ہیں (تورات میں سفر پیدائش باب ۱۱) گویا حضرت ابراہیمؑ نو واسطوں سے حضرت نوحؑ کی اولاد میں ہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ ایک واسطہ اور زائد ہے۔ یعنی شالح کے باپ قینان اور ارفخشد دادا ہیں یعنی قینان کا اضافہ ہے۔

اولاد ابراہیم علیہ السلام:............ حضرت ابراہیمؑ کے آٹھ بیٹے ہوئے۔ سب سے بڑے حضرت اسماعیلؑ ہاجرہ سے۔ پھر ان سے چھوٹے اسحٰقؑ سارہ سے اور قتورہ کنعانہ کے بطن سے۔ زمران، یقان، مدان، مدیان، اسباق، سوخ پیدا ہوئے۔ حضرت اسماعیلؑ مکہ معظمہ میں اور حضرت اسحٰق ملک شام میں رہے۔ دوسرے بیٹے اطراف وجوانب میں اقامت گزین رہے۔ مدیان کی اولاد میں حضرت شعیب اور یقان کی اولاد میں صبا اور ددان پیدا ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ صاحبزادے ہوئے جن میں سب سے چھوٹے قیدار ہوئے جن کی اولاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ یہ سلسلہ بنی اسماعیل کہلاتا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کے دوسرے بھائی یعنی حضرت اسحٰقؑ کے بڑے بیٹے عیص اور ان سے چھوٹے حضرت یعقوبؑ ہوئے جن کو اسرائیل بھی کہتے ہیں۔ اُن کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ ان کے بارہ بیٹے ہوئے ان کی بیوی لیاہ کے بطن سے روبن، سمعون، لاوی، یہودا پیدا ہوئے۔ زاں بعد اسکارا، زبولون، متولد ہوئے راحیل کی باندی بلہا سے دان، نفتالی پیدا ہوئے۔ لیاہ کی باندی زلفا سے جاد اور اشیر پیدا ہوئے پھر لیاہ کی چھوٹی بہن راحیل کے بطن سے یوسفؑ، بنیامین پیدا ہوئے۔ اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام بنی اسماعیل (عرب) اور بنی اسرائیل (اہل کتاب) کے جد اعلیٰ اور متفق علیہ

بزرگ تھے۔ اسی لئے سب کی نظر انتخاب آپ پر پڑتی تھی اور کوئی بھی آپ کے وسیع دامن سے الگ ہونے کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن: حضرت ابراہیم علیہ السلام قصبہ اہواز میں پیدا ہوئے جو عراق کا ایک حصہ ہے۔ اور بعض خاص بابل میں پیدائش کہتے ہیں۔ طوفان نوح کے بعد جب حضرت نوحؑ کی اولاد پھیلی تو حضرت سے تقریباً دو ہزار دو سو سینتالیس ۲۲۴۷ سال پہلے شہر بابل کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ یہ شہر ملک عراق میں دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان دوآبہ میں واقع ہے یا کنارۂ فرات پر ہے اور اس کے قریب لب دجلہ پر شہر نینوا تھا۔ جہاں حضرت یونسؑ کی پیدائش ہوئی۔ دونوں شہر عظیم الشان کلدانیوں اور کسدیوں کے تعمیر کردہ اور آباد کردہ تھے۔ مختلف زبانیں یہاں سے پیدا ہوئیں۔

بخت نصر یہاں کا بادشاہ رہا ہے۔ کلدانی مذہباً صابی کہلاتے تھے۔ بت پرستی، آفتاب و ماہتاب.........اور کواکب پرستی ان کا شعار تھا۔ نمرود جو شاہ ضحاک کی طرف سے عراق کا گورنر یا مستقل حاکم تھا۔ نہایت ظالم اور تند مزاج شخص تھا، حضرت ابراہیمؑ کا اس کے ساتھ مقابلہ اور مناظرہ و مباحثہ رہا جس کے نتیجہ میں ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کے اصول پر حضرت ابراہیمؑ کو نذر آتش کرنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے خلیلؑ کی برکت سے نار کو گل و گلزار بنا کر نمرود مردود کو ناکام بنادیا۔ تو کچھ لوگ حضرت خلیلؑ پر ایمان لے آئے اور آپ کو منجانب اللہ ہجرت کا حکم ہوگیا۔ اس لئے آپ اپنی بی بی سارہ اور بھتیجے لوط علیہ السلام کو ساتھ لے کر فلسطین ائے اور حران میں ٹھہرے لیکن قحط پڑنے پر وہاں سے مصر پہنچے تو شاہ مصر سارہ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگیا۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کی امامت دیکھ کر معتقد ہوگیا اور باعزاز ان تمام کو رخصت کیا اور بقول بعض علمائے محققین اپنی صاحبزادی ہاجرہ آپ کی خدمت میں پیش کی، اس طرح ایک شہزادی کے بطن سے اللہ نے حضرت اسماعیلؑ اور ان کے عظیم خاندان کا سلسلہ قائم فرمایا۔ حضرت ہاجرہ کو باندی اور بنی اسماعیل کو باندی کی اولاد سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

تعمیر بیت اللہ کی تمہید:......... فلسطین میں دوبارہ واپسی اور اقامت ہوئی اور حضرت ہاجرہ کے بطن سے اسماعیل علیہ السلام متولد ہوئے تو سارہ بڑی بیوی کو رشک ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ کی عمر اس وقت ۸۶ سال تھی۔ ۹۹ سال کی عمر میں آپ نے بحکم الٰہی اپنی اور اپنے جوان سال بیٹے اسماعیلؑ کی بعمر ۱۳ سال ختنہ کی''سو سال کی عمر میں اللہ نے حضرت سارہ کی گود بھی اسحٰق علیہ السلام سے بھردی۔ جب ان کے دودھ چھٹنے کی خوشی ہوئی تو سارہ نے کسی بات پر ناخوش ہو کر حضرت ابراہیمؑ کو مجبور کیا کہ وہ اسماعیل اور ہاجرہ کو وارث نہیں ہونے دیں گے۔ اس لئے آپ علیہ السلام کہیں ان کو جنگل میں چھوڑ آئیے۔ حضرت ابراہیمؑ کو پہلے تو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی لیکن پھر بحکم الٰہی ان دونوں کو لے کر اشارات غیبی کے ماتحت ''وادی غیر ذی زرع'' میں پہنچادیا اور اس مقام پر جہاں ''بیر زمزم'' ہے ایک درخت کے نیچے بٹھلادیا۔ ایک مشک پانی، کچھ کھجوریں اور روٹیاں حوالہ کر کے جانے لگے تو حد درجہ آبدیدہ ہوئے، دل صدمہ سے چور چور ہوا، مگر اس مقام کی تقدیس کے آثار محسوس ہوئے تو فی الجملہ تسکین ہوئی۔ کیونکہ اچھے لوگ ہمیشہ وہاں، آکر عبادت و ریاضت کیا کرتے اور دعائیں کر کے قبولیت کے آثار مشاہدہ کیا کرتے تھے، حضرت کیلئے باعث تسلی ہوئی یہ وہی جگہ تھی جس کا انتخاب تخلیق آدمؑ سے پہلے ہی ہو چکا تھا اور اس کی قسمت کا ستارہ ازل ہی میں چمک چکا تھا۔

دنیا میں سب سے پہلا گھر خدا کا:......... بیہقیؒ نے شعب الایمان میں اور ازرقی نے وہب بن منبہؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت آدمؑ جب بہشت سے کرۂ زمین پر آئے تو تنہائی اور وحشت سے گھبرا کر عرض کیا کہ ''خدایا عبادت کیلئے کوئی جگہ بنادے'' چنانچہ حضرت جبرئیلؑ نے اس مقام مقدس کی نشاندہی کی، جس پر مقدس ہاتھوں کعبۃ اللہ کی بنیادیں پتھروں سے ٹھہرائیں اور اس پر ایک قبۂ نورانی نصب کیا گیا۔ جو ملاء اعلیٰ کے ''بیت المعمور'' کی محاذات میں تھا۔ حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد کیلئے یہی قبلہ عبادات و مناجات بنا رہا۔ طوفان

نوحؑ ہوا تو سب ہی چیزیں بہالے گیا۔طوفان کے فرو ہونے کے بعد دیکھا گیا کہ یہ جگہ ایک سرخ ٹیلہ کی حیثیت میں نمایاں رہی اور اس کی عظمت وتقدیس دلوں مین قائم رہی۔حتیٰ کہ حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ اور ہاجرہ کے تشریف لانے سے یہ خطہ"بقدر نور"بن گیا حضرت ابراہیمؑ کی خلت کے ہاتھ بارگاہ خداوندی میں اٹھے اور زبان پر الہامی رجز جاری ہوا۔ **ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتك المحرم.** اور پھر کسی نیک ساعت میں دونوں کے پاکیزہ ہاتھ جریدۂ عالم پر غیر فانی نقش محبت کے ثبت کرنے میں مصروف ہوگئے۔ غرضکہ اس طرح اس بناءمقدس اور"سرزمین انور"سے ان تینوں رہروان عشق ومحبت کی کچھ یادگاریں قائم ہوگئیں۔جن کو صدائے خلیلی **واذن فی الناس بالحج یاتوك رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق** پر لبیک کہنےوالی سعید روحوں نے دوام بخشا۔

حج ان ہی پاکیزہ رسموں کا مجموعہ ہے جو اللہ کے ان سچے عاشقوں کی خاص نقل وحرکت سے وابستہ رہتی ہیں۔ **ان ابراهیم کان امة قانتا لله حنیفا.**

تاریخ خانۂ کعبہ:.......... آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ اور مکہ مکرمہ کی بنیاد ڈالی تھی۔مکہ مکرمہ کی آبادی پہلے صرف خیموں میں رہتی تھی۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں قصی بن کلاب جب شام سے آئے تو یہاں مکانات بنناشروع ہوئے اور شہر کو برابر ترقی ہوتی گئی۔مکہ مکرمہ وادئ ابراہیم میں واقع ہے اور سطح سمندر سے تقریباً ساڑھے تین سوفٹ بلندی پر ہے۔اس کا عرض البلد ۲۱ درجہ شمالی اور طول البلد ۱/۲ ۳۹ درجہ مشرقی ہے۔ساحل سمندر سے ۴۷ میل مشرق میں واقع ہے اس وقت تقریباً ۸ لاکھ کی آبادی ہے، بکہ مکہ، ام القریٰ، بلدامین اس کے نام ہیں۔یہ شہر مشرق سے مغرب تک تقریباً چار پانچ میل اور عرض میں دو میل پھیلا ہوا ہے۔شمالاً جنوباً دو پہاڑی سلسلہ میں یہ شہر گھرا ہوا ہے جس کو اخشبان کہتے ہیں۔اسی لئے اس میں گرمی زیادہ اور سردی کم ہوتی ہے۔بارش صرف جاڑوں میں ہوتی ہے جس کی سالانہ مقدار چار پانچ انچ سے زیادہ نہیں ہوتی۔

خانہ کعبہ کے انقلابات:.......... ایک مدت بعد جب حضرات خلیلؑ وذبیحؑ کی بنائی ہوئی عمارت کا نقشہ پہاڑی نالہ کی نذر ہو گیا تو بنی جرہم قبیلہ نے جو ایک خانہ بدوش قافلہ کی صورت میں یہاں ٹھہر گیا تھا اور حضرت اسماعیلؑ کا سسرالی رشتہ اس سے قائم ہو کر باعث ازدیادِ نسل ہو چکا تھا۔دوبارہ اسی طرز پر پھر اس عمارت کو قائم کیا۔ایک زمانہ بعد عمارت پھر شکستہ اور منہدم ہوئی تو بنوحمیر کے ایک قبیلہ عمالیق نے پھر اس کی تعمیر کی۔اس کے بعد عمارت ٹوٹی تو قصی بن کلاب نے اس کو اس شان کے ساتھ بنایا کہ اس کی چھت لکڑیوں سے پاٹ دی اور اس پر سیاہ غلاف ڈالا گیا۔یہ عمارت اور طرز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی تک قائم رہا۔اتفاقاً ایک عورت غلاف کعبہ کے پاس نجور روشن کرنا چاہتی تھی کہ پردہ میں آگ لگ گئی اور تمام عمارت جل گئی یہ زمانہ عرب میں قحط سالی کا تھا قریش نے اس عمارت کو بنانا چاہا لیکن روپیہ کی کمی اور بعض سہولتوں کے پیش نظر سابقہ عمارت میں پانچ ترمیمیں کرنی پڑیں۔

۱:...... حطیم کی جانب کئی گز جگہ چھوڑ کر کعبہ کی غربی دیوار اٹھائی گئی جس کی وجہ سے کعبۃ اللہ کا بہت سا حصہ عمارت سے باہر رہ گیا۔

۲:...... دروازہ کی چوکھٹ زمین کے ہموار کرنے کی بجائے سطح زمین سے دو گز اونچی لگائی گئی تا کہ ہر شخص بغیر اجازت کے اندر داخل نہ ہو سکے۔

۳:...... خانہ کعبہ کے اندر لکڑی کے ستونوں کی دو صفیں قائم کیں ہر لائن میں تین تین ستون رکھے چنانچہ فتح مکہ کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر تشریف لے جا کر نماز ادا کی تو ان ہی ستونوں کے درمیان پڑھی تھی۔

۴:...... دیواریں پہلے سے دو چند بلند کر دی گئیں۔

۵:...... رکن شامی کے قریب کعبہ کی چھت پر چڑھنے کے لئے ایک زینہ بنایا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تیس (۳۰) پینتیس (۳۵) سال ہوگی جب تعمیر کعبہ کے وقت ''حجر اسود'' کے نصب کرنے کا مسئلہ لاینحل صورت میں پیش ہوا اور ہر شخص کو اس شرف کے اپنانے پر اس درجہ اصرار بڑھا کہ قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل جائیں۔ فیصلہ یہ ٹھہرا کہ جو شخص کل صبح ہی سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہوگا گوئے سبقت وہی لے جائے گا۔ لیکن قسام ازل نے یہ سعادت سید الاولین والآخرین کی قسمت کردی تھی چنانچہ ڈھونڈنے والی نظریں سب سے پہلے آفتاب نبوتؐ پر پڑیں تو سب کی باچھیں کھل گئیں۔ یوں بھی تو آپ ''محمد امین'' کے گراںبہا لقب سے معزز تھے۔ لیکن آپ کی بے مثل ذہانت اور بے نظیر قوت فیصلہ نے یہ جوہر دکھلایا کہ اپنی رداء مبارک میں دست مبارک سے ''حجر اسود'' اٹھا کر رکھا اور سب طرف سے چادر کے کونے مختلف خاندانوں اور قبیلوں کے سرداروں کو پکڑا دیئے تا کہ سب اس سعادت وشرف میں شریک ہوجائیں سب نے ہنسی خوشی مل کر پتھر اپنے مقام پر نصب کردیا اور آپ ﷺ کی امانت، عدالت، محبت اور صداقت کا نقش دلوں پر جم گیا۔

خانہ کعبہ میں پتھر کی مورتیاں اور بت پہلے سے نصب نہیں تھے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد سے تقریباً تین سو سال پہلے عمرو بن لحی عرب کے ایک شخص نے یہ بدعت کی کہ حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ اور دوسرے بزرگوں کی مورتیاں لگادی تھیں، جن کی پوجا لوگ کرتے چلے آرہے تھے۔ لیکن فتح کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے سب کو نکال پھینکا اور اللہ کے گھر کو غیروں سے پاک کرکے اصل توحید کا مرکز بنادیا۔

آنحضرت ﷺ کے بعد خانہ کعبہ میں تبدیلیاں:............ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے اپنی خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ تمہاری قوم ابھی نو مسلم ہے لیکن اگر میں زندہ رہا تو کعبہ کو بناء ابراہیمی پر قائم کروں گا اور ایک دروازہ کی بجائے دو (۲) دروازے رکھوں گا اور اونچا رکھنے کی بجائے دروازہ نیچے رکھوں گا۔

مگر آپ ﷺ کی عمر نے وفا نہ کی، اس لئے آپ ﷺ کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔ تاہم عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سنی تو کعبہ کو بناء ابراہیمی پر قائم کرکے رسول اللہ ﷺ کے اس ارادہ کی تکمیل فرمادی۔ یہ ستائیس رجب ۶۴ھ کی بات ہے۔ لیکن بنی امیہ کا دور حکومت آیا تو کچھ دنوں بعد ہی حجاج بن یوسف عبدالملک بن مروان کے گورنر نے اس تعمیر زبیری کو شہید کرا کر از سر نو بناء قریشی پر کعبۃ اللہ کو تعمیر کیا۔ یہ ۷۴ھ کی بات ہے۔ اس کے بعد بنو عباس کے عہد میں ہارون رشید نے پھر ارادہ کیا بناء ابراہیمی پر بنانے کا۔ لیکن غالباً امام مالکؒ اور دوسرے علماء نے اس مصلحت سے روک دیا کہ اس طرح بار بار کی تبدیلیوں سے کعبۃ اللہ کی عظمت وہیبت لوگوں کے دلوں سے نکل جائے گی اور وہ ایک ملعبہ بن کر رہ جائے گا۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً اس عمارت کی مرمت اور ٹوٹ پھوٹ تو ہوتی رہی لیکن مکمل انہدام کی ہمت پھر کسی کو نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ جب اس کی عمارت بالکل بوسیدہ اور شکستہ ہوگئی تو ۱۰۴۰ھ میں سلاطین قسطنطنیہ میں سے سلطان مراد بن احمد خان کی مراد اللہ نے پوری کی۔ انہوں نے بجز ''حجر اسود'' والے کونے کے تمام عمارت کو اتروا کر از نو بناء قریشی پر تعمیر کرایا۔ اندر فرش اور دیواروں میں سنگ مرمر لگوایا، عمدہ لکڑی کے چھ ستونوں کی، دو لائنیں بنوائیں، چھت پر مخمل، چھت گیری اور اوپر سے بچ ہوئی ہے باہر کی دیواریں سنگ خارا سے چونہ کے ساتھ چنی ہوئی ہیں اوپر سے استر کاری تو نہیں ہوئی لیکن نہایت نفیس ریشمی سیاہ غلاف پورے کعبۃ اللہ پر پڑا رہتا ہے اور ہر سال عید الاضحیٰ کی صبح کو بدل دیا جاتا ہے جو پہلے سلاطین ترکی کی طرف سے، پھر شاہان مصر کی طرف سے اور امسال شاہ حجاز کی طرف سے بارگاہ صمد میں نذر ہوا ہے۔ جس پر بہترین سچے کارچوب کا کام، کلمہ طیبہ، قرآن کریم کی موقعہ محل کے مناسب آیات، سلاطین وقت کا نام بخط جلی لکھا ہوتا ہے۔ ہزاروں بجلی کے قمقموں کی روشنی میں کعبۃ اللہ ایک ایسی پُر جلال و جمالی دلہن بنا رہتا ہے کہ نگاہیں خیرہ ہوجاتی ہیں اور عجیب پُر لطف اور مسرت اور مست الست منظر ہوتا ہے جس کی کیفیت لفظوں میں ادا

نہیں کی جاسکتی، یہ کام بس نگاہ ودل کا ہے اور روحانی سرمستیوں کا تو پوچھنا ہی کیا؟

شروع ہی سے خدا نے اس کو ظاہری، باطنی، حسی معنوی خوبیوں اور برکات سے مالا مال کیا ہے۔ سارے جہان کی ہدایت کا سرچشمہ ٹھہرایا، روئے زمین پر جہاں کہیں برکت وہدایت پائی جاتی ہے وہ اس بیتِ منور کا عکس و پَرتو سمجھنا چاہئے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کی بعثت یہیں سے ہوئی۔ مناسکِ حج ادا کرنے کے لئے سارے جہان کو دعوت یہیں سے ملی ہے، عالمگیر مذہب اسلام کے پیروؤں کو مشرق، مغرب، شمال اور جنوب میں اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ملا، سارے پیغمبر اور شمعِ توحید کے پروانے ہر طرف سے ہمیشہ اڑ اڑ کر اس کے گرد جمع ہوئے، اس پاک گھر میں جمالِ خداوندی کی تجلی خاص ہے جس کی لگن میں دُور دراز مسافتوں سے مصیبتیں اور تکلیفیں جھیل کر پروانہ وار لوگوں کے غول پہنچتے ہیں۔

حرمین شریفین کی حالیہ حیرت انگیز توسیع شاہ حجاز کی فیاضیوں کی جیتی جاگتی تصویر ہے، خانہ کعبہ اور اس سے متعلق جو چند خاص اور اہم چیزیں ہیں ان کا اجمالی تعارف ضروری ہے۔

مسجدِ حرام:......... یہ ایک نہایت عالی شان مستطیل مربع عمارت ہے جس کے وسط میں خانہ کعبہ وقع ہے جس کے ایک طرف حطیم ہے، دوسری طرف زمزم، مقامِ ابراہیم، منبر ہے اور چاروں طرف مطاف ہے، مطاف کے چاروں طرف ایک وسیع صحن ہے اس کے بعد چار جگہ آگے پیچھے کسی جگہ تین اور کسی جگہ چار بڑے بڑے دالان موجود ہیں اور ہر دو دالانوں کے درمیان ستونوں کی صف موجود ہے، اور چاروں جانب مضبوط ستونوں پر مضبوط ڈاٹ لگائی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مسجد حرام کی حدّ صرف موجودہ نصف مطاف تک تھی، احاطہ کی دیوار بھی نہ تھی بلکہ چاروں طرف مکانات تھے۔ ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے ان مکانات کو خرید کو مسجد میں شامل کر دیا۔ یہ پہلا اضافہ تھا نیز قدِ آدم سے نیچی ایک چار دیواری بنوادی جس پر چراغ روشن کر کے رکھ دیئے جاتے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں توسیع کی۔ ۹۷۹ھ میں مسجد حرام کا مشرقی دالان گرنے کے قریب ہوگیا اس وقت سلطان سلیم ٹرکی نے توجہ کی، لکڑی کے بجائے پتھروں کو استعمال کیا چھت قبہ نما ڈاٹوں کی لگائی۔ ۹۸۴ھ میں یہ تعمیر مکمل ہوئی اور اب تک قائم ہے حالیہ توسیع کی وجہ سے اس میں ترمیم ہو رہی ہے اس عمارت کا طول مشرق سے مغرب تک ۲۱۰ گز اور عرض ۱۴۰ گز تھا۔

کعبۃ اللہ:......... خانہ کعبہ تقریباً مسجد حرام کے درمیان میں واقع ہے اس کی شکل ایک بڑے کمرہ کی سی ہے۔ عمارت اونچی اور تقریباً مربع ہے جس کی بلندی ۱۵ میٹر ہے، کعبہ کے چار رکن ہیں۔ (۱) رکن عراقی شمالی جانب (۲) رکن شامی شمال مغربی جانب (۳) رکن یمانی جنوب مشرقی جانب (۴) رکن حجر اسود مشرقی جانب۔ کعبہ بڑے مضبوط پتھروں سے بنا ہوا ہے، اس کی چھت سنگ مرمر کی سلوں سے بنائی گئی ہے، بیت اللہ کے اندر رکن عراقی کے گوشہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر جانے کے لئے ایک زینہ لگا ہوا ہے۔ بلاضرورت اس پر چڑھنا ادھر ادھر تاکنا جھانکنا خلافِ ادب ہے۔

حجر اسود:......... تقریباً ڈیڑھ دوفٹ چاندی کے مدور حلقہ میں گہرا عنابی سیاہی مائل ایک چکنا پتھر بیضوی شکل کا جس کو عقیق تصور کرنا چاہئے خانہ کعبہ کے شرقی جنوبی کونہ میں باہر کی طرف گز بھر کی بلندی پر نصب ہے۔ ہندوستانیوں کا سجدہ غالباً کچھ اس کی ذات میں پڑتا ہے کسی وجہ سے اس کے ٹکڑے ہوگئے ہیں ان کو احتیاط کے ساتھ یکجائی جوڑا گیا ہے ایک دس انچ کے بیضوی لاکھ کے پیالہ میں پھر اس لاکھ کے پیالہ پر چاندی کا حلقہ فریم کیا ہوا ہے۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے: **ان الحجر الاسود نزل من الجنة اشد بیاضا من اللبن فسودته خطایا بنی ادم** یہ ایک

باعظمت اور بابرکت پتھر ہے، جس کو آنحضرت ﷺ اور بے شمار انبیاءؑ اور صلحاء نے اپنے ہاتھوں اور ہونٹوں سے مس کیا ہے۔ اس لئے استلام کرنا باعثِ قربت خداوندی ہے۔ اس نیت سے اگر ممکن ہو تو اس کو بوسہ دینا چاہئے ورنہ ہاتھ کا اشارہ کر کے ہاتھ کو چوم لینا بھی کافی ہوگا۔ اس پتھر کو نافع یا ضار نہیں سمجھنا چاہئے جیسا کہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے۔

باب کعبہ:............ بیت اللہ کے مشرقی کونہ سے متصل ایک دروازہ ہے خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونے کا یہی ایک راستہ ہے جو مسجد حرام کے صحن سے قد آدم سے زیادہ بلند ہے دروازہ کی جو کرسی ہے وہی خانہ کعبہ کے اندر فرش کی کرسی ہے بغیر سیڑھی کے اس دروازہ کے ذریعہ اندر داخل ہونا مشکل ہے اس لئے اندر جانے کے لئے ناجائز ذرائع نہیں اختیار کرنے چاہئیں۔ حجر اسماعیل یعنی حطیم میں جا کر یہ سعادت حاصل کر لے۔

ملتزم:............ باب کعبہ سے لے کر مشرقی کونہ میں لگے ہوئے حجر اسود تک ڈھائی تین گز کے اس حصہ کو ملتزم کہتے ہیں یعنی لپٹنے کی جگہ۔ لوگ اس سے لپٹ کر دعائیں مانگتے ہیں۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے **سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مادعی احد بشیئ فی ھذا الملتزم الاستجیب لہ.**

حطیم:............ ہلالی شکل کی ایک نصف قد آدم دیوار جو کعبہ کی شمالی دیوار کے سامنے ڈیڑھ گز کے فاصلے پر رکن عراقی سے رکن شامی تک نصف دائرہ کی شکل میں بنی ہوئی ہے۔ اس کی فصیل پر منقش پتھر جڑے ہوئے ہیں اس کے اوپر والے حصہ پر ایک عبارت کندہ ہے جس پر قرآن کریم کی بعض آیات بھی ہیں اور ساتھ ہی تعمیر کرنے والے کی تاریخ بھی ہے۔ حطیم کے اندر نماز نفل مسجد حرام کے دوسرے عام حصوں سے افضل ہے۔ طواف کرنے والے کو کعبہ کی طرف اس کو بھی اپنے بائیں کر کے طواف میں لے لینا چاہئے اسے بچا کر طواف نہیں کرنا چاہئے اسی کے اندر خانہ کعبہ کی چھت کا پرنالہ کھلتا ہے جس کو میزاب رحمت کہتے ہیں جو سونے کا بنا ہوا ہے۔

حجر اسماعیلؑ:............ کعبہ اور حطیم کے درمیان تین گز زمین اور فرش کو حجر اسماعیلؑ کہتے ہیں اس میں سے تقریباً تین میٹر دیوار کعبہ سے متصل فرش دراصل خانہ کعبہ کے اندر کا ایک حصہ ہے۔ جو روپیہ کی کمی کی وجہ سے قریش کی تعمیر سے رہ گیا تھا۔ اس پر خوبصورت پتھر کا فرش ہے اس پر نماز پڑھنا گویا خانہ کعبہ کے اندر ہی نماز پڑھنا ہے، طواف کے وقت اس پر نکلنے سے طواف نہیں ہوتا کیونکہ یہ کعبہ کا اندرونی حصہ ہے۔

مقامِ ابراہیمؑ:............ باب کعبہ کی محاذات میں منبر اور زمزم کے درمیان قدیم باب السلام سے متصل چار کھمبوں پر ایک چھوٹا سا گنبد ہے۔ جس میں ارد گرد پیتل کا مربع نما مقصورہ بنا ہوا ہے اور اس کے اندر وہ پتھر نصب ہے جو مقامِ ابراہیم کہلاتا ہے۔ پتھر چاندی سے منڈھا ہوا ہے جس کی بلندی تین بالشت ہے، چوڑائی دو بالشت ہے۔ دونوں قدم اور انگلیوں کے نشانات اس پر واضح ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے یہ پتھر دیوار کعبہ کے قریب اس گڑھے میں رکھا تھا جس کو معجن کہتے ہیں شاید اس مصلحت سے کہ طواف کعبہ میں یہ پتھر بھی شامل ہے ورشمار نہ کر لیا جائے، فتح کے بعد وہاں ہٹا کر موجودہ جگہ پر منتقل کر دیا گیا اس کے پاس نماز پڑھنا مستحب ہے۔

مطاف:............ یہ ایک بیضوی صحن ہے جو کعبہ اور حطیم کے ارد گرد بنا ہوا ہے۔ جس پر سنگ مرمر بچھا ہوا ہے اس میں سے بیت اللہ کے قریب کا نصف صحن حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں مسجد حرام تھا لیکن اب پورے صحن میں طواف کیا جاتا ہے۔

المعجن: .... صحن مطاف میں باب کعبہ کے قریب داہنی اور شمالی جانب ایک مربع شکل کا گڑھا ہے اس کا پھیلاؤ ایک دو میٹر ہوگا اس میں تین آدمی کھڑے ہوکر نماز پڑھ سکتے ہیں نماز جب فرض ہوئی تو حضرت جبرئیلؑ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اسی جگہ امامت فرمائی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ نے بناء کعبہ کے وقت اس جگہ گارا تیار کیا تھا۔

زمزم: .... خانہ کعبہ کی مشرقی جانب واقع ہے۔ حضرت ہاجرہ حضرت اسماعیلؑ کے لئے پانی کی تلاش میں صفاء ومروہ پر دوڑ کر تھک گئیں تو آواز غیبی پر اس جگہ پانی کی نشاندہی ہوئی اور ان کے لئے پانی برآمد کیا گیا۔ امتدادِ زمانہ سے یہ کنواں مٹی وغیرہ سے اٹ گیا تھا لیکن آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے کھلوایا، تب سے ہی جاری ہوگیا۔ حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے ماء زمزم لما شرب له یا ابن عباسؓ کی روایت ہے خیر ماء علی وجه الارض زمزم طبی اور کیمیائی تحقیقات نے ثابت کردیا ہے کہ زمزم کے پانی میں تمام معدنی مفید اشیاء پائی جاتی ہیں جس کی وجہ سے جگر، معدہ، آنتوں، گردے سب کے لئے مفید ہے کم پینا بھی مفید ہے اور زیادہ پینا مضر نہیں ہے۔

باب بنی شیبہ اور منبر: .... مقام ابراہیمؑ کے سامنے نصف دائرہ کی شکل میں یہ محراب بنی ہوئی ہے۔ اس کا یہ نام آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے ہے اور یہی اس وقت تک باب السلام تھا اور یہی مسجد حرام کی حد تھی۔ بنی شیبہ اور بنی عبد شمس پہلے یہیں رہتے تھے اور طواف قدوم کے لئے حجاج کا پہلا داخلہ اسی دروازہ سے ہوتا ہے گویا یہ کعبۃ اللہ کو سلام کرنا تھا۔ اللھم انت السلام ومنک السلام اسی کے قریب سلطان سلیم خان عثمانی کا بنوایا ہوا بڑے سنگ مرمر کا چمک دار منبر ۹۶۶ھ سے رکھا ہے اس کی تیرہ سیڑھیاں ہیں اس کے اوپر چار سنگ مرمر کے ستون ہیں اور ان پر لکڑی کا لمبا گنبد ہے جو چاندی کی تختیوں سے منڈھا ہوا ہے اور اس پر سونے کی پالش ہے صحن مطاف سے منبر کی بلندی بارہ میٹر ہے۔

مسعیٰ: .... سعی کرنے کی جگہ کو مسعیٰ کہتے ہیں یہ صفا ومروہ دو پہاڑیوں کے درمیان ایک راستہ ہے۔ بیت اللہ کے مشرقی جانب، پہلے یہ مسجد حرام سے باہر تھا اب اسی کے ساتھ شامل کردیا گیا ہے یہ پہاڑیاں بھی اب موجود نہیں ہیں کٹ کٹا کر ختم ہوگئی ہیں صرف ان کی جگہیں متعین ہیں اور وہاں چند سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں ان دونوں میں فاصلہ ڈیڑھ فرلانگ کا ہے۔ صفا پہاڑی جبل ابوقبیس کے دامن میں تھی وہیں سے سعی شروع ہوتی ہے اب مسعیٰ دو منزلہ بن گیا ہے اور اوپر جانے کے لئے زینے بنے ہوئے ہیں۔ مسعیٰ کے درمیان کا تھوڑا سا فاصلہ سبز نشانوں سے ممتاز کردیا گیا ہے ان کو ''میلین اخضرین'' کہتے ہیں جہاں سعی کرنے والے کو ذرا تیز چلنا پڑتا ہے۔

منیٰ، مزدلفہ، عرفات: .... مکہ مکرمہ کے مشرقی جانب جو سڑک، معلاۃ کو جاتی ہے وہی سڑک عرفات تک گئی ہے اس پر منیٰ اور مزدلفہ واقع ہیں۔ منیٰ مکہ مکرمہ سے دو ڈھائی میل کے فاصلہ پر ہے یہاں تین جمرات ہیں اُن کو حجاج قیام منیٰ کے دوران کنکریاں مارتے ہیں یہاں جب حضرت ابراہیمؑ اللہ کے حکم سے اپنے محبوب بیٹے اسماعیلؑ کو قربانی کے لئے لے جارہے تھے تو شیطان نے وسوسہ اندازی کی تھی انہوں نے کنکریاں ماریں تھیں ان کو جمرات ثلاثہ کہتے ہیں ان میں سے بڑا جمرۃ العقبہ، اس کے بعد جمرۃ الوسطیٰ اور تیسرا جمرۃ الاولیٰ کہلاتا ہے۔ منیٰ حج کے تین دنوں میں بہت آباد رہتا ہے۔ شعائر حج یہیں سے شروع ہوتے ہیں اور یہیں ختم ہوجاتے ہیں۔ ۸ ذی الحجہ کو حجاج آجاتے ہیں، پانچ نمازیں پڑھتے ہیں پھر واپسی میں دسویں، گیارہویں، بارہویں اور بعض تیرہویں تاریخ یہاں گزارتے ہیں۔ رمی جمرات اور قربانی کرتے ہیں منیٰ میں سب سے اہم جگہ مسجد خیف جو چوکور اور کھلے صحن کی ایک کشادہ مسجد ہے۔ درمیان میں ایک

قبہ بنا ہوا ہے جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ منیٰ کے معنی خون بہانے کے ہیں وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ مزدلفہ، منیٰ اور عرفات کے درمیان ایک وادی ہے جس کو مشعر حرام کہتے ہیں۔ یہاں بھی ایک مسجد ہے جہاں حجاج عرفات سے واپسی میں نماز مغرب وعشاء پڑھتے ہیں۔ منیٰ میں جمرات کو مارنے کے لئے کنکریاں حجاج یہیں سے چن لیتے ہیں اور صبح ہی یہاں سے منیٰ کے لئے روانگی ہوجاتی ہے اس میں وادی محسر یا بطن محسر ایک گھاٹی ہے وہاں سے تیزی سے گزر جانا چاہئے قیام کی اجازت نہیں ہے۔

اس سے آگے عرفات کا عظیم میدان ہے چونکہ مکہ مکرمہ سے تقریباً ساڑھے پندرہ میل ہے جس میں نہ کوئی آبادی ہے اور نہ کوئی عمارت یا درخت۔ یہ میدان تین اطراف سے پہاڑیوں میں گھرا ہوا ہے درمیان میں شمالی جانب جبل الرحمۃ ہے، جس پر حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ نے اونٹنی پر عظیم تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ نویں ذی الحجہ کو یہ لق ودق میدان اچانک ایک عظیم الشان شہر کی صورت میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ وجہ تسمیہ کئی ہیں۔ منجملہ ان کے کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم وحوا علیہم السلام کی اول ملاقات جنت کے بعد یہاں ہوئی تھی۔ یہاں کی حاضری حج کا سب سے بڑا رکن ہے۔ یہاں کی عظیم مسجد، مسجد نمرہ کہلاتی ہے یہاں بعض شرائط کے ساتھ ظہر وعصر جمع کرکے پڑھی جاتی ہیں۔ خانہ کعبہ کی اس تفصیلی تاریخی کا ذکر تقاضا ہے کہ بیت المقدس یعنی مسجد اقصیٰ پر روشنی ڈالی جائے لیکن اس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل میں انشاء اللہ آئے گا۔ اس کے بعد کعبۃ اللہ اور مسجد حرام کا نقشہ اس سارے بیان کی وضاحت کردے گا۔

خدا کا دنیا میں سب سے پہلا گھر: .... غرضکہ دنیا میں عبادت کے لئے سب سے پہلا اللہ کا گھر ''خانہ کعبہ'' ہے۔ بقول حالی

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا — خلیل ایک معمار تھا جس بناء کا

ازل سے مشیت نے تھا جس کو تاکا — کہ اس گھر سے ابلے گا چشمہ ہدیٰ کا

بیت المقدس بھی اگرچہ قبلۂ انبیاءؑ رہا ہے لیکن قدامت اور عظمت میں وہ اس سے بعد کا ہے۔ حدیث صحیحین میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اس لئے افضل خانہ کعبہ ہی ہے اور شرائع سابقہ میں بھی بابرکت اور قابل زیارت رہا ہے۔ آیت میں خانہ کعبہ کی پانچ نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے چار تشریعی اور صرف ایک تکوینی کو تشریعی آیات کے وسط میں لایا گیا ہے۔ جس سے تشریعی نشانیوں کی عظمت مقصود ہے کہ اول وآخر مطمح نظر یہی تشریعیات ہونی چاہئیں۔ مقام ابراہیم کا نشانی ہونا تو محسوس ہے اور خانہ کعبہ کی طرف اس کا منسوب ہونا اس لئے ہے کہ یہ فضیلت خانہ کعبہ سے تعلق ہی کی وجہ سے اس میں پیدا ہوئی ہے۔ باقی احکام تشریعیہ کا نشان فضیلت ہونا باوجود ان کے غیر محسوس ہونے کے دلائل صحیحہ کی وجہ سے ثابت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایسے عمدہ احکام جن کا ثبوت اور تعلق دلائل سے ہے وہ خانہ کعبہ سے متعلق ہیں۔ بیت المقدس سے ان کا تعلق نہیں ہے اس لئے خانہ کعبہ بیت المقدس سے افضل ہے اور مسلمان اپنے دعوائے افضلیت میں حق بجانب ہیں۔

استطاعت کی تشریح: .... اور استطاعت میں سواری اور توشہ کی شرط روایت کی وجہ سے ہے۔ جس کو خود مفسر پیش کررہے ہیں لیکن حنفیہؒ کے نزدیک صحت بدن، سلامتی، بینائی عقل، اسلام وحریت کی شرائط دوسرے دلائل سے ثابت ہیں۔ جس طرح مقام ابراہیم کا اثر قلوب پر محسوس طور پر تکویناً ہوتا ہے اسی طرح باقی تشریعی نشانیوں کا تکوینی اثر بھی قلوب پر ایسا ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم اور جاہلیت سے اس کے یہ آثار نمایاں ہیں مثلاً حرم میں امن وامان قائم رکھیں، بلکہ اسی کی وجہ سے خاص مہینوں کی حرمت، اس کے گرد طواف کرنا، دُور دراز سے صعوبتیں اور تکلیف سفر اٹھا کر سر کے بل ذوق وشوق سے آنا وغیرہ وغیرہ۔

وَنَزَلَ لَمَّا مَرَّ بَعْضُ الْيَهُوْدِ عَلَى الْاَوْسِ وَالْخَزْرَجِ فَغَاظَهٗ تَاَلُّفُهُمْ فَذَكَّرَهُمْ بِمَا كَانَ بَيْنَهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنَ الْفِتَنِ فَتَشَاجَرُوْا وَكَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ** اِسْتِفْهَامُ تَعْجِيْبٍ وَتَوْبِيْخٍ **وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ** يَتَمَسَّكْ **بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ** بِاَنْ يُّطَاعَ فَلَا يُعْصٰى وَيُشْكَرَ فَلَا يُكْفَرَ وَيُذْكَرَ فَلَا يُنْسٰى فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّقْوٰى عَلٰى هٰذَا فَنُسِخَ بِقَوْلِهٖ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ **وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾** مُوَحِّدُوْنَ **وَاعْتَصِمُوْا** تَمَسَّكُوْا **بِحَبْلِ اللّٰهِ** اَیْ دِيْنِهٖ **جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا** بَعْدَ الْاِسْلَامِ **وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ** اِنْعَامَهٗ **عَلَيْكُمْ** يَا مَعْشَرَ الْاَوْسِ وَالْخَزْرَجِ **اِذْ كُنْتُمْ** قَبْلَ الْاِسْلَامِ **اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ** جَمَعَ **بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ** بِالْاِسْلَامِ **فَاَصْبَحْتُمْ** فَصِرْتُمْ **بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا** فِي الدِّيْنِ وَالْوَلَايَةِ **وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا** طَرَفِ **حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ** لَيْسَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الْوُقُوْعِ فِيْهَا اِلَّا اَنْ تَمُوْتُوْا كُفَّارًا **فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ** بِالْاِيْمَانِ **كَذٰلِكَ** كَمَا بَيَّنَ لَكُمْ مَا ذُكِرَ **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ** اَلْاِسْلَامِ **وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ** الدَّاعُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ النَّاهُوْنَ **هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾** اَلْفَائِزُوْنَ وَمِنْ لِلتَّبْعِيْضِ لِاَنَّ مَا ذُكِرَ فَرْضُ كِفَايَةٍ لَا يَلْزَمُ كُلَّ الْاُمَّةِ وَلَا يَلِيْقُ بِكُلِّ اَحَدٍ كَالْجَاهِلِ وَقِيْلَ زَائِدَةٌ اَیْ لِتَكُوْنُوْا اُمَّةً **وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا** عَنْ دِيْنِهِمْ **وَاخْتَلَفُوْا** فِيْهِ **مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ** وَهُمُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى **وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ** اَیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ ۣ** وَهُمُ الْكٰفِرُوْنَ فَيُلْقَوْنَ فِي النَّارِ وَيُقَالُ لَهُمْ تَوْبِيْخًا **اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ** يَوْمَ اَخْذِ الْمِيْثَاقِ **فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ** وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ **فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ** اَیْ جَنَّتِهٖ **ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ** اَیْ هٰذِهِ الْاٰيٰتُ **اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْھَا عَلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾** بِاَنْ يَّاْخُذَهُمْ بِغَيْرِ جُرْمٍ **وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ** مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا **وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ** تَصِيْرُ **الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾**

ترجمہ:..........(کسی یہودی کا جب خاندانِ اوس وخزرج کے لوگوں پر گزر ہوا اور ان کی باہمی محبت نے اس کو غیظ وغضب میں مبتلا کر دیا جس کی وجہ سے اس نے اوس وخزرج کے زمانۂ جاہلیت کے بعض فتنوں کا ذکر چھیڑ دیا تو یہ لوگ بھبک اٹھے اور قریب تھا کہ تلواریں سونت لی جائیں تو یہ آیات نازل ہوئیں) مسلمانو! اگر تم اہل کتاب میں سے کسی گروہ کی باتوں پر کاربند ہو گئے تو نتیجہ اس کا یہ نکلے گا کہ وہ تمہیں راہ حق سے پھیر دیں گے اور ایمان کے بعد کفر میں مبتلا کر دیں گے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم کفر کی راہ اختیار کرو (استفہام تعجب اور

توبیخ کے لئے ہے) جبکہ تمہارا حال یہ ہے کہ اللہ کی آیتیں تمہیں سنائی جارہی ہیں اور اس کا رسول تم میں موجود ہے اور جو کوئی مضبوطی (قوت) کے ساتھ اللہ کا ہو رہا تو بلاشبہ اس پر سیدھی راہ کھل گئی۔ ایمان والو! اللہ سے ڈرو، ایسا ڈرنا جو واقعی ڈرنا ہے (اس طرح کہ اللہ کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے۔ اس کا شکر کیا جائے کفران نہ کیا جائے، اس کا ذکر کیا جائے اس کو فراموش نہ کیا جائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ! کون ان باتوں کی طاقت رکھتا ہے؟ چنانچہ اس پر فاتقوا اللہ مااستطعتم سے یہ حکم منسوخ ہوگیا) اور دنیا سے نہ جاؤ مگر اس حالت میں کہ اسلام پر ثابت قدم (پرستار توحید) رہو اور اللہ (کے دین) کی رسی مضبوط پکڑلو (تھام لو) سب مل جل کر اور جدا جدا نہ ہو جاؤ (اسلام لانے کے بعد) اور یاد رکھو اللہ نے جو نعمت (انعام) تمہیں عطا فرمائے ہیں (اے اوس وخزرج کے گروہ) تمہارا حال یہ تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے (اسلام سے پہلے) لیکن اس نے ملا دیا (جمع کردیا) تمہارے دلوں کو (اسلام کے ذریعہ) پس بن گئے (ہوگئے) اس کے فضل وکرم سے آپس میں بھائی بھائی (دین و دوستی کے لحاظ سے) تمہارا حال تو یہ تھا کہ آگ سے بھری ہوئی خندق کے کنارے (ڈھانگ) پر کھڑے ہوئے تھے (تم میں اور خندق میں کچھ دوری اور دیری نہیں تھی بجز موت کے) لیکن اللہ نے تمہیں اس حالت سے نکال لیا (ایمان کی بدولت) اسی طرح (جیسا کہ تمہارے لئے ابھی واضح کردیا) واضح فرمادیا کرتے ہیں اپنی نشانیاں اور احکام تا کہ تم راہ پالو اور دیکھو ضروری ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو بھلائی کی باتوں (اسلام) کی طرف دعوت دینے والی ہو۔ وہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور ایسے ہی لوگ (جو داعی، آمر، ناہی ہوں) کامیابی حاصل کرنے والے ہوتے ہیں (بامراد اور لفظ منکم میں من تبعیضیہ ہے کیونکہ مذکورہ احکام فرض کفایہ ہیں تمام امت پر لازم نہیں ہیں اور نہ ہر آدمی مثلاً جاہل کے لئے سزاوار ہیں اور بعض کے نزدیک من زائدہ ہے۔ یعنی چاہئے کہ تم سب مل کر یہ کام کرو) اور ان لوگوں کی سی چال نہ چلنا جو لوگ الگ الگ ہوگئے (اپنے دین سے) اور اختلاف کرلیا (دین میں) باوجودیکہ روشن دلیلیں ان کے سامنے آچکی تھیں (یہود و نصاریٰ مراد ہیں) اور یہی لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس دن کتنے ہی چہرے چمک اٹھیں گے اور کتنے ہی چہرے کالے پڑ جائیں گے (یعنی قیامت کے روز) سو جن لوگوں کے چہرے کالے پڑ جائیں گے (اور وہ کافر ہوں گے نار جہنم میں ان کو جھونک دیا جائے گا اور ان سے ڈانٹ کر کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان (عہد میثاق) کے بعد پھر انکار حق کی راہ اختیار کرلی تھی تو عذاب کا مزہ چکھ لو اپنی منکرانہ چال کی پاداش میں اور جن لوگوں کے چہرے چمک رہے ہوں گے (اور وہ مؤمن ہوں گے) سو وہ اللہ کی رحمت (جنت) کے سایہ میں ہوں گے۔ ہمیشہ رحمت الٰہی میں رہنے والے یہ (آیات مذکورہ) اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو (اے محمدؐ) فی الحقیقت سنا رہے ہیں اور یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا پر ظلم کرنا چاہیں (اس طرح کہ بلا جرم اپنی مخلوق کو پکڑ لیں) اور آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے (سب اسی کے مملوک مخلوق، بندے ہیں) اور بالآخر سب باتیں اللہ ہی کی طرف لوٹنے (رجوع ہونے) والی ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **بعض الیھود** شاس بن قیس یہودی نے جنگ بغاث زمانہ جاہلیت کے واقعات سنا دیئے اور خزرج کی ہجو سے متعلق ایک قصیدہ سنا دیا جس سے لوگوں میں دشمنی کی آگ بھڑک اٹھی۔

یا ایھا الذین امنوا پہلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے بواسطہ حضور ﷺ کے اہل کتاب کو خطاب فرمایا اور یہاں اہل ایمان کی تکریم و تشریف کی خاطر خود خطاب بلاواسطہ فرمایا۔ لفظ **رد** کے بعد **بعد ایمانکم** بظاہر ضرورت نہیں تھی کیونکہ ارتداد ایمان کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ اسی طرح دونوں مفعول کے درمیان اس کو لانا شناعتِ کفر بڑھانے کے لئے ہے۔ اور لفظ **کیف** بھی اظہار تعجب کے لئے ہے تلاوت کی اسناد آنحضرت ﷺ کی طرف نہیں کی گئی ہے کیونکہ مقصود تلاوت کا غرض اصلی کے لئے کافی ہوتا ہے۔ تالی کوئی بھی ہو نیز تلاوت اور رسول اللہ ﷺ کی موجودگی دونوں کا بالاستقلال بیان کرنا مقصود ہے۔

فقد ھدی یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے **اذا جئت فلانا فقد افلحت** یعنی اس صورت میں ہدایت کا حصول اس درجہ یقینی ہے کہ

گویا حاصل ہوچکی ہے جس کی خبر دی جارہی ہے تو دراصل جزاء متیقن کرنا ہے
یا ایھا الذین خطاب میں تکرار تشریفاً ہے اور تکرار میں اہل کتاب کے خطاب کے تکرار کا مقابلہ بھی ہے۔
حق تقتہ ضمیر اگر اللہ کی طرف راجع کی جائے تو مراد اکمل تقویٰ ہے جو انبیاءؑ اور خواص مقربین کا تقویٰ ہوتا ہے۔ جس کی تفصیل مفسر علام کررہے ہیں یہی بات صحابہؓ کے لئے باعث اشکال بنی کہ اللہ کے حق کے موافق تقویٰ کون کرسکتا ہے لیکن تقتہ کی ضمیر کا مرجع اگر خود تقویٰ کو قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ تقویٰ کا جو حق ہے اس کو ادا کرو اور اس کی تفسیر فاتقوا اللہ ما استطعتم میں کردی گئی ہے۔
حضرات صحابہؓ کے استفسار پر تو جمہور ومحققین کی رائے پر اس آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں رہتی، البتہ مقاتل کی رائے وہی ہے جو مفسر جلال نے پیش کی ہے کہ اس سورت میں بجز اس آیت کے کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔
ولا تموتن مراد دوام علی الاسلام یا بقول کبیرا قامت علی الاسلام ہے کیونکہ موت امر ضروری ہے اس لحاظ سے گویا یہ کہا گیا ہے داموا علی الاسلام بحبل اللہ حدیث میں فرمایا گیا ہے القران حبل اللہ المتین لاتنقضی عجائبہ ولایخلق عن کثرۃ الرد من قال بہ صدق ومن عمل بہ رشد ومن اعتصم بہ ھدی الی صراط مستقیم لفظ حبل میں استعارہ کیا گیا ہے جس طرح رسی کا پکڑنا کرنے سے سلامتی کا باعث ہوتا ہے اسی طرح قرآن کا تمسک باعث نجات ہے اور لفظ اعتصام میں ترشیح مجازی ہے، علامہ آلوسیؒ کہتے ہیں کہ مؤمنین کی حالت کو اس رسی کے پکڑنے سے تشبیہ دی گئی ہے جو اوپر سے لٹکی ہوئی ہو۔
یدعون مفعول محذوف ہے ای یدعون الناس وینھون منکر کو کہتے ہیں جو عقل وشرع کے خلاف ہو یا معروف کے معنی ایسی چیزیں جو قرآن وسنت کے موافق اور منکر جو ان کے خلاف ہو یا معروف طاعت کو اور منکر معاصی کو کہتے ہیں۔ دعوت الی الخیر عام اور مجمل عنوان ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور مفصل معطوفات ہیں اور من تبعیضیہ ہے یا بیانیہ، کیونکہ محتسب یا جس کو امام نے تبلیغ احکام پر مامور کیا ہے اس پر تو فرض علی العین ہے ورنہ فرض علی الکفایہ ہے من کو تنبیہ ماننے کی صورت میں وجوب علی الکفایہ اس کے معارض نہیں ہوگا کیونکہ عموم خطابات وجوب علی العین کا تقاضا نہیں کرتے چنانچہ جہاد کا خطاب عام ہے حالانکہ خود جہاد واجب علی الکفایہ ہے۔ نیز اس کے مخاطب تمام مؤمنین ہیں جن میں اوس وخزرج بھی اولاً داخل ہیں۔
المفلحون یعنی کامل الفلاح۔ اس لئے ان کے علاوہ دوسروں سے فلاح کی بالکلیہ نفی لازم نہیں آئی البتہ دوسروں پر ان کی فوقیت ثابت ہوئی خیر الناس من ینفع الناس حدیث نبوی ہے۔
منھا ضمیر لفظ حضرہ کی طرف راجع ہے۔ گویا شفا سے انقاذ۔ انقاذ من الحضرہ ہے اس لئے سنت اور احسان کی اضافت انقاذ من الحضرہ ابلغ اور اوقع ہوگئی۔ الامۃ جماعت جس کا قصد کیا جائے، اس کا اطلاق انبیاءؑ کی اتباع پر بھی کیا جاتا ہے کیونکہ سب ایک ہی مقصد پر جمع ہوتے ہیں اور مقتدا کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے کہ ان ابراھیم کان امۃ اور دین وملۃ پر بھی اطلاق آتا ہے جیسے انا وجدنا اباء نا علی امۃٍ اور زمانہ پر بھی اطلاق آتا ہے جیسے وادّکر بعد امۃٍ
ولا تفرقوا یعنی اصول میں تفریق نہ کرو فروع کی تفریق مراد نہیں ہے کہ وہ تو ایک لحاظ سے باعث رحمت ہے ارشاد ہے اختلاف امتی رحمۃ واسعۃ اور من اجتھدا فاصابہ فلہ اجران ومن اخطأ فلہ اجرٌ واحدٌ بشرطیکہ نصوص واجماع کے مخالف اختلاف نہ ہو یوم تبیض منصوب ہے اذکر مقدر کی وجہ سے یا مستقر لھم عذاب کے عامل کی وجہ سے پہلی صورت میں یہ مفعول بہ اور دوسری صورت میں مفعول فیہ ہوگا۔ یوم اخذ المیثاق یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ اکفرتم بعد ایمانکم کہنا کس طرح صحیح ہے درآنحالیکہ ان کا ایمان پہلے سے متحقق نہیں تھا۔ بلکہ کافر الاصل ہیں حاصل جواب یہ ہے کہ ایمان سے مراد عہد الست ہے جو سب نے کیا تھا۔
رحمۃ اللہ کی تفسیر جنت کے ساتھ مفسر علامؒ نے اس لئے کی ہے کہ دخول جنت کی اصل علت اللہ کی رحمت ہے جو طاعت وعمل نہیں

ہے گویا حال بول کرمحل مرادلیا گیا ہے۔ واما الذین ابیضت ترتیب کا تقاضا تو یہ تھا کہ اما الذین اسودت کا ذکر موخر ہونا چاہئے تھا اور اس کا مقدم لیکن اس نکتہ کی رعایت کی گئی ہے کہ مؤمنین کے ذکر سے کلام کی ابتداء اور انتہاء ہو۔ اول میں ان کی شان اور آخر میں ان کا ثواب۔ تلک مبتداء ایات اللہ خبر نتلوھا حال ہے وما اللہ یرید جب ارادۂ ظلم کی نفی ہے تو ظلم کی نفی بدرجۂ اولیٰ ہوگی للہ مفسر علام نے اس کی تفسیر میں لام ملک کی طرف اشارہ کردیا ہے اور اللہ کے ساتھ اختصاص ظاہر ہے کہ اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔

ربط:.......... آیت یا ایھا الذین میں مسلمانوں کو فہمائش ہے کہ وہ مخالفین کی کاروائیوں سے محتاط اور چوکنے رہا کریں جیسا کہ اس کا خاص واقعہ میں ذراسی غفلت سے شیطان نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرلی تھی۔ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ میں بھی اسی فہمائش کی تاکید ہے اور یہ کہ خود مضبوطی سے ہدایت پر قائم رہو اور آیت ولتکن میں دوسروں کو بھی ہدایت پر قائم کرنے کی کوشش کا حکم ہے جیسا کہ اس سے پہلی آیات میں خود گمراہ ہونے اور دوسروں کو گمراہی پر چلانے کی ممانعت کی گئی تھی۔

شانِ نزول:.......... ایک اندھے شماس بن قیس کی جنگ بعاث کا قصہ چھیڑ دینے کا واقعہ اور گڑے مُردے اکھاڑنے کا جو نتیجہ ہوا اس کا تذکرہ جلال مفسر کرچکے ہیں۔

﴿تشریح﴾:...... عرب جاہلیت اور اسلام کا نقشہ:.......... عرب کی بے انتہا برائیوں کا اندازہ صرف اس ایک بات سے کیا جاسکتا ہے کہ آپس میں جنگ وجدال، قتل وغارت، مار دھاڑ ان کا ایک معمولی کھیل اور ہنر تھا جس سے ان کی قوت وسالمیت پارہ پارہ ہورہی تھی۔ اوس وخزرج کے درمیان مشہور جنگ بعاث کا بازار ایک سو بیس سال اس طرح گرم رہا کہ ہر مرنے والا اپنے جانشینوں کو اس آگ کے روشن رکھنے کی وصیت کرکے جاتا تھا۔ جس کو ان کے بڑوں نے لڑائی کی صورت میں سلگایا تھا۔ لیکن یہ اسلام ہی کی برکت تھی کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے دشمنوں کو اس نے باہم شیروشکر کردیا۔ اور دست وگریبان ہونے والوں کو گلے ملادیا۔ بلکہ وہ عظیم الشان مواخات اور بھائی چارگی قائم کردی جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی صدیوں کے عداوت اور دشمنی کی آگ کو بجھا کر خاکستر بنادیا۔

لیکن اے مسلمانو! یہ کیا اندھیر ہے کہ اندھے نے راکھ کے ڈھیر میں سے ایک ذراسی چنگاری کو ہوا دینی شروع کی تو پھر سے آگ بھڑکنے کے قریب ہوگئی، نزدیک تھا کہ زبانی سرد جنگ، سیف وسنان کی گرم جنگ میں تبدیل ہوجاتی۔ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں جبکہ اللہ کا کلام بھی اتر رہا ہے۔ آخر یہ شیطان کو بار کیسے مل رہا ہے لیکن خیر مقدم ستائش ہے کہ پیغمبرانہ ایک للکار سے پھر شیطانی جال کے سب حلقے ایک ایک کرکے ٹوٹ گئے۔

اسلام کی برکات:.......... اہل کتاب کی محرومیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد پیروانِ اسلام کو بتلانا ہے کہ یہود ونصاریٰ کی گمراہیاں تمہارے لئے درس عبرت ہیں اگر تم نے ان کی گمراہانہ خواہشوں کی پیروی کی تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ راہ ہدایت پاکر پھر گمراہی میں مبتلا ہوجاؤ گے۔ ایمان کی برکتوں کے حصول کے لئے یہی کافی نہیں ہے کہ بس ایمان کا اقرار کرلو۔ بلکہ اصل چیز ایمان کا جماؤ ہے، اس لئے ضروری ہے کہ (۱) جماعت کے تفرقہ سے بچو، اللہ کی رسی مضبوط کرلو، جو چھوٹ تو سکتی ہے لیکن ٹوٹ نہیں سکتی، اللہ کی سب سے بڑی نعمت تم پر یہ ہے کہ تمہاری دشمنی دور کرکے بھائی بھائی بنادیا۔ (۲) دوسروں کے طور طریق سے اپنے دل ودماغ کی حفاظت کرو۔

(۳) تم میں ہمیشہ ایک جماعت ہونی چاہئے جو تقویٰ، اتحاد واتفاق، قومی زندگی، اسلامی مواخات باقی رکھنے کے لئے دعوت و ارشاد کا کام کرے جس کا وظیفہ یہ ہے کہ اپنے قول وعمل سے دنیا کو قرآن وسنت کی طرف بلائے، لوگوں کو جب اچھے کاموں میں سست اور

برے کاموں میں چاق و چوبند دیکھے تو مقدور بھر اصلاح کی کوشش کرے، اور ظاہر ہے کہ یہ کام حدود سے واقفیت اور قرآن وسنت کی معرفت کے بغیر کس طرح انجام پاسکتا ہے اس لئے مخصوص شرائط کے ساتھ اس کے لئے ایک جماعت وقف رہنی چاہئے۔

(۴) یہود و نصاریٰ کی طرح نہ بنو۔ان کی سب سے بڑی گمراہی یہ تھی کہ اللہ کے صاف احکام پہنچنے کے بعد بعض اوہام واہواء کی پیروی کر کے وہ اصول دین میں متفرق اور فروع احکام میں مختلف ہو گئے ہیں جس نے ان کی قومیت اور شیرازہ بندی کو تباہ کر دیا اور اس طرح وہ عذاب الٰہی کے نیچے آ گئے۔

لطائف:............اہل کفر کی پیروی دو طرح ہوتی ہے۔(۱) اعتقادی پیروی کہ اس سے کفر واعتقاد پیدا ہو جاتا ہے اور (۲) عملی پیروی کہ اس سے کفر عملی پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے یہاں ان کے کہنے میں آ کر مسلمان مشتعل ہو گئے۔ غرضکہ ہر طرح کے کفر اور اس کی پیروی سے بچنا ضروری ہے اور مجازاً کفر عملی پر قرآن وحدیث میں کفر کا اطلاق شائع ذائع ہے **وفیکم رسولہ** کا خطاب اگر صرف صحابہؓ کو ہے تب تو رسول اللہ ﷺ کی موجودگی ظاہر ہے اور بتقاضائے مقام مضمون عام لیا جائے تو آثار وشواہد نبوت کا تا قیامت قائم رہنا بمنزلہ آپ ﷺ ہی کے تشریف رکھنے کے ہے کیونکہ اصل مؤثر آپ ﷺ کے ہادی ہونے میں آپ ﷺ کا وصفِ نبوت تھا اور اب بھی ہے اور تا قیامت آپ ﷺ کی نبوت رہے گی۔ **حق تقتہ** کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کی عظمت کا جو حق ہے اتنا ادا کرو کیونکہ یہ حق کسی سے ادا نہیں ہو سکتا بلکہ منشاء یہ ہے کہ جس قدر حق تمہارے ذمہ واجب کر دیا گیا اس کو بجالاؤ یعنی تقویٰ کے ادنیٰ درجہ پر جس کا حاصل صرف کفر وشرک سے بچنا ہے اکتفاء نہ کرنا بلکہ اس کا اعلیٰ درجہ حاصل کرو جس میں معاصی سے بچنا بھی داخل ہے۔

احکام وآداب تبلیغ:............تبلیغ کے احکام، آداب وشرائط کی تفصیلات تو احکام القرآن ابوبکر رازی میں اور تفسیرات احمدی اور عالمگیری، تاتارخانیہ، خلاصہ وغیرہ میں ملے گی تاہم یہ مسائل ستہ (۶) ضرور پیش نظر رہنے چاہئیں۔

(۱) سب سے پہلی حدیث ابوسعید خدریؓ **من رای منکم منکراً** کے لحاظ سے اس سلسلہ میں قادر اور غیر قادر ہونے کا فرق ملحوظ رکھنا ہے۔ یعنی اگر کسی کو غالب قرائن سے اطمینان ہو کہ دوسرے کو فہمائش ونصیحت کرنے سے اس کو زیادہ نقصان لاحق نہیں ہوگا تو اس کے لئے واجب چیزوں کی تبلیغ واجب اور مستحبات کی تبلیغ مستحب ہوگی۔ (۲) اگر ہاتھ سے اس اچھائی یا برائی کے انتظام اور تغیر کی قدرت ہو تو ہاتھ سے اور زبان سے ہو تو زبان سے قدرت کو کام میں لانا ضروری ہوگا۔ ورنہ دل سے برائی کو برا جاننا ضروری ہوگا جو قدرت کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔ (۳) پھر قدرت کے ساتھ یہ وجوب علی الکفایہ ہے کہ بقدر ضرورت اگر لوگ اس میں لگے ہوں اور کام چل رہا ہو تو دوسرے اصحابِ قدرت کے ذمہ سے ساقط ہے ورنہ سب لوگ تارکِ واجب سمجھے جائیں گے کیونکہ تقسیم کار کا اصول نہایت ضروری ہے دین کے آخر اور ابواب بھی ہیں ان سب کے حدود کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ تدریس، تصنیف، افتاء وغیرہ خدمات کے لئے بھی ایک ایک معتدبہ جماعت کی ضرورت ہوگی اگر سب ایک ہی طرف لگ گئے تو دوسرے کام ادھورے رہ جائیں گے الا یہ کہ خود تبلیغ کے مفہوم میں اس قدر توسع کر لیا جائے کہ یہ سب ابواب ایک ہی کتاب کے اوراق بن جائیں۔ تو پھر بھی انفراداً ہر ورق پر حفاظتی نظر فرض علی الکفایہ رہے گی۔ (۴) ہاتھ کی قدرت کی صورت میں تو کبھی بھی امر ونہی کا ترک جائز نہیں ہوگا زبانی قدرت کی صورت میں البتہ نفع سے مایوسی کے وقت نصیحت چھوڑنے کی اجازت ہوگی مگر ساتھ ہی اگر کوئی مجبوری نہ ہو تو تعلق ومحبت بھی ترک کرنا ضروری ہوگا۔ (۵) قدرت کے علاوہ بقدر ضرورت اس چیز کے متعلق شریعت کا حکم بھی معلوم ہونا ضروری ہے یعنی معروف ومنکر کا علم قرآن وسنت کی معلومات، موقع ومحل شناسی بنیادی چیز ہے ورنہ بہت ممکن ہے کہ ایک جاہل معروف کو منکر اور منکر کو معروف خیال کر کے اصلاح کی بجائے سارا نظام ہی

تحمل کر کے رکھ دے یا ایک منکر کے ساتھ ایسا طریقۂ کار اور روش اختیار کرے کہ اس سے اور بھی زیادہ منکرات بڑھ جائیں یا نرمی کی جگہ گرمی اور گرمی کی بجائے نرمی اختیار کر بیٹھے۔ اس طرح مقصد اصلاح ودعوت ہی فوت ہوجائے گا، چنانچہ مستحبات میں مطلقاً نرمی کرنی چاہئے اور واجبات میں اولاً نرمی سے کام نہ چلے تو گرمی برتنی چاہئے۔(۶) جس شخص کو مذکورہ تفصیل کے ساتھ قدرت نہ ہو اس پر مستحبات تو مستحبات واجبات کی تبلیغ بھی واجب نہیں رہتی البتہ اگر ہمت اور عزیمت پر عمل کرلے تو افضل الجہاد کلمة حق عند سلطان جائر کے باعث باعثِ ثواب ہوگا۔

لیکن اگر علم سے بے بہرہ اور چیز کی شرعی معلومات سے بے خبر ہو تو "ضلوا فاضلوا" کا مصداق ہوگا۔ خود بھی گنہگار اور دوسرے سننے والوں کو بھی گنہگار کریگا "خفتہ را خفتہ کے کند بیدار" اور "ہر کہ خود گم است کرا رہبری کند" آزمودہ بزرگوں کا مقولہ ہے اس کے علاوہ تصحیح نیت یعنی محض لوجہ اللہ اس کا ارادہ ہونا مامورد ین پر شفقت اور خیر اندیشی کا جذبہ ہونا ناصح کا حلیم و بُردبار اور صبور ہونا، فتنہ وفساد کے برپا ہونے کا اندیشہ نہ ہونا، واعظ کا مجلس وعظ ہی میں لوگوں سے سوال نہ کرلینا، اور ذاتی اغراض پیش نہ کردینا وغیرہ وغیرہ ضروری آدابِ تبلیغ قابل لحاظ ہوں۔

مسئلہ اتحاد واتفاق:.......... بذاتِ خود نہ تو اتحاد واتفاق فی نفسہ محمود اور مطلوب ہوتا ہے اور نہ تفریق واختلاف فی حدِ ذاتہ مذموم اور بُرا ہے بلکہ ان کے پیچھے مقاصد کو دیکھنا پڑے گا اگر مقصد محمود ہے تو ذرائع بھی مستحسن شمار ہوں گے خواہ اختلاف ہی کیوں نہ ہوں، اور مقصد اگر مذموم ہے تو پھر وسائل چاہے اتفاق واتحاد ہی کیوں نہ ہوں یقیناً بُرے ہوں گے چنانچہ اصول دین میں اگر اختلاف ہوگا یا فروع دین ہی میں براہ نفسانیت اختلاف ہو تو یقیناً بدترین گناہ ہوگا۔ اہل باطل واہواء اور مبتدعین کا اختلاف اہل سنت والجماعت سے اسی قسم کا رہا ہے جو قابل نفرت وملامت ہے۔ آیت "من بعد ماجاء تهم البينت" میں اسی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اصول تو تمام واضح ہوتے ہیں لیکن بعض فروع بھی اس طرح واضح نہیں ہوتے ہیں کہ اگر نفسانیت کو دخل نہ ہو تو اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی۔ ہاں جن بعض فروع میں کوئی نص نہیں ہوتی یا ہوتی ہے مگر بظاہر معارض اور وجہ تطبیق کچھ کھلی ہوئی نہیں ہوتی پس ایسے فروع غیر ظاہرہ میں اختلاف ہوجانا بعید نہیں ہے اور نہ محلِ ملامت اور قابل مذمت ہے کہ اس کو آیت کے ذیل میں داخل کیا جائے بلکہ امت کے حق میں ایسے اختلاف کو باعثِ سہولت ورحمت کہا گیا ہے جیسا کہ اہل حق کے درمیان مسائل اجتہادیہ میں ہوا ہے کہ وہ اختلاف مخالفت کی حد تک نہیں پہنچتا جو علامت ہوتی ہے نفسانیت اور انانیت کی۔

لطائف:.......... اكفرتم کے پیش نظر الذين تفرقوا کے مصداق میں مفسر مختلف ہیں بہتر یہ ہے کہ کفر سے مراد عام معنی لئے جائیں خواہ ان کا توحید ورسالت ہو یا اعتقاد وبدعت ہو۔ کیونکہ وضوح دلائل کے بعد ہی یہ تمام باتیں ہوا کرتی ہیں۔ اب تمام کفار واہل کتاب آیت کا مصداق ہوجائیں گے اور معنی یہ ہوجائیں گے کہ اے صحابہؓ یا عام مسلمانو! تم ان مخالفین کی طرح مت ہوجاؤ پس اس صورت میں مشبہ اور مشبہ بہ میں اگرچہ یہ فرق رہے گا کہ مشبہ میں معصیت عملی اور مشبہ بہ میں معصیت اعتقادی ہوگی اور پھر اس کی وجہ سے وجہ شبہ میں بھی فرق اور اُتنا ہی تفاوت مشبہ اور مشبہ بہ کی وعیدوں میں رہے گا لیکن صحتِ تشبیہ کے لئے طرفین کی مماثلت من کل الوجہ ضروری نہیں ہوتی اس لئے کوئی حرج نہیں۔

وما الله يريد الخ میں ظلم کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مالکِ مطلق ہیں وہ اپنی مخلوق کے ساتھ جو کچھ بھی کریں اس کو ظلم ہرگز نہیں کہا جاسکتا، پس جب کوئی ان کا حقیقۃً ظلم نہیں تو اس کی نفی کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ یہاں ظلم کے متبادر معنی مراد

ہیں جن کو عقلاً یا شرعاً بندوں کے نزدیک ظلم کہا جاتا ہے وہ بھی اللہ کی جناب میں نہیں پائے جاتے۔

حق تقتہ یہ آیت طریقت کی مطلوبیت پر صاف دلالت کر رہی ہے کیونکہ طریقت کا حاصل بھی حق تقویٰ کی ادائیگی ہے۔

ولتکن منکم امۃ اس سے معلوم ہوا کہ مشائخ طریقت میں جو اہل ارشاد ہوتے ہیں وہ غیر اہل ارشاد سے افضل اور بہتر ہوتے ہیں۔

كُنتُمْ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ فِىْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى **خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ** اُظْهِرَتْ **لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ** بِاللّٰهِ **لَكَانَ** الْاِيْمَانُ **خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ** كَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍؓ وَاَصْحَابِهٖ **وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾** اَلْكَافِرُوْنَ **لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ** اَىِ الْيَهُوْدُ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ بِشَيْءٍ **اِلَّآ اَذًى ؕ** بِاللِّسَانِ مِنْ سَبٍّ وَّوَعِيْدٍ **وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ** مُنْهَزِمِيْنَ **ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾** عَلَيْكُمْ بَلْ لَكُمُ النَّصْرُ عَلَيْهِمْ **ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا** حَيْثُمَا وُجِدُوْا فَلَا عِزَّ لَهُمْ وَلَا اعْتِصَامَ **اِلَّا** كَائِنِيْنَ **بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ** الْمُؤْمِنِيْنَ وَهُوَ عَهْدُهُمْ اِلَيْهِمْ بِالْاِيْمَانِ عَلٰى اَدَاءِ الْجِزْيَةِ اَىْ لَا عِصْمَةَ لَهُمْ غَيْرُ ذٰلِكَ **وَبَآءُوْ** رَجَعُوْا **بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ** اَىْ بِسَبَبِ اَنَّهُمْ **كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ** تَاكِيْدٌ **بِمَا عَصَوْا** اَمْرَ اللّٰهِ **وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾** يَتَجَاوَزُوْنَ الْحَلَالَ اِلَى الْحَرَامِ **لَيْسُوْا** اَىْ اَهْلُ الْكِتٰبِ **سَوَآءً ؕ** مُسْتَوِيْنَ **مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ** مُسْتَقِيْمَةٌ ثَابِتَةٌ عَلَى الْحَقِّ كَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍؓ وَاَصْحَابِهٖ **يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ** اَىْ فِىْ سَاعَاتِهٖ **وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾** يُصَلُّوْنَ حَالٌ **يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ** الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ **مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾** وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّيْسُوْا كَذٰلِكَ وَلَيْسُوْا مِنَ الصّٰلِحِيْنَ **وَمَا يَفْعَلُوْا** بِالتَّاءِ اَيَّتُهَا الْاُمَّةُ وَبِالْيَاءِ اَىِ الْاُمَّةُ الْقَائِمَةُ **مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ** بِالْوَجْهَيْنِ اَىْ تُعْدَمُوْا ثَوَابَهٗ بَلْ تُجَازَوْنَ عَلَيْهِ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ** تَدْفَعَ **عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ** اَىْ عَذَابِهٖ **شَيْئًا ؕ وَ** خَصَّهُمَا بِالذِّكْرِ لِاَنَّ الْاِنْسَانَ يَدْفَعُ عَنْ نَّفْسِهٖ تَارَةً بِفِدَاءِ الْمَالِ وَتَارَةً بِالْاِسْتِعَانَةِ بِالْاَوْلَادِ **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾**۔

ترجمہ:.......... (اے محمد کی امت! اللہ کے علم میں) بہترین امت ہو جو ظہور میں آئی (نمایاں ہوئی) ہے لوگوں کی اصلاح کے لئے تم نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے اور اللہ پر ایمان رکھنے والے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے (اللہ پر) تو (ایمان) ان کے لئے بہترین بات ہوتی۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ایمان رکھنے والے ہیں (جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے رفقاء) لیکن بڑی تعداد ان ہی لوگوں کی ہے جو اطاعت کے دائرہ سے باہر (کافر) ہو چکے ہیں وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے (یہ یہود اے مسلمانو!) الا یہ کہ تھوڑی بہت کچھ اذیت پہنچا دیں (زبانی گالی یا دھمکی دے کر) اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو یاد رکھو کہ انہیں لڑائی میں پیٹھ دکھانی

پڑے گی (شکست کھائی ہوگی) پھر بھی فتح مند نہ ہوں گے (تمہارے مقابلہ میں بلکہ تمہیں ان کے مقابلہ میں کامیاب کیا جائے گا) ان لوگوں پر ذلت کی مار پڑی جہاں کہیں بھی یہ پائے گئے (جس جگہ بھی ہیں ان کو عزت اور جماؤ نصیب نہیں ہے) ہاں یہ کہ اللہ کے عہد سے پناہ (پانے والے ہوگئے ہوں) یا انسانوں کے عہد سے پناہ مل گئی ہو (یعنی مسلمانوں کی طرف سے اس عہد کی وجہ سے جو ایمان کے سلسلہ میں ادائے جزیہ پر انہوں نے کیا ہو۔ حاصل یہ کہ بجز اس عہد کے اور کوئی صورت ان کے بچاؤ کی نہیں ہے) اور غضب الٰہی ان پر چھا گیا ہے (مستحق ہوگئے) محتاجی میں گرفتار ہوگئے اور یہ اس لئے (یعنی اس سبب سے) ہوا کہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور نبیوںؑ کے قتل ناحق کے مرتکب تھے یہ (ماقبل کی تاکید کے لئے ذلک ہے) اس لئے ہوا کہ (اللہ کے حکم کی) نافرمانی کرنے لگے تھے اور حد سے گزر گئے تھے (کہ حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے لگے تھے) یہ بات نہیں ہے کہ (تم اہل کتاب) برابر ہیں (سواء بمعنی مستوٍ ہے) ان اہل کتاب میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو قائم ہیں (حق پر مستقیم اور ثابت قدم ہیں۔ جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے رفقاء) وہ اللہ کی آیتوں کی تلاوت راتوں میں (رات کی گھڑیوں میں) اٹھ کر کرتے ہیں اور اس کے حضور میں سر بسجود رہتے ہیں (نماز میں مشغول رہتے ہیں یہ حال ہے) وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں نیکی کا حکم کرتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، بھلائی کے کاموں میں پھرتیلے رہتے ہیں اور یہ لوگ (جن کا تذکرہ ہوا) نیک کرداروں میں ہیں (لیکن اہل کتاب میں سے بعض لوگ نہ ایسے ہیں اور نہ شائستہ لوگوں میں شمار ہوتے ہیں) اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو (تفعلوا تا اور یا کے ساتھ ہے یعنی اے امۃ یا امۃ قائمۃ) نیک کاموں میں سے ہرگز اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی (دونوں طریقہ پر یہاں بھی ہے۔ یعنی ان کو ثواب سے محروم نہیں کیا جائے گا بلکہ بدلہ دیا جائے گا) اور اللہ تعالیٰ متقیوں کو خوب جانتے ہیں جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی نہ تو بچا سکے گی (محفوظ رکھ سکے گی) انہیں مال و دولت کی طاقت اور نہ اولاد کی کثرت اللہ (کے عذاب) سے کچھ کسی درجہ میں (مال و اولاد کا ذکر بالتخصیص اس لئے ہے کہ انسان کبھی اپنا بچاؤ فدیہ مالی سے کرتا ہے اور کبھی اولاد کے بل بوتہ پر) یہ لوگ دوزخی اور ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **کنتم** لفظ کان کبھی لزوم کے لئے آتا ہے جیسے **وکان الانسان اکثر شیء جدلاً** اس کے بعد جلال محققؒ نے ''امۃ محمدؐ'' سے اشارہ کردیا کہ اس سے خطاب تمام امت کو ہے چنانچہ حدیث صحیح میں ارشاد ہے **وجعلت امتی خیر الامم** لیکن ابن ابی حاتمؒ کی روایت حضرت عمرؓ سے یہ ہے کہ اس سے مراد صرف صحابہؓ ہیں اس لئے **کنتم** بصیغۂ خطاب فرمایا گیا۔ ورنہ اگر دوسرے لوگ مراد ہوتے تو **انھم** ہونا چاہئے تھا اور ابن عباسؓ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد صرف وہ حضرات صحابہؓ ہیں جنہوں نے آپؐ کے ساتھ ہجرت کی۔

فی علم اللہ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ اس میں اشارہ وجود شی فی زمان الماضی کی طرف ہے بطریق ابہام۔ لیکن عدم سابق اور انقطاع لاحق پر اس کی کوئی دلالت نہیں۔ **اخرجت** صفت ہے امۃ کی **الناس، الف لام** سے اشارہ تعمیم کی طرف ہے کہ یہ امت تمام انسانوں کے لئے باعث رحمت وخیر ہے۔ **تامرون** صیغۂ خطاب تشریعاً ہے کہ تمام حجابات اٹھا دیئے گئے ہیں اور تم غایت تقرب سے مرتبۂ حضوری میں پہنچ گئے ہو جملہ مستانفہ ہے خیرات کا بیان ہے۔ **لکان خیرا لھم** یہ خیریت ان کے اپنے گمان کے لحاظ سے ہوتی۔

الاذی سے پہلے مفسرؒ نے بشیءٍ استثناء متصل کی طرف اشارہ کرنے کے لئے نکالا ہے۔

ثم لاینصرون ثم تراخی فی الاخبار کیلئے ہے یعنی اخبار تولی سے زیادہ بڑی خبر تسلط خذلان کی خبر ہے اور **لاینصرون** کا عطف جوابِ شرط پر نہیں ہے ورنہ یہ وہم ہوگا کہ بغیر قتال ان کی امداد ہوسکتی ہے جو غلط ہے یہ جملہ مستانفہ کے سلب نصرۃ کو تمام احوال میں بتلاتا ہے۔

الابحبل من اللہ یہ استثناء جمع احوال سے ہے عہد کے لئے لفظ حبل استعارہ ہے کیونکہ دونوں کامیابی اور نجات کا باعث ہوتے ہیں اللہ کا امان تو اداء جزیہ کی صورت میں ان کے جان و مال کی حفاظت ہے اور دوسرا امان امامِ وقت کی طرف سے مفت ہو یا کسی مخصوص

رقم پر، بہرحال دونوں صورتوں میں مسلمانوں کو ان کی پابندی کرنی چاہیے۔

ضربت علیهم الذلة چونکہ آنحضرت ﷺ کے معاصر یہود قتل انبیاءؑ کی آبائی فعل پر رضامند تھے اس لئے ان کو بھی جرم اور پاداش میں شریک کرلیا گیا ہے آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذلت و مسکنت کی علت کفر اور قتل انبیاءؑ ہے اور خود کفر کی علۃ معاصی ہیں گویا ذلت کا سبب السبب معاصی ہیں۔

کعبد الله ثعلبہ بن سعیدؓ، اسید بن عبیدؓ وغیرہ دوست احباب مراد ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے اور بعض کی رائے ہے کہ اس سے مراد چالیس نصاریٰ نجران اور بتیس حبشی اور تیس رومی ہیں جو پہلے عیسائی تھے لیکن سب نے آنحضرت کی تصدیق کی اور بعض انصار جیسے اسعد بن زرارہؓ، براہ بن معرورؓ محمد مسلمہؓ، ابوقیسؓ، صرمہ بن انسؓ وغیرہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے ہی موحد تھے، غسل من الجنابۃ کرتے اور دین حنیف کی جو باتیں ان کو معلوم تھیں ان کو ادا کرتے، جب آپ ﷺ تشریف لائے تو سب نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور آپ ﷺ کی تائید و نصرت کی۔ قائمة یہ قام لازم سے ماخوذ ہے بمعنی استفہام ای مستقیمة علی طاعة الله

اناء الیل انا اس کا واحد انا بروزن عصا ہے اور بعض کے نزدیک معاکی طرح ہے۔ اناء کے معنی ساعات ہیں مراد تہجد ہے اور بعض نے نماز عشاء مراد لی ہے۔ تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب یہ نماز نہیں پڑھتے اور مفسر نے یصلون سے تفسیر اس لئے کی ہے کہ تلاوت قرآن سجدہ میں نہیں ہوتی، اس لئے نماز ہی مراد ہے فاعل یتلون سے حال ہے۔

یسارعون یعنی مبادرۃ اور رغبت کے معنی میں بھی آتا ہے اور مفاعلۃ سے مبالغہ کے لئے ہے۔ سرعۃ اور عجلت میں یہ فرق ہے کہ سرعۃ کہتے ہیں مناسب اور جائز چیز میں جلدی کرنے کو جس کی ضد ابطاء آتی ہے اور عجلت کہتے ہیں نامناسب چیز میں جلدی کرنے کو اس کی ضد اناء ۃ ہوتی ہے سرعت محمود اور عجلت مذموم ہوتی ہے فرمایا گیا ہے التعجیل من الشیطان

ومنهم من لیسوا کذلک مفسرؒ نے اشارہ کردیا ہے کہ عادتِ عرب کی طرف کہ اس کی وجہ سے احد الفریقین کے ذکر پر اکتفاء کرلیا گیا ہے اور دوسرے فریق پر منهم لیسوا کذالک کا ذکر نہیں کیا گیا۔

فی الخیرات بجائے الی کے فی استعمال کر کے اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اصل غیر میں مستقر ہیں اس سے باہر ہو کر اس کی طرف منتہی نہیں ہیں۔

من الصالحین یہود کے قول کا رد ہے وہ کہا کرتے تھے ما امن به الا اشرارنا. لن یکفروه اصل معنی کفر کے ستر اور چھپانے کے ہیں لیکن معنی منع اور حرمان کے متضمن ہونے کی وجہ سے اس کا تعدیہ دو مفعول کی طرف کرلیا گیا ہے۔

ربط:............ گذشتہ آیات میں ثبات علی الایمان اور معروفات کی ترویج اور منکرات کی تخریب پر زور دیا گیا تھا، آیت کنتم خیر امة میں اسی کی مزید ترغیب و تاکید ہے کہ تمہارا خصوصی وصف اور مبنیٰ خیریت ہے جب تک اس پر قائم رہو گے سمجھو کہ یہ خیریت پر ہو۔ اس لئے اس میں کمی نہ آنے پائے اس سلسلہ میں تم کو نقصانات اور تکالیف کا خطرہ بھی درپیش ہوگا۔ لن یضروکم میں اس کی طرف سے اطمینان کرایا جارہا ہے بلکہ ضربت علیهم الذلة میں مخالفین اور دشمنوں کے نقصان سے دوچار ہونے کی اطلاع دی جارہی ہے آیت لیسوا سواءً میں بتلایا جارہا ہے کہ مخالفین میں بھی سب یکساں نہیں ہیں کچھ اچھے بھی تھے جو تمہاری طرف آملے۔

شانِ نزول:............ امام زاہدؒ کی رائے یہ ہے کہ آیت کنتم خیر امة مالک بن الضف اور وہب بن الیہود دونوں یہودیوں کے باب میں نازل ہوئی۔ جبکہ ان سے ابن یہود اور ابی بن کعب نے ایک موقعہ پا کر کہا کہ ان دیننا خیر من دینکم ونحن افضل

منکم اس پر تو شیقاً یہ آیات نازل ہوئیں۔

ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ عبداللہ بن سلامؓ اور ثعلبہؓ بن شعبہ اور اسیدؓ بن عبید وغیرہ جب ایمان لائے تو بعض علماء یہود اور کفار نے کہا ماامن بمحمد وتبعه الاشرارنا ولو کانوا خیارنا ماترکوا دین ابائهم وذهبوا الی غیره. یعنی یہودیت چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے والے ہم میں سے بدترین افراد ہیں۔ اگر یہ لوگ بہترین ہوتے تو اپنے سابقہ مذہب کو کیوں چھوڑتے اس پر آیت ان الذین کفروا نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:......**امت محمدیہ کا خصوصی اور امتیازی وصف**:..........بھلائی کے پھیلانے اور برائی کے مٹانے کے سلسلہ میں جو بہت آیات ونصوص ہیں یہ آیت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ قرآن کریم میں معروفات اور منکرات کے حدود اربعہ بتلا کر جامع مانع تعریف کی کوشش نہیں کی گئی کہ وہ ایک محسوس اور بدیہی چیز کو نظری اور غیر محسوس بنا دیتا تھا۔ حالانکہ جن چیزوں کی اچھائی متعارف اور کھلی ہو وہی معروفات میں داخل ہیں۔ اسی طرح بُری چیزیں جو سب کو معلوم ہیں وہ منکرات کہلائیں گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت جعلت امتی خیر الامم سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کنتم میں تمام امت کو خطاب ہے امر بالمعروف کی تقدیم ایمان پر محض فضل وشرف ظاہر کرنے کیلئے ہے اور ایمان باللہ متضمن ہے تمام اجزائے ایمان کو کیونکہ انتفائے جز مستلزم ہوتا ہے انتفائے کل کو اسی طرح امت کی خیریت مستلزم ہے خیریت نبی کو، جس طرح یہ امت تمام امم سے افضل ہے اسی طرح اس کے نبیؐ تمام انبیاءؑ سے افضل ہیں اور وجہ فضیلت وہی امر مشترک تبلیغ دین ہے۔

لما دعی اللہ داعینا لطاعته بأکرم الرسل کنا اکرم الامم

پھر تمام امت میں حضرات صحابہؓ اول مخاطب ہونے کی وجہ سے سب سے افضل ہیں، اس طرح قصۂ اوس وخزرج سے بھی اس کی مناسبت واضح ہے۔ اس امت کی وجہ خصوصیت وفضیلت متعدد ہیں لیکن آیت میں منجملہ ان کے صرف دو کو بیان کیا گیا ہے ایک اچھائی برائی کا احتساب دوسرے ایمان بظاہر ان دونوں وصفوں میں دوسری امتیں بھی شریک ہیں۔ لیکن یہاں دونوں وصفوں کے اعلیٰ افراد مراد ہیں جو اس امت کے خواص مخصہ ہوں۔ چنانچہ احتساب کا فرد اعلیٰ تو تغیر بالید ہے جو امت محمدؐ کے ساتھ دو وجہ سے خاص ہے۔ (۱) ایک تو مشروعیت جہاد کی وجہ سے ہے کہ وہ دوسری امتوں میں جائز نہیں تھا۔ (۲) دوسرے عموم دعوت جس کی طرف اخرجت للناس میں توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر پہلی امتوں میں جہاد مشروع تھا بھی تو عموم دعوت نہ ہونے کی وجہ سے جہاد عام نہیں تھا اور امت محمدیہ میں جہاد اپنی انواع کے لحاظ سے بھی عام ہے کہ زبان وقلم سے ہو یا ہاتھ سے ہو، تیر وتفنگ تلوار سے ہو اور افراد کے اعتبار سے بھی عام ہے غرضکہ یہ صفت جس قدر عموم واہتمام کے ساتھ امت محمدیہ میں پائی گئی ہے، پہلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اور دوسری وجہ فضیلت ایمان ہے چونکہ شریعت محمدیہ تمام شرائع میں اکمل واتم ہے الیوم اکملت لکم دینکم الخ کی رو سے اس لئے اس پر ایمان لانا بھی ظاہر ہے کہ اکمل ایمان ہوگا۔

بہترین امت:..........امام فخر الاسلام بزدویؒ اور قاضی بیضاویؒ نے اس آیت سے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے کیونکہ یہ بھی منجملہ اثرات خیرات امت کے ہے۔ نیز الف لام استغراق سے ہر معروف کا آمر اور ہر منکر کا ناہی ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ ان کے اتفاق کو باطل نہ قرار دیا جائے۔ حاصل یہ ہے کہ بحیثیت تمام امتوں میں بہترین امت ہونے کے امت محمدیہ کا نصب العین یہ ہونا چاہئے کہ نیکی کی ترویج اور برائی کی تخریب کرنے والے ہوں۔ یہ نہیں کہ طاقت وبرتری کے جماعتی گھمنڈ اور قومی غرور

کا شکار ہوں کیونکہ یہ بات انسانیت امن وسلام، اخوت ومساوات کے منافی اور اس دعوت عمومی کے مزاج کے برخلاف ہے۔ صرف خیر اور بہتر ہونے پر زور دیا جا رہا ہے جس کی تمام تر روح اخلاقی معنوی محاسن پر مبنی ہے جس جماعت کا نصب العین یہ ہوگا وہ کبھی اس طرح کے مفاسد میں مبتلا نہیں ہوگی۔

بدترین امت: .... یہود ونصاریٰ سے ایمان وہدایت کی روح مفقود نہ ہوگئی ہوتی تو وہ آج اس نعمت خیریت کے ضرور مستحق ہوتے لیکن دعوت کی مخالفت میں سب سے زیادہ حصہ آج یہود کا ہے۔ اس لئے وہ غضب الٰہی کے مستوجب ہو چکے ہیں۔ آج دنیا کا کوئی گوشہ نہیں جہاں وہ اپنے بل بوتہ پر زندگی بسر کر رہے ہوں، جہاں کہیں بھی پناہ ملی ہے وہ ذلت ونامرادی کی پناہ ہے یعنی کہیں تو اہل کتاب اور اہل جزیہ ہونے کی وجہ سے ان کو چھوڑ دیا ہوگا جیسا کہ عرب میں اور کہیں حکمران افراد یا قوموں نے محکومیت وطاعت کے قول و قرار پر زندگی کی مہلت دے دی ہے۔ جیسے دوسری جگہوں میں پس ایسی حالت میں ان کی مخالفت سے کیا ڈر ہو بلکہ وہ وقت دور نہیں جب عرب میں ان کی رہی سہی قوت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قومی حکومت میں دوسروں کے رحم وکرم پر زندگی بسر کرنے کو قرآن عزیز کس نظر سے دیکھتا ہے۔

اہل کتاب کے حق میں قرآن کی یہ پیشن گوئی صحابہؓ کے زمانہ میں تو اس طرح پوری ہوئی کہ کسی ایک جگہ بھی صحابہؓ کے مقابلہ میں یہ غالب نہیں آسکے بلکہ مغلوب ومخذول رہے۔ چنانچہ بعضوں کو قتل کیا اور بعض پر جزیہ مسلط کیا گیا اور بعض جلاوطن کئے گئے۔ باقی حضرات صحابہؓ کے بعد بھی اس پیشن گوئی کا ظہور اس طرح رہا کہ کبھی بھی دنیا کی نظروں میں ان کو اعزاز نصیب نہیں ہو سکا ہے اور "حبل اللہ" سے اللہ کی پناہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کتابی صرف عبادت الٰہی میں اس طرح مشغول ہو کہ اس کو مسلمانوں کی لڑائی بھڑائی سے کوئی واسطہ ومطلب ہی نہ ہو تو اس کو جہاد میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگر چہ یہ عبادت آخرت میں اس کے لئے مفید نہ ہو سکے یا نابالغ بچہ ہو یا کتابی عورت ہو۔ یہ سب باتیں گویا منجانب اللہ دستاویز اور فی نفسہ موجب امن ہیں اور بعض حبل اللہ سے مراد اسلام لیتے ہیں یعنی مسلمان ہو کر وہ مامون ہو سکتے ہیں۔

اور حبل من الناس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے معاہدہ یا صلح مسلمانوں کے ساتھ ہو جائے، اس میں اہل کتاب کی تخصیص نہیں ہے۔ تمام معاہد، ذمی، مصالح اور وہ لوگ داخل ہو جائیں گے جو امن پسند ہیں اور کسی سے لڑائی بھڑائی نہیں کرتے۔

اچھائی برائی کا معیار قوم کی اکثریت ہوتی ہے: .... لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام ہی یہود اور اہل کتاب برے ہیں اور کوئی بھی ان میں سے راست باز نہیں ہے کیونکہ سب کا حال یکساں کیسے ہو سکتا ہے؟ اچھے افراد مغلوب اور برے افراد غالب ہی سہی مگر تاہم ان میں کچھ افراد اچھے بھی ہیں۔ اگر چہ وہ آٹے میں نمک کے برابر ہی سہی۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی جماعت کی نسبت رائے قائم کرنے میں اکثریت کی حالت دیکھی جایا کرتی ہے نہ کہ خال خال افراد کا حال۔ چنانچہ یہاں یہود کے باب میں رائے قائم کرنے کے سلسلہ میں بھی یہی اصول پیش نظر ہے۔

اور یہ جو اچھے اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان سب کا فرض ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ شب بیداری، تلاوت قرآن پاک، نماز تہجد، خصوصاً یا عموماً یہ سب نوافل ہیں اور مقصد یہ ہے کہ جب یہ لوگ نوافل تک کے اس قدر پابند ہیں تو ضروریات کے تارک کیسے ہو سکتے ہیں؟

مَثَلُ صِفَةُ مَا يُنْفِقُوْنَ اَىِ الْكُفَّارُ فِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِىْ عَدَاوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ صَدَقَةٍ وَنَحْوِهَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ حَرٌّ اَوْ بَرْدٌ شَدِيْدٌ اَصَابَتْ حَرْثَ زَرْعَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِالْكُفْرِ وَالْمَعْصِيَةِ فَاَهْلَكَتْهُ ط فَلَمْ يَنْتَفِعُوْا بِهٖ فَكَذٰلِكَ نَفَقَاتُهُمْ ذَاهِبَةٌ لَايَنْتَفِعُوْنَ بِهَا وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ بِضِيَاعِ نَفَقَاتِهِمْ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ بِالْكُفْرِ الْمُوْجِبِ لِضِيَاعِهَا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً اَصْفِيَاءَ تُطْلِعُوْنَهُمْ عَلٰى سِرِّكُمْ مِّنْ دُوْنِكُمْ اَىْ غَيْرِكُمْ مِّنَ الْيَهُوْدِ وَالْمُنَافِقِيْنَ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ط نُصِبَ بِنَزْعِ الْخَافِضِ اَىْ لَايُقَصِّرُوْنَ لَكُمْ جُهْدَهُمْ فِى الْفَسَادِ وَدُّوْا تَمَنَّوْا مَا عَنِتُّمْ ج اَىْ عَنَتَكُمْ وَهُوَ شِدَّةُ الضَّرَرِ قَدْ بَدَتِ ظَهَرَتِ الْبَغْضَآءُ الْعَدَاوَةُ لَكُمْ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ج بِالْوَقِيْعَةِ فِيْكُمْ وَاِطِّلَاعِ الْمُشْرِكِيْنَ عَلٰى سِرِّكُمْ وَمَا تُخْفِىْ صُدُوْرُهُمْ مِنَ الْعَدَاوَةِ اَكْبَرُ ط قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ عَلٰى عَدَاوَتِهِمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ذٰلِكَ فَلَا تُوَالُوْهُمْ هٰٓاَ لِلتَّنْبِيْهِ اَنْتُمْ يَا اُولَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ لِقَرَابَتِهِمْ مِنْكُمْ وَصَدَاقَتِهِمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ لِمُخَالَفَتِهِمْ لَكُمْ فِى الدِّيْنِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ج اَىْ بِالْكُتُبِ كُلِّهَا وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِكِتَابِكُمْ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ اَطْرَافَ الْاَصَابِعِ مِنَ الْغَيْظِ ط شِدَّةِ الْغَضَبِ لِمَا يَرَوْنَ مِنْ اِئْتِلَافِكُمْ وَيُعَبَّرُ عَنْ شِدَّةِ الْغَضَبِ بِعَضِّ الْاَنَامِلِ مَجَازًا وَاِنْ لَمْ يَكُنْ ثَمَّ عَضٌّ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ط اَىْ اَبْقَوْا عَلَيْهِ اِلَى الْمَوْتِ فَلَنْ تَرَوْا مَا يَسُرُّكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ بِمَا فِى الْقُلُوْبِ وَمِنْهُ مَا يُضْمِرُهُ هٰؤُلَاءِ اِنْ تَمْسَسْكُمْ تُصِبْكُمْ حَسَنَةٌ نِعْمَةٌ كَنَصْرٍ وَغَنِيْمَةٍ تَسُؤْهُمْ تَحْزُنْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ كَهَزِيْمَةٍ وَجَدْبٍ يَّفْرَحُوْا بِهَا ط وَجُمْلَةُ الشَّرْطِيَّةِ مُتَّصِلَةٌ بِالشَّرْطِ قَبْلُ وَمَا بَيْنَهُمَا اِعْتِرَاضٌ وَالْمَعْنٰى اَنَّهُمْ مُتَنَاهُوْنَ فِىْ عَدَاوَتِكُمْ فَلِمَ تُوَالُوْنَهُمْ فَاجْتَنِبُوْهُمْ وَاِنْ تَصْبِرُوْا عَلٰى اَذَاهُمْ وَتَتَّقُوا اللّٰهَ فِىْ مُوَالَاتِهِمْ وَغَيْرِهَا لَا يَضُرُّكُمْ بِكَسْرِ الضَّادِ وَسُكُوْنِ الرَّاءِ وَضَمِّهَا وَتَشْدِيْدِهَا كَيْدُهُمْ شَيْئًا ط اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع عَالِمٌ فَيُجَازِيْهِمْ بِهٖ۔

ترجمہ:......... مثال (کیفیت) اس مال کی جو خرچ کرتے ہیں (یہ کافر) اس دنیاوی زندگی میں (آنحضرت ﷺ کی عداوت میں یا بطور صدقہ خیرات کے) ایسے ہے جیسے اس ہوا کی مثال کہ جس میں پالا یا لو (ٹھنڈی یا سخت گرم ہوا) ہو کہ پہنچ جائے وہ ہوا ایسے لوگوں کے کھیت میں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے (کفر و معاصی کر کے) کہ وہ ہوا اس کھیت کو برباد کر کے رکھ دے (لوگ اس سے نفع نہ اٹھا سکیں۔ یہی حال ان کے خرچ کرنے کا ہے کہ بالکل بیکار اور نا قابل انتفاع ہے) اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا ہے (ان کے نفقات برباد کر کے) لیکن یہ خود ہی اپنے کو نقصان پہنچا رہے ہیں (کفر اختیار کر کے جو نفقات ضائع ہونے کا اصل باعث ہے) مسلمانو! ایسا نہ کرو کہ اپنا ہمراز بنالو (معتمد علیہ کہ تمہارے رازوں تک سے واقف ہو) اپنے آدمیوں کے سوا کسی کو (تمہارے علاوہ یہود یا منافقین میں سے کسی کو) یہ لوگ کمی نہیں چھوڑیں گے تمہارے خلاف فتنہ انگیزی میں (یہ منصوب ہے بنزع الجار۔ اصل عبارت اس طرح تھی لا یقصرون لکم

جهدهم فی الفساد) پسند کرتے ہیں (اچھا سمجھتے ہیں) یہ لوگ جس بات سے تمہیں نقصان پہنچے (یعنی تمہاری تکلیف اور ضرر کی شدت) ظاہر ہوئی (ٹپکی) پڑتی ہے دشمنی (عداوت) ان کی باتوں سے (تم میں فتنہ پردازی کرنے اور مشرکین کے واقف اسرار ہونے سے) لیکن جو کچھ دلوں میں (دشمنی) چھپائے ہوئے ہیں وہ تو اس سے بھی بڑھ کر ہے ہم نے علامات تم پر واضح کردی ہیں (ان کی دشمنی کی) بشرطیکہ تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو (اس کی تو ہرگز تم ان سے خصوصیت نہیں برتو گے) دیکھو (ھا تنبیہ کے لئے ہے) تمہارا حال یہ ہے اے (مؤمنین) کہ تم ان سے دوستی رکھتے ہو (ان سے قرابت اور تعلقات کی وجہ سے) لیکن ان کا حال یہ ہے کہ وہ تمہیں دوست نہیں رکھتے (تم سے دینی مخالفت کی وجہ سے) حالانکہ تم اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھنے والے (یعنی کل کتابوں پر مگر وہ تمہاری کتابوں کو بھی نہیں مانتے) جب کبھی وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں لیکن جب اکیلے ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف انگلیاں (انگلیوں کے سرے) کاٹے لیتے ہیں شدتِ غصہ (جوشِ غضب) میں (تمہارا آپس کا گھلنا ملنا دیکھ کر جوشِ غضب کو مجازاً ''عض انامل'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگرچہ حقیقتاً انگلیوں کو کاٹنا نہ ہوتا ہو) آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے جوش غضب میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو (یعنی مرتے دم تک اسی حال میں رہو کہ تمہیں خوشی دیکھنا نصیب نہ ہو) بلاشبہ اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو انسان کے سینوں میں پوشیدہ ہے (جو کچھ دلوں میں ہے منجملہ ان کے ان کے دلی راز سے باخبر ہے) اگر تمہارے لئے کسی قسم کی بھلائی کی بات ہو جائے (تم کو مل جائے۔ جیسے تائید غیبی اور مال غنیمت کی نعمت) تو انہیں بُرا لگے (رنج پہنچے) لیکن تمہارے لئے اگر کوئی برائی ہو جائے (جیسے شکست یا قحط وتنگی) تو بڑے ہی خوش ہوں (اور دوسرا جملہ شرطیہ پہلے جملہ شرطیہ سے متصل ہے اور ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ تمہاری دشمنی کی انتہاء تک پہنچے ہوئے ہیں۔ پھر تم ان سے دوستی کیوں کرتے ہو تمہیں ان سے بچے رہنا چاہئے) اگر تم صبر کرتے رہے (ان کی تکلیفوں پر) اور ڈرتے رہے (اللہ سے ان سے دوستی وغیرہ کرنے میں) تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے (یضر کسر ضاد اور سکون راء کے ساتھ اور ضم ضاد اور تشدید راء کے ساتھ دونوں طرح ہے) ان کا مکروفریب کچھ بھی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جیسے کچھ بھی ان کے کرتوت ہیں (یعلمون یا اور تا کے ساتھ ہے) انہیں گھیرے ہوئے ہے (باخبر ہے اس لئے ضرور ان کو کرنے کا پھل ملے گا)

تحقیق وترکیب: .... **مثل** یہ تشبیہ مرکب ہے اس میں مجموعہ اور خلاصہ پیش نظر ہوتا ہے یہ ضروری نہیں کہ اداۃ تشبیہ مشبہ بہ سے متصل ہو۔ جیسا کہ **مثل الحیوٰۃ الدنیا کماء الخ** حالانکہ مشبہ بہ حرث ہے منفق کے لئے **ماینفقون** میں **ما** موصولہ اور **ینفقون** صلہ ہے اور عائد محذوف یا **ما** مصدر یہ۔ اول صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہے **مثل المال الذی ینفقونہ** اور دوسری صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **مثل انفاقهم صر** یہ جملہ مبتداء خبر سے مل کر صفت ہے ریح کی محل جر میں ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ **فیها** صرف صفت اور **صرٌّ** اس کا فاعل اور چونکہ جار موصوف پر اعتماد کر رہا ہے اس لئے یہ صورت زیادہ مستحسن ہوگی کیونکہ اوصاف میں افراد ہی اصل ہے۔ **صر** کے معنی شدۃ برد یا شدۃ حر کے ہیں یعنی پالا یا لُو کی ہوا اور صرصر کہتے ہیں **شدید الصوت و البرد کو**۔

بطانة کی تفسیر اصفیاء کے ساتھ کر کے استعارہ تصریحیہ اصلیہ کی طرف اشارہ ہے **بطانة الثوب** اور اصفیاء میں جامع وجہ شبہ شدۃ التصاق ہے۔ بطانہ بالکسر السریرہ اور درمیانی کورۃ اور بطانہ کے خلاف کو ظہارہ کہتے ہیں۔ یعنی بطانہ استر اور ظہارہ ابرا اور درمیانی کورہ **الالو** بمعنی کوتاہی کرنا۔ یہ لازمی ہے ایک مفعول کی طرف متعدی بالحرف ہوتا ہے اور کبھی دو مفعول کی طرف بھی متعدی ہو جاتا ہے جیسے **لا الوک نصحًا و لا الوک جهدًا** بتضمین بمعنی منع کے۔ خبل کے معنی فساد کے ہیں۔

نصب بنزع الخافض یعنی **لا یالونکم** کا کاف منصوب ہے لام حرف جار کے حذف کے ساتھ اور **خبالاً** منصوب ہے فی جارہ کے حذف کے ساتھ اور اس توجیہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ یہ فعل لازمی ہے جو معنی منع کے متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی ہوا۔ **ماعنتم ما** مصدر یہ ہے اور یہ اور مابعد کے دونوں جملے مستانفہ اور عدم اتخاذ بطانہ کی علت ہیں۔ **او لاء** اس سے پہلے یا حرف ندا محذوف ہے۔ مبتداء اور خبر کے درمیان واقع ہے اور **اولاء** خبر بھی ہوسکتی ہے یعنی **انتم اولاء المخاطبون** اور **تحبونهم** سے ان کی غلطی کا بیان ہے یا **تحبون** کو **اولاء** کی خبر مانا جائے اور یہ دونوں مل کر **انتم** مبتداء کے خبر ہو یا حال ہے اور اس میں عامل معنی اشارہ ہے یا **اولا**

موصول اور تحبونهم اس کا صلہ ہے اور تؤمنون حال ہے۔
عضوا عليكم نادم اور متاسف عاجز چونکہ یہ فعل کرتا ہے اس لئے محاورہ میں اس کے معنی تاسف اور ندامت کے ہیں۔ جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں "فلاں مارے غصہ کے بوٹیاں نوچ رہا ہے" ان تمسسكم مس کے معنی حس بالید (ہاتھ سے چھونے) کے ہیں لیکن پھر تشبیہاً مطلق چھوڑنے کے معنی میں آتا ہے۔ حسنه سے مراد منافع دنیا اور سيئه سے مضار دینا ہے۔
وجملة الشرطية یعنی دوسرا جملہ شرطیہ ان تمسسكم پہلے جملہ شرطیہ واذا لقوكم سے متصل ہے اور قل موتوا الخ درمیان میں جملہ معترضہ ہے لايضركم ضار يضير سے يضر قرأت ہے ابو عمرؒ، ابن کثیرؒ، نافعؒ کی اور يضُر قرأت ہے باقی قراء کی۔
كيد کہتے ہیں دوسرے کو کسی ناگوار بات میں مبتلا کرنے کی تدبیر مخفی کو۔ يعلمون بصیغہ غائب قراء عشرہ کی قرأت ہے لیکن بصیغہ خطاب تا کے ساتھ قرأت شاذ حسن بصریؒ کی ہے مفسر علامؒ کو اپنی عادت کے مطابق قرأت شاذہ کے لئے قری بصیغہ تمریض کہنا چاہئے تھا۔

ربط:............گذشتہ آیات میں مسلمانوں کی تعریف کے بعد ان الذين سے کافروں کی مذمت بیان کی گئی تھی کہ آخرت میں ان کی اولاد ان کے کام آئے گی اور نہ ان کا خرچ کیا ہوا مال کارآمد ہوگا۔ لیکن کفار کے انفاق فی الصدقات کے بارہ میں شبہ ہوسکتا تھا کہ اگر وہ اتفاقی مصرف خیر میں خرچ کریں جیسے مساکین وغرباء وفقراء یا مختلف فیہ مصرف میں خرچ کریں تو کیا حکم ہوگا؟ اس کو ایک تمثیل کے ذریعہ باطل قرار دیا جارہا ہے کیونکہ اس کی شرط قبولیت یعنی ایمان مفقود ہے اس کے بعد مسلمانوں کو ان کے دشمنوں سے باخبر اور چوکنے رہنے کا مشورہ دیا جارہا ہے اور یاایها الذين الخ سے دوستی کی ممانعت کی جارہی ہے۔

شانِ نزول:............ آیت ان الذين كفروا یہود قریظہ وبنو نضیر یا مشرکین عرب یا عام مشرکین کے باب میں نازل ہوئی۔

آیت مثل الخ میں ان ہی کی تمثیل دی جارہی ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ ابن اسحاق وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے کہ مسلمان اپنے یہود پڑوسیوں کے ساتھ کچھ تعلقات اور مواصلة رکھتے تھے اس پر یا ايها الذين سے تنبیہ کی گئی اور عبد بن حمیدؒ کی تخریج یہ ہے کہ یہ آیت مدینہ کے منافقین کے باب میں نازل ہوئی۔ بہرحال دونوں باتیں ممکن ہیں۔

﴿تشریح﴾:......اختلاف مذہب کے ہوتے ہوئے آخرت میں اولاد کا کارآمد نہ ہونا:............آیت

ان الذين الخ میں اگرچہ مال واولاد دونوں کا بیکار ہونا مذکور تھا۔ لیکن آیت ومثل الخ میں صرف مالی صدقات وغیرہ کا ضائع ہونا مکرر ذکر کیا جارہا ہے اولاد کا کارآمد نہ ہونا چونکہ بدیہی تھا ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے اس لئے اس کے اعادہ کو ضروری نہیں سمجھا گیا۔ چنانچہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا اولاد بھی ماں باپ کی طرح کافر ہوگی، تب تو اس کا بے کار محض ہونا بالکل ظاہر ہے۔ لیکن اگر اولاد مؤمن ہوئی تو کافر ماں باپ کی صریح دشمن ہوگی، اس لئے ان کے حق میں اس کا ہونا نہ ہونا بھی برابر ہی ہوا۔
تکمیل تشبیہ میں جملہ ظلموا انفسهم کو اگرچہ دخل نہیں ہے کیونکہ ایسی ہوا سے ظالم اور غیر ظالم دونوں کی کھیتیوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے لیکن مبالغہ کے لئے یہ قید لگادی گئی ہے کہ اگر ظالم نہیں ہوگا یعنی مسلمان ہوگا تو ایسی ہوا سے دنیا ہی میں اس کا کسی قدر نقصان ہوگا تاہم آخرت میں تو فائدہ کی توقع ہے لیکن ظالم اور کافر کے لئے دین ودنیا دونوں تباہ وبرباد ہوجائیں گے۔

اہل کتاب کے شدت غضب کے پیش نظر ان سے چوکنے رہنے کی ضرورت ہے:............قریش کی طرح اہل

کتاب بھی چونکہ مسلمانوں کی مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ تم ان سے چوکنے رہو ان سے خصوصی برتاؤ کرکے ان کو اپنا رازدار اور کارپرداز نہ بناؤ، ان کی دشمنی اور جوش غضب تو اس سے ہی ظاہر ہے کہ تنہائی میں اگر ہوتے ہیں تو اپنی بوٹیاں نوچ ڈالتے ہیں

اور بر سر گفتگو ہوتے ہیں تو غصہ ان کی باتوں سے ٹپکا ہوتا ہے دلوں میں جو کچھ آگ بھری ہوئی ہے اور سوزش دروں ہے وہ تو اس سے بھی کہیں زائد ہے، لیکن اگر تمہارے اندر صبر وتقویٰ کی روح پیدا ہوچکی ہے تو مجال نہیں کہ تمہارے مخالف تم پر فتح مند ہوسکیں اور تمہارا کچھ بگاڑ سکیں اگر چہ یہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ہی کیوں نہ مرجائیں۔ شان نزول آیت کا اگر چہ خاص ہے لیکن عموم الفاظ کا اعتبار کرتے ہوئے حکم عام ہی رکھا جائے گا۔

غیر مذہب والوں سے خصوصیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنا ہمراز نہ بناؤ۔ جیسا کہ بیہقی کی حدیث میں ہے اور نہ ان کو اپنے انتظامات میں دخیل بناؤ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی کو کارپرداز دفتر بنانے سے انکار فرمادیا تھا۔

لطائف آیات:............ قد بدت البغضاء الخ یعنی ان کے دل میں اس درجہ غبار بھرا ہوا ہے کہ باوجود درجہ احتیاط اور زبان سنبھالنے کے کچھ نہ کچھ زبان پر آ ہی جاتا ہے۔ جوش میں کچھ نہ کچھ ابل ہی پڑتا ہے، تنگ ظرف ہونے کی وجہ سے چھلک ہی جاتے ہیں۔ قل موتوا مایوسی کے وقت میں دلخراش کلمہ کہہ کر قطع تعلق کر لینا اخلاقی لحاظ سے نہایت درجہ اثر انداز ہوتا ہے تاہم حدود شرع میں رہ کر اس کی اجازت ہے۔ یہاں بھی خطاب اگر چہ خاص ہے لیکن حکم عام رہے گا۔

ایک اشکال کا حل:............ لا یضرکم کے مخاطب اگر صرف حضرات صحابہؓ ہیں تب تو ان کو ان کا نقصان نہ پہنچا سکنا ظاہر ہے لیکن اگر صحابہ وغیر صحابہ سب کو یہ حکم عام ہے تب بھی صبر وتقویٰ کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر کہیں اس شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے ان کا غلبہ ہوگیا ہو تو باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔ ہاں اگر صبر وتقویٰ کے باوجود کہیں ایسا ہوا کہ مسلمان مغلوب ہوگئے ہوں تو اول تو ایسا بہت ہی کم ہوا ہوگا اور الشاذ کالمعدوم دوسرے امتحان وابتلاء کی خاطر دانستہ کیا گیا ہوگا تاکہ مسلمانوں کی استقامت اور عظمت اور عزیمت واضح ہوجائے کہ باوجود شکست کے بھی اس طریق پر مستقیم رہتے ہیں۔ اگر ہمیشہ کامیابی ان کے قدم چومتی رہتی تو لوگ یہ سمجھتے کہ دنیاوی منافع اور کامیابی کی خاطر یہ اس دین سے لگے لپٹے رہتے ہیں۔ صرف شریک دسترخوان رہتے ہیں، رفیق بزم ہیں، شیر رزم نہیں۔ اس سے مسلمانوں کی اصل ثبات قدمی نمایاں نہ ہوگی، تیسرے یہ نقصان اور مغلوبیت محض ظاہری ہوتی ہے حقیقی ضرر مخالفین کے ہونے کی صورت میں بھی نہیں ہوتا۔ یعنی حقیقۃً مسلمان ناکام نہیں ہوتے اور مخالفین کامیاب نہیں ہوتے بلکہ ظاہراً ایسا ہوتا ہے کیونکہ اصل نقصان قلبی تشویش اور دل کی پریشانی کا ہوتا ہے لیکن مسلمان رضاء وتوکل کی وجہ سے کسی حالت میں بھی متوحش اور پریشان نہیں ہوتے۔ پورے سکون ودل جمعی کے ساتھ رہتے ہیں بلکہ اس ظاہری نقصان سے تہذیب اخلاق حاصل ہوتی ہے اور ثواب اور تقرب خداوندی کی توقع قائم ہوتی ہے، غرضکہ دینی اور دنیاوی ان منافع کی موجودگی میں اس معمولی ضرر کے قابل وقعت نہیں سمجھا جائے گا۔ جیسے ایک فاتح جماعت کے ایک دو آدمی مقتول ہوجائیں تو عظیم الشان کامیابی کے مقابلہ میں مقدار قلیل نقصان کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔

کمثل ریح سے ثابت ہوا کہ مقبولین کی مصیبت حقیقی نہیں ہوتی بلکہ محض صوری مصیبت ہوتی ہے۔

ان تصبروا میں بھی یہی مضمون ہے کہ مقصود ضرر حقیقی کی نفی ہے نہ کہ ضرر صوری کی کہ فی الحقیقت وہ ضرر ہی نہیں ہے۔

وَ اُذْكُرْ يَا مُحَمَّدُ **اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ** مِنَ الْمَدِيْنَةِ **تُبَوِّئُ** تُنْزِلُ **الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ** مَرَاكِزَ يَقِفُوْنَ فِيْهَا **لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ** لِأَقْوَالِكُمْ **عَلِيْمٌ**﴿۱۲۱﴾ بِأَحْوَالِكُمْ وَهُوَ يَوْمُ أُحُدٍ خَرَجَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَلْفٍ أَوْ إِلَّا خَمْسِيْنَ رَجُلًا وَالْمُشْرِكُوْنَ ثَلَاثَةُ الْافٍ وَنَزَلَ بِالشِّعْبِ يَوْمَ السَّبْتِ سَابِعَ شَوَّالٍ سَنَةَ ثَلَاثٍ مِنَ

الْهِجْرَةِ وَجَعَلَ ظَهْرَهُ وَعَسْكَرَهُ إِلَى أُحُدٍ وَسَوّٰى صُفُوْفَهُمْ وَاَجْلَسَ جَيْشًا مِنَ الرُّمَاةِ وَاَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَبْدَاللّٰهِ
بْنَ جُبَيْرٍ بِسَفْحِ الْجَبَلِ وَقَالَ اِنْضِحُوْا عَنَّا بِالنَّبْلِ لَايَاْتُوْنَا مِنْ وَّرَائِنَا وَلَاتَبْرَحُوْا غُلِبْنَا اَوْ نُصِرْنَا **اِذْ** بَدَلٌ مِنْ اِذْ
قَبْلَهٗ **هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ** بَنُوْسَلَمَةَ وَبَنُوْحَارِثَةَ جَنَاحَا الْعَسْكَرِ **اَنْ تَفْشَلَا** تَجْبُنَا عَنِ الْقِتَالِ وَتَرْجِعَا لَمَّا
رَجَعَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اُبَيٍّ الْمُنَافِقُ وَاَصْحَابُهٗ وَقَالَ عَلَامَ نَقْتُلُ اَنْفُسَنَا وَاَوْلَادَنَا وَقَالَ لِاَبِيْ حَاتِمِ السَّلَمِيِّ الْقَائِلِ
لَهٗ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ فِيْ نَبِيِّكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ فَثَبَّتَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَمْ يَنْصَرِفَا **وَاللّٰهُ**
وَلِيُّهُمَا ط نَاصِرُهُمَا **وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ** ﴿۱۲۲﴾ لِيَثِقُوْا بِهٖ دُوْنَ غَيْرِهٖ وَنَزَلَ لَمَّا هُزِمُوْا تَذْكِيْرًا
لَهُمْ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ **وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ** مَوْضِعٌ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ **وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ** ج بِقِلَّةِ الْعَدَدِ وَالسِّلَاحِ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ نِعَمَهٗ **اِذْ** ظَرْفٌ لِنَصَرَكُمْ **تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ** تُوْعِدُهُمْ تَطْمِيْنًا لِقُلُوْبِهِمْ
اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ
بَلٰى لا يَكْفِيْكُمْ ذٰلِكَ وَفِي الْاَنْفَالِ بِاَلْفٍ لِاَنَّهٗ اَمَدَّهُمْ اَوَّلًا بِهَا ثُمَّ صَارَتْ ثَلٰثَةً ثُمَّ صَارَتْ خَمْسَةً كَمَا قَالَ
تَعَالٰى **اِنْ تَصْبِرُوْا** عَلٰى لِقَاءِ الْعَدُوِّ **وَتَتَّقُوْا** اللّٰهَ فِي الْمُخَالَفَةِ **وَيَاْتُوْكُمْ** اَيِ الْمُشْرِكُوْنَ **مِّنْ فَوْرِهِمْ** وَقْتِهِمْ
هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ بِكَسْرِ الْوَاوِ وَفَتْحِهَا اَيْ مُعْلَمِيْنَ
وَقَدْ صَبَرُوْا وَاَنْجَزَ اللّٰهُ وَعْدَهُمْ بِاَنْ قَاتَلَتْ مَعَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى خَيْلٍ بُلْقٍ عَلَيْهِمْ عَمَائِمُ صُفْرٌ اَوْ بِيْضٌ
اَرْسَلُوْهَا بَيْنَ اَكْتَافِهِمْ **وَمَاجَعَلَهُ اللّٰهُ** اَيِ الْاِمْدَادَ **اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ** بِالنَّصْرِ **وَلِتَطْمَئِنَّ** تَسْكُنَ **قُلُوْبُكُمْ بِهٖ** ط
فَلَاتَجْزَعُ مِنْ كَثْرَةِ الْعَدُوِّ وَقِلَّتِكُمْ **وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ** ﴿۱۲۶﴾ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ
وَلَيْسَ بِكَثْرَةِ الْجُنْدِ **لِيَقْطَعَ** مُتَعَلِّقٌ بِنَصَرَكُمْ اَيْ لِيُهْلِكَ **طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا** بِالْقَتْلِ وَالْاَسْرِ **اَوْ**
يَكْبِتَهُمْ يُذِلَّهُمْ بِالْهَزِيْمَةِ **فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ** ﴿۱۲۷﴾ لَمْ يَنَالُوْا مَارَامُوْهُ وَنَزَلَ لَمَّا كُسِرَتْ رُبَاعِيَتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشُجَّ وَجْهُهٗ يَوْمَ اُحُدٍ وَقَالَ كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ بِالدَّمِ **لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ**
شَيْءٌ بَلِ الْاَمْرُ لِلّٰهِ فَاصْبِرْ **اَوْ** بِمَعْنٰى اِلٰى اَنْ **يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ** بِالْاِسْلَامِ **اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ** ﴿۱۲۸﴾
بِالْكُفْرِ **وَلِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ** ط مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا **يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ** الْمَغْفِرَةَ لَهٗ
وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ تَعْذِيْبَهٗ **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ** لِاَوْلِيَائِهٖ **رَّحِيْمٌ** ع ﴿۱۲۹﴾ بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ

ترجمہ: ....اور (اے محمدؐ وہ وقت یاد کرو) جب تم صبح سویرے اپنے گھر (مدینہ) سے نکلے تھے، بٹھلا رہے تھے (جما رہے تھے)
مسلمانوں کو مورچوں پر (کہ ان اڈوں پر کھڑے رہیں) لڑائی کے لئے اور اللہ تعالیٰ (تمہاری باتوں کو) سننے والے (تمہارے حالات
کو) جاننے والے ہیں (یہ جنگ احد کا واقعہ ہے کہ آپ ﷺ ایک ہزار یا ساڑھے نو سو کی جمعیت اور لاؤ لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں

تشریف لے گئے، مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی۔ سنیچر کے روز، شوال ۳ھ کو آپ ﷺ نے شعب میں پڑاؤ ڈال دیا اور مع لشکر کے اپنی پشت پر اُحد کو رکھا اور لشکر کی صفیں آراستہ کر دیں اور تیر اندازوں کا ایک دستہ عبداللہ بن جبیرؓ کی سرکردگی میں پہاڑ کی گھاٹی پر بٹھلا دیا اور فرمایا کہ ہمارے مدافعت وحفاظت میں تیر اندازی کے جوہر دکھلاتے رہنا تا کہ دشمن ہمارے پیچھے سے حملہ آور نہ ہو جائے، اور خبردار اپنی جگہ سے نہ ہلنا، چاہے ہم مغلوب ہوں یا غالب) جب (یہ اذا پہلے اذا سے بدل واقع ہو رہا ہے) تم میں سے دو جماعتوں نے ارادہ کیا تھا (بنوسلمہ اور بنو حارثہ جو لشکر کے دونوں بازو تھے) کہ ہمت ہار دیں (پست حوصلہ ہونے لگے اور عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں کے پسپا ہو جانے پر اور اس کہنے پر کہ بلاوجہ کیوں ہم خود کو اور اپنی اولاد کو قتل کریں، خود بھی لوٹنے لگے اور ابو حاتم اسلمیؓ نے جب یہ کہا کہ میں تم کو تمہارے اور تمہارے نبیؐ کے بارے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں (کہ چھوڑ کر نہ جاؤ) تو ابن ابی نے یہ بھی کہا کہ اگر ہم واقعی اسے با قاعدہ جنگ سمجھتے تو ضرور ہم ساتھ دیتے لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قبیلوں کو جما دیا اور میدانِ جنگ سے یہ نہیں بھاگے) حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے مددگار (حامی) تھے۔ مؤمنین کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں (اس کے علاوہ دوسرے پر اعتماد نہ کریں) مسلمانوں کو جب احد میں شکست ہونے لگی تو ان کو بطور اللہ کی نعمت کے یاد دلایا گیا کہ) اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان جنگ میں تمہیں فتح مند کر دیا تھا (بدر مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) حالانکہ تم بڑی ہی گری ہوئی حالت میں تھے (افراد وسامان کی کمی کے باعث) پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم (اس کی نعمت کے) قدر شناس بن جاؤ جب (یہ ظرف ہے نصر کم کا) آپ مسلمانوں سے فرما رہے تھے (ان کے اطمینان قلوب کے لئے وعدہ کرتے ہوئے) کہ کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں کہ تمہاری امداد (اعانت) فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار (تازہ دم) اترے ہوئے فرشتوں کے ذریعہ (لفظ منزلین تخفیف وتشدید کے ساتھ ہے) ہاں (تمہارے لئے یہ مقدار کافی ہے۔ سورۂ انفال میں ایک ہزار کا ذکر ہے۔ اولاً اس تعداد سے مدد کی گئی پھر تین ہزار کر دیئے گئے، پھر پانچ ہزار جیسا کہ فرمایا جا رہا ہے) اگر تم صبر کرو (دشمن کے مقابل جمے رہو) اور ڈرتے رہو (اللہ کی خلاف ورزی سے) اور چڑھ آئیں (مشرکین) اس دم (فوراً) تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد فرمائے گا۔ پانچ ہزار خاص نشان رکھنے والے فرشتوں سے (لفظ مسومین واؤ کے کسرہ اور فتح کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے بمعنی نشان زدہ۔ چنانچہ حضرات صحابہؓ نے ثابت قدمی سے کام لیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی وعدہ پورا فرمایا کہ فرشتے ابلق گھوڑوں پر سوار، زرد اور سفید عمامے باندھے ہوئے جن کے شملے دونوں مونڈھوں کے درمیان چھٹے ہوئے تھے ان کے ساتھ شریک جنگ ہوئے) اور اللہ تعالیٰ نے (یہ امداد) محض اس لئے کی ہے کہ تمہارے لئے بشارت حاصل ہو (تائید کی) اور تمہارے دل اس کی وجہ سے مطمئن (برقرار) ہو جائیں (کہ تم دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت کی وجہ سے گھبرا نہ جاؤ) اور نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے ان کی طاقت سب پر غالب اور وہ حکمت والے ہیں (جس کی مناسب سمجھتے ہیں مدد فرماتے ہیں۔ لشکر کی کثرت پر نہیں ہے) تا کہ بیکار کر دے (یہ متعلق ہے لقد نصر کم کے یعنی تمہاری امداد اس مصلحت سے بھی ہے تا کہ برباد کر کے رکھ دے) منکرینِ حق کا ایک حصہ (قتل وقید کے ذریعہ) یا انہیں اس درجہ ذلیل وخوار کر دے (شکست دے کر ذلیل کر دے) کہ الٹے پاؤں پھر جائیں (پلٹ جائیں) نامراد (مقصد میں ناکام) ہو کر (آنحضرت ﷺ کا دندان مبارک جنگ احد میں جب شہید اور سر اقدس زخمی ہوا اور آپؐ نے فرمایا کہ وہ قوم کس طرح فلاح یاب ہو سکتی ہے کہ جس نے اپنے نبیؐ کا سر خون سے خضاب آلود کر دیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی) اے نبیؐ اس معاملہ میں تمہیں کوئی دخل نہیں (بلکہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے تم صبر کرو) حتیٰ کہ (او بمعنی الی ہے) چاہے اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائیں (اسلام کی توفیق بخش کر) اور چاہے تو انہیں عذاب دے دیں کیونکہ یقیناً یہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کے لئے ہے (سب اس کے مملوک، مخلوق، بندے ہیں۔ وہ جس کو چاہیں (مغفرت فرمانا) اس کو بخش دیں اور جس کو چاہیں (عذاب دینا) عذاب دے دیں وہ (اپنے دوستوں کو بخشنے والے اور (اپنے فرمانبرداروں پر) رحم فرمانے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب: ....اھلك مراد اس سے حضرت عائشہؓ ہیں جن کے مکان میں آپ ﷺ تشریف لے گئے تھے۔

تُبَوِّئُ بواہ منزلاً وفیہ انزلہ ترکیب میں یہ حال ہے قول مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مقصود تذکیر وقت ہے۔ مقاعد

بمعنی محل القعود، پھر توسعاً مطلق مکان کے معنی میں آنے لگا خواہ قعود نہ ہو۔ جیسے مقام کے لئے قیام لازم نہیں ہے اور یہاں مقاعد سے تعبیر کرنے میں اشارہ ثبوت اور استقامت کی طرف ہے کہ بس میدان جنگ میں جم جاؤ اور گویا بیٹھ جاؤ ٹلنے کا نام نہ لینا۔ اس لئے مراکز سے مفسر علامؒ نے تشریح کی ہے۔

للقتال یا متعلق بتوئ کے یا فعل محذوف کے جو مقاصد کی صفت میں واقع ہے۔ مقاعد کے متعلق کرنا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ وہ مکان ہے عمل نہیں کرسکتا۔ سمیع علیم یہ دونوں صیغے اگر مبالغہ کے لئے ہیں اسم فاعل کے ساتھ ملحق تب تو لاقوالکم بیان ہے تقدیر معمول کا اور لام تقویت کے لئے ہے جیسے کہ ان ربی لسمیع الدعا میں اس کو صراحۃً ظاہر کردیا ہے اور اگر یہ دونوں صیغے صفت مشبہ کے ہیں تو پھر مفعول میں ان کا کوئی عمل نہیں ہے۔ سابع شوال یہ مفسر جلالؒ کی رائے ہے۔ روح البیان وغیرہ میں نصف شوال کی تاریخ ہے۔ اذھمت یہ اذ غدوت سے بدل ہے اور مقصود تذکیر کا بیان ہے معصیت کا ارادہ اگر درجہ "ھم" میں ہو تو "کراماً کاتبینؑ" اس کی کتابت نہیں کرتے۔ اس لئے یہاں صحابہؓ پر کوئی الزام نہیں بلکہ "واللہ ولیھما" سے ان کو سراہا گیا ہے۔ لیکن نیکی کا ارادہ اگرچہ "ھم" میں ہو تو اس کو اللہ اپنے فضل وکرم سے نیکی ہی میں لکھوا دیتے ہیں۔ البتہ درجہ عزم ہو تو نیکی اور بدی دونوں لکھ لی جاتی ہیں۔

مراتب القصد خمس هاجس ذكروا فخاطر فحديث النفس فاستمعا

يليه هم فعزم كلها رفعت سوى الاخير ففيه الاخذ قدوقعا

طائفتان بنوسلمہ تو خزرج کی شاخ ہے اور بنو حارثہ قبطیہ اوس کی۔ یہ دونوں قبیلے آپ ﷺ کے دائیں بائیں فوجی دستوں کی شکل میں تھے اور آپ ﷺ قلب فوج میں۔ ان تفشلا متعلق ہے ھمت کے کیونکہ متعدی بالباء ہے اصل عبارت بان تفشلا تھی فشل بمعنی جبن بزدلی، بروزن فرح۔ فشل کسل وضعف تراخی اور بعض کہتے ہیں الفشل فی الرای العجز وفی البدن الاعیاء وعدم النهوض وفی الحرب الجبن والخبور تفاشل الماء کے معنی پانی پینے کے ہیں واصحابہ اس کے ساتھ میں تین سو (۳۰۰) منافقین تھے۔

علام نقتل ای علی ای شی نقتل۔ یعنی یہ کوئی لڑائی نہیں ہے یہ تو خود کو برباد کرنا ہے۔ لابی حاتم۔ بعض نسخوں میں لابی جابر، ہے القائل لہ یہ مجرور ہے ابو حاتم یا ابو جابر کی صفت ہے اور لہ کی ضمیر ابن ابی کی طرف راجع ہے۔

انشدکم ای اسالکم یہ ابو حاتم کا مقولہ ہے، اللہ منصوب بنزع الخافض ہے یعنی وباللہ فی نبیکم۔ ای فی حفظهما وقایتهما۔ ولقد نصرکم اس میں مقصود تسلی ہے۔ بدر مکہ ومدینہ کے مابین ایک کنواں تھا جس کو بدرنامی ایک شخص نے بنایا تھا۔ یا ایک خاص جگہ کا نام تھا۔ اذلۃ یہ جمع قلت ہے ذلیل کی ذلائل جمع کثرت آتی ہے۔ یہاں جمع کثرت کی بجائے جمع قلت لانے میں اشارہ ہے کہ ذلیل بھی ہیں قلیل بھی ہیں۔ جلال محققؒ نے ذلۃ کی تفسیر قلۃ عدد کے ساتھ اس لئے کی تاکہ آیت وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین کے معارض یہ آیت نہ رہے۔ مسلمان تین سو تیرہ تھے جن میں سے چھہتر (۷۶) مہاجرینؓ اور بقیہ انصارؓ تھے اور ایک یا دو گھوڑے اور ساٹھ (۶۰) اونٹ اور کل چھ (۶) زرہیں تھیں۔ حالانکہ کفار کا ایک ہزار کا لوہے میں ڈوبا ہوا لشکر تھا۔

الن یکفیکم لن تاکید یہ اس لئے لائے کہ گویا مسلمان بظاہر اسباب سے بالکل ناامید ہوچکے تھے۔

من فورھم فور مصدر ہے فارت القدر بولتے ہیں ہانڈی کا جوش کرنا، غضب پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے کہ ہانڈی کی طرح آدمی کو کھولا دیتا ہے۔ پھر اول شی پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ پھر مطلق سرعۃ پر بھی بولا جاتا ہے پھر وہ حال کہ جس میں دیر اور تراخی بالکل نہ ہو یعنی فوراً کے معنی میں آتا ہے بلکہ اردو کا فوراً شاید اسی سے ہے مسومین السومة والسیمة والسیماء بمعنی العلامة ابوعمروؒ اور ابن کثیر کی قرأت تو بکسر الواو ہے اور باقی بفتح الواو پڑھتے ہیں۔ اول صورت میں اسم فاعل ای معلمین انفسهم ای بعمامة الصفراء

کما فی تفسیر الکبیر او خیو لھم بعلوق الصوف الابیض فی نواصیھا و اذنا بھا. دوسری صورت میں اسم مفعول ہے اور فاعل اللہ ہے۔ای معلمین بالقتال من جھۃ اللہ اور وہ علامات دوسری آیات میں ہیں۔فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منھم کل بنان.

بشرٰی لکم بشری مفعول لہ اور استثناء مفرغ ہے۔ای لشئ من الاشیاء والا للبشارۃ اور لکم میں مسلمانوں کو خطاب محض تشریفاً اور یہ ظاہر کرنا ہے کہ تم اس بشارت کے محتاج ہو اور آنحضرت ﷺ کو حق تعالیٰ کی بے انتہاء عنایات کی موجودگی میں اس کی ضرورت نہیں۔ولتطمئن بشری پر اس کا عطف ہے باعتبار موضع کے لیکن اسم سے فاعل کی طرف عدول کرنا اور حرف تعلیل اس پر داخل کرنا اس نکتہ کے لئے ہے کہ حصول مطلوب طمانیت میں اقوی ہے۔

لیقطع اس کا تعلق ولقد نصرکم سے ہے اور ان دونوں کے درمیان اس کی حقیقت کی تحقیق ہے۔ای نصرکم اللہ لیھلک اور یھلک کے ساتھ اس کی تفسیر اس لئے کی کہ قرآن کریم میں یقطع جعل اور اختلف کے معنی میں بھی آتا ہے۔بدر میں ستر (۷۰) صنادید قریش قتل اور ستر (۷۰) قید ہوئے۔او یکبتھم اس میں استخدام ہے کیونکہ مقتول اور منہزم علیحدہ علیحدہ ہیں کبۃ یکبۃ بمعنی صرعہ واخزاہ و کسرہ و اذلہ یہاں لفظ او تردید کے لئے نہیں بلکہ تنویع کے لئے ہے الخائبین خیبۃ ضد ہے ظفر کی۔

ربـاعیۃ سامنے کے چار دانت، اوپر کے دو ثنایا علیا اور نیچے کے دو ثنایا سفلی کہلاتے ہیں۔ان چاروں میں داہنی طرف کا نیچے کا دانت پورا نہیں بلکہ اس کا ایک کنارہ شہید ہوا تھا۔او یتوب بمعنی الا ان یا الی ان ہے۔پس یتوب منصوب ہے، باضمار ان لیقطع پر عطف کی وجہ سے نہیں اور الی متعلق ہے مقدر کے۔اب اس صورت میں کلام کا تعلق لیس لک الخ سے ہو جائے گا۔

ربط :............پچھلی آیات میں محاجہ لسانی کا بیان تھا۔اب ان آئندہ آیات میں دور تک محاجہ سنانی کا ذکر آ رہا ہے۔اول غزوۂ اُحد کا بیان اذ غدوت میں دوسری غزوۂ بدر کا بیان آیت ولقد نصرکم میں کیا جارہا ہے پھر آگے چل کر غزوۂ حمراء الاسد کا بیان آیت الذین استجابوا للہ الخ میں آئے گا۔نیز ان تینوں واقعات سے گذشتہ دعویٰ بلٰی ان تصبروا وتتقوا الخ کی تائید بھی مقصود ہے۔

شانِ نزول:............جمہور مفسرین کی رائے تو یہ ہے کہ آیت واذ غدوت غزوۂ احد سے متعلق ہے۔لیکن بعض کی رائے میں اس کا تعلق بدر یا احزاب سے ہے تاہم پہلی بات صحیح ہے۔ابن ابی حاتمؒ کی روایت ہے کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ کرز بن جابر مشرکین کی مدد کرنا چاہتا ہے تو اس سے سخت سراسمگی اور پریشانی پیدا ہوگئی اس پر آیت اذ تقول للمؤمنین الخ نازل ہوئی عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ جنگ اُحد میں آنحضرت ﷺ نے دعا مانگنی شروع کی اللھم العن الحارث بن ھشام. اللھم العن صفوان بن امیۃ تو اس پر آیت لیس لک من الامر نازل ہوئی۔لیکن ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق ''بیر معونہ'' کے واقعہ کے ساتھ ہے۔جو ۴ھ میں غزوۂ اُحد سے چار ماہ بعد پیش آیا۔جب آپ ﷺ نے ستر (۷۰) قراء کو منذر بن عمرو کی سرکردگی میں اس مقام پر روانہ فرمایا اور وہاں دھوکہ سے عامر بن طفیل نے ان سب کو قتل کر دیا تو آنحضرت ﷺ کو سخت رنج و ملال ہوا اور آپ ﷺ نے ایک ماہ تک نام بنام قبیلوں کے لئے بددعائیں فرمائیں............تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:...... **جنگِ اُحد کی تفصیل**:............بدر میں شکست کھا کر انتقام کے جوش میں مشرکین بے تاب تھے۔

ابوسفیان نے عہد کیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہیں لوں گا غسل تک نہیں کروں گا۔اسی سلسلہ میں اس نے ذی الحجہ ۲ھ میں مدینہ کے قریب جا کر دو شتر سواروں کے ساتھ دھوکہ سے دو مسلمانوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔آپ ﷺ کو اطلاع ہوئی تعاقب کیا گیا لیکن ابوسفیان نکل

گئے تھے غرضکہ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتیں پیش آتی رہیں۔ یہاں تک وسطِ شوال ۳ھ بمطابق ۶۲۵ء میں اُحد کا گرم اور مشہور معرکہ وقوع پذیر ہوا جس کا اثر دُور اور دیر تک رہا۔

واقعہ کی ضروری اور یکجائی تفصیل اس طرح ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور دوسرے سرداروں نے ابوسفیان پر زور دیا کہ اگر تم مصارف کا بار اٹھا سکتے ہو تو بدر کا انتقام اب بھی لیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ آمادگی ظاہر ہونے پر زور وشور سے تیاریاں شروع کردی گئیں اور ملک میں عام چندہ کیا گیا۔ کنانہ اور تہامہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ہوگئے۔ ابوغرہ شاعر نے تہامہ میں گشت لگا کر جوش وخروش کی آگ لگادی شام کی تجارت کا پچاس ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اونٹ پورا پورا اس چندہ میں شامل کرلیا گیا اور عورتیں بھی تقویت کے ساتھ آئیں اور بڑے ہی سروسامانی کے ساتھ ابوسفیان کمانڈر اعلیٰ بنائے گئے۔ اس طرح مکہ سے روانہ ہوکر ۴ شوال بروز بدھ مدینہ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا گیا۔

آنحضرت ﷺ نے صلاح ومشورہ کے لئے انصارؓ ومہاجرینؓ کو جمع کیا۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کی رائے تھی کہ لڑائی کے لئے باہر نہ نکلا جائے بلکہ اندر رہ کر حملہ کو روکا جائے، اور آپ ﷺ کی رائے بھی یہی تھی جس کی تائید ایک خواب سے بھی ہوچکی تھی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ابن ابی کی رائے آنحضرت ﷺ کے موافق ہوئی، لیکن صحابہؓ نے پُرجوش طریقہ پر اس رائے کی مخالفت کی اور باہر نکل کر جنگ کرنے پر آمادگی ظاہر کی یہ سن کر بادلِ ناخواستہ آنحضرت ﷺ دولت کدہ (غربت کدہ) میں تشریف لے گئے اور مسلح اور ہتھیار بند ہوکر برآمد ہوئے اور فوج کو مارچ کا حکم دے دیا۔ لوگوں نے عرض بھی کیا کہ غالباً آپ ﷺ کی رائے کے خلاف ہم نے کچھ جرأت سے کام لیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''نبی کے لئے ہتھیار زیب تن کرنے کے بعد جائز نہیں ہے کہ اس سے پہلے اپنے ہتھیار کھولے کہ اللہ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ کرے'' آخر کار جمعہ کے روز مدینہ سے لشکرِ اسلام حرکت میں آیا اور ابن ابی مع اپنے تین سو (۳۰۰) ساتھیوں کے دبا دبایا ساتھ ہولیا اور موقعہ پاکر کھسک گیا۔ دشمن کی تعداد تین ہزار تھی جن میں دوسو سوار اور سات سوزرہ پوش جوان تھے۔ میمنہ کے رسالدار خالد بن الولید اور میسرہ کا عکرمہ بن ابی جہل تھا اور ناسخ التواریخ کے قول کے مطابق پانچ ہزار کفار کا لشکر تھا جس میں تین ہزار شتر سوار، دوسو اسپ سوار اور سات سوزرہ پوش پیادہ تھے۔ ادھر مسلمان کل سات سو تھے جن میں کل سوزرہ پوش اور صرف دو سوار تھے۔ مدینہ سے تین میل فاصلہ پر اُحد کے دامن میں جنگی صفیں آراستہ ہوئیں۔

آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس تیر اندازوں کیساتھ اُحد کے اس درہ پر تعینات کردیا جو آپ ﷺ کی اور فوج کی پشت پر تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے مسلمانوں کا گوشت نوچ نوچ کھا رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے مت ہلنا **وانا لن نزال غالبين ماثبتم مكانكم** ۷ یا ۱۵ شوال سنیچر کے روز لڑائی شروع ہوئی۔ اول حضرت زبیرؓ نے اپنے دستہ کو لے کر حملہ کیا اور قریش کے میمنہ کو شکست دے دی پھر عام جنگ ہونے لگی۔ حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہم فوج میں گھس پڑے۔ ان کے مشہور بارہ سرداروں میں سے آٹھ علمبردار حضرت علیؓ نے تہہ تیغ کردیئے اور باقی اوروں نے اور ان کی صفیں الٹ دیں۔

جنگ میں مسلمانوں کی ناکامی کی بنیاد:............غرضکہ کامیابی ان کے قدم چومنے لگی تھی کہ کچھ لوگ مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے تیر اندازوں نے خیال کیا کہ اب معرکہ ہوچکا، اس لئے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہوگئے اور مورچہ خالی چھوڑ دیا۔ بس مورچہ کا چھوڑنا ہی غضب ہوگیا کہ خالد نے جو اس وقت تک حضرت خالد نہیں ہوئے تھے اور اپنے رسالہ کے کماندار تھے دفعۃً نہایت زور وشور کے ساتھ فوج کے عقب سے حملہ کردیا عام مسلمانوں کی توجہ دوسری طرف بٹ چکی تھی اس اچانک حملہ کی تاب نہ لاسکے اور ناگہانی آفت کو نہ روک سکے۔ نقشۂ جنگ میں یہ گھاٹی نہایت اہمیت رکھتی تھی اور گویا میدانِ جنگ کی جان تھی۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے بڑی شدومد سے اس مورچہ کی حفاظت کا حکم دیا تھا۔ لوگ یہ سمجھے کہ مقصد جب حاصل ہوگیا اب بلاضرورت یہاں خالی ہاتھ کھڑے رہنے سے

بہتر ہے کہ مال غنیمت جمع کرنے کا ثواب بھی لگے ہاتھوں حاصل کرلیا جائے کہ ہم خرما وہم ثواب کا مصداق ہو جائے اس لئے دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔ صرف عبداللہ بن جبیرؓ اپنے گیارہ ساتھیوں سمیت مورچہ پر ڈٹے رہے لیکن خالد کا ریلہ نہ روک سکے اور مورچہ دشمن کے قبضہ میں چلا گیا۔ اب آگے کفار، پیچھے بھی کفار۔ آنحضرت ﷺ پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ ہوئی یہاں تک کہ دندان مبارک ایک ریزہ شہید ہو گیا، پیشانی پر زخم آیا، رخساروں پر مغفر کی کڑیاں گھس گئیں، اور اسی افراتفری میں ایک گڑھے میں گر کر لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اسی غلِ غپاڑہ میں کسی نے پکار دیا کہ رسول اللہ (خاکم بدہن) شہید ہو گئے اس وحشت ناک خبر نے مسلمانوں کے رہے سہے ہوش وحواس اور ثبات واستقلال کو متزلزل کر کے رکھ دیا اور جو جہاں تھا وہیں سراسیمہ ہو کر رہ گیا۔ باستثناء چند حضرات کے سب کے پیرا کھڑ گئے جو ان خطرات اور آفات کی موجودگی میں ان حضرات کی جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کے باوجود ظاہر ہے کہ اسباب کے درجہ میں مستبعد نہیں ہے۔

آڑے وقت کے ساتھی:............ اس موقعہ پر آنحضرت کے ساتھ اخیر دم تک کتنے صحابہؓ ثابت قدم رہے، اس میں اختلاف ہے۔ صحیح مسلم کی روایت حضرت انسؓ سے یہ ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کی ساتھ سات (۷) انصارؓ اور دو (۲) قریشیؓ سعدؓ اور طلحہؓ رہ گئے تھے اور بیہقی اور نسائی میں حضرت طلحہؓ کے علاوہ گیارہ انصار کا ہونا ذکر کیا ہے۔ محمد بن سعدؒ نے چودہ حضرات کا نام لیا ہے اور روایتیں بھی مختلف ہیں حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن وقاصؓ، طلحہ بن عبداللہؓ، زبیر بن العوامؓ، ابوعبیدہ بن جراحؓ وغیرہ حضرات یقیناً آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ان روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ شروع میں مسلمانوں کے سراسیمہ ہونے کی وجہ سے تعداد کم تھی لوگ ادھر ادھر پھیل گئے تھے اور جو جہاں تھا وہیں رہ گیا، لیکن پھر آہستہ آہستہ جوں جوں موقعہ ملتا رہا لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔

جانثار صحابہؓ:............ آنحضرت ﷺ کی وفات کی غلط خبر جو گرم ہوئی تو تین طرح کے لوگ ہو گئے۔ کچھ لوگ تو ایسے سراسیمہ ہوئے کہ انہوں نے مدینہ سے ادھر دم نہیں لیا اور کچھ لوگ جان پر کھیل کر لڑتے رہے بعض لوگوں نے مایوس ہو کر سپر ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ؟ طبریؒ نے روایت کی ہے کہ اس موقعہ پر جب انس بن نضرؓ نے حضرت عمرؓ اور طلحہؓ اور چند مہاجرینؓ اور انصارؓ کو دیکھا کہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ ان لوگوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے تو شہادت پالی ہے۔ انسؓ بولے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ تم بھی ان ہی کی طرح لڑ کر جان دے دو یہ کہہ کر کفار پر حملہ آور ہوئے اور شہادت پالی۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ انسؓ بن نضرؓ اس وقت میرے پاس سے گزرے اور مجھ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ پر کیا گزری؟ میں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ شہید ہو گئے ہیں، انسؓ نے کہا رسول اللہ اگر شہید ہو گئے تو اللہ تو زندہ ہے، یہ کہہ کر تلوار میان سے کھینچ لی اور اس قدر لڑے کہ شہادت حاصل کر لی ابن ہشام میں ہے کہ حضرت انسؓ نے اس واقعہ میں ستر (۷۰) زخم کھائے۔

خالد ایک دستہ فوج لے کر آنحضرت ﷺ کی طرف بڑھے۔ آپ ﷺ اس وقت تیس (۳۰) صحابہ کے ساتھ پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے۔ خالد کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ خدایا یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں۔ حضرت عمرؓ نے چند مہاجرینؓ اور انصارؓ کے ساتھ آگے بڑھ کر ان پر حملہ کیا اور ان کو ہٹا دیا۔ ابوسفیان سپہ سالارِ قریش نے درہ کے قریب پہنچ کر للکارا کہ اس گروہ میں محمد ﷺ ہیں یا نہیں؟ آنحضرت ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے پھر حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کا نام لے کر پکارا کہ یہ دونوں ہیں یا نہیں؟ لیکن جب کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو کہنے لگا کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے، حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا پکار اٹھے کہ دشمنِ خدا! ہم سب زندہ ہیں۔ ابوسفیان کہنے لگا

اعل ھبل یعنی اے ہبل بت زندہ باد، آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ جواب دو اللّٰہ اعلیٰ و اجل کہ خدا بلند و برتر ہے۔

بنو سلمہ اور بنو حارثہ کا واقعہ صحابہؓ کی سربلندی کا ثبوت ہے:............اذھمت طائفتان میں بنوسلمہ اور بنوحارثہ کے جن گروہوں کا ذکر ہے عبداللہ اور اس کے تین سو ساتھیوں کے میدانِ جنگ سے پسپا ہونے کی وجہ سے ان کے پیر بھی کچھ اکھڑنے لگے تھے اور ان میں پست ہمتی پیدا ہونے لگی تھی۔ اور واپسی کا وسوسہ گزرنے لگا تھا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور وہ وسوسہ دُور کردیا۔اس عنایت آمیز عتاب میں بھی کیسی بشارت موجود ہے کہ جُرم کی خفت ولقد ھمت سے بتلائی کہ واپسی نہیں ہوئی بلکہ صرف واپسی کا وسوسہ پیدا ہوا۔اس لئے ہماری ولایت سے خارج نہیں ہوئے چنانچہ اسی لطف آمیز شکایت کی وجہ سے یہ حضرات اس عتاب سے کبیدہ خاطر یا رنجیدہ نہیں تھے۔کیونکہ اس کے ساتھ واللہ ولیھما بھی فرمایا گیا ہے وہ جس کو اپنا کہہ دیں اس کی نازش وافتخار کا کیا پوچھنا؟

معرکۂ بدر:............ولقد نصر کم اللہ میں واقعۂ بدر کے ضمن امداد غیبی اور تائید الٰہی کا تذکرہ ہے۔یہ مشہور معرکہ ۲ھ بمطابق ۶۲۴ء میں اس طرح پیش آیا کہ ابوسفیان سردار قریش مشترک مال تجارت لے کر شام سے واپس آرہے تھے کہ مسلمانوں کے حملہ کی غلط خبر سن کر قریش کے پاس قاصد بھیجا جس سے مسلمانوں کیخلاف تمام مکہ امنڈ آیا۔رسول اللہ ﷺ یہ سن کر تین سو آدمیوں کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہوئے، عام مؤرخین کا خیال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا مدینہ سے نکلنا صرف ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹنے کے لئے تھا۔لیکن واقعہ ایسا نہیں ہے۔کیونکہ ابوسفیان کے ساتھ صرف چالیس آدمی تھے اور وہ نہتے، جنگی ارادہ سے جن کا سفر نہیں تھا کہ ہتھیار بند ہوں ادھر آنحضرت ﷺ تین سو بہادروں کے ساتھ نکلے تھے۔قرآنِ کریم نے سورۂ انفال میں جہاں اس واقعہ کی تصویر کما اخرجک ربک الخ کے الفاظ کے ساتھ کھینچی ہے وہاں صحابہؓ کے ہچکچانے کو موت کے منہ میں جانے سے تعبیر کیا ہے۔پس چالیس نہتے آدمیوں کے مقابلہ میں تین سو بہادر صحابہؓ کو موت کے منہ میں جانے سے تعبیر کرنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے معلوم ہوتا ہے ارادہ کچھ دوسرا ہی تھا۔

بہرحال ۸ رمضان ۲ھ کو آنحضرت ﷺ تین سو تیرہ (۳۱۳) اصحابؓ کے ساتھ جن میں تیراسی (۸۳) مہاجرینؓ اور باقی انصارؓ تھے۔لشکر طالوت جو لشکر جالوت کے مقابلہ میں نکلا تھا اس کا عدد بھی تین سو تیرہ (۳۱۳) تھا۔مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے قریش کی فوج ساڑھے نوسو (۹۵۰) کی جمعیت تھی جن میں بڑے بڑے سورما شریک تھے۔مدینہ منورہ سے چھ منزل پر بدر میں ۱۷ رمضان ۲ھ کو یہ پہلا معرکۂ حق و باطل گرم ہوا۔آپ ﷺ نے دعا کی کہ خدایا اگر یہ مسلمان مارے گئے تو دنیا میں توحید کی منادی کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔چنانچہ کفار کو شکست فاش ہوئی۔مسلمانوں میں صرف چودہ (۱۴) آدمی شہید ہوئے جن میں چھ مہاجرؓ اور آٹھ انصارؓ تھے۔قریش کی طرف ستر مقتول اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔مقتولین میں ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ اور بڑے بڑے بہادر تھے جو کام آئے۔وہ چودہ سردار جو دارالندوہ میں آنحضرت کے قتل کی سازش میں شریک تھے ان میں سے گیارہ مارے گئے۔تین جو بچے وہ اسلام لے آئے اس طرح مکہ میں کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے ان کی تعداد بھی کم و بیش ستر (۷۰) تھی۔جن میں قریش کے بڑے معزز سردار بھی تھے۔ایک روز پہلے آنحضرت ﷺ نے میدانِ جنگ ملاحظہ فرما کر کہا تھا کہ کل انشاء اللہ فلاں کافر اس جگہ اور فلاں فلاں اس جگہ قتل ہوں گے۔گرفتار ہونے والے میں حضرت عباس، حضرت عقیل، ابوالعاص بن الربیع، ولید بن الولید تھے۔ان سرداروں کا اس طرح ذلت کے ساتھ گرفتار ہوکر آنا ایک عبرت انگیز سامان پیدا کررہا تھا جس سے مسلمانوں کے دل پر اثر ہوا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی زوجۂ مبارکہ حضرت سودہؓ کی نظر جب ان قیدیوں پر پڑی تو بے اختیار بول اٹھیں اعطیتم بایدیکم ھلامتم کراما یعنی گرفتار ہونے سے شریفوں کی طرح مرجانا تمہارے لئے بہتر تھا۔آپ ﷺ نے ان میں سے بعض سے مالی فدیہ لے کر چھوڑ دیا اور پڑھے لکھے اسیروں

کا تاوان یہ مقرر ہوا کہ وہ انصاری بچوں کو تعلیم دیں اور لکھنا سکھلا دیں جنگ بدر کا نام ''یوم الفرقان'' رکھا گیا ہے۔ جس نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے رکھ دیا۔

فرشتوں کی کمک یا غیبی امداد:............خدائی فوج (ملائکہ) کی امداد کے سلسلہ میں تین وعدے کئے گئے ہیں ایک ہزار کا، تین ہزار کا، پانچ ہزار کا۔ سوان تینوں وعدوں کا ایک سبب تو مشترک ہے یعنی صبر وتقویٰ جو آیت بالا بلٰی ان تصبروا وتتقوا میں بھی بیان کیا گیا ہے لیکن تینوں کے علیحدہ علیحدہ اسباب بھی ہیں۔ مثلاً اول کا سبب سورۂ انفال میں استغاثہ اور دعا کا ہونا بتلایا گیا ہے۔ دوسری امداد کا سبب خود جلال محققؒ نے کرز بن جابر محاربی کی طرف سے کمک پہنچنے کی خبر سے مسلمانوں کا سراسیمہ اور پریشان ہونا ذکر کیا ہے اور تیسری امداد کا باعث خود آیت میں صبر وتقویٰ مذکور ہے تاہم اس میں اختلاف ہے کہ آیا تیسرا وعدہ پورا ہوا ہے یا نہیں؟ شعبی کی رائے یہ ہے کہ یہ وعدہ مشروط تھا۔ یأتوکم من فورھم کے ساتھ اور چونکہ کرز بن جابر کی طرف سے کمک نہیں پہنچ سکی اس لئے ایفاء وعدہ کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا لیکن جن لوگوں نے اس کو مشروط وعدہ نہیں بلکہ مطلق وعدہ پر محمول کیا ہے تاکید ومبالغہ کے لئے وہ اس کا ایفاء مانتے ہیں۔

تینوں وعدوں کا ایفاء:............نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ تین ہزار کے وعدہ میں پہلا ہزار اور پانچ ہزار کے وعدہ میں ایک ہزار اور تین ہزار بھی داخل ہیں یا ان کے علاوہ تعداد مراد ہے۔ اور لطیفہ اس خاص تعداد میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کافر ایک ہزار تھے۔ اس لئے ایک ہزار فرشتے مقرر کئے گئے، پھر مسلمانوں کی نسبت کافروں کے تین گنا ہونے کی وجہ سے یہ عدد تین گنا کر دیا گیا کہ کافروں سے تین گونہ رہے پھر لشکر کے پانچوں حصوں، مقدمہ، میمنہ، قلب، میسرہ، خلف کے لحاظ سے ہر حصہ کے مقابلہ میں ایک ایک ہزار کر دیا گیا۔

عروہ بن زبیرؓ کی روایت ہے کہ مدینہ میں چونکہ حضرت زبیرؓ کا عمامہ زرد تھا اس لئے ملائکہ بھی زرد عماموں کے ساتھ آئے اور ابن عباسؓ کی روایت یہ ہے کہ بدر میں ملائکہ سفید عمائم میں تھے۔ جن کے شملے مابین الکتفین پڑے ہوئے تھے۔ لیکن دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت جبریلؑ کا عمامہ زرد اور باقی کے سفید ہوں گے اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہؓ کو نعامہ کے پیروں جیسا رنگ معلوم ہوا اور حضرت علیؓ کو سفید صوف کا اور حضرت زبیرؓ کو زرد اور حضرت ابودجانہؓ کو سرخ معلوم ہوا اور احد میں فرشتوں کا امداد کے لئے آنا کسی قوی دلیل سے ثابت نہیں اور یوں حفاظتی طور پر ساتھ رہنا دوسری بات ہے۔

مقصدِ مقام:............حاصل آیات کا یہ ہے کہ اُحد میں مسلمانوں کی امداد غیبی سے محرومی کے دو سبب ہیں۔ ایک غزوۂ بدر میں اساریٔ بدر کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا جو تمہارے تقویٰ کے شایانِ شان نہیں تھا اور جس کے باعث نقصان ہونے کی اطلاع پہلے دے دی گئی تھی۔ دوسرے خاص غزوۂ احد میں مورچہ سے ہٹ کر حکم عدولی کرنا اور ڈسپلن قائم نہ رکھنا سبب ہوا غرضکہ بدر میں جس طرح کامل اطاعت اور تقویٰ کی برکت سے منصور ومظفر ہوئے اسی طرح احد میں صبر وتقویٰ میں اختلال سابق ولاحق کی نحوست سے فتح مند نہیں ہوسکے۔

کیفیتِ نصرت:............فرشتوں کے نزول کی غرض جو آیات سے معلوم ہوتی ہے یعنی مسلمانوں کے دل کو سکون وطمانیت بخشنا قرآن کے اس صریحی بیان کے بعد اس پر کسی طرح کا شبہ واقعہ نہیں ہوتا، رہا یہ کہ طریق سکون بخشی کیا تھا؟ سو ممکن ہے کہ باطنی تصرف سے جیسے کہ ابتداء وحی میں آنحضرت ﷺ پر تصرف جبریلی کیا گیا تھا اور جیسا کہ بعض مشائخ تصوف کے یہاں یہ تصرف معمول بہا ہوتا ہے۔ قلوب مؤمنین میں قوتِ تثبیت پہنچادی گئی ہو اس لحاظ سے نہ فرشتوں کا نظر آنا ضروری ہے اور نہ یہ شبہ رہتا ہے کہ اس طرح تو ایک

ہی فرشتہ سب کو ہلاک کر سکتا تھا۔ پھر تین ہزار کی کیا ضرورت تھی؟ درآنحالیکہ پھر بھی ملائکہ نے سب کفار کو ہلاک نہیں کیا نیز یہ شبہ بھی نہیں رہتا کہ فرشتوں کے بل بوتہ پر جنگ کرائی گئی تو صحابہؓ کی خوبی اور کمال کیا رہا اور کفار کی شکست کیوں قابل ملامت ہوئی؟

مقصد نصرت:............ کیونکہ قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی غرض فرشتوں کے شریکِ جنگ کرنے سے ان کو شریک قتل کرنا نہیں تھا۔ بلکہ محض دلجمعی اور ڈھارس بندھانے کی خاطر ایسا کیا گیا۔ اس لئے اتنی تعداد رکھی گئی اور اس لئے پہلے سے ان کی آمد کی اطلاع دے دی گئی تاکہ اطمینان وخوشی کی لہر دوڑ جائے اور دل جوش سے لبریز ہو جائیں اور فی الحقیقت تائید ونصرت فرشتوں سے نہیں ہوئی کہ یہ کام دراصل خداوند قدوس کا ہے، وہی کارساز ہیں، انسان چونکہ محسوسات کا عادی ہے اس لئے برائے نام فرشتوں کو بہانہ بنادیا گیا اور اس لئے ایک آدھ فرشتہ ایک آدھ صحابیؓ کو دکھلا بھی دیا گیا اور "اقدم حیزوم" کلماتِ جبریلی ایک آدھ کو سنوا دیئے گئے بلکہ **فاضربوا فوق الاعناق** کی رو سے ایک آدھ کافر کا سر بھی الگ کر کے دکھلا دیا گیا تاکہ عین الیقین اور دیکھ کر پوری طرح شرح صدر ہو جائے ورنہ اصلی کام فرشتوں کا **فثبتوا الذین اٰمنوا** ہی تھا۔

فرشتے اور جنات بھی شریک قتال ہوئے یا نہیں؟:............ رہا یہ شبہ کہ جنات بھی شریک جنگ ہوئے یا نہیں؟ اگر تھے تو دونوں کے ساتھ یا ایک کے ساتھ؟ سو تینوں صورتیں ممکن ہیں۔ (۱) کیونکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انسانوں کی طرح جنات بھی چونکہ مؤمن و کافر ہیں اس لئے اور دوسرے احکام کی طرح جہاد کے بھی مکلّف ہوں اور دونوں صفوں میں شریک جنگ وقتال رہے ہوں اور انسانوں نے انسانوں اور جنات نے جنات سے قتل کیا ہو۔ (۲) یا صرف مسلمانوں کے ساتھ مکلّف ہونے کی وجہ سے مؤمن جنات شریک جہاد رہے ہوں۔ مگر ملائکہ کی طرح محض تقویہ اور تصرف بالحق کے لئے نہ کہ قتال کے لئے اس صورت میں آیات میں ان کا عدم ذکر عدم واقعی کو مستلزم نہیں ہے۔ خطاب میں اصل انسان ہیں جنات ان کے تابع ہیں جیسا کہ اصل خطاب مردوں کو کیا گیا ہے عورتیں ان کے تابع سمجھی گئی ہیں۔ (۳) یہ بھی ممکن ہے کہ کسی طرف بھی جنات شریک نہ ہوئے ہوں۔ رہا ان کے مکلّف ہونے کا معاملہ یا تو وہ احکام جہاد ہی کے مکلّف نہ ہوں اور ہوں بھی تو آپس میں ہوں، انسانوں کے ساتھ یا ان کے مقابلہ پر نہ ہوں۔

لطائف آیت:............ آنحضرت ﷺ کا قبیلہ رعل وذکوان وعصیہ یا دوسرے کفار کے حق میں بددعا فرمانا محض اپنے اجتہاد کی وجہ سے تھا۔ اس سلسلہ میں پہلے کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے عصمت کے بارے میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

آیت **لیس لک من الامر** کا منشا یہ ہے کہ جب تک حق تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر کسی کے کفر کا علم نہ کرا دیا جائے۔ ہر وقت اس کے مسلمان ہونے کا احتمال رہتا ہے چنانچہ اس کے بعد بعض لوگ مسلمان ہوئے بھی اس لئے ایسی صورت میں بددعا کب مناسب ہے، نیز مشیت الٰہی کے بغیر کوئی تدبیر بھی مؤثر نہیں ہے اس لئے اس کی فکر میں نہ پڑنا چاہئے کیونکہ زیادہ فکر اصلاح ہی سے غم وغصہ پیدا ہو جاتا ہے جس کا علاج صبر ہے اور حاصل صبر کا ناگوار بات کو پی جانا ہوتا ہے۔ لیکن جب کفار مسلمان ہو جائیں گے یا ہلاک وبرباد ہو جائیں گے تو یہ دونوں صورتیں آپ کے عین منشاء ہیں۔ اس لئے ناگواری ختم ہو کر صبر کی انتہاء ہو جائے گی یعنی اس کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اذھمت الخ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کا وسوسہ حدیث النفس اور ھم کے درجہ میں ولایت کے منافی نہیں ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً صـ بِالِفٍ وَدُوْنِھَا بِاَنْ تَزِیْدُوْا فِی الْمَالِ عِنْدَ حُلُوْلِ الْاَجَلِ وَتُؤَخِّرُوا الطَّلَبَ **وَّاتَّقُوا اللّٰہَ** بِتَرْکِہٖ **لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿۱۳۰﴾** تَفُوْزُوْنَ **وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ﴿۱۳۱﴾** اَنْ تُعَذَّبُوْبِھَا **وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا** بِوَاوٍ وَدُوْنَھَا **اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ** لا اَیْ کَعَرْضِھِمَا لَوْ وَصَلَتْ اِحْدَاھُمَا بِالْاُخْرٰی وَالْعَرْضُ اَلسَّعَۃُ **اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ﴿۱۳۳﴾** اَللّٰہَ بِعَمَلِ الطَّاعَاتِ وَتَرْکِ الْمَعَاصِیْ **الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی** طَاعَۃِ اللّٰہِ **فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ** اَیِ الْیُسْرِ وَالْعُسْرِ **وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ** اَلْکَافِّیْنَ عَنْ اِمْضَائِہٖ مَعَ الْقُدْرَۃِ **وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ** ط مِمَّنْ ظَلَمَھُمْ اَیِ التَّارِکِیْنَ عُقُوْبَتَہٗ **وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴿۱۳۴﴾** بِھٰذِہِ الْاَفْعَالِ اَیْ یُثِیْبُھُمْ **وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً** ذَنْبًا قَبِیْحًا کَالزِّنَا **اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ** بِمَادُوْنَہٗ کَالْقُبْلَۃِ **ذَکَرُوا اللّٰہَ** اَیْ وَعِیْدَہٗ **فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ** قف **وَمَنْ** اَیْ لَا **یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ** قف **وَلَمْ یُصِرُّوْا** یُدِیْمُوْا **عَلٰی مَافَعَلُوْا** بَلْ اِقْلَعُوْا عَنْہُ **وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ﴿۱۳۵﴾** اَنَّ الَّذِیْ اَتَوْہُ مَعْصِیَۃٌ **اُولٰٓئِکَ جَزَآءُھُمْ مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ** حَالٌ مُقَدَّرَۃٌ اَیْ مُقَدِّرِیْنَ الْخُلُوْدَ **فِیْھَا** ط اِذَا دَخَلُوْھَا **وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ﴿۱۳۶﴾** بِالطَّاعَۃِ ھٰذَا الْاَجْرُ

ترجمہ:.......... مسلمانو! سود کی کمائی سے اپنا پیٹ نہ بھرو۔ دگنا چوگنا کر کے (لفظ مضٰعفۃ الف کے ساتھ اور بغیر الف کے ہے اس مال کے بڑھنے کی صورت یہ ہے کہ مدت ختم ہونے پر مطالبہ کو تو مؤخر کر دیا جائے اور سودی رقم میں اضافہ کر دیا جائے) اور اللہ سے ڈرو (اس کے چھوڑنے کے سلسلہ میں) توقع ہے کامیاب ہو جاؤ گے (نجات پا جاؤ گے) اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے (کہیں تم کو اس میں عذاب نہ دیا جائے) اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو امید یہ ہے کہ رحمتِ الٰہی کے مستحق ہو جاؤ گے اور دوڑو (یہ واو کے ساتھ اور بغیر واو کے ہے) اپنے پروردگار کی بخشائش کی طرف۔ نیز جنت کی طرف جس کے پھیلاؤ کا حال یہ ہے کہ تمام آسمان وزمین کے برابر ہے (یعنی ان کے پھیلاؤ کے برابر ہے۔ اگر ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر پھیلایا جائے اور عرض کے معنی کشادگی کے ہیں) جو متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے (جو اللہ کی طاعات بجالانے والے اور نافرمانی سے بچنے والے ہیں) جن کے اوصاف یہ ہیں کہ خرچ کرنے والے ہیں (اللہ کی طاعت میں) خوشحالی یا تنگ دستی (یعنی سہولت ہو یا تنگی) غصہ کو قابو میں رکھنے والے ہیں (قدرت ہوتے ہوئے اس کے مقتضی پر عمل نہیں کرتے) اور لوگوں کے قصور معاف کر دیتے ہیں (لوگوں پر ظلم کرنے والوں کی سزا سے درگذر فرماتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ نیک کرداروں کو پسند کرتے ہیں (اس طرح کے نیک کام کرنے والوں کو ثواب عطا کرتے ہیں) نیز وہ لوگ ہیں کہ ان سے جب کبھی کوئی سخت برائی کی بات ہو جاتی ہے (زنا جیسی بدترین برائی) یا اپنی جانوں کو آلودہ معصیت کر لیں (فاحشہ سے کم درجہ کی برائی جیسے بوسہ وغیرہ لے لینا) تو فوراً اللہ (کی وعید) کی یاد ان میں جاگ اٹھتی ہے۔ پس اللہ سے وہ اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں اور کون ہے (کوئی نہیں) بجز اللہ کے جو گناہوں کی مغفرت فرماوے اور اصرار (جماؤ) نہیں کرتے جو کچھ ان سے سرزد ہو گیا ہے (بلکہ اس سے ہٹ جاتے ہیں) یہ جان بوجھ کر (کہ جو کچھ ان سے سرزد ہوا ہے وہ معصیت ہے) یہی لوگ

ہیں جن کے لئے ان کے پروردگار کی طرف سے عفو وبخشش کا اجر ہے اور ایسے باغات ہیں جن کے پائیں نہریں جاری ہیں، ہمیشہ وہ ان ہی باغوں میں رہیں گے (جب ان میں داخل ہو جائیں گے خالدین حال مقدرہ ہے تقدیر عبارت ایسے ہے مقدر ین الخلود) اور کیا ہی اچھا بدلہ ہے جو (طاعت کے) کام کرنے والوں کے حصہ میں آئے گا (یہ بدلہ)

تحقیق وترکیب:.......... **بواو ودونھا** یعنی وسارعوا جملہ اطیعوا پر معطوف ہونے کی صورت میں اور یا صرف سارعوا جملہ مستانفہ ہونے کی ترکیب پر **عرضھا** عرض کی تخصیص مبالغہ کے لئے ہے کہ جب چوڑائی اتنی ہے تو لمبائی کا کیا پوچھنا۔ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ باقی یہ شبہ کہ جب جنت آسمانوں میں ہے تو پھر اس کی چوڑائی کا آسمان وزمین کے برابر ہونے کا کیا معنیٰ؟ جواب یہ ہے کہ جنت آسمانوں کے اندر نہیں ہے بلکہ آسمانوں سے اوپر عرش کے نیچے ہے۔ چنانچہ حدیث میں فردوس کے متعلق ہے کہ **انھا فوق السمٰوٰت وتحت العرش** ہاں البتہ باب جنت آسمانوں میں ہونے کی وجہ سے مجازاً جنت کو آسمانوں میں کہہ دیا جاتا ہے۔ **کعرضھا** مفسر علامؒ نے اشارہ کر دیا ہے کہ عبارت بحذف المضاف ہے اور ادات تشبیہ بھی محذوف ہے۔ چنانچہ سورۂ حدید میں **عرضھا کعرض السماء والارض** ہے اس میں اختلاف ہے کہ تشبیہ حقیقی ہے یا نہیں۔

والعرض السعة یعنی عرض یہاں بمعنی چوڑائی مستعمل نہیں ہے بلکہ بمعنی کشادگی ہے۔ عرب بولتے ہیں **بلاد عریضة** اور بولتے ہیں **ھذا دعوىٰ عریضة. ای واسعة عظیمة** اب کسی سوال وجواب کی ضرورت ہی نہیں ہے متقی سے مراد اگر اتقاء عن الشرک ہے تو عاقبت کار جنت کا مستحق ہوگا اور اتقاء من المعاصی ہے تو بلا عقوبت مستحق جنت ہوگا۔

والکاظمین. کظم القربة کہتے ہیں مشک بھر کر بند کر دی جائے **کظم الغیظ** غصہ کو پی جانا، ضبط کرنا، ارشاد نبویؐ ہے **من کظم غیظًا وھو یقدر علی انفاذہ ملاء اللہ قلبه امنًا وایمانًا**

والعافین اس کا عطف کاظمین پر عطف عام علی الخاص کے قبیل سے ہے۔ عفو عام ہے کظم غیظ ہو یا نہ ہو۔

نعم فعل ماضی ہے اور اجر فاعل ہے اور مخصوص بالمدح محذوف ہے جس کو مفسر علامؒ نے ذکر کیا ہے۔ یعنی **ھذا الاجر الذی ھو المغفرة والجنة.**

ربط:.......... اُحد میں مسلمانوں کو جو کچھ دھچکہ لگا تھا اس کا باعث ظاہر کسی درجہ میں مالی محبت کی کچھ زیادتی اور تقویٰ اور اطاعت میں کسی حد تک کمی تھی۔ اس لئے ان آیات میں مالی حرص کی ممانعت، تقویٰ، اطاعت، فرمانبرداری، ڈسپلن کی تلقین اور حدود شرح کی پابندی کی تعلیم دینی ہے۔ ابن حبانؒ کی رائے ہے کہ پہلے **لاتتخذوا بطانة** میں یہود وغیرہ سے ترک تعلقات کا حکم دیا جا چکا ہے ادھر یہودی سودی لین دین کی بندھن ایسی تھی کہ مسلمان ان سے تعلقات رکھنے پر مجبور تھے، اس لئے ترک تعلقات کی رو میں اس سودی لعنت کو بھی بالکلیہ ختم کیا جا رہا ہے۔

شانِ نزول:.......... زمانۂ جاہلیت میں سودی لعنت کا طوق جن لوگوں کے گلے میں پڑا ہوا تھا اس کی رسی مہاجنی سود در سود کے ذریعہ اور تنگ کر دی جاتی تھی۔ جس سے غریب مدیون گھٹ گھٹ کر مر جاتا تھا۔ اسلام نے نہ صرف یہ کہ اس رسی کو ڈھیلا کرنا چاہا بلکہ اس طوقِ لعنت ہی کو گلے سے نکالنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔

والذین اذا فعلوا کے متعلق عطا کی رائے یہ ہے کہ ابو سعیدؓ کی دکان پر ایک خوبصورت عورت آئی، عمدہ عمدہ کھجور دکھلانے کے بہانہ اس کو دکان کے اندر لے گئے اور بے اختیاری میں اس کا بوسہ لے لیا۔ اس نے **اتق اللہ** کہا تو نادم ہوئے اور فوراً چھوڑ دیا اور آنحضرت

ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کر دیا۔ اس پر آیت نازل ہوئی اور مقاتلؒ وکلبیؒ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے ایک انصاری اور ثقیف کے ایک شخص کے درمیان مؤاخات کرادی، اتفاقاً ثقفیؓ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے اور انصاری بھائی ان کی خانگی دیکھ بھال کرنے لگا۔ ایک روز گوشت خرید کر لائے اور ثقفی کی بیوی کو دینے لگے اور اس بہانہ ان کے ہاتھ کو بوسہ دے دیا۔ مگر پھر اس قدر ندامت ہوئی کہ سر پر دو ہتڑ مارتے پھرے اور کبھی ادھر نہیں پھرے۔ حتیٰ کہ ثقفی غزوہ سے واپس آئے تب بھی ملنے نہیں گئے انہوں نے اپنی بیوی سے دریافت حال کیا تو کہنے لگیں کہ نوج ایسا کوئی بھائی ہو اور سارا حال کہہ سنایا۔ آخر ثقفی خود ہی ملنے گئے تو دیکھا کہ انصاری پہاڑوں میں چیختے چلاتے پھر رہے ہیں اور توبہ واستغفار میں لگے ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں ان کو لایا گیا تو انصاری نے خود ہی کہا کہ میں برباد ہو گیا ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اللہ کو غازی کے بارے میں جس قدر غیرت ہوتی ہے دوسرے کسی کے بارے میں نہیں ہوتی۔ حضرت عمرؓ کے پاس آئے انہوں نے بھی یہی کہا۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے بھی اسی طرح کے جملے ارشاد فرمائے، اس کے بعد ان کے دلِ مجروح کی خستگی کا کیا ٹھکانا ہوگا۔ لیکن حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اس غریب کی تسکین فرمائی۔

﴿ تشریح ﴾: ...... مہاجنی سُود یا سُود در سُود کی لعنت: .... نفس سود کی حرمت تو آیت بقرہ سے معلوم ہو چکی ہے جیسا کہ عطاء کی روایت سے ثابت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں قبیلہ ثقیف قبیلہ بنی نضیر سے سود کا لین دین کرتے اور میعاد ختم ہونے پر دام بڑھا چڑھا کر مزید مہلت لے لیا کرتے تھے جس کو سود در سود کہنا چاہئے۔ یا مجاہدؒ سے مروی ہے کہ لوگ خرید وفروخت کا معاملہ کیا کرتے لیکن جب مدت ختم ہونے پر آتی تو دام بڑھا کر مہلت بڑھا لیا کرتے تھے اس طریقہ کی بندش کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ اس میں اضعافا مضعفة کی قید احترازی نہیں ہے بلکہ واقعی ہے کہ واقعہ ایسا ہی ہوتا تھا یا یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی کہے ''میاں مسجد میں گالیاں مت بکو'' اسکا یہ مطلب نہیں کہ مسجد سے باہر گالیوں کی اجازت ہے بلکہ زیادہ قباحت کے لئے یہ قید لگادی گئی ہے۔ پس سود کم ہو یا زیادہ بہر صورت ناجائز ہے۔ اس کاروبار میں جس قدر لوگ شریک ہوں خواہ دستاویز کی لکھت پڑھت کرنے والے یا دوسرے اعانت کرنے والے ماخوذ اور مستحق لعنت ہوں گے کمپنیوں اور فرموں، بینکوں اور دوسری نئی ایجنسیوں اور کاروباری لائنوں میں پیچ در پیچ صورتیں ایسی آرہی ہیں جن میں سود کی آمیزش اور امتیاز کا فرق ایک بڑا مشکل مرحلہ ہو گیا ہے جس کے لئے مہارت اور حذاقتِ فن کی ضرورت ہے۔

لطائف آیت: .... یا ایھا الذین اٰمنوا سے اہل سنت نے استدلال کیا ہے گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ ربوا گناہِ کبیرہ ہے اور اس کے کرنے والوں کو مومن کہا جارہا ہے۔ نیز یہ آیت فرقۂ معتزلہ کی طرح فرقۂ مرجئہ پر بھی رد ہے۔ ان کا قول ہے کہ اگر کوئی گناہ ایمان کے لئے مضر نہیں اور جہنم کی سزا بالکل نہیں ہوگی۔ حالانکہ آیت میں مؤمنین کے لئے وعید فرمائی ہے۔ اسی لئے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت قرآن کریم میں سب سے زیادہ خوفناک ہے۔

علامہ تفتازانیؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ اعدت للمتقین اور اعدت للکفرین سے معلوم ہوا کہ جنت وجہنم پیدا ہو چکی ہیں اور موجود ہیں کیونکہ اعدت ماضی کا صیغہ ہے جس کو حقیقی معنی پر محمول کرنا اصل ہے۔

معتزلہ کا خیال ہے کہ فی الحال دونوں موجود نہیں۔ جیسا کہ آیت تلک الدار الاٰخرۃ نجعلها الخ سے معلوم ہوتا ہے لیکن معتزلہ کا یہ استدلال نہایت کمزور ہے کیونکہ متقین کو اس میں داخل کرنا زمانۂ استقبال میں ہوگا اور نہ کہ ان کا مخلوق ہونا مستقبل میں ہوگا۔ چنانچہ جعل بمعنی خلق نہیں ہے بلکہ بمعنی صیر ہے۔ اور ضمیر بارز مفعول اور الذین مفعول ثانی ہے کذا قال الفاضل الخیالی۔

تقویٰ کے دو درجے ہیں ایک اعلیٰ درجہ کہ جس کے لحاظ سے بلاعقوبت مستحق جنت ہوں گے۔ دوسرا درجہ ادنیٰ جس کے لحاظ سے عاقبت کار مستحق جنت ہو جائیں گے۔ کظم غیظ کے سلسلے میں امام زین العابدینؒ کا واقعہ سبق آموز ہے۔ ان کی ایک باندی ان کو وضو کرا رہی تھی کہ ہاتھ سے لوٹا چھوٹ کر ان کے سر میں لگ گیا جس سے سر زخمی اور لہولہان ہو گیا۔ آپ نے غصہ سے نظر اٹھا کر دیکھا تو باندی نے کہا **والکاظمین الغیظ** فرمایا کہ میں نے اپنا غصہ پی لیا اس نے کہا **والعافین** آپ نے فرمایا میں نے معاف کیا باندی بول اٹھی **واللہ یحب المحسنین** فرمایا تو میری طرف سے اللہ کے لئے آزاد ہے۔

آیت **والکاظمین الخ** سے معلوم ہوا کہ طبعی غیظ منافی کمال نہیں ہے۔ آیت **ولم یصروا علی مافعلوا** سے معلوم ہوا کہ گناہ اگر بغیر اصرار کے ہو تو مرتبہ کمال احسان کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔

وَنَزَلَ فِیْ هَزِیْمَةِ اُحُدٍ **قَدْ خَلَتْ** مَضَتْ **مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ** طَرَائِقُ فِی الْكُفَّارِ بِاِمْهَالِهِمْ ثُمَّ اَخْذِهِمْ **فَسِیْرُوْا** اَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ **فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ**﴿۱۳۷﴾ الرُّسُلَ اَیْ اٰخِرُ اَمْرِهِمْ مِنَ الْهَلَاكِ فَلَا تَحْزَنُوْا لِغَلَبَتِهِمْ فَاَنَا اُمْهِلُهُمْ لِوَقْتِهِمْ **هٰذَا** الْقُرْاٰنُ **بَیَانٌ لِّلنَّاسِ** كُلِّهِمْ **وَهُدًی** مِنَ الضَّلَالَةِ **وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ**﴿۱۳۸﴾ مِنْهُمْ **وَلَا تَهِنُوْا** تَضْعُفُوْا عَنْ قِتَالِ الْكُفَّارِ **وَلَا تَحْزَنُوْا** عَلٰی مَا اَصَابَكُمْ بِاُحُدٍ **وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ** بِالْغَلَبَةِ عَلَیْهِمْ **اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ**﴿۱۳۹﴾ حَقًّا وَجَوَابُهٗ دَلَّ عَلَیْهِ مَجْمُوْعُ مَاقَبْلَهٗ **اِنْ یَّمْسَسْكُمْ** یُصِبْكُمْ بِاُحُدٍ **قَرْحٌ** بِفَتْحِ الْقَافِ وَضَمِّهَا جَهْدٌ مِّنْ جُرْحٍ وَّنَحْوِهٖ **فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ** الْكُفَّارَ **قَرْحٌ مِّثْلُهٗ** بِبَدْرٍ **وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا** نُصَرِّفُهَا **بَیْنَ النَّاسِ** یَوْمًا لِفِرْقَةٍ وَیَوْمًا لِاُخْرٰی لِیَتَّعِظُوْا **وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ** عِلْمَ ظُهُوْرٍ **الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** اَخْلَصُوْا فِیْ اِیْمَانِهِمْ مِنْ غَیْرِهِمْ **وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ** یُكْرِمُهُمْ بِالشَّهَادَةِ **وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ**﴿۱۴۰﴾ الْكَافِرِیْنَ اَیْ یُعَاقِبُهُمْ مَایُنْعَمُ بِهٖ عَلَیْهِمْ اِسْتِدْرَاجٌ **وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** یُطَهِّرُهُمْ مِنَ الذُّنُوْبِ بِمَایُصِیْبُهُمْ **وَیَمْحَقَ** یُهْلِكَ **الْكٰفِرِیْنَ**﴿۱۴۱﴾ **اَمْ** بَلْ اَ **حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا** لَمْ **یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ** عِلْمَ ظُهُوْرٍ **وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ**﴿۱۴۲﴾ فِی الشَّدَائِدِ **وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ** فِیْهِ حَذْفُ اِحْدَی التَّائَیْنِ فِی الْاَصْلِ **الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ** حَیْثُ قُلْتُمْ لَیْتَ لَنَا یَوْمًا كَیَوْمِ بَدْرٍ لِنَنَالَ مَانَالَ شُهَدَاءُهٗ **فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ** اَیْ سَبَبَهٗ وَهُوَ الْحَرْبُ **وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ**﴿۱۴۳﴾ اَیْ بُصَرَاءُ تَتَاَمَّلُوْنَ الْحَالَ كَیْفَ هِیَ فَلِمَ انْهَزَمْتُمْ

۱۴ ع ۱۴ ۵

ترجمہ:.......... (غزوۂ احد کی شکست کے سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی) گزر چکے ہیں (ہو چکے ہیں) تم سے پہلے بھی دستور (کفار کے متعلق چھوڑنے اور پکڑنے کے طریقے) پس تم سیر کرو (اے مسلمانو!) دنیا کی اور دیکھو کہ ان کا انجام کیا ہوا جو جھٹلاتے تھے (پیغمبروں کو، یعنی انجام کار وہ ہلاک ہوئے، اس لئے آپ ﷺ ان کے غلبہ کی وجہ سے غمگین نہ ہو جائیے، کیونکہ ہم ان کو مہلت دے رہے ہیں) یہ (قرآن پاک تمام) لوگوں کے لئے بیان اور (گمراہی سے) ہدایت اور نصیحت ہے (ان میں سے) متقیوں کے لئے اور ہمت نہ ہارو (کفار سے جنگ میں بزدلی نہ دکھلاؤ) اور غمگین نہ ہو (غزوۂ احد کی مصیبت پر) تم ہی سب پر سربلند ہو (ان پر غالب ہو) بشرطیکہ تم

مؤمن ہو(سچے، اس شرط کے جواب پر ماقبل کا مجموعہ دلالت کررہا ہے) اگر تم نے کھایا ہے(غزوہ احد کی مصیبت کا) غم (لفظ قرح بفتح القاف والضم ، زخم وغیرہ کی تکلیف کو کہتے ہیں) تو دشمنوں (کفار) کو بھی ویسے ہی زخم (بدر میں) لگ چکے ہیں۔ دراصل یہ اوقات ہیں جنہیں ہم گھماتے ہیں (پھراتے) رہتے ہیں انسانوں کے درمیان (کبھی زمانہ ایک فرقہ کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی دوسری جماعت کا ساتھ دیتا ہے تا کہ لوگ سبق حاصل کریں) اور علاوہ ازیں یہ اس لئے ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ معلوم فرمالیں (کھلم کھلا) مسلمانوں کو (جو اوروں کے مقابلہ میں سچے اور مخلص ہیں) اور اس لئے کہ تم میں سے بعضوں کو دولتِ شہادت دینی تھی (شہادت سے سرفراز کرنا تھا) اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتے ظلم کرنے والے (کافروں) کو (یعنی اس کو سزا دیں گے جو کچھ ان پر انعام ہو رہا ہے وہ استدراج (ڈھیل) ہے۔ نیز پاک کرنا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو (یہ مصیبتیں ان کے گناہوں کو صاف کردیں) اور نیست و نابود (ہلاک) کردیں منکرین حق کو کیا (ہاں کیا) تم یہ سمجھتے ہو کہ تم جنت میں یوں ہی داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی تو وہ موقع بھی پیش نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے مجاہدین کو (کھلے طور پر) نمایاں فرمادیتے اور ان کو دیکھ لیتے جو (شدتوں میں) ثابت قدم رہنے والے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ تم تمنائیں کیا کرتے تھے (اصل میں دو تا تھیں ایک کو حذف کردیا گیا ہے) مرنے کی موت کا سامنا ہونے سے پہلے (کہا کرتے تھے کاش ہم کو بھی بدر جیسا نصیب ہوتا کہ شہداء بدر جیسی دولت ہم بھی لوٹائیں) لیکن پھر ایسا ہوا کہ موت (یعنی سبب موت جنگ) تمہاری آنکھوں کے سامنے آگئی، مگر تم کھڑے تکتے رہے (یعنی دیکھتے رہے حالات میں غور کرتے رہے پھر کیوں شکست کھائی)

تحقیق وترکیب: ....**لوقتهم** یعنی ہلاکت کا مقررہ وقت مقدر۔ **لاتهنوا** یہاں سے تسلی کا مضمون ہے۔

اعلون یا تو اس لئے کہ مسلمان زیادہ مصائب کے باوجود دین پر جمے رہے، اس لئے اعلیٰ حالت میں ہو، یا اس لئے کہ ان کے غزوہ احد کے مقابلہ میں تم نے بدر میں زیادہ کمایا اور پایا۔ اس لئے کہ انجام اور عاقبت کے لحاظ سے تم ارفع حالت میں ہو گویا یہ ایک طرح کی مسلمانوں کے لئے غلبہ کی بشارت ہے۔ یا اس لئے کہ تمہاری ساری یہ جدوجہد اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہے اور ان کی شیطان ونفس کے لئے، یا اس لئے کہ تمہارے مقتولین جنت میں ہیں اور ان کے جہنم رسید ہوئے۔

ان كنتم مؤمنين اس کا تعلق **لاتهنوا** کے ساتھ ہے یا **انتم الاعلون** کے ساتھ ہے اور اس کا جواب محذوف ہے جس پر مجموعہ ماقبل دلالت کررہا ہے یعنی **فسيروا فى الارض، ولاتهنوا ولاتحزنوا الخ قرحٌ ضَعفٌ ضُعفٌ** کی طرح اس میں دونوں لغت ہیں۔ اول زخمی کرنا، ثانی بمعنی مشقت۔ یا بالفتح زخم اور بالضم اس کے معنی تکلیف کے ہیں **ان يمسسكم** میں ان تعلیق کے لئے آتا ہے بغیر ماضی سے مستقبل کی طرف فعل کے منتقل کئے۔ **فقد مسّ القوم** چونکہ مس زمانہ مستقبل میں ہوتا ہے اس لئے علت جزاء کو قائم مقام جزا کے قرار دیا گیا ہے۔

تلك الايام اسم اشارہ سے اشارہ مابعد کی طرف ہے۔ جیسا کہ ضمائر مبہم کی تفسیر مابعد ہوتی ہے۔ **ربه رجلا** جس سے مقصود تفہیم تعظیم ہوتی ہے۔ ایام سے مراد اوقات ہیں۔ عرفی دن مراد نہیں ہیں اور الف لام سے اشارہ کامیابی اور غلبہ کے اوقات کی طرف ہے جو زمانہ مابعد کے لئے عام ہے جن میں بدر واحد بھی اولیٰ طور پر داخل ہیں اسم اشارہ مبتداء ایام صفت اور **نداو** **ولها** خبر ہے اور **بين الناس** **نداولها** کا ظرف ہے۔ **ليتعظوا** جلال محقق نے یہ معطوف علیہ چاروں معطوفات کے عطف کے لئے مقدر کیا ہے۔ **شهداء** یہ شہید کی جمع بھی ہو سکتی ہے اور شاہد کی جمع بھی بن سکتی ہے۔ ثانی صورت میں **لتكونوا شهداء على الناس** کے موافق معنی ہو جائیں گے۔

لايحب کا ترجمہ مفسر یعاقب کے ساتھ کررہے ہیں گویا محبت کی نفی کنایہ ہے بغض سے اور ظالمین کے مقابلہ میں لانے سے تعریف ہوگی ان کے مقابل غیر ظالمین کے ساتھ محبت کرنے کی طرف **وليمحص** اس کی تفسیر **يطهرهم** کے ساتھ معنی مراد کے طریق پر ہے ورنہ لغت میں محص کے معنی خالص کرنا تمحیص آزمانا ہیں۔ ام اس کے بعد لفظ **بل** لانے میں اشارہ ہے۔ ام منقطعہ ہونے کی طرف اور ہمزہ

اس میں انکاری ہے۔ای لاتحسبوا.

لمایعلم لم کی بجائے لما لانے میں اشارہ ہے کہ جہاد ان سے مستقبل میں متوقع ہے چنانچہ سیبویہ کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لما توقع فعل منفی پر دلالت کرتا ہے۔علامہ زمخشریؒ کی رائے بھی یہی ہے۔لیکن اس پر ابوحیان تعقیب کرتے ہوئے اس قاعدہ سے لاعلمی ظاہر کرتے ہیں اور لم اور لما دونوں میں یہ مشہور فرق بیان کرتے ہیں کہ لم صرف نفی فعل ماضی کے لئے آتا ہے اور لما زمانہ ماضی میں نفی فعل الی الآن کرتا ہے۔علم ظہور گویا نفی علم کو نفی تعلق کی جگہ میں قرار دے دیا جیسے کہا جائے ماعلم اللہ فی فلان خیراً اور معنی ہوں کہ مافیہ خیر حتی یعلمہ الصابرین بجائے الذین صبروا کے یہ جملہ لانا یا تو رؤس آیات کی حفاظت کے لئے ہے اور یا استمرار صبر کے ملنے کے لئے بخلاف اول جملہ الذین جاھدوا کے اس میں استمرار مقصود نہیں وہ ایک غیر دائمی حالت ہے اور یعلم منصوب ہے باضمار ان یا واو حرف کی وجہ سے جیسے لاتاکل السمک وتشرب اللبن اس صورت میں گویا تقدیر کلام اس طرح ہوگا۔ام حسبتم والحال انہ لم یتحقق منکم الجمع بینھما اور مجموعہ کی نفی ایک جزء کے انتفاء سے بھی ہوتی ہے اور دونوں جزؤں کے انتفاء سے بھی اور مقام دونوں صورتوں کا محتمل ہے۔

فقد رایتموہ مفسرؒ نے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے لفظ سببہ سے کیونکہ موت مرئی نہیں ہوتی۔اسباب موت نظر آتے ہیں۔
وانتم تنظرون یہ فعل متعدی بمنزلہ لازم ہے۔جس کی طرف لفظ بصراء سے مفسرؒ نے تفسیر کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ مفعول کی ضرورت نہیں ہے اور یہ جملہ تاکید کے لئے ایسا ہی ہے جیسے رایتہ ولیس فی عینی علۃ بولتے ہیں یعنی رایتہ رویۃ حقیقۃ لاخفاء فیھا ولا شبھۃ.

ربط وشانِ نزول:............ان آیات میں بھی غزوۂ احد کا تتمہ ہے۔فی الجملہ شکست پر تسلی آمیز کلام کیا جا رہا ہے اور شان نزول کی طرف خود مفسر محققؒ اشارہ کر چکے ہیں۔

﴿تشریح﴾:......قانونِ الٰہی کی گردش:.........حاصل ان آیات کا یہ ہے کہ جو کچھ تم کو پیش آیا اس میں کچھ تمہاری تخصیص نہیں ہے۔قانون الٰہی ہمیشہ سے اسی طرح دائر سائر ہے جو جماعت حق پر عمل پیرا ہوتی ہے کامیاب ہوتی ہے اور جو رُوگردانی کرتی ہے برباد ہوتی ہے۔دنیا میں چل پھر کر دیکھو کہ برباد شدہ قوموں کے آثار اجڑی ہوئی آبادی کے کھنڈر اور سر بفلک محلون کی شکستہ دیواریں زبان حال سے اپنا افسانۂ غم وعبرت سنا رہی ہیں۔پس احد میں جو تمہیں ٹھوکر لگی ہے چاہئے کہ اس سے عبرت پکڑو اور آئندہ کے لئے اپنے اعمال کی نگہداشت کرو۔چنانچہ اس حادثے سے اس قدر متاثر مت ہو کہ آئندہ کے لئے بھی ہمت ہار بیٹھو۔یہ جنگ کا میدان ہے کبھی ایک فریق جیتتا ہے کبھی دوسرے کی باری آتی ہے۔بدر میں تمہارا پالہ رہا اور تم نے ان کے دانت کھٹے کر دیئے اب ان کی باری آئی لیکن جماعتی کشمکش کی تاریخ میں ایک دو میدان کی ہار جیت کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔اصل چیز جو سوچنے کی ہے وہ تمہارے دلوں کی ایمانی قوت ہے اگر تمہارے اندر ایمان کی سچی روح موجود ہے تو پھر دنیا میں رفعت وسربلندی صرف تمہارے ہی لئے ہے۔

شکست کا باطنی مصلحتی پہلو:.........علاوہ ازیں یہ حادثہ اگر چہ بظاہر شکست ہے لیکن یہ باطنی چند در چند مصلحتیں اور حکمتیں رکھتا ہے۔منجملہ ان کے کھرے کھوٹے کی آزمائش ہوگئی اور منافق اور کچے دل کے کچھ آدمی اسلامی کیمپ میں آملے تھے۔ان کے چہرے بے نقاب ہوگئے اور منجملہ ان کے لوگوں کو جنگ کے نازک اور فیصلہ کن معاملات کا ذاتی تجربہ ہوگیا۔اس لئے اب تجربہ اور مشاہدہ کے بعد ان کے قدم زیادہ محتاط ہو جائیں گے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں جو کمزوریاں پیدا ہوگئیں تھیں وہ اس ٹھوکر کے لگنے سے دُور ہوگئیں اور ان کا عزم وایمان زیادہ مضبوط اور بے داغ ہوگیا۔صرف اقرار کر لینے سے ایمان کی برکتیں اور کامرانیاں

حاصل نہیں ہوں گی جب تک آزمائشی عمل میں ثابت قدم ہو کر نہ دکھلا دو۔

لطائف آیت: .... لاتھنوا الخ اس خدائی آواز نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا اور پژمردہ جسموں میں حیاتِ تازہ پھونک دی نتیجہ یہ ہوا کہ کفار جو بظاہر غالب آچکے تھے زخم خوردہ مجاہدین کے حملہ کی تاب نہ لا سکے اور سر پر پاؤں رکھ کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ام حسبتم ان تدخلوا الجنة سے مراد دخول اول اور مرتبہ اعلیٰ میں داخل ہونا ہے جو مرتبہ خصوص ہوتا ہے مطلق دخول جنت مراد نہیں ہے جس سے معتزلہ کے لئے دخول جنت بغیر عمل کے امتناع ہو مساغ استدلال مل سکے۔

ولقد کنتم تمنون الموت سے معلوم ہوا کہ مطلق تمنائے موت مذموم نہیں ہے بالخصوص جبکہ اشتیاقِ شہادت میں ہو تو کیسے مذموم ہو سکتی ہے۔ ہاں اولاً تمنائے شہادت و موت کرنا اور پھر موقعہ آئے تو بزدلی کا مظاہرہ کرنا بلاشبہ یہ مذموم ہے اسی طرح دنیا کے مصائب سے گھبرا کر بے صبری کے ساتھ تمنائے موت کرنا بھی ممنوع ہے۔

وَنَزَلَ فِی هَزِیْمَتِهِمْ لَمَّا اُشِیْعَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُتِلَ وَقَالَ لَهُمُ الْمُنَافِقُوْنَ اِنْ کَانَ قُتِلَ فَارْجِعُوْا اِلٰی دِیْنِکُمْ **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ** کَغَیْرِهٖ **انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ ؕ** رَجَعْتُمْ اِلَی الْکُفْرِ وَالْجُمْلَةُ الْاَخِیْرَةُ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْکَارِیِّ اَیْ مَا کَانَ مَعْبُوْدًا فَتَرْجِعُوْا **وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْئًا ؕ** وَاِنَّمَا یَضُرُّ نَفْسَهٗ **وَسَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰکِرِیْنَ ﴿۱۴۴﴾** نِعَمَهٗ بِالثَّبَاتِ **وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ** بِقَضَائِهٖ **کِتٰبًا** مَصْدَرٌ اَیْ کَتَبَ اللّٰهُ ذٰلِكَ **مُّؤَجَّلًا ؕ** مُوَقَّتًا لَایَتَقَدَّمُ وَلَایَتَاَخَّرُ فَلِمَ انْهَزَمْتُمْ وَالْهَزِیْمَةُ لَاتَدْفَعُ الْمَوْتَ وَالثُّبَاتُ لَایَقْطَعُ الْحَیٰوةَ **وَمَنْ یُّرِدْ** بِعَمَلِهٖ **ثَوَابَ الدُّنْیَا** اَیْ جَزَاءً مِّنْهَا **نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ** مَاقُسِّمَ لَهٗ وَلَاحَظَّ لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ **وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ** اَیْ مِنْ ثَوَابِهَا **وَسَنَجْزِی الشّٰکِرِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَکَاَیِّنْ** کَمْ **مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ** وَفِیْ قِرَاءَةٍ قَاتَلَ وَالْفَاعِلُ ضَمِیْرُهٗ **مَعَهٗ** خَبَرٌ مُبْتَدَؤُهٗ **رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ ۚ** جُمُوْعٌ کَثِیْرَةٌ **فَمَا وَهَنُوْا** جَبُنُوْا **لِمَآ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** مِنَ الْجِرَاحِ وَقَتْلِ اَنْبِیَائِهِمْ وَاَصْحَابِهِمْ **وَمَا ضَعُفُوْا** عَنِ الْجِهَادِ **وَمَا اسْتَکَانُوْا ؕ** خَضَعُوْا لِعَدُوِّهِمْ کَمَا فَعَلْتُمْ حِیْنَ قِیْلَ قُتِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۴۶﴾** عَلَی الْبَلَاءِ اَیْ یُثِیْبُهُمْ **وَمَا کَانَ قَوْلَهُمْ** عِنْدَ قَتْلِ نَبِیِّهِمْ مَعَ ثُبَاتِهِمْ وَصَبْرِهِمْ **اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا** تَجَاوُزَنَا الْحَدَّ **فِیْٓ اَمْرِنَا** اِیْذَانًا بِاَنَّ مَا اَصَابَهُمْ لِسُوْءِ فِعْلِهِمْ وَهَضْمًا لِاَنْفُسِهِمْ **وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا** بِالْقُوَّةِ عَلَی الْجِهَادِ **وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْیَا** النَّصْرَ وَالْغَنِیْمَةَ **وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ** اَیِ الْجَنَّةَ وَحُسْنُهُ التَّفَضُّلُ فَوْقَ الْاِسْتِحْقَاقِ **وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴۸﴾**

ترجمہ: ....(غزوہ احد میں مسلمانوں کی شکست کے موقع پر بات شائع اور مشہور ہوگئی تھی کہ نبی ﷺ قتل کر دیئے گئے ہیں اور منافقین کو یہ کہنے کا موقعہ مل گیا کہ آپ ﷺ مار دیئے گئے تو چلو اپنے پچھلے دین کی طرف لوٹ چلیں اس پر آیت نازل ہوئی) اور محمدؐ اس

کے سوا کیا ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ان سے پہلے بھی اللہ کے رسول گزر چکے ہیں پھر اگر ایسا ہو کہ آپ وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں (جس طرح دوسرے قتل کر دیئے گئے) تو کیا تم الٹے پاؤں راہ حق سے پھر جاؤ گے (کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ اخیر جملہ استفہام انکاری کے موقعہ میں ہے۔ یعنی آپ ﷺ معبود تو نہیں تھے کہ جن کے موجود نہ ہونے سے لوٹ رہے ہو) اور جو کوئی راہ حق سے الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا (اپنا ہی کچھ نقصان کرے گا) وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ انہیں اجر عطا فرمائیں گے جو (ان کی نعمتوں کی) شکر گزاری پر (ثابت قدم ہیں) اللہ تعالیٰ کے حکم (قضاء) کے بغیر کسی نفس کے لئے مجال نہیں کہ مر سکے یہ ایک وقت ہے (کتابا مصدر ہے یعنی اللہ نے اس کو مقرر فرما دیا ہے) جو ٹھہرا دیا گیا ہے (وقت مقررہ کے لئے نہ مقدم ہو سکتا ہے اور نہ مؤخر پھر کیوں شکست مول لی، آخر کیا شکست موت کا علاج ہے یا میدان میں جمے رہنا باعث موت ہوتا ہے) اور جو کوئی خیال رکھتا ہے (اپنے عمل سے) دنیا کے فائدہ (بدلہ) کا ہم اسے دنیا میں دیں گے (جو اس کی قسمت کا ہوگا لیکن پھر آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوگا) اور جو کوئی آخرت کا ثواب مدنظر رکھتا ہے اسے وہ (ثوابِ آخرت) ملے گا ہم شکر گزاروں کو ان کی نیک عملی کا اجر ضرور دیں گے اور کتنے ہی (لفظ کاین بمعنی کم ہے) نبی ہیں کہ جنگ کی ہے (اور ایک قرأت میں قتل کی بجائے قاتل ہے ضمیر اس میں فاعل ہوگی) ان کے ساتھ ہو کر (یہ خبر ہے مبتداء آگے ہے) بہت سے اللہ والوں نے (بڑی جماعتوں نے) لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بے ہمت ہو گئے ہوں (بزدلی کی ہو) ان سختیوں کی وجہ سے جو انہیں اللہ کی راہ میں پیش آئی ہوں (زخم اور قتل کی تکالیف جو انبیاءؑ اور ان کے اصحاب کو پیش آئی ہوں) اور نہ ایسا ہوا کہ کمزور پڑ گئے ہوں (جہاد سے) اور نہ انہوں نے بے چارگی کا مظاہرہ کیا (کہ دشمنوں کے سامنے عجز کا اظہار کیا ہو جیسا کہ تمہارے سامنے جب یہ کہا گیا کہ آنحضرت ﷺ قتل کر دیئے گئے تو تم سے یہ بات ظاہر ہو گئی) اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جو ثابت قدم رہتے ہیں (مشکلات پر یعنی ان کو اجر عطا فرمائیں گے) اور ان کی زبان سے کچھ نہ نکلتا تھا انبیاء علیہم السلام کے واقعات قتل کے وقت ثبات وصبر کی حالت میں) اس کے سوا کہ خدایا ہمارے گناہ بخش دیجئے اور ہم سے جو زیادتیاں ہوئی ہوں (حدود سے تجاوز) ہمارے کاموں کے سلسلہ میں (یہ بتلانے کے لئے کہ جو کچھ ہم کو مصیبتیں پہنچی ہیں وہ سب ہماری بدتدبیری کا نتیجہ ہیں یا اپنی کسر نفسی دکھلانے کے لئے) اور جما دیجئے ہمارے قدم (مضبوطی سے جہاد پر) اور فتح مند کر دیجئے منکرین حق کے گروہ پر۔ تو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا ثواب بھی عطا فرمایا (نصرت وغنیمت) اور آخرت کا بہترین ثواب بھی مرحمت فرمایا (یعنی جنت اور اس کا بہتر ہونا استحقاق سے زیادہ ہونے کی وجہ سے) اور اللہ تعالیٰ نیک کرداروں ہی کو دوست رکھتے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **وما محمد الا رسول** یہ قصر قلب ہو رہا ہے یعنی لا رب معبود اور مقصود اس سے منافقین پر رد کرنا ہے جو کمزور مسلمانوں کو مشورے دے رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ قتل ہوئے۔ اب آبائی دین پر لوٹ چلو۔ حاصل جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کوئی معبود نہیں تھے کہ آپ ﷺ کی وفات سے دین وعبادت ختم ہوئے۔ آپ ﷺ ایک رسولؐ تھے۔

جس طرح پہلے رسولوں کی وفات سے دین ختم نہیں ہوا اب بھی کیوں اور کیسے ختم ہو۔ آپ ﷺ کے وجود سے مقصود ہی تکمیل دین تھی اس لئے وفات کے قریبی زمانہ میں **الیوم اکملت الخ** کی بشارت سنائی گئی۔

آنحضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا رکھا ہوا نام نامی **محمد** اور آپ کی والدہ ماجدہ کا ایک فرشتہ کی منامی بشارت سے رکھا ہوا نام احمدؐ ہوا۔ یہ دونوں لفظ مادہ حمد سے بنے ہوئے ہیں۔ اول سے حمد کی کثرت وکمیت اور دوسرے سے کیفیت حمد ظاہر ہو رہی ہے۔ اول میں آپ ﷺ کی محمودیت اس درجہ ظاہر ہے کہ دنیا میں کسی کو اتنا نہیں سراہا گیا جتنا کہ دشمن و دوست موافق، مخالف ہر ایک نے آپ کو دادِ تحسین دی اور دوسرے صیغہ میں آپ ﷺ کی کمال حامدیت ظاہر ہو رہی ہے اللہ کی حمد وثنا جس قدر آپ ﷺ نے کی یا میدانِ حشر میں آپ کریں گے دوسرے کے تصور میں بھی نہیں آسکتی۔

حضرت حسانؓ کا مشہور شعر ہے

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِ لِيُجِلَّهٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَ هٰذَا مُحَمَّدٌ

حدیث میں ارشاد ہے کہ زمین پر میرا نام محمد اور آسمان پر احمد ہے اور توریت میں نام نامی محمدؐ اور انجیل میں اسم گرامی احمد مذکور ہے۔ قرآن کریم میں چار جگہ محمدؐ اور ایک مقام پر احمدؐ حرز جان ہوا ہے۔ یہ نام آنحضرت ﷺ سے پہلے دنیا میں کسی کا نہیں رکھا گیا ہے۔

موسم بہار میں ۹ ربیع الاول ۱ھ عام الفیل (واقعہ فیل سے پچپن روز بعد) مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء یکم جیٹھ ۶۲۸ بکرمی بعد صبح صادق روز دوشنبہ آفتاب نبوت عالمتاب طلوع ہوا۔

ربیع فی ربیع فی ربیع ونور فوق نور فوق نور

آپؐ اپنے والدین کے دُرِّ یتیم اور دُرِّ فرید تھے۔

والجملة الاخيرة یعنی **انقلبتم** میں ارتداد اور انقلاب عن الدین پر انکار کرنا ہے اور ہمزہ کا مدخول دراصل یہی ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **انقلبتم الخ ای لاینبغی منکم الانقلاب لان محمدًا ماکانا معبودًا**.

ومن ينقلب یہاں بھی ارتداد انہزام کے مجازی معنی مراد ہیں۔ **فلم انهزمتم** یعنی مقصود بقرینہ سیاقِ احد میں شکست کھانے والوں کو زجر وتوبیخ ہے۔ **ومن يرد ثواب الدنيا** احد میں مالِ غنیمت جمع کرنے والوں پر تعریض ہے۔ **كاين** اس کی اصل **اىٔ** استفہامیہ ہے جس پر کاف تشبیہ داخل کیا گیا ہے اور اس میں کم خبریہ کے معنی آگئے ہیں۔ **قتل** فعل ماضی نائب فاعل ضمیر مستتر ہے جو **كاين** مبتداء کی طرف لوٹنے والی ہے اور جملہ مبتداء کی خبر ہے اور معروف پڑھنے کی صورت میں بھی ایسے ہی اور مفسرؒ کے قول میں فاعل سے مراد حقیقۃً ہو یا حکمًا تاکہ نائب فاعل کو بھی شامل ہوجائے۔

معه ربيون جملہ مل کر حال ہے۔ **قتل** کی ضمیر مستتر سے دونوں قرأت پر ایک ترکیب تو یہ ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ لفظ ربیون اول قرأت پر نائب فاعل اور دوسری قرأت پر فاعل ہوجائے۔ **ربی** منسوب الی الرب جیسا کہ ربانی منسوب الی الرب خلافِ قیاس ہے۔ سعید بن منصورؒ اس کا مصداق فقہاء کو کہتے ہیں اور ابن جبیرؒ کی رائے میں یہ منسوب الی الربۃ ہے بمعنی جماعت قاضی بیضاویؒ کہتے ہیں کہ کسرہ تغیرات نسبیہ میں سے ہے۔ **وهن** **ضعف** عملی کو کہتے ہیں۔

استكانوا **استكن** کی اصل سکن ہے۔ عاجز شخص بھی ساکن ہوجاتا ہے اس کے ساتھ جو چاہو کرو۔ الف اشباع فتحہ کی وجہ سے ہوگیا یا **استكن** کون سے ماخوذ ہو گویا اپنے نفس سے اپنے ساتھ کرنے والے کے لئے تکون کا مطالبہ ہوتا ہے تینوں لفظوں میں فرق ہے۔ (۱) وهن جیسے ترکِ جہاد، (۲) ضعف ارکان عملی میں سستی پیدا کرنا اور سلب قوت۔ (۳) استكانة دشمن کے سامنے دبنا، یہاں تک ربانی لوگوں کے محاسن افعال کا بیان تھا۔ آگے **وما كان قولهم** سے ان کے محاسنِ اقوال کا بیان ہے۔ **ان قالوا** میں جہت نسبت اور زمان حدث پر زیادہ دلالت ہے اور ثوابِ آخرت کے ساتھ لفظ حسن کے اضافہ میں اس کی فضیلت اور اس کے معتدبہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اور **اغفر لنا** میں لنا فوراً اور رغبت پر دلالت کرتا ہے۔

ربط :............ان آیات میں بھی غزوۂ احد کے زخموں کے اندمال کے لئے ایک مفید اور بہترین ''مرہم شفا'' تجویز کیا گیا ہے۔

شانِ نزول :............ بدبخت ابن قمیۃ نے رسول اللہ ﷺ کے ایک پتھر کھینچ مارا جس سے آپ ﷺ کی پیشانی اور ابن ہشام کے پتھر سے آپ کا بازو اور عتبہ کے پتھر سے آپؐ کے چاروں دانت یا ایک رباعی دانت کا ریزہ شہید ہوگیا۔ مصعب بن عمیرؓ آنحضرت ﷺ

کے علمبردار تھے آپ کا جھنڈا اٹھائے کھڑے تھے ابن قمیہ نے ان کو رسول اللہ ﷺ سمجھ کر شہید کر دیا اور پھر لوگوں میں اس کی تشہیر کرتا پھرا اور آپ ﷺ برابر پکارتے رہے الی عباد اللہ کچھ دیر بعد لوگ آہستہ آہستہ جمع ہو کر نادم اور معذرت خواہ ہوئے سب سے پہلے کعب بن مالک ؓ نے دیکھ کر پہچانا اور لوگوں کو بشارت کا مژدہ سنایا۔ اس سلسلہ میں آیات نازل ہوئیں جن میں مسلمانوں کو پوری تسلی دی گئی ہے۔

﴿تشریح﴾:...... وفات سرور عالم ﷺ کی غلط خبر کا اثر اور شہادتِ صحابہ کا منظر:......... حضرت فاطمہؓ نے یہ وحشت ناک خبر سنی تو دوسری خواتین کے ساتھ دوڑی آئیں۔ آپ ﷺ کے زخموں کو دھویا، پیشانی کا خون رکتا نہیں تھا۔ اس میں چٹائی جلا کر بھری، حضرت علیؓ اپنی ڈھال میں پانی بھر بھر کر لاتے رہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ وام سلمہؓ نے مشکیزے سنبھال لئے، زخمیوں کو پانی لا لا کر پلانا شروع کر دیا۔ مصعب بن عمیرؓ جو معلم مدینہ تھے اور جن کے وعظوں سے اوس وخزرج مسلمان ہوئے اور اس واقعہ پر آپ ؐ کے علمبردار تھے شہید ہو گئے۔ ایک دھاری دار چادر کا ان کو کفن دیا گیا، لیکن چھوٹا ہونے کی وجہ سے پیروں پر گھاس رکھی گئی، ان کی بیوی حمنہ بنت جحش کو اپنے بھائی اور ماموں کی شہادت کی خبر ملی تو رنجیدہ ہوئیں۔ لیکن صرف انا للہ پڑھ کر رہ گئیں مگر جب ان کے خاوند حضرت مصعبؓ کی خبر شہادت ان کو دی گئی تو بے اختیار چیخ ماری۔ تو آپ ؐ نے فرمایا کہ دیکھو اس کے دل میں خاوند کی کس درجہ محبت تھی۔ اسی میں حضرت حمزہؓ کی شہادت اور ان کی نعش کی بے حرمتی اور مثلہ کرنے کا دل سوز واقعہ پیش آیا۔ ہندہ نے ان کا جگر نکال کر چبایا اسی میں سعد بن ربیعؓ کا واقعہ شہادت پیش آیا۔ آپ ﷺ نے ان کو تلاش کرایا تو دم توڑ رہے تھے، کہنے لگے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میرا اسلام عرض کرنا اور کہنا کہ اللہ آپ کو ایسی بہترین جزاء عطا فرمائے جو کسی نبی کو بھی نہ دی گئی ہو اور قوم کے نام میرا پیغام یہ ہے کہ جب تک تمہاری آنکھوں میں دم ہے رسول اللہ تک کسی دشمن کو ہرگز نہ پہنچنے دینا ورنہ اللہ کے سامنے کوئی جواب دہی نہ کر سکو گے۔ عمارہ بن زیادؓ نے اسی موقعہ پر کس مزے سے جان دے دی کہ اپنے رخسار آنحضرت ﷺ کے قدموں اور تلووں سے مل رہے تھے۔

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے ۔۔۔ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

بنو دینار کی ایک عورت جس کے باپ، بھائی، شوہر اس جنگ میں شہید ہو چکے تھے جب اس کو ان المناک صدموں کی اطلاع دی گئی تو کہنے لگی مجھے تو رسول اللہ ﷺ کی خیریت بتلاؤ، لوگوں نے کہا بفضلِ خدا وہ صحیح وسالم ہیں۔ کہنے لگی مجھے دکھلا دو دور سے جب چہرۂ انور پر نظر پڑی تو بے اختیار کہہ اٹھیں کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ اب ہر مصیبت برداشت ہو سکتی ہے۔

سرور کائنات ﷺ کی وفات شریف کے المناک سانحہ کا اثر:............ آنحضرت ﷺ کی وفات شریف کے موقعہ پر (۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بوقت چاشت بروز دوشنبہ بعمر ۶۳ سال چار دن بحساب قمری) جبکہ ناقابل تحمل اور ایک دلدوز منظر کی تاب نہ لا کر جانثار صحابہؓ میں سے کوئی جنگل نکل بھاگا، کوئی حیران وششدر جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ کوئی سراسیمہ وحیران پریشان وسرگردان، فاروق اعظمؓ جیسا بہادر انسان بھی بے قابو ہو کر یہ کہہ رہا تھا کل من قال ان محمدًا مات ادمیت عنقه بسیفی (جو یہ کہے گا کہ محمد کا وصال ہو گیا میں اس کی گردن اڑا دوں گا) حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے مبارک لبوں پر یہ کلمات تھے۔

یا ابتاہ اجاب رباہ ۔۔۔ یا ابتاہ الی جنۃ الفردوس ماواہ ۔۔۔ یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ

(پیارے باپ نے دعوتِ حق کو قبول کر لیا اور فردوس بریں میں نزول فرما لیا، آہ اب جبریل کو انتقال کی خبر کون پہنچائے گا)

حضرت عائشہؓ نے بھی بڑے دردو کرب میں ڈوبے ہوئے کلمات کہے جن کے لفظ لفظ سے غم واندوہ ٹپکتا تھا۔

خلافتِ اول کے مستحق:............ لیکن ایسے میں اگر کسی کو قابو حاصل تھا تو وہ آپ ﷺ کے یارِ غار، رفیق الدنیا والآخرۃ، صدیقِ اکبرؓ تھے۔ چہرۂ انور سے چادر مبارک ہٹائی، نورانی پیشانی کو بوسہ دے کر فرمایا اللہ آپ (ﷺ) پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا

ایک ہی موت تھی جو لکھی جا چکی تھی۔ طبت یا حبیبی حیا ومیتا کنت ولو فداک نفسی ومالی ولکن قال اللہ انک میت وانھم میتون یہ کہہ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے۔ مہاجرینؓ وانصارؓ کے اس عظیم تاریخی تعزیتی غم میں ڈوبے ہوئے مجمع کو خطاب فرمایا۔ اما بعد فمن کان منکم یعبد محمدًا فان محمدًا قدمات ومن کان منکم یعبد اللہ فان اللہ حیٌّ لایموت قال اللہ وما محمدٌ الا رسول الخ اس تعزیتی تقریر کو سن کر صحابہؓ سنبھلے، ہوش میں آئے اور یہ معلوم ہوا کہ آیات گویا ابھی نازل ہوئی ہیں۔ اس سے پہلے اس ہولناک منظر کے لئے کوئی آمادہ اور تیار ہی نہیں تھا۔ اس سے صدیق اکبرؓ کی عظمت اور مقام رفعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب اچھے اچھوں کے قدم ڈگمگا رہے تھے تو یہ مرد خدا کیسا ثابت قدم رہا وفات نبوی کے بعد بعض قبائل مرتد ہوئے تو آپ ہی کی مضبوط طبیعت نے آگے بڑھ کر فتنہ کے اس ریلہ کو روکا گویا افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم میں اس فتنہ کا اشارہ مل چکا تھا اور ابوبکرؓ کی دوررس نگاہ اس کو تاڑ چکی تھی یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تاریخ ولادت ہی تاریخ وفات ہے یعنی ۱۲ ربیع الاول صرف سنہ کا فرق رہے گا۔ علی اختلاف الاقوال۔

لطائف آیات: .... وسنجزی الشکرین دوجگہ آیا ہے اول میں شاکرین سے مراد نیک اعمال میں ثابت قدم رہنا۔ اور دوسرے سے مراد آخرت کی نیت کرنا ہے اس لئے تکرار نہیں ہے۔

قد خلت من قبلہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ زندہ آسمان پر چلے جانا بھی ایک درجہ میں دنیا سے گزر جانا ہی ہے اور ویسے مقصود کے لحاظ سے بھی یکساں ہے۔ یعنی رنج وافسوس کا ہونا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ بھی اگر زندہ آسمانوں پر تشریف لے جاتے تو حضرات صحابہؓ کو وفات ہی جیسا صدمہ ہوتا۔ کیونکہ نگاہوں سے اوجھل ہو جانا دونوں جگہ برابر ہے۔

وما کان قولھم میں تعریض ہے کہ غزوۂ احد کی مصیبت حکم عدولی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ صحابہؓ اگرچہ سب اللہ والے تھے لیکن بہرحال انسان تھے اور غیر معصوم تھے...... کچھ نہ کچھ تو اثر ہو ہی جاتا ہے مگر اس سے اللہ والے ہونے میں خلل نہیں آتا۔ بالخصوص جبکہ معذرت بھی فوراً ہی کرلی جائے اور فتح وکامیابی کا سبب دعا اور ثبات ہے لیکن کسی عارض اور مصلحت سے اگر ان اسباب سے فتح مندی کا تخلف ہو جائے تو یہ ان کی سببیت کے منافی نہیں ہے۔

آیت وما محمد الخ میں ایک بڑی عظیم اصل کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کوئی شخصیت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو لیکن اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ سچائی کی راہ دکھلانے والی ہے۔ پس اگر کسی وجہ سے شخصیت ہم میں موجود نہ رہے تو ہم سچائی سے کیوں منہ موڑ لیں۔ سچائی کی وجہ سے .... شخصیت قبول کی جاتی ہے۔ یہ بات نہیں کہ شخصیت کی وجہ سے سچائی سچائی ہو۔ فرض کرو جنگ احد والی بات اگر سچ ہو جاتی تو کیا پھر آپ کی موت کے ساتھ تمہاری خدا پرستی پر بھی موت طاری ہو جاتی اگر تم حق کے لئے لڑ رہے تھے تو جس طرح آپ کی زندگی میں حق تھا اسی طرح ان کے بعد بھی حق حق ہے اور ہمیشہ حق رہے گا۔ اسی طرح شیخ ومرشد بھی واسطۂ ہدایت ہوتا ہے، اس کے اٹھ جانے سے متزلزل ہو جانا بھی مشاہدۂ حق کے منافی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيمَا يَأْمُرُونَكُم بِهٖ **يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ** اِلَى الْكُفْرِ **فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ** ۚ نَاصِرُكُم **وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ﴿۱۵۰﴾** فَاَطِيْعُوْهُ دُوْنَهُم **سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ** بِسُكُوْنِ الْعَيْنِ وَضَمِّهَا الْخَوْفَ وَقَدْ عَزَمُوْا بَعْدَ اِرْتِحَالِهِمْ مِنْ اُحُدٍ عَلَى الْعَوْدِ وَاسْتِيْصَالِ الْمُسْلِمِيْنَ فَرُعِبُوْا وَلَمْ يَرْجِعُوْا **بِمَآ اَشْرَكُوْا** بِسَبَبِ اِشْرَاكِهِمْ **بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ**

سُلْطٰنًا حُجَّةً عَلٰى عِبَادَتِهٖ وَهُوَ الْاَصْنَامُ **وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۖ وَبِئْسَ مَثْوَى** مَأْوٰى **الظّٰلِمِيْنَ﴿۱۵۱﴾** الْكَافِرِيْنَ هِيَ **وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ** إِيَّاكُمْ بِالنَّصْرِ **اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ** تَقْتُلُوْنَهُمْ **بِاِذْنِهٖ ۚ** بِإِرَادَتِهٖ **حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ** جَبُنْتُمْ عَنِ الْقِتَالِ **وَتَنَازَعْتُمْ** اِخْتَلَفْتُمْ **فِى الْاَمْرِ** اَىْ اَمْرِ النَّبِيِّ بِالْمُقَامِ فِىْ سَفْحِ الْجَبَلِ لِلرَّمْيِ فَقَالَ بَعْضُكُمْ نَذْهَبُ فَقَدْ نُصِرَ اَصْحَابُنَا وَبَعْضُكُمْ لَانُخَالِفُ اَمْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَعَصَيْتُمْ** اَمْرَهٗ فَتَرَكْتُمُ الْمَرْكَزَ لِطَلَبِ الْغَنِيْمَةِ **مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ** اللّٰهُ **مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ** مِنَ النَّصْرِ وَجَوَابُ إِذَا دَلَّ عَلَيْهِ مَاقَبْلَهٗ اَىْ مَنَعَكُمْ نَصْرَهٗ **مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا** فَتَرَكَ الْمَرْكَزَ لِلْغَنِيْمَةِ **وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ** فَثَبَتَ بِهٖ حَتّٰى قُتِلَ كَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ جُبَيْرٍؓ وَاَصْحَابِهٖؓ **ثُمَّ صَرَفَكُمْ** عَطْفٌ عَلٰى جَوَابِ إِذَا الْمُقَدَّرِ رَدَّكُمْ بِالْهَزِيْمَةِ **عَنْهُمْ** اَيِ الْكُفَّارِ **لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ** لِيَمْتَحِنَكُمْ فَيُظْهِرَ الْمُخْلِصَ مِنْ غَيْرِهٖ **وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ** مَاارْتَكَبْتُمُوْهُ **وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۵۲﴾** بِالْعَفْوِ اُذْكُرُوْا **اِذْ تُصْعِدُوْنَ** تُبْعِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ هَارِبِيْنَ **وَلَا تَلْوٗنَ** تُعَرِّجُوْنَ **عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ** اَىْ مِنْ وَّرَائِكُمْ يَقُوْلُ اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ **فَاَثَابَكُمْ** فَجَازَاكُمْ **غَمًّاۢ** بِالْهَزِيْمَةِ **بِغَمٍّ** بِسَبَبِ غَمِّكُمُ الرَّسُوْلَ بِالْمُخَالَفَةِ وَقِيْلَ الْبَاءُ بِمَعْنٰى عَلٰى اَىْ مُضَاعَفًا عَلٰى غَمِّ فَوْتِ الْغَنِيْمَةِ **لِّكَيْلَا** مُتَعَلِّقٌ بِعَفَا اَوْ بِأَثَابَكُمْ فَلَا زَائِدَةٌ **تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ** مِنَ الْغَنِيْمَةِ **وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ** مِنَ الْقَتْلِ وَالْهَزِيْمَةِ **وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴿۱۵۳﴾**

ترجمہ:.......... مسلمانو! اگر تم ان لوگوں کے کہنے میں آ گئے جنہوں نے راہ کفر اختیار کی ہے (جن کاموں کا تم کو حکم دیتے رہے ہیں) تو یاد رکھو کہ وہ تمہیں راہ حق سے الٹے پاؤں پھرا دیں گے (کفر کی جانب) اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ نامرادی میں جا گرو گے بلکہ تمہارے کارساز (مددگار) اللہ تعالیٰ ہیں اور ان سے بہتر مددگار اور کون ہوسکتا ہے (لہٰذا دوسروں کی بجائے صرف اس کی اطاعت کرو) وہ وقت دور نہیں کہ کافروں کے دلوں میں تمہاری ہیبت بٹھا دیں گے (لفظ رعب سکون عین اور ضم عین کے ساتھ بمعنی خوف۔ چنانچہ غزوۂ احد سے واپسی کے بعد پھر کفار نے میدان میں آنے اور مسلمانوں کے استیصال کا ارادہ کرلیا تھا لیکن ان پر کچھ ایسا رعب سوار ہوا کہ نہ آ سکے) یہ اس لئے کہ انہوں نے شریک کیا ہے (ان کے شرک کے سبب) اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو جن کے لئے ان سے کوئی سند نہیں اتاری (یعنی ان کی بندگی پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ مراد بت ہیں) ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بہت ہی برا ٹھکانا (جگہ) ہے ظالم (کافر) لوگوں کے لئے (وہ) اور یہ واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچا کر دکھایا تھا اپنا وعدہ (نصرت تمہارے ساتھ) جب کہ تم دشمنوں کو بے دریغ قتل کر رہے (مار رہے) تھے اس کے حکم (مشیت) سے حتیٰ کہ جب تم خود ہی کمزور پڑ گئے (جنگ میں بزدلی کا مظاہرہ دکھانے لگے) اور باہم جھگڑنے لگے (اختلاف کرنے لگے) حکم کے بارہ میں (یعنی رسول اللہ ﷺ کے حکم کے متعلق جو آپ ﷺ نے پہاڑی درہ پر تیر اندازی کے لئے مورچہ بندی کا دیا تھا کہ تم میں سے بعض کی رائے ہوئی کہ مال غنیمت کے لئے ہمیں بھی چلنا چاہئے کیونکہ ہمارے رفقاء غالب آ گئے ہیں اور بعض نے کہا کہ ہم حضورؐ کے حکم کے خلاف نہیں کریں گے) اور بالآخر ان کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے (مال

غنیمت کے پیچھے مورچہ چھوڑ بیٹھے) اس کے بعد کہ (اللہ نے) دکھلا دی تم کو من پسند بات (فتح مندی اور اذا کا جواب محذوف ہے جس پر ماقبل (یعنی ولقد صدقکم اللہ) دلالت کر رہا ہے ای منعکم نصرہ) تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے خواہش مند تھے (کہ انہوں نے مورچہ کو غنیمت کے لالچ میں چھوڑ دیا) اور کچھ تم میں ایسے تھے کہ جن کی نظر آخرت پر تھی (کہ وہ ڈٹے رہے حتیٰ کہ شہید ہو گئے جیسے عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے رفقاء) پھر تمہارا رخ پھیر دیا تھا (یہ عطف ہے اذا کے جواب مقدر پر، بچالیا تم کو ہزیمت کے باوجود) دشمنوں سے (یعنی کفار سے) تاکہ تمہاری آزمائش کریں (امتحان لیں کہ مخلص اور غیر مخلص میں امتیاز ہو جائے) بہر حال اللہ تعالیٰ نے تمہارا قصور معاف کر دیا ہے (جو غلطی تم سے سرزد ہوگئی ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ مؤمنین پر بڑا ہی فضل کرنے والے ہیں (معاف فرما کر وہ وقت بھی قابل یاد ہے) جب تم چڑھے چلے جارہے تھے (میدان جنگ سے فرار ہو رہے تھے) اور مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے (گھومتے نہیں تھے) ایک دوسرے کی طرف۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ پیچھے سے پکار رہے تھے (یعنی پیچھے سے کہہ رہے تھے کہ اللہ کے بندو ادھر آؤ ادھر آؤ) سو اللہ نے بھی تم کو (بدلہ کے طور پر) رنج دیا (ہار جانے کا) تمہارے رنج دینے کی وجہ سے (یعنی رسول اللہ کی مخالفت کر کے آپ کو رنج پہنچانے کی وجہ سے اور بعض کے نزدیک با بمعنی علیٰ ہے یعنی مال غنیمت چلے جانے کے رنج پر مزید رنج پہنچایا) تاکہ نہ تو (لکیلا متعلق ہے عفا یا اثابکم کے پاس اس صورت میں لا زائد ہوگا) اس چیز کے لئے غم کرو جو ہاتھ سے جاتی رہے (مال غنیمت) اور نہ اس مصیبت پر غمگین ہو جو آپڑے (قتل وشکست کی) اور اللہ تعالیٰ خبر رکھتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

تحقیق وترکیب: ....**خاسرین** دنیاوی خسارہ تو یہ کہ دشمن کی اطاعت کرنی پڑیگی اور آخرت کا خسارہ ظاہر ہے کہ حرمانِ ثواب اور دائمی عذاب ہے۔ **سنلقی** اگر یہ آیت رعب پیدا ہونے سے پہلے نازل ہوئی تب تو سین استقبال ہے ورنہ محض تاکید کے لئے ہے تعریف سے خالی کر کے اور تلقی حکایت حال ماضیہ کے طور پر ہے۔

الرعب ابن عامر اور کسائی کے نزدیک تمام قرآن میں علی الاصل ضم کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور اکثر کے نزدیک سکون عین کے ساتھ ہے۔ رعب کی تصریح میں اشارہ اس طرح ہے کہ جب تک یہ اس حال میں رہیں گے کفار مرعوب اور مسلمان غالب رہیں گے اس میں مسلمانوں کے لئے دائمی بشارت ہے اور یہ کہ کفر سبب ضعف ہے البتہ کسی عارض کی وجہ سے اس کا تخلف سببیت کے منافی نہیں یا کہا جائے کہ سبب ہونا اس کا زمانہ ماضی میں تھا۔

وقد عزموا اس کی ضمیر ابوسفیان وغیرہ کی طرف راجع ہے **کفروا** کا مطلب یہ نہیں کہ نزول کے وقت جو لوگ کافر تھے وہ ہمیشہ کافر ہی رہیں گے۔ چنانچہ ابوسفیانؓ بعد میں اسلام لے آئے۔ **بما اشرکوا** با سببیہ اور **ما** مصدریہ اور **مالم ینزل** مفعول ہے **اشرکوا** کا اور **مالم ینزل** اس میں انتفاء قید کی وجہ سے انتفاء مقید ہو رہا ہے جیسے کہا جائے کہ سالبہ وجود موضوع کا مقتضی نہیں ہوتا ہے۔ **بئس** اس کا مخصوص بالمذمت محذوف ہے۔ جلال مفسرؒ نے **ھی** اسی لئے مقدر کیا ہے۔

تحسونھم بمعنی قتل واستیصال، حیلہ، یہ لفظ مشترک ہے **فشل** بمعنی کسل، ضعف تراخی عصام کی رائے ہے کہ فشل کے معنی ضعف رائے اور جبن کے ہیں۔ **منعکم نصرہ** یعنی جب تم کو شکست ہوگئی تو مدد روک دی گئی۔ **ردکم بالھزیمۃ** یعنی بسبب رد کرنے تمہاری ہزیمت کے ان سے اور زمخشریؒ کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ تمہاری مدد روک دی اس لئے وہ تم پر غالب آگئے۔

اذ تصعدون اصعاد بمعنی **ذھاب وابعاد فی الارض، صعد فی المیل** اور **اصعد فی الارض** بولتے ہیں **اصعد نامن مکۃ الی مدینۃ** اور زمخشریؒ کہتے ہیں کہ **اصعد فی الارض** بمعنی مضی ہے۔ **تلوون** لوی بمعنی مائل ہونا اور اکثر بمعنی وقف آتا ہے اور بمعنی **لاترجعون** بھی کہا گیا ہے پیچھے مڑ کر دیکھنا پلٹنا۔ **فی اُخرٰکم** مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ **فی** بمعنی **الی** اور لفظ **اخریٰ** بمعنی آخر ہے

بولتے ہیں جاء فلان فی اخر الناس واخرتھم واخرھم اذا جاء خلفھم۔

الی عباد اللہ پورا جملہ آپ کا یہ تھا الی عباد اللہ انا رسول اللہ من یکر فلہ الجنۃ۔ فاثابکم لفظ ثواب اکثر اس کا استعمال خیر کے لئے آتا ہے۔ البتہ کبھی شر کے لئے بھی آتا ہے۔ ثاب الیہ عقلہ بولتے ہیں بمعنی رجع الیہ اصل معنی ثواب کے یہ ہیں کہ جزائے فعل فاعل کو دینا خواہ خیر ہو یا شر۔ مفسر علامؒ نے مطلق جزاء کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لکیلا اس میں لا زائدہ ہے اور یا لا زائد ماننے کی ضرورت نہیں اور معنی یہ ہوں گے کہ رنج وغم کے گھونٹ پینے کی مشق کرو، تاکہ منفعت کے فوت ہونے پر رنج وملال نہ رہے۔

ربط:.......... غزوۂ احد کے موقعہ پر منافقین نے مرتد ہونے کے سلسلہ میں جو غلط مشورے دیئے تھے ان کا اتباع نہ کرنے کی تلقین یا ایھا الذین الخ سے بیان کی جارہی ہے۔ آگے پھر وہی بطور تتمہ تسلی تشفی کا مضمون ہے اور غلطیوں کی نشاندہی۔

شانِ نزول:.......... مورچہ چھوٹ جانے سے مسلمانوں کی فتح شکست سے جب تبدیل ہونے لگی اور افراتفری پھیل گئی اور مسلمان تتر بتر ہونے لگے تو عبداللہ بن ابی کہنے لگا کہ میں نے پہلے کہا تھا کہ محمد نبی نہیں ہیں اب بھی میرا کہا مانو تو ابوسفیان سے کہہ کر امن دلا دوں، اس پر یا ایھا الذین اٰمنوا آیات نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾:...... غزوۂ حمراء الاسد کی تمہید:.......... کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب اور ہیبت ڈالنے کی بشارت کا ظہور اس طرح ہوا کہ اول تو بغیر کسی ظاہری سبب کے خود ہی کفار باوجود ایک طرح کے غالب ہونے کے مکہ واپس لوٹ گئے۔ لیکن کچھ آگے نکل جانے کے بعد جب اپنی حماقت اور بے وقوفی کا خیال آیا تو دوبارہ مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ ہو گیا مگر کچھ ایسا رعب ان پر چھایا کہ اس طرف بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ بلکہ محض اپنی طفل تسلی کے لئے ایک سستی ترکیب یہ کہ مدینہ جانے والے ایک راہ گیر مسافر اعرابی کو کچھ لالچ دے کر آمادہ کیا کہ تو مدینہ میں پہنچ کر ذرا مسلمانوں کو خوب ڈرا دینا کہ بڑی تیاری کے ساتھ آرہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی پہلے ہی اس اسکیم کا علم ہو گیا تو آپ حمراء الاسد تک ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے لیکن یہ ایک گیدڑ بھبکی سے زیادہ کچھ نہ نکلا۔

مالم ینزل بہ سلطانا سے مراد لفظی اور معنوی دلیل ہے جس کی صحت کا شریعت نے بھی اعتبار کیا [illegible] میں عقلی دلیل بھی آگئی۔

تمام صحابہؓ مخلص تھے کوئی بھی طالبِ دنیا نہیں تھا:.......... آیت ولقد صدقکم اللہ حضرات صحابہؓ کا غایب درجہ تقرب معلوم ہوا کہ ایک معمولی سے عتاب میں بھی تسلی کے کتنے پہلو نکال کر رکھ دیئے مثلاً (۱) یہ شکست بطور سزا نہیں تھی بلکہ اس میں بھی تمہاری مصلحت پیش نظر تھی۔ (۲) مواخذۂ اخروی سے بے فکر کر دیا، بھلا جو حضرات اس درجہ کے ہوں ان کو طالبِ دنیا کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اس لئے منکم من یرید الدنیا کے یہ معنی نہیں کہ تم دنیا کو مقصود بالذات سمجھتے تھے کیونکہ اگر غنائم نہ بھی جمع کرتے تب بھی حسب قواعد جنگ مال غنیمت کے وہ مستحق تھے بلکہ مقصود یہ ہے کہ تم نے مورچہ کی حفاظت اور مال غنیمت دونوں کا ثواب حاصل کرنا چاہا حالانکہ مصلحت وقتی صرف مورچہ کی حفاظت تھی اسی لئے خطائے اجتہادی کی وجہ سے مستحق ستائش نہ ہو سکے۔ اگرچہ مجرم ومخالف کہلانے کے بھی مستحق نہیں ہوئے تو گویا حاصل عبارت یہ ہوا منکم من یرید الدنیا للاٰخرۃ ومنکم من یرید الاٰخرۃ الصرفۃ۔

ایک اشکال کا حل:.......... آیت والرسول یدعوکم سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پکارنے کے باوجود مسلمان جمع نہیں ہوئے اور واقعات بالا کے ذیل میں معلوم ہوا کہ حضرت کعبؓ کے پکارنے سے مسلمان جمع ہو گئے۔ لیکن بقول علامہ آلوسیؒ اول

آنحضرت ﷺ نے پکارا ہوگا جس کو مسلمان نہیں سن سکے، حضرت کعبؓ نے پکارا تو کچھ لوگوں نے سن لیا اور جمع ہو گئے۔ دوسرے آنحضرت ﷺ کے قتل کی خبر سے جو پریشانی تھی جب آنحضرت نے آواز دی تو اس میں پہلی خبر کی تردید یا اس سے کوئی تعرض نہیں تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ آواز نحیف ہو یا پہچانی نہ گئی ہو۔ حضرت کعبؓ کی آواز بلند ہوگی اور اس میں واقعہ قتل کی تردید اور تکذیب تھی اس لئے صحابہؓ سن کر فوراً متوجہ ہو گئے۔ باقی عتاب اس پر ہے کہ آواز صدا بصحرا نہ ہوتی اور آپ گبیدہ خاطر یا ملول نہ ہوتے۔ تاہم آنحضرت ﷺ کے غم سے صحابہؓ کو جو الم پیش آیا اس میں بھی تہذیب و تربیت خدام مقصود ہے کہ مصائب جھیلنے کی عادت پڑنے سے ثبات و استقلال اور پختگی پیدا ہو جاتی ہے جو بہت بڑی دولت اور حاصل مجاہدات ہے۔ حضرت عثمانؓ کی عدم شرکت پر بعض معاندین نے طعن و تشنیع کی ہے اور اس سے ان کے خلافت کے غیر مستحق ہونے پر استدلال کیا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کی طرف سے اعلان معافی کے بعد جیسا کہ ابن عمرؓ کی رائے ہے اب کسی کو کیا حق اعتراض ہے، رہا خلافت کا معاملہ سو اہل سنت کے نزدیک خلافت کے لئے عصمت شرط نہیں ہے اس لئے شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً اَمْنًا **نُّعَاسًا يَّغْشٰى** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **طَآئِفَةً مِّنْكُمْ** ۙ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ فَكَانُوْا يَمِيْدُوْنَ تَحْتَ الْحُجَفِ وَتَسْقُطُ السُّيُوْفُ مِنْهُمْ **وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ** اَیْ حَمَلَتْهُمْ عَلَى الْهَمِّ فَلَارَغْبَةَ لَهُمْ اِلَّا نَجَاتُهَا دُوْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِهٖ فَلَمْ يَنَامُوْا وَهُمُ الْمُنَافِقُوْنَ **يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ** ظَنًّا **غَيْرَ** الظَّنِّ **الْحَقِّ ظَنَّ** اَیْ كَظَنِّ **الْجَاهِلِيَّةِ** ؕ حَيْثُ اِعْتَقَدُوْا اَنَّ النَّبِيَّ قُتِلَ اَوْ لَا يُنْصَرُ **يَقُوْلُوْنَ هَلْ** مَا **لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ** اَيِ النَّصْرِ الَّذِیْ وَعَدْنَاهُ **مِنْ** زَائِدَةٌ **شَيْءٍ** ؕ **قُلْ** لَهُمْ **اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ** بِالنَّصْبِ تَوْكِيْدٌ اَوِ الرَّفْعِ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **لِلّٰهِ** ؕ اَيِ الْقَضَاءُ لَهٗ يَفْعَلُ مَايَشَاءُ **يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ** يُظْهِرُوْنَ **لَكَ** ؕ **يَقُوْلُوْنَ** بَيَانٌ لِمَاقَبْلَهٗ **لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا** ؕ اَیْ لَوْ كَانَ الْاِخْتِيَارُ اِلَيْنَا لَمْ نَخْرُجْ فَلَمْ نُقْتَلْ لٰكِنْ اُخْرِجْنَا [illegible]رْهًا **قُلْ** لَهُمْ **لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ** وَفِيْكُمْ مَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْقَتْلَ **لَبَرَزَ** خَرَجَ **الَّذِيْنَ كُتِبَ** قُضِيَ **عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ** مِنْكُمْ **اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ** ۚ مَصَارِعِهِمْ فَيُقْتَلُوْا وَلَمْ يُنْجِهِمْ قُعُوْدُهُمْ لِاَنَّ قَضَاءَهٗ تَعَالٰى كَائِنٌ لَامُحَالَةَ وَفَعَلَ مَافَعَلَ بِاُحُدٍ **وَلِيَبْتَلِيَ** يَخْتَبِرَ **اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ** قُلُوْبِكُمْ مِنَ الْاِخْلَاصِ وَالنِّفَاقِ **وَلِيُمَحِّصَ** يُمَيِّزَ **مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ** ؕ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ﴿۱۵۴﴾ بِمَا فِي الْقُلُوْبِ لَايَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ وَاِنَّمَا يَبْتَلِيْ لِيُظْهِرَ لِلنَّاسِ **اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ** عَنِ الْقِتَالِ **يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ** ۙ جَمْعُ الْمُسْلِمِيْنَ وَجَمْعُ الْكَافِرِيْنَ بِاُحُدٍ وَهُمُ الْمُسْلِمُوْنَ اِلَّا اثْنَیْ عَشَرَ رَجُلًا **اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ** اَزَلَّهُمُ **الشَّيْطٰنُ** بِوَسْوَسَةٍ **بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا** ۚ مِنَ الذُّنُوْبِ وَهُوَ مُخَالَفَةُ اَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ** ؕ **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لِلْمُؤْمِنِيْنَ **حَلِيْمٌ** ﴿۱۵۵﴾ لَايُعَجِّلُ عَلَى الْعُصَاةِ۔

ترجمہ: .... پھر اللہ تعالیٰ نے غم و الم کے بعد تم پر بے خوفی کی خود فراموشی طاری کر دی (چھا گئی، یغشی یا اور تا کے ساتھ ہے) یہ

حالت اونگھ میں سے ایک گروہ پر (مسلمان مراد ہیں چنانچہ ڈھالوں کے نیچے نیند کے مارے جھوم رہے تھے اور تلواریں ہاتھ سے چھوٹ چھوٹ کر گر رہی تھیں) اور دوسرا گروہ وہ تھا کہ جسے اس وقت بھی اپنی جانوں ہی کی پڑی ہوئی تھی (یعنی یہی غم ان پر سوار تھا بس انہیں اسی کے بچانے کی فکر تھی۔ نہ آنحضرت ﷺ کی فکر تھی اور نہ آپؐ کے صحابہؓ کا غم، اس لئے ان کو نیند کہاں آتی۔ اس سے مراد منافقین ہیں) یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بھی ناحق گمان اور اوہام رکھتے تھے زمانۂ جاہلیت کے سے (کیونکہ ان کو یقین ہو گیا تھا کہ نبی کریم ﷺ (خاکم بدہن) قتل کر دیئے گئے ہیں یا آپ کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی) یہ لوگ کہتے تھے کہ ہمارا کیا کچھ اختیار چلتا ہے؟ (جس مدد کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے) آپؐ (ان سے) کہہ دیجئے ساری باتیں (کلمہ نصب کے ساتھ تاکید ہے اور رفع کے ساتھ مبتداء ہے جس کی خبر یہ ہے) اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں (یعنی فیصلہ کا اختیار اسی کو ہے جو چاہے کر سکتا ہے) یہ لوگ چھپاتے ہیں اپنے دلوں میں ان باتوں کو جن کو آپؐ کے سامنے بَرملا (ظاہرا) نہیں کہہ سکتے، ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے (یہ بیان ماقبل کا) کہ اس معاملہ میں ہمارے لئے اگر کچھ ہوتا تو یہاں آ کر نہ مارے جاتے (یعنی اگر ہمارا بس چلتا تو سرے سے گھر سے نکلنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی کہ قتل تک (نوبت پہنچتی لیکن زبردستی ہم کو نکالا گیا ہے) فرما دیجئے آپؐ (ان سے) اگر تم اپنے گھروں میں بھی بیٹھے رہتے (اور تمہارے بارے میں تقدیر الٰہی قتل کا فیصلہ کر چکی ہوتی) جب بھی ضرور نکلتے (باہر آتے) جن کے لئے مارا جانا (مقدر ہو چکا) تھا (تم میں سے) اپنے مارے جانے کی جگہ (مقتل میں قتل ہوتے اور اپنے گھروں میں بیٹھ رہنا ان کو نہ بچا سکتا۔ کیونکہ قضائے الٰہی لامحالہ ہو کر رہنے والی ہے) اور (احد میں جو کچھ کہا گیا ہے یہ اس لئے تھا کہ) اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ جو کچھ تمہارے سینوں (دلوں) میں ہے (اخلاص ونفاق) اس کے لئے تمہیں آزمائش (امتحان میں ڈالے اور پاک صاف (جدا) کر دے ان کدورتوں کو جو تمہارے دلوں میں پیدا ہو گئی تھیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں جو انسان کے دلوں میں پوشیدہ ہوتا ہے (دلوں کی کوئی بات بھی اس پر پوشیدہ نہیں لیکن ابتلاء صرف لوگوں پر واضح کرنے کے لئے ہوتا ہے) تم میں سے جن لوگوں نے اس دن (لڑائی سے) منہ موڑ لیا تھا جس روز دونوں لشکر ایک دوسرے سے مقابل ہوئے (دو جماعتوں سے مراد احد میں مسلمان اور کافر ہیں اور منہ موڑنے والوں سے مراد مسلمان ہیں بجز بارہ افراد کے) ان کی لغزش کا باعث صرف یہ تھا کہ ان کے قدم شیطان نے (اپنے وسوسہ سے) ڈگمگا دیئے تھے (استزلھم بمعنی ازلھم ہے) ان کی بعض کمزوریوں کے سبب جو انہوں نے پیدا کر لی تھیں (یعنی آنحضرت ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کے قصور کی وجہ سے) اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ لغزش معاف فرما دی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (مسلمانوں کو) بخشنے والے بُردبار ہیں (گنہگاروں کو جلد نہیں پکڑتے)

تحقیق وترکیب:............ **من بعد الغم** غم کی قبلیت اور امن کی بعدیت اگرچہ لفظ ثم سے بھی سمجھ میں آ رہی ہے لیکن لفظ **من بعد** سے زیادہ وضاحت اور اس احسان کی عظمت کا مستحضر کرنا ہے۔ **امنة** مفعول بہ ہے اور **نعاسًا** بدل ہے و **الاصل انزل علیکم نُعاسًا اذا امنة** یا **امنة** حال مقدم ہے یا مفعول لہ، یا ضمیر مخاطبین سے حال ہو بمعنی **ذوی امنة** یہ جمع امن ہے۔ **ای انزل اللہ علیھم الامن وازال الخوف حتی نعسوا وغلبھم النوم** چنانچہ حضرت ابو طلحہؓ سے مروی ہے کہ **غشیتنا النعاس المضاف حتی کان السیف یسقط من یداحدنا فیا خذہ** بخاری کی روایت کے الفاظ ابو طلحہؓ سے یہ ہیں۔ **کنت فیمن تغاشاہ النعاس یوم احد حتی سقط سیفی من یدی مرارًا یسقط واخذہ ثم یسقط واخذہ. وطائفة** طائفۃ مبتداء اور جملہ **قد اھمتھم** اس کی خبر ہے اور باوجود اس کے نکرہ ہونے کے یہ اس لئے جائز ہے کہ موقع تفصیل میں واقع ہو رہا ہے۔ عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میدان جنگ کی اونگھ تو **امنة** کہلاتی ہے۔ لیکن نماز میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے کیونکہ میدان جنگ میں تو اس کا باعث وہ بے فکری ہو گی اعتماد علی اللہ اور توکل کی جان ہے جو ظاہر ہے کہ غایت قرب کی دلیل ہے ورنہ خوف کے وقت نیند کا کیا واسطہ؟ لیکن نماز کی حالت

میں خوف وخشیت مطلوب ہے وہاں بے فکری سبب بُعد ہوگا احد میں مخلصین ومنافقین کی حالت اس کا صاف ثبوت ہے۔

یظنون یہ حال ہے ضمیر **اهمتهم** سے نہ کہ طائفہ سے **قد اهمتهم** عربی محاورہ میں اس کا اطلاق خائف پر آتا ہے جو اپنے ہی نفس میں منہمک رہتا ہو۔ **غیر الحق** صفت ہے موصوف محذوف ظنا کی اور مفعول **یظنون** ہے اور **الحق** صفت ہے مصدر محذوف کی جو مضاف الیہ ہے غیر کا اور **ظن الجاهلية** صفت ثانیہ ہے اور منصوب بنزع الخافض اور معنی یہ ہیں **کظن الجاهلية** حدیث قدسی ہے **انا عند ظن عبدی بی فلیظن بی ماشاء** جس سے اللہ کے ساتھ حسن ظن کی تعلیم ہے۔ سوءظنی اور بدگمانی کی ممانعت ہے **ومن یقنط من رحمة ربه الا الضالون** اور **ذلکم ظنکم الذی الخ**

هل لنا هل استفہام انکاری کے لئے ای **مالنا کله** یہ تاکید ہے اور منصوب ہے لفظ اجمع کی طرح۔ **یقولون** یہ ماقبل یعنی **یخفون** کا بیان ہے یا اس سے بدل ہے۔ **قل لو کنتم** اس میں ان کے قول کا رد بطریق مبالغہ ہے کیونکہ **اینما تکونوا یدرککم الموت الخ** اور **فاذا جاء اجلهم الخ** کی وجہ سے نفس قتل پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ زمان ومکان کی تعیین کردی گئی۔

فیقتلوا جس نسخہ میں **فیقتلون** ہے وہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ حذفِ نون کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے۔

ولیبتلی الله یہ فعل محذوف کی علت ہے یا علت محذوف پر معطوف ہے جس کی طرف مفسر علامؒ نے "فعل بافاعل" سے اشارہ کیا ہے البتہ ان کو **لبرز** کی علت قرار دینا مقتضی مقام کے خلاف ہے کیونکہ مقصود شدت وہول کی مصالح کا بیان ہے نہ کہ بروز مفروض کی حکمت کا بیان۔ **ولیمحص تمحیص** کے معنی تخلیص کے ہیں عیب دار چیز ہے اس کا تعلق اعتقاد کے ساتھ ہوتا ہے اسی لئے قلوب کا لفظ لایا گیا ہے۔

الا اثنی عشر رجلاً تفسیر کبیر میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ چودہ (۱۴) صحابہؓ ثابت قدم رہے۔ سات مہاجرینؓ ابوبکر، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن وقاص، طلحۃ بن عبیداللہ، ابوعبیدہ بن جراح اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم اور سات انصار خباب بن منذر، ابو دجانہ، عاصم بن ثابت، حرث بن صمہ، سہل بن حنیف، اسید بن حضیر، اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم اور خطیب بغدادیؒ کے نزدیک تیرہ کی تعداد ہے۔ **استزلهم** اس میں ست زائد ہے طلبیہ نہیں ہے بلکہ تعدیہ کے لئے ہے یا زلۃ کی طرف بلانا اور اس پر آمادہ کرنا مراد ہو۔

ربط:............ پچھلی آیت میں تذکرہ غم تھا اور اس آیت میں اس کے ازالہ کا ذکر ہے۔ ظاہراً بھی کہ نیند کے جھونکے سے تازہ دم ہو گئے اور باطناً بھی معافی کی بشارت سے روحانی راحت حاصل ہوگئی، نیز منافقین کی بدحالی اور نعمتوں سے حرمان کا بیان ہے۔

﴿تشریح﴾:...... آیت **ثم انزل علیکم** اور آیت **محمد رسول الله** کی خصوصیت یہ ہے کہ ان دونوں آیات میں پورے حروف ہجائیہ موجود ہیں۔ واقعۂ احد کی مصالح، ابتلاء، عفو وغیرہ کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے لیکن مسلمانوں کو تسلی دینے کے لئے البتہ یہاں منافقین کے اس خیال کی تردید کرنی مقصود ہے کہ ہماری رائے پر عمل نہ کرنے اور ہمارا کہنا نہ ماننے سے سارے نقصانات ہوئے۔

حقیقی شکست وفتح:............ حاصل رد یہ ہے کہ اس نقصان میں جب اس درجہ منافع اور فوائد ہیں پھر ان کو نقصان کہنا کیسے صحیح ہے البتہ حقیقی نقصان گناہ ہے اس کو معاف کردیا گیا ہے۔ تاہم اس اختلاف غرض سے تکرار نہ رہا۔ شرکاء احد دو طرح کے لوگ تھے، ایک فریق کو تو آپ ﷺ کی نبوت بلکہ آپ ﷺ کی نصرت پر پورا یقین واعتماد تھا۔ اس لئے یہ حضرات پورے طور پر مطمئن اور بے فکر تھے اور بے فکری ہی مقدمہ ہوتی ہے نیند کا۔ فکر کی حالت میں تو نیند کافور ہوجاتی ہے لیکن دوسرا گروہ منافقین کا تھا جن کے دل ڈانواں ڈول اور غیر مطمئن تھے ان میں سے ہر شخص نفسا نفسی، آپا دھاپی میں پڑا ہوا تھا۔ یہ لوگ صرف غنیمت کے لالچ میں آئے تھے لیکن وہ بھی جب خطرہ

میں نظر آ تا تو سخت بے چین ہوئے۔ اس لئے ان کے لئے نیند کہاں؟ مگر آنحضرت ﷺ ان سب سے بالا تھے اس لئے نیند کے معاملہ میں بھی منفرد ہی رہے۔

فاثابکم میں پاداشِ اصلاحی مراد ہے اور حلیم سے مراد یہ ہے کہ سزائے قہری نہیں ہوئی۔ اس لئے ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ مصائب کا سبب **ببعض ما کسبوا** سے اور **لیبتلی اللہ** سے مصائب کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں اس لئے ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ وجوداً سبب مقدم اور حکمت مؤخر ہوا کرتی ہے۔ نیز **ببعض ما کسبوا** سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح ایک طاعت سے دوسری طاعت کی توفیق ہوتی ہے اسی طرح ایک گناہ دوسرے گناہ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

لطائف آیت:............**ثم انزل** سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات سالک کے قلب پر کوئی وارداونگھ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو وہ سکینہ رحمانیہ ہوتا ہے۔ **ولیبتلی اللہ** سے معلوم ہوا کہ بلاء میں آزمائش ہوتی ہے۔ ملکات باطن صدق واخلاص وغیرہ کی قوت سے فعلیت کی طرف اظہار کی اور قلب کی کدورتیں اور آلائشیں بھی اس سے صاف ہو جاتی ہیں۔

انما استزلهم کے ذیل میں آلوسیؒ نے زجاج کا قول نقل کیا ہے کہ شیطان نے صحابہؓ کو بعض گناہ یاد دلا دیئے جن کے ہوتے ہوئے ان کو حق تعالیٰ سے ملنا اچھا معلوم نہ ہوا۔ اس لئے جہاد سے وہ کنارہ کش ہو گئے تا کہ اصلاح کے بعد پھر ملاقی ہوں۔ زجاجؒ کے اسی مقولہ سے شیخ اکبرؒ کے اس قول کی تائید وتصدیق ہوتی ہے جو مشہور ہے کہ تکمیل توبہ کے بعد پھر گناہوں کو یاد کرنا مناسب نہیں ہے کہ یہ اللہ اور بندہ کے درمیان حجاب ہو جاتا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا اَیِ الْمُنَافِقِیْنَ **وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ** اَیْ فِیْ شَانِهِمْ **اِذَا ضَرَبُوْا** سَافَرُوْا **فِی الْاَرْضِ** فَمَاتُوْا **اَوْكَانُوْا غُزًّی** جَمْعُ غَازٍ فَقُتِلُوْا **لَّوْكَانُوْا عِنْدَنَا مَامَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ** اَیْ لَاتَقُوْلُوْا كَقَوْلِهِمْ **لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ** الْقَوْلَ فِیْ عَاقِبَةِ اَمْرِهِمْ **حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ** فَلَایَمْنَعُ عَنِ الْمَوْتِ قُعُوْدٌ **وَاللّٰهُ بِمَاتَعْمَلُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ **بَصِیْرٌ﴿۱۵۶﴾** فَیُجَازِیْكُمْ بِهٖ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** اَیِ الْجِهَادِ **اَوْمُتُّمْ** بِضَمِّ الْمِیْمِ وَكَسْرِهَا مِنْ مَاتَ یَمُوْتُ وَیُمَاتُ اَیْ اَتَاكُمُ الْمَوْتُ فِیْهِ **لَمَغْفِرَةٌ** كَائِنَةٌ **مِّنَ اللّٰهِ** لِذُنُوْبِكُمْ **وَرَحْمَةٌ** مِنْهُ لَكُمْ عَلٰی ذٰلِكَ وَاللَّامُ وَمَدْخُوْلُهَا جَوَابُ الْقَسَمِ وَهُوَ فِیْ مَوْضَعِ الْفِعْلِ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **خَیْرٌ مِّمَّایَجْمَعُوْنَ﴿۱۵۷﴾** مِنَ الدُّنْیَا بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **مُّتُّمْ** بِالْوَجْهَیْنِ **اَوْ قُتِلْتُمْ** فِی الْجِهَادِ اَوْ غَیْرِهٖ **لَاْ اِلَی اللّٰهِ** لَا اِلٰی غَیْرِهٖ **تُحْشَرُوْنَ﴿۱۵۸﴾** فِی الْاٰخِرَةِ فَیُجَازِیْكُمْ **فَبِمَا** مَا زَائِدَةٌ **رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ** یَا مُحَمَّدُ **لَهُمْ ۚ** اَیْ سَهَّلْتَ اَخْلَاقَكَ اِذْ خَالَفُوْكَ **وَلَوْكُنْتَ فَظًّا** سَیِّئَ الْخُلْقِ **غَلِیْظَ الْقَلْبِ** جَافِیًا فَاَغْلَظْتَ لَهُمْ **لَانْفَضُّوْا** تَفَرَّقُوْا **مِنْ حَوْلِكَ ص فَاعْفُ** تَجَاوَزْ **عَنْهُمْ** مَا اَتَوْهُ **وَاسْتَغْفِرْلَهُمْ** ذُنُوْبَهُمْ حَتّٰی اَغْفِرَلَهُمْ **وَشَاوِرْهُمْ** اِسْتَخْرِجْ اٰرَاءَهُمْ **فِی الْاَمْرِ ۚ** اَیْ شَانِكَ مِنَ الْحَرْبِ وَغَیْرِهٖ تَطْیِیْبًا لِقُلُوْبِهِمْ وَلِیَسْتَنَّ بِكَ وَكَانَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَثِیْرَ الْمُشَاوَرَةِ لَهُمْ **فَاِذَا عَزَمْتَ**

عَلٰی اِمْضَاءِ مَاتُرِیْدُ بَعْدَ الْمُشَاوَرَۃِ **فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ** ثِقْ بِهٖ لَابِالْمُشَاوَرَۃِ **اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ﴿۱۵۹﴾** عَلَیْهِ **اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰهُ** یُعِنْکُمْ عَلٰی عَدُوِّکُمْ کَیَوْمِ بَدْرٍ **فَلَاغَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ** یَتْرُکْ نَصْرَکُمْ کَیَوْمِ اُحُدٍ **فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ** اَیْ بَعْدَ خُذْلَانِهٖ اَیْ لَانَاصِرَ لَکُمْ **وَعَلَی اللّٰهِ** لَاغَیْرِهٖ **فَلْیَتَوَکَّلِ** لِیَثِقَ **الْمُؤْمِنُوْنَ﴿۱۶۰﴾**

ترجمہ:......... مسلمانو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کفر اختیار کیا (مراد منافقین ہیں) اور جو کہنے لگتے ہیں اپنے بھائی بندوں کے لئے (یعنی ان کے حق میں) جب کہ وہ سفر میں گئے ہوں (مسافر ہوں) کسی جگہ (اور ان کا انتقال ہو جائے) یا جہاد میں مصروف ہوں (غزی جمع غازی ہے اور قتل ہو جائیں) کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے تو کاہے کو مرتے یا مارے جاتے (یعنی مسلمانو! تم ان جیسی باتیں نہ کرنا) تا کہ اللہ تعالیٰ بنا دیں اس (بات کو آخر کار ان کے لئے) داغ حسرت ان کے دلوں کے لئے اللہ ہی کے ہاتھ زندگی اور موت کا رشتہ ہے (اس لئے گھر میں بیٹھ رہنا موت کے لئے رکاوٹ نہیں بن سکتا) اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو (تا اور یا کے ساتھ پڑھا گیا ہے) اس کی نگاہ میں ہے (لہٰذا وہ تم کو بدلہ دیں گے) اور اگر تم (لام قسم ہے) قتل کر دیئے گئے اللہ کی راہ (جہاد) میں یا اپنی موت مر گئے (بضم المیم، مات یموت اور مات یمات سے ہے یعنی تمہارے پاس آجائے) تو اللہ کی طرف سے تمہارے (گناہوں کی) مغفرت (ہوگی) اور (تمہارے لئے اس کی) رحمت ہوگی (اس پر اور لام اور اس کا مدخول جواب قسم ہے یہ فعل کی جگہ ہے اور مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) یقیناً وہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن کی پونجی لوگ جمع کر رہے ہیں (دنیا سے تا اور یا دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے) اور اگر (لام قسمیہ ہے) تم اپنی موت مر و یا مارے جاؤ (جہاد وغیرہ میں) بہر حال صرف اللہ تعالیٰ کے حضور (نہ کہ دوسرے کے پاس) جمع کئے جاؤ گے (آخرت میں لہٰذا وہ تم کو بدلہ دیں گے) یہ خدا کی بڑی ہی رحمت ہے (لفظ ما زائد ہے) کہ آپؐ (اے محمدؐ) اس قدر نرم مزاج واقع ہوئے ان لوگوں کے لئے (یعنی آپؐ کے اخلاق نرم ہیں باوجود ان کی مخالفت کے) اگر آپؐ تند مزاج (بد خلق) سنگدل ہوتے (اکھڑ طبیعت کے ان پر برہمی کرتے رہتے) تو لوگ بھاگ کھڑے ہوتے (تتر بتر ہو جاتے) آپؐ کے پاس سے۔ پس ان کا قصور معاف کر دیجئے (درگزر کر دیجئے ان سے جو کچھ سرزد ہوا) اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بھی بخشش طلب کیجئے (ان کے گناہوں کی تا کہ ہم بھی ان کو معاف کر دیں) نیز ان سے مشورہ بھی کر لیا کیجئے (ان کی رائے معلوم کر لیا کیجئے) اس قسم کے معاملات میں (یعنی جنگ وغیرہ کے مواقع میں) ان کا دل بھی خوش ہو جائے گا اور آپؐ کی سنت بھی جاری ہو جائے گی چنانچہ آنحضرت ﷺ بکثرت ان سے مشورے فرمایا کرتے تھے) پھر جب ایسا ہو کہ آپؐ کسی بات کا عزم کر لیں (مشورہ کے بعد ارادہ تکمیل کرنا چاہیں) تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے (اس پر اعتماد کیجئے محض مشورہ پر سہارا نہ کیجئے) یقیناً اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جو (ان پر) بھروسہ رکھنے والے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری امداد کریں (تمہارے دشمنوں کے مقابلہ میں جیسا کہ بدر میں ہوا) تو کوئی نہیں جو تم پر غالب آسکے لیکن اگر وہی تم کو چھوڑ بیٹھے (تمہاری مدد نہ کرے جیسے احد میں ہوا) تو بتلاؤ کون ہے جو تمہارا مددگار ہو سکتا ہے اس کے بعد (یعنی اس کے چھوڑ دینے کے بعد حاصل یہ ہوا کہ تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے) صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے (دوسرا کوئی نہیں) پس اسی پر بھروسہ (اعتماد) رکھنا چاہئے ایمان داروں کو۔

تحقیق وترکیب:......... **اذا** یہاں **اذ** صرف زمان کے لئے ہے اور **اذا** لانے میں اشارہ ہے کہ یہ ان کی جانب سے محقق ہے۔

فماتوا یہ ان کے قول ماماتوا سے ماخوذ ہے اور مفسرؒ کا دوسرا قول فقتلوا ماخوذ ہے ان کے قول ماقتلوا سے لیجعل لام کا تعلق ہے لا تکونوا سے ای لا تکونوا کھولاء فی النطق بذالک القول فیجعل اللہ الخ یا اس کا تعلق قالوا کے ساتھ ہے یعنی قالوا ذلک واعتقدوہ. اس کے لام عاقبۃ ہونے کی طرف مفسرؒ نے فی عاقبۃ امرھم کہہ کر اشارہ کردیا جیسے لیکون لھم عدوا وحزنًا میں لام عاقبۃ کے لئے ہے۔متم باب نصر سے قرأۃ ضم پر مات یموت ہے اور باب خاف یخاف ہے قرأۃ کسر پر مات یمات سے ہے اور فیہ سے مراد فی سبیل اللہ لمغفرۃ یہ جواب قسم ہے قائمقام جواب شرط ہے۔

علی ذلک علی بمعنی لام تعلیل ہے اور مشار الیہ اس کا قتل وموت ہے اور مفسرؒ کے قول و اللام سے مراد لام ابتداء ہے اور اس کا مدخول مبتدا وخبر کا مجموعہ ہے اور لفظ ھو ضمیر مدخول لام کی طرف راجع ہے۔یجمعون اس میں التفات پایا جاتا ہے اور ایک قرأت میں تجمعون بھی ہے۔ولئن قتلتم اول آیت میں قتل کو اور دوسری آیت میں موت کو مقدم کیا گیا ہے کیونکہ غالب جہاد میں قتل ہونا ہے اور غیر جہاد میں اکثر موت ہوتی ہے۔لا الی اللہ یہ لام تاکید کا ہے اس کے ساتھ قرآنی رسم الخط میں الف لکھنے میں فتح لام پر دلالت کرنے کے لئے آتا ہے مگر پڑھنے میں نہیں آتا۔اس آیت میں تین مقاماتِ عبودیت کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔الحشر بمعنی جمع کرنا فبما رحمۃ فا عاطفہ ہے، مضاف پر تقدیر عبارت اس طرح ہے خالفوا امرک لنت لھم برحمۃ من اللہ اور ما زائد ہے تاکید کے لئے ہے فظاًخت الفظاظۃ بحفوۃ فی المعاشرۃ قولاً و فعلاً۔

غلیظ بمعنی متکبر پھر مجازاً اعدم شفقت پر بھی محمول کرلیا جاتا ہے۔بدخلق، قاسی اور درشت کلام کو کہتے ہیں۔

شاورھم مشاورت کے معنی شہد کی مکھیوں کا شہد نکالنا ہیں۔صاحبانِ نظر وفکر کا باہم مل کر غور وخوض کرکے کسی بہتر رائے کا حاصل کرنا مراد لیا جاتا ہے وجہ مناسبت ظاہر ہے، حدیث نبوی ہے ماتشاورقوم الاھدوا الارشد امرھم بولتے ہیں شرت الدابۃ شرت العسل.

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں ما رایت احدا اکثر مشاورۃ من اصحاب رسول اللہ اس آیت میں اس پر دلالت ہو رہی ہے کہ اجتہاد جائز ہے اور قیاس حجۃ شرعیہ ہے۔فاذا عزمت یعنی بعد المشورہ جو کچھ رائے میں رجحان پیدا ہوا ہو اس پر عزم کرکے کاربند ہو جاؤ۔فتوکل توکل نام ترکِ تدبیر کا نہیں ہے اس کو تعطل کہنا چاہئے ورنہ پھر مشورہ کا امر اس کے معارض ومناقض ہو جائے گا بلکہ اسباب ظاہرہ کو اختیار کرتے ہوئے مسبب الاسباب پر بھروسہ کرنے کو توکل کہتے ہیں۔اگرچہ بقول ذوالنون مصریؒ ایک درجہ توکل کا "خلع الارباب وقطع الاسباب" بھی ہے۔

ربط :.........گذشتہ آیت میں منافقین کے غلط مشورے نقل کئے گئے تھے جن سے مسلمانوں میں وسوسہ اندازی کا احتمال تھا اس کے انسداد کے لئے آئندہ آیات میں تنبیہ کی جارہی ہے۔نیز آنحضرت ﷺ کے مکارم اخلاق اور نرمی مزاج کو سراہا گیا ہے۔جس کی بدولت اسلام پھیلا اور صحابہؓ میں بے انتہا گرویدگی پیدا ہوئی حتیٰ کہ احد جیسے نازک مواقع میں بھی آپ ﷺ نے کسی سے ترش روئی کے ساتھ دارو گیر نہیں فرمائی۔غرضکہ صحابہؓ کی مزید دلجوئی کی خاطر دینی اہم معاملات میں صحابہؓ سے مشورہ کرنے کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے۔

﴿تشریح﴾:...... بہادر مؤمن موت سے جی نہیں چراتا:.........یعنی سچا مومن وہ ہے جو موت سے نہیں گھبراتا اور اس سے ڈر کر کبھی قدم پیچھے نہیں ہٹاتا وہ سمجھتا ہے کہ موت سے جب کسی حال میں مفر نہیں پھر کیوں نہ اس موت کا استقبال کیا جائے جو راہ حق میں اس کو پیش آجائے۔اور جس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی بخشائش وخوشنودی ہو۔البتہ جو لوگ ایمان سے محروم ہیں وہ جب دیکھتے ہیں کہ راہ حق میں لوگوں کو موت پیش آرہی ہے تو کہنے لگتے ہیں کہ ان لوگوں نے یہ راہ اختیار نہ کی ہوتی تو کیوں یہ انجام دیکھتے، گویا موت صرف

جنگ ہی میں آسکتی ہے جو آدمی اپنے گھر بیٹھا رہے گا وہ کبھی مرنے والا نہیں ہے۔

اور لاخوانھم سے مراد ہم مشرب لوگ ہیں جیسے کہ منافقین اور ہم نسب مسلمان بھی مراد ہوسکتے ہیں، اگر اول صورت مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر اتفاقاً کوئی منافق بھی کبھی دبادبایا جہاد میں ساتھ ہولیتا اور قتل ہوجاتا ہے تو ان کو حسرت وافسوس ہوتا ہے لیکن اگر یہ لوگ اپنا ایمان واعتقاد درست کرلیں تو یہی دینی سفر ان کے لئے مغفرت ورحمت کا موجب ہوسکتا تھا اور ثانی صورت میں ہم نسب مسلمان مراد ہوں تو ان کی وفات یا شہادت سے منافقین کو حسرت وملال اضطراری درجہ میں قرابت داری کی وجہ سے ہوتا ہے یا موت و شہادت پر تو رنج نہیں ہوتا۔ البتہ اپنے اعتقاد فاسد کی وجہ سے اسباب عادیہ کو اس درجہ مؤثر سمجھتے ہیں پس ایسا شخص ہر واقعہ میں اسی طرح حسرت وافسوس کا شکار رہتا ہے اور مغفرت ورحمت کا وعدہ اس صورت میں بالکل ظاہر ہے۔

اور اذا ضربوا فی الارض سے مراد مطلق سفر نہیں ہے بلکہ وقتی دینی سفر مراد ہے۔ جیسا کہ جواب کی عبارت ولئن قتلتم فی سبیل اللہ اس پر دال ہے۔ منافقین کے قول لو کانوا عندنا ماماتوا الخ کے دو جواب دیئے ہیں ایک واللہ یحی ویمیت سے دوسرا ولئن قتلتم سے۔

مشورہ کی اہمیت:............ چونکہ مورچہ بندی کے واقعہ کی ناگواری اور تکدر کا اثر صحابہؓ کی طبائع پر تھا۔ ادھر آنحضرت ﷺ نے اپنی معجزانہ وسعتِ قلبی اور خوش اخلاقی سے اگرچہ اس پر کسی ملامت اور دُرشتی کا مظاہرہ نہیں فرمایا لیکن اس خیال سے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کے مابین کوئی انقباض اور حجاب نہ رہے اور کلف کا اثر بالکلیہ ڈھل جائے آپ ﷺ کو انبساط کے برقرار رکھنے اور سابقہ تعلقات کے بحال کر لینے کا حکم فرمایا جارہا ہے۔

آپ ﷺ کے اخلاق اور مشورہ کا دستور العمل:............ اور اس سلسلہ میں آپؐ کی بعض مہمات وموعظت وامامت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا جارہا ہے کہ (۱) آپ ﷺ کی نرمی مزاج ہی ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے دل بے اختیار آپ ﷺ کی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو میدان صاف نظر آتا اور چیونٹی بھی پر نہ مار سکتی۔

کس نہ بیند کہ تشنگانِ حجاز　　برلبِ آبِ شور گرد آیند
ہر کجا چشمۂ بود شریں　　مردم و مرغ و مور گرد آیند

(۲) جنگ اُحد میں ایک گروہ کی لغزش اگرچہ اہم لغزش تھی تاہم آپ ﷺ کی شفقت بے پایاں کا مقتضی یہی ہے کہ عفو ودرگزر سے کام لو۔ (۳) آپ ﷺ کا طریقِ کار اور طرزِ عمل یہ ہونا چاہئے کہ صلح وجنگ کا کوئی معاملہ بغیر صلاح ومشورہ کے انجام نہیں پانا چاہئے۔ جس کا دستور العمل یہ ہو کہ پہلے جماعت سے مشورہ لو پھر مشورہ کے بعد کوئی ایک بات ٹھان لو اور اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ۔ شوریٰ اپنے محل اور وقت میں ضروری ہے اور عزم وپختگی اپنے محل اور وقت میں۔ مشورہ سے پہلے فیصلہ اور عزم کا سوال نہیں اٹھتا۔ لیکن جب مشورہ کے بعد عزم کرلیا گیا تو کوئی رائے اور نکتہ چینی یا مخالفت اس کو متزلزل نہیں کرسکتی، امام یا امیر مجلس کے لئے ضروری ہے کہ مجلسِ شوریٰ سے مشورہ کرے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صاحبِ عزم ہو۔

مشورہ طلب امور اور فوائد مشورہ:............ اور وشاورھم فی الامر سے مراد مشورہ طلب وہ خاص خاص باتیں ہیں جن کے متعلق آپؐ پر کوئی وحی نازل نہ کی گئی ہو۔ ورنہ نزول وحی کے بعد پھر مشورہ کی کیا حاجت؟ مشورہ میں بہت سے فوائد ومنافع اور مصالح ہوتے ہیں مثلاً (۱) آپ ﷺ کے مشورہ سے مخلص خدام اور صحابہؓ کی تالیف اور دلجمعی وخوشنودی، جس کی طرف آیت میں اشارہ کیا گیا

ہے۔(۲) آپ ﷺ کی امت کے لئے یہ سنت جاری ہو جائے گی۔ جیسا کہ بیہقی نے حسن سے نقل کیا ہے اور ابن عدی و بیہقی نے اس کی تائید میں ابن عباسؓ کی روایت پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نزول آیت پر فرمایا کہ اللہ اور رسول کو تو اس مشورہ کی ضرورت نہیں لیکن میری امت کے لئے اللہ نے اس کو رحمت بنایا ہے۔(۳) مشورہ سے اپنی رائے کی مزید تقویت ہو جاتی ہے جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ جس بات پر متفق ہو جائیں تو میں اس میں خلاف نہ کروں اور دوسری اور تیسری مصلحت میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ اللہ اور رسول گو غالب احوال مشورہ کی حاجت نہ ہو لیکن بعض اوقات تقویت رائے کے لئے مشورہ لیا جاتا ہو اور صدر مجلس شوریٰ کے عزم کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ شوریٰ کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف کیونکہ عزم میں کوئی قید نہیں لگائی گئی اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شورائیت میں نہ تو خالص شخصی استبدادی اور ڈکٹیٹری طریقہ ہونا چاہئے اور نہ محض کثرتِ رائے اور ووٹوں کی بے اصل جمہوریت پر مدار ہونا چاہئے بلکہ شخصیت و جمہوریت کا ایک مرکب ہونا چاہئے، جس میں اصل مدار کار سربراہ ہو۔ لیکن وہ اپنی تقویت کے لئے شورائیت سے رجحان حاصل کر لیا کرے۔

مشورہ اور توکل:........اور مشورہ کی تکمیل کے بعد توکل کے حکم سے معلوم ہوا کہ تدابیر منافی توکل نہیں ہیں اور تدبیر کے ساتھ اللہ پر بھروسہ رکھنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے توکل بمعنی ترکِ تدبیر سو اس کا منضبط ضابطہ یہ ہے کہ دینی تدابیر کا ترک تو بالکل مذموم اور ناجائز ہے اسی طرح دنیاوی تدابیر جو یقینی اور عادی ہوں ان کا ترک بھی ناجائز ہے لیکن اگر ظنی تدابیر ہوں تو قوی القلب شخص کے لئے ان کا ترک جائز اور وہمی ہوں تو ان کا ترک مستحسن ہے۔

آیت ان ینصرکم اللہ میں ازالۂ حسرت کا حاصل یہ ہوا کہ کسی کو غالب مغلوب کر دینا اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے چنانچہ بدر میں اپنی رحمت سے تم کو غالب کر دیا اور اُحد میں اپنی حکمت سے پھر مغلوب کر دیا۔ اس لئے تمہاری قدرت سے یہ چیز پوری طرح باہر ہے پھر اس درجہ اپنے جی کو اس کے پیچھے کیوں ڈالتے ہو جو ہو گیا سو ہو گیا۔ سب ضروریات چھوڑ کر اسی میں کیوں لگ گئے ہو اس میں جو آفت آئی وہ نافرمانی کی وجہ سے آئی اس سے توبہ کرو "گذشتہ راصلوات آئندہ رااحتیاط" اور "ہرچہ از دوست میرسد نیکوست" پر عمل پیرا رہنا چاہئے۔

ولئن قتلتم الخ میں قتل اور موت فی سبیل اللہ کی جزاء میں مغفرت و رحمت اور ولئن متم او قتلتم میں موت و قتل کی جزاء "حشر الی اللہ" فرمائی ہے بعض حضرات نے بطریق تاویل دونوں میں یہ فرق ذکر کیا ہے کہ اول آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو جنت و جہنم کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں دوسری آیت میں ان کا ذکر ہے جو "ذات واحد" ہی کو مقصود سمجھ کر عبادت کرتے ہیں اس لئے وہی ان پر متجلی بھی ہوگی۔ و شاورھم الخ یہ آیت اس پر دال ہے کہ بعض اوقات بعض منافع و فوائد تابع سے بھی متبوع کو حاصل ہو جاتے ہیں۔

وَنَزَلَ لَمَّا فُقِدَتْ قَطِيْفَةٌ حَمْرَاءُ يَوْمَ بَدْرٍ فَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَعَلَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَهَا **وَمَا كَانَ يَنْبَغِىْ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ** ؕ يَخُوْنَ فِى الْغَنِيْمَةِ فَلَا تَظُنُّوْا بِهٖ ذٰلِكَ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ اَىْ يُنْسَبُ اِلَى الْغُلُوْلِ **وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ** ۚ حَامِلًا لَهٗ عَلٰى عُنُقِهٖ **ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ** اَلْغَالِّ وَغَيْرِهٖ جَزَاءَ **مَّا كَسَبَتْ** عَمِلَتْ **وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ** ﴿۱۶۱﴾ شَيْئًا **اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ** فَاَطَاعَ وَلَمْ يَغُلَّ **كَمَنْۢ بَآءَ** رَجَعَ **بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ** بِمَعْصِيَتِهٖ وَغُلُوْلِهٖ **وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ** ؕ **وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ** ﴿۱۶۲﴾ اَلْمَرْجِعُ هِىَ لَا **هُمْ دَرَجٰتٌ** اَىْ اَصْحَابُ دَرَجٰتٍ **عِنْدَ اللّٰهِ** اَىْ مُخْتَلِفُوا الْمَنَازِلِ فَلِمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ الثَّوَابُ وَلِمَنْ بَاءَ بِسَخَطِهٖ

اَلْعِقَابُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۶۳﴾ فَيُجَازِيْهِمْ بِهٖ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ اَىْ عَرَبِيًّا مِثْلَهُمْ لِيَفْهَمُوْا عَنْهُ وَيُشَرَّفُوْا بِهٖ لَامَلَكًا وَلَاعَجَمِيًّا يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ اَلْقُرْاٰنَ وَيُزَكِّيْهِمْ يُطَهِّرُهُمْ مِنَ الذُّنُوْبِ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ اَلْقُرْاٰنَ وَالْحِكْمَةَ ۚ اَلسُّنَّةَ وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ اَىْ اَنَّهُمْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ اَىْ قَبْلَ بَعْثِهٖ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴿۱۶۴﴾ بَيِّنٍ .

ترجمہ:............(جنگِ بدر کے غنائم میں ایک سرخ چادر کم نظر آئی تو بعض لوگ کہنے لگے کہ شاید آنحضرت ﷺ نے اس کو پسند فرمالیا ہو۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی) یہ بات ہرگز (مناسب) نہیں ہوسکتی نبیؐ سے کہ وہ کسی طرح کی خیانت کرے (مالِ غنیمت میں خیانت کرنے لگے،اس کے بارے میں ایسا گمان کیوں کرتے ہواور ایک قرأت میں لفظ یغل مجہول ہے یعنی منسوب الی الخیانت) اور جو کوئی خیانت کرتا ہے تو اس نے جو کچھ خیانت کی ہے اور قیامت کے روز اس کو لانا پڑے گا (اپنی گردن پر لاد کر) پھر ہر نفس کو پورا پورا بدلہ ضرور ملے گا (خواہ خیانت کا مجرم ہو یا اور طرح کا) اس کے (عمل کی) کمائی کا اس کے ساتھ (کسی طرح کی) ناانصافی نہ ہوگی۔کیا جس شخص نے اللہ کی خوشنودیوں کی راہ اختیار کی (کہ اطاعت کرلی اور خیانت نہ کی) وہ اس آدمی کی طرح ہوسکتا ہے جس نے بڑا (مستحق ہوا) اللہ تعالیٰ کے غضب کا (اپنی بدعملیوں اور خیانت کی وجہ سے) اور جس کا ٹھکانا جہنم ہے اور (وہ) بہت ہی برا ٹھکانا ہے (ہرگز یہ دونوں شخص برابر نہیں ہوسکتے) یہ لوگ بلند درجات (اہل مرتبہ) ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک (یعنی مختلف مراتب والے ہیں، جس نے اطاعت کی وہ ثواب کا مالک ہوا اور جو نافرمانی کا مرتکب ہوا اس کے لئے سزا ہے) اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے واقف ہیں (لہٰذا وہ ان کو بدلہ دیں گے) بلاشبہ اللہ نے مؤمنین پر بڑا ہی احسان کیا کہ اس نے ایک رسول ان میں بھیج دیئے جو ان ہی میں سے ہیں (یعنی ان کی طرح عربی ہیں تاکہ لوگ ان کی بات سمجھ سکیں اور آپؐ سے شرف حاصل کرسکیں۔نہ فرشتہ بنا کر بھیجا اور نہ عجمی) وہ آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں (قرآن پاک کی) اور انہیں پاک کرتے ہیں (ہر طرح کی برائیوں سے) ان کو تعلیم دیتے ہیں کہ کتاب (قرآن) اور حکمت (سنت) کی حالانکہ یہ (ان مخففہ ہے یعنی انہم) اس سے (یعنی آپ کی نبوت سے) پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

تحقیق وترکیب:............ان یغل . غل شیئا من الغنم غلولا اور اغل اغلالاً بولتے ہیں مراد خیانت کرنا چوری چھپے کوئی چیز لے لینا، اغلہ. اذا وجدہ غالاً حاصل یہ ہے کہ خیانت اور نبوت میں منافات ہے۔خواہ اس کو معروف پڑھا جائے یا مجہول ینسب الی الغلول جیسے بولتے ہیں الکذبۃ یعنی نسبۃ الی الکذب و من یغلل یہ حال بھی ہوسکتا ہے اور تقدیر عبارت فی حال علم الغال بعقوبۃ الغلول ہے۔یات یا تو حقیقۃً اسی چیز کو گردن پر لاد کر لائے گا یا اس کے وبال وگناہ کا بار اٹھائے گا۔افمن اتبع ہمزہ انکاری ہے جس کی طرف مفسرؒ نے لا نافیہ سے اشارہ کردیا ہے۔فا عاطفہ محذوف پر عطف ہے۔ای استوی الامران مراد اس سے مہاجرینؓ وانصارؓ ہیں۔درجات یعنی ہم متفاوتون کما تتفاوت الدرجات یا یہ معنی ہیں کہ اہل ثواب وعذاب کے منازل متفاوت ہوں گے یا ثواب وعقاب میں تفاوت بیان کرنا ہے۔

ربط وشانِ نزول:............بدر کے روز مال غنیمت کی ایک چادر گم ہوگئی۔بعض منافقین یا سادہ لوح اور کم سمجھ لوگ کہنے لگے کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پسند فرما کر رکھ لی ہو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپؐ نبی ہونے کی وجہ سے امین کامل ہیں نبوت وامانت میں لزوم اور نبوت وخیانت میں منافات ہے پس جس طرح آپ ﷺ کی نافرمانی کا مضر ہونا پچھلی آیات میں ثابت ہوچکا ہے اسی طرح

آپ ﷺ جیسے امین کے حکم کا نہ ماننا بھی یقیناً ضرر رساں ہے۔

﴿تشریح﴾:......**نبوت وامانت میں تلازم اور نبوت وخیانت میں منافات ہے:**......معترض اگر منافق تھا تب تو اس کی بے ہودگی ظاہر ہے لیکن اگر کسی سیدھے سادے اعرابی کا یہ قول تھا تو منشاء بدنیتی نہیں بلکہ آپ ﷺ کا صاحب تصرف ہونا پیش نظر ہوگا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ چیز حقیقۃً یا صورۃً خیانت ہے اور نبی ﷺ کی شان اس سے بالکل منزہ ہے۔ لفظ غلول چونکہ ہر طرح کی خیانت کو عام ہے خواہ حقیقۃً ہو یا بطور عموم مجاز کے ہر قسم کی خیانت کو شامل ہوگا۔ امانت انبیاءؑ کو یہاں بالدلیل ثابت کیا گیا ہے جس کی تقریر ظاہر ہے البتہ یات بما غل کی تفسیر حدیث ابو ہریرہؓ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں قیامت میں کسی کو اس حال میں نہ دیکھوں گا کہ اس کی گردن پر اونٹ وغیرہ لدا ہوا ہو اور وہ بولتا ہو اور میرے پاس امداد کے لئے آئے اور میں صاف جواب دے دوں کہ اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس پر کسی نے ابو ہریرہؓ کے سامنے اشکال ظاہر کیا کہ اگر کسی نے سو اونٹ چرائے ہوں تو وہ ان سب کو کس طرح گردن پر لادے گا؟ ابو ہریرہؓ نے جواب دیا کہ جس شخص کی ڈاڑھ اُحد پہاڑ کے برابر ہوں اور ربذہ سے مدینہ تک اس کی سرین ہوں کیا وہ اتنی چیز نہیں اٹھا سکتا؟

حدیث ابو ہریرہؓ عقلیت زدہ لوگوں کے لئے مسکت جواب ہے:............اس جواب سے آجکل کی فلسفہ زدہ طبائع کو مطمئن ہو جانا چاہئے نیز اللہ کی قدرت کے سامنے اس بڑا ہونے کی توجیہ کی بھی ضرورت نہیں ہے اور کوئی دلیل اس کے خلاف پر قائم نہیں اس لئے حقیقت کا قائل ہونا ضروری ہے۔ تاہم اگر تسکین عقل کا شوق ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ اگر خیانت شدہ چیز اجسام میں سے نہیں ہے تو اس کے لانے کی دو صورتیں ممکن ہیں یا تو مقصود صرف ان کا اظہار واعلان ہو جیسے کہا جائے کہ کیا خبر لائے ہو، دوسرے ممکن ہے کہ اس عالم میں معانی اور اعراض بھی اجسام کی شکل میں متمثل ہو جاتے ہوں اس لئے اُس عالم کو اِس عالم پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آخرت میں موت کو دُنبہ کی شکل میں لا کر ذبح کر دیا جائے گا یا نیک عمل ایک حسین وجمیل آدمی کی شکل میں آئے گا۔

آیت وما کان لنبی الخ سے معتزلہ کے لئے سزا کے وجوب پر استدلال کا موقعہ نہیں ہے اس قسم کی تمام آیات میں ان وعیدوں سے مراد صرف استحقاقِ عذاب بیان کرنا ہے لامحالہ وقوع بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ رحمتِ عالم اور نعمت کبریٰ ہیں:............لقد من اللہ سے آنحضرت ﷺ کی تعظیم واجلال میں اضافہ اور ترقی بیان کرنا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ آپ ﷺ امین کامل ہیں اور خیانتِ مجرمانہ سے بری ہیں بلکہ آپ ﷺ کا وجود باجود سارے انسانوں کے لئے نعمت عظیم ہے۔ امت اجابت (مؤمنین) تو آپ ﷺ کی وجہ سے دولت ایمان سے متمتع ہے ہی لیکن کفار بھی آپ ﷺ کی برکت سے خسف ومسخ وغیرہ عذابوں سے عام طور پر محفوظ ہیں۔ من انفسھم میں مفسرین نے تین توجیہیں کی ہیں۔ (۱) من انفسھم بمعنیٰ من قریش (۲) من انفسھم ای من العرب جیسا کہ خود مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے ان دونوں صورتوں کی تقریر تقریباً یکساں ہے جس کا بیان سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ (۳) من انفسھم سے مراد عام انسان ہوں جس کا قرینہ یہ ہے کہ مؤمنین کی صفت عام ہے اور انفسھم کی ضمیر اسی طرف راجع ہے اس لئے عام صفت کے تفسیر کرنا زیادہ بہتر ہوگا جس کا حاصل یہ ہوگا کہ انسان کو بہ نسبت جنات اور فرشتوں کے چونکہ انسان سے زیادہ مناسبت ہے اور یہ مناسبت ہی افادہ اور استفادہ کی شرط عظیم ہے اس لئے آپ ﷺ کو انسانوں میں انسان بنا کر بھیجا ہے۔

انسان، ملائکہ، جنات میں مابہ الامتیاز جامعیت ہے:............ رہا یہ شبہ کہ آنحضرت ﷺ تو جنات کے لئے بھی ہیں پھر غیر جنس ہونے کی وجہ سے جنات کیسے آپ ﷺ سے استفادہ کر سکیں گے لیکن انسان چونکہ جامع ہے اس میں ملائکہ اور جنات دونوں سے مناسبت موجود ہے اور یہ جامعیت جنات میں نہیں پائی جاتی۔ اس لئے جنات تو انسان سے بسہولت استفادہ کر سکتے ہیں مگر انسان جنات سے بآسانی استفادہ نہیں کر سکتا یا اس سہولت سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ انسان کے مصالح کو جنات کے مصالح پر مقدم رکھا گیا ہو کسی حکمت و مصلحت الٰہیہ کے ماتحت۔ اس لئے نبی کا انسان ہونا ضروری سمجھا گیا ہو لیکن اس صورت میں مؤمنین سے مراد صرف انسان مؤمن ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں اکثر خطابات انسانوں کو ہیں تاہم اس تخصیص پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر آپ ﷺ کی خصوصیت عموم بعثت باقی نہیں رہتی کیونکہ عموم بعثت دوسرے دلائل سے ثابت ہے اور اگر مؤمنین سے مراد تمام مکلفین بھی ہوں خواہ انسان یا جنات تو جنس سے مراد جنس منطقی ہوگی یعنی انسان اور جن دونوں حیوان کے تحت میں داخل ہوئیں۔ اس سے ملائکہ خارج رہیں گے کہ ان کی طرح مکلف نہیں خواہ حیوان میں داخل ہوں یا نامی کی قید سے خارج ہو جائیں۔ کیونکہ ملائکہ کا نمو ثابت نہیں ہے۔ آیت لقد من اللہ میں فوائد سے مراد اُخروی منافع ہیں کہ وہ مؤمنین کے ساتھ خاص ہیں باقی عمومی فوائد جیسے کہ آپ ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا ۱۰۱ سے کفار بھی متمتع اور منتفع ہیں اسی لئے پہلی امتوں جیسے عذاب سے وہ مامون ومحفوظ ہیں۔ (بیان القرآن)

اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ بِاُحُدٍ بِقَتْلِ سَبْعِيْنَ مِنْكُمْ **قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا** ۙ بِبَدْرٍ بِقَتْلِ سَبْعِيْنَ وَاَسْرِ سَبْعِيْنَ مِنْهُمْ **قُلْتُمْ** مُتَعَجِّبِيْنَ **اَنّٰى** مِنْ اَيْنَ لَنَا **هٰذَا** ۭ اَلْخُذْلَانُ وَنَحْنُ مُسْلِمُوْنَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ فِيْنَا وَالْجُمْلَةُ الْاَخِيْرَةُ فِيْ مَحَلِّ الْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِيِّ **قُلْ** لَهُمْ **هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ** ۭ لِاَنَّكُمْ تَرَكْتُمُ الْمَرْكَزَ فَخُذِلْتُمْ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۱۶۵﴾ وَمِنْهُ النَّصْرُ وَمَنْعُهُ وَقَدْ جَازَاكُمْ بِخِلَافِكُمْ **وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ** بِاُحُدٍ **فَبِاِذْنِ اللّٰهِ** بِاِرَادَتِهٖ **وَلِيَعْلَمَ** اللّٰهُ عِلْمَ ظُهُوْرٍ **الْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۱۶۶﴾ حَقًّا **وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا** ۚ وَ الَّذِيْنَ **قِيْلَ لَهُمْ** لَمَّا انْصَرَفُوْا عَنِ الْقِتَالِ وَهُمْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اُبَيٍّ وَاَصْحَابُهٗ **تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اَعْدَاءَهٗ **اَوِ ادْفَعُوْا** ۭ عَنَّا الْقَوْمَ بِتَكْثِيْرِ سَوَادِكُمْ اِنْ لَّمْ تُقَاتِلُوْا **قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ** نُحْسِنُ **قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ** ۭ قَالَ تَعَالٰى تَكْذِيْبًا لَهُمْ **هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ** ۚ بِمَا اَظْهَرُوْا مِنْ خُذْلَانِهِمْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَكَانُوْا قَبْلُ اَقْرَبَ اِلَى الْاِيْمَانِ مِنْ حَيْثُ الظَّاهِرِ **يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ** ۭ وَلَوْ عَلِمُوْا قِتَالًا لَمْ يَتَّبِعُوْكُمْ **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ** ﴿۱۶۷﴾ مِنَ النِّفَاقِ **اَلَّذِيْنَ** بَدَلٌ مِنَ الَّذِيْنَ قَبْلَهٗ اَوْ نَعْتٌ **قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ** فِي الدِّيْنِ **وَقَعَدُوْا** عَنِ الْجِهَادِ **لَوْ اَطَاعُوْنَا** اَيْ شُهَدَاءُ اُحُدٍ اَوْ اِخْوَانُنَا فِي الْقُعُوْدِ **مَا قُتِلُوْا** ۭ **قُلْ** لَهُمْ **فَادْرَءُوْا** اِدْفَعُوْا **عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۱۶۸﴾ فِيْ اَنَّ الْقُعُوْدَ يُنْجِيْ مِنْهُ وَنَزَلَ فِي الشُّهَدَاءِ **وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اَيْ لِاَجْلِ دِيْنِهٖ **اَمْوَاتًا** ۭ **بَلْ** هُمْ **اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ** اَرْوَاحُهُمْ فِيْ حَوَاصِلِ طُيُوْرٍ خُضْرٍ تَسْرَحُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ كَمَا وَرَدَ فِيْ

حَدِیۡثٍ **یُرۡزَقُوۡنَ﴿۱۶۹﴾** یَأۡکُلُوۡنَ مِنۡ ثِمَارِ الۡجَنَّۃِ **فَرِحِیۡنَ** حَالٌ مِنۡ ضَمِیۡرِ یُرۡزَقُوۡنَ **بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۙ وَیَسۡتَبۡشِرُوۡنَ** یَفۡرَحُوۡنَ **بِالَّذِیۡنَ لَمۡ یَلۡحَقُوۡا بِھِمۡ مِّنۡ خَلۡفِھِمۡ ۙ** مِنۡ اِخۡوَانِھِمُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَیُبۡدَلُ مِنَ الَّذِیۡنَ **اَ** اَیۡ بِاَنۡ **لَّاخَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ** اَیِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یَلۡحَقُوۡا بِھِمۡ **وَلَاھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ﴿۱۷۰﴾** فِی الۡاٰخِرَۃِ الۡمَعۡنٰی یَفۡرَحُوۡنَ بِاَمۡنِھِمۡ وَفَرَحِھِمۡ **یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَۃٍ** ثَوَابٍ **مِّنَ اللّٰہِ وَفَضۡلٍ ۙ** زِیَادَۃٍ عَلَیۡہِ **وَّاَنَّ** بِالۡفَتۡحِ عَطۡفًا عَلٰی نِعۡمَۃٍ وَالۡکَسۡرِ اِسۡتِیۡنَافًا **اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴿۱۷۱﴾** بَلۡ یَاۡجُرُھُمۡ ۔

ع ۱۷ / ۱۶ / ۸

ترجمہ:.........جب تم پر مصیبت پڑی (غزوۂ اُحد میں تم میں سے ستر آدمی قتل ہوگئے) اور یہ مصیبت ایسی تھی کہ اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں ان پر پڑ چکی ہے (غزوۂ بدر میں ان کے ستر آدمی قتل ہوئے اور ستر قید) تو تم بول اٹھے (اظہار تعجب کرتے ہوئے) کہاں سے (کدھر سے ہم پر) یہ (مصیبت آپڑی حالانکہ ہم مسلمان ہیں اور رسول اللہ ہم میں تشریف فرما ہیں اور جملہ اخیر استفہام انکاری ہے) کہہ دو (ان لوگوں سے) وہ مصیبت خود تمہارے ہاتھوں آئی (کیونکہ تم نے مورچہ چھوڑ دیا اس لئے کمزور پڑ گئے) یادرکھو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے (منجملہ اس کے کسی کی مدد کرنا اور نہ کرنا بھی ہے اور تم کو سزا تمہاری مخالفت کی وجہ سے ملی ہے) اور دو گروہوں میں مقابلہ کے دن تمہیں جو کچھ پیش آیا (جنگ احد میں) تو اللہ ہی کے حکم (ارادہ) سے پیش آیا اور اس لئے تاکہ ظاہر ہو جائے (اللہ پر کھلم کھلا) کہ ایمان رکھنے والے کون ہیں (فی الحقیقت) اور نفاق والے کون ہیں (اور وہ لوگ) جن سے کہا گیا (جنگ سے پسپائی کے وقت مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقاء ہیں) کہ آؤ یا تو اللہ کی راہ میں جنگ کرو (اس کے دشمنوں سے) یا دشمنوں کا حملہ روکو (اگر جنگ نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنی بھیڑ بھڑ کا سے ان کو پسپا ہی کر دو) تو کہنے لگے اگر ہمیں معلوم (محسوس) ہوتا کہ لڑائی ڈھنگ کی ہوگی تو ہم ضرور ی) تمہارا ساتھ دیتے (حق تعالیٰ ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرماتے ہیں) جس وقت انہوں نے یہ بات کہی تو وہ بمقابلہ ایمان کے کفر سے زیادہ نزدیک تھے) مسلمانوں کی رسوائی ظاہر کرنے کے سبب سے حالانکہ اس قول سے پہلے ظاہر طور پر ایمان سے قریب معلوم ہوگئے تھے) یہ لوگ زبان سے ایسی بات کہتے ہیں جو فی الحقیقت ان کے دلوں میں نہیں ہے (اگر ان کو واقعی اور باقاعدہ جنگ محسوس ہوتی تو ہرگز تمہارے ساتھ نہ رہ سکتے) اور اللہ تعالیٰ زیادہ باخبر ہیں دلوں میں جو کچھ (نفاق) چھپائے ہوئے ہیں جن لوگوں کا حال یہ ہے (پہلے الذین سے بدل یا نعت ہے) کہ اپنے (دینی) بھائیوں کے حق میں کہتے ہیں حالانکہ خود (جنگ سے دم چرا کر) بیٹھ رہے کہ اگر ہماری بات پر چلے ہوتے (شہداء احد یا ہمارے بھائی اس بیٹھ رہنے میں) تو کبھی نہ مارے جاتے کہہ دو (ان سے) اچھا نکال باہر کرنا موت کو جب تمہارے سرہانے آ کھڑی ہو، اگر تم واقعی سچے ہو (اس بارے میں کہ گھر بیٹھ رہنا موت کے منہ میں جانے سے بچالیتا ہے۔ شہداء کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ) اور جو لوگ قتل ہوئے (قتلوا تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) اللہ کی راہ میں (دین کی خاطر) ان کی نسبت ایسا خیال نہ کرنا کہ وہ مرگئے۔ نہیں بلکہ (وہ) زندہ ہیں اپنے پروردگار کے حضور (ان کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں بیٹھ کر جہاں چاہیں اڑتی پھرتی ہیں۔ (کمافی الحدیث) اپنی روزی پا رہے ہیں (جنت کے پھل کھاتے ہیں) خوش ہیں (ضمیر یرزقون سے حال ہے) اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اپنے فضل وکرم سے انہیں عطا فرمایا ہے اور (وہ) خوش (فرحاں) ہو رہے ہیں ان کے لئے جو ان سے پیچھے رہ گئے ہیں اور ابھی ان سے ملے نہیں ہیں (اپنے مسلمان بھائیوں سے اور الذین سے بدل ہے) کہ (ان بتقدیر بـــان ہے) نہ تو ان کے لئے کسی طرح کا کھٹکا ہوگا (جو ابھی سابقین سے نہیں ملے) اور نہ کسی طرح کی غمگینی ہوگی (آخرت میں۔ حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ امن وفرح سے خوش ہوں گے) وہ مسرور ہوں گے اللہ تعالیٰ کی نعمت (ثواب) اور فضل (اضافہ) سے نیز

اس بات سے کہ بلاشبہ (ان بالفتح نعمت پر عطف ہے اور بالکسر استینافیہ ہے) اللہ تعالیٰ ایمان رکھنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتے (بلکہ ان کو عطا کرتے ہیں)

تحقیق وترکیب: ....**اولما** ہمزہ استفہام انکاری لفظ **قلتم** پر داخل ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے **اقلتم ماذکر لما اصابتکم ای ماینبغی لکم ان یصدر عنکم القول المذکور** اور لفظ **لما** شرط کے لئے غیر جازمہ رابطہ ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ حرف ہے یا ظرف اور مابعد شرط ہے۔ جواب شرط **قلتم انی ھذا** ہے۔ ہمزہ کے بعد واو استینافیہ ہے **قد اصبتم** محل رفع میں ہے **مصیبۃ** کی صفت ہونے کی وجہ سے **وما اصابکم ما** بمعنی **الذی** مبتداء ہے اور خبر **فباذن اللہ** ہے **ای واقع باذن اللہ** اور خبر پر فا مبتداء کے مشابہ بالشرط ہونے کی وجہ سے ہے جیسے **الذی یا تینی فلہ درھم۔ ولیعلم** اس لام میں دو قول ہیں ایک یہ کہ **فباذن اللہ** کے معنی پر عطف ہے ایک سبب کا عطف دوسرے سبب پر ہے۔ ایک سبب علت ہے اور دوسرا سبب حکمت اور دوسرا قول یہ ہے کہ محذوف سے متعلق ہے **ای وفعل ذٰلک ای ما اصابکم لیعلم** تقدیر کلام اس طرح ہو کہ **فباذن اللہ لیکون کذا من المحیص او اتخاذ الشھداء ولیعلم المؤمنین الخ۔ ارادۃ اللہ** کو **اذن اللہ** سے تعبیر کیا گیا ہے لوازم میں سے ہونے کی وجہ سے۔

حقا مفسر علام نے تمیز محذوف کی طرف اشارہ کردیا ہے اور چونکہ **یعلم** متضمن ہے معنی **یظھر** کو اس لئے متعدی بیک مفعول ہے تنکیر سواد بول کر تکثیر عدد مراد لیا جاتا ہے **ھم یومئذ** ضمیر مبتداء ہے اور **اقرب** خبر ہے اور **یومئذ للکفر** اور **للایمان** کے لام کے متعلق ہے اور بعض لوگوں نے اسم تفضیل کے ساتھ لفظاً ومعناً دو متحد حرفوں کا تعلق صحیح اور جائز کہا ہے۔

ولیعلم الذین نافقوا فعل کا اعادہ مؤمنین کے شرف اور منافقین سے الگ کرنے کے لئے ہے۔ **وقیل لھم** اس کا عطف **نافقوا** پر ہے۔ **قالوا لو نعلم** یہ استیناف بیانی ہے **ای فماصنعوا حین قیل لھم ذٰلک فقیل قالوا الخ**

قاتلوا فی سبیل اللہ مقصود اس میں جزء اول **قاتلوا** ہے باقی "**فی سبیل اللہ**" کی قید بلحاظ بعض یا کل کے واقعی ہے۔ مطلق جہاد سے کنایہ ہے گویا بمعنی لوجہ اللہ ہے۔ جس سے منافقین ممتاز ہوجاتے ہیں۔

الذین اس میں وجوہ اعراب متعدد ہیں۔ (۱) رفع (۲) نصب (۳) جر، پھر رفع میں تین وجہ ہیں (۱) مبتدائے محذوف کی خبر ہو، **ای ھم الذین** (۲) **یکتمون** کی ضمیر سے بدل ہو (۳) مبتداء ہو اور **قل فادرء وا** اس کی خبر ہو۔ اس صورت میں خبر کی جانب عائد محذوف ماننا پڑے گا۔ اسی طرح نصب میں تین وجوہ جاری ہوسکتی ہیں۔ (۱) نصب علی الذم یعنی **اذم الذین** (۲) **الذین نافقوا** سے بدل ہو (۳) **لھم** کی صفت ہو۔ البتہ جر میں دو وجہ جاری ہوں گی۔ (۱) **بافواھم** کی ضمیر سے بدل ہو (۲) **فی قلوبھم** کی ضمیر سے بدل ہو۔

لاخوانھم دینی یا نسبی بھائی مراد ہیں یا سکونتِ مکان یا عداوتِ نبی میں شریک کار لوگ مراد ہیں۔

وقعدوا مفسر علامؒ نے اشارہ کردیا ہے کہ یہ جملہ حال ہے۔ ضمیر **قالوا** سے **فادرء وا** چنانچہ مروی ہے کہ ان میں سے ستر منافقین بغیر جنگ میں شریک ہوئے گھر بیٹھے ہی مرگئے۔ **عند ربھم** یہ اور **یرزقون** دونوں **احیاء** کی صفت ہیں اور ضمیر **احیاءً** سے حال بھی ہوسکتے ہیں اور **فرحین** ضمیر **یرزقون** سے حال ہے اور **من فضلہ** عائد محذوف سے حال ہے تقدیر کلام اس طرح ہے **اتا ھموہ کائنا من فضلہ** اور **یستبشرون** معطوف ہے **فرحین** پر اور ضمیر **فرحین** یا **اتاھم** سے حال بھی ہوسکتا ہے اور **من خلفھم یلحقوا** سے متعلق ہے اور حال بھی ہوسکتا ہے اشارہ اس طرف ہے کہ شہداء کو حیاتِ حقیقیہ حاصل ہے، کھاتے پیتے ہیں۔

ان لا اشارہ اس طرف ہے کہ **ان** اور اس کا مابعد محل خبر میں بدل الاشتمال ہے۔ **الذین لم یلحقوا** سے کیونکہ مقصود استبشار سے

ان کے اخوان کا حال ہے نہ ان کی ذوات اور حاصل انتفاء حزن وخوف کا دوام ہے نہ ان کے دوام کی نفی۔ خوف متوقع غم کو کہتے ہیں اور حزن فوت شدہ نفع اور حاصل شدہ ضرر پر غم کو کہتے ہیں۔ **لا یضیع اجر المؤمنین** لفظ اجر باب ضرب اور قتل سے ہے اور آجرہ مد ہمزہ کے ساتھ تیسر الغت ہے۔

ربط:.......... اُحد کی شکست کا زخم اور غم چونکہ کاری تھا۔ اسی کے اندمال اور تسلی کے لئے حکمت ومصلحت کی طرف توجہ کی باگ پھیری جارہی ہے اور آیت **اولما اصابتکم** میں اسی کا بیان ہے اور منافقین کے اس خیال کی تردید آیت **ولاتحسبن الخ** میں کی جارہی ہے کہ شہداء کی موت لذائذ دنیا سے حرمان اور ناکامی کا باعث ہوتی ہے۔

شانِ نزول:.......... ابن ابی حاتمؒ نے عمر بن الخطابؓ سے لباب النقول میں تخریج کی ہے کہ غزوۂ بدر میں جو اساریٰ بدر کے سلسلہ میں فدیہ قبول کرلیا گیا تھا اس سلسلہ میں مؤاخذہ ہوا اور احد میں ستر صحابہ قتل کئے گئے اور عام اصحاب پسپا ہوئے اور آنحضرت ﷺ کو جسمانی صدمات پہنچے تو اس پر آیت **اولما اصابتکم الخ** نازل ہوئی۔ نیز لباب النقول میں امام احمدؒ اور ابوداؤدؒ اور حاکمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شہدائے اُحد کی ارواح کو حق تعالیٰ نے سبز پرندوں کے جوف میں کرکے اس کا موقعہ بخشا ہے کہ وہ جنت کی نہروں پر آئیں اور اس کے پھل کھائیں۔ سونے کی قندیلوں میں عرش کے نیچے لٹکی رہیں، اس خوشحالی کی وجہ سے وہ اپنے دوسرے بھائیوں کے بارے میں شوق جہاد اور نفرت عن الضرار کی تمنا کرتی ہیں حق تعالیٰ ان کی اس تمنا کو دوسروں تک پہنچانے کا وعدہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں **ولاتحسبن الخ**۔

﴿تشریح﴾:...... جنگِ اُحد منافقین اور مخلصین کے درمیان ایک فیصلہ کُن آزمائش تھی:.......... جنگِ احد کا معاملہ ان منافقین کے لئے فیصلہ کن آزمائش تھی جو مسلمانوں کے ساتھ ملی جلی زندگی بسر کررہے تھے اس موقع پر ان کا نفاق پوری طرح کھل گیا۔ اول سے آخر تک کوئی ایسا مرحلہ نہیں آیا جس میں اپنی فتنہ پردازی سے یہ لوگ باز رہے ہوں۔ ان سے جب کہا گیا شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرو تو یہ کہہ کر لوگوں کو بہکانا شروع کردیا کہ باہر نکل کر لڑنا موت کے منہ میں جانا ہے اور جب کہا گیا کہ اچھا شہر کی مدافعت کرو تب بھی لگے طرح طرح کے حیلے بہانے کرنے، پھر جب لوگوں کی کمزوری اور حکم عدولی سے مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہونے لگی تو انہیں پھر شرارت کا ایک نیا موقع ہاتھ آ گیا۔ کبھی کہتے ہماری بات نہ ماننے کی وجہ سے ایسا ہوا، کبھی کہتے کہ روز روز کی لڑائی سے کیا فائدہ دشمنوں کو راضی رکھنے میں نجات ہے غرضکہ اس طرح کی بکواس کا حاصل مسلمانوں کے دلوں میں مایوسی اور ہراس پیدا کرنا تھا کہ ان کی کوئی بات بھی ٹھیک طور پر نہ بن سکے۔

صحابہؓ پر دوسروں کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے:.......... شکست کے اس واقعہ میں عتاب کے بعد صحابہؓ کو جا بجا تسلی دی گئی ہے اس پر دوسرے نافرمانی کرنے والے دھوکہ نہ کھائیں کہ ہمارے گناہ میں بھی یقیناً کوئی نہ کوئی حکمت ومصلحت الٰہیہ ہوگی۔ اس لئے کیا غم؟ کیونکہ صحابہؓ کے معاملہ پر خود کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے اول تو ان سے یہ غلطی اجتہاداً اور لغزش خطأً ہوئی تھی۔ مخالفت یا نافرمانی کا جذبہ اور داعیہ نہیں تھا دوسرے ان پر جو ندامت وغم کا پہاڑ ٹوٹا ہے وہ توبہ کا اعلیٰ درجہ تھا اس لئے مختلف پیرایوں میں ان کے سنبھالنے کا سامان کیا گیا ہے لیکن جو شخص دیدہ دانستہ ارادۃً گناہ کرے پھر اس پر دلیری بھی دکھلائے وہ کیا مستحق ملائمت ہوسکتا ہے؟ وہ تو لائق ملامت وعتاب ہونا چاہئے۔

ابن جریرؒ کی روایت وقد وعدھم الفتح ان صبروا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے وعدہ فتح کیا گیا تھا۔اس پر شبہ یہ تھا کہ پھر یہ وعدۂ فتح شکست میں کیوں تبدیل ہوا؟اس کا جواب ھو من عند انفسکم میں دیا گیا ہے کہ اگر تم رسول اللہ کی اطاعت پر مستمر رہتے تو ضرور وعدہ کا ایفاء ہوتا کیونکہ وعدہ مشروط تھا لیکن اب تو ساری ذمہ داری تمہارے سر پڑ گئی، البتہ بعض موقعوں پر باوجود صبر و استقلال اور اطاعت احکام کے پھر مسلمان مغلوب ہو جاتے ہیں تو اس شبہ کا حل یہ ہے کہ وعدہ فتح میں خاص حضرات صحابہؓ مراد تھے۔ یہ وعدہ عام نہیں تھا کہ اس کا کلیہ ہونا ضروری ہو اور پھر کلیہ کے خلاف ہونا باعث شبہ ہو۔

لطائف آیت: .... صحابہؓ کے قول انی ھذا کے کئی جواب دیئے گئے ہیں اول اصبتم مثلیھا دوسرے من عند انفسکم تیسرے فباذن اللہ سے اور بعض حکمتوں کو مجمل چھوڑ دیا گیا ہے جن میں سے بعض کا بیان پہلے ہو چکا ہے اور اخوانھم سے مراد یہاں صرف ہم نسب ہیں اور اس سے پہلے اخوانھم سے مراد عام تھی خواہ نسبی ہوں یا ہم مشرب شہداء کے بارے میں خسارہ کا خیال جو منافقین نے قائم کر رکھا تھا ان آیات میں اس کی تردید بھی ہے اور ان پر تعریض بھی ہے کہ منافقین کے اخوان طریق مقتول فی سبیل اللہ نہیں ہیں اگر یہ شہید ہوتے تو ان کو بھی یہ فضائل حاصل ہوتے۔

لایضیع اجر المؤمنین سے معلوم ہوا کہ اعمال کی قبولیت کی شرط ایمان ہے۔اسی لئے مقتولین کی بجائے مؤمنین کہا ہے۔

ولاتحسبن الذین الخ معلوم ہوا کہ شہداء مجاہدین جس طرح غیر شہداء مجاہدین کے باب میں اپنے جیسے ہونے کی تمنا کرتے ہیں اسی طرح اہل جہاد اکبر (اہل مشاہدہ عشاق سالکین) اور محجوبین کے درمیان ہے کہ ایک دوسرے کے لئے اپنی حالت پر ہونے کی تمنا کر رہا ہے۔

اَلَّذِیْنَ مُبْتَدأٌ **اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ** دُعَاءَہٗ بِالْخُرُوْجِ لِلْقِتَالِ لَمَّا اَرَادَ اَبُوْسُفْیَانَ وَاَصْحَابُہُ الْعَوْدَ وَتَوَاعَدُوْا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُوْقَ بَدْرٍ الْعَامَ الْمُقْبِلَ مِنْ یَوْمِ اُحُدٍ **مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ** بِاُحُدٍ وَخَبَرُ الْمُبْتَدأِ **لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْھُمْ** بِطَاعَتِہٖ **وَاتَّقَوْا** مُخَالَفَتَہٗ **اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۲﴾** ھُوَ الْجَنَّۃُ **اَلَّذِیْنَ** بَدَلٌ مِنَ الَّذِیْنَ قَبْلَہٗ اَوْنَعْتٌ **قَالَ لَھُمُ النَّاسُ** اَیْ نُعَیْمُ بْنُ مَسْعُوْدِ الْاَشْجَعِیُّ **اِنَّ النَّاسَ** اَبَاسُفْیَانَ وَاَصْحَابَہٗ **قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ** الْجُمُوْعَ لِیَسْتَاصِلُوْاکُمْ **فَاخْشَوْھُمْ** وَلَاتَأْتُوْھُمْ **فَزَادَھُمْ** ذٰلِکَ الْقَوْلُ **اِیْمَانًا** تَصْدِیْقًا بِاللّٰہِ وَیَقِیْنًا **وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ** کَافِیْنَا اَمْرَھُمْ **وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ﴿۱۷۳﴾** اَلْمُفَوَّضُ اِلَیْہِ الْاَمْرُ ھُوَ وَخَرَجُوْا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَوَافَوْا سُوْقَ بَدْرٍ وَاَلْقَی اللّٰہُ الرُّعْبَ فِیْ قَلْبِ اَبِیْ سُفْیَانَ وَاَصْحَابِہٖ فَلَمْ یَاْتُوْا وَکَانَ مَعَھُمْ تِجَارَاتٌ فَبَاعُوْ وَرَبِحُوْا قَالَ تَعَالٰی **فَانْقَلَبُوْا** رَجَعُوْا مِنْ بَدْرٍ **بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ** بِسَلَامَۃٍ وَرِبْحٍ **لَّمْ یَمْسَسْھُمْ سُوْٓءٌ** مِنْ قَتْلٍ اَوْ جُرْحٍ **وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰہِ** بِطَاعَتِہٖ وَرَسُوْلِہٖ فِی الْخُرُوْجِ **وَاللّٰہُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۷۴﴾** عَلٰی اَھْلِ طَاعَتِہٖ **اِنَّمَا ذٰلِکُمُ** الْقَائِلُ لَکُمْ اِنَّ النَّاسَ ...... الخ **الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ** کُمْ **اَوْلِیَآءَہٗ** الْکُفَّارَ **فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ** فِیْ تَرْکِ اَمْرِیْ **اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾** حَقًّا **وَلَایَحْزُنْکَ** بِضَمِّ الْیَاءِ وَکَسْرِ الزَّایِ وَبِفَتْحِھِمَا وَضَمِّ الزَّایِ مِنْ حَزَنَہٗ لُغَۃٌ فِیْ اَحْزَنَہٗ **الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ** یَقَعُوْنَ

فِیْہِ سَرِیْعًا بِنُصْرَتِہٖ وَھُمْ اَھْلُ مَکَّۃَ اَوِ الْمُنَافِقُوْنَ اَیْ لَا تَھْتَمَّ لِکُفْرِھِمْ **اِنَّھُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیْئًا** بِفِعْلِھِمْ وَاِنَّمَا یَضُرُّوْنَ اَنْفُسَھُمْ **یُرِیْدُ اللّٰہُ اَلَّا یَجْعَلَ لَھُمْ حَظًّا** نَصِیْبًا **فِی الْاٰخِرَۃِ** اَیِ الْجَنَّۃِ فَلِذٰلِکَ خَذَلَھُمْ **وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾** فِی النَّارِ **اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ** اَیْ اَخَذُوْہُ بَدَلَہٗ **لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰہَ** بِکُفْرِھِمْ **شَیْئًا وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۷﴾** مُؤْلِمٌ

ترجمہ:.........جن لوگوں نے (یہ مبتدا ہے) اللہ اور رسول کی پکار کا جواب دیا (دعوت جہاد کو مان لیا جبکہ ابوسفیان اور اس کے رفقاء نے میدان جنگ میں دوبارہ آنے کا ارادہ کیا اور احد سے اگلے سال کے لئے مقام بدر میں آنے کا آنحضرت ﷺ سے وعدہ کرلیا) باوجودیکہ زخم کھا چکے تھے (غزوۂ احد میں مبتداء کی خبر یہ ہے) ان لوگوں میں سے جو نیک ہیں (اپنے کردار کے لحاظ سے) اور ڈرتے ہیں (آپ کی نافرمانی سے) ان کے لئے بہت بڑا اجر (جنت) ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں (پہلے الذین سے یہ بدل ہے یا نعت) جن سے بعض آدمی (نعیم بن مسعود اشجعی) کہتے تھے کہ دشمن لوگوں (ابوسفیان اور ان کے رفقاء) نے بہت بڑا گروہ اکٹھا کرلیا ہے (تاکہ تمہاری بیخ کنی کرسکیں) اس لئے تم کو چاہئے کہ ان سے ڈرتے رہو (اور ان کے قریب بھی نہ پھٹکو) لیکن (اس قول نے) ان کا ایمان (اللہ کی تصدیق و یقین) اور زیادہ مضبوط کردیا اور وہ بول اٹھے کہ ہمارے لئے اللہ کا سہارا کافی ہے (ان کا حکم ہمارے لئے بس ہے) اور کیا ہی اچھا کارساز ہے (تمام باتوں کا چارہ ساز ہے وہ چنانچہ صحابہؓ آنحضرت ﷺ کی ساتھ مِل کر نکلے اور مقام بدر میں پہنچ گئے لیکن اللہ نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے دل میں اس قدر رعب جمادیا کہ وہ نہیں آسکے۔ مسلمانوں کے پاس جو کچھ سامان تجارت تھا اس کو خرید وفروخت کرکے خوب نفع کمایا حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) پھر واپس آگئے (بدر سے لوٹ گئے) اللہ کی نعمت اور فضل (سلامتی اور منافع) کے ساتھ کوئی گزند (قتل وزخم) انہیں نہیں چھوسکا وہ اللہ کی خوشنودی (اس کی راہ میں نکلنے کے لئے اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرکے) کی راہ میں گامزن ہوئے اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل رکھنے والے ہیں (اپنے فرمانبرداروں پر) اور یہ (مخبر جو تمہیں کہہ رہا تھا ان الناس الخ) اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ شیطان تھا جو تمہیں اپنے ساتھیوں (کفار) سے ڈرا رہا تھا تو تم شیطان کے ساتھیوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو (میرا کہنا نہ ماننے میں) اگر تم ایمان رکھنے والے ہو (باَیقین) اور اے پیغمبر آپ آزردہ خاطر نہ ہوجائیے (یحزنک ضم یا اور کسر زا کے ساتھ ہے یا فتح یا اور ضم زا کے ساتھ ہے حزنہ سے مشتق ہے جو احزنہ کا ایک لغت ہے) ان لوگوں کی حالت سے جو کفر کی راہ میں دوڑ رہے ہیں (کفر کی ..کرکے جو جلد اس میں پڑجاتے ہیں۔ مراد اس سے اہل مکہ یا منافقین ہیں حاصل یہ ہے کہ آپ ان کے کفر کو اہم نہ سمجھئے) یقین رکھو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے (اپنی حرکتوں سے بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ ان کے لئے کوئی حصہ (نصیب) نہ رہے آخرت (جنت) میں (اسی لئے ان کو رسوا کیا گیا ہے) اور بالآخر ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے (جہنم میں) جن لوگوں نے ایمان دے کر کفر کا سودا چکایا ہے (کفر ایمان کے بدلہ میں لے لیا ہے) وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے (اپنے کفر کی وجہ سے) اور ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔

تحقیق وترکیب:.........**الذین استجابوا** جلال محققؒ کا کلام اس مقام پر غلط ہوگیا ہے کیونکہ **دعاہ بالخروج** سے مراد غزوہ "حمراء الاسد" ہے جو روز یک شنبہ کو غزوۂ احد سے ایک روز بعد پیش آیا غزوۂ احد سنیچر شوال ۳ھ میں پیش آیا اور **الذین استجابوا** بھی حمراء الاسد ہی کی طرف اشارہ ہے اور مفسرؒ علام کا قول **وتواعدوا** اشارہ ہے غزوۂ بدر صغریٰ کی طرف جو تیسرا غزوہ شعبان ۴ھ میں

احد سے ایک سال بعد پیش آیا اور الـذیـن قالوا الخ سے اشارہ بھی اسی کی طرف ہے غزوہ کہتے ہیں خروج للقتال کو اگرچہ قتال نہ ہو ان چند رکوع میں چار غزوات کا بیان ہے۔غزوہ بدر کبریٰ، غزوہ احد، احد سے اگلے روز غزوۂ حمراء الاسد، غزوۂ بدر صغریٰ جو احد سے ایک سال بعد ہوا۔منهم یہاں من تبیین کے لئے ہے جیسے وعـد الله الذين امنوا وعملوا الصلحت منهم الخ من تبعیضیہ نہیں کیونکہ یہ تمام حضرات ان اوصاف کے ساتھ متصف تھے اجـر عـظـیـم یہ مبتداء ہے اور اس سے پہلے جار مجرور اس کی خبر اور جملہ مل کر الـذیـن استجابوا کی خبر ہے۔

لهـم الناس مراد صرف ایک شخص نعیم اشجعی ہے کیونکہ جنس خامس میں داخل ہے جیسے کہا جائے فلان یر کب الخیل حالانکہ اس کے صرف ایک ہی گھوڑا ہو اور یا دوسرے افراد بھی اس کے ساتھ شریک ہو گئے ہوں۔

فـزادهم ایمانًا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جب ارشاد فرمایا کہ والله لاخـرجن ولو لم یخرج معی احد تو ستر صحابہؓ آپؐ کے ساتھ حسبنا الله ونعم الوکیل کہتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔فانقلبوا اس کا معطوف علیہ مفسر علامؒ نے وخرجوا مع النبی الخ مقدر نکال دیا ہے لم یمسسهم ضمیر انقلبوا سے حال ہے علی هذا بنعمة تقدیر عبارت اس طرح ہوگی فرجعوا من بدر منعمین بـریـئـیـن من سوء. واتبعوا اس میں دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں یا تو انـقلبوا پر اس کا عطف کرلیا جائے یا انـقلبوا کی ضمیر سے حال مان لیا جائے اور لفظ قد اس وقت مقدر ہوگا ای قـد اتبعوا. یـخوف جملہ مستانفہ ہے شیطنت کے بیان کے لئے اور شیطان صفت ہے اسم اشارہ کی اور یخوف خبر ہے اس کا مفعول اول محذوف ہے جس کی طرف لفظ کم سے مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے اور اولیاء ہ مفعول ثانی ہے اور بعض کی رائے ہے کہ اولیاء ہ مفعول اول ہے کیونکہ اس سے مراد منافقین ہیں۔ان کـنـتـم مؤمنین کیونکہ مقتضی ایمان یہ ہے کہ بندہ اللہ کے خوف کو غیر اللہ کے خوف پر ترجیح دے۔یـقـعـون اس سے مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ لفظ مسارعت جس کا تعدیہ الـی کے ساتھ ہونا چاہئے جیسا کہ وسـارعـوا الـی مغفرة الخ میں ہے لیکن یہاں لفظ فی کے ساتھ تعدیہ کر کے بتلا دیا کہ یہ متضمن معنی وقوع کو ہے اور مقصود استقرار فی الکفر اور دوام ہے جیسے دوسری جگہ یسارعون فی الخیرات فرمایا گیا ہے۔

یـریـد الله اس سے معلوم ہوا کہ آخرت میں ثواب سے حرمان جو بغیر کفر و معاصی کے نہیں ہوتا وہ کفر و معاصی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادۂ تکوینی سے ہوتا ہے اس سے ارادۂ تشریعی یعنی رضا پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ان الـذیـن الـخ پہلی آیت میں صرف منافقین کا بیان تھا اور اس میں کفار کے لئے بھی تعمیم یا تخصیص ہے یا دونوں آیات کا لفظاً اور معنیً مفہوم یکساں قرار دیا جائے تو پھر دونوں کو منافقین مان لیا جائے۔شیـئـا منصوب علی المصدریت ہے۔ای شیـئـا مـن الـضـرر. عـذاب الیم پہلے عذاب کی صفت عظیم لائی گئی اور یہاں الیم لائی گئی ہے۔کیونکہ کسی چیز کی طرف مسارعۃ اس کی عظمت کا تقاضا کرتی ہے اور کاروبار میں خسارہ کا ہونا باعث الم ہوا کرتا ہے۔

ربط :.........غزوۂ احد سے اگلے ہی روز حمراء الاسد کے نام سے جو غزوہ ہوا ان آیات میں اس کا تذکرہ ہے اور آیت لایحزنـک میں قلبِ نبوی کو جو ایذائیں پہنچیں ان کا ازالہ اور تسلی ہے۔

شانِ نزول:.........آیتِ سابقہ سـنـلـقـی فی قلوب الذین کفروا الرعب الخ میں بطور پیشن گوئی جس رعب کا تذکرہ تھا اس کا وقوع غزوۂ احمراء الاسد کی صورت میں ہوا۔غزوۂ احد میں مسلمان اگرچہ کامیاب نہیں ہوئے تھے لیکن کفار بھی ناکام نہیں ہوئے تھے تاہم تھوڑی دور واپس جانے کے بعد کفار کو سخت افسوس ہوا کہ ناحق ہم واپس آئے فوراً چل کر مسلمانوں کا بھی استیصال کر دینا چاہئے یہ خیال تو آیا لیکن ہمت نے کچھ ایسا جواب دیا کہ واپسی کے لئے قدم نہیں اٹھ سکے بلکہ مکہ ہی کی طرف قدم اٹھتے رہے۔

معبد خزاعی جو اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ تھے مسلمانوں کے پاس سے آتے ہوئے مقام روحا میں کفار سے جا ملے۔ مسلمانوں کی بابت کفار نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے واقعہ کی صحیح تصویر اور مسلمانوں کی خداداد شان وشوکت عمدہ پیرایہ میں ظاہر کردی۔ جس سے رہے سہے حوصلے بھی پست ہوگئے اور قدم جم کر رہ گئے۔ زیادہ سے زیادہ تیر جو اس موقعہ پر چلا سکے یہ تھا کہ اتفاقاً راہ میں قبیلہ عبدالقیس مدینہ طیبہ جاتے ہوئے مل گیا ان کفار نے بمنت اس کو اس پر آمادہ کیا کہ تم محمد ﷺ سے مل کر ہماری ہیبت وخوف کسی طرح ان کے دل میں بٹھلا دینا اور یہ کہنا کہ مسلمانوں کے استیصال کے لئے انہوں نے بڑا ساز وسامان کیا ہے اور عنقریب آکر سب کا کام تمام کردیں گے لیکن جوں ہی یہ خبر مسلمانوں نے سنی سب نے بالاتفاق پورے استقلال سے حسبنا اللہ الخ کہا غرضکہ آپ ﷺ بامر الٰہی ان کے تعاقب میں حمراء الاسد تک روانہ ہوئے جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے اور تین روز دوشنبہ سے چہارشنبہ تک ۱۷ تا ۱۹ شوال قیام پذیر رہے مگر کسی کافر کا نشان تک نہیں ملا۔ اتفاق سے ایک تجارتی قافلہ کا گزر ہوا جس سے آنحضرت ﷺ نے مال تجارت خریدا اور اس میں آپ ﷺ کو بڑا نفع ہوا جس کو آپ ﷺ نے اپنے مسلمان ہمراہیوں پر تقسیم فرمادیا۔

بعض مفسرین نے ان آیات سے متعلق ایک دوسرے قصہ کا ذکر کیا ہے کہ ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں نے احد سے لوٹتے ہوئے کہا تھا یا **محمد موعدنا موسم بدر القابل ان شئت** آنحضرت ﷺ نے جواباً فرمایا **ان شاء اللہ تعالیٰ** چنانچہ اگلے سال اہل مکہ کے ساتھ ابوسفیان آنے لگے۔ مرالظہر ان ہی تک آنا ہوا کہ دلوں میں خدا نے ایسی ہیبت بٹھلادی کہ آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ نعیم اشجعی سے ملاقات ہوگئی جو عمرہ کرکے واپس لوٹ رہے تھے ان کو پٹی پڑھائی چنانچہ مدینہ آکر مسلمانوں کے سامنے بہت بڑھ چڑھ کر باتیں بنائیں جس سے بعض سادہ لوحوں میں سن کر تقاعد بھی پیدا ہوگیا لیکن آپ ﷺ کے عزم کی پختگی دیکھ کر صحابہ بھی تیار ہوگئے۔

﴿تشریح﴾:......غزوۂ حمراء الاسد کا تذکرہ:.........اس موقعہ پر بھی منافقین نے دشمنوں سے مل کر ہر طرح کی شرارتیں کیں، دشمن چاہتے تھے کہ ڈر جانے کی ذلت ان کے حصہ میں نہ آئے بلکہ مسلمانوں کے حصہ میں آئے، چنانچہ ابوسفیان نے نعیم سے یہ الفاظ کہے تھے **انی واعدت محمدًا ان تلقی بموسم بدر وان ہذا عام جدب ولا یصلح لنا الا عام نرعی فیہ الشجر ونشرب فیہ اللبن وقد بدالی ان اخرج الیہ واکرہ ان یخرج محمد ولا اخرج انا فیز یدھم ذٰلک جراۃ ولان یکون الخلف من قبلھم احب الی من ان یکون من قبلی فالحق بالمدینۃ فثبطھم واعلمھم انی فی جمع کثیر ولاطاقۃ لھم بنا.** اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کام پر آمادہ کرنے کے لئے نعیم کو رشوت بھی پیش کی۔ **فلک عندی عشرۃ من الابل اضعھا فی ید سھیل بن عمرو ویضمنھا فجاء سھیل فقال لہ نعیم یا ابایزید تضمن لی ذٰلک وانطلق الی محمد واثبطہ فقال نعم** چنانچہ نعیم اپنے منصوبہ کی تکمیل کے لئے اٹھے **فخرج نعیم حتی اتی المدینۃ فوجد الناس یتجھزون لمیعاد ابی سفیان فقال این تریدون فقالوا واعدنا ابوسفیان بموسم بدر الصغریٰ ان نقتل بھا فقال بئس الرای لانھم اتوکم فی دیارکم وقرارکم فلم یلتفت منکم احد الاثریدًا افتریدون ان تخرجوا وقد جمعوا لکم عندا لموسم واللہ لا یلتفت منکم احد.**

اور یہ جب ہی ہوسکتا تھا کہ مسلمان جنگ کے لئے آمادہ نہ ہوں چنانچہ مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے مخبر بھیجے گئے، جھوٹی افواہیں مشہور کی گئیں، منافقین انہیں پھیلاتے رہے جن کا مقصد مسلمانوں کو سرگرمی سے باز رکھنا تھا ان تمام باتوں کی طرف آیات میں اشارات ہیں۔ منافقین کو آخری مہلت دی گئی کہ اپنی منافقانہ روش سے باز آجائیں۔ ورنہ وقت آگیا ہے کہ اللہ ان کے چہروں سے

نفاق کا پردہ اٹھادے۔ ان آیات میں منافقین کی جو نفسیاتی حالت دکھلائی گئی ہے وہ کوئی مخصوص صورت حال نہیں ہے بلکہ جماعت کے کمزور اور مذبذب افراد ہمیشہ ایسی ہی صورت حال پیدا کر دیا کرتے ہیں۔

لطائفِ آیت:............ **الذین استجابوا** میں اللہ و رسول کی طرف نسبت کرنا اس لئے ہے کہ آپ ﷺ کا فرمانا در حقیقت اللہ کے حکم سے ہوتا ہے اور **للذین احسنوا** فرمانا بطور قید احترازی کے نہیں ہے بلکہ بطور قید واقعی اور مدح کے ہے کیونکہ تمام صحابہؓ ایسے ہی تھے اور اس سے ان کے استحقاق مدح و اجر کی علت بھی معلوم ہوگئی۔

آیت **ولا یحزنک** میں حاصل مضمون تسلی یہ ہے کہ آپ ﷺ کو ان کی سازشوں اور تدبیروں سے دین کے نقصان وضرر کا اندیشہ رہتا ہے جو باعث سوہان روح ہوتا ہے لیکن جب معلوم ہوگیا کہ ان سے دین کو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا پھر آپ ﷺ کیوں مغموم ہوں اور اگر یہ خیال ہو کہ دینِ اسلام کو اگرچہ صدمہ نہیں پہنچے گا لیکن خود ان کا اپنا نقصان تو ضرور ہو رہا ہے کہ یہ اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں۔ لیکن جب یہ بتلا دیا گیا کہ یہ امر مقدر ہے جو کہ ہو کر رہے گا۔ پھر رنج کیسا؟ کیونکہ رنج ہوا کرتا ہے خلافِ امید پیش آنے سے اور جب امید ہی نہ رکھی جائے تو ملال کیسا؟

انما ذلکم الشیطن جیسا کہ بعض اہل اللہ سے منقول ہے کہ شیطان ان کے سامنے متمثل ہوا انہوں نے **اعوذ باللہ** پڑھی اور فرمایا کہ میں تجھ سے ڈر کر تعوذ نہیں کر رہا ہوں بلکہ محض امتثال حکم کے لئے پڑھ رہا ہوں ورنہ تجھ کو پر کاہ کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **الَّذِينَ كَفَرُوٓا اَنَّمَا نُمْلِي** اَيْ اِمْلَاءَنَا **لَهُمْ** بِتَطْوِيلِ الْاَعْمَارِ وَتَاخِيرِهِمْ **خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ط** وَاَنَّ وَمَعْمُولُهَا سُدَّتْ مَسَدَّ الْمَفْعُولَيْنِ فِيْ قِرَاءَةِ التَّحْتَانِيَّةِ وَمَسَدَّ الثَّانِيْ فِي الْاُخْرٰى **اِنَّمَا نُمْلِيْ** نُمْهِلُ **لَهُمْ لِيَزْدَادُوٓا اِثْمًا ج** بِكَثْرَةِ الْمَعَاصِيْ **وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴿۱۷۸﴾** ذُوْ اِهَانَةٍ فِي الْاٰخِرَةِ **مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ** لِيَتْرُكَ **الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ** اَيُّهَا النَّاسُ **عَلَيْهِ** مِنْ اِخْتِلَاطِ الْمُخْلِصِ بِغَيْرِهٖ **حَتّٰى يَمِيْزَ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ يُفَصِّلَ **الْخَبِيْثَ** الْمُنَافِقَ **مِنَ الطَّيِّبِ ط** الْمُؤْمِنِ بِالتَّكَالِيْفِ الشَّاقَّةِ الْمُبَيِّنَةِ لِذٰلِكَ فَفَعَلَ ذٰلِكَ يَوْمَ اُحُدٍ **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ** فَتَعْرِفُوا الْمُنَافِقَ مِنْ غَيْرِهٖ قَبْلَ التَّمْيِيْزِ **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ** يَخْتَارُ **مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ص** فَيُطْلِعَهٗ عَلٰى غَيْبِهٖ كَمَا اَطْلَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حَالِ الْمُنَافِقِيْنَ **فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ج وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا** النِّفَاقَ **فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ** اَيْ بِزَكَاتِهٖ **هُوَ** اَيْ بُخْلُهُمْ **خَيْرًا لَّهُمْ ط** مَفْعُوْلٌ ثَانٍ وَالضَّمِيْرُ لِلْفَصْلِ وَالْاَوَّلُ بُخْلُهُمْ مُقَدَّرًا قَبْلَ الْمَوْصُوْلِ عَلَى الْفَوْقَانِيَّةِ وَقَبْلَ الضَّمِيْرِ عَلَى التَّحْتَانِيَّةِ **بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ط سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ** اَيْ بِزَكَاتِهٖ مِنَ الْمَالِ **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط** بِاَنْ يُجْعَلَ حَيَّةً فِيْ عُنُقِهٖ تَنْهَشُهٗ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيْثِ **وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط** يَرِثُهُمَا بَعْدَ فَنَاءِ اَهْلِهِمَا **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **خَبِيْرٌ﴿۱۸۰﴾ع** فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ

ترجمہ:......... اور یہ نہ سمجھیں (یا اور تا کے ساتھ ہے) وہ لوگ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے کہ ہمارا ڈھیل دینا (ہماری مہلت) ان کے لئے (عمر دراز کر کے اور ان کو ڈھیل دے کر) ان کے لئے بہتر ہے (اور ان اور اس کا معمول مفعولین کے قائم مقام ہے یائے تحتانیہ والی قرأت میں اور دوسری قرأت میں مفعول ثانی کے قائم مقام ہے) ہم انہیں ڈھیل (مہلت) دے رہے ہیں کہ اپنے گناہوں میں اور زیادہ ہو جائیں (قصوروار) اور بالآخران کے لئے عذاب ہے رُسوا کن (ذلت آمیز آخرت میں) ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ چھوڑ دے (ڈالے) رکھیں مؤمنین کو ایسی حالت میں جس میں (اے لوگو!) تم آجکل ہو (یعنی مخلص اور غیر مخلص رلے ملے ہیں) یہاں تک کہ الگ کر دے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ یعنی جدا کر دے گا) ناپاک (منافق) کو پاک (مؤمن سے سخت تکالیف کے ذریعہ جو اس کو نمایاں کر دے چنانچہ غزوۂ احد میں ایسا کر دیا گیا) اور اللہ تعالیٰ کے کاموں کا یہ ڈھنگ بھی نہیں کہ وہ تم کو غیب کی خبریں دے دیا کریں (کہ جس سے منافق اور غیر منافق کو چھانٹنے سے پہلے ہی پہچان جاؤ) لیکن ہاں وہ اپنے رسولؐ میں سے جس کسی کو چاہتا ہے چن لیتا (چھانٹ لیتا) ہے (اور اپنے غیب پر مطلع کر دیتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کو منافقین کے حال سے باخبر کر دیا) پس اب تمہیں چاہئے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آؤ۔ اگر تم ایمان لے آئے اور (نفاق) سے بچے رہے تو یقین کرو تمہارے لئے اجر عظیم ہے اور خیال نہ کریں (تاء اور یاء کے ساتھ ہے) جو لوگ بخل کرتے ہیں اس مال کے خرچ کرنے میں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو مرحمت فرمایا (بسلسلۂ زکوٰۃ) کہ ایسا کرنا (بخل) ان کے لئے بھلائی کی بات ہے (یہ مفعول ثانی ہے اور ضمیر ھو فصل کے لئے ہے اور مفعول اول لفظ بخلھم مقدر ہے الذین موصول سے پہلے تحسبن کی قرأت فوقانیہ کی صورت میں اور ضمیر سے پہلے مقدر ہے قرأت تحتانیہ کی صورت میں) نہیں وہ تو ان کے لئے بڑی ہی برائی ہے قریب ہے کہ یہ مال کہ جس کی (زکوٰۃ میں) وہ بخل کر رہے ہیں ان کے گلوں میں طوق بنا کر پہنا دیا جائے قیامت کے روز (سانپ بنا کر ان کے گلے کا ہار کر دیا جائے کہ وہ ان کو ڈستا رہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے) اور آسمان وزمین جو کچھ ہے سب اللہ ہی کی میراث ہے (ان کے باشندوں کے فنا ہونے کے بعد وہی ان کا وارث رہے گا) اور تم جو کچھ کرتے ہو (تا اور یا کے ساتھ ہے) اللہ تعالیٰ باخبر ہیں (اس لئے وہ تم کو بدلہ دیں گے)

تحقیق وترکیب:......... **لا یحسبن** اس کی دونوں قرأتیں مشہور ہیں تاء خطاب سے مراد آنحضرت ہیں یا عام مخاطب **الذین کفروا** مفعول اول ہوگا تحسبن کا اور **انما نملی الخ** مفعول ثانی کے محل میں ہوگا یا بدل الاشتمال اور دوسری قرأت پر **الذین کفروا** فاعل ہوگا مرفوع اور **انما نملی الخ** قائم مقام مفعولین کے ہوگا۔ **یحسبن** اور **ما** مصدریہ ہے قیاس کے خلاف متصل لکھا جائے گا۔ قرآن کا رسم الخط توقیفی ہونے کی وجہ سے خلاف قیاس امر کی پابندی بھی کی جائے گی مفسر علامؒ نے بھی ترکیب پر کلام کیا ہے۔

انما نملی املاء کے معنی دراصل **اطالۃ المدت** کے آتے ہیں اور ملاء وقت طویل کو کہتے ہیں ملوین لیل ونہار مع طول تعاقب اس جملہ میں دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک جملہ ماقبل کی تعلیل ہو کر مستانفہ ہو گویا سوال ہوا **ما بالھم یحبون الاملاء خیر الھم** اس کا جواب ہے **انما نملی لھم لیزدادوا اثما** اس صورت میں ان مکفوفہ ہے ما کافہ سے اور کتاب میں متصل علی الاصل ہے ما کو موصولہ اسمیہ یا حرفیہ ماننا صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ ما لام کے مبتداء کی خبر واقع نہیں ہوا کرتا۔ دوسری صورت اس جملہ کی یہ ہے کہ اول جملہ کی تاکید اور تکرار ہو۔

لیذر کان کی خبر محذوف کے متعلق ہے اور بصریوں کی رائے کے مطابق مابعد فعل ان وغیرہ کے ذریعہ منصوب ہے ای **ما کان اللہ مرید الان یذر المؤمنین** اور کوفیوں کے نزدیک لام زائدہ ہے تاکید کیلئے اور فعل کے لئے بنفسہا ناصب ہے اور خبر فعل ہے اور اس کا زائد ہونا عمل کے لئے خارج نہیں ہے جیسا کہ حروف جر زائدہ عامل ہوسکتے ہیں اس لحاظ سے یہ مذہب بھی ضعیف نہیں ہے۔ بسز کاۃ

تقدیر مضاف کی طرف اشارہ ہے۔ والاول یعنی مفعول اول مقدر ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے ولا تحسبن بخل الذین یبخلون تاہم قرأت فوقانیہ پر مضاف اور مضاف الیہ کا مجموعہ مقدر ماننا تکلف ہے۔ صرف لفظ بخل کی تقدیر کافی ہے ضمیر کی تقدیر کی حاجت نہیں ورنہ اضافۃ الشیٔ مرتین لازم آئے گی۔ البتہ قرأت تحتانیہ پر مجموعہ مضاف مضاف الیہ کی تقدیر درکار ہے۔ تقدیر عبارت تحتانیہ کی صورت میں اس طرح ہوگی لایحسبن الذین یبخلون بخلھم ھو خیر لھم مفعول اول کے حذف کی صحت کا مدار قرینہ پر ہے۔ قرینہ اگر ہوگا تو حذف جائز ہے ورنہ نہیں اور ضمیر ھو فصل بین المفعولین کے لئے ہے۔ خیرٌ مفعول ثانی ہے۔

مانجلوا بہ عطاء خداوندی کو اس عنوان سے بیان کرنے میں ان کی بدعملی میں مبالغہ کا اظہار اور بل ھو شر لھم میں اس کی تنصیص و تصریح ہوگئی اور ساتھ ہی مبالغہ بھی فی الحدیث ارشاد ہے۔ من منع زکوٰۃ مالہ یصیر حیۃ ذلا اقرع لہ نابان فیطوق فی عنقہ فتنھشم ویدفعہ الی النار۔

وللّٰہ میراث میراث مصدر ہے جیسے میعاد مراد ماتیوارث یعنی زمین وآسمان اور کل عالم ہلاک ہوجائے گا تو بجز اللہ کے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ ابن انباریؒ کہتے ہیں ورث فلان علم فلان جب کہ کسی کام میں شرکت کے بعد تنہارہ جائے جیسا کہ وورث سلیمان داؤد میں کہ اول دونوں ملک میں شریک تھے بعد میں صرف حضرت سلیمانؑ رہ گئے، اسی طرح عالم میں کسی درجہ میں ملک صورۃً یا مجازاً کسی کی ہوتی بھی ہے تو فناء عالم کے بعد یہ پردۂ مجاز بھی ہٹ جائے گا اور فی الحقیقت اللہ ہی کی مِلک رہ جائے گی لمن الملک الیوم للہ الواحد القھار

ربط: .... آیاتِ گذشتہ میں کفار کا استحقاقِ عذاب معلوم ہوا ہے لیکن اپنی دنیاوی آسائش سے وہ مغالطہ میں رہتے تھے کہ اس سے ہمارا مقبول عند اللہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور جب یہاں یہ حال ہے تو آخرت اگر واقعی کوئی چیز ہے تو یار لوگ وہاں بھی مزے کریں گے اور مسلمان جس طرح یہاں تکلیف میں ہیں وہاں بھی تکالیف سے دوچار رہیں گے ان آیات میں اس کا دفعیہ کرنا ہے آیت لایحسبن الذین الخ میں پھر عود ہے مضمون سابق انفاق فی سبیل اللہ کا ترہیبی صورت میں۔

شانِ نزول: .... کفار آسائش دنیاوی سے آسائش اخروی پر استدلال کرتے تھے جیسا کہ لوشاء اللہ مااشرکنا ولئن رجعت الی ربی ان لی عندہ للحسنیٰ. اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء وغیرہ آیات سے معلوم ہوتا ہے آیت ولا یحسبن الذین کفروا الخ میں اس کی تغلیط ہے اور ما کان اللہ الخ میں مؤمنین کی دنیاوی تکالیف کی حکمت بتلائی گئی ہے اسی طرح آیت من ذا الذی یقرض اللہ قرضًا حسنًا نازل ہوئی تو کفار از راہ تمسخر واستہزاء کہنے لگے کہ نعوذ باللہ کیا آپ ﷺ کا رب مفلس ہوگیا؟ اس پر آیت ولایحسبن الذین یبخلون الخ نازل ہوئی جس میں اول بخل مالی کی مذمت اور پھر آیت لقد سمع اللہ سے ان کی گستاخی اور بے ادبی پر تنبیہ کی گئی ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... درازیٔ عمر فرمانبرداری کیلئے ازدیادِ اجر کا باعث ہے اور نافرمانوں کیلئے ڈھیل: ......

بظاہر انما نملی لھم لیزدادوا اثما سے معلوم ہوتا ہے کہ منجانب اللہ مہلت اور ڈھیل کی وجہ گناہوں کے زیادہ کرنے کے لئے ہے پھر ان پر عذاب کیسا؟ لیکن کہا جائے گا کہ اصل مقصود ڈھیل کا کفار کے لئے زیادہ سزا کا ارادہ ہے۔ لیکن بقاعدہ بلاغت اس سبب کے سبب یعنی گناہوں کی زیادتی کو قائم مقام کرکے بیان کردیا گیا ہے اور مہلت کا غیر مفید ہونا خاص ہے کفار کے ساتھ۔ کیونکہ مسلمان کو باقتضاء اسلام جس قدر عمر زیادہ ملے گی اس کو زیادہ طاعت وعبادت کا موقعہ ملے گا اور وہ مستحق درجات ہوگا۔

ہاں اسلام کے اس اقتضاء ہی پر کوئی اگر عمل نہ کرے تو بات دوسری ہے تاہم مسلمانوں کیلئے بحیثیت مسلمان مہلت مفید ہے اور کافر کے لئے بحیثیت کفر باعث ضرر۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی خاص اقتضائے کفر پر عمل پیرا نہ ہو بلکہ ایمان وتوبہ کی دولت سے مشرف ہوجائے۔

آیت ما کان اللہ میں مسلمان کے ابتلائے مصائب ومشکلات ہونے کی حکمت کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام کی طرح اس میں بھی یقیناً حکمتیں بے شمار ہوں گی۔ جن کی تفتیش کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن ایک کھلی ہوئی مصلحت وحکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ کچے پکے اور اچھے برے کا اختلاط جو بہت سے مفاسد لئے ہوئے ہوتا ہے اس کا امتیاز وانسداد اگر صرف وحی کے ذریعہ کیا جاتا تو وہ مکمل طریقہ پر نہ ہوتا۔ کیونکہ ظاہری اختلاط تو پھر بھی رہتا جو مفاسد کثیرہ کا باعث ہوتا ہے کہ بن کر اگر کسی طریقہ سے الگ الگ کرنے کی کوشش بھی کی جاتی تو ان پر کوئی معقول حجت قائم نہ ہوتی اور ان کو مخلص کہنے اور سمجھنے کا موقعہ ملتا۔ لیکن واقعات کی قینچی ایسی ہے کہ اچھے برے کو پوری طرح چھانٹ کر رکھ دیتی ہے اور مصائب ومشکلات کی بھٹی کھرے سونے کو الگ کر کے رکھ دیتی ہے جو لوگ کم ہمتی سے بھاگ کھڑے ہوں ان کا منہ ہی نہیں رہتا کہ وہ دعویٰ اخلاص کرسکیں اس طرح دنیا اپنے پرائے میں امتیاز اور فرق کر لیتی ہے۔

علم غیب:.......... جو علم غیب خصائص باری میں سے ہے اس کا ذاتی اور محیط الکل ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہاں آیت میں رسولوںؑ کے لئے جس علم کا اثبات ہے وہ ذاتی تو اس لئے نہیں کہ بذریعہ وحی ہے یعنی عطائی ہے اور چونکہ بعض خاص امور مراد ہیں اس لئے علم کلی محیط بھی نہیں۔ غرضکہ علم غیب بالمعنی الاعم مراد ہے۔ بالمعنی الاخص مراد نہیں اور آنحضرت ﷺ پر ایمان کے ساتھ تمام رسولوںؑ پر ایمان لانا اس لئے ضروری قرار دیا کہ دعوت سب کی ایک ہے لہٰذا تصدیق وتکذیب بھی سب کی ایک ہوگی یعنی ایک کی تکذیب سے سب کی تکذیب ہوجائے گی۔

آیت سیطوقون میں طوق پہنانے کی کیفیت حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بخاری میں موجود ہے۔ جس میں حضور ﷺ نے تائیداً اس آیت کو بھی پڑھا تھا۔ نیز حدیث میں زکوٰۃ کی تخصیص صرف تمثیلاً ہے حصر مقصود نہیں ہے چنانچہ ایک روایت میں ذی رحم محرم کو نہ دینے پر بھی اسی قسم کی وعید مذکور ہے پس مقصود حقوق واجبہ ہیں۔

بظاہر آیت کا عموم یہ بتلا رہا ہے کہ یہود بھی اس میں داخل ہیں حالانکہ کفار فروع اعمال کے مکلف نہیں ہوتے جواب یہ ہے کہ کفار کا بخل دراصل ناشی ہوگا ان کے کفر بالآیات سے اور جزاء وآخرت کی تکذیب سے۔ پس فی الحقیقت گویا معنیٰ کفر پر یہ وعید ہوئی جس کے ترک کے یہود اور کفار مکلف ہیں۔ نفس زکوٰۃ اور واجبات پر وعید نہ ہوئی۔

ولا یحسبن الذین کفروا الخ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر گناہوں کے ساتھ بھی حالت بسط رہے تو اس پر مغرور نہ ہونا چاہئے تاہم خیر ایسی حالت میں قبض ہی میں ہے کیونکہ احتمالاً اسباب قبض میں سے معصیت بھی ہے تو شاید اس پر متنبہ ہو کر توبہ کی توفیق ہوجائے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ وَهُمُ الْيَهُوْدُ قَالُوْهُ لَمَّا نَزَلَ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا وَقَالُوْا لَوْ كَانَ غَنِيًّا مَا اسْتَقْرَضَنَا **سَنَكْتُبُ** نَأْمُرُ بِكَتْبِ **مَا قَالُوْا** فِيْ صَحَائِفِ اَعْمَالِهِمْ لِيُجَازُوْا عَلَيْهِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْيَاءِ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُوْلِ وَ نَكْتُبُ **قَتْلَهُمُ** بِالنَّصْبِ وَالرَّفْعِ **الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ** بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ اَيِ اللّٰهُ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَلٰى لِسَانِ الْمَلٰئِكَةِ **ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾** النَّارِ

وَيُقَالُ لَهُمْ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا **ذٰلِكَ** الْعَذَابُ **بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيكُمْ** عَبَّرَ بِهِمَا عَنِ الْإِنْسَانِ لِأَنَّ أَكْثَرَ الْأَفْعَالِ تُزَاوَلُ بِهِمَا **وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ** اَىْ بِذِى ظُلْمٍ **لِّلْعَبِيدِ**﴿۱۸۲﴾ فَيُعَذِّبُهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ **اَلَّذِينَ** نَعْتٌ لِلَّذِينَ قَبْلَهُ **قَالُوْا** لِمُحَمَّدٍ **اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَا** فِى التَّوْرٰةِ **اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ** نُصَدِّقَهُ **حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ** فَلَا نُؤْمِنُ لَكَ حَتّٰى تَأْتِيَنَا بِهِ وَهُوَ مَا يُتَقَرَّبُ بِهِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ نَعَمٍ وَغَيْرِهَا فَإِنْ قُبِلَ جَاءَتْ نَارٌ بَيْضَاءُ مِنَ السَّمَاءِ فَأَحْرَقَتْهُ وَإِلَّا بَقِىَ مَكَانَهُ وَعُهِدَ إِلٰى بَنِى إِسْرَائِيْلَ ذٰلِكَ إِلَّا فِى الْمَسِيْحِ وَمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَالٰى **قُلْ** لَهُمْ تَوْبِيْخًا **قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ** بِالْمُعْجِزَاتِ **وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ** كَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى فَقَتَلْتُمُوْهُمْ وَالْخِطَابُ لِمَنْ فِى زَمَنِ نَبِيِّنَا وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ لِأَجْدَادِهِمْ لِرِضَاهُمْ بِهِ **فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ**﴿۱۸۳﴾ فِى أَنَّكُمْ تُؤْمِنُوْنَ عِنْدَ الْإِتْيَانِ بِهِ **فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوْا بِالْبَيِّنٰتِ** الْمُعْجِزَاتِ **وَالزُّبُرِ** كَصُحُفِ إِبْرَاهِيْمَ **وَالْكِتٰبِ** وَفِى قِرَاءَةٍ بِإِثْبَاتِ الْبَاءِ فِيْهِمَا **الْمُنِيْرِ**﴿۱۸۴﴾ اَلْوَاضِحِ هُوَ التَّوْرٰةُ وَالْإِنْجِيْلُ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوْا **كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ** جَزَاءَ أَعْمَالِكُمْ **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ** بُعِدَ **عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ** نَالَ غَايَةَ مَطْلُوْبِهِ **وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا** اَىِ الْعَيْشُ فِيْهَا **اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ**﴿۱۸۵﴾ اَلْبَاطِلِ يُتَمَتَّعُ بِهِ قَلِيْلًا ثُمَّ يَفْنٰى **لَتُبْلَوُنَّ** حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِى النُّوْنَاتِ وَالْوَاوُ ضَمِيْرُ الْجَمْعِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ لَتُخْتَبَرُنَّ **فِىْٓ اَمْوَالِكُمْ** بِالْفَرَائِضِ فِيْهَا وَالْجَوَائِحِ **وَاَنْفُسِكُمْ** بِالْعِبَادَاتِ وَالْبَلَاءِ **وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ** الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى **وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا** مِنَ الْعَرَبِ **اَذًى كَثِيْرًا** مِنَ السَّبِّ وَالطَّعْنِ وَالتَّشْبِيْبِ بِنِسَائِكُمْ **وَاِنْ تَصْبِرُوْا** عَلٰى ذٰلِكَ **وَتَتَّقُوْا** اللّٰهَ **فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ**﴿۱۸۶﴾ اَىْ مِنْ مَعْزُوْمَاتِهَا الَّتِىْ يُعْزَمُ عَلَيْهَا لِوُجُوْبِهَا

ترجمہ: .... بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے سن لی ہے ان لوگوں کی بات جنہوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم دولت مند ہیں (یہود نے یہ بات کہی تھی جب کہ آیت من ذا الذی یقرض اللہ الخ نازل ہوئی اور کہنے لگے کہ اللہ اگر غنی ہوتا تو ہم سے قرض نہ مانگتا) سو عنقریب لکھ کر رہیں گے (ہم اس کے لکھ لینے کا حکم دے دیں گے) جو بات انہوں نے کہی ہے (ان کے اعمال ناموں میں تا کہ اس پر ان کو سزا دی جاسکے اور ایک قرأت میں سیکتب یا کے ساتھ مجہول ہے) اور (لکھ لیں گے) ان کا قتل (نصب، رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے) نبیوں کو ناحق کرنا اور ہم کہیں گے (نون اور یا کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرشتوں کے ذریعہ حکم دیں گے) کہ اب عذاب جہنم کا مزہ چکھو (جہنم میں ڈالتے وقت ان سے کہا جائے گا) یہ (عذاب) نتیجہ ہے ان کرتوتوں کا جو تم اپنے ہاتھوں مہیا کر چکے ہو (ہاتھوں سے تعبیر کرنا اس لئے ہے کہ اکثر کام انسان ہاتھوں ہی سے کرتا ہے)

ورنہ اللہ تعالیٰ تو کبھی ظلم کرنے والے (ناانصاف) نہیں ہو سکتے اپنے بندوں کے لئے (کہ ناحق بلاقصور ان کو سزا دے دیں) جو لوگ (یہ پہلے الـذیـن کی صفت ہے) کہتے ہیں (محمد ﷺ سے) کہ اللہ تعالیٰ ہم سے عہد لے چکے ہیں (تورات میں) کہ ہم کسی رسولؑ پر ایمان نہ لائیں (تصدیق نہ کریں) جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائیں جسے آگ کھالیتی ہو (چنانچہ ہم آپ پر بھی ایمان نہ لائیں گے تاوقتیکہ آپؐ ایسا نہ کر دکھلائیں اور وہ چوپاؤں وغیرہ کی بھینٹ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اگر وہ قبول کرلی جاتی تو ایک سفید آگ آسمان سے آکر اس کو بھسم کر ڈالتی ورنہ بھینٹ وہیں دھری رہتی۔ اور انبیاءؑ بنی اسرائیل سے اسی قسم کا عہد لیا گیا تھا بجز حضرت عیسیٰؑ مسیح اور آنحضرت ﷺ کے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) آپؐ (ان سے ڈانٹ کر) کہہ دیجئے کہ مجھ سے پہلے اللہ کے کتنے ہی رسولؑ سچائی کی روشن دلیلوں (معجزات) کے ساتھ تمہارے پاس آئے اور اس بات کے ساتھ آئے جس کو تم کہہ رہے ہو (جیسے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام لیکن تم نے ان کو بھی قتل کر ڈالا۔ یہ گفتگو آنحضرت ﷺ کے معاصر یہود سے ہے اگرچہ یہ فعل ان کے آباؤ اجداد کا تھا لیکن ان کی رضاء دلی کی وجہ سے ان ہی کے ساتھ شریک شمار کئے گئے) پھر تم کیوں انہیں قتل کرتے رہے اگر تم اپنے قول میں سچے ہو (کہ قربانی لانے کے وقت تم ایمان لے آیا کرتے ہو) یہ لوگ آج تمہیں جھٹلا رہے ہیں تو تم سے پہلے کتنے ہی رسولؑ ہیں جو جھٹلائے گئے باوجودیکہ روشن دلیلیں (معجزات) صحیفے (جیسے حضرت ابراہیمؑ کے صحیفے) اور کتاب (اور ایک قرأت میں لفظ زبر و کتاب دونوں باء کے ساتھ ہے) روشن (واضح یعنی تورات وانجیل پس جس طرح انہوں نے صبر کیا ہے آپ بھی صبر کیجئے) ہر جان کے لئے موت کا مزہ چکھنا ہے اور جو کچھ تمہارے اعمال کا بدلہ پورا ملنا ہے (تمہارے کاموں کی پاداش) وہ قیامت ہی کے دن ملے گا۔ جو شخص اس روز دوزخ کی آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو کامیابی اسی کی ہوئی (اس نے انتہائی مراد حاصل کرلی) اور دنیا کی زندگانی (یعنی اس کی عیش وعشرت) اس کے سوا کچھ نہیں کہ کارخانہ فریب ہے (جھوٹ ہے کہ تھوڑا سا نفع حاصل کرتے ہی ختم ہو جاتی ہے) یہ ضروری ہے کہ تم آزمائشوں میں ڈالے جاؤ (تین نون جمع ہو جانے کی وجہ سے نون رفع حذف کر دیا گیا اور التقاء ساکنین کی وجہ سے واؤ ضمیر جمع حذف کر دی گئی ہے۔ بمعنی لتـخـتبـرون) اپنے مالوں میں (احکام فرائض اور آفات کے ذریعہ) اور اپنی جانوں میں (عبادات اور مصائب کے ذریعہ) اور یہ بھی ضرور ہونا ہے کہ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) اور مشرکین (عرب) سے دکھ پہنچانے والی باتیں (گالم گلوچ، طعن و تشنیع تمہاری عورتوں کا نشیبی ذکر) بہت کچھ سننی پڑیں گی۔ اگر تم نے صبر کیا (اس پر) اور (اللہ سے) تقویٰ کا شیوہ اختیار کئے رہے تو بلاشبہ بڑے کاموں کی راہ میں بڑے ہی عزم واہمیت کی بات ہوگی (یعنی صبر، دل گردہ والے ان کاموں میں سے ہے جن پر اہل ہمت ضرور سمجھ کر کاربند ہوتے ہیں)

تحقیق وترکیب:......... **لقد سمع الله** لام موطئہ للقسم ہے ای واللہ **لقد سمع** اللہ تعالیٰ اگرچہ تمام مسموعات کے سمیع ہیں لیکن ان کے قول کی تخصیص کنایہ تلویحیہ ہے وعید سے کیونکہ سماع علم مسموع کے لئے لازم ہے اور علم کے لئے وعید لازم ہے اس موقعہ پر **وهـم اليهـود** منجملہ ان کے فخاص اور کعب بن اشرف اور حیی بن اخطب وغیرہ ہیں۔ **سـنـكتب** اسناد مجازی ہے کیونکہ کتابت اعمال ملائکہ کرتے ہیں لیکن خود کتابت کے معنی حقیقی ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ یہ چیزیں ہمارے علم میں محقق اور محفوظ ہیں ہم ان کو مہمل نہیں چھوڑیں گے اس صورت میں اسناد حقیقی اور کتابت مجازی ہوگی اور سین تاکید کے لئے ہے۔ **بـالنصب والرفع** قرأت نون پر نصب اور قرأت باء پر رفع۔ اول صورت میں با پر عطف ہوگا جو منصوب المحل ہے۔ اور **نـقـول** نون کے ساتھ ہوگا اور دوسری صورت میں موصول پر عطف ہوگا اور **يقول** یا کے ساتھ ہوگا اور بعض کے نزدیک **سنكتب** نون کے ساتھ اور **ماقالو** اس کی وجہ سے منصوب ہے اور **قتلهم** اس پر معطوف

ہے اور سیکتب یا کے ساتھ اور قتلھم مرفوع بھی پڑھا گیا ہے کیونکہ ماقالو مرفوع المحل پر اس کا عطف ہو جائے گا اور حمزہؒ کے نزدیک سیکتب ضم یا کے ساتھ اور قتلھم رفع لام کے ساتھ اور یقول بصیغہ غائب ہے ای اللہ بر تقدیر قرأت یقول کا فاعل اللہ ہے لیکن بر تقدیر نقول فاعل نحن ہونا چاہئے تھا لیکن معنیٰ دونوں تفسیروں پر فاعل لفظ اللہ ہوسکتا ہے۔

عذاب الحریق حریق بمعنی محرق اضافۃ بیانیہ ہے یا اضافۃ سببیہ ہے بمنزلہ فاعل کر لینے کے ذوقوا کے معنی دراصل منہ کے ذائقے تھوڑی سی چیز چکھنے کے ہیں جیسا کہ لفظ اکل کثیر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بعد میں توسعاً باقی محسوسات وحالات کے ادراک کے لئے بھی آتا ہے اور نکتہ یہاں یہ ہے کہ بخل علی المال پر عذاب ہے اور انسان کی بیشتر حاجت مالی کھانے پینے سے متعلق رہتی ہے۔ ذلک اسم اشارہ حسیہ لانے میں عذاب کے مشاہدہ محسوس ہونے کی طرف اشارہ ہے اور انسان کو ایدیکم سے تعبیر کرنے میں مجاز مرسل ہے تسمیۃ الکل باسم الجزء اور اطلاق الجزء علی الکل کے قبیل سے اور جزء بھی اشہر ہے کیونکہ اکثر کام انسان کے ہاتھوں ہوتے ہیں دوسری توجیہ یہ ہے کہ مراد فاعل ہے لیکن تحقیق وتاکید کے لئے لفظ ایدی کا ذکر کر دیا ہے۔

ظلام للعبید ظلام صیغہ مبالغہ مقتضی تکثیر ہے اس لئے یہ نسبت لفظ ظالم کے اخص ہوگا اور ظاہر ہے کہ نفی خاص سے نفی عام نہیں ہوتی۔ قاضیؒ نے اس شبہ کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ اگر ظلم کرتا تو اس کا ظلم عظیم اور شدید ہوتا۔ اس کی عظمت کے مناسب اس لئے کہ اس کی نفی بھی علی وجہ المبالغہ کی گئی جس سے نفس ظلم کی نفی ہوگئی یا یوں کہا جائے کہ ظلم بندوں کے مقابلہ میں لایا گیا ہے اور بندے کثیر ہیں۔ اس لئے صیغہ کثیر کا لایا گیا ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ ظلام، تمار، لبان، عطار، بزاز کی طرح محض نسبت کیلئے ہے پس ظلام کے معنی ذی ظلم کے ہوں گے اور کبھی یہ صیغہ اسم فاعل کے معنی کے لئے بھی آتا ہے بغیر مبالغہ کے جیسے طباغ، حداد، صباغ، اور علامہ آلوسیؒ کی توجیہ کا ماحصل یہ ہے کہ ظلم کی کثرت یقیناً قبیح اور حق تعالیٰ سے منفی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ تنزہ میں کامل ہیں اس لئے ان کا نفس ظلم بھی ایسا ہے کہ جیسے کثرت ظلم پس کثرت ظلم کی نفی کے معنیٰ نفس ظلم کی نفی کے ہیں۔

الذین قالوا یہ نعت یا بدل ہے الذین سابق سے اور منصوب ہے باضمار اعنی یا مرفوع ہے باضمار ھم۔

جاءت نار انبیاءؑ بنی اسرائیل کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی قربانی لاتا تو وہ اس کے لئے دعا کرتے قربانی اگر مقبول ہوتی تو غیب سے آگ آکر اس کو چٹ کر لیتی سدیؒ کی رائے یہ ہے کہ توراۃ میں حضرت مسیحؑ وحضرت محمدؐ کا استثناء ہے حاصل اس کے مضمون کا یہ ہے من جاءکم یزعم انہ نبی فلاتصدقوا حتی یاتیکم بقربان تاکلہ النار الا المسیح ومحمد علیھما السلام فانھما اذا اتیا فامنوا بھما یاتیان بغیر قربان تاکلہ النار۔

فان کذبوک جواب محذوف ہے جس کی تقدیر کی طرف فاصبر کما صبروا سے مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے اور فقد کذب الخ یہ دال بر جواب ہے اور جواب شرط اس لئے نہیں ہوسکتا کہ شرط کی نسبت ماضی ہے۔

باثبات الیاء یعنی بالزبر و بالکتاب زبر بمعنی کتب جمع کا صیغہ ہے جس کا واحد زبور ہے۔ کتاب حکمت کے معنی ہیں۔ اصل معنی زبر کے زجر کے ہیں گویا اس میں بھی باطل سے زجر ہوتا ہے۔ کل نفس خبر ہے اور نکرہ کو مبتداء بنانا جائز ہے کیونکہ اس میں عموم ہے اس سے معلوم ہوا کہ بدن کی موت سے نفس فنا نہیں ہوتا کیونکہ نفس کو موت کا ذائقہ چکھنے والا کہنا جب ہی صحیح ہوسکتا ہے جب ذائقہ باقی ہو۔ انما توفون دنیا کے دار العمل ہونے سے لازم آتا ہے کہ کوئی دار الجزاء بھی ہو۔ اسی کو عالم آخرت کہا جاتا ہے۔ متاع الغرور سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں لیکن جو دنیا کی وجہ سے آخرت کے طالب ہوں تو دنیا ان کے لئے متاع بلاغ ہے اور حسنؒ سے مروی ہے کہ دنیا گڑیوں کے کھیل کی طرح لاحاصل ہے۔

لتبلون اصل لتبلوون تھا نون تاکید ثقیلہ اضافہ کیا گیا تین نون جمع ہوگئے نون اعرابی گر گیا۔ وانفسکم اس سے معلوم ہوا کہ نفس سے

مراد جسمانی بدن ہے۔جسم میں جو معنی باطل ہیں وہ مراد نہیں جیسا کہ بعض فلاسفہ اور متکلمین کا خیال ہے والتشبیب قصائد کے تمہیدی اشعار میں لطف کے لئے عورتوں کا ذکر کرنا جس سے سامعین کو دلچسپی پیدا ہو جائے۔ چنانچہ کعب بن اشرف مومن عورتوں کا ذکر اپنے اشعار میں کرتا تھا۔ عــزم الامور مفسرؒ نے اشارہ کر دیا ہے کہ مصدر معنی میں مفعول کے ہے اور جمع کے ساتھ تفسیر کرنا امور کی طرف اضافت کی وجہ سے ہے۔ اصل میں عزم کے معنی ثبات امر کے ہیں۔

ربط:.......... آیت لقد سمع اللہ کے ربط کی تقریر گزر چکی ہے آیت الذین قالوا میں یہود کی دوسری شرارت کا ذکر ہے اور آیت فان کذبوک میں مکذبین کے لئے وعید اور مصدقین کے لئے وعدہ عنوان عام کے ساتھ مذکور ہے آگے لتبلون میں مسلمانوں کو تسلی اور صبر کی تلقین ہے۔

شانِ نزول:.......... آنحضرت ﷺ نے جب اسلام میں داخل، نماز، روزہ کے قیام، زکوٰۃ کی ادائیگی، اور اللہ کی راہ میں قرضہ جنگ کی اپیل کی تو یہود میں سے حیی بن اخطب، کعب بن اشرف، فخاص بن عاذوراء جیسے ممتاز لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پھبتیاں کسنی شروع کیں کہ (معاذ اللہ) اللہ فقیر اور ہم غنی ہو گئے۔ ورنہ قرضہ جنگ کی اپیل کیوں کی جاتی، اس پر آیت لقد سمع اللہ نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:...... اللہ تعالیٰ کو فقیر کہنے کا مقصد:.......... بظاہر یہود کا یہ گستاخانہ قول صرف استہزاءً تھا۔ ان کا عقیدہ یہ نہیں تھا بلکہ مقصود اس سے آنحضرت ﷺ اور قرآن کی تکذیب تھی کہ آپ ﷺ کی چندہ وغیرہ کی اپیل کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس سے اللہ کا محتاج اور بندوں کا غنی ہونا لازم آتا ہے اور لازم باطل ہے۔ فالملزوم مثلہ باطل چنانچہ آیت فان کذبوک الخ سے اسی معنی کی تائید معلوم ہوتی ہے حالانکہ اول تو ان کی طرف سے یہ تکذیب قرآن کفر ہے۔ پھر اس پر استہزاء کفر بالائے کفر ہے اس لئے قابلِ وعید سمجھا گیا۔ اگرچہ مناظرات میں اس قسم کی تقریریں اہل حق کی جانب سے بھی پیش کی جاتی ہیں جن میں بطلانِ لازم سے بطلانِ ملزوم پر استدلال ہوتا ہے لیکن وہاں تکذیب یا استہزاء باطل کے ساتھ متعلق ہوتا ہے امر حق کے ساتھ نہیں ہوتا اور یہاں برعکس ہے۔ اس لئے قیاس صحیح نہیں ہے اور سنکتب میں نامۂ اعمال کے اندراج کی حکمت ومصلحت یہ ہے کہ تحریر عادۃً مجرم پر زیادہ حجت ہوتی ہے اللہ کو ضرورت نہیں بلکہ بندوں کے لئے اتمام حجت کرنی ہے۔ اس لئے ایسی باتوں کا انکار یا تاویل کفر محض یا بدعت ہے اور جو لوگ قتل انبیاءؑ جیسے فعل شنیع کے مرتکب ہوں ان سے نری تکذیب رُسلؑ یا استہزاء کیا بعید اور تعجب خیز ہے۔ رہا یہ کہ قتلِ انبیاءؑ کے مرتکب تو ان کے بڑے ہوئے پھر ان معاصرین پر کیوں ملامت کی جا رہی ہے؟ اس کا جواب مفسر علامؒ نے دے دیا ہے کہ آباء کے اس فعل سے یہ لوگ راضی تھے اس لئے ان کو شریک جرم وقرار دے لیا گیا ہے اور یہاں حقیقت ظلم کی نفی کرنی نہیں ہے بلکہ صورت ظلم کی نفی مقصود ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مالک ومختار ہونے کی وجہ سے حقیقۃً تو ظلم ہو ہی نہیں سکتا نیز یہاں صرف ان کی گستاخی پر وعید فرمائی گئی ہے حالانکہ اعتراض کے سارے مقدمات غلط اور خود اعتراض مغالطہ محض ہے کیونکہ انفاق کی ترغیب بندوں کے نفع کے لئے ہے۔ اللہ کا نفع اس میں کیا ہو سکتا ہے؟ البتہ مبالغۃً ایفاء جزاء کے لئے مجازاً قرض کا لفظ بول دیا گیا ہے۔

یہود کے غلط اقوال کی تردید:.......... قول یہود ان اللہ عھد الخ کے دو جزء ہیں ایک جزء صریح یعنی ان اللہ عھد الینا الخ اور دوسرا جزاس سے لازم آ رہا ہے یعنی اگر آپ قربانی کا معجزہ ظاہر فرما دیتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے پہلے جزء کا جواب یہ ہے کہ

تم اس کے مدعی ہو هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین حالانکہ یہ تمہارا افترائے محض کیونکہ بعض انبیاءؑ کے معجزہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام انبیاءؑ پر ایمان لانے کے لئے بھی کوئی خاص معجزہ شرط ہو۔ تاہم مطلق معجزہ یا مصدق نبوت کسی علامت ونشان کا ہونا کافی ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس میں یہ دونوں باتیں علی وجہ الکمال موجود ہیں۔ اس جواب کو غایت ظہور کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف دوسرے جزء کے جواب پر آیت میں اکتفاء کیا گیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم اپنے بیان میں واقعی سچے ہو تو پھر ان انبیاءؑ پر ایمان کیوں نہیں لائے۔ جن میں بقول تمہارے خاص یہ معجزہ موجود تھا حتیٰ کہ تکذیب سے بڑھ کر تم نے ان کو قتل تک کر دیا رہا یہ شبہ کہ حضور ﷺ بھی اگر یہ معجزہ ظاہر فرما دیتے تو بہتر ہی ہوتا لیکن اولاً تو مدعی نبوت کے ذمہ مطلق دلیل کافی ہے کسی خاص دلیل کا پابند بنانا ضروری نہیں۔ دوسرے اگر خاص فرمائشی دلیل پیش بھی کی جائے تو وہ معاند اور ضدی لوگوں کے لئے مفید اور کارآمد نہیں ہوتی۔

لطائف آیت:........... آیت فمن زحزح عن النار سے مراد عام ہے خواہ ابتداءً ہی بچا لیا جائے یا سزا کے بعد نکال لیا جائے اس طرح تمام مسلمان اس میں آجاتے ہیں تو خواہ عاصی ہوں یا غیر عاصی۔ اسی طرح وادخل الجنة سے مراد پورا کامیاب ہونا ہے اور اس کے مقابل پورا ناکام ہونا مراد ہوگا جو کفار کے ساتھ خاص ہوگا۔ دنیا کو متاع الغرور سب کے لئے نہیں کہا گیا۔ بلکہ تشبیہ سے مقصود یہ ہے کہ دنیا مقصود اصلی بنانے کے قابل نہیں ہے۔ یوں کوئی کریم النفس انسان اچھے داموں اگر خریدنے لگے تو اس کے سودے سے دل نہیں لگانا چاہئے بلکہ اعمال صالحہ اور مالک کی خوشنودی مزاج کا ذریعہ اس کو بنا لینا چاہئے لتبلون سے مراد حقیقی آزمائش اور امتحان نہیں کہ حق تعالیٰ اس سے منزہ ہیں بلکہ مجازاً واقعات سے دوچار کرنا مراد ہے اور صبر سے مراد یہ ہے کہ واقعات وحوادث سے دل تنگ نہ ہو۔ نہ یہ کہ تدابیر بھی نہ کرو اور مواقع جنگ یا انتقام میں جنگ نہ کرو، انتقام نہ لو پس یہ آیت آیات قتال کے منافی اور معارض نہیں کہ نسخ کی ضرورت پیش آئے نیز صدیق اکبرؓ کا اس گستاخانہ گفتگو پر فنحاص یہودی کے منہ پر طمانچہ مار دینا اور تادیباً غضب وغصہ کا مظاہرہ کرنا بھی صبر کے منافی نہیں ہے نیز پہلے سے مصائب وحوادث کی اطلاع دینے میں آمادگی کی سہولت دینی ہے کہ مشکل آسان ہو جائے۔ الذین قالوا ان الله الخ سے معلوم ہوا کہ اعتقاد کا معیار خوارق وکرامات نہیں ہونی چاہئے۔

فمن زحزح سے معلوم ہوا کہ بعض مدعیان تصوف کا جنت وجہنم سے دعویٰ استغناء صحیح نہیں ہے البتہ مغلوب الحال معذور سمجھ جائے گا۔

وَ اذْكُرْ **اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** اَيِ الْعَهْدَ عَلَيْهِمْ فِي التَّوْرٰةِ **لَتُبَيِّنُنَّهٗ** اَيِ الْكِتَابَ **لِلنَّاسِ وَلَاتَكْتُمُوْنَهٗ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِي الْفِعْلَيْنِ **فَنَبَذُوْهُ** طَرَحُوا الْمِيْثَاقَ **وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ** فَلَمْ يَعْمَلُوْا بِهٖ **وَاشْتَرَوْا بِهٖ** اَخَذُوْا بَدَلَهٗ **ثَمَنًا قَلِيْلًا** مِنَ الدُّنْيَا مِنْ سَفْلَتِهِمْ بِرِيَاسَتِهِمْ فِي الْعِلْمِ فَكَتَمُوْهُ خَوْفَ فَوْتِهٖ عَلَيْهِمْ **فَبِئْسَ مَايَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾** شِرَاؤُهُمْ هٰذَا **لَاتَحْسَبَنَّ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا** فَعَلُوْا مِنْ اِضْلَالِ النَّاسِ **وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا** مِنَ التَّمَسُّكِ بِالْحَقِّ وَهُمْ عَلٰى ضَلَالٍ **فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ** بِالْوَجْهَيْنِ تَاكِيْدٌ **بِمَفَازَةٍ** بِمَكَانٍ يَنْجُوْنَ فِيْهِ **مِّنَ الْعَذَابِ** فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِيْ مَكَانٍ يُعَذَّبُوْنَ فِيْهِ وَهُوَ جَهَنَّمُ **وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾** مُؤْلِمٌ فِيْهَا وَمَفْعُوْلَا يَحْسَبُ الْاُوْلٰى دَلَّ عَلَيْهِمَا مَفْعُوْلَا الثَّانِيَةِ عَلٰى قِرَاءَةِ التَّحْتَانِيَّةِ وَعَلَى الْفَوْقَانِيَّةِ حُذِفَ الثَّانِيْ فَقَطْ **وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** خَزَائِنُ الْمَطَرِ وَالرِّزْقِ

وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهَا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ﴿۱۸۹﴾ وَمِنْهُ تَعْذِيْبُ الْكَافِرِيْنَ وَاِنْجَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ.

ترجمہ:.........اور (یادرکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی (یعنی ان سے تورات میں عہد لیا گیا) تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا تھا کہ اس (کتاب) کو لوگوں پر واضح کرتے رہنا اور ایسا نہ کرنا کہ چھپانے لگو (دونوں فعلوں میں تا اور یا کے ساتھ قرأت ہے) لیکن انہوں نے اس کو پس پشت ڈال دیا (عہد کو نظر انداز کر دیا) اور (اس پر عمل درآمد نہ کر سکے) اور فروخت کر ڈالا (اس کا عوض لے کر) تھوڑے داموں پر (اپنی سیادت علمی کی وجہ سے کمتر لوگوں سے کچھ دنیا حاصل کرنے کے لئے کتمان علم کرتے تھے کہ کہیں ان کے منافع فوت نہ ہو جائیں) پس کیا ہی بری ہے (ان کی یہ خرید وفروخت) جو انہوں نے دام حاصل کئے ہیں اے پیغمبرؐ تم ہرگز ایسا نہ سمجھنا (تا اور یا کے ساتھ قرأت ہے) جو لوگ اپنی کرتوتوں پر خوش ہو رہے ہیں (لوگوں کو گمراہ کرنے کے سلسلہ میں جو انہوں نے کی ہیں) اور چاہتے ہیں کہ ان کاموں کے لئے سراہے جائیں جو انہوں نے کبھی نہیں کئے (گمراہ رہتے ہوئے ان کا حق پر جماؤ) تو تم ہرگز نہ سمجھنا (یہ بھی دونوں مذکورہ طریقہ پر تاکید کے لئے ہے) کہ وہ بچے رہیں گے (نجات کی جگہ میں ہوں گے) عذاب سے (آخرت میں بلکہ وہ عذاب کی جگہ یعنی جہنم میں ہوں گے) یقیناً ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا (جہنم میں تکلیف دہ۔ پہلے یحسبن کے دونوں مفعول محذوف ہیں دوسرے یحسبن کے دونوں مفعول ان پر دال ہیں یائے تحتانیہ کی قرأت پر لیکن تائے فوقانیہ کی قرأت پر صرف مفعول ثانی محذوف ہوگا) اور آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے (بارش اور رزق اور گھاس چارہ وغیرہ کے خزانے) اور اللہ کے احاطۂ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں (منجملہ اس کے کافروں کو عذاب اور مؤمنین کی نجات ہے)

تحقیق وترکیب:.........**لتبیننہ** یہ جواب میثاق ہے کیونکہ میثاق معنی قسم کو متضمن ہوتا ہے۔ ابن کثیرؒ وابو عمرؒ نے **لیبیننہ** یا کے ساتھ پڑھا ہے اور علماء نے اس کو حلف کے موقعہ پر بھی استعمال کیا ہے۔ اس لئے اس میں تین وجوہ ہو سکتی ہیں (۱) لفظ غائب کے ساتھ ہو گویا کسی سے یقینی بات کہہ رہے ہو۔ **استحلفته لیقومن** (۲) حاضر کے صیغہ کے ساتھ اس لفظ کو مراد لیا جائے جس کے کہنے کا ارادہ ہو مثلاً **استحلفته لتقومن** یعنی میں نے لتقومن کہا (۳) صیغہ متکلم کے ساتھ کہا جائے جیسے **استحلفته لاقومن** (روح المعانی)

اوتوا الکتاب یہ تعبیر یا تو اس لئے اختیار کی کہ مدار اختلاف انہوں نے کتاب اللہ کو بنا رکھا تھا اور تمام اختلافات کی اسناد اپنے زعم فاسد میں کتاب اللہ کی طرف کرتے تھے یا پھر مقصد اس جرم کی عظمت ہو کہ جن لوگوں سے اس کی توقع نہیں ہونی چاہئے تھی۔ ان ہی سے یہ شدید جرم سرزد ہو رہا ہے۔ حالانکہ کتاب اللہ ان کے لئے خود زاجر ہونی چاہئے تھی۔

فکتموہ حدیث میں ارشاد ہے **من کتم علمًا عن اهله الجم بلجام من النار. فبئس ما شروا** مفسر علامؒ نے بئس کا فاعل **شراؤهم** اور مخصوص بالمذمت **هذا** محذوف نکالا ہے **بما اتوا** اتیان اگرچہ عطاء کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ یہاں فعل کے معنی میں ہے۔

فلا تحسبنهم. یحسبن اول کا فاعل **الذین** الخ ہے اور دونوں مفعول محذوف "**انفسهم بمفازةٍ**" ہیں اور **تحسبن** فوقانیہ کی صورت میں فاعل ضمیر مخاطب اور **الذین** الخ مفعول اول اور ثانی **بمفازة من العذاب** محذوف ہوگا۔ زجاج کہتے ہیں کہ بات اگر لمبی ہو جائے تو لفظ حسب وغیرہ کا اعادہ تاکیداً مناسب رہتا ہے تاکہ ذہول نہ ہو جائے بلکہ سابق کلام کے ساتھ اتصال رہے جیسے کہا جائے **لا تظنن زیدا اذا جاءک و کلمک بکذا و کذا فلا تظنه صادقًا** فا اس میں زائد ہوتی ہے **مفازة** مصدر میمی بمعنی فوز اور تاء وحدۃ کے لئے نہیں ہے۔

ربط :............ یہود کے قبائح کا بیان چل رہا ہے۔ آیت واذ اخذ اللہ میں ان کے ایک خاص قبیحہ "نقضِ عہد" کا ذکر ہے جوان سے اظہار احکام اور عدم کتمان حق کا لیا گیا تھا۔ اس نقضِ عہد پر ان کو پشیمان ہونا چاہئے تھا لیکن اس کے برعکس وہ اظہار فخر کرتے ہیں۔ لاتحسبن الذین الخ میں اسی پر وعید ہے۔ آگے آیت للہ میں اپنی بے پناہ قدرت کا اظہار ہے۔

﴿ تشریح ﴾:...... کتمانِ حق جائز اور ناجائز:............ کتمانِ حق دنیوی غرض سے مذموم وممنوع ہے لیکن اگر کوئی مصلحت دینی داعی ہو مثلاً مسئلہ دقیق ہو اور مخاطب بدفہم یا کم فہم ہو کہ اس کے لئے فتنہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو اور اس مسئلہ کی کوئی خاص ضرورت بھی نہ ہو تو نہ صرف اخفاء جائز بلکہ بعض مواقع پر ضروری ہوگا۔ ورنہ خواہ مخواہ فتنہ عام، یا خاص ہوگا جس کی اجازت کسی طرح نہیں دی جا سکتی ہے۔

لیکن علمائے یہود اپنے دنیاوی منافع فوت ہونے کے خطرہ سے آنحضرت ﷺ کے باب میں سابقہ پیشگوئیوں کا اخفاء کرتے تھے اور ایمان وتصدیق جیسی ضرورات کا کتمان کرتے تھے۔ اسی طرح ناکردہ محاسن پر امید مدح سرائی رکھتے تھے۔ مثلاً حق کا اظہار نہیں کیا لیکن دوسروں کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم اظہارِ حق بلکہ حق کا بول بالا کرنے والے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی انہوں نے اسی قسم کی جرأت آمیز حرکت کی تاکہ ان کا خداع معلوم نہ ہو سکے۔ یہود ومنافقین غزوات کے موقعہ پر عام طور سے اس طرح کی چالاکیاں کرتے رہتے تھے غرض کہ آیت اپنے عموم الفاظ کی وجہ سے دوسروں کو بھی شامل ہے جو ایسی باتوں کا ارتکاب کرنے والے ہوں۔

نیک نامی پر سرورِ طبعی:............ تاہم مقصود آیت کا دراصل معصیت پر فرحت اور اہتمام مدحت ہے۔ البتہ نیکی پر خوشی یا نا کردہ نیکی پر خوشی اگر طبعاً ہو تو مضائقہ نہیں لیکن اگر اس میں بھی اہتمام مدح ہو تو یقیناً مذموم ہے۔ یہود کی دنیاوی رسوائی قتل وجلا وطنی ہے اور منافقین کی رسوائی بدنامی ہے۔ آیت وللہ میں چونکہ اللہ تعالیٰ سلطان حقیقی ہیں اور قادر مطلق ہیں نیز یہ صفات ان کے ساتھ مختص ہیں اور انہوں نے اس سزا کی خبر دی ہے اس لئے سب پر ان کے احکام کا ماننا ضروری ہے اور نافرمانی جرم ہے وہ سزا دے سکتے ہیں اور دیں گے اور ان کی دی ہوئی سزا سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

علمائے حق کا فرض:............ اس آیت سے معلوم ہوا کہ علماء پر حق کا اظہار واجب اور کتمانِ حق حرام ہے۔ بالخصوص دنیاوی اور نفسانی اغرض کے لئے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے ما اخذ اللہ علی اھل الجھل ان یتعلموا حتی اخذ علی اھل العلم ان یعلموا حاصل یہ ہے کہ علماء پر علم ضروری ہے تاکہ عوام کے لئے عمل ممکن ہو اور بقول فخر الاسلام کے آیت سے یہ معلوم ہوا کہ خبر واحد حجت ہوتی ہے حق عمل میں اگرچہ اعتقاد کے لئے ضروری نہ ہو۔

لاتحسبن الذین یفرحون سے ایسے مدعیان تصوف مشائخ کی مذمت معلوم ہوئی جن کی مجالس کے تذکروں کا زیادہ حصہ ایسے کمالات کی مدح سرائی کی امید پر مشتمل ہوتا ہے جن سے وہ یکسر کورے ہوتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ موجودہ کمالات کی مدح سرائی جائز اور محمود ہوگی وہ بھی نامحمود اور مذموم ہے کیونکہ مالم یفعلوا میں قید احترازی نہیں بلکہ قید واقعی ہے خصوصی واقعۂ نزول سبب ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِمَا مِنَ الْعَجَائِبِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ بِالْمَجِیْءِ وَالذِّهَابِ وَالزِّیَادَةِ وَالنُّقْصَانِ لَاٰیٰتٍ دَلَالَاتٍ عَلٰی قُدْرَتِهٖ تَعَالٰی لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ لِذَوِی الْعُقُوْلِ الَّذِیْنَ نَعْتٌ لِمَاقَبْلَهٗ اَوْ بَدَلٌ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ مُضْطَجِعِیْنَ اَیْ فِیْ كُلِّ حَالٍ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ یُصَلُّوْنَ كَذٰلِكَ حَسْبَ الطَّاقَةِ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لِیَسْتَدِلُّوْا بِهٖ عَلٰی قُدْرَةِ صَانِعِهِمَا یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ هٰذَا الْخَلْقَ الَّذِیْ نَرَاهُ بَاطِلًا حَالٌ عَبَثًا بَلْ دَلِیْلًا عَلٰی كَمَالِ قُدْرَتِكَ سُبْحٰنَكَ تَنْزِیْهًا لَكَ عَنِ الْعَبَثِ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ لِلْخُلُوْدِ فِیْهَا فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ اَهَنْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ الْكَافِرِیْنَ فِیْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضَعَ الْمُضْمَرِ اِشْعَارًا بِتَخْصِیْصِ الْخِزْیِ بِهِمْ مِنْ زَائِدَةٌ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ اَعْوَانٍ یَمْنَعُهُمْ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ یَدْعُو النَّاسَ لِلْاِیْمَانِ اَیْ اِلَیْهِ وَهُوَ مُحَمَّدٌ اَوِ الْقُرْاٰنُ اَنْ اَیْ بِاَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا بِهٖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ غَطِّ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا فَلَاتُظْهِرْهَا بِالْعِقَابِ عَلَیْهَا وَتَوَفَّنَا اقْبِضْ اَرْوَاحَنَا مَعَ فِیْ جُمْلَةِ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ الْاَنْبِیَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ رَبَّنَا وَاٰتِنَا اَعْطِنَا مَا وَعَدْتَّنَا بِهٖ عَلٰی اَلْسِنَةِ رُسُلِكَ مِنَ الرَّحْمَةِ وَالْفَضْلِ وَسُؤْالُهُمْ ذٰلِكَ وَاِنْ كَانَ وَعْدُهٗ تَعَالٰی لَایُخْلَفُ سُوَالُ اَنْ یَجْعَلَهُمْ مِنْ مُسْتَحِقِّیْهِ لِاَنَّهُمْ لَمْ یَتَیَقَّنُوْا اِسْتِحْقَاقَهُمْ لَهٗ وَتَكْرِیْرُ رَبَّنَا مُبَالَغَةٌ فِی التَّضَرُّعِ وَلَاتُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّكَ لَاتُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ الْوَعْدَ بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ دُعَاءَهُمْ اَنِّیْ اَیْ بِاَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ كَائِنٌ مِّنْ بَعْضٍ اَیِ الذُّكُوْرُ مِنَ الْاِنَاثِ وَبِالْعَكْسِ وَالْجُمْلَةُ مُؤَكِّدَةٌ لِمَا قَبْلَهَا اَیْ هُمْ سَوَاءٌ فِی الْمُجَازَاةِ بِالْاَعْمَالِ وَتَرْكِ تَضْیِیْعِهَا نَزَلَتْ لَمَّاقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَا اَسْمَعُ اللّٰهَ ذَكَرَ النِّسَاءِ فِی الْهِجْرَةِ بِشَیْءٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْ مَكَّةَ اِلَی الْمَدِیْنَةِ وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ دِیْنِیْ وَقٰتَلُوْا الْكُفَّارَ وَقُتِلُوْا بِالتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِتَقْدِیْمِهٖ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ اَسْتُرُهَا بِالْمَغْفِرَةِ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مَصْدَرٌ مِنْ مَعْنٰی لَاُكَفِّرَنَّ مُؤَكِّدٌ لَهٗ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فِیْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ التَّكَلُّمِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ اَلْجَزَاءِ۔

ترجمہ: .... بلاشبہ آسمان وزمین (اور جو کچھ عجائبات ان کے درمیان ہیں ان) کی تخلیق میں اور رات دن کے مختلف ہونے میں (یکے بعد دیگرے آنے جانے اور زیادتی اور کمی میں) بڑی ہی نشانیاں ہیں (اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالتیں ہیں) ارباب دانش (عقلمندوں) کے لئے وہ اہل دانش (یہ ماقبل کی صفت ہے یا بدل ہے) اللہ کی یاد میں لگے رہتے ہیں۔ کھڑے ہوں یا بیٹھے ہوں، لیٹے

ہوں (کروٹ کے بل، یعنی ہر حال میں۔حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان تینوں حالات میں حسب طاقت نمازیں پڑھتے ہیں)
اور غور وفکر کرتے ہیں آسمان وزمین کی پیدائش میں (تا کہ اس سے ان کے صانع کی قدرت پر استدلال کرسکیں درآنحالیکہ پکار اٹھتے ہیں
کہ) خدایا جو آپ نے پیدا کیا ہے کہ سب کچھ (مخلوق جس کو ہم دیکھ رہے ہیں) بلاشبہ عبث وبے کار نہیں ہے (ترکیب میں باطلاً حال
ہے یعنی عبث نہیں۔ بلکہ آپ کی کمال قدرت پر دلیل ہیں) آپ کی ذات اس سے پاک ہے (بے کار کام کرنے سے منزہ ہے) پس
ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالیجئے۔خدایا جس کو آپ دوزخ میں ڈال دیں (ہمیشگی کی نیت سے) بلاشبہ آپ نے اس کو بڑی ہی خواری
میں ڈال دیا (رسوا کردیا) اور ظلم کرنے والوں کے لئے (کافروں کے لئے اس میں اسم ظاہر کی بجائے ضمیر لائی گئی۔ رسوائی کی تخصیص
ان کے ساتھ ظاہر کرنے کے لئے) کوئی (مــن زائد ہے) مددگار نہیں (کہ اللہ کے عذاب سے مدد کر کے ان کو بچا سکے) خدایا ہم نے
ایک منادی کرنے والے کی منادی سنی (جو لوگوں کو بلا رہا تھا) ایمان کی طرف (للایمان بمعنی الی الایمان ہے اور مراد اس سے محمد ﷺ
یا قرآن پاک ہے) وہ کہہ رہا تھا (ان معنی میں بیان کے ہے لوگو!) ایمان لاؤ اپنے پروردگار پر۔تو ہم ایمان لے آئے (اس پر) پس خدایا
ہمارے گناہ بخش دیجئے اور مٹادیجئے (محو کردیجئے) ہماری برائیاں (کہ ان پر سزا ہو کر ان کا اظہار نہ ہو جائے) اور ہماری موت (قبض
ارواح) نیک کرداروں (انبیاءؑ اور صالحینؒ) کے ساتھ ہو خدایا عنایت فرما (عطا کر) وہ سب کچھ ہم کو (جس کا) آپ نے وعدہ فرمایا ہے
اپنے رسولوں (کی زبان) سے (یعنی رحمت وفضل۔حق تعالیٰ کا وعدہ اگرچہ خلاف نہیں ہوتا لیکن سوال کا منشاء یہ ہے کہ آپ ہمیں اپنے
وعدہ کے مستحقین میں شمار فرمائیے، کیونکہ استحقاق وعدہ کا یقین تو نہیں ہے اور لفظ ربــنــا کا تکرار انتہائی عاجزی کے لئے ہے) اور ہمیں
رسوائی نہ ہو قیامت کے دن بلاشبہ آپ ہی ہیں کہ آپ کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوسکتا (مراد بعث وجزاء کا وعدہ ہے) پس ان کے پروردگار
نے (ان کی دعائیں) قبول فرمالیں۔یقیناً میں (انّ معنی بــان کے ہے) کبھی کسی عمل کرنے والے کا عمل اکارت نہیں کیا کرتا۔مرد ہو یا
عورت تم سب ایک دوسرے کے جنس (سے) ہو (یعنی مرد عورت سے اور عورت مرد سے اور یہ جملہ ماقبل کی تاکید ہے۔یعنی عورت ومرد
سب عمل کے بدلہ اور اکارت نہ ہونے میں برابر ہیں)
(حضرت ام سلمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے جب عرض کیا یا رسول اللہ ہجرت کے سلسلہ میں ہم کہیں عورت کا ذکر قرآن پاک میں نہیں
سنتے؟ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی) پس جن لوگوں نے ہجرت کی (مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب) اور اپنے گھروں سے نکالے
گئے، میری راہ (دین) میں ستائے گئے اور (کفار سے) لڑے اور قتل ہوئے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے اور ایک قرأت میں قتلوا
کی تقدیم قــاتــلــوا پر ہے) تو یقیناً میں ان کی خطائیں معاف کردوں گا (مغفرت سے چھپالوں گا) اور انہیں جنت کے باغات میں
پہنچادوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، یہ ثواب ہوگا (لاکفرن کا معنی یہ مفعول مؤکد ہے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (متکلم
کے صیغہ سے یہاں التفات ہے) اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین ثواب (بدلہ) ہے۔

تحقیق وترکیب:............فــی کل حــال یعنی آیت سے عموم مراد ہے۔غالب حالات کی وجہ سے ان تین احوال کی تخصیص کی
ہے ورنہ تمام ہیئتیں اور کیفیتیں مراد ہیں۔یــصــلــون کــذلك یعنی احکام نماز اسی ترتیب کے ساتھ ہوں گے۔چنانچہ قیام پر قدرت
ہوتے ہوئے قعود جائز نہیں اور قعود پر قدرت ہوئے ہوئے اضطجاعاً نماز جائز نہیں۔البتہ ذکر اللہ کے لئے کوئی خاص حالت اعتقاداً
ضروری نہیں اس میں توسع اور عموم ہے کرنے میں بھی اور نہ کرنے میں بھی یوں تجربہ سے کوئی خاص ہیئت کا مفید ہونا ثابت ہو جائے تو وہ
دوسری بات ہے اور حسب الطاقۃ کی قید نماز کے ساتھ اس لئے لگادی ہے کہ حدیث عمران بن حصینؓ میں تصریح ہے صــل قــائماً فان لم
تستطع فقاعدًا فان لم تستطع فعلی جنب. یقولون. تقدیر عبارت کی طرف اشارہ ہے۔

باطلا یہ حال ہے **هذا** مفعول بہ سے تقدیر عبارت اس طرح ہے **ماخلقت هذا خاليًا عن الحكمة. فقنا** اس میں فاء جزائیہ ہے۔ای اذا تنزهناک فقنا. **للخلود فيها** اس میں معتزلہ کے لئے بھی اس قید کے بعد اجتماع کا موقعہ نہیں رہا دوسرے آیت **یوم لایخزی الله النبی الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مؤمنین غیر مخزی رہیں گے۔ادھر عصاۃ مؤمنین کا جہنم میں داخل ہونا بھی صحیح ہے اور اس آیت سے جہنم میں داخل ہونے والوں کا رُسوا ہونا معلوم ہوتا ہے۔اس تعارض کے رفع کے لئے مفسر علامؒ نے یہ قید لگائی ہے کہ آیت مطلقاً جہنم میں داخل ہونے والوں کے لئے عام نہیں ہے بلکہ صرف کفار مراد ہیں جن کا داخلہ دائمًا رہے گا۔**الیہ** یعنی لام بمعنی **الی** ہے جیسے **الحمد لله الذی هدانا لهٰذا** میں ہے اور **منادیًا** اور **ینادی** دونوں لفظ لانے میں منادی کی عظمت شان کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ منادیٔ ایمان سے بڑھ کر اور کون منادی ہوسکتا ہے اگر منادی سے مراد آنحضرت ﷺ ہوں تو اسناد حقیقی ہے اور قرآن مراد ہو تو اسنادِ مجازی ہے یعنی "منادی بہ"

ان امنوا مصدر یہ محل نصب میں ہے بحذف حرف الجر اور ان تفسیر یہ بھی ہوسکتا ہے ای **امنوا.**

ذنوبنا حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ذنوب سے مراد کبائر اور سیئات سے مراد صغائر ہیں۔ذنب کے معنی دامن کے ہیں اور **سیئتہ** سوء سے ہے اس لئے اس میں خفت ہے البتہ مغفرۃ اور تکفیر میں اہل لغت سے فرق منقول نہیں ہے اجتناب کبائر کے بعد کفارۂ سیئات ہوسکتا ہے **وتوفنا** چونکہ وفات میں تقدیم تاخیر ہوتی رہتی ہے معیت نہیں ہوتی اس لئے مفسرؒ نے فی جملۃ الابرار کہہ کر توجیہ کردی ہے بطور کنایہ ہم مسلک ہونا مراد ہے۔

ابرار جمع بر جیسے ارباب جمع رب کی **السنة رسلک** یعنی **واسئل القرية** کی طرح بتقدیر المضاف **ان یجعلهم یعنی انما العبرة بالخواتيم** کی وجہ سے مدار انجام عاقبۃ پر ہے اور وہ معلوم نہیں یا امتثال امرین کوتاہی کے خیال سے یا تعبد وخشوع میں مبالغہ کے لئے اس کی دعا سکھلائی گئی ہے۔**وتكرير ربنا** ان آیات میں پانچ مرتبہ لفظ ربنا آیا ہے تضرع کے لئے نیز یہ اسم اعظم ہے چنانچہ امام جعفر صادقؒ کا ارشاد ہے کہ جس کو کوئی ہولناک امر پیش آئے تو پانچ دفعہ **ربنا** کہنے سے اللہ مراد پوری فرمادیں گے اور اس حادثہ سے نجات مل جائے گی جیسے ایک معصوم بچہ بار بار ابا، اماں پکارتا ہے آخر کار ماں باپ کو پیار آہی جاتا ہے اور اس کی فرمائش پوری کردی جاتی ہے۔**میعاد** بمعنی وعد مصدر ہے ظرف نہیں ہے۔

انی ای بانی اس میں باسببیہ ہے **فالذین هاجروا** یہ مبتداء ہے **لاکفرن** خبر ہے **واخرجوا** اس میں اشارہ ہے کہ ان کا اخراج قہراً وجبراً ہے وہ خوشدلی سے نہیں نکلے بظاہر چاہے طوعاً ہو مگر بباطن کرہاً ہے کیونکہ جنم بھومی سے ہر شخص کو طبعاً لگاؤ ہوتا ہے **استرها** اشارہ اس طرف ہے کہ لغوی معنی مراد ہیں **ثوابًا** یعنی **لاکفرن ای لاثيبنهم بالتكفير اثابة** تو ثواب بجائے اثابۃ کے لایا گیا ورنہ دراصل عطاء کی طرح ثواب بولا جاتا ہے **لما یثاب** کے لئے اور بعض کی رائے ہے کہ جنات سے یا ضمیر مفعول سے حال ہے۔**ای مثابین** یا جنات سے بدل ہے اور غیبت سے تکلم کی طرف التفات ہے **عنده حسن الثواب** لفظ عند کا اطلاق صرف قریب اور نزدیک ہی کے لئے نہیں آتا بلکہ اختصاص اور ملکیت کے لئے بھی آتا ہے چاہے اس کے پاس نہ ہو یہاں بھی اختصاص ہی مراد ہے کہ ثواب دینے پر بجز اللہ کے کوئی قادر نہیں ہے اگر **حسن الثواب** مبتداء مؤخر نہ بھی کیا جاتا تب بھی لفظ **عنده** سے اختصاص اور حصر مفہوم ہورہا ہے۔

ربط:............آیت **لله الخ** کے اختصاص سے توحید مفہوم ہوئی۔ان آیات میں اس پر عقلی دلائل کا بیان ہے۔نیز اسی کے ساتھ توحید کے کمال اقتضاء پر عمل پیرا ہونے والوں کی فضیلت بھی مذکور ہے۔اسی طرح پچھلی آیات میں کفار کی ایذاؤں کا بیان تھا۔ان آیات میں بھی کفار کا عنادیہ درخواست کا جواب ہے۔آیت **فاستجاب** میں قبولیت دعا کی بشارت مع سبب اور اس پر تفریع کے مذکور ہے۔

شانِ نزول:............مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے عناداً یہ درخواست کی کہ آپ ﷺ کوہ صفا کو سونے کا بنا دیجئے تب ہم جانیں کہ آپ ﷺ واقعی نبی ہیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ دلائل تو بہت سے ہیں بشرطیکہ غور وفکر کرو۔ ابن جریرؒ وغیرہ نے ابن عمرؓ سے تخریج کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک طویل حدیث سنی ہے جس میں یہ بھی تھا کہ حق تعالیٰ قیامت کے روز جنت کو بلائیں گے وہ نہایت آرائش وزیبائش کے ساتھ آئے گی، ارشاد ہوگا کہاں ہیں میرے وہ بندے جنہوں نے میری راہ میں قتال کیا اور وہ ستائے گئے اور انہوں نے جہاد کیا وہ جنت میں داخل ہو جائیں، چنانچہ وہ بلا حساب کتاب داخل ہو جائیں گے اور دوسری روایت ام سلمہؓ کی مفسر علامؒ نے ذکر فرمائی ہے۔

﴿تشریح﴾:......**دلائلِ قدرت میں فکر ونظر:**............حاصل جواب یہ ہے کہ قدرت کی طرف سے دلائل کی کمی نہیں ہے کائنات میں ان کا تو انبار لگا ہوا ہے کمی اگر ہے تو ہماری نظر وفکر کی ہے، کوتاہی اگر ہے تو خود تمہاری اپنی بصیرت وطلب کی ہے۔

ففی کل شئ لہ ایۃ تدل علی انہ واحد

اور چونکہ یہ خاص فرمائش محض عناداً ہے اس لئے اس کو پورا کرنے میں کوئی خاص مصلحت وفائدہ نہیں ہے۔ ورنہ ہم اس درخواست کو پورا کر دیتے۔ بہر حال حق کی معرفت واستقامت کا سر چشمہ ذکر اللہ اور کائنات خلقت میں تدبر وتفکر ہے۔ ذکر کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی یاد سے کسی وقت دل فارغ نہ ہو اور فکر کا مقصد یہ ہے کہ آسمان وزمین کی پھیلی ہوئی ساری کائنات کی خلقت وفطرت اور مظاہر قدرت میں غور وخوض کیا جائے، ذکر سے دل کی غفلت دور ہوتی ہے اور فکر سے حقیقت کے دروازے کھلتے ہیں۔ اور اسرار فطرت آشکارا ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کے دل غفلت سے پاک ہوتے ہیں اور کائناتِ خلقت میں تفکر کرتے ہیں ان پر یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے کہ یہ تمام کارخانۂ ہستی اور اس کا عجیب وغریب نظام بغیر کسی اعلیٰ مقصد کے نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان کی اس دنیاوی زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہوتا کہ جو کچھ اس زندگی میں کیا جائے اس کے نتائج وثمرات اس اُخروی زندگی میں سامنے آ جائیں۔ اس حقیقت کے کھلنے پر انسانی روح خدا پرستی کے جوش سے معمور ہو جاتی ہے اور وہ خدا کی بارگاہ میں سر نیاز جھکا کر بخشش ورحمت کی طلب گار ہو جاتی ہے۔

قانونِ قدرت:............اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ کسی انسان کا نیک عمل رائیگاں نہیں فرماتا۔ پس جو لوگ حق پرستی کی راہ میں طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کر رہے ہیں وہ یقین رکھیں کہ ان کے اعمال حق اور ان کے ثمرات کبھی ضائع ہونے والے نہیں۔

ان للہ عباداً فطنا طلقوا الدنیا وخافوا الفتنا
نظروا فیھا فلما علموا انھا لیست لحی وطنا
جعلوھا لجۃ واتخذوا صالح الاعمال فیھا سفنا

ان آیات میں پانچ درخواستیں پیش کی گئیں ہیں اور ان کی قبولیت کی بشارت سنائی گئی ہے۔ سمعنا منادیا میں سننے سے مراد عام ہے خواہ بلا واسطہ ہو۔ جیسے حضرات صحابہؓ کا سننا یا بوسائط ہو جیسے عام مسلمانوں کا اور علی رسلک جمع کا صیغہ لانا اس طرف مشیر ہے کہ جس طرح تمام پیغمبر اصول دعوت میں مشترک ہیں۔ اسی طرح وعدہ میں بھی سب متفق ومتحد ہیں چنانچہ ان وعدوں کی ہر زمانہ میں بار بار تجدید ہوتی رہی ہے۔

جامع دعائیں:............اور منتہاء مقاصد چونکہ دو چیزیں ہیں حصول جنت، نجات جہنم اور دونوں کے لئے دو شرطیں ہیں طاعات کا وجود اور معاصی کا عدم۔ اس طرح کل چار باتیں ہوئیں چنانچہ **فقنا عذاب النار** میں دوسری چیز کی اور **فاغفر لنا** میں چوتھی چیز کی اور **اتنا ما وعدتنا** میں پہلی اور تیسری بات کی درخواست مذکور ہے۔ اس لئے یہ دعائیں نہایت جامع ہیں۔

نکات آیت:............**لاکفرن عنهم سیاٰتهم** میں تمام خطائیں مراد ہیں کیونکہ ہجرت اور جہاد و شہادت کا شرف یہاں مذکور ہو رہا ہے اور احادیث سے ان کا تمام گناہوں کے لئے مکفر ہونا معلوم ہے۔ نیز آیات دعا میں استجابت سے جو تکفیر مفہوم ہو رہی ہے اسلام پر اگر اس کو مرتب کیا جائے تو علی الاطلاق اس کا مکفر ہونا بھی وارد ہے اور استغفار کا صلہ اگر دعائے تکفیر کو قرار دیا جائے تب بھی توبہ کے مکفر ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اور قابل کفارہ گناہوں سے مراد صرف حقوق اللہ ہیں کیونکہ احادیث میں دین اور قرض کا استثناء آیا ہے۔ ان کے لئے یہ حسنات مکفر نہیں چنانچہ صحاح میں ہے **ان الاسلام یهدم ما کان قبله وان الهجرة تهدم ما کانت قبلها. وان القتل فی سبیل الله یکفر کل ذنب الا الدین** یعنی اسلام اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پچھلے تمام گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں بجز قرض کے۔

الذین یذکرون الله سے تین باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ فکر بھی مثل ذکر کے عبادت ہے، دوسرے یہ کہ فکر کا محل مخلوق ہے نہ کہ خالق کی ذات تیسرے ذکر سے مراد یہاں ذکر روحی اور قلبی ہیں کیونکہ سب احوال میں ہونا اسی کی شان ہے۔

ربنا ما خلقت هذا باطلاً سے بعض اکابر نے جو یہ سمجھا ہے کہ ممکنات نے وجود کی بو بھی نہیں سونگھی ہے اگر اس سے مراد اتصاف حقیقی کی نفی ہے جو واسطہ فی الثبوت میں ہوتا ہے تب تو صحیح ہے لیکن اتصاف مجازی جو واسطہ فی العروض میں ہوتا ہے اس کی نفی صحیح نہیں ہے اور کبھی باطل کا اطلاق بمعنی فانی بھی آتا ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

الا کل شیٔ ماخلا الله باطل وکل نعیم لامحالة زائل

لفظ زائل اس کا قرینہ ہے کہ باطل اس کے ہم معنی ہے یعنی اللہ کے سوا ہر چیز فانی اور ہر نعمت ختم ہو جانے والی ہے۔

وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ الْمُسْلِمُوْنَ اَعْدَاءُ اللّٰهِ فِيْمَا نَرٰى مِنَ الْخَيْرِ وَنَحْنُ فِي الْجَهْدِ **لَايَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** تَصَرُّفُهُمْ **فِي الْبِلَادِ﴿۱۹۶﴾** بِالتِّجَارَةِ وَالْكَسْبِ هُوَ **مَتَاعٌ قَلِيْلٌ** يَتَمَتَّعُوْنَ بِهِ فِي الدُّنْيَا يَسِيْرًا وَيَفْنٰى **ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴿۱۹۷﴾** اَلْفِرَاشُ هِيَ **لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ** اَيْ مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ **فِيْهَا نُزُلًا** هُوَ مَايُعَدُّ لِلضَّيْفِ وَنَصَبُهٗ عَلَى الْحَالِ مِنْ جَنّٰتٍ وَالْعَامِلُ فِيْهَا مَعْنَى الظَّرْفِ **مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ** مِنَ الثَّوَابِ **خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴿۱۹۸﴾** مِنْ مَتَاعِ الدُّنْيَا **وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ** كَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهٖ وَالنَّجَاشِيِّ **وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ** اَيِ الْقُرْاٰنُ **وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ** اَيِ التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلُ **خٰشِعِيْنَ** حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يُؤْمِنُ مُرَاعًى فِيْهِ مَعْنَى مَنْ اَيْ مُتَوَاضِعِيْنَ **لِلّٰهِ لَايَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** الَّتِيْ عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ مِنْ نَعْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **ثَمَنًا قَلِيْلًا** مِنَ الدُّنْيَا بِاَنْ يَّكْتُمُوْهَا خَوْفًا عَلَى الرِّيَاسَةِ كَفِعْلِ غَيْرِهِمْ مِنَ الْيَهُوْدِ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ**

اَجْرُهُمْ ثَوَابُ اَعْمَالِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ يُؤْتَوْنَهٗ مَرَّتَيْنِ كَمَا فِي الْقَصَصِ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يُحَاسِبُ الْخَلْقَ فِيْ قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا عَلَى الطَّاعَاتِ وَالْمَصَائِبِ وَعَنِ الْمَعَاصِيْ وَصَابِرُوْا الْكُفَّارَ فَلَا يَكُوْنُوْا اَشَدَّ صَبْرًا مِنْكُمْ وَرَابِطُوْا ۟ اَقِيْمُوْا عَلَى الْجِهَادِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ جَمِيْعِ اَحْوَالِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ تَفُوْزُوْنَ بِالْجَنَّةِ وَتَنْجُوْنَ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ:.........(مسلمانوں نے جب یہ شکایت کی کہ دشمنانِ خدا کو ہم اچھی حالت میں دیکھتے ہیں لیکن خود ہم تکلیف میں رہتے ہیں تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی) اے پیغمبر! آپ کو دھوکہ میں نہ ڈال دے سیر و گردش کرنا (گھومنا) راہِ کفر اختیار کرنے والوں کا ملکوں میں (تجارت اور کمائی کے لئے یہ جو کچھ ہے) محض تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے (دنیا کا معمولی سا نفع ہے جو بالآخر فنا ہو جائے گا) پھر آخر کار ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا ہی برا ٹھکانا (جگہ) ہے (وہ) لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈریں ان کے لئے باغ بہشت ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ہمیشہ (درانحالیکہ دوام ان کے لئے مقدر ہو چکا ہے) اسی حالت میں رہیں گے یہ ان کے لئے مہمانی ہوگی؟ (نُزُل وہ کھانا جو خاص مہمان کے لئے اترنے کے ساتھ ہی پیش کیا جائے اور یہ لفظ جنات سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور اس میں عامل معنیٰ ظرف ہے) اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے (ثواب) سو وہ اچھائی اور خوبی ہی ہے نیک کرداروں کے لئے (بہ نسبت دنیاوی سروسامانی کے) اور یقیناً اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان رکھتے ہیں (جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے رفقاء اور نجاشی شاہ حبشہ) اور جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے (قرآن کریم) اور جو کچھ ان پر نازل ہو چکا ہے (توراۃ وانجیل) سب کے لئے ان کے دل میں یقین ہے ان کے دل جھکے ہوئے ہیں (یہ حال ہے ضمیر یؤمن سے۔ اس میں معنی من متضمن ہے یعنی متواضعین) اللہ تعالیٰ کے آگے وہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں فروخت نہیں کرتے (تورات وانجیل کی وہ آیات جن میں آنحضرت ﷺ کی تعریف ہے) تھوڑے داموں پر (دنیا لیکر اس طرح کہ ان کو چھپا ڈالیں اپنی ریاست چلے جانے کے خوف سے جیسے کہ دوسرے یہود ایسا کرتے ہیں) تو بلاشبہ ایسے لوگوں کے لئے اجر (اعمال کا ثواب) ان کے پروردگار کے حضور ہے (ان کو ڈبل حصہ ملے گا جیسا کہ سورۂ قصص میں ہے) یقیناً اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والے ہیں (کہ دنیا کے آدھے دن میں کل مخلوق کا حساب چکا ڈالیں گے) مسلمانو! صبر کرو (خواہ طاعات پر ہو یا مصائب پر اور یا معاصی سے رُک کر) اور ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب دو (کفار کے مقابلہ میں تم سے زیادہ بڑھ کر صبر کسی کا نہیں ہونا چاہئے) اور ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جاؤ (جہاد میں پرے جما کر کھڑے ہو جاؤ) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (ہر حال میں) امید کی جاتی ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے (حصول جنت اور نجات جہنم کے ساتھ بامراد ہو سکو گے)

تحقیق وترکیب:.........لا یغرنك یہ خطاب ہر شخص کو ہے یا صرف آنحضرت ﷺ مخاطب ہیں اور سنانا دوسروں کو ہے۔ رہا خطاب کی تخصیص سو مبالغہ کے لئے ہے کہ آنحضرت ﷺ باوجودیکہ مغرور نہیں ہیں لیکن جب ہم آپ ﷺ سے کہہ رہے ہیں تو دوسرے جن میں یہ احتمال غالب ہے بدرجۂ اولیٰ مخاطب ہیں اور اس قسم کی آیات بکثرت ہیں جن میں بظاہر آپ ﷺ مخاطب ہیں۔

تقلب تصرف فی الامور کو تقلب کہتے ہیں یعنی جس طرح چاہے کرے مراد اس سے حل وعقد کا تصرف ہوتا ہے جس میں نقل مکانی ضروری نہیں ہے۔ اس کا محل ایسی لذیذ چیزیں ہیں جن میں حظ نفسانی ہو۔ ھو مفسر علامؒ نے متاع قلیل کے مبتداء محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای تقلبھم فی البلاد متاع قلیل۔

خالدین ضمیر سے حال مقدرہ ہے اور عامل معنی ظرف استقرار ہے اور اس کی حالیت باعث اشکال نہیں ہونی چاہیۓ کیونکہ وصف کے ساتھ اس کی تخصیص ہوگئی ہے۔ نزلا کہتے ہیں اول مہمانی کے کھانے کو جنۃ کو نزل کہنا اس لئے ہے کہ بلا انتظار سب سے اول ملے گی یا اس لئے کہ پہلے سے تیار رکھی جائے گی۔ اس میں مہمانوں کا اکرام مقصود ہے۔ خاشعین ابن زیدؒ اس کے معنی متذللین کے کہتے ہیں اور حسنؒ خشوع خوف خداوندی کو کہتے ہیں جو لازم قلب ہو۔

من متاع یعنی لفظ خیر اسم تفضیل ہے جس کا مفضل علیہ محذوف ہے۔ لمن یؤمن ان کے اسم پر لام ابتداء داخل کر دیا گیا ہے ظرف کے فاصل ہوجانے کی وجہ سے۔ نجاشی یہ نصرانی بادشاہ حبشہ تھا جس کا نام اصحمہ بمعنی عطاء اللہ تھا مؤمنین اہل کتاب دوہرے اجر کے مستحق اس لئے سمجھے گئے ہیں کہ انہوں نے دونوں مذہبوں پر اپنے اپنے وقت میں عمل کیا۔ سورۂ قصص وحدید میں ہے یؤتون اجرھم مرتین اور یؤتکم کفلین من رحمتہ. اصبروا حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں نفس کو خلاف طبع باتوں کا اس طرح پابند کر لینا کہ ناگواری اور جزع باقی نہ رہے صبر ہے۔ رابطوا مرابطت کے معنی سرحدوں پر حفاظت کے لئے گھوڑا باندھنا تاکہ جنگ کے لئے آمادہ اور تیار ہو سکیں۔

ربط:............ پچھلی آیت میں مسلمانوں کی تکالیف کا بیان اور ان کا نیک انجام مذکور تھا۔ آئندہ آیت میں کافروں کی عیش وعشرت کا انجام بد مذکور ہے تاکہ اس تقابل سے مسلمانوں کو پوری راحت وتسلی اور طاعات کے لئے آمادگی ہو۔ نیز آیات دعا سے پہلے کفار اہل کتاب کے قبائح کا بیان تھا۔ آیت وان من اھل الکتاب میں نومسلم اہل کتاب کے محامد ومدائح کا تذکرہ ہے۔ گذشتہ آیت لیسوا سواءً چونکہ یہود واہل کتاب کے باب میں تھی اور یہ آیت نصاریٰ اہل کتاب کے باب میں ہے اس لئے تکرار نہیں ہے۔ لیکن دونوں آیتوں کا مصداق اگر ایک ہی قسم کے نومسلم اہل کتاب ہوں تب بھی عنوان کے اختلاف سے تکرار نہیں یا تکرار بھی ہو تو مفید تاکید ہے اور چونکہ یہ صورت محاجہ لسانی وسنانی پر مشتمل ہے اس لئے ایک جامع اور مختصر عنوان پر سورۃ کو ختم کرنے کے لئے آیت یایھا الذین اٰمنوا اصبروا الخ لائی گئی ہے۔

شانِ نزول:............ آیت لایغرنک تقلب کے شانِ نزول کی طرف خود مفسر علامؒ نے اشارہ فرمایا ہے۔ آیت وانّ من اھل الکتاب کے متعلق ابن عباسؓ وغیرہ کی روایت یہ ہے کہ اصحم نصرانی شاہ حبشہ کے بارہ میں نازل ہوئی ان کے انتقال کی اطلاع جبریل علیہ السلام نے جب آنحضرت ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے صحابہؓ کو بقیع غرقد میں چل کر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا۔ اس کا جنازہ باوجود بعُد مسافت کے آپ ﷺ کے سامنے کر دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے نماز پڑھائی، استغفار کیا منافقین استہزاء کرنے لگے کہ بغیر دیکھے ایک ناواقف شخص کی غائبانہ نماز جنازہ آپ ﷺ پڑھ رہے ہیں حالانکہ وہ آپ ﷺ کا ہم مذہب بھی نہیں ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:......سورۃ کا آغاز اور اختتام:............ اس سورت کا آغاز جن مضامین سے کیا گیا ان ہی پر اس کا اختتام کیا جا رہا ہے۔ اس طرح آغاز وانجام دونوں یکساں ہوگئے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآنی دعوت کے مخالفین کتنی ہی جدوجہد کریں اور بظاہر وہ عارضی طور پر کتنے ہی خوشحال نظر آئیں لیکن انجام کار دعوت قرآنی ہی کامیاب ہوگی۔ اور اہل کتاب کی جو جماعتیں عرب میں دعوتِ قرآنی کا مقابلہ کر رہی ہیں وہ بالآخر نامراد ہوں گی، البتہ جو لوگ سچائی کی راہ اختیار کرلیں گے ان کے لئے کوئی کھٹکا نہیں ہے وہ اپنی راست بازی اور نیک عملی کا اجر ضرور پائیں گے۔ اللہ کا قانونِ محاسبہ سست رفتار نہیں ہے۔ قرآنی دعوت ماننے والوں کے لئے مختصر دستور

العمل یہ ہے کہ وہ صبر کی راہ اختیار کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ گندھ جائیں اور بندھ جائیں اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہیں اس صورت میں کامیابی ضرور ان کے قدم چومے گی۔

اہل کتاب اور مسلمانوں کا امتیازی نشان:.........خاشعین لِلّٰہ کی قید سے مؤمنین کی تخصیص کی وجہ سمجھ میں آ گئی ہے ورنہ اللہ کو اور تورات وانجیل کو تمام اہل کتاب مانتے تھے لیکن ان کا اعتقاد بلاخشوع وخضوع ہونے کی وجہ سے حدودِ شرعیہ سے متجاوز تھا چنانچہ اللہ کے لئے اولاد تجویز کرنا، احکام میں افتراء کرنا، تورات وانجیل کی آیات کا اشتراء، اسی تجاوز عن الحدود کے ثمرات تھے اس لئے تخصیص کی گئی ہے۔ البتہ قرآن پر اہل کتاب کا بالکل اعتقاد نہیں تھا۔ اس میں نفس اعتقاد ہی امتیاز کے لئے کافی تھا کسی قید کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور سریع الحساب کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سب سے ضرور حساب لیں گے احادیث میں بہت سے مقبولین کا بلاحساب جنت میں داخل ہونا بیان کیا گیا ہے بلکہ بطور کنایہ بدلہ کا جلد دینا مراد ہے۔ کیونکہ جو شخص جلد حساب کتاب کی فکر کرتا ہے وہ جلد ہی مزدوری چکانے کی بھی کوشش کرے گا اور لوگوں کو ٹال مٹول کی تکلیف میں مبتلا نہیں کرے گا۔

لطائفِ آیت:.........کفار کا محاجہ لسانی وسنانی جن سے مسلمانوں کو اذیت ہوسکتی ہے اور اس کے ضمن میں جو اقوال وافعال آتے ہیں ان کی چار علتیں ہیں۔ (۱) مقاتلہ (۲) احتمال مقاتلہ (۳) مباحثہ اور (۴) صرف ایذاء رسانی۔ چوتھی صورت میں تو صبرو استقلال کی بطورِ خود ضرورت ہے اور پہلی صورت یعنی احتمال مقاتلہ میں مرابطت یعنی جنگی تیاری اور مستعدی کی ضرورت ہوتی ہے اور تیسری صورت یعنی مباحثہ میں تقویٰ کی حاجت ہے کہ جوش وغصہ میں کہیں اعتدال کی باگ دوڑ ہاتھ سے نہ چلی جائے۔ جیسا کہ عموماً مناظرات میں ہوجاتا ہے اس لئے چاروں حالتوں کے مناسب ہدایت فرمائی گئی ہیں۔

تاہم تقویٰ کی ضرورت تو سب ہی صورتوں میں پڑتی ہے اس لئے اس کو عام رکھا گیا ہے۔ مرابطت کا اطلاق جس طرح سرحدی حفاظت ونگرانی پر آتا ہے اسی طرح احکام کی پابندی اور مواظبت پر بھی اس کا اطلاق آتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار پر رباط کا اطلاق آیا ہے اور یہ اول معنی کے لحاظ سے بھی تشبیہاً کہنا صحیح ہے گویا کہ نفس وشیطان کے مقابلہ کے لئے مستعد رہنا مراد ہے اور یا ثانی معنی کے لحاظ سے حقیقۃً فرمایا گیا ہے کہ یہ تو انتظار خود علامت ہے دوام کی۔ پس آیت بالا اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد کی ایک قسم مجاہدۂ نفس بھی ہے بلکہ وہ جہاد اکبر ہے۔

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ اَوْسِتٌّ اَوْسَبْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً

ترجمہ:.........سورۃ نساء مدنی ہے اس میں کل (۱۷۵ یا ۱۷۶ یا ۱۷۷) آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ترجمہ:.........اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم فرما ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَىْ اَهْلُ مَكَّةَ **اتَّقُوْا رَبَّكُمُ** اَىْ عِقَابَهٗ بِاَنْ تُطِيْعُوْهُ **الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ** اٰدَمَ **وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا** حَوَّآءَ بِالْمَدِّ مِنْ ضِلْعٍ مِنْ اَضْلَاعِهِ الْيُسْرٰى **وَبَثَّ** فَرَّقَ وَنَشَرَ **مِنْهُمَا** مِنْ اٰدَمَ وَحَوَّآءَ **رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً** ج كَثِيْرَةً **وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِى الْاَصْلِ فِى السِّيْنِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالتَّخْفِيْفِ بِحَذْفِهَا اَىْ تَسَاءَلُوْنَ **بِهٖ** فِيْمَا بَيْنَكُمْ حَيْثُ يَقُوْلُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ اَسْاَلُكَ بِاللّٰهِ وَاَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ **وَ**اتَّقُوا **الْاَرْحَامَ** ط اِنْ تَقْطَعُوْهَا وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْجَرِّ عَطْفًا عَلَى الضَّمِيْرِ فِىْ بِهٖ وَكَانُوْا يَتَنَاشَدُوْنَ بِالرَّحِمِ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴿۱﴾** حَافِظًا لِاَعْمَالِكُمْ فَيُجَازِيْكُمْ بِهَا اَىْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ وَنَزَلَ فِىْ يَتِيْمٍ طَلَبَ مِنْ وَلِيِّهٖ مَالَهٗ فَمَنَعَهٗ **وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى** الصِّغَارَ الَّاتِىْ لَا اَبَ لَهُمْ **اَمْوَالَهُمْ** اِذَا بَلَغُوْا **وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ** الْحَرَامَ **بِالطَّيِّبِ** ص الْحَلَالِ اَىْ تَاْخُذُوْهُ بَدَلَهٗ كَمَا تَفْعَلُوْنَ مِنْ اَخْذِ الْجَيِّدِ مِنْ مَالِ الْيَتِيْمِ وَجَعْلِ الرَّدِىِّ مِنْ مَالِكُمْ مَكَانَهٗ **وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ** مَضْمُوْمَةً **اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ** ط **اِنَّهٗ** اَىْ اَكْلَهَا **كَانَ حُوْبًا** ذَنْبًا **كَبِيْرًا ﴿۲﴾** عَظِيْمًا وَلَمَّا نَزَلَتْ تَحَرَّجُوْا مِنْ وَلَايَةِ الْيَتٰمٰى وَكَانَ فِيْهِمْ مَنْ تَحْتَهُ الْعَشْرُ اَوِ الثَّمَانُ مِنَ الْاَزْوَاجِ فَلَا يَعْدِلُ بَيْنَهُنَّ فَنَزَلَتْ **وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا** تَعْدِلُوْا **فِى الْيَتٰمٰى** فَتَحَرَّجْتُمْ مِنْ اَمْرِهِمْ فَخَافُوْا اَيْضًا اَلَّا تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ اِذَا نَكَحْتُمُوْهُنَّ **فَانْكِحُوْا** تَزَوَّجُوْا **مَا** بِمَعْنٰى مَنْ **طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ** ج اَىْ اِثْنَيْنِ اِثْنَيْنِ وَثَلَاثًا ثَلَاثًا وَاَرْبَعًا وَاَرْبَعًا وَلَا تَزِيْدُوْا عَلٰى ذٰلِكَ **فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا** فِيْهِنَّ بِالنَّفَقَةِ وَالْقَسْمِ **فَوَاحِدَةً** اَنْكِحُوْهَا **اَوْ** اِقْتَصِرُوْا عَلٰى **مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** ط مِنَ الْاِمَاءِ اِذْ لَيْسَ لَهُنَّ مِنَ الْحُقُوْقِ

مَالِلزَّوْجَاتِ **ذٰلِكَ** اَیْ نِكَاحُ الْاَرْبَعَةِ فَقَطْ اَوِ الْوَاحِدَةِ وَالتَّسَرِّیْ **اَدْنٰی** اَقْرَبُ اِلٰی **اَلَّا تَعُوْلُوْا**﴿۳﴾ تَجُوْرُوْا **وَاٰتُوا** اَعْطُوا **النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ** جَمْعُ صَدَقَةٍ مُهُوْرَهُنَّ **نِحْلَةً** مَصْدَرُ عَطِيَّةٍ عَنْ طِیْبِ نَفْسٍ **فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا** تَمْیِیْزٌ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ اَیْ اِنْ طَابَتْ اَنْفُسُهُنَّ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِنَ الصَّدَاقِ فَوَهَبْتَهُ لَكُمْ **فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا** طَیِّبًا **مَّرِیْٓــًٔا**﴿۴﴾ مَحْمُوْدَ الْعَاقِبَةِ لَاضَرَرَ فِیْهِ عَلَیْكُمْ فِی الْاٰخِرَةِ نَزَلَ رَدًّا عَلٰی مَنْ كَرِهَ ذٰلِكَ

ترجمہ:.........اے لوگو! (مکہ والو!) اپنے پروردگار سے ڈرو (یعنی اس کے عذاب سے، اس طرح کہ اس کی اطاعت کرو) وہ پروردگار کہ جس نے تمہیں پیدا کیا ایک اکیلی جان (آدمؑ) سے اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا (حواء علیہا السلام۔ جس کا تلفظ مد کے ساتھ ہوگا۔ ان کی بائیں پسلی سے پیدا کیا) پھر پھیلادی (متفرق ومنتشر طور پر) ان دونوں آدمؑ وحواؑ کی نسل سے مردوں اور عورتوں کی کثیر تعداد۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ باہم دگر سوال کرتے ہو (لفظ تسآء لون میں تا کا ادغام دراصل سین میں ہو رہا ہے اور ایک قرأت میں تخفیف کے ساتھ حذف تا کی صورت میں ہے۔ یعنی تسـاء لـون) جس کے نام پر (باہمی اس طرح کہ ایک دوسرے سے کہتا ہے اسـالـک بـاللہ اور انشـدک بـاللہ یعنی اللہ کا واسطہ دیتا ہوں یا اللہ کی قسم کھاتا ہوں، نیز (ڈرتے) رہو) قرابت داری کی معاملہ میں (کہ اس کو کہیں قطع نہ کردو ایک قرأت میں ارحام جر کے ساتھ عطف ہے ضمیر بــہ پر۔ چنانچہ رحمی رشتوں ناطوں کا واسطہ دے کر قسمیں کھائی جاتی تھیں) یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ تم پر نگرانِ حال ہیں (تمہارے اعمال کی نگہداشت فرمانے والے ہیں۔ ان کے لحاظ سے تم کو بدلہ دیں گے یعنی ہمیشہ اس وصف کے ساتھ متصف رہتے ہیں۔ اگلی آیت ایک یتیم کے سلسلہ میں نازل ہوئی جس نے اپنے ولی سے اپنا مال طلب کیا اور انہوں نے دینے سے انکار کر دیا) اور حوالہ کر ڈالو یتیموں کے (جن چھوٹے بچوں کے باپ نہ رہے ہوں) ان کا مال (جبکہ وہ بالغ ہوجائیں) اور ان کی اچھی (حلال) چیز کو ناکارہ (حرام) چیز سے نہ بدل ڈالو (یعنی اپنی ردی چیز دے کہ ان کی عمدہ چیز لے لو۔ جیسا کہ اب تک تمہارا معمول چلا آرہا ہے کہ یتیم کی بہترین چیزوں سے اپنا گھٹیا چیزوں کا تبادلہ کر لیتے) اور ان کا مال خورد برد نہ کرلیا کرو اپنے مالوں کے ساتھ (ملا کر) یقیناً یہ (کھانا) بڑے ہی گناہ (پاپ) کی بات ہے (اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ لوگ یتیم لڑکیوں کے معاملات میں حرج کرتے تھے اور بعض کے نکاح میں آٹھ یا دس بیویاں تھیں اور ان میں عدل نہیں کرتا تھا پھر نازل ہوئی) اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ انصاف (عدل) نہ کرسکو گے یتیم بچوں کے معاملہ (یعنی ان کے معاملات میں حرج واقع ہونے لگے نیز اگر وہ لڑکیاں ہوں تو ان سے نکاح کر لینے میں انصاف قائم نہ رکھ سکنے کا تمہیں اندیشہ ہو) تو نکاح (شادی) کرلیا کرو ان عورتوں (ما بمعنی من ہے) جو تمہیں پسند آئیں دو دو تین تین چار چار (یعنی تعدد ازواج کی تین صورتیں جائز ہیں۔ اول دو دو عورتوں سے، دوسرے یہ کہ تین تین عورتوں سے تیسرے یہ کہ چار چار عورتوں سے۔ لیکن اس سے زائد کی اجازت نہیں ہے) پس اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ انصاف نہیں کرسکو گے (ان متعدد عورتوں کے ساتھ ان کے حقوق کی ادائیگی اور سب کے ایک ساتھ ایک ہی طرح کا برابر سلوک کرنے میں) تو پھر چاہئے کہ ایک ہی بیوی سے (نکاح میں بس کرو) پھر (اکتفاء کرلو) ان عورتوں پر جو تمہارے ہاتھ لگ گئیں (باندیاں، کیونکہ ان کے اخراجات آزاد عورتوں کے برابر نہیں ہوتے) ایسا کرنا (یعنی محض چار عورتوں سے نکاح صرف ایک آزاد عورت سے یا ایک باندی سے) زیادہ قرین (قریب) ہے اس بات کے کہ تم ناانصافی (ظلم) نہ کرسکو اور ادا کردیا (دے دیا) کرو عورتوں کو ان کے مہر (صدقات جمع صدقۃ کی ہے بمعنی مہر) خوشدلی کے ساتھ (نحلۃ مصدر ہے خوشدلی سے دینے کے معنی میں) ہاں اگر وہ خوشدلی سے تمہارے حق میں کچھ چھوڑ دیں (نفسا تمیز ہے جو دراصل فاعل تھی یعنی اگر ان کا دل خوش ہوجائے کہ اپنے مہروں سے کچھ تم کو ہبہ کردیں) تو تم اسے اپنے کام میں لاسکتے ہو بے کھٹکے (خوشدلی سے) خوشگوار سمجھ کر (کہ انجام کے لحاظ سے بہتر اور آخرت میں ضرر رساں نہ رہے۔ یہ آیت ان لوگوں کی تردید میں نازل ہوئی جو مہر کے مال میں سے کچھ کھانا گناہ سمجھتے تھے)

تحقیق وترکیب: .... **یا ایھا الناس** ان الفاظ سے جہاں خطاب ہوتا ہے اس سے مراد عام طور پر اہل مکہ ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ سورت مدنی ہے کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اکثریہ ہے حواء کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان کو ایک شئے حی اور زندہ چیز سے پیدا کیا گیا ہے اور چونکہ مفسرؒ کی تقدیر کے مطابق ان کی پیدائش معتاد طریقہ سے نہیں ہوئی اس لئے وہ حضرت آدمؑ کی اولاد یا ہماری، بہن نہیں کہلائیں گی۔ بلکہ ہماری والدہ اور ان کی بیوی کہلائیں گی اور یہ تخلیق بقول کعب احبار اور وہب اور اسحٰق دخول جنت سے پہلے عمل میں آئی اور ابن مسعودؓ وابن عباسؓ کی رائے کے مطابق دخول جنت کے بعد ہوئی ہے۔ جس طرح آجکل سرجری سے پہلے بے حس کر دیا جاتا ہے اسی طرح حضرت آدمؑ پر نیند کی سی مدہوشی طاری کر دی گئی ہوگی اور حوا کو بائیں پسلی کے کسی حصہ سے نکال لیا گیا ہوگا۔ بیدار ہوتے تو بالطبع ان کی طرف میلان اور خواہش جنسی ہوئی لیکن بغیر ادائیگی مہر روک دیا گیا اور آنحضرت ﷺ پر اک دفعہ یا تین مرتبہ یا سترہ بار درود بھیجنے کو مہر قرار دیا گیا۔

نساء کثیرۃ روایت میں آتا ہے کہ حضرت حوا بیس یا چالیس بار حاملہ ہوئیں اور ہر مرتبہ لڑکا اور لڑکی توام پیدا ہوتے تھے اور اختلاف بطن کو اختلاف نسب کے قائم مقام کر کے ایک دفعہ کی لڑکی، دوسری دفعہ کے لڑکے کے ساتھ بیاہ دی جاتی تھی۔ **الارحام** یہ منصوب ہے۔ **علی اللہ** کے محل پر معطوف ہونے کی وجہ سے **مررت بزید وعمرًا** کی طرح ہے۔

ان تقطعوھا اس سے بدل الاشتمال ہے نیز ارحام بتقدیر مضاف ہے یعنی **"قطع مودۃ الارحام"** ڈرو اس سے "صلہ رحمی" کی اہمیت اور "قطع رحمی" کی برائی پر روشنی پڑتی ہے روایات میں اس کی تفصیل ہے۔

ان اللہ کان لفظ **کان** ماضی ہونے کی وجہ سے موہم انقطاع تھا۔ مفسرؒ نے اس کا ازالہ **لم یزل متصفًا** کہہ کر کر دیا کہ ازلًا وابدًا اور دائمًا اس سے متصف ہیں۔ **رقیبا** بمعنی مطلع مرقب بلند مکان جس سے نیچے جھانکا جائے۔ ابن زید اس کے معنی عالم لیتے ہیں گویا فعیل بمعنی فاعل۔ **الالی** بروزن علی جمع مذکر اسم موصول ہے مع اپنے صلہ **"بلا اب"** کے صفت ہے صغار کی اُلٰی اسم اشارہ نہیں ہے۔ **الخبیث** اس سے مراد حرام ہے خواہ عمدہ مال ہو اور طیب سے مراد حلال ہے اگرچہ ردی مال ہو۔ سعید بن المسیبؓ وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ **کان اولیاء الیتامٰی یاخذون الجید من مال الیتیم ویجعلون مکان الروی الخ**

ای تاخذوہ اشارہ ہے کہ تفعل معنی میں استفعال کے ہے جیسے تعجل معنی میں استعجال کے اور تاخر بمعنی استیخار۔

مضمومۃ یہ الی کا متعلق محذوف ہے جو موضع حال میں ہے **الحوب** بڑا گناہ۔ **اتوا الیتمٰی** سے مراد مال یتامیٰ سے صرف ترک تعرض نہیں ہے بلکہ صحیح سالم مال کی سپردگی ہے۔ **تقسطوا قسط** بمعنی عدل ہمزہ سلب کے لئے ہے ای ازال **القسط** قسط بمعنی ظلم اور **واما القاسطون الخ** اور **تقسطوا** بفتح التاء پڑھا گیا ہے قسط بمعنی جار ہے۔ اس صورت میں لا زائد ہوگا اور زجاج کے نزدیک **اقسط** بمعنی قسط بھی آتا ہے اور قسط بمعنی عدل جیسے **وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط**.

فی الیتامٰی یہ جمع ہے یتیم اور یتیمہ کی بخلاف ایتام کے وہ صرف یتیم کی جمع ہے شرعی حیثیت سے اس کے معنی ہیں نابالغ بچہ جس کا باپ نہ ہو لڑکا یا لڑکی۔ لیکن لغوی معنی انسانوں میں بن باپ کا بچہ اور جانوروں میں بن ماں کا بچہ بالغ ہو یا نابالغ۔ **ما طاب ما** بمعنی من صفت کا لحاظ کر کے ما سے تعبیر کیا گیا ہے یا کہا جائے کہ غیر ذوی العقول کے قائمقام کر لیا گیا ہے جیسے **ما ملکت ایمانکم** میں یا ما من کی جگہ استعمال ہو رہا ہے یعنی ذوی العقول ہی مراد ہیں جیسے **ماخلقت بیدی** اور طاب بمعنی بلغ بھی آتا ہے۔ **طابت الثمرۃ** بولتے ہیں ای ادرکت. طاب اور نساء دونوں عورت کے بالغ ہونے کی طرف مشیر ہیں۔ **ای اثنین** یعنی لفظ **مثنیٰ و ثلث وربع** میں واؤ عاطفہ نہیں ہے یا اعداد مکروہ سے عدول کی طرف اشارہ ہے۔ یہ اسماء غیر منصرف ہیں **تعولوا عول** بمعنی میل یعنی ظلم۔ **صدقات** مہر کو صدقہ سے تعبیر کرنے میں ادائیگی کی تسہیل کی طرف اشارہ ہے۔ **غلۃ** منصوب مصدر ہونے کی وجہ سے ہے یا حال ہونے کی وجہ سے۔ **نحلۃ** بمعنی عطیہ یہ مصدر من غیر لفظ الفعل ہے جیسا کہا جائے **جلست قعودًا**.

نفسًا دراصل یہ طبن کا فاعل تھا لیکن یہاں تمیز بنا دیا گیا ہے **ھنیئًا** بمعنی لذیذ **مریئًا** بمعنی آسانی سے ہضم ہونے والا خوشگوار دونوں

لفظ ضمیر مفعول سے حال واقع ہیں۔ طبن کو علی کے ساتھ بتضمین معنی تجاوز لایا گیا۔ منہ ضمیر مہر کی طرف راجع ہے اور من سے تقلیل کی طرف اشارہ ہے اگر چہ جائز کل مہر کا ہبہ کرنا بھی ہے۔

ربط :............ آل عمران کو مضمون تقویٰ پر ختم کیا گیا تھا۔ سورۂ نساء کو اسی مضمون تقویٰ سے شروع کیا جا رہا ہے۔ لیکن پہلی سورت کے تقویٰ کا محل مخالفین کے معاملات تھے اور اس سورۃ میں تقویٰ کا محل ان کے علاوہ باہمی معاملات بھی ہیں یعنی اس سورت میں تین طرح کے معاملات مذکور ہیں (۱) باہمی معاملات جیسے یتامیٰ، ازواج وغیرہ احکامات۔

(۲) مخالفین کے ساتھ معاملات جیسے احکامِ جہاد، منافقین کے احوال، مشرکین کے عقائد وغیرہ۔

(۳) معاملات فیما بینہ وبین اللہ یعنی دیانات جیسے توبہ ونماز کے احکام اور مسائل جنابت وطہارت وغیرہ۔ تقویٰ کو مؤثر بنانے کے لئے اللہ کی صفت ربوبیت اور خلق کا واسطہ دیا گیا ہے تا کہ انسانی ناطوں اور رحمی رشتوں میں باہمی استواری پیدا ہو سکے اور سوسائٹی کا نظام انفرادیت کی بجائے اجتماعیت کا رنگ اختیار کر لے۔ نظام معاشرت کے لئے صلہ رحمی کے حقوق کی حفاظت و درستگی ضروری ہے۔

آیت واٰتوا الیتٰمٰی سے ان حقوق کی تفصیلات شروع کر دی ہیں۔ اول حکم یتامیٰ کو مالی نقصان نہ پہنچانے سے متعلق ہے مگر عموماً اور آیت وان خفتم میں دوسرا حکم یتیموں کو ایک خاص نقصان سے بچانے کے متعلق ہے یعنی احکامِ نکاح کا بیان ہے۔ آگے آیت واٰتوا النساء میں تیسرا حکم مہر سے متعلق فرمایا گیا ہے۔

شانِ نزول:............ آیت وان خفتم کے نزول میں روایات مختلف ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ یتیموں کی نگہداشت کے سلسلہ میں جو آیات نازل ہوئیں ان کی وجہ سے لوگ یتامیٰ میں تو حد درجہ احتیاط کرنے لگے لیکن زنا سے احتراز نہیں ہو رہا تھا۔ اس لئے اس سلسلہ میں بطور اصلاح یہ آیت نازل ہوئی اور بعض کی رائے ہے کہ اگر کسی شخص کی تحویل میں کوئی خوبصورت یتیم لڑکی آ جاتی تھی تو وہ اسے اپنے ہی پاس روک لیتا تھا اور اس طرح ایک ایک کے پاس دس دس لڑکیاں جمع ہو جاتی تھیں جس سے ان کی حقوق تلفی کا سوال پیدا ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور بعض کا خیال ہے کہ لوگ مال یتامیٰ کے بارہ میں تو محتاط ہو گئے تھے مگر تکثیر نساء اور تعدد ازواج کے باب میں بے روک ٹوک تھے اس پر پابندی لگانے کے لئے آیت نازل ہوئی۔ ہر صورت پر آیت کی توجیہ الگ الگ ہو گی۔

امام زاہد کلبی سے ناقل ہیں کہ عورت کے اولیاء مہر پر قابض ہو جاتے تھے اور عورت کو دینے نہ دینے میں خود کو مختار سمجھتے تھے چنانچہ صاحب تفسیر حسینی بھی کہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں لڑکیوں کے مہر پر باپ قابض ہو جاتے تھے جیسا کہ قرآن کی آیت ان تاجرنی ثمانی حجج حضرت شعیب وموسیٰ علیہما السلام کے واقعہ کی حکایت کر رہی ہے لیکن اس آیت نے اس کو منسوخ کر کے لڑکی کا حق قرار دیا۔ اور مقاتل کہتے ہیں کہ مرد عورتوں سے نکاح بلا مہر کر لیتے تھے اس کی اصلاح کے لئے آیت نازل ہوئی۔ اس صورت میں شوہر مخاطب ہوں گے اسی طرح آیت کے دوسرے جزء فان طبن کے متعلق روایت ہے کہ بعض لوگ عورت کے دیئے ہوئے مہر میں سے پیسہ خرچ کرنا گناہ سمجھتے تھے اس کی اصلاح کی گئی کہ اگر خوشدلی سے ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔

﴿ تشریح ﴾:...... **خدا کی قدرت اور پیدائش کے تین طریقے**:............ آیت بالا میں پیدائش کے تینوں طریقوں کا ذکر ہے یعنی حضرت آدمؑ ایک جاندار کا بے جان مٹی سے پیدا ہونا۔ حضرت حواءؑ کا حضرت آدمؑ سے یعنی جاندار کا جاندار سے پیدا ہونا مگر توالد وتناسل کے معتاد اور متعارف طریقہ کے خلاف پیدا ہونا۔ عام انسانوں کی پیدائش یعنی دونوں جاندار اور طریقہ بھی متعارف۔ جیسے

آدمؑ سے تا ایں دم عورت مرد کی عام پیدائش کا سلسلہ جاری ہے۔ بہر حال فی نفسہٖ عجیب ہونے میں یہ تینوں صورتیں برابر ہیں اور اللہ کی قدرت کے آگے عجیب نہ ہونے میں بھی تینوں حالتیں یکساں ہیں اس لئے خاص طور پر حضرت حواءؑ کی پیدائش بطریق مذکور کا انکار کرنا صحیح نہیں ہے۔ باقی یہ شبہ کہ اس خاص صورت کے تجویز کرنے میں کیا خاص مصلحت وحکمت تھی؟ سو اللہ کے کسی کام کی حکمت واسرار جاننے کا نہ کسی کو دعویٰ ہے اور نہ اس کی کوئی ضرورت۔ درآنحالیکہ ایک مصلحت ظاہر وباہر بھی ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے سب طریقوں پر اظہار قدرت مقصود ہو علاوہ ازیں آخر معتاد طریق ہی میں کیا مصلحت ولم ہے؟ بہر حال ہمیں نہ یہ معلوم نہ وہ معلوم۔

ازالۂ شبہات:............ باقی بائیں پسلی سے حضرت حواءؑ کے بننے کا یہ مطلب نہیں کہ پوری پسلی ہی حضرت آدمؑ کی غائب ہوگئی تھی اول تو اس لازم کے ماننے میں بھی کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ زیادہ سے زیادہ ایک ہڈی کا کم ہونا لازم آئے گا جس میں کسی محال کا لزوم نہیں ہے لیکن مراد اس سے ہڈی کا بعض حصہ ہے کہ ایک قلیل مقدار کو اصل بنا کر اپنی قدرت سے اس کو بڑھا دیا۔ رہا یہ سوال کہ ایسا آپریشن کرنے میں ان کو تکلیف ہوئی ہوگی؟ سو عمل جراحی کے اس ترقیاتی دور میں یہ سوال کوئی وزن نہیں رکھتا نیز ان سب شبہات کا شافی جواب ان اللہ علی کل شیئ قدیر میں موجود ہے۔

آگے یتامیٰ کی مالی نگہداشت اور حفاظت کے بارہ میں ہدایت ہے کہ ان کے مال سے ایسا تبادلہ نہ کرو جو ان کے لئے باعث نقصان ہو اور وہ ہاتھ تلے ہونے کی وجہ سے اس کے دفعیہ سے عاجز ہوں یا یتیم خوبصورت مالدار لڑکی کو کم مہر اپنے نکاح میں دبالیا کہ اس کی داد فریاد کرنے والا کون ہوگا۔ اس کا حاصل انتظام یہ ہے کہ یا اس کو پورا مہر دو یا پھر دوسری عورت ڈھونڈ لو ایسا نہ ہو کہ یتیم لڑکی کی دولت پر قبضہ کرنے کے لئے اس سے نکاح کرلو اور اسے نقصان پہنچاؤ۔ سرپرست اور محافظ کو اس بارہ میں بے لاگ رہنا چاہئے۔

ایک نادر نکتہ:............ الفاظ مثنیٰ وثلاث وربع دو جگہ آئے ہیں ایک بیان تعدد ازواج کے مسئلہ میں دوسرے ملائکہ کے بیان میں۔ اولی اجنحۃ مثنیٰ وثلاث وربع لیکن دونوں جگہ الگ الگ معنی ہیں۔ ماطاب کے حال ہونے کی وجہ سے اور ان الفاظ کے مفہوم میں تکرار ہونے کی وجہ سے ان اقسام کے ساتھ تقیید حکم کے لئے مفید ہے یعنی فانکحوا جو اس حال میں عامل ہے اس کی اباحت اس اقسام مذکورہ کے ساتھ مخصوص ہوگی۔ ان صورتوں کے علاوہ اباحت نہیں ہونی چاہئے کیونکہ یہ قید احترازی ہے بخلاف آیت فاطر کہ وہاں تقیید کی کوئی دلیل نہیں اس لئے اطلاق باقی رہے گا۔ ان دونوں عبارتوں کا فرق ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ یہ سیب اور اخروٹ چار چار تقسیم کردو ظاہر ہے کہ اس کا مطلب زیادہ کی نفی کرنا ہے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ جلالین کا چاہے ایک ورق دیکھو یا دو ورق دیکھو یا چار ورق سب کا طرز یکساں ملے گا اس جملہ کا منشاء نہ تقسیم ہے اور نہ زیادہ کی نفی ہے۔

دوسرا نکتہ:............ رہا یہ سبہ کہ اس آیت سے پانچ عورتوں سے نکاح کا جس طرح عدم جواز مفہوم ہو رہا ہے ایک عورت کے ساتھ نکاح بھی مذکورہ صورتوں کے علاوہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہونا چاہئے ظاہر ہے کہ سیاق کلام اور اجماع امت اس پر دلالت کر رہا ہے چونکہ مقام توسع ہے اس لئے مثنیٰ سے کم درجہ کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ نکاح یتامیٰ سے استغناء کی ایک صورت میں بھی حاصل ہو جائے گا۔

تعددِ ازواج کی حد:............ باقی اس توسع کو اتنا بھی نہ بڑھایا جائے کہ چار سے بھی تجاوز ہو جائے کیونکہ نکاح یتامیٰ سے بچاؤ چار کے اندر رہ کر بھی پورا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جن نو مسلم صحابہؓ کے نکاح میں چار سے زائد بیویاں تھیں آپ ﷺ نے زائد سے علیحدگی کرادی تھی اور ازواج مطہرات کا چار سے زیادہ ہونا آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ اجماع امت بھی چار سے زیادہ کی حرمت پر ہے جن لوگوں سے خلاف منقول ہے اول تو انعقادِ اجماع کے بعد خلاف ہوا جس کا اعتبار نہیں دوسرے کسی قابل اعتبار دلیل پر

مبنی نہیں ہے اس لئے لائق لحاظ نہیں ہے۔

چار عورتوں تک توسع آزاد مرد کے لئے ہے لیکن غلام کے لئے (جس کا آجکل ہندوستان میں وجود نہیں) صرف دو عورتوں کے جمع کرنے کی اجازت ہے۔ بلوغ سے پہلے یتیم لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت سے جائز ہے۔

فان خفتم میں اسی حکم کا تتمہ اور دوسرا رخ بتلاتا ہے یعنی اگر اندیشہ ہو کہ تعدد ازواج کی صورت میں سب کے ساتھ یکساں سلوک اور انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر بھی کئی عورتوں سے نکاح کرنا شرعاً صحیح ہے لیکن ایسا کرنے سے گنہگار ہوگا اس لئے بہتر ہے کہ ایسی صورت میں یا صرف ایک نکاح پر اکتفاء کرے کہ جب تعدد نہیں ہوگا تو برابری کی نوبت کہاں آئے گی یا صرف لونڈی پر بس کرلے کہ اس کے حقوق بھی بی بی سے کم ہیں۔ مثلاً مہر نہیں، حق صحبت نہیں، اس لئے حقوق تلف ہونے کا اندیشہ کم ہے۔ ہندوستان میں چونکہ باندی نہیں پائی جاتی اس لئے کسی عورت سے لونڈی کا سا معاملہ کرنا اور جبر فی الخدمت یا اس کی خرید وفروخت حرام ہوگی۔

تعدد ازواج پر شبہ اور اس کا ازالہ:......... رہا یہ شبہ کہ تعدد ازواج کی اجازت موقوف ہے عدل پر اور عدل کے باب میں دوسری آیت ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء میں ارشاد ہے کہ عدل انسانی طاقت سے باہر ہے تو دونوں مقدمات کا حاصل یہ نکلا کہ تعدد ازواج ممکن نہیں ہے۔

جواب یہ ہے کہ دونوں آیات میں عدل سے مراد ایک نہیں بلکہ الگ الگ ہے۔ چنانچہ یہاں آیت نساء میں عدل فی المعاملہ مراد ہے اور آیت ثانی میں عدل فی المحبت ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ عدل معاملہ چونکہ اختیاری ہے اس لئے واجب الرعایت ہے اور عدل محبت غیر اختیاری ہے اس لئے باعث ملامت نہیں تاہم فلا تمیلوا کل المیل کے لحاظ سے بالکلیہ میلان قلبی اور دل کا جھکاؤ ایک ہی طرف نہ کرلو کہ اختیاری ہوجانے کی وجہ سے قابل ملامت ہے۔

عورت کی طرف سے کل یا بعض مہر کی معافی یا واپسی:......... دیئے ہوئے مہر میں سے عورت نے اگر کل یا بعض مہر کا ہبہ شوہر کو کردیا یا بغیر دیئے ہوئے مال میں سے کل یا بعض مہر کا ابراء خاوند کو کردیا تو آیت میں دونوں صورتوں کی اجازت دی جارہی ہے۔ البتہ جبریہ طور پر مہر عند اللہ معاف نہیں ہوتا اسی طرح عموم الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کے اولیاء بھی اس کی منشاء کے بغیر مہر میں تصرف نہیں کرسکتے۔

لطائف آیت:......... فانکحوا الخ مجموعہ آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ جس کو افراط وتفریط میں پڑنے کا خطرہ نہ ہو، اس کے لئے مباحات التذاذ بلکہ اس میں کسی درجہ توسیع بھی جائز ہے۔ ورنہ قدر ضرورت پر اکتفاء کرنا ہی اس کے لئے اسلم ہوگا۔ دوسرے آیت فان طبن الخ سے معلوم ہوا کہ اپنے سے کم درجہ شخص سے ہدیہ قبول کرنے میں عار محسوس نہیں کرنی چاہیے۔

وَلَاتُؤْتُوا اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ **السُّفَهَآءَ** الْمُبَذِّرِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ **اَمْوَالَكُمُ** اَیْ اَمْوَالَهُمُ الَّتِیْ فِیْ اَيْدِيْكُمْ **الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا** مَصْدَرُ قَامَ اَیْ تَقُوْمُ بِمَعَاشِكُمْ وَصَلَاحِ اَوْلَادِكُمْ فَيُضِيْعُوْهَا فِیْ غَيْرِ وَجْهِهَا وَفِیْ قِرَاءَةٍ قِيَمًا جَمْعُ قِيْمَةٍ مَاتَقُوْمُ بِهِ الْاَمْتِعَةُ **وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا** اَطْعِمُوْهُمْ مِنْهَا **وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴿۵﴾** عِدُوْهُمْ عِدَةً جَمِيْلَةً بِاِعْطَائِهِمْ اَمْوَالَهُمْ اِذَا رَشَدُوْا **وَابْتَلُوا** اِخْتَبِرُوْا **الْيَتٰمٰى** قَبْلَ الْبُلُوْغِ فِیْ دِيْنِهِمْ وَتَصَرُّفِهِمْ فِیْ اَحْوَالِهِمْ **حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ** اَیْ صَارُوْا اَهْلًا لَهُ بِالْاِحْتِلَامِ اَوِ السِّنِّ وَهُوَ اِسْتِكْمَالُ خَمْسَ عَشَرَةَ سَنَةً عِنْدَ الشَّافِعِیِّ **فَاِنْ اٰنَسْتُمْ** اَبْصَرْتُمْ **مِّنْهُمْ رُشْدًا**

اِصْلَاحًا فِیْ دِیْنِهِمْ وَمَالِهِمْ **فَادْفَعُوْٓا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ** اَیُّهَا الْاَوْلِیَاءُ **اِسْرَافًا** بِغَیْرِ حَقٍّ حَالٌ **وَّبِدَارًا** اَیْ مُبَادِرِیْنَ اِلَی اِنْفَاقِهَا مَخَافَةَ **اَنْ یَّكْبَرُوْا ۭ** رُشْدًا فَیَلْزَمُكُمْ تَسْلِیْمُهَا اِلَیْهِمْ **وَمَنْ كَانَ** مِنَ الْاَوْلِیَاءِ **غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ** اَیْ یَعِفُّ عَنْ مَالِ الْیَتِیْمِ وَیَمْتَنِعُ مِنْ اَكْلِهِ **وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ** مِنْهُ **بِالْمَعْرُوْفِ ۭ** بِقَدْرِ اُجْرَةِ عَمَلِهِ **فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ** اَیْ اِلَی الْیَتٰمٰی **اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ۭ** اَنَّهُمْ تَسَلَّمُوْهَا وَبَرِئْتُمْ لِئَلَّا یَقَعَ اِخْتِلَافٌ فَتَرْجِعُوْا اِلَی الْبَیِّنَةِ وَهٰذَا اَمْرُ اِرْشَادٍ **وَكَفٰی بِاللّٰهِ** اَلْبَاءُ زَائِدَةٌ **حَسِیْبًا ﴿۶﴾** حَافِظًا لِاَعْمَالِ خَلْقِهِ وَمُحَاسِبَهُمْ۔

ترجمہ:.......... اور مت حوالہ کردیا کرو (اے رشتہ داروں) کم عقل آدمیوں کے (جو مردوں، عورتوں، بچوں میں سے فضول خرچ ہوں) اپنا مال متاع (یعنی ان کا مال جو سرِ دست تمہارے قبضہ میں ہے) جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے قیام کا ذریعہ بنایا ہے (قیامًا مصدر ہے قام کا یعنی تمہاری معیشت اور اولاد کی اصلاح اس سے وابستہ ہے۔ اگر ٹھیک طریقہ پر مال خرچ نہ ہوا تو وہ مصالح ضائع ہوجائیں گے اور ایک قرأت میں قیمًا جمع قیمة کی ہے وہ چیز کہ جس سے سروسامان ہوسکے) ایسا کرو کہ ان کے مال میں ان کے کھانے کا انتظام کردیا کرو (اس میں سے کھانے کو دے دیا کرو) اور کپڑے کا انتظام کردیا کرو اور نیکی اور بھلائی کی بات انہیں سمجھا دی جائے (مناسب انداز میں انہیں سمجھا دو کہ سمجھدار ہونے کے بعد تمہارا روپیہ تمہارے حوالہ کردیا جائے گا) اور آزماتے (جانچتے) رہا کرو یتیموں کی حالت پر نظر رکھ کر (بالغ ہونے سے پہلے ان کی دینی حالت اور عام لین دین میں) یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں (یعنی نکاح کے قابل ہوجائیں خواہ بالغ ہونا احتلام سے معلوم ہو یا عمر کے ذریعے جس کی حد امام شافعیؒ کے نزدیک پندرہ سال ہے) پھر اگر تم محسوس کرو (پاؤ) ان میں صلاحیت (دین اور مال کی بہترائی کا سلیقہ) تو ان کا مال ان کے حوالہ کردو۔ اور کھا پی کر اڑا نہ ڈالو ان کا مال (اے اولیاء) فضول خرچی کرکے (ناحق یہ حال ہے) اور جلد جلد (یعنی تیزی سے اڑا ڈالو اس اندیشہ سے کہ) بڑے ہوجائیں (سیانے ہوجائیں کہ پھر ان کا مال تم کو واپس دینا پڑے) اور (اولیاء میں سے) جو صاحبِ مقدور ہو اسے چاہئے کہ پرہیز کرے (یعنی یتیم کے مال سے بچا رہے اور اس کے کھانے سے پرہیز رکھے) اور جو حاجت مند ہو وہ (اس میں سے) لے سکتا ہے مگر دستور کے مطابق (بقدر اجرت کارکردگی) پھر جب ان کے حوالہ کرنے لگو (یعنی یتیموں کے) ان کا مال تو اس پر لوگوں کو گواہ کرلیا کرو (کہ تم نے مال ان کی سپردگی میں دے دیا اور تم بری ہوگئے۔ تاکہ اختلاف کی نوبت پیش نہ آئے کہ گواہوں کی جانب رجوع کرنا پڑے اور یہ حکم استحبابی مشورہ کے درجہ میں ہے) اور اللہ کافی ہے (اس میں باء زائد ہے) محاسبہ کرنے کے لئے (مخلوق کے اعمال کا نگرانِ کار اور محاسب ہے)

تحقیق وترکیب:.......... **السفهاء** جمع سفیہ سفہ بمعنی خفت۔ مراد خفت عقل ہے۔ **اموالکم** اموال کی اضافت اولیاء کی طرف ادنیٰ ملابست کی وجہ سے کردی گئی ہے **جعل اللہ ای جعلہ اللہ۔ وارزقوهم فیها** لفظ **فیہ** کے ساتھ تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ مال دینے میں خیر خواہی پیش نظر رہے رأس المال محفوظ رہنا چاہئے اور منافع میں اس کا خرچ پورا کرنا چاہئے۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا کہ **فی** بمعنی **من** ہے۔

وابتلوا امام صاحبؒ کے نزدیک کچھ پیسے دے کر بازار سے سودا سلف منگوا کر دیکھنا چاہئے۔ اسی لئے صاحب نسفی نے آیت سے سمجھدار بچہ کے لئے اذن فی التجارۃ کا جواز مستنبط کیا ہے۔

حتی اذا بلغوا امام صاحبؒ کے نزدیک لڑکے کے لئے اٹھارہ سال اور لڑکی کے لئے سترہ سال عمر حد بلوغ ہے اور امام صاحبؒ کا

ایک قول اور صاحبین کا مفتیٰ بہ قول دونوں کے لئے پندرہ سال ہے کیونکہ لوگوں کی عمریں کم ہوتی جارہی ہیں۔

فان انستم شرط جزاء سے مل کر جواب ہے۔ اذا بلغوا کا جو متضمن معنی شرط ہے۔ انستم کی تفسیر ابصرتم کی بجائے علمتم سے بہتر ہے۔ لیکن ممکن ہے علاماتِ رُشد کا محسوس ہونا بتلانا مقصود ہو اسرافًا حال ہے یا مفعول لہ ہے۔

ان یکبروا بتقدیر المضاف مفعول لہ ہے۔ بالمعروف بقدر اُجرت ومزدوری کفاف لینے کا حق ہے اور بعض کے نزدیک صرف بقدر ضرورت روزینہ لے سکتا ہے اور بعض کے نزدیک بطور قرض خرچ کرے۔

وھذا امر ارشاد امر ارشادی کا درجہ صرف دنیوی مصلحت اور مشورہ کا ہوتا ہے وہ شرعی حکم نہیں ہوتا۔

ربط وشانِ نزول:.......... یتیموں کے سلسلہ میں چونکہ زیادہ کوتاہیاں ہورہی تھیں اور وہ بے زبان دادفریاد بھی نہیں کرسکتے تھے اس لئے ان کی تفصیلات سے تعرض کیا جارہا ہے چنانچہ چوتھا حکم ان کو مال کی سپردگی کی مدت سے متعلق ہے اور اس کی تاکید مزید ہے۔ آگے آیت ولا تاکلوا الخ میں بطور تتمہ پانچواں حکم فضول خرچی کی بندش سے متعلق ہے۔

﴿تشریح﴾:.......یتیموں کا مال اور ہدایتی دفعات:.......... یہاں مال یتامیٰ سے متعلق چند ہدایتی دفعات کا بیان ہورہا ہے۔

(۱) چونکہ معیشت اور زندگی کا سروسامان ہے اس لئے یتیم بچے جب تک عاقل بالغ نہ ہوجائیں اور اپنے مفاد کی حفاظت خود نہ کرنے لگیں اور نفع ونقصان کی ان کو خبر نہ ہو مال ومتاع ان کے قبضہ میں نہ دو۔

(۲) اس خیال سے کہ یتیم کہیں بالغ ہو کر مطالبہ نہ کر بیٹھیں، مال ودولت کو فضول خرچی میں اڑادینا نہایت پاپ (گناہ) ہے یہ مال بہرحال امانت ہے دیانتداری سے اس کی حفاظت تمہارا فرض ہونا چاہئے۔

(۳) سرپرست اور نگران کار اگر صاحب حیثیت اور خوشحال ہوں تو اپنے اخراجات کا باریتیم کی امانت پر نہیں ڈالنا چاہئے ہاں محتاج ہوں تو بقدرِ ضرورت لے سکتا ہے۔

(۴) حقدار کا جب حق دینے لگو تو اس پر گواہ کرلیا کرو۔

یتیم کے لئے سمجھ بوجھ کا معیار:.......... سودا سلف کرانے کے بعد خرید وفروخت کا سلیقہ اگر آجائے جس کو تمیز کہتے ہیں تو یتیموں کا مال ان کے حوالہ کردیا جائے گا اور یہ سلیقہ نہ آئے جس کو سفاہت کہتے ہیں اس صورت میں مال ان کے حوالہ نہیں کیا جائے گا۔ پھر خواہ طبیعت میں سلیقہ ہی نہ آیا ہو یا سلیقہ تو ہے مگر اس سے کام نہیں لینا چاہتا بلکہ ویسے ہی مال اڑانا چاہتا ہے تب بھی روپیہ نہیں دیا جائے گا۔ سفیہ کے ایسے تصرفات کہ جن میں دوسرے کو چیز دے دی جائے باطل ہیں۔ جیسے ہبہ وصدقہ وغیرہ اور جو تصرفات زبانی نافذ ہوجاتے ہوں وہ سب صحیح ہیں جیسے خرید وفروخت، نکاح، طلاق وغیرہ اور جس ولی کے قبضہ میں مال ہو اس کو تکمیل کا پابند کیا جائے گا۔ مثلاً بیع نامہ کی صورت میں قیمت اور مال کی سپردگی یا نکاح میں ادائیگی مہر سفیہ کے بارہ میں امام صاحبؒ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ پچیس سال تک انتظار کیا جائے گا اس کے بعد بہرصورت مال حوالہ کردیا جائے گا۔ خواہ اس کو تمیز آئے یا نہ آئے۔

بظاہر آیت فان انستم منھم رشدًا کی قید سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ بغیر رُشد کے مال بالکل حوالہ نہ کیا جائے۔ جیسا کہ شوافع کا خیال ہے لیکن کہا جائے گا کہ مال کی تفویض میں جس سفاہت کو مانع سمجھا گیا ہے وہ خاص قسم کی سفاہت ہے۔ جسے بچپن کا اثر کہنا چاہئے مطلق سفاہت مراد نہیں ہے لیکن پچیس سال میں کم از کم مدت بلوغ اور حمل کی اگر فرض کی جائے تو یہ شخص دادا بن سکتا ہے اس کو بچپن کہنا چاہئے نہ کہ بچپن۔ غرض کہ اتنی عمر میں بھی اگر اس کو مال سے.......... محروم رکھا گیا تو گویا مالکانہ تصرف بلکہ انسانیت سے بالکلیہ اس کو محروم کردیا

گیا ہے۔ تاہم بعض تصرفات اس صورت میں بھی اگر چہ نافذ ہیں لیکن اکثر اتلاف مال تبرعات میں ہوا کرتا ہے اس لئے ان ہی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے پس معاملہ گویا بین بین رہا نہ بالکل نافذ التصرف، نہ بالکل ممنوع التصرف اور اس کی حالت کے پیش نظر صرف اسی قدر فائدہ کافی ہے۔ البتہ اگر کسی کے دماغ میں اس درجہ فتور آ گیا ہو جس کو جنون یا عتہ کہتے ہیں تو ایسا شخص ساری عمر نابالغ کی طرح محروم التصرف بلکہ مرفوع القلم رہے گا۔

یتیم کے کارندہ کی تنخواہ:.......... یتیم بچہ کے محتاج کارندہ کو حوائج ضروریہ کے مطابق اپنے حق الخدمت کے طور پر خرچ کرنا جائز ہے اور صاحب مقدور کارکن کے لئے ناجائز اور یتیم کو مال حوالہ کرتے وقت مصالح مذکور کی وجہ سے گواہ کر لینا مستحب ہے ورنہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ محاسب ہیں اگر خیانت نہیں کی تو گواہوں کا نہ ہونا بھی آخرت کے لحاظ سے مضر نہیں اور اگر فی الواقع خیانت کی ہے تو مصنوعی گواہوں کا ہونا کچھ نافع نہیں ہوگا۔

ولا تؤتوا السفهاء سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز نااہل کو سپرد نہ کی جائے اس میں مناصب اور عہدے بھی داخل ہیں اور طالبین کی تعلیم وتربیت کی خدمت کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا۔ یعنی تاوقتیکہ آزمائش اور امتحان نہ کر لیا جائے خلافت ارشادی یا اور کوئی منصب عہدہ کسی کے حوالہ نہ کیا جائے۔

وَنَزَلَ رَدًّا لِمَا كَانَ عَلَيْهِ الْجَاهِلِيَّةُ مِنْ عَدَمِ تَوْرِيْثِ النِّسَاءِ وَالصِّغَارِ **لِلرِّجَالِ** الْاَوْلَادِ وَالْاَقَارِبِ **نَصِيْبٌ** حَظٌّ **مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ** الْمُتَوَفَّوْنَ **وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ** اَيِ الْمَالِ **اَوْ كَثُرَ** جَعَلَهُ اللّٰهُ **نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا﴿۷﴾** مَقْطُوْعًا بِتَسْلِيْمِهٖ اِلَيْهِمْ **وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ** لِلْمِيْرَاثِ **اُولُوا الْقُرْبٰى** ذُو الْقَرَابَةِ مِمَّنْ لَا يَرِثُ **وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ** شَيْئًا قَبْلَ الْقِسْمَةِ **وَقُوْلُوْا** اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ **لَهُمْ** اِذَا كَانَ الْوَرَثَةُ صِغَارًا **قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴿۸﴾** جَمِيْلًا بِاَنْ تَعْتَذِرُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّكُمْ لَا تَمْلِكُوْنَهٗ اِنَّهٗ لِصِغَارٍ وَهٰذَا قِيْلَ مَنْسُوْخٌ وَقِيْلَ لَا وَلٰكِنْ تَهَاوَنَ النَّاسُ فِيْ تَرْكِهٖ وَعَلَيْهِ فَهُوَ نُدْبٌ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ وَاجِبٌ **وَلْيَخْشَ** اَيْ لِيَخَفْ عَلَى الْيَتٰمٰى **الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا** اَيْ قَارَبُوْا اَنْ يَّتْرُكُوْا **مِنْ خَلْفِهِمْ** اَيْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ **ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا** اَوْلَادًا صِغَارًا **خَافُوْا عَلَيْهِمْ** الضَّيَاعَ **فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ** فِيْ اَمْرِ الْيَتٰمٰى وَلْيَأْتُوْا اِلَيْهِمْ مَا يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِذُرِّيَّتِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمْ **وَلْيَقُوْلُوْا** لِلْمَيِّتِ **قَوْلًا سَدِيْدًا﴿۹﴾** صَوَابًا بِاَنْ يَّاْمُرُوْهُ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِدُوْنِ ثُلُثِهٖ وَيَدَعُ الْبَاقِيَ لِوَرَثَتِهٖ وَلَا يَتْرُكُهُمْ عَالَةً **اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا** بِغَيْرِ حَقٍّ **اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ** اَيْ مِلْاَهَا **نَارًا** لِاَنَّهٗ يَؤُوْلُ اِلَيْهَا **وَسَيَصْلَوْنَ** بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ يَدْخُلُوْنَ **سَعِيْرًا﴿۱۰﴾** نَارًا شَدِيْدَةً يُحْتَرَقُوْنَ فِيْهَا۔

ع ۱۰ / ۱۲

ترجمہ:.......... (زمانہ جاہلیت میں جو عورتوں اور بچوں کو میراث سے محروم رکھنے کا دستور چلا آ رہا تھا اس کی اصلاح کے لئے آیت نازل ہوئی) لڑکوں کا (اولاد اور رشتہ داروں کا) حصہ (مقدار معینہ) ہے ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں (جو وفات پا چکے ہیں) اور

لڑکیوں کا حصہ ہے ماں باپ یا قرابت داروں نے جو ترکہ چھوڑا ہے۔ تھوڑا ہو وہ (مال) یا زیادہ (ٹھہرایا ہے اللہ نے اس کو) حصہ مقررہ (جس کا دینا علی قدر السہام ان کو ضروری ہے) اور جب حاضر ہو جائیں تقسیم (میراث) کے وقت رشتہ دار (دور کے وہ قرابت دار جن کو میراث نہیں ملتی) اور یتیم و مسکین افراد تو چاہئے کہ میت کے مال میں سے انہیں بھی تھوڑا بہت دے دو (تقسیم ترکہ سے پہلے کچھ مال اور کہہ دو (اے اولیاء) ان مانگنے والوں سے (اگر ورثاء کمسن ہوں) اچھے طریقہ پر بات (یعنی ان سے عذر کر دو کہ ہم مالک نہیں ہیں اور وارث چھوٹے بچے ہیں یہ آیت بعض کی رائے پر منسوخ ہے اور بعض کے نزدیک منسوخ نہیں ہے۔ لیکن لوگوں نے سستی کر کے اس کو ترک کر رکھا ہے اور اس قول پر یہ حکم استحبابی اور ابن عباسؓ سے اس کا واجب ہونا مروی ہے) اور ڈرنا چاہئے (یتیموں پر خوف کرنا چاہئے) لوگوں کو کہ اگر وہ خود چھوڑیں (یعنی اپنے پیچھے مرنے کے قریب چھوڑنے لگیں) ناتواں بچوں (چھوٹی اولاد) کو تو انہیں ان کی طرف سے کیسا کچھ (ضائع ہونے کا) اندیشہ ہوتا ہے پس چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں (یتیموں کے معاملہ مین اور ان کے لئے بھی وہی کچھ پسند کریں جو اپنے مرنے کے بعد اپنی چھوٹی اولاد کے بارے میں کیا جانا پسند کرتے ہوں) اور (میت سے) ایسی بات کہیں جو درست اور مضبوط ہو (درست اس طرح کہ میت کو ثلث مال سے کم وصیت کرنے کا مشورہ دیں اور یہ کہ باقی مال کو ورثاء کے لئے رہنے دیں ان کو تنگدست نہ چھوڑ جائیں) جو لوگ یتیموں کا مال خُرد بُرد کر لیتے ہیں ناانصافی سے (ناحق) تو وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اپنے پیٹ میں بھر رہے ہیں (ٹھونس رہے ہیں) آگ کے انگارے (کیونکہ انجام اس قسم کے مال کھانے کا نار ہی ہے) اور عنقریب جھونکے جائیں گے (یہ صیغہ معروف اور مجہول دونوں طرح ہے یعنی داخل کئے جائیں گے) جہنم میں (ایسی سخت آگ میں کہ اس میں جل کر بھسم ہو جائیں)

تحقیق و ترکیب:......... **وللرجال** بظاہر لفظ **رجال و نساء** سے متبادر معنی بالغ کے ہوتے ہیں حالانکہ مراد عام اولاد ہے۔ شاید اس طریق تعبیر میں یہ نکتہ ملحوظ ہو کہ اس سلسلہ میں نابالغ بھی حکم میں بالغ کے ہیں۔

والاقربون مراد وارث رشتہ دار ہیں مجوب الارث رشتہ دار مراد نہیں ہیں۔ **مماقل منه. مماترك** سے بدل ہے اعادہ عامل کے ساتھ اور ضمیر منه کی ماترک کی طرف راجع ہے۔ **نصیبا مفروضا** مفسرؒ نے پہلے **جعله** مقدر نکال کر اشارہ کر دیا کہ یہ اس کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا منصوب علی الاختصاص ہے۔ **ای اعنی نصیبًا** یا مصدر مؤکد ہے یا حال ہے۔ **ای ثبت لهم مفروضا مقطوعا واجبالهم**.

القسمة مفعول بہ ہے اور مجوث عنہا ہونے کی وجہ سے یا اس لئے کہ فی الواقع بھی تقسیم مقدم ہوتی۔ اس لئے لفظاً بھی مقدم کر دیا ہے۔ **بان تعتذروا** یعنی بالکل نہ دینا اصل ہے جبکہ اولاد صغار ہو۔ یا مراد ہے کہ زیادہ نہ دیا جائے البتہ تھوڑا معمولی طور پر دے دیا جائے۔ **قیل منسوخ** آئندہ آیت میراث سے منسوخ ہے۔ یہی رائے ائمہ اربعہؒ کی ہے اور دوسرے حضرات محدثین نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔ دوسرا قول استحباب کا ہے گویا ایک یہ آیت اور دوسری آیت **ان اکرمکم عندالله اتقکم** اور تیسری آیت **یا ایها الذین امنوا لیستاذنکم الذین الخ** یہ تینوں آیات منسوخ تو نہیں مگر لوگوں نے تعامل میں تہاون کر رکھا ہے اور تیسرا واجب کا ہے۔ **لوترکوا** لفظ **خافوا** کو چونکہ جزاء بنانا ہے اس لئے **ترکوا** کو مفسر نے قرب پر محمول کر لیا ہے ورنہ موت کے بعد خوف کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

لسلمیت اس کی بجائے اگر مفسر **للمریض** فرماتے تو زیادہ بہتر تھا کیونکہ قریب المرگ اور مرض الموت میں گرفتار شخص مراد ہے۔

ولیخش اس کا خطاب اولیاء یتامیٰ کو ہے اور بعض نے قریب المرگ کے پاس آنے والوں کو خطاب مانا۔

سعیرا فعیل بمعنی مفعول **سعوت النار** بمعنی اوقدته، مفسر علامؒ نے **نارًا شدیدة** کہہ کر اشارہ کر دیا کہ اس سے مراد جہنم کا مخصوص طبقہ نہیں ہے کہ وہ خاص ہوتا ہے کفار کے ساتھ بلکہ عام معنی عذاب شدید کے ہیں۔

ربط:.........سلسلہ کلام یتامیٰ کے باب میں چل رہا ہے ایک غلط رواج زمانہ جاہلیت میں ان کے بارہ میں یہ قائم ہو گیا تھا کہ یتامیٰ

کو مستحق میراث نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس بُری رسم کی اصلاح مقصود ہے کہ یہ بھی دوسروں کی طرح مستحقین ترکہ ہیں۔ اگلی آیت و اذا حضرا لقسمة الخ میں دوسرے بعض غیر مستحقین غرباء کے ساتھ بھی استحباباً مراعات کا حکم دیا جارہا ہے اور آیت ولیخش الخ میں یتیموں کے ساتھ ہمدردی کرنے پر ایک مؤثر پیرایہ میں ابھارا جارہا ہے اس طرح یہ چھٹا حکم ہے۔

شانِ نزول:......... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں اور یتیم بچوں کو ترکہ سے محروم کرنے کا دستور چلا آرہا تھا۔ کہ اوس بن صامت انصاریؓ کی وفات ہوگئی انہوں نے ایک بیوی ام کحہؓ اور تین بیٹیاں یا دو بیٹے کم عمر اور کافی مال ترکہ میں چھوڑا۔ لیکن ان کے چچازاد بھائیوں سوید یا قتادہ اور عرفجہ نے جو عصبہ تھے۔ سارا مال قبضہ میں لے لیا اور بیوی بچوں کے لئے کچھ نہ چھوڑا۔ ام کحہؓ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر حاضر ہوئیں آپ مسجد فضیح میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے انتظار وحی کا مشورہ دیا اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے ان دونوں چچازاد بیٹوں کو مال ترکہ میں تصرف سے منع فرمایا، مگر تعیین حصص نہیں فرمائی تھی تاوقتیکہ یوصیکم اللہ نازل نہیں ہوگئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ام کحہؓ اور بیٹوں کو دوثلث اور باقی دونوں ابن عم کو مرحمت فرمایا۔

﴿ تشریح ﴾:...... بیانِ مراد کی تاخیر:......... قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خطاب سے بیان کی تاخیر جائز ہے۔ نیز الفاظ نصیبا مفروضا اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وارث اپنے حصہ سے اگر اعراض بھی کرلے تب بھی اس کا حصہ ساقط نہیں ہوتا۔ امام زاہد کہتے ہیں کہ اس قاعدہ کے عموم میں ذوی الفروض، ذوی الارحام عصبات سب آگئے جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے۔

ذوی القربیٰ کا مطلب:......... البتہ اولی القربی سے مراد یہ ہے کہ شرعاً جو ترتیب معتبر ہے اس کے لحاظ سے اقرب ہو اور یہ اقربیت ظاہر ہے کہ جانبین سے ہوگی اس لئے میراث پانے کا مستحق وہی ہوگا جو قریب اور نزدیک ہوگا پھر جہاں شرع سب کو اقرب قرار دے اگر اسباب اقربیت مختلف ہوں وہاں سب کو وارث سمجھا جائے گا۔ اور جہاں ایک اقرب اور ایک ابعد سمجھا گیا ہے وہاں اقرب ہی مستحق میراث ہوگا ابعد نہیں۔ نیز عصبات میں میراث مقرر ہونے سے مراد یہ ہے کہ شرع نے حصص مقرر کردیئے ہیں اور ذوی الارحام میں قطعی ہونے کا مطلب عملاً قطعی ہونا ہے جس کو فرض عمل کہا جاتا ہے اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔

لطائفِ آیت:......... فارزقوہ کا حکم ابتداً اگر واجب تھا تو اس کا وجوب منسوخ ماننا پڑے گا ورنہ شروع ہی سے مستحب کہا جائے اور یہ خیر خیرات کی اجازت بالغ ورثاء کے حصہ میں سے ہوگی۔ نابالغ میں کسی کو تصرف جائز نہیں ہے۔ عموماً اس مسئلہ میں بے احتیاطی کی جاتی ہے وارث خواہ یتیم ہو یا غیر یتیم۔ نیز مالِ یتامیٰ کا مطلقاً برتنا حرام ہے خواہ خود کھائے یا دوسروں کو کھلائے اور آیت ولیخش الخ کا حاصل یہ ہے کہ جو بےدردی اپنے بچوں کے لئے پسند نہیں وہ دوسرے یتیم بچوں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو اور یہ باب اخلاق کی اصل عظیم ہے اور "قولِ سدید" کا مطلب مطلقاً نرمی نہیں ہے بلکہ مقصود اصلاح و تربیت ہونی چاہئے "نرمی و گرمی" تو ذرائع ہیں نہ کہ مقاصد۔ حصول مقاصد کے لئے جو طریقہ مناسب ہو وہ اختیار کرنا چاہئے۔ ان الذین یاکلون الخ وغیرہ آیات کو شیخ محی الدین ابن عربیؒ اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ عالم آخرت میں جزاء عین اعمال ہوگی۔ مثلاً جنت میں نماز روزہ کا ثواب حور و قصور اگر ہوگا تو وہ بعینہ وہی نماز روزہ ہے جس کو دنیا میں بندہ ادا کرتا رہا۔ موطن کے لحاظ سے صورت شکل کا فرق ہوگیا۔ یہی نماز روزہ آخرت میں بصورت شکل حور و قصور ہوگئے اور جنت کی یہ نعمتیں دنیا میں بشکل نماز روزہ پائی جاتی ہیں۔ علیٰ ہذا مال یتیم کی شکل دنیا میں لذائذ حسی کی صورت میں ہے لیکن آخرت میں اسی کو جہنم کے انگاروں کی صورت دے دی جائے گی گویا مال یتیم کھانے والا درحقیقت اپنے پیٹ میں آگ بھر رہا ہے۔

يُوْصِيْكُمُ يَاْمُرُكُمُ **اللّٰهُ فِيْٓ** شَانِ **اَوْلَادِكُمْ** بِمَا يُذْكَرُ **لِلذَّكَرِ** مِنْهُمْ **مِثْلُ حَظِّ** نَصِيْبِ **الْاُنْثَيَيْنِ** إِذَا اِجْتَمَعَتَا مَعَهٗ فَلَهٗ نِصْفُ الْمَالِ وَلَهُمَا النِّصْفُ فَاِنْ كَانَ مَعَهٗ وَاحِدَةٌ فَلَهَا الثُّلُثُ وَلَهُ الثُّلُثَانِ وَاِنْ اِنْفَرَدَ حَازَ الْمَالَ **فَاِنْ كُنَّ** اِيِ الْاَوْلَادُ **نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ** اَلْمَيِّتُ وَكَذَا الْاِثْنَتَانِ لِاَنَّهٗ لِلْاُخْتَيْنِ بِقَوْلِهٖ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ فَهُمَا اَوْلٰى وَلِاَنَّ الْبِنْتَ تَسْتَحِقُّ الثُّلُثَ مَعَ الذَّكَرِ فَمَعَ الْاُنْثٰى اَوْلٰى وَفَوْقَ قِيْلَ صِلَةٌ وَقِيْلَ لِدَفْعِ تَوَهُّمِ زِيَادَةِ النَّصِيْبِ بِزِيَادَةِ الْعَدَدِ لِمَا فُهِمَ اِسْتِحْقَاقُ الْاِثْنَتَيْنِ الثُّلُثَيْنِ مِنْ جَعْلِ الثُّلُثِ لِلْوَاحِدَةِ مَعَ الذَّكَرِ **وَاِنْ كَانَتْ** اَلْمَوْلُوْدَةُ **وَاحِدَةً** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ فَكَانَ تَامَّةٌ **فَلَهَا النِّصْفُ وَلِاَبَوَيْهِ** اَيِ الْمَيِّتِ وَيُبْدَلُ مِنْهُمَا **لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ** ذَكَرٌ اَوْ اُنْثٰى وَنُكْتَةُ الْبَدَلِ اِفَادَةُ اَنَّهُمَا لَا يَشْتَرِكَانِ فِيْهِ وَاُلْحِقَ بِالْوَلَدِ وَلَدُ الْاِبْنِ وَبِالْاَبِ الْجَدُّ **فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ** فَقَطْ اَوْ مَعَ زَوْجٍ **فَلِاُمِّهِ** بِضَمِّ الْهَمْزَةِ وَبِكَسْرِهَا فِرَارًا مِنَ الْاِنْتِقَالِ مِنْ ضَمَّةٍ اِلٰى كَسْرَةٍ لِثِقْلِهٖ فِي الْمَوْضِعَيْنِ **الثُّلُثُ** اَيْ ثُلُثُ الْمَالِ اَوْ مَا يَبْقٰى بَعْدَ الزَّوْجِ وَالْبَاقِيْ لِلْاَبِ **فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ** اَيْ اِثْنَانِ فَصَاعِدًا ذُكُوْرًا اَوْ اِنَاثًا **فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ** وَالْبَاقِيْ لِلْاَبِ وَلَا شَيْءَ لِلْاِخْوَةِ وَاِرْثُ **مِنْۢ** ذُكِرَ مَعَ ذُكِرَ مِنْ **بَعْدِ** تَنْفِيْذِ **وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ** بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ **بِهَآ اَوْ** قَضَاءِ **دَيْنٍ** عَلَيْهِ تَقْدِيْمُ الْوَصِيَّةِ عَلَى الدَّيْنِ وَاِنْ كَانَتْ مُؤَخَّرَةً عَنْهُ فِي الْوَفَاءِ لِلْاِهْتِمَامِ بِهَا **اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ** مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا** فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَظَانٌّ اَنَّ ابْنَهٗ اَنْفَعُ لَهٗ فَيُعْطِيْهِ الْمِيْرَاثَ فَيَكُوْنُ الْاَبُ اَنْفَعَ وَبِالْعَكْسِ وَاِنَّمَا الْعَالِمُ بِذٰلِكَ اللّٰهُ فَفَرَضَ لَكُمُ الْمِيْرَاثَ **فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا** بِخَلْقِهٖ **حَكِيْمًا** ﴿۱۱﴾ فِيْمَا دَبَّرَهٗ لَهُمْ اَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ ۔

ترجمہ:............ وصیت فرماتے (حکم دیتے) ہیں اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے (معاملہ کے) متعلق (ابھی آگے آتا ہے) کہ لڑکے کے لئے (ان میں سے) دولڑکیوں کے (حصہ کے) برابر ہے (چنانچہ دولڑکیاں اگر ایک لڑکے کے ہمراہ میراث ہوں تو لڑکے کے لئے نصف اور نصف باقی ان دونوں لڑکیوں کیلئے ہوگا اور صرف ایک لڑکی اگر اس کے ساتھ ہو تو ایک ثلث لڑکی کا اور دو ثلث لڑکے کے ہوں گے اور تنہا لڑکا ہو تو سارے مال کا وارث ہو جائے گا) پھر اگر ایسا ہو کہ (وہ اولاد) صرف لڑکیاں ہوں دو سے زیادہ تو ترک میں ان کا حصہ دو تہائی ہوگا (میت کے۔ علیٰ ہذا دولڑکیاں وارث ہوں تب بھی دو ثلث ترکہ ہوگا کیونکہ یہی حال دو بہنوں کا ہے۔ آیت "فلھما الثلثان مما ترك" کی وجہ سے اس لئے لڑکیاں بدرجۂ اولیٰ اس کی مستحق ہوں گی نیز لڑکی لڑکے کے ساتھ ایک ثلث پانے کی مستحق ہوتی ہے تو جب دونوں لڑکیاں ہی ہوں تب بھی بدرجہ اولیٰ اس حصہ کی مستحق ہوں گی اور لفظ فــوق بعض کی رائے میں زائد ہے اور بعض کے نزدیک اس شبہ کے دفعیہ کے لئے ہے کہ شاید لڑکیوں کا عدد زائد ہونے سے سہام بھی بڑھیں گے۔ کیونکہ دو ثلث کا مستحق دولڑکیوں کو اور ایک ثلث کا مستحق ایک لڑکی کو بمعہ ایک لڑکے کے قرار دیا گیا ہے) اور اگر (لڑکی) اکیلی ہو (ایک قرأت میں واحدۃ رفع کے ساتھ ہے اس صورت میں کان تامہ ہوگا) تو اسے آدھا ملے گا

اور (میت کے) ماں باپ میں سے ہر ایک کو (لفظ ابویہ سے لکل الخ بدل واقع ہو رہا ہے) ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا۔ بشرطیکہ میت کے اولاد ہو (لڑکا یا لڑکی اور بدل لانے میں نکتہ یہ ہے کہ والدین دونوں مل کر سدس میں شریک نہیں ہیں اولاد میں پوتہ اور والدین میں دادا بھی داخل ہیں) اور اگر میت کے اولاد نہ ہو اور وارث ماں باپ ہی ہوں (صرف یا میاں بیوی میں سے بھی کوئی ساتھ ہو) تو ماں کے لئے (لفظ ام ضم ہمزہ اور کسرہ کے ساتھ ہے دونوں جگہ ضمہ سے کسرہ کی طرف نقل کی دشواری کے باعث) تہائی حصہ ہے (یعنی پورے مال کا تہائی، یا میاں بیوی کے حصہ کے بعد مابقیہ کا تہائی، اور باقی مال باپ کے لئے ہوگا) لیکن اگر میت کے لئے ایک سے زیادہ بھائی بہنیں ہوں (یعنی دو ہوں یا دو سے زیادہ، بھائی ہوں یا بہنیں) اس صورت میں ماں کا چھٹا حصہ ہوگا (اور باقی مال باپ کا ہے بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا، مذکورہ لوگوں کی میراث حسب ذیل ہوگی) مگر (تنفیذ) وصیت کے بعد ہوگی جو کچھ کہ وصیت کر دی ہو (لفظ یوصی معروف ہے اور مجہول) مال کی یاد (ادائیگی) قرض کے بعد (جو کچھ اس پر تھا وصیۃ کا بیان قرض سے پہلے کرنا اگر چہ ادائیگی میں مؤخر ہوتی ہے وصیت کی اہمیت کے پیش نظر ہے) تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد ہیں (یہ مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) لیکن تم نہیں جانتے کہ کون سا رشتہ سب سے زیادہ نزدیک ہے۔ نفع رسانی کے لحاظ سے (دنیا وآخرت میں چنانچہ کسی کو گمان ہوتا ہے کہ بیٹا چونکہ زیادہ کارآمد ہوگا للہٰذا اس کو میراث زیادہ ملنی چاہئے لیکن باپ زیادہ کارآمد ثابت ہوجاتا ہے اسی طرح اس کا برعکس۔ دراصل حقیقی علم ان تمام باتوں کا صرف اللہ ہی کو ہے اس لئے تمہارے لئے میراث اسی نے مقرر کی ہے) اللہ تعالیٰ نے میراث کے حصے ٹھہرا دیئے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں (اپنی مخلوق کو) اور حکمت رکھنے والے ہیں (جو کچھ تدبیریں ان کے حق میں کرتے ہیں۔ ہمیشہ اس صفت کے ساتھ متصف رہتے ہیں)

تحقیق وترکیب: .... **یوصیکم** دوسرے کو ایسا کام بتلانا جو نصیحت پر مشتمل ہو۔ اس لئے حکم کرنے کے معنی کر لئے جاتے ہیں اور لفظ وصیت کو امر پر ترجیح دینا اہتمام اور حصول بسرعت پر دلالت کرنے کے لئے ہے اس لئے یہ زیادہ بلیغ ہے **للذکر** مثلاً اگر کوئی شخص ایک لڑکا اور ایک لڑکی وارث چھوڑتے تو لڑکے کو دو سہام اور لڑکی کو ایک سہام دیا جائے گا۔ اس حکم پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ عورت مرد کے مقابلہ میں ضعیف ہوتی ہے۔ نیز عورت جب مرد کے ساتھ مخلوط ہوتی ہے تو مساوی سمجھی جاتی ہے پس میراث میں اس کے ضعف کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا حصہ مرد سے زائد یا کم از کم مساوی ہونا چاہئے۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے؟ جواب یہ ہے کہ مرد چونکہ اخراجات اور مؤنث کا ذمہ دار ہے نیز عورت ناقص العقل اور کثیر الشہوت ہوتی ہے علیٰ ہذا مرد کو بہ نسبت عورت کے مصارف خیر کے مواقع زیادہ پیش آتے ہیں ان سب وجوہ سے مرد ہی کے حصہ کو ترجیح ہونی چاہئے۔

للذکر مثل الخ کی ترکیب **الشمن منوان بدرھم** کی طرح یعنی منھم محذوف ہے جیسا کہ مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے۔ **منھما اولی** یہی مذہب جمہور اور ائمہ اربعہ کا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کا حکم ایک ہی کا حکم ہے اور آیت میں دوثلث دو سے زائد لڑکیوں کا حصہ بیان کیا گیا ہے۔ مفسر علام و **فوق قیل صلة** سے ابن عباسؓ کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ لفظ فوق آیت میں زائد ہے لہٰذا دو لڑکیوں کا حکم دوثلث ہے **ولابویہ** خبر مقدم اور **السدس** مبتداء مؤخر اور "**لکل واحد**" بدل ہے **لابویہ** سے۔ مفسر علامؒ نے بدل کا جو نکتہ بیان کیا ہے اس پر شبہ ہوسکتا ہے کہ اگر **لکل واحد من ابویہ السدس** کہہ دیا جاتا تو بدل کی ضرورت بھی پیش نہ آتی اور مقصد بھی حل ہو جاتا۔ جواب یہ ہے کہ تفصیل بعد الاجمال کا جو فائدہ بدل کی صورت میں ہو رہا ہے پھر وہ حاصل نہ ہوتا۔ اسی طرح "**ولابویہ السدسان**" کہنے میں سدس کے برابر تقسیم کا وہم رہتا اور اس کے خلاف معنی کا بھی رہا یہ سبہ کہ والدین کا حق بمقابلہ اولاد زیادہ ہے۔ لیکن ترکہ میں حصہ اولاد کو زیادہ دلایا جا رہا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ظاہراً اولاد کے مقابلہ میں والدین کی عمر کم رہ جانے کی وجہ سے مال کی حاجت بھی کم رہ جاتی ہے اس لئے میراث بھی کم رکھی گئی ہے۔ **مع زوج** زوج کا اطلاق خاوند بیوی دونوں پر فصیح اور زوجہ کا غیر فصیح ہے۔

قراءً ا یہ صرف کسرہ ہمزہ کی دلیل ہے فی الموضعین یعنی لفظ ام یہاں اور اس کے بعد دونوں جگہ فلامہ الثلث اور فلامہ السدس ای ثلث المال یعنی اگر صرف والدہ وارث ہو تو ثلث مال میراث ہوگی اور میاں بیوی میں سے بھی کوئی ہو تو اس کا حصہ نکالنے کے بعد مابقیہ میں سے ثلث مال وراثت ہوگی۔ بقول صاحب رجبیہؒ ؎

وان یکن زوج وام واب فثلث الباقی لھا مرتب

وھکذا مع زوجۃ فصاعدًا فلا تکن عن العلوم قاعدًا

جمہور کی رائے یہی ہے اور ابن عباسؓ کے نزدیک دونوں صورتوں میں کل مال کا ثلث میراث ہوگی اور باقی مال باپ کا ہوگا۔ ذوی الفروض اور عصبہ ہونے کی وجہ سے غرضکہ پھر مال دونوں کے درمیان ثلثا ثلث رہے گا اسی لئے باپ کے حصہ کے ذکر کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی کہ جب دو ہی وارث ہیں اور ایک کا حصہ بیان کر دیا گیا ہے تو ظاہر ہے مابقیہ باپ کا ہوگا گویا عبارت اس طرح ہوئی فلھما ماترک اثلاثا۔

ای اثنان فصاعدًا حدیث میں ارشاد ہے اثنان فما فرقھا جماعۃ و الباقی للاب یعنی دو ثلث باپ کے لئے ہے اور بھائی محروم رہیں گے بلکہ ماں کے حق میں حاجب نقصان ہو جائیں گے یعنی بجائے ثلث کے سدس ملے گا۔

وفیھم فی الحجب امر عجب لکونھم قد حجبوا وحجبوا

جمہور کی رائے یہی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ماں کے لئے جس سدس کے حاجب بنے ہیں وہ بھائیوں کو ملے گا۔ وارث من یہ مبتداء مقدر ہے اور خبر من بعد ہے جو متعلق ہے محذوف کے ای استقر ذلک الانصباء من بعد وصیۃ ورثاء مذکورہ ماقبل کے ساتھ ای وراثتکم بھذہ الدرجۃ انما ھی بعد مابقی من اداء وصیۃ المورث اودینہ۔ اودین لفظ او ترتیب کے لئے نہیں ہے بلکہ اباحۃ شیئین کے لئے آتا ہے جاء نی زیدا وعمروا اور جاء نی عمرو او زید کے معنی تساوی کے ہیں یعنی بلا ترتیب ان دونوں میں سے کوئی ایک آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ تقدیر عبارت من بعد دین او وصیۃ نکالنا صحیح نہیں ہے البتہ دین ووصیت اگر دونوں مجتمع ہوں تو ان میں ترتیب قائم ہوگی یعنی دین اور قرض مقدم ہوگا شرعاً لیکن تقدیم ذکری اہمیت کے پیش نظر ہے۔

اباء کم مبتداء ہے لاتدرون خبر ہے۔ ایھم مبتداء ہے اور اقرب اس کی خبر ہے انما العالم یہ جملہ معترضہ ہے۔ نفرض یہ تقدیر اس لئے کی ہے کہ فریضۃ کے منصوب علی المصدریت پر اشارہ ہو جائے لہ علی الف درھم اعترافًا کی طرح ہے۔ لم یزل یعنی اللہ کی جناب میں ماضی، حال، استقبال برابر ہیں۔ دوسری توجیہ یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ کان زائد ہو یا الآن کما کان کی طرح ہو بہر حال اللہ تعالیٰ زمانہ اور زمانیات سے بالا ہیں۔

ربط :............ گذشتہ آیات میں چھٹا حکم ترکہ کے حصص کا اجمالاً مذکور ہوا تھا۔ اگلی آیات میں اسی کی تفصیلات ہیں۔

شانِ نزول:............ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ سعدؓ بن ربیع کی بیوی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ان دونوں بیٹیوں کے باپ سعدؓ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے لیکن ان کے چچا نے اپنے بھائی کے تمام مال پر قبضہ کر لیا ہے اور ان کو کچھ نہیں دیا۔ بغیر پیسے کے ان کی شادی کس طرح ہو سکتی ہے؟ سن کر آپ ﷺ نے انتظار وحی کا مشورہ دیا، چنانچہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے لڑکیوں کے چچا کو بلا کر فرمایا کہ سعدؓ کی صاحبزادیوں کو دو ثلث اور ان کی بیوی کو آٹھواں حصہ دے کر باقی خود رکھ لو۔ غرضکہ آپ ﷺ سے استفتاء تو صرف اولاد اور بھائی بہنوں کے باب میں کیا گیا تھا لیکن چونکہ ماں باپ اور زوجین کے ہونے نہ

ہونے سے اولاد کے حصص میں فرق پڑ جاتا ہے اس لئے درمیان میں ان دونوں کے احکام بھی ذکر کر دیئے گئے۔ نیز اگر اس کا لحاظ بھی کرلیا جائے کہ اولاد کے ساتھ استغناء میں زوجہ بھی تھی تو وجہ ارتباط اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

﴿تشریح﴾:............ ترکہ میں دو سے زائد لڑکیوں کی تخصیص کی وجہ:............ شبہ دو لڑکیوں کے حصص میں نہیں تھا کیونکہ جب تنہا ایک لڑکی کا حصہ ایک ثلث ہے تو دو لڑکیوں کا دو ثلث ہونا چاہئے پھر ایک لڑکی کے ساتھ اگر لڑکا ہو تو تب بھی ایک تہائی سے نہ گھٹتا پس جب دوسری بھی لڑکی ہو تب تو دو تہائی سے کسی طرح کم نہیں ہونا چاہئے اور دونوں لڑکیاں یکساں حالت میں ہونی چاہئیں یعنی ہر ایک کا حصہ ایک تہائی اور دونوں کا مل کر دو تہائی ہوگا۔ البتہ دو سے زائد لڑکیوں میں شبہ ہوسکتا تھا کہ مذکورہ قاعدہ سے ان کو تین تہائی یعنی کل مال لینا چاہئے اس لئے فرمایا گیا کہ دو لڑکیوں سے زائد ہوں تو دو ثلث ملے گا۔ اس سے دو لڑکیوں کا حصہ دو ثلث بدرجہ اولی سمجھ میں آ گیا اس آیت میں لڑکیوں کی چار حالتوں کا حکم معلوم ہوگیا۔ (۱) اول یہ کہ لڑکے لڑکیاں سب ہوں۔ (۲) دوسرے یہ کہ صرف دو لڑکیاں ہوں۔ (۳) تیسرے یہ کہ دو لڑکیوں سے زائد ہوں۔ (۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ لڑکی صرف ایک ہو اس وقت للذکر مثل حظ الانثیین کے قاعدہ سے کل ترکہ کا نصف ملے گا اور ان تینوں صورتوں میں بچا ہوا مال دوسرے خاص رشتہ داروں کو حسب فرائض دے دیا جائے گا اور اگر کوئی نہ ہو تو پھر عول کی صورت میں پورا مال ان ہی کو مل جائے گا۔

باغ فدک اور حضرت فاطمہؓ کی میراث:............ احادیث اور اجماع اہل حق سے ثابت ہے کہ اولاد کی میراث کا حکم انبیاء علیہم السلام کے لئے نہیں ہے۔ نحن معاشر الانبیاء لانورث الخ باغ فدک وغیرہ کی تقسیم صدیق اکبرؓ نے اسی لئے نہیں فرمائی۔ لیکن حدیث پر اگر خبر واحد ہونے کا اندیشہ ہو تو صدیق اکبرؓ نے چونکہ براہ راست آپ ﷺ سے سنا ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کے حق میں وہ حدیث قرآن کی طرح قطعی ہوگی۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ حدیث سے تو انبیاءؑ کے مال کا وقف ہونا ثابت ہوا اور وقف کی صحت کے لئے خبر واحد کافی ہے۔ البتہ وقف کا ناقابل میراث ہونا بالاجماع ہے۔

والدین کی تین حالتیں اور اولاد، بہن بھائی کی تعمیم:............ آیت میں ماں باپ کی تین صورتیں مذکور ہیں نیز اولاد سے مراد عام ہے لڑکا ہو یا لڑکی، ایک ہو یا زیادہ بیٹا ہو یا پوتا اسی طرح بھائی بہن سے مراد عام ہے۔ عینی، علاتی، اخیافی، ماں باپ کی تیسری صورت میں بھائی بہنوں کی وجہ سے ماں کا حصہ دوسری صورت کے مقابلہ میں کم ہوگیا۔ مگر باپ کی وجہ سے خود بھائی بہنوں کو بھی نہیں ملے گا نیز ان سب مسائل میں ترکہ کی تقسیم، تجہیز و تکفین، قرض کی ادائیگی، تہائی مال میں سے وصیت کی تنفیذ کے بعد ہوسکے گی۔ شرع کے موافق وصیت کی تنفیذ کے لئے ضروری ہے کہ اس میں سے وارث کو کچھ نہ دیا جائے اور وصیت تہائی مال سے زائد کی نہیں ہونی چاہئے۔ ورنہ وصیت میراث سے مقدم نہیں ہوگی قرض اور وصیت میں قرض مقدم ہوتا ہے لیکن قرآن نے یہ سمجھ کر کہ قرض کو نہ قرض خواہ مرنے دیتے ہیں اور نہ قرض دار، سب ہی اس کی ادائیگی کا لحاظ رکھتے ہیں البتہ وصیت میں تبرع ہونے کی وجہ سے احتمال کوتاہی ہے اس لئے ذکراً اس کو مقدم کر دیا تاکہ اس کا اہتمام کیا جائے۔

احکام شرع شرعی مصالح پر مبنی ہیں:............ لاتدرون الخ میں احکام شریعت کی حکمت و مصلحت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان اپنی رائے پر اگر مدار تقسیم ترکہ رکھتا تو اس کا معیار دینی یا دنیاوی نفع رسانی کو بناتا۔ لیکن خود اس مدار کے یقین کا چونکہ اس کے پاس کوئی ذریعہ قرار واقعی نہ ہوتا اس لئے اس کا مدار تجویز ٹھہرانا ہی غلط اور بے جا ہو جاتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا علم چونکہ واقعی اور صحیح ہے اس لئے

اس کا تجویز فرمودہ طریق بھی واقع کے مطابق ہوگا، انسان دنیاوی لحاظ سے ایک شخص کو اپنے لئے نافع ور خدمت گزار سمجھتا ہے لیکن خلاف امید وہ دغا دے جاتا ہے اور جس سے توقع نہیں ہوتی وہ مخلصانہ حق محبت ادا کر دیتا ہے۔ اسی طرح اخروی اعتبار سے ایک شخص سے ایصال ثواب یا شفاعت کی توقع زیادہ ہوتی ہے اس لئے جی چاہتا ہے کہ میراث میں مالی منفعت اس کو زیادہ پہنچ جائے، مگر واقعہ برعکس ہو جاتا ہے غرضکہ احکام میراث کا مدار ہمارے اپنے خود ساختہ منافع اور مضار پر نہیں ہے بلکہ شارع نے اپنے مصالح اور حکم پر رکھا ہے جس کے نہ جاننے کا کسی کو دعویٰ ہے اور نہ بتلانے کا ذمہ۔ جس طرح ایک ماہر معالج یا قابل بیرسٹر کی تقلید محض اس کی حکمت و دانائی پر بھروسہ کر کے کی جاتی ہے اسی طرح شارع علیہ السلام پر کامل اعتماد پوری اطاعت کا متقاضی ہے۔

میراث نہ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ہے اور نہ کمیونزم کے موافق:......... جن مدعیان عقل و دانش نے میراث کے خلاف زبان وقلم کو جنبش دی ہے اول تو اہل حق ارباب بصیرت نے خوب طرح ان کے منہ میں لگام دی ہے اور میراث کے بے حد منافع شمار کر کے رکھ دیئے ہیں۔ دوسرے آیت نے اس باب میں ہماری رائے کو مدار کار ہی قرار نہیں دیا بلکہ اپنی حکمت و مصلحت پر موقوف رکھا ہے۔

نیز ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مرنے والے کی وصیت کو ورثاء اپنے حق میں نقصان دہ نہ سمجھیں کہ ان کا حصہ اس وصیت کی وجہ سے گھٹ گیا ہے اگر وصیت نہ کرتا تو مال زیادہ ہاتھ آتا۔ یہ نفع دنیاوی لحاظ سے معمولی اور سرسری ہے لیکن انہیں کیا معلوم کہ اخروی اعتبار سے اس وصیت میں کس قدر نفع مضمر ہے۔ اس لئے حقیقت وصیت میں ورثاء کو قطعی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے ہاں ابتدائے اسلام میں تدریج کے خیال سے سب کے حصے وصیت کنندہ کی رائے پر تھے۔ لیکن جب احکام میراث مقرر ہو گئے تو رائے اور اختیار بھی اٹھ گیا اور پورے اختیارات خود شرع نے سنبھال لئے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ مِنْكُمْ اَوْ مِنْ غَيْرِكُمْ **فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ** ۗ وَاُلْحِقَ بِالْوَلَدِ فِيْ ذٰلِكَ وَلَدُ الْاِبْنِ بِالْاِجْمَاعِ **وَلَهُنَّ** اَيِ الزَّوْجَاتِ تَعَدَّدْنَ اَوْلَا **الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ** ۚ **فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ** مِنْهُنَّ اَوْ مِنْ غَيْرِهِنَّ **فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ** ۗ وَوَلَدُ الْاِبْنِ كَالْوَلَدِ فِيْ ذٰلِكَ اِجْمَاعًا **وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ** صِفَةٌ وَالْخَبَرُ **كَلٰلَةً** اَيْ لَا وَالِدَ لَهٗ وَلَا وَلَدَ **اَوِ امْرَاَةٌ** تُوْرَثُ كَلٰلَةً **وَّلَهٗٓ** اَيْ لِلْمَوْرُوْثِ الْكَلَالَةِ **اَخٌ اَوْ اُخْتٌ** اَيْ مِنْ اُمٍّ وَقَرَأَبِهٖ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ وَغَيْرُهٗ **فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ** ۚ مِمَّا تَرَكَ **فَاِنْ كَانُوْٓا** اَيِ الْاِخْوَةُ وَالْاَخَوَاتُ مِنَ الْاُمِّ **اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ** اَيْ مِنْ وَاحِدٍ **فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ** يَسْتَوِيْ فِيْهِ ذُكُوْرُهُمْ وَاِنَاثُهُمْ **مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ** ۙ **غَيْرَ مُضَآرٍّ** ۚ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يُوْصٰى اَيْ غَيْرَ مُدْخِلِ الضَّرَرِ عَلَى الْوَرَثَةِ بِاَنْ يُّوْصِيَ بِاَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ **وَصِيَّةً** مَصْدَرٌ مُّؤَكِّدٌ لِيُوْصِيْكُمْ **مِّنَ اللّٰهِ** ۗ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بِمَا دَبَّرَهٗ لِخَلْقِهٖ مِنَ الْفَرَائِضِ **حَلِيْمٌ** ﴿۱۲﴾ بِتَاخِيْرِ الْعُقُوْبَةِ عَمَّنْ خَالَفَهٗ وَخَصَّتِ السُّنَّةُ تَوْرِيْثَ مَنْ ذُكِرَ بِمَنْ لَيْسَ فِيْهِ مَانِعٌ مِنْ قَتْلٍ اَوْ اِخْتِلَافِ دِيْنٍ اَوْ رِقٍّ **تِلْكَ** الْاَحْكَامُ

الْمَذْكُوْرَةُ مِنْ اَمْرِ الْيَتٰمٰى وَمَا بَعْدَهٗ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ شَرَائِعُهُ الَّتِيْ حَدَّهَا لِعِبَادِهٖ لِيَعْمَلُوْا بِهَا وَلَا يَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فِيْمَا حَكَمَ بِهٖ يُدْخِلْهُ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ اِلْتِفَاتًا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ بِالْوَجْهَيْنِ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ فِيْهَا عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ذُوْ اِهَانَةٍ وَرُوْعِيَ فِي الضَّمَائِرِ فِي الْاٰيَتَيْنِ لَفْظُ مَنْ وَفِيْ خٰلِدِيْنَ مَعْنَاهَا۔ ع ۲ ۱۳

ترجمہ: ....اور تمہارا حصہ آدھا ہے، تمہاری بیویاں جو کچھ ترکہ میں چھوڑ جائیں اگر ان سے اولاد نہ ہو(نہ تم سے نہ تمہارے غیر سے)اور اگر اولاد ہو تو چوتھائی حصہ ان کے ترکہ سے ملے گا۔ مگر یہ تقسیم اس کے بعد ہوگی جو کچھ وصیت کر گئی ہوں اس کی تعمیل ہو جائے یا جو کچھ ان پر قرض ہو ادا کر دیا جائے (اس بارہ میں بیٹے کے حکم میں بالاجماع پوتہ بھی کر دیا گیا ہے)اور ان کے لئے (یعنی بیویوں کا حصہ کئی ہوں یا ایک) چوتھائی ہوگا۔ جو کچھ تم ترکہ چھوڑ جاؤ۔ بشرطیکہ تم سے اولاد نہ ہو اور اگر اولاد ہو (خواہ مرنے والی بیویوں سے یا دوسری بیویوں سے) تو ان کے لئے آٹھواں حصہ ہوگا۔ تمہارے ترکہ سے جو کچھ تم وصیت کر جاؤ اس کی تعمیل یا جو کچھ تم پر قرض رہ گیا ہو اس کی ادائیگی کے بعد (پوتہ یہاں بھی بالاجماع بیٹے کے حکم میں ہے)اور اگر کوئی مرد ترکہ چھوڑ جائے (یورث صفت ہے اور خبر کان کی کلالۃ ہے)اور وہ کلالہ ہو (یعنی نہ اس کا باپ ہو نہ بیٹا) یا ایسی عورت ہو (کہ ترکہ چھوڑ جائے اور کلالۃ ہو)اور اس کے لئے (یعنی اس میت موروث کلالۃ کے لئے)ایک بھائی یا بہن ہو (یعنی ماں میں شریک ہوں۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں یہ لفظ بھی ہے)تو بھائی بہن میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہوگا (ترکہ میں سے)اور اگر (ماں میں شریک یہ بھائی بہن) اس (ایک سے) زیادہ ہوں تو پھر ایک تہائی میں سب برابر کے شریک ہوں گے (مرد عورت برابر) لیکن اس وصیت کی تعمیل کے بعد جو میت نے کر دی ہو۔ نیز اس قرض کی ادائیگی کے بعد جو میت کے ذمہ رہ گیا ہو۔ بشرطیکہ نقصان پہنچانے کا ارادہ نہ ہو (غیر مضار ترکیب میں حال ہے ضمیر یوصی سے۔ یعنی ورثاء کو نقصان پہنچانے کی نیت نہ ہو۔ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر کے) یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (لفظ وصیۃ مفعول مطلق ہے یوصیکم کا)اور اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں (جو کچھ اپنی مخلوق کے لئے احکام فرائض مقرر کر رہے ہیں) بہت بُردبار ہیں (کہ مخالفین کو سزا دینے میں مہلت دیتے رہتے ہیں اور سنت نے مذکورہ لوگوں کی میراث کو خاص کر دیا ہے اس شخص کے ساتھ جس میں قتل یا مذہبی اختلاف یا غلامی کا کوئی مانع موجود نہ ہو) یہ (مذکورہ احکام یتیموں سے متعلق اور اس کے بعد کے) اللہ تعالیٰ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیاں ہیں (وہ احکام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے تا کہ وہ ان پر عمل پیرا ہو سکیں اور ان سے تجاوز نہ کر سکیں) جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا (احکام میں) تو اللہ تعالیٰ اس کو داخل کریں گے (یا اور نون کے ساتھ ہے۔ اس میں التفات ہوگا) ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہ عظیم الشان کامیابی ہے جو انہیں حاصل ہوگی۔ لیکن جس کسی نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی اور اس کی حد بندیوں سے باہر نکل گیا تو وہ ڈالا جائے گا (اس کی قرأت بھی دونوں طرح ہے) عذاب نار میں وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا اور اس کے لئے (اس میں) رُسوا کن عذاب ہوگا (توہین آمیز، ان دونوں آیتوں کی ضمیروں میں تو لفظ من کی رعایت کی گئی ہے مگر خالدین میں معنی کی رعایت ملحوظ رہی ہے)

تحقیق وترکیب:.........منھن او من غیرھن بہتر یہ تھا کہ مفسر علامؒ اس کو مقدم کر کے ان لم یکن لکم ولد کے متصل کر دیتے جیسا کہ اس سے ماقبل ان لم یکن لھن ولد میں کہا ہے و ولد الابن یعنی پوتے اور پوتیاں شوہر کے لئے حاجب بنیں گے نواسے اور نواسیاں حاجب نہیں بنیں گے بقول جعفری۔

بنونا بنوا بنائنا وبناتنا بنوھن ابناء الرجال الاباعد

کللة دراصل یہ مصدر ہے الکلال بمعنی الاعیاء. اس کا اشتقاق کلت الرحم بین فلان و فلان اذا تباعدت القرابة بینهما سے ہے اسی لئے بعید قرابت پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ مفسر علامؒ نے کلالہ کی بہترین تفسیر کی ہے یعنی اوت بنوت جس کے آگے پیچھے کچھ نہ ہو۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ او امرأت اس کے بعد تورث کلالة کی تقدیر سے اشارہ ہے کہ یہ کان کے اسم پر معطوف ہے اور صفت اور ضمیر کو حذف کر دیا گیا ہے۔

للمورث اس سے مرادمیت ہے مرد ہو یا عورت۔ ثلاثی مجرد سے اس کے لئے ''موروث'' اور مزید سے مورث استعمال کیا جائے گا۔ وقرأ به ابن مسعودؓ یعنی وله اخ او اخت من ام ابن مسعود، سعد بن وقاص، ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کی قرأت میں ہے فهم شرکاء فی الثلث چونکہ ماں کا حصہ ثلث سے زائد نہیں ہے اس لئے ان ''ماں جاؤں'' کو زائد کیسے مل سکتا ہے۔ یہاں للذکر مثل حظ الانثیین نہیں ہوگا غیر مضار یہ حال ہے یوصی معروف کے فاعل مذکور سے اور مجہول کی صورت میں فاعل مدلول علیہ سے تہائی مال سے زائد کی وصیت کرنا ورثاء کے لئے ضرر رساں ہوگا۔ اس لئے یہ وصیت نافذ نہیں ہوگی۔ وصیة یہ مفعول مطلق ہے اس کا عامل محذوف مان لیا جائے تو بہتر ہوگا۔ ای وصی بها وصیة من الله. وصفت السنة روایات حسب ذیل ہیں۔

(۱) القاتل لایرث رواه الترمذی (۲) لایرث المسلم من الکافر و الکافر من المسلم. اخرجه الشیخان

لیعملوها و لا یعتدوها اللہ کی حدود دو طرح کی ہیں ایک وہ کہ بالکل ممنوع العمل ہوں جیسے زنا وغیرہ دوسرے وہ کہ جن میں صرف تعدی اور تجاوز عن الحدود نا جائز ہو۔ جیسے چار عورتوں سے زیادہ نکاح کرنا کہ خود نکاح تو حرام نہیں مگر ایک دم چار عورتوں سے زائد نکاح ممنوع ہے۔ خلدین مراد مکث طویل ہوگا۔ اگر موت علی الاسلام ہوئی ورنہ اپنے حقیقی معنی میں رہے گا۔ جنت کے بیان میں لفظ جمع کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے کہ ایک تو جنت کی نعمتیں پھر اس پر دوستوں کا اجتماع لطف بالائے لطف ہوگا برخلاف جہنم کے۔ وہاں اگر اجتماع ہو تو ''مرگ انبوہ جشنے دارد'' کے لحاظ سے کسی درجہ میں کچھ کلفت کم ہو جائے لیکن غربت اور تنہائی کی وحشت نے جہنم کی تکالیف کی شدت کو اور زیادہ کر دیا۔

ربط:............ان آیات میں زوجین اور کلالہ کے ترکہ کے احکام بیان کئے جا رہے ہیں۔

شانِ نزول:............حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ وہ ایک دفعہ شدید بیمار ہوئے۔ آنحضرت ﷺ اور ابوبکرؓ بنی سلمہ میں دونوں ان کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے ان پر کچھ مدہوشی کی سی کیفیت تھی کہ آنحضرت ﷺ نے وضو فرمایا اور بچے ہوئے پانی کے چھینٹے ان پر دیئے جس سے ان کو افاقہ ہو گیا اور انہوں نے اپنے ترکہ کے بارہ میں دریافت کیا تو آیت یوصیکم اللہ نازل ہوئی۔ حالانکہ ابتداء رکوع میں اس آیت کا نزول سعید بن الربیعؓ کے قصہ میں بھی معلوم ہو چکا ہے۔ سوممکن ہے وہاں بیٹوں کے متعلق حکم ہونے کی جہت سے اول حصہ کا نزول ہوا ہو اور آخری حصہ کا نزول کلالہ ہونے کی حیثیت سے جابرؓ کے باب میں ہوا ہو۔

﴿تشریح﴾:......شوہر اور بیوی سے متعلق دو دو صورتیں ہیں اولاد ہونے نہ ہونے کے لحاظ سے اور دونوں کو اولاد ہونے کی صورت میں کم اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں زیادہ حصہ ملے گا۔ نیز عورت کا حصہ کم اور مرد کا حصہ زیادہ رہے گا۔ للذکر مثل حظ الانثیین کی ایک صورت یہ بھی ہے۔ ان چاروں صورتوں میں مابقیہ ترکہ دوسرے ورثاء کو ملے گا۔

کلالہ کے احکام اور اخیافی بھائی بہن کی تخصیص کے وجوہ:............کلالہ یعنی جس کے نہ اصول موجود ہوں اور نہ فروع اس کے جس قدر بھائی بہن اخیافی ہوں ان سب کو تہائی مال میں شریک سمجھا جائے گا۔ مرد عورت میں کوئی تفریق نہیں ہوگی سب کو

یکساں برابر حصہ تقسیم کردیا جائے گا۔ اور باقی ترکہ دوسرے ورثاء کو دیا جائے گا۔ لیکن اگر دوسرا وارث کوئی نہیں تو پھران ہی پر عول آئے گا۔ بھائی بہنوں میں اخیافی کی قید ابن مسعودؓ وغیرہ کی قرأت سے معلوم ہورہی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے خود آنحضرت ﷺ سے بطور تفسیر یہ قید سنی ہوگی۔ نیز اس پر اجماع امت بھی ہے، علاوہ ازیں ان کو تہائی اور چھٹے حصہ کا مستحق سمجھا جارہا ہے اور یہی دونوں حصے پہلے ماں کے بھی گزر چکے ہیں۔ یہ بات بھی اس کا قرینہ ہے کہ یہاں اخیافی بھائی بہن مراد ہیں رہے عینی یا علاتی بھائی بہن ان کا حکم بالاتفاق قطعی طور پر اس سورت کے ختم پر آئے گا۔ یہ بھی قرینہ مرجحہ ہے کہ یہاں اس کے علاوہ معنی مراد ہیں۔ البتہ تہائی اور چھٹے حصہ کے قرینہ کی وجہ سے یہاں "من الام" کی قید اور ختم سورت پر للذکر مثل حظ الانثیین کے قرینہ سے من الاب یامن الابوین کی قید نہیں لگائی گئی ہے کیونکہ اس قید سے معلوم ہوتا ہے کہ عصبہ بنفسہ یا عصبہ بغیرہ بننے کی جس میں صلاحیت ہو وہاں اس کا تذکرہ مقصود ہے اور وہ عینی یا علاتی ہی ہوسکتے ہیں کیونکہ اخیافی تو کبھی عصبہ نہیں ہوتا۔ امام صاحبؒ کے نزدیک اصول میں باپ کی طرح دادا بھی داخل ہے یعنی دونوں جگہ کی وجہ سے بہن بھائیوں کا حصہ ساقط ہوجائے گا۔ صحابہؓ اور علماء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے۔

معتزلہ کے لئے اس آیت سے استدلال مفید نہیں ہے:.......... آیت ومن یطع اللہ اور ومن یعص اللہ میں صرف مؤمن کامل اور کامل نافرمان یعنی کافر کا تذکرہ ہے۔ اس لئے معتزلہ کے احتجاج کے لئے یہ آیت مفید نہیں ہے۔ رہی بیچ کی قسم جو نہ کامل فرمانبردار اور نہ مکمل نافرمان۔ بلکہ ایمانیات میں فرمانبردار ہو اور عملیات میں نافرمان۔ یا کہا جائے کہ اعتقاداً مطیع ہو اور عملاً قصور وار، خطاکار، اس کا ذکر اس آیت میں نہیں ہے بلکہ دوسری آیات میں اس کا حکم بین بین موجود ہے جو اس کی بین بین حالت کے مناسب ہے۔ یعنی اس کو اچھائی کا ثواب اور برائی کا عذاب ہونا چاہئے۔ اب رہا یہ کہ پہلے کون ہو؟ عقلاً دونوں احتمال ہیں لیکن شرعاً اصل ایمان کی وجہ سے اخیر میں نجات کا یقین ہے اسی طرح یہ احتمال عقلی بھی باطل ہے کہ کوئی اگر صرف عمل صالح کرے بلا اعتقاد کے تو اس کا حکم کیا ہونا چاہئے؟ کیونکہ عمل صالح کے لئے اعتقاد شرط ہے۔ تاوقتیکہ عقیدہ نہیں ہوگا عمل کا تحقق ممکن ہی نہیں اس لئے جزاء میں بھی یہ صورت واقع نہیں ہوگی کہ اول ثواب مل جائے پھر عذاب ہوتا رہے۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ اَلزِّنَا **مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْھِدُوْا عَلَیْھِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ** ج اَیْ مِنْ رِجَالِ الْمُسْلِمِیْنَ **فَاِنْ شَھِدُوْا** عَلَیْھِنَّ بِھَا **فَاَمْسِکُوْھُنَّ** اِحْبِسُوْھُنَّ **فِی الْبُیُوْتِ** وَامْنَعُوْھُنَّ مِنْ مُخَالَطَۃِ النَّاسِ **حَتّٰی یَتَوَفّٰھُنَّ** ا... سوتُ اَیْ مَلٰئِکَتُہٗ **اَوْ** اِلٰی اَنْ **یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا** ﴿۱۵﴾ طَرِیْقًا اِلَی الْخُرُوْجِ مِنْھَا اُمِرُوْا بِذٰلِکَ اَوّ... سلَامِ ثُمَّ جَعَلَ لَھُنَّ سَبِیْلًا بِجَلْدِ الْبِکْرِ مِائَۃً وَّتَغْرِیْبِھَا عَامًا وَرَجْمِ الْمُحْصَنَۃِ وَفِی الْحَدِیْثِ لَمَّا بَیَّنَ الْ... قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُذُوْا عَنِّیْ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا رَوَاہُ مُسْلِم **وَالَّذٰنِ** بِتَخْفِیْفِ النُّوْنِ وَتَشْدِیْدِھَا **یَاْتِیٰنِھَا** اَیِ الْفَاحِشَۃَ الزِّنَا اَوِ اللِّوَاطَۃَ **مِنْکُمْ** اَیْ مِنَ الرِّجَالِ **فَاٰذُوْھُمَا** ج بِالسَّبِّ وَالضَّرْبِ بِالنِّعَالِ **فَاِنْ تَابَا** مِنْھَا **وَاَصْلَحَا** الْعَمَلَ **فَاَعْرِضُوْا عَنْھُمَا** ط وَلَاتُؤْذُوْھُمَا **اِنَّ اللّٰہَ کَانَ تَوَّابًا** عَلٰی مَنْ تَابَ **رَّحِیْمًا** ﴿۱۶﴾ بِہٖ وَھٰذَا مَنْسُوْخٌ بِالْحَدِّ اِنْ اُرِیْدَ بِہِ الزِّنَا وَکَذَا اِنْ اُرِیْدَ بِھَا اللِّوَاطَۃَ عِنْدَ الشَّافِعِیِّ لٰکِنَّ الْمَفْعُوْلَ بِہٖ لَایُرْجَمُ عِنْدَہٗ وَاِنْ کَانَ مُحْصَنًا بَلْ یُجْلَدُ وَیُغَرَّبُ وَاِرَادَۃُ اللِّوَاطَۃِ اَظْھَرُ بِدَلِیْلِ تَثْنِیَۃِ الضَّمِیْرِ وَالْاَوَّلُ قَالَ

اَرَادَ الزَّانِیَ وَالزَّانِیَةَ وَیَرُدُّهٗ تَبْیِیْنُهَا بِمَنِ الْمُتَّصِلَةِ بِضَمِیْرِ الرِّجَالِ وَاشْتِرَاکُهُمَا فِی الْاَذٰی وَالتَّوْبَةِ وَالْاِعْرَاضِ وَهُوَ مَخْصُوْصٌ بِالرِّجَالِ لِمَا تَقَدَّمَ فِی النِّسَاءِ مِنَ الْحَبْسِ **اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَی اللّٰهِ** اَیِ الَّتِیْ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهٖ قُبُوْلَهَا بِفَضْلِهٖ **لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ** اَلْمَعْصِیَةَ **بِجَهَالَةٍ** حَالٌ اَیْ جَاهِلِیْنَ اِذَا عَصَوْا رَبَّهُمْ **ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ** زَمَنٍ **قَرِیْبٍ** قَبْلَ اَنْ یُّغَرْغِرُوْا **فَاُولٰٓئِکَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ** یَقْبَلُ تَوْبَتَهُمْ **وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا** بِخَلْقِهٖ **حَکِیْمًا﴿۱۷﴾** فِیْ صُنْعِهٖ بِهِمْ **وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ** الذُّنُوْبَ **حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ** وَاَخَذَ فِی النَّزْعِ **قَالَ** عِنْدَ مُشَاهَدَةِ مَاهُوَ فِیْهِ **اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ** فَلَایَنْفَعُهٗ ذٰلِکَ وَلَایُقْبَلُ مِنْهُ **وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ کُفَّارٌ** اِذَا تَابُوْا فِی الْاٰخِرَةِ عِنْدَ مُعَایَنَةِ الْعَذَابِ لَایُقْبَلُ مِنْهُمْ **اُولٰٓئِکَ اَعْتَدْنَا** اَعْدَدْنَا **لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا﴿۱۸﴾** مُؤْلِمًا

ترجمہ: ....اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدچلنی (زنا) کی مرتکب ہوں تو ان پر گواہ کرلو اپنے چار آدمیوں میں سے (یعنی چار مسلمان مرد) اگر چار آدمی گواہی دے دیں (ان عورتوں کے خلاف زنا کی) تو پھر ایسی عورتوں کو گھروں میں بند (محبوس) رکھو (اور لوگوں سے ملنے رلنے سے روک دو) یہاں تک کہ موت (ملائکہ موت) ان کا خاتمہ کردے یا (او بمعنی الیٰ ان) اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی دوسری راہ پیدا فرمادیں (جو اس سے نکلنے کی ہو یہ حکم ابتداء اسلام میں دیا گیا تھا بعد میں ان کے لئے باکرہ کو سو کوڑے مارنے اور ایک سال کے لئے جلاوطن کرنے اور محصنہ کو سنگسار کرنے کی راہ نکال دی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حد بیان فرمائی تو ارشاد فرمایا کہ مضبوطی سے اس کو تھام لو، عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے موعود راہ نکال دی ہے رواہ مسلم) اور جونسے دو شخص (تخفیف نون اور تشدید نون کے ساتھ ہے) بدچلنی کے مرتکب ہوں (یعنی وہ فاحشہ خواہ زنا ہو یا لواطت) تم میں سے (یعنی تمہارے مردوں میں سے) تو ان دونوں کو اذیت پہنچانی چاہئے (سخت کلامی اور جوتہ کاری سے) پھر اگر وہ دونوں توبہ کرلیں (اس بدفعلی سے) اور اصلاح (عمل بھی) کرلیں تو انہیں چھوڑ دو (ان کی پٹائی موقوف کردو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے ہی توبہ قبول فرمانے والے ہیں (جو شخص تائب ہوجائے) اور (اس پر) رحم کرنے والے ہیں (فاحشہ سے مراد اگر زنا ہو تو یہ حکم حد زنا سے منسوخ ہے۔ علیٰ ہذا امام شافعیؒ کی رائے پر اگر غلام مراد لیا جائے تب بھی حد زنا سے منسوخ ہے البتہ ان کے نزدیک صرف فاعل پر رجم کیا جائے گا۔ مفعول بہ پر اگرچہ محصن ہو رجم نہیں آئے گا۔ بلکہ کوڑوں اور جلاوطنی کی سزا دی جائے گی۔ بہ نسبت زنا کے لواطت کے معنی زیادہ مناسب رہیں گے۔ کیونکہ والذین الخ میں سب ضمیریں تثنیہ کی استعمال کی گئی ہیں اگر اول معنی کے قائل کہتے ہیں کہ ضمیر تثنیہ سے مراد زانی اور زانیہ ہیں۔ لیکن دوسری توجیہ کرنے والے اس کی تردید من بیانیہ سے کرتے ہیں۔ جو ضمیر رجال پر داخل ہے۔ پھر ان دونوں کی اذیت اور توبہ واعراض میں شرکت بھی ہے حالانکہ یہ تینوں چیزیں مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں عورتوں کے بارہ میں تو حبس کی سزا کا تذکرہ ابھی گذر چکا ہے) البتہ توبہ کی قبولیت اللہ تعالیٰ کے حضور (یعنی انہوں نے جو از روئے فضل وکرم خود لازم قرار دی ہے) وہ ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو برائی (گناہ) کی کوئی بات نادانی میں کرلیتے ہیں (یہ حال ہے یعنی بے خبری کی حالت میں کیونکہ اگر اپنے پروردگار کی وہ نافرمانی کر بیٹھتے ہیں) پھر فوراً ہی توبہ کرلیتے ہیں (قریب زمانہ میں غرغرہ کی حالت سے پیشتر) پس ایسے ہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی ان پر لوٹ آتے ہیں (توبہ قبول فرمالیتے ہیں) اور وہ یقیناً سب کچھ جاننے والے ہیں (اپنی مخلوق کو) اور حکمت رکھنے والے ہیں (ان کے ساتھ کارگزاری میں) لیکن ان

لوگوں کی توبہ توبہ نہیں ہے جو برائیاں (گناہ) برابر کرتے رہے لیکن جب ان میں سے کسی کے آگے موت آ کھڑی ہوئی (اور نزع شروع ہو گیا) تو کہنے لگا (ان حالات پیش آمدہ کا مشاہدہ کر کے) اب میری توبہ نہ یہ اس کے لئے نافع ہوگی اور نہ قبول کی جائے گی) اسی طرح ان لوگوں کی توبہ بھی توبہ نہیں ہے جو دنیا سے کفر کی حالت میں جاتے ہیں (آخرت میں معائنہ عذاب کے وقت اگر وہ توبہ کر بھی لیں تب بھی وہ توبہ قبول کہاں ہوگی) ان تمام لوگوں کے لئے ہم نے تیار کر رکھا ہے تکلیف دہ یا سخت ترین عذاب (الیم بمعنی مُؤلِم یا مُؤلَم)

تحقیق وترکیب: .... ای ملائکۃ اشارہ ہے حذف مضاف کی طرف اور اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ توفی کے معنی بھی موت کے ہیں اس کی اضافت موت کی طرف اضافۃ الشیٔ الی نفسہ ہوگی۔ لیکن تقدیر مضاف کے بعد یہ اشکال باقی نہیں رہتا۔ ای الزنا واللواطۃ اول قول جمہور کا ہے اور مجاہدؒ نے لواطت کے معنی منقول ہیں۔ ابو مسلم بھی اس کے قائل ہیں نیز بعض علماء سورۂ نور کی آیت حد زنا سے اس سزا کی منسوخیت کے قائل ہوئے ہیں لیکن ابو سلیمان خطابیؒ منسوخ نہیں مانتے ان کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت مجمل ہے اور اس سبیل کا بیان حدیث واقع ہو رہی ہے۔ ہل یجلد امام شافعیؒ کے نزدیک مفعول کے لئے کوڑوں اور جلاوطنی کی سزا پر اکتفاء کیا جائے گا لیکن امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دونوں کو رجم کیا جائے گا خواہ محصن ہوں یا غیر محصن۔

والاول یعنی قائلین لواطۃ نے جو تثنیہ سے اپنی رائے پر استدلال کیا تھا اس کا جواب قائلین زنا یہ دیتے ہیں کہ تثنیہ زانی اور زانیہ کے لحاظ سے ہے۔ لیکن یہ بات کہ صرف "منکم" کہا گیا ہے "منکم ومنھن" نہیں کہا گیا۔ یہ دلیل تو دوسرے قائلین کے حق میں جاری ہے نیز ان دونوں کا اشتراک اذیت توبہ، اعراض میں یہ دلیل بھی ان ہی کے حق میں جاری ہے کیونکہ اگر زنا مراد ہوتی تو عورت کے لئے یہ سزائیں نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے لئے حبس کی سزا دی گئی ہے اور حسنؒ کی رائے یہ ہے کہ دوسری آیت جس میں اذیت کا بیان ہے مقدم ہے اور پہلی آیت جس میں حبس کا بیان ہے نزولاً مؤخر ہے۔

علی اللہ گناہ کے بعد توبہ کا ذکر بہت مناسب ہے۔ نیز یہ وجوب اللہ تعالیٰ پر محض تفضلاً ہے۔ معتزلہ کے خیال کے مطابق وجوب مراد نہیں ہے اور لفظ علی تحقیق وتثبیت کے لئے مستعمل ہے۔ بجھالۃ صحابہؓ کا اجماع ہے کہ اللہ کی نافرمانی عمداً ہو یا خطأً وہ جہالت ہی سے ہوئی ہے کیونکہ گناہ کا ارتکاب علم کا مقتضی نہیں ہوتا۔ جہالت ہی سے ناشی ہوتا ہے خواہ رسمی علم موجود ہو۔ ثم یتوبون لفظ ثم سے تعبیر کرنے میں عفو ورحمت کی وسعت کی طرف اشارہ ہے۔ من قریب من تبعیضیہ ہے یعنی گناہ اور توبہ کے درمیان بہت تھوڑا زمانہ گزرتا ہے کہ فوراً توبہ کر لیتے ہیں۔ یتوب اللہ یہ ایفاء وعدہ ہے اور اولاً وعدہ تھا۔ اس لئے تکرار نہیں ہوا۔

السیئات جمع لانا تمام انواع کے ارادہ سے نہیں ہے بلکہ تکرار وقوع کے لحاظ سے ہے۔ خواہ حقیقی ہو یا حکمی، یعنی گناہ پر اصرار کرنا۔

ربط وشان نزول: .... اسلام سے پہلے جس طرح یتامیٰ اور میراث کے سلسلہ میں بہت سی زیادتیاں ہو رہی تھیں۔ اسی طرح عورتوں کے معاملات میں بھی طرح طرح کی کوتاہیاں اور بے اعتدالیاں پائی جاتی تھیں ان کو ایذائیں دی جاتی تھیں تنگ کیا جاتا تھا محرمات سے نکاح کر لیتے تھے۔ ان آیات میں ان معاملات کا اصلاحی بیان ہے۔ البتہ خطأ وقصور پر تنبیہ وتادیب کی اجازت ہے۔ چنانچہ تادیب سے یہ مضمون شروع ہو کر "الرجال قوامون" تک چلا گیا اور پھر تادیب ہی پر ختم کر دیا گیا ہے۔ یہ آٹھواں حکم ہے۔

﴿تشریح﴾: ......زانی کی تعمیم اور سزائے زنا کی تعیین: .... آیت میں زانی سے مراد عام ہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، مرد ہو یا عورت، چاروں کی تادیب کی اجازت دی گئی ہے۔ اگرچہ ذکر میں تنہا عورت کی تخصیص کی گئی ہے۔ تاہم حاکم وقت کی رائے پر تعزیر پر محمول ہوگی۔ زبان سے ہاتھ سے جس طرح بھی مناسب ہو زجر وتوبیخ کرے بعد میں اس سزا کی تعیین کر دی گئی۔ جس کو آپ ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ غیر شادی شدہ کے لئے سو کوڑے اور شادی شدہ کیلئے سنگساری۔ مفسر علامؒ نے ایک سال کی جلاوطنی کو شافعیؒ مذہب کی رعایت سے ذکر کیا ہے۔ جس کا جواب احنافؒ کی طرف سے کتب اصول میں یہ دیا گیا ہے کہ یہ زیادتی علی کتاب اللہ ہے جو قابل اعتبار نہیں۔ رہا حدیث کا معاملہ سو ممکن ہے کہ تعزیر مراد ہو جو سیاسۃً حاکم وقت کی رائے پر محمول ہوتی ہے۔ چنانچہ حنفیہ کے نزدیک حکام کے علاوہ دوسروں کو ان سزاؤں کے اجراء کا حق نہیں ہوتا۔ آیت فاستشهدوا اس کا قرینہ ہے کیونکہ گواہوں کی ضرورت حاکم کے پاس مرافعہ لے جانے ہی میں ہو سکتی ہے ورنہ خود خاوند کو گواہ بنانے کی کیا حاجت؟ اور شوہر کے لئے بیوی کو گھر میں روکنے کا حق فی نفسہٖ بھی ہے۔ لیکن وہ سیاسۃً نہیں ہوتا۔ اب بطور تعزیر و سیاست کے ہے اس لئے سزا ہوگئی اور توبہ کے بعد تعرض نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ملامت نہ کرو توبہ کے بعد سزا نہ دینا مراد نہیں اور نہ وہ توبہ کے منافی ہے۔ بلکہ جیسا ہوا اعادہ جرم کے بعد دوبارہ سزا کا استحقاق حاصل ہے۔ اسی طرح توبہ کے بعد بھی حق سزا ہے۔ بخلاف غیر تائب کے اس کو سزا بھی ہوگی اور ملامت بھی۔ لفظ منکم سے خطاب جن حضرات صحابہؓ کو کیا گیا ہے ان کی خصوصیات پر نظر کرتے ہوئے فقہاء نے زنا کو چار گواہوں میں مسلمان، عاقل، بالغ، آزاد مرد ہونا شرط قرار دیا ہے۔ یعملون السیئات میں برابر گناہ کرنے سے مراد عام ہے خواہ گناہ کو بار بار کیا جائے یا ایک ہی گناہ پر اصرار ہو کہ وہ بھی بار بار کے حکم میں ہے۔

تحقیق انیق:............ نیز موت کے قریب دو قسم کی حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک یاس کی حالت کہ زندگی سے ناامیدی ہو جائے، مگر برزخی احوال شروع نہ ہوئے ہوں۔ اس حالت میں ایمان لانا یا توبہ کرنا مقبول و معتبر ہوتے ہیں۔ دوسری حالت یاس کی ہوتی ہے کہ مایوسی سے بڑھ کر آگے کے احوال بھی نظر آنے لگیں اور غرغرہ شروع ہو جائے۔ محققین کے نزدیک اس حال کا ایمان و توبہ دونوں نامقبول ہیں۔ بجهالة کی قید احترازی نہیں بلکہ قید واقعی ہے کہ گناہ ہمیشہ حماقت ہی سے ہوتا ہے جس کو اپنے سود و زیاں ہی کی خبر نہیں۔ اس سے بڑھ کر بے وقوف اور کون ہوگا؟ سوء اور سیئات سے ہر قسم کی بدعملی مراد ہے۔ کفر بھی اس میں داخل ہو جائے گا قبولیت و عدم قبولیت ایمان اگرچہ قانون کلی کے طریقہ پر معلوم ہوگئی تھی لیکن کفار کی جانب سے توبہ میں لاپرواہی اور دیر کی مزید برائی واضح کرنے کے لئے پھر صراحۃً کفار کے ایمان بحالت یاس کا غیر نافع ہونا ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اور قبول نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مغفرت کا وعدہ نہیں یوں وہ اگر کسی پر فضل کرنا چاہیں تو انہیں کون روک سکتا ہے؟ آیت ولا الذین الخ کی رُو سے جو شخص حالت کفر میں مرجائے اور کفری حالت کے ہوتے ہوئے کسی گناہ سے توبہ کرنا چاہے تو شرط قبولیت ایمان نہ ہونے کی وجہ سے اس کی توبہ بھی مقبول نہیں ہے۔

لطائف آیت:............ فان تابا واصلحا الخ سے معلوم ہوا کہ توبہ و اصلاح کے بعد طعن و تشنیع نہیں ہونی چاہئے کہ یہ بھی ایذاء میں داخل ہے بلکہ بعض دفعہ شر در کا دروازہ کھلنے کا باعث ہو جاتا ہے۔

انما التوبة الخ سے معلوم ہوا کہ جو کام عاقل کی شایان شان نہ ہو اس کو جہالت سے تعبیر کرنا گو وہ علم و عمل کے باوجود ہوا ہو دلیل ہے۔ صوفیاء کی اس تفسیر کی جو وہ یقین کے معنی کی تعبیر اعتقاد و جازم واقع کے مطابق مع غلبۂ حال کرتے ہیں کیونکہ اس کے نہ ہونے کو قرآن کریم میں جہالت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ اَیْ ذَاتَهُنَّ **كَرْهًا** بِالْفَتْحِ وَالضَّمِّ لُغَتَانِ اَیْ مُکْرِهِیْهِنَّ عَلٰی ذٰلِكَ کَانُوْا فِی الْجَاهِلِیَّةِ یَرِثُوْنَ نِسَآءَ اَقْرِبَآئِهِمْ فَاِنْ شَآءُوْا تَزَوَّجُوْهَا بِلَا صُدَاقٍ اَوْ زَوَّجُوْهَا وَاَخَذُوْا صَدَاقَهَا اَوْ عَضَلُوْهَا حَتّٰی تَفْتَدِیَ بِمَا وَرِثَتْهُ اَوْ تَمُوْتَ فَیَرِثُوْهَا فَنُهُوْا عَنْ ذٰلِكَ **وَلَا اَنْ تَعْضُلُوْهُنَّ** اَیْ تَمْنَعُوْا اَزْوَاجَکُمْ عَنْ نِکَاحِ غَیْرِکُمْ بِاِمْسَاکِهِنَّ وَلَا رَغْبَةَ لَکُمْ فِیْهِنَّ ضِرَارًا **لِتَذْهَبُوْا**

بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ مِنَ الْمَهْرِ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ بِفَتْحِ الْیَاءِ وَكَسْرِهَا اَیْ بَیِّنَتٍ اَوْ هِیَ بَیِّنَةٌ اَیْ زِنًا اَوْ نُشُوْزًا فَلَكُمْ اَنْ تُضَارُّوْهُنَّ حَتّٰی یَفْتَدِیْنَ مِنْكُمْ وَیَخْتَلِعْنَ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ اَیْ بِالْاِجْمَالِ فِی الْقَوْلِ وَالنَّفَقَةِ وَالْمَبِیْتِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَاصْبِرُوْا فَعَسٰۤی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۹﴾ وَلَعَلَّهٗ یَجْعَلُ فِیْهِنَّ ذٰلِكَ بِاَنْ یَرْزُقَكُمْ مِنْهُنَّ وَلَدًا صَالِحًا وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ اَیْ اَخْذَهَا بَدَلَهَا بِاَنْ طَلَّقْتُمُوْهَا وَّقَدْ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ اَیِ الزَّوْجَاتِ قِنْطَارًا مَالًا كَثِیْرًا صَدَاقًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا ظُلْمًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۲۰﴾ بَیِّنًا وَنَصْبُهُمَا عَلَی الْحَالِ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّوْبِیْخِ وَلِلْاِنْكَارِ فِیْ وَكَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ اَیْ بِاَیِّ وَجْهٍ وَقَدْ اَفْضٰی وَصَلَ بَعْضُكُمْ اِلٰی بَعْضٍ بِالْجِمَاعِ الْمُقَرِّرِ لِلْمَهْرِ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّیْثَاقًا عَهْدًا غَلِیْظًا ﴿۲۱﴾ شَدِیْدًا وَهُوَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ مِنْ اِمْسَاكِهِنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحِهِنَّ بِاِحْسَانٍ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا بِمَعْنٰی مَنْ نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا لٰكِنْ مَا قَدْ سَلَفَ ؕ مِنْ فِعْلِكُمْ فَاِنَّهٗ مَعْفُوٌّ عَنْهُ اِنَّهٗ اَیْ نِكَاحَهُنَّ كَانَ فَاحِشَةً قَبِیْحًا وَّمَقْتًا ؕ سَبَبًا لِلْمَقْتِ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ اَشَدُّ الْبُغْضِ وَسَآءَ بِئْسَ سَبِیْلًا ﴿۲۲﴾ طَرِیْقًا ذٰلِكَ۔

ع ۸ ۱۴

ترجمہ:............مسلمانو! تمہارے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ عورتوں کو میراث سمجھ کر (ان کی ذوات پر) زبردستی قبضہ کرلو (لفظ کرھا فتح اور ضمہ کے ساتھ دونوں لغت ہیں۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے مکرھین علی ذلک زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے عزیزوں کی عورتوں پر بطور میراث قبضہ کرلیا کرتے تھے پھر اس کے بعد اگر چاہتے تو بلا مہر ان سے نکاح کر لیتے۔ یا دوسری جگہ ان کی شادی کرادیتے اور ان کے مہروں پر قبضہ کر لیتے۔ یا زبردستی کہیں بھی ان کو شادی نہ کرنے دیتے۔ حتیٰ کہ بطور فدیہ میراث میں پایا ہوا مال وہ از خود اس مرد کو نہ دے دے۔ یا اس کے مرجانے پر میراث میں اس کا مال جب تک نہ مل جائے۔ غرضکہ زبردستی کی ان سب صورتوں سے منع کیا جارہا ہے) اور نہ انہیں روکے رکھو (دوسروں کے ساتھ نکاح کرنے سے ان کو منع مت کرو (ان کو روک کر۔ جبکہ خود سے نکاح کرنے کی رغبت نہ ہو محض نقصان پہنچانے کے خیال سے) تا کہ ان سے لے نکلو کچھ مال دیئے ہوئے (مہروں) میں سے الا یہ کہ وہ علانیہ بدچلنی کے مرتکب ہوئی ہوں (لفظ مبینه فتح یا اور کسر یا کے ساتھ ہے۔ تقدیر عبارت بینت یا ھی بینة ہے مراد اس سے زنا ہے یا نافرمانی۔ اب ایسے وقت تمہارے لئے اجازت ہے کہ تم ان کو کچھ تکلیف دو۔ یہاں تک کہ وہ تم کو کچھ فدیہ دے ڈالیں یا خلع کرلیں) اور عورتوں کے ساتھ معاشرت کرنے میں نیکی اور انصاف کا خیال رکھو (یعنی بات چیت، اخراجات اور شب باشی میں خوبصورتی سے کام لو) پھر اگر وہ عورتیں تمہیں ناپسند ہوں (تو صبر کرو) اس لئے کہ عجب نہیں کہ ایک بات تم ناپسند کرتے ہو اور اسی میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بہت کچھ بہتری رکھ دی ہو (اور ممکن ہے اس بہتری رکھنے کی صورت یہ ہو کہ ان ناپسند بد عورتوں سے تم کو اولاد (صالح عطا فرمادے) اور اگر تم ارادہ کرلو کہ ایک بیوی کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری کرو گے (یعنی پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری کرلو) اور (ان بیویوں میں سے) پہلی کو ایک ڈھیر بھی (بطور مہر مال کثیر کا) دے دیا ہو تو بھی نہیں چاہئے کہ اس میں سے کچھ واپس لے لو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنا دیا ہوا مال بہتان لگا کر ظلماً اور کھلم کھلا گناہ کے مرتکب ہو کر واپس لے لو (مبین بمعنی بین ہے اور لفظ بہتان اور اثم مبین کا منصوب ہونا بنا

برحال کے ہےاوراس میں استفہام توبیخ کے لئے ہے لیکن اگلے جملہ میں استفہام انکاری ہوگا) اور پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم اسے واپس لے لو (یعنی کس طریقہ سے آخر لے سکتے ہو) حالانکہ ملاقات (وصول) کر چکے تم میں سے ایک دوسرے کے ساتھ خاوند بیوی کے طریقہ پر (جماع کر کے جو مہر لازم کر چکا ہے) اور تمہاری بیویاں تم سے قول وقرار (عہد) پکا (مضبوط) لے چکی ہیں (یعنی اس خدائی حکم کے ماتحت کہ بیویوں کو یا حسن سلوک کے ساتھ اپنے پاس رکھو ورنہ خوبصورتی کے ساتھ آزاد کر دو) اور ان عورتوں کو نکاح میں نہ لاؤ (ما بمعنی من) ہے جنہیں تمہارے باپ نکاح میں لا چکے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا (تمہارا وہ فعل معاف ہے) یہ (ان عورتوں سے نکاح کرنا) بڑی ہی بے حیائی کی (بُری) بات تھی اور نہایت مکروہ و مردود بات تھی (جو اللہ کی ناراضی کا باعث ہے یعنی سخت غصہ کا) اور بہت ہی برا دستور (طریقہ) تھا (یہ)۔

تحقیق وترکیب:............**النسآء** یہ مفعول ثانی **ترثوا** کا یعنی وہ عورتیں موروثات بنیں اور یا **ترثوا** مفعول اول ہے یعنی ان کا مال بطریق میراث لو۔ یعنی عورتوں سے میراث لو۔ یہ بات تمہارے لئے جائز نہیں ہے۔ مفسر علامؒ نے ذاتھن نکال کر اشارہ کر دیا کہ میراث مالی کی ممانعت مقصود نہیں۔ بلکہ خود عورتوں کی ذوات پر قبضہ کر لینا مراد ہے جو جاہلیت کا دستور تھا۔ **کرھا** اشارہ اس طرف ہے کہ ضمیر **ترثوا** سے حال ہونے کی وجہ سے منسوب ہے اور صاحب کشاف نے **النساء** سے حال بنایا ہے۔ اسی **کارھات** پھر آگے مفسر لفظ **مکرھین** سے اشارہ کرتے ہیں کہ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے **ولا تعضلوا** اس کا عطف **ان ترثوا** پر ہے اور **لا** کا اعادہ تاکید اً کیا گیا ہے۔ یہ خطاب ان مردوں کو ہے جو اپنی عورتوں کو تنگ کرتے اور ان سے روپیہ وصول کرنے کے لئے دوسری جگہ بھی شادی نہ کرنے دیتے۔

تمنعوا ازواجکم کہہ کر مفسرؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ضمیر بطور استخدام نساء کی طرف راجع ہے۔ صریح لفظ نساء سے مراد دوسروں کی عورتیں اور ضمیر سے مراد خود تمہاری بیویاں ہیں۔ عضل کے معنی دراصل حبس اور روکنے کے آتے ہیں **عضلت المرأۃ بولدھا** بولتے ہیں جبکہ رحم تنگ ہو جائے کہ بچہ کا بعض حصہ باہر نکل آیا اور بعض حصہ برآمد نہیں ہوسکا۔

من المھر اس میں اشارہ ہے کہ **لاتعضلوھن** کا خطاب شوہروں کو ہے اگرچہ آیت میں خطاب ورثاء کو ہو رہا ہے اس پر تفتازانی نے مطول میں اعتراض کیا ہے کہ ایک ہی کلام میں دو شخصوں کو مخاطب بنانا صحیح نہیں ہوتا تاوقتیکہ ندا کا اعادہ نہ کیا جائے اس لئے **قم یازید واقعد یا عمرو** تو کہنا صحیح ہے مگر **قم واقعد زیدو عمرو** کہنا صحیح نہیں ہے جواب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کو مخاطب واحد کے حکم میں قرار دے لیا گیا ہے یا کہا جائے کہ یہاں بھی خطاب ورثاء ہی کو ہے۔

الاان یاتین یہ استثناء اعم احوال واوقات سے ہے یا اعم علل سے یعنی **لا یحل لکم عضلھن فی وقت اولعلۃ الا فی حال وقت اولاجل اتیانھن بھا الخ فاصبروا۔** اشارہ ہے جزائے مقدر کی طرف اور **فعسیٰ الخ** دال بر جزاء ہے۔ **قنطارًا** بمعنی مال کثیر۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا **لاتغالوا بصدقات النساء** ایک عورت برجستہ بولی کہ ہم آپؐ کے فرمان کا اتباع کریں یا اللہ تعالیٰ کے حکم **واٰتیتم احدٰھن قنطارًا** کا۔ حضرت عمرؓ لاجواب ہو گئے اور فرمایا **تزوجو اعلیٰ ماشئتم**. **بھتان** اس کی تفسیر مجاز ظلم کے ساتھ کی گئی ہے۔ ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ **وقد افضیٰ** یہ آیت حنفیہ کے لئے خلوت صحیحہ کے موکد مہر ہونے پر حجت ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ نے خلوت ہی کے ساتھ اس کی تفسیر کی ہے کیونکہ **وصول** بمعنی اللغوی وصول خاص پر موقوف نہیں ہے۔ اس لئے کہ عام خاص کے لئے مستلزم نہیں ہوتا۔ امام شافعیؒ کی روایت سے مفسر جماع کے ساتھ تفسیر کر رہے ہیں **واخذن** اخذ کی اسناد عورتوں کی طرف مجاز عقلی ہے ورنہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ آخذ ہیں۔ **لاتنکحوا** اس صورت کو آئندہ محرمات کے ذیل میں داخل کرنے کی بجائے علیحدہ بیان کرنے کی وجہ سے مبالغہ فی الزجر ہے۔ **ما** بمعنی **من** یہ توجیہ تفتازانی کی اختیار کردہ ہے اور بعض کی رائے ہے کہ

عورتیں ناقص العقل ہونے کی وجہ سے غیر ذوی العقول کے درجہ میں شمار کی گئی ہیں یا مراد اس سے صفت ہے۔ الا معنی لکن چونکہ مستقبل سے ماضی مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے مفسرؒ نے استثناء منقطع پر محمول کرلیا ہے۔ دوسری صورت استثناء متصل کی ہے اس وقت دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ نکاح کو وطی پر محمول کرلیا جائے یعنی باپ کی موطوہ سے وطی حرام ہے دوسرے معنی یہ ہوں کہ لا تنکحوا مثل نکاح ابائکم فی الجاھلیۃ الا ماقد سلف منکم. المقت بمعنی البغض. مصدر بمعنی المقوت مبالغہ کے لئے۔

ساء یہ قائم مقام بئس کے ہے اس میں ضمیر ہے جس کی تفسیر مابعد ہے اور سبیلا تمیز اور مخصوص بالمذمت محذوف ہے یعنی ذلک اور یہ بھی ممکن ہے کہ ساء کی ضمیر ماقبل کی طرف راجع ہو اور سبیلا تمیز منقول عن الفاعل ہو ای ساء سبیلا گویا وحسن اولئک رفیقا کی طرح ہے۔

ربط:.......... یہاں سے عورتوں کے باب میں پرانی کوتاہیوں کا سد باب ہے۔ مثلاً یا ایھا الذین الخ میں بطور میراث عورتوں پر قبضہ جمالینا، یا بیویوں کے حقوق غصب کرلینا یا آیت وان اردتم میں بغیر نافرمانی عورتوں سے مہر واپس لے لینا ہے۔ یہ نواں حکم ہے۔ آیت ولا تنکحوا میں نکاح مقت کی ممانعت، غرضکہ مختلف معاشرتی مظالم سے روکا جارہا ہے۔ یہ دسواں حکم ہے۔

شانِ نزول:.......... ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اگر کوئی مرد مر جاتا اور اس کی جوان بیوی رہ جاتی تو اس پر رشتہ داروں میں سے کوئی کپڑا ڈال دیتا اور خوبصورت ہونے کی صورت میں خود اس سے شادی کرلیتا اور بدشکل ہونے کی صورت میں اس کو محبوس رکھا جاتا تاآنکہ وہ مرجاتی اور اس کی میراث پر یہ قرابت دار قبضہ کرلیتا۔ نیز بخاری اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر مرجاتا تو اس کے عزیز عورت کے رشتہ داروں کی نسبت نکاح اور عدم نکاح کے زیادہ حقدار سمجھے جاتے اس کی اصلاح کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اور عکرمہ کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت کبشہ بنت معن بن عاصم اوسی انصاری کے بارہ میں نازل ہوئی کہ ان کے شوہر ابوقیس بن اسلتؓ کا انتقال ہوگیا ان کے صاحبزادہ نے حسب دستور ان پر چادر ڈال دی۔ لیکن بعد میں نہ خود حقوق زوجیت ادا کئے اور نہ دوسرے سے شادی کرنے دی۔ جس کی شکایت کبشہ نے آنحضرت ﷺ سے کی آپ ﷺ نے وحی کے انتظار کا مشورہ دیا یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی طرح ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ مرد جب اپنی بیوی کو ناپسند کرتے تو مہر کو معاف کرانے یا اس سے کچھ مال وصول کرنے کے لئے اس کو تنگ کیا کرتے۔ ولا تعضلوھن سے اس کی بندش کی جارہی ہے محمد بن کعبؒ سے مروی ہے کہ جب کسی شوہر کا انتقال ہوجاتا تھا تو اس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے.......... نکاح کرنے کا زیادہ حقدار سمجھا جاتا۔ اس کی اصلاح کے لئے آیت ولا تنکحوا الخ نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:.......**عورتوں کی جان و مال پر قبضہ**:.......... حاصل آیت لا یحل لکم ان ترثوا النساء یہ ہے کہ جبراً نہ عورتوں کی جانوں پر قبضہ کرسکتے ہو اور نہ مال پر قبضہ کی اجازت۔ مالی قبضہ کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) عورت کے حق میراث پر خود قبضہ کرلیا جائے، (۲) عورت کو دوسری جگہ نکاح نہ کرنے دیا جائے، تاآنکہ وہ مال از خود نہ دے دے یا اس کے مرنے پر زبردستی قبضہ نہ کرلیا جائے۔ (۳) شوہر بلاوجہ عورت کو مجبور کرکے مال لے اور پھر اس کو چھوڑ دے۔ ان میں سے پہلی اور تیسری صورت میں اگر مال عورت نے خوشدلی سے دیا ہے تو بے تکلف حلال ہوگا البتہ دوسری صورت میں زبردستی کا تعلق دراصل نکاح سے ہے۔ جس کی غرض مال وصول کرنا تھی، اس لئے لفظوں میں اس سے متعلق کردیا ہاں اگر خود بھی نکاح پر تیار اور رضامند نہیں ہے تو پھر اس صورت میں بھی گناہ نہیں بلکہ جواز رہے گا۔ البتہ اگر مرنے والے کی عورت پر زبردستی قبضہ کی صورت ہے تو

اس میں جبراً کی قید احترازی نہیں بلکہ واقعی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایسا ہی ہوتا تھا چنانچہ اگر عورت رضامند بھی ہو تب بھی اس کی ذات میراث نہیں بن سکتی۔

عضل کی صورتیں اور احکام:.......... علیٰ ہذا ولا تعضلوھن میں بھی تین صورتیں داخل ہیں۔ (۱) میت کی بیوی کو وارث نکاح سے روک دے تاکہ اس سے کچھ وصول ہو سکے۔ (۲) خود شوہر بیوی سے کچھ لے کر چھوڑ دے۔ (۳) طلاق دینے کے باوجود شوہر کچھ وصول کرنے کے لئے دوسری جگہ عورت کو نکاح نہ کرنے دے۔ ان تینوں صورتوں میں سے پہلی صورت اوپر کی دوسری صورت کا ایک حصہ ہے اور دوسری صورت بعینہ اوپر کی تیسری صورت ہے البتہ یہاں کی تیسری صورت اور اوپر کی اول صورت علیحدہ علیحدہ ہیں۔

اسی طرح الا ان یاتین میں بھی تین صورتیں ہیں۔ (۱) فاحشہ سے مراد شوہر کی نافرمانی اور اس کے ساتھ بدخلقی سے عورت کا پیش آنا لیا جائے۔ (۲) فاحشہ سے مراد زنا ہو۔ اس پر خاوند بطور جرمانہ اپنا دیا ہوا مہر واپس لے لے اور عورت کو نکال دے۔ (۳) فاحشہ سے مراد زنا ہو۔ اس پر بطور سزا عورت کو گھر میں محبوس کر دیا جائے، پہلی صورت میں شوہر کو خلع کی اجازت ہے لیکن بدل خلع دیئے ہوئے مہر سے زیادہ نہ ہو۔ دوسری صورت کا حکم یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں ایسا کرنے کی اجازت تھی لیکن اب یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ زنا سے مہر کا وجوب ساقط نہیں ہوتا گویا ان دونوں صورتوں میں مال لینے کی اجازت ہے۔ تیسری صورت کا حکم یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں اسے مقید رکھنے کی اجازت تھی اب یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ وصولی مال کی غرض سے یہ حبس نہیں بلکہ بطور سزا کے ہوگا۔ حاصل یہ کہ استثناء مطلق عضل سے ہوگا۔

پرانی بیوی کے ساتھ غلط کاروائی کر کے نئی شادی رچانا:.......... آیت وان اردتم الخ میں ایک خاص ظلم کی اصلاح کی جا رہی ہے یہ تو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ جن صورتوں میں عورت قصوروار ہو تو اس سے مال لے کر اس کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ بدل خلع مہر سے زیادہ نہ ہو۔ اس میں ہوتا یہ رہا ہے کہ اگر شوہر کی پہلی بیوی سے رغبت نہیں رہی اور وہ نئی بیوی سے شادی رچانا چاہتا تو اس کے لئے جواز کا بہانہ اس حیلہ سے نکالتا کہ پرانی بیوی سے مال وصول کرنے کے لئے اس پر تہمت قائم کرتا یا ویسے ہی پریشان کرتا رہتا اور پھر اس وصول شدہ رقم سے نئی شادی رچا لیتا۔ یہ بہتان طرازی کبھی تو صراحۃً ہوتی اور کبھی زبردستی مال وصول کر کے دلالۃً ہوتی کہ دوسروں کی نظروں میں اس کو نافرمان اور ذہنوں میں بدکار قرار دینا ہوتا۔ عورت کی رضامندی کی صورت میں تو مال کا وصول کرنا ظلم ہے ہی لیکن بطیب خاطر عورت کی طرف سے ہبہ کی صورت میں بھی ظلم ہی رہے گا۔ کیونکہ موانع ہبہ میں سے زوجیت بھی ہے اور اسی سے بہتان بھی لازم آتا ہے کہ واپس لینا گویا یہ ظاہر کرنا ہے کہ یہ میری بیوی نہ تھی گویا عورت کو دعویٰ زوجیت میں کاذبہ اور معاشرت میں فاسقہ ٹھہراتا ہے اس لئے اس کا بہتان ہونا ظاہر ہے اس مقام پر بیوی سے مال وصول کرنے کے چار موانع بیان کئے جا رہے ہیں۔ (۱) بہتان (۲) ظلم (۳) بدل اور مبدل منہ یعنی مہر اور ملک بضعہ دونوں کا اجتماع شوہر کی ملک میں۔ (۴) زن وشوئی کا عہد و پیمان۔ غرضکہ ان چار موانع کے ہوتے ہوئے مال کی واپسی نہایت مذموم ہے۔

فوائد قیود:.......... ان اردتم الخ سے معلوم ہوا کہ شوہر کی طرف سے اگر ناموافقت ہے تو مہر کی واپسی پر مجبور کرنا ناجائز ہوگا اور اتاخذونہ سے معلوم ہوا کہ عورت کی بدمزاجی اگر سبب ہے تو ردمہر جائز ہوگا۔ لیکن اگر کسی طرف سے فی الحال زیادتی نہیں ہوئی مگر آئندہ قرائن کے لحاظ سے ناموافقت کا خطرہ ہے اس خطرہ کے پیش نظر مرد خلع کرنا چاہتا ہے اور عورت بھی بخوشی مہر واپس کرنے پر رضامند ہے تو دوسرے مانع کی رو سے اس کی اجازت ہے۔ نیز تیسرے مانع سے معلوم ہوا کہ بغیر میاں بیوی کے تعلقات یا خلوت صحیحہ کے چونکہ پورا مہر مؤکد نہیں ہوتا ایسی حالت میں طلاق دینے سے نصف مہر آتا ہے۔ اب اگر اس حالت میں خلع ہوا تو نصف مہر تو طلاق قبل الدخول کی

وجہ سے ساقط ہوا آدھارہ گیا تھا وہ خلع کی وجہ سے ساقط ہوگیا۔ اسی طرح چوتھے مانع سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ بلا مہر نکاح کرنے سے چونکہ مہر مثل آتا ہے لیکن اس کا کوئی جز وصرف نکاح سے مؤکد نہیں ہوجاتا۔ پس ایسی حالت میں طلاق دینے سے صرف متعہ یعنی جوڑا دینا پڑتا ہے ہاں البتہ بیوی کو اگر کوئی چیز ہبہ مع القبض کردی جائے تو پھر اس کی واپسی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ زوجیت ایک ناقابلِ ارتفاع مانع ہے۔ اور فاخذونہ سے مراد عام ہے خواہ حقیقۃً ہو جیسی حسی واپسی یا حکماً ہو جیسے معاف کرنا۔

اشکال اورحل: .... اور آیت بالا سے مہر کی زیادہ مقدار کا صرف جواز بمعنی صحت ونفاذ معلوم ہورہا ہے۔ لیکن حدیث میں جو تقلیل مہر کی تاکید آئی ہے اس سے مراد مطلق اباحت اور عدم کراہت کی نفی ہے اس لئے دونوں میں تعارض نہیں ہے اور حضرت عمرؓ کا جو واقعہ اوپر مذکور ہوا اس میں زیادہ مہر کا جواز مان لینا محض اس لئے تھا کہ لوگ اس کو حرام نہ سمجھنے لگیں اس سے عدم کراہت ثابت نہیں ہوتی اس لئے اب مقام بالکل بے غبار ہوگیا ہے۔

سوتیلی ماں اور دوحقیقی بہنوں اور متبنّٰی کی بیوی سے نکاح: .... منجملہ برائیوں کے ایک غلط رواج قائم ہوگیا تھا کہ سوتیلی ماں سے یا ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی حقیقی بہن سے نکاح کو جائز اور متبنّٰی کی بیوی سے نکاح کرنا بیٹے کی بیوی کی طرح ناجائز سمجھتے تھے یعنی حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھتے تھے۔ آیت ولا تنکحوا الخ میں اس کا سدباب کیا جارہا ہے اور اسی ذیل میں وہ باندی جس کا شوہر دارالحرب میں زندہ موجود ہو بعض مسلمانوں کو اس کی حلت میں شبہ تھا۔ ضمناً اس کو بھی صاف کردیا ہے۔

نکاحِ مقت اور مقتی اولاد: .... اور چونکہ یہ نکاح مقت شائستہ لوگوں کے نزدیک پہلے بھی نہایت قبیح رہا ہے حتیٰ کہ ایسی اولاد کو بھی مقتی کہا جاتا تھا۔ اس لئے زجراً حق تعالیٰ نے اس حکم کو اگلی آیت کے محرمات سے الگ بیان کیا ہے۔ گویا عرفاً یہ نکاح مقت کہلایا اور عقلاً بے حیائی اور شرعاً نہایت براطریقہ ہوا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی ایجاب وقبول بھی کرلے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا باطل ہی رہے گا۔ چونکہ نکاح شرعی وطی کے حکم میں ہوتا ہے پس جب باپ کی منکوحہ یعنی حکمیہ موطوءہ سے نکاح بالاتفاق حرام ہے تو بقول امام ابوحنیفہ حقیقی موطوءہ سے اگرچہ بلا نکاح ازروئے زنا ہو بدرجہ اولیٰ بیٹے کے لئے نکاح حرام ہونا چاہئے اسی طرح اور جہاں جہاں بھی نکاح سے تحریم مؤبد ہوجاتی ہو زنا سے بھی مؤبد ہوجائے گی۔

لطائفِ آیت: .... فان کرھتموھن الخ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی تجویز کے سامنے اپنی رائے کو فنا کردینا چاہئے۔

وان اردتم الخ سے معلوم ہوا کہ بہتان کبھی صراحۃً ہوتا ہے اور کبھی دلالۃً اسی لئے ارباب باطن جس طرح موجب سے بچتے ہیں اسی طرح موہم سے بچنے کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ ولاتنکحوا الخ سے معلوم ہوا کہ تائب کی گذشتہ غلطیوں پر تشدد اور ان کا تذکرہ نہیں ہونا چاہئے اور نہ اس شخص کی تحقیر۔

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھٰتُکُمْ اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ وَشَمَلَتِ الْجَدَّاتُ مِنْ قِبَلِ الْاَبِ اَوِ الْاُمِّ **وَبَنٰتُکُمْ** وَشَمَلَتْ بَنَاتُ الْاَوْلَادِ وَاِنْ سَفَلْنَ **وَاَخَوٰتُکُمْ** مِنْ جِھَةِ الْاَبِ اَوِ الْاُمِّ **وَعَمّٰتُکُمْ** اَیْ اَخَوَاتُ اٰبَائِکُمْ وَاَجْدَادِکُمْ **وَخٰلٰتُکُمْ** اَیْ اَخَوَاتُ اُمَّھَاتِکُمْ وَجَدَّاتِکُمْ **وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ** وَتَدْخُلُ فِیْھِنَّ بَنَاتُ اَوْلَادِھِنَّ **وَاُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ** قَبْلَ اِسْتِکْمَالِ الْحَوْلَیْنِ خَمْسَ رَضَعَاتٍ کَمَا بَیَّنَهُ الْحَدِیْثُ **وَاَخَوٰتُکُمْ مِّنَ**

الرَّضَاعَةِ وَيُلْحَقُ بِذٰلِكَ بِالسُّنَّةِ الْبَنَاتُ مِنْهَا وَهُنَّ مَنْ اَرْضَعَتْهُنَّ مَوْطُوْءَتُهٗ وَالْعَمَّاتُ وَالْخَالَاتُ وَبَنَاتُ الْاَخِ وَبَنَاتُ الْاُخْتِ مِنْهَا لِحَدِيْثِ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَايَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ **وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ** جَمْعُ رَبِيْبَةٍ وَهِيَ بِنْتُ الزَّوْجَةِ مِنْ غَيْرِهٖ **الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ** تَرْبُوْنَهَا صِفَةٌ مُوَافِقَةٌ لِلْغَالِبِ فَلَامَفْهُوْمَ لَهَا **مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ** اَيْ جَامَعْتُمُوْهُنَّ **فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ** فِيْ نِكَاحِ بَنَاتِهِنَّ إِذَا فَارَقْتُمُوْهُنَّ **وَحَلَآئِلُ** اَزْوَاجُ **اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ** بِخِلَافِ مَنْ تَبَنَّيْتُمُوْهُمْ فَلَكُمْ نِكَاحُ حَلَائِلِهِمْ **وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ** مِنْ نَسَبٍ اَوْ رَضَاعٍ بِالنِّكَاحِ وَيُلْحَقُ بِهِنَّ بِالسُّنَّةِ الْجَمْعُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ عَمَّتِهَا وَخَالَتِهَا وَيَجُوْزُ نِكَاحُ كُلٍّ وَاحِدَةٍ عَلَى الْاِنْفِرَادِ وَمِلْكُهُمَا مَعًا وَيَطَاءُ وَاحِدَةٍ **اِلَّا** لٰكِنْ **مَاقَدْ سَلَفَ** فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ نِكَاحِكُمْ بَعْضَ مَاذُكِرَ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْهِ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا** لِمَا سَلَفَ مِنْكُمْ قَبْلَ النَّهْيِ **رَّحِيْمًا﴿۲۳﴾** بِكُمْ فِيْ ذٰلِكَ ۔

ترجمہ:.........حرام کردی گئیں تم پر تمہاری مائیں (ان سے نکاح کرنا، یہ حکم دادیوں اور نانیوں کو بھی شامل ہے) اور تمہاری بیٹیاں (یہ حکم پوتیوں اور پر پوتیوں کو بھی شامل ہے) اور تمہاری بہنیں (خواہ علاتی ہوں یا اخیافی) اور تمہاری پھوپھیاں (خواہ باپ کی بہنیں ہوں یا دادا کی) اور تمہاری خالائیں (ماں کی بہنیں ہوں یا دادی کی) اور بھتیجیاں اور بھانجیاں (ان کی اولاد بھی ان میں داخل ہیں) اور تمہاری دودھ پلانے والی مائیں (دوسال کی مدت پوری ہونے سے پہلے پانچ گھونٹ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے) اور تمہاری دودھ شریک بہنیں (اوران ہی کے ساتھ دودھ شریک بیٹیوں کو بھی بذریعہ سنت شامل کردیا گیا ہے یعنی وہ لڑکیاں مراد ہیں جن کو اس شخص کی موطوہ نے دودھ پلایا ہو۔ اسی طرح دودھ شریک پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں بھی اس میں داخل ہوگئیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ دودھ کی شرکت سے تمام رشتے حرام ہوجاتے ہیں۔ جونسب سے حرام ہیں۔ رواہ البخاری ومسلم) اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی اولاد (ربائب جمع ربیبة کی ہے بیوی کے دوسرے شوہر سے جولڑکی ہو) جو تمہاری گودوں میں پرورش پاتی ہیں (جن کی تم نے تربیت کی ہو یہ ایک ایسی حالت ہے جو اکثر حالات میں ایسے ہی ہوتی ہے اس لئے اس کو قید احترازی نہیں سمجھا جائے گا) اور ایسی بیویوں سے ہو کہ جن سے تم نے زن وشوئی کے تعلقات قائم کر لئے ہوں (یعنی ان سے صحبت کر لی ہو) لیکن اگر ابھی ان کی ماؤں سے ایسے تعلقات قائم نہ ہوئے ہوں تو پھر ان لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں کوئی پکڑ نہیں ہے (یعنی ان سے علیحدگی کے بعد انکی لڑکیوں سے شادی کر سکتے ہو) اور تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں (بخلاف اپنے متبنّٰی کی بیوی کے کہ ان سے تمہیں نکاح کرنے کا حق ہے) نیز تم پر حرام کردیا گیا ہے دو بہنوں کو جمع کرنا (نکاح میں خواہ دونوں نسبی بہنیں ہوں یا رضائی اور از روئے حدیث ان ہی میں شامل کردیا گیا ہے بیوی کی پھوپھی اور خالہ کو بھی۔ البتہ انفرادی طور پر ان عورتوں سے نکاح جائز ہے اسی طرح ان عورتوں کو ملک میں جمع کرنا بھی جائز ہے۔ تاہم صحبت کی اجازت ایک سے رہے گی) ہاں اگر پہلے جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا۔ زمانۂ جاہلیت میں تم نے جو بعض مذکورہ عورتوں سے نکاح کر لیا تھا اس کا گناہ تم پر نہیں ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخش دینے والے ہیں (ممانعت سے پہلے جو کچھ ہو گیا) رحمت رکھنے والے ہیں (تم پر اس بارہ میں)

تحقیق وترکیب:.........حرمت مفسرؒ نے اشارہ کردیا کہ حرمت کی اسناد اگرچہ ذوات کی طرف ہو رہی ہے لیکن مراد اس سے

تحریم نکاح ہے۔ جیسا کہ تحریم شراب سے مراد شرب شراب ہوتی ہے۔ واخواتکم مفسرؒ نے علاتی اوراخیافی کوذکر کیا ہے حالانکہ حقیقی اورعینی بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ قبل استکمال الحولین ائمہ اربعہؒ اور جمہور کا مذہب یہی ہے کہ دوسال بعد رضاعت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ حدیث انما الرضاعۃ من المجاعۃ اس پر شاہد ہے لیکن حضرت عائشہؓ کی رائے اس کے خلاف ہے۔

خمس رضعات یہ امام شافعیؒ اورامام احمدؒ کی رائے ہے۔ لیکن امام اعظمؒ اورامام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ ایک گھونٹ بھی کافی ہے۔ حدیث یحرم من الرضاع مایحرم من النسب عام اور مطلق ہے اس میں قلیل وکثیر کا کوئی فرق نہیں ہے۔ نیز حدیث عائشہؓ میں عشر رضعات کا لفظ بھی آیا ہے جس وجہ سے شوافع کے نزدیک وہ حدیث منسوخ ہے، اسی وجہ سے احناف کے نزدیک خمس رضعات والی حدیث بھی منسوخ ہوگی۔

واخواتکم عام اس سے کہ یہ رضاعی بہن رضاعی ماں کی حقیقی بیٹی ہو یا دوسرے کی لڑکی ہو۔ مگر دونوں عورتوں میں اس لڑکے کے ساتھ دودھ شریک ہوگئی ہو۔ ویلحق حاصل یہ ہے کہ یہ پانچوں قسمیں حرمت رضاعت میں بطریق الحاق شریک کردی گئی ہیں۔

ربائب یہ لفظ تربیت سے ہے وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ فلا مفہوم لھا یعنی یہ قید واقعی ہے احترازی نہیں ہے کہ اگر پرورش میں نہ رہی ہو تو بہر صورت لڑکی جائز ہوجائے گی۔ داؤد ظاہری کے علاوہ تمام ائمہ کی رائے یہی ہے۔

دخلتھم بھن ابن عباسؓ نے یہی تفسیر کی ہے اس میں باتعدیہ کی ہوگی۔ بمعنی مصاحبت یا با بمعنی مع ہے۔ کنایہ جماع سے ہے یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے لیکن امام اعظمؒ کے نزدیک لمس بشہوۃ بھی اس حکم میں داخل ہے۔

حلائل جمع حلیلۃ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ شوہر کے ساتھ ایک کپڑے میں حلول کرتی ہے۔ زوج کو اسی لئے حلیل کہتے ہیں اس کا ترجمہ مفسر نے ازواج کے ساتھ کیا ہے مراد اس سے زوجات ہے۔ من اصلابکم آنحضرت ﷺ نے اپنے متبنیٰ حضرت زیدؓ کی بیوی زینبؓ سے نکاح کرلیا تھا جس پر بڑی چہ میگوئیاں ہوئیں اس کی تردید مقصود ہے۔

وان تجمعوا بین الاختین صاحب ہدایہ کی عبارت یہ ہے۔ ولا یجمع بین الاختین نکاحًا ولا بملک یمین وطیًا لقولہ تعالیٰ وان تجمعوا بین الاختین الخ ولقولہ علیہ السلام من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الاٰخر فلا یجمعن ماءہ فی رحم اختین. اس مقام پر صاحب توضیح اور فخر الاسلام نے اعتراض کیا ہے کہ اس آیت سے جمع بین الاختین کا عدم جواز اور ماملکت ایمانھم کے عموم سے جواز معلوم ہوتا ہے اس لئے دونوں آیات میں تعارض ہوگیا۔ لیکن صاحب تلویح نے اس پر مناسب کلام کیا ہے کہ آیت ان تجمعوا الخ سے حرمت وطی ملکا بطریق دلالت معلوم ہوئی۔ کیونکہ جب نکاحًا جمع کرنا ناجائز ہے جو مفضی الی الوطی ہوتا ہے تو وطیًا جمع کرنا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا اور ماملکت سے جواز بطریق عبارت معلوم ہورہا ہے اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے۔

بین عمتھا وخالتھا ابوہریرہؓ کی روایت ہے لایجتمع بین المرأۃ وخالتھا اور ابوداؤدؒ کی روایت جامع ہے نھی النبیؐ ان تنکح المرأۃ علی عمتھا او العمۃ علی بنت ابنھا والمرأۃ علی خالتھا والخالۃ علی بنت اختھا لا تنکح الصغریٰ علی الکبریٰ ولا الکبریٰ علی الصغریٰ۔

ربط وشانِ نزول: .... یہ آیات بھی دسویں حکم کا تتمہ ہیں ان میں محرمات کا بیان ہے۔ حضرت عطاؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے متبنیٰ زید بن حارثہؓ کی مطلقہ بیوی حضرت زینبؓ سے شادی کرلی تو مشرکین نے ایک ہنگامہ برپا کردیا۔ اس پر آیت وحلائل ابناء کم الذین من اصلابکم نازل ہوئی اسی طرح ابوداؤد اور ترمذی نے تخریج کی ہے کہ فیروز دیلمیؓ جب مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں دو حقیقی بہنیں تھیں تو آپ ﷺ نے ان سے کسی ایک کو طلاق دینے کے لئے فرمادیا۔ اگرچہ فیروز دیلمیؓ کا یہ واقعہ

سببِ نزول آیت کا تو نہیں ہے لیکن اس سے بھی تائید اور اثبات ہوتا ہے حقیقی بہنوں کے نہ جمع کر سکنے کا۔

﴿تشریح﴾:......**تین قسم کے محرمات کا ذکر**:............ان آیات میں تین طرح کے محرمات کا ذکر ہے۔ اول حرمت علیکم امھٰتکم سے محرماتِ نسبیہ کا، دوسرے و امھٰتکم التی ارضعنکم سے محرماتِ رضاعیہ کا، تیسرے و امھٰت نساء کم سے محرمات صہر (دامادی) کا۔ قسم اول میں تمام اصول وفروع خواہ بالواسطہ ہوں یا بلا واسطہ سب آ گئے۔ اسی طرح بہنوں، پھوپھیوں، خالاؤں، بھتیجیوں، بھانجیوں میں سب طرح کی آ گئیں۔ عینی، علاتی، اخیافی علیٰ ہذا دوسری قسم میں انّا سے نکاح حرام ہے اور ان رضاعی بہن بھائی کا نکاح حرام ہے۔ جنہوں نے ایک دوسرے کی حقیقی یا رضاعی ماں کا دودھ ایک وقت میں یا مختلف اوقات میں پیا ہو۔ تیسری قسم میں بیوی اور مزنیہ کے تمام اصول وفروع سے نکاح حرام ہوگا۔ ہاں بغیر مساس یا ہمبستری کی ہوئی بیوی کی لڑکی سے شادی کی اجازت ہے اسی طرح اولاد ذکور کی بیویوں سے (بہوؤں سے) جس میں تمام فروع آ گئے نکاح ناجائز ہوگا۔ البتہ لے پالک اس سے مستثنیٰ ہے۔ متبنّٰی اور منہ بولے بیٹے کی بیوی بہو نہیں کہلائے گی۔

﴿الحمدللہ پارہ نمبر۴ کی شرح تمام ہوئی﴾

پارہ نمبر ﴿۵﴾

وَالْمُحْصَنٰتُ

وَّ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ **الْمُحْصَنٰتُ** اَیْ ذَوَاتُ الْاَزْوَاجِ **مِنَ النِّسَآءِ** اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ قَبْلَ مُفَارَقَةِ اَزْوَاجِهِنَّ حَرَائِرَ مُسْلِمَاتٍ كُنَّ اَوْلَا **اِلَّا مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** ج مِنَ الْاِمَاءِ بِالسَّبْيِ فَلَكُمْ وَطْؤُهُنَّ وَاِنْ كَانَ لَهُنَّ اَزْوَاجٌ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ بَعْدَ الْاِسْتِبْرَاءِ **كِتٰبَ اللّٰهِ** نَصَبٌ عَلَى الْمَصْدَرِ اَیْ كُتِبَ ذٰلِكَ **عَلَيْكُمْ** ج **وَاُحِلَّ** بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ **لَكُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِكُمْ** اَیْ سِوٰى مَاحُرِّمَ عَلَيْكُمْ مِنَ النِّسَآءِ لِ **اَنْ تَبْتَغُوْا** تَطْلُبُوا النِّسَآءَ بِاَمْوَالِكُمْ بِصُدَاقٍ اَوْ ثَمَنٍ **مُّحْصِنِيْنَ** مُتَزَوِّجِيْنَ **غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ** ط زَانِيْنَ **فَمَا** فَمَنِ **اسْتَمْتَعْتُمْ** تَمَتَّعْتُمْ **بِهٖ مِنْهُنَّ** مِمَّنْ تَزَوَّجْتُمْ بِالْوَطْيِ **فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ** مُهُوْرَهُنَّ الَّتِيْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ **فَرِيْضَةً** ط **وَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ** اَنْتُمْ وَهُنَّ **بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ** ط مِنْ حَطِّهَا اَوْ بَعْضِهَا اَوْ زِيَادَةٍ عَلَيْهَا **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا** (۲۴) فِيْمَا دَبَّرَهٗ لَهُمْ **وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا** غِنًا لِ **اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ** الْحَرَائِرِ **الْمُؤْمِنٰتِ** هُوَ جَرْيٌ عَلَى الْغَالِبِ فَلَامَفْهُوْمَ لَهٗ **فَمِنْ مَّامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** يَنْكِحُ **مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ** ط **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ** ط فَاكْتَفُوْا بِظَاهِرِهٖ وَكِلُوا السَّرَائِرَ اِلَيْهِ فَاِنَّهُ الْعَالِمُ بِتَفَاصِيْلِهَا وَرُبَّ اَمَةٍ تَفْضُلُ الْحُرَّةَ فِيْهِ وَهٰذَا تَانِيْسٌ بِنِكَاحِ الْاِمَاءِ **بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ** ج اَیْ اَنْتُمْ وَهُنَّ سَوَاءٌ فِي الدِّيْنِ فَلَا تَسْتَنْكِفُوْا مِنْ نِكَاحِهِنَّ **فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ** مَوَالِيْهِنَّ **وَاٰتُوْهُنَّ** اَعْطُوْهُنَّ **اُجُوْرَهُنَّ** مُهُوْرَهُنَّ **بِالْمَعْرُوْفِ** مِنْ غَيْرِ مَطْلٍ وَنَقْصٍ **مُحْصَنٰتٍ** عَفَائِفَ حَالٌ **غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ** زَانِيَاتٍ جَهْرًا **وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ** ج اَخِلَّاءٍ يَزْنُوْنَ بِهَا سِرًّا **فَاِذَآ اُحْصِنَّ** زُوِّجْنَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ تَزَوَّجْنَ **فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ** زِنًا **فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ** الْحَرَائِرِ الْاَبْكَارِ اِذَا زَنَيْنَ **مِنَ الْعَذَابِ** ط الْحَدِّ فَيُجْلَدْنَ خَمْسِيْنَ وَيُغَرَّبْنَ نِصْفَ سَنَةٍ وَيُقَاسُ عَلَيْهِنَّ الْعَبِيْدُ وَلَمْ يُجْعَلِ الْاِحْصَانُ شَرْطًا لِوُجُوْبِ الْحَدِّ بَلْ لِاِفَادَةِ اَنَّهٗ لَا رَجْمَ عَلَيْهِنَّ اَصْلًا **ذٰلِكَ** اَیْ نِكَاحُ الْمَمْلُوْكَاتِ عِنْدَ عَدَمِ الطَّوْلِ **لِمَنْ خَشِيَ** خَافَ **الْعَنَتَ** الزِّنَا وَاَصْلُهُ الْمَشَقَّةُ

سُمِّیَ بِهِ الزِّنَا لِاَنَّهُ سَبَبُهَا بِالْحَدِّ فِی الدُّنْيَا وَالْعُقُوبَةِ فِی الْاٰخِرَةِ **مِنْكُمْ** بِخِلَافِ مَنْ لَايَخَافُهُ مِنَ الْاَحْرَارِ فَلَايَحِلُّ لَهٗ نِكَاحُهَا وَكَذَا مَنِ اسْتَطَاعَ طَوْلَ حُرَّةٍ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِیُّ وَخَرَجَ بِقَوْلِهٖ مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ الْكَافِرَاتِ فَلَايَحِلُّ لَهٗ نِكَاحُهَا وَلَوْ عَدِمَ وَخَافَ **وَاَنْ تَصْبِرُوْا** عَنْ نِكَاحِ الْمَمْلُوكَاتِ **خَيْرٌ لَّكُمْ** لِئَلَّايَصِيْرَ الْوَلَدُ رَقِيْقًا **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۲۵﴾ بِالتَّوْسُعَةِ فِیْ ذٰلِكَ۔

ترجمہ:............اور (وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں) جو دوسرے (مردوں) کے نکاح میں ہوں۔ یعنی ان عورتوں سے (نکاح حرام قرار دیا گیا ہے۔ ان کے شوہروں کے چھوڑنے سے پہلے آزاد مسلمان عورتیں ہوں یا نہ ہوں) ہاں جو عورتیں تمہارے قبضہ میں آ گئی ہوں (باندیاں گرفتار ہو کر آئی ہوں ان سے ہمبستری جائز ہے۔ استبراء رحم کا انتظار کر کے۔ اگرچہ ان کے شوہر دارالحرب میں زندہ ہوں) اللہ تعالیٰ کا ٹھہرایا ہوا قانون ہے) یہ منصوب علی المصدر ہے یعنی یہ اللہ کا مقرر کیا ہوا حکم ہے) تمہارے لئے اور جائز کی گئی ہیں (معروف و مجہول دونوں طرح ہے) تمہارے لئے ان عورتوں کے علاوہ دوسری عورتیں (یعنی بجز محرمات مذکورہ کے۔ تاکہ) تم حاصل کر سکو (زوجیت میں لے سکو عورتوں کو) اپنے مال کے ذریعہ (بیوی کا مہر ہو یا باندی کی قیمت) اس طرح کہ تم نکاح کے بندھن میں رکھنا چاہو (شادی کرنا چاہو) محض مستی ہی نکالنا مقصود نہ ہو۔ پھر جس (ما بمعنی من ہے) طریق سے تم نے نفع اٹھایا ہو۔ (استمتعتم بمعنی تمتعتم ہے) ان عورتوں سے (جن سے تم نے نکاح کر کے ہمبستری کی ہے) سو چاہئے کہ ان کے حوالہ کر دو ان کا مہر (جو تم نے ان کے لئے مقرر کیا ہے) مقررہ اور کوئی مضایقہ نہیں ہے تمہارے لئے اس میں کہ کوئی بات اگر بطور رضامندی (تمہارے درمیان) ٹھہر جائے مہر مقرر کرنے کے بعد (پورے کا یا کسی ایک جزء کا گھٹانا یا بڑھانا) بے شک اللہ تعالیٰ (اپنی مخلوق کو) جاننے والی (اپنی تدبیروں میں) حکمت رکھنے والے ہیں اور تم میں جو شخص اس کا مقدور (توسع) نہ رکھتا ہو کہ نکاح کر سکتا ہو۔ آزاد مسلمان بیبیوں سے (یہ قید غالب الوقوع ہونے کے لحاظ سے لگائی گئی ہے۔ اس لئے اس کو احترازی نہیں سمجھنا چاہئے) تو ان عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے جو قبضہ میں آئی ہوں اور مومن ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمانوں کا حال بہتر جاننے والے ہیں (اس لئے ظاہری سرسری ایمان پر اکتفا کرو۔ باطن کا حال اللہ کے سپرد کر دو۔ کیونکہ تفصیلات سے وہی واقف ہیں۔ کتنی ہی باندیاں ہیں جو آزاد عورتوں سے بہتر ہوتی ہیں۔ اس میں باندیوں سے شادی کی نفرت دور کرنا ہے) اور تم سب ایک دوسرے کی ہم جنس ہو (یعنی تم اور وہ دونوں دین کے لحاظ سے برابر ہیں۔ اس لئے ان کے نکاح سے عار محسوس نہ کرو) پس نکاح میں لے آؤ ایسی عورتوں کو اس کے سرپرستوں (آقاؤں) کی اجازت سے اور حوالہ کر دو (دے دو) ان کا مہر دستور کے مطابق (ٹال مٹول اور کم کئے بغیر) البتہ وہ نکاح کے بندھن میں رہنے والی (شریف زادیاں) ہوں (یہ حال ہے) بدکار (کھلم کھلا حرام کار) نہ ہوں اور چوری چھپے بدچلنی کرنے والی نہ ہوں (کہ درپردہ آشنائی کر کے حرام کاری کرتی ہوں) پھر قید نکاح میں آنے کے بعد (مجہول صورت میں یہ لفظ زوجن کے معنی میں ہے اور ایک قرأت میں احصن معروف ہے بمعنی تزوجن) اگر ایسا ہو کہ بدکاری (زنا) کی مرتکب ہوں تو ان کے لئے آزاد اور غیر شادی شدہ عورتوں کی سزا سے (آزاد ہونے کے ساتھ ناکتخدا بھی ہوں تو زنا کی صورت میں ان کو جو سزا ہوئی اس کا) نصف سزا ہوگی (مراد حد ہے۔ چنانچہ پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور چھ مہینے جلاوطن کیا جائے گا۔ ان باندیوں پر غلام کو قیاس کیا جائے گا اور حد واجب ہونے کے لئے احصان شرط نہیں ہے بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ ان کو بالکل رجم نہیں کیا جائے گا) یہ حکم (یعنی باندیوں سے نکاح کرنا آزاد عورتوں سے گنجائش نہ ہونے کی صورت میں) ان لوگوں کے لئے ہے جنہیں اندیشہ (ڈر) ہو برائی (زنا) میں مبتلا ہو جانے کا (اصل میں معنی عنت کے مشقت کے

ہیں۔ وجہ تسمیہ زنا کی یہ ہے کہ وہ بھی سبب مشقت ہوتی ہے۔ دنیا میں حد لگائی جاتی ہے اور آخرت میں عذاب ہوگا) تم میں سے (برخلاف ان آزادلوگوں کے جن کوزنا میں پڑنے کا خطرہ نہ ہو۔ان کے لئے نکاح حلال نہیں ہے۔علی ہذا جس کو آزادعورت سے نکاح کرنے کی سکت ہو۔اس کے لئے باندی لونڈی سے نکاح جائز نہیں۔یہی مذہب ہے امام شافعیؒ کا اور "من فتیاتکم المؤمنات" کی قید سے کافرعورتیں نکل گئیں کہ ان سے بہرصورت نکاح جائز نہیں۔اگرچہ آزادعورت کے نکاح سے عاجز ہواور مبتلائے زنا ہوجانے کا اندیشہ بھی ہو) اورتمہاراضبط کرنا (لونڈیوں کے نکاح سے بچے رہنا) تمہارے لئے کہیں بہتر ہے (ورنہ تمہاری اولاد غلام پیدا ہوگی) اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحمت والے ہیں (کہ اس بارے میں گنجائش دے دی۔)

تحقیق وترکیب: .... **والمحصنٰت** ۔احصان کے معنی یہاں تزوج کے ہیں اور حریت کے معنی میں آتے ہیں۔جیسے **ومن لم یستطع الخ** میں اور اسلام کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے **فاذا احصن الخ** اور عفت کے معنی بھی ہوتے ہیں۔جیسے **محصنات غیر مسٰفحٰت** ماقبل کے محرمات پر اس کا عطف ہے۔شوہر والی عورتیں مراد ہیں۔رجم کی حد جاری کرنے میں جو احصان شرط ہے جس میں اسلام، تکلیف، حریت، وطی کا ہونا ضروری ہے یا حد قذف میں عفت عن الزنا صرف وہ یہاں مراد نہیں ہے۔کیونکہ حرمت نکاح میں یہ چیزیں موثر نہیں ہیں۔اس میں تو منکوحۃ الغیر ہونا موثر ہوگا۔البتہ قید ہونے کی صورت میں وہ مانع مرتفع ہوجائے گا اور نکاح کی اجازت ہوجائے گی اور استبراء رحم کی شرط دوسری روایت سے ثابت ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک جواز نکاح کے لئے محض قید ہونا کافی ہے اور حنفیہ کے نزدیک اختلاف دارین کی وجہ سے یہ اجازت ہوگی۔

ماوراء ذٰلکم ۔یہ عام مخصوص البعض ہے۔کیونکہ بعض اور قسمیں بھی محرمات میں داخل ہیں۔مثلاً بیوی اور اس کی پھوپھی یا خالہ کو نکاح میں جمع کرنا، معتدہ عورت سے نکاح کرنا وغیرہ وغیرہ جن کی حرمت سنت سے ثابت ہے۔

ان تبتغوا ۔یہ بدل اشتمال یا مفعول لہ ہے۔ای لان بتقدیر اللام اور **تبتغوا** کا مفعول محذوف ہے۔ای **النساء** اور لفظ **محصنین** اور **غیر مسافحین** دونوں حال ہیں فاعل **تبتغوا** سے۔**سفح** بمعنی صب۔گرانا، زانی کے پیش نظر بھی صرف اراقت ماء ہوتی ہے۔افزائش نسل مقصود نہیں ہوتی۔

فاٰتوھن اجورھن ۔مفسرؒ نے ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کردیا ہے جو اس کو متعہ پر محمول کرتے ہیں۔حالانکہ ائمہ اربعہؒ متعہ کی حرمت پر متفق ہیں۔صاحب ہدایہ نے جو امام مالکؒ کی طرف اس کے جواز کی نسبت کی ہے وہ صحیح نہیں ہے اور فرقہ امامیہ کا خلاف قابل اعتبار نہیں ہے۔نیز حضرت علیؓ کی روایت اس کی حرمت پر دال ہے اور حضرت ابن عباسؓ کا قول اباحت سے رجوع ثابت ہے۔

فلا مفهوم له ۔یعنی چونکہ آزاد کتابی عورتوں کا حکم بھی یہی ہے۔اس لئے مومنات کی قید احترازی نہیں ہے۔

من فتیاتکم ۔امام شافعیؒ کے نزدیک کتابیہ باندی سے نکاح جائز نہیں ہے۔خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام، حنفیہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ وصف بمنزلہ شرط کے ہے۔پس انتفاء شرط سے جس طرح انتفاء مشروط نہیں ہوتا۔اسی طرح انتفاء وصف سے انتفاء موصوف نہیں ہوتا۔اسی طرح انتفاء وصف سے انتفاء موصوف نہیں ہونا چاہئے۔صاحب مدارک نے باندی کے حق میں قید ایمان کو استحباب پر محمول کیا ہے۔جیسے آزاد کتابیہ میں بالاتفاق ایمان شرط نہیں۔اسی طرح یہاں بھی نہیں ہونا چاہئے۔

محصنٰت ۔یہ **فانکحوھن** کے مفعول سے حال ہے۔یہ شرط بھی استحبابی ہے۔ورنہ زانیہ باندی سے بھی نکاح جائز ہے۔

فعلیھن نصف ۔حنفیہ کے نزدیک جلاوطنی نہ آزاد عورت کی سزا میں داخل ہے نہ باندی میں۔رہا یہ شبہ کہ باندی کی سزا تنصیف کا کیا فائدہ؟ تو فائدہ یہ ہے کہ ان کے لئے رجم کی سزا بالکل نہیں ہے۔نیز چونکہ باندی کے لئے شادی سے پہلے کی حد معلوم تھی، البتہ

شادی کے بعد کتنی ہوگی اس کو صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ولم یجعل الاحصان ۔ چونکہ احصان کے معنی تزوج کے لئے ہے۔ اس لئے سوال وجواب کی نوبت آئی ورنہ دوسرے مفسرین کی طرح اگر اسلام کے معنی لئے جائیں تو پھر ضرورت ہی نہیں رہتی اور تنصیف کے حکم سے معلوم ہوگیا کہ ان کی حد رجم نہیں ہے کیونکہ رجم کی تنصیف نہیں ہوتی اور جب بحالت احصان رجم نہیں تو عدم احصان کی صورت میں بدرجہ اولیٰ رجم نہیں ہوگا۔

من لایخافه ۔ اس کی ضمیر سے "**من الحرائر**" حال ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ نکاح جائز نہیں۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اگر آزاد عورت نہیں ہے۔ علیٰ ہذا آزاد عورت سے شادی کی گنجائش ہوتے ہوئے باندی سے نکاح امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔ لیکن امام اعظمؒ کے نزدیک اگرچہ بالفعل آزاد بیوی موجود نہیں ہے۔ تاہم قدرت ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کی اجازت ہے اور مدار اختلاف اس اصول پر ہے کہ وصف اور شرط کا وجود وعدم دونوں حکم کے وجود وعدم میں موثر ہوتے ہیں یا نہیں۔ جیسا کہ اصولی کتابوں میں بالتفصیل مذکور ہے۔ اسی طرح حنفیہ کے نزدیک مسلمان باندی ہو یا کتابیہ دونوں سے جائز ہے۔ ایمان کی قید افضلیت کے لئے ہے۔

ربط: ....گذشتہ آیت میں محرمات کی تین قسموں کا بیان ہو چکا ہے۔ آیت **والمحصنت** میں چوتھی قسم مذکور ہے اور **واحل لکم الخ** میں سابق حکم کا تتمہ ہے۔ یعنی حلت نکاح مع شرائط اس ذیل میں **ومن لم یستطع** سے باندی سے نکاح کے احکام شروع کردیئے اور **فاذا احصن** میں گیارہواں حکم کنیز کی حد زنا سے متعلق ہے۔

شانِ نزول: ....حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جنگ اوطاس میں ایسی عورتیں قید ہوکر آئیں جن کے شوہر اپنے وطن میں زندہ موجود تھے۔ اس لئے ان سے نکاح کرنے میں لوگوں کو تامل ہوا تو انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا۔ اس پر آیت **والمحصنت** نازل ہوئی۔ ابن جریرؒ نے معمر بن سلیمان کی روایت بیان کی ہے کہ لوگ مہر مقرر کرلیا کرتے تھے۔ لیکن پھر تنگی اور افلاس کی وجہ سے اس کو کم کرنا چاہتے تو اس پر آیت **لاجناح علیکم فیھا تراضیتم** نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾......**ایک شبہ کا ازالہ:** ....**واحل لکم ماوراء** پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ مذکورہ اقسام اربعہ کے علاوہ بہت سی اور عورتیں بھی حرام ہیں۔ پھر سب کو حلال کیسے کہا گیا ہے۔ کیونکہ اول تو بہت سی عورتیں ان الفاظ کے عموم میں داخل ہوگئیں۔ لغۃً یا عرفاً اس لئے وہ **ماوراء** میں داخل ہوکر حرمت سے مستثنیٰ نہیں ہوں گی۔ البتہ ان کے ماسوا جو عورتیں بچیں گی وہ **ماوراء** کے عموم میں داخل ہوسکتی ہیں۔ لیکن دوسرے دلائل شرعیہ احادیث واجماع، آثار وقیاس کی وجہ سے لفظ **ماوراء** اپنے عموم پر باقی نہیں رہے گا۔ ان سب دلائل پر نظر کرکے بقیہ محرمات کا استثناء کیا جائے گا۔ اس لئے اب تحلیل حرام یا تحلیل حلال کا اشکال لازم نہیں آئے گا۔

مہر کا بیان: ....**ان تبتغوا باموالکم** سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے کہ مہر کے لئے مال ہونا شرط ہے اور جس روایت میں **زوجتک بما معک من القران** فرمایا گیا ہے۔ یعنی غیر مال کا مہر ہونا معلوم ہوتا ہے تو وہاں باسبیہ ہے قرآن کو مہر نہیں بنایا گیا۔ مہر مال ہی ہوگا۔ بداہۃً معلوم ہونے کی وجہ سے اس کو ذکر نہیں کیا گیا۔ نیز یہاں مقررہ مہر کی ادائیگی کے لئے دو شرطیں فرمائی گئی ہیں۔ ایک اس کا مقرر ہونا۔ لفظ "**من بعد الفریضة**" سے دوسرے صحبت یا خلوت صحیحہ کا ہونا۔ لفظ "**فما استمتعتم**" سے۔ چنانچہ ان میں سے اگر ایک شرط بھی اٹھ گئی تو یہ حکم نہیں رہے گا۔ مثلاً طلاق قبل الدخول ہو اور مہر وغیرہ مقررہ ہو تو صرف ایک جوڑا کپڑوں کا دیا جائے

گا۔ نیز چونکہ مہر کے معاف یا کم کرنے میں مرد کے لئے شبہ کی گنجائش تھی۔ اسی طرح زیادہ کر دینے میں عورت کے لئے شبہ کی گنجائش تھی کہ شاید یہ جائز نہ ہو۔ لیکن کمی بیشی کی اجازت دے کر دونوں شبہوں کو صاف کر دیا گیا ہے۔

متعہ کی حلت اور حرمت: .... رہا متعہ تو ابتدائے اسلام میں خیبر سے پہلے حلال تھا، خیبر کے بعد حرام ہو گیا۔ مگر فتح مکہ کے موقعہ پر یوم اوطاس میں تین روز کے لئے حلال کیا گیا تھا پھر حدیث مسلم کی رو سے ابدالآباد تک کے لئے حرام کر دیا گیا ہے۔ **غیر مسافحین** سے بھی اس کی حرمت ہی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت بھی اس پر دال ہے اور بعض حضرات سے جو اس کی حلت منقول ہے شاید اس کو نسخ کی اطلاع نہ پہنچی ہو اور حضرت عمرؓ کی طرف سے جو اس کی تحریم منسوب ہے۔ اس کا مقصد اثبات حرمت نہیں بلکہ اظہار حرمت ہے اور ابن عباسؓ سے جو اباحت کی رائے منقول ہے اول تو وہ مطلق حلت کے قائل نہیں بلکہ اضطرار اور مجبوری کی حالت میں ہے۔ دوسرے امام ترمذیؒ نے ابن عباسؓ سے مطلق حرمت کا قول نقل کر دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے حلت کے قول سے رجوع فرما لیا ہے۔ چنانچہ تمام اہل حق کا متعہ کی حرمت پر اجماع ہے۔ اس لئے شیعوں کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔ لفظ **فما استمتعتم** سے مراد یہ متعارف متعہ نہیں ہے۔ ورنہ صرف **ومن لم یستطع منکم الخ** پر اکتفاء نہ کیا جاتا۔ بلکہ **ومن لم یستطع النکاح و لا استمتاع** کہنا چاہئے تھا۔ یا یوں کہا جاتا۔ **ومن لم یستطع النکاح فلیستمتع او لینکح الفتیات**۔

مسلمان یا کتابیہ باندی سے نکاح: .... امام اعظمؒ کے نزدیک مسلمان اور کتابیہ باندی سے نکاح کی بہر صورت اذنِ مولیٰ کے بعد اجازت ہے۔ خواہ آزاد مسلمان سے نکاح کی گنجائش ہو یا نہ ہو۔ ان قیود کے ساتھ اس درجہ سے بلاضرورت اپنی اولاد کو غلام بنانا پڑے گا۔ اولویت پر محمول کرتے ہیں کیونکہ آزاد اور غلام بننے میں اولاد ماں کے تابع سمجھی جاتی ہے۔ دوسرے بیوی کے مملوکہ ہونے کی صورت میں یوں بھی بے لطفی رہے گی کہ وہ غریب دو طرف کی کشاکش میں رہے گی۔ تیسرے خدمتگاری کے سلسلہ میں عورت کو بے پردہ بھی ہونا پڑے گا۔ بازار آنا جانا ہو گا جو غیور آدمی کے لئے تکلیف دہ ہے۔ چوتھے آزاد عورت کی طرح اس کو خانہ داری کا کماحقہ سلیقہ بھی نہیں ہو گا۔ ان وجوہ کی وجہ سے ایک درجہ میں کراہت شرعیہ پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لئے بے ضرورت اس کا ارتکاب خلاف اولیٰ ہے۔ البتہ ضرورت ہو تو محض کراہت عرفی یعنی عار کی وجہ سے بچنے کی ممانعت ہے۔

باندی سے نکاح میں شوافعؒ اور حنفیہؒ کا اختلاف: .... البتہ امام شافعیؒ وغیرہ باوجود دونوں قیدوں کو احترازی ماننے کے پہلی قید کی دوسری صفت کو احترازی نہیں فرماتے۔ یعنی غیر مسلمان آزاد عورت کی گنجائش ہوتے ہوئے کنیز سے نکاح کی اجازت نہیں دیتے۔ اس پر حنفیہ الزاماً کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نزدیک تمام قیود کا یہی حال ہے جو آپ کے نزدیک صرف ایک قید کا ہے اور بالمعروف کی قید لگانے سے یہ فائدہ ہوا کہ دین مہر کو بھی عام قرضوں کی طرح سمجھنا چاہئے۔ اس کو ہلکا سمجھ کر ادائیگی میں لاپروائی سے کام لینا وسعت کے ہوتے ہوئے ٹالنے اور پریشان کرنے کی اور وعدہ خلافی کی کوشش کرنا قطعاً مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ شاذ و نادر ادائیگی مہر کی نوبت آتی ہے اور وہ بھی حکومت وغیرہ کے دباؤ سے۔

حنفیہ کے مؤیدات: .... **فان اتین بفاحشۃ** سے زنا پر جس سیاست کا ذکر ہے وہ باندی اور غلام دونوں کے لئے عام ہے، لیکن باندی کی تخصیص ذکری شاید اسی نکتہ کے پیش نظر ہو کہ کام کاج کی وجہ سے اس کو بازار آنا جانا غیروں سے بے حجاب، بے تکلف ملنا پڑے گا۔ جس سے زنا وغیرہ فواحش میں مبتلا ہونے کا امکان زیادہ ہے۔ اس لئے بھی بلاضرورت اس کی طرف رغبت نہیں ہونی چاہئے بلکہ حتیٰ

الامکان ایسے نکاح سے بے زاری رہنی چاہئے۔ سزائے زنا کی تفصیل یہ ہے کہ شادی شدہ آزاد مرد وعورت کو ثبوت جرم کے بعد سنگسار کیا جائے گا اور کنوارے اور کنواری کے سو سو کوڑے مارے جائیں گے اور غیر شادی شدہ کنیز یا غلام سے یہ حرکت ہو جائے تو پچاس پچاس کوڑے لگائے جائیں گے۔ چنانچہ زید بن خالد جہنی کی روایت صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غیر منکوحہ لونڈی کے لئے تازیانوں کا حکم دیا۔ نیز غلام کی حد پر جمہور ائمہ کا اجماع ہے۔ غرضیکہ باندی کی تخصیص ذکری، احترازی اور تقییدی ہے کہ غلام کے لئے نفی ہو جائے۔ لفظ "نصف" سے معلوم ہوا کہ غلام وباندی پر رجم نہیں۔ کیونکہ اس کی انتہاء جان لینے پر ہوتی ہے۔ جس کی تنصیف ممکن نہیں۔

وان تصبروا خیر لکم سے اس امر کے ارشادی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ **واللہ غفور** سے بھی اس نکاح کے مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہونے کی طرف اشارہ ہے جس پر مواخذہ تو نہیں ہوتا اور نجات کے لئے بھی نافع نہیں ہوتا۔ مگر خواص کی شان کے خلاف ضرور ہوتا ہے۔ البتہ شوافع چونکہ بعض صورتوں کی اجازت اور بعض کی ممانعت کرتے ہیں۔ اس لئے وہ مغفرت کے معنی یہ لیتے ہیں کہ صورت جواز کے لحاظ سے تو مواخذہ نہیں، لیکن حقیقت معصیت کے اعتبار سے قابل مواخذہ ہے۔

لطائف آیات: .... **واللہ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض** میں کبر ونخوت کی جڑ کاٹ دی گئی ہے۔ جس کے لئے مشائخ بڑا اہتمام فرماتے ہیں۔ **فعلیھن نصف** سے معلوم ہوا کہ درجات کے فرق سے سیاست میں بھی فرق ہونا چاہئے۔ حکمائے معلمین ضرور اس کی رعایت رکھتے ہیں۔ **ذلک لمن خشی** الخ اس سے معلوم ہوا کہ دینی مصالح اگر فوت نہ ہوتی ہوں تو ان کے ساتھ دنیاوی مصالح کی رعایت کرنا خلاف زہد نہیں ہے۔ بشرطیکہ حب جاہ اس کا داعی نہ ہو جیسا کہ جامع محققین کا یہی مسلک اور مذاق ہوتا ہے کہ وہ انسب اور اوفق کی رعایت رکھتے ہیں۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ شَرَائِعَ دِیْنِکُمْ وَمَصَالِحَ اَمْرِکُمْ **وَیَھْدِیَکُمْ سُنَنَ** طَرَائِقَ **الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ** مِنَ الْاَنْبِیَاءِ فِی التَّحْلِیْلِ وَالتَّحْرِیْمِ فَتَتَّبِعُوْھُمْ **وَیَتُوْبَ عَلَیْکُمْ** ط یَرْجِعُ بِکُمْ عَنْ مَعْصِیَتِہِ الَّتِیْ کُنْتُمْ عَلَیْھَا اِلٰی طَاعَتِہِ **وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ** بِکُمْ **حَکِیْمٌ** ﴿۲۶﴾ فِیْمَادَبَّرَہٗ لَکُمْ **وَاللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ** قف کَرَّرَہٗ لِیُبْنٰی عَلَیْہِ **وَیُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّھَوٰتِ** اَلْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی وَالْمَجُوْسُ اَوِ الزُّنَاۃُ **اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا** ﴿۲۷﴾ تَعْدِلُوْا عَنِ الْحَقِّ بِارْتِکَابِ مَاحُرِّمَ عَلَیْکُمْ فَتَکُوْنُوْا مِثْلَھُمْ **یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ** ج فَیُسَھِّلَ عَلَیْکُمْ اَحْکَامَ الشَّرْعِ **وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا** ﴿۲۸﴾ لَایَصْبِرُ عَنِ النِّسَاءِ وَالشَّھَوَاتِ **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ** بِالْحَرَامِ فِی الشَّرْعِ کَالرِّبٰوا وَالْغَصْبِ **اِلَّآ** لٰکِنْ **اَنْ تَکُوْنَ** تَقَعَ **تِجَارَۃً** وَفِیْ قِرَاءَ ۃٍ بِالنَّصْبِ اَنْ تَکُوْنَ الْاَمْوَالُ اَمْوَالَ تِجَارَۃٍ صَادِرَۃٍ **عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ** قف وَطِیْبِ نَفْسٍ فَلَکُمْ اَنْ تَاْکُلُوْھَا **وَلَاتَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ** ط بِارْتِکَابِ مَایُؤَدِّیْ اِلٰی ھِلَاکِھَا اَیًّاکَانَ فِی الدُّنْیَا اَوِ الْاٰخِرَۃِ بِقَرِیْنَۃِ **اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا** ﴿۲۹﴾ فِیْ صُنْعِہٖ لَکُمْ مِنْ ذٰلِکَ **وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ** اَیْ مَانُھِیَ عَنْہُ **عُدْوَانًا** تَجَاوُزًا لِلْحَلَالِ حَالٌ **وَّظُلْمًا** تَاکِیْدٌ **فَسَوْفَ نُصْلِیْہِ** نُدْخِلُہٗ **نَارًا** ط یَحْتَرِقُ فِیْھَا **وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا** ﴿۳۰﴾ ھَیِّنًا **اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَاتُنْھَوْنَ عَنْہُ** وَھِیَ مَاوَرَدَ عَلَیْھَا وَعِیْدٌ کَالْقَتْلِ وَالزِّنَا وَالسَّرِقَۃِ

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ هِيَ اِلَى السَّبْعِمِائَةِ اَقْرَبُ **نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ** الصَّغَائِرَ بِالطَّاعَاتِ **وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا** بِضَمِّ الْمِيمِ وَفَتْحِهَا اَيْ اِدْخَالًا اَوْ مَوْضِعًا **كَرِيْمًا**﴿۳۱﴾ هُوَ الْجَنَّةُ ۔

ترجمہ:............ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم پر کھول دیں (تمہارے دین کے احکام اور کام کے مصالح) اور تم کو چلائے راہ (طریقہ پر) ان لوگوں کی جو تم سے پہلے ہو چکے (یعنی انبیاء علیہم السلام کے احکام حلال وحرام اس کا تم اتباع کرسکو) اور تم پر توجہ فرمائے (جس گناہ میں تم پڑے ہوئے تھے اس سے ہٹا کر تم کو اپنی طاعت میں لگادے) اور اللہ تعالیٰ (تم سے) باخبر اور (تمہاری تدبیریں کرنے میں حکمت والے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے حال پر توجہ فرمائیں (اگلے جملہ کی بناء اس پر کرنے کے لئے اس کو مکرر لائے ہیں) اور جو لوگ نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہیں (یہودؔ ونصاریٰ، مجوس یا زناکار لوگ) وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم راہ اعتدال سے بہت دور جاپڑو (حرام چیزوں کا ارتکاب کر کے حق سے دور جاپڑو اور تم بھی ان جیسے ہو جاؤ) اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تمہارے لئے سہولت وآسانی ہو (شرعی احکام تم پر سہل ہو جائیں) اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے (عورتوں اور خواہشات سے صبر نہیں کرسکتا) مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق ناروانہ کھاؤ (شرعی طریقہ پر حرام کر کے جیسے سود وغصب) ہاں اگر کاروبار کے طریقہ پر ہو (ایک قرأت میں لفظ تجارۃ نصب کے ساتھ ہے یعنی وہ مال مالِ تجارت ہو جو) آپس کی ملی جلی رضامندی سے ہو (اور خوش دلی کے ساتھ ہو تو اس کا استعمال تمہارے لئے جائز ہے) اور اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرلیا کرو (تباہ کن چیزوں کا ارتکاب کر کے خواہ وہ دنیاوی ہوں یا دینی۔ یہ تعمیم اگلے جملہ کے قرینہ سے ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑے ہی مہربان ہیں (کہ تم کو ایسی باتوں سے روک دیا) اور جو شخص ایسا کرے گا (ممنوعہ باتوں کا ارتکاب) شرارت (حلال باتوں سے تجاوز کر کے۔ یہ ترکیب میں حال ہے) اور ظلم سے (یہ تاکید ہے) سو قریب ہے کہ ہم اسے داخل کر دیں (ٹھونس دیں) جہنم کی آگ میں (کہ وہ اس میں جل بھن کر رہ جائے اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے (آسان ہے) جن بڑی برائیوں سے تمہیں روک دیا گیا ہے۔ اگر تم ان سے بچتے رہے (اور وہ کبیرہ گناہ وہ ہیں جن پر کوئی وعید آئی ہو جیسے قتل وزنا اور چوری۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کبائر کی تعداد سات سو تک پہنچتی ہے) تو ہم تمہاری لغزشوں کے اثرات تم پر سے ہٹادیں گے۔ (چھوٹی غلطیوں کی تلافی طاعات سے کردیں گے) اور تمہیں ایسے مقام پر پہنچادیں گے (یہ لفظ ضم میم اور فتح میم کے ساتھ ہے۔ بمعنی ادخال مصدر یا موضوع ادخال۔ ظرف) جو عزت کا مقام ہوگا (یعنی جنت)

تحقیق وترکیب:............ لیبین لام زائد ہے اور بتقدیر ان لفظ یبین مفعول ہے۔ ویتوب۔ بعثت سے پہلے احکام نہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ معصیت کا تحقق نہیں ہوتا کہ توبہ کی نوبت آئے۔ تاہم صورۃً معصیت کہلائے گی۔ اس لحاظ سے توبہ ہے۔ گویا لغوی معنی کا لحاظ ہوا۔ یہاں ارادہ سے مراد علی حقیقتہا نہیں ہے۔ ورنہ ہر گنہگار کی توبہ سے ارادہ کا تعلق لازم آئے گا بلکہ بندہ کی توبہ کو پسند کرنا مراد ہے۔ اسی لئے قبول توبہ کو واجب کہا جاتا ہے۔

الیہود. ان لوگوں کے یہاں علاتی بہن، بھتیجی، بھانجی سے شادی روا تھی۔

لاتاکلوا. چونکہ مال کی بڑی منفعت کھانا پینا ہے اس لئے تخصیص کردی ورنہ مطلق استعمال اور لینا دینا ممنوع ہے۔

بینکم یہ حال یا ظرف ہے۔ من اموال سے۔ الا مفسر علامؒ نے استثناء منقطع کی طرف اشارہ کردیا۔ کیونکہ تجارت جنس مال سے نہیں ہے۔ نیز استثناء کا تعلق کون کے ساتھ ہے جو ایک معنی ہے مال نہیں ہے اور تجارت کی تخصیص بھی غالب تصرف کی وجہ سے ہے ورنہ ہبہ، صدقہ، وصیت بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔

تقع. اشارہ ہے کان تامہ ہونے کی طرف اور لفظ تجارت مرفوع اور نصب پڑھنے کی صورت میں کان ناقصہ ہوگا اور اسم مضمر ہوگا صادرۃ سے اشارہ کردیا کہ عن تراض صفت ہے تجارۃ کی۔ یہ آیت بیع تعاطی اور اجازت کے بعد بیع موقوفہ کے جواز پر اور خیار مجلس کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔ عدوانا وظلما یہ حال ہے یا مفعول لہ مدخلا کا مصدر میمی بصورت اسم مفعول ہے جیسے بسم اللّٰہ مجرھا ومرسٰھا بمعنی ادخالاً اور یا اسم ظرف مکان ہے۔

ربط: .... مخصوص احکام کے بعد ترغیب کے لئے ان احکام میں منافع ومصالح کی رعایت اور انعام واحسان کا تذکرہ کیا جارہا ہے اور آیت یآیھا الذین الخ میں بطور تتمیم، اموال میں ناجائز تصرف کی ممانعت کا بارہواں حکم بیان کیا جارہا ہے اور ان تجتنبوا الخ میں عام گناہوں سے پرہیز کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال:** .... الذین یتبعون الشھوات کی تفسیر میں جیسا کہ مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے اختلاف ہے۔ سدیؒ کی رائے میں یہود ونصاریٰ مراد ہیں اور بعض کے نزدیک صرف یہود مراد ہیں کہ ان کے یہاں علاتی بہن حلال ہے اور بعض فرقہ مجوس مراد لیتے ہیں جو مسلمان پر معترض تھے کہ خالہ اور پھوپھی زاد بہن کو تو حلال کہتے ہو اور بھانجی اور بھتیجی کو حرام۔ حالانکہ اصول سب کے یکساں حرام مانتے ہو اور ابن زیدؒ کی رائے میں فساق مراد ہیں اور بقول ابن عباسؓ زانی مراد ہیں۔ نیز حرام کو حلال سمجھنا یا بے باکانہ حرام کا ارتکاب کرنا دونوں "میل عظیم" میں داخل ہیں۔ اول کفار کا اور دوسرا فساق کا شیوہ ہوتا ہے اور گناہ کو گناہ سمجھنا اور اتفاقاً ان کا سرزد ہوجانا "میل خفیف" کہلائے گا۔ یہاں اس کی اجازت مقصود نہیں ہے بلکہ یہ بتلانا ہے کہ تمہارے دشمن تو "میل عظیم" میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔

انسان، فرشتے، جنات سب مکلّف ہیں: .... انسان کی طرح جنات اور فرشتے بھی تمام احکام کے مکلّف ہوتے ہیں۔ اگرچہ فرشتوں کے لئے ثواب وعذاب نہیں۔ نیز جنات اگرچہ انسان کی طرح کمزور نہیں ہیں لیکن ممکن ہے تسہیل میں اصل رعایت انسان کے ضعف کی ہو اور جنات بھی انسان کے طفیل میں اس سے مستفید ہوں اور جن شہوتوں سے بچانا مقصود ہے وہ وہ ہیں کہ جن سے خدا پرستی فوت ہوتی ہو مباح شہوتیں چونکہ خدا پرستی کے منافی نہیں اس لئے وہ مراد نہیں ہیں۔

قتل کی تین صورتیں اور ان کے احکام: .... غیر مستحق کو قتل کرنے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں (۱) خطاء فعلی کہ مثلاً شکار کی بجائے گولی آدمی کے لگ جائے۔ (۲) خطائے اجتہادی کہ مثلاً تنقیح مقدمہ کے سلسلہ میں غیر معتبر گواہوں کو معتبر سمجھ کر فیصلہ کردیا جائے۔ (۳) واقعۃً کسی غیر مستحق کا قتل کردینا۔

عدوان کا لفظ تو ان سب صورتوں کو عام ہے۔ لیکن ظلم کہنے سے مراد صرف تیسری صورت ہے کیونکہ دوسری صورت میں تو کچھ گناہ بھی نہیں ہے۔ اول صورت میں البتہ کچھ گناہ ہے جس کے کفارے کا بیان آگے آرہا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ جو مستحق قتل ہو ولی کے لئے اس کے قصاص کی درخواست جائز ہے اور اس درخواست پر قصاص لینا واجب ہوجائے گا۔ اس کو ممنوع یا گناہ نہیں کہا جائے گا۔

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کس کو کہتے ہیں: .... کبیرہ گناہ کی تعریفیں مختلف کی گئی ہیں۔ شیخ الاسلام بارزیؒ کی رائے اس بارے میں نہایت جامع ہے۔ یہ کہ جس گناہ پر کوئی وعید یا حد یا لعنت بیان کی گئی ہو یا اس میں کسی ایسے گناہ کے برابر یا زیادہ مفسدہ ہو جس پر وعید یا حد یا لعنت آئی ہو یا پھر کوئی گناہ دین کو ہیچ سمجھتے ہوئے کیا گیا ہو وہ گناہ کبیرہ ہے اور جس میں یہ بات نہ پائی جاتی ہو وہ

صغیرہ کہلائے گا۔ احادیث میں جو کبائر کی تعداد بیان کی گئی ہے مقصود اس سے حصر نہیں ہے بلکہ موقع محل کی ضرورت اور رعایت سے ان کو ذکر فرمادیا گیا ہوگا۔ بعض حضرات نے کبیرہ اور صغیرہ کے اضافی معنی کئے ہیں کہ ہر گناہ اپنے سے اوپر والے گناہ کے لحاظ سے صغیرہ اور اپنے سے کم درجہ گناہ کے لحاظ سے کبیرہ کہلائے گا۔ لیکن یہ تعریف فی حد ذاتہ کوئی حقیقی تعریف نہ ہوئی۔ اسی طرح اہل محبت اور ارباب عشق صوفیاء کی نظر میں گناہ میں کوئی تقسیم و تفریق نہیں کیونکہ ہر گناہ کی حقیقت محبوب کی نافرمانی ہے جو محبت کی دنیا میں معصیت کہلائے گی۔ محبوب کی یاد کے بغیر ایک سانس کا گذرنا بھی جو لوگ کفر سمجھتے ہوں وہ اس تفریق کو کہاں گوارا کریں گے۔ لیکن نیکی میں جب بداہۃً تفاوت ہے تو بدی میں بھی فرق مراتب لابدی ہوگا۔

گناہ کی تین صورتیں اور ان کے احکام:.......... صغیرہ گناہ کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) اول حالت جو آیت ان تجتنبوا میں مراد ہے یہ ہے کہ گناہ صغیرہ تو سرزد ہو گیا لیکن ساتھ ہی کبیرہ گناہ سے بچتا ہے اور پابندی سے طاعات ضروریہ بھی بجالاتا ہے۔ اس صورت میں وعدہ کیا جارہا ہے کہ صغائر معاف کردیئے جائیں گے (۲) دوسری حالت یہ ہے کہ طاعات ضروریہ کا پابند تو ہو مگر گناہ کبیرہ سے نہیں بچتا۔ (۳) تیسری حالت یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں سے تو بچتا ہے۔ البتہ طاعات نہیں بجالاتا۔ غرض کہ پہلی صورت میں جو دونوں شرطیں پائی جاتی تھیں چونکہ ان میں سے آخر کی ان دونوں صورتوں میں ایک ایک شرط کا فقدان ہے۔ اس لئے دوسری تیسری صورت میں وہ حکم بھی موجود نہیں ہوگا۔ یعنی تکفیر صغائر کا وعدہ اور یوں فضل وکرم کی بات دوسری ہے۔ وہ خود کبیرہ کے ساتھ بھی متعلق ہوسکتا ہے اور چونکہ اس صورت میں وعدہ معافی نہیں، اس لئے آخرت میں احتمال مواخذہ رہے گا۔ کیونکہ اگر معافی یقینی ہو جائے اور سزا کا احتمال نہ رہے تو پھر کبائر سے بچنا نہ بچنا دونوں برابر ہوں گے۔ حالانکہ کبائر سے بچنے کا ضروری ہونا خود قرآن سے صراحۃً معلوم ہو رہا ہے۔

گناہوں کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ:.......... اسی لئے صغیرہ پر مواخذہ کا احتمال اور کبیرہ پر فضل و درگزر کا امکان اہلسنت کا مسلک اور اہل حق کا مشرب رہا ہے۔ "فضل کرے تو چھٹیاں، عدل کرے تو لٹیاں" نیز کفارہ سیئات کے لئے حسنات کا قبول ہونا ضروری ہے کیونکہ مقبول حسنات تو بمنزلہ عدم کے ہیں اور جب شرط یعنی قبولیت ہی متیقن نہیں تو مشروط یعنی تکفیر کیسے یقینی کہی جاسکتی ہے۔ اس لئے اجتناب کبائر کے باوجود صغائر پر احتمال عقاب ہے کیونکہ رافع عقاب یعنی تکفیر ہی معلوم نہیں ہے۔ اہل سنت کی رائے کا یہی ماحصل ہے۔

یرید اللہ ان یخفف الخ اس میں مجاہدات میں تشدد نہ کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ بالخصوص جب کہ قوت وطاقت کا دعویٰ ہو اور مظاہرہ منشاء ہو جس سے عجب پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

وَلَاتَتَمَنَّوْا مَافَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ مِنْ جِهَةِ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ لِئَلَّا يُؤَدِّيَ اِلَى التَّحَاسُدِ وَالتَّبَاغُضِ **لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ** ثَوَابٌ **مِّمَّا اكْتَسَبُوْا** ؕ بِسَبَبِ مَاعَمِلُوْا مِنَ الْجِهَادِ وَغَيْرِهٖ **وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ** ؕ مِنْ طَاعَةِ اَزْوَاجِهِنَّ وَحِفْظِ فُرُوْجِهِنَّ نَزَلَتْ لَمَّاقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ لَيْتَنَا كُنَّا رِجَالًا فَجَاهَدْنَا وَكَانَ لَنَا مِثْلُ اَجْرِ الرِّجَالِ **وَاسْئَلُوا** بِهَمْزَةٍ وَدُوْنِهَا **اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ** ؕ مَااحْتَجْتُمْ اِلَيْهِ يُعْطِيْكُمْ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا** ﴿۳۲﴾ وَمِنْهُ مَحَلُّ الْفَضْلِ وَسُؤَالُكُمْ **وَلِكُلٍّ** مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ **جَعَلْنَا مَوَالِيَ** اَيْ

عَصَبَةٌ يُعْطَوْنَ **مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ** ط لَهُمْ مِنَ الْمَالِ **وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ** بِالْفٍ وَدُوْنِهَا **اَيْمَانُكُمْ** جَمْعُ يَمِيْنٍ بِمَعْنَى الْقَسَمِ اَوِ الْيَدِ اَيِ الْحُلَفَاءُ الَّذِيْنَ عَاهَدْتُمُوْهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ عَلَى النُّصْرَةِ وَالْاِرْثِ **فَاٰتُوْهُمْ** اَلْاٰنَ **نَصِيْبَهُمْ** ط حَظَّهُمْ مِنَ الْمِيْرَاثِ وَهُوَ السُّدُسُ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا** ﴿۳۳﴾ مُطَّلِعًا وَمِنْهُ حَالُكُمْ وَهُوَ مَنْسُوْخٌ بِقَوْلِهٖ وَاُولُو الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ **اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ** مُسَلَّطُوْنَ **عَلَى النِّسَآءِ** يُؤَدِّبُوْا لَهُنَّ وَيَأْخُذُوْنَ عَلٰى اَيْدِيْهِنَّ **بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ** اَيْ بِتَفْضِيْلِهٖ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ بِالْعِلْمِ وَالْعَقْلِ وَالْوِلَايَةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **وَبِمَا اَنْفَقُوْا** عَلَيْهِنَّ **مِنْ اَمْوَالِهِمْ** ط **فَالصّٰلِحٰتُ** مِنْهُنَّ **قٰنِتٰتٌ** مُطِيْعَاتٌ لِاَزْوَاجِهِنَّ **حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ** اَيْ لِفُرُوْجِهِنَّ وَغَيْرِهَا فِيْ غَيْبَةِ اَزْوَاجِهِنَّ **بِمَا حَفِظَ** هُنَّ **اللّٰهُ** ط حَيْثُ اَوْصٰى عَلَيْهِنَّ الْاَزْوَاجَ **وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ** عِصْيَانَهُنَّ لَكُمْ بِاَنْ ظَهَرَتْ اَمَارَاتُهٗ **فَعِظُوْهُنَّ** فَخَوِّفُوْهُنَّ مِنَ اللّٰهِ **وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ** اِعْتَزِلُوْا اِلٰى فِرَاشٍ اٰخَرَ اِنْ اَظْهَرْنَ النُّشُوْزَ **وَاضْرِبُوْهُنَّ** ج ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ اِنْ لَمْ يَرْجِعْنَ بِالْهِجْرَانِ **فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ** فِيْمَا يُرَادُ مِنْهُنَّ **فَلَا تَبْغُوْا** تَطْلُبُوْا **عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا** ط طَرِيْقًا اِلٰى ضَرْبِهِنَّ ظُلْمًا **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا** ﴿۳۴﴾ فَاحْذَرُوْهُ اَنْ يُّعَاقِبَكُمْ اِنْ ظَلَمْتُمُوْهُنَّ **وَاِنْ خِفْتُمْ** عَلِمْتُمْ **شِقَاقَ** خِلَافَ **بَيْنِهِمَا** بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ وَالْاِضَافَةُ لِلْاِتِّسَاعِ اَيْ شِقَاقًا بَيْنَهُمَا **فَابْعَثُوْا** اِلَيْهِمَا بِرِضَاهُمَا **حَكَمًا** رَجُلًا عَدْلًا **مِّنْ اَهْلِهٖ** اَقَارِبِهٖ **وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا** ج وَيُوَكِّلُ الزَّوْجُ حَكَمَهٗ فِيْ طَلَاقٍ وَقَبُوْلِ عِوَضٍ عَلَيْهِ وَتُوَكِّلُ هِيَ حَكَمَهَا فِي الْاِخْتِلَاعِ فَيَجْتَهِدَانِ وَيَأْمُرَانِ الظَّالِمَ بِالرُّجُوْعِ اَوْ يُفَرِّقَانِ اِنْ رَاٰيَاهُ قَالَ تَعَالٰى **اِنْ يُّرِيْدَآ** اَيِ الْحَكَمَانِ **اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا** ط بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ اَيْ يُقَدِّرُهُمَا عَلٰى مَا هُوَ الطَّاعَةُ مِنْ اِصْلَاحٍ اَوْ فِرَاقٍ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا** بِكُلِّ شَيْءٍ **خَبِيْرًا** ﴿۳۵﴾ بِالْبَوَاطِنِ كَالظَّوَاهِرِ

ترجمہ: ....اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے مقابلہ میں جو کچھ دے رکھا ہے اس کی تمنا مت کرو (دنیاوی لحاظ سے ہو یا دینی اعتبار سے۔ کیونکہ اس سے آپت کے حسد و بغض پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے) مردوں کے لئے حصہ (ثواب) ان کے عمل کے مطابق ہے (جہاد وغیرہ جو اعمال کرتے ہیں ان کے سبب سے ہے) اور عورتوں نے اپنے عمل سے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ (شوہروں کی اطاعت، شرمگاہوں کی حفاظت، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جس وقت عرض کیا کہ اے کاش ہم بھی مرد ہوتیں کہ مردوں کے شانہ بشانہ شریک جہاد ہو کر ان کی برابر مستحق اجر ہوتیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی) اور طلب گار رہو (یہ لفظ ہمزہ کے ساتھ ہے اور بغیر ہمزہ کے) اللہ تعالیٰ سے اس کی بخشائش کے (کہ تمہاری ضروریات وہی مہیا کرتے ہیں) یقیناً وہ ہر بات کا علم رکھنے والے ہیں (منجملہ ان کے مواقع فضل اور تمہاری درخواستوں کا علم بھی ہے) اور ہر ایک (مرد و عورت کے لئے) ہم نے حقدار ٹھہرا دیئے ہیں (وارث عصبات کہ جن کو دیا جائے گا) ماں باپ اور رشتہ داروں کا ترکہ (مال) نیز جن عورتوں سے تمہارا عہد و

پیمان نکاح ہو چکا ہے (لفظ عاقدت الف کے ساتھ اور بغیر الف پڑھا گیا ہے۔ ایمان جمع یمین کی ہے بمعنی قسم۔ یا داہنا ہاتھ۔ یعنی تمہارے وہ حلیف جن سے تم نے زمانہ جاہلیت میں نصرت ومیراث کا معاہدہ کیا ہے) پس چاہئے کہ (اب) ان کے حوالہ کردو۔ جو کچھ ان کا حصہ ہو (میراث کا چھٹا حصہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہیں (منجملہ اور چیزوں کے تمہاری حالت پر بھی مطلع ہیں۔ یہ حکم آیت واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض سے منسوخ ہے) مرد بندوبست کرنے والے (حاکم) ہیں عورتوں پر (ان کو شائستگی سکھلاتے ہیں اور ان کی روک تھام رکھتے ہیں) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت بخشی ہے (یعنی مردوں کو عورتوں کے مقابلہ میں علم وعقل اور ولایت وغیرہ کے لحاظ سے شرف بخشا ہے) نیز اس وجہ سے کہ وہ اپنی کمائی (ان پر) خرچ کرتے ہیں۔ پس جو مستورات (ان میں) نیک ہوں جن کا شیوہ اطاعت (شوہروں کی فرمانبرداری) ہو۔ غائبانہ حفاظت کرنے والی ہوں (شوہروں کی عدم موجودگی میں اپنی عزت وآبرو وغیرہ کی محافظ ہوں) بحفاظت الٰہی (کہ شوہر اس کی تاکید رکھتے ہیں) اور جن بیویوں سے تمہیں اندیشہ سرکشی ہو (تمہاری نافرمانی کے جذبہ کا اظہار علامات سے ہوتا رہتا ہو) تو چاہئے کہ انہیں سمجھاؤ (اللہ سے ڈراؤ) پھر خواب گاہ میں ان سے الگ رہنے لگو (اگر سرکشی کی نوبت آجائے تو کنارہ کش ہو کر اپنی خواب گاہ الگ کرلو) اور انہیں کچھ مار بھی سکتے ہو (اگر کنارہ کش ہونے کی تنبیہ ناکافی ہو تو معمولی طور پر ہلکی سی مار بھی دے سکتے ہو) پھر اگر وہ تمہارا کہا ماننے لگیں (جو کچھ تم ان سے چاہتے ہو) تو ایسا نہ کرو کہ تلاش کرو۔ (ڈھونڈو) ان پر الزام دینے کے بہانے (مارنے پیٹنے کی ظالمانہ طور پر راہیں) اللہ تعالیٰ بڑی رفعت وعظمت والے ہیں (اگر تم نے عورتوں پر ظلم کرنا چاہا تو اس کے انتقام سے بھی ڈرتے رہو) اور اگر تمہیں اندیشہ (خبر) ہو کر تفرقہ (اختلاف) پڑ جائے گا۔ میاں بیوی کے درمیان (شقاق کی اضافت بین کی طرف محض توسعاً ہے یعنی شقاقاً بينهما) تو چاہئے کہ مقرر کردو (دونوں کی رضامندی سے ان کے درمیان) پنچ (ایک انصاف پسند شخص) مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے کنبہ سے (شوہر اپنے پنچ کو طلاق اور عوض طلاق کی قبولیت کے اختیارات حوالہ کردے اور بیوی اپنے پنچ کو خلع کا اختیار دے دے۔ دونوں منصف مل کر معاملات سمجھنے اور سلجھانے کی جدوجہد کریں اور ظالم کو ظلم سے باز رہنے پر مجبور کریں اور مناسب سمجھیں تو تفریق کرادیں۔ ارشاد الٰہی ہے) اگر دونوں (سرپنچ) چاہیں گے کہ صلح صفائی کرادیں تو اللہ تعالیٰ ضرور موافقت کرادیں گے۔ میاں بیوی کے درمیان (ملاپ یا جدائیگی جو کچھ بہتر ہوگی دونوں کے لئے مقدر فرمادیں گے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (سب کچھ) جاننے والے (ظاہر وباطن سے) باخبر ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **لاتتمنوا**۔ مستقبل میں کسی چیز کی امید کو تمنا کہتے ہیں۔ **مما کسبوا** مفسرؒ نے من کے سببیہ تعلیلیہ ہونے کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ علیٰ ہذا **مما اکتسبن** میں من تعلیلیہ ہے۔ **طاعة ازواجهن** چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے۔ **لو امرت لاحدٍ ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها من فضله** چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے۔ **من لم یسال اللّٰه من فضله غضب علیه** نیز ارشاد ہے۔ **ان اللّٰه لیمسک الخیر الکثیر من عبده ویقول لااعطی عبدی حتیٰ یسئلنی**۔

ترك الوالدان یعنی **ترکوه للعصبة** اس صورت میں والدین اور اقربین سے مرادمیت ہوگی اور یہی اصح ہے کیونکہ ابن عباسؓ سے لفظ ما کان کا بیان **من المال** منقول ہے اور بعض نے یہ معنی بھی کئے ہیں۔ **لکل شخص جعلنا ورثة ممن ترکهم المیت وهم والده واقرباء** یہاں والدین اور اقربین کے ساتھ اولاد کا لفظ ذکر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اولاد لغۃً اقربینؑ میں داخل ہے۔ والدین بھی اگرچہ داخل ہیں۔ لیکن عام طور پر والدین کا ترکہ اولاد کو دینے میں لوگ مظالم اور گڑبڑ کرتے ہیں۔ اولاد کے ترکہ میں والدین کے ساتھ گڑبڑ نہیں کی جاتی۔

ایمانکم یمین بمعنی داہنا ہاتھ۔ کیونکہ عقود میں ہاتھ پر ہاتھ مارتے تھے۔ اس لئے عقد کی اضافت اس کی طرف کردی گئی۔ یا

بمعنی قسم بھی ہوسکتا ہے اور لفظ لکل متعلق ہے جعل کے اور مما ترک صفت ہے لکل کی اور عقدت کا مفعول محذوف ہے ای عھودھم اور الذین مبتداء ہے اور فاٰتوھم اس کی خبر ہے اور موصوف صفت کے درمیان فصل جائز ہے۔

والذین عاقدت اس موصوف کا عائد محذوف ہے الف والی قرأت پر معنی ہوں گے عاقدتھم ایدیکم او اقسامکم اور ثانی صورت میں یہ معنی ہوں گے۔ عقدت عھودھم ایمانکم اس سے مراد عقد موالات ہے جو بعض صورتوں میں امام اعظمؒ کے نزدیک اب بھی مشروع ہے۔ بعضھم مردوں کو بہ نسبت عورتوں کے عقل، عزم، حزم، عزت وقوت، کمال صوم وصلوٰۃ، نبوت خلافت وامامت، اذان وخطبہ وجمعہ، جماعات وجہاد، تکبیرات تشریق (عندابی حنیفہؒ) حدود وقصاص کی شہادت اور قضاء میراث ہیں۔ تضعیف وتعصیب، نکاح وطلاق کا اختیار۔ عورت کے لئے بیک وقت ایک شوہر سے زیادہ نہ ہونا۔ مدار نسب ان تمام باتوں میں اللہ تعالیٰ نے فضل وشرف عنایت فرمایا ہے۔

فالصّٰلحٰت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے خیر النسآء امرأۃ نظرت الیھا سرتک وان امرتھا اطاعتک واذاغبت عنھا حفظتک فی مالھا ونفسھا وتلا الایۃ. بماحفظ اللہ یعنی بالسبب الذی احفظھن اللہ بہ نشوزھن۔ اصل معنی نشوز کے ارتفاع کے آتے ہیں۔ بیوی کا ناشزہ ہونا یہ ہے کہ شوہر کی اطاعت نہ کرے۔ اس سے بغض رکھے۔ تکبر کے ساتھ پیش آئے۔ جس کی علامات اس کے سامنے بلند آواز سے کلام کرنا اور بلانے پر جواب نہ دینا، بھلے من بات نہ کرنا، کہانہ ماننا۔ فعظوھن تدریجاً تین علاج بتلائے گئے ہیں۔ مارنا تو بدرجہ مجبوری بتلایا گیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ کھلائے چاہے سونے کا لقمہ مگر نظر تیز رکھے شریف عورت کے لئے یہی بس ہے۔ مار کی چسکی نہ ڈالے کہ پھر قابو سے باہر ہوجائے گی اور مارنے میں بھی ہڈی پسلی کا خیال رکھے کہ کہیں کانچ کی طرح مول نہ جائے۔

وان خفتم۔ یہ خطاب حکام واقارب سب کو ہے۔ شقاق۔ بمعنی اختلاف کیونکہ متخالفین میں ہر ایک ایک شق پر ہوتا ہے۔ ظرف کی طرف اس کی اضافت توسعاً ہے۔ ای شقاقا بینھما جیسے "مکر الیل والنھار" میں اضافت ہے۔ برضاھما امام اعظمؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اور امام شافعیؒ کے ایک قول پر بلا اجازت دونوں کو اپنے اختیارات استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک بغیر رضامندی بھی سرپنچوں کو اقدام کا حق ہے اور ان دونوں کے اہل قرابت میں سے ہونا مستحب ہے۔ کیونکہ قرابتدار ہی صحیح حالات اور خاندانی طور طرق سے واقف ہوتے ہیں۔ اجازت کا حکم بننا بھی جائز ہے۔

ربط:......... عورتوں اور مردوں کی میراث کے حصص میں جو تفاوت مذکور ہوا ہے اور دوسرے بعض شرعی احکام میں بھی فرق مسلم ہے۔ اس پر عورتوں کی تسلی اور ازالہ شبہات کی غرض سے آیت لاتتمنوا الخ میں تیرہواں حکم فرمایا جارہا ہے اور آیت لکل جعلنا الخ میں میراث موالاۃ سے متعلق چودھواں حکم ارشاد فرمایا جارہا ہے جو سلسلہ میراث ہی کی ایک کڑی ہے اور آیت الرجال الخ سے مردوں اور عورتوں کے اجمالی حقوق سے متعلق پندرھواں حکم بیان فرمایا جارہا ہے۔

شانِ نزول:......... احکام میں مردوں کی بعض خصوصیات اور تخصیص پر نظر کرتے ہوئے ازواج مطہراتؓ میں سے حضرت ام سلمہؓ نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے اعتراضاً نہیں بلکہ بطور اظہار تمنا عرض کیا کہ کاش! ہم مرد ہوتے تو ہمیں بھی مردوں کی طرح میراث ملتی اور دوسرے احکام میں بھی ان کے دوش بدوش ہوتے۔ جیسا کہ مفسرؒ علام نے اشارہ کیا ہے یا کسی دوسری عورت نے عرض کیا ہوگا کہ یارسول اللہ مرد کو میراث دوہری ملتی ہے اور عورت کی شہادت بھی مرد سے آدھی ہے۔ پس ثواب بھی ہم کو شاید آدھا ہی ملے گا۔

ان آیات میں دونوں باتوں کا جواب ہے۔

بطریق قتادہؓ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عقد موالات اس طرح ہوتا تھا کہ "بدنی بدنک وحربی حربک وسلمی سلمک وترثنی وارثک' 'آیت ولکل جعلنا الخ میں اسی عقد موالات کا ذکر ہے۔آنحضرت ﷺ نے مہاجرینؓ وانصارؓ کے مابین اسی طرح عقد مواخات فرمایا تھا۔لباب النقول میں ابن ابی حاتمؒ نے حسنؒ سے تخریج کی ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت سے اپنے شوہر کے طمانچہ مارنے کی شکایت کی۔آپ ﷺ نے اس کو قصاص لینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔اس پر آیت الرجال قوامون نازل ہوئی اور قصاص روک دیا گیا۔

﴿تشریح﴾:..........حضرت ام سلمہؓ کا جواب تو ولاتتمنوا میں اور دوسری صحابیہؓ کی بات کا جواب الرجال قوامون الخ میں آگیا ہے اور اس تقریر سے آیت کا ربط احکام میراث سے اور آیت ان تجتنبوا الخ دونوں سے معلوم ہوگیا۔

اعمال اختیاریہ اور احوال غیر اختیاریہ کا فرق:..........حاصل آیت لاتتمنوا الخ یہ ہے کہ فضائل وہبیہ جو غیر اختیاری ہیں ان کی تمنا لاحاصل ہے۔البتہ فضائل کسبیہ جو اعمال اختیاریہ ہوتے ہیں ان میں بے شک تمنا اور کوشش ہونی چاہئے۔اسی طرح وہ فضائل وہبیہ جن میں اعمال کو بھی دخل ہے جیسے احوال واعمال اور کمالات باطنہ ان میں بھی تمنا فضول اور عبث ہیں۔تاہم اس کا طریقہ بھی یہ نہیں کہ بیٹھے بیٹھے خالی تمنائیں کرلی جائیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے حسن توفیق کی دعا اور درخواست بھی کرنی چاہئے۔پس نبوت وغیرہ کی تمنا کرنا فضائل وہبیہ محضہ کی تمنا کرنا ہے جو ایسے ہی غلط اور ہوس ہے جیسے کسی عورت کا مرد بننے یا مرد کا عورت بننے کی تمنا کرنا فضول ہے اور دوسری قسم کے فضائل وہبیہ میں اعمال کے بعد دعا اور سوال کرنا چاہئے اور اعمال کسبیہ۔سو ان میں مرد وعورت سب برابر ہیں۔سب کو سعی اور دعا کرنی چاہئے۔باقی عورتوں کا مردوں کے مقابلہ میں نقصان دین جیسا کہ احادیث میں وارد ہے وہ آیت کے منافی نہیں ہے۔کیونکہ منشاء حدیث کا بلا کسب نفس عمل میں عورتوں کے لئے ایک مانع کا بیان کرنا اور عمل کی کمی ہے اور حاصل آیت کا عمل کرنے کی صورت میں دونوں کے اجر وثواب کا برابر ہونا ہے۔

اسلام کی نظر میں مرد وعورت:..........دراصل اسلام سے پہلے عالمگیر نظریہ یہ رہا ہے کہ انسانی وجود کا ظہور کامل صرف مردوں کی جنس میں ہوا ہے۔عورتوں کی ہستی کوئی مستقل ہستی نہیں ہے۔وہ صرف مردوں کی کام جوییوں کے لئے پیدا کی گئی ہے اور ان کی چاکری اور پرستاری میں فنا ہونے کے لئے بنائی گئی ہیں۔لیکن سب سے پہلے قرآن کریم نے اس اعتقاد کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔اس کا کہنا یہ ہے کہ نوع انسانی کو مرد وعورت دو جنسوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔دونوں یکساں طور پر اپنی اپنی ہستی اپنے اپنے فرائض، اپنے اپنے اعمال رکھتے ہیں۔کارخانہ ہستی ومعیشت کے لئے جس طرح ایک جنس کی ضرورت ہے ٹھیک اسی طرح دوسری جنس کی بھی ضرورت ہے۔انسان کی معاشرتی زندگی کے لئے یہ دو مساوی عنصر ہیں۔جو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک مکمل زندگی بنانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ہاں البتہ ہر گروہ کو دوسرے گروہ پر خاص خاص باتوں میں اللہ تعالیٰ نے فضیلت بخشی ہے۔چنانچہ مرد عورتوں کے لئے معاشی ضروریات کی فراہمی اور قیام کا ذریعہ ہے۔اس لئے سربراہی اور کارفرمائی کا مقام قدرتی طور پر ان ہی کے لئے ہوگیا ہے۔تاہم اس خیال سے عورتیں دلگیر نہ ہوں کہ وہ مرد نہ ہوئیں اور مردانہ کام ان کے حصہ میں کیوں نہ آئے؟ وہ یقین رکھیں کہ عمل و فضیلت کی تمام راہیں ان کے لئے بھی کھلی ہوئی ہیں۔

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے مہر وغیرہ چونکہ عورت سے فائدہ اٹھانے کا معاوضہ اور بدلہ ہوتا ہے اس لئے انفاق مالی کی وجہ سے مرد کی

بالادستی اور فضیلت کیسے صحیح ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ وہ معاوضہ عورت کے ماتحت رہنے ہی کا ہے۔ اس لئے اس معاوضہ سے تو فضیلت کی اور مزید تاکید ہوگئی۔

عقدِ موالات:.......... ''عقد موالات'' کرنے والے ''مولی الموالاۃ'' کہلاتے ہیں۔ ابتدائے اسلام میں بھی اس پرانی رسم کا اجراء رہا اور آپ ﷺ نے انصارؓ ومہاجرینؓ کے درمیان مواخات قائم فرما کر عقد موالات کرائی۔ اسی کے مطابق میراث سے مستبعد ہوتے تھے۔ لیکن اسلام کے شیوع اور مسلمانوں کی کثرت اور قرابت کے عام ہوجانے کی وجہ سے اولاً اس حکم میں وہ ترمیم ہوئی جو اس آیت میں چھٹے حصہ کی صورت میں بیان کی جارہی ہے اور بقیہ مال دوسرے ورثاء کو دلایا جانے لگا۔ لیکن پھر آیت احزاب **واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض** کی رو سے بتدریج یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ چنانچہ دوسرے ورثاء کے ہوتے ہوئے خواہ وہ ذوالفروض نسبی ہوں یا عصبی ہوں یا ذوی الاحارم ہوں، بالاتفاق تمام ائمہؒ کے نزدیک اس مولی الموالات کو کچھ ترکہ نہیں ملے گا۔ البتہ اگر کوئی وارث نہ ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک مولی الموالات کو پوری میراث ملے گی۔ ہاں دوسرے کے دیت ادا کرنے سے پہلے اگر کوئی اس معاہدہ کو فسخ کرنا چاہے تو فسخ بھی کرسکتا ہے۔ نیز یہ بھی جائز ہے کہ یہ عہد ایک ہی جانب سے ہو دوسری طرف سے نہ ہو تو اس وقت ایک ہی جانب سے اس پر عملدرآمد ہوسکے گا۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں اس کا استحباب اور بدخیر خواہی ہونا بھی منقول ہے۔ پس اس صورت میں منسوخ ماننے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

مردوں کی بالادستی اور معاشرتی نظام میں قیم کی حیثیت:.......... معاشرتی زندگی میں مردوں کی بالادستی کرلینے کے بعد ان کے حقوق کی نوعیت میں بھی تفوق ماننا پڑے گا۔ چنانچہ ان کے حقوق کے مطالبہ اور ادائیگی کے سلسلہ میں اگر عورتوں کی جانب سے کوئی اڑچن واقع ہوگی تو ان کو سیاست وتادیب کا حق بھی حاصل ہوگا۔ نیک عورتیں وہی کہلائیں گی جو اطاعت شعار، ظاہر و باطن ہر حال میں شوہروں کے مفاد کی خبر گیراں اور محافظ ہوں گی۔ بصورت دیگر اگر عورت حقوق شوہر کی رعایت نہیں کرتی، اطاعت شعاری کے دائرے سے قدم باہر نکالنے کی کوشش کرتی ہے تو اولاً شوہر کو چاہئے کہ نرمی وگرمی سے حسب موقع اس کو سمجھا بجھا کر راہ راست پر لانے کی کوشش کرے۔ لیکن اگر میاں بیوی کے درمیان تفرقہ پڑ جانے کا خطرہ اور اندیشہ ہو تو پھر خاندان کی پنچائیت بٹھلائی جائے۔ جس میں مرد وعورت کے منصف مزاج لوگ سر جوڑ کر باہمی اصلاح حال کی سعی کریں۔ جس کا قصور نکلے اس کو ملزم گردانیں اور اگر سرپنچوں کو طلاق یا خلع کا اختیار بھی دے دیا جائے تو وکالۃً وہ اس کے بھی مجاز ہوسکتے ہیں۔ تاہم آیت میں اس سے تعرض نہیں ہے۔ میاں بیوی اگر حکام سے رجوع کریں تو یہ فیصلہ واجب ہے اور دوسروں کے لئے مستحب ہے اور **من اهله و اهلها** کی قید آیت میں استحباب کے لئے ہے۔

لطائف آیت:.......... **ولا تتمنوا الخ** سے معلوم ہوا کہ فضائل غیر اختیاریہ کے درپے ہونا لاحاصل اور باعث تشویش ہوتا ہے جس سے مقصود کی طرف توجہ میں کمی آجاتی ہے اور **واسئلوا الله** سے معلوم ہوا کہ مجاہدات پر نظر رکھنے سے عجب پیدا ہوجاتا ہے۔ اس لئے اللہ کے فضل پر نظر رہنی چاہئے۔ **فان اطعنكم الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ محض بغض نفسانی کی بنیاد پر کسی کو سزا دینے کے لئے حیلے بہانے تلاش کرنا غلط ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ **وَلَاتُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ** اَحْسِنُوْا **بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا** بِرًّا وَّلِيْنَ جَانِبٍ **وَّبِذِي الْقُرْبٰى** الْقَرَابَةِ **وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى** الْقَرِيْبِ مِنْكَ فِي الْجِوَارِ اَوِ النَّسَبِ **وَالْجَارِ الْجُنُبِ** الْبَعِيْدِ عَنْكَ فِي الْجِوَارِ اَوِ النَّسَبِ **وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ** الرَّفِيْقِ فِيْ سَفَرٍ اَوْ صِنَاعَةٍ وَقِيْلَ الزَّوْجَةُ **وَابْنِ السَّبِيْلِ** ۙ الْمُنْقَطِعِ فِيْ سَفَرِهٖ **وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** ۭ مِنَ الْاَرِقَّاءِ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا** مُتَكَبِّرًا **فَخُوْرَا** ﴿۳۶﴾ عَلَى النَّاسِ بِمَا اُوْتِيَ **اِلَّذِيْنَ** مُبْتَدَأٌ **يَبْخَلُوْنَ** بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ **وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ** بِهٖ **وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ** ۭ مِنَ الْعِلْمِ وَالْمَالِ وَهُمُ الْيَهُوْدُ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَأِ لَهُمْ وَعِيْدٌ شَدِيْدٌ **وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ** بِذٰلِكَ وَبِغَيْرِهٖ **عَذَابًا مُّهِيْنًا** ﴿۳۷﴾ ذَا اِهَانَةٍ **وَالَّذِيْنَ** عَطْفٌ عَلَى الَّذِيْنَ قَبْلَهٗ **يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ** مُرَائِيْنَ لَهُمْ **وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** ۭ كَالْمُنَافِقِيْنَ وَاَهْلِ مَكَّةَ **وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا** صَاحِبًا يَعْمَلُ بِاَمْرِهٖ كَهٰٓؤُلَآءِ **فَسَآءَ** بِئْسَ **قَرِيْنًا** ﴿۳۸﴾ هُوَ **وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ** ۭ اَيْ اَيُّ ضَرَرٍ عَلَيْهِمْ فِيْ ذٰلِكَ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلْاِنْكَارِ وَلَوْ مَصْدَرِيَّةٌ اَيْ لَاضَرَرَ فِيْهِ وَاِنَّمَا الضَّرَرُ فِيْمَا هُمْ عَلَيْهِ **وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا** ﴿۳۹﴾ فَيُجَازِيْهِمْ بِمَا عَمِلُوْا **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ** اَحَدًا **مِثْقَالَ** وَزْنَ **ذَرَّةٍ** ۚ اَصْغَرَ نَمْلَةٍ بِاَنْ يَّنْقُصَهَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ اَوْ يَزِيْدَهَا فِيْ سَيِّاٰتِهٖ **وَاِنْ تَكُ** الذَّرَّةُ **حَسَنَةً** مِنْ مُؤْمِنٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ فَكَانَ تَامَّةٌ **يُّضٰعِفْهَا** مِنْ عَشْرٍ اِلٰى اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِمِائَةٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ يُضَعِّفُهَا بِالتَّشْدِيْدِ **وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ** مِنْ عِنْدِهٖ مَعَ الْمُضَاعَفَةِ **اَجْرًا عَظِيْمًا** ﴿۴۰﴾ لَا يَقْدِرُهٗ اَحَدٌ **فَكَيْفَ** حَالُ الْكُفَّارِ **اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ** يَشْهَدُ عَلَيْهَا بِعَمَلِهَا وَهُوَ نَبِيُّهَا **وَّجِئْنَا بِكَ** يَا مُحَمَّدُ **عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا** ﴿۴۱﴾ وقف النبی **يَوْمَئِذٍ** يَوْمَ الْمَجِيْءِ **يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ** اَيْ اَنْ **تُسَوّٰى** بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ مَعَ حَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِي الْاَصْلِ وَمَعَ اِدْغَامِهَا فِي السِّيْنِ اَيْ تَتَسَوّٰى **بِهِمُ الْاَرْضُ** ۭ بِاَنْ يَّكُوْنُوْا تُرَابًا مِثْلَهَا لِعِظَمِ هَوْلِهٖ كَمَا فِيْ اٰيَةٍ اُخْرٰى وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا **وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا** ﴿۴۲﴾ عَمَّا عَمِلُوْهُ وَفِيْ وَقْتٍ اٰخَرَ يَكْتُمُوْنَ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۔

ع ۶ ۹ ۳

ترجمہ:............اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو (توحید بجالاؤ) اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ (اور اچھا سلوک رکھو) ماں باپ کے ساتھ عمدہ برتاؤ (احسان اور نرمی کے طریقہ پر) اور قرابت داروں (قربیٰ بمعنی قرابۃ ہے) یتیموں، مسکینوں، قرابتدار پڑوسیوں (جو پڑوس یا نسب کے لحاظ سے قریب ہوں) اور اجنبی پڑوسیوں (جو پڑوس یا نسب کے اعتبار سے دور ہوں) نیز پاس کے بیٹھنے والوں کے ساتھ (خواہ وہ رفیق سفر ہوں یا شریک پیشہ اور بعض نے بیوی مراد لی ہے) اور مسافروں (جو اپنے ساتھیوں سے بچھڑ

گئے ہوں) اور جو تمہارے قبضہ میں (لونڈی غلام) ہوں، ان سب کے ساتھ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ڈینگیں مارنے والے (شیخی باز) لوگوں کو پسند نہیں کرتے جو اترانے والے ہوں (لوگوں کے مقابلہ میں اپنی نعمتوں پر) جو (یہ مبتداء ہے) خود بھی بخل کرتے ہیں (ادائے واجب میں) اور دوسروں کو بھی بخل سکھاتے ہیں اور جو کچھ خدا نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اسے چھپا کر رکھتے ہیں (یعنی علم اور مال و دولت مراد اس سے یہود ہیں۔ مبتداء کی خبر "لھم وعید شدید" ہے) اور ہم نے تیار کر رکھا ہے (اس میں اور دوسری چیزوں میں) ناشکری کرنے والوں کے لئے رسوا کرنے والا (توہین آمیز) عذاب اور ان لوگوں کو بھی دوست نہیں رکھتے (یہ ماقبل کے الذین پر عطف ہے) جو اپنی دولت محض لوگوں کے دکھانے کو (ریاء ونمود کے لئے) خرچ کرتے ہیں اور فی الحقیقت اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے (جیسے منافقین اور مکہ کے باشی) اور یاد رکھو جس کسی کا ساتھی شیطان ہو (کہ اسی کے ابھارنے پر عمل کرتا ہے جیسے یہ کافر) تو کیا ہی برا ساتھی ہے (یہ شیطان، ساء بمعنی بئس اور مخصوص بالمذمت محذوف ہے یعنی ھو) اور ان لوگوں کا کیا بگڑتا تھا۔ اگر یہ لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے اور جو کچھ خدا نے انہیں دے رکھا ہے اسے خرچ کرتے (یعنی اس میں ان کا کیا نقصان ہوتا۔ استفہام انکاری ہے اور لو مصدر یہ ہے۔ یعنی راہِ مولیٰ میں خرچ کرنے میں نقصان نہیں تھا۔ بلکہ بحالت موجودہ جس پر ہیں اس میں نقصان ہے) اور اللہ تعالیٰ تو ان کی حالت کی پوری خبر رکھتے ہیں (اس لئے وہ ان کے کئے کی سزا ضرور دیں گے) یقیناً اللہ تعالیٰ (کسی پر) ظلم نہیں کرتے۔ ذرہ برابر (چیونٹی سے بھی کم۔ مثلاً ان کی نیکیوں میں سے کچھ گھٹا دیں یا گناہوں میں اضافہ فرما دیں) اگر ذرہ برابر کسی نے نیکی کی ہے (مسلمانوں میں سے اور ایک قرأت میں "حسنة" رفع کے ساتھ ہے۔ اس وقت کان تامہ ہو جائے گا) تو وہ اسے بڑھا چڑھا کر دیتے ہیں (دس گنا سے لے کر سات سو گنا) سے بھی زائد تک اور ایک قرأت میں لفظ یضعفھا تشدید کے ساتھ ہے) اور پھر اپنے پاس سے ایسا بدلہ بھی دیں گے (اس بڑھاؤ چڑھاؤ کے باوجود اپنی خصوصی عنایت سے) جو بہت بڑا بدلہ ہوگا (جو کسی کی طاقت میں نہیں ہوگا) پھر کیا (حال ہوگا کفار کا) اس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ طلب کریں گے (جو ان کے خلاف عمل کی گواہی دے گا یعنی ان کا پیغمبر) اور ہم آپ ﷺ کو بھی (اے محمد ﷺ) ان لوگوں پر گواہی دینے کے طلب کریں گے۔ سو اس (طلبی کے) دن جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی ہوگی اور رسولوں کی نافرمانی کی ہوگی۔ یہ حال ہوگا کہ تمنا کریں گے۔ کاش! وہ دھنس جائیں (لو بمعنی ان سے اور تسوی نے معروف و مجہول دونوں طرح ہے۔ دراصل اس میں دو تا تھیں۔ ایک کو حذف کر دیا اور سین کے ادغام کے ساتھ بھی ہے۔ ای تتسوی زمین میں (یعنی مٹی ہو کر زمین میں مل جائیں اور اس کے برابر ہو جائیں۔ قیامت کی دہشت کی وجہ سے جیسے دوسری آیت میں ویقول الکفر بالیتنی کنت تراباً اور اس دن وہ اللہ تعالیٰ سے کسی بات کو چھپا نہیں سکیں (جو کام انہوں نے کئے ہوں گے اور دوسرے وقت میں چھپانے کی کوشش کریں گے۔ واللہ ربنا ما کنا مشرکین کہہ کر)

تحقیق وترکیب:......... والجار ذی القربیٰ مکان کے لحاظ سے قریبی پڑوسی کی حد امام شافعیؒ کے نزدیک چالیس مکان تک ہے۔ لیکن امام اعظمؒ کے نزدیک اس قدر توسع نہیں ہے بلکہ دونوں مکان ملے جلے ہونے چاہئیں۔ اس لئے حق شفعہ بھی امام اعظمؒ پڑوسی کو دیتے ہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک سب اہل محلہ اور اہل مسجد کو پڑوسی سمجھا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے۔ الجیران ثلثة جارله ثلث حقوق حق الجوار وحق القرابة وحق الاسلام وجارله حقان حق الجوار وحق الاسلام وجار له حق واحد حق الجوار کالمشرک من اھل الکتاب ۔ آنحضرت ﷺ نے پڑوسی کے حقوق کی اس درجہ تاکید فرمائی ہے جس سے ان کے شریک فی المیراث ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے۔

الجار الجنب ۔ یعنی دوسری قوم کا فرد ہو۔ جنب قرابة سے ماخوذ ہے۔ یہاں بھی مکان اور نسب دونوں لحاظ سے اعتبار ہوگا۔ بالجنب کا

متعلق صفت مقدرہ ہے۔ ای الکائن صاحب جنب سے مراد ہمسفر ہے۔ وھم الیھود جیسے رفاعہ بن زید اور حیی بن اخطب اور کردم بن زید وغیرہ افراد مراد ہیں جو انصار صحابہؓ کو بخل مشورے دیتے تھے۔ الذین مبتداء کی خبر محذوف کی طرف مفسر علامؒ نے لھم وعید شدید سے اشارہ کردیا ہے۔

واعتدنا للکافرین۔ اس میں وضع ظاہر موضوع مضمر کیا گیا ہے۔ اعتدنالھم کہنا چاہئے تھا۔ مگر ارشاد اس طرف ہے کہ ایسا کرنے سے کفران نعمت ہوا اور کافر کی سزا عذاب ہے۔ اخفاء نعمت کو بھی کفران نعمت سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ اذا انعم اللہ علیٰ عبدہ نعمۃً احب ان یظھر اثرھا علیہ (مسند احمد)

فساء قرینا۔ ضمیر مبہم ساء کا فاعل ہے جس کی تفسیر منسوب کررہا ہے اور مخصوص بالمذمت محذوف ہے۔ ای الشیطٰین.

رئاء الناس. مصدر مضاف الی المفعول بمعنی الفاعل ہونے کی طرف مفسر نے اشارہ کیا اور منصوب علی الحال ہے یا مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے۔

ماذا علیھم. مقصود سوال ضرر ہے بلکہ منافع سے ناواقفیت پر زجر و توبیخ اور تحصیل جواب کی فکر پر آمادہ کرنا ہے اور ایمان کا ذکر پہلی آیت میں اخیر میں اور بعد والی اس آیت میں پہلے کیا گیا۔ کیونکہ وہاں بطور تعلیل ماقبل بیان کیا گیا اور یہاں ترغیب کے لئے۔ پس دونوں جگہ اہم سے ابتداء کی گئی ہے۔

مثقال. بروزن مفعال۔ ثقل سے ہے۔ مطلقاً مقدار یا مقدار معلوم مراد ہوتی ہے۔ ذرۃ۔ سرخ چیونٹی یا رائی کا دانہ یا روشندان کی دھوپ میں جو غبار کے باریک اجزاء ہوتے ہیں، ان کو کہا جاتا ہے۔ مطلقاً ظلم کی نفی مبالغۃً مراد ہے۔ کیونکہ جب قلیل ظلم کی نفی ہے تو کثیر کی نفی بدرجہ اولیٰ ہے اور مثقال مصدر محذوف کی صفت کی بناء پر منصوب ہے۔ ای ظلماً وزن ذرۃ۔

وان تک۔ ضمیر کا مونث ہونا تانیث خبر کی وجہ سے ہے۔ یعنی "الحسنۃ" یا مثقال کی اضافت مونث کی طرف ہونے کی وجہ سے ہے۔ یہ تو اکثر مفسرین کی رائے ہے اور بعض کے نزدیک لفظ ذرۃ کی طرف ضمیر راجع ہے جیسا کہ جلال محققؒ نے بھی یہی کہا ہے۔ یہ گفتگو حسنۃ کے منصوب ہونے کی تقدیر پر ہے اور مرفوع کی قرأت پر کان تامہ ہوگا۔ فکیف اس میں فاء فصیحیہ ہے اور تقدیر مبتداء سے مفسر نے اس کے مرفوع علی الخبریت کی طرف اشارہ کیا ہے اور کبھی فعل محذوف کی وجہ سے محلاً منصوب بھی مانا جاسکتا ہے۔ ای فکیف یکونون اس صورت میں سیبویہؒ کی رائے پر تشبیہ بالمال کی وجہ سے منصوب بھی کہا جاسکتا ہے اور اخفشؒ کی رائے پر تشبیہ بالظرف کی وجہ سے اور یہی عامل اذا ہوگا۔ یومئذ اس میں تنوین جملہ مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ لو تسویٰ اس میں لو مصدریہ اور یود کا محلاً مفعول ہے۔ اس وقت جواب کی ضرورت نہیں ولا یکتمون مفسرؒ نے دونوں آیات میں تعارض اٹھادیا ہے کہ اول اول تو کفار واللہ ربنا ما کنا مشرکین کہہ کر چھپانا چاہیں گے۔ لیکن الیوم نختم الخ کی رو سے جب ان کی زبان بندی ہوجائے تو ہاتھ پیر اعضاء سب خبریں اگل دیں گے۔

ربط :............ سلسلہ بیان مختلف حقوق کی طرف چل رہا ہے۔ درمیان میں واعبدو اللہ الخ سے یہ بتلاتا ہے کہ کما حقہ ان کی ادائیگی ایک مومن کامل ہی کرسکتا ہے۔ جس میں بخل و کبر وریاء کی بری خصلتیں نہ ہوں۔ ورنہ یہ چیزیں ادائے حقوق میں رکاوٹ بھی بن سکتی ہیں۔ بعد ازاں ان حقوق کو کچھ تفصیل سے آیت وما ذا علیھم الخ میں کفر و بخل وریاء کی اضداد کی ترغیب دینی ہے۔

﴿تشریح﴾:............ **اللہ اور بندوں کے حقوق کی حفاظت**: اللہ اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا جارہا ہے۔ حق اللہ کے سلسلہ میں بنیادی بات توحید کا اقرار اور شرک کی نفی ہے۔ یعنی جن صفات کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا ثابت ہوچکا

ہے۔مثلاً علم محیط، قدرت تامہ وغیرہ ان کا اعتقاد کسی دوسرے کے لئے نہیں ہونا چاہئے۔غرضیکہ شرک ذاتی، صفاتی، افعالی سب سے پرہیز کر کے توحید کامل کا حق بجالانا۔

حقوق العباد کے سلسلہ میں ماں باپ کے ساتھ بہتر سلوک، دوسرے قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، پڑوسیوں کا خیال رکھنا، پڑوسی خواہ نزدیک کا ہو یا دور کا، بہرحال اچھے سلوک کا مستحق ہے۔اسی طرح پاس اٹھنے بیٹھنے والے اور لونڈی غلام سب کے ساتھ محبت واحسان کا سلوک ہونا چاہئے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں ریاء اور بخل نہیں ہونا چاہئے:..........اللہ تعالیٰ نے جو کچھ رزق و دولت مرحمت فرمایا ہے اس کے بندوں پر خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لو۔ایک مومن کا ہاتھ انفاق فی سبیل اللہ میں کبھی نہیں رکنا چاہئے۔البتہ خرچ کرنے میں صرف اللہ کی رضا کی نیت ہونی چاہئے، نام ونمود کی نیت اور شہرت کی فکر۔یہ ایمان باللہ اور فکر آخرت کے منافی ہے۔یتیموں کے ساتھ چونکہ زمانہ جاہلیت میں حد سے زیادہ مظالم ہوتے تھے، اس لئے حق تعالیٰ نے ان کی نگہداشت کا حکم مکرر فرمایا۔پڑوسی اگر غیر مسلم بھی ہوں تب بھی حق جوار ادا کرنا چاہئے اور مسلمان ہو تو دوہری توجہ کا مستحق ہے۔اسی طرح بخل مالی کی طرف بخل علمی بھی مذموم ہے۔جس میں کتمان علم بھی داخل ہے۔

ان اللہ لایظلم الخ میں ظاہراً ظلم کی نفی کرنی ہے ورنہ حقیقۃً تو حق تعالیٰ جو معاملہ بھی فرمائیں وہ مالک حقیقی ہیں۔اس کو کسی طرح بھی ظلم نہیں کہا جاسکتا اور **من لدنہ** کا منشاء یہ ہے کہ اجر مقررہ کے علاوہ بھی مرحمت فرمائیں گے۔پھر چونکہ وہ اجر بظاہر مسبب من العمل ہوگا۔اگرچہ بمقابلہ عمل نہ ہو اور عادۃً کام کرنے والے ہی کو انعام ملا کرتا ہے۔اس لئے اس کو اجر فرمادیا۔

قرآن کریم میں مطلقاً کفر اور عصیان رسول ﷺ سے مراد عام طور پر کافر ہی ہوتے ہیں۔اس لئے "**یود الذین کفروا الخ**" سے مراد کافر ہی ہوں گے اور چونکہ اس وقت کافر ہی زیادہ تر بخل وریاء و کبر وغیرہ معاصی کے ساتھ متصف تھے اس لئے ان وعیدوں کے ذکر میں کفار ہی کی تخصیص کی گئی اور انبیاء علیہم السلام کی عدم موجودگی یا وفات کے بعد لوگوں نے جو جرائم کئے ہیں ان کے اثبات کے چونکہ دوسرے طریقے موجود رہے ہیں اس لئے انبیاءؑ کی عدم شہادت مضر نہیں ہوگی۔جیسا کہ سورۂ مائدہ میں **وکنت علیھم شھید اما دمت فیھم** کے بعد **فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم**۔حضرت عیسیٰؑ کا جواب منقول ہے۔

لطائف آیت:..........**والصاحب بالجنب** ۔میں پیر بھائی اور ہم درس خواجہ تاش بھی داخل ہے۔ان کے حقوق کی رعایت اور ادائیگی بھی ہونی چاہئے۔**ان اللہ لایحب الخ** میں اپنے احوال ومقامات سلوک پر فخر ومباہات اور عجب کرنا بھی داخل ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ اَیْ لَاتُصَلُّوْا **وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى** مِنَ الشَّرَابِ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا صَلَاةُ جَمَاعَةٍ فِیْ حَالِ السُّكْرِ **حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَاتَقُوْلُوْنَ** بِاَنْ تَصْحُوْا **وَلَاجُنُبًا** بِاِيْلَاجٍ اَوْاِنْزَالٍ وَنَصْبُهٗ عَلَى الْحَالِ وَهُوَ يُطْلَقُ عَلَى الْمُفْرَدِ وَغَيْرِهٖ **اِلَّا عَابِرِیْ** مُجْتَازِیْ **سَبِيْلٍ** طَرِيْقٍ اَیْ مُسَافِرِيْنَ **حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا** ط فَلَكُمْ اَنْ تُصَلُّوْا وَاسْتُثْنِیَ الْمُسَافِرُ لِاَنَّ لَهٗ حُكْمًا اٰخَرَ سَيَاْتِیْ وَقِيْلَ الْمُرَادُ النَّهْیُ عَنْ قِرْبَانِ مَوَاضِعِ الصَّلٰوةِ اَیِ الْمَسَاجِدِ اِلَّا عُبُوْرَهَا مِنْ غَيْرِ مَكْثٍ **وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى** مَرَضًا يَضُرُّهُ الْمَاءُ **اَوْ عَلٰى سَفَرٍ** اَیْ مُسَافِرِيْنَ وَاَنْتُمْ

جُنُبٌ اَوْ مُحْدِثُوْنَ **اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ** هُوَ الْمَكَانُ الْمُعَدُّ لِقَضَاءِ الْحَاجَةِ اَيْ اَحْدَثَ **اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِلَا اَلِفٍ وَكِلَاهُمَا بِمَعْنٰى مِنَ اللَّمْسِ وَهُوَ الْجَسُّ بِالْيَدِ قَالَهُ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ وَاَلْحَقَ بِهِ الْجَسَّ بِبَاقِي الْبَشْرَةِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ هُوَ الْجِمَاعُ **فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً** تَطْهُرُوْنَ بِهٖ لِلصَّلٰوةِ بَعْدَ الطَّلَبِ وَالتَّفْتِيْشِ وَهُوَ رَاجِعٌ اِلٰى مَاعَدَا الْمَرْضٰى **فَتَيَمَّمُوْا** اقْصُدُوْا بَعْدَ دُخُوْلِ الْوَقْتِ **صَعِيْدًا طَيِّبًا** تُرَابًا طَاهِرًا فَاضْرِبُوْا بِهٖ ضَرْبَتَيْنِ **فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ** ط مَعَ الْمِرْفَقَيْنِ وَمَسَحَ يَتَعَدّٰى بِنَفْسِهٖ وَبِالْحَرْفِ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا (۴۳)**

ترجمہ: .... مسلمانو! نماز کا ارادہ بھی نہ کرو (نماز نہ پڑھو) جس وقت تم نشہ کی حالت میں ہو (شراب کی وجہ سے۔ آیت کا سبب نزول نشہ کی حالت میں جماعت سے نماز پڑھنا ہے) جب تک سمجھنے نہ لگو جس بات کو تم زبان سے کہتے ہو (ہوش میں آجاؤ) اور نہ ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھ سکتے ہو (خواہ مرد کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ میں صرف داخل کی ہو یا انزال بھی ہوگیا ہو لفظ جنبا کا منصوب ہونا بنا پر حالیت ہے اور اس کا استعمال مفرد اور غیر مفرد دونوں جگہ آتا ہے) ہاں راہ چلتا مسافر ہو (راستہ سے گزرنے والے یعنی مسافر ہوں) تو دوسری بات ہے تاوقتیکہ غسل نہ کرو (اب تمہیں نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی اور مسافر کا استثناء اس لئے کیا گیا ہے کہ اس کے لئے دوسرا حکم ہے جو آگے آرہا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ نماز کے مواضع یعنی مساجد کے قریب جانے سے روکا گیا ہے۔ البتہ بغیر ٹھہرے ایسی حالت میں مسجد سے گزرنے کی اجازت ہے) اور اگر تم بیمار ہو (کہ پانی کا استعمال نقصان دہ ہو) یا سفر میں ہو (یعنی مسافر اور جنابت کی حالت میں ہو یا بے وضو ہو) یا تم میں سے کوئی جائے ضرورت سے فارغ ہو کر آئے (غائط وقضائے حاجت کے لئے تیار کی جائے یعنی بے وضو ہوگیا ہو) یا تم نے بیوی کو چھوا ہو اور ایک قرأت میں لمستم بغیر الف کے ہے اور یہ دونوں بمعنی لمس ہیں۔ یعنی ہاتھ لگانا۔ ابن عمرؓ کی رائے یہی ہے اور یہی مذہب ہے امام شافعیؒ کا اور اسی کے حکم میں باقی بدن سے چھونا بھی ہے اور ابن عباسؓ کے نزدیک جماع کے معنی ہیں) اور تم کو پانی نہ ملے (کہ جس سے نماز کے لئے طہارت حاصل کرلو۔ تلاش وجستجو کے بعد۔ اور یہ پانی نہ ملنے کی قید بیماروں کے علاوہ کے لئے ہے) تو اس صورت میں تمہیں تیمم کر لینا چاہئے (وقت آجانے کے بعد بہ نیت تیمم کام لو) پاک مٹی سے (پاک زمین پر دو دفعہ ہاتھ مار دو) اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرلو (کہنیوں سمیت اور لفظ مسح خود بھی متعدی ہوتا ہے اور حرف کے ذریعہ سے بھی) بلاشبہ اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والے اور بخش دینے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... وانتم سکاری۔ اکثر کی رائے میں شراب کا نشہ مراد ہے اور یہی صحیح ہے۔ لیکن ضحاکؒ کہتے ہیں۔ نیند کا غلبہ اور نیند کا نشہ مراد ہے۔ بایلاج اس میں تعمیم ہے۔ خواہ مجامعت کی صورت ہو یا لواطت کی، بہرصورت غسل واجب ہے۔ جنبا عطف ہے محل ماقبل ای لاتقربوا اسکاریٰ ولا جنبا۔ الا عابری۔ یہ استثناء ہے مقدر سے ای فی حال الخ مواضع الصلوٰۃ۔ یعنی الصلوٰۃ سے مراد مساجد لی جائیں۔ چنانچہ دوسری آیت میں یہ اطلاق آیا ہے۔ وبیع و صلوٰت ای المساجد۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک جنبی کے لئے مسجد سے گزرنا جائز ہے ٹھہرنا جائز نہیں ہے اور یہی قول حسنؒ کا ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک گزرنا بھی جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ دوسرا کوئی راستہ نہ ہو یا پانی صرف مسجد میں ہو جس سے طہارت حاصل کی جائے اور بعض اہل علم کی

رائے یہ ہے کہ مرور کے لئے بھی تیمم کرلینا چاہئے۔ باقی مسجد میں بحالت جنابت ٹھہرنے کی عدم اجازت پر حضرت عائشہؓ کی مرفوع روایت ہے **وجهوا هذه البيوت عن المسجد فاني لااحل المسجد لحائض ولا جنب**۔ البتہ امام احمدؒ اس روایت کو مجہول اور ضعیف سمجھتے ہوئے مسجد میں ٹھہرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ عطاء بن یسارؒ کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے **قال رأيت رجالاً من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يجلسون في المسجد وهم يجنبون اذا توضؤوا وضوء الصلوٰة**۔ لیکن امام اعظمؒ روایت **انه صلى الله عليه وسلم لم يكن اذن لاحد ان يمر في المسجد ولا يجلس فيه الا لعليؓ** کی وجہ سے نہ مرور کی اجازت دیتے ہیں اور نہ مکث کی۔

لمستم النسآء۔ ہاتھ لگانا کنایہ ہے جماع سے۔ یہی قول حضرت ابن عباسؓ کا اور یہی مذہب امام اعظمؒ کا ہے۔ لیکن محض چھونا حضرت ابن عمرؓ اور ابن مسعودؓ کے نزدیک ناقض ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔

وهو راجع الى ماعد المرضى۔ کیونکہ مریض کے لئے تو پانی کے ہوتے ہوئے بھی تیمم کی اجازت ہے۔ اگر اس کے لئے مضر ہو۔ لیکن اگر مریض کے حق میں عدم وجدان ہی حکماً سمجھا جائے تو اس توجیہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔

فاضربوا ضربتين ابوداؤد اور حاکمؒ کی روایت میں ایسا ہی ہے۔ امام اعظمؒ، امام شافعیؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ لیکن امام احمدؒ حدیث عمارؓ کی وجہ سے ایک ضرب کو کافی سمجھتے ہیں اور امام مالکؒ پہلی ضرب کو فرض فرماتے ہیں۔ باقی امام شافعیؒ صعیداً کے معنی اگانے والی مٹی کے لیتے ہیں کیونکہ مٹی کے علاوہ کوئی چیز اگانے والی نہیں ہوتی۔ لیکن زجاج صعید کے معنی ''وجہ الارض'' کے لیتے ہیں۔ خواہ مٹی ہو یا دوسری چیز، جیسے پتھر بلاغبار کے۔ امام اعظمؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔

باقی آیت میں حالت جنابت کی تخصیص کرنا، حالانکہ غیر متوضی کا حکم بھی نماز کے ناجائز ہونے کا ہے۔ محض اس لئے ہے کہ اغتسال کے لئے مغیا صرف حالت جنابت ہی ہوسکتی ہے۔ اگر یہ کہا جاتا **لاجنباً ولا غير متوضيين حتى تغتسلوا**۔ تو کلام صحیح نہ رہتا۔ اسی طرح آیت میں مسافر کی تخصیص استثناء میں کرنا باوجودیکہ مریض اور غیر مریض کا حکم بھی پانی نہ ہونے کے وقت یہی ہے۔ اس لئے ہے کہ سفر بہ نسبت بیماری کے غالب الوقوع ہے۔ نیز آیت کا سبب نزول بھی تیمم مسافر ہے۔ البتہ "**جاء احد**" اور "**لامستم النساء**" جو موجبات وضو ہیں ان کا عطف مرض وسفر پر جو مرخصات ہیں باعث اشکال ہوگا۔ کیونکہ متعاطفین کے درمیان تناسب شرط ہے۔ لیکن کہا جائے گا کہ غیر معذورین کا عطف معذورین پر ہورہا ہے۔ تقدیر کلام اس طرح پر ہے۔ **وان كنتم مرضى او مسافرين اوغير مرضى وغير مسافرين حال كونكم في جميع هذه الصور محدثين بالاصغر اوالا كبر وحال كونكم في جميعها عاجزين عن الماء حقيقة كما في الفقد او حكماً كما اذا خيف الضرر**۔ اس طرح کل چھ صورتیں نکلیں گی۔ جن میں تیمم کے لئے پانی نہ ہونا شرط ہوگا۔ (۱) بیمار بے وضو ہو۔ (۲) بیمار بے غسل ہو۔ (۳) مسافر بے وضو ہو۔ (۴) مسافر ضرورت مند غسل ہو۔ (۵) نہ بیمار ہو نہ مسافر ہو۔ مگر بے وضو ہو۔ (۶) نہ بیمار ہو نہ مسافر ہو مگر ضرورت مند غسل ہو۔

ربط: .... اوپر سے اکثر معاملات بینی کا بیان چلا آرہا ہے۔ اب بعض قسم دیانات یعنی اللہ اور بندہ کے درمیانی معاملات کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرا قریبی ربط یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلے **واعبدوا الله ولا تشركوا** میں خالص عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ اب اس کا ایسا انتظام فرمانا ہے کہ بلاقصد اختیار بھی شرک سرزد نہیں ہونا چاہئے۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے۔

شان نزول: ....ابتدائے اسلام میں شراب حلال تھی۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ایک مرتبہ دعوت کی اور شرکاء نے شراب پی۔ اسی میں مغرب کی نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت علیؓ نے امامت کی اور اسی نشہ کی حالت میں سورۂ کافرون پڑھتے ہوئے ''لااعبد ماتعبدون'' کی بجائے ''اعبد ماتعبدون'' پڑھ دیا۔ جس میں بلا ارادہ خلاف توحید شرکیہ الفاظ ادا ہوگئے۔ بعد میں تنبیہ ہونے پر ندامت ہوئی۔ آنحضرت ﷺ سے عرض حال کیا گیا۔ اس پر آیت لاتقربوا الصلوٰۃ الخ نازل ہوئی۔ جس میں ضمنی طور پر دوسرے مناسب احکام بھی اگئے۔

نیز غزوہ مریسیع کے موقعہ پر حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہوگیا اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کی ضرورت پیش آئی۔ اس سلسلہ میں بھی یہ آیت اور آیت مائدہ نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ....**اسلام نے مکمل شراب بندی بتدریج کی ہے:** ....(۱) شراب کی حرمت تدریجاً ہوئی ہے۔ جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس آیت کی رو سے صرف اوقات نماز میں شراب کا پینا حرام معلوم ہوتا ہے۔ لیکن آیت مائدہ سے مطلقاً شراب کی بندش اور حرمت ہوگئی تھی۔ چنانچہ اب نماز اور غیر نماز تمام اوقات میں نشہ بندی کا حکم ہے۔

وضواور غسل کا تیمم: ....(۱) مرض کے اشتداد کا خطرہ ہو یا امتداد کا اندیشہ ہو۔ دونوں صورتوں میں تیمم کی اجازت ہے۔ (۳) پانی اگر کم از کم ایک شرعی میل ہو جو انگریزی میل سے ۱/۸ حصہ زیادہ ہوتا ہے۔ تب بھی تیمم کی اجازت ہے۔ مسافر ہو یا غیر مسافر۔ (۴) اسی طرح اگر پانی قریب ہو۔ لیکن ڈول رسی وغیرہ آلات نہ ہونے سے، یا کسی قسم کے خوف سے پانی نہ مل سکے۔ بہرصورت تیمم کی اجازت ہوگی اور یہ سب صورتیں فلم تجدوا میں داخل سمجھی جائیں گی۔ (۵) وضو اور غسل دونوں کا تیمم یکساں ہوتا ہے۔ صرف نیت کا فرق ہوتا ہے۔ ایک میں وضو کی قائم مقامی کی اور دوسرے میں غسل کے قائم مقامی کی نیت کرنی ہوتی ہے اور اس کا خیال رہے کہ منہ ہاتھ میں سے کوئی حصہ رہ نہ جائے۔ جہاں ہاتھ نہ پہنچ سکے ورنہ تیمم نہیں ہوگا۔

(۶) تیمم ہر ایسی چیز سے جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو۔ یعنی جو نہ آگ میں جلے اور نہ گلے۔ لیکن دو چیزیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ چونہ باوجودیکہ آگ میں جل جاتا ہے۔ لیکن اس سے تیمم جائز ہے۔ اور راکھ باوجودیکہ آگ میں نہ جل سکتی ہے اور نہ گل سکتی ہے پھر بھی اس سے تیمم جائز نہیں ہے۔ جہت استثناء دونوں کی الگ الگ ہے۔ تفصیلی بحث کا موقعہ سورۂ مائدہ ہے۔

لطائف آیت: ....لاتقربوا الصلوٰۃ اس سے معلوم ہوا کہ سکر حالی کے آثار اگر محسوس ہونے لگیں تو ذکر کو منقطع کردے۔ اگر قطع نہیں کرے گا تو خود قطع ہوجائے گا اور وہ ترقی جو عمل پر موقوف تھی جب عمل ہی منقطع ہوگیا تو ترقی بھی رک جائے گی۔ چنانچہ استغراق میں بھی ترقی رک جاتی ہے۔

ان اللہ کان عفواً غفوراً۔ اس میں ضعفاء اعمال کے اس وسوسہ کا علاج ہے کہ جب ضعف کی وجہ سے ظاہراً عمل میں نقصان ہے تو وہ آثار مقصودہ اور اجر وثواب کے نقصان کو مستلزم ہو۔ پس اس شبہ کے ازالہ اور تدبیر کی طرف اشارہ کردیا کہ بالفرض اگر نقصان ہو بھی تو اللہ تعالیٰ معاف فرما کر جبر نقصان کرنے والے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا حَظًّا مِّنَ الْکِتٰبِ وَهُمُ الْیَهُوْدُ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِیْلَ ﴿۴۴﴾ تُخْطِؤُا طَرِیْقَ الْحَقِّ لِتَکُوْنُوْا مِثْلَهُمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِکُمْ ط مِنْکُمْ فَیُخْبِرُکُمْ لِتَجْتَنِبُوْهُمْ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَلِیًّا ق حَافِظًا لَکُمْ وَّکَفٰی بِاللّٰهِ نَصِیْرًا ﴿۴۵﴾ مَانِعًا لَکُمْ مِنْ کَیْدِهِمْ مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا قَوْمٌ یُحَرِّفُوْنَ یُغَیِّرُوْنَ الْکَلِمَ الَّذِیْ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِی التَّوْرٰةِ مِنْ نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ الَّتِیْ وَضَعَ عَلَیْهَا وَیَقُوْلُوْنَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَرَهُمْ بِشَیْءٍ سَمِعْنَا قَوْلَکَ وَعَصَیْنَا اَمْرَکَ وَاسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ حَالٌ بِمَعْنَی الدُّعَاءِ اَیْ لَا سَمِعْتَ وَّ یَقُوْلُوْنَ لَهٗ رَاعِنَا وَقَدْ نُهِیَ عَنْ خِطَابِهٖ بِهَا وَهِیَ کَلِمَةُ سَبٍّ بِلُغَتِهِمْ لَیًّا تَحْرِیْفًا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا قَدْحًا فِی الدِّیْنِ ط اَلْاِسْلَامِ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا بَدَلٌ وَعَصَیْنَا وَاسْمَعْ فَقَطْ وَانْظُرْنَا اُنْظُرْ اِلَیْنَا بَدَلَ رَاعِنَا لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ مِمَّا قَالُوْهُ وَاَقْوَمَ اَعْدَلَ مِنْهُ وَلٰکِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ اَبْعَدَهُمْ عَنْ رَّحْمَتِهٖ بِکُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۴۶﴾ مِنْهُمْ کَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَّاَصْحَابِهٖ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مِنَ الْقُرْاٰنِ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ مِنَ التَّوْرٰةِ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا نَمْحُوْا مَافِیْهَا مِنَ الْعَیْنِ وَالْاَنْفِ وَالْحَاجِبِ فَنَرُدَّهَا عَلٰٓی اَدْبَارِهَآ فَنَجْعَلُهَا کَالْاَقْفَاءِ لَوْحًا وَاحِدًا اَوْ نَلْعَنَهُمْ نَمْسَخَهُمْ قِرَدَةً کَمَا لَعَنَّآ مَسَخْنَا اَصْحٰبَ السَّبْتِ ط مِنْهُمْ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَضَاؤُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ وَلَمَّا نَزَلَتْ اَسْلَمَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ فَقِیْلَ کَانَ وَعِیْدًا بِشَرْطٍ فَلَمَّا اَسْلَمَ بَعْضُهُمْ رُفِعَ وَقِیْلَ یَکُوْنُ طَمْسٌ وَّمَسْخٌ قَبْلَ قِیَامِ السَّاعَةِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ اَیِ الْاِشْرَاکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ سِوٰی ذٰلِکَ مِنَ الذُّنُوْبِ لِمَنْ یَّشَآءُ ج اَلْمَغْفِرَةَ لَهٗ بِاَنْ یُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ بِلَا عَذَابٍ وَمَنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِذُنُوْبِهٖ ثُمَّ یُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا ذَنْبًا عَظِیْمًا ﴿۴۸﴾ کَبِیْرًا اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُزَکُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ط وَهُمُ الْیَهُوْدُ حَیْثُ قَالُوْا نَحْنُ اَبْنَآءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ اَیْ لَیْسَ الْاَمْرُ بِتَزْکِیَتِهِمْ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ یُزَکِّیْ یُطَهِّرُ مَنْ یَّشَآءُ بِالْاِیْمَانِ وَلَا یُظْلَمُوْنَ یُنْقَصُوْنَ مِنْ اَعْمَالِهِمْ فَتِیْلًا ﴿۴۹﴾ قَدْرَ قِشْرَةِ النَّوَاةِ اُنْظُرْ مُتَعَجِّبًا کَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ ط بِذٰلِکَ وَکَفٰی بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۰﴾ ع بَیِّنًا ۔

ترجمہ: ....کیا تم نے ان لوگوں کی حالت نہیں دیکھی جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا۔ (مراد یہود ہیں) کس طرح وہ گمراہی خرید رہے ہیں (ہدایت کے بدلہ میں) اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بہک جاؤ (راہ حق سے بھٹک کر ان ہی جیسے ہو جاؤ) اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو اچھی طرح جانتے ہیں (بہ نسبت تمہارے اسی لئے انہوں نے تم کو اطلاع دے دی ہے تا کہ تم ان سے پرہیز رکھو) اور اللہ تعالیٰ کی دوستی کافی ہے (تمہاری حفاظت کے لئے) اور ان کی مددگاری کافی ہے (تم تک ان کے مکر روکنے کے لئے) یہودیوں میں سے (ایک قوم) ایسی ہے کہ وہ لوگ ادلتے بدلتے۔ ردوبدل کرتے رہتے ہیں لفظوں کو (جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی شان

میں تورات میں نازل فرمائے ہیں) ان کی اصلی جگہ سے (جن کے لئے وہ وضع کئے گئے تھے) اور کہتے ہیں (آنحضرت ﷺ سے جب آپ ﷺ ان کو کسی بات کا حکم فرماتے ہیں) ہم نے (آپ ﷺ کی بات) سن لی۔ مگر (آپ ﷺ کا حکم) نہیں مانیں گے اور سنئے درانحالیکہ آپ ﷺ نہ سننے والے ہوں (لفظ "غیر مسمع" ترکیب میں حال بمعنی دعا ہے۔ یعنی خدا کرے آپ کو کوئی بات نہ سنائی جائے) اور (نیز کہتے ہیں) راعنا (حالانکہ اس لفظ سے آپ ﷺ کو خطاب کرنے سے ان کو منع کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ کلمہ ان کی زبان میں برے موقعہ پر استعمال کیا جاتا تھا) توڑ موڑ کر (ہیر پھیر کر) اپنی زبانوں کو اور بطور طعن (تشنیع) دین حق (اسلام) کے خلاف اگر یہ لوگ سمعنا و اطعنا (بجائے عصینا) کہتے ہیں اور (صرف لفظ) اسمع اور انظرنا (یعنی انظر الینا بجائے راعنا) کہتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا (جو کچھ کہا اس کی نسبت سے) نیز درستگی (میانہ روی) کی بات ہوتی۔ لیکن فی الحقیقت ان پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار پڑ چکی ہے (کہ اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا ہے) ان کے کفر کی وجہ سے۔ پس یہ ایمان نہیں لائیں گے بجز معدودے چند افراد کے (ان میں جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے رفقاء) اے اہل کتاب! جو کچھ ہم نے نازل کیا ہے (قرآن) اس پر ایمان لے آؤ۔ جو (تورات) تمہارے پاس ہے یہ کتاب جو تصدیق کر رہی ہے اس کتاب (تورات) کی جو تمہارے پاس موجود ہے۔ ایسا وقت آنے سے پہلے کہ ہم لوگوں کے چہرے مسخ کر کے (آنکھ، ناک، بھوؤں کے نشانات مٹا کر) پیٹھ پیچھے الٹا دیں (اور گدی کی طرح سامنے کے حصہ کو بھی سپاٹ اور صفاچٹ کر کے رکھ دیں) یا پھٹکار برسادیں ان پر (بندروں کی شکل میں مسخ کر کے) جس طرح پھٹکار دی (لعنت کردی) ہفتہ والوں پر (ان میں سے) اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فیصلہ کر دیا ہے (حکم دے دیا ہے) وہ ضرور ہو کر رہے گا (یہ آیت جب نازل ہوئی تو عبداللہ بن سلامؓ مسلمان ہوگئے۔ چنانچہ بقول بعض یہ وعید مشروط تھی۔ لیکن جب بعض لوگوں کے اسلام لانے سے یہ شرط نہ پائی گئی تو وعید بھی مرتفع ہوگئی اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ قیامت سے پہلے ضرور یہ تبدیلی اور مسخ ہوگا) اللہ تعالیٰ بھی یہ بات بخشنے والے نہیں ہیں کہ ان کے ساتھ شرک کیا جائے (شرک کرنے کی معافی نہیں ہوگی) ہاں اس کے علاوہ (سوا) اور گناہوں (خطاؤں) کی معافی ہو سکتی ہے وہ اگر چاہیں (معاف کرنا تو کسی گنہگار کو بلا عذاب جنت میں داخل کر سکتے ہیں اور چاہیں تو گنہگار مومن کو گناہ پر عذاب کے بعد جنت میں داخل کر سکتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو کسی ہستی کو شریک ٹھہراتا ہے تو یقیناً وہ افتراء پردازی کرتا ہے جرم (گناہ) عظیم (سخت ترین) کی کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جو اپنی پاکی کا بڑا گھمنڈ رکھتے ہیں (یعنی یہود جو خود کو "ابناء اللہ واحبائه" سمجھتے ہیں۔ یعنی مدار ان کی خودستائی پر نہیں ہے) حالانکہ اللہ تعالیٰ پاک (صاف) کر سکتے ہیں جسے چاہیں (ایمان کی بدولت) اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا (ان کے اعمال میں کمی کر کے) رتی یا رائی برابر بھی (چھوارے کی گٹھلی پر جھلی برابر بھی) ملاحظہ فرمائیے (مقصود تعجب ہے) یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر کس طرح صریح بہتان باندھ رہے ہیں (اس بارے میں) اور ان کی آشکارا گنہگاری کے لئے بھی ایک بات کافی ہے (مبیناً بمعنی بیناً ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... نصیبًا من الکتٰب تورات سے چونکہ ان یہود نے صرف حضرت موسیٰؑ کی نبوت معلوم کی تھی آنحضرت کی نبوت کا علم انہوں نے حاصل نہیں کیا تھا۔ اسی لئے اوتوا علم الکتٰب کی بجائے نصیبًا من الکتٰب فرمایا گیا ہے برخلاف عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ مؤمنین یہود کے ان کو دونوں کی نبوت کا علم تھا اس لئے ان کے لئے معھم الکتاب کے الفاظ فرمائے گئے ہیں۔

ان تضلوا السبیل اس میں ترقی تعجب کی گئی ہے۔ عن مواضعه چونکہ لفظ مواضعه کی ضمیر الکلم کی طرف راجع ہے جو جمع ہے اس لئے مقتضی قیاس کے بجائے مواضعه کے مواضعها ہونا چاہئے تھا لیکن جس جمع کے حروف واحد کے حروف کے مقابلہ میں کم ہوں وہاں ضمیر مؤنث کی بجائے جمع کے لئے ضمیر مذکر بھی لائی جا سکتی ہے۔ سمعنا و عصینا یہ دونوں لفظ بالمشافہ آپ ﷺ کے سامنے کہے

گئے ہوں یا لفظ سمعنا ظاہراً اور عصینا مخفی طریقہ پر دل میں کہہ لیا ہو۔

اسمع غیر مسمع اگر شری معنی کا ارادہ کیا جائے تو تقدیر عبارت اس طرح ہوگی اسمع حال کونک غیر مسمع کلاماً اصلاً بصمم اوموت اس صورت میں منصوب علی المفعولیت ہوگا اور معنی خیر پر محمول کیا جائے تو تقدیر عبارت اس طرح ہوگی اسمع منا غیر مسمع کلاما مکروھا. راعنا رعایت سے بھی ماخوذ ہوسکتا ہے اور رعونت سے بھی۔ ''لیّاً'' اس کے معنی موڑنے کے ہیں اور رسی بٹنے کے ہیں۔ یعنی لفظ کو ظاہری معنی سے گھمانا پھرانا۔ اس کی اصل تو یا تھی تعلیل صرفی کی گئی ہے نیز اس میں استعارہ تخیلیہ کیا گیا ہے۔ الا قلیلاً اس کا نصب باجود قراء کے اتفاق کے مرجوح ہے اگر چہ علامہ ابن حاجبؒ نے جواز کی اجازت دی ہے چنانچہ علامہ تفتازانیؒ نے اس کو لعنھم اللہ سے مستثنیٰ مانا ہے۔ لایؤمنون بمنز لہ یکفرون ہے یا الا قلیلا کا مفہوم یہ ہے کہ صرف چند آیات پر یہ ایمان لائے ہیں جو غیر معتبر ہے۔

نمحو جلال مفسرؒ نے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ ای صور وجوہ لوحًا واحدًا یعنی چہرہ تختی کی طرح صفاچٹ ہوجائے گا جس میں آنکھ ناک وغیرہ کے نشانات مٹ جائیں گے چنانچہ حضرت عکرمہؒ، حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ مثل گدی کے حصہ کے ہوجائے گا۔ اسلم عبداللہ یعنی عبداللہ بن سلامؓ جب شام سے مدینہ آئے اور انہوں نے یہ آیت سنی تو اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوگئے اور فرمانے لگے کہ میں نہیں چاہتا کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے اللہ میرا چہرہ مسخ فرمادے۔ اس واقعہ سے ان لوگوں کا جواب ہوگیا جو کہتے ہیں کہ خدا نے مسخ وطمس سے ڈرایا تو تھا لیکن ان میں سے ایک بھی واقع نہیں ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ وعید اس صورت میں تھی جب کہ کوئی بھی ایمان نہ لائے لیکن جب بعض اہل کتاب ایمان لے آئے تو شرط مرتفع ہوگئی اس لئے وعید بھی مرتفع ہوگئی۔

قبل قیام الساعۃ اور بعض کی رائے ہے عین قیامت کے روز یہ وعید واقع ہوگی۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ فی الحقیقت طمس اور لعنت کی وعید تھی۔ لیکن اس مجموعہ میں اس سے لعنت واقع ہوگئی تو کہا جائے گا کہ مجموعی شرط واقع ہوگی۔ چنانچہ ہر زبان پر ایسے ناہنجار لوگوں کے لئے لعنت پائی جاتی ہے۔ اول قول مجاہدؒ اور مالکؒ کا ہے، دوسرا قول ابن جریرؒ کا ہے اور تیسرا حسنؒ کا ہے۔ ای لیس الامر استفہام انکاری کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ کرخیؒ کی رائے ہے۔ صرف نفی داخل ہونے کی وجہ سے مفسر علامؒ نے اگر چہ نفی کے ساتھ تفسیر کی ہے لیکن معنی اثبات کے ہیں۔ اس لئے بقول ابو مسعودؒ استفہام تعجب کے لئے لینا زیادہ بہتر ہے یعنی مخاطب کو تعجب میں ڈالنا ہے اور یہ بتلانا ہے کہ مشرکین کی ان دونوں حالتوں میں بون بعید ہے۔

نیز مفسر علامؒ لیس الامر نکال کر اشارہ کررہے ہیں کہ لفظ بل عبارت مقدرہ سے اضراب ہے قدر قشر النواۃ اس میں تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ لیکن مفسر علامؒ نے فتیل کی جو تشریح کی ہے وہ فتیل کی تفسیر نہیں ہے بلکہ سبقت قلم سے لفظ قطمیر کے معنی لکھے گئے ہیں ورنہ فتیل کہتے ہیں کھجور کی گھٹلی کے شگاف میں جو باریک جھلی کا دھاگہ ہوتا ہے اس کو عرب ان لفظوں سے کسی کی قلت کو بتلایا کرتے ہیں۔

ربط :.......... اب تک مواقع تقویٰ میں سے زیادہ تر معاملات باہمی بیان ہوئے لیکن آئندہ مخالفین کے ساتھ معاملات کا بیان شروع ہورہا ہے چنانچہ مسلمانوں سے تعلقات منقطع کرنے اور ان کو ڈرانے کی نیت سے یہود کے مکر، کتمان حق، تحریف کتاب اور آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے خدام کے ساتھ ان کی عداوت کا بیان نہایت مؤثر انداز میں کیا جارہا ہے۔ اسی طرح آیت الم تر الخ ایک گونہ تعلق آیت یکتمون ما اتٰھم اللہ سے بھی ہوگیا پھر آیت یا ایھا الذین الخ میں یہود کو ایمان وتصدیق کی دعوت دی

جارہی ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں ڈرایا جارہا ہے اور آیت ان اللہ لایغفر الخ میں کفر کے باوجود یہود کی امید مغفرت کا جواب دیا جارہا ہے جیسا کہ ان کے قول سیغفرلنا سے معلوم ہوتا ہے۔

اور آیت الم تر الی الذین یزکون میں ان بے شمار قبائح کے ہوتے ہوئے پھر یہود کا اپنے لئے دعوائے پارسائی کرنا اور نحن ابناء اللہ وغیرہ کلمات شیخی کہنا بے ربط وبے جوڑ قرار دیا گیا ہے۔

شانِ نزول: ....لباب النقول میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رفاعہ بن زید بن التابوت یہود کا رئیس اعظم تھا۔ آنحضرت ﷺ سے جب گفتگو کرتا تو زبان کو چبا چبا کر بات کرتا اور کہتا کہ ارعنا سمعک یا محمد حتیٰ نفہمک یعنی کلام میں ہماری رعایت کیجئے تا کہ ہم بھی سمجھ سکیں اور پھر اسلام میں عیب نکالتا اور نکتہ چینیاں کرتا۔ اس پر آیت الم تر الی الذین نازل ہوئی۔ نیز ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ عبداللہ بن حوریا، کعب بن اسد وغیرہ اکابر یہود سے گفتگو کر رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا یا معشر یہود اتقوا اللہ واسلموا فواللہ انکم لتعلمون ان الذین جئتکم بہ لحق اے یہود اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرلو۔ واللہ تمہیں معلوم ہے کہ جو کچھ میں لایا ہوں وہ حق ہے کہنے لگے کہ اے محمدؐ! ہم تو اس سے واقف نہیں ہیں اس پر آیت یایھا الذین اوتوا الکتاب نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:...... یہود کی بدتمیزی اور بدتہذیبی، اسلام کی تہذیب اور شائستگی: ....یہود کے تین کلمات جو نقل فرمائے گئے ہیں ان میں سے ہر ایک کے دو دو معنی ہیں ایک اچھے معنی اور دوسرے برے معنی۔ مثلاً سمعنا وعصینا کے اچھے معنی تو یہ ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کا ارشاد سن لیا ہے اور آپ ﷺ کے مخالف کی بات نہیں مانی اور برے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے آپ ﷺ کی بات سن تو لی مگر ہم مانیں گے نہیں یعنی عمل نہیں کریں گے۔ اسی طرح دوسرے لفظ اسمع غیر مسمع کے اچھے معنی تو یہ ہیں کہ آپ ہماری عرض سنیئے اور خدا کرے کہ اپنے اقبال کی بدولت کبھی کوئی ناگوار بات نہ سنیں بلکہ ہمیشہ موافق اور حسب منشاء کلمات سننے کا اتفاق ہوتا رہے لیکن برے معنی یہ ہوں گے کہ ہماری بات ہوش کے کانوں سنیئے خدا کرے کبھی آپ کو (خاکم بدہن) اور خوش کن بات سننے کا موقعہ نہ ملے۔ بلکہ ہمیشہ رنجیدہ اور اذیت رساں باتیں ہی سنتے رہیں اور مخالف جوابات ہی کان میں پڑتے رہیں۔ تیسرے کلمہ راعنا کے جیسا کہ سورۃ بقرہ میں گزر بھی چکا ہے اچھے معنی تو یہ ہوئے کہ آپ ہماری رعایت فرما کر ذرا کلام فرمایا کیجئے اور برے معنی لعنت یہود کی رو سے دشنام اور گستاخی کے ہیں۔ غرضکہ یہود ان ذو وجہین کلمات کو اپنی کج طبعی اور منافقانہ سرشت کی وجہ سے استعمال کرتے تھے تا کہ خود تو برے معنی مراد لے کر دل خوش کرلیں اور ساتھ ہی دوسرے لوگ ظاہری رو کار کے بہتر ہونے سے دھوکہ میں مبتلا ہو جائیں اور کسی کو ان پر گرفت کا موقعہ نہ مل سکے۔ چنانچہ بعض دفعہ کچھ سادہ لوح مسلمان بھی محض اچھے رخ پر نظر رکھتے ہوئے ان الفاظ کو استعمال کر جاتے، جس میں علاوہ ضلالت کے یہود کا اضلال بھی معلوم ہوا۔ اس لئے ان آیات میں اس کی اصلاح کی جارہی ہے اور مسلمانوں کو بھی اس ضلالت کا شکار ہونے سے روکا جارہا ہے۔

تہذیب اخلاق بہر صورت انسان کے لئے بہتر ہے: ....جن کلمات کی قرآن میں تعلیم دی جارہی ہے ان کا بہتر ہونا ایمان کے ساتھ تو ظاہر ہے کہ آخرت میں اعمالِ صالحہ باعث ثواب ونجات ہوتے ہیں اور بلا ایمان کے بھی دنیاوی لحاظ سے بہتر ہونا شائستگی اور تہذیب کی وجہ سے ہے کہ ہر ملک وملت کے انسان سے شائستہ گفتگو کرنا بلندیٔ اخلاق کی دلیل ہوتی ہے لیکن یہ تہذیب اور شائستگی کفار کے لحاظ سے آخرت میں بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوگی۔ جیسا کہ آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی قسم

کی باتوں سے کفار کے عذاب میں باہم فرق رہے گا یعنی ایک شائستہ کافر کے عذاب میں تخفیف رہے گی بہ نسبت غیر مہذب کافر کے۔

ایک شبہ کا ازالہ:............ لایؤمنون اس میں عام افراد مراد نہیں کہ اشکال ہو بلکہ صرف وہ کفار مراد ہیں جن کا علم الٰہی میں کفر پر مرنا مقدر ہو چکا ہے۔ اس لئے بعض کافروں کے مسلمان ہو جانے سے شبہ نہیں ہونا چاہئے اگر چہ وہ پہلے بے ادبی اور گستاخی بھی کر چکا ہو۔ کیونکہ جب سابقہ نافرمانی سے باز آ گیا تو وہ کالعدم ہو گئی۔ پس بے ادبی کا لعنت کے لئے سبب بن جانا اور لعنت کا کفر کے لئے سبب بن جانا اس میں اب کوئی شبہ نہیں رہا کیونکہ علت اور سبب ہٹ جانے کے بعد معلول اور مسبب کا اٹھ جانا قطعاً باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

قرآن کی پیشن گوئی:............ مفسرینؒ نے اس سوال حل کرنے کے لئے کہ یہ طمس و مسخ کب ہوا ہے؟ مختلف توجیہات کی ہیں اور پھر ان توجیہات میں خدشات پیش آئے تو ان کے جوابات دیئے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ اس میں کسی واقعہ کی خبر اور اطلاع نہیں دی گئی ہے کہ تاریخی طور پر اس کی تلاش کی فکر کی جائے بلکہ صرف درجۂ احتمال میں یہ بتلانا ہے کہ اگر تم نے اللہ کی نافرمانی کی تو یاد رکھو اس بات کا قوی امکان اور احتمال ہے کہ تم پر طمس و مسخ کا عذاب آ سکتا ہے اس کو امکان اور ہمارے دائرۂ اختیار سے باہر نہ سمجھو۔ ہاں اگر کبھی مقتضائے رحمت سے اس امکان کا وقوع نہ ہو۔ تب بھی اشکال نہیں ہونا چاہئے غرضکہ اس سادہ توجیہ کے بعد کسی تکلیف کی ضرورت نہیں رہ جاتی اور مقصد اس احتمال کے بیان کرنے سے اس جرم کا عظیم اور سنگین ہونا ہے۔

ایک شبہ کا حل:............ اور اس آیت میں لفظ قبل ایسا ہی ہے جیسے سورۂ منافقون میں فرمایا گیا ہے **وانفقوا مما رزقنٰکم من قبل ان یاتی احدکم الموت** دیکھئے لفظ قبل دو چیزوں پر داخل کیا جا رہا ہے موت کے آنے پر اور قول خاص پر حالانکہ بسا اوقات سکراتِ موت میں مبتلا ہونے والے مدہوش شخص کو اس قول کی نوبت بھی نہیں آتی نہ دل سے اور نہ زبان سے مگر تصحیح کلام کے لئے صرف اس احتمال کا ہونا ہی کافی سمجھا جاتا ہے اسی طرح سورۂ نساء کے شروع میں گزر چکا ہے۔ **وبدارًا ان یکبروا** وہاں بھی لفظ بدار لفظ قبل کا مرادف ہے تو تقدیر عبارت اس طرح ہوئی۔ ای **من قبل انْ یکبروا** حالانکہ بعض یتیموں کو بالغ ہونے کی نوبت بھی نہیں آتی اور مر جاتے ہیں وہاں بھی صرف احتمال ہی پر گفتگو کی گئی ہے یا حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اغتنمتم خمسا قبل خمس شبابک قبل هرمک و صحتک قبل سقمک وغناک قبل فقرک وفراغک قبل شغلک وحیاتک قبل موتک ۔ یعنی پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو قبل اس کے کہ پانچ باتیں پیش آئیں۔ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، خوشحالی کو تنگ دستی سے پہلے، فرصت کو مشغول ہونے سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔ حالانکہ اس حدیث میں بھی پہلی چار جگہوں میں قبل کا مضاف الیہ محض احتمالی ہے غرضکہ ان شواہد و نظائر کے ہوتے ہوئے اس توجیہ میں قطعاً غرابت نہیں ہے۔

شرک کی طرح کفر بھی ناقابل معافی جرم ہے:............ آیت ان اللہ لایغفر الخ میں صرف شرک کی بخشش نہ ہونے کا اعلان کیا گیا ہے حالانکہ قرآن و حدیث اور اجماع سے یہ مسئلہ ضروریات دین میں شمار کیا گیا ہے کہ شرک کی طرح کفر بھی ناقابل معافی ہے۔ مگر یہاں صرف شرک کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے باوجودیکہ مقتضیٰ مقام یہ ہے کہ اوپر سے یہود کے کفر کا تذکرہ چلا آ رہا ہے اور وہ کافر ہیں۔

آیت کی توجیہات:............ علماء نے اس کی توجیہات مختلف کی ہیں اور سب لطیف ہیں۔ پہلی توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ شرک کو اپنے اصلی معنی پر رکھتے ہوئے کہا جائے کہ قرآن کریم میں تین طرح کی آیات ہیں۔ بعض میں صرف شرک کا لفظ آیا ہے اور بعض میں.

صرف کفر کا لفظ آیا ہے اور بعض میں دونوں۔ پس ہر آیت میں دونوں کا ذکر ضروری نہیں ہے۔ بلکہ مجموعہ آیات سے کفر وشرک دونوں کا ناقابل معافی ہونا معلوم ہو گیا اور وہی مقصود ہے اور چونکہ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اس لئے وہ مشرک بھی تھے۔ پس اس طرح ان آیات کا یہود کے حسب حال ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ شرک کو اپنے معنی پر رہنے دیا جائے اور آیت میں لفظ دون کے معنی ادنیٰ اور کمتر کے لئے جائیں یعنی شرک سے کم درجہ کے جتنے گناہ ہیں وہ سب معاف ہو سکتے ہیں پس کفر کی بعض صورتیں تو شرک ہی ہیں ان کی نسبت تو سوال ہی واقع نہیں ہوتا کہ جواب کی ضرورت پیش آئے البتہ بعض صورتیں کفر کی ایسی ہیں جن کو شرک نہیں کہا جائے گا۔ مثلاً خدا کے وجود کا سرے سے انکار کر دینا کہ یہ شرک تو نہیں لیکن شرک سے بڑھ کر کفر ہے، کیونکہ مشرک خدا کا منکر نہیں ہوتا بلکہ اس کے وجود کے ساتھ دوسرے خدا کو بھی مانتا ہے لیکن دہریہ تو بالکل خدا کے وجود ہی کا منکر ہے پس جب مشرک کی مغفرت نہیں تو اس سے بڑھ کر خدائی انکار کے کفر کی مغفرت کیسے ہو سکتی ہے۔ اسی طرح دلالۃ النص کے طور پر کفر کا ناقابل معافی جرم ہونا ثابت ہو گیا اس صورت میں یہود کے اعتقاد پر اگر شرک کا اطلاق نہ بھی کیا جائے تب بھی ان کے کفر کے ناقابل معافی ہونے کی وجہ سے اقتضائے مقام کے خلاف نہیں ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ شرک کے دو معنی کئے جائیں۔ ایک معنی حقیقی کہ اللہ کے ساتھ دوسروں کو الوہیت میں شریک کیا جائے، دوسرے معنی مطلق کفر کے کئے جائیں جس میں شرک بھی داخل ہو۔ یہ تعمیم کی توجیہ نہایت سہل ہے اس میں کفر وشرک متعارف دونوں داخل ہو جائیں گے اور مقصد یہ ہے کہ کفر وشرک کی آلودگیوں کے ساتھ یہود کا مغفرت کی امید رکھنا نہایت نامعقول خام خیالی ہے۔

مسلک اہل سنت:......... **ویغفر مادون ذلک** میں مغفرت سے مراد بلاسزا بخشش ہے۔ اسی لئے اس وعدہ کی مشیت پر معلق فرمایا اور بصورت جرم مغفرت کا اعلان نہیں کیا گیا ورنہ سزا کی بعد مومن کی بخشش کا یقینی طور پر وعدہ کیا گیا ہے۔ گویا اس کے ساتھ مشیت کا تعلق ثابت ہو چکا ہے نیز گناہوں کی مغفرت بلاتوبہ کو مشیت معلق کیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے **من لقی اللہ تعالیٰ لایشرک بہ شیئا دخل الجنۃ ولم یضرہ خطیئتہ** (ترجمہ) ”جو شخص اللہ کے یہاں بلاشرک جائے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور گناہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔“

اور **لمن یشاء** کی قید ایسی ہے جیسے دوسری آیت **اللہ لطیف بعبادہ یرزق من یشاء** میں فرمایا گیا ہے اس سے اس کے عموم پر اثر نہیں پڑتا اسی لئے حضرت علیؓ کا ارشاد ہے۔

مافی القراٰن اٰیۃ احب الی من ھذہ الاٰیۃ قرآن کریم میں اس سے زیادہ مجھے دوسری آیت محبوب نہیں ہے۔

معتزلہ کا رد:......... معتزلہ اس آیت کو توبہ پر محمول کر رہے ہیں حالانکہ توبہ کے بعد تو کفر وشرک بھی معاف ہو جاتے ہیں پھر دونوں میں کیا فرق رہا۔ حالانکہ منشاء آیت دونوں میں فرق کرنا ہی ہے۔

خودستائی کی ممانعت اور اس کی وجہ:......... آیت **الم تر الی الذین یزکون انفسھم** میں حق تعالیٰ نے نیک کام کر کے اپنے کو مقدس اور پارسا سمجھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ حالانکہ مؤمن کی تقدیس اللہ تعالیٰ نے خود فرمائی ہے۔ سو اس ممانعت کی کئی وجوہ ہیں اول وجہ تو یہ ہے کہ اکثر اپنی تعریف وتوصیف اور خودستائی کا منشاء بڑائی اور کبر ہوا کرتا ہے۔ پس خودستائی سے منع کرنا فی الحقیقت کبر سے روکنا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ **انما العبرۃ بالخواتیم** کی رو سے تقدیس کا مدار انجام اور خاتمہ بالخیر ہونے پر ہے اور کسی کو پہلے سے اپنے انجام کی خبر نہیں ہے اس لئے علی الاطلاق تقدیس کا دعویٰ گویا انجام سے بے فکری، بے خوفی پر دال ہے۔ تیسری

وجہ ممانعت یہ ہے کہ دعویٰ تقدیس سے عوام کو یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ مقدس شخص ہر قسم کے نقائص و عیوب سے خالی ہے حالانکہ ایسا نہیں تو یہ ایک درجہ میں کذب ہوا پھر کبھی اس دعویٰ تقدس سے عجب بھی پیدا ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی میں یہ عوارض اور وجوہ ممانعت نہ پائے جاتے ہوں جس کی تشخیص ایک محقق مبصر ہی کر سکتا ہے تو تحدیث نعمت کے طور پر اس کے لئے اظہار تقدس جائز ہے۔

لطائف آیت:............ واللہ اعلم باعدائکم اعداء کے عموم میں چونکہ شیاطین بھی داخل ہیں اس لئے متوکلین کے لئے شیاطین سے بے خوف و خطر ہونے کی تلقین ہو رہی ہے۔ الم تر الی الذین یزکون اس میں دعوائے تقدیس پر رد ہے جس میں بہت علماء اور مشائخ مبتلا ہیں البتہ اہل فنا کی بات دوسری ہے۔

وَنَزَلَ فِی کَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ وَنَحْوِهٖ مِنْ عُلَمَاءِ الْیَهُوْدِ لَمَّا قَدِمُوْا مَکَّةَ وَشَاهَدُوْا قَتْلٰی بَدْرٍ وَحَرَّضُوا الْمُشْرِکِیْنَ عَلَی الْاَخْذِ بِثَارِهِمْ وَمُحَارَبَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ** صَنَمَانِ لِقُرَیْشٍ **وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا** اَبِیْ سُفْیَانَ وَاَصْحَابِهٖ حِیْنَ قَالُوْا لَهُمْ اَنَحْنُ اَهْدٰی سَبِیْلًا وَنَحْنُ وُلَاةُ الْبَیْتِ نُسْقِی الْحَاجَّ وَنُقْرِی الضَّیْفَ وَنَفُکُّ الْعَانِیَ وَنَفْعَلُ اَمْ مُحَمَّدٌ وَقَدْ خَالَفَ دِیْنَ اٰبَائِهٖ وَقَطَعَ الرَّحِمَ وَفَارَقَ الْحَرَمَ **هٰٓؤُلَاۗءِ** اَیْ اَنْتُمْ **اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ﴿۵۱﴾** اَقْوَمُ طَرِیْقًا **اُولٰۗئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا ﴿۵۲﴾** مَانِعًا مِنْ عَذَابِهٖ **اَمْ** بَلْ **لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْکِ** اَیْ لَیْسَ لَهُمْ شَیْءٌ مِّنْهُ وَلَوْ کَانَ **فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا ﴿۵۳﴾** اَیْ شَیْئًا تَافِهًا قَدْرَ النُّقْرَةِ فِیْ ظَهْرِ النَّوَاةِ لِفَرْطِ بُخْلِهِمْ **اَمْ** بَلْ **اَیَحْسُدُوْنَ النَّاسَ** اَیِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **عَلٰی مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ** مِنَ النُّبُوَّةِ وَکَثْرَةِ النِّسَاءِ اَیْ یَتَمَنَّوْنَ زَوَالَهٗ عَنْهُ وَیَقُوْلُوْنَ لَوْ کَانَ نَبِیًّا لَاشْتَغَلَ عَنِ النِّسَاءِ **فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ** جَدَّهٗ کَمُوْسٰی وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمَانَ **الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ** النُّبُوَّةَ **وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا ﴿۵۴﴾** فَکَانَ لِدَاوٗدَ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ امْرَاَةً وَلِسُلَیْمٰنَ اَلْفٌ مَّا بَیْنَ حُرَّةٍ وَسُرِّیَّةٍ **فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ** بِمُحَمَّدٍ **وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ** اَعْرَضَ **عَنْهُ ؕ** فَلَمْ یُؤْمِنْ **وَکَفٰی بِجَهَنَّمَ سَعِیْرًا ﴿۵۵﴾** عَذَابًا لِّمَنْ لَّا یُؤْمِنُ **اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ** نُدْخِلُهُمْ **نَارًا ؕ** یَحْتَرِقُوْنَ فِیْهَا **کُلَّمَا نَضِجَتْ** اِحْتَرَقَتْ **جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا** بِاَنْ تُعَادَ اِلٰی حَالِهَا الْاَوَّلِ غَیْرَ مُحْتَرِقَةٍ **لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ** لِیُقَاسُوْا شِدَّتَهٗ **اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَزِیْزًا** لَا یُعْجِزُهٗ شَیْءٌ **حَکِیْمًا ﴿۵۶﴾** فِیْ خَلْقِهٖ **وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِیْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ز** مِنَ الْحَیْضِ وَکُلِّ قَذَرٍ **وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا ﴿۵۷﴾** دَائِمًا لَا تَنْسَخُهٗ شَمْسٌ هُوَ ظِلُّ الْجَنَّةِ **اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ** مَا اُؤْتُمِنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحُقُوْقِ **اِلٰٓی اَهْلِهَا ۙ** نَزَلَتْ لَمَّا اَخَذَ عَلِیٌّ مِفْتَاحَ الْکَعْبَةِ مِنْ عُثْمَانَ بْنِ طَلْحَةَ الْحَجَبِیِّ سَادِنِهَا قَهْرًا لَمَّا قَدِمَ

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَکَّۃَ عَامَ الْفَتْحِ وَمَنَعَہٗ وَقَالَ لَوْعَلِمْتُ اَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ لَمْ اَمْنَعْہُ فَاَمَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِرَدِّہٖ اِلَیْہِ وَقَالَ ہَاکَ خَالِدَۃً تَالِدَۃً فَعَجِبَ مِنْ ذٰلِکَ فَقَرَأَ لَہٗ عَلِیٌّ الْاٰیَۃَ فَاَسْلَمَ وَاَعْطَاہُ عِنْدَ مَوْتِہٖ لِاَخِیْہِ شَیْبَۃَ فَبَقِیَ فِیْ وُلْدِہٖ وَالْاٰیَۃُ وَاِنْ وَرَدَتْ عَلٰی سَبَبٍ خَاصٍّ فَعُمُوْمُہَا مُعْتَبَرٌ بِقَرِیْنَۃِ الْجَمْعِ **وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ط اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا** فِیْہِ اِدْغَامُ مِیْمِ نِعْمَ فِیْ مَا النَّکِرَۃِ الْمَوْصُوْفَۃِ اَیْ نِعْمَ شَیْئًا **یَعِظُکُمْ بِہٖ ط** تَادِیَۃُ الْاَمَانَۃِ وَالْحُکْمُ بِالْعَدْلِ **اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا** لِمَا یُقَالُ **بَصِیْرًا﴿۵۸﴾** بِمَا یُفْعَلُ **یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی** اَصْحَابِ **الْاَمْرِ** اَیِ الْوُلَاۃِ **مِنْکُمْ ج** اِذَا اَمَرُوْکُمْ بِطَاعَۃِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ **فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ** اِخْتَلَفْتُمْ **فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ** اَیْ کِتَابِہٖ **وَالرَّسُوْلِ** مُدَّۃَ حَیَاتِہٖ وَبَعْدَہٗ اِلٰی سُنَّتِہٖ اَیْ اِکْشِفُوْا عَلَیْہِ مِنْہُمَا **اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِکَ** اَیِ الرَّدُّ اِلَیْہِمَا **خَیْرٌ** لَکُمْ مِنَ التَّنَازُعِ وَالْقَوْلِ بِالرَّاْیِ **وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا﴿۵۹﴾** مَاٰلًا ۔

ع ۹ ۵

ترجمہ:............(آئندہ آیات کعب بن اشرف وغیرہ علمائے یہود کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی جب کہ یہ لوگ مکہ معظمہ میں آئے اور ''مقتولین بدر'' کی حالت کا معائنہ کیا اور مشرکین مکہ کو اپنے مقتولین کا بدلہ لینے اور آنحضرت ﷺ سے جنگ کرنے پر ابھارنا چاہا) اے پیغمبر! کیا تم ان لوگوں کا حال نہیں دیکھتے جنہیں کتاب اللہ سے ایک حصہ دیا گیا تھا کہ وہ بتوں کی شریر قوتوں کے معتقد ہوگئے ہیں (جبت اور طاغوت قریش کے دو بت ہیں) اور کافروں کی نسبت کہتے ہیں (ابوسفیان وغیرہ کی نسبت جبکہ انہوں نے علماء یہود سے پوچھا تھا کہ بتلاؤ ہم زیادہ ہدایت یافتہ ہیں درانحالیکہ ہم بیت اللہ کے متولی ہیں، حجاج کرام کو پانی پلانے کی خدمت انجام دیتے ہیں، مہمان نواز ہیں، قیدیوں کو رہائی دیتے ہیں اور اس قسم کے دوسرے اچھے کام کرتے ہیں۔ یا محمد زیادہ صحیح راستہ پر ہیں حالانکہ انہوں نے اپنے آبائی مذہب کے خلاف کیا ہے، قطع رحمی کے مرتکب ہوئے ہیں، حرم کو چھوڑ بیٹھے ہیں، مسلمانوں سے تو کہیں زیادہ یہی لوگ (یعنی تم لوگ) سیدھے راستہ پر ہیں (ہدایت یافتہ ہیں) یقین کرو یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی پھٹکار پڑی اور جس پر اس کی پھٹکار پڑی ممکن نہیں تم کسی کو اس کا مددگار پاؤ (کہ اللہ کے عذاب سے اس کو بچالے) پھر کیا بات ہے کہ ان کے قبضہ میں بادشاہت کا کوئی حصہ آ گیا ہے (یعنی ان کو سلطنت کا کچھ حصہ بھی حاصل نہیں ورنہ) تو ایسی حالت میں یہ بالکل نہیں چاہتے کہ لوگوں کو رائی برابر بھی کچھ مل جائے (یعنی معمولی سی چیز بھی جتنی مقدار کہ چھوارے کی گٹھلی کی کمر پر باریک سی جھلی ہوتی ہے اپنے انتہائی بخل کی وجہ سے کسی کو اتنی چیز دینے پر بھی آمادہ نہیں ہیں) یا پھر انہیں لوگوں سے (نبی کریم ﷺ سے) اس بات پر حسد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے (نبوت اور بیویوں کا زیادہ ہونا، یعنی ان نعمتوں کے زوال کی تمنا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ نبی ہوتے تو بیویوں سے بے نیاز ہوتے) اگر یہی بات ہے تو ہم نے خاندان ابراہیمؑ میں (آپؐ کے دادا جیسے حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام کو) کتاب اور حکمت (نبوت) دی تھی اور ساتھ ہی بڑی بھاری سلطنت بھی عطا فرمائی تھی (چنانچہ حضرت داؤدؑ کی ننانوے بیویاں اور حضرت سلیمانؑ کی ایک ہزار آزاد باندیاں تھیں) پھر ان میں سے کوئی تو ایسا ہوا جو ان (محمدؐ) پر ایمان لے آیا اور ان میں سے بعض ان سے روگردان (برگشتہ) ہی رہے (یعنی ایمان نہیں لائے) اور دہکتی ہوئی دوزخ کی آگ ہی بس ہے (عذاب ہے ان لوگوں

کے لئے جو ایمان نہیں لائے) جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا تو عنقریب ہم انہیں جہنم کی آگ میں جھونک دیں گے (داخل کر دیں گے کہ وہ اس میں جل بھن کر رہ جائیں گے) جب کبھی ان کی کھال پک جائے گی (جل جائے گی) تو ہم پچھلی کھال کی جگہ دوسری کھال بدل دیں گے (یعنی بغیر جلی ہوئی پچھلی حالت پر ہم اس کو لوٹا دیں گے) تا کہ عذاب کا مزہ چکھ لیں (اور اس کی شدت کا اندازہ کر لیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہیں (کوئی چیز ان کو ہرا نہیں سکتی) اور دانا ہیں (جو کچھ کرتے ہیں) اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو ہم انہیں ایسے باغوں میں رکھیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے ان کی رفاقت کے لئے پاک و پارسا بیویاں ہوں گی (جو ہر قسم کے حیض و گندگی سے پاک و صاف ہوں گی) نیز ہم انہیں بڑے اچھے گنجان سائے میں جگہ دیں گے (جو ہمیشہ رہے گا، آفتاب کی تمازت اس کو نہیں مٹا سکے گی۔ جنت کا سایہ مراد ہے) اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ جس کی امانت ہو (یعنی جو حقوق کسی کے ذمہ ہوں) وہ اس کے حوالہ کر دیا کرو (یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ حضرت علیؓ نے کعبہ کی کنجی زبردستی عثمانؓ بن طلحہ حجبی دربان کعبہ سے چھین لی اور آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے وقت تشریف لائے اور عثمانؓ نے کنجی دینے سے انکار کیا اور کہا کہ اگر آپ کو رسول اللہ مانتا تو پھر کنجی دینے سے انکار نہ کرتا، اس پر آپ نے حضرت علیؓ کو کنجی واپس کر دینے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ "لو عثمانؓ ہمیشہ کے لئے یہ خدمت تمہارے سپرد ہے" اس پر عثمانؓ اپنے بھائی شیبہؓ کو دے دی ان کی اولاد کے پاس رہی۔ بہر حال یہ آیت اگر چہ خاص سبب کی وجہ سے نازل ہوئی لیکن صیغہ جمع کے قرینہ سے عموم کا اعتبار ہوگا) اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو چاہئے کہ انصاف کے ساتھ کرو۔ کیا ہی اچھی بات ہے (لفظ نعم کے میم کا ادغام ما نکرہ موصوفہ میں ہو گیا ہے بمعنی نعم شیئًا ہے) جس کی اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت فرماتے ہیں (ادائے امانت اور انصاف رانی کے متعلق) بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ (باتیں) سننے والے اور سب کچھ (کاروائی) دیکھنے والے ہیں۔ مسلمانو! اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے با اختیار حکمرانوں کی فرمانبرداری کرو (بشرطیکہ ان کا حکم اللہ و رسولؐ کی مرضی کے مطابق ہو) پھر اگر کسی معاملہ میں باہم جھگڑ پڑو (کسی بات میں تمہارے درمیان کچھ اختلاف ہو جائے) تو چاہئے کہ اللہ (کتاب اللہ کی طرف) اور اللہ کے رسولؐ کی طرف رجوع کرو (پیغمبر کی حیات مبارک میں، لیکن آپ ﷺ کے بعد آپؐ کی سنت کی طرف یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے) اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اس میں (یعنی ان دونوں کی طرف رجوع کرنے میں) تمہارے لئے بہتری ہے (بہ نسبت جھگڑے بازی اور رائے زنی کے) اور اسی میں انجام کار کی خوبی ہے۔

تحقیق و ترکیب: .... ونزل تفسیر خازن میں ہے کہ بدر کی شکست سے کعب بن اشرف سراسیمہ تھا اس لئے ستر یہود کے ساتھ ابوسفیان کے پاس پہنچا ان لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، جنگ کے بارہ میں باہمی تبادلۂ خیالات ہوا تو ابوسفیان وغیرہ نے کعب بن اشرف کے عزائم معلوم کئے جس کے جواب میں ابن اشرف کی طرف سے کہا گیا "**نرید حرب محمدؐ ونقض عهده**" لیکن ابوسفیان نے مزید اطمینان کی خاطر چاہا کہ کعب بتوں کو سجدہ کرے چنانچہ اس بدبخت نے مشرکین کو خوش کرنے کے لئے اس شرک کا ارتکاب بھی کر لیا۔ بلکہ جوش میں آکر تیس جوانوں کی پیش کش کر کے معاہدہ اور محالفہ بھی کر لیا۔ اس کے بعد ابوسفیان نے کہا کہ تم پڑھے لکھے ہو اور ہم ان پڑھ ہیں۔ اچھا یہ بتلاؤ کہ ہم صحیح راستہ پر ہیں یا محمدؐ؟ کعب نے کہا کہ اپنے دین کی کچھ تفصیلات بیان کرو۔ اس نے جواب دیا کہ:

نحن ننحر للحجيج ونسقيهم الماء ونقرى الضيف ونصل الرحم و نعمر بيت ربنا ونطوف به نحن من اهل الحرم ومحمدؐ فارق دين ابائه والحرم وقطع الرحم وديننا القديم ودينه حادث

"ہم حجاج کیلئے قربانی کرتے ہیں، ان کو پانی پلاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، بیت اللہ کو آباد کرتے ہیں اور

اس کا طواف کرتے ہیں نیز اہل حرام ہیں برخلاف محمدؐ کے کہ وہ اپنے آبائی مذہب اور حرم دونوں سے الگ ہوگئے اور قطع رحمی کے مرتکب ہیں ہمارا دین پرانا اور ان کا مذہب نیا ہے۔

کعب بن اشرف کہنے لگا کہ انتم واللہ اھدی سبیلاً مما علیہ محمدؐ خدا کی قسم محمدؐ کے دین کی بہ نسبت تم زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔"

اسی کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بشارھم قاموس میں ہے کہ ثار کے معنی خون طلب کرنا ہیں۔ الجبت مفسر کی رائے کے مطابق مکہ کے کسی خاص قریشی بت کا نام ہے اور بعض کے نزدیک مطلقاً بت کا نام ہے اور طاغوت شیطان ہے جو لوگوں کو صنم پرستی کی طرف لے جاتا ہے اس لحاظ سے ہر بت طاغوت ہے جو لوگوں کو دھوکہ میں مبتلا رکھتے ہیں۔

للذین لام صلہ کا نہیں بلکہ لام اجلیہ ہے نفعل. ای نفعل غیر ماذکر من الامور الجمیلۃ المستحسنۃ اور بعض نسخوں میں نفعل کی بجائے نعقل ہے عقل کے معنی دیت اور خون بہا دینے کے ہیں یہاں دونوں معنی ہوسکتے ہیں۔

ای انتم مفسر علامؒ نے اسم اشارہ ھؤلاء کو انتم ضمیر خطاب سے تبدیل کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ حکایت بالمعنی ہے ورنہ گفتگو بالمشافہ ہونے کی وجہ سے لفظ انتم استعمال کرنا مناسب تھا۔

من الذین اٰمنوا یہ الفاظ اگرچہ کعب کے نہیں ہیں لیکن حق تعالیٰ نے تعریضاً اور مشرکین کا تخطیہ کرنے کے لئے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ مانعاً مفسر علامؒ اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ لفظ نصیر بمعنی ناصر ہے۔ آیت میں جہاں کفار کا ملعون ومردود ہونا معلوم ہو رہا ہے وہیں مسلمانوں کے لئے منصور اور مقرب ہونے کا وعدہ بھی ہے۔ ام اس کے بعد لفظ بل نکال کر یہ بتلانا ہے کہ ام منقطعہ ہے اور ہمزہ انکار کے لئے ہے ام لھم ایسے ہے جیسے عرب بولتے ہیں ان لہ لا بلاً و ان لہ لغنمًا. ولو کان یعنی فاذًا میں فا جزائیہ ہے فا عاطفہ نہیں ہے اور لو بمعنی ان ہے اس لئے اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ لو کے بعد فا نہیں آنا چاہئے۔ بالخصوص لفظ اذا اور مضارع کی موجودگی میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی لو کان لھم نصیبٌ من الملک فاذًا الخ.

لایؤتون اس میں اذا کا عمل اس لئے نہیں ہوا کہ اذا کے عمل کی شرط جو صدارت ہے وہ عطف کی وجہ سے پائی نہیں گئی لیکن دوسری قرأت میں لایؤتو الناس پڑھا گیا ہے اس صورت میں صدارت پر نظر کرتے ہوئے عمل کر لیا گیا ہے۔

نافھا ای حقیرًا النقرۃ صراح میں نقرہ کے معنی مغاکچہ کے لکھے گئے ہیں اور جمل میں ہے کہ گٹھلی کا وہ حصہ جس سے کھجور کا درخت اُگتا ہے۔ الناس الف لام جنس کا ہے ناس کا مصداق مفسر علامؒ نے ابن عباسؓ اور حسنؒ ومجاہدؒ کی تفسیر کے مطابق آنحضرت ﷺ کو قرار دیا ہے۔ لاشتغل شغل کے صلہ میں جب عن آئے گا تو اعراض اور بے پرواہی کے معنی ہوں گے۔ جدہ کموسیٰ جدہ کی ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور موسیٰ اور داؤدؑ اور سلیمانؑ سے مراد آل ابراہیم ہیں تسع وتسعون یہ تعداد علاوہ وزیرہ عورت کے ہے ورنہ اس سمیت پوری سو (۱۰۰) بیویاں تھیں۔ صد بمعنی اعراض۔ ونضجت بمعنی احترقت وتلاشت وتھرت نضبح اللحم بولتے ہیں۔

منھم ضمیر کا مرجع وہ لوگ ہیں جو آل ابراہیم انبیاء علیہم السلام کے زمانوں میں موجود رہے ہیں کیونکہ وجود انبیاءؑ عادۃً مستلزم ہے وجودِ اُمم کو اور امن بہ کی ضمیر کتاب وحکمت کی طرف راجع ہے جن کا حاصل ایمان بالنبوۃ ہے اور غالباً اسی نکتہ کی وجہ سے اٰتیناھم کو مکرر لایا گیا ہے کیونکہ کتاب وحکمت تو مؤمن بہ کی جنس سے ہے اور ملک عظیم مومن بہ کی جنس سے نہیں ہے۔

سعیرًا بمعنی مسعورۃ یہ لفظ جھنم سے حال ہے جو لفظ کفٰی کا فاعل بزیادۃ الفاء ہو رہا ہے اور کفار کا حال اس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ گفتگو اسی میں ہو رہی ہے لیذوقو الفظ ذوق سے تعبیر کرنے میں عذاب کی تلخی مع الایلام کی طرف اشارہ ہے یا اس کی شدت تاثیر کی

طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ قوت ذائقہ ہی سب سے زیادہ ذکی الحس حاسہ ہے۔

ظلا ظلیلا ظلیل صفت مشتقہ ہے لفظ ظل کی تاکید کے لئے اہل عرب کی عام عادت کے مطابق جیسے یوم الیوم اور لیل الیل اور امام مرزوقیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ محض تابع ہے جس کے کوئی معنی نہیں ہوتے جیسے حسن بسن بولتے ہیں مفسر علامؒ دائما لاتنسخه شمس کے ساتھ تفسیر کر رہے ہیں صراح میں نسخ کے معنی زائل کرنے کے ہیں نسخت الشمس الظل ای ازالته.

نـدخلهم یہ دونوں ادخال صرف عنوان کے لحاظ سے مختلف ہیں ذات کے اعتبار سے نہیں۔ امانات امانۃ مصدر ہے مجازاً مفعول پر اطلاق کیا گیا ہے اس کے معنی عام ہیں حقوق کو بھی شامل ہیں۔ امانت کی تین قسمیں ہیں ایک اللہ کی عبادات میں ہے یعنی فعل مامورات اور ترک منہیات۔ چنانچہ ابن مسعودؓ کا قول ہے الامانة لازمة فی کل شیء حتی الوضوء والغسل من الجنابة والصلوٰة والزکوٰة والصوم وسائر انواع العبادات. دوسری قسم امانت مع النفس ہے مثلاً زبان کو جھوٹ، غیبت، چغل خوری، سے محفوظ رکھنا یہ زبان کی امانت ہے، آنکھ کو غیر محارم سے بچانا یہ اس کی امانت ہے۔ اسی طرح تمام اعضاء کا حال ہے۔ تیسری قسم امانت مع عباد اللہ ہے مثلاً جو چیزیں عاریت یا امانت کی ہوں ان کی ادائیگی۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ ادا الامانة الی من ائتمنک ولا تخن من خانک پورا تولنا اور ناپنا بھی اس میں داخل ہے اور بادشاہوں کا انصاف، علماء کی نصیحت وہمدردی بھی اسی میں داخل ہے۔ چنانچہ بغویؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ماخطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا قال لا ایمان لمن لاامانة له ولا دین لمن لاعهد له اس کے عموم میں ہر قسم کے حقوق بھی داخل ہیں خواہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد، قولی ہوں یا فعلی اور اعتقادی، واجب ہوں یا مندوب، پھر قابل ضمان ہوں جیسے عاریہ یا لائق ضمان نہ ہوں جیسے ودیعہ۔

فامر اس کا عطف اخذ پر ہو رہا ہے۔ دراصل کعبۃ اللہ کی کنجی لینے کی درخواست حضرت عباسؓ نے بھی اول پیش کی تھی تاکہ سقایہ اور سدانہ کی دونوں خدمتیں ان کے پاس جمع ہو جائیں لیکن آپ ﷺ نے منظور نہیں فرمائی۔

هاک. ای خذ هذه الخدمة ایک نسخہ میں بجائے ھاک کے ھذا ہے۔ خالدۃ بمعنی مستمرۃ تالدہ بمعنی قدیمة متاصلة.

فعجب یعنی تعجب اس پر ہوا کہ حضرت علیؓ سخت آمیز رویہ کے بعد ایک دم غیر متوقع طور پر نرم آخر کیوں پڑ گئے۔ فاسلم مفسر علامؒ بغوی اور زمخشری کی رائے کے مطابق کہہ رہے ہیں لیکن جامع الاصول وغیرہ کتب اسماء الرجال کے بیان کے مطابق صحیح بات یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرو بن العاصؓ کے ساتھ عثمانؓ اسلام لائے۔ عبدالرزاق زہری سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے عثمانؓ سے جب چابی مانگی تو ان کی والدہ سلافہ بنت سعید نے منع کیا کہ چابی جانے کے بعد واپس نہیں آئے گی۔ اس لئے عثمانؓ رکے رہے اور آپ ﷺ منتظر رہے لیکن آپ ﷺ کے اصرار سے مجبور ہو کر انہوں نے چابی پیش کر دی آپ ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور پھر باہر نکل کر سقایہ پر تشریف لے گئے اس پر فخریہ لہجہ میں حضرت علیؓ نے کہا:

انا اعطینا النبوة والسقایة والحجابة ما قوم باعظم منا نصیبا

''یعنی آج ہم سے بڑھ کر کوئی نصیبہ ور ہو سکتا ہے جبکہ ہمارے پاس نبوت، سقایہ اور بیت اللہ کی چوکیداری جیسی اہم چیزیں آ گئیں''۔

آپ ﷺ کو یہ باتیں ناگوار ہوئیں آپ ﷺ نے عثمانؓ کو بلا کر کنجی ان کے حوالہ کر دی۔

فعمومها معتبر قاعدہ یہی ہے کہ عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوص سبب کا لحاظ نہیں رہا کرتا۔ البتہ اگر کہیں خصوص کے معتبر ہونے کا قرینہ بھی ہو تو پھر اس کا بھی لحاظ کیا جائے گا۔ مثلاً آپ ﷺ نے ایک حربی عورت کو مقتول دیکھ کر عورتوں کو قتل سے منع فرمایا تو اس ممانعت کو صرف حربیہ عورتوں کے قتل پر محمول کیا جائے گا۔ اس میں زانیہ محصنہ اور مرتدہ عورتیں داخل نہیں ہوں گی۔

نعما اس میں اگر ما کو موصوفہ مانا جائے تو نعم کی ضمیر مستتر فاعل سے تمیز ہونے کی بناء پر منصوب ہوجائے گا اور مخصوص بالمدح محذوف ہوگا۔ یعنی تادیۃ الامانۃ والحکم بالعدل لیکن اگر ما کو موصولہ کہا جائے تو پھر نعم کا فاعل ہوگا اور معرف باللام کے معنی میں ہوگا اور اس کا مابعد صلہ ہوجائے گا اور تیسری رائے یہ ہے کہ ما تامہ ہو اور یعظکم محذوف کی صفت ہو لیکن یہ صورت بعید ہے۔ اذا حکمتم ظرف متعلق ہے مابعد ان کے ساتھ اور پھر یہ معطوف ہے ان تؤدوا پر اور جار مجرور اس کے یا محذوف کے متعلق ہو کر حال ہوجائے گا فاعل سے اس آیت میں حکام کو خطاب ہے اور اس کے بعد یاایھا الذین اٰمنوا واجب اطاعت نہیں سمجھتے ان پر رَد کرنا ہے اور یہ بتلانا ہے کہ جس قدر استدلال آپ ﷺ کی اطاعت کا ہے دوسروں کا نہیں ہے اسی لئے اولوا الامر کے ساتھ اطیعوا نہیں کہا گیا ہے اور اولو الامر سے مراد امراء حق ہیں۔ جیسے خلفاء راشدینؓ وغیرہ امراء جور مراد نہیں ہیں کہ دراصل وہ امراء ہی نہیں بلکہ اُچکّے ہیں۔

اسی طرح اولی الامر کے مفہوم میں تعمیم مناسب ہے امام ہو یا سلطان وامیر، حاکم ہو یا عالم، مجتہد قاضی ہو یا مفتی، حسب مراتب سب کی اطاعت مامور ہے۔ نیز خلافت کاملہ حضرت علیؓ پر ختم ہوچکی ہے اس کے بعد خلافت ناقصہ رہ گئی تھی۔ جیسے خلفاء عباسیہ کی خلافت۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے الخلافۃ بعدی ثلاثین سنۃ ثم یصیر ملکاً عضوضًا اور امامت بھی معدوم ہوگئی ہے کیونکہ اس کی ابتدائی شرط قریشی ہونا ہے جو فی زمانہ بالکل معدوم ہے البتہ سلطنت وامارت باقی ہے جس قدر بھی وہ منہاج نبوۃ سے قریب ہو غنیمت سمجھنی چاہئے۔ تاویلا اولٌ سے ہے۔ آل یؤل بمعنی رجع ای عاقبۃ احسن.

ربط:............ پہلے سے یہود کی برائیوں کا سلسلہ چل رہا ہے آیت الم تر الی الذین اوتو نصیبًا الخ میں بھی یہود کی ایک خاص برائی کا بیان ہے کہ مشرکین مکہ نے جب اپنے مداح اور مسلمانوں کے فرضی قبائح بیان کر کے علماء یہود سے استفتاء کیا تو جواب میں مفتیان یہود نے مسلمانوں کو خاطی اور مشرکین کو ہادی ومہتدی قرار دیا۔ لیکن استفتاء اور فتوی دونوں ہی غلط اور بناء فاسد علی الفاسد تھے آیت ام لھم نصیب الخ میں بھی یہود کی بے ہودگیوں کا تذکرہ ہے اور آنحضرت ﷺ کی نو بیویوں پر اعتراض کا جواب ہے۔

آگے فمنھم من اٰمن الخ میں آپ ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے اس کے بعد آیت ان الذین الخ میں بطور ضابطہ کلیہ مطلق مؤمنین اور کفار کی جزاء وسزا کا بیان ہے اس ذیلی تذکرہ کے بعد پھر آیت ان اللہ یامرکم سے سلسلۂ احکام شروع کردیا گیا ہے یعنی باہمی معاملات کے ذیل میں حکام کو محکومین کے ساتھ عدل وانصاف کا پابند بنایا جارہا ہے اور محکومین کو حکام کی اطاعت کا حدود کے اندر رہتے ہوئے پابند بنایا جارہا ہے پھر دونوں کو اللہ ورسولؐ کے حکم کو سمجھنے کی تعلیم دی جارہی ہے۔

شانِ نزول:............ آیت الم تر الخ کے شان نزول کی طرف ابھی مفسر علامؒ اشارہ کرچکے ہیں اور آیت ام لھم نصیب الخ کا شان نزول ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہود نے آپ ﷺ پر اعتراض کیا کہ آپ ﷺ اپنے کو متواضع کہتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ کی نو بیویاں ہیں جو اچھی خاصی سلطنت ہے اور منافی تواضع ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اول تو زیادہ بیویوں کا ہونا جب کہ باذن الٰہی ہو سلطنت کو مستلزم نہیں اور اگر ہو بھی تو یہ سلطنت تواضع کے منافی اور تکبر کو مستلزم نہیں ہے۔ جیسے حضرت داؤد وسلیمان علیہم السلام کا خود تمہارے نزدیک صاحب سلطنت ونبوت ہونے کے ساتھ بیویوں کی ایک اچھی خاصی تعداد رکھنا مسلم ہے اور چونکہ اصل منشاء اعتراض حسد ہے اس لئے قرآن کریم نے اس پر تیر چلانا ضروری سمجھا ہے آیت ان اللہ یامرکم الخ کا شان نزول تو مفسرؒ نے عثمان بن ابی طلحہؓ کے قصہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اور آیت یاایھا الذین اٰمنوا الخ کا شان نزول بخاری وغیرہ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ ابن حذافہؓ بن قیس کے

بارہ میں نازل ہوئی۔ جبکہ آپ ﷺ نے ان کو ایک سریہ میں روانہ فرمایا تھا جس میں امیر لشکر نے لشکر کو جلتی ہوئی آگ میں کود جانے کو حکم دیا تھا۔ سن کر آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ پس منشاء آیت کا یہ ہوا کہ قرآن ان جیسے احکام میں حکام کی اطاعت کا حکم نہیں دیتا۔

اور ابن جریرؒ کی تخریج سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے باب میں نازل ہوئی تھی جبکہ آنحضرت ﷺ نے خالدؓ کو ایک لشکر کا امیر بنایا اور عمار بن یاسرؓ نے بلا اجازت امیر ایک حربی کو امان دے دی۔ یہ قضیہ جب آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تو خالد بن الولیدؓ کی تیز کلامی پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

یا خالد کف عن عمارؓ فان من سبّ عماراً ابغضہ اللہ و من لعن لعنہ اللہ

''اے خالدؓ! اپنی زبان روکو یاد رکھو جو عمار کو برا بھلا کہے گا وہ خدا کا دشمن ہے اور جو عمار پر لعنت کرے گا وہ خود ملعون ہوگا''

پھر تو یہ کیفیت ہوئی کہ حضرت عمارؓ آگے آگے ہیں اور حضرت خالدؓ ان کو منانے کے لئے منت خوشامد کر رہے ہیں۔

﴿ تشریح ﴾:............ یہود اہل کتاب کو بت پرست اور متبع شیطان اس لئے کہا گیا ہے کہ انہوں نے مشرکین مکہ کے ہدایت یافتہ ہونے پر مہر تصدیق ثبت کی تھی۔ پس یہ تصدیق ان اوصاف کو مستلزم ہوئی۔

دو شبہوں کا ازالہ:............ اگرچہ بظاہر مشرکین کے دین کو علی الاطلاق حق کہنا مقصود نہیں ہوگا ورنہ سائل کو عین جواب کے وقت ہی اس جواب کی صحت پر شبہ ہونا چاہئے تھا کہ جب تم خود ہمارے دین و مذہب کو حق بتلا رہے ہو پھر اس سے دور رہنے کی بجائے خود اس کو کیوں نہیں قبول کر لیتے بلکہ مقصد یہ ہوگا کہ مطلقاً حق تو دونوں میں سے کوئی طریق بھی نہیں ہے تاہم اضافی طور پر دونوں میں سے تمہارا طریق زیادہ قرینِ ہدایت معلوم ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اس تقدیر پر بھی دو وجہ سے کفر لازم آتا ہے ایک تو طریق حق یعنی اسلام کو فی الجملہ باطل سمجھنا، دوسرے طریق باطل یعنی کفر و شرک کو من وجہ حق قرار دینا اور ذوقی طور پر مدار مذمت زیادہ تر دوسری ہی وجہ معلوم ہوتی ہے اس لئے قبائح میں اس کو شمار کیا گیا ہے۔

رہا یہ شبہ کہ طریق مشرکین کو بہتر کہنا تو ان مذکورہ محاسن کی وجہ سے تھا پس گویا یہ تعریف و توصیف دراصل ان خدمات کی ہوئی جیسا کہ فی الواقع وہ خدمات اس کی مستحق بھی ہیں۔ اس لئے اس سے یہود کی غلط بیانی ثابت نہ ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ اس تاویل کو اگر صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی کسی دین و مذہب کے بعض اجزاء کے بہتر ہونے سے مجموعہ کا بہتر اور خیر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ان کے ظاہر جواب کی تقریر سے یہ لازم آرہا ہے اس لئے اس قسم کی تاویل سے یہ کفریہ کلمات دائرۂ کفر سے باہر نہیں ہو جائیں گے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص دو خدا مانتا ہو اور جب اس سے کوئی دریافت کرے تو کہنے لگے کہ میری مراد یہ ہے کہ ایک خدا حق ہے اور دوسرا باطل۔ تو اس تاویل کے باوجود یہ کلمۂ کفر کفر ہی رہے گا۔

یہود کے اعتراض کا قرآنی جواب:............ **فقد اتینا ال ابراھیم** کا حاصل یہ ہے کہ اولاد ابراہیمؑ میں بہت سے انبیاءؑ بنی اسرائیل صاحبِ سلطنت بھی گزرے ہیں۔ جیسے حضرت یوسف، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام اور اخیر کے دونوں بزرگ بیویوں کی ایک اچھی خاصی تعداد بھی رکھتے تھے۔ پھر آنحضرت ﷺ کا آلِ ابراہیمؑ ہونے کے باوجود ان نعمتوں کا جامع ہونا آخر کیوں باعثِ حیرت و انکار بنا ہوا ہے۔ اگر اسکی وجہ محض حسد ہے تو آخر حسد کس بات پر ہے۔ اگر منشاء حسد یہ چیز ہے کہ اے یہود تم صاحب سلطنت ہو اور اس طرح تمہاری سلطنت تم سے نکل کر محمد (ﷺ) کے پاس چلی جائے گی، تو بھلا ہی ہوا کہ خدا نے گنجے کو ناخن نہیں دیئے ورنہ وہ کھجا کھجا کر سر زخمی کر لیتا۔ یعنی اچھا ہی ہوا کہ اللہ نے تمہیں ٹھکانے رکھا۔ ورنہ خدانخواستہ اگر کہیں سلطنت مل جاتی تو ایک پھوٹی

کوڑی بھی کسی کو نہ دیتے۔ ہاں البتہ اگر حسد اس بات پر ہے کہ کچھ بھی ہو محمد کو سلطنت کیوں ملے؟ ان کو حکومت وسلطنت سے کیا واسطہ اور علاقہ؟ سو خوب کان کھول کر سن لو کہ آپ ﷺ شاہی خاندان سے ہیں اس لئے سلطنت کبھی اجنبی جگہ نہیں جارہی ہے بلکہ قدیم موروثی جگہ ہے۔ گھر کی سلطنت گھر ہی میں رہ رہی ہے پس اس میں تمہیں جلنے مرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دنیا اور جنت کے سایہ میں فرق اور دو شبہوں کا جواب:.......... ظلاً ظلیلاً کا مطلب یہ ہے کہ جنت کا سایہ دنیا کے سایہ کی طرح نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہاں کے سایہ میں تو دھوپ چھنتی رہتی ہے لیکن جنت میں گنجان اور گھنا سایہ ہوگا جو اتصال اور تسلسل لئے ہوئے ہوگا۔

رہا یہ شبہ کے سایہ کے لئے آفتاب کا ہونا ضروری ہے اور جنت میں آفتاب کی نفی آیت لایرون فیھا شمسا سے معلوم ہوتی ہے پھر یہ سایہ کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ سایہ کے لئے آفتاب کی ضرورت مسلم نہیں بلکہ اس کے لئے کسی بھی نورانی جسم کا ہونا کافی ہے اور جنت میں کسی نورانی جسم کا ہونا کوئی امر عجیب نہیں ہے۔

دوسرا شبہ یہ ہوسکتا ہے کہ جنت میں جب گرمی نہیں تو پھر سایہ سے کیا فائدہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سایہ کے فائدہ کو اسی میں منحصر کر دینا خود بے دلیل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جنت کے تیز نور کو اس سایہ کے ذریعہ لطیف بنانا مقصود ہو جیسا کہ عموماً راحت وآرام، خواب وقیلولہ کے وقت تیز روشنی کو ناگوار اور ہلکی اور مدھم روشنی کو پسند کیا جاتا ہے یا خود اس سایہ کی حقیقت ہی نور ہو جیسے گوہر شب تاب کا سایہ۔ یا بلا ظلمت صرف سایہ ہی ہو جیسے آفتاب نکلنے سے کچھ پہلے کی حالت ہوتی ہے اسی کو دوسری آیت الم تر الی ربک کیف مد الظل میں مشہور تفسیر کے مطابق ظل سے تعبیر کیا گیا ہے اور سایہ کی معرفت دھوپ پر ہونے سے خود سایہ کے وجود کا موقوف ہونا دھوپ پر لازم نہیں آتا۔ فافھم

اللہ ورسول کی اطاعت حاکم اور محکوم دونوں پر واجب ہے:.......... اگرچہ آیت ان اللہ یامرکم کا شان نزول خاص ہے لیکن یہ اس کے منافی نہیں کہ اس آیت کے مخاطب حکام ہیں۔ کیونکہ اولاً تو الفاظ کے عموم میں وہ خاص سبب بھی داخل ہوسکتا ہے دوسری آسان توجیہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ من حیث الحکومت مخاطب ہیں اور لفظ امانات سب حقوق کو شامل ہے۔ جس میں حقوق اللہ بھی آگئے۔ اس لئے اللہ ورسول کی اطاعت کا مفہوم بھی اس میں ادا ہوگیا اور اب یہ شبہ نہیں رہا کہ اللہ ورسول کی اطاعت کا حکم محکومین کو تو دیا گیا ہے لیکن حکام کو نہیں دیا گیا البتہ امانت کا عنوان اختیار کرنے میں یہ لطیف نکتہ ہے کہ حکام کی بالا دستی کی وجہ سے شاید ان سے کوئی اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کرسکے اور اس طرح لوگوں کے حقوق ضائع ہونے کا احتمال اور امکان رہے لیکن اس عنوان میں تاکید فرما کر اس کوتاہی کی بندش فرمادی اور کعبہ کی کنجی کو امانت فرمانے سے معلوم ہوا کہ اہل اور صالح متولی کو معزول نہیں کرنا چاہئے۔ (بیان القرآن)

آیت سے استنباط مسائل:.......... اس آیت سے ودیعۃ وعاریۃ کے متعدد مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہیں (۱) مستعیر کے لئے مستعار چیز کی دوسرے کے پاس امانت رکھنے کا اختیار نہیں ہے۔ (۲) مال امانت یا نفس مستعار چیز کو مالک کے مکان پر پہنچا دینا کافی نہیں ہوگا تاوقتیکہ مالک کے ہاتھ میں وہ چیز نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ اگر مالک کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی یہ دونوں چیزیں ہلاک ہوجائیں تو امین اور مستعیر دونوں پر ضمان آئے گا ہاں معمولی مستعار چیز ہو یا گھوڑا ہو تو بجائے مالک کے اگر صرف اصطبل میں پہنچا دیا تب بھی عرف ظاہر کی وجہ سے ادائیگی سمجھی جائے گی۔

(۳) امانت کی سپردگی میں مالک کا موجود رہنا شرط نہیں ہے چنانچہ مستعار گھوڑے کو مالک کے نوکر یا سائیں کے حوالہ کردیا گیا تو یہ مالک ہی کے پاس پہنچنا شمار کیا جائے گا ایسی صورت میں اگر درمیان سے ضائع ہوجائے تو ضمان نہیں آئے گا۔

(۴) انصاف کا ہر حاکم پر واجب ہونا معلوم ہوتا ہے خواہ وہ امام ہو یا قاضی وغیرہ دوسرے حکام۔ اسی طرح ہر قسم کے انصاف کا واجب ہونا معلوم ہوا۔ چاہے دعویٰ میں ہو یا شہادت، قسم ہو یا شہادت یا قسم کے مقدمات۔ پھر معاملہ اجانب سے ہو یا اقارب سے، والدین کے ساتھ ہو یا اپنے نفس کے ساتھ، سب صورتوں میں عدل وانصاف ضروری ہے۔

آیت سے چاروں دلائل شرعیہ کی حجیت:............آیت یایھا الذین امنوا میں ادلہ اربعہ فقہیہ کی طرف اشارہ ہے چنانچہ اطیعوا اللہ میں کتاب اللہ کی طرف اشارہ ہے اور اطیعوا الرسول میں سنت کی طرف اشارہ ہے اور اولی الامر میں اجماع کی طرف اور فان تنازعتم میں قیاس کی طرف اشارہ ہے اور اجماع میں مطلق اتفاق معتبر نہیں جب تک اتفاق معتبر نہ مانا جائے یعنی قواعد شرعیہ پر منطبق نہ ہو۔ البتہ کسی شرعی امر پر ایک زمانہ کے تمام اہل حق کا اگر اتفاق ہو جائے تو یہ اجماع معتبر ہو جاتا ہے۔ پھر اگر اس اجماع کی سند بھی نہ ملے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ بلکہ اس اجماع کے خلاف اگر کوئی حدیث بھی ہوگی تو اس حدیث کو اس اجماع کی موجودگی میں منسوخ سمجھا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ اہل اجماع کے پاس کوئی ماخذ شرعی ضرور تھا جو کسی وجہ سے ہم تک نہیں پہنچ سکا۔

اجتہاد وتقلید کی بحث:............فان تنازعتم الخ سے معلوم ہوا کہ نزاعی احکام جو محل اختلاف بنے ہوئے ہیں وہ منصوص نہیں ورنہ براہ راست کتاب اللہ یا سنت کی طرف رجوع کیا جاتا۔ بلکہ ایسے دقیق اور خفی ہیں کہ ان کا مدلول کتاب وسنت ہونا محل نزاع بنا ہوا ہے اسی لئے کسی واسطہ کی ضرورت پیش آئے گی اور وہ واسطہ آنحضرت ﷺ یا آپ ﷺ کے نائبین علماء مجتہدین سے استفتاء ہی ہو سکتا ہے۔ پھر بعض احکام اس درجہ دقیق اور خفی ہوتے ہیں کہ ان پر نصوص منطبق کرنے کے لئے فکر واستدلال کی ضرورت ہوتی ہے جس کو قیاس کہا جاتا ہے۔ نیز حاکم ومحکوم میں سے ہر ایک قادر یا عالم بالاستدلال ہونا ضروری نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ بعض استدلال کے طریقے ان کی فہم سے بالا ہوں اور وہ ان میں دوسرے اہل علم کے فکر واجتہاد کے محتاج ہوں اسی کو تقلید کہتے ہیں ہاں حاکم اگر خود صاحب اجتہاد وبصیرت ہو تو اس کا اجتہاد اس واسطہ کے قائم مقام ہو جائے گا غرضکہ اس آیت سے تقلید کی نفی کی بجائے اس کا مزید اثبات ہو رہا ہے۔

لفظ اولوا الامر اور ردوہ الی اللہ والرسول سے علماء کی تقلید اور اتباع کی ضرورت معلوم ہوتی ہے بلکہ حکام کی اطاعت سے بھی زیادہ کیونکہ حکام کو خود علماء کا تابع قرار دیا گیا ہے اور چونکہ آیت کا یہ حکم ہر زمانہ کے لئے عام ہے اس لئے مفسر علامؒ نے سنت کو بھی اطاعت رسول میں داخل کر دیا۔ ورنہ وفات نبوی ﷺ کے بعد طاعت رسولﷺ کی کوئی صورت ہی نہ ہو سکتی۔ البتہ اللہ ورسولﷺ کی طرف رجوع کا یہ مطلب نہیں ہے کہ استدلال ہر زمانہ میں ہمیشہ تازہ ہوا کرے بلکہ جو استدلال مدون ہو چکے ہیں ان پر عمل کرنا بھی اسی میں داخل ہے، اس لئے اہل اجتہاد کا ہر وقت موجود ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ (بیان القرآن)

غرضیکہ اس آیت میں خاص طور سے اسلام کی اس اصل عظیم پر زور دینا ہے کہ علی الاطلاق حاکمیت صرف اللہ کے لئے ہے اس لئے اطاعت مطلقہ بھی صرف اللہ ورسولﷺ کی ہونی چاہئے۔ حکام کی اطاعت کا حکم صرف اس وقت تک ہے جب تک وہ حق کے پابند رہیں ورنہ لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق کی رو سے ان کی اطاعت کا قلادہ ڈالنے کی اجازت نہیں ہے۔ چنانچہ مسلمہ بن عبدالملک بن مروانؒ نے جب ابوحازمؒ سے کہا کہ الستم امرتم بطاعتنا بقوله تعالیٰ واولوا الامر منکم تو فوراً ابوحازمؒ نے جواب دیا کہ اگر تم خلاف حق چلو گے تو پھر تمہاری اطاعت کا یہ حق سلب بھی کر لیا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ.

ایک دقیق شبہ اور اس کا جواب:.......... تاہم اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ بات اہل سنت کے اس عقیدہ کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ سلطان جائر اور بادشاہ ظالم وجابر کی تقلید وطاعت نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کی اطاعت سے باہر نکلنا بھی جائز نہیں ہے حتیٰ کہ حنفیہ کے نزدیک امام جابر اور فاسق معزول بھی نہیں ہوسکتا۔ جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت ہے جب کہ حق کی قضا ممکن ہو۔ لیکن اگر قضائے حق ممکن نہ ہو تو پھر بھی صحیح نہیں ہوگا چنانچہ حق باوجود یکہ حضرت علیؓ کی جانب تھا لیکن صحابہ کرامؓ نے حضرت معاویہؓ کی تقلید کی، اسی طرح تابعینؒ نے ظالم وجابر ہونے کے باوجود حجاج کی تقلید کی۔ امام شافعیؒ کی ایک روایت اگرچہ یہ ہے کہ فسق کی وجہ سے امام معزول کیا جاسکتا ہے لیکن عام کتب شافعیہ میں حنفیہ کے موافق ہی لکھا ہے کہ شورش وفتنہ کے پیش نظر معزول نہیں کرنا چاہئے۔

البتہ سلطان وامام کے برابر قاضی چونکہ پر ہیبت وشوکت نہیں ہوتا اس لئے فسق کی صورت میں اس کے معزول کرنے میں اندیشہ فتنہ نہیں تو اس کی اجازت ہے۔ صاحب کشاف نے معتزلی ہونے کی وجہ سے امام جابر کی عدم طاعت میں زیادہ مبالغہ سے کام لیا ہے۔

منکرین قیاس پر رد:.......... بعض منکرین قیاس نے قیام کی عدم حجت پر اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اس میں صرف کتاب اللہ اور سنت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اگر قیاس معتبر ہوتا تو فردوہ الی اللہ والرسول کے ساتھ والقیاس کہنا چاہئے تھا۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو خود لفظ رد میں قیاس کی حجیت اور اثبات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ مختلف فیہ چیز کو کتاب اللہ اور سنت کی طرف رد کرنا یہی تو قیاس ہے۔ جس کی تقریر اوپر گزر چکی ہے تو گویا احکام تین طرح کے ہوں گے ایک ظاہر کتاب اللہ سے ثابت، دوسرے ظاہر سنت سے ثابت اور تیسرے ان دونوں کی طرف بذریعہ قیاس رجوع کرنے سے یہ دوسری بات ہے کہ پہلی دونوں قسمیں مثبت احکام ہوتی ہیں اور قیاس مثبت احکام نہیں بلکہ صرف مجتہدین کی ان ہی انفرادی آراء کا مجموعہ خاص شرائط کے ساتھ اجماع کہلائے گا۔

لطائف آیت:.......... فقد اتینا ال ابراھیم الخ اس سے معلوم ہوا کہ کمال باطنی اور سلطنت ظاہری دونوں میں کوئی منافات نہیں دونوں یکجا ہوسکتی ہیں۔ آیت ان اللہ یامرکم الخ میں امانت کے مفہوم میں اگر تعمیم ہو جائے تو مشائخ کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ امانت باطنی اور خلافت ارشادی لائق شخص کے حوالہ کر دیا کریں اور ان کو اجازت دے دیا کریں۔

وَنَزَلَ لَمَّا اخْتَصَمَ يَهُوْدِيٌّ وَمُنَافِقٌ فَدَعَا الْمُنَافِقُ اِلٰى كَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمَا وَدَعَا الْيَهُوْدِيُّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَيَاهُ فَقَضٰى لِلْيَهُوْدِيِّ فَلَمْ يَرْضَ الْمُنَافِقُ وَاَتَيَا عُمَرَ فَذَكَرَ لَهُ الْيَهُوْدِيُّ ذٰلِكَ فَقَالَ لِلْمُنَافِقِ اَكَذٰلِكَ قَالَ نَعَمْ فَقَتَلَهُ **اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ** الْكَثِيْرِ الطُّغْيَانِ وَهُوَ كَعْبُ بْنُ الْاَشْرَفِ **وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ** وَلَا يُوَالُوْهُ **وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾** عَنِ الْحَقِّ **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ** فِى الْقُرْاٰنِ مِنَ الْحُكْمِ **وَاِلَى الرَّسُوْلِ** لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ **رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ** يُعْرِضُوْنَ **عَنْكَ** اِلٰى غَيْرِكَ **صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَيْفَ** يَصْنَعُوْنَ **اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ** عُقُوْبَةٌ **بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ** مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِىْ اَىْ اَيَقْدِرُوْنَ عَلَى الْاِعْرَاضِ وَالْفِرَارِ مِنْهَا لَا **ثُمَّ جَآءُوْكَ**

مَعْطُوفٌ عَلٰى يَصُدُّوْنَ **يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ** مَا **اَرَدْنَآ** بِالْمُحَاكَمَةِ اِلٰى غَيْرِكَ **اِلَّآ اِحْسَانًا** صُلْحًا **وَّتَوْفِيْقًا**﴿۶۲﴾
تَالِيْفًا بَيْنَ الْخَصْمَيْنِ بِالتَّقْرِيْبِ فِى الْحُكْمِ دُوْنَ الْحَمْلِ عَلٰى مُرِّ الْحَقِّ **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَافِىْ
قُلُوْبِهِمْ ۖ** مِنَ النِّفَاقِ وَكِذْبِهِمْ فِىْ عُذْرِهِمْ **فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ** بِالصَّفْحِ **وَعِظْهُمْ** خَوِّفْهُمُ اللّٰهَ **وَقُلْ لَّهُمْ فِىْٓ**
شَانِ **اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا**﴿۶۳﴾ مُؤَثِّرًا فِيْهِمْ اَىْ اِزْجُرْهُمْ لِيَرْجِعُوْا عَنْ كُفْرِهِمْ **وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا
لِيُطَاعَ** فِيْمَا يَاْمُرُ بِهٖ وَيَحْكُمُ **بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ** بِاَمْرِهٖ لَا يُعْصٰى وَيُخَالَفُ **وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ**
بِتَحَاكُمِهِمْ اِلَى الطَّاغُوْتِ **جَآءُوْكَ** تَائِبِيْنَ **فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ** فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ
الْخِطَابِ تَفْخِيْمًا لِشَانِهٖ **لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا** عَلَيْهِمْ **رَّحِيْمًا**﴿۶۴﴾ بِهِمْ **فَلَا وَرَبِّكَ** لَا زَائِدَةٌ **لَا يُؤْمِنُوْنَ
حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ** اِخْتَلَطَ **بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا** ضَيِّقًا اَوْ شَكًّا **مِّمَّا
قَضَيْتَ** بِهٖ **وَيُسَلِّمُوْا** يَنْقَادُوْا لِحُكْمِكَ **تَسْلِيْمًا**﴿۶۵﴾ مِنْ غَيْرِ مُعَارَضَةٍ **وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ** مُفَسِّرَةٌ
اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ كَمَا كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ **مَّا فَعَلُوْهُ** اَىِ الْمَكْتُوْبَ عَلَيْهِمْ
اِلَّا قَلِيْلٌ بِالرَّفْعِ عَلَى الْبَدَلِ وَالنَّصْبِ عَلَى الْاِسْتِثْنَاءِ **مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ** مِنْ طَاعَةِ
الرَّسُوْلِ **لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا**﴿۶۶﴾ تَحْقِيْقًا لِاِيْمَانِهِمْ **وَّاِذًا** اَىْ لَوْ ثَبَتُوْا **لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ** مِنْ
عِنْدِنَا **اَجْرًا عَظِيْمًا**﴿۶۷﴾ هُوَ الْجَنَّةُ **وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا**﴿۶۸﴾ قَالَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ لِلنَّبِىِّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ نَرَاكَ فِى الْجَنَّةِ وَاَنْتَ فِى الدَّرَجَاتِ الْعُلٰى وَنَحْنُ اَسْفَلُ مِنْكَ فَنَزَلَ **وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ
وَالرَّسُوْلَ** فِيْمَا اَمَرَا بِهٖ **فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ** اَفَاضِلَ اَصْحَابِ
الْاَنْبِيَاءِ لِمُبَالَغَتِهِمْ فِى الصِّدْقِ وَالتَّصْدِيْقِ **وَالشُّهَدَآءِ** الْقَتْلٰى فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ **وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ** غَيْرَ مَنْ ذُكِرَ
وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴿۶۹﴾ رُفَقَاءَ فِى الْجَنَّةِ بِاَنْ يَّسْتَمْتِعَ فِيْهَا بِرُؤْيَتِهِمْ وَزِيَارَتِهِمْ وَالْحُضُوْرِ مَعَهُمْ وَاِنْ
كَانَ مَقَرُّهُمْ فِىْ دَرَجَاتٍ عَالِيَةٍ بِالنِّسْبَةِ اِلٰى غَيْرِهِمْ **ذٰلِكَ** اَىْ كَوْنُهُمْ مَعَ مَنْ ذُكِرَ مُبْتَدَاٌ خَبَرُهٗ **الْفَضْلُ
مِنَ اللّٰهِ ۭ** تَفَضَّلَ بِهٖ عَلَيْهِمْ لَا اَنَّهُمْ نَالُوْهُ بِطَاعَتِهِمْ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا**﴿۷۰﴾ بِثَوَابِ الْاٰخِرَةِ فَثِقُوْا بِمَا اَخْبَرَكُمْ
بِهٖ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ۔

ترجمہ:............ (ایک دفعہ ایک یہودی اور ایک منافق میں کسی بات پر باہمی جھگڑا ہوا تو منافق فیصلہ کے لئے کعب بن اشرف کے پاس جانا چاہتا تھا اور یہودی آنحضرت ﷺ کے پاس۔ لیکن پھر دونوں آنحضرت ﷺ ہی کے پاس پہنچ گئے۔ آپؐ نے روئداد مقدمہ سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ فرمادیا۔ جس پر منافق رضامند نہ ہوا اور دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے، یہودی نے فاروق اعظمؓ

کو یہ سارا قصہ سنا دیا۔ آپؐ نے منافق شخص سے اس کی تصدیق چاہی تو اس نے تصدیق کردی آخر کار حضرت عمرؓ نے منافق کو قتل کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی) اے پیغمبرؐ! کیا آپؐ نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جن کا دعویٰ یہ ہے کہ جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ تم سے پہلے نازل ہو چکا ہے وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن چاہتے ہیں اپنے جھگڑے قضیے ایک شریر (سرکش کعب بن اشرف) کے پاس لے جائیں، حالانکہ انہیں حکم دیا جا چکا ہے کہ اس سے انکار کریں (اور اس سے تعلقات نہ رکھیں) اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں اس طرح گمراہ کر دے کہ (سیدھی راہ سے) بہت دور جا پڑیں۔

اور ان لوگوں کو اللہ کے حکم کی طرف جو اس نے (قرآن میں) نازل کیا ہے اور رسولؐ کی طرف بلایا جاتا ہے (تاکہ ان کا فیصلہ کر دیا جائے) تو آپؐ منافقین کو دیکھیں گے کہ آپؐ سے روگردانی (اعراض) کر کے (آپؐ کے مخالف کے پاس) چلے جاتے ہیں پھر یہ اس وقت کیا (کریں گے) جب ان پر مصیبت (آفت) آ پڑے گی۔ ان کے اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے (کفر و معاصی کے سبب یعنی کیا اس وقت عذاب الٰہی سے بھاگ جانا اور بچ جانا ان کے بس کی بات ہوگی؟ ہرگز نہیں) پھر تمہارے پاس آ کر (یہ معطوف ہے یصدون پر) اللہ کے نام کی قسمیں کھائیں اور کہیں ہم نے جو کچھ کیا تھا (آپؐ کے علاوہ دوسرے کے پاس مقدمہ لے گئے) اس سے مقصود صرف بھلائی (صلح) تھی اور یہ کہ آپس میں میل ملاپ رہے (فریقین کو ایک دوسرے کے قریب کر کے فیصلہ کی طرف سر جھکانا تھا نہ یہ کہ حق بات کو ناگوار سمجھنا تھا) یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ہی جانتے ہیں ان کے دلوں میں جو کچھ چھپا ہوا ہے (نفاق اور جھوٹے بہانے) اس لئے مناسب یہ ہے کہ آپ ان کے پیچھے نہ پڑیئے (درگزر کیجئے) اور انہیں وعظ و نصیحت کرتے رہئے (اللہ سے ڈراتے رہئے) اور تم ان سے (ان کے بارے میں) ایسی باتیں کہو جو ان کے دلوں میں اتر جائیں (ان میں اثر پیدا کریں یعنی ان کو ڈانٹ کر بات کیجئے تاکہ کفر سے باز آ جائیں) اور ہم نے جس کسی کو بھی منصب رسالت دے کر کھڑا کیا تو اسی لئے کہ اطاعت کی جائے (جن باتوں کا وہ حکم دے) اللہ تعالیٰ کے حکم سے (ایسے فرمان سے جس کی خلاف ورزی اور نافرمانی نہیں کرنی چاہئے) اور جب ان لوگوں نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر لیا تھا (شیطان کو حَکَم تسلیم کر کے) تو اگر اسی وقت تمہارے پاس (تائب ہو کر) حاضر ہو جاتے اور خدا سے معافی مانگتے نیز اللہ کا رسولؐ بھی ان کے لئے بخشش کی دعا کرتا (اس میں خطاب سے التفات کیا گیا ہے۔ آپ کی تعظیم شان کی خاطر) تو یہ لوگ دیکھ لیتے کہ اللہ تعالیٰ (ان پر) بڑے ہی مہربان اور (ان کے ساتھ) رحمت کا معاملہ فرمانے والے ہیں۔ پھر تمہارے پروردگار کی قسم (اس میں لا زائد ہے) یہ لوگ کبھی ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے تمام جھگڑوں قصوں میں تمہیں اپنا حَکَم نہ مان لیں اور پھر ان کے دلوں میں بھی کوئی گھٹن (تنگی یا کھٹک) پائی نہ جائے۔ جو کچھ آپؐ فیصلہ کر دیں اور پوری طرح تسلیم کر لیں (آپؐ کے فیصلہ کے آگے گردن جھکا دیں) مان لینے کی حد تک (بغیر کسی قسم کے معارضہ کیئے) اور اگر ہم انہیں حکم دے ڈالتے کہ (ان مفسرہ ہے) اپنے آپ کو قتل کر دیا اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہو (جس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا) تو کوئی بھی اس (مقررہ حکم) کی تعمیل نہ کرتا بجز چند آدمیوں کے (لفظ قلیل رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ بدل کی بنا پر اور منصوب بھی ہے استثناء کی وجہ سے) حالانکہ اگر یہ لوگ اس پر عمل کر لیتے جس بات کی انہیں نصیحت کی جا رہی ہے (یعنی اطاعت رسولؐ) تو ان کے لئے بہتری بھی تھی اور پوری طرح جمے بھی رہتے (ایمان کے لئے پختگی ہوتی) اور اس صورت میں (جب کہ یہ ثابت قدم رہتے) ضروری تھا کہ ہم انہیں اپنی جانب (پاس) سے بہت بڑا اجر (جنت) عطا کرتے اور سیدھی راہ پر لگا دیتے (بعض صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ جنت میں ہم آپ کی زیارت کس طرح کر سکیں گے جبکہ آپؐ مقامات عالیہ میں ہوں گے اور ہم آپ سے کمتر درجہ، اس پر یہ آیت نازل ہوئی) جس کسی نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی (جن باتوں کا یہ دونوں حکم دیں) تو بلاشبہ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے اور وہ نبیؐ

ہیں اور صدیق ہیں (انبیاء علیہم السلام کے افاضل صحابہؓ مراد ہیں انتہائی صدق وتصدیق کی وجہ سے ان کو صدیق کہا گیا ہے) اور شہداء (اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے) اور (ان حضرات کے علاوہ) راست باز اور نیک انسان ہیں۔ یہ ساتھی کیا ہی اچھے ساتھی ہیں (رفیق جنت ہیں کہ ان کے دیدار، زیارت اور شرف حضوری سے ہمکنار ہوں گے گو یہ حضرات اوروں کی نسبت مقامات عالیہ پر فائز ہوں گے) یہ (یعنی مذکورہ حضرات کی معیت، نصیب ہونا ترکیب میں یہ مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) اللہ کی طرف سے بخشش وکرم ہے (جو اللہ نے محض اپنے فضل سے ان کو مرحمت فرمایا ہے یہ نہیں کہ انہوں نے اپنی طاعت وعبادت سے اس کو حاصل کیا ہو) اور اللہ کا علم کفایت کرتا ہے (ثواب آخرت کا اندازہ کرنے کے لئے۔ لہٰذا اس کی خبر پر بھروسہ رکھو کہ اس جیسا باخبر کوئی نہیں ملے گا)

تحقیق وترکیب:.......... یریدون یعنی طاغوت کے پاس فیصلہ لے جانے کا ارادہ بھی بُرا ہے تو خود تحاکم کس قدر بُرا ہوگا۔

یصدون لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قاموس میں ہے اگر رایت سے مراد رویت بصریہ لی جائے تو یہ موضع حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اور رویتِ علمیہ کی تقدیر پر رایت کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اور خود یصدون کا مفعول محذوف ہوگا۔ ای غیرھم اور لفظ منافقین کا اظہار بجائے اضمار کے نفاق اور منافقین کی تسجیل کی غرض سے اور علت حکم بیان کرنے کے لئے ہے۔ مفسر علامؒ نے ظاہر کردیا کہ لفظ صد کے معنی اعراض کے ہیں صدہ عن کذا بمعنی منعہ وصرفہ سے نہیں ہے عنک مقتضی ظاہر عنھما ہے لیکن ضمیر واحد لاکر اشارہ فرمادیا کہ اعراض عن الرسولؐ اور اعراض عن اللہ دونوں ایک ہی ہیں۔

صدودا یہ مصدر تاکید کے لئے ہے کیف زجاج کے قول کے موافق یہ محل نصب میں ہے۔ تقدیر عبارت فکیف تراھم ہے اور دوسری صورت مبتدائے محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع المحل ہے۔ ای فکیف صنعھم فی وقت اصابۃ المصیبۃ ایاھم اور مابعد میں لفظ اذا اسی مقدر کا معمول ہے۔ اور بما میں باسببیہ ہے اور مامصدریہ یا اسمیہ ہے۔ عائد محذوف ہے۔

عقوبۃ یا عذاب الٰہی مراد ہے یا حضرت عمرؓ کا اس منافق کو قتل کردینا۔ اس کے بعد مفسر علامؒ نے لفظ لا مقدر مان کر اشارہ کردیا کیف استفہام انکاری ہے۔

ثم جاؤک حسنؒ اور واحدیؒ کے نزدیک بھی یہی مختار ہے کہ اس کا عطف یصدون پر ہوا اور درمیان میں جملہ معترضہ ہوا اس صورت میں حاصل معنی یہ ہوں گے۔ انھم فی الاول الامر یصدون عنک اشد الصدود ثم بعد ذلک یجیؤنک ویحلفون لک کذبًا انھم ما ارادوا بذلک الا الاحسان والتوفیق اور بعض کے نزدیک اس کا عطف اصابتھم پر ہے۔ اس وقت معنی یہ ہوں گے انھم اذا کانت صدودھم ونفرتھم من الحضور عند الرسول فی وقت السلامۃ ھکذا فکیف یکون نفرتھم اذا اتوا بخیانۃ خافوا بسببھا منک ثم جاؤک کرھا یحلفون کذبا ما اردنا بتلک الخیانۃ الا الخیر والمصلحۃ. فاعرض یہ شرط محذوف کا جواب ہے۔ ای اذا کان حالھم کذلک فاعرض عن قبول عذرھم۔

بامرہ مفسر علامؒ نے اذن کا ترجمہ امر کے ساتھ کرکے اشارہ کردیا کہ یہاں ارادۂ الٰہی مراد نہیں ہے بلکہ حکم الٰہی مراد ہے ورنہ معصیت کی صورت میں ارادۂ خداوندی کا مراد سے تخلف لازم آجائے گا۔

واستغفرلھم مراد آنحضرت ﷺ کی شفاعت ہے اور اذ کا عامل ان کی خبر یعنی جاؤک ہے اور معنی یہ ہیں۔ ولو وقع مجیئھم فی وقت ظلمھم مع استغفارھم واستغفار الرسول. نیز مقتضی ظاہر استغفرت ہے اس سے عدول کرکے استغفار کہنے میں آنحضرت ﷺ کی فخامت شان ہے۔ مفسرینؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات اور تدفین کے بعد قبر مبارک پر ایک اعرابی حاضر ہو اور سر پر دوہتڑ مار کر عرض کرنے لگا:

ماقلت فسمعناه و كان فيما انزل عليك ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الخ وقد ظلمت نفسي و جئتك استغفر الله ذنبي مستغفرلي من ربي۔

''یارسول اللہ! آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا ہم نے سن لیا اسی میں یہ آیت ولو انھم الخ بھی ہے میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اب میں آپ کی خدمت میں استغفار کی نیت سے حاضر ہوا ہوں۔ آپ بھی میرے لئے استغفار فرمائیے''۔

قبر مبارک سے آواز آئی قد غفرلک له یعنی آپ کی برکت سے تمہاری مغفرت ہوگئی ہے۔ فلا وربک لفظ لا میں چار قول ہیں۔ پہلا قول ابن جریرؒ کا ہے کہ اول لا ما قبل کی تردید کے لئے ہے اس صورت میں لا پر وقف تام ہو جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پہلا لا اہتمام نفی کی غرض سے قسم پر لایا گیا ہے اور پھر تاکیداً دوبارہ لایؤمنون پر لایا گیا ہے چنانچہ ان دونوں میں سے اول حذف ہوسکتا ہے لیکن یہ دلالت اہتمام فوت ہو جائے گی اور دوسرا بھی حذف ہوسکتا ہے لیکن دلالت علی النفی فوت ہو جائے گی۔ اس لئے دونوں کو جمع کرنا ہی مناسب ہوا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دوسرے لا کو زائد کہا جائے اس صورت میں نفی اور منفی کے درمیان قسم بطور معترضہ ہو جائے گی۔ ای فلایؤمنون وربک چوتھی صورت یہ ہے کہ اول لا کو زائد اور دوسرے کو غیر زائد مانا جائے گویا تاکید قسم کے لئے یہ زائد ہوگا۔ جیسے لیئلا یعلم میں تاکید وجوب علم کے لئے ہے اور لایؤمنون جواب قسم ہے یہ رائے زمخشری کی ہے۔ وربک میں آنحضرت ﷺ کی تفخیم شان ہے۔

حتی یحکموک یہ تینوں شرطیں کمال ایمان کی ہیں۔ شجر قاموس میں ہے شجر بینھم الامر شجوراً بمعنی تنازعوا فیه اور ما سے مراد امر ہے اور شجر کی ضمیر اس کی طرف راجع ہے۔ مما قضیت لفظ ما یا موصولہ ہے جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے تقدیر عائد کرکے اور مصدریہ بھی ہوسکتا ہے قلیل یہ مرفوع ہے بنا بر بدل ہونے کے فعلوہ کی ضمیر سے۔ فعلوہ ای المکتوب المدلول علیه بقوله انا کتبنا۔ لو ثبتوا یہ اذا کی تفسیر نہیں ہے بلکہ اذا کے بعد تقدیر لو کی طرف اشارہ ہے اور لاتیناھم اس کا جواب ہے اور اس میں لام لو مقدرہ کا جواب ہے۔ فاولئک جمع باعتبار معنی کے ہے۔

مع الذین معیت سے مراد اتحاد فی الدرجہ نہیں ہے ورنہ فاضل ومفضول میں مساوات لازم آجائے گی اور نہ مطلق اشتراک فی دخول الجنۃ مراد ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے ملاقات ہوسکے گی۔ من النبیین چونکہ مراد آنحضرت ﷺ کی معیت ہے اس لئے صرف مع النبی او الرسول کہنا کافی تھا۔ لیکن اس طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی معیت جملہ انبیاءؑ کی معیت ہے۔

الصدیقین صدیق کے متعلق مفسرینؒ کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک افاضل صحابہؓ مراد ہیں۔ بعض کے نزدیک صدیق وہ شخص ہے جو پورے دین کی تصدیق سچے دل کے ساتھ کرے کہ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ چنانچہ ارشاد ہے والذین امنوا باللہ ورسوله اولئک ھم الصدیقون. تیسری رائے یہ ہے کہ جو شخص پیغمبر کی تصدیق کرنے میں سب سے اول اور پیش پیش ہو۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ اس وصف میں صدیق اکبر کہلائے۔ رفیقا یہ حال یا تمیز ہے واحد اور جمع اس میں برابر ہیں۔

ربط:......پچھلی آیت میں سارے معاملات کو اللہ ورسولؐ کے سپرد کرنے کا ذکر تھا۔ آیت الم تر الی الذین الخ میں شریعت کے علاوہ دوسری طرف رجوع کرنے کی مذمت ہے جو منافقین کا طریقہ ہے۔ چنانچہ آیت میں ایک خاص واقعہ کا تذکرہ ہے جس میں نفاق پسند لوگوں کی قلعی کھلی اور آیت وما ارسلنا الخ میں یہ بتلانا ہے کہ اگر کبھی غلطی ہو بھی جائے تو کھلے دل سے اعتراف اور ندامت اظہار ہونا چاہئے نہ یہ کہ لیپ پوت سے کام لیا جائے۔

شانِ نزول:............ آیت الم تر الخ کے شان نزول کی طرف جلال مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ آیت غزوۂ مریسیع میں نازل ہوئی سورۂ منافقون کے نزول کے وقت۔ پس اس صورت میں ان اردنا الا احسانا کے معنی یہ ہوں گے کہ اس غزوہ میں جو ذلت ورسوائی کی مصیبت ہوئی ہے ہم فریقین میں خیر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آیت فلا وربک کے متعلق لباب میں ابن ابی حاتمؒ اور ابن مردویہؒ عن الاسودؒ سے روایت ہے کہ یہ واقعہ بشر نامی منافق کا ہے۔ جس کو حضرت عمرؓ نے قتل فرمادیا تھا۔ لیکن لباب ہی میں ائمہ ستہ سے یہ بھی منقول ہے کہ حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ شراج حرہ کے سلسلہ میں لیکن پہلی روایت ہی اوفق بالمقام ہے۔ آیت ولو انا کتبنا کے سلسلہ میں لباب میں یہ ہے کہ یہ آیت جب نازل ہوئی تو ثابت بن قیسؓ بن شماس اور ایک یہودی کے درمیان فخریہ گفتگو ہوئی یہودی نے کہا کہ اللہ نے ہمیں اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا ہم اس امتحان میں کامیاب ہوئے اس پر ثابت بولے اگر ہمارے لئے بھی قتل کا حکم ہوجائے تو ہم بھی اس کی تعمیل کریں گے اس پر لو انہم فعلوا کا نزول ہوا اور آیت ومن یطع اللہ کے شان نزول کی طرف خود مفسرؒ اشارہ کررہے ہیں۔

﴿تشریح﴾:............ بشر نامی ایک منافق کا جھگڑا کسی بات پر ایک یہودی سے ہوا چونکہ منافق ناحق پر تھا اس لئے فیصلہ کے لئے کعب بن اشرف کے پاس مقدمہ لے جانا چاہا۔ لیکن یہود کو انصاف ملنے کی امید تھی اس لئے اس نے آنحضرت کی خدمت میں واقعہ پیش کرنا چاہا۔ چنانچہ یہودی کی سعی کامیاب رہی اور مقدمہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا جس کا نتیجہ یہودی کے حق میں رہا۔ منافق نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ حضرت عمرؓ کفار کے حق میں نہایت سخت اور مسلمانوں کے حق میں بہت رحم دل ہیں میرا مقدمہ وہاں سرسبز ہوجائے گا اور میرا کام بن جائے گا۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ کے یہاں جا کر اپیل کردی۔ یہودی اس لئے مطمئن تھا کہ حضرت عمرؓ اگرچہ متشدد ہیں لیکن ساتھ ہی حق پرست بھی ہیں۔ اسی لئے یہودی آمادہ ہوگیا اور روئداد مقدمہ کے ساتھ یہ بھی عرض کردیا کہ اول یہ مقدمہ سرکار نبوی ﷺ میں پیش تھا اور میرے حق میں فیصلہ ہو چکا لیکن بشر مطمئن نہیں ہوا۔ اس لئے یہ آپ کے اجلاس میں اپیل کررہا ہے حضرت عمرؓ نے منافق سے تصدیق چاہی تو اس نے تصدیق کردی۔ فرمایا کہ ٹھہرو! میں ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر فاروق اعظمؓ اندر تشریف لے گئے اور تلوار لے کر آئے اور منافق کا کام تمام کردیا اور فرمایا کہ جو اللہ کے رسولؐ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کا فیصلہ یہی ہے۔

فاروق اعظم کے فیصلہ پر احتجاج اور ان پر دعویٰ خون بہا:............ اس پر منافق کے ورثاء میں بڑی شورش ہوئی اور انہوں نے منافق کے قول وفعل کی تاویلات پیش کرکے فاروق اعظمؓ پر قصاص اور خون بہا کا دعوی کرنا چاہا۔ لیکن حق تعالیٰ نے ان آیات میں ان کی قلعی کھول کر رکھ دی جس سے ان کا مطالبہ خون بہا رد کردیا گیا۔ فاعرض عنهم سے تسامح اور چشم پوشی کا حکم اس مصلحت سے دیا گیا ہے کہ منافقین کا کفر چونکہ بالکل عریاں اور عیاں نہیں ہوا تھا ایسی حالت میں اگر ان پر جہاد کے ذریعہ بزن بول دیا جاتا تو دور رہنے والے ان کی مخفی سازشوں اور شرارتوں سے تو ناواقف ہوتے اور ان کا قتل کھل کھلا ہوتا تو نتیجہ یہ نکلتا کہ رائے عامۃ اسلام کے برخلاف اور شدید ہوجاتی اور لوگ یہ سمجھنے پر مجبور ہوجاتے کہ اسلام میں خانہ جنگی، انتشار اور بدنظمی ہے اور اس میں پناہ ڈھونڈنے والے اسی طرح کی بدامنیوں کا شکار رہتے ہیں جس سے اسلام کو سخت دھچکہ لگتا اور اس کی تمام تر ترقی رک جاتی۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ سے اس مصلحت پر روشنی پڑتی ہے۔

دعه فان الناس يتحدثون ان محمدا يقتل اصحابه

جانے دو! لوگ یہ کہیں گے کہ محمدؐ نے اپنے دوستوں کو قتل کرنا شروع کردیا۔

بایں ہمہ وہ منافق چونکہ محترم النفس نہیں تھا بلکہ مباح الدم تھا۔ اس لئے اس کا خون ہدر ہوگیا اور حضرت عمرؓ قصاص یا خون بہا سے بری سمجھے گئے۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:............رہا یہ شبہ کہ اس میں بھی تو سلام کی بدنامی ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس میں ایک دوسری بڑی مصلحت پیش نظر تھی کہ ظاہر طور پر منافق چونکہ مسلمان سمجھا جاتا تھا اور دوسری طرف کافر مجاہر تھا۔ تو اس بے لاگ اور غیر جانب دارانہ معاملہ میں جب اس نے دیکھا ہوگا کہ اسلام کے نزدیک انصاف کے مقابلہ میں اپنوں کی بھی رعایت نہیں کی جاتی اور اس حق پرستی کا اظہار اپنے ہم مشرب اور ہم قوم لوگوں کے سامنے کیا ہوگا۔ جس سے اسلامی عدل وانصاف کا سکہ ان کے قلوب پر بیٹھ گیا ہوگا کہ اسلام میں انصاف کا خون کر کے جان بچانے کی پرواہ نہیں کی جاتی غرضکہ اس خاص مصلحت کی وجہ سے اس عام ضابطہ سے اس کو مخصوص کرلیا گیا ہے۔

استغفار کی قید کا فائدہ اور اس کی شرائط:............**فاستغفروا الله** کا یہ مطلب نہیں کہ منافق رہتے ہوئے توبہ کرنا کافی ہوگا بلکہ مقصد یہ ہے کہ نفاق چھوڑ کر ایمان لے آتے کیونکہ ایمان لانا قبول توبہ کی شرائط میں سے ہے اور استغفار کی صحت موقوف ہے ایمان پر۔ گویا استغفار مستلزم ایمان ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **ثم جآء و ک فامنوا واستغفروا** بہرحال استغفار کی ایک شرط تو ایمان ہے۔ دوسری شرط آیت میں سرکار نبویﷺ میں ان کی حاضری اور تیسری شرط ان کے لئے آپﷺ کا استغفار فرمانا بیان کیا گیا ہے۔ جہاں تک حاضری کا تعلق ہے سو آپؐ کے زمانہ میں جو لوگ مکاناً آپﷺ سے قریب تھے عادۃً ان کے لئے اظہار ایمان کا یہی طریق تھا کہ وہ حاضر خدمت ہو کر مسلمان ہوں۔ نیز معصیت کی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے توبہ ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ تارک نماز کی توبہ یہ ہے کہ نمازوں کی قضاء کرے اور کھلم کھلا گناہ کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ توبہ اور رجوع بھی کھلم کھلا ہونا چاہئے۔

اسی طرح یہاں منافقین کا قصور غیر حاضری تھی۔ پس اس کا تدارک حاضری سے ہونا چاہئے۔ نیز غیر حاضری سے قلب مبارک کو ایذا پہنچی تھی۔ اس کی تلافی حاضر خدمت ہو کر ازالۂ اذیت ہو سکتی ہے۔ باقی خود آپﷺ کے استغفار کرنے کی شرط لگانا شاید اس لئے ہو کہ اس سے آپﷺ کی خوشنودی معلوم ہوگی یا توبہ کرنے والوں کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی توفیق ہو جائے گی۔ جو توبہ کے لئے نہایت ضروری ہے یا یوں کہا جائے کہ اصل مقصد شرائط توبہ بیان کرنا نہیں ہے بلکہ توبہ کے مکملات بیان کرنا ہے۔

حتی یحکموک میں تحکیم شرعی مراد نہیں کہ یہ تو آنحضرتﷺ کو حاصل ہے ہی بلکہ تحکیم حسی مراد ہے۔ یعنی اپنے تمام مقدمات آپؐ ہی کے پاس لانے چاہئیں۔

چند شبہات کا جواب:............رہا یہ شبہ کہ غیر اسلامی قانون کو باطل سمجھنے کے باوجود کسی وجہ یا مجبوری سے اس کی طرف رجوع کرنا یا شرعی فیصلہ کو حق سمجھنے کے باوجود کسی وجہ سے دل تنگ ہونا یا شرعی فیصلہ پر عمل کرنا آیت سے ان تینوں صورتوں کا خلاف ایمان و اسلام ہونا معلوم ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ بلا اعتقادِ حلت حرام چیز کا مرتکب گنہگار کہلاتا ہے۔ نہ کہ دائرۂ ایمان سے خارج۔ اسی طرح دل کی تنگی غیر اختیاری چیز ہے اور غیر اختیاری چیز کا انسان مکلف نہیں ہے۔ اسی طرح ترک عمل سے ایمان نہیں جاتا۔ ان تمام شبہات کا جواب یہ ہے کہ تحکیم اور تسلیم اسی طرح عدم حرج کے تین مرتبے ہوتے ہیں۔ (۱) اعتقادی درجہ کہ شرعی قانون کو حق سمجھتا ہے اور عقلی درجہ میں اس کو تسلیم کرتے ہوئے عقلی ضیق سے بھی بچتا ہے۔ (۲) زبانی مرتبہ کہ شرعی امور کے حق ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ (۳) عملی مقام کہ اپنا مقدمہ بھی شرعی عدالت میں لے جاتا ہے اور اس کے فیصلہ کے مطابق بلا ضیق طبعی عمل درآمد بھی کرتا ہے۔ ان تینوں صورتوں کے احکام الگ الگ ہیں۔ اول مرتبہ تصدیق و ایمان کا ہے اس کے خلاف کرنا عند اللہ کفر ہے۔ منافقین میں اس مرتبہ کا

فقدان تھا اور دوسرا درجہ زبانی اقرار کا ہے۔ اس کے خلاف کرنا ظاہراً لوگوں کے نزدیک کفر ہے۔ تیسرا مرتبہ صلاح وتقویٰ کا ہے۔ اس کا نہ ہونا فسق کہلاتا ہے اور طبعی تنگی معاف ہے۔ البتہ بقرینہ منافقین آیت میں اول مرتبہ مراد ہے۔

نکات آیت:............ **الا قلیل منھم** اس میں تمام صحابہؓ داخل ہیں جو بمقابلہ کفار قلیل ہی ہیں۔ **علیھم** کی ضمیر کا مرجع مطلق ناس ہے۔ نہ صرف صحابہؓ کہ بلا دلیل ہے اور نہ صرف منافقین کہ خلاف دلیل ہے بہر حال تمام صحابہ کرامؓ اور مؤمنین کو قلیل میں داخل کرنے کے بعد بنی اسرائیل کا امت محمدیہ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا اور قتل نفس کے اس مضمون کو درمیان میں لانے کا منشاء آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ منافقین کی حالت سے غم زدہ نہ ہوں۔

اولئک مع الذین اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنت میں یہ لوگ بھی ساتھ جائیں گے اور نہ یہ مطلب ہے کہ سب ایک ہی درجہ میں رہیں گے۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ اپنے نچلے درجوں سے اوپر کے درجوں میں جا جا کر مشرف بزیارت ہوتے رہا کریں گے دنیا میں چونکہ ضروری احکام کے درجات مختلف ہوتے ہیں ادنیٰ درجہ سے انسان مؤمن کہلاتا ہے اس سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ انسان دائرہ معصیت سے نکل جاتا ہے اور ظاہری و باطنی تطوعات کا بجالانا اعلیٰ درجہ ہے جو صدیقیت کا مقام ہے پس آیت میں یہ مرتبہ مراد نہیں ہے کیونکہ ان کے ساتھ تو معیت ہوگی۔ اس صورت میں تو متبعین کا متحد ہونا لازم آجائے گا حالانکہ ان کا متحد ہونا ضروری نہیں۔

لطائف آیت:............ آیت **اولئک مع الذین** میں مقامات باطنہ کا اثبات ہو رہا ہے اور یہ کہ ادنیٰ مقام والوں کی رفاقت ومعیت اعلیٰ مقام والوں کے ساتھ ممکن ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ پہنچنا اصالۃً نہیں ہوتا بلکہ طبعاً ہوتا ہے جو لوگ اس حقیقت حال سے باخبر اور واقف نہیں ہوتے وہ ان مقامات کے مکشوف ہونے پر گمراہی سے دعویٰ نبوت تک کر بیٹھتے ہیں۔ جیسا کہ متنبی قادیان نے کیا ہے۔ **اللھم اعذنا منہ۔**

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَکُمْ مِنْ عَدُوِّکُمْ اَیْ اِحْتَرِزُوْا مِنْهُ وَتَیَقَّظُوْا لَهٗ **فَانْفِرُوْا** اِنْهَضُوْا اِلٰی قِتَالِهٖ **ثُبَاتٍ** مُتَفَرِّقِیْنَ سَرِیَّةً بَعْدَ اُخْرٰی **اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا** ﴿۷۱﴾ مُجْتَمِعِیْنَ **وَاِنَّ مِنْکُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ** لَیَتَاَخَّرَنَّ عَنِ الْقِتَالِ کَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُبَیِّ الْمُنَافِقِ وَاَصْحَابِهٖ وَجَعَلَهٗ مِنْهُمْ مِنْ حَیْثُ الظَّاهِرِ وَاللَّامُ فِی الْفِعْلِ لِلْقَسَمِ **فَاِنْ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَةٌ** کَقَتْلٍ وَهَزِیْمَةٍ **قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَکُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا** ﴿۷۲﴾ حَاضِرًا فَاُصَابَ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **اَصَابَکُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ** کَفَتْحٍ وَغَنِیْمَةٍ **لَیَقُوْلَنَّ** نَادِمًا **کَاَنْ** مُخَفَّفَةٌ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَیْ کَاَنَّهٗ **لَّمْ تَکُنْ** بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ **بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ** مَعْرِفَةٌ وَصَدَاقَةٌ وَهٰذَا رَاجِعٌ اِلٰی قَوْلِهٖ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِعْتَرَضَ بِهٖ بَیْنَ الْقَوْلِ وَمَقُوْلِهٖ وَهُوَ **یٰا** لِلتَّنْبِیْهِ **لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا** ﴿۷۳﴾ اٰخُذُ حَظًّا وَافِرًا مِنَ الْغَنِیْمَةِ قَالَ تَعَالٰی **فَلْیُقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** لِاِعْلَاءِ دِیْنِهٖ **الَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ** یَبِیْعُوْنَ **الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ یُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیُقْتَلْ** یُسْتَشْهَدْ **اَوْ یَغْلِبْ** یَظْفَرْ بِعَدُوِّهٖ **فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا** ﴿۷۴﴾ ثَوَابًا جَزِیْلًا **وَمَا لَکُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ** اِسْتِفْهَامُ تَوْبِیْخٍ اَیْ لَامَانِعَ لَکُمْ مِنَ الْقِتَالِ **فِیْ**

سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ فِیْ تَخْلِیْصِ **الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ** حَبَسَهُمُ الْكُفَّارُ عَنِ الْهِجْرَةِ وَاٰذُوْهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُنْتُ اَنَا وَاُمِّیْ مِنْهُمُ الَّذِیْنَ **یَقُوْلُوْنَ** دَاعِیْنَ یَا **رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ** مَكَّةَ **الظَّالِمِ اَهْلُهَا** بِالْكُفْرِ **وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ** مِنْ عِنْدِكَ **وَلِیًّا** یَتَوَلّٰی اُمُوْرَنَا **وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا (۷۵)** یَمْنَعُنَا مِنْهُمْ وَقَدِ اسْتَجَابَ اللّٰہُ دُعَاءَ هُمْ فَیَسَّرَ لِبَعْضِهِمُ الْخُرُوْجَ وَبَقِیَ بَعْضُهُمْ اِلٰی اَنْ فُتِحَتْ مَكَّةُ وَوَلّٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَتَّابُ بْنُ اَسِیْدٍ فَاَنْصَفَ مَظْلُوْمَهُمْ مِنْ ظَالِمِهِمْ **اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ** الشَّیْطَانِ **فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ** اَنْصَارَ دِیْنِهٖ تَغْلِبُوْهُمْ لِقُوَّتِكُمْ بِاللّٰہِ **اِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ** بِالْمُؤْمِنِیْنَ **كَانَ ضَعِیْفًا (۷۶)** وَاهِیًا لَایُقَاوِمُ كَیْدَاللّٰہِ بِالْكٰفِرِیْنَ۔

ترجمہ:............ مسلمانو! اپنی حفاظت اور تیاری میں لگے رہو (اپنے دشمنوں کی وجہ سے یعنی ان سے اپنے بچاؤ کا خیال رکھو اور بیداری سے کام لو) پھر مقابلہ کے لئے نکلو (جنگ کے لئے نکل کھڑے ہو) الگ الگ گرہوں میں بٹ کر (کہ یکے بعد دیگرے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بنا کر نکلو) یا اکٹھے ہوکر (ساتھ مل کر) اور کچھ لوگ تم میں سے ایسے بھی ہیں کہ وہ ضرور قدم پیچھے ہٹائیں گے (جہادی مہم سے پسپائی اختیار کریں گے جیسے عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ہم جولی۔ باقی ان کو مسلمانوں میں شمار کرنا وہ ظاہری لحاظ سے ہے اور لیبطئن میں لام قسمیہ ہے) اور اگر تم پر کوئی آفت پڑ جائے (جیسے قتل ہو جانا یا مات کھا جانا) تو کہنے لگتے ہیں کہ خدا نے ہم پر بڑا ہی احسان کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ نہیں تھے (میدان جہاد میں نہیں تھے ورنہ ہم بھی معیبت میں پھنس جاتے) اور اگر (اس میں لام قسمیہ ہے) تم پر خدا کا فضل وکرم ہوتا ہے (جیسے فتح اور مال غنیمت کا حاصل ہو جانا) تو بول اٹھتے ہیں (ندامت کے ساتھ) گویا کہ (لفظ ان مخففہ من المثقلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی کانہ تھا) نہیں ہے (اس کی قرأت یا اور تا کے ساتھ دونوں طرح ہے) تم میں اور ان میں کوئی علاقۂ محبت (جان، پہچان، دوستی اس جملہ کا تعلق قد انعم اللہ علی کے ساتھ ہے قول اور مقولہ کے درمیان یہ جملہ معترضہ ہے اور وہ مقولہ آگے ہے) اے کاش! (اس میں یا تنبیہ کے لئے ہے) ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے کہ ہم بھی بہت کچھ کامیابی حاصل کر لیتے (یعنی مال غنیمت کی ایک بڑی مقدار مل جاتی۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) سو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے شریک ہونا چاہئے (اس کے دین کو بلند کرنے کی خاطر) ان لوگوں کو جو فروخت کر چکے (بیچ چکے) ہیں دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے تو خواہ قتل (شہید) ہو جائے یا غالب آ جائے (دشمن پر کامیاب ہو جائے) ہم اس کو بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے (عظیم الشان ثواب) اور تمہیں کیا ہو گیا ہے (استفہام توبیخی ہے یعنی جہاد کرنے سے ایسی حالت میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے) کہ راہ مولیٰ میں جہاد نہیں کرتے اور کمزور مردوں، عورتوں، بچوں کے (بچانے یا چھڑانے کے لئے جن کو کفار نے ہجرت کرنے سے روک رکھا ہے اور ان کو ستاتے رہتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اور میری والدہ بھی ان ہی لوگوں میں تھے) جو فریاد کر رہے ہیں (دعائیں مانگ رہے ہیں) کہ خدایا ہمیں نجات دلا دیجئے اس بستی (مکہ) سے جہاں کے رہنے والوں نے ظلم (کفر) پر کمر باندھ رکھی ہے اور اپنی طرف سے (پردۂ غیب سے) کسی کو ہمارا کارساز (مددگار) بنا دیجئے اور کسی کو مددگاری کے لئے کھڑا کر دیجئے (جو ہمیں

ان سے بچالے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کمزوروں کی پکارسن لی اور کچھ لوگوں کے لئے نکلنے کی راہ پیدا فرمادی۔ البتہ بعض لوگ مکہ فتح ہونے تک پڑے رہے، آنحضرت ﷺ نے اس کے بعد عتاب بن اسید کو مکہ کا گورنر بنادیا انہوں نے ظالم ومظلوم کے درمیان بڑے انصاف سے کام لیا) اہل ایمان کا لڑنا اللہ کی راہ میں ہوتا ہے اور اہل کفر کا لڑنا طاغوت (شیطان) کی راہ میں ہوتا ہے اس لئے تم شیطان کے حمایتیوں سے لڑو (جو اس کے طریقہ کے مددگار ہوں ان پر تم لوگ غالب آجاؤ اللہ کی طاقت کے بل بوتہ پر) بلاشبہ شیطان کا مکر (مسلمانوں کے ساتھ) کمزور ہے (بالکل بودا اللہ کی تدبیر کے مقابلہ میں جمنے والا نہیں ہے)

تحقیق وترکیب: ....**خذوا حذرکم** اہل عرب کے نزدیک **اخذ حذرہ** کے معنی چوکنے رہنے اور خوف سے بچاؤ کے ہیں گویا یہ **حذر** ہی بچاؤ کا آلہ ہے اور بعض نے **حذر** کے معنی ہتھیار کے لئے ہیں۔ پہلی صورت میں **احترزوا من العدو** کے معنی ہوں گے اور دوسری صورت میں **خذو اسلاحکم** کے معنی ہوں گے۔

ثبات جمع **ثبۃ** دس سے زائد آدمیوں کی جماعت اور بعض کے نزدیک دو سے زیادہ آدمیوں کو کہتے ہیں۔ بروزن **فعلۃ** تھا مثل **حکمۃ** کے۔ لام کو حذف کرکے تا تانیث اس کے عوض میں لے آئے **ثبا یثبو** سے ہے یا **ثبیت** سے۔ واوی یا یائی دونوں قول ہیں۔ کشاف، بیضاوی وغیرہ نے یہ معنی لئے ہیں کہ متفرقاً یا مجتمعاً جس طرح بھی موقعہ ہو شریک جہاد ہو اور زاہدی نے یہ توجیہ کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی اگر معیت ہو تو سب مل کر شانہ بشانہ جہاد اور علم کی ضرورت پوری کرو۔ لیکن بنفس نفیس آپ ﷺ کی شرکت نہ ہو تو پھر بعض لوگ شریک جہاد ہوں اور بعض لوگ شریک درس وتعلم۔ دوسری آیت یہ ہے **وما کان المؤمنون لینفروا الخ** اور **انفروا خفافا وثقالاً الخ** بھی اس معنی کی مؤید ہے۔

سریۃ کم سے کم سو اور زیادہ سے زیادہ چار سو افراد کی جماعت اور قاموس میں ہے کہ پانچ آدمیوں سے لے کر تین سو چار سو افراد پر یہ لفظ صادق آتا ہے یہاں مطلق جماعت مراد ہے۔ **لیبطئن** **بطا** بمعنی **ابطاء** یعنی یہ لازم ہے باکے ذریعہ تعدیہ کرکے کہا جاتا ہے۔ **مابطاء بک** اس میں لام قسمیہ ہے جو جواب قسم کی ساتھ مل کر **من** کا صلہ ہوگا۔ پہلا لام ابتدائیہ ہے جو ان کے اسم پر خبر کے فاصلہ کی وجہ سے داخل کردیا گیا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **وان منکم لمن اقسم باللہ لیبطئن. یلیتنی** ابوعلی کی رائے یہ ہے کہ **یا** فعل اور حرف پر صرف تنبیہ کے لئے داخل ہوتی ہے **ھذا** یعنی **کان لم یکن** کا تعلق **قد انعم اللہ** کے ساتھ ہے اصل عبارت اس طرح تھی۔ **قد انعم اللہ علی کان لم یکن الخ** لیکن یہ جملہ مؤخر ہوکر قول اور مقولہ کے درمیان معترضہ ہوگیا۔ اس لئے **مودۃ** پر وقف بہتر نہیں ہے۔ **فلیقاتل** اس میں فاشرط مقدر کا جواب ہے۔ ای **ان ابطاء وتاخر ھؤلاء عن القتال فلیقاتل. فیقتل** یہی دو باتیں مجاہد کے پیش نظر ہونی چاہئیں۔ تیسری بات یعنی صرف مال ودولت کا حصول مقصود نہیں ہونا چاہئے اور نہ فرار ہونا چاہئے بلکہ یا جام شہادت نوش کرلے اور یا کامیاب و غالب ہوکر رہے۔ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے نیز مجاہد کے پیش نظر دوسروں کو قتل کرنا نہیں، بلکہ خود مظلومانہ شہادت حاصل کرنا یا غالب آنا رہنا چاہئے۔ اسی لئے **فیقتل او یغلب** نہیں کہا گیا۔ رہا دوسروں کا قتل وہ بدرجۂ مجبوری ہے۔ **والولدان** مشرکین کے ظلم کی انتہائی بربریت ظاہر کرنا ہے کہ معصوم بچوں پر بھی ان کو ترس نہیں آتا اور **مستضعفین** میں ست مبالغہ کے لئے ہے۔

الظالم اھلھا ظلم کی نسبت مکہ معظمہ کی طرف تشریفاً نہیں کی گئی بلکہ اہل مکہ کی جفابیان کی گئی ہے ترکیب کے لحاظ سے یہ قریہ کی صفت ہے اور الف لام بمعنی **التی** موصولہ اور ظالم کی تذکیر مسند الیہ کے لحاظ سے ہے کیونکہ فعل یا اسم فاعل اسم مفعول کی اسناد غیر ماہولہ کی طرف اگر ہوتی ہے تو تذکیر وتانیث میں اسی کا لحاظ ہوتا ہے۔ **فیسر لبعضھم** سلمہؓ بن ہشام، عباسؓ بن ابی ربیعہ، ولیدؓ یہ حضرات

ہجرت سے مستفید ہو گئے تھے۔ عتاب فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہوئے اور اٹھارہ سال کی عمر میں ان کو آپ ﷺ نے مکہ کا والی بنادیا تھا۔ نیز ان کے والد اسید کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نے ان کو جنت میں دیکھا ہے۔ لیکن انتقال کفر کی حالت میں ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے مراد ان کا بیٹا یعنی عتاب ہیں۔ پس اسی طرح عتاب کا مبشر بالجنۃ ہونا بھی معلوم ہو گیا۔

ان کید الشیطٰن بعض حضرات نے بطور علمی لطیفہ کے یہ بات کہی ہے کہ اس آیت میں کید شیطان کو ضعیف اور سورۂ یوسف کی آیت میں کیدِ نساء کو عظیم کہا گیا ہے۔ دونوں کا حاصل یہ نکلا کہ عورتوں کا مکر شیطان کے مکر سے بھی بڑھ کر ہے۔ لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ یہاں کید شیطان کو اللہ کی تدبیر کے مقابلہ میں ضعیف کہا گیا ہے اور عورتوں کا مکر مردوں کے مقابلہ میں عظیم ہے۔ اس طرح دونوں الفاظ کی اضافت بدل گئی ہے۔

ربط :.......... تین رکوع پہلے کفار کے قبائح کا ذکر تھا۔ اس کے بعد اہل ایمان کے مدائح کا ذکر شروع ہو گیا۔ اب پھر روئے سخن کفار ہی کی طرف ہو گیا اور جہادی اسکیم اور اس کے متعلقات کا بیان چھ رکوع تک چلا گیا ہے۔

شانِ نزول:.......... ہجرت سے پہلے اگرچہ جہاد کی اجازت نہیں تھی لیکن ہجرت کے بعد اجازت ہو گئی۔ تاہم بعض لوگوں کی طرف سے عملاً اس میں تقاعد پیش آیا۔ حالانکہ اسباب جہاد کافی موجود تھے اسی سلسلہ میں ان آیات کا نزول ہوا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:.......... آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد ابن عباسؓ اور ان کی والدہ، سلمہؓ بن ہشامؓ، ولید بنؓ الولید اور ابو جندل بنؓ سہیل وغیرہ نادار مسلمان مکہ معظمہ میں رہ گئے تھے جن کو حد سے زیادہ ظلم وجور کی چکی میں پیسا جا رہا تھا جن میں سے بعض کو تو پہلے ہی رہائی نصیب ہو گئی تھی لیکن فتح مکہ کے بعد اللہ نے سب کی مشکلات حل فرما دیں۔ آپ ﷺ نے عتابؓ بن اسید کو مکہ معظمہ کا گورنر بنادیا انہوں نے عدل وانصاف کے شیریں پانی سے سب کی پیاس بجھائی۔

نکات:.......... ولی اور نصیر کا مصداق اچھا تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قرار دیا جائے لیکن حضرت عتابؓ بھی بن سکتے ہیں۔ رہا یہ شبہ کہ جب ان مسلمان ضعفاء کی رہائی مقدر ہو چکی تھی پھر مسلمانوں کو جنگی حکم سے کیا فائدہ؟ جواب یہ ہے کہ ان مظلوم اور ستم رسیدہ لوگوں کی دعائیں تو ضرور قبول ہوئیں، لیکن عالم اسباب میں ان کی رُستگاری کا آخر کوئی نہ کوئی سامان تو ضرور ہوتا اور وہ ذریعہ اگر طاقتور اور آزاد مسلمان بن جائیں اور شریک مساعی ہو کر اپنی اخوت وہمدردی کا ثبوت پیش کر دیں تو مفت کی دولت ہاتھ آتی ہے اور ہم خرما وہم ثواب کا مصداق ہو جاتے ہیں۔

لطائف آیت:.......... وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم اور اہل ایمان سے وعدۂ نصرت کا حاصل یہ ہے کہ مقتضیٰ ایمان تو یہی ہے کہ امداد الٰہی اور تائید غیبی ان کے شامل حال ہو لیکن اگر کسی مانع کی وجہ سے جیسے طاعت کی کمی یا امتحان وآزمائش کی مصلحت سے یہ تقاضا کسی وقت پورا نہ کیا جائے تو باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ عَنْ قِتَالِ الْكُفَّارِ لَمَّا طَلَبُوْهُ بِمَكَّةَ لِاَذَى الْكُفَّارِ لَهُمْ وَهُمْ جَمَاعَةٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ **وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ** فُرِضَ **عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ** يَخَافُوْنَ الْكُفَّارَ اَىْ عَذَابَهُمْ بِالْقَتْلِ **كَخَشْيَةِ** هِمْ عَذَابَ **اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ** مِنْ خَشْيَتِهِمْ لَهُ وَنَصَبُ اَشَدَّ عَلَى الْحَالِ وَجَوَابُ لَمَّا دَلَّ عَلَيْهِ اِذَا وَمَابَعْدَهَا اَىْ فَاجَأَتْهُمُ الْخَشْيَةُ **وَقَالُوْا** جَزْعًا مِّنَ الْمَوْتِ **رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ** هَلَّا **اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ** لَهُمْ **مَتَاعُ الدُّنْيَا** مَا يُتَمَتَّعُ بِهِ فِيْهَا اَوِ الْاِسْتِمْتَاعُ بِهَا **قَلِيْلٌ ۚ** اٰئِلٌ اِلَى الْفَنَاءِ **وَالْاٰخِرَةُ** اَىِ الْجَنَّةُ **خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى** عَذَابَ اللّٰهِ بِتَرْكِ مَعْصِيَتِهٖ **وَلَا تُظْلَمُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ تُنْقَصُوْنَ مِنْ اَعْمَالِكُمْ **فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾** قَدْرَ قِشْرَةِ النَّوَاةِ فَجَاهِدُوْا **اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ** حُصُوْنٍ **مُّشَيَّدَةٍ ؕ** مُرْتَفِعَةٍ فَلَا تَخْشَوُا الْقِتَالَ خَوْفَ الْمَوْتِ **وَاِنْ تُصِبْهُمْ** اَىِ الْيَهُوْدَ **حَسَنَةٌ** خِصْبٌ وَسَعَةٌ **يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ** جَدْبٌ وَبَلَاءٌ كَمَا حَصَلَ لَهُمْ عِنْدَ قُدُوْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ **يَقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۚ** يَا مُحَمَّدُ اَىْ بِشُؤْمِكَ **قُلْ** لَهُمْ **كُلٌّ** مِنَ الْحَسَنَةِ وَالسَّيِّئَةِ **مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ** مِنْ قِبَلِهٖ **فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ** اَىْ لَا يُقَارِبُوْنَ اَنْ يَّفْهَمُوْا **حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾** يُلْقٰى اِلَيْهِمْ **وَمَآ** اِسْتِفْهَامُ تَعَجُّبٍ مِنْ فَرْطِ جَهْلِهِمْ وَنَفْىُ مُقَارَبَةِ الْفِعْلِ اَشَدُّ مِنْ نَفْيِهٖ **مَآ اَصَابَكَ** اَيُّهَا الْاِنْسَانُ **مِنْ حَسَنَةٍ** خَيْرٍ **فَمِنَ اللّٰهِ** اَتَتْكَ فَضْلًا مِنْهُ **وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ** بَلِيَّةٍ **فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ** اَتَتْكَ حَيْثُ ارْتَكَبْتَ مَا يَسْتَوْجِبُهَا مِنَ الذُّنُوْبِ **وَاَرْسَلْنٰكَ** يَا مُحَمَّدُ **لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ** حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾** عَلٰى رِسَالَتِكَ **مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى** اَعْرَضَ عَنْ طَاعَتِهٖ فَلَا يُهِمَّنَّكَ **فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ ﴿۸۰﴾** حَافِظًا لِاَعْمَالِهِمْ بَلْ نَذِيْرًا وَاِلَيْنَا اَمْرُهُمْ فَنُجَازِيْهِمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **وَيَقُوْلُوْنَ** اَىِ الْمُنَافِقُوْنَ اِذَا جَاءُوْكَ اَمْرُنَا **طَاعَةٌ** لَكَ **فَاِذَا بَرَزُوْا** خَرَجُوْا **مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ** بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِي الطَّاءِ وَتَرْكِهٖ اَىْ اَضْمَرَتْ **غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ** لَكَ فِيْ حُضُوْرِكَ مِنَ الطَّاعَةِ اَىْ عِصْيَانَكَ **وَاللّٰهُ يَكْتُبُ** يَاْمُرُ بِكَتْبِ **مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ** فِيْ صَحَائِفِهِمْ لِيُجَازَوْا عَلَيْهِ **فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ** بِالصَّفْحِ **وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ** ثِقْ بِهٖ فَاِنَّهٗ كَافِيْكَ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾** مُفَوَّضًا اِلَيْهِ ۔

ترجمہ: .... کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جنہیں حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روک لو (کفار کو قتل کرنے سے جبکہ مکہ میں رہتے ہوئے لوگوں نے آپ ﷺ سے جنگ کا مطالبہ اور تقاضا کیا تھا کیونکہ کفار نے ان کو ستا رکھا تھا اور اس سے مراد صحابہؓ کی

جماعت ہے) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ پھر جب ان پر فرض (مقرر) کردیا گیا جہاد تو یکایک ان میں کا ایک گروہ اس طرح ڈرنے لگا (خوف کھانے لگا) لوگوں (کفار) سے (یعنی قتل کر کے ان کو عذاب دینے سے) جیسے کوئی اللہ (اللہ کے عذاب) سے ڈر رہا ہو۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ (جتنا خدا سے ڈرنا چاہئے اس سے بھی زیادہ لفظ اشد حال کی وجہ سے منصوب ہے لما کے جواب پر اذا اور اس کا مابعد دلالت کر رہا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے فلما کتب علیهم القتال فاجاء تهم الخشية) وہ کہتے ہیں (موت سے ڈر کر) اے اللہ آپ نے جہاد کیوں فرض کر دیا ہے کیوں نہ ہمیں تھوڑے دنوں کی اور مہلت دے دی؟ آپ (ان سے) فرمادیجئے دنیا کا سرمایہ (پونجی یا نفع حاصل کرنا) تو بہت ہی تھوڑا ہے (چند روز ہے) اور آخرت (جنت) ہر طرح سے بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو بچتے رہیں (اللہ کے عذاب سے گناہ چھوڑ کر) اور کسی کی حق تلفی ہونے والی نہیں ہے رتی برابر بھی (کھجور کی گٹھلی کے چھلکے بھر بھی۔ لہٰذا جہاد کرو) تم کہیں بھی ہو موت تمہیں پا کر رہے گی۔ اگر چہ تم مضبوط (اونچے) قلعوں (محلوں) میں بھی رہو گے (اس لئے موت کے ڈر سے جہاد سے مت بھاگو) اور ان (یہود) کو جب کوئی بھلائی (خوشحالی، کشادگی) کی باتیں پیش آتی ہیں تو کہنے لگتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگئی ہے۔ لیکن جب کوئی بری حالت پیش آتی ہے (قحط سالی، آفت جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے وقت ہوا) تو کہتے ہیں یہ تمہاری طرف سے ہے (اے محمدؐ یعنی معاذ اللہ تمہاری نحوست ہے) آپ (ان سے) فرمادیجئے کہ یہ سب کچھ (اچھائی برائی) اللہ تعالیٰ کی طرف (جانب) سے ہے۔ پھر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ہو سمجھ بوجھ کے قریب بھی نہیں پھٹکتے (یعنی جو بات ان کو پیش آتی ہے اس کے سمجھنے کے پاس بھی نہیں جاتے، اور ما استفہامیہ ان کی انتہائی جہالت سے تعجب کے لئے ہے اور قرب فعل کی نفی خود فعل کی نفی سے بڑھی ہوئی ہے) جو کچھ بھلائی (اچھائی) تجھے (اے انسان) پیش آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (جو اپنے فضل سے اس نے تجھ کو مرحمت فرمائی ہے) اور جو کچھ بدحالی (برائی) پیش آتی ہے وہ خود تمہاری طرف سے ہے (خود تمہاری پیدا کردہ ہے کیونکہ تم نے ہی گناہ کر کے اس کو بلایا ہے) اور ہم نے آپ کو (اے محمدؐ!) تمام لوگوں کی طرف اپنا پیامبر بنا کر بھیجا ہے (لفظ رسولاً حال مؤکدہ ہے) اور اللہ تعالیٰ کی گواہی بس کرتی ہے (آپ کو فرستادہ پیغمبر ہونے پر) جس کسی نے رسول اللہ کی اطاعت کی تو فی الحقیقت اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس کسی نے روگردانی کی (اس کی فرمانبرداری سے منہ موڑا تو آپ کو کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں ہے) کیونکہ ہم ان پر کچھ آپ کو پاسبان (ان کے اعمال کا نگران کار کر کے) نہیں بھیجا ہے (بلکہ آپ صرف ڈرانے والے ہیں باقی ان کا معاملہ ہمارے سپرد ہے ہم خود ان سے نبٹتے رہیں گے یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور یہ لوگ (منافقین جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں) تو کہنے لگتے ہیں (کہ ہمارا شیوہ) آپ کے حکم کی تعمیل ہے لیکن جب آپ کے پاس سے اٹھ کر (باہر) جاتے ہیں تو ان میں سے کچھ لوگ راتوں کو مجلسیں جماتے ہیں (بیت کی تا کا ادغام طائفہ کی طاء میں ہے اور ترک ادغام کے ساتھ بھی ہے یعنی خفیہ مجلسیں کرتے ہیں) اور جو کچھ (آپ کے حضور میں طاعت کا اظہار کرتے ہوئے) کہتے ہیں اس کے خلاف مشورے کرتے ہیں (یعنی آپ سے بغاوت کے) اور اللہ تعالیٰ لکھتے جاتے ہیں (لکھنے کا حکم فرمادیتے ہیں) جو کچھ وہ راتوں کو مشورے اور سازشیں کرتے ہیں (ان کے نامۂ اعمال میں تاکہ ان کو سزا دی جا سکے) سو آپ چشم پوشی فرماتے ہوئے) ان کی طرف التفات نہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کے حوالہ کیجئے (ان پر بھروسہ کیجئے وہی آپ کے لئے کافی ہیں) اور اللہ تعالیٰ کی کارسازی بس کرتی ہے (ان ہی کے سپرد کیجئے)

تحقیق وترکیب: .... **وهم جماعة** عبدالرحمٰن بن عوفؓ زہری، مقدادؓ بن اسود کندی، قدامہؓ بن مظعون الجمحی، سعد ابن ابی وقاص زہری وغیرہ حضرات صحابہؓ نے مشرکین کے ظلم وجور سے تنگ آ کر اجازت جہاد چاہی تھی۔

اذا فريق اذا مفاجاتیہ ہے۔ اسم زمان یا اسم مکان اور زمخشریؒ کے نزدیک معنی مفاجاۃ اس میں عامل ہیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ

یہ بات کسی دوسرے لفظ میں نہیں پائی جاتی اور ابن ہزیر اس کو حرف کہتے ہیں۔

اور فریق مبتداء ہے اور منھم کائن محذوف کے متعلق ہے جو اس کی صفت ہے اور یخشون الناس خبر ہو کر لما کا جواب ہے۔ای فاجاء فریق منھم ان یخشوا لکفار ان یقتلوھم.

کخشیة اللہ یہ مصدر مضاف الی المفعول ہے فاعل یخشون سے حال ہونے کی بناء پر منصوب المحل ہے۔ای یخشونھم متشبھین بخشیة اللہ اور او اشد اس پر معطوف ہے ای اشد خشیة من اھل خشیة اللہ اور لفظ او تقسیم کے لئے ہے یعنی خشیة بعضھم کخشیة اللہ و خشیة بعضھم اشد منھا یا تخییر کے لئے ہے یعنی ان کی خشیت کو خشیۃ اللہ کے برابر سمجھو یا اس سے زیادہ اور یا لفظ او بمعنی بل ہے۔متاع الدنیا لفظ متاع اسم ہے جو مصدر کے قائمقام ہے۔فائدہ مند چیز یا فائدہ مند چیز سے نفع اٹھانا تو یہ طھور اور اکل کی طرح مصدر اور اسم مصدر دونوں طرح ہوسکتا ہے۔

قدر قشرة النواۃ فتیل کی یہ تفسیر مناسب نہیں ہے بلکہ اس کے معنی گٹھلی کی جھلی کی بجائے گٹھلی کے درمیان ایک باریک دھاگہ کے ہیں۔ولو کنتم یہ جملہ اسی جیسے دوسرے جملہ پر معطوف ہے۔ای لو لم تکونوا فی بروج ولو کنتم فی بروج اور اس قسم کے مواقع پر وضوح دلالۃ کی وجہ سے بکثرت حذف ہوتا رہتا ہے۔بروج قلعہ۔مشیدہ بمعنی رفیعہ یا محضہ۔شاد النبا، اشادہ شیدہ، شید القصر کے معنی محل کو مضبوط اور پلاستر کرنے کے ہیں اور لو کا جواب ماقبل کی دلالۃ کی وجہ سے محذوف ہے۔

فمال ھؤلاء ما مبتداء ہے ھؤلاء خبر ہے اور یہ جملہ بیان و مبین کے درمیان معترضہ ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے ان کا جہل اور خراب حال بتلانے کے لئے ہے۔

لایکادون یہ حال ہے ھؤلاء سے اور اس میں عامل معنی ظرف یعنی استقراء ہے۔ما اصابک تمام چیزوں کے فاعل حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں۔جیسا کہ کل من عند اللہ سے معلوم ہوتا ہے لیکن برائیوں کی اسناد مجازی انسان کی طرف کردی گئی ہے جیسا کہ فمن نفسك سے معلوم ہوتا ہے تقدیر عبارت اس طرح تھی ما اصابك من سيئة فمن الله بسبب نفسك عقوبة تو تمام کاموں میں خلق کی نسبت تو اللہ کی طرف رہے گی لیکن برائیوں میں صرف ارتکاب کی نسبت بندوں کی طرف ہوگی۔اس طرح مشرکین کا رد ہوگیا۔چنانچہ حدیث عائشہؓ ہے مامن مسلم یصیبه وصب ولا نصب حتی الشوکة یشاکھا وحتی انقطاع شسع نعله الابذنب ومایعفو الله عنه اکثر فلا یھمنک یعنی آپ ﷺ ان کی فضول بکواس سے کبیدہ اور رنجیدہ نہ ہوں جیسے مثلاً ایک دفعہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ من احبنی فقد احب اللہ تعالیٰ اس پر منافقین نے طنز کے تیر ونشتر چلائے اور کہنے لگے لقد قارف الشرک وھو ینھی عنه مایرید الا ان نتخذه ربا کما اتخذت النصاری عیسیٰ اس پر یہ آیت نازل ہوئی بل نذیرًا۔ آپ ﷺ کی شان اگرچہ بشیر اور نذیر دونوں ہیں لیکن مفسر علامؒ نے خصوصیت مقام کی وجہ سے ایک پر اکتفاء کیا۔طاعة تقدیر مبتداء کے ساتھ ہے ای امرنا طاعة خبر چونکہ مصدر ہے جو فعل کے بدلہ میں ہے اور بدل ومبدل منہ اور عوض ومعوض عنہ کا جمع کرنا خلاف قاعدہ ہوتا ہے اس لئے مبتداء کا ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔اور لفظ طاعة مبتداء بھی ہوسکتا ہے۔محذوف الخبر ای منا طاعة. بیت چونکہ لفظ طائفة مونث غیر حقیقی ہے اس لئے فعل مذکر لایا گیا ہے۔ای عصیانک یہ تفسیر کچھ مناسب نہیں کیونکہ خلاف ورزی کا جذبہ تو یہ لوگ آپ ﷺ کی مجالس میں بھی رکھتے تھے جیسا کہ سمعنا و عصینا سے معلوم ہوتا ہے مجلس سے باہر ہونے پر بالتخصیص اس کو مرتب کرنا صحیح نہیں ہے۔جن حضرات نے تبییت کے معنی راتوں میں سازش کرنے کے لئے ہیں وہ اوضح ہیں۔تقول اگر یہ صیغہ خطاب ہے جیسا کہ اکثر مفسرینؒ نے اختیار کیا ہے تب تو مضارع کی طرف عدول کرنا استحقار واستمراء کی نیت سے ہوگا۔لیکن شارح علام نے صیغہ غائب ہونے کو ترجیح دی ہے من الطاعة یہ بیان ہے الذی تقول کا اور عصیانک منصوب ہے تفسیر کی وجہ سے۔

ربط:......... ان آیات کا تعلق بھی ماقبل کی طرح ترغیب جہاد سے ہے۔

شان نزول وتشریح:......... آیت الم تر الخ سے بھی جہاد ہی کی ترغیب دینا مقصود ہے۔ لیکن ایک لطف آمیز شکایت کے ساتھ کہ مکہ میں تو کفار کے مظالم سے تنگ آ کر بار بار اجازت جہاد کی خواہش کیا کرتے تھے لیکن جب اجازت مل گئی تو پھر اب یہ تقاعد کیسا؟ اور چونکہ یہ مہلت مانگنا بطور اعتراض یا انکار حکم کی نیت سے نہیں تھا بلکہ صرف تمنا کے درجہ میں تھا۔ اس لئے زجر وتوبیخ کی نوبت نہیں آئی۔ بلکہ لطیف پیرایہ میں شکایت ہے۔

ایک اشکال کا جواب:......... اور ظاہر ہے کہ کسی محرک کے وقت عادۃً کام زیادہ آسان ہوتا ہے اس لئے مشکلات کے وقت تو طبعاً جوش اٹھتا تھا اور ہجرت کے بعد جب حالات اطمینان بخش اور فضا پرسکون ہوگئی تو اب طبعی مصلحتیں بھی سامنے آنے لگیں اور چونکہ موت وقت سے نہیں ٹلتی جہاد میں جانا ہو یا نہ ہو لیکن بعض منافقین موت وحیات میں اس کو مؤثر جانتے تھے اگر جہاد کی وجہ سے قتل و موت کی نوبت آتی تو آپ ﷺ پر الزام رکھتے کہ دیکھو شرکت جہاد کی وجہ سے موت کا شکار ہوئے۔ لیکن اگر کبھی اسباب کے برخلاف کفار پر فتح وغلبہ ہو جاتا اور منافقین پر الزامی استدلال کیا جاتا تو کہنے لگتے کہ یہ فتح تو محض اتفاقی ہے۔ غرضکہ کام بگڑنے پر تو آپ ﷺ اور مسلمانوں کو ملزم گردانتے اور کام سنور جاتا تو محبت واتفاق پر محمول کر کے دل کو سمجھا لیتے، مصیبتیں آتیں تو مسلمانوں کے سبز قدم اور نحوستوں کا اثر سمجھتے، کامیابی ہوتی تو اس کا سہرا اپنے سر پر باندھتے اور اپنا کارنامہ شمار کرتے۔

فضل کرے تو چھٹیاں، عدل کرے تو لٹیاں:......... بعض حضرات نے اس مقام کو خلق افعال کی بحث سے حل کرنا چاہا جیسا کہ عنوان تحقیق میں ابھی بیان ہوا ہے کہ ہر اچھائی برائی کے خلق کی نسبت خدا کی طرف ہونی چاہئے۔ لیکن برائیوں کے کسب کی نسبت اپنی طرف ہونی چاہئے فی الحقیقت یہاں عدل وفضل کا بیان مقصود ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نعمت تو بلا واسطہ اعمال محض ان کے فضل سے ہوتی ہے اور نقمت ومصیبت بندوں کے اعمال سیئہ کی وجہ سے بتقاضائے عدل ہوتی ہے۔ پس مصیبت پہنچنے میں جو آنحضرت ﷺ کا دخل سمجھ رہے ہیں وہ غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس میں خود تمہارے برے اعمال کا دخل ہے انسان اگر ذرا بھی غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ خوشحالی سے پہلے کوئی بھی نیکی اس درجہ کی نہیں ملے گی جس کو خوشحالی کا سبب کہا جا سکے بلکہ محض فضل الٰہی باعث ہوگا۔ برخلاف اس کے ہر بدحالی سے پہلے کوئی نہ کوئی اپنی برائی سرزد ہوتی ملے گی۔ جس کی سزا اس سے بھی کہیں زیادہ ہونی چاہئے تھی اس تقریر پر کوئی اشکال نہیں رہتا۔ البتہ خوشحالی کے متعلق من عند اللہ کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ فی الحقیقت یہ ان کا عقیدہ بھی تھا اور وہ بہ نیت حمد ایسا کہہ رہے تھے؟ بلکہ محاورہ کے طریقہ پر مقصود تھا کہ خلاف توقع باتوں کی نسبت اللہ یا تقدیر کی طرف کر ہی دی جاتی ہے اور نہ کہنے کا اصل منشاء یہ تھا کہ یہ خوشحالی آپ کی وجہ سے نہیں ہوئی۔

نکات:......... نیز بدحالی کو صرف بدعمل شخص کے لئے نتیجۂ اعمال کہا جا سکتا ہے ورنہ صلحاء کے لئے تو یہ حوادث وبلیات بھی بطور خود تربیت ورحمت کا سامان ہوتے ہیں اور خوشحالی سے پہلے کسی نیک عمل کا اس خوشحالی کے لئے سبب کے درجہ میں نہ ہونا اس لئے ہے کہ اول تو خود اس نیکی سے پہلے بھی بہت سی نعمتیں ہوں گی جن کی مکافات یہ ایک نیک عمل نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ ثمرۂ جدید کا استحقاق ہو دوسرے خود اس عمل میں شرائط قبولیت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے البتہ بعض مواقع پر اگر اچھے ثمرات کو نیک عمل کا بدلہ فرما دیا گیا ہے تو وہ محض صورت کے لحاظ سے ہے ورنہ حقیقت سبب وہی فضل الٰہی ہے وہ فضل کرتے تو چھٹیاں، عدل کرے تو لٹیاں۔

لطائف آیت: .... **وارسلناك للناس رسولا** میں تمام لوگوں سے مراد جنات اور انسان ہیں پس اس سے آنحضرت ﷺ کی بعثت عامہ ثابت ہوتی ہے جو قرآن وحدیث کی اور نصوص سے بھی ثابت اور اجماعی اور قطعی عقیدہ ہے۔ **فما ارسلناك عليهم حفيظا** میں بطور ذمہ داری کے نگرانی کی نفی کرنا ہے ورنہ بطور شفقت ورحمت تو آپ ﷺ ہمیشہ نگرانی فرماتے ہی رہتے اور اصلاحی مساعی جاری رکھتے ہی تھے۔ البتہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کی اصلاح کی توقع نہ ہو اس کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔

من يطع الرسول فقد اطاع الله سے معلوم ہوا کہ مقبول ومقرب اہل اللہ سے معاملہ کرنا ایسا ہے جیسے خود حق تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرنا۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ يَتَأَمَّلُوْنَ **الْقُرْاٰنَ** وَمَا فِيْهِ مِنَ الْمَعَانِي الْبَدِيْعَةِ **وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾** تَنَاقُضًا فِيْ مَعَانِيْهِ وَتَبَايُنًا فِيْ نَظْمِهِ **وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ** عَنْ سَرَايَا النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا حَصَلَ لَهُمْ **مِّنَ الْاَمْنِ** بِالنَّصْرِ **اَوِ الْخَوْفِ** بِالْهَزِيْمَةِ **اَذَاعُوْا بِهٖ** اَفْشَوْهُ نَزَلَ فِيْ جَمَاعَةٍ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ اَوْ ضُعَفَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ فَتَضْعُفُ قُلُوْبُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَيَتَاَذَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَلَوْ رَدُّوْهُ** اَيِ الْخَبَرَ **اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ** اَيْ ذَوِي الرَّأْيِ مِنْ اَكَابِرِ الصَّحَابَةِ اَيْ لَوْ سَكَتُوْا عَنْهُ حَتّٰى يُخْبَرُوْا بِهٖ **لَعَلِمَهُ** هَلْ هُوَ مِمَّا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّذَاعَ اَوْ لَا **الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ** يَتَّبِعُوْنَهٗ وَيَطْلُبُوْنَ عِلْمَهٗ وَهُمُ الْمُذِيْعُوْنَ **مِنْهُمْ** مِنَ الرَّسُوْلِ وَاُولِي الْاَمْرِ **وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ** بِالْاِسْلَامِ **وَرَحْمَتُهٗ** لَكُمْ بِالْقُرْاٰنِ **لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ** فِيْمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖ مِنَ الْفَوَاحِشِ **اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ** يَا مُحَمَّدُ **فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ** فَلَا تَهْتَمَّ بِتَخَلُّفِهِمْ عَنْكَ الْمَعْنٰى قَاتِلْ وَلَوْ وَحْدَكَ فَاِنَّكَ مَوْعُوْدٌ بِالنَّصْرِ **وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ** حُثَّهُمْ عَلَى الْقِتَالِ وَرَغِّبْهُمْ فِيْهِ **عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ** حَرْبَ **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا** مِنْهُمْ **وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾** تَعْذِيْبًا مِنْهُمْ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاَخْرُجَنَّ وَلَوْ وَحْدِيْ فَخَرَجَ بِسَبْعِيْنَ رَاكِبًا اِلٰى بَدْرِ الصُّغْرٰى فَكَفَّ اللّٰهُ بَاْسَ الْكُفَّارِ بِاِلْقَاءِ الرُّعْبِ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَمَنَعَ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنِ الْخُرُوْجِ كَمَا تَقَدَّمَ فِيْ اٰلِ عِمْرَانَ **مَنْ يَّشْفَعْ** بَيْنَ النَّاسِ **شَفَاعَةً حَسَنَةً** مُوَافِقَةً لِلشَّرْعِ **يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ** مِنَ الْاَجْرِ **مِّنْهَا** بِسَبَبِهَا **وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً** مُخَالِفَةً لَهٗ **يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ** نَصِيْبٌ مِنَ الْوِزْرِ **مِّنْهَا** بِسَبَبِهَا **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾** مُقْتَدِرًا فَيُجَازِيْ كُلَّ اَحَدٍ بِمَا عَمِلَ **وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ** كَاَنْ قِيْلَ لَكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ **فَحَيُّوْا** الْمُحَيِّيَ **بِاَحْسَنَ مِنْهَآ** بِاَنْ تَقُوْلُوْا لَهٗ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ **اَوْ رُدُّوْهَا** بِاَنْ تَقُوْلُوْا كَمَا قَالَ اَيِ الْوَاجِبُ اَحَدُهُمَا وَالْاَوَّلُ اَفْضَلُ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾** مُحَاسِبًا فَيُجَازِيْ عَلَيْهِ وَمِنْهُ رَدُّ السَّلَامِ وَخَصَّتِ السُّنَّةُ الْكَافِرَ وَالْمُبْتَدِعَ وَالْفَاسِقَ وَالْمُسْلِمَ عَلٰى قَاضِي الْحَاجَةِ وَمَنْ فِي الْحَمَّامِ وَالْاٰكِلِ

فَلَا یَجِبُ الرَّدُّ عَلَیْهِمْ بَلْ یُکْرَهُ فِیْ غَیْرِ الْاَخِیْرِ وَیُقَالُ لِلْکَافِرِ وَعَلَیْکَ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط وَاللّٰهِ لَیَجْمَعَنَّکُمْ مِنْ قُبُوْرِکُمْ اِلٰی فِیْ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَارَیْبَ شَکَّ فِیْهِ ط وَمَنْ اَیْ لَا اَحَدَ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا (۸۷) وَلَا

ع ۱۱ / ۸

ترجمہ:.......... پھر کیا یہ لوگ غور (تامل) نہیں کرتے قرآن (اور اس کے عجیب وغریب معانی) میں اگر یہ قرآن کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا تو ضروری تھا کہ اس کی بہت سی باتوں میں یہ لوگ اختلاف (ان کے معانی میں تناقض اور اس کی نظم میں تباین) پاتے اور جب ان لوگوں کے پاس کوئی خبر پہنچ جاتی (جو آنحضرت ﷺ کی فوج کشی سے) امن (نصرت) حاصل ہونے کی یا (شکست کا) خوف ہونے کی تو یہ لوگ اسے لوگوں میں پھیلانے لگتے ہیں (پروپیگنڈا کرتے پھرتے ہیں۔ یہ آیت منافقین کی جماعت یا عوام مسلمین کے بارے میں نازل ہوئی جو اس قسم کا پروپیگنڈا کرتے رہتے تھے۔ جس سے مسلمانوں کے قلوب کمزور پڑتے اور آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک کو تکلیف پہنچتی) اگر یہ لوگ (اس خبر کو) پیش کر دیا کرتے رسول اللہ کے اور باگ دوڑ تھامنے والوں کے سامنے (یعنی ذمہ دار صحابہؓ کے سامنے اس طرح خود خاموش رہتے تا آنکہ اکابر صحابہؓ خود اس خبر کو ظاہر کرتے) تو سمجھ لیتے اس کی اصل حقیقت حال (کہ آیا یہ پھیلانے کے لائق ہے یا نہیں) وہ لوگ جو بات کہ تہہ تک پہنچنے کا ارادہ رکھتے ہیں (جو کھوج میں لگے رہتے ہیں اور جستجو میں رہتے ہیں مراد اس سے پروپیگنڈا کرنے والے ہیں) پیغمبرؑ اور اصحابؓ اختیار سے اور اللہ کا فضل اگر تم پر نہ ہوتا (اسلام کی توفیق دے کر) اور اس کی رحمت نہ ہوتی (قرآن بھیج کر) تو تم سب شیطان کے پیچھے لگ لئے ہوتے (جن برائیوں میں وہ تم کو الجھانا چاہتا تھا) بجز معدودے چند افراد کے۔ پس (اے محمدؐ) آپ اللہ کی راہ میں جہاد کیجئے کہ آپؐ پر آپ کی ذات کے سوا کسی کی ذمہ داری نہیں ہے (اس لئے آپ ان کے غیر حاضر رہنے کو اہمیت نہ دیجئے یعنی تنہا ہی سہی۔ مگر آپؐ جہاد کیجئے آپؐ سے مدد کا وعدہ ہے) اور مسلمانوں کو بھی ترغیب دیجئے (جہاد پر آمادہ کیجئے اور ابھاریئے) عجب نہیں کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ روک دیں زور منکرین حق (کی لڑائی) کا اور اللہ کا زور (ان سب سے) زیادہ قوی ہے اور سزا دینے میں وہ سب سے زیادہ سخت ہیں (ان کا عذاب سب سے بڑھ کر ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں جان ہے کہ میں خود جہاد میں جاؤں گا خواہ مجھے تنہا ہی جانا پڑے۔ چنانچہ ستر سواروں کے ساتھ آپؐ بدر صغریٰ کی طرف تشریف لے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے کفار کے زور کو توڑ کر مسلمانوں کی ہیبت ان کے دلوں میں ایسی بٹھلا دی کہ ابوسفیان میدان میں نہیں آسکے جیسا کہ آل عمران میں گزر چکا ہے) جو شخص (لوگوں میں) اچھی سفارش کرے (جو شرع کے موافق ہو) تو اس کو حصہ (ثواب) ملے گا اس کام کا (سفارش کی وجہ سے) اور جس شخص نے بری سفارش کی (جو خلاف شرع ہو) اس کو (گناہ کا) حصہ ملے گا اس (گناہ کی وجہ) سے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں (ایسے قادر ہیں کہ ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ دے سکتے ہیں) اور جب کبھی تمہیں دعا دی جائے (مثلاً تمہیں السلام علیکم کہا جائے) تو تمہیں بھی جواب دینا چاہئے (سلام کرنے والے کو) اس سے اچھا (مثلاً سلام کے جواب میں کہو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ) یا ویسے ہی الفاظ کہہ دیا کرو (جو الفاظ سلام میں تمہیں کہے گئے ہیں بعینہ تم بھی ان ہی کو لوٹا دو۔ بہر حال ان دونوں طریقوں میں سے ایک طریقہ ضروری ہے لیکن اول صورت افضل ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والے ہیں (محاسب ہیں کہ ہر عمل کا بدلہ لینے والے ہیں۔ جواب سلام کا بدلہ بھی دیں گے لیکن کافر اور بدعتی، فاسق، قضاء حاجت میں مشغول شخص کو سلام کرنے والے یا حمام اور غسل خانہ میں مشغول ہونے والے، کھانا کھانے والے کو سنت نے جواب سلام سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ لہٰذا ان پر جواب واجب نہیں ہے بلکہ کھانے والے کو چھوڑ کر باقی کے لئے مکروہ ہے۔ کافر کے لئے جواب سلام صرف وعلیک سے دینا چاہئے) اللہ ہی کی ایک ایسی ذات ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں

ہے وہ ضرور تمہیں اکٹھا کریں گے (قبروں سے نکال کر) قیامت کے دن اس میں کوئی شک (شبہ) نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات کہنے میں کون سچا ہے (یعنی کسی کی بات اس سے زیادہ سچ نہیں ہو سکتی)

تحقیق وترکیب: .... **اختلافا کثیرا** یعنی اگر یہ غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں تناقض معنوی بھی ہوتا کہ کوئی بات صحیح ہوتی، اور کوئی غلط اور اختلاف لفظی بھی کہ بعض کلام فصیح و بلیغ ہوتا اور بعض غیر فصیح، رہا یہ شبہ کہ اختلاف کثیر کی نفی کی گئی ہے لیکن اس سے اختلاف قلیل کی نفی لازم نہیں آتی۔ بلکہ اختلاف قلیل کی گنجائش نکل رہی ہے جواب یہ ہے کہ مقصود مبالغہ ہے کہ چونکہ یہ کلام مختلف اصناف پر مشتمل ہے ہر صنف میں عادۃً اگر ایک ایک دو دو غلطیاں بھی فرض کر لی جائیں تب بھی اغلاط کثیرہ کا مجموعہ ہو جاتا۔ لیکن کلام الٰہی ہونے کی سب سے بڑی کھلی شناخت یہ ہے کہ اس میں اس قسم کی تضاد بیانی اور اختلافات نہیں ہیں اگر ہوتے تو بہت زیادہ ہوتے لیکن اب نہ کم ہیں اور نہ زیادہ پس نفی میں مبالغہ ہو گیا ہے۔

افشوہ کہا جاتا ہے **اذاع السر** . **اذاع به** اور بعض کی رائے میں باء زائد ہے۔ **اذاعة** متضمن ہے معنی تحدث کو۔ دشمنوں کی فتح و نصرت کی خبروں کی اشاعت تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی پست ہمتی اور احساس کمتری کا باعث ہوگی۔ لیکن خود مسلمانوں کی فتح ونصرت کی بے موقع اشاعت بھی فتنہ وفساد اور مصائب کا باعث ہو جاتی ہے۔ مثلاً بقول ابوالسعود دشمن پہلے سے زیادہ مشتعل ہو کر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ **حتی یخبروا** یعنی عوام کو از خود خبروں کی اشاعت نہیں کرنی چاہئے بلکہ خواص اصحابؓ کے فکر ورائے کے حوالہ کرنی چاہئے۔ **ھل ھو** ضمیر کا مرجع امر ہے یا امن ہے یا خوف ہے۔ **یستنبطونه** استنباط کے معنی اخراج النبط کے آتے ہیں اور نبط کہتے ہیں کنواں کھودنے کے بعد جو پانی اول نکالا جائے۔ پھر مجاز اً مطلقاً اخذ وتلقی پر بولا جاتا ہے حاصل یہ ہے کہ خبر اور مصالح خبر کو اپنے محل اور مواقع سے حاصل کرنے چاہئے۔ **منھم** من ابتدائیہ ہے اور ضمیر کا مرجع رسولؐ اور اولوالامر ہیں اور ظرف **یستنبطون** کے متعلق ہے **الا قلیلا** اس سے مراد زین بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل، قیس بن ساعدہ وغیرہ حضرات ہیں جو آنحضرت ﷺ اور قرآن کریم کی آمد سے پہلے بھی راہ راست پر تھے لیکن اس صورت میں **لو لا فضل الله** الخ سے استثنیٰ سمجھ میں نہیں آتا۔ الا یہ کہ یوں کہا جائے کہ ان لوگوں نے شیطان کا اتباع نہیں کیا بلکہ اپنی سمجھ اور عقل سے بغیر نور وحی کے ایمان لائے۔

فقاتل اس میں فاجزائیہ ہے اور جملہ جواب شرط مقدر ہے۔ **ای ان تشبط المنافقون وقصر الآخرون و تركوك وحدك فقاتل انت یا محمد وحدك:**

لاتكلف الا نفسك یہ جملہ حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ قاتل کی ضمیر فاعل سے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے **فقاتل حال كونك غير مكلف الا نفسك وحدها. عسى** طمع کے لئے آتا ہے۔ البتہ **اطماع الكريم انفع من انجاز اللئيم بدر الصغرىٰ** یہ مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر بازار لگتا تھا جس کو "حمراء الاسد" بھی کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ذیقعدہ میں ابوسفیان سے اس مقام پر تشریف لانے کا وعدہ کیا تھا۔

شفاعة حسنة جس چیز کی سفارش کی گئی اگر وہ مشروع ہو اور اس کا طریق اور غرض بھی مشروع ہو تو شفاعۃ حسنہ کہلاتی ہے ورنہ شفاعۃ سیئہ ہے۔ مثلاً حقوق اللہ، حقوق العباد کی رعایت ملحوظ ہونی چاہئے، جلب منفعت یا دفع مضرت ہو لیکن غرض اصلی رضائے خداوندی ہونی چاہئے رشوت ستانی نہیں ہونی چاہئے۔ بری سفارش کو مشاکلۃً سفارش کہا گیا ہے۔

نصیب نصیب اور کفل دونوں مرادف ہیں، تخصیص تفنن کی وجہ سے کر لی گئی ہے۔

مقیتا اقامت علی الشی بولتے ہیں بمعنی قدر۔ **مقیت** بمعنی مقتدر۔ **بتحیة** اصل میں مصدر ہے **حیاک اللہ** عمر درازی کی دعا

ہے پھر مطلقاً دعا میں استعمال ہونے لگا اور سلام کے معنی میں آنے لگا۔ احسن یعنی جواب سلام۔ سلام سے بڑھا ہوا ہونا چاہئے۔ مثلاً السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے جواب میں وبرکاتہ کا اضافہ کرنا چاہئے، لیکن اگر خود سلام کرنے والے نے یہ تمام الفاظ دہرا دیئے اور جواب دینے والے کے لئے اضافہ کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک صحابی نے ایسا ہی کیا تو پھر بلا اضافہ مزید کے ردسلام میں ان ہی الفاظ کو دہرا دینا چاہئے گویا اس صورت میں احسن پر تو عمل نہیں ہوسکا لیکن اور دوھا پر عمل ہوگیا۔

ردوھا ای ردوامثلھا. واسئل القریۃ کی طرح بحذف المضاف ہے۔ ورنہ بعینہ ردمحال ہے بہرحال احسن صورت میں جواب سلام افضل ہے۔ ابتداء بالسلام سنت ہے مگر افضل ہے اور جواب سلام واجب ہے مگر مفضول یعنی منفرد کے لئے ابتداء سلام سنت عینی اور جماعت کے لئے سنت کفائی ہے۔ اسی طرح منفرد شخص پر جواب سلام فرض عینی اور جماعت پر فرض کفائی ہے۔ یہ ایک فقہی چیستان بن گئی کہ سنت بمقابلہ واجب افضل ہے۔ آیت مذکورہ سے جواب سلام کا سلام سے بڑھا ہوا ہونا یا برابر ہونا معلوم ہوا۔ جس سے ثابت ہوا کہ جوابِ سلام کا سلام سے کم ہونا جائز نہیں ہونا چاہئے حالانکہ فقہاء اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ آیت اکملیت پر محمول ہے منجملہ آدابِ سلام کے یہ ہے کہ خط اور قرآن وحدیث پڑھنے مذاکرہ علمی، اذان واقامت کی حالت میں سلام نہیں کرنا چاہئے۔

اور ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ شطرنج وچوسر کھیلنے والے، گویئے اور قضاء حاجت کرنے والے، کبوتر باز، برہنہ شخص کو سلام نہیں کرنا چاہئے۔ گھر میں جانے والا شخص گھر والوں کو اور کھڑے ہونیوالا بیٹھنے والے کو اور سوار رہنے والا پیدل شخص کو، گھوڑا سوار گدھے سوار کو، کم عمر بڑی عمر والے کو سلام کرے، کم افراد زیادہ افراد کو سلام کریں۔

اور بعض کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کو سلام کا جواب دینا احسن منھا میں اور غیر مسلم کو جواب دینا اور دوھا میں داخل ہے چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے کہ تمہیں اہل کتاب جب سلام کریں تو صرف وعلیکم کہہ دینا چاہئے۔ کیونکہ یہ لوگ السَّام علیکم کہا کرتے تھے۔ جس کے معنی ہلاکت اور بددعا کے ہیں اس لئے جواب میں صراحۃً بددعائیہ کلمات کہنا تو ایک درجہ میں اخلاق سے گری ہوئی بات ہے اور بالکل اثر نہ لینا ہے بے حسی کہلاتی اس لئے صرف علیکم کہنے میں طوقِ لعنت اسی کے گلے میں پہنا دیا گیا ہے ''کالائے بدبریش خاوند''۔ نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ لاغرار فی التسلیم سلام میں کوتاہی نہ کرو۔ یعنی صرف علیک نہ کہو بلکہ علیکم کہو تاکہ ملائکہ کاتبین بھی داخل ہوجائیں اور السلام علیکم صرف باللام بہتر ہے بمقابلہ سلام علیکم نکرہ کہنے کے۔ عموم جنسیت واستغراق کی وجہ سے اور لفظ سلام کی تقدیم میں تفائل نیک مقصود ہے جو لفظ علیکم مقدم کرنے کی صورت میں ہے حاصل نہ ہوتا بلکہ علی ضرر کے لئے موہم ہوتا البتہ جواب سلام میں چونکہ واؤ عاطفہ پہلے ہے اس لئے سلام پر عطف ہونے کی وجہ سے لفظ علیکم مقدم ہونے کے باوجود بددعا اور ضرر کے لئے موہم نہیں ہوسکتا۔

وخصت السنۃ یعنی یہ لوگ خود سلام کریں تو جواب سلام واجب نہیں۔ بلکہ کھانا کھانے میں مشغول شخص کے علاوہ سب کو جواب دینا مکروہ ہے۔ نوجوان اجنبی عورت کو بھی فتنہ کی وجہ سے سلام نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ محارم عورتوں یا بوڑھی عورتوں کو سلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اسی طرح کھانے کا لقمہ اگر منہ میں ہو تو عجز کی وجہ سے سلام مکروہ ہے لیکن چبانے سے پہلے اور بعد میں مکروہ نہیں ہے اور وجیز کروری میں لکھا ہے اگر یہ معلوم ہو کہ کھانے والے ضرور اس کی تواضع کریں گے تو سلام کر لینا چاہئے ورنہ نہیں۔

اللہ یہ مبتداء ہے لا الہ الا ھو اس کی خبر ہے۔ واللہ مفسر علامؒ نے اس تقدیر سے اشارہ کردیا کہ لیجمعنکم کا محذوف قسم کا جواب ہے فیہ جملہ حال ہے۔ الیوم سے ضمیر اسی کی طرف راجع ہے یا فیہ کو ریب کی صفت قرار دیا جائے اور ضمیر جمع کی طرف راجع ہو۔ ای

جمعا لا ریب فیہ.

ربط:.........پچھلی آیات میں اثبات رسالت تھا۔ آیت افلایتدبرون الخ میں عجیب وغریب طرز پر حقانیت قرآن کا اثبات ہے جو عظیم ترین دلیل نبوت ہے۔ جس کے وہ ضمناً اور صراحۃً منکر تھے اسی طرح گذشتہ آیات میں منافقین کی مذہبی بے عنوانی کا ذکر تھا۔ آیت اذا جاء ھم الخ میں ان کی انتظامی بدعنوانی کا ذکر ہے جو اسلام کے لئے ضرر رساں ہوئی اور آیت فقاتل الخ میں پھر مضمون جہاد کا بیان ہے۔ نیز ترغیب جہاد چونکہ ایک اچھائی اور بھلائی کی ترغیب ہے اسی مناسبت سے آیت من یشفع میں نیکی اور بدی کی طرف ترغیب کا استحسان اور غیر استحسان بیان کرتا ہے۔ گویا چوبیسواں حکم ہے اور چونکہ بھلائی کی ترغیب میں تالیفِ قلب ہوتی ہے اس مناسبت سے جواب سلام کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ اس میں بھی تالیف قلب ہوتی ہے۔ نیز حکم شہادت جس طرح جان ومال کی حفاظت کا ذریعہ ہے مجاہدین سلام کرنے کو بھی علامت اسلام سمجھ کر ہاتھ روک لیا کریں۔ یہ گویا اکیسواں حکم ہے۔ ان تمام احکام کی تاکید واہمیت کی خاطر آیت اللہ لا الٰہ میں اپنی عظمت اور قیامت کا ذکر کر دیا کہ اطاعت وفرمانبرداری پر آمادگی ہو سکے۔

شانِ نزول:.........جنگی خبروں کو جب تک احتیاط کی چھلنی میں صاف نہ کیا جائے پبلک پر ظاہر کر دینا مفادِ عامہ کے خلاف ہوتا ہے۔ منافقین اسی قسم کی حرکتیں کرتے رہتے تھے جس سے عام مسلمان احساس کمتری میں مبتلا ہوتے رہتے تھے۔ ضرورت تھی کہ اس قسم کی خبروں پر سنسر بٹھلایا جائے اس لئے آیت اذا جاء ھم الخ نازل ہوئی اور آیت فقاتل فی سبیل اللہ کے شان نزول کی طرف خود مفسر علامؒ نے اشارہ کر دیا ہے۔

﴿تشریح﴾:.........خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم کی بے مثل فصاحت وبلاغت اور گذشتہ تاریخی واقعات کا حرف بحرف سچ ہونا دراں حالیکہ آپ ﷺ اس سلسلہ میں ایک حرف نہیں جانتے تھے۔ اسی طرح آئندہ پیشگوئیوں کا بالکل ٹھیک ٹھیک واقعہ کے مطابق اترنا یہ سب باتیں اس کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہیں۔ کیونکہ سرمو بھی ان میں فرق نہیں ہوا ہے جو ظاہر ہے کہ قرآن کریم کا سراسر معجزہ ہے اور سنت الٰہی یہ ہے کہ احتمال تلبیس کے وقت جھوٹے مدعی نبوت کی کھیتی پھلنے پھولنے اور سرسبز ہونے کا موقعہ نہیں دیا جاتا۔

قرآن کا اعجاز:.........پس فصحاء بلغاء کے لئے تو قرآن کریم کی بے نظیر فصاحت وبلاغت وجہ اعجاز ہے اور علماء اور اہل کتاب کے لئے گذشتہ صحیح تاریخی واقعات اور آئندہ کی سچی پیشن گوئیاں وجہ اطمینان ہیں۔ اس طرح یہ استدلال قرآن کریم کے ہر ہر مضمون میں جاری ہو سکے گا اور جب ہر مضمون میں جاری ہو سکے گا اور جب ہر مضمون منجانب اللہ ہوا تو مجموعہ کا کلام اللہ ہونا ثابت ہو گیا۔ اور اس آیت میں اختلاف سے مراد نسخوں کا اختلاف بھی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بات لازم عادیہ میں سے ہے کہ انسان کتنی ہی تصحیح کا اہتمام کرلے پھر بھی کچھ نہ کچھ اختلاف اور نامطابقت رہ جاتی ہے۔ لیکن یہ قرآن پاک کی خوبی اور خصوصیت ہے کہ اس میں کسی جگہ اس طرح کا اختلاف نظر نہیں آتا۔

ایک شبہ کا جواب:.........الا قلیلاً کے استثناء پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب یہ معدودے چند افراد اپنی عقل کی روشنی اور سلامت روی سے بغیر وحی اور نور نبوت کے شیطان کے اتباع سے محفوظ رہے تو پھر ان کے حق میں قرآن اور آنحضرت ﷺ کی بعثت اور اللہ کے فضل کا کیا انعام واحسان ہوا؟ جواب میں یہ کہا جائے گا کہ عقل سے اجمالاً تو بعض احکام کا ادراک ہو سکتا ہے جو کافی نہیں لیکن تفصیلی طور ابواب سعادت وہدایت میں عقل کا پایہ چوبین بالکل درماندہ اور لنگ محض ہے۔ اول تو بعض نظری امور اس درجہ دقیق، خفی اور مشتبہ ہوتے ہیں کہ ان کا ادراک ہی مشکل ہے۔ چہ جائیکہ صحیح طریق کا اتباع۔ اور ہو بھی جائے تو اشتباہ کی وجہ سے خود یہ اتباع ہی محتمل

ہے۔ دوسری اگر نور عقل کے ذریعہ انسان نقصان سے بھی رہ جائے تو منافع کی تحصیل سے تو ضروری محروم رہے گا۔ جن کا ادراک یقیناً نور وحی پر موقوف ہے۔ پس شریعت بیضاء کا یہ کیا کم احسان ہے کہ اس نے خود عقل کو روشنی دکھلائی ہے۔

ایک اور شبہ کا جواب:......... دوسرا شبہ یہ ہے کہ مؤمنین اور منافقین دراصل ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ پھر اولی الامر جس سے مراد مؤمنین ہیں اور مستنبطین جس سے مراد منافقین ہیں دونوں کو منھم میں کیسے داخل کیا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ منافقین کے اپنے زعم وگمان کے لحاظ سے کہا گیا ہے کہ وہ خود کو مسلمانوں ہی کے زمرہ میں داخل اور شامل سمجھتے تھے۔

اللہ کا اشد باسا ہونا دنیا کے اعتبار سے اور اشد تنکیلا ہونا اخروی لحاظ سے ہوسکتا ہے کیونکہ کفار کو مغلوب کرنے کا سامان کردینا ہی نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے زور جنگ کا اور کفار سے مراد اگر صرف کفار قریش ہوں تب تو اسی پیشنگوئی کا وقوع ظاہر ہے لیکن اگر عام کفار دنیا مراد ہوں تو اس وقت بھی اس کا سچ ہونا مشتبہ نہیں ہے۔ کیونکہ چندروز ہی میں اللہ نے اسلام کا پھریرا ہر طرف لہرادیا ہے اور مسلمانوں نے سب سلطنتوں کو زیرنگیں کرلیا۔ جلال مفسرؒ نے ان آیات کو ایک خاص واقعہ پر محمول کیا ہے جس کا خلاصہ ابن جریرؒ کی تخریج اور ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ شوال ۳ھ میں معرکہ احد کے بعد ذیقعدہ میں وعدہ کے مطابق آنحضرت ﷺ نے مقابلہ کے لئے بدر میں تشریف لے جانا چاہا تو وہ زخم خوردہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں نے تامل کیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں فابی علیہ الناس ان یتبعوہ جس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا انی ذاھب و ان لم یتبعنی احد چنانچہ آپ ستر صحابہؓ کو لے کر موقعہ پر تشریف لے گئے لیکن میدان صاف تھا پس اس صورت میں بھی کفار سے مراد خاص کفار ہیں اس لئے پیشنگوئی کے وقوع میں کوئی شبہ نہیں۔ اسی طرح ایک اچھی توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ وعدہ نصرت آنحضرت ﷺ کے تنہا قتال فرمانے کی صورت میں تھا لیکن چونکہ یہ صورت پیش نہیں آئی اس لئے پیشنگوئی کے پورا ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

اچھی اور بری سفارش:......... شفاعت حسنہ وہ ہوتی ہے جس کا طریقہ اور مقصد دونوں مشروع ہوں اور شفاعت سیئہ میں دونوں غیر مشروع ہوتے ہیں۔ کسی غریب کی امداد کے لئے کسی امیر کو ناگواری کی حد تک اگر مجبور کردیا جائے تو مقصد سفارش تو محمود ہے لیکن طریق سفارش غلط اور مذموم ہے گویا ایک مسلمان کو آرام پہنچانے کے ساتھ دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچانا ہوا اور کسی ظالم کی مدد کے لئے سفارش کی جائے تو مقصد کے برا ہونے کی مثال ہوگی۔ غرضکہ دونوں باتیں صحیح ہوں تو ایسی سفارش عبادت ہے۔ خواہ واجب ہو کر یا مستحب ہو کر اور اس لئے اس پر اجرت لینا حرام ہے۔ کیونکہ عبادت محل اجرت نہیں ہوتی اور بری سفارش پر معصیت ہونے کی وجہ سے اجرت لینا حرام اور رشوت ہے۔ یہ خیال کرنا کہ ہماری کوششوں کے مقابلہ میں یہ اجرت ہے غلط ہے کیونکہ اگر یہ بات صحیح ہوتی کہ کوشش کا یہ ثمرہ ہے تو ایک معمولی اور بے حیثیت شخص اس سے زیادہ کوشش بھی کرلے تب بھی اس کو اجرت نہیں دی جاتی۔ معلوم ہوا کہ یہ اجرت کوشش کے مقابلہ میں نہیں دی گئی بلکہ حیثیت اور اجارہ کے مقابلہ میں پیش کی گئی ہے اور وہ غیر متقوم ہوتی ہے اس لئے رشوت اور حرام ہوئی۔

سلام کرنا اسلامی شعار ہے:......... حیوا امر کے صیغہ سے اور لفظ حسیبا سے بظاہر وجوب سمجھ میں آتا ہے یہی مذہب ہے فقہاء کا مگر مشروع سلام مراد ہے جو سلام مکروہ ہیں وہ اس سے خارج ہیں جس کی طرف جلال مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ وہ کسی گناہ کی حالت میں مبتلا ہو یا عبادت میں لگ رہا یا طبعا ناگوار حالت میں ہو جس کی تفصیلات درمختار ہے میں ان حالات میں اگر کوئی غلطی سے سلام کر بھی لے تو جواب اس کے ذمہ نہیں بلکہ بعض حالات میں جواب مکروہ ہے۔ مفرد ہو تو سلام کرنا سنت عینی اور جماعت ہو تو سلام

کرنا سنت کفائی ہوگا۔اسی طرح جوابِ سلام منفرد شخص کے لئے واجب علی العین اور جماعت ہوتو وجوب علی الکفایہ ہے۔نیز نفس جوابِ سلام واجب ہے البتہ اتنے ہی الفاظ سے یا اس سے بہتر الفاظ سے۔یا بعض حالات میں اس سے کم الفاظ سے۔غرضکہ ان سب صورتوں میں اختیار ہے۔لفظ او جوتخییر کے لئے ہے وہ اسی اعتبار سے ہے اور امر سے جو وجوب مستفاد ہے وہ نفس سلام کے لحاظ سے ہے غرضکہ مقید تو واجب ہے اور قید اختیاری ہے السلام علیکم کے جواب میں علیکم السلام و رحمة الله تو احسن میں اور صرف علیکم السلام کہنا اور دوھا میں داخل ہونے کی وجہ سے بلاشبہ صحیح ہے۔لیکن السلام علیکم و رحمة الله کے جواب میں صرف وعلیکم السلام کہہ دینا بھی اجماعاً کافی ہے۔لفظ حییتم بصیغۂ مجہول ہے اس کا فاعل اجماعاً مسلمان ہوتو احکام مذکورہ جاری ہوں گے سلام کرنے والا اگر غیر مسلم اور کافر ہے تو اگر اس کی طرف سے شرارت کا شبہ ہے تو وہ سلام کی بجائے بددعائیہ جملے کہہ رہا ہے تب تو صرف علیکم کہنا چاہئے ورنہ اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں صرف جائز ہے البتہ صرف ضرورت کے مواقع پر ابتداءً سلام کرنا بھی جائز ہے۔ کذا قال صاحب الکشاف وروی ذلک عن النخعیؒ وعن ابی حنیفة وعن ابی یوسف لانسلم ولا نصافحهم واذا دخلت فقلیل السلام علی من اتبع الهدیٰ. جمہور کے نزدیک آیت میں تحیۃ سے مراد سلام ہے اور امام شافعیؒ کا قول قدیم یہ ہے کہ اس سے مراد عطیہ اور ہدیہ ہے۔

کلامِ الٰہی کی اصدقیت اور قدرت علی الکذب کی بحث:............ومن اصدق من الله حدیثا کے معنی محاورہ کے اعتبار سے یہ ہیں کہ اللہ سے زیادہ اور اس کے برابر کوئی سچا نہیں ہے یعنی جس طرح اللہ سے بڑھ کر کوئی اصدق نہیں اسی طرح کوئی اس کے مساوی الصدق بھی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی اصدقیت باعتبار کمیت کے بھی ہے اور بلحاظ کیفیت بھی۔کیونکہ کسی خبر کی اصدقیت کا مدار محکی عنہ کی مطابقت پر ہے اور ظاہر ہے کہ عالم الغیب ہونا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔تمام مخلوق اس سے محروم ہے اس لئے اس کی خبریں پوری طرح محکی عنہ کے مطابق ہوں گی اسی طرح مواعید کا مدار قدرت کاملہ اور علم پر ہے اور حق تعالیٰ میں یہ دونوں کامل ہیں۔اس لئے اس کا ہر وعدہ پورا اور مخلوق میں چونکہ ناقص ہیں اس لئے اس کا ہر وعدہ ادھورا ہے۔

یہ گفتگو تو اصدقیت کی بلحاظ کمیت ہوئی اور کلام الٰہی کی اصدقیت باعتبار کیفیت اس طرح ہے کہ کلام اللہ کے لئے اصدقیت لوازم کلام میں سے ہے کہ عقلاً اس سے اصدقیت کا الگ ہونا محال ہے لیکن مخلوق کے کلام میں یہ بات نہیں ہے۔اگرچہ ملزوم کی طرح خود یہ لازم داخلِ قدرت اور مقدور ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی ضد بھی قدرت ہی کے ماتحت ہوگی کیونکہ قدرت کا تعلق ضدین سے ہوا کرتا ہے اور کلام سے مراد بھی کلام لفظی ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات افعال میں سے ہے۔کلام نفسی جو صفات ذاتیہ میں سے ہے اس کے لئے تو صدق لوازم ذاتیہ میں سے ہوگا۔اس کے ذاتی وجوب اور امتناع عقلی کی وجہ سے اس کی ضد تحت القدرت نہیں ہوگی۔غرض کہ کلام لفظی کو صفاتِ افعال میں اور کلام نفسی کو صفات ذات میں شمار کرنے کی وجہ سے امتناع کذب کا معرکۃ الاراء مسئلہ اپنی غلط تعبیر کے باوجود اس طرح بلا اشکال حل ہو جاتا ہے کیونکہ اول صورت میں امتناع عادی حق ہے یعنی انتفاء صحیح ہے لیکن منتفی تحت القدرت بھی ہے اور ثانی صورت میں حق امتناع عقلی ہے یعنی انتفاء ہے۔لیکن منتفی تحت القدرت داخل نہیں،قدرت کے مطابق نقصان کی وجہ سے نہیں بلکہ محل کی عدم صلاحیت کے باعث اس مشکل اور نازک مسئلہ کی تعبیر میں کچھ اصلاحی الفاظ آ گئے ہیں طلبۂ کرام معاف فرمائیں۔

لطائف آیت:............آیت فحیوا باحسن منها میں مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی تعلیم ہے۔

وَلَمَّا رَجَعَ نَاسٌ مِنْ اُحُدٍ اِخْتَلَفَ النَّاسُ فِيْهِمْ فَقَالَ فَرِيْقٌ اُقْتُلْهُمْ وَقَالَ فَرِيْقٌ لَا فَنَزَلَ **فَمَالَكُمْ** اَىْ مَاشَانُكُمْ صِرْتُمْ **فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ** فِرْقَتَيْنِ **وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ** رَدَّهُمْ **بِمَا كَسَبُوْا** مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِىْ **اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ** اَىْ تَعُدُّوْهُمْ مِنْ جُمْلَةِ الْمُهْتَدِيْنَ وَالْاِسْتِفْهَامُ فِى الْمَوْضِعَيْنِ لِلْاِنْكَارِ **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا** ﴿۸۸﴾ طَرِيْقًا اِلَى الْهُدٰى **وَدُّوْا** تَمَنَّوْا **لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ** اَنْتُمْ وَهُمْ **سَوَآءً** فِى الْكُفْرِ **فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ** تُوَالُوْنَهُمْ وَاِنْ اَظْهَرُوا الْاِيْمَانَ **حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** هِجْرَةً صَحِيْحَةً تُحَقِّقُ اِيْمَانَهُمْ **فَاِنْ تَوَلَّوْا** وَاَقَامُوْا عَلٰى مَاهُمْ عَلَيْهِ **فَخُذُوْهُمْ** بِالْاَسْرِ **وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا** تُوَالُوْنَهٗ **وَّلَا نَصِيْرًا** ﴿۸۹﴾ تَنْتَصِرُوْنَ بِهٖ عَلٰى عَدُوِّكُمْ **اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ** يَلْجَاُوْنَ **اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ** عَهْدٌ بِالْاَمَانِ لَهُمْ وَلِمَنْ وَصَلَ اِلَيْهِمْ كَمَا عَاهَدَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِلَالَ ابْنَ عُوَيْمِرٍ الْاَسْلَمِىَّ **اَوِ الَّذِيْنَ جَآءُوْكُمْ** وَقَدْ **حَصِرَتْ** ضَاقَتْ **صُدُوْرُهُمْ** عَنْ **اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ** مَعَ قَوْمِهِمْ **اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ** مَعَكُمْ اَىْ مُمْسِكِيْنَ عَنْ قِتَالِكُمْ وَقِتَالِهِمْ فَلَا تَتَعَرَّضُوْا اِلَيْهِمْ بِاَخْذٍ وَّلَا قَتْلٍ وَهٰذَا وَمَا بَعْدَهٗ مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ السَّيْفِ **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ** تَسْلِيْطَهُمْ عَلَيْكُمْ **لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ** بِاَنْ يُّقَوِّىَ قُلُوْبَهُمْ **فَلَقٰتَلُوْكُمْ** وَلٰكِنَّهٗ لَمْ يَشَأْهُ فَاَلْقٰى فِىْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ **فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ** الصُّلْحَ اَىِ انْقَادُوْا **فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا** ﴿۹۰﴾ طَرِيْقًا بِالْاَخْذِ اَوِ الْقَتْلِ **سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ** بِاِظْهَارِ الْاِيْمَانِ عِنْدَكُمْ **وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ** بِالْكُفْرِ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ وَهُمْ اَسَدٌ وَغِطْفَانُ **كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ** دُعُوْا اِلَى الشِّرْكِ **اُرْكِسُوْا فِيْهَا** وُقِعُوْا اَشَدَّ وُقُوْعٍ **فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ** بِتَرْكِ قِتَالِكُمْ **وَلَمْ يُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَلَمْ يَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ** عَنْكُمْ **فَخُذُوْهُمْ** بِالْاَسْرِ **وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ** وَجَدْتُّمُوْهُمْ **وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا** ﴿۹۱﴾ بُرْهَانًا بَيِّنًا ظَاهِرًا عَلٰى قَتْلِهِمْ وَسَبْيِهِمْ لِغَدْرِهِمْ۔

ترجمہ:.......... (غزوۂ احد سے جب لوگوں کی واپسی ہوئی تو صحابہ کرامؓ ان کے متعلق مختلف الرائے ہوگئے بعض نے کہا ان کو قتل کرنا چاہئے اور بعض نے انکار کیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں) تمہیں کیا ہوگیا ہے (تمہارا کیا حال ہے کہ ہوگئے ہو) منافقین کے بارے میں دو فریق (دو ٹکڑیاں) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں الٹ دیا (لوٹا دیا) ہے ان کی بدعملیوں کی وجہ سے (جو انہوں نے کفر و گناہ کمائے ہیں) کیا تم چاہتے ہو ایسے لوگوں کو راہ دکھلاؤ جن کی راہ اللہ تعالیٰ نے گم کردی (یعنی تم ان کو ہدایت یافتہ لوگوں میں شمار کررہے ہو؟ دونوں جگہ استفہام انکاری ہے) جس کسی پر اللہ تعالیٰ راہ گم کردیتے ہیں تو پھر تم اس کے لئے کوئی راہ نہیں نکال سکتے (راہ ہدایت) ان کی دلی تمنا (منشاء) تو یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے کفر کی راہ اختیار کرلی ہے تم بھی (اور وہ بھی دونوں) برابر سرابر ہوجاؤ (کفر میں) پس

تمہیں چاہئے کہ ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ (کہ ان سے پینگیں بڑھانے لگو۔ اگرچہ یہ لوگ کھلم کھلا ایمان کا اظہار کریں) جب تک یہ لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں (صحیح ہجرت جو ان کے ایمان کو محقق کردے) اور اگر یہ لوگ روگردانی کریں (اپنی موجودہ منافقانہ حالت پر برقرار رہنے کی کوشش کریں) پس انہیں گرفتار کرلو (قید کردو) اور جہاں کہیں پاؤ قتل کردو۔ نہ تو ان میں سے کسی کو دوست بناؤ (کہ ان سے پینگیں بڑھاتے رہو) اور نہ کسی کو مددگار (کہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں ان سے مدد حاصل کرو) ہاں مگر جو لوگ جاملیں (حمایت حاصل کرلیں) ایسی قوم سے کہ تم میں اور اس میں عہد و پیمان ہو چکا ہے (ان سے اور ان کے حلیف لوگوں سے معاہدہ امن ہو چکا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ہلال بن عویمر اسلمی سے معاہدہ کیا تھا) یا (ایسے لوگ ہوں کہ) چلے آئیں وہ تمہارے پاس برداشتہ خاطر (تنگ دل) ہو کر نہ تم سے لڑیں (اپنی قوم کا ساتھ دے کر) اور نہ اپنی قوم سے لڑیں (تمہارا ساتھ دے کر یعنی کسی لڑائی میں بھی شریک نہ ہوں تو تم ان کی گرفتاری اور قتل سے کنارہ کش اور دست کش ہو۔ یہ آیت اور بعد کی آیت سیف حکم جہاد سے منسوخ ہیں) اگر اللہ میاں چاہتے (ان کو تم پر مسلط کرنا) تو ان لوگوں کو تم پر مسلط کردیتے (ان کے دل مضبوط کرکے) کہ تم سے لڑے بغیر نہ رہتے (لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں ہوا اس لئے ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھادیا) پس اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو گئے اور جنگ نہیں کرتے اور تمہارے پاس پیغام صلح بھیج رہے ہیں (یعنی اطاعت قبول کرلی) تو پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان پر کوئی راہ نہیں رکھی (کہ ایسے لوگوں کو گرفتار یا قتل کرو) ان کے علاوہ کچھ لوگ تمہیں ایسے بھی ملیں گے جو تمہاری طرف سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں (تمہارے سامنے ایمان کا اظہار کرکے اور اپنی قوم کی طرف سے بھی (جب ان کے سامنے جاتے ہیں کفر ظاہر کرتے ہیں۔ یہ لوگ قبیلۂ اسد و غطفان کے ہیں) لیکن جب بھی فتنہ و فساد کی طرف لوٹا دیئے جائیں (شرک کی طرف ان کو دعوت دی جاتی ہے) تو اوندھے منہ اس میں گر پڑتے ہیں (پوری طرح اس میں دھنس جاتے ہیں) سو اگر ایسے لوگ کنارہ کش نہ ہو جائیں (تم سے لڑائی نہ چھوڑ دیں) اور تمہاری طرف پیغام صلح نہ بھیجیں اور (تمہاری) لڑائی سے ہاتھ نہ روکیں تو انہیں بھی گرفتار کرلو اور جہاں کہیں پاؤ (ملیں) قتل کردو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے برخلاف ہم نے تمہیں کھلی حجت دے دی ہے (ان کی غداری کے پیش نظر ان کے قتل و قید کے جواز کی کھلی دلیل قائم کردی ہے)

تحقیق و ترکیب: .... الناس پہلے الناس سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے تین سو منافق ساتھی ہیں۔ اور دوسرے الناس سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں جو ان لوگوں کے بارے میں مختلف ہو رہے تھے اور فی الحقیقت عتاب ان لوگوں پر ہے جو ان کو قتل نہ کرنے کے مشورے دے رہے تھے۔ صرتم لفظ فئتین کے مبتداء کی تقدیر کی طرف اشارہ ہے اور فی المنفقین حال ہے فئتین سے یا بقول بضربین لکم کی ضمیر مجرور ہے اور اس میں معنی استقرار ہیں یا یہ ظرف لغو ہے اور و اللہ ارکسھم حال ہے منافقین سے رکس کے معنی رد الشئ مقلوبًا ہیں۔

من الکفر و المعاصی یعنی ما موصولہ ہے اور عائد محذوف ہے یا ما مصدریہ ہے و الا استفھام۔ انکار مع التوبیخ کے لئے ہے ای لا ینبغی لکم ان تختلفوا فی قتلھم و لا ینبغی لکم ان تعدوھم فی المھتدین جن کی رائے ان کو قتل نہ کرنے کی تھی ان پر عتاب و توبیخ ہے۔ ودوا بمعنی تمنی ہے اور لو مصدریہ ہے۔ ھجرۃ صحیحۃ حضرت عکرمہؓ کی رائے ہے کہ ہجرت کی تین قسمیں ہیں ابتداء اسلام میں مسلمانوں کی ہجرت جو للفقراء میں بیان کی گئی ہے۔ دوسرے منافقین کی ہجرت جو جس کی اصل غرض حصول دنیا تھی یہاں یہی ہجرت مراد ہے اور تیسری ہجرت معاصی اور گناہوں سے ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے المھاجر من ھجر مانھی اللہ. یصلون یعنی ینتسبون الیھم و یتصلون بھم و یدخلون فیھم بالحلف او الجوار۔ پناہ گزیں ہونا مراد ہے۔ چونکہ وہ بالواسطہ مامون ہیں۔ اس لئے قتال کی ممانعت کردی گئی ہے اور چونکہ یصلون انتہاء کے معنی کو متضمن ہے اس لئے الی کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے۔

ھلال بن عویمر ان سے آنحضرت ﷺ نے معاہدۂ امن فرمایا تھا ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ بنوبکر بن زید مراد ہیں اور مقاتل کہتے ہیں کہ خزاعہ اور خزیمہ بن عبدمناۃ مراد ہیں۔ **او الذین** اس سے بنومدلج مراد ہیں۔ یہ جملہ حالیہ بتقدیر **قد** ہے۔

اٰیة السیف اس سے مراد سورۂ توبہ کی آیت **فاقتلوا المشرکین الخ** ہے **ولکنه** اس استدراک سے قیاس کی تکمیل ہوگئی گویا یہ نقیض مقدم جس کا نتیجہ **فالقی فی قلوبهم الرعب** ہے **اسد و عظفان** یہ دونوں نام دونوں قبیلوں کے جدِ اعلیٰ کے ہیں۔

ولم یلقوا اس کا عطف **لم یعتزلوا** پر ہے **الحصر. الضیق. یلقوا الیکم السلم** میں صلح سے استعارہ کیا گیا ہے کیونکہ کسی شے کے سلم کے وقت اس کو مسلم لہ کی طرف ڈال دیا جاتا ہے۔ **فما جعل الله** اس میں مبالغہ ہے بالکل تعرض نہ کرنا ان دونوں آیات میں مقابلات ذکر کئے گئے ہیں۔ **اعتزلوکم** کے مقابلہ میں **لم یعتزلوکم** اور **لم یقاتلوکم** کے مقابلہ میں **ویکفوا** ہے ای **لم یکفوا** اور **القوا الیکم السلم** کے مقابلہ میں **یلقوا الیکم السلم** اور **فما جعل الله الخ** کے مقابلہ میں **اولئکم جعلنا** ہے۔

ربط:............ پچھلی آیات میں جہاد کے احکام کا ذکر تھا۔ اس رکوع میں بھی کفار کے ساتھ بعض حالات کے اعتبار سے قتال وعدم قتال کے بعض احکام مذکور ہو رہے ہیں۔

شانِ نزول:............ اس سلسلہ میں بعض روایات کا نقل کرنا ضروری ہے۔ (۱) بعض مشرکینِ مکہ خود کو مسلمان مہاجر ظاہر کرتے ہوئے مدینہ طیبہ آئے اور پھر مرتد ہو کر تجارت کے بہانے آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر مکہ معظمہ واپس ہو گئے اور ایسے گئے کہ پھر آنے کی توفیق ہی نہ ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد ان لوگوں کے بارے میں صحابہؓ کی رائے مختلف ہوگئی۔ بعض نے ان کو کافر سمجھا اور بعض ان کو مسلمان کہتے رہے۔ آیت میں اول رائے کو صحیح مانتے ہوئے ان کو واجب القتل قرار دیا اور ان کو منافق کہنا بایں معنی ہے کہ دعوئے اسلام کے وقت اول ہی سے یہ لوگ منافق تھے۔ خلوصِ دل سے ایمان نہیں لائے تھے اور یہاں چونکہ ان منافقین کا ارتداد کھل گیا ہے اس لئے واجب القتل قرار دیئے گئے ہیں۔ ورنہ منافقین قتل نہیں کئے جاتے تھے اور جن صحابہؓ نے حسنِ ظن کی وجہ سے ان کو مسلمان سمجھا انہوں نے ان کے ارتداد میں کچھ تاویل کر لی ہوگی جو بلا دلیل شرعی ہونے کی وجہ سے غیر معتبر سمجھی گئی۔ مثلاً انہوں نے سمجھا کہ کسی شخص کو محض ترک وطن نہ کرنے سے کافر نہیں کہنا چاہئے۔ لیکن شرعاً چونکہ یہ ہجرت اقرار لسانی اور واجب تھی۔ اس لئے تارکِ اقرار کی طرح تارکِ ہجرت بھی کافر سمجھا گیا۔

(۲) بدر واحد کے بعد سراقہ بن مالک مدلجی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہماری قوم مدلج سے صلح کر لیجئے۔ آپ ﷺ نے حضرت خالدؓ کو حسب ذیل دفعاتِ صلح دے کر ان کے ساتھ بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے۔ قریش مسلمان ہو گئے تو تم کو بھی مسلمان ہونا پڑے گا اور جو قومیں ہمارے ساتھ ہوں گی وہ بھی اس معاہدہ میں ہماری شریک ہوں گی۔ اس پر آیت **الا الذین الخ** نازل ہوئی۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ آیت **ستجدون الخ** کا مصداق قبیلہ اسد وعظفان ہیں۔ جو مدینہ میں حاضر ہو کر تو اسلام کا دعویٰ کرتے تھے اور اپنی قوم میں جا کر کہتے ہیں کہ بدستور ہم تو بندر اور بچھو پر ایمان لائے ہیں اور ضحاک نے ابن عباسؓ سے یہی حالت قبیلہ عبدالدار کی نقل کی ہے۔ ان تینوں روایتوں میں پہلی دو روایتیں روح المعانی میں ہیں اور تیسری روایت معالم میں ہے۔ البتہ تیسری جماعت کی حالت بھی چونکہ دلیل سے واقع ہوگئی کہ پہلی جماعت کی طرح مسلمان نہیں ہیں اس لئے ان کا حکم بھی عام کفار کی طرح ہوگا کہ صلح کی حالت میں قتال نہ کیا جائے اور مصالحت نہ ہونے کی صورت میں قتال کی اجازت ہے۔

آیت کے مخاطب تین فرقے ہیں اور حکم دو ہیں:.......... پس ان آیات میں کل تین فرقوں کا ذکر ہے۔ پہلی اور دوسری آیت فمالکم الخ اور ودوا میں ایک فرقہ کا اور تیسری آیت الا الذین میں ایک فرقہ کا اور چوتھی آیت میں ایک فرقہ کا اور اس موقعہ پر حکم صرف دو قسم کے ہیں۔ یعنی عدم صلح کی حالت میں قتال اور صلح میں عدم قتال۔ رہا یہ کہ مدینہ میں رہنے والے منافقین کا کفر اگرچہ دلائل سے ثابت تھا پھر بھی ان کے لئے امن کا حکم کیوں ہوا؟

اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ان منافقین کی حالت بھی چونکہ عام کفار کی طرح تھی کہ صلح سے رہتے تھے اس لئے بحالت صلح عدم قتال کا حکم مناسب ہوا۔ البتہ روح المعانی میں ان آیات کا منسوخ ہونا آیت برأت **فاذا انسلخ الاشهر الحرم** الخ سے معلوم ہوتا ہے حالانکہ مصالحین سے جنگ نہ کرنے کا حکم اب بھی باقی ہے۔ ممکن ہے ان آیات کے نزول کے وقت صلح کے خواہش مند لوگوں کی درخواست کا منظور کرنا واجب ہو اور اس لحاظ سے اس کو نسخ کہنا صحیح ہو کہ اب یہ وجوب باقی نہیں رہا یا ایک میعاد معین کے بعد اعلان نقض صلح کو صورۃً نسخ سے تعبیر کر دیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں کلمہ شہادت کے اقرار کی طرح ہجرت بھی ضروری اور فرض تھی۔ بشرطیکہ ہجرت پر قدرت ہو۔ اس لئے جن منافقین نے قدرت ہجرت کے باوجود مدینہ سے ہجرت نہیں کی اور وہیں رہتے رہے ان کا حکم عام کفار کی طرح ہوگا۔ اسی لئے دوسری آیت میں ان کو دوست نہ بنانے کی غایۃ **حتی یھاجروا** کو فرمایا گیا ہے اور دوست نہ بنانا مرادف ہے ایمان کے غیر مقبول ہونے کو۔ کیونکہ ایمان بھی منجملہ شرائط جواز ولایت ہے اور صحاح کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آیات کا نزول غزوۂ احد سے واپس ہونے والے منافقین کے بارے میں ہوا ہے۔ لیکن ظاہر آیت اس کی تائید نہیں کرتی۔ جن حضرات نے اس روایت کو اختیار کیا ہے انہوں نے ہجرت سے مراد ایک خاص ہجرت لی ہے۔ یعنی جہاد کی طرف خروج کرنا چنانچہ روح المعانی کے تین معنی نقل کئے گئے ہیں۔ ایک ہجرت کے متعارف معنی، دوسرے ترک منہیات، تیسرے جنگ کے لئے نکلنا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اَیْ مَا یَنْبَغِیْ لَهٗ اَنْ یَّصْدُرَ مِنْهُ قَتْلٌ لَهٗ **اِلَّا خَطَاً** مُخْطِئًا فِیْ قَتْلِهٖ مِنْ غَیْرِ قَصْدٍ **وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً** بِاَنْ قَصَدَ رَمْیَ غَیْرِهٖ كَصَیْدٍ اَوْ شَجَرَةٍ فَاَصَابَهٗ اَوْ ضَرَبَهٗ بِمَا لَا یُقْتَلُ غَالِبًا **فَتَحْرِیْرُ** عِتْقُ **رَقَبَةٍ** نَسَمَةٍ **مُّؤْمِنَةٍ** عَلَیْهِ **وَّدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ** مُؤَدَّاةٌ **اِلٰٓی اَهْلِهٖٓ** اَیْ وَرَثَةِ الْمَقْتُوْلِ **اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا** يَتَصَدَّقُوْا عَلَيْهِ بِهَا بِاَنْ يَّعْفُوْا عَنْهَا وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّهَا مِائَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ عِشْرُوْنَ بِنْتُ مَخَاضٍ وَكَذَا بَنَاتُ لَبُوْنٍ وَبَنُوْ لَبُوْنٍ وَحِقَاقٌ وَجِذَاعٌ وَاَنَّهَا عَلٰى عَاقِلَةِ الْقَاتِلِ وَهُمْ عَصَبَةُ الْاَصْلِ وَالْفَرْعِ مُوَزَّعَةٌ عَلَيْهِمْ عَلٰى ثَلٰثِ سِنِيْنَ عَلَى الْغَنِيِّ مِنْهُمْ نِصْفُ دِيْنَارٍ وَالْمُتَوَسِّطِ رُبُعُ كُلِّ سَنَةٍ فَاِنْ لَّمْ يَفُوْا فَمِنْ بَيْتِ الْمَالِ فَاِنْ تَعَذَّرَ فَعَلَى الْجَانِيْ **فَاِنْ كَانَ** الْمَقْتُوْلُ **مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ** حَرْبٍ **لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ** عَلٰى قَاتِلِهٖ كَفَّارَةٌ وَلَا دِيَةٌ تُسَلَّمُ اِلٰى اَهْلِهٖ لِحِرَابَتِهِمْ **وَاِنْ كَانَ** الْمَقْتُوْلُ **مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ** عَهْدٌ كَاَهْلِ الذِّمَّةِ **فَدِيَةٌ** لَهٗ **مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ** وَهِيَ ثُلُثُ دِيَةِ الْمُؤْمِنِ اِنْ كَانَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا وَثُلُثَا عُشْرِهَا اِنْ كَانَ مَجُوْسِيًّا **وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ** عَلٰى قَاتِلِهٖ **فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ** الرَّقَبَةَ بِاَنْ فَقَدَهَا وَمَا يُحَصِّلُهَا بِهٖ

فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ وَلَمْ يَذْكُرْ تَعَالَى الْإِنْتِقَالَ إِلَى الطَّعَامِ كَالظِّهَارِ وَبِهِ اَخَذَ الشَّافِعِيُّ فِي اَصَحِّ قَوْلَيْهِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ مَصْدَرٌ مَنْصُوْبٌ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا بِخَلْقِهِ حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ فِيْمَا دَبَّرَهُ لَهُمْ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا بِاَنْ يَّقْصُدَ قَتْلَهُ بِمَا يَقْتُلُ غَالِبًا عَالِمًا بِاِيْمَانِهِ فَجَزَآءُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ اَبْعَدَهُ مِنْ رَّحْمَتِهِ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ فِي النَّارِ وَهٰذَا مُؤَوَّلٌ بِمَنْ يَّسْتَحِلُّهُ اَوْ بِاَنَّ هٰذَا جَزَاؤُهُ اِنْ جُوْزِيَ وَلَابِدْعَ فِي خُلْفِ الْوَعِيْدِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهَا عَلَى ظَاهِرِهَا وَاَنَّهَا نَاسِخَةٌ لِغَيْرِهَا مِنْ اٰيَاتِ الْمَغْفِرَةِ وَبَيَّنَتْ اٰيَةُ الْبَقَرَةِ اَنَّ قَاتِلَ الْعَمَدِ يُقْتَلُ بِهِ وَاَنَّ عَلَيْهِ الدِّيَةَ اِنْ عُفِيَ عَنْهُ وَسَبَقَ قَدْرُهَا وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ بَيْنَ الْعَمَدِ وَالْخَطَأِ قَتْلًا يُسَمّٰى شِبْهُ الْعَمَدِ وَهُوَ اَنْ يَّقْتُلَهُ بِمَا لَا يَقْتُلُ غَالِبًا فَلَاقِصَاصَ فِيْهِ بَلْ دِيَةٌ كَالْعَمَدِ فِي الصِّفَةِ وَالْخَطَأِ فِي التَّاجِيْلِ وَالْحَمْلُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَهُوَ الْعَمَدُ اَوْلٰى بِالْكَفَّارَةِ مِنَ الْخَطَأِ

ترجمہ:............اور کسی مسلمان کے لئے سزاوار نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے (یعنی مسلمان کے لئے کسی مسلمان کو قتل کرنا زیبا نہیں ہے) الا یہ کہ غلطی سے ہو جائے (قتل خطاء بلا ارادہ) اور جس کسی نے مسلمان کو غلطی سے قتل کر دیا ہو (اس طرح کہ کسی شکار یا درخت پر تیر پھینکنا چاہتا تھا لیکن مسلمان کے لگ گیا یا ایسی چیز ماردی جس سے انسان اکثر حالات میں مرتا نہیں (تو چاہئے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کر دیا جائے اور خونبہا دے دیا جائے (ورثا مقتول کو) الا یہ کہ ورثا مقتول خونبہا معاف کر دیں (خون بہا کو اس پر صدقہ کر دیں۔ جس سے مراد معاف کرنا ہے اور خون بہا کی تفصیل حدیث میں ہے کہ ایک سو اونٹ ہونے چاہئیں۔ بیس بنت مخاض، اور اتنے ہی بنت لبون مونث و مذکر اور حقے اور جذعے۔ اور نیز یہ دیت قاتل کے خاندان والوں پر ہوگی۔ یعنی عصبات کی اصل وفرع پر تین سال پر اس طرح تقسیم کی جائے گی کہ امیروں پر سالانہ نصف اشرفی اور اوسط درجہ کے لوگوں پر چوتھائی اشرفی اور اگر یہ لوگ کسی وجہ سے ادانہ کر سکیں تو پھر بیت المال سے اور وہاں سے بھی اگر ادائیگی نہ ہو سکے تو پھر مجبوراً قاتل سے وصول کی جائے گی) اور اگر (مقتول) اس قوم میں سے ہو جو تمہاری (جنگی) دشمن ہے مگر مؤمن بھی ہو تب بھی ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا چاہئے (اور یہ کفارہ صرف قاتل کے ذمہ ہے اور اس صورت میں جو خون بہا مقتول کے ورثاء کو نہیں دلایا جائے گا کیونکہ اس سے جنگ ہو رہی ہے) اور اگر (مقتول) ایسی قوم میں سے ہو کہ جس کے ساتھ تمہارا معاہدۂ صلح ہے (جیسے ذمی) تو چاہئے کہ مقتول کے ورثاء کو خون بہا بھی دے دے (ذمی اگر یہودی یا نصرانی ہے تب تو مسلمان کے خون بہا کا ایک ثلث دینا پڑے گا اور مجوسی ہو تو خون بہا کے دسویں حصہ کی دو تہائی دینی پڑے گی) اور ایک مسلمان غلام بھی آزاد کرنا چاہئے (صرف قاتل کو) اور اگر غلام دستیاب نہ ہو (خواہ تو غلام ملتا ہی نہ ہو یا اس کے پاس دام نہ ہوں) تو دو مہینے کے لگا تار روزے رکھنے چاہئیں (یہ اس پر کفارہ ہے اور حق تعالیٰ نے مسئلہ ظہار کی طرح یہاں بھی کھانا کھلانے کی طرف منتقل ہونے کو نہیں فرمایا اور امام شافعیؒ نے اپنے اصح قول میں اسی کو اختیار کیا ہے) بطور توبہ کے (توبۃً مصدر ہے فعل مقدر کے ذریعہ سے منصوب ہے) اور اللہ تعالیٰ (اپنی مخلوق کو) جاننے والے حکمت رکھنے والے ہیں (جو کچھ مخلوق کی تدبیریں کرتے رہتے ہیں) اور جو مسلمان کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے (یعنی اس کے قتل کا ارادہ بھی ہو اور ایسی چیز سے مارا ہو جس سے عموماً آدمی

مرجاتا ہے۔ نیز اس کو مسلمان سمجھتے ہوئے مارا ہو) تو اس کی سزا جہنم ہے۔ جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوں گے اور ان کی پھٹکار پڑے گی (اپنی رحمت سے اس کو دور پھینک دیں گے) اور اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے (جہنم میں آیت کی تاویل یہ ہے کہ یہ سزا اس قاتل کی ہے جس نے کسی مسلمان کو مارنا حلال سمجھا ہو یا یہ مطلب ہے کہ یہ جرم اتنا سنگین ہے کہ اگر اس کی سزا ہو تو یہ ہونی چاہئے اور آیت قرآنی **ویغفر مادون ذٰلک لمن یشاء** کے سلسلہ میں خلاف وعید ہونے کا اچنبھا نہیں ہونا چاہئے۔ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر ہے اور آیاتِ مغفرت کے لئے یہ آیت ناسخ ہے اور آیتِ بقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل عمد کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ ہاں اگر قصاص معاف کر دیا جائے تو پھر خون بہا دینا پڑے گا جس کی مقدار پہلے گزر چکی ہے۔ نیز حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل عمد اور قتل خطا کے درمیان ایک قسم قتل کی اور بھی ہوتی ہے جس کہ "شبہ عمد" کہنا چاہئے وہ یہ کہ ایسے آلہ سے قتل کیا جائے جس سے عام طور پر انسان مرتا نہیں چنانچہ اس میں قصاص تو واجب نہیں ہوگا البتہ خون بہا آئے گا۔ یہ قسم گویا صفت کے لحاظ سے من وجہ قتل عمد کی طرح ہے اور مدت کے اعتبار سے من وجہ قتل خطاء کی طرح ہے اور اس کا خون بہا عاقلہ پر آئے گا اور شبہ عمد اور قتل عمد دونوں بہ نسبت قتلِ خطا کے زیادہ لائق کفارہ ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **من** موصولہ مبتداء ہے اور **قتل** صلہ اور **فتحریر** خبر ہے اور فا مشابہ بالشرط ہے اور یا **من** شرطیہ **قتل** فعل **فتحریر** جواب شرط۔ قتل خطا کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مقتول مؤمن اور ورثاء بھی مؤمن، مقتول مؤمن اور ورثاء غیر مسلم، مقتول مؤمن اور ورثاء حربی۔ پہلی دو قسموں میں دیۃ اور کفارہ آئے گا تیسری قسم میں صرف کفارہ ہوگا۔

او ضربه شبہ عمد کو صراحۃً آیت میں داخل کرنے کے لئے جلال مفسرؒ یہ تاویل کر رہے ہیں لیکن اس توجیہ کے بعد پھر مفسر علامؒ کو اس قیاس کی ضرورت نہیں رہتی جو وہ شبہ عمد کو قتل خطاء میں داخل کرنے کے لئے آگے چل کر **هو العمد والعمد اولی بالكفارة من الخطاء** سے کر رہے ہیں **نسمة** لفظ **رقبة** جز کا اطلاق کل پر کیا گیا ہے لیکن یہ لفظ مملوک کے معنی میں متعارف ہے لفظ **نسمة** تحسین کے ساتھ ہے۔ لفظ **مومنة** کے بعد **علیه** کی تقدیر خبر محذوف کی طرف مشیر ہے۔

و دية اس میں تا واؤ کے عوض میں ہے **عدة** کی طرح اور یہ مصدر ہے خون بہا دینا۔ **الا ان یصدقوا** یہ منصوب ہے استثناء کی وجہ سے ای **فی جمیع الاحیان الاحین التصدق**.

وبینت السنة کتاب الدیات میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک اموال ثلثہ سے حسب ذیل تفصیل کے ساتھ دیۃ ادا کرنی چاہئے۔ سونے کے سکہ سے ایک ہزار اشرفی، چاندی کے سکہ سے حنفیہؒ کے نزدیک دس ہزار روپے اور شوافع کے نزدیک بارہ ہزار روپے اور ایک سو اونٹوں کی تفصیل حنفیہؒ کے نزدیک بیس اونٹ کر کے پانچ قسموں پر منقسم ہوگی۔ ۲۰ بنت مخاض، ۲۰ بنت لبون، ۲۰، ابن مخاض، ۲۰ حقہ، ۲۰ جذع اور امام شافعیؒ کے نزدیک ابن مخاض کی بجائے ابن لبون ہوں گے اور صاحبینؒ کے نزدیک اموالِ ثلاثہ کے علاوہ سے بھی خون بہا ادا ہوسکتا ہے مثلاً دو سو گائے یا ایک ہزار بکریاں، یا دو سو جوڑے کپڑے۔

یہ تفصیل تو جانی خون بہا کی ہے اور اعضاء کے خون بہا میں زیادہ تفصیلات ہیں۔ نیز خون بہا کی وصول یابی تین میں ہوتی ہے اور ورثاء پر وراثت کی طرح اس کی تقسیم حصۂ رسد تقسیم ہوتی ہے اور دَین کی ادائیگی اور وصیت کی تنفیذ بھی اس سے ہوتی۔ ہے اگر کوئی وارث نہ ہو تو بیت المال میں یہ رقم داخل کی جاتی ہے۔ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ لیکن حنفیہؒ کے نزدیک سلمان اور ذمی کی دیتیں برابر ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک نصرانی اور یہودی اہل کتاب کی دیت چار ہزار روپے یعنی بارہ ہزار کا ثلث ہے اور مجوسی کا خون بہا کل آٹھ سو روپے ہیں۔ ہماری دلیل حدیث **دية كل ذی عهد فی عهده الف دينار** ہے اور ابن لبون کی بجائے ابن مخاض پر

حنفیہؒ کی دلیل حدیث ابن مسعودؓ ہے۔

وھم عصبة اصل یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہی تھا اور بعد میں اس کے نسخ کی نوبت نہیں آئی۔ نیز یہ ایک قسم کی صلہ رحمی ہے۔ اس لئے قرابت دار ہی اس صلہ کے زیادہ مستحق ہو سکتے ہیں۔ لیکن حنفیہؒ کے نزدیک اگر قاتل دفتری آدمی ہے تو تمام اہل دفتر اس کے عاقلہ شمار کئے جائیں گے۔ جیسا فاروق اعظمؓ نے تمام صحابہؓ کی موجودگی میں اسی طرح کا عمل درآمد کیا تھا اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی۔ البتہ اگر قاتل اہل دیوان میں سے نہیں ہے تو اس کا عاقلہ اس کا خاندان ہوگا۔ من عدد کا کوئی محارب مسلمان ہو جائے اور دار الحرب میں رہتا ہے یا دار الاسلام میں آنے کے بعد کسی ضرورت سے دار الحرب میں اپنے عزیزوں کے پاس چلا جائے اور کسی مسلمان کے ہاتھ سے ایسے میں قتل ہو جائے یہ دونوں صورتیں اس میں داخل ہیں۔

ثلث دية المؤمن یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے اس روایت سے استدلال کرتے ہوئی کہ نصرانی اور یہودی کی دیت چار ہزار درہم اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔ چونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک دیت کی رقم دس ہزار کی بجائے بارہ ہزار ہے۔ اس لئے اس کا ثلث چار ہزار اور عشر کی دو تہائی آٹھ سو درہم ہوتے ہیں۔

امام مالکؒ کے نزدیک ذمی کی دیت چھ ہزار درہم ہے اس روایت کی وجہ سے **عقل الكافر نصف عقل المسلم** یعنی ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہونی چاہئے۔ لیکن حنفیہؒ کے نزدیک صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے تعامل کی وجہ سے دونوں کی دیت یکساں ہے۔ **وبه اخذ الشافعیؒ** اس بارے میں حنفیہ اور شوافع دونوں کی رائے متفق ہے کہ اگر دو ماہ کی مسلسل روزوں کی قدرت نہ ہو تو ظہار میں تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔ لیکن یہاں کفارۂ قتل میں اس تبدیلی کا اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ **فصیام** کی فا اس پر دلالت کرتی ہے کہ مذکورہ ہی پورا واجب ہے۔ پس بدل کی تجویز محض رائے اور قیاس سے نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ کوئی نص موجود نہ ہو۔

توبة من الله. ای تاب علیکم توبة فجزاؤہ ای فجزاؤہ ان یدخل جھنم خالدًا فیھا. وھذا مؤول یہ اس شبہ کے تین جوابات کی طرف اشارہ ہے کہ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن قاتل کی سزا ابدی جہنم ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ حکم اور سزا قتلِ مؤمن کو حلال سمجھنے والے کے لئے ہے۔ کیونکہ اس عقیدہ کے بعد وہ مؤمن کافر ہو جاتا ہے۔ پس یہ سزا مؤمن کی نہ ہوئی بلکہ فی الحقیقت کافر کی سزا ہوئی۔ دوسرے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ اس شدید جرم کی اصل سزا تو یہی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ عدل وانصاف کی بجائے وہ فضل کے مقتضی پر عمل کرتے ہوئے اس کو جہنم رسید نہ کرے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً مروی ہے **ھو جزاءہ ان جازاہ.** اگر چہ خلف وعد تو نہیں ہو سکتا چنانچہ حدیث انسؓ میں ہے۔ **من وعدہ الله علی عملہ ثوابًا فھو منجزہ لہ ومن او عدہ علی عملہ عقابًا فھو بالخیار.** لیکن اس جواب میں شبہ کی گنجائش پھر بھی باقی رہتی ہے کہ مقتضی عدل تو خلود جہنم ہوا۔ جو اہل سنت کے خلاف ہے۔ جس کا جواب یہ ہے ہو سکتا ہے کہ منشاء محض یہ بتلانا ہے کہ ہمارے یہاں اس جرم کی سزا یہ ہے اس سے یہ کہاں لازم آ گیا کہ ہم اس کو یہ سزا دیں گے گویا نفس سزا کا اعلان ہے۔ سزا دینے کا اعلان نہیں کہ خلف وعید کا اشکال ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے **جزاء سیئة سیئة** فرمایا گیا ہے یجزی جزاء سیئة سیئة نہیں فرمایا گیا۔ لیکن بیضاویؒ نے خلود کو مکث طویل پر محمول کر کے بات ختم کر دی ہے۔

تیسرے جواب کی طرف **عن ابن عباسؓ** سے اشارہ ہے کہ جس کا حاصل یہ ہے کہ آیاتِ مغفرت کے لئے یہ آیت ناسخ ہے چنانچہ ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ **لاتقبل توبة قاتل المؤمن عمدًا** غالبًا مقصد اس سے تشدد ہوگا چنانچہ قاضی بیضاویؒ نے ابن عباسؓ سے اس کے برخلاف روایت بھی نقل کی ہے جو بیہقیؒ نے اپنی سنن میں لکھی ہے۔

کالعمد فی الصفة یعنی شبہ عمد کی دیت قتل عمد کی طرح ہے۔ تثلیث میں اور قتل خطاء کی طرح ہے۔ تین سالہ قسط کے لحاظ سے اور صرف قاتل پر لازم ہونے کے لحاظ سے۔ **وھوا العمد** شبہ عمد کو قتل خطاء کی تعریف میں صراحۃً داخل کرنے کے بعد اس قیاس کی

چنداں ضرورت نہیں تھی۔ کفارہ کا حکم امام شافعیؒ کے نزدیک ہے۔ حنفیہؒ کے نزدیک صرف جہنم کی سزا ہے۔ کیونکہ لفظ جزاء کا اطلاق کامل درجہ پر آتا ہے۔ یعنی کسی اور سزا کی ضرورت نہیں ہے۔ رہا قصاص کا ہونا سووہ سزائے محل ہے سزائے فعل نہیں ہے کہ اشکال ہو۔

ربط:............ اوپر سے قتل وقتال کا ذکر چلا آرہا ہے۔ ان آیات میں بھی قتل کی بعض خاص قسموں دانستہ یا نادانستہ کی شناعت اور احکام کا بیان ہے اپنوں کا قتل ہو یا بے گانوں کا۔

شانِ نزول:............ ابن جریرؒ اور ابن المنذرؒ نے سدیؒ سے روایت کی ہے کی عیاش بن ربیعہ مخزومی نے اسلام قبول کر کے آنحضرت ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ عیاشؓ چلے جارہے تھے کہ کنانیؓ سے ملاقات ہوئی جو مسلمان ہو چکے تھے لیکن عیاشؓ کو خبر نہیں تھی اس لئے عیاشؓ نے کنانیؓ کو غلطی سے قتل کر دیا۔ بعد میں جب پتا چلا تو حضور ﷺ سے عرض کیا۔ اس پر آیت وما کان لمؤمن الخ نازل ہوئی لیکن ابن جریر ابن زیدؓ سے نقل کر رہے ہیں کہ یہ آیت ابوالدرداءؓ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے غلطی سے ایک ایسے شخص کو جو لا الہ الا اللہ کہہ رہا تھا یہ سمجھتے ہوئے قتل کر دیا کہ یہ مسلمان نہیں صرف جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ دوسرے حضرات نے بھی اس کے قریب قریب ہی تخریج کی ہے۔

نیز ابن جبیرؓ کی رائے یہ ہے کہ آیت فان کان من قوم عدو الخ مرداس بن عمرو کے بارے میں نازل ہوئی۔ جبکہ اس کو اسامہ بن زیدؓ نے خطاءً قتل کر دیا تھا۔ اسی طرح آیت ومن یقتل مؤمنا الخ کا نزول مقیس بن ضبابہ کنانی کے بارے میں ہوا ہے۔ انہوں نے اپنے بھائی ہشام بن ضبابہ کو قبیلہ بنی نجار میں مقتول پایا۔ آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی۔ آپ ﷺ نے بنی فہر کے ایک شخص کو بنی نجار کے پاس بھیجا اور یہ کہلایا کہ اگر تمہیں قاتل معلوم ہو تو اس کو مقتول کے بھائی مقیس کے حوالہ کر دو ورنہ دیۃ ادا کرو اور حلف کرو۔ چنانچہ انہوں نے دیت بھی پیش کر دی اور ان الفاظ سے حلف بھی لیا۔ واللہ ماقتلنا ولا علمنا لہ قاتلا لیکن مدینہ واپس ہوتے ہوئے باوجود دیت وصول ہو جانے کے مقیس نے نفسانی جذبہ سے مغلوب ہو کر اپنے فہری ساتھی کو قتل کر دیا اور اس کے اونٹ وغیرہ پر قبضہ کر کے راہی مکہ ہوگیا۔ اسی طرح اسلام میں سب سے پہلے یہ شخص مرتد ہوا۔ اس نے اپنی تعریف میں ایک قصیدہ مدحیہ کہا۔ آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو بڑا رنج ہوا۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ ابن منذر نے اسماعیل بن ثوبانؒ سے تخریج کی ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ مسجد اکبر میں بیٹھا ہوا سن رہا تھا کہ جب آیت ومن قتل مومنا نازل ہوئی تو مہاجرینؓ وانصارؓ کہتے تھے کہ جس نے مسلمانوں کو قتل کیا اس کے لئے جہنم واجب ہو چکی ہے حتیٰ کہ آیت ان اللہ لا یغفر ان یشرک نازل ہوگئی یہ سن کر مہاجرینؓ وانصارؓ کہنے لگے اللہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں یہ روایت اہل کے لئے مفید ہے۔

﴿تشریح﴾:...... **قتل کی اقسام اور احکام:**............ فقہاء نے قتل کی پانچ صورتیں قرار دی ہیں۔ (۱) قتل عمد (۲) شبہ عمد (۳) قتل خطاء (۴) قائم مقام خطاء (۵) قتل سببی۔

قتل عمد یعنی دانستہ قتل، کسی ہتھیار وغیرہ سے بالقصد ماردینا۔ شبہ عمد امام صاحبؒ کے نزدیک ہتھیار کے علاوہ کسی بڑے پتھر یا لاٹھی یا پتھر سے ماردینا جس سے عام طور پر انسان مرتا نہ ہو اور قتل خطاء کی دو صورتیں ہیں۔ ایک خطاء فی القصد دوسرے خطاء فی الفعل۔ مثلاً کسی انسان کو جانور یا مسلمان کو غیر مسلم سمجھ کر مار ڈالنا خطاء قصدی کہلاتا ہے۔ لیکن کسی جانور کے مارتے ہوئے اگر ہاتھ بہک جائے اور نشانہ چوک کر کسی انسان کے لگ جائے یہ خطاء فعل کہلاتی ہے۔ قائم مقام خطاء یہ ہے کہ ایک سوتا ہوا آدمی کسی پر گر جائے جس سے دوسرا آدمی مر جائے اور قتل بالسبب مثلاً غیر مملوکہ زمین میں کنواں کھود دینا بڑا پتھر رکھ دینا جس سے ٹھوکر کھا کر یا گر کر کوئی ہلاک ہو جائے۔

اسی طرح مقتول کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں۔ (۱) مؤمن (۲) ذمی (۳) مصالح مستامن (۴) حربی۔ پس اس طرح قتل کی بہت سی قسمیں نکل آئیں جن میں سے قرآن مجید میں دوصورتیں بیان کی جارہی ہیں یعنی نادانستہ قتل اور دانستہ قتل۔ قتل عمد کے بعض دنیاوی احکام سورۂ بقرہ میں گزر چکے ہیں اور بعض کا بیان انشاء اللہ مائدہ میں آئے گا۔ ان آیات میں خطاء کی بعض صورتوں کا حکم اور عمد کی سزاء اخروی کا بیان کیا جارہا ہے اور بعض صورتوں کا حکم پچھلی آیات اور بعض کا احادیث سے معلوم ہورہا ہے چنانچہ دار قطنی نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ذمی کے قتل عمد کے متعلق مسلمان سے قصاص لیا ہے اسی طرح جہاد کی مشروعیت سے حربی کے قتل عمد اور خطاء کا حکم معلوم ہوسکتا ہے۔

خون بہا کی تفصیل:

............آیت میں خطاء سے مراد غیر عمد ہے......پس شبہ عمد اور خطاء دونوں کا حکم یہی ہے کہ دیت اور گناہ دونوں لازم ہیں۔ البتہ دونوں کی دیت میں یہ فرق رہے گا کہ شبہ عمد میں سو اونٹ چار قسم کے پچیس پچیس اونٹوں پر مشتمل ہوں گے اور دوسری قسم کی دیت پانچ قسم کے بیس بیس اونٹوں پر مشتمل ہوگی۔ لیکن خون بہا نقد ہو تو دونوں قسموں میں خون بہا یکساں رہے گا البتہ شبہ عمد کا گناہ نسبت قتل خطاء کے زیادہ ہوگا۔ چنانچہ غلام کی آزادی کا وجوب اور لفظ توبہ اس پر دال ہیں۔ قتل کی ان قسموں میں مذکورہ فرق بلحاظ ظاہر اور احکام دنیا کے ہے لیکن اخروی گناہ کا مدار قلب پر ہے جس کا حال اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس اعتبار سے ممکن ہے عمد، غیر عمد، اور غیر عمد، عمد بن جائے۔ نیز آیت میں دیت مبہم اور مجمل ہے۔ مرد، عورت دونوں کو شامل ہے لیکن حدیث بیہقی اس کی تفصیل اور تفسیر ہے۔ ایک دوسرے کے معارض نہیں ہیں کہ اس سے شبہ کی گنجائش ہو۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل یعنی مقتولہ عورت کا خون بہا مرد مقتول کے خون بہا کا آدھا ہے مسلمان اور ذمی کی دیت بھی حدیث کی رو سے برابر معلوم ہوتی ہے۔ دیۃ کل ذی عھد فی عھدہ الف دینار. بظاہر آیت سے بھی اسی کی تائید معلوم ہوتی ہے کیونکہ دیت کا عنوان دونوں جگہ ایک ہے اور عنوان ایک ہونا معنوں کے ایک ہونے کو چاہتا ہے لیکن امام شافعیؒ کہہ سکتے ہیں کہ دلائل سے معنوں کا مختلف ہونا معلوم ہوتا ہے۔

خون بہا میں ورثاء کی شرکت:

............کفارہ یعنی غلام کی آزادی اور روزے تو خود قاتل کے ذمہ ہیں۔ البتہ خون بہا میں دوسرے اعوان وانصار بھی شریک ہوں گے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے لاولیاء الجانی قوموا قدوہ (طبرانی) پس آیت سے تو اصل وجوب قتل پر ہوگا لیکن چونکہ شبہ عمد اور خطاء میں قاتل کا جرم زیادہ شدید نہیں ہوتا اس لئے اتنی بڑی رقم کا تنہا کے سر ڈالنا کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ نیز اس قسم کی بے احتیاطیاں انسان اپنے عاقلہ او جتھ کے زور اور بل بوتہ پر کیا کرتا ہے اس لئے حدیث مذکور کی رو سے عاقلہ کو بھی شریک کار سمجھتے ہوئے قاتل کے قائمقام قرار دیا گیا ہے اور خون بہا میں شریک کیا گیا تا کہ آئندہ اس قسم کے بے احتیاطوں کہ یہ بھی نگرانی رکھیں۔

بہرحال آیت میں اگر دیت کے ساتھ علیہ وعلیھم مقدر مانا جائے تب تو آیت ہی سے دونوں پر وجوب ثابت ہوجائے گا لیکن اگر تقدیر عبارت صرف فالواجب ہو تب بھی یہ وجود دونوں کو شامل ہوجائے گا اور آیت حدیث سے معارض نہیں رہے گی۔

ایک شبہ کا ازالہ:

............اور چونکہ اس بے احتیاطی کے قتل میں کچھ نہ کچھ کوتاہی اہل نصرت کی بھی رہی۔ جس کی وجہ سے ان کو شریک چندہ سمجھا گیا ہے اس لئے آیت ولا تزر وازرۃ الخ کے معارض بھی یہ حکم نہیں ہے۔

دوسری توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آیت لاتزر کا تعلق خاص گناہوں اور معاصی کے ساتھ ہو۔ یعنی ایک شخص دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا لیکن دنیاوی سزائیں اور عقوبات واحکام سے اس حکم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس اس توجیہ پر اصل سے کوئی شبہ ہی متوجہ نہیں

ہوسکتا کہ رفع تعارض کی نوبت آئے۔

کفارۂ قتل کی تفصیل:........ کفارۂ قتل میں حنفیہؒ کے نزدیک مؤمنہ کی قید ضروری ہے نص کی وجہ سے لیکن دوسرے کفارات میں کافر کا آزاد کرنا بھی صحیح ہے۔ اطلاق اور عموم نصوص کی وجہ سے برخلاف امام شافعیؒ کے کہ وہ سب جگہ مؤمن کی آزادی ضروری سمجھتے ہیں۔ اول تو شاید قتلِ مؤمن کو تمام واجب الکفارہ جرموں میں سنگین ترین جرم سمجھا گیا۔

دوسرے قاتل نے ایک مومن کو کم کردیا ہے اس لئے آزاد برادری میں ایک مومن کا اضافہ اس کی مکافات سمجھی گئی ہے۔ کیونکہ غلامی آثار کفر میں سے ہوتی ہے اور کفر موت حکمی ہے۔ اس لئے غلام گویا اموات کے درجہ میں ہوتے ہیں۔ البتہ آزاد کردہ غلام صحیح الاعضاء ہونا چاہئے جس کی جنس منفعت فوت نہ ہوگئی ہو۔ لنگڑا، لولا، ٹنڈا، لنجہ، گنجا، اندھا، دیوانہ سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ اسی طرح مدبر ام ولد۔ اور جس مکاتب نے بعض بدل کتابت ادا کردیا ہو ان کا آزاد کرنا بھی کافی نہیں ہوگا۔ کیونکہ نص میں مطلق رقبۃ آیا ہے اور مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے اور مذکورہ افراد ناقص ہیں۔ خواہ ذات میں ناقص ہوں یا وصف غلامی میں نقصان ہو اس لئے کافی نہیں ہوں گے۔ البتہ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بڑا سب کو آزاد کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ اوصاف ہیں اور مطلق وصف کے لحاظ سے اپنے اطلاق پر باقی رہتا ہے اور حسن بچہ کو آزاد کرنا کافی نہیں سمجھتے۔ آجکل غلام یا باندی کی جنس نایاب ہے تاہم کتابی دنیا میں ان مسائل کا محفوظ رہنا ضروری ہے۔

مقتول کی دیتِ شرعی ورثاء میں تقسیم ہوگی۔ جو وارث اپنا حصہ معاف کردے گا اتنا ہی معاف ہوجائے گا۔ اور سب معاف کردیں گے تو سب معاف ہوجائے گا چونکہ دیت ایک قسم کا ترکہ ہے۔ اس لئے اگر کہیں شرعی وارث نہیں ہوگا تو ترکہ کی طرح دیت بھی بیت المال میں داخل کردی جائے گی۔ البتہ اگر حربی دارالاسلام میں رہتا ہے تو اس کا خون بہا بھی بیت المال میں داخل کردیا جائے گا ورنہ دارالحرب میں رہنے کی صورت میں بیت المال سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ ہاں اس کا کوئی مسلمان وارث اگر وہاں رہتا ہو تو اس وقت قتل عمد میں صرف گناہ اور قتل خطاء میں صرف کفارہ ہے۔ دیت پھر بھی واجب نہیں ہے معاہدین کے اگر اہل موجود ہوں تو اگر یہ معاہد ذمی ہو تب بھی دیت واجب ہوکر بیت المال میں داخل ہوجائے گی۔ کیونکہ ذمی کا ترکہ بھی بیت المال میں داخل ہوا کرتا ہے ورنہ واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ اس وقت مسلمة الی اهله صادق نہیں آتا۔

آجکل دنیا میں شرعی غلاموں کا رواج نہیں رہا اس لئے کفارہ میں اس کی تلاش کی چنداں ضرورت نہیں ہے:..........

اکثر ممالک میں آجکل چونکہ غلامی کا رواج نہیں رہا۔ اس لئے لم یجد صادق آرہا ہے۔ اس لئے بجائے غلام آزاد کرنے کے روزہ رکھنے کی اجازت ہوگی۔ کسی ملک میں غلام خریدنے کے لئے بلاوجہ روپیہ بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حیض اور رمضان اور ایام تشریق کے علاوہ کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے مسلسل روزے رکھنے میں اگر بچکا لگ جائے تو پھر از سر نو دوبارہ روزے رکھنے پڑیں گے البتہ اگر کسی وجہ سے روزوں پر بھی قدرت نہ رہے تو قدرت ہونے تک توبہ کرنی چاہئے نیز قتل عمد میں چونکہ کفارہ نہیں اس لئے توبہ کرتے رہنا چاہئے۔ (تلک عشرة کاملة)

دانستہ قتل میں کفارہ ہونے پر حنفیہؒ کا استدلال:.......... حنفیہؒ کے نزدیک قتل عمد پر کفارہ نہیں لیکن شوافعؒ کہتے ہیں کہ قتل خطاء پر جب کفارہ ہے تو عمد پر بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہئے لیکن حنفیہؒ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ لفظ جزاء کا استعمال عقوبات کے موقعہ پر کافی معنی میں آتا ہے یعنی سزائے کامل جہنم ہے۔ اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ کفارہ وغیرہ کسی دوسری سزا کی مزید ضرورت نہیں ہے۔ البتہ قصاص سو وہ جزائے محل ہے نہ کہ جزائے فعل۔ اس لئے اشکال واقع نہیں ہوتا اور کفارہ چونکہ من وجہ عبادت ہوتا

ہے اور من وجہ عقوبت اس لئے اس کا سبب بھی ایسا ہونا چاہئے جو ممانعت واباحت دونوں حیثیتیں رکھتا ہو۔ حالانکہ قتل عمد گناہ کبیرہ ہے جس میں صرف ممانعت وحرمت کا پہلو ہے مگر اباحت کا شائبہ تک نہیں۔ پھر اس میں کفارہ کا کیا جوڑ؟

معتزلہ پر رد:.......... معتزلہ اس آیت کی دلالۃ خلود سے گناہ کبیرہ کرنیوالے کے کفر پر استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ زمخشریؒ نے اپنے اعتزال کی وجہ سے آیت کو بڑے فخریہ لہجہ میں پیش کیا ہے۔ حالانکہ آیت کا شانِ نزول بتلا رہا ہے کہ مقیس ایک فہری مسلمان کو مسلمان ہونے کی وجہ سے قتل کر کے مرتد ہوا تھا۔ پس یہ آیت کافر کے بارے میں ہوئی نہ کہ مسلمان فاسق کے لئے جیسا کہ قاضی بیضاویؒ نے تصریح کی ہے لیکن جلال محققؒ نے اس کے تین جواب دیئے ہیں جن کا بیان گزر چکا ہے۔

مزید براں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب کسی مشتق پر حکم لگایا جاتا ہے تو ضابطہ کے مطابق اس کا ماخذ اشتقاق حکم کی علت ہوا کرتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جب کسی مؤمن کو کوئی قتل کرے گا تو اس کے ایمان ہی کو علۃ قتل قرار دیا جائے گا۔ جس کی وجہ سے بلاشبہ قاتل کافر ہو جانا چاہئے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں کفار کی سزا کے موقعہ پر ہر جگہ خالدین کے ساتھ لفظ ابداً بھی ضرور استعمال کیا گیا ہے اور مؤمن کی سزا میں صرف خالدین پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے بھی آیت معتزلہ کی بجائے اہل سنت کا متدل بن سکتی ہے گویا خلود کے معنی صرف مکث طویل کے ہیں اس میں ابدیت ملحوظ نہیں ہے جو معتزلہ کے پیش نظر ہے۔

ابن عباسؓ کا فتویٰ:.......... البتہ ابن عباسؓ کا مذہب جو آیت کے ظاہری الفاظ کے موافق مشہور ہے جس سے معتزلہ کو سہارا مل سکتا ہے اس سلسلہ میں روح المعانی نے جو روایت پیش کی ہے اس سے اس کی تردید ہوتی ہے یعنی عام جمہور کی طرح وہ بھی مؤمن کے لئے قبول توبہ کے قائل تھے چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص نے آ کر آپ سے مسئلہ دریافت کیا کہ یہ تقریر تو آپ کے پہلے فتویٰ کے خلاف تھی؟ فرمایا مجھے یہ شبہ ہوا کہ یہ شخص غصہ میں کسی مسلمان کو قتل کرنا چاہتا ہے چنانچہ تحقیق کے بعد شبہ صحیح نکلا۔

اس سے اندازہ ہوا کہ آپ کا مشہور قول ان مصالح کی بناء پر تھا ورنہ آپ کا اصل مذہب جمہور کے موافق ہی تھا۔ چنانچہ سفیان سے منقول ہے کہ اہل علم سے جب کوئی ابتداً مسئلہ قتل دریافت کرتا تو یہی جواب دیتے کہ اس کی توبہ مقبول نہیں۔ لیکن مبتلا ہو جانے کے بعد پھر اصل حکم بھی سناتے، معلوم ہوا کہ عام طور پر اسلاف کی یہی عادت تھی جو مبنی بر مصلحت تھی۔

وَنَزَلَ لَمَّا مَرَّ نَفَرٌ مِّنَ الصَّحَابَةِؓ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِیْ سُلَیْمٍ وَهُوَ یَسُوْقُ غَنَمًا فَسَلَّمَ عَلَیْهِمْ فَقَالُوْا مَاسَلَّمَ عَلَیْنَا اِلَّا تَقِیَّةً فَقَتَلُوْهُ وَاسْتَاقُوْا غَنَمَهٗ **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ** سَافَرْتُمْ لِلْجِهَادِ **فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا** وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْمُثَلَّثَةِ فِی الْمَوْضِعَیْنِ **وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ** بِاَلِفٍ وَدُوْنِهَا اَیِ التَّحِیَّةَ اَوِ الْاِنْقِیَادَ بِقَوْلِ كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ الَّتِیْ هِیَ اَمَارَةٌ عَلٰی اِسْلَامِهٖ **لَسْتَ مُؤْمِنًا** وَاِنَّمَا قُلْتَ هٰذَا تَقِیَّةً لِنَفْسِكَ وَمَالِكَ فَتَقْتُلُوْهُ **تَبْتَغُوْنَ** تَطْلُبُوْنَ بِذٰلِكَ **عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا** مَتَاعَهَا مِنَ الْغَنِیْمَةِ **فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ** تُغْنِیْكُمْ عَنْ قَتْلِ مِثْلِهٖ لِمَالِهٖ **كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ** تُعْصَمُ دِمَاؤُكُمْ وَاَمْوَالُكُمْ بِمُجَرَّدِ قَوْلِكُمُ الشَّهَادَةَ **فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ** بِالْاِشْتِهَارِ بِالْاِیْمَانِ وَالْاِسْتِقَامَةِ **فَتَبَیَّنُوْا** اَنْ تَقْتُلُوْا مُؤْمِنًا وَافْعَلُوْا بِالدَّاخِلِ فِی الْاِسْلَامِ كَمَا فُعِلَ بِكُمْ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا** ﴿۹۴﴾ فَیُجَازِیْكُمْ بِهٖ **لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ** عَنِ

الْجِهَادِ **غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ** بِالرَّفْعِ صِفَةٌ وَالنَّصْبِ اِسْتِثْنَاءٌ مِنْ زَمَانَةٍ اَوْعَمًى وَنَحْوِهٖ **وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ** لِضَرَرٍ **دَرَجَةً ۭ** فَضِيْلَةً لِاسْتِوَائِهِمَا فِي النِّيَّةِ وَزِيَادَةِ الْمُجَاهِدِ بِالْمُبَاشَرَةِ **وَكُلًّا** مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ **وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى** الْجَنَّةَ **وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ** لِغَيْرِ ضَرَرٍ **اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾** وَيُبْدَلُ مِنْهُ **دَرَجٰتٍ مِّنْهُ** مَنَازِلُ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ مِنَ الْكَرَامَةِ **وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ** مَنْصُوْبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمُقَدَّرِ **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا** لِاَوْلِيَائِهٖ **رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾** بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ۔ ع ۱۳ ۱۰

ترجمہ:............(ایک دفعہ صحابہؓ کا گزر قبیلہ بنی سلیم کے ایسے شخص پر ہوا جو بکریاں چرا رہا تھا۔ اس نے دیکھ کر صحابہؓ کو سلام کیا لیکن صحابہؓ نے یہ سمجھ کر کہ اس نے محض جان بچانے کی خاطر سلام کیا ہے اس کو تہ تیغ کر کے اس کی بکریوں پر قبضہ کر لیا تب یہ آیت نازل ہوئی) مسلمانو! جب تم اللہ کی راہ میں (جہادی) سفر کیا کرو تو خوب تحقیق حال کر لیا کرو (ایک قرأت میں لفظ تبینوا دونوں جگہ تا کے ساتھ یعنی فتبینوا آیا ہے) اور جو شخص تم کو سلام کیا کرے اس کو یوں نہ کہہ دیا کرو (لفظ سلام الف کے ساتھ اور بغیر الف کے ہے یعنی سلام کرنا یا کلمۂ شہادت کی ادائیگی کے ذریعہ اطاعت کرنا جو اس کے مسلمان ہونے کی علامت ہے) کہ تم مؤمن نہیں ہو (تم نے اپنی جان و مال بچانے کے لئے ایسا کہہ دیا ہے اور اس طرح تم اس کو قتل کر ڈالو) کیا تم طلب گار ہوئے ہو (اس کے ذریعہ ڈھونڈتے ہو) دنیا کا سرو سامانِ زندگی (مالِ غنیمت) اگر یہی بات ہے تو اللہ کے پاس تمہارے لئے بہت سی غنیمتیں موجود ہیں (جو تم کو مال کی خاطر اس قسم کے قتل سے بے نیاز کر دیں گی) تمہاری حالت بھی تو پہلے ایسی ہی تھی (کہ کلمۂ شہادت ادا کر کے تم نے اپنے جان و مال بچائے تھے) پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا (تمہارے ایمان کو شہرت واستقامت بخش دی) لہٰذا ضروری ہے کہ خوب تحقیق حال کر لیا کرو (کہ کہیں مؤمن کو تو قتل نہیں کر رہے ہو اور اسلام میں داخل ہونے والے کے ساتھ اسی طرح معاملہ کیا کرو جس طرح تمہارے ساتھ کیا گیا تھا) جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کی خبر رکھنے والے ہیں (لہٰذا وہ تم کو بدلہ دیں گے) مسلمانوں میں جو لوگ بیٹھے رہتے ہیں (شریک جہاد نہیں ہوتے) بلا عذر (رفع کے ساتھ قاعدون) کی صفت ہے اور استثناء کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی اپاہج، اندھے وغیرہ نہیں ہیں) وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو (عذر سے) بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت بخشی ہے بلحاظ درجہ (مرتبہ) کے (کیونکہ اصل نیت میں تو دونوں برابر ہیں۔ لیکن عمل کی بدولت مجاہد نمبر لے گیا ہے) اور ہر ایک کے لئے (ان دونوں فریق میں سے) اللہ کا وعدۂ نیک (جنت کا) ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین و (بلا عذر) بیٹھ رہنے والوں کے مقابلہ میں فضیلت بخشی ہے بڑے اجر کے لحاظ سے (اور اس کا بدل یہ ہے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے درجے ہیں (غرت کے لحاظ سے اوپر تلے کی منزلیں ہیں) اور بخشش و رحمت ہے (فعل مقدر کی وجہ سے دونوں منصوب ہیں اور اللہ تعالیٰ (اپنے دوستوں کو) بخشنے والے (اور اطاعت گزار لوگوں پر) رحم فرمانے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب:............فتبینوا صحابہؓ سے چونکہ اجتہادی غلطی ہوگئی اس لئے عتاب آمیز تنبیہ کی گئی اور احتیاط کی تعلیم دی گئی۔ یہ تفعل استفعال کے معنی میں ہے جو طلب کے لئے آتا ہے ای اطلبوا بیان الامر فی کل ماتاتون وماتذرون ولا تجعلوا فیه بغیر تدبر دوسری قرأت میں یہ لفظ تثبتوا ہے ای فاطلبوا اثبات الامر دونوں کا حاصل ایک ہی نکلتا ہے۔

لضرر مفسر علامؒ نے زجاج کی تقلید میں یہ تفسیر کی ہے لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک حسب سابق قاعدون غیر اولی الضرر مراد ہیں گویا ان دونوں میں مساوات کی نفی کرنا ہے تاہم مجاہدین دونوں قسم کے قاعدین سے بڑھے ہوئے ہیں۔

و کلا مفعول اول ہے اور الحسنیٰ مفعول ثانی ہے تاکید وعید کے لئے قصر کرتے ہوئے مفعول اول کو مقدم کیا گیا ہے اور مفعول سے حرمان ثواب کے وہم کو دفع کرنے کے لئے یہ جملہ معترضہ لایا گیا ہے۔ ویبدل لفظ درجات کا بدل کل ہے مقصود کیفیت تفصیل ہے۔ درجات پہلے درجہ سے دنیاوی غفلت اور غنیمت ہے اسی لئے مفرد لفظ لایا گیا ہے اور لفظ درجات سے اخروی ثواب مراد ہے جو اضعاف مضاعفہ ہوتا ہے اسی لئے جمع استعمال کی گئی ہے۔

بفعلهما ای غفر الله لهم مغفرة ورحمهم رحمةً جلال مفسرؒ نے اس کا عطف درجات پر نہیں کیا دوسرے مفسرینؒ کی موافقت کرتے ہوئے کیونکہ پھر اجر سے بدل بنانے میں تکلیف کرنا پڑتا۔

ربط :............پچھلی آیت میں قتل مؤمنین کا بیان تھا۔ اب یہ بتلانا ہے کہ صرف ظاہری اسلام پر اکتفاء کرنا کافی ہے ظاہری علامات و قرائن کو دیکھتے ہوئے ایسے شخص کے قتل سے دست کش ہو جانا چاہئے۔ حقیقت حال اور باطن کی جستجو پر مدار نہیں رکھنا چاہئے اور آیت لایستوی الخ میں فضیلت جہاد کو تسلیم کرتے ہوئے یہ بتلانا ہے کہ فی نفسہٖ چونکہ جہاد فرض عین نہیں ہے اس لئے اگر بعض افراد نہ بھی جائیں تو کچھ گناہ نہیں ہے پھر بھی مجاہد کے لئے بڑی فضیلت ہے جو اوروں کے لئے نہیں ہے۔

شانِ نزول:............مرداس بن نہیکؓ اپنی قوم میں تنہا مسلمان ہو چکے تھے۔ صحابہؓ نے جب ان کی قوم پر لشکر کشی کی تو سب بھاگ کھڑے ہوئے اور صرف مرداسؓ رہ گئے اور اپنی بکریوں کو پہاڑی کے دامن کی طرف ہنکا دیا۔ مسلمانوں نے جب نعرۂ تکبیر بلند کیا تو انہوں نے آ کر سلام کیا اور کلمہ پڑھ کر سنایا۔ لیکن اسامہ بن زیدؓ نے ان کو قتل کر دیا اور بکریاں قبضہ میں لے لیں۔

آنحضرت ﷺ کو جب علم ہوا تو بڑا افسوس و رنج فرمایا اور اقتلتموه ارادة مامعه کہہ کر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اسامہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ میری تلوار سے بچنے کے لئے اس نے کلمہ پڑھا تھا فرمایا ھلا شققت قلبه عرض کیا اگر اس کا دل چیرتا تو ایک خون کی پھٹک ملتی۔ فرمایا عبر بلسانه مافی قلبه اسامہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ میرے لئے استغفار کیجئے لیکن آپ ﷺ بار بار یہی فرماتے جاتے فکیف بلا اله الا الله. اسامہؓ کہتے ہیں یہ سن کر مجھ پر بڑا اثر ہوا اور میں چاہتا تھا کہ کاش! میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔

غرض آپؐ نے استغفار فرمایا اور غلام آزاد کرنے کو کہا اور اس کے اونٹ بکریاں واپس کرنے کا حکم دیا۔ اسامہؓ کو اپنی اسی غلطی کا اس قدر شدید رنج اور احساس ہوا کہ اسی میں ان کا انتقال ہو گیا اور آخر کار تین دفعہ ان کو دفن کیا گیا۔ مگر ہر دفعہ زمین نے نعش کو باہر پھینک دیا۔ آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا زمین نے تو فرعون و نمرود جیسے بدترین لوگوں کو جگہ دے دی ہے مگر یہاں اللہ تعالیٰ مؤمن کے خون کی قدر و قیمت بتلانا چاہتے ہیں۔ خیر اب جا کر دفن کر دو۔ چنانچہ چوتھی بار دفن کیا تو زمین نے قبول کر لیا یہ اسامہ بن زیدؓ آنحضرت ﷺ کے متبنیٰ نہیں ہیں بلکہ دوسرے شخص ہیں۔

جب آیت لایستوی الخ نازل ہوئی تو عبداللہ بن ام مکتومؓ نے حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ میں تو نابینا ہوں کس طرح شریک جہاد ہو سکتا ہوں؟ اس پر آیت غیر اولی الضرر کا اضافہ نازل ہوا۔ گویا معذورین قاعد نہیں ہوتے بلکہ مقعد ہوتے ہیں اس لئے ان پر ملامت نہیں دوسرے قواعد کلیہ پر نظر کرنے سے بھی اس کا حکم ظاہر تھا۔ اس لئے ان الفاظ کے نزول میں تاخیر مضر نہیں سمجھی گئی اور بعض روایات میں جو آپ ﷺ کا جواب لاادری منقول ہے وہ بر بنائے احتیاط زمانہ نزول وحی ہونے کی وجہ سے۔

﴿ تشریح ﴾:......اسلامی طرز پر سلام کرنا شعارِ اسلام ہے:............ چونکہ غلطی سے قتل کا یہ ارتکاب سفر میں پیش آیا تھا اس لئے سفر کی قید لگادی۔ ورنہ یہ حکم سفر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ سفر، حضر دونوں کو عام ہے۔ البتہ سلام کرنا بطرزِ اسلام ہونا چاہئے تا کہ اذان ونماز کی طرح یہ بھی مسلمان ہونے کی علامت سمجھا جاسکے ورنہ مشرکین کا سلام انعم صباحا اور حیاک اللہ تھا یا جیسے کوئی رام رام اور بندے ماترم کہنے لگے اس کا اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ یہ غیر اسلامی شعائر ہیں، ان سے غیر مسلم ہونے کے شبہ کو تقویت ملتی ہے۔ بہر حال منشاء یہ ہے کہ ابتدائی اور انتہائی حالت کسی کی بھی یکساں نہیں ہوتی اس لئے اپنے اور دوسروں کے ناپنے کا گز پھر یکساں کیوں نہیں ہوتا آج جو اکابر ہیں ان کو سوچنا چاہئے کہ کل وہ بھی اصاغر ہی تھے۔

مجاہد سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہے:...... دوسری آیت کا حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ کے حضور تمام نیک انسانوں کے لئے اجر ہے۔ لیکن تمام نیکیاں یکساں نہیں ہوتیں۔ بلکہ مجاہدین کے درجہ اور رتبہ کو غیر مجاہدین یقیناً نہیں پہنچ سکتے اور مجاہد سے چونکہ بڑے بڑے مجاہدے سرزد ہوتے ہیں جن کی سورۂ براۃ کی آیت ذلک بانھم لایصیبھم ظمأ ولا نصب ولامخمصة فی سبیل اللہ الخ میں تصریح کردی گئی ہے پس ان اعمال عظیم کے ہی شایانِ شان درجات اور مراتب عالیہ بھی ان کو ملنے چاہئیں اور دوسروں پر ان کی تفضیل ہونی چاہئے ان سے اگر گناہ بھی سرزد ہوں تو ان الحسنات یذھبن السیئات کی رو سے دَین اور قرض کے علاوہ کیا عجب ہے کہ رحمت الٰہیہ سے وہ سب معاف ہوجاتے ہوں۔ ان رحمة اللہ قریب من المحسنین اور بلاعذر کی قید اس لئے لگادی کہ اگر نیک کام کا پختہ عزم ہوجائے اور کسی عذر کی وجہ سے وہ کام نہ ہوسکے تو حدیث کی رُو سے اس کا اجر وثواب بدستور ملتا رہتا ہے۔ گویا عزم وفعل ثواب کی کمیت میں دونوں برابر سمجھے گئے ہیں جو زیادہ تر یہاں مقصود ہے۔ اگرچہ دونوں کی کیفیت میں فرق ہے آیت کا مقصود یہ ہے کہ ظاہری ایمان کے معتبر ہونے کے لئے کلمۂ شہادت کا زبانی اقرار کافی ہے البتہ تصدیقِ قلبی ایمان کا رکنِ اصلی ہے بلکہ بعض کے نزدیک عین ایمان ہے نیز اس واقعہ میں ایمان مکرہ کی صحت بھی معلوم ہوتی ہے اور یہ کہ مجتہد سے غلطی بھی ہوسکتی ہے اور اس کی غلطی معاف بھی ہوجاتی ہے۔

لطائف آیت:......... آیت ولاتقولوا الخ سے اخلاص فی الدین پر دلالت ہوئی بالخصوص کسی پر کفر کا فتویٰ دینا نفسانی غرض کی بنیاد پر بالکل نہیں ہونا چاہئے آیت لایستوی الخ میں غیر اولی الضرر کی قید لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضعیف اور قوی کے مجاہدوں میں اگرچہ زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے لیکن ضعیف کے لئے کم مجاہدہ وہی کام کرتا ہے جو قوی کے لئے مجاہدہ قوی کرتا ہے۔

وَنَزَلَ فِی جَمَاعَةٍ اَسْلَمُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا فَقُتِلُوْا یَوْمَ بَدْرٍ مَعَ الْکُفَّارِ **اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ** بِالْمُقَامِ مَعَ الْکُفَّارِ وَتَرْكِ الْهِجْرَةِ **قَالُوْا** لَهُمْ مُؤَبِّخِیْنَ **فِیْمَ كُنْتُمْ** ؕ اَیْ فِیْ اَیِّ شَیْءٍ كُنْتُمْ مِنْ اَمْرِ دِیْنِكُمْ **قَالُوْا** مُعْتَذِرِیْنَ **كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ** عَاجِزِیْنَ عَنْ اِقَامَةِ الدِّیْنِ **فِی الْاَرْضِ** ؕ اَرْضِ مَكَّةَ **قَالُوْٓا** لَهُمْ تَوْبِیْخًا **اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا** ؕ مِنْ اَرْضِ الْکُفْرِ اِلٰی بَلَدٍ اٰخَرَ كَمَا فَعَلَ غَیْرُكُمْ قَالَ تَعَالٰی **فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۹۷﴾** هِیَ **اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً** لَا قُوَّةَ لَهُمْ عَلَی الْهِجْرَةِ وَلَا نَفَقَةَ **وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۹۸﴾** طَرِیْقًا اِلٰی اَرْضِ الْهِجْرَةِ **فَاُولٰٓئِكَ عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ**

سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا مُهَاجِرًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ فَالرِّزْقِ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فِي الطَّرِيْقِ كَمَا وَقَعَ لِجُنْدُعِ بْنِ ضَمْرَةَ اللَّيْثِيِّ فَقَدْ وَقَعَ ثَبَتَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع

ترجمہ:.......... (جو لوگ مسلمان تو ہو گئے مگر ہجرت نہ کی اور کافروں کے ساتھ بدر کے مقام پر وہ بھی مارے گئے ان کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں) بلاشبہ فرشتے جب ایسے لوگوں کی جان قبض کرتے ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرلیا ہے (کفار کی ساتھ رہ کر اور ہجرت ترک کرکے) ان سے پوچھیں گے (ڈانٹتے ہوئے) تم کس حال میں تھے؟ (دینی لحاظ سے تمہارا کیا حال تھا؟) وہ کہیں گے (معذرت کرتے ہوئے) ہم دبے ہوئے اور بے بس تھے (دین قائم کرنے میں کمزور تھے) ملک میں (سرزمین مکہ میں) اس پر فرشتے (ان کو جھڑکتے ہوئے پھر) کہیں گے کیا خدا کی سرزمین وسیع نہ تھی کہ دوسری جگہ ہجرت کرکے چلے جاتے (دارالحرب سے کسی دوسری مناسب جگہ منتقل ہوجاتے۔ جس طرح دوسرے لوگ نکل گئے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) غرضیکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے بہت ہی بری (وہ جگہ) مگر جو مرد عورتیں، بچے ایسے مجبور و بے بس ہوں کہ کوئی چارہ کار نہ رکھتے ہوں (نہ ان کو ہجرت پر قدرت ہو اور نہ ان کے پاس پیسہ ہو) اور نہ کوئی راہ پاتے ہوں (دارالحرب چلے جانے کی) تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کردیں گے اور اللہ تعالیٰ تو معاف کردینے اور بخش دینے والے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا اسے خدا کی زمین میں بہت سی قیام گاہیں (ہجرت کی جگہیں) ملیں گی اور (رزق میں) کشائش ہوگی اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرکے نکلے اور پھر موت آجائے (راستہ ہی میں جیسے جندعؓ بن ضمرہ لیثی کا واقعہ پیش آیا) تو اس کا اجر اللہ کے حضور واقع (ثابت) ہوگیا ہے اور اللہ تو بخشنے والے اور رحمت والے ہیں۔

تحقیق وترکیب:......... الملٰئکۃ اس آیت میں اور دوسری آیت توفتہ رسلنا میں وفات دینے کی نسبت فرشتوں کی طرف کی گئی ہے لیکن ایک جگہ یتوفکم ملك الموت میں ملک الموت کی طرف اور ایک مقام پر اللہ یتوفی الانفس میں حق تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت فرمائی ہے۔ سو حقیقۃً وفات دینے والے تو حق تعالیٰ ہیں اور ظاہری طور پر ملک الموت لیکن دوسرے فرشتے بھی ان کے مددگار رہتے ہیں اس لئے ان کی طرف بھی انتساب کردیا گیا ہے۔

لایستطیعون یہ مستضعفین کی صفت ہے غیر موقت ہونے کی وجہ سے نکرہ کے حکم میں ہے۔

لایھتدون سبیلا یہ لایستطیعون کی تاکید ہے۔ ہجرت کے لئے دونوں کا مجموعہ شرط ہے بلکہ صرف اول شرط ہے اور ثانی اول میں داخل ہے۔ صاحبِ تفسیر احمدی کی تحقیق کے مطابق آج بھی ظالموں کے تسلط کی وجہ سے اگر دین کی اقامت ممکن نہ رہے تو ہجرت فرض ہے۔ لیکن روح المعانی میں ہے کہ ہجرت کی فرضیت منسوخ ہوگئی استحباب باقی ہے مراغمًا اسم ظرف موضع ہجرت بولتے ہیں راغمت قومی ای ھاجرت کیونکہ ہجرت لوگوں کے علی الرغم ہوتی ہے رغم کے معنی ذلت کے ہیں اصل معنی رغام کے ناک کا خاک آلود کرنا ہیں۔

ومن یخرج ظاہری ہجرت کی طرح باطنی ہجرت بھی ہوتی ہے۔ منازل نفس اور مقامات قلب سے اللہ تعالیٰ کی طرف سیر سلوک کرنے والے اس کو خوب سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر شیخ محی الدین ابن عربیؒ سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اسی طرح طلب علم، حج، جہاد وغیرہ کی دینی غرض کے لئے اگر ہجرت کی جائے تو وہ بھی ہجرت الی اللہ ورسولہ ہوگی۔ جندعؓ بن ضمرۃ اصابہ میں لکھا ہے کہ اس کے نام میں

اختلاف ہے اور دس قول ہیں منجملہ ان کے ضمرہ بن حفص بھی ہے یہ نابینا اور بوڑھے تھے۔

ربط:.......... پچھلی آیات میں جہاد کا وجوب تھا ان آیات میں وجوب ہجرت کا ذکر ہے۔ دونوں سے مقصود اقامت دین ہوتی ہے ایک میں کفار کے شر سے سب کو بچانے کی کوشش ہوتی ہے اور دوسرے میں صرف اپنی ذات کو محفوظ رکھنے کی سعی ہوتی ہے۔

شانِ نزول:.......... اکثر مفسرینؒ کی رائے ہے کہ یہ واقعہ جندبؓ بن ضمرہ کے متعلق پیش آیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ہجرت سے متعلق پچھلی آیات مکہ کے مسلمانوں کے پاس بھجوائیں تو انہوں نے باوجود انتہائی بڑھاپے اور ضعف کے اپنے صاحبزادوں کو بلا کر کہا کہ میں چونکہ غیر مستطیع نہیں ہوں اور نہ راستہ سے ناواقف اس لئے مجھے اٹھاؤ میں آج کی رات مکہ میں نہیں رہنا چاہتا۔ چنانچہ بیٹوں نے تعمیل کی اور ان کی چارپائی اٹھا کر لے چلے، لیکن تنعیم میں پہنچ کر جندب کی حالت غیر ہوگئی۔ ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہنے لگے **اللّٰھم ھذہ لک وھذہ لرسولک ابایعک علی مابایعک رسولک** اسی میں ان کا انتقال ہوگیا۔ صحابہؓ کو اطلاع ہوئی تو افسوس کے ساتھ کہنے لگے اگر مدینہ پہنچ کر وفات ہوتی تو بڑا اچھا ہوتا۔ مشرکین نے سنا تو وہ بھی طنزاً کہنے لگے کہ مطلب تک رسائی نہیں ہوسکی اور ناکامی اٹھانی پڑھی اس پر آیت نازل ہوئی اور بعض نے کہا قیس بن ولید جیسے چالیس افراد کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جو بدر میں کفار کے ساتھ ملائکہ کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔

﴿تشریح﴾:.......... دارالہجرت اور دارالحرب کی تقسیم:.......... دشمنان اسلام کے ظلم وستم سے تنگ آکر آنحضرت ﷺ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو قدرتی طور پر ملک عرب دو حصوں میں بٹ گیا دارالہجرت اور دارالحرب۔ دارالہجرت مدینہ طیبہ قرار پایا جہاں شمع اسلام کے پروانے مختلف سمتوں سے آ آ کر جمع ہو رہے تھے اور دارالحرب ملک کے اس حصہ کا نام تھا جو دشمنوں کے قبضہ میں تھا اور جس کا صدر مقام مکہ تھا۔ کسی وجہ سے دارالحرب میں جو مسلمان رہ گئے تھے وہ اعتقاد وعمل کی آزادی سے محروم تھے انہیں ہمیشہ دشمنوں کا ظلم وستم سہنا پڑتا تھا پس انہیں حکم دیا جارہا ہے کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں۔ اگر استطاعت کے باوجود وہ ہجرت نہیں کریں گے تو اپنی کوتاہی عمل کے لئے انہیں جواب دینا پڑے گا۔ اسی لئے ابتداء اسلام میں ہجرت فرض تھی۔ جس کا ذکر مختلف طریقوں سے پچھلے تین رکوع میں گزر چکا ہے۔ اس وقت یہ ظاہراً اسلام کے لئے شرط لازم اور مسلمان ہونے کی کھلی علامت تھی۔ البتہ صحیح عذر کے وقت یہ شرط ساقط بھی ہوجاتی تھی بالکل جس طرح کلمہ شہادت کے تلفظ کی آج تک بھی یہی شان ہے۔ یا عہد نبوی ﷺ میں صحابہؓ کے اقوال سے نماز کی بھی یہی شان معلوم ہوتی ہے۔ بلا عذر ہجرت سے پہلوتہی اور کنارہ کشی کرنا اس دور میں ارتداد کی علامت تھی۔ اسی لئے اول رکوع میں کے شروع میں ایسے لوگوں کو مسلمان سمجھنے سے منع کیا گیا تھا۔ اگرچہ واقع میں بھی وہ لوگ مرتد ہوگئے تھے بہرحال بظاہر وہ مرتد ہی سمجھے جائیں گے یہاں دلی حال کی تحقیق کا حکم نہیں ہے البتہ دوسرے رکوع میں عذر بلکہ احتمال عذر کے وقت ہجرت سے شعاریت ساقط ہوجانے کی بناء پر دارالحرب میں کسی مقتول مسلمان کی دیت کا واجب اور سلام کرنے والے کے قتل کا حرام ہونا مذکور ہوچکا ہے۔ صرف اقرار وغیرہ دوسری علامات پر اکتفاء کیا گیا ہے لیکن ہجرت کے فی نفسہ فرض ہونے کی وجہ سے تیسرے رکوع میں بلا عذر ہجرت نہ کرنے والوں کو وعید اور عذر کی حالت میں **مستضعفین** کا استثناء کیا جارہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلے رکوع کا مضمون ہجرت سے پہلوتہی کی بناء پر ہے اور دوسرے رکوع کا مضمون ہجرت کی شعاریت اور غیر شعاریت کے لحاظ سے ہے اور چونکہ اس شعاریت میں تدبر کی ضرورت ہے اس لئے بعض صحابہؓ کو اس میں اشتباہ واقع ہوگیا تھا جو تدبر کے بعد رفع ہوسکتا تھا اس لئے تنبیہ فرمادی گئی ہے اور شعار ہونا بدل بھی سکتا ہے یعنی ایک چیز کی بجائے دوسری چیز کو شعار قرار دے لیا

جائے جیسے فقہاء نے بعض لباسوں کو شعار کفر قرار دیا ہے۔

ہجرت کی فرضیت تو منسوخ ہو چکی لیکن استحباب اب بھی ہے۔ چنانچہ حدیث مسلم سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ ایک اعرابی نے جو بظاہر دار الاسلام میں نہیں رہتے ہوں گے۔ آنحضرت ﷺ سے ہجرت کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا **ان شان الھجرۃ لشدید** اور وطن ہی میں رہنے کا مشورہ دیا۔

دو شبہات کا جواب:.........اس مقام پر دو شبہات ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جب مستضعفین گنہگار ہی نہیں پھر معافی کے کیا معنیٰ؟ دوسرے معافی میں لفظ **عسیٰ** کا استعمال کیسا؟ جو توقع امید اور تردد پر دلالت کرتا ہے۔

پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہٖ تو ہجرت نہ کرنا گناہ اور معصیت ہے کسی خاص شخص کے حق میں گناہ نہ لکھا جائے۔ یہ دوسری بات ہے پس کسی جگہ اس نہ کہنے کو گناہ نہ ہونا کہہ دیا اور کہیں معافی کا لفظ استعمال کر کے فی نفسہٖ اس کے گناہ ہونے کو بتلا دیا۔ اس سے بچوں کے متعلق بھی شبہ دفع ہو گیا کہ اگرچہ بچے گنہگار نہیں ہوتے لیکن یہی بتلانا مقصود ہے کہ کام تو فی حد ذاتہٖ بُرا ہے اور قاضی بیضاویؒ نے **ولدان** کا لفظ بڑھانے میں یہ نکتہ بتلایا ہے کہ بچوں کی طرح اگر عجز ہو تب ہجرت سے استثناء معتبر ہوگا۔

دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ کریم کا اطماع لئیم اور بخیل کے وعدہ سے بڑھا ہوا ہوتا ہے اور اس عنوان میں نکتہ یہ ہے کہ یہ گناہ اس درجہ شدید اور سخت ہے کہ گناہ نہ ہونے اور معذور ہونے کے باوجود ایسا ہے جیسے گناہ ہو کر معاف کر دیا گیا ہو اور اگر **ولدان** سے مراد مراہق ہوں تو ان کا مکلف ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔

لطائف آیت:.........**ومن یخرج من بیتہ** سے معلوم ہوتا ہے کہ جو سلوک تمام ہونے سے پہلے راہ مولیٰ میں جان دے دے وہ قبولیت اور رتبہ میں سلوک تمام کرنے والے ہی کے برابر ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ سَافَرْتُمْ **فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ** ۖ بِاَنْ تَرُدُّوْهَا مِنْ اَرْبَعٍ اِلٰی اِثْنَتَیْنِ **اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمْ** اَیْ یَنَالَکُمْ بِمَکْرُوْهٍ **الَّذِیْنَ کَفَرُوْا** ؕ بَیَانٌ لِلْوَاقِعِ اِذْ ذَاکَ فَلَامَفْهُوْمَ لَهٗ وَبَیَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الْمُرَادَ بِالسَّفَرِ الطَّوِیْلُ الْمُبَاحُ وَهُوَ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ وَهِیَ مَرْحَلَتَانِ وَیُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهٖ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنَّهٗ رُخْصَةٌ لَاوَاجِبٌ وَعَلَیْهِ الشَّافِعِیُّ **اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا** ﴿۱۰۱﴾ بَیِّنَ الْعَدَاوَةِ **وَاِذَا کُنْتَ** یَا مُحَمَّدُ حَاضِرًا **فِیْهِمْ** وَاَنْتُمْ تَخَافُوْنَ الْعَدُوَّ **فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ** وَهٰذَ اَجْرِیٌ عَلٰی عَادَةِ الْقُرْاٰنِ فِی الْخِطَابِ فَلَامَفْهُوْمَ لَهٗ **فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَکَ** وَتَتَاَخَّرُ طَائِفَةٌ **وَلْیَاْخُذُوْٓا** اَیِ الطَّائِفَةُ الَّتِیْ قَامَتْ مَعَکَ **اَسْلِحَتَهُمْ** مَعَهُمْ **فَاِذَا سَجَدُوْا** اَیْ صَلُّوْا **فَلْیَکُوْنُوْا** اَیِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰی **مِنْ وَّرَآئِکُمْ** ۠ یَحْرُسُوْنَ اِلٰی اَنْ تَقْضُوا الصَّلٰوةَ وَتَذْهَبُ هٰذِهِ الطَّائِفَةُ تَحْرُسُ **وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَکَ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ** ۚ مَعَهُمْ اِلٰی اَنْ یَّقْضُوا الصَّلٰوةَ وَقَدْ فَعَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَذٰلِکَ بِبَطْنِ نَخْلٍ رَوَاهُ الشَّیْخَانِ **وَدَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ** اِذَا قُمْتُمْ اِلٰی

الصَّلٰوۃِ **عَنْ اَسْلِحَتِکُمْ وَاَمْتِعَتِکُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْکُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً** بِاَنْ یَّحْمِلُوْا عَلَیْکُمْ فَیَأْخُذُوْکُمْ وَھٰذَا عِلَّةُ الْاَمْرِ بِاَخْذِ السِّلَاحِ **وَلَاجُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ کَانَ بِکُمْ اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ کُنْتُمْ مَّرْضٰی اَنْ تَضَعُوْا اَسْلِحَتَکُمْ** فَلَاتَحْمِلُوْھَا وَھٰذَا یُفِیْدُ اِیْجَابَ حَمْلِھَا عِنْدَ عَدَمِ الْعُذْرِ وَھُوَ اَحَدُ قَوْلَیِ الشَّافِعِیِّ وَالثَّانِیْ اَنَّهٗ سُنَّةٌ وَرَجَّحَ **وَخُذُوْا حِذْرَکُمْ** مِنَ الْعَدُوِّ اَیْ اِحْتَرِزُوْا مِنْهُ مَااسْتَطَعْتُمْ **اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا﴿۱۰۲﴾** ذَا اِھَانَةٍ **فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ** فَرَغْتُمْ مِنْھَا **فَاذْکُرُوا اللّٰهَ** بِالتَّھْلِیْلِ وَالتَّسْبِیْحِ **قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ** مُضْطَجِعِیْنَ اَیْ فِیْ کُلِّ حَالٍ **فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ** اَمِنْتُمْ **فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ** اَدُّوْھَا بِحُقُوْقِھَا **اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا** مَکْتُوْبًا اَیْ مَفْرُوْضًا **مَّوْقُوْتًا﴿۱۰۳﴾** مُقَدَّرًا وَقْتُھَا فَلَاتُؤَخِّرُعَنْهُ وَنَزَلَ لَمَّا بَعَثَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طَائِفَةً فِیْ طَلَبِ اَبِیْ سُفْیَانَ وَاَصْحَابِهٖ لَمَّا رَجَعُوْا مِنْ اُحُدٍ فَشَکَوا الْجَرَاحَاتِ **وَلَاتَهِنُوْا** تَضْعُفُوْا **فِی ابْتِغَآءِ** طَلَبِ **الْقَوْمِ** الْکُفَّارِ لِتُقَاتِلُوْھُمْ **اِنْ تَکُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ** تَجِدُوْنَ اَلَمَ الْجِرَاحِ **فَاِنَّھُمْ یَاْلَمُوْنَ کَمَا تَاْلَمُوْنَ** اَیْ مِثْلَکُمْ وَلَایَجْبُنُوْنَ عَنْ قِتَالِکُمْ **وَتَرْجُوْنَ** اَنْتُمْ **مِنَ اللّٰهِ** مِنَ النَّصْرِ وَالثَّوَابِ عَلَیْهِ **مَالَایَرْجُوْنَ** ھُمْ فَاَنْتُمْ تَزِیْدُوْنَ عَلَیْھِمْ بِذٰلِكَ فَیَنْبَغِیْ اَنْ تَکُوْنُوْا اَرْغَبَ مِنْھُمْ فِیْهِ **وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا** بِکُلِّ شَیْءٍ **حَکِیْمًا﴿۱۰۴﴾** فِیْ صُنْعِهٖ۔ ع ۱۵ ۱۲

ترجمہ:.........اور جب چلو پھرو (سفر کرو) ملک میں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اگر نماز میں سے کچھ کم کردو (رباعی فرض نماوں کے دوگانہ کر کے پڑھو) اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تمہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں (یعنی تمہیں کسی ناگوار بات میں مبتلا نہ کردیں) کافر (چونکہ یہ بیان واقعہ ہے۔ اس لئے اس کا مفہوم معتبر نہ ہوگا اور سنت سے یہ ثابت ہے کہ سفر سے مراد مباح ہے اور طویل سفر ہے جو چار فرسخ یعنی دو مرحلے اور منزل ہو اور فلیس علیکم جناح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم رخصت ہے وجوبی نہیں ہے امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے) بلاشبہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں (جن کی دشمنی واضح ہے) اور جب آپؐ (اے محمدؐ!) مسلمانوں میں (تشریف فرما) ہوں (اور تم لوگوں کو دشمنوں سے اندیشہ ہو) اور آپؐ ان کو نماز پڑھانا چاہیں (یہ قرآن کے دستور کے مطابق خطاب ہے اس کا مفہوم معتبر نہیں) تو چاہئے کہ ایک گروہ ان کا تمہارے ساتھ کھڑا ہو جائے (اور فوج کا دوسرا دستہ مورچہ کی کمان سنبھالے رکھے) اور لئے رہے (جو دستہ آپؐ کے پیچھے کھڑا ہے) اپنے ہتھیار۔ پھر جب وہ سجدہ کر چکے (ایک رکعت پڑھ لے) تو چاہئے کہ (یہ پہلا دستہ) پیچھے ہٹ جائے (مورچہ کی حفاظت میں لگا رہے نماز پوری ہونے تک۔ اور یہ دستہ مورچہ پر جا کر حفاظت کرے) اور دوسرا دستہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی تھی آ کر تمہارے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے اور چاہئے کہ پوری طرح ہوشیاری رکھے اور اپنے ہتھیار لئے رہے (حتیٰ کہ نماز پوری ہو جائے۔ نبی کریم ﷺ نے بطن نخلہ میں ایسا ہی کر کے دکھلایا جس کو شیخینؒ نے روایت کیا ہے) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے ان کی دلی تمنا یہ ہے کہ اگر تم ذرا بھی غفلت اختیار کرو (نماز میں مشغول ہو کر) اپنے ہتھیار اور سامانِ جنگ سے تو ایک بارگی تم پر ٹوٹ پڑیں گے (ایک دم تم پر حملہ آور ہو جائیں اور تمہیں گرفتار کرلیں اور ہتھیار بند کرنے کی یہی وجہ ہے) اور اگر تمہیں برسات کی وجہ سے کچھ تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اگر ہتھیار اتار کر رکھ دو (ہتھیاروں سے

لیس نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ عذر نہ ہونے کے وقت ہتھیاروں سے لیس ہونا واجب ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول یہی ہے۔ دوسرا قول سنت ہونے کا ہے جو راجح ہے) لیکن اپنے بچاؤ سے غافل نہ ہو جانا (دشمن کی جانب سے یعنی جہاں تک ہو سکے دشمن سے بچتے رہو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے منکرین حق کے لئے رسوا کن (ذلت آمیز) عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پھر جب تم نماز پوری کر چکو (نماز سے فارغ ہو جاؤ) تو اللہ کا ذکر کرتے رہو (تسبیح وتہلیل کرتے ہوئے) کھڑے، بیٹھے، لیٹے (یعنی ہر حال میں) پھر جب تم دشمن سے مطمئن (مامون) ہو جاؤ تو نمازیں پڑھنے لگو (قاعدہ کے مطابق ادا کرو) بلاشبہ نماز مسلمانوں پر فرض کر دی گئی ہے (کتاب بمعنی مکتوب یعنی فرض) وقت کی قید کے ساتھ (مقررہ وقت کے ساتھ کہ اس سے ٹل نہیں سکتی۔ نبی کریم ﷺ نے اگرچہ ایک جماعت کو ابوسفیان وغیرہ کی تلاش وجستجو میں اس وقت اٹھانا چاہا جب کہ وہ غزوۂ احد سے لوٹ رہے تھے مگر لوگوں نے تازہ زخموں کی شکایت کی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی (اور ہمت نہ ہارو (بزدلی نہ دکھلاؤ) پیچھا کرنے (تلاش کرنے) میں دشمن کے (کفار کو قتل کرنے کے لئے) اگر تمہیں دکھ پہنچا ہے (زخموں کی تکلیف محسوس کر رہے ہو) تو وہ بھی دکھی ہیں جس طرح تم دکھی ہو (یعنی تمہاری طرح ہیں حالانکہ وہ تم سے لڑنے میں بزدلی نہیں دکھلا رہے ہیں) درآنحالیکہ (تم) اللہ تعالیٰ سے ایسی ایسی امیدیں (نصرت اور ثواب کی لگائے ہوئے ہو جو انہیں میسر نہیں (اس لحاظ سے تم ان سے بڑھ گئے ہو۔ اس لئے جہادی مہم مین بھی ان کے مقابلہ میں تمہیں بازی لے جانا چاہیئے) اور اللہ تعالیٰ (ہر چیز) جاننے والے (اپنے ہر کام میں) حکمت رکھنے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب:............**من الصلوٰۃ** من زائد اور لام جنس کا ہے۔ **ان یفتنکم** قاموس میں ہے کہ فتنہ کے معنی محنت کے ہیں اور **من الصلوٰۃ** سیبویہ کے نزدیک محذوف کی صفت ہے ای **شیئا من الصلوٰۃ** اور اخفش کے نزدیک من زائد ہے اور **الصلوٰۃ تقصروا** کا مفعول ہے۔

بیان للواقع یعنی یہ صرف اظہار واقعہ ہے کہ آپ ﷺ کا ہر سفر دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے پرخطر رہتا تھا۔ اس لئے یہ قید درجۂ شرط میں ضروری نہیں ہے۔ سفر امن وامان کی حالت میں ہو یا پرخطر، احکام رخصت برابر جاری ہوں گے چنانچہ ابن عباسؓ سے مروی ہے **سافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین مکۃ والمدینۃ لایخاف فصلی رکعتین (صحیحین)** یہ آیت قصر کی مقدار اور کیفیت اور قصری نمازوں اور مدت کے بارے میں مجمل ہے۔ احادیث سے تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

اربعۃ برد، برد جمع برید ہر برید چار فرسخ اور ہر فرسخ تین میل ہاشمی ہوتا ہے اور ہر میل بارہ ہزار قدم کا ہوتا ہے۔ پس ایک برید بارہ میل ہوتا ہے اور ایک بارہ ہزار قدم، ہر بارہ میل پر منزل کا نشان بنا ہوتا تھا۔ یہ دراصل ''برید ہ دم'' کا معرب ہے دم کٹا اور لانڈا۔ مراکب اور مسافت پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا۔ یہ مسافت امام شافعیؒ کے نزدیک ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک چھ برد یعنی تین دن رات کی مسافت اوسط درجہ کی چال کے ساتھ بری سفر میں اور معتدل ہوا کے ساتھ بحری سفر میں بادبانی، جہاز یا کشتی سے اور پہاڑی سفر میں وہاں کے مناسب چال کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد مسافر کی تیز رفتاری یا سست رفتاری کا اعتبار نہیں ہوگا۔ حتیٰ کہ تین دن کی مسافت ایک دن میں یا ایک دن کی مسافت اگر تین روز میں منقطع کر دی تو اس سے کچھ اثر نہیں پڑے گا۔

ولتات طائفۃ چونکہ ماقبل اس کا ذکر نہیں اس لئے نکرہ لایا گیا ہے **ولیا خذوا اسلحتہم** یہاں دوسرے دستہ کے لئے چونکہ نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے خطرہ کا احتمال تھا اس لئے محتاط رہنے کا حکم دیا گیا۔ برخلاف پہلے دستہ کے کہ وہ مورچہ سنبھالنے اور نماز شروع نہ کرنے کی وجہ سے آمادۂ حرب معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے اس پر اس درجہ کا حملہ کا خطرہ نہیں تھا۔

وھذا یفید الایجاب یہ تو اسلحہ کے متعلق گفتگو تھی لیکن باخبر اور ہوشیار رہنا تو بہر صورت ضروری اور واجب ہے۔

ان اللّٰہ اعد یہ محتاط رہنے کی علت ہے چونکہ ہم نے تمہارے ہاتھوں ان کی رسوائی اور تباہی مقدر رکھی ہے۔ اس لئے تمہیں اسباب اختیار کرنے میں تساہل اور سستی نہیں کرنی چاہئے منجملہ اسباب کے چوکنا رہنا اور ہتھیار بند رہنا ہے۔

فو غتم. یہ تفسیر حنفیہؒ کے مذہب پر ہے کہ محارب کے لئے بحالت حرب نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ تاوقتیکہ اطمینانی حالت میسر نہ آئے نماز مؤخر رکھے۔ لیکن شوافع کے نزدیک جس حال میں بھی ممکن ہو کھڑے، بیٹھے، لیٹے نماز پڑھنی پڑے گی عین قتال میں بھی پڑھنی ضروری ہوگی۔ موقوتا یعنی فرض موقت یا مقدر کہ حالت خوف میں بھی معاف نہیں اور حضر میں پوری اور سفر میں رخصتی اور قصری نمازیں پڑھنے کا حکم ہے۔ لما رجعوا آل عمران میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

فانتم تزیدون یعنی قتال اور جنگ کے مصائب تو دونوں میں مشترک ہیں لیکن مسلمانوں کا جہاد بوجہ اللہ اور دوسروں کی جنگ بوجہ النفس ہے پس دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

ربط:............ گذشتہ آیات میں جہاد وہجرت کا بیان تھا اور چونکہ ان دونوں میں اکثر سفر بھی پیش آیا کرتا ہے اور سفر میں دشمن کی طرف سے کچھ اندیشے بھی بعض دفعہ پیش آ جاتے ہیں اس لئے نماز میں بعض سہولتیں دی جارہی ہیں چوبیسواں حکم قصر صلوٰۃ سے متعلق ہے اور آیت و اذا کنت میں پچیسواں حکم صلوٰۃ الخوف سے متعلق ہے۔

شان نزول:............ ابن جریرؒ حضرت علیؓ سے روایت پیش کرتے ہیں کہ بنی نجار نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ہم سفر میں رہتے ہیں پس نمازوں کا کیا کریں؟ تو اس پر آیت اذا ضربتم الخ نازل ہوئی اس کے ایک سال بعد آپ ﷺ کسی غزوہ میں مشغول تھے۔ نماز ظہر کا وقت آیا تو مشرکین نے مسلمانوں کے انہماک فی الصلوٰۃ کو دیکھتے ہوئے حملہ کے لئے موقعہ کو غنیمت سمجھا اور جب کسی نے یہ کہہ کر توجہ دلائی کہ اسی جیسی ایک اور نماز عصر بھی یہ لوگ پڑھیں گے تو اور بھی منہ میں پانی بھر آیا۔ لیکن حق تعالیٰ نے و اذا کنت فیھم الخ صلوٰۃ الخوف کی تدبیر سے ان کی ساری تدابیر خاک میں ملادیں۔

جابر بن عبداللہؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: غزو نا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قوما جھنیۃ فقاتلوا قتالا شدیدا فلما صلینا الظھر قال المشرکون لوملنا علیھم میلۃ لاختطفنا ھم ونحن ترکنا ھم حتی صلوا وندموا علی ترکھم فقال بعضھم دعوھم فان لھم بعدھا صلوٰۃ ھی احب الیھم من ابائھم و ابناء ھم یعنون العصر فلما اراد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یصلی العصر انزل اللّٰہ ھذہ الاٰیۃ اسی طرح غزوہ میں آپ ﷺ تشریف لے گئے اور قضائے حاجت کے لئے جب آپ ﷺ نظروں سے اوجھل ہوئے تو غورث بن الحارث محاربی نے کفار کو مطلع کر دیا کہ موقعہ غنیمت ہے۔ چنانچہ لشکر سے پوشیدہ پہاڑ کے دامن میں ہوتے ہوئے ایک دم آ کر آنحضرت ﷺ پر ٹوٹ پڑا اور تلوار سونت کر کہنے لگا یا محمد من یعصمک منی الاٰن؟ بے ساختہ آپ کے منہ سے نکلا اللّٰھم اکفنی غورث بما شئت پس جوں ہی مارنے کے لئے غوث آگے بڑھا اوندھے منہ گرا اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی جس کو فوراً آپ ﷺ نے اچک لیا اور فرمایا من یمنعک منی الاٰن؟ عرض کیا لا احد آپ نے فرمایا کلمۂ شہادت پڑھ میں تلوار دے دیتا ہوں اس نے عرض کیا کہ کلمۂ شہادت تو خیر نہیں پڑھتا مگر اس کا اقرار کرتا ہوں کہ کبھی آپ ﷺ سے جنگ نہیں کروں گا اور نہ آپ ﷺ کے دشمنوں کی مدد کروں گا آپ ﷺ نے اس کی تلوار واپس کر دی اس نے متاثر ہو کر اقرار کیا کہ آپ ﷺ مجھ سے بہتر ہیں جس کی آپ ﷺ نے تائید فرمائی اور لشکر میں واپس آ کر صحابہ کو یہ واقعہ سنایا اس پر آیت و دالذین کفروا الخ نازل ہوئی۔

بخاریؒ نے ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے کہ آیت ان کان بکم اذی. عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ وہ

زخمی تھے اور آیت ولا تھنوا الخ کا نزول روح المعانی میں عکرمہؒ سے غزوۂ حمراء الاسد کے بارے میں نقل کیا گیا ہے۔ جس کا واقعہ آیت الذین استجابوا کے تحت آل عمران میں مذکور ہو چکا ہے۔

﴿تشریح﴾: ......مسافت اور مدتِ سفر کا بیان: .... یہ آیت مجمل ہے جس کی حدیث سے تفسیر ہوگئی کہ کم از کم تین منزل سفر کا ارادہ ہونا چاہئے۔ حنفیہ کے نزدیک تین دن رات اوسط چال کے ساتھ، بری سفر میں اور اعتدالِ ہوا کے ساتھ بحری سفر میں اور مناسب رفتار کے ساتھ پہاڑی سفر میں مسافت کا اعتبار ہوگا۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک ادنیٰ مدت سفر چار بردودن کی مسافت ہے اور بقول صاحب ہدایہ ابو یوسفؒ کے نزدیک پورے دو دن اور تیسرے دن کا اکثر حصہ ہے اور ایک قول میں امام شافعیؒ کے نزدیک صرف ایک دن رات مسافت ہونی چاہئے اور بعض حضرات نے اس اختلاف کا اعتبار میلوں کے ذریعہ کیا ہے۔

حنفیہ اور شوافع کا نکتۂ اختلاف: .... نیز امام شافعیؒ کے نزدیک یہ رخصت توفیہ کی قسم ہے یعنی رخصت کامل ہے اور پوری نماز پڑھنا عزیمت ہے اس آیت کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے کیونکہ لفظ لا جناح تخفیف اور رخصت کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے نہ کہ عزیمت کے موقعہ پر ایک اور روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سفر کی حالت میں نمازوں کا اہتمام فرمایا۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے ساتھ عمرہ کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے نماز قصر اور اتمام کے ساتھ پڑھی ہے اور میں نے روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "احسنت یاعائشہؓ"۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ رخصت اسقاط یعنی عزیمت پر عمل کرتے ہوئے پوری نماز پڑھنا جائز نہیں ہے چنانچہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے **صلوٰۃ السفر رکعتان تام قصر علی لسان نبیکم** نیز حضرت عائشہؓ کے الفاظ ہیں **اول مافرضت الصلوٰۃ فرضت رکعتین فاقرت فی السفر وزیدت فی الحضر**۔

رہی آیت لا جناح یہ دراصل اس وہم کو دفع کرنے کے لئے ہے کہ نماز قصر میں لوگ حرج اور برائی نہ سمجھنے لگیں تو قصر کرنے والوں کے لئے اطمینان خاطر کے لئے گناہ کی نفی کردی گئی ہے کہ اس میں قطعاً کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے۔ پس اس سے عزیمت کی نفی لازم نہیں آتی بلکہ احادیث سے قصر واجب ہے خواہ سفر میں امن واطمینان ہو یا کچھ خوف وخطر بھی ہو۔ ان خفتم کی قید ایسی ہی اتفاقی ہے۔ جیسے ان اردن تحصناً میں ہے یعنی آیت کے نازل ہونے کے وقت خوف کا زمانہ تھا لیکن بعد میں حدیثوں سے تعمیم ثابت ہوگئی۔

خوارج کے نزدیک ظاہر آیت کے موافق خوف کی شرط ہے ہمارا مؤید ابن عمرؓ کی قرأت ہے جس میں صرف ان یفتنکم ہے ان خفتم کی قید نہیں ہے نیز صحابہ کا تعامل بھی امن میں قصر پر رہا ہے چنانچہ یعلی بن امیہ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا:

> مابالنا نقصر وقد امنا فقال عجبت بما تعجبت منه فسالت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن ذالك فقال ھذہ صدقة تصدق اللّٰہ بھا علیکم فاقبلوا صدقة
>
> "حالت امن میں نماز قصر کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ جس چیز سے تم کو تعجب ہو رہا ہے خود مجھ کو اس پر تعجب تھا مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ اللہ کا صدقہ ہے اس کو قبول کرنا چاہیئے۔"

پس غیر واجب الاطاعۃ شخص کا صدقہ بھی ناقابل رد ہوتا ہے جیسے والی کی طرف سے قصاص کی معافی کہ اس کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ تو حق تعالیٰ کا صدقہ کس طرح رد کیا جاسکتا ہے جو واجب الطاعت ہیں۔

نماز قصر کے لئے خوف کی قید ضروری نہیں:............اس سے معلوم ہوا کہ نہ قصر کے لئے خوف کا ہونا شرط ہے اور نہ اکمال جائز ہے۔ یہ تقریر تو اس وقت ہے جبکہ قصر سے مراد نماز کا قصر ذاتی ہو یعنی تعداد رکعات کی کمی لیکن اگر قصر اور اوصاف مراد ہوں یعنی قرأت، رکوع، سجود، تسبیحات میں کمی کرنا یا سواری پر اشاروں سے نماز پڑھنا جیسے ابن عباسؓ سے منقول ہے اور فخر الاسلام بزدوی کا مختار ہے تو ہمارے نزدیک بھی پھر یہ شرط علیٰ حالہ رہے گی۔ البتہ اس صورت میں یہ شبہ رہے گا کہ صلوٰۃ الخوف منفرداً سفر کے ساتھ مقید ہو کیونکہ آیت میں سفر اور خوف دونوں کی شرطیں ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ الا یہ کہ یوں کہا جائے کہ دلالۃ اجماع سے اس قید کو ترک کر دیا گیا ہے جیسے کشافؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے۔

وطن اصلی کی طرح وطن اقامت جس میں پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کی نیت ہو۔ اس میں پوری نماز پڑھنی چاہئے اور پندرہ روز سے کم ایک جگہ ٹھہرنے کی نیت ہو تو قصر کرتا رہے اگر چہ اتفاقاً سالہا سال ٹھہرنا پڑ جائے قصر میں صرف ظہر، عصر، عشاء کے چار فرض دوگانہ ہو جائیں گے۔ باقی فرائض، وتر، سنن، نوافل بدستور رہیں گے۔

صلوٰۃ الخوف کی بحث:............نماز خوف باجماعت کا اثبات آیت واذا کنت الخ سے ہو رہا ہے۔ صلوٰۃ الخوف کی کیفیت احادیث سے مختلف معلوم ہوتی ہے۔ بقول صاحب ہدایہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک امام ایک رکعت پڑھا کر منتظر کھڑا رہے حتیٰ کہ پہلا دستہ اپنی نماز پڑھ کر فارغ ہو جائے اور سلام پھیر کر مورچہ سنبھال لے پھر اسی طرح دوسری رکعت امام دوسرے دستہ کو پڑھا کر بیٹھا رہے حتیٰ کہ دوسرا دستہ نماز سے فارغ ہو جائے اور سلام پھیر دے بطن نخلہ میں آنحضرت ﷺ نے اسی طرح پڑھائی ہے۔

لیکن ذات الرقاع میں آپ ﷺ نے دوسری طرح نماز پڑھائی کہ ایک رکعت مقتدی امام کے ساتھ پڑھ لیں اور دوسری رکعت خود وہیں فرادیٰ فرادیٰ پڑھ لیں۔ اسی طرح دوسرا دستہ ایک رکعت امام کے ساتھ اور دوسری رکعت از خود تنہا تنہا پڑھ لے۔ چنانچہ ان سب طریقوں سے نماز جائز ہے۔

صلوٰۃ الخوف میں فقہی اختلافات:............لیکن حنفیہؒ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ امام دونوں گروہوں کو آدھی آدھی نماز یعنی ایک ایک دو دو رکعت پڑھائے گا ثنائی یا قصری نماز ہے تو ایک ایک رکعت۔ حضری نماز ہے اور رباعی تو دو دو رکعت پڑھانی پڑے گی اور مغرب میں اول گروہ کو دو رکعت اور دوسرے کو ایک رکعت پڑھائے لیکن دونوں جماعتوں کو کچھ دیر کے لئے مورچہ بھی سنبھالنا پڑے گا اور دونوں اپنی اپنی ایک ایک رکعت اسی طرح ادا کریں گے کہ اول دستہ بقیہ نماز لاحق ہو کر بلا قرأت پڑھے گا اور دوسرا طبقہ مسبوق ہو کر مع قرأت بقیہ نماز ادا کرے گا۔ ابن مسعودؓ نے رسول اللہ ﷺ کا یہی طریقہ نقل کیا ہے اور صاحب ہدایہ نے اس آیت کی بجائے روایت ابن مسعودؓ سے اس لئے استدلال کیا ہے کہ روایت میں پوری کیفیت محفوظ ہے۔ باقی قاضی بیضاویؒ کا مذہب حنفیہ نقل کرتے ہوئے یہ کہنا کہ امام کے تنہا سلام پھیر دینے کے بعد دوسرا دستہ اپنی نماز قرأت کر کے پوری کر لے اور پھر مورچہ سنبھال لے اور دوسرا دستہ بلا قرأت آ کر اپنی نماز پوری کر لے اگر چہ سہولت وعجلت کے لحاظ سے مناسب ہے۔ لیکن حنفیہ کے یہاں اس قسم کی کوئی روایت نہیں ملتی چہ جائیکہ ان کا یہ مذہب ہو۔

بہر حال آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی باجماعت صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت پر اجماع ہے۔ لیکن ابو یوسفؒ اذا کنت کے خطاب کی تخصیص کے پیش نظر آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں حالانکہ خطاب کا صیغہ اس وقت کی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے فرمایا۔ بعد میں جو آپ ﷺ کے قائم مقام ہوں گے وہ اس خطاب میں بھی قائم مقام ہوں گے چنانچہ دوسرے موقعہ پر خذ من اموالھم

میں خطاب خاص ہے مگر بعد کے تمام ائمہ اور خلفاء کے لئے یہی حکم ہے تاہم نماز میں یہ تمام نقل وحرکت اور عمل کثیر اس وقت گوارا کیا جائے گا جب کہ تمام فوجی لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر مصر ہوں ورنہ آسان صورت یہ ہے کہ فوج کے چند حصے کر لیئے جائیں اور سب کو علیحدہ علیحدہ امام نماز پڑھادیں اور عجب نہیں کہ اذا کنت اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہو کہ آپ ﷺ کی محبوبیت دوسروں کے پیچھے نماز پڑھنے کو گوارا نہیں کرنے دیتی۔

نیز اس نماز خوف کی اجازت اتنے خوف کی حالت میں ہے کہ نماز کا انتظام ممکن ہو سکے ورنہ اس کا حکم بقرہ میں گزر چکا ہے یعنی عین قتل وقتال کی حالت میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں بلکہ قضاء کر دی جائے گی۔

حنفیہؒ کے نزدیک نماز کی حالت میں ضرورت کے مطابق ہتھیار وغیرہ رکھنا مستحب ہے اور اس موقعہ پر لا جناح ایسا ہی ہوگا جیسے **لا جناح علیکم ان طلقتم النساء** میں ہے بمعنی لا مؤنۃ اور ظاہر ہے کہ ہتھیار اٹھانے میں اتنی مشقت اور تکلیف نہیں جتنا خطرہ ہتھیار ساتھ نہ رکھنے میں ہے۔

نماز کیلئے تو شرائط اور قیود ہیں مگر ذکر اللہ ہر حال اور ہر وقت مطلوب ہے:............**فاذا قضیتم الصلوٰۃ** کا حاصل یہ ہے کہ نماز کی ہیئت میں اگرچہ تبدیلی کی اجازت خاص اس موقعہ پر دی گئی ہے اور قتل وقتال کے وقت بالکل ہی نماز کی بندش کر دی گئی ہے لیکن ذکر اللہ کسی حالت میں بھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ عین قتال کے وقت بھی دل سے اور احکام کی ادائیگی کے ذریعہ ذکر اللہ ہوتا رہتا ہے۔ غرضکہ نماز تو ایک وقت میں ختم بھی کر دی جاتی ہے مگر ذکر کسی وقت اور کسی حال میں بھی ختم نہیں ہوتا۔ نماز میں گو ایک حد تک تخفیف ہو گئی مگر ذکر بحالہ رہا البتہ **ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابًا موقوتًا** سے شبہ ہو سکتا ہے کہ اس علت کا تقاضا تو یہ ہے کہ عین قتال کے وقت بھی نماز مؤخر نہیں ہونی چاہئے تھی بلکہ اس وقت کے مناسب کوئی اور آسان طریقہ اختیار کر لیا جاتا لیکن ظاہر ہے کہ تمام احکام میں امکان عادی کا اعتبار کیا جاتا ہے لیکن جب وہ بھی نہ ہو سکے تو پھر باقی نہیں رکھا جاتا۔ پس عین قتال کیوقت نماز کی بھی یہی حالت ہے کہ اس کی مجموعی ہیئت کسی حد تک بھی باقی نہیں رہتی جو شرعًا مقصود معتبر ہے پس جب اتنا بھی نہ ہو سکے اور اس سے بھی کم درجہ رہ جائے تو وہ نماز ہی نہیں اس لئے مؤخر کر دی گئی ہے۔

نکاتِ آیت:............اس آیت میں کئی معنی کا احتمال ہے۔ تنبیہ ابو اللیث میں ہے کہ اس میں بیماروں کی نماز کا بیان ہے کہ اگر قیام پر قدرت نہ رہے تو بیٹھ کر اور بیٹھ کر قدرت نہ رہے تو لیٹ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ اور **فاذا اطمانتم** کے معنی صحت کے ہوں گے یعنی اس وقت مکمل ارکان کے ساتھ نماز ادا کرنی چاہئے گویا اس جملہ کی تخصیص صرف **او کنتم مرضیٰ** کے ساتھ کرنی پڑے گی۔ لیکن مریض کی نماز کے بیان میں صاحب ہدایہ نے اس آیت کی بجائے **صل قائمًا فان لم تستطع فقاعد افان لم تستطع فعلی الجنب تومی ایماءً** سے استدلال کیا ہے کیونکہ آیت مجمل اور محتمل المعانی ہے برخلاف حدیث کے کہ وہ محکم اور مفصل ہے آیت اور حدیث میں استلقاء کی بجائے لفظ جنب ان معنی کی طرف مشیر ہے دوسرے معنی وہی ہیں جو پہلے مذکور ہوئے کہ جب یہ ہنگامی یا سفری حالت نہ رہی تو پھر ان عارضی رخصتوں کی بجائے اصلی ہیئت اور مکمل نمازیں ہونی چاہئیں۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ نماز خواہ کسی صورت میں ہو، خوف یا سفر کی حالت ہو یا ان دونوں سے خالی ہو امن وقیام کی حالت بہر حال نماز ایک موقت حکم ہے لیکن ذکر اللہ ہی ایک ایسا وظیفہ ہے جس سے مسلمان کو کسی وقت بھی غفلت یا سستی نہیں کرنی چاہئے۔

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرائض کی ایک حد مقرر کر دی ہے لیکن ذکر اللہ کی کوئی حد بندی نہیں ہے کھڑے، بیٹھے، لیٹے،

دن اور رات سفر وحضر، بحر و بر، غناء وفقر، علانیہ وسر، غرض ہر حالت میں مطلوب ہے اور چوتھے معنی یہ ہیں کہ خوف قتال اور عین قتال دونوں حالتوں میں ممکنہ صورتوں کے ساتھ نمازیں پڑھتے رہو لیکن لڑائی ختم ہونے اور امن چین کے بعد ان نمازوں کی قضاء کرو۔ امام شافعیؒ کے مذہب پر یہ معنی ظاہر ہیں کیونکہ ان کے نزدیک جنگ کرتے ہوئے پیدل اور سوار چلتے ہوئے نماز پڑھنے کا حکم ہے برخلاف احناف کے وہ مشی اور رکوب کو منافی نماز مانتے ہوئے تاخیر کا حکم دیتے ہیں۔

لطائف آیت:............ **واذا ضربتم** سفر اور خوف کے وقت جب نمازوں میں تخفیف ہوگئی تو عذر کے وقت اوراد و وظائف میں بدرجۂ اولیٰ تخفیف ہونی چاہئے اسی طرح آیت **اذا اطمأننتم** سے معلوم ہوتا ہے کہ زوال عذر کے بعد پھر اوراد کا اکمال بھی ہونا چاہئے۔

وَسَرَقَ طُعْمَةُ بْنُ اُبَیْرِقٍ دِرْعًا وَخَبَأَهَا عِنْدَ یَهُوْدِیٍّ فَوُجِدَتْ عِنْدَهٗ فَرَمَاهُ طُعْمَةُ بِهَا وَحَلَفَ اَنَّهٗ مَاسَرَقَهَا فَسَأَلَ قَوْمُهُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّجَادِلَ عَنْهُ وَیُبَرِّئَهٗ فَنَزَلَ **اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ** الْقُرْآنَ **بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلْنَا **لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ** عَلَّمَكَ **اللّٰهُ** فِیْهِ **وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ** كَطُعْمَةَ **خَصِیْمًا﴿۱۰۵﴾** مُخَاصِمًا عَنْهُمْ **وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ** مِمَّا هَمَمْتَ بِهٖ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ** یَخُوْنُوْنَهَا بِالْمَعَاصِیْ لِاَنَّ وَبَالَ خِیَانَتِهِمْ عَلَیْهِمْ **اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا** كَثِیْرًا لْخِیَانَةِ **اَثِیْمًا﴿۱۰۷﴾** اَیْ یُعَاقِبُهٗ **یَّسْتَخْفُوْنَ** اَیْ طُعْمَةُ وَقَوْمُهٗ حَیَاءً **مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ** یَعْلَمُهٗ **اِذْ یُبَیِّتُوْنَ** یُضْمِرُوْنَ **مَا لَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ** مِنْ عَزْمِهِمْ عَلَی الْحَلْفِ عَلٰی نَفْیِ السَّرِقَةِ وَرَمْیِ الْیَهُوْدِیِّ بِهَا **وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا﴿۱۰۸﴾** عِلْمًا **هٰٓاَنْتُمْ** یَا **هٰٓؤُلَآءِ** خِطَابٌ لِقَوْمِ طُعْمَةَ **جٰدَلْتُمْ** خَاصَمْتُمْ **عَنْهُمْ** اَیْ عَنْ طُعْمَةَ وَذَوِیْهِ وَقُرِئَ عَنْهُ **فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ** اِذَا عَذَّبَهُمْ **اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا﴿۱۰۹﴾** یَتَوَلّٰی اَمْرَهُمْ وَیَذُبُّ عَنْهُمْ اَیْ لَا اَحَدَ یَفْعَلُ ذٰلِكَ **وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا** ذَنْبًا یَسُوْءُ بِهٖ غَیْرَهٗ كَرَمْیِ طُعْمَةَ الْیَهُوْدِیَّ **اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ** بِعَمَلِ ذَنْبٍ قَاصِرٍ عَلَیْهِ **ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ** مِنْهُ اَیْ یَتُبْ **یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا** لَهٗ **رَّحِیْمًا﴿۱۱۰﴾** بِهٖ **وَمَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا** ذَنْبًا **فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ** لِاَنَّ وَبَالَهٗ عَلَیْهَا وَلَا یَضُرُّ غَیْرَهٗ **وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا﴿۱۱۱﴾** فِیْ صُنْعِهٖ **وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓئَةً** ذَنْبًا صَغِیْرًا **اَوْ اِثْمًا** ذَنْبًا كَبِیْرًا **ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓئًا** مِنْهُ **فَقَدِ احْتَمَلَ** تَحَمَّلَ **بُهْتَانًا** بِرَمْیِهٖ **وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا﴿۱۱۲﴾** بَیِّنًا بِكَسْبِهٖ **وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ** یَا مُحَمَّدُ **وَرَحْمَتُهٗ** بِالْعِصْمَةِ **لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ** مِنْ قَوْمِ طُعْمَةَ **اَنْ یُّضِلُّوْكَ** عَنِ الْقَضَاءِ بِالْحَقِّ بِتَلْبِیْسِهِمْ عَلَیْكَ **وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَضُرُّوْنَكَ مِنْ** زَائِدَةٌ **شَیْءٍ** لِاَنَّ وَبَالَ اِضْلَالِهِمْ عَلَیْهِمْ **وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ** الْقُرْاٰنَ **وَالْحِكْمَةَ** مَا فِیْهِ مِنَ الْاَحْكَامِ **وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ** مِنَ الْاَحْكَامِ

وَالْغَيْبِ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ بِذٰلِكَ وَغَيْرِهٖ عَظِيْمًا﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اَيِ النَّاسِ اَيْ مَايَتَنَاجَوْنَ فِيْهِ وَيَتَحَدَّثُوْنَ اِلَّا نَجْوٰى مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ عَمَلِ بِرٍّ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرَ ابْتِغَآءَ طَلَبَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ لَاغَيْرَهٗ مِنْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ اَيِ اللّٰهُ اَجْرًا عَظِيْمًا﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ يُخَالِفِ الرَّسُوْلَ فِيْمَا جَاءَ بِهٖ مِنَ الْحَقِّ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى ظَهَرَ لَهُ الْحَقُّ بِالْمُعْجِزَاتِ وَيَتَّبِعْ طَرِيْقًا غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيْ طَرِيْقِهِمُ الَّذِيْ هُمْ عَلَيْهِ مِنَ الدِّيْنِ بِاَنْ يَّكْفُرَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى نَجْعَلُهٗ وَالِيًا لِمَا تَوَلَّاهُ مِنَ الضَّلَالِ بِاَنْ نُّخَلِّيَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ فِي الدُّنْيَا وَنُصْلِهٖ نُدْخِلْهُ فِي الْاٰخِرَةِ جَهَنَّمَ لِيَحْتَرِقَ فِيْهَا وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴿۱۱۵﴾ مَرْجَعًا هِيَ۔

ع ۱۴

ترجمہ:.........طعمۃ ابیرق نے ایک ذرہ چرا کر ایک یہودی کے پاس چھپادی، چنانچہ تفتیش کے نتیجہ میں جب اس کے یہاں برآمد ہوئی تو اس نے طعمۃ کا نام لیا لیکن طعمہ نے حلفیہ چوری سے انکار کر دیا اور پھر اس کی برادری نے بھی آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ اس کی حمایت کیجئے اور اس کو بری کیجئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی) بلاشبہ ہم نے آپ ﷺ پر کتاب (قرآن) سچائی کے ساتھ (انزلنا کے متعلق ہے) نازل کر دی ہے تاکہ جیسا کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بتلایا (سکھلا دیا) ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اور (طعمۃ کی طرح) خیانت کرنے والوں کی طرف داری میں (ان کی حمایت کرتے ہوئے) کوئی بات نہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگئے جو کچھ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں خیال قائم کر لیا تھا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والے رحمت رکھنے والے ہیں اور آپ ﷺ طرفداری نہ کیجئے ان لوگوں کی طرف سے جو اپنے اندر خیانت رکھتے ہیں (گناہوں کی وجہ سے خیانت کے مرتکب ہیں۔ کیونکہ ان کی خیانت کا وبال خود ان ہی کے سر پڑے گا) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتے جو خیانت میں ڈوبے ہوئے (بہت زیادہ خیانت کے مرتکب) ہوں اور بڑے گنہگار ہوں (یعنی اللہ تعالیٰ ان کو سزا دیں گے) یہ لوگ (طعمہ اور اس کے خاندان والے شرما کر) انسانوں سے تو چھپاتے پھرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ موجود رہتا ہے (جانتا ہے) جب کہ وہ راتوں کو مجلس بٹھا کر ایسی ایسی باتوں کا (چھپا کر) مشورہ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں (یعنی چوری کے انکار پر قسم کھانے کی نیت اور یہودی پر الزام لگا دینا) وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ (کے احاطۂ علم) سے باہر نہیں ہے ہاں تم لوگ (طعمہ کی قوم کو خطاب ہے) ایسے ہو کہ تم نے طرفداری (حمایت) کی ان لوگوں کی طرف سے (یعنی طعمہ اور اس کے حمائتیوں کی جانب سے اور ایک قرأت میں لفظ عنہ ہے) دنیاوی زندگانی میں لیکن قیامت کے دن ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کون جھگڑے گا (جب وہ ان کو سزا دیں گے) یا کون ہے جو ان کا وکیل بنے (ان کی ذمہ داری لے اور ان کی طرف سے مدافعت کرے یعنی کوئی بھی ایسا نہیں کر سکے گا) اور جو شخص کوئی برائی کر بیٹھتا ہے (جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے جیسے طعمہ کا یہودی پر الزام لگانا) یا اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر لیتا ہے (گناہ کرنے کے بعد اس پر اصرار کر کے) اور پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہے (توبہ کر لیتا ہے) تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا اور رحمت والا پائے گا اور جو کوئی برائی (گناہ) کماتا ہے اپنی جان ہی کے ضرر کے لئے کماتا ہے (کیونکہ اس کا وبال اسی پر پڑے گا کسی دوسرے کو نقصان نہیں ہوگا) اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے (اپنے کاموں میں) حکمت والے ہیں اور جس کسی سے کوئی خطاء (معمولی گناہ) سرزد ہو جائے یا کسی بڑے گناہ (بڑی نافرمانی) کا مرتکب ہو پھرے اسے کسی بے گناہ کے سر تھوپ دے تو اس نے لاد لیا

(اٹھالیا) بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ (تہمت لگا کر اور ارتکاب کر کے) اور اگر آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا (اے محمدؐ) اور اس کی رحمت نہ ہوتی (عصمت کی دولت سے سرفراز کر کے) تو ان لوگوں میں سے (طعمۃ اور اس کے اہل خاندان میں سے) ایک جماعت نے تو پورا ارادہ کرلیا تھا کہ آپ ﷺ کو غلط راستہ پر ڈال دیں (حق فیصلہ کو آپؐ پر مشتبہ کر کے) اور یہ لوگ آپ ﷺ کو غلط راستے پر نہیں ڈال رہے ہیں مگر خود اپنی جانوں کو یہ آپ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے (من زائدہ ہے ان کے گمراہ کرنے کا وبال خود ان ہی پر ہوگا) اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر کتاب (قرآن) اور حکمت (احکام قرآنی) نازل کردیئے ہیں اور جو باتیں (احکام وغیب کی) آپ کو معلوم نہیں تھیں وہ آپ کو سکھلا دیں اور آپؐ پر اللہ تعالیٰ کا (اس معاملہ میں اور دوسرے معاملات میں) بڑا ہی فضل ہے (ان لوگوں کے پوشیدہ مشوروں میں سے) اکثر مشورے (لوگوں کی) بھلائی کے لئے نہیں ہوتے ہاں جو کسی خیرخیرات کے لئے یا کسی نیک کام (اچھے عمل) کے لئے یا لوگوں کے درمیان صلح صفائی کی خفیہ ترغیب دیتے ہیں اور جو کوئی اس طرح کے کام صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل (طلب) کرنے کے لئے کرتا ہے (دنیاوی منافع میں سے اور کوئی اس کا مقصد نہیں ہوتا) تو ہم اسے بڑا اجر عطا کریں گے (نؤتیہ نون اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے معطی اللہ تعالیٰ ہیں) اور جو کوئی رسول اللہ کی مخالفت کرے گا (ان کے لائے ہوئے پیغام حق میں) اس ہدایت کی راہ پر واضح ہوجانے کے بعد (جب کہ معجزات کے ذریعہ اس پر حق کھل چکا ہے) اور مؤمنوں کی راہ (دینی طریقہ جس پر وہ چل رہے ہیں) چھوڑ کر دوسرا راستہ چلنے لگے (کفر اختیار کر کے) تو ہم اس کو اسی طرف لے چلیں گے جس طرف جانا اس نے پسند کرلیا ہے (جس گمراہی کو اس نے اختیار کرلیا ہے ہم اس کو اس کا والی بنادیں گے دنیا میں اس کے لئے آسانیاں اور اسباب فراہم کر کے) اور (آخرت میں) اس کو جہنم رسید کردیں گے (تا کہ اس میں جل بھن جائے) اور کیا ہی بری جگہ (ٹھکانا) ہے وہ جہنم۔

تحقیق وترکیب: .... **طعمۃ** ضم طاء اور فتح اور کسر طاء کے ساتھ تینوں طرح لغت ہے **ابیرق** ہمزہ مضموم اور با مفتوح ہے۔ **ان یجادل عنہ** کیونکہ چوری کا مال یہودی کے پاس سے برآمد ہوا ہے اس لئے ظاہر حال یہی ہے کہ اس نے چوری کی ہوگی۔
بما ارٰک اللہ ابن عباسؓ کی رائے کے مطابق مراد علم قطعی وحی ہے جس طرح رویت اور مشاہدہ سے یقین ہوتا ہے یہی حال علم وحی کا بھی ہے لیکن دوسرے حضرات وحی اور اجتہاد دونوں مراد لیتے ہیں۔ شیخ ابو منصورؒ نے جو اجتہاد پر اس سے استدلال کیا ہے۔ **واستغفر اللہ۔ حسنات الابرار سیئات المقربین** کے قبیل سے ہے۔
لایحب کی تفسیر جلال محققؒ **ای یعاقبہ** کے ساتھ کر رہے ہیں گویا لازمی مجازی معنی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ **خوانا** مبالغہ کا صیغہ ہے اشارہ ہے متعدد خیانتوں کی طرف، چوری کرنا، یہودی پر غلط اتہام رکھنا، جھوٹی قسم کھالینا، جھوٹی شہادت۔
یضمرون تبیت کے اصل معنی رات میں تدبیر کرنے کے ہیں۔ مراد پوشیدہ مشورے کرنا۔ **ھانتم** مفسر علامؒ نے اشارہ کردیا کہ **ھانتم** مبتداء **ھؤلاء** خبر ہے اور اول کی ہا تنبیہ کے لئے ہے۔ **ام من** تفتازانی کی رائے یہ ہے کہ لفظ ام کے بعد جہاں اسم استفہام ہو وہاں ام بمعنی بل ہوتا ہے۔ ام متصلہ یا ام منقطعہ نہیں ہوتا لیکن صاحب مغنی کی تحقیق یہ ہے کہ ام منقطعہ کے معنی اضراب کے ہوتے ہیں پھر کبھی صرف اضراب کے لئے ہوتا ہے اور کبھی استفہام انکاری یا طلب کو بھی متضمن ہوتا ہے لا احد یعنی دونوں جگہ استفہام انکاری کے معنی ہیں۔ **یستغفر اللہ** اس سے معلوم ہوا کہ گناہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو حتی کہ کفر ہو یا دانستہ قتل وغیرہ سب صحیح توبہ کے بعد معاف ہوسکتے ہیں **اثما و ثم** کے معنی کسر اور توڑنے کے آتے ہیں۔ گناہ بھی چونکہ حابط اعمال ہوتا ہے اس لئے اثم کہلایا۔
لو لا فضل اللہ اس میں نفس **ھم** کی نفی کرنی مقصود نہیں کہ وہ تو واقع ہوچکی تھی بلکہ آپ ﷺ کے اضلال کے اس پر مرتب ہونے کی نفی کرنی ہے۔ **من شیء** من زائد ہے اور مصدر کی وجہ سے موضع نصب میں ہے۔

من نجوٰهم مفسر علامؒ نے الناس سے اشارہ کردیا کہ آیت کا نزول اگرچہ طعمہ وغیرہ کے ساتھ خاص ہے لیکن عموم مراد ہے الانجویٰ یعنی استثناء متصل ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ نجویٰ مصدر ہے صرف مضاف ہورہا ہے اور بعض نے استثناء منقطع کہا ہے کیونکہ من اشخاص کے لئے آتا ہے تناجی کی جنس سے نہیں ہے اس لئے لکن کے معنی میں ہے۔

او معروف اللہ کی طاعت مراد ہے جس میں تمام نیک کام داخل ہوجائیں گے۔ یہ عطف عام علی الخاص ہے اور او اصلاح بین الناس کا او معروف پر عطف خاص علی العام ہورہا ہے مقصود اہتمام ہے اور ان تین باتوں کی تخصیص اس لئے ہے کہ عمدہ کا ایصال نفع ہوگیا یا دفع شر۔ پھر ایصال نفع جسمانی ہوگا جیسے صدقات، یا روحانی جیسے امر بالمعروف اور دفع شر کی مثال جیسے اصلاح بین الناس۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے امش میلاً عد مریضًا امش میلین اصلح بین اثنین بہرحال کثرت کلام سے مفاسد بھی زیادہ ہوتے ہیں من کثر لغطه کثر سقطه

ارشاد نبوی ﷺ ہے هل یکب الناس فی النار علی وجوههم الا حصائد السنتهم. ومن یشاقق یہاں فک ادغام کے ساتھ ہے اور سورۂ حشر میں یہی لفظ ادغام کے ساتھ ہے کیونکہ الف لام لفظ اللہ کے ساتھ لازم الاستعمال ہے لفظ رسول کے ساتھ لازم نہیں ہے اور چونکہ لزوم میں ثقل ہوتا ہے جو مقتضی تخفیف ہے اس لئے لفظ اللہ کے ساتھ ادغام کیا گیا ہے۔

غیر سبیل المؤمنین یہ دلیل ہے اجماع کے حجت ہونے پر کتاب وسنت کی طرح سبیل المؤمنین کا خلاف بھی جائز نہیں ہے کیونکہ غیر سبیل المؤمنین کے اتباع اور شقاق رسولؐ دونوں کی سزا میں شدید وعید بیان کی جارہی ہے پس موالاۃ رسول کی طرح جمہور کا اتباع واجب ہے۔ قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس آیت سے اجماع کی مخالفت کا حرام ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ وعید شدید سے مخالفت رسولؐ اور مخالفت طریق مؤمنین میں سے یا ہر ایک کی حرمت معلوم ہوتی ہے اور یا کسی ایک کی اور یا دونوں کے مجموعہ کی چونکہ اخیر کے دو احتمال باطل ہیں اس لئے پہلی صورت متعین ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو ایک صورت اور بھی نکل سکتی ہے کہ شقاق رسولؐ بعینہ غیر طریق مؤمنین کا اتباع ہو۔

ربط: .... آیات گذشتہ میں کفار مجاہرین اور غیر مجاہرین یعنی منافقین کا ذکر تھا۔ آئندہ بھی منافقین ہی کے ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے جس میں ان کا نفاق کھل گیا تھا۔

شان نزول: .... جلال محققؒ نے شان نزول کے سلسلہ میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے ترمذیؒ اور حاکمؒ کے بیان کے مطابق اس کا حاصل یہ ہے کہ بنو بیرق کے ایک شخص بشیر نامی منافق نے حضرت رفاعہؓ کی بخاری سے آٹا اور ہتھیار چرالئے تلاش کے سلسلہ میں لوگوں کو بشیر پر شبہ ہوا تو بنو بیرق نے بشیر کی حمایت اور برأت کی اور چوری میں حضرت لبیدؓ کا نام لے دیا۔ حضرت رفاعہؓ نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہؓ کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں صورت حال پیش کردی آپ ﷺ نے تحقیق کا وعدہ فرمالیا۔ بنو بیرق کو خبر ہوئی تو اپنے ایک سردار اسیر کے پاس مشورہ کے لئے جمع ہوئے اور پھر سب مل کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور رفاعہؓ وقتادہؓ کی شکایت کی کہ بلا تحقیق ایک دین دار گھرانہ پر چوری کا الزام لگارہے ہیں اور اس سے مقصود آپ ﷺ کی طرف داری اور ہمدردی حاصل کرنا تھا سو اس میں تو خیر کامیابی نہیں ہوئی لیکن جب قتادہؓ حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ایسے لوگوں پر بے سند کیوں الزام لگاتے ہو؟ غرضکہ انہوں نے اپنے چچا رفاعہؓ سے جاکر جب یہ باتیں نقل کیں تو وہ اللہ پر بھروسہ کرکے خاموش ہوگئے جس پر یہ دو رکوع کی آیات اجرًا عظیما تک نازل ہوئیں۔ لیکن جب چوری ثابت ہوگئی اور مال مسروقہ برآمد ہوا اور وہ مالک کو دلایا گیا تو بشیر ناراض ہوکر مرتد ہوگیا اور مشرکین مکہ سے جاملا اس پر آیت ومن یشاقق الخ نازل ہوئی۔ مکہ میں جاکر بھی حسب عادت کسی کے نقب لگایا کہ

اتفاق سے اس پر دیوار گری اور مر گیا۔

﴿تشریح﴾:...... آنحضرت ﷺ کو مقدمات میں سب پہلوؤں کی رعایت اور احتیاط رکھنے کی تعلیم:.......

ولا تکن ولا تجادل وغیرہ آیات کا حاصل یہ ہے کہ فضل الٰہی چونکہ آپ ﷺ کے شامل حال ہے اس لئے آپ ﷺ نے ان میں سے کوئی کام نہیں کیا پس اس طرح ہر غلطی کی نفی ہوگئی اور کسی کام کے منع کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمانۂ ماضی میں یہ کام کیا گیا ہے بلکہ نہی کا اصل فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آئندہ کے لئے حقیقت حال سے آگاہ کر کے بندش کردی جاتی ہے پس حاصل یہ ہوگا کہ جس طرح اب تک ایسی باتوں سے آپ بچے رہے آئندہ بھی پرہیز رکھئے۔ اس لئے یہ انتظام آپ کی عصمت کے منافی نہیں ہے اور علی قدر مراتب چونکہ اس خیانت میں دوسروں کی اعانت بھی شامل رہی اس لئے سب خائن ہوئے اور اسی لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا اور بغیر صحیح دلیل اور معتبر سند کے کسی کو دیندار سمجھنا اگرچہ گناہ نہیں ہے بلکہ فی نفسہ حسن ظن کے محمود ہونے کی وجہ سے عجب نہیں کہ کسی درجہ میں مستحسن ہی ہو لیکن چونکہ بنو بیرق کو آپ ﷺ کے دیندار سمجھنے اور اتنا فرما دینے سے ممکن تھا کہ حقدار اپنے حق کو چھوڑ بیٹھیں چنانچہ رفاعہؓ خاموش ہو کر بیٹھ ہی رہے تھے گویا بالواسطہ ہی سہی مگر یہ بات آپؐ کے شایان شان نہیں ہے۔

اور معروف میں تمام نافع اور مشروع کام داخل ہوگئے۔ خواہ ان میں دنیوی نفع ہو یا دینی اور صدقہ اگرچہ اس میں داخل تھا لیکن نفس پر شاق ہونے کی وجہ سے اس کا علیحدہ اہتمام فرمایا اور چونکہ بشیر نے دوسروں کے مال کی چوری کی اس لئے اس کے مقابلہ میں دوسرے کو مال دینے کی ترغیب اور بھی مناسب مقام ہوئی۔ اسی طرح اصلاح بین الناس بھی اگرچہ معروف میں داخل ہے لیکن نااتفاقی بڑے بڑے مفاسد کی جڑ ہے اور اصلاح میں اس کا انسداد ہے اس لئے اس کی بھی تصریح فرمادی۔

اتباع سنت اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم کی پیروی:......... نیز **من یشاقق الرسول** کے ساتھ اتباع غیر سبیل المؤمنین کا اضافہ دلیل انی کے طور پر ہے کیونکہ رسول اللہ کے طریقہ کا مشاہدہ تو ہر وقت مشکل ہے آپ ﷺ کے زمانہ میں اکثر حضرات کے آپؐ سے غائب ہونے کی وجہ سے اور بعد میں آپ ﷺ کی وفات شریف کی وجہ سے۔ رہا اس طریقہ کا روایتی یا درایتی مشاہدہ منصوص اور غیر منصوص میں۔ سو وہ راویوں اور ائمہ مجتہدین کے واسطہ سے ہوسکتا ہے پس آپ ﷺ کے طریقہ کی موافقت یا مخالفت کا معروف معیار مؤمنین کا اتباع یا عدم اتباع ہی ہوگا۔ اس لئے اس آیت سے اجماع کا وجوب اور جمعیت معلوم ہوئی اور اس کی مخالفت کا حرام ہونا معلوم ہوا گویا کتاب وسنت کی طرح اس کے منکر کو بھی کافر کہا جائے گا اور اجماع کو خبر مشہور اور خبر واحد پر مقدم سمجھا جائے گا بشرطیکہ ہر دور میں اس کے نقل پر اجماع ہو رہا ہو کیونکہ اس کی نقل میں اگر افراد ہوگا تو پھر خبر واحد ہی کے درجہ میں رہے گا اور اجماع میں عزیمت کا درجہ یہ ہے کہ ہر ایک مجتہد سے قولاً یا عملاً اتفاق کی تصریح ہو اور رخصت کا درجہ یہ ہے کہ بعض کی طرف سے تصریح اور بعض کی طرف سے سکوت ہو اور ایسے مجتہدین کا اجماع معتبر ہوتا ہے جو اہل ہوئی اور فاسق نہ ہوں اور بعض کے نزدیک صرف صحابہ کا اور بعض کے نزدیک صرف اہل مدینہ کا اجماع معتبر ہوتا ہے۔

لطائف آیت:......... آیت **واستغفر اللہ** صوفیاء کے اس قول کی اصل ہے **حسنات الابرار سیئات المقربین** نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ کمال خواہ کیسا ہی حاصل ہو جائے لیکن تکالیف شرعیہ کسی وقت اور کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوسکتیں۔ آیت **لولا فضل اللہ** سے معلوم ہوا کہ کسی کو اپنے علم وعمل پر اعتماد اور تکیہ نہیں کرنا چاہیئے۔

آیت **لاخیر فی کثیر** الخ جاہل مشائخ کے اس خیال کی تغلیط اور تردید کر رہی ہے کہ طریقت، حقیقت، معرفت میں کوئی مخفی

تعلیم شریعت کے خلاف ہوئی ہے یا شریعت اور ہے، طریقت اور یا طریقت وغیرہ کی تعلیم سینہ بسینہ جاری رہتی ہے۔

آیت ومن یفعل ذلک الخ کا منطوق اس پر دلالت ظاہر کر رہا ہے کہ جو مخلص سالک محض رضائے الٰہی کی نیت کرے اور ثواب کی نیت نہ کرے تو اس کو ثواب بھی مل جاتا ہے لیکن اس آیت کا مفہوم اس پر دلالت کرتا ہے کہ تمام ثمرات اعمال رضائے الٰہی کے تابع ہوتے ہیں جب رضاء حاصل کرنے کا قصد ہو تو دوسرے ثمرات بلا قصد عطا ہو جاتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا﴿۱۱۶﴾ عَنِ الْحَقِّ **اِنْ مَا یَّدْعُوْنَ** یَعْبُدُ الْمُشْرِكُوْنَ **مِنْ دُوْنِهٖ** اَیِ اللّٰهِ اَیْ غَیْرِهٖ **اِلَّآ اِنٰثًا ۚ** اَصْنَامًا مُؤَنَّثَةً كَاللَّاتِ وَالْعُزّٰی وَمَنَاةَ **وَاِنْ مَا یَّدْعُوْنَ** یَعْبُدُوْنَ بِعِبَادَتِهَا **اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا﴿۱۱۷﴾** خَارِجًا عَنِ الطَّاعَةِ لِطَاعَتِهِمْ لَهٗ فِیْهَا وَهُوَ اِبْلِیْسُ **لَّعَنَهُ اللّٰهُ** اَبْعَدَهٗ عَنْ رَّحْمَتِهٖ **وَقَالَ** اَیِ الشَّیْطٰنُ **لَاَتَّخِذَنَّ** لَاَجْعَلَنَّ لِیْ **مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا** حَظًّا **مَّفْرُوْضًا﴿۱۱۸﴾** مَقْطُوْعًا اَدْعُوْهُمْ اِلٰی طَاعَتِیْ **وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ** عَنِ الْحَقِّ بِالْوَسْوَسَةِ **وَلَاُمَنِّیَنَّهُمْ** اُلْقِیَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ طُوْلَ الْحَیٰوةِ وَاَنْ لَا بَعْثَ وَلَا حِسَابَ **وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّكُنَّ** یُقَطِّعُنَّ **اٰذَانَ الْاَنْعَامِ** وَقَدْ فُعِلَ ذٰلِكَ بِالْبَحَائِرِ **وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ** دِیْنَهٗ بِالْكُفْرِ وَاِحْلَالِ مَاحُرِّمَ وَتَحْرِیْمِ مَا اُحِلَّ **وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا** یَتَوَلَّاهُ وَیُطِیْعُهٗ **مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَیْ غَیْرِهٖ **فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا﴿۱۱۹﴾** بَیِّنًا لِمَصِیْرِهٖ اِلَی النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَیْهِ **یَعِدُهُمْ** طُوْلَ الْعُمْرِ **وَیُمَنِّیْهِمْ ؕ** نَیْلَ الْاٰمَالِ فِی الدُّنْیَا وَاَنْ لَّا بَعْثَ وَلَا جَزَاءَ **وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ** بِذٰلِكَ **اِلَّا غُرُوْرًا﴿۱۲۰﴾** بَاطِلًا **اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ز وَلَا یَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِیْصًا﴿۱۲۱﴾** مَعْدِلًا **وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ** اَیْ وَعَدَهُمُ اللّٰهُ ذٰلِكَ وَحَقَّهٗ حَقًّا **وَمَنْ** اَیْ لَا اَحَدٌ **اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا﴿۱۲۲﴾** قَوْلًا وَنَزَلَ لَمَّا افْتَخَرَ الْمُسْلِمُوْنَ وَاَهْلُ الْكِتَابِ **لَیْسَ** الْاَمْرُ مَنُوْطًا **بِاَمَانِیِّكُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ** بَلْ بِالْعَمَلِ الصَّالِحِ **مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ ۙ** اِمَّا فِی الْاٰخِرَةِ اَوْ فِی الدُّنْیَا بِالْبَلَاءِ وَالْمِحَنِ كَمَا وَرَدَ فِی الْحَدِیْثِ **وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَیْ غَیْرِهٖ **وَلِیًّا** یَحْفَظُهٗ **وَّلَا نَصِیْرًا﴿۱۲۳﴾** یَمْنَعُهٗ مِنْهُ **وَمَنْ یَّعْمَلْ** شَیْئًا **مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ** بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ **الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا﴿۱۲۴﴾** قَدْرَ نُقْرَةِ النَّوَاةِ **وَمَنْ** اَیْ لَا اَحَدٌ **اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ** اَیْ اِنْقَادَ وَاَخْلَصَ عَمَلَهٗ **لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ** مُوَحِّدٌ **وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ** الْمُوَافِقَةَ لِمِلَّةِ الْاِسْلَامِ **حَنِیْفًا ؕ** حَالٌ اَیْ مَائِلًا عَنِ الْاَدْیَانِ كُلِّهَا اِلَی الدِّیْنِ الْقَیِّمِ **وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا﴿۱۲۵﴾** صَفِیًّا

خَالِصَ الْمُحَبَّةِ لَهُ **وَلِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ** مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا **وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِيْطًا﴿۱۲۶﴾** عِلْمًا وَقُدْرَةً اَیْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ

ترجمہ:............ اللہ تعالیٰ یہ بات بخشنے والے نہیں کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں وہ جسے چاہیں بخش دیں اور جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو وہ بھٹک کر سیدھے (صحیح) راستہ سے بھٹک کر بہت دور جا پڑا یہ نہیں پکارتے (مشرکین پوجا پاٹ نہیں کرتے) اس کے (اللہ کے) سوا (یعنی غیر اللہ کی پرستش نہیں کرتے) مگر بیبیوں کو (جو زنانی قسم کے بت ہیں جیسے لات، منات، عزّیٰ) اور نہیں پکارتے ہیں (اپنے طریقوں کے مطابق بندگی نہیں کرتے ہیں) مگر شیطان مردود کو (جو اللہ کی فرمانبرداری سے خارج ہو چکا ہے اور یہ بندگی کرنے میں اس کی اطاعت کرتے ہیں مراد ابلیس ہے) جس پر اللہ لعنت کر چکے ہیں (اپنی رحمت سے دور پھینک چکے ہیں) اور کہنے لگا (یعنی شیطان) میں لے کر رہوں گا (اپنے لئے مخصوص کر لوں گا) تیرے بندوں میں سے ایک حصہ مقررہ (علیحدہ کہ اپنی طاعت کے لئے بلاؤں گا) اور ضرور انہیں بہکاؤں گا (وسوسے ڈال ڈال کر صحیح راستہ سے) اور ضرور آرزوؤں میں انہیں الجھائے رکھوں گا (ان کے دلوں میں لمبی عمر کو اور قیامت وحساب نہ ہونے کو بٹھلاؤں گا) اور ضرور انہیں سکھلاؤں گا جس سے وہ تراشا کریں گے (چیرا کریں گے) چوپاؤں کے کان (چنانچہ بحیرہ جانوروں کے ساتھ وہ ایسی کاروائی کیا کرتے تھے) اور میں ان کو یہ بھی بتلاؤں گا کہ وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیا کریں (اس کے دین کو کفر سے، حلال کو حرام سے، حرام کو حلال سے بدل دیا کریں) اور جو کوئی شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا (کہ جس کی اطاعت کا دم بھرے گا) اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر (یعنی غیر اللہ کو دوست بنائے) تو یقیناً وہ تباہی میں پڑ گیا جو کھلی تباہی ہے (کیونکہ اس کا انجام ہمیشہ کا جہنم ہوگا) شیطان ان سے وعدہ کرتا ہے (درازیٔ عمر کا) اور آرزوؤں میں ڈالتا ہے (دنیا کی امیدیں دلاتا ہے اور یہ کہ قیامت اور جزاء کوئی چیز نہیں ہے) اور شیطان ان سے جو کچھ وعدے کرتا ہے (اس کے بارے میں) وہ فریب (جھوٹ) کے سوا کچھ نہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ اس سے نکلنے کی کوئی راہ (موقعہ) نہیں پائیں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام انجام دیئے تو ہم انہیں ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ہمیشہ ان ہی نہروں میں رہیں گے یہ اللہ کا وعدہ حق ہے (یعنی اللہ نے ان سے اس کا وعدہ کیا ہے اور اس نے سچا وعدہ کر دکھایا ہے) اور اللہ سے بڑھ کر بات کہنے میں سچا اور کون ہوسکتا ہے (یعنی کوئی نہیں ہوسکتا اور مسلمان اور اہل کتاب نے جب آپس میں فخریہ گفتگو شروع کی تو یہ آیت نازل ہوئی) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر (معاملہ موقوف) ہے نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے کام چلتا ہے (بلکہ اچھے کام پر مدار ہے) جو کوئی برائی کرے گا ضروری ہے کہ اس کا بدلہ پائے (خواہ آخرت میں یا دنیا میں مبتلائے بلا ومصیبت کر کے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے) پھر اللہ کے سوا نہ تو اسے کوئی دوست ملے (جو اس کی حفاظت کرے) اور نہ مددگار (کہ جو اس کو روک سکے) اور جو کوئی (کچھ) اچھے کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ایمان بھی رکھتا ہو سو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے (یدخلون مجہول اور معروف دونوں طرح ہے) اور رائی برابر (چھوارے کی گٹھلی کی جھلی برابر) بھی ان کے ساتھ بے انصافی ہونے والی نہیں ہے اور اس آدمی سے بہتر دین کس کا ہوسکتا ہے (یعنی کسی کا نہیں) جس نے اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دیا (مطیع اور مخلص بن گیا) اور وہ نیک عمل (پرستار توحید) بھی ہو اور اس نے ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کی ہو (جو اسلام کے طریقہ کے مطابق ہے) جس میں کجی کا نام نہیں (یہ حال ہے یعنی تمام مذاہب سے ہٹ کر سیدھے راستہ کی طرف مائل تھے) اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنا لیا تھا (برگزیدہ اور سچی محبت والا) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کی (مِلک اور مخلوق اور

بندے) ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہیں (بلحاظ علم وقدرت کے یعنی ہمیشہ ان کمالات وصفات سے متصف رہتے ہیں)

تحقیق وترکیب: .... **بعیدا** کیونکہ شرک سب سے بڑی گمراہی ہے اور حق سے بہت دور بھی ہے۔ اسی طرح شرک افتراء اور گناہ عظیم بھی ہے **الا اناثا** اناث جمع انثیٰ کی ہے۔ بعض بت مردانی شکل کے اور بعض زنانی شکل کے بنایا کرتے تھے اور زنانہ لباس اور زیورات بھی پہناتے رہتے تھے۔ لات کو اللہ اور **منات** کو منان کا اور عزّیٰ کو عزیز کا مؤنث سمجھتے تھے جیسے ہندوستان کے ہندو دیوی دیوتاؤں کو اسی طرح بنا کر پوجتے ہیں **المرید** مرد بمعنی خروج و مجرد **فلیبتکن** بت بمعنی قطع۔

بالبحائر بحیرۃ کی جمع ہے اونٹنی چار دفعہ کی ولادت کے بعد پانچویں مرتبہ مادہ جنے تو اس کو مشرکین بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے اور دودھ بوند سے انتفاع نہیں کرتے تھے اور بطور نشانی اس کا کان چھید دیا کرتے تھے۔ مصباح میں ہے کہ بحیرہ بمعنی اسم مفعول ہے یعنی کان چھیدا ہوا۔ **خلق اللہ** مراد دین ہے جیسے **لاتبدیل لخلق اللہ ای لدین اللہ** ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے اور بعض نے تغیر فطرۃ مراد لی ہے اور مشہور صورت شکل کی تبدیلی ہے انسان کا خصی کرنا، گودنا سیاہ خضاب کرنا بھی اس میں داخل ہے اور حضرت انسؓ بکرے وغیرہ کے خصی کرنے کو بھی مکروہ سمجھتے تھے لیکن جمہور کے نزدیک جائز ہے ضرورت کی وجہ سے۔

یعدھم یعنی ان دونوں کا مفعول محذوف ہے اور ضمیریں لفظ من کی طرف راجع ہیں اور جمع لانا بلحاظ معنی ہے۔

عنھا محیصا حیص کے معنی عدول اور ہرب کے ہیں یہ متعلق ہے محذوف کے اور پھر محیص سے حال واقع ہو رہا ہے۔ ای **کائنا عنھا۔ یجدون** کے متعلق بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ عن کے ذریعہ متعدی نہیں ہوتا اور **محیصا** کے متعلق بھی نہیں ہے کیونکہ محیص اگر اسم ظرف ہے تو مطلقاً عامل نہیں ہوگا اور مصدر ہے تو مصدر معمول مقدم پر عمل نہیں کر سکتا لیکن رضی نے ظرف مقدم میں مصدر کا عمل جائز مانا ہے اور متاخرین نے بھی اس کو اختیار کر لیا ہے اور حال بھی ہوسکتا ہے۔

ای وعدھم ان دونوں میں اول مصدر منصوب ہے اور یہ مفعول مطلق تاکید لنفسہ اور دوسرا تاکید لغیرہ ہے۔

ومن اصدق یہ شیطانی جھوٹے مواعید کے مقابلہ میں فرمایا گیا ہے۔ **قیلا** قول کی طرح مصدر ہے اور ابن السکیت کہتے ہیں کہ قائل اور قیل دونوں اسم ہیں مصدر نہیں ہیں اور منصوب علی التمیز ہیں۔ **افتخر المسلمون** اہل کتاب کا استدلال تو یہ تھا **نبینا قبل نبیکم و کتابنا قبل کتابکم ونحن اولی باللہ منکم** اور مسلمان اس کے جواب میں کہتے ہیں **نحن اولی منکم نبینا خاتم النبیین و کتابنا یقضی علی الکتب المتقدمۃ** (ابن جریرؒ عن مسروق مرسلاً)

لیس بامانیکم اس میں با ایسی ہے جیسے **زید بالباب** میں ہے اور زائد نہیں ہے اور **لیس** کا اسم مستتر ہے **ای لیس الامر** اور امر سے مراد ثواب ہے **ای لیس ماوعد اللہ من الثواب یحصل بامانیکم ایھا المسلمون ولا بامانی اھل الکتاب** مسلمانوں کی امیدیں تو یہ ہیں کہ ایمان لانے کے بعد اللہ میاں ان کے سارے چھوٹے بڑے گناہ معاف فرما دیں گے اور کسی بات پر مؤاخذہ نہیں کریں گے اور اہل کتاب کی بلند پروازیاں تو یہاں تک ہیں کہ وہ کبھی جہنم میں نہیں جائیں گے۔ **الا ایاما معدودۃ** اور حسنؒ سے مروی ہے کہ ایمان دل کے بہلانے کا نام نہیں ہے بلکہ ایمان دل میں جڑ پکڑتا ہے اور عمل اس کی تصدیق کرتا ہے لیکن کچھ لوگ دنیا سے خالی ہاتھ محض چند تمنائیں لے کر گزر جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں اللہ سے حسن ظن ہے حالانکہ وہ بالکل جھوٹے ہیں اگر انہیں حسن ظن ہوتا تو اس کے ساتھ حسن عمل ہونا چاہئے تھا۔ اور امید تو اسے کہتے ہیں جس کے ساتھ عمل بھی ہو اور بلا عمل تو محض تمنا اور آرزو کہلائی جاتی ہے جو ایک طرح کی موت ہے جس میں عمل ختم ہو جاتا ہے۔ کما ورد فی الحدیث چنانچہ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت جب نازل ہوئی تو ہم لوگ رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے لئے تو اس آیت کے بعد کچھ نہیں رہا فرمایا **ابشروا فانہ لایصیب احدا منکم مصیبۃ فی الدنیا**

الاجعلها اللہ لہ کفارۃ حتی الشوکۃ اللتی تقع فی قدمہ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ نے اس آیت کے نزول کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کون ہے جس نے کوئی برا عمل یا گناہ نہیں کیا بس اس طرح تو کوئی بھی سزا سے نہیں بچ سکے گا؟ فرمایا تم اور تمہارے ساتھیوں کو دنیا ہی میں بدلے ملتے رہتے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ سے تمہاری ملاقات خطاؤں سے پاک صاف ہو کر ہوگی لیکن دوسروں کے سب معاملات جمع ہوتے رہتے ہیں حتیٰ کہ قیامت میں سب اکٹھی کسر نکل جائے گی اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ پھر کون بچ سکے گا؟ فرمایا کیا تم بیمار نہیں ہوتے اور کیا تمہیں کوئی مصیبت پیش نہیں آتی؟ عرض کیا جی ہاں! فرمایا یہی تو وہ جزاء ہے۔

ومن یعمل شیئاً یعنی من تبعیضیہ ہے کیونکہ کوئی ایک انسان تمام طاعات نہیں کر سکتا۔ من احسن یعنی من استفہام انکاری ہے۔ واتبع یہ لازم کا عطف ملزوم پر ہے یا علت کا معلول پر اور یا حال ثانیہ ہے اور اس سے مقصود مشرکین پر رد کرنا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو ممدوح مانتے ہوئے ان کے اتباع سے محروم بلکہ خلاف کے مرتکب ہیں۔

حنیفاً یہ ابراہیمؑ سے یا اتبع کے فاعل سے یا ملۃ سے حال ہو سکتا ہے۔ خلیلاً خلۃ خلال سے ہے محبت جو دل میں پیوست ہو جائے۔ زجاج کہتے ہیں خلیل وہ ہوتا ہے کہ اس کی محبت میں خلل نہ ہو۔ خلۃ بمعنی دوستی اور ابراہیمؑ کا تکرار تفخیم لئے ہے۔ للہ یعنی ابراہیمؑ سے اللہ کی دوستی کسی احتیاج اور غرض کی وجہ سے نہیں ہے وہ تو مالک مختار قادر مطلق ہے یا ایسے قادر مطلق کے ہوتے ہوئے بے اختیار چیزوں کی بندگی کیسے مناسب ہے۔

ربط: .... پچھلی آیات میں مخالفین کے ساتھ جہاد سنانی کا ذکر تھا۔ ان آیات میں مخالفین سے محاجہ لسانی کیا جا رہا ہے ان کے لئے بنیاد عقائد اور نظریات وافکار کا انکار اور شرکیہ باتوں کا رد ہے۔ الذین اٰمنوا الخ سے مسلمانوں کے لئے پیغام بشارت سنایا جا رہا ہے جیسا کہ وعد اور وعید کے سلسلہ میں قرآن کریم کی عادت ہے۔

شانِ نزول: .... ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عرب کا ایک بوڑھا شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں گناہوں میں غرق ایک بوڑھا ہوں لیکن میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اللہ کے ساتھ شرک نہیں کیا۔ بلکہ اس پر ایمان لایا ہوں اور اس کے سوا کبھی کسی کو کارساز نہیں سمجھا اور کبھی دلیری سے گناہ نہیں کئے اور میں نے کبھی ایک لحہ کے لئے یہ خیال نہیں کیا کہ میں اللہ سے بچ کر کہیں بھاگ سکتا ہوں بلکہ ہمیشہ نادم وتائب رہا ہوں فرمائیے میرے لئے کیا حکم ہے؟ اس پر یہ آیات ان اللہ الخ نازل ہوئیں اور آیت لیس بامانیکم کے شان نزول کی طرف جلال محققؒ نے خود اشارہ کر دیا ہے یا وہ دو روایتیں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی ہیں جن کا ذکر ابھی کیا گیا ہے۔

تشریح: .... چونکہ توحید عقلاً واجب ہے اور شرک وکفر فی الحقیقت بغاوت اور صانع عالم کی اہانت ہے۔ اس لئے دونوں ناقابل معافی جرم سمجھے گئے ہیں شرک وکفر میں عام خاص کی نسبت ہے اور دوسرے تمام گناہ شرک وکفر سے کم درجہ سمجھے گئے ہیں۔ اس لئے ناقابل معافی ہیں مشرک وکافر تو حکومت الٰہیہ اور اس کے اقتدار اعلیٰ ہی کو چیلنج کرتا ہے اس لئے لائق گردن زدنی اور ہمیشہ کی سزا کا مستحق ہے۔ برخلاف عام گنہگار کے کہ وہ حکومت الٰہیہ کا وفادار ہوتے ہوئے قصوروار ہے اس لئے مستحق ترحم ہو سکتا ہے۔

مشرکین عرب کے دیوی دیوتا: .... روح المعانی میں حسنؒ سے منقول ہے کہ عرب میں ہر قبیلے کے زنانے بت تھے ان کو انثی بنی فلاں کہا جاتا تھا اور آیت میں مردانہ بتوں کی نفی کرنا نہیں ہے بلکہ تخصیص ذکری میں مزید تحمیق کرنی ہے کہ پوجا کرنے بھی

چلے تو اس میں یہ بے عقلی کی کہ معبود زنانی چیزوں کو بنایا۔ جن میں خود ہی عقلی مادہ کم ہوتا ہے پس حصر مجموعہ کے لحاظ سے ہوگا جس کا ایک جزو دیویوں کی پوجا کرنا اور دوسرا جزو شیطان کی پوجا ہے جس سے مراد اس کا کہنا ماننا ہے چنانچہ محاورات میں شیطان کے کہنے سے غیر اللہ کی عبادت کرنے کو شیطان ہی کی عبادت سمجھا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تقدیر کلام اس طرح ہوگی ان یدعون الا اناثا و لا شیطانا اب غیر اللہ کی پرستش کی کوئی صورت اس حصر سے خارج نہیں ہوگی آگے شیطان کی تین برائیاں مذکور ہیں متمرد، ملعون، دشمن پھر اس کے چند اقوال اس کی دشمنی ثابت کرنے کے لئے نقل کر دیئے پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سب باتیں کفر وشرک ہی ہوں بلکہ بعض باتیں ان میں فسق کی بھی ہیں۔

صورت شکل بدلنے یا داڑھی منڈوانے کا قانون:............ اور آیت میں ہر تغیر کی مذمت مقصود نہیں بلکہ جو تغیر باعث فساد ہو وہ مذموم ہے جیسے داڑھی منڈوانا، ورنہ اگر عدم افساد ہو بلکہ اس کے ساتھ کچھ صلاح بھی ہوتی ہو تو وہ مستحسن ہے جیسے ختنہ کرانا، ناخن تراشوانا اور جس تغیر میں نہ فساد ہو اور نہ اصلاح وہ جائز ہوگا جیسے جانوروں کا خصی کرنا، مقدار مسنون سے بڑھی ہوئی ڈاڑھی ترشوانا لیکن فساد یا اصلاح کے وجود وعدم کا اصل مدار شریعت پر ہوگا نہ کہ عرف پر کیونکہ اول تو عرف شرع کے برابر نہیں دوسرے ہر جگہ کا عرف اور لوگوں کی رائے مختلف ہوتی ہے پس اس رفع تعارض کی کیا صورت ہوگی اور خلق اللہ کی تفسیر تکوینی بھی ہوسکتی ہے یعنی پیدائشی چیزوں میں ردوبدل اور تشریعی خلق بھی مراد ہوسکتا ہے یعنی خدا کی پسندیدہ شکل وصورت وضع قطع اختیار کرو۔

بغیر اطاعت وعمل خالی تمناؤں سے کچھ نہیں ہوتا:............ لیس بامانیکم کا حاصل یہ نکلا کہ اہل کتاب کے پاس خالی تمنائیں ہی ہیں اور مسلمانوں کے پاس تمناؤں کے ساتھ عمل بھی ہے اس لئے مسلمان ہی بڑھے رہے۔ ہر نبی کو اس کے مقام و منصب کے لائق مناسب خطابات دیئے گئے ہیں کسی کو کلیم اللہ، کسی کو ذبیح اللہ، کسی کو صفی اللہ، کسی کو نجی اللہ، کسی کو خلیل اللہ علیہم السلام کہا گیا۔ خلیل اللہ نہایت رفیع لقب ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو عطا ہوا۔ رہا آنحضرت ﷺ کے بارے میں یہ شبہ کہ آپ کو یہ خطاب کیوں نہیں ملا تو یا فضیلت جزئی پر اس کو محمول کرلیا جائے اور یا کہا جائے کہ آپ ﷺ کو یہ اعزاز بھی نصیب ہوا۔ چنانچہ حضرت جندبؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ کی طرح اللہ نے مجھ کو بھی خلیل بنایا یا مسلم وترمذی کی روایت ہے کہ وقد اتخذ اللہ صاحبکم حبیبًا بلکہ حبیب اللہ ہونا آپ ﷺ کے لئے طرۂ امتیازی ہے۔

لطائف آیت:............ فلیغیرن خلق اللہ میں چونکہ داڑھی منڈانا بھی داخل ہے اس لئے معلوم ہوا کہ جس طریق میں ڈاڑھی منڈانا شعار بنالیا جائے وہ طریق شیطان ہوگا اگرچہ جہلا نے اس کا نام طریقہ قلندریہ رکھ لیا ہے۔ آیت لیس بامانیکم سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ جو صاحب حال ہونے کے مدعی ہوتے ہیں اور خود کو کامل سمجھتے ہیں اور اعمال بد کے مؤاخذہ سے خود کو بری خیال کرتے ہیں وہ سب اس آیت کا مصداق ہیں۔ آیت ومن احسن الخ سے معلوم ہوا کہ طریق صوفیا کی حقیقت بھی یہی ہے کہ ظاہری اور باطنی کامل اطاعت جس کو حدیث احسان ان تعبد اللہ الخ میں بیان کیا گیا ہے وہ اس کی بنیاد ہوتی ہے اور حنفیت یعنی غیر اللہ سے یکسو ہوکر اللہ میں مشغول ہونا۔ غرضکہ مجموعہ کو احسن طرق کہا گیا ہے پس صوفیاء کا طریق بھی احسن طریق ہوا۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ يَطْلُبُوْنَ مِنْكَ الْفَتْوٰى **فِي** شَانِ **النِّسَآءِ** ط وَمِيْرَاثِهِنَّ **قُلْ** لَهُمْ **اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ** لا **وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ مِنْ اٰيَةِ الْمِيْرَاثِ يُفْتِيْكُمْ اَيْضًا **فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ** فُرِضَ **لَهُنَّ** مِنَ الْمِيْرَاثِ **وَتَرْغَبُوْنَ** اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ عَنْ **اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ** لِدَمَامَتِهِنَّ وَتَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَتَزَوَّجْنَ طَمَعًا فِيْ مِيْرَاثِهِنَّ اَيْ يُفْتِيْكُمْ اَنْ تَفْعَلُوْا ذٰلِكَ **وَ** فِي **الْمُسْتَضْعَفِيْنَ** الصِّغَارِ **مِنَ الْوِلْدَانِ** لا اَنْ تُعْطُوْهُمْ حُقُوْقَهُمْ وَ يَاْمُرُكُمْ **اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ** ط بِالْعَدْلِ فِي الْمِيْرَاثِ وَالْمَهْرِ **وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا** ﴿۱۲۷﴾ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ **وَاِنِ امْرَاَةٌ** مَرْفُوْعٌ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهٗ **خَافَتْ** تَوَقَّعَتْ **مِنْ بَعْلِهَا** زَوْجِهَا **نُشُوْزًا** تَرَفُّعًا عَلَيْهَا بِتَرْكِ مُضَاجَعَتِهَا وَالتَّقْصِيْرِ فِيْ نَفَقَتِهَا لِبُغْضِهَا وَطُمُوْحِ عَيْنِهٖ اِلٰى اَجْمَلَ مِنْهَا **اَوْ اِعْرَاضًا** عَنْهَا بِوَجْهِهٖ **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّصَّالَحَا** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الصَّادِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ يُصْلِحَا مِنْ اَصْلَحَ **بَيْنَهُمَا صُلْحًا** ط فِي الْقَسْمِ وَالنَّفَقَةِ بِاَنْ تَتْرُكَ لَهٗ شَيْئًا طَلَبًا لِبَقَاءِ الصُّحْبَةِ فَاِنْ رَضِيَتْ بِذٰلِكَ وَاِلَّا فَعَلَى الزَّوْجِ اَنْ يُّوَفِّيَهَا حَقَّهَا اَوْ يُفَارِقَهَا **وَالصُّلْحُ خَيْرٌ** ط مِنَ الْفُرْقَةِ وَالنُّشُوْزِ وَالْاِعْرَاضِ قَالَ تَعَالٰى فِيْ بَيَانِ مَا جُبِلَ عَلَيْهِ الْاِنْسَانُ **وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ** ط شِدَّةَ الْبُخْلِ اَيْ جُبِلَتْ عَلَيْهِ فَكَاَنَّهَا حَاضِرَتُهٗ لَا تَغِيْبُ عَنْهُ الْمَعْنٰى اِنَّ الْمَرْاَةَ لَا تَكَادُ تَسْمَحُ بِنَصِيْبِهَا مِنْ زَوْجِهَا وَالرَّجُلُ لَا يَكَادُ يَسْمَحُ عَلَيْهَا بِنَفْسِهٖ اِذَا اَحَبَّ غَيْرَهَا **وَاِنْ تُحْسِنُوْا** عِشْرَةَ النِّسَاءِ **وَتَتَّقُوْا** الْجَوْرَ عَلَيْهِنَّ **فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا** ﴿۱۲۸﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ

ترجمہ:.........اور آپ (ﷺ) سے لوگ دریافت کرتے ہیں (فتویٰ پوچھتے ہیں) عورتوں کے بارے میں (اور ان کی میراث کے متعلق) آپؐ (ان سے) فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان کے بارے میں حکم دیتے ہیں نیز وہ آیات بھی جو کتاب (قرآن) کے اندر تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں (یعنی آیت میراث بھی تم کو فتویٰ دیتی ہے) جو ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہیں جن کو تم ان کا مقررہ حق (میراث) نہیں دیتے ہو اور نفرت کرتے ہو (اے اولیاء) ان سے نکاح کرنے میں (ان کی بدصورتی کی وجہ سے اور دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے سے بھی روکتے ہو ان کی میراث کا لالچ کرتے ہو یعنی تم کو یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ آئندہ تم یہ کام نہ کرو) اور وہ آیات جو کمزور (چھوٹے) بچوں کے بارے میں ہیں (جن میں تمہیں ان کے حقوق کی ادائیگی کا حکم ہے اور یہ حکم ہے کہ) حق و انصاف کے ساتھ ان کی کارگزاری کرو (میراث اور مہر کے معاملہ میں عدل سے کام لو) اور تم جو کام بھی بھلائی کے کروگے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو جانتے ہیں (اس لئے وہ ضرور تم کو ان کا بدلہ دیں گے) اور اگر کسی عورت کو (یہ مرفوع ہے ایسے فعل سے جس کی تفسیر آگے ہے) اندیشہ کرتی ہے (خطرہ محسوس کرتی ہو) اپنے شوہر (خاوند) سے بددماغی کا (کہ وہ سرکشی کرتے ہوئے عورت سے پہلوتہی اور کنارہ کشی اختیار کرلے گا اور اس کے اخراجات اٹھانے میں بھی کوتاہی کرے گا اس سے نفرت یا کسی دوسری خوبصورت عورت سے آنکھ مل جانے کی وجہ سے) یا بے پروائی (بے رخی) اختیار کرنے کا تو خاوند بیوی دونوں پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ ایک خاص طور پر صلح کرلیں (اس میں دراصل تاء کا ادغام صاد میں ہورہا ہے اور ایک

قرأت میں یصلحا آیا ہے اصلح سے مشتق ہوگا) باہمی مصالحت کرکے (اپنی باری اور خرچہ کے متعلق اس طرح کہ عورت شوہر کے ساتھ رہنے کی خاطر کچھ مطالبات چھوڑنے پر راضی ہوجائے اگر عورت اس پر تیار ہوجائے فبہا ورنہ شوہر پر لازم ہوگا کہ بیوی کا پورا حق ادا کرے یا اس کو سبکدوش کردے) اور صلح ہی بہتر ہوتی ہے (جدائیگی، کجروی، لاپرواہی کے مقابلہ میں آگے حق تعالیٰ انسان کی جبلت اور عادت بیان کررہے ہیں) اور مال کا لالچ سب ہی میں ہوتا ہے (یعنی انسان کی سرشت میں شدید بخل سمایا ہوا ہوتا ہے گویا ہر وقت وہ اس کے سامنے رہتا ہے کبھی اوجھل نہیں ہوتا۔ حاصل یہ ہے کہ عورت بھی اپنے حصہ کو شوہر کے پاس چھوڑنا نہیں چاہتی اور شوہر بھی دوسری طرف میلان ہونے کی وجہ سے ایثار نہیں چاہتا) اور اگر تم اچھا سلوک کرو (عورت کے ساتھ معاشرت اچھی رکھو) اور احتیاط رکھو (اس پر سخت گیری کرنے سے). تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھنے والے ہیں (لہٰذا وہ تم کو ضرور بدلہ دیں گے)

تحقیق وترکیب: .... فی شان تقدیر مضاف اس لئے لایا گیا ہے کہ عورتوں کی ذات کے متعلق استفتاء نہیں تھا بلکہ احوال کے متعلق تھا سوال اگرچہ عورتوں اور بچوں کے بارے میں تھا لیکن پھر عورتوں کی تخصیص اہمیت کے پیش نظر ہے کہ ان سے مال و جمال دونوں مقصود ہوتے ہیں۔

یفتیکم ای یبین لکم حکمہ افتاء کے معنی سائل پر اظہار شکل کے ہیں۔ وما یتلی یہ معطوف ہے اللہ پر یا ضمیر یفتی پر گویا افتاء کی اسناد اللہ کی طرف اور اس کے کلام کی طرف ہورہی ہے اور جمع بین الحقیقت والمجاز کا اعتراض لازم نہیں آتا۔ کیونکہ مجاز عقلی میں یہ جائز ہے اور ایک فعل کے اسناد دو فاعلوں کی طرف مختلف اعتبارات سے کی جاسکتی ہے جیسے اغنانی زید وعطاؤہ کیونکہ فی الحقیقت اس میں مسند الیہ صرف ایک ہی ہوتا ہے یعنی معطوف علیہ البتہ دوسری چیز کا اس پر عطف کردیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ اس فعل کا تعلق اس فاعل کے ساتھ اس حالت کی وجہ سے ہے پس یہاں اللہ یفتیکم ایسا ہے جیسے اغنانی زید اس کو بطور تمہید کے لایا گیا ہے اور مایتلی علیکم ایسا ہے جیسے مثال مذکور میں وعطاؤہ ہے کہ وہی مقصود بالذکر ہے۔

قرآن کریم میں یتیموں کے متعلق جس آیت کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے اس سے مراد آیت یوصیکم اللہ الخ ہے یعنی آیت میراث ہے یا آیت ان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتمیٰ مراد ہے گویا وما یتلیٰ محل رفع میں ہے لفظ اللہ پر عطف کی وجہ سے فی یتمیٰ۔ یہ متعلق ہے یتلیٰ کے اور اضافت بمعنی من ہے کیونکہ اضافۃ الشئی الی جنسہ ہے ان تنکحوھن اس سے پہلے عن کی تقدیر اس لئے ہے کہ اَنْ اور اَنَّ سے جاء کا حذف کرنا شائع ذائع ہے نیز رغب کے صلہ میں جب عن آتا ہے تو اعراض کے معنی ہوجاتے ہیں اور بعض مفسرینؒ نے لفظ قد مقدر مانا ہے رغب کو بمعنی محبت لے کر ای تحبون وترغبون فی نکاحھن لمالھن لدمامتھن دمامہ بالفتح قبیح المنظر ہونا۔ ان تفعلوا۔ ان مفسرہ ہے۔

والمستضعفین اس کا عطف یتامیٰ پر ہے ای یفتیکم فی المستضعفین. ویامرکم یہ منصوب ہے تقدیر فعل کے ساتھ اور یتامیٰ پر عطف کرتے ہوئے مجرور بھی ہوسکتا ہے اور خطاب یا حکام کو ہوگا یا قوم کو فیجازیکم یہاں سبب کو قائم مقام مسبب کے کرکے جز ابنائی گئی ہے۔ خافت تقدیر عبارت اس طرح ہے وان خافت امرأۃ یا وان کانت امرأۃ خافت سے خوف کو اپنے ظاہر پر بھی رکھا جاسکتا ہے اور بمعنی توقع اور انتظار بھی لیا جاسکتا ہے۔

نشوزا بمعنی سرکشی اور بدد ماغی۔ اس کا اطلاق مرد عورت دونوں کے ایک دوسرے سے ناگواری اور بیزاری پر آتا ہے۔

والتقصیر یعنی نفقہ میں تقلیل کرنا ہے یہ نہیں کہ حقوق واجبہ کا ترک مراد ہو کیونکہ حقوق واجبہ کے ترک پر مصالحت جائز نہیں ہے۔

طموح عینہ بولتے ہیں طمح بصرہ الی الشئ یعنی نگاہ اٹھائی۔ ان یصلحا یعنی اصل میں یتصالحا تھا تا کو ساکن اور پھر اس کو

صاد سے قلب کر کے ادغام کر دیا گیا۔ والصلح یعنی والصلح خیر من الخیور کما ان الخصومة شر من الشر احضرت یہ فعل متعدی بدو مفعول ہے مفعول اول الانفس ہے جو قائم مقام فاعل کے ہے اور مفعول دوم الشح ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے احضر اللہ الا نفس الشح.

ربط :......... ابتداء سورت میں عورتوں اور یتیموں کے باب میں کچھ احکام مذکور ہوئے تھے ان آیات میں پھر ان ہی کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

شان نزول:......... زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ عورتوں کو میراث سے محروم رکھتے تھے اور بعض لوگ دوسرے طریقوں سے میراث میں ان کو ملا ہوا مال ہڑپ کر جاتے تھے اور بعض لوگ عورتوں کو مہر نہیں دیتے تھے۔ ابتداء سورۃ میں اسی قسم کی برائیوں کے سد باب کے لئے احکام ذکر کئے گئے تھے۔ اس پر کچھ واقعات پیش آئے مثلاً بعض مسلمانوں کو خیال ہوا کہ عورتوں اور بچوں کو عارضی طور پر شریک میراث کیا جارہا ہے ورنہ فی نفسہ یہ اس کے اہل نہیں ہیں۔ بعض لوگ ان کی منسوخیت کے منتظر رہے اور جب منسوخ نہ ہوئے تو مشورہ ہوا کہ آپ ﷺ سے پوچھنا چاہئے چنانچہ عیینہ بن حصین ؓ نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ﷺ لڑکی اور بہن کو نصف حصہ دلاتے ہیں حالانکہ ہمارا پہلا دستور یہ رہا ہے کہ جنگی بہادروں اور سور ماؤں کا حق میراث کو سمجھا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ایسا ہی حکم ہوا ہے۔ ابن جریرؒ اور ابن المنذرؒ نے ابن جبیرؒ سے اسی قسم کے سوال کے سبب نزول ذکر کیا ہے اسی طرح ابن ابی حاتمؒ نے نقل کیا ہے کہ جابرؓ کی ایک چچازاد بہن بدصورت اور مال دار تھی لیکن نہ ان کو خود اس سے نکاح کی رغبت تھی اور نہ اس کے مالدار ہونے کی وجہ سے دوسری جگہ اس کے نکاح کو پسند کرتے تھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفسار کیا اور منشاء استفسار یہ ہوگا کہ ممکن ہے اس میں کچھ تسہیل کی سبیل نکل آئے۔ اور ہمیں کچھ حق پرورش ہی مل جائے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور بعض لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ یتیم لڑکیوں کے مہر میں کمی نہیں کرنی چاہئے تو آپ ﷺ کی خدمت میں دریافت کرنے کیلئے حاضر ہوئے اور منشاء یہ ہوگا کہ شاید عورت کی رضامندی سے مہر میں کمی کی اجازت مل جائے لیکن چونکہ یہ دباؤ کی صورت تھی اس لئے ظاہری زبانی رضامندی کا اعتبار نہیں کیا گیا اور حکم بدستور باقی رہا درمیان میں کچھ اور ترغیبی اور ترہیبی مضامین آگئے ہیں جس سے کلام کی تاثیر اور رونق وعظمت میں کئی گونہ اضافہ ہو گیا۔

آیت وان امرأة الخ کے ذیل میں ابن عباسؓ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت سودہؓ کو اپنے بڑھاپے کی وجہ سے اندیشہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کہیں ان کو طلاق نہ دے دیں اس لئے انہوں نے درخواست کی کہ میں حق زوجیت تو ادا نہیں کر سکتی لیکن تاہم مجھے آپ ﷺ اپنے ہی پاس رہنے دیجئے اور میں اپنی باری حضرت عائشہؓ کے حوالہ کرتی ہوں چنانچہ ان کی درخواست منظور کر لی گئی۔

اور سعید بن المسیبؒ نے ذکر کیا ہے کہ محمد بن مسلمہؓ کی لڑکی رافع بن خدیج کے نکاح میں تھیں انہوں نے ان کی کبر سنی یا کسی اور وجہ سے ان کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے اسی قسم کی درخواست کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت کے ہاں بچہ ہوا تو اس کے شوہر نے اس کو چھوڑ کر دوسرے نکاح کا ارادہ کیا لیکن عورت نے اسی طرح کی صورت پیش کی اس پر والصلح خیر کا نزول ہوا۔ سعید بن جبیرؓ کی روایت ہے کہ آیت وان امرأة کے نزول کے بعد ایک عورت آئی جو پہلے اس بات پر رضامند تھی کہ اس کا شوہر نہ اس کو طلاق دے اور نہ اس سے میاں بیوی کے معاملات کرے لیکن نفقہ کا مطالبہ کیا اس پر یہ آیت واحضرت الانفس الشح نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:.........یتیم بچوں اور بیویوں کے حقوق کی نگہداشت:.........حاصل مقام یہ ہے کہ عورتوں اور یتیموں کے بارے میں جو آیات پہلے آچکی ہیں جن کو تم وقتاً فوقتاً سنتے رہے ہو مثلاً وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامٰی الخ اور ان الذین یاکلون اموال الیتمٰی اور لاتاکلو ھا اسرافا اور للرجال نصیب الخ اور یوصیکم اللہ الخ اور لاتعضلو ھن وغیرہ آیات اب بھی وہی احکام بدستور باقی اور واجب العمل ہیں ان میں سے کوئی حکم تبدیل نہیں کیا جاتا ہے اور نہ کوئی نیا حکم دیا جارہا ہے۔ سابقہ احکام ہی بحال رہیں گے اسی طرح آیت وان امراۃ کا حاصل یہ ہے کہ عورت اگر خود اپنے شوہر کے پاس رہنا چاہے جو اس کے پورے حقوق ادا کرنا نہیں چاہتا بلکہ عورت کو چھوڑنا بھی چاہتا ہے لیکن عورت اپنی کسی مصلحت یا ضرورت سے اپنے حقوق نان نفقہ کے چھوڑنے یا کم کرنے پر رضامند ہو جائے اور اپنی باری بھی معاف کردے۔ دوسری طرف مرد بھی یہ دیکھتا ہے کہ میری ہر قسم کی آزادی میں جس کی طبعاً اس کو رغبت ہوتی ہے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ مفت میں ایک عورت پاس رہتی ہے غرضکہ دونوں طرف کی خاص مصالح نے ان کو باہمی مصالحت پر آمادہ کردیا ہے تو عائلی نظام کو برقرار رکھنے کے لئے ہر قیمت پر اس مصالحت کو بنظر استحسان دیکھا جائے گا۔

ایک نکتۂ لطیف:.........واحضرت الانفس الشح کی ایک تقریر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ چند مجبوریوں کے پیش نظر اگرچہ سطحی طور پر لیپاپوتی کی یہ صلح صفائی ہوگئی ہے لیکن نفس چونکہ بندۂ حرص دھوا ہوتا ہے اس لئے اس کے بقاء کی امید کم ہے ممکن ہے کہ چند روز بعد عورت کو پھر اپنے حقوق کی ہوس کا جوش اٹھے اور مرد بھی کسی نہ کسی درجہ میں اس کو اپنے لئے جنجال سمجھے اور اس طرح پھر اس تانے بانے کے تار پود بکھر کر رہ جائیں اور لاجناح فرمانا اس شبہ کو دور کرنے کے لئے ہے کہ دونوں اس صلح میں خود کو گنہگار نہ سمجھیں البتہ صلح میں کسی ناجائز شرط کا اضافہ صلح کو بھی ناجائز بنادیتا ہے۔ مثلاً بیوی سے یہ کہنا کہ اس شرط پر تجھ کو اپنے پاس رکھتا ہوں کہ تیری بہن بھی میرے نکاح میں رہے حرام اور ناجائز ہے۔ عورت اپنے جن حقوق کو بالکل معاف یا کم کردے لیکن آئندہ کے لئے ہر وقت اس کو ان حقوق کے مطالبہ کا حق رہتا ہے مرد بھی آئندہ اس کو رکھنا چاہے تو ان حقوق کی پابندی کرنی پڑے گی۔ زمانہ ماضی معافی مستقبل کے لئے دست برداری کی ضمانت نہیں ہوگی۔

لطائف آیت:.........آیت واحضرت الانفس الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ طبعی امور کاملین سے بھی زائل نہیں ہوتے پس اگر کسی کامل شخص میں اس قسم کے کچھ آثار عود کر آئیں تو اس کے کمال کے منافی نہیں سمجھنا چاہئے بشرطیکہ اس کو ان پر اصرار نہ ہو۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا تسوّوا **بَيْنَ النِّسَآءِ** فِي الْمَحَبَّةِ **وَلَوْ حَرَصْتُمْ** عَلٰى ذٰلِكَ **فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ** اِلَى الَّتِيْ تُحِبُّوْنَهَا فِي الْقَسْمِ وَالنَّفَقَةِ **فَتَذَرُوْهَا** اَيْ تَتْرُكُوا الْمَالَ عَلَيْهَا **كَالْمُعَلَّقَةِ** الَّتِيْ لَاهِيَ اَيِّمٌ وَلَاذَاتُ بَعْلٍ **وَاِنْ تُصْلِحُوْا** بِالْعَدْلِ فِي الْقَسْمِ **وَتَتَّقُوْا** الْجَوْرَ **فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا** لِمَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ مِنَ الْمَيْلِ **رَّحِيْمًا﴿۱۲۹﴾** بِكُمْ فِيْ ذٰلِكَ **وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا** اَيِ الزَّوْجَانِ بِالطَّلَاقِ **يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا** عَنْ صَاحِبِهٖ **مِّنْ سَعَتِهٖ** اَيْ فَضْلِهٖ بِاَنْ يَّرْزُقَهَا زَوْجًا غَيْرَهٗ وَيَرْزُقَهٗ غَيْرَهَا **وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا** لِخَلْقِهٖ فِي الْفَضْلِ **حَكِيْمًا﴿۱۳۰﴾** فِيْمَا دَبَّرَهٗ لَهُمْ **وَلِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** بِمَعْنَى الْكُتُبِ **مِنْ قَبْلِكُمْ** اَيِ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى **وَاِيَّاكُمْ** يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ **اَنِ** اَيْ بِاَنِ **اتَّقُوا اللّٰهَ** خَافُوْا عِقَابَهٗ بِاَنْ

تُطِیْعُوْهُ وَ قُلْنَا لَهُمْ وَلَكُمْ اِنْ تَكْفُرُوْا بِمَا وُصِّيْتُمْ بِهٖ فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ خَلْقًا وَمِلْكًا وَعَبِيْدًا فَلَا يَضُرُّهٗ كُفْرُكُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا عَنْ خَلْقِهٖ وَعَنْ عِبَادَتِهِمْ حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ مَحْمُوْدًا فِيْ صُنْعِهٖ بِهِمْ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ كَرَّرَهٗ تَاكِيْدًا لِتَقْرِيْرِ مُوْجِبِ التَّقْوٰى وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ شَهِيْدًا بِاَنَّ مَا فِيْهِمَا لَهٗ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ يَا اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ بَدَلَكُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ بِعَمَلِهٖ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ لِمَنْ اَرَادَهٗ لَا عِنْدَ غَيْرِهٖ فَلِمَ يَطْلُبُ اَحَدُهُمَا اِلَّا خَسَّ وَهَلَّا طَلَبَ الْاَعْلٰى بِاِخْلَاصِهٖ لَهٗ حَيْثُ كَانَ مَطْلَبُهٗ لَا يُوْجَدُ اِلَّا عِنْدَهٗ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۱۹ ۸ ۱۲

ترجمہ:.......... اور یہ بات تمہاری طاقت سے باہر ہے کہ تم برابری (یکسانیت) رکھ سکو سب بیویوں میں (بلحاظ محبت کے) اگر چہ تمہارا کتنا ہی جی چاہے (اس برابری قائم کرنے کے لئے) لیکن ایسا بھی نہ کرو کہ بالکل کسی ایک ہی طرف ڈھلک جاؤ (جس بیوی سے تم محبت کرتے ہو باری اور خرچہ کے متعلق اسی کی طرف نہ جھک جاؤ) اور دوسری کو اس طرح چھوڑ بیٹھو (یعنی جس سے تمہیں دلچسپی نہیں ہے اس کو اس طرح نظر انداز کردو) کہ گویا ادھر میں لٹکی ہوئی ہے (کہ نہ وہ بیوہ کہلائی جاسکتی ہے اور نہ خاوند والی سمجھی جاسکتی ہے) اور اگر تم درستگی پر رہو (باری میں انصاف سے کام لو) اور احتیاط رکھو (ظلم سے) تو اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں (تمہارے دلی میلان کو) اور (اس بارے میں تم پر) رحم فرمانے والے ہیں اور اگر دونوں میاں بیوی جدا ہو جائیں (یعنی طلاق دے کر ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں) تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو (دوسرے سے) بے نیاز کردیں گے اپنی کشائش (فضل) سے (اس طرح ہے کہ ہر ایک کی مناسب جوڑی بل دیں گے) اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں (اپنی مخلوق پر فضل کرنے میں) اور حکمت والے ہیں (مخلوق کی تدبیر کرنے میں) اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کی ملک ہے اور ہم نے حکم دے دیا تھا ان لوگوں کو بھی جن کو تم سے پہلے کتاب (کتابیں) دی گئی (یعنی یہود ونصاریٰ) اور خود تم کو بھی (اے اہل قرآن) کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو (اس کے عذاب سے ڈر کر اطاعت کرو) اور (ہم نے تم سے اور ان سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ) اگر اس کا حکم نہیں مانو گے (جن باتوں کی تم کو تاکید کی گئی ہے) سو یاد رکھو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ ہی کی ملک ہے (اس کے مخلوق اور مملوک بندے ہیں اس لئے تمہارے کفر اور انکار سے ان کا نقصان نہیں ہوگا) اور وہ بے نیاز ہیں (اپنی مخلوق سے اور اس کی بندگی سے) اور ستودہ صفات ہیں (لوگوں کے ساتھ کاروائی کرنے میں بڑے عمدہ ہیں) اور بلاشبہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب ان ہی کی ملکیت ہے (تقویٰ کے مقتضی کی تقویت و تاکید کے لئے اس کو مکرر فرمایا گیا ہے) اور اللہ تعالیٰ کافی وکیل ہیں (گواہ ہیں اس بات پر کہ زمین و آسمان میں سب کچھ ان ہی کا ہے) اگر وہ چاہیں اے لوگو! تم سب کو مٹادیں یا ہٹادیں اور دوسروں کو (تمہاری جگہ) لے آئیں۔ بلاشبہ وہ ایسا کرنے پر قادر ہیں۔ جو کوئی چاہتا ہے (اپنے عمل سے) دنیا کا ثواب تو اللہ کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا ثواب موجود ہے (بشرطیکہ کوئی اس کا خواہشمند ہو کسی دوسرے کے پاس نہیں ملے گا پھر اس سے ادنیٰ کیوں مانگا جاتا ہے اور اپنے اخلاص کے ساتھ اعلیٰ درجہ کو کیوں نہیں طلب کیا جاتا حالانکہ اس کا مطلوب بجز اس کے کسی کے پاس نہیں ہے) اور اللہ میاں بڑے سننے والے اور بڑے بینا ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... فی القسم یعنی باری اور خرچہ میں تو سب بیویوں میں مساوات ضروری ہے لیکن محبت اور صحبت میں یکسانیت لازمی نہیں ہے۔ کما فی الهدایہ۔ ایم۔ رانڈ اور بیوہ عورت کو کہتے ہیں اور بعل کے معنی شوہر اور نر کے ہیں۔ بان یرزقها نیک نیتی کے۔ باتھ ذا اگر خاوند بیوی میں تفریق کا فیصلہ ہوجائے یا کردیا جائے تو منجانب اللہ ہر ایک کے لئے ظاہری اسباب کا بندوبست بھی ہوجاتا ہے اور اگر واقعی محبت اور عشق ہو تو سکون دل اور اطمینان کا سامان بھی ہوجاتا ہے۔ اوتوا الکتب اس میں الف لام جنس کا ہے۔ ان اتقوا جلال محقق نے ان مصدریہ ہونے کی طرف اشارہ کردیا اور چونکہ وصیت قول کے معنی میں ہے اس لئے ان تفسیریہ بھی ہوسکتا ہے ان تکفروا اس سے پہلے وقلنا مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ اس کا عامل محذوف ہے جو وصینا پر معطوف ہوگا اور اس کو جملہ مستانفہ بھی مانا جاسکتا ہے۔ حمیدا یعنی اللہ محمود الذات بھی ہے چاہے کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے اور مستحق حمد بھی ہے چاہے کوئی اس کا کفران کرے اور ہر حال میں محمود الصفات اور محمود الافعال بھی ہے۔

ربط وشان نزول: .... گذشتہ آیت میں نشوز اور بدماغی کا ذکر تھا لیکن خاوند بیوی کے باہمی نزاع کے دو ہی پہلو نکل سکتے ہیں یا باہمی مصالحت اور شوہر کی بدماغی کا دور ہوجانا جو پچھلی آیت کا مقصود اصلی تھا دوسری صورت نبھاؤ نہ ہونے کی ہے جس کو تفریق کہنا چاہئے یا مرد باز نہ آئے اور اپنی روش بدلنے پر تیار نہ ہو تو یہ آیت ان دونوں صورتوں پر مشتمل ہے۔ آیت لن تستطیعوا میں تو یہ ظاہر کرنا ہے کہ اگر رغبت قلبی پر تم کو بس نہیں ہے تو حقوق اختیاریہ تو ادا کرنے ضروری ہیں چونکہ بسا اوقات پہلی بیوی سے بے رغبتی کا سبب دوسری بیوی کی طرف غلبہ محبت بھی ہوا کرتا ہے اس لئے اس کا بھی ذکر کردیا گیا ہے اور تفریق کا بیان آیت وان یتفرقا الخ میں ہے پھر ان احکام کو مؤثر بنانے کے لئے وللہ ما فی السمٰوٰت سے بڑے اہتمام کے ساتھ تاکیدات فرمائی گئی ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: .... آیت ولن تستطیعوا الخ کا حاصل یہ ہے کہ جو باتیں غیر اختیاری ہیں جیسے کسی کی طرف میلان قلبی انسان اس کا مکلف نہیں بنایا گیا اور نہ ان پر مؤاخذہ ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جن باتوں پر انسان کو قدرت واختیار حاصل ہے ان سے بھی کنارہ کش ہوجائے جیسے حقوق اختیاریہ پس مساوات فی المحبت نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ میزان عدل وانصاف بھی ہاتھ سے چھوٹ جائے اور چونکہ تمدن ومعاشرت سے متعلق ان احکام کی بجا آوری کے لئے قلب ودماغ کی زمین ہموار کرنا ضروری تھا اس لئے نہایت بلیغ پیرایہ میں اپنی وسعت قدرت اور حکمت وعظمت کا استحضار کرایا گیا۔

اتقوا اللہ میں احکام کی تعمیل اور من قبلکم میں اس کی تسہیل کی طرف توجہ دلائی گئی اور ان تکفروا میں مخالفت سے روکا گیا ہے اور وکفیٰ باللہ وکیلا میں غیر اللہ کا اندیشہ دور کیا گیا جو بعض دفعہ تعمیل احکام میں کوتاہی کا موجب بلکہ مخالفت کا باعث بن جاتا ہے غرضکہ اس طرح اس آیت میں پانچ مضمون اسی اہتمام کے لئے لائے گئے ہیں۔

لطائف آیت: .... ولن تستطیعوا اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر عمل کے کسی اعلیٰ درجہ پر قدرت نہ ہو تو ادنیٰ ہی پر اکتفاء کرلینی چاہئے اور اعلیٰ کے انتظار میں ادنیٰ کو بھی گنوا نہیں دینا چاہئے۔ آیت من کان یرید الخ میں دنیا کو اگر اپنے مفہوم کے لحاظ سے عام رکھا جائے کہ ہر غیر مامور بالحصول چیز کو دنیا میں داخل کرلیا جائے تو ثمرات اور کیفیات باطنیہ کو بھی آیت شامل ہوجائے گی۔ یعنی اعمال کی طرح ان ثمرات کو مقصود ومراد نہیں سمجھنا چاہئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ قَائِمِيْنَ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ شُهَدَآءَ بِالْحَقِّ لِلّٰهِ وَلَوْ كَانَتِ الشَّهَادَةُ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ فَاشْهَدُوْا عَلَيْهَا بِاَنْ تُقِرُّوْا بِالْحَقِّ وَلَاتَكْتُمُوْهُ اَوِ عَلَى الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنِ الْمَشْهُوْدُ عَلَيْهِ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا قف مِنْكُمْ وَاَعْلَمُ بِمَصَالِحِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى فِيْ شَهَادَتِكُمْ بِاَنْ تُحَابُوا الْغَنِيَّ لِرِضَاهُ اَوِ الْفَقِيْرَ رَحْمَةً لَهُ لِ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا ۚ تَمِيْلُوْا عَنِ الْحَقِّ وَاِنْ تَلْوٗٓا تُحَرِّفُوا الشَّهَادَةَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِحَذْفِ الْوَاوِ الْاُوْلٰى تَخْفِيْفًا اَوْ تُعْرِضُوْا عَنْ اَدَائِهَا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا دَاوِمُوْا عَلَى الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط عَلَى الرُّسُلِ بِمَعْنَى الْكُتُبِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ فِي الْفِعْلَيْنِ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ عَنِ الْحَقِّ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِمُوْسٰى وَهُمُ الْيَهُوْدُ ثُمَّ كَفَرُوْا بِعِبَادَةِ الْعِجْلِ ثُمَّ اٰمَنُوْا بَعْدَهٗ ثُمَّ كَفَرُوْا بِعِيْسٰى ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا بِمُحَمَّدٍ لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ مَا اَقَامُوْا عَلَيْهِ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ طَرِيْقًا اِلَى الْحَقِّ بَشِّرِ اَخْبِرْ يَا مُحَمَّدُ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾ مُؤْلِمًا هُوَ عَذَابُ النَّارِ ۣ الَّذِيْنَ بَدَلٌ اَوْ نَعْتٌ لِلْمُنَافِقِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط لِمَا يَتَوَهَّمُوْنَ فِيْهِمْ مِّنَ الْقُوَّةِ اَيَبْتَغُوْنَ يَطْلُبُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ اَيْ لَا يَجِدُوْنَهَا عِنْدَهُمْ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَا يَنَالُهَا اِلَّا اَوْلِيَاءُهٗ وَقَدْ نَزَّلَ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ فِيْ سُوْرَةِ الْاَنْعَامِ اَنْ مُخَفَّفَةٌ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اَنَّهٗ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنَ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ اَيِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُسْتَهْزِءِيْنَ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا اِنْ قَعَدْتُّمْ مَعَهُمْ مِّثْلُهُمْ ط فِي الْاِثْمِ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿۱۴۰﴾ كَمَا اجْتَمَعُوْا فِي الدُّنْيَا عَلَى الْكُفْرِ وَالْاِسْتِهْزَاءِ ۣ الَّذِيْنَ بَدَلٌ مِنَ الَّذِيْنَ قَبْلَهٗ يَتَرَبَّصُوْنَ يَنْتَظِرُوْنَ بِكُمْ ۚ الدَّوَائِرَ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ ظَفَرٌ وَغَنِيْمَةٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا لَكُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ فِي الدِّيْنِ وَالْجِهَادِ فَاَعْطُوْنَا مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ لا مِّنَ الظَّفَرِ عَلَيْكُمْ قَالُوْٓا لَهُمْ اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ نَسْتَوْلِ عَلَيْكُمْ وَنَقْدِرْ عَلٰى اَخْذِكُمْ وَقَتْلِكُمْ فَاَبْقَيْنَا عَلَيْكُمْ وَاَلَمْ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ط اَنْ يَظْفَرُوْا بِكُمْ بِتَخْذِيْلِهِمْ وَمُرَاسِلَتِكُمْ بِاَخْبَارِهِمْ فَلَنَا عَلَيْكُمُ الْمِنَّةُ قَالَ تَعَالٰى

فَاللّٰهُ يَحۡكُمُ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ بِاَنۡ يُّدۡخِلَكُمُ الۡجَنَّةَ وَيُدۡخِلَهُمُ النَّارَ **وَلَنۡ يَّجۡعَلَ اللّٰهُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ سَبِيۡلًا ﴿۱۴۱﴾** طَرِيۡقًا بِالۡاِسۡتِيۡصَالِ

ع ۲۰ / ۷ / ۱۷

ترجمہ:.......... ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے ڈٹ جاؤ (جم جاؤ) گواہی دینے والے (حق کی) اللہ کے لئے ہو جاؤ اگر چہ (یہ گواہی) خود تمہیں اپنے خلاف (دینی پڑے تب بھی دو، حق کا اقرار کرو، اس کو چھپاؤ مت) یا اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف بھی دینی پڑے اگر کوئی شخص (جس کے خلاف گواہی دی جارہی ہے) مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ زیادہ تعلق رکھنے والے ہیں (بہ نسبت تمہارے اور ان کی مصالح سے زیادہ واقف ہیں) پس ہوائے نفس کی پیروی مت کرو (اپنی گواہی دینے میں کہ مالدار کی خوشامد میں لگ جاؤ یا غریب پر ترس آنے لگے تا کہ) تم انصاف سے باز (نہ) رہو (کہ حق سے ہٹ جاؤ) اگر تم گھما پھرا کر کہو گے (غلط بیانی سے اظہار دو گے اور ایک قرأت میں تخفیفاً پہلی واؤ کے حذف کے ساتھ ہے) یا پہلو تہی کرو گے (گواہی دینے میں) تو تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کی خبر رکھنے والے ہیں (لہٰذا وہ تم کو بدلہ دیں گے) مسلمانو! ایمان لاؤ (ایمان پر جمے رہو) اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو ان کے رسولؐ (محمدؐ) پر (قرآن) نازل فرمائی گئی ہے نیز ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل کی گئی تھیں (پیغمبروں پر، کتاب بمعنی کتب ہے اور ایک قرأت میں نزل اور انزل دونوں فعل معروف ہیں) اور جس کسی نے اللہ سے انکار کیا اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن پر اعتقاد نہ رکھا تو وہ بھٹک کر دور جا پڑا (حق سے) جو لوگ ایمان لائے (موسیٰ علیہ السلام سے) اور پھر برابر (آنحضرت ﷺ سے) کفر میں بڑھتے چلے گئے اللہ تعالیٰ انہیں بخشنے والے نہیں ہیں (جب تک یہ لوگ اس حالت پر برقرار رہیں گے) اور نہ انہیں راہ دکھلانے والے ہیں (سچائی کا راستہ) خوشخبری سنا دیجئے (خبر دے دیجئے اے محمدؐ) منافقین کو کہ بلاشبہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے (جو جہنم کی شکل میں تکلیف دہ ہوگا) جن کی حالت یہ ہے (کہ یہ منافقین سے بدل یا نعت ہے) کہ کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں مسلمانوں سے منہ موڑ کر (کیونکہ انہیں کفار کی قوت کا خیال ہے) تو کیا وہ چاہتے ہیں (تلاش کرتے ہیں) کہ ان کے پاس عزت ڈھونڈیں (استفہام انکاری ہے یعنی ان کے پاس عزت نہیں ملے گی) سو عزت جتنی بھی ہے سب کی سب اللہ ہی کے لئے ہے (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس کو اللہ والے ہی حاصل کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نازل فرما چکے ہیں (معروف اور مجہول دونوں طرح ہے) تمہارے لئے اپنی کتاب (قرآن سورۂ انعام کے تحت) یہ حکم (ان مخفف ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی انہ تقدیر عبارت ہے) کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں (قرآن) کے ساتھ کفر کیا جارہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جارہی ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو (یعنی کفر و استہزاء کرنے والوں کے پاس) جب تک کہ وہ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔ ورنہ اس وقت تم بھی (اگر تم ان کے ساتھ مجلس میں شریک رہے) ان ہی جیسے ہو جاؤ گے (گناہ میں) یقیناً اللہ تعالیٰ منافقین اور کفار سب کو جہنم میں جمع کر دیں گے (جیسے کہ دنیا میں کفر و استہزاء پر ان کو اکٹھا کر رکھا ہے) ان کا شیوہ ہے کہ (پہلے الذین سے بدل واقع ہورہا ہے) کہ وہ تمہاری حالت دیکھتے رہتے ہیں (تم پر افتاد پڑنے کے منتظر رہتے ہیں) پھر اگر تمہیں فتح (کامیابی اور غنیمت) ملتی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تو باتیں بنانے لگتے ہیں (تمہارے سامنے) کہ کیا ہم بھی تمہارے ساتھ نہ تھے؟ (مذہبی کاموں اور جہاد میں لہٰذا ہم کو بھی مال غنیمت دو) اور اگر کفار کو کچھ حصہ مل جاتا ہے (تمہارے مقابلہ میں فتح مندی کا) تو (ان سے جا کر) باتیں بنانے لگتے ہیں کہ کیا ہم غالب نہ آنے لگے تھے (چھانے لگے تھے) تم پر (اور تمہاری گرفتاری اور قتل پر دسترس حاصل کر چکے تھے لیکن پھر ہم نے تمہیں چھوڑ دیا) اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچا (نہیں) لیا (اس بات سے کہ وہ تمہارے مقابلہ میں کامیابی حاصل کر لیں اس طرح کہ ان کو رسوا کیا اور ان کی خبریں تم کو پہنچاتے رہے لہٰذا تم پر ہمارا احسان ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اللہ

تعالیٰ فیصلہ فرمادیں گے تمہارا (اور ان کا) قیامت میں (اس طرح کہ تم کو جنت میں اور انہیں جہنم میں داخل کردیں گے) اور اللہ تعالیٰ ہرگز ایسا نہیں کریں گے کہ کافر مسلمانوں کے خلاف کوئی راہ پاسکیں (مسلمانوں کو نیست و نابود کردینے کا انہیں کوئی گُر مل جائے)

تحقیق وترکیب: .... **ولو کانت الشهادة** لفظ شہادت کی تقدیر سے اشارہ ہے کہ آیت میں کان مع اسم محذوف اور لو کا جواب بھی محذوف ہے اور شہادت علی النفس کی صورت یہ ہے کہ کتمان حق کی بجائے اظہار حق کردے۔ **او الوالدین والاقربین** مقابلہ کی وجہ سے اول لفظ او استعمال کیا ہے اور ثانی میں عدم مقابلہ کی وجہ سے لفظ واو آیا ہے۔ والدین کے برخلاف گواہی دینا عقوق نہیں ہوگا کیونکہ شرعی حق کا احیاء ہے نیز والدین کے برخلاف گواہی تو معتبر ہوگی لیکن ایک دوسرے کی تائید اور مواقفت میں تہمت کی وجہ سے معتبر نہیں ہوگی۔ **اولیٰ بهما** لفظ او سے عطف کے باوجود ضمیر ثانیہ لانا بظاہر اشکال کا باعث ہے جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا غنی اور فقیر کی طرف ضمیر راجع نہیں ہے بلکہ جنس غنی اور فقیر کی طرف راجع ہے جن پر مذکورہ الفاظ ہی دال ہیں چنانچہ ابیؓ کی قرأت **اولیٰ بهم** اسی کی تائید کررہی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ضمیر تو اپنے حال پر ہے لیکن لفظ او فی الحقیقت مشہود لہ اور مشہود علیہ کی تقسیم کررہا ہے کہ چار حال سے خالی نہیں یا دونوں غنی ہوں گے یا دونوں فقیر یا اول غنی دوسرا فقیر یا اس کا برعکس اور تیسرا جواب یہ ہے کہ او بمعنی واو ہے **بسان تحابوا** یہ منفی کی تصویر ہے نہ کہ نفی کی۔

ل ان لاتعدلوا یہ عدول سے ماخوذ ہے۔ جلال مفسرؒ اس کو نہی پر محمول کررہے ہیں لیکن زمخشریؒ نے **لان تعدلوا او کراهية تعدلوا من الحق** کی تقدیر نکال کر منفی کی علت قرار دی ہے۔ **وان تلوا** جمہور کی قرأت پر اس کی اصل تلویون تھی یا کے ضمہ کو ماقابل یعنی واو کی طرف اس کی حرکت کو سلب کرنے کے بعد منتقل کردیا اس کے بعد سکون کی وجہ سے التقاء ساکنین ہوا اور یا گرگئی اور پھر نون رفع بھی جازم کی وجہ سے حذف ہوگیا۔ لیکن ایک قرأت میں ان تلوا ولایت سے بھی مشتق ہے ای **وان ولیتم اقامة الشهادة الخ** اور بقول تفسیر کبیر کسی چیز کی ولایت اس کی طرف متوجہ اور مشغول ہونے کے معنی میں ہے گویا حاصل یہ ہوگا کہ شہادت کی طرف متوجہ ہوجاؤ، اس کی تکمیل کرو یا اعراض۔ اللہ دانا اور بینا ہے۔ تلوا کے معنی ہیرا پھیری کرنے اور زبان موڑنے کے ہیں۔

فان الله جواب شرط تو محذوف ہے اور یہ دال بر جواب ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے **يعاقبكم علىٰ ذلك لان الله الخ.**

امنوا یعنی زبانی ایمان کی طرح قلبی ایمان کی دولت سے مشرف ہوجاؤ یا بعض چیزوں پر ایمان لانے کی طرح عام طور پر سب چیزوں پر ایمان لے آؤ۔ **نومن ببعض ونكفر ببعض** کا مصداق نہ بنو یا دوام ایمان اور بقاء ایمان کا مطالبہ مقصود ہے پھر مسلمانوں کو یہ خطاب ہے یا منافقین اور مرتدین کو یا اہل کتاب کو یہ سب اقوال ہیں غرضیکہ ان توجیہات کا منشاء یہ ہے کہ تحصیل حاصل کا اشکال نہ رہے کہ اہل ایمان کو ایمان لانے کی دعوت کیسے دی جارہی ہے۔

فی الفعلین یعنی نزل اور انزل دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ مجہول جیسا کہ متن جلالین میں ہے اور معروف **وهم اليهود** بعض کے نزدیک مخصوص مرتدین مراد ہیں اور ایسے مرتدین کی توبہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت علیؓ کے نزدیک ان کی توبہ مقبول نہیں بلکہ واجب القتل ہیں لیکن اکثر اہل علم قبول توبہ کے قائل ہیں۔ اور مجاہدؒ کی رائے ہے کہ **ثم ازدادوا** کے معنی **ماتوا علی الكفر** کے ہیں۔

لم یکن الله کان کی خبر محذوف ہے ای **مريدا ليغفر لهم** لیکن یہاں اشکال یہ ہے کہ شرک خواہ پہلی دفعہ ہو غیر مغفور ہوتا ہے پھر اس کہنے کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ اسلام لانے سے کفر سابق معاف ہوجاتا ہے لیکن دوبارہ پھر کفر اختیار کرلے تو کفر سابق ناقابل معافی ہوجاتا ہے۔ **بشر** اس کی تفسیر اخبر کے ساتھ اس طرف مشیر ہے کہ بشارت سے مراد مطلق اخبار ہے لیکن تہکما انذار کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں استعارہ تصریحیہ تبعیہ ہوجائے گا۔

الذین اس کو اگر منافقین سے نعت قرار دیا جائے تو صفت اور موصوف میں فصل ماننا پڑے گا اور یہ جائز ہے یا ندامت کے ارادہ سے محل نصب میں بناء بر تقدیر فعل کے یا محل رفع میں بناء بر تقدیر مبتداء کے ہوسکتا ہے۔

من دون یہ حال ہے یتخذون کے فاعل سے ای یتخذون الکفرۃ انصارًا متجاوزین فی اتخاذھم اتخاذ المؤمنین.

وقد نزل اس میں منافقین کو بطریق التفات خطاب ہے اور جملہ حال ہے۔ یتخذون کے فاعل سے مشرکین مکہ سے بھی جب اس قسم کی شکایت کی نوبت آئی تو سورۂ انعام کی آیت و اذا رایت الذین الخ نازل ہوئی لیکن مدینہ میں علماء یہود نے اس دنائت کا ثبوت دیا تو اس آیت میں تنبیہ کی جاتی ہے وقد نزل کو اگر مجہول پڑھا جائے تو ان اذا سمعتم نائب فاعل ہوجائے گا یکفر بھا یہ حال ہے اٰیٰت اللہ سے اور لفظ بھا اور یستھزء محل رفع ہیں فاعلیت کی وجہ سے اور اصل یکفر بھا احد تھی فاعل کو حذف کر کے جار مجرور کو قائم مقام کر دیا۔ مقصود تعمیم ہے اور ان دونوں لفظوں میں ضمیر مفرد لانا مرجع کے تثنیہ ہونے کے باوجود اس لئے ہے کفر اور استہزاء دونوں سے مراد ایک ہی چیز ہے اور فی حدیث غیرہٖ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اور حتی غایۃ نہی کے لئے ہے۔

مثلھم من کل الوجوہ تشبیہ مقصود نہیں کیونکہ کافرین کا خوض کرنا تو کفر ہے اور مسلمانوں کا شریک مجلس ہونا معصیت ہے الذین پہلے الذین سے بدل ہے یا منافقین کی صفت ہے یا منصوب علی الذم ہے الدوائر جمع ہے دائرۃ کی یعنی مصیبت و آفت جو سر پر منڈلاتی رہتی ہے۔

فتح مسلمانوں کے لئے فتح کا لفظ اور منافقین کیلئے نصیب کا لفظ لانے میں اول کی تعظیم اور دوسرے کی تحقیر کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ فی الحقیقت مسلمانوں کی کامیابی فتح کہلانے کی مستحق ہے اور کفار کا عروج تو چندے ہوتا ہے پھر زوال ہی زوال ہے۔

نستحوذ اس کے معنی تغلب اور استیلاء کے ہیں۔ استحوذ علیھم الشیطان حاذ اور احاذ دونوں ہم معنی ہیں مصدر حوذ ہے اس کا بغیر تعلیل استعمال فصیح ہے ورنہ استقام اور استبان کا قاعدہ جاری ہونا چاہئے تھا۔

فابقینا علیکم مختار میں ہے کہ ابقٰی علٰی فلان بولتے ہیں جبکہ کسی کے ساتھ مراعات و شفقت کی جائے۔

ان یظفروا یہ مؤمنین سے بدل اشتمال ہے ای لم نمنعکم من ظفر المؤمنین اور مراسلتکم کی تقدیر اس طرح ہے مراسلتنا لکم باخبارھم و افرارھم۔

بالاستیصال یہ عبارت اس شبہ کے دفعیہ کے لئے مفسر علامؒ نے بڑھائی ہے کہ بسا اوقات کفار و منافقین مسلمانوں کا قتل عام کرتے رہتے ہیں پھر یہ نفی کیسی؟ حاصل جواب یہ ہے کہ نفس قتل اور نقصان کی نفی مقصود نہیں بلکہ استیصال کی نفی ہے کہ دنیا سے مسلمانوں کو بالکل نیست و نابود کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکے۔

ربط:......... گذشتہ آیات میں مختلف معاملات کا بیان آیا ہے جن میں عدل و انصاف اور اظہار حق اور ادائے شہادت کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ بالخصوص یتامٰی اور مستورات کے گذشتہ احکام میں جس درجہ ان احکام کا تعلق ہے وہ ظاہر ہے گویا یہ آیات سابقہ احکام کی مکمل اور مؤکد ہیں۔

نیز پچھلی آیات میں زیادہ حصہ احکام فرعیہ کا گزرا ہے لیکن کہیں کہیں ایمان و کفر کے مباحث بھی درمیان میں آگئے تھے ان آیات میں ان ہی اصولی مباحث کی قدرے تفصیل سورت کے ختم تک چلی گئی ہے چنانچہ سب سے پہلے یاایھا الذین اٰمنوا میں شرعی ایمان کا ذکر ہے اس کے بعد ان الذین اٰمنوا سے کفار کے مختلف فرقوں کی مذمت عقائد کے لحاظ سے بھی اور اعمال کے لحاظ سے بھی جو در اصل فساد عقائد سے ناشی اور ان پر دال ہوتے ہیں مذکور ہے۔ اس کے بعد بشر المنافقین سے ختم پارہ تک منافقین کا ذکر چلا گیا ہے۔

شان نزول:............ ایک انصاری شخص مقیس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے والد پر ایک دینار کسی کا قرض ہے اور میں شاہد ہوں لیکن والد کے افلاس کی وجہ سے شہادت دیتے ہوئے ڈرتا ہوں؟ فرمایا کچھ بھی ہو شہادت سے رکنا نہیں چاہئے امیر ہو یا غریب اپنے نفس کے خلاف ہو یا والدین اور قرابت داروں کے خلاف اس آیۃ میں بھی فرمان نبوی ﷺ کی تائید ہو رہی ہے لیکن ابن جریرؒ نے سدیؒ سے تخریج کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک امیر اور ایک غریب آدمی جھگڑتے ہوئے آئے آپ ﷺ کا میلان خاطر بالطبع یہ سمجھتے ہوئے غریب کی طرف ہوا کہ غریب آدمی امیر پر کیا ظلم و زیادتی کرسکتا ہے؟ مگر آیت میں حق وانصاف کی طرف رجحان کو پسند کیا گیا ہے اس لئے آپ ﷺ رک گئے۔

﴿تشریح﴾:...... **اسلامی عدالتوں اور آجکل کی ظالمانہ عدالتوں کا فرق**:............ معاملات میں جب نزاعی اور اختلافی پہلو سامنے آتے ہیں تو فیصلہ کے وقت اظہار حق اور ادائیگی شہادت، عدل وانصاف کی ضرورت پیش آتی ہے اسلام اس سلسلہ میں پیشہ ورانہ عدالتی کاروائیوں، وکیلانہ فنی مہارتوں، کورٹ و مجسٹریٹ اور جیوری کے چکروں کا قائل نہیں ہے جس میں حق و انصاف کا تو خون ہوتا ہے اور روپیہ اور وقت کی بے دریغ قربانی کر کے انسان ظلم و جور کا شکار ہو جاتا ہے۔ آجکل کی مہذب دنیا نے عدل وانصاف کی جس قدر و قیمت وصول کی اسلام اسے نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے آج عدلیہ کے نام پر جتنا خرچ ہو رہا ہے وہ ہمارے اخلاق کا نہایت گھناؤنا اور قابل نفرت رخ ہے۔

اسلام نہ صرف یہ کہ عدل وانصاف کو مفت اور عام کرنا چاہتا ہے بلکہ اس میں عبادت اور بندگی کا رنگ بھرنا چاہتا ہے عدلیہ کے تمام پہلوؤں پر اسلام کی بھرپور نظر ہے اس آیت میں خود اپنے اور والدین واقارب کے خلاف اقرار وشہادت کی مشروعیت اور جواز پر روشنی پڑ رہی ہے بلکہ والدین یا خاوند بیوی، غلام وآقا کے مابین اگر گواہی ایک دوسرے کے مفاد اور موافقت میں ہے تو اس کی اجازت نہیں ہے کیونکہ مشترک مفاد کی وجہ سے شہادت متہم ہوگئی، البتہ جہاں مفاد کا اشتراک نہ ہو جیسے بھائی بھائی یا بہن بھائی، ان میں موافق اور مخالفت دونوں قسم کی گواہیاں جائز ہوں گی۔ نیز آیت سے شہادت عادلہ کا واجب اور شہادت زور، جھوٹی گواہی کا حرام ہونا معلوم ہوتا ہے بلکہ جھوٹی گواہی پر اگر فیصلہ ہو بھی جائے تو فیصلہ تو نافذ ہو جائے گا لیکن حنفیہ کے نزدیک تاوان گواہوں پر لازم ہوگا اس میں امام شافعیؒ کا خلاف ہے نیز شہادت صرف اللہ کے لئے ہونی چاہئے اس میں ریاء وسمع اور لالچ کو بالکل دخل نہیں ہونا چاہیئے۔ اس سے شریک تجارت کی گواہی مال شریک میں یا اجیر کی گواہی مستاجر کے حق میں یا شاگرد کی گواہی استاد کے حق میں، باپ کی گواہی اولاد کے حق میں ناجائز معلوم ہوتی ہے۔

ارتداد کفر سے بھی زیادہ جرم ہے اس لئے اس کی سزا بھی بڑھی ہوئی ہونی چاہیئے:......... ان الـذیـن امنوا الخ کا حکم عام ہے ارتداد خواہ پہلی بار ہو یا دوسری تیسری بار سب کا ایک ہی حکم ہے کہ اس پر قائم رہنے سے جنت ومغفرت سے محرومی رہے گی۔ آیت میں ارتداد ثانی کی قید اتفاقی ہے کہ اس وقت ایسے ہی واقعہ ہوا تھا۔ اس قید عنوانی کو احترازی نہیں سمجھنا چاہیئے۔ منافقین کو جو دھمکی دی گئی ہے اس کی دنیاوی سزا کا رخ جلد ہی دنیا کے سامنے آ گیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں وہ ذلت وخواری نصیب ہوئی جس کا انہیں کبھی تصور بھی نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے کفار کا ساتھ اس توقع پر دیا کہ انہیں اس درجہ خلاف امید انقلاب کی توقع ہرگز نہ تھی باطل پرست لوگوں کی مجالست اگر ان کی کفریات پر رضامندی کے ساتھ ہے تب تو کفر ہے اور اگر کراہت کے ساتھ ہے مگر بلا عذر تو باعث فسق ہے۔ تیسرے دنیاوی ضرورت کے تحت سو وہ مباح ہے۔ چوتھے اضطرار و مجبوری کے ساتھ ہو تو معذوری ہے۔ پانچویں تبلیغ احکام کے لئے ہے تو عبادت ہے۔

الاسلام یعلی و لایُعلیٰ:............ آیت لن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلا کے معنی اگر ابن عباسؓ کی رائے کے مطابق یہ ہوں کہ کفار کو دنیاوی لحاظ سے مسلمانوں پر کبھی غلبہ حجت حاصل نہیں ہوسکے گا تو اس آیت سے متعدد مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں مثلاً مسلمان کے خلاف کافر کی گواہی کا معتبر نہ ہونا، مسلمان کی میراث یا اس کے نکاح کی ولایت کا کافر کو نہ ملنا، یا بقول قاضی بیضاویؒ کافر کے لئے مسلمان کی خریداری کا فاسد ہونا۔ امام شافعیؒ کے مذاق پر استیلاء کافر کی وجہ سے مال مسلم کا مالک نہ ہونا ثابت ہوتا ہے غرضکہ آیت سے بعض احکام حنفیہؒ کے موافق اور بعض شوافعؒ کی تائید میں نکلتے ہیں لیکن بہر صورت ایک مسلمان کے مقابلہ میں کافر کا غلبہ پسند نہیں کیا گیا حتیٰ کہ شہادت جوادنیٰ درجہ کی چیز ہے جب اس کا غلبہ پسند نہیں تو حکومت وسلطنت کا غلبہ کیسے گوارا ہوسکتا ہے؟

لیکن اگر غلبۂ اُخروی مراد ہو جیسا کہ حضرت علیؓ کی رائے ہے تو وہ بلا خلاف صحیح ہے۔ باقی دنیاوی شوکت و غلبہ اگر کبھی کفار کو مسلمانوں پر تکوینی طور پر ہوجائے تو وہ اس کے منافی نہیں اور باعث اشکال نہیں ہونا چاہیئے۔ البتہ فیصلہ فرمانا اگرچہ اختلاف کی صورت میں ہوتا ہے اور نفاق کی وجہ سے اس کی نوبت منافقین بہت ہی کم آنے دیتے تھے تاہم عقائد ونظریات تو مختلف تھے ہی اور وہ اپنے مسلک کو معقول سمجھتے ہوئے اس لئے نازاں تھے کہ ہمیں اس کی بدولت دنیا میں بھی امن وچین ہے اور عاقبت میں بھی عافیت رہے گی اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ دلائل کے لحاظ سے دنیاوی غلبہ تو مسلمانوں کو حاصل ہے لیکن آخرت میں عملاً غلبہ بھی انشاء اللہ مسلمانوں کو حاصل رہے گا۔ جس کی طرف مفسر علامؒ دخول جنت وجہنم کہہ کر اشارہ کررہے ہیں۔

لطائف آیات:............ کونوا قوامین آیت کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی غلطی کے اعتراف اور قبول حق میں کسی وقت بھی تامل واستنکاف نہیں ہونا چاہئے اگرچہ اپنے سے کم رتبہ شخص کے سامنے ہو۔ تاویل وتلبیس سے کام نہ لے کہ اس کا منشاء کبر ہوتا ہے۔

ان یکن غنیًا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ناحق غریب پر امیر کو ترجیح نہیں دینی چاہئے اسی طرح غریب کو بلا وجہ امیر پر بھی ترجیح نہیں دینی چاہئے کیونکہ بعض دفعہ امیر متواضع اور متبع حق ہوتے ہیں اور بہت سے فقیر متکبر اور پرستار باطل ہوتے ہیں غرضکہ مدار کسی کی غریبی یا امیری پر نہیں ہونا چاہئے بلکہ اصل نظر عدل وانصاف پر رہنی چاہیئے۔

یآیھا الذین اٰمنوا اٰمنوا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مراتب ایمان وایقان غیر متناہی اور بے شمار ہوتے ہیں سالک کو کسی حد پر قانع نہیں ہونا چاہیئے۔

ان الذین اٰمنوا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صدق واخلاص کے ساتھ مرتدین ایمان لانا چاہیں تو اس کی مقبولیت اس آیت کے منافی نہیں ہے بلکہ منشاء صرف یہ ہے کہ کفر پر اصرار کرنے سے عادۃً قلب مسخ ہوجاتا ہے جس کے نتیجہ میں توفیق ایمان بھی سلب ہوجاتی ہے اور وہ جنت ومغفرت سے بھی محروم رہتا ہے یہی حال اس شخص کا جو طریق کو بار بار اختیار کرکے چھوڑ دے کیونکہ اس طرح ملعبہ بنانے کا نتیجہ خذلان وحرمان ہوتا ہے۔ اللھم اعذنا من الحور بعد الکور۔ ایبتغون عندھم العزۃ طلب جاہ کی مذمت آیت سے واضح ہے فلا تقعدوا سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالف طریق کے ساتھ مجالست نہیں کرنی چاہئے بالخصوص جب کہ وہ طریق کی مخالفت کا اظہار بھی کرتا ہو۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ بِاِظْهَارِهِمْ خِلَافَ مَا اَبْطَنُوْهُ مِنَ الْكُفْرِ لِيَدْفَعُوْا عَنْهُمْ اَحْكَامَهُ الدُّنْيَوِيَّةَ **وَهُوَ خَادِعُهُمْ** ج مُجَازِيْهِمْ عَلٰى خِدَاعِهِمْ فَيَفْتَضِحُوْنَ فِى الدُّنْيَا بِاِطِّلَاعِ اللّٰهِ نَبِيَّهٗ عَلٰى مَا اَبْطَنُوْهُ وَيُعَاقَبُوْنَ فِى الْاٰخِرَةِ **وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ** مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ **قَامُوْا كُسَالٰى** لا مُتَثَاقِلِيْنَ **يُرَآءُوْنَ النَّاسَ** بِصَلَاتِهِمْ **وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ** يُصَلُّوْنَ **اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾** رِيَاءً **مُّذَبْذَبِيْنَ** مُتَرَدِّدِيْنَ **بَيْنَ ذٰلِكَ** ق الْكُفْرِ وَالْاِيْمَانِ **لَآ** مَنْسُوْبِيْنَ **اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ** اَىِ الْكُفَّارِ **وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ** ط اَىِ الْمُؤْمِنِيْنَ **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾** اِلَى الْهُدٰى **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ** ط **اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ** بِمُوَالَاتِهِمْ **سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾** بُرْهَانًا بَيِّنًا عَلٰى نِفَاقِكُمْ **اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ** الْمَكَانِ **الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ** ج وَهُوَ قَعْرُهَا **وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾** مَانِعًا مِنَ الْعَذَابِ **اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا** مِنَ النِّفَاقِ **وَاَصْلَحُوْا** عَمَلَهُمْ **وَاعْتَصَمُوْا** وَثَقُوْا **بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ** مِنَ الرِّيَاءِ **فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ** ط فِيْمَا يُؤْتَوْنَهٗ **وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾** فِى الْاٰخِرَةِ هُوَ الْجَنَّةُ **مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ** نِعْمَهٗ **وَاٰمَنْتُمْ** ط بِهٖ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْىِ اَىْ لَا يُعَذِّبُكُمْ **وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا** لِاَعْمَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْاِثَابَةِ **عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾** بِخَلْقِهٖ ۔

ترجمہ:........ بلاشبہ منافق اللہ سے چال بازی کر رہے ہیں (جو کفر دلوں میں چھپا رکھا ہے اس کے برخلاف ظاہر کر کے تا کہ کفر کے دنیاوی احکام سے وہ بچے رہیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ انہیں دھوکہ دے رہے ہیں (اس چالبازی کی ان کو سزا دینے والے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی چھپی ہوئی باتوں پر اپنے نبی کو مطلع فرما کر دنیا ہی میں ان کو رسوا کریں گے اور آخرت میں تو سزا ملے گی) اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں (مسلمانوں کے ساتھ) تو بہت ہی تھکے ہارے جی سے کھڑے ہوتے ہیں (پوری کاہلی کے ساتھ) محض لوگوں کو دکھانے کے لئے (اپنی نمازیں) پڑھتے ہیں اور اللہ کا نام نہیں لیتے (نماز نہیں پڑھتے) مگر برائے نام (دکھاوے کے لئے) ڈانوا ڈول (متردد) ہو رہے ہیں۔ اس (کفر وایمان کے درمیان) نہ تو ادھر ہی کفار کی طرف (منسوب) ہیں اور نہ ادھر (مؤمنین کی طرف) ہیں اور جس پر اللہ ہی راہ گم کر دیں تو پھر ممکن نہیں کہ تم اس کے لئے کوئی راہ نکال سکو (ہدایت کی طرف) مسلمانو! ایسا نہ کرو کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق ومددگار بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنے اوپر لے لو (ان سے دوستی کر کے) اللہ تعالیٰ کا صریح الزام (اپنے نفاق پر کھلی دلیل) بلاشبہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے (تلی کے) حصہ (درجہ) میں جھونکے جائیں گے اور کسی کو بھی تم ان کا مددگار ورفیق نہیں پاؤ گے (کہ ان کو عذاب سے بچالے) ہاں جن لوگوں نے توبہ کر لی (اپنی دورنگی چال سے) اور سنوار لی (اپنی عملی حالت) اور تھام لیا (مضبوط پکڑ لیا) اللہ تعالیٰ کو اور اپنے دین۔ کو اللہ ہی کے لئے خاص کر لیا (ریاء سے) تو ایسے لوگ مؤمنوں کی صف میں ہوں گے (اپنی کارروائی کے لحاظ سے) اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو بہت ہی بڑا اجر عطا فرمائیں گے (آخرت میں یعنی جنت) اللہ تعالیٰ کو تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے اگر تم (اس کی نعمت) کا شکر کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے (استفہام بمعنی نفی کے ہے یعنی ایسی حالت میں وہ تم کو عذاب نہیں دے سکتے) اللہ تعالیٰ تو بڑے قدردان ہیں (مسلمانوں کے اعمال کا ثواب عطاء کر کے) اور خوب واقف ہیں (اپنی مخلوق سے)

تحقیق وترکیب:......... کسالی اس کی تفسیر متثاقلین کے ساتھ کی ظاہر ہے سستی اور کاہلی میں طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے۔
یرآؤن رأیۃ باب مفاعلۃ بمعنی تفعیل جیسے نعم اور ناعم اور یا مفاعلہ مقابلہ کے لئے ہے لایذکرون چونکہ نماز میں ذکر بھی ہوتا ہے اس لئے تسمیۃ الکل باسم الجز کے طور پر جزء کی نفی سے کل کی نفی مقصود ہوگی۔ یعنی نماز میں اکثر غائب ہی ہوتے ہیں اور یا مبالغۃً نماز کی نفی کرنی ہے کہ جن کو ذکر اللہ تک دوبھر ہے وہ نماز کے پاس تو کیسے جائیں گے۔

ریاء بطور مفعول لہ ہے یعنی سامنے تو مجبوراً دکھاوے کی گنڈے دار نماز پڑھ لیتے ہیں لیکن مسلمانوں سے کیا غائب ہوتے ہیں کہ نماز ہی سے غائب ہو جاتے ہیں اسی لئے ریاء کاری کی نماز کو قلیل کہا گیا کہ برائے نام ہی نماز ہے اور بقول ابن عباسؓ اگر بوجہ اللہ اخلاص سے نماز پڑھتے تو یہ قلیل ہی کثیر ہو جاتی اور بیان نفاق کے بعد ان کی منافقانہ نمازوں کا تذکرہ دراصل ان کے بارے میں دعویٰ نفاق کا ثبوت خارجی ہے۔

مذبذبین قاموس میں ہے کہ رجل مذبذب بولتے ہیں یعنی متردد بین امرین ذبذبہ میں معنی تکرار کے ہیں جو لفظ ذب میں نہیں یعنی دونوں جانبوں سے بعید ہونا کہ نہ ادھر کا ہو اور نہ ادھر کا رہے یہ منصوب علی الذم ہے۔

لا الی ھؤلاء جلال مفسرؒ نے متعلق لا کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے یا لفظ صائرون عامل محذوف ہے اسی طرح لفظ بین کی اضافت متعدد کی طرف ہوتی ہے الدرک لفظ درک اور درج دونوں کے معنی طبقہ اور درجہ کے ہیں اول میں ہبوط و نزول، دوسرے میں صعود و عروج، جہنم کے سات طبقوں میں سب سے نچلا طبقہ درک اور ہاویہ کہلاتا ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ تمام درجات متدارک اور متتابع ہوتے ہیں یعنی اوپر تلے چونکہ منافق دنیا میں مامون رہ کر کافر کے مقابلہ میں خود کو زیادہ کامیاب دکھلاتا ہے اور یا اس لئے کہ کفر کے ساتھ اسلام سے عملاً استہزاء کرتا ہے اس لئے سب سے زیادہ سخت عذاب کا مستحق سمجھا گیا۔ بہر حال آیت اپنی حقیقت پر محمول ہے جہنم کا کئی منزلہ ہونا باعث استبعاد نہیں۔

الا الذین میں استثناء ہے لن تجدلھم کی ضمیر مجرور سے اور یا تائبین اسم منصوب سے اس میں صفت مقابلہ ہے چنانچہ توبہ ایمان کے مقابلہ میں اور اصلاح ان کے افساد کے مقابلہ میں اور اعتصام بمعنی وثوق مقابل ہے اتخاذ اولیاء کے اور اخلاص مقابل ہے ریاء کے اور مؤمنین کی معیت مقابل ہے درک سفل کے۔ نیز فی الدرک الاسفل سے منافقین کے لئے دو حکم معلوم ہوئے ایک کفار کے ساتھ ان کا جہنم میں اجتماع کیونکہ نار کا اطلاق مجموعہ پر ہوتا ہے۔ دوسرے منافقین کا خاص نچلے درجہ میں ہونا اور تائبین کی معیت مؤمنین کے ساتھ درجات جنت میں مراد ہے۔

یؤت اللہ یہ لفظ مرفوع ہے لیکن التقاء ساکنین سے گر جانے کی وجہ سے یا کے ساتھ لکھا نہیں جاتا گویا رسم الخط تلفظ کے تابع ہے۔
مایفعل اللہ ما استفہامیہ بمعنی نفی محل نصب میں ہے یفعل کی وجہ سے۔ صدارت کلام کی وجہ سے اس کو مقدم کیا گیا ہے اس صورت میں با سببیہ اور یفعل سے متعلق ہے۔ ای ان اللہ لایفعل بعذا بکم شیئا اور یا ما نافیہ ہے اور با زائدہ ای لایعذبکم اللہ ان شکرتم چونکہ شکر کا استحسان عقلی بہ نسبت ایمان کے زیادہ ظاہر ہے نیز حسی نعمت کا شکر یہ ہی داعی ایمان بنتا ہے اس لئے ایمان کے ساتھ شکر کا اضافہ کیا گیا اور شکر کو مقدم ذکر کیا گیا ورنہ صرف ایمان پر اکتفاء ہو سکتا تھا یا تاخیر کافی تھی گویا شکر ہی مدار ایمان ہے۔ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔
وامنتم خاص کا عطف عام پر یا مسبب کا عطف سبب پر ہے کیونکہ شکر ہی سبب ایمان بنتا ہے۔

ربط:......... آیت ان المنفقین میں سابقہ آیات کی طرح منافقین کے قبائح کا ذکر ہے۔ آیت یایھا الذین الخ میں سابق

آیت وقد نزل علیکم کے مضمون کا تتمہ ہے کہ کفار سے خصوصیت اور تعلق دوستی نہ رکھو۔ اس طرح گویا چھبیسواں (۲۶) حکم ہے۔ پھر آیت ان المنٰفقین فی الدرک الخ سے صراحۃً منافقین کی مخصوص سزا کا بیان ہے اور چونکہ سزا کا بیان سلیم الطبع انسان سن کر خوف زدہ اور تائب ہوسکتا ہے اس لئے سزا سے ان کا استثناء بیان کرتے ہوئے ان کی جزائے نیک کا بیان ہے۔

﴿تشریح﴾:...... **کسل اعتقادی مذموم ہے کسلِ طبعی قابل ملامت نہیں:**........... نماز میں منافقین کے کسل سے مراد کسل اعتقادی ہے جو مذموم ہے لیکن اعتقاد صحیح کے باوجود اگر کسل ہو تو وہ اس میں داخل نہیں ہے بلکہ اگر کسل طبعی بیماری یا تعب یا نیند کے غلبہ وغیرہ کسی عذر سے ہو تو اس میں ادنیٰ قباحت بھی نہیں البتہ بلا عذر ہو تو قابل ملامت ہے تو بہ کے ساتھ اصلاح واعتصام اور اخلاص سے مراد اگر ایسی چیزیں ہوں جن کا مفہوم ایمان ہو تو یہ قیدیں نفس معیت یعنی نجات کی موقوف علیہ ہوں گی اور اگر ان قیود کی تفسیر وہ جو مفسر علامؒ نے اختیار کی ہے تو پھر یہ قید کمال معیت کے لئے ہوں گی جن کی خلاف ورزی گناہ ہوگی جو نقصان معیت کا باعث ہوتی ہے۔

لطائف آیت:........... واذا قاموا الی الصلوٰۃ ریاء کے ساتھ کسل کو مقید کرنا بتلا رہا ہے کہ کسل اعتقادی مراد ہے لیکن کسل طبعی وہ اس سے خارج ہے اس پر ملامت نہیں ہے۔ پس جو سالکین ناواقفیت سے دونوں میں فرق نہیں کرتے وہ خواہ مخواہ مشوش رہتے ہیں۔

﴿الحمدللہ پارۂ والمحصنٰت کی شرح ختم ہوئی﴾